WWW.PAKSOCIETY.COM
طائر لاہوتی
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
رفعت سراج
READING SECTION
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
READING
Section
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY
PAKSOCIETY

ملنے کے پتے

مکتبہ رحمانیہ اقرأ سنٹر اردو بازار لاہور 7355743
مکتبۃ العلم 18 اردو بازار لاہور 7211788
اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ لاہور 7223506
مشتاق بک کارنر لاہور 7230350
علم و عرفان پبلی کیشنز لاہور 7232336
منیر برادرز، مین بازار جہلم، سعید بک بنک اسلام آباد
احمد بک کارپوریشن، اقبال روڈ، راولپنڈی
گلشن بک ڈپو اردو بازار، سیالکوٹ
چوہدری بک ڈپو، مین بازار مریدکے عثمان بک ڈپو لالہ موسیٰ
ضیاء القرآن پبلشرز، گنج بخش روڈ، لاہور
کتاب گھر، علامہ اقبال روڈ، راولپنڈی
نیو الیاس کتب محل کچہری بازار، گوجرانوالہ
ادریس کتاب محل، مین بازار، منڈی بہاؤ الدین [illegible]
مہر بک سنٹر جی ٹی روڈ سرائے عالمگیر 653057
چغتائی بک ڈپو ڈڈیال آزاد کشمیر اتفاق بک ڈپو بھلوال
کوالٹی ڈپارٹمنٹل سٹور، کالج روڈ بورے والا 3355889
شاہین بک ہاؤس منڈی بہاؤ الدین
بخارا سنٹر قصہ خوانی بازار، پشاور، بلال بک ڈپو گجرات
افضل کتاب گھر میرپور آزاد کشمیر
مسٹر بکس سپر مارکیٹ اسلام آباد S-2278843
جہانگیر بک ڈپو لاہور 042-7220897
سعد پبلی کیشنز فرسٹ فلور میاں مارکیٹ لاہور 7122943
مسلم بک لینڈ، بینک روڈ مظفر آباد 058810-44021
یونائیٹڈ بک ہاؤس کچہری روڈ منڈی بہاؤ الدین
نیو وہاڑی کتاب گھر جناح روڈ وہاڑی 62310
اکبری نیوز ایجنسی گول چوک اوکاڑہ
شاہد بک ایجنسی محلہ چوہدری پارک ڈیرہ ٹیک سنگھ
آزاد برادرز تحصیل بازار جہلم فضلی سنز اردو بازار کراچی
کھوکھر بک سٹال مسلم بازار، گجرات
مکتبہ رشیدیہ چکوال شیر ربانی کتب خانہ وہاڑی
مشتاق بک ڈپو گوجرانوالہ شاہین بک ڈپو وہاڑی
بلال کاپی ہاؤس لیاقت روڈ میلسی چنیوٹ 662650
میاں تبسم مین بازار جہلم 0544-621126
دار الادب [illegible] روڈ میلسی الرحمت سٹیشنری [illegible]

اشرف بک ایجنسی، کمیٹی چوک، راولپنڈی
شمع بک ایجنسی فیصل آباد رضا لائبریری شاہکوٹ
ہاشمی برادرز کتب و رسائل گوردت سنگھ روڈ، کوئٹہ
الیاس بک ڈپو جلال پور جٹاں، کاروان بک سنٹر بہاولپور
الاخوان القادری، منڈی کارنر اندرون بوہڑ گیٹ ملتان
اسلامی کتب خانہ حافظ آباد، خان بک ڈپو حافظ آباد
نظامی کتب خانہ پاکپتن شریف، شکیل بک ڈپو سندری
خالد کتاب محل اگوکی، سیالکوٹ روڈ
لاثانی لائبریری ربوہ، زمان لائبریری ربوہ
سلیمی بک ڈپو، احمد پور شرقیہ، جالندھر بک ڈپو ڈسکہ
بک ٹاؤن F-10 مرکز اسلام آباد 229964
پاکستان بک ڈپو مین بازار جلال پور جٹاں
کارنر سٹیشنری مارٹ مین بازار کھاریاں 510274
کتاب نگر حسن آرکیڈ ملتان کینٹ 061-510444
صابر بک سٹال نسبت روڈ لاہور 7230780
کارواں بک سنٹر، ملتان کینٹ، مرزا بک ایجنسی شیخوپورہ
گل قریشی پبلی کیشنز، لاہور 7320318
شمس بک ہاؤس لاہور، عثمان بک ڈپو لالہ موسیٰ
عزیز سٹیشنری مارٹ مین بازار کھاریاں
کتاب سرائے، الحمد مارکیٹ اردو بازار لاہور
سلطان بک پیلس گجرات، پنجاب بک ڈپو سرکلر روڈ گجرات
حافظ بک ایجنسی اقبال روڈ سیالکوٹ، کوثر بک ڈپو لالہ موسیٰ
وارث سنز بک ڈپو صرافہ بازار پنڈ دادن خان
مکتبہ الحسن لالہ موسیٰ، مکتبہ دار الاحسان لالہ موسیٰ
کارواں بک سنٹر بہاولپور کمال بک ڈپو کمیٹی چوک گجرات
مکتبہ کشمیر لالہ موسیٰ اشفاق بک ڈپو بھمبر روڈ گجرات
رائل بک سنٹر چوک نواب گجرات، سیر سٹیشنرز لالہ موسیٰ
علی سٹیشنرز بک سیلرز لالہ موسیٰ، جہانگیر بک ڈپو کراچی
الشہاب بک سٹال ماناوالہ، الشمع جلال پور جٹاں
خالد بک سٹال گجرات شائق برادرز جہلم
فرینڈز بک ڈپو گجرات مہر بک سٹال گجرات
نادرا بک سنٹر ہال روڈ الحسن لائبریری گوجرانوالہ
کشمیر بک ڈپو چیچہ وطنی ڈھاکہ پبلی کیشنز محمد مارکیٹ
سیونتھ سکائے الحمد مارکیٹ کوثر بک ڈپو لالہ موسیٰ

مو بائل [illegible]

طائر لاہوتی

رفعت سراج

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اردو بازار - لاہور 7314169

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

(اقبالؒ)

(پیش لفظ)

اللہ کے نام پر...... آپ کے بچوں کو دعا دوں گا۔

میری مدد کیجئے ..... اللہ بہت دے گا۔ دو دن سے کھانا نہیں کھایا۔

اے بی بی..... تیرے بچے خوش رہیں۔۔ اللہ کے نام پر دے جا......

کتنے مانوس جملے ہیں جو کم و بیش ہر کوئی روزانہ ہی سنتا ہے...... نظر اٹھا کر دیکھو تو سالم، پورے، صحت مند...... مگر ہاتھ پھیلا ہوا...... ۔

بعض اوقات پیچھے سے آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ شرم کر بنا کٹا ہو کر ہاتھ پھیلا رہا ہے......

رہنے دیں۔۔ پیسے مانگ کر ہیروئن پیے گا......

چل بھاگ ادھر سے محنت مزدوری نہیں ہوتی بے غیرت کو شرم نہیں آتی

زندگی کا سفر یہاں تک کٹتے کٹتے یہ سب کچھ سنا...... پھر سوچا۔۔ ۔

جس نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا...... اس کے پاس رہ ہی کیا گیا...... وہ تو اندر سے بھی خالی باہر سے بھی خالی۔

اس سے زیادہ کمزور و ناتواں و معذور کون ہوگا۔ جو اصول خودی کا سکہ رائج الوقت ہاتھ میں لئے دو لقمے خریدنے نکلا ہے۔

ان پیشہ ور بھکاریوں کو بڑی لعن طعن کا سامنا کرنا پڑتا ہے...... جگہ جگہ دھتکارے جاتے ہیں۔... سوچنے والوں ذرا یہ بھی سوچو کیا صرف یہی گروہ لعن طعن کا مستحق ہے؟

بیت المال سے عیاشیاں کرنے والے کیا بھکاری نہیں۔؟

محنت کشوں کا حق ڈنڈی مار کر دینے والے اور ان کے حق کے مارے ہوئے پیسوں سے اپنا اکاؤنٹ بڑھانے والے سرمایہ دار کیا بھکاری نہیں ان کا اپنا کیا کم ہوتا ہے جو غریب مفلس لوگوں کے بھی دس پانچ روکنے کے چکر میں ہوتے ہیں؟ گورنمنٹ کے ٹھیکیدار کیا اسی اجرت میں کام کر کے دیتے ہیں جو ٹینڈر منظور ہوتے وقت ان کا حصہ ہوتی ہے؟

اختیارات کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے افسران کیا اپنی مراعات و موٹی تنخواہ میں عوام کی خدمت کر رہے ہیں؟

اس ملک میں مفلس کو چھت میسر نہیں اور زکوۃ فنڈ سے کاریں خریدی جاتی ہیں۔ اس شخص کا دین مذہب کیا ہے جو لگژری کوٹھی میں رہتے ہوئے زکوۃ فنڈ سے لمبے لمبے ہاتھ کر کے استفادہ کر رہا ہے......؟

یہ وطن عزیز پاکستان ہمارا مشترکہ سرمایہ ہے یا لوٹ کا مال ہے؟

بیت المال میں لوٹ مار۔ زکوۃ فنڈ میں لوٹ مار، قومی خزانے میں لوٹ مار یہ سرزمین پاک ہے یا حشر کا میدان
یا نفسا نفسی کا شو۔ اتنا بے اعتبار اتنا بے یقین مسلمان؟!!!
مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو (حدیث نبوی ﷺ)
مومن اپنا حق چھوڑتا نہیں دوسرے کا حق چھینتا نہیں (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)
یہی دو جملے ذہن میں بٹھا کر اس ملک میں اسلام کو ڈھونڈیے...... آہ
یہ تصویر بنائی تھی مصور پاکستان نے......؟ سو شرم تم کو مگر نہیں آتی
اقبال ڈے مناتے ہیں..... اس طرح کہ کل 9 نومبر ہے شکر خدا کا ایک چھٹی کا دن اور ملا...... دیر تک سوئیں
گے۔ کیبل پر فلمیں دیکھیں گے...... اقبال ڈے منائیں گے کون سوچے گا کب سوچے گا......؟
کیا انقلاب فرانس، انقلاب روس جیسے کسی انقلاب کی منتظر ہے یہ قوم؟
اجتماعی شعور کس طرح بیدار ہوگا؟
ہر انسان دوسرے کو اپنی جگہ کب رکھ کر سوچے گا؟
بڑے بڑے تجارتی صنعتی منصوبے ڈیم پراجیکٹ...... آلودگی کے خلاف مہمیں.....
قوم کو تو اس قابل بناؤ کہ وہ میسر نعمتوں کا صحیح استعمال سیکھے
کفران نعمت زوال نعمت کا سبب ہوتا ہے۔
صرف 23 سال یہ قوم پورے پاکستان میں رہی...... آدھا بھی سنبھالا نہیں جا رہا
حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سوال کیا گیا اگر انسان کی قیمت طے کی جائے تو پیمانہ کیا ہوگا؟
ارشاد ہوا "احساس ذمہ داری" (Sense of Duty)
چلئے اپنی قوم کے قیمتی انسان گننے کی کوشش کرتے ہیں یہ کوئی مشکل کام نہیں انگلی پر گن سکتے ہیں......
طائر لاہوتی ایک ناول ہے معاشرتی کہانی ہے...... یہ پیش لفظ اس کا آئینہ ہے...... ہر قسم کے انسانی جذبات و
احساسات کے موتی پروئے گئے تو یہ مالا بنی

گر قبول افتد زہے عز و شرف

آپ کی

رفعت

"میں مظہر کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ یہ بہت آہستہ بائیک چلاتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے میں بائیک سے اتر کر پیدل
چلنے لگوں" ریحان نے بولنا کہ پیچ کے ساتھ انکار کیا۔
"تو بجلی کا پنجرہ میں چلی جاؤ۔ جمن سینٹر کی چھت پر اتر سکتا ہے"
مظہر نے بھی جل کر جواب دیا۔
"ایدھی والوں کی ایمبولینس ایئر سروس ہے نا ں۔ کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ لو پرابلم"
اظہار نے بڑے سکون سے حصہ لیا۔
"دیکھ رہی ہیں بڑی اماں ان دونوں کو"۔
ریحان نے پھر زہر احتجاج کیا۔
دیکھ رہی ہوں دونوں کو بھی اور تمہیں بھی۔ بڑی اماں نے دور بیٹھے چڑ کر کہا۔
"میں ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں جاؤں گا" وہ اسی ہٹ دھرمی کے ساتھ گویا ہوئی "پھر بڑی آؤں گا جاؤں
گا۔ دن جانے ہیں کہ گھر بس جائے گا۔ وہاں بھی زینی بولے گی کہ آج اتوار ہے میں میکے جاؤں گا"۔ بدذات کب ٹھیک ہوئی تھی یہ
بولی؟" بڑی اماں آگ بگولہ ہو کر گویا ہوئیں۔
کتنا مزا آئے گا۔ جب یہ کہے گی شش "میکے" جاؤں گا اور دولہا بھائی کہیں گے میں سسرال جاؤں گا۔ آ ہا ہا" مظہر دل
کھول کر ہنسا۔
"کون سے دولہا بھائی۔ کس کے دولہا بھائی۔ خبردار جو کسی نے میری شادی کی بات کی"۔
"بڑی اماں ایسا ہی ہے اس لیے یہ بات لے کر جانے گی۔ اس کا دولہا میکے جایا کرے گا۔ اتوار کے اتوار اس لیے بے
چاری کی سمجھ میں بات نہیں آ رہی۔ الجھ رہی ہے۔ برتھنگ دہراتے"۔
اظہر نے شیو بنانے کے دوران وقفہ لیا۔

بڑی اماں اب کسی اور دھیان میں اگالدان میں پیک تھوک رہی تھیں۔

اللہ کرے ان حسینوں کے ماں باپ مر جائیں

کوئی ہو بہانہ اور ہم ان کے گھر جائیں

وہ جیسے ہی گلی کے موڑ پر پہنچی کانوں سے ایک بازاری قسم کا شعر ٹکرایا۔ طبیعت کی شقاوت بے رکی پسندیدہ شعر سے بھی آشکار تھی۔ مدد ور مدد کسی کے والدین کے مرنے کا ذکر یا خواہش اعلا درجے کی سنگدلی نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ اس کے سینے میں چڑیا جیسا دل دھک دھک کرنے لگا۔ پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ جانے کتنے عرصے سے یہ سلسلہ چل رہا تھا مگر اس نے نگاہ اٹھا کر آج تک نہ دیکھا تھا۔ دس منٹ کی واک پر اس کا پرائیویٹ اسکول تھا جہاں وہ پڑھانے جاتی تھی۔ مگر یہ فاصلہ اسے صدیوں پر محیط لگنے لگا تھا۔

وہ اسے اسی موڑ پر ملتا تھا۔ سارا ایریا ہی اسے بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ اگرچہ شہرت بہت خوب نہیں تھی۔ بدنام جو نہ ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا کے مصداق صورت حال تھی۔

کل ہی وہ ایٹتھ (B) کلاس میں انگلش پڑھاتے ہوئے "فیمس اور نوٹوریس" کا فرق سمجھا رہی تھی کہ فیمس کے معنی مشہور اور نوٹوریس کے معنی بدنام کے ہیں۔ تو ایک جھماکے سے وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ ایک خوف کی صورت یوں تو اب وہ ہر دم ہی اس کے اعصاب پر سوار رہتا تھا۔ اس کی سلگانے بلکہ راکھ بنا دینے والی نگاہیں اسے ہر وقت اپنے تعاقب میں دکھائی دیتی تھیں۔ اچھی خاصی نفسیاتی مریضہ بنتی جا رہی تھی۔

یوں بھی لوئر مڈل کلاس کی لڑکی اپنی کم مائیگی پر یوں شرمسار نظر آتی ہے جیسے اس کی اپنی کوئی جان بوجھ کر کی ہوئی غلطی ہو۔

حالانکہ دکھ در پہچان کر دستک نہیں دیتے۔

یہ تو خانہ بدوشوں کی طرح ڈیرے ڈیرے پھرتے ہیں۔ نام نسب نہیں دیکھتے۔ مقام مکان نہیں دیکھتے۔

اور پھر افلاس دنیا کا سب سے بڑا دکھ نہیں ہے۔ ہرگز نہیں ہے۔

ایک کروڑ پتی کو جب اس کا اپنا سگا بھائی یا بیٹا ناگ بن کر ڈستا ہے تو دکھ سے اس کی بھوک اڑ جاتی ہے۔ چھ کھانوں سے بھی اس کی میز اسے نہیں لبھاتی۔ وہ کئی کئی دن کھانا نہیں کھاتا۔ خواب آور گولیاں کھا کر پڑا سوتا رہتا ہے۔ بیڈ روم کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

"صاحب سو رہے ہیں"

"صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے"۔

کی سرگوشیاں ماحول میں سرگرداں ہوتی ہیں۔

یہ وہ بیٹی جو پیا دیس جانے کی عمر میں ہوتی ہے۔ حسین سپنوں کے چمنستان میں سیر کناں ہوتی ہے۔ زمین بچانے کے چکر میں کبھی بیس سال بڑے کبھی بیس سال چھوٹے سے بیاہ دی جاتی ہے۔

دکھ اس کی عمر بھر کی بھوک اڑا دیتا ہے۔ عمر بھر کھانا زہر مار کیا جاتا ہے۔

اس عورت کا دکھ بھی افلاس سے بڑا ہوتا ہے۔ جو حسین و ذہین ہوتی ہے۔ مگر سوت کا نخرہ دیکھتی ہے اس کی بھی بھوک مر جاتی ہے۔ وہ بھی زندہ رہنے کے لیے کھاتی ہے۔

اس شخص کی بھی بھوک عمر بھر کے لیے مر جاتی ہے جو لاکھوں کے اکلوتے وارث کو خود کا ندھا دیتا ہے مٹی ڈالتا ہے۔

اس معشوقہ کی اشتہا بھی مر جاتی ہے جس کے پاس زیور کپڑوں کا ڈھیر ہوتا ہے مگر اسے چاؤ سے بیاہ کر اپنے گھر لانے

والا داعی اجل کی پکار پر لبیک کہہ دیتا ہے۔

بعض دکھ افلاس سے بھی بڑے ہوتے ہیں۔

مفلس روکھی سوکھی جس اشتہا اور رغبت سے کھاتا ہے اس بے خبر ہشکرے کو کیا خبر کہ اشتہا تو اس کی دولت ہے۔

پھر انسان صرف اور صرف مفلسی پر شرماتا ہے تو یہ اس کی لاعلمی کی انتہا ہی تو ہے کہ کہ معیار اور پیمانے متعین نہیں بنا

پہ آتا سونے کی پلیٹوں میں کھانے والوں کے سروں پر ہی بیٹھے یہ بیٹھے نہیں ہے پھر افلاس پر ندامت کیوں۔

اتنی بے اعتباری اپنی ذات پر کیوں؟

کم مائیگی کا احساس تو ایک الم ہے۔ جو جیتے جاگتے ذہن انسان کو مستقل خفت زدہ رکھتا ہے۔ اس کے قوی مضمحل کر دیتا ہے۔

محض اس تاریک احساس کی بدولت انسان اپنی قوتوں کو پہچاننے کی کوشش ہی نہیں کرتا وہ احساس بے بسی سے اتنی خاموشی سے سمجھوتا کر لیتا ہے کہ فطرت اداس ہو جاتی ہے۔

آدم بہشت سے ہیرے جواہرات سے لدے ہوئے اونٹ لے کر زمین پر نہیں اترا تھا۔

اس نے زمین پر ہل چلا کر بیج بونے کی پہلی مشقت کی تھی۔

مگر انسان نے صرف سونے کی اشرفیوں روپے ڈالر، پونڈ تک خوشی اور نعمت کو محدود کیوں کر دیا؟

سکون کی نیند ہی تو دولت ہے۔

ایک روٹی میں سے آدھی دوسرے کو دینے سے ملنے والی خوشی بھی تو دولت ہے۔

دکھ سے نڈھال کسی انسانیت کو اپنائیت کا احساس بخش دینا بھی تو دولت ہے۔

ضعیف باپ کے پاس بیٹھ کر اسے اپنی سعادت مندی کا یقین دلا کر الوہی سکون سے دوچار کرنا بھی تو دولت ہے۔

سکون کی دولت، روشن ضمیری کی دولت، دور دیس سے بیٹی کا اپنی ماں کو محبت نامہ بروقت لکھ بھیجنا تو احساس کی اعلاترین سطح ہے۔

اس کے بعد ماں کے انگ انگ سے پھوٹنے والی خوشی تو فقط ایک نعمت ہے جو دور دیس سے بھیجی جاتی ہے۔

پھر بھی جانے کیوں محنت کر کے اپنا پیٹ پالنے والے شرمندہ و شرمندہ سے نظر آتے ہیں۔

حالانکہ ہر انسان اپنی ذات میں بے شمار خزانوں کا مالک ہوتا ہے۔

"یار خوشی۔ اتنی ٹھنڈی آہیں کیوں بھر رہے ہو۔ ایسا لگ رہا ہے ایر کنڈیشن چل رہا ہے"۔

اس کے جگری یار نے آنکھ مار کر ماہ نور کی سمت دیکھا تھا۔ جس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے اور پسینہ آبشار کی مانند چھوٹ رہا تھا۔

یار تمہاری بھابی کام پر جا رہی ہے اسے خدا حافظ کہنے ابھر آئے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھنے سے آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ برجستہ جواب آیا تھا۔

ماہ نور کے کانوں میں نقارہ بن کر یہ جملہ داخل ہوا تھا۔ اسے یوں لگا گویا چہار سمت آنکھیں ہی آنکھیں ہوں۔ اشارے کرتی ہوئی۔ ملامت کرتی ہوئی۔

وہ ایک دم سے کوئی کہانی بن گئی ہو۔ سستی عوامی۔ جسے سب مزے لے لے کر پڑھ رہے ہوں۔

معاملہ ایسا ہی ہوا کہ وہ دونوں تو اس کے پیچھے آ رہے ہیں۔ یہ تو آج پہلی مرتبہ ہی ہوا تھا ورنہ بس اسی موڑ پر بات ختم ہو جاتی تھی۔ جاوید بات تھی کہ روزانہ ہی پرانی سڑک پر اسے ایک مرتبہ پھر سے اذیت سے گزرنا ہوتا تھا۔ وہ اس کی آمد سے کچھ دیر پہلے وہاں

پہنچ جاتا تھا۔ مگر آج۔ اس کے حلق میں کانٹے پڑنے لگے۔ پاشا کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

دل لے کے کہتے ہیں کسی کام کا نہیں
الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا

یار وہ احسان ادا جیت بھی تو چھیڑو۔ وہی نغمہ حیدر والی بات بن جائے گی۔ جیسے وہ نئے کپڑوں والی غزل شروع کرنے سے پہلے بڑا بہادر شعر سر میں پڑھتا ہے کہ آخری مصرعے میں یوں ہوتا ہے رات بڑی ہی چاہتی ہیں وہ کیا ہے۔ وہ انکا، گھر میں رہو تو بہتر ہے۔ جن ہنساتی ہے کپڑے سے بدل کر جاؤں کہاں۔ تم بھی اسی طرح اس شعر کے بعد یوں گاؤ۔

مان میرا احسان ارے نادان کہ تجھ سے کیا ہے پیار
میری نظر کی دھوپ نہ پڑتی روپ تو ہوتا حسن تیرا بیکار

پاشا نے فوراً ہی دوست کی ہدایت پر عمل شروع کر دیا۔

معاً نسوانی پندار پوری قوت سے تلملایا۔ اسے خود بھی پتہ نہیں تھا وہ کیا کرنے جا رہی ہے۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے ان دونوں کی طرف پلٹی تھی۔ سلسلہ اگرچہ کئی دنوں سے چل رہا تھا مگر آج تو حد ہی ہو گئی تھی یک نہ شد دو شد۔

اس کی سیاہ چمکتی ہوئی آنکھیں مزید چمکنے لگی تھیں۔ غصے کی تیز آنچ سے۔

"میں نہیں جانتی کہ تم کون سے جہنم سے نکل کر اس طرف آتے ہو۔ مگر اتنا بہر حال جانتی ہوں کہ میری گلی کے کتوں سے زیادہ حیثیت نہیں ہے تمہاری یوں لگتا ہے ایسے لوگ زمین پر کسی آسمان سے گرتے ہیں۔ کسی انسان نے ان کی پرورش نہیں کی۔"

اس نے حقارت سے پاشا کی طرف دیکھ کر تھوک دیا۔

"اتنا شعور بھی نہیں کہ میں ایک ٹیچر ہوں۔ بے غیرت اور آوارہ لوگ۔"

"ہونہہ پڑھنے کا شوق ہی تو ہے جب ہی تو آپ کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں۔"

پاشا بڑی ڈھٹائی سے مسکرا کر اس کے سامنے یوں کھڑا ہو گیا جیسے وہ اسے کسی قیمت پر آگے بڑھنے نہیں دے گا۔ قد بھی اونچا پورا۔ سامنے جیسے کوئی دیوار آن کھڑی ہوئی۔

حیرت و افسوس نے اسے گنگ سا کر دیا تھا۔

اپنے حساب سے تو اس نے اسے نہایت ذلیل کیا تھا۔

ایک وہ تھی کہ کسی کو آف موڈ دیکھ لیتی تو رات کو نیند نہیں آتی تھی۔

ایک یہ کہ۔؟

احساسِ ذلت ہی نے تو آج کم مائیگی کے احساس کی طنابیں توڑ دی تھیں۔

مگر چونکہ یہ برا آدمی ہے۔ برائی اوڑھ کر بن چکا ہے۔ صرف برا ہے۔ احساس کی دولت اس سے چھن چکی ہے۔ یعنی ضمیر مر چکا ہے۔

اس کے اندر خیر و شر کی جنگ ختم ہو چکی ہے۔

کہ خیر کی کسی منحوس گھڑی شکست واقع ہو چکی ہے۔ بس شر غالب ہے۔

اور جہاں صرف شر ہی شر ہو؟

اسے افسوس ہونے لگا جہاں اتنے مہینوں سے برداشت کر رہی تھی وہاں اور کر لیتی۔ کیا فائدہ ہوا؟ لیکن آج معلوم

نہیں کیوں ایک خیال آ گیا تھا کہ ادھر اور بھی لڑکیاں ہیں۔ اس سے زیادہ آزاد خیال، وضع دار، خوبصورت، ان کو تنگ کیوں نہیں کرتا؟ اسے کیا سمجھتا ہے آخر۔ کوئی آسانی سے حلق میں اتر جانے والا تر نوالہ؟

شاید اسے علم ہے کہ میرا کوئی سگا بھائی نہیں ہے۔ [illegible] چھوٹا اور باپ بھی ریٹائرڈ اسکول ٹیچر ہے اور آئے دن کا بیمار۔

یقیناً اسے سب کچھ پتا ہوگا۔

کمزور تو کم ظرفوں اور ذلیلوں کو یوں بھی زیادہ بہادر بنا دیتا ہے۔ جوش انتقام اور احساس کم مائیگی نے پھر بزدل بنا دیا۔

مجھے ان کے منہ نہیں لگنا چاہیے تھا۔

وہ کترا کر اس کے دائیں پہلو کی طرف سے آگے بڑھ گئی۔ پاشا نے بھی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ حالانکہ اسے اسکول پہنچنے تک کئی مرتبہ محسوس ہوا کہ وہ پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔

"بس دو ہی ہیں؟ اور یہ تو بہت چھوٹی ہے۔ بھلا کیا کام کر پائے گی۔ الٹی چیزیں ہی توڑے گی۔"

زلوں میں سے ولایتی [illegible] بیگم نفیس خواجہ نے لاؤنج میں قدم رکھتے ہی ناقدانہ نظر سے دونوں لڑکیوں کا جائزہ لیا اور پرانے ملازم اللہ یار کی سمت دیکھ کر بڑی نخوت سے کہا۔ لڑکیوں کے ماں باپ کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کیا۔

"کام بہت ستھرا کرتی ہے۔ بیگم صاحب! بہت تیز، آپ خوش ہو جائیں گی۔ بڑی جلدی کام سمجھ لیتی ہے۔"

اللہ یار کے بجائے لڑکیوں کے باپ نے دست بستہ عرض کی۔

"ہوں!" بیگم نفیس خواجہ نے ایک اچٹتی نگاہ لڑکیوں کے باپ کے بوسیدہ لباس پر ڈالی۔ "ٹھیک ہے رکھ لیتے ہیں۔ تم نے چھ مہینے کی تنخواہ ایڈوانس مانگی ہے۔ اللہ یار بتا رہا تھا مگر فی الحال صرف دو ماہ کی تنخواہ ایڈوانس ملے گی۔ اگر لڑکیاں کام سمجھ گئیں تو ہم باقی دس مہینوں کی تنخواہ ایڈوانس دے دیں گے۔"

"خیر ہو مالکن کی۔ اللہ سائیں بہت دے۔" لڑکیوں کے ماں باپ نے ہاتھ اٹھا کر گھگھیاتے ہوئے دعائیں دینا شروع کر دیا۔

"اللہ سائیں بڑا رتبہ دے، بہت خوشیاں دے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔ اللہ یار ان کو دو مہینے کی ایڈوانس تین سو روپے دے دینا۔"

"تت، تین سو؟" لڑکیوں کا باپ پھر گھگھیایا۔

"یہ یہاں رہیں گی۔ کھائیں گی، پہنیں گی اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔ وہ بھی خرچہ ہمارے ذمے ہی ہوگا۔ گوٹھ میں گرمی میں سڑتی تھیں۔ یہاں پنکھا چلا کر سویا کریں گی۔ ہم تو اوروں سے زیادہ تنخواہ دے رہے ہیں۔ آس پاس کی کوٹھیوں میں کوئی بھی ایسی لڑکیوں کو مہینے میں سو پچاس سے زیادہ کوئی نہیں دیتا۔"

"خیر ہو مائی باپ کی۔"

لڑکیوں کے ماں باپ زیرِ تشکر کے دوہرے ہو گئے۔

"اور پھر تمہاری سفارش اللہ یار نے کی تھی۔ یہ ہمارا بہت پرانا اور قابل اعتماد ملازم ہے۔"

اللہ یار کی گردن افتخار سے تن گئی۔ بار سوچ ہونا آیا کم اعزاز کی بات ہوتی ہے۔ اس نے لڑکیوں کے ماں باپ کی سمت اس طرح دیکھا گویا کہہ رہا ہو کہ جانتے ہو کتنا خاص آدمی ہوں میں شہر میں۔

"کیا نام ہیں ان کے؟"۔

بیگم صاحبہ نے اپنے رنگین ناخنوں کی نزاکت کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"بڑی کا نام سوئی ہے مائی باپ اور چھوٹی کا نام نذیرالنساء ہے پر بانگی کہوے ہیں"۔

باپ نے بڑی لجاجت سے نام بتائے گویا بیگم صاحبہ نے ان کے نام پوچھ کر کسی سعادت سے ہمکنار کیا تھا۔

"اللہ یار! انہیں زینب کے پاس پہنچا دو۔ اسے کہنا انہیں کام بتا دے۔ پھر اوپر آ کر مجھ سے چیک لے کر انہیں فارغ کرو اور ہاں سنو انہیں یہ بھی بتا دو اپنی دونوں لڑکیوں سے آ کر ملنے کی ضرورت نہیں۔ مہینے میں ایک مرتبہ ٹھیک ہے"۔

بیگم نفیس خواجہ نے بے اعتنائی سے کہا اور واپس پلٹ گئیں۔

"تم لوگ باہر بیٹھو۔ میں انہیں ماسی کے پاس چھوڑ کر آتا ہوں"۔

اللہ یار نے لڑکیوں کے ماں باپ سے کہا اور پھر سوئی اور بانگی کی طرف متوجہ ہوا۔

"آؤ تم دونوں میرے ساتھ"۔

دونوں سہمی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑیں۔

"چھناک... " آواز کسی چیز کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی کئی فی چلی ہوئی آواز بھی سماعت سے ٹکرائیں۔ "[illegible]"

گاڈ... بیگم نفیس خواجہ چند ثانیے تو قطعی دم بخود رہیں۔ اس کرسٹل کی خریداری پر کم سے کم ڈیڑھ ہزار کیلو بڑ خرچ ہوئی تھیں۔ وہ فرینچ بڑھیا چاچیاں قیمت سے ایک فرانک کم کرنے پر راضی نہیں ہو پا رہا تھا اور انہوں نے کھڑے کھڑے فرانک کو پاکستانی روپے میں چیک کیا تو لگ بھگ بارہ ہزار بن رہے تھے۔ صرف ایک چیز کے لیے بارہ ہزار ایک دم سے کیسے دے دیتیں؟۔

اور اس نے کھڑے کھڑے یہ بارہ ہزار کا نقصان کر دیا۔

وہ چیل کی طرح اس پر جھپٹیں اور مار مار کر کچومر نکال دیا۔ اتنا مارا کہ مارتے مارتے ہانپنے لگیں۔ ساڑھی کا پلو کارپٹ پر دور تک پڑا تھا۔ مختصر سے بلاؤز نے مجرم کا کام شروع کر دیا تھا۔ جس سے ان کی ہارٹ بیٹنگ، سانس کی رفتار اور کنٹرول پر دوڑ آسانی سے پڑھی جا سکتی تھی۔

پاؤں سے سینڈل اتار کر اس کے سر پر ایسی وحشیانہ دو تین ضربیں لگائیں کہ سر کے جانے کس حصے سے خون کی دھار بہتی ہوئی پیشانی تک آ گئی۔

دور کھڑے نوکر تھر تھر کانپ رہے تھے۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ آگے بڑھ کر اس کی جان بخشی کی درخواست کرتا۔

"زینب کہاں ہے۔ نکلواؤ اس خبیث بڑھیا کو باہر۔ زیادہ غلطی اس کی ہے۔ اسے ڈرائنگ روم میں بھیجنے کا کس نے کہا تھا۔ ابھی تو اسے جوتیاں سیدھی کرنے کی تربیت دینا تھی۔ ادھر کی ڈسٹنگ کے لیے کس نے کہا تھا۔ ظاہر ہے اسی کا کام ہو گا۔ بڑھیا نے کہا ہو گا۔ اس لیے رکھی تھیں یہ چھوکریاں کہ بڑھیا مزے لوٹے وہ پیدا کر لیتی۔ آخری وارننگ کوئی نہ کوئی بھی رہتی پڑی مزے لوٹتی رہتی"۔

"ممی، ممی پلیز"۔

پیچھے سے سنی نے آ کر ماں کو جوشیلے انداز سے روکنے کی کوشش کی۔

"سنی! تم جاؤ یہاں سے"۔

وہ کہاں قابو میں آتی تھیں۔

"ممی۔ بلیڈنگ ہو رہی ہے۔ آل ریڈی ویک ہے۔ انیمیا ہو سکتی ہے"۔

اس نے آخری تدبیر کے طور پر ماں کو سمجھایا۔

اور واقعی یہ جملہ کارگر ثابت ہوا۔ وہ گویا حواسوں میں واپس آ گئیں۔

اور ایک قہر آلود نظر اس پر ڈال کے ساڑھی کا پلو درست کیا اور باہر نکل گئیں۔

"تم لوگ کیا ٹکٹ لے کھڑے ہوئے ہو۔ دیکھو کہیں یہ بے ہوش تو نہیں ہے؟"

اس نے سوئی پر ایک ترحم آمیز نگاہ ڈال کر کھڑے ہوئے نوکروں سے کہا۔

"نہیں صاحب بے ہوش نہیں ہے۔ رو رہی ہے" ایک ملازم نے قریب جا کر جائزہ رپورٹ پیش کی۔ تبھی اللہ یار اندر داخل ہوا۔ کسی نے اسے اطلاع پہنچا دی تھی۔

سوئی اللہ یار کو دیکھتے ہی بلک بلک کر رو دی۔ اس کے دونوں ہاتھ جڑے ہوئے تھے۔

"چاچا! مجھے گوٹھ واپس بھیج دو۔ یہ بڑے سخت لوگ ہیں۔ مجھے یہاں سب سے ڈر لگتا ہے۔ میں منت کرتی ہوں چاچا"۔

اللہ یار نے گھبرا کر سنی کی طرف دیکھا۔

"چھوکری۔ بری بات ہے ایسا نہیں بولتے۔ نقصان پر تو اپنی سگی ماں بھی پٹائی کر دیتی ہے۔ بیگم صاحبہ ہر وقت غصہ نہیں کرتی"۔ اس نے سوئی کی پیشانی پر خون کی لکیر سے آنکھیں چراتے ہوئے سمجھایا۔

"ایسا بھی نہیں مارتے۔ بانگی چھوٹی ہے۔ اسے کسی روز ایسی پڑ گئی تو وہ مر جائے گی۔ چاچا۔ میرا دل گھبراتا ہے ایسے بڑے گھر میں۔ وہ بے اختیار روئے چلی جا رہی تھی۔

"اس سے تو اچھا ہے تم مجھے گوٹھ میں کسی بیل گاڑی میں بیل کی جگہ باندھ دو"۔

"اللہ یار بابا۔ اس کو چپ کرو"۔

سنی نے تیرہ چودہ برس کی خود رو جھاڑیوں کی طرح بڑھتی سوئی پر ایک سوچتی ہوئی نظر ڈالی اور باہر نکل گیا۔

"بڑی اماں! چاند بھائی بلا رہے ہیں امریکہ سے"۔ وہ حسب عادت زہرا شور کر کے بولی تھی۔

"چپ!" پہلے تو بڑی اماں اچنبھے میں پڑ گئیں پھر کسی دھیان سے چونک کر اندر کی طرف گرتی پڑتی بھاگیں۔

"بے ہدایت۔ سیدھی طرح نہیں بول سکتی کہ چاند کا ٹیلی فون آیا ہے"۔

وہ بڑبڑا بھی رہی تھیں۔

"بھائی جی ہیں"۔ اس نے ریسیور بڑی اماں کو تھماتے ہوئے مطلع کیا۔

"ہاں دلہن! میں ٹھیک ہوں۔ تمہارے بیٹے سے تمہارے باپ آتے رہتے ہیں۔ ہماری خیر خبر لیتے۔ تمہاری اماں بھی مجھے کھانے کی چیزیں بنا بنا کر بھیجتی رہتی ہیں۔ بڑا ذائقہ ہے ان کے ہاتھ میں۔ اللہ خوش رکھے۔ چپ؟ اونچا بولو۔ کون؟ چاند ہیں؟ یہ تو کہہ رہی تھی کہ بھائی ہیں"۔

انہوں نے گھور کر زہرا کی طرف دیکھا۔

"میں کب غلط بولا! 'بھی چپ'۔" اس نے "بھی" پر زور دے کر کہا اور ہنس ہنس کر لوٹ گئی۔

اظہار ... لوٹ پوٹ ہوتی۔ ریا پر نظر ڈال کر بڑی اماں کو گھورنے لگا جو خود فراموشی کی کیفیت میں پڑنے اور
ہوتے محو کلام تھیں۔

"خیریت ہے؟ بڑی اماں ایف ایم ہنڈرڈ پر اعجاز فریٹی سے بات کر رہی ہیں؟ وہ بھی اتنی دلچسپ بات ہو گئی ہے تم ہنس
ہنس کر اقرار بیان ہو چکی ہو۔"

"آپ نے بڑی زبردست چیز مس کی ہے اس وقت اظہار بھائی"۔ اس نے بمشکل اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا

اسی لمحے بڑی اماں ریسیور رکھ کر اس کی سمت پلٹیں۔

"ٹھیک سے نہیں بول سکی۔ بتاؤ میں دلہن سمجھ کر چاند سے باتیں کیے گئی۔ ایک ایک منٹ کے سو سو روپے لگتے ہیں۔ اتنی
دور ٹیلی فون کرنے کے سارے ہر وقت بڑی سوجھنی رہتی ہے۔ ٹھک دام نہیں تو"۔

اس کی نہ رکنے والی ہنسی انہیں مزید آگ بگولہ کر گئی۔

"وہاں ڈالر ہوتے ہیں بڑی اماں! ہوتے تو کاغذ کے ہیں۔ مگر لوگ سونے کے بت کی پوجا کرتے ہیں۔ آپ نے
بتایا تھا ناں کہ حضرت موسیٰ کی قوم سونے کے بچھڑے کی پرستش کرتی تھی۔ آج وہ بچھڑا ڈالر کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ جسے دیکھو ڈالر
ڈالر کر رہا ہے۔

پاکستان میں لگتے ہیں کئی کئی سو روپے وہاں تو ایک دو ڈالر خرچ ہوتے ہیں۔ ویسے بڑی اماں مجھے بھی بڑا شوق ہے ڈالر
کی گڈی میں سے پن نکالنے کا۔"

"ہے۔ ہے۔ بولے چلی جا رہی ہے۔ کیسی؟ دم لے لڑکی۔ کوئی بات ہے اس میں انسانوں والی۔ مار جیسے طومار باندھ رکھا
ہے۔ یہی حرکتیں رہیں تو کون پوچھے گا۔ اتنی لمبی زبان اچھی نہیں ہوتی لڑکیوں کی۔ قاعدے قرینے سیکھو۔"

"یہ نکالیں گی ڈالر کی گڈی میں سے پن؟ پتا ہے ایک گڈی پاکستانی روپوں میں کتنے کی بنے گی؟" اظہار نے چڑایا

"کرنسی کسی بھی ملک کی ہو ایک گڈی میں سو کاغذ کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ اگر ایک ڈالر ساٹھ روپے کا ہو تو بھلا
کوئی اسٹیک کا گورکھ دھندا ہے۔ سیدھا سادا حساب ہے۔ ملٹی پلائی کریں اور بس۔ وہ۔"

"شاباش۔ اس کا مطلب ہے تم نے میٹرک بڑی محنت سے پڑھا ہے"۔

ظہیر اسی وقت لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔

"جی بھاجان"۔ اسے ضرب آئی ہے"۔ اظہار نے اسے پھر تنگ کیا۔

"پھر وہی "بھاجان" کوئی لٹھ لے کر تیرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کیوں اتنی جلدی میں رہتا ہے۔ ٹھیک سے بھائی جان
نہیں کہہ سکتا؟" بڑی اماں نے اظہار کی خبر لی۔

"جی بڑی اماں! ان کی تیز رفتاری کنٹرول کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ زمین کراس کر کے خلا میں اور سیارے میں پہنچ جائیں اور
ہم بےکار پڑے ٹی وی پر تلاش گمشدہ کا اشتہار دے کر اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہوں۔"

ریا بدلہ لیے بغیر کیسے رہ سکتی تھی۔

ظہیر مسکرا دیے۔ "بہت زیادہ شیطان ہو گیا ہے یہ بچہ"۔ انہوں نے ریا کی طرف دیکھا۔

"اے بس بھی کرو میاں۔ بڑی ہو گئی ہے اب۔ تم لوگوں کی وجہ سے تو ابھی تک اس کا "آؤں گا جاؤں گا" نہیں چھوٹا۔
اتنی مصیبتوں سے کہہ کہہ کر اوڑھنی اوڑھی"۔

"بڑی اماں آپ کو کیا ہے۔ میں گا بولوں یا گی اتنے سارے "گا" "میں" "ایبلی میں" "گی گی" کرتی رہوں۔ مجھے نہیں مزا
آتا۔ وہ قل قل ہنس پڑی۔

ماشاءاللہ۔ اتنے سارے اس طرح بولتے ہیں منہ بھر کر جیتے رہیں۔ قسمت والوں کو ملتے ہیں نیک بھائی"۔ بڑی اماں
نے سرزنش کی۔

"آ"۔ ریا نے پھر ایک زوردار چیخ ماری "نیک"۔ مظہر اور اظہار بھائی کس طرح نیک ہو سکتے ہیں؟ بھائی جان کیا
نیک ایسے ہوتے ہیں؟" وہ مصنوعی حیرت سے ایک طرف ڈھے گئی۔

"ہیں۔ تو کیا کہتے ہیں بےچارے کسی کو صبح نماز کے لیے ایک آواز پر اٹھتے ہیں۔ گھر کے کام اندر باہر کے کتنی فکر
سے کرتے ہیں۔ کچھ دن ہوئے جب دونوں پنڈی چلے گئے تھے۔ کتنی مشکل ہو گئی تھی مجھے۔ باہر باغیچے والے بیسن کی ٹونٹی پورے
پندرہ دن ٹپکتی رہی۔ کون لے کر آتا پلمبر کو۔ کتنا پیسہ بچاتے ہیں۔ نلکے ٹونٹیاں خود ہی ٹھیک کر لیتے ہیں۔ اپنی "اسکوٹر" خود سنبھال
لیتے ہیں۔ پانی کی موٹر ٹھیک کر دیتے ہیں۔ وہ اوپر جو ٹیلی وژن کا جو کیا ہوتا ہے وہ"۔ بڑی اماں بولتے بولتے حافظے پر زور ڈالنے لگیں

"فیوز لگا لیتے ہیں۔ آپ کی سوئی میں دھاگا ڈال دیتے ہیں۔ آپ کے بدلے میں کبھی کبھی چھینک بھی لیتے ہیں کہ لاؤ
ہم چھینک لیتے ہیں بڑی اماں کو تکلیف ہو گی۔"

اتنا بھی نہ چڑھائیں بڑی اماں۔ پہلے ہی بانس پر چڑھے ہوئے ہیں" ریا سے اتنی زیادہ تعریف برداشت نہ ہو سکی۔

"اسمیل سی آ رہی ہے۔ شاید کچھ جل رہا ہے" اظہار نے پھر تنگ کیا۔

"یہ کوئی آپ کی کوالٹی نہیں ہے۔ جب انسان کے ماں باپ نیک ہوتے ہیں تو بچے بھی تھوڑے بہت نیک ہو ہی جاتے
ہیں۔ کیوں بھائی جان؟"

ایک لمحے کو ایسا سناٹا طاری ہو گیا تھا جیسے وہاں کوئی ذی نفس موجود ہی نہ ہو۔

"اچھا دیکھو۔ عبداللہ بیم سودا لے کر واپس آ گیا۔ اسے کہنا تھوڑی سی فیرنی بھی بنا لے مظاہر کا کوئی دوست آج کھانا
یہیں کھائے گا۔ صبح کہہ کر گیا تھا۔"

بڑی اماں نے بڑی مہارت سے کچھ دیر قبل چھا جانے والا تاثر خلط ملط کرنے کی کوشش کی۔

ظہیر فون کی طرف یوں بڑھے جیسے بہت ضروری فون کرنا ہو۔ اظہار تو پہلے ہی باہر نکل چکا تھا۔

"کیا سمجھا ہے تم نے؟ کھڑے ہو گئے پائی پائی کا حساب لینے میں کسی کے باپ کی نوکر نہیں ہوں جو گرہستی اور تمہاری
عزت سنبھالتی پھروں۔ ہمارے خاندان میں اس طرح کی تھرڈ کلاس باتوں کا رواج نہیں"۔

"ابھی پرسوں ہی میں نے "آسائش" والوں کا بل پے کیا ہے۔ پھر اس نئے بل کا مطلب؟"

"تمہارا گھر ہے تمہارے نے سوچا ہے میں تمہیں حساب کتاب دینے کی پابند نہیں ہوں۔ ایک تو جو آپ ہیں۔ نوٹ کو
چھونے کی نوبت نہیں آتی۔ جو مرضی پسند کریں۔ یہ وہ بھائی ایک بل مانگنے پر اپنے بغیر بل ادا کرنے بیٹھے ہیں"۔

"ابھی میرے پاس "بلیک منی" مشتبہ ہے؟ یہ تمہیں تمہارا کامپلیکس بول رہا ہے۔ تم ان سے جیلس ہو سکتے ہو۔ وہ تمہارا
ہی اس قابل؟"

ثنا بانو نے زہرخند کے ساتھ ان کو ساکت کیا۔

"ہاں تو ہی سمجھ لو"۔

سمجھنے کی بات چھوڑو۔ مطلب کی بات کرو۔ یہ بل تو تمہیں پے کرنا ہے۔ اس کے علاوہ جو فضول فنڈ کی بات تم کر رہی ہوں" شاہانہ نے صوفے کے ہتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے خفگی انداز میں پوچھا۔

"نہیں ہے میرے پاس۔ آج کل سب کاروباری لوگ اپ سیٹ ہیں" انہوں نے بھی جان چھڑانے کے انداز میں جواب دیا اور اخبار کا صفحہ تبدیل کرنے لگے۔

"مجھے پیسہ چاہیے کہیں سے لون لو کچھ کرو ورنہ میں تمہاری انا نسر سیل کر دوں گی"۔

"مجھے بھی سیل کر دینا ساتھ میں" نفیس خواجہ نے تلخی سے اضافہ کیا۔

"تم ایسے کہاں۔ حیثیت ہی کیا ہے تمہاری"۔

یہ بل اٹھا لو یہاں سے مجھے اس بل میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے" غالباً آج نفیس خواجہ کی برداشت قطعی جواب دے گئی تھی۔

شاہانہ چیل کی طرح نفیس خواجہ کے کوٹ کی طرف جھپٹیں جو دوسرے صوفے کی پشت پر پڑا ہوا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈال کر جو نکلتا رہا پرزے پرزے کرتی رہیں۔ چیک بک سمیت پھر چابیاں نکال کر نفیس خواجہ کی طرف دیکھا۔

"کل سے فیکٹری میں تالا لگے گا۔ اس لیے کہ وہ صرف تمہاری نہیں ہے۔ میں تمہارا اجناد وبھر کر دوں گی نفیس خواجہ جانتی ہوں میں، وہ جو تمہاری پہلی بیوی کی نشانی ہے۔ اس کے لیے سنبھال رہے ہو یہ سب۔ کچھ ایسے بے وقوف تو خیر ہم بھی نہیں ہیں"۔

"تم اتنی مکار نہ ہوتیں تو میری زندگی میں کیسے آ تیں" نفیس خواجہ نے کارپٹ پر پڑے پرزوں کی طرف دیکھ کر نہایت زہریلے لہجے میں کہا۔

"تم بڑے پارسا ہو۔ سیدھے معصوم۔ وہ تمہاری بیوی نہیں تھی۔ یہ تمہاری ال لیگل (غیر قانونی) اولاد ہے۔ ایسی اولاد وراثت میں حصے دار نہیں ہوتی۔ اسی لیے تم "چیٹ" کر رہے ہو۔ اس لیے کہ سیدھے سیدھے تو اسے کچھ مل نہیں سکتا بڑے بنے بیٹھے ہیں سوسائٹی میں نفیس خواجہ میں جانتی ہوں صرف میں کہ تم کتنے نفیس ہو اور کتنے غلیظ اور یہ بھی"۔

چٹاخ، چٹاخ۔ دو بھرپور طمانچے شاہانہ کے منہ پر رسید کیے تھے نفیس خواجہ نے۔

"جن میں رتی برابر برداشت نہیں ہوتی، وہ دوسروں کی برداشت کو آزمانے کا کیا حق رکھتے ہیں؟"

انہوں نے شاہانہ کا گلا دبوچ لیا تھا۔

سومل کے ہاتھ سے کافی کی ٹرے چھوٹ گئی وہ گرتی پڑتی سنی کے بیڈروم کی سمت بھاگی۔

"چھوٹے صاحب! چھوٹے صاب بڑے صاحب نے بیگم صاحبہ کو مار دیا"۔ وہ بری طرح دروازہ پیٹ رہی تھی سنی ابتری حالت میں محو استراحت تھا۔ لیکن بڑی سرعت سے اس نے دروازہ کھول کر نفیس خواجہ کے بیڈروم کی طرف دوڑ لگائی تھی۔

"ادھر نہیں۔ نیچے"۔ سومل چیخی مہمانوں (مہمانوں) کے کمرے میں" سنی نے رخ بدلا تو سومل بھی اس کے پیچھے ہو لی۔ دونوں آگے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ نفیس خواجہ پر وحشت سوار تھی اور شاہانہ پوری قوت سے مزاحمت کر رہی تھیں۔

"مائی گاڈ" سنی بجلی کی سی تیزی سے ان کے قریب پہنچا اور پوری قوت سے باپ کو دبوچ کر ایک طرف کیا۔

WHAT HAPPENED NOW اب کیا ہوا؟ اس نے دکھ اور ناراضگی سے دونوں کی طرف باری باری دیکھا۔

"تم نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا ہے میں ابھی ایف۔ آئی۔ آر کٹوا رہی ہوں۔ تم نے مجھے سمجھا کیا ہے"۔ شاہانہ نے اپنے بال اور ساڑھی درست کرتے ہوئے کہا۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھیں۔

ڈیڈی! آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا کرنے لگے تھے آپ؟" سنی کو جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

عاجز کر دیا ہے اس عورت نے مجھے اسے ختم کر کے میں خود بھی پھانسی پر چڑھ جاؤں گا" نفیس خواجہ صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔

"میں تمہیں مزہ چکھاؤں گی، سمجھ رہی ہوں میں اچھی طرح۔ مجھ سے جان چھڑا کر اس (گالی) کو سب کچھ بخش دینا چاہتے ہو مگر دیوانے کا خواب ہے یہ نفیس خواجہ بتاؤں گی تمہیں آٹے دال کا بھاؤ۔ جا رہی ہوں میں۔ پولیس اسٹیشن"۔

وہ باہر کی سمت بڑھیں سامنے سومل کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"منحوس پھر چھینک دے بے رزق، لگتا اس کرپٹ آدمی کی کمائی اس کی ماں جہیز میں تحفوں سے لدے ہاتھی لے کر آئی تھی۔ نفلا کنگلا"۔

وہ تھپڑ سومل کی کمر پر رسید کیے آگے بڑھی ہی تھیں کہ سنی نے دوڑ کر ماں کا بازو تھام لیا۔

ممی! فار گاڈ سیک، کہاں جا رہی ہیں؟"۔

"دفع ہو جانے دو اسے" نفیس خواجہ دھاڑے۔

دفع نہیں ہو رہی، واپس آ رہی ہوں پولیس اسٹیشن سے ہو کر" شاہانہ نے دانت کچکچائے۔

"مائی گاڈ! اتنا وقت آپ لوگوں نے کیسے ساتھ گزار لیا۔ واٹس اے پزل لائف" وہ ماں کو زبردستی بازوؤں میں تھام کر اوپر کی طرف بڑھنے لگا۔

سنی! مجھے چھوڑ دو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔ میں اس آدمی کے مزاج ٹھکانے لگا کے رہوں گی۔ کوئی مجھے کب تک روک سکتا ہے۔ پان سنس اسٹوپڈ چھوڑ دو مجھے"۔

غصے کی انتہا سے ان کا دماغی توازن بگڑ رہا تھا۔

ممی! اس گھر میں آپ دونوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی رہتے ہیں۔ تماشا بنا کر رکھ دی ہے آپ نے ہماری زندگی۔ اوپر چلیں آپ"۔

سنی ایک دم بردم نظر آنے لگا۔

سومل! ایک گلاس پانی لے کر آؤ اوپر" اس نے بغیر پلٹے آرڈر دیا۔ سومل بگٹٹ دوڑی تھی۔ نفیس خواجہ سر تھام گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ اس روز اس کی جہاز جہاز کے بعد اسے سخت فلو ہو گیا تھا۔ اسے قدرے حیرت ہوئی تھی کہ اس دن وہ اس کی واپسی کے وقت بھی نہیں تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ اس پر کسی قسم کا کوئی اثر ہو سکتا ہے۔

پورے ہفتے بعد وہ اسکول جا رہی تھی۔ حالانکہ آنے جانے کے اوقات کے علاوہ وہ اسے کبھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ مگر

گھر سے باہر قدم نکالتے ہی اب وہ احساس عدم تحفظ کا شکار ہو جاتی تھی۔

ڈاکٹر کے کلینک حالانکہ رات آٹھ بجے کے بعد ہی جاتی رہی تھی۔ وہ بھی اکیلی نہیں بلکہ اپنے والد، والدہ کے ساتھ مگر یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ کہیں کسی طرف سے اچانک نکل آئے گا۔ یہ خیال آتے ہی اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگتا تھا۔

غیر معمولی سناٹا اسے یوں ہولانے لگتا تھا گویا سناٹا اس کی آمد کا پیش خیمہ ہو۔ تاریکی اسے یوں ڈراتی تھی، گویا وہ تاریکی کے طلسم سے اچانک سامنے آجائے گا۔ کسی قدیم کہانی کے بدصورت جن کی طرح۔ اچھی خاصی نفسیاتی مریضہ بنتی جا رہی تھی۔

کئی بار جی میں آئی کہ گھر میں ذکر کر دے۔ شاید اس طرح ذہن سے کچھ بوجھ ہٹ جائے۔ مگر یہ خیال آتے ہی کہ ماں باپ خود کس ذہنی اذیت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس کی ہمت نہیں پڑتی۔

آج کا راستہ طے کرنے کے بعد اس کی جان میں جان آتی۔ آج وہ نظر نہیں آیا، اس کا مطلب ہے کہ ٹل گیا ہے۔ اس کا اعتماد بحال ہونے لگا۔

چپ رہے بندہ نواز تو ذکر میرے دل کا ساز

اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔ چوکیدار سموسے والے کے ٹھیلے کے قریب پڑے ایک اسٹول پر وہ بیٹھا ہوا گنگنا رہا تھا۔ سبزہ چیک کی شرٹ سفید پینٹ دو چیزیں تو اس کی شناختی علامت تھیں۔ سیاہ گلاسز اور بڑا سا کاف جو وہ بڑے اسٹائل سے اپنی گردن میں لٹکایا کرتا تھا۔

محلے والے کہتے تھے۔ اس آوارہ کی وہی ٹھیک عورت ہے اور بلا کی حسین ہے۔ اس کی بہنیں بھی بہت گوری چٹی ہیں۔

کاش اللہ میاں ایسے لوگوں کو نحوذ ا" کالا" بنا دیا کرے مگر ضمیر کو تھوڑی روشنی دے دیا کرے کتنے گھٹ ڈٹے اور مکروہ چہرے ہوتے ہیں سفید ہونے کے باوجود اسے درحقیقت اس سے کراہت محسوس ہوتی۔

"یار ضمیر! کہاں رہے پورے دن۔ یار ہماری تو نیندیں ویران ہو گئیں۔ تمہیں شاید احساس نہیں جس دن تمہارا دیدار نہ ہو ہمیں نیند نہیں آتی"۔

وہ بظاہر سموسے والے سے مخاطب تھا اور اس کے لہجے کی شوخ لہریں ملاوٹ کے حواس چھینے لے رہی تھیں۔

آدھی رات کو جب وفا والے خوابوں میں کھو جاتے ہیں

ایسے میں محبت کے روگی یادوں کے چراغ جلاتے ہیں

اس نے بڑی اونچی تان چھیڑی تھی۔ سموسے والے کے پاس یقیناً اور دوسرے لوگ بھی کھڑے ہوں گے، کہیں اس کے محلے ہی کے نہ ہوں۔ مارے شرمندگی کے آنکھوں میں پانی اتر آیا۔ دوسروں پر چھینٹے اڑاتے ہوئے انہیں اپنی ماں بہنوں کا خیال نہیں آتا۔ بے حس و بے غیرت، انسانیت کی پیشانی کے بدنما داغ، وہ سنگ سنگ کر خاک ہونے لگی۔

سننے میں یونہی آیا ہے کہ مہینے کے بیس دن اس کے "لاک اپ" میں گزرتے ہیں۔ پتا نہیں کب جائے گا لاک اپ میں۔ اللہ کرے اس مرتبہ تو اسے عمر قید ہی ہو جائے"۔

وہ اسے کوستی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ پتا نہیں کس کس نے اس کی آج کی یہ حرکت دیکھی ہوگی۔ ابا جان کو کسی کے ذریعے پتا چل گیا تو وہ کس قدر پریشان ہوں گے۔ سکول چند گز کے فاصلے پر رہ گیا تھا مگر وہ اسے ہزاروں میل کے فاصلے پر محسوس ہو رہا تھا۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ پورے علاقے میں کوئی ایسا نہیں جو ایسے بے ضمیر کو کھری کھری سنا سکے۔ ایک بد

معاشرے کی بالا دستی مہذب معاشرے کے منہ پر ایک طمانچہ ہی تو ہے۔

اللہ کی شان۔ سارے علاقے میں اس کی "سیاسی اپروچ" کی دھوم ہے۔ پالتی خدمت کیوں نہیں آ جاتی؟ اس کے دل سے بے ساختہ صدا آئی تھی۔

سسکیوں کی آواز پر مومن کے قدم چلتے چلتے تھم گئے تھے۔

روزانہ رات گیارہ بجے اتنا سناٹا ہوتا تو کوئی نہیں تھا۔ مگر شاید آج گھر والے کہیں گئے ہوئے تھے، اس نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ راہداری میں قیمتی لالٹینوں کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی مگر کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے بہت توجہ سے سسکیاں سننے کی کوشش کی۔ تاکہ اندازہ ہو سکے کہ رونے والا کس سمت ہے۔

پھر آواز کی سمت قدم بڑھا دیے۔ پاؤں میں چونکہ جوگر تھے اس لیے اس کے اپنے قدموں کی چاپ نہ ہونے کے برابر تھی۔

وہ راہداری کے موڑ پر کونے میں بیٹھی نظر آگئی۔ وہ قدرے تعجب سے اپنی جگہ ٹھٹک گیا۔

"کون ہے یہ؟" وہ پہلی مرتبہ اسے دیکھ رہا تھا۔

مومن نے کھنکھار کر اسے متوجہ کیا۔

موتی کی سسکیاں یکدم رک گئی تھیں، اس نے خوفزدہ انداز میں سر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا۔ مومن یکدم بوکھلا گیا تھا۔ موتی کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تو تھا مگر اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا جو بہہ بہہ کر اس کی گود میں گر رہا تھا۔

اس نے جلدی جلدی جیبیں ٹٹولیں اور ایک سفید خوشبودار رومال نکال کر بڑی بے ساختگی سے آگے بڑھ کر اس کے ناک پر رکھ دیا۔

موتی جانے کیا سمجھی، ایک دم تڑپ کر پیچھے ہٹی۔

"تمہاری ناک سے خون بہہ رہا ہے لڑکی۔ اسے ناک پر رکھ لو" اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"تم کون ہو؟ یہاں بیٹھی رو رہی ہو اور یہ ناک سے خون کیوں نکل رہا ہے؟" وہ الجھے ہوئے انداز میں اس سے سوال کرنے لگا۔

اتنا سنتے ہی موتی بلک بلک کر رونے لگی۔

"آپ اپنے کمرے میں جائیں مومن صاحب، بیگم صاحبہ نے دیکھ لیا تو وہ مجھے اور ماریں گی"۔

مومن بری طرح چونک گیا "تم مجھے جانتی ہو؟ میں نے تو تمہیں پہلے یہاں نہیں دیکھا؟"

"میں روزانہ آپ کا کمرہ صاف کرتی ہوں۔ وہاں آپ کی تصویر ہے، اسے بھی صاف کرتی ہوں۔ زینب ماسی نے بتایا تھا آپ مومن صاحب ہیں، آپ صاحب کے بڑے بھائی اور میں روز رات کو آپ کو اوپر جاتے ہوئے بھی دیکھتی ہوں"۔ وہ سسکیوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اوہ"۔ مومن نے اس مرتبہ اس کے حلیے کا جائزہ لیا۔

"کب سے کام کر رہی ہو یہاں؟"

"تھوڑے سے دن ہوئے ہیں۔ میرے ماں باپ مجھے اور میری بہن کو یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ مگر میں بڑی کا کام بھی

کرتی ہوں وہ چھوٹی ہے اگر اس سے کوئی غلطی ہوگئی تو بیگم صاحبہ بہت ماریں گی"۔

وہ رومال میں خون جذب کرنے لگی۔

"تمہیں کسی نے مارا ہے؟ اس وجہ سے خون نکل رہا ہے؟"

سون کی آواز میں تشویش و فکر کا گہرا عکس تھا۔

سول نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"سنو میرے کمرے میں آؤ، تمہاری ناک سے بہت خون بہہ چکا ہے۔ اس کو روکنے کا انتظام کرتا ہوں ورنہ تم بے ہوش بھی ہو سکتی ہو۔ اٹھو۔ آؤ میرے ساتھ"۔

اس کا انداز اتنا قطعی اور دوٹوک تھا کہ سول بے چون و چرا اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے پیچھے چلنے لگی۔

سون دروازہ کھول کر اپنے کمرے میں داخل ہوا، لائٹس جلائیں فین چلایا اور آگے بڑھ کر باتھ روم کا دروازہ کھولا اور پلٹ کر سول سے مخاطب ہوا۔

"ادھر بیسن سے اپنے سر پہ پانی بہاؤ۔ اگر اس طرح خون رک گیا تو ٹھیک ورنہ پھر کوئی دوسرا حل نکالنا پڑے گا۔ جلدی کرو ہری اپ"۔

اسے سول کی ہچکچاہٹ سے بہت کوفت ہوئی۔

سول جھجکتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی اور ٹونٹی کھول کر بیسن پر جھک گئی۔ ساتھ ساتھ جھکے جھکے ہی دروازے کی سمت بھی دیکھ لیتی تھی کہ سون اس کے سر پر تو نہیں آ کھڑا ہوا۔ اب اسے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پانی بند کرتی وہ بڑ والے، اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ آواز لگا کر "صاحب" سے پوچھ لے۔

"آ جاؤ بھئی۔ اب تو سارے شہر کا پانی ختم ہو چکا ہوگا"۔

جب وہ خود سے باہر آتی دکھائی نہ دی تو سون نے بالآخر جھلا کر کہا تھا۔

وہ تو خود جھکے جھکے تھک گئی تھی۔ سون کی آواز کیا آئی یوں محسوس ہوا جیسے قید و سزا سے جان چھوٹی ہو، ٹونٹی بند کر کے فی الفور باہر آ گئی تھی۔

"ادھر آؤ"۔ سون نے اسے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

وہ بڑی معصومیت و تابعداری کے انداز میں اس کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ دوشیزگی کے احساس کی پہلی دستک ابھی آہستہ تھی کہ اس نے ابھی خود بھی نہیں سنی تھی۔ ابھی اسے کترانے کی ادا سے آشنائی نہیں تھی۔ ابھی وہ کائنات کی اس خفتہ سرشار لطافت سے بہرہ مند نہیں ہوئی تھی۔ بڑا بے اختیار اور سادہ انداز تھا۔ ابھی ذہن دالان میں کھیل کے لیے انتظار کرنے والی ہمجولیوں سہیلیوں سے باہر نہیں سوچتا تھا۔

سون نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر چہرہ اونچا کر کے ناک کا جائزہ لیا۔

"ہوں، خون تو اب نہیں بہہ رہا اور بہہ بھی کیسے سکتا ہے۔ اتنا پانی بہایا ہے کہ جم ہی گیا ہوگا۔

"کیا کیا تھا تم نے؟ وہ چپ کھڑی رہی۔

کیوں مارا ہے کسی نے تمہیں؟

سول کے ہونٹ جیسے سلے ہوئے تھے۔

"پہلے بھی کبھی مارا ہے؟"

سول کے انداز سے محسوس ہوتا تھا کہ اس نے جواب نہ دینے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔

"میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ مارتی رہتی ہیں تمہیں؟"

"صاحب! غلطی تو میری ہوتی ہے ناں۔ ابھی مجھے شہر والوں کے کام کی سمجھ نہیں ہے۔ کوئی کام کروں تو ڈر لگتا ہے کہ غلط نہ ہو جائے اور وہ غلط ہو جاتا ہے" اس کی آواز بھرا گئی۔

"آج کیوں مار پڑی؟"

"صاحب! وہ جو ہانڈی ہوتی ہے ناں شہر میں جس میں سالن جلتا نہیں، وہ جو لال رنگ کی ہوتی ہے وہ میں نے تاروں والے جونے سے مانجھ دی تھی۔ اس پر لکیریں پڑ گئیں۔ زینب ماسی مجھے آرام سے سمجھا رہی تھی۔ بیگم صاحبہ نے سن لیا۔ انہوں نے اندر آ کر ہانڈی دیکھی اور مجھے بہت مارا ماسی کو وہاں سے بھگا دیا تھا۔ بیگم صاحبہ سے تو سب کو ڈر لگتا ہے۔ میں ادھر چھپ کر بیٹھ گئی تھی۔ میں نے دیکھا تھا، آپ بہت رات کو آتے ہیں۔ آج آپ جلدی آ گئے۔ صاحب میں جاؤں باجی اور ماسی مجھے ڈھونڈ رہی ہوں گی۔" وہ بولتے بولتے یکدم چونکی۔

سون خود کسی دھیان سے چونکا۔

"کہیں اور تو چوٹ نہیں ہے؟"

"چوٹ تو نہیں ہے مگر سارا جسم دکھ رہا ہے" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"دھیان سے کام کیا کرو۔ اتنا زیادہ ڈرنے کی ضرورت نہیں"۔ سون کے لہجے میں عجیب سی نرمی تھی۔

"جاؤ تم۔ دروازہ بند کرتی جانا"۔ وہ اٹھ کر اپنی وارڈ روب کھولنے لگا۔

"ماہ نور! آج تم چھٹی کر لو"۔ عارفہ نے اسے نماز کے لیے کمرے میں جاتے ہوئے دیکھا تو ٹوک دیا۔

"ممی! پہلے ہی اتنی چھٹیاں ہو چکی ہیں۔ پرنسپل صاحب کا موڈ مزید بگڑ جائے گا۔ ساتھ کام کرنے والوں کے اس طرح کے انداز کام کو بوجھ بنا دیتے ہیں۔ اچھے اسکولوں میں ملازمت آسانی سے نہیں ملتی ہے"۔

"ہمیں تم سے عمر بھر نوکری نہیں کروانی ہے۔ کچھ لوگ آ رہے ہیں آج تمہارے سلسلے میں۔ دوپہر کے کھانے پر بلایا ہے تمہارے ابا نے۔ انہیں کے ملنے والوں میں سے ہیں۔ لڑکا بہت اچھا ہے۔ سرکاری ملازم ہے۔ پڑھا لکھا ہے میرا خیال جن کی طرف تھا ان کی طرف سے تو کبھی کوئی اشارہ تک نہیں ملا۔ اب محض آس کے سہارے تمہاری عمر کیوں نکالوں۔ لڑکیاں وقت پر اپنے گھر کی ہو جائیں اسی میں بہتری ہوتی ہے۔ کہنے کو وہ میری ماں ہیں۔ مگر میں ان سے بھی کبھی اپنے دل کی بات نہیں کہہ پائی۔ وہ بے چاری بھی کیا کریں۔ آج کل کے لڑکے اپنے آگے کس کی چلنے دیتے ہیں۔"

پھر ان کی اور ہماری حیثیت میں بھی بہت فرق ہے۔ شاید اپنے ہم پلہ لوگوں میں شادیاں کرنے کے خواہش مند ہوں"۔

عارفہ ایک تواتر سے بولے چلی جا رہی تھیں اور وہ ان کی بات مکمل ہونے کا انتظام کر رہی تھی۔

"مگر امی! اب میں چھٹی نہیں کر سکتی۔ آپ کو پتا نہیں عام پرائیویٹ اسکولوں میں تنخواہیں کیا ملتی ہیں؟ کسی کو بتاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ پورے علاقے میں یہ واحد پرائیویٹ اسکول ہے۔ جہاں اطمینان بخش سیلری ملتی ہے۔ ایک بجے تک نو میں

انہونی گی۔

شمسہ کے کالج میں پریکٹیکل شروع ہو چکے ہیں، وہ بھی چھٹی نہیں کر سکتی۔ میں اکیلی دوپہر تک سارا کام کیسے نمٹاؤں گی؟ تم سید صاحب کے ہاں سے فون کر کے اپنی کسی ساتھی ٹیچر کو ساری بات سمجھا دینا وہ پرنسپل کو سمجھا دے گی۔ جاؤ اب تم نماز پڑھ لو۔" انہوں نے گویا فیصلہ سنا دیا۔

"اتنی صبح صبح سید صاحب کے ہاں جاؤں فون کرنے؟ عجیب سا لگتا ہے۔ ان کی بیگم تو بہت دیر سے اٹھتی ہیں۔" اسے ماں کے مشورے پر نئی الجھن درپیش ہوئی۔

"تو کون سا ہم روزانہ جاتے ہیں ان کے ہاں فون کرنے۔ ایسے ہی موقعوں پر پڑوسی کام آتے ہیں۔ نماز تلاوت سے فارغ ہو جاؤ۔ آٹھ بجے جا کر کر آنا۔" عارفہ نے قطعی انداز میں بات ختم کی۔

اور اس نے بھی جیسے ہتھیار ڈال دیے اور اندر کمرے میں چلی گئی۔

نماز تلاوت سے فارغ ہو کر باہر آئی تو شمسہ کو کالج کے لیے تیار ہوتے دیکھا۔ پونے آٹھ بجے تک اسے اسٹاپ تک پہنچنا ہوتا تھا۔ کالج پوائنٹ سے جاتی تھی۔

"یہ بھی تو روزانہ اسی راستے سے بس اسٹاپ تک جاتی ہے۔ اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔ شکل بھی اچھی ہے۔ اٹھان بھی پوری ہے۔" وہ جانے کیا سوچنے لگی۔

"خیریت تو ہے آپا۔ آج صبح صبح مجھے اتنے غور سے کیوں دیکھا جا رہا ہے؟" وہ مسکرائی۔

"آں کچھ نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔ تمہیں کالج جاتے ہوئے کوئی پریشانی تو نہیں ہوتی؟"

پریشانی؟ شمسہ حیرت چھپا کر مسکرائی۔ "پریشانی کیسی؟ پوائنٹ سے جاتی ہوں۔ اور وہ ہمیشہ وقت سے آتا ہے۔"

"بس اسٹاپ ذرا ہمارے گھر سے دور ہے۔ ہاں، راستے میں تو کوئی مسئلہ نہیں ہوتا؟" وہ خود الجھ گئی۔

"ہمارا گھر ہے، ہمارا اسٹاپ ہے۔ راستے پر پاؤں لگ جائیں تو انسان خود بخود عادی ہو جاتا ہے۔ راستے میں کیا مسئلہ ہونا ہے۔ گھر سے بندوق سے گولی کی طرح نکلتے ہیں "ٹھاہ" اسٹاپ پر لگتے ہیں۔ راستے میں کیا مسئلہ ہو سکتا ہے۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

وہ ہنستے ہنستے یکدم چپ ہو گئی۔

"ارے کوئی مطلب نہیں ہے میرا، یوں ہی پوچھ لیا تھا۔

اس نے ٹال مٹول کے انداز میں جواب دیا۔

شمسہ کے انداز میں کتنی بے فکری و کتنا اعتماد تھا عجیب سا الہڑ پن۔

"ویسے بھی ہم چار پانچ ہوتی ہیں۔ "کھریاں" پکی ہوئی جاتی ہیں۔ بقول تائی جان کے یعنی خوب باتیں کرتی ہوئی۔ پتا بھی نہیں چلتا اسٹاپ آ جاتا ہے۔"

شمسہ نے کھلکھلا کر مزید اضافہ کیا۔

اوہ۔ ہاں۔ حمید صاحب کی گلنار کتنی خوبصورت ہے ناں شمسہ؟ وہ بھی تو تمہارے ساتھ جاتی ہے۔ شاید سیکنڈ ایئر میں ہے۔"

پھر اسے کچھ دھیان آیا تھا "چار پانچ" کے ذکر پر۔

"واقعی بہت خوبصورت ہے سب سے بڑھ کر آپا! خوش مزاج بہت ہے۔ اسی لیے سب ہی اس کو پسند کرتے ہیں۔

ذرا دماغ نہیں ہے، چھوڑیں آپ تو کسی سے کم ہیں۔"

شمسہ پھر ہنس پڑی زور سے۔

"یہ اوٹ پٹانگ سے جوڑ کے ہوتے ہیں۔ تنگ تو نہیں کرتے تم لوگوں کو؟" بے اختیار اصلی سوال اس کے منہ سے پھسل گیا۔ "مجال ہے ان کی ہمارا سر ا پھروا کر گدھے پر بٹھا کر پورے محلے میں گشت کروا دیں گے۔" شمسہ کی ہنسی بھرپور تھی۔

"نہیں نہیں، خبردار کبھی منہ نہیں لگنا ان کے، بہت خراب ہوتے ہیں یہ لوگ۔"

اس نے بُری طرح گھبرا کر شمسہ کو ٹوکا تھا۔

تو پھر آپا! آپ تو بہت ہی ڈرتی ہیں۔ ویسے آج تک تو ہمارے ساتھ کبھی اس قسم کا مسئلہ نہیں ہوا۔ آپ بے فکر رہیں۔ محلے میں سب ہمیں پہچانتے ہیں، کوئی ہمیں تنگ نہیں کر سکتا۔ اب ہمارے محلے کے لڑکوں کا بھی تو دل ہے، ہم تو ان کے "گرائیں" ہیں ہمیں تو وہ کچھ نہیں کہیں گے اگر دوسرے علاقے میں کسی "زنانی" کو چھیڑ آئیں تو کیا حرج ہے۔ بچے ہیں بے چارے، انسان ہیں آخر۔"

شمسہ شرارت سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"انسان ہی تو نہیں ہوتے اس قسم کے لوگ۔ ہر عورت بہرحال کسی نہ کسی کی عزت تو ہوتی ہی ہے۔"

اس کے لہجے میں لاشعوری طور پر ایک تلخی سی در آئی۔ وہ چائے پینے کے خیال سے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ابا جان ابھی تک مسجد سے واپس نہیں آئے تھے۔

"چپ آ گیا ہے۔" قمر انساء نے بہن کی سمت جھک کر سرگوشی کی۔

"کیا عذاب ہے یار، یہاں گلدان کے نیچے ایک درجن کارڈ رکھ چھوڑا تھا۔ کہاں پھینکا ہے گھر ہے کہ مصیبت" وہ بری طرح دھاڑا۔

"چیخنے سے کیا چیز مل جاتی ہے؟ ابھی ڈھونڈ لیتے ہیں۔ میں تمہاری چھوٹی سے چھوٹی چیز سنبھال کر رکھتی ہوں۔" قمر انساء اوٹی تو ائی ادھر ادھر دوڑتی نظر آئیں اور چند منٹوں بعد چند وزٹنگ کارڈ لا کر اس کے سامنے رکھ دیے۔

"اب ان میں اسے تلاش کروں؟ میری چیز جہاں ہو اسے وہیں رہنے دیا کریں۔ پکایا کیا ہے؟" وہ کارڈز پر نظر دوڑاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"بکری کے پائے۔" اس نے مختصر ترین جواب دیا۔

"بکری کے پائے بھی کوئی کھانے کی چیز ہے۔ الٹا کیا ہے سردوں میں سے۔ پائے تو بڑے ہوتے ہیں۔ خود ہی کھا لینا" اس نے لات مار کر کرسی ایک طرف کی۔

"اماں، میں نے آپ سے ایک کام کہہ رکھا ہے۔ مگر شاید آپ بھول جاتی ہیں۔ اماں؟" اچانک ہی اس نے پینترا بدل لیا اور بڑی اپنائیت سے بات کرنے لگا۔

"کونسا کام؟" قمر انساء وحشت پر ڈر گئیں۔

"اگر آپ اسی طرح بھولتی رہیں تو پھر یہ کام میں خود ہی کر لوں گا۔"

وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور پاؤں پھیلا لیے۔

فر النساء نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔

"تیری سمجھ میں بات کیوں نہیں آ رہی پاشا! وہ بہت شریف، غریب مگر عزت دار لوگ ہیں۔ ان کی پہچان بھی بڑی نیک نام ہیں۔ وانہیں زہر تو دے سکتے ہیں۔ مگر یہ رشتہ منظور نہیں کر سکتے۔ تو میں اپنی بات منوانے کیوں جاؤں؟"

"دیکھو اماں آج تک تو آپ کہیں ہمارا رشتہ لے کر گئیں نہیں نہ ہم نے جانے کا کہا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کسی گھر میں ہمارا پیغام جائے اور انکار ہو جائے۔ اماں میرا آج سے تعارف کرا دینا۔ نام پاشا ہی بولنا۔ کبھی کوئی انکار نہیں کر سکے گا۔ مجال نہیں کسی کی۔"

"نادان اور احمق، زندگی میں خود کبھی باپ بنا تو پتا چلے گا کہ اولاد کیا ہوتی ہے۔ غریب کی بیٹی بھی اس کی اولاد ہوتی ہے۔ گھر میں پڑا کباڑ نہیں جو اٹھانے آ گیا دے دیا۔ تیری عقل میں یہ ننھی سی بات نہیں آتی۔"

"کیوں کیا برائی ہے مجھ میں؟ کھاتا کماتا نہیں ہوں۔ ہاتھ پاؤں میں فرق ہے؟ کانا ہوں، جاہل ہوں"

"سبحان تیری قدرت" فر النساء نے اعلیٰ درجے کی "خود ستائی" پر گویا سر پیٹ لیا۔

"پاشا غور سے میری بات سن۔ تیرا نام سنتے ہی لوگ کانپنے لگتے ہیں اور تجھ میں سب سے بڑی برائی یہی ہے تو جن راستوں پر چل نکلا ہے۔ وہ دکھوں کے راستے ہیں۔ میں تو تیرے باپ کا کیا بھگت رہی ہوں۔ یہ سب اسی کی وجہ سے ہے۔ کہتے ہیں کہ مائیں بچوں کو خراب کرتی ہیں۔ دنیا میں کہاں اکلوتے بیٹے ہوتے نہیں؟ اکلوتے بیٹے کی پرورش میں تو اور احتیاط کرنا چاہیے۔"

"چھوڑیں اماں! آپ یہ تقریر بند کریں۔ میرے باپ نے مجھے مضبوط ہو کر جینا سکھایا ہے اور یہی زندگی ہے۔ آپ مطلب کی بات کریں۔ وہاں جا رہی ہیں یا نہیں؟" اس نے لاپروائی سے سوال کیا۔

"ہزار مرتبہ چلی جاؤں۔ کس ماں کو اچھی بہو کا ارمان نہیں؟ مگر میں صرف جا سکتی ہوں، اپنی بات منوا نہیں سکتی۔ بڑے عزت دار لوگ ہیں وہ وضع دار گھرانہ ہے جو اپنی وضع داری پہ جان دے دے۔"

فر النساء جیسی تھکی ہاری سیدھی سادی عورت اسے اتنا ہی سمجھا سکتی تھی۔

"تو ہم بھی کوئی تیچ لوگ نہیں ہیں۔ میرا باپ ایک مال دار آدمی تھا۔ بہت عزت تھی اس کی۔ آج بھی ہمارے پاس ایک آئرن فیکٹری، تین چار دو دکانیں، دادو کی زمین، نواب شاہ کا باغ، اتنا کچھ تو ہے ہمارے پاس۔ کیا ہم اسے خوش نہیں رکھ سکتے، اس نے خواب میں بھی اتنی دولت کا سوچا ہوگا؟"

وہ بہت مغرورانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"وضع دار خاندان دولت کے پھندے میں اتنی آسانی سے نہیں پھنستے، دولت سے بہت لوگ متاثر ہو سکتے ہیں۔ سید صاحب کی بیگم بتا رہی تھیں۔ یہ بہت خاندانی لوگ ہیں۔ وقت کی بات ہے بہت دولت دیکھی ہے پیچھے انہوں نے۔"

"اماں! بات صرف اتنی ہے کہ میرے باپ نے مجھے عادات ڈال دی ہے جو چیز مجھے اچھی لگے، وہ میری ہے" وہ اطمینان سے گویا ہوا۔

"وہ چیز نہیں ہے پاشا! انسان ہے۔ انسانوں کو چیزوں کے حساب سے نہیں تولتے" فر النساء نے بڑے دکھ سے کہا۔

"تو اپنے سارے دھندے چھوڑ کر سیدھی زندگی کی راہ چل۔ اگر مجھ سے یہ وعدہ کرے تو میں بھی ان سے وعدہ کر کے اپنی بات منوا لوں گی۔ اس حالت میں وہ تجھے بیٹی نہیں دیں گے۔"

"مجھے کسی کی خاطر خود کو بدلنے کی ضرورت نہیں۔ میں اسی حال میں سب کچھ حاصل کر لوں گا۔" اس نے حقارت سے

جواب دیا۔

"آپ ان کے گھر جائیں۔ کیسی پاشا کے لیے آئی ہوں۔ بس پوچھ لینا کہ ہم کس دن بارات لے کر آئیں؟" اس کے لہجے میں جیسے آقا کا کوئی درندہ غرانے لگا۔

"خوب" فر النساء نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"وہ زہر کھا سکتی ہے مگر بات نہیں بھر سکتی۔ مجھے سید صاحب کی بیوی نے ایک ایک بات بتائی ہے۔"

"اماں! آپ کو میرا پتا ہے ناں؟ پھر کیوں ضد کر رہی ہیں؟" اس کا انداز ماں سے بھی بدل گیا۔

"انہی کی عزت تو کر رہا ہوں کہ ماں کو رشتے کے لیے بھیج رہا ہوں، ورنہ تو اسے حاصل کرنا میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں"

اس کا لہجہ سفاک تھا۔

"ہائے پاشا! یہ ظلم نہ کرنا۔ یہ ٹھیک ہے تیری پانچوں بہنیں اپنے اپنے گھر کی ہیں۔ مگر وہ بھی بال بچوں والی ہیں۔ کیوں خدا کے قہر کو آواز دے رہا ہے" فر النساء کانپ کر رہ گئیں۔

"ٹھیک ہے، میں چلی جاؤں گی۔" وہ کافی دیر کچھ سوچنے کے بعد گویا ہوئیں۔ چہرہ پہلے کے مقابلے میں قدرے پرسکون حالت کی غمازی کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

"دہلی کی جو جامع مسجد ہے، بالکل سامنے ان کا گھر سمجھو اسے ہے۔ بڑا اچھا وقت تھا۔ کئی خاندان اس ایک گھر میں ہنسی خوشی رہتے تھے۔ کوئی تیر میر نہیں جس کا جہاں جی چاہتا سو رہتا تھا۔ آج کی طرح نفسا نفسی کا زمانہ نہیں تھا کہ کوئی کسی کے کمرے میں گھس گیا تو قیامت آ گئی۔ کسی چیز پر کسی کا نام نہیں لکھا تھا۔ چار چار دیورانیاں، جیٹھانیاں۔ دو تین کنواری نندیں، گھر کی بڑی بوڑھیاں۔ ایسے کام کرتی تھیں کہ مغرب کی نماز کے فوراً بعد اتنا بڑا خاندان کھانا کھانے بیٹھ جاتا تھا۔ آج کی طرح خدا کی مار نہیں تھی کہ رات رات بھر جاگتے ہیں۔ جانے ٹیلی وژن پر کیا الا بلا دیکھتے ہیں۔ پھر دن چڑھے تک سوتے ہیں۔ برکتیں بھلا خاک ہوں گی۔ ذہن کیسے کھلے، شعور کیسے بڑھے۔ عشاء کی نماز کے بعد کچھ دیر آپس میں ہنسی خوشی کی باتیں کرتے پھر جلدی سو جاتے۔ صبح نور کے تڑکے اٹھ بیٹھتے۔ ایسا بندھا انتظام تھا کہ منٹوں کا فرق بھی کبھی آتا ہوگا۔ ظہر سے پہلے کھانا۔ عصر کے بعد چائے، عشاء سے پہلے کھانا، یہ لمبا دسترخوان، طرح طرح کی چٹنیاں، سلاد، میٹھا، پھر ساتھ کھانے کی برکت اسے ہے۔ کیا وقت تھا" بڑی اماں نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"یہ جو جمال آ رہا ہے ناں، یہ آج بھی اسی گھر میں رہتے ہیں۔ باقی تو کچھ یہاں آ گئے۔ کچھ باہر ملکوں میں چلے گئے۔"

ربا ان کے زانو پر سر رکھے بڑی دلچسپی اور غور سے سن رہی تھی اور اپنی پختہ عادت کے مطابق بیچ میں کوئی احمقانہ قسم کا ٹکڑا بھی نہیں لگا رہا تھا۔ اپنی لمبی لمبی پلکیں جھپک رہی تھی جس سے اس کا انہماک ظاہر تھا۔

"یہ جو جمال بھائی ہیں۔ کس کے برابر ہیں؟ چاند بھائی کے، ظہیر بھائی کے یا آکا جان (مظاہر) کے؟" اس نے جانے کیا سوچ کر سوال کیا۔

"چاند سے تو چھوٹا ہے" بڑی اماں نے بڑی محبت سے ربا کی پیشانی سے بال سمیٹے۔

"یہ میرے بھتیجے سعد الدین کی تیسری اولاد ہے۔ بس شاید مظاہر کی عمر کا ہوگا۔ بہت پہلے اپنے والدین کے ساتھ بھی آیا تھا مگر اس وقت تم ڈھائی تین سال کی تھیں۔ بہت سیدھا بچہ ہے۔ سب کہتے ہیں بہت بے وقوف ہے۔ آج کے زمانے میں تو

سیدھا ہونا بھی ایک "سادہ پن" ہے"۔

"چلیں ٹھیک ہے۔ وہ سیدھے ہیں تو میں انہیں الٹا کر دوں گا" ۔ ریبا کو گدگدی ہونے لگی۔

"خبردار جو تم نے اس کے ساتھ کوئی شرارت کی۔ ادب سے بات کرنا اس سے۔ بڑا بے غم ہے۔"

"بڑی اماں! آپ کی ڈکشنری میں سیدھا کس کو کہتے ہیں؟" اس نے پھر عجیب و غریب سا سوال کر دیا۔

میری ڈکشنری۔ کوئی آسمان سے اتری ہے۔ سیدھا اس انسان کو کہتے ہیں۔ جس میں چالاکی و ہوشیاری نہ ہو۔ ہر کسی کا یقین کر لے"۔

رادو چلیے میں ان سے کہوں گی کہ میں لڑکی نہیں لڑکا ہوں۔ وہ جھٹ یقین کر لیں گے"۔ ریبا نے پھر شرارت بھرے لہجے میں بات کاٹ دی۔

بیٹی! سیدھے اور پاگل میں بہر حال فرق ہے۔ تجھے کوئی پاگل ہی لڑکا سمجھے گا اور تجھے مصیبت آئی ہے کہ ضرور لڑکا بنا ہے۔ لڑکوں کی زندگی کوئی آسان کام ہوتا ہے۔ کوئی کسی کو آسانی سے پیسے دے دیتا ہے۔ ہر ایک مرد ہی ہوتا ہے جسے کئی جانوں کو کھلانے پلانے کی فکر کرنا پڑتی ہے"۔

بڑی اماں! اسے فوج میں بھیج دیں۔ پتا چل جائے گی اسے اپنی اصلیت۔ بڑا شوق ہے مردوں کی برابری کرنے کا۔ چھ پدی چھ پدی کا شوربہ"۔

مظہر چند لمحے قبل ہی لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ میچ کھیلنے کی وجہ سے بے حال ہو رہا تھا۔ شوز اتار کر بہت سکون سے بیٹھا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ کپڑوں پر پسینے کی واضح علامات تھیں۔

بڑی دعوے دار بنتی ہیں کہ برابری کا وجود۔ خواتین میں کوئی "بریڈمین" گزری ہے؟"

"وزیر اعظم بن کر گارڈ آف آنر کی سلامی لے سکتی ہیں۔ کسی بٹالین میں شامل ہو کر سلامی دے نہیں سکتیں۔ اس لیے کہ سلامی دینے کے مرحلے سے پہلے لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے۔ ذرا سے گھر کے جالے صاف کرنے پڑ جاتے ہیں تو دو دن کمر میں درد رہتا ہے۔ لڑے گا نیں گی یہ"۔

"ہائیں ہائیں۔ ارے بس چپ۔ بولے ہی چلا جا رہا ہے" بڑی اماں نے ٹوکا۔

"اس لیے بولے چلا جا رہا ہوں کہ دوسری طرف بولنے کے لیے کچھ نہیں ہے"۔ وہ بھی ایک ہی تھا۔

"کیوں نہیں ہے بولنے کے لیے۔ مارے جوش کے اٹھ کر بیٹھ گئی"۔ ساری دنیا کے مرد صرف فوج ہی میں نہیں جاتے۔ دوسرے کام بھی کرتے ہیں"۔

"ہوں۔ کروڑوں مردوں کے ملک میں لاکھ سے اوپر فوجی ہوتے ہیں۔ عورتوں نے فائلوں میں دنیا میں جگہ زیادہ گھیری ہوئی ہے۔ مگر فوج میں نہیں ملتیں۔ کوئی آرمی میں ڈاکٹر ہو جاتی ہے تو پھولی نہیں سماتی۔ جیسے چیف آف آرمی اسٹاف بن گئی ہو"۔ مظہر دل کھول کر ہنسا۔

"اتنی بے خبر نہیں ہوں کہ آپ آسانی سے بے وقوف بنا لیں۔ امریکہ کی فوج میں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ مردوں کے شانہ بشانہ ٹینکوں میں اور کرافٹس میں خود میں نے تصویریں دیکھی تھیں۔ کویت عراق کی جنگ جب ہوئی تھی"۔ ریبا نے اپنی دانست میں گویا مظہر کو لاجواب کر دیا۔

"ہاہاہاہا۔" مظہر ہنس ہنس کر دوہرا ہونے لگا۔ "محترمہ آپ نے تصویریں غور سے نہیں دیکھیں غالباً۔ وہ ان امریکی

فوجی عورتوں کی تصویریں تھیں۔ جنہیں عراقی فوج نے جنگی قیدی بنا لیا تھا۔ خوب مزا چکھا ہوگا فوجی بننے کا۔ بچوں کو یاد کر کے رو رہی ہوں گی کہ پتا نہیں ان کے ابا نے فیڈر بنائی ہوگی یا پیالی ہی منہ سے لگا دی ہوگی۔ بڑی کہیں اسکول کی چھٹیاں نہ کر رہی ہو۔ پہلے ہی پڑھائی میں کچی ہے۔ مہینے کا راشن ختم ہو گیا ہوگا"۔ وہ فوکر دیر سے آتے ہیں۔ پتا نہیں دکاندار نے ادھار کا تقاضا نہ کر دیا ہو"۔

بڑی اماں بھی مسکرا دیں۔ پھر یکدم سنجیدہ ہو گئیں۔

"عورت تو پردے کی چیز ہوتی ہے۔ جانے دنیا کو کیا ہو گیا ہے۔ مرد نہیں رہے شاید ان کے یہاں لڑنے کو۔ یہ تو بہت غلط بات ہے"۔

وہ جانے کیا سوچ کر افسوس کرنے لگیں۔

"انہی محترمہ کی طرح شوق ہوگا انہیں "مرد" بننے کا" مظہر نے چھیڑا۔

"بھلا۔ فطرت سے الجھنے کا فائدہ۔ کیا الجھنے سے فطرت بدل جاتی ہے؟"

"پھر مجھے محترمہ کہا"۔ وہ رو ٹھی۔

"ہاں ویسے تو تم مرد نہیں بن سکتیں۔ کیا پتا۔ حلق پھاڑنے سے بن جاؤ"۔ بڑی اماں کو اس کی اونچی آواز پر سخت ناگواری محسوس ہوئی۔

"میں پھر کہہ رہی ہوں۔ جمال کے سامنے یہ الٹی سیدھی حرکتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیا کہے گا ہم لوگوں کے متعلق جب واپس ہندوستان جائے گا؟"۔

"کب آ رہے ہیں جمال بھائی، میرا مطلب ہے ڈیٹ کیا ہے؟" مظہر نے پوچھا۔

"اظہر نے بتایا تو تھا"۔ بڑی اماں سوچنے لگیں۔

مجھے تو سیدھے سے جمال بھائی کو دیکھنے کا بہت شوق ہو رہا ہے"۔ ریبا نے بڑے اشتیاق سے کہا۔

کیا مطلب بڑی اماں؟ کیا وہ دیکھنے کی چیز ہیں؟ مظہر نے تعجب سے پوچھا۔

تم لوگوں کی انہی بے سر و پا باتوں کی وجہ سے مجھے ہول اٹھتے ہیں۔ بچہ یہاں آ کر پریشان نہ ہو جائے"۔ بڑی اماں ناراض ہونے لگیں۔

بچہ۔ جب میں بچی نہیں ہوں تو وہ بچے کیوں ہیں؟ آپ ہی تو دن رات کہتی رہتی ہیں کہ تم بچی نہیں رہیں"۔ ریبا بولنے سے باز نہ رہ سکی۔

"بڑوں کے لیے تو بچے ہی رہتے ہیں۔ تجھے تو زبان پکڑنے کی عادت ہے"۔

زبان پکڑنے کی عادت ہے۔ ٹانگ کھینچنے کی عادت ہے۔ ٹانگ اڑانے کی عادت ہے۔ عادتوں کی تو ایک لسٹ ہے"۔ مظہر نے بڑی اماں کے جملے کے ساتھ اضافے کیے۔

ہر انسان کی کوئی نہ کوئی عادت ہوتی ہے"۔ با اطمینان سے گویا ہوئی۔

"بڑے ہی غلام ہوتے ہیں جو "عادتوں" کے غلام ہوتے ہیں۔ کیوں بڑی اماں؟" مظہر نے بڑی اماں سے رائے طلب کی۔

"اور نہیں تو کیا" بڑی اماں نے بھی مظہر کو مایوس نہیں کیا۔

"اسی لیے تو مجھے لڑکا بننے کا شوق ہے کہ لوگ لڑکوں کی ہر بات سے اتفاق کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں پہلی لڑکی پر مٹھائی

بنی ہے مگر لڑکے گیارہ ہو جائیں تو گیارہ مرتبہ بجتی ہے"۔ ریامتہ بتا کر کہہ رہی تھی۔

بڑی اماں بے ساختہ مسکرا پڑیں۔ بڑی شفقت سے ریا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

لڑکیاں تو بہت اچھی ہوتی ہیں۔ دم دم کی ساتھی۔ لڑکیوں سے ڈر نہیں لگتا۔ ان کے نصیب سے ڈر لگتا ہے۔ بیٹی بی تو اپنی ہوتی ہے۔ بیٹے تو دنیا کے لیے ہوتے ہیں۔ بیٹی نصیب والی ہو، خدمت گزار ہو۔ تو اس سے بڑی نعمت اور ہو ہی نہیں سکتی"۔ ان کی آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا۔ جانے وہ کیا سوچ رہی تھیں۔ مظہر لاؤنج سے باہر جا چکا تھا۔ اس کے زینہ چڑھنے کی آواز لاؤنج تک آ رہی تھی۔

آج کوٹھی میں عجیب دھما چوکڑی مچی ہوئی تھی۔ بیگم صاحبہ اسلام آباد گئی ہوئی تھیں۔ صاحب بنکاک چلے گئے تھے۔ جب بھی دونوں کے درمیان کوئی سنگین قسم کی لڑائی ہوتی تو یونہی ہوتا تھا۔ مہینوں ایک دوسرے کی شکلیں نہیں دیکھتے تھے۔

ماسی نے سول کو مبارکباد دی تھی کہ اب بہت دنوں تک تیری پٹائی نہیں ہوگی۔ سول کو خود بھی ایک خوشگوار تبدیلی ماحول میں محسوس ہو رہی تھی۔ یوں جیسے طویل قید سے رہائی ملی ہو۔ ورنہ جب سے وہ یہاں آئی تھی مسلسل اذیت ناک احساسات سے گزرتی رہی تھی۔

چونکہ چونکہ پرانی تھی کہ اب کچھ ہوا، اب کچھ ہوا۔

سارے ملازمین کے ہر سائز کے بچے لان میں موجود تھے۔ کسی کے ہاتھ میں پانی کا پائپ تھا۔ کوئی پھلواری کھیلنے کی نیت سے ٹھیکرے اکٹھے کرتا پھر رہا تھا۔ ہوش میں رہنا۔ یوں نہ سمجھنا کوٹھی میں کوئی نہیں ہے۔ سون صاحب ابھی یہیں ہیں"۔ ماسی نے ہوشیار خبردار کے انداز میں تنبیہ کی۔

تو کیا ہوا۔ سون صاحب ہی تو ہیں ناں۔ کچھ نہیں کہیں گے وہ۔"

سول نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔ کہیں سے ٹھیکرے وہ بھی ڈھونڈ لائی تھی جو اس نے ماسی کے نواسے کو تھما دیے۔

"سنی صاحب ہوتے تو دوسری بات تھی۔ ان سے تھوڑا ڈر لگتا ہے مگر سون صاحب سے نہیں لگتا"۔

"کیوں؟" ماسی سن رسیدہ عورت تھی۔ اس کا چونکنا فطری تھا۔ اس نے تو کبھی سول کو سون سے بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔ پھر یہ اس طرح کیوں بولی؟۔

"سون صاحب کا غصہ بہت خراب ہے۔ کسی غلط فہمی میں نہ رہیو چھوکری"۔ ماسی نے حفظ ماتقدم کے تحت کہا تھا۔ وہ بہت گہری نگاہ سے سول کو دیکھ رہی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے ماسی! مجھے سنی صاحب یا سون صاحب سے کیا لینا دینا۔ اب تم ہم سب بچوں کو کھیلنے دو"۔ وہ اپنی فطری بے نیازی سے گویا ہوئی۔ "کھیلو مگر لڑنا مرنا مت"۔ اس نے تائید کی۔ کوئی شیشہ وشیشہ مت توڑ دینا"۔ وہ اندر جاتے ہوئے مزید تاکید کے ضمن میں کہہ رہی تھی۔

سول گیند ہاتھ میں لیے بچوں کے تعاقب میں دوڑ رہی تھی۔ ڈرائیور کے کاکو پر اس نے نشانہ باندھا تھا۔ مگر یہ کیا گیند تو سون صاحب کے سر سے جا ٹکرائی تھی۔ جو پورچ کی سمت جا رہے تھے۔

سب بچے سہم کر اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو گئے۔ کہاں کچھ دیر قبل کا شور کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ کہاں یہ عالم کہ سانس تک رکے ہوئے تھے۔ سون بچوں کی طرف آیا۔

"کس نے پھینکی تھی گیند؟" اس کے تیور بری طرح بگڑے ہوئے تھے۔

"ہم ہم سول نے"۔ بانگی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ سول بہر حال نڈر سے پر سکون تھی۔ مگر یہ کہا۔

"چٹاخ چٹاخ دو تھپڑ سول کے رخساروں پر پڑے تھے" تمہارے باپ کا گھر ہے، کس نے اجازت دی تم لوگوں کو لان میں کھیلنے کی۔ بی آف فرام ہیر۔ دفعان ہو جاؤ"۔ وہ اتنی زور سے دھاڑا کہ بانگی دوھپ سے نیچے ہی گر گئی۔

صورت حال اتنی ہیبت ناک تھی کہ کاکو جو ان سب میں خاصا بہادر تھا۔ بانگی کو بدحواسی میں گرتا دیکھ کر خواہش کے باوجود مسکرا نہ سکا۔ حالانکہ سخت گدگدی محسوس ہو رہی تھی۔

سول ہکا بکا کھڑی سون کی سمت دیکھ رہی تھی جو پورچ کی سمت واپس پلٹ گیا تھا۔ ماسی کچن میں مصروف تھی مگر کان تو اس کے لان ہی کی طرف لگے ہوئے تھے۔ یکدم سناٹے پر وہ افتاں و خیزاں کیفیت میں باہر آئی تھی۔ ایک نگاہ اس نے خاموش کھڑے بچوں پر ڈالی اور دوسری خود بخود پورچ کی طرف اٹھ گئی۔

چوکیدار گیٹ وا کر چکا تھا۔ گاڑی بڑی غیر ذمے داری سے گیٹ سے باہر نکالی گئی تھی۔ پہیوں کی چرچراہٹ گویا چلانے والے کی ذہنی کیفیت بیان کر رہی تھی۔ "کیا ہوا تھا؟" ماسی نے سول ہی کی طرف دیکھا جو ابھی تک رخسار پر ہاتھ رکھے ششدر کھڑی تھی۔

"ماسی! سون صاحب نے سول کو خوب مارا، خوب مارا" کاکو نے جی بھر کر نمک مرچ لگایا۔

"نہیں ماسی۔ صرف دو تھپڑ" کاکو کے چھوٹے انور عرف انو نے بھائی کے مبالغے پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فوراً تصحیح کی۔

"مگر کیوں؟" ماسی خود بہت حیران تھی۔

"اس نے سون صاحب کو بہت زور سے گیند ماری"۔ کاکو جواب دینے میں پیش پیش رہا۔

"نہیں ماسی۔ خود بخود لگ گئی تھی"۔ بانگی نے بہن کی بروقت مدد کی۔ کاکو کی شرپسندی اسے بہت کھل رہی تھی۔ کاکو بانگی کی طرف متوجہ ہوا۔

"بانگی! تو کیوں گر گئی تھی؟" بچے کاکو کی شرارت پر ہنس ہنس کر لوٹ گئے۔ کچھ دیر پہلے کی کیفیت ماحول سے زائل ہونے لگی۔

"اس کے پیچھے جن لگ گئی تھی۔ صاحب کی آواز بھی تو تیز تھی"۔ ایک اور بچے نے تکلف کیا۔

"باز نہیں آؤ گے تم لوگ۔ چلو بھاگو۔ بدذات مجھے بھی نکلوائیں گے ادھر سے۔ چل سول! میرے ساتھ اندر"۔ وہ کسی گہری سوچ سے باہر آ کر ڈپٹ کر بولی۔

سول خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑی۔

"لگتا ہے تیرے نصیب ہی میں پٹنا ہے۔ تو یہاں کھیلنے نکل آئی۔ تیرے غریب ماں باپ تجھے یہاں کام کو چھوڑ گئے ہیں۔ بے خبر۔ بھوک کی آگ نے ان کی مت ہی مار دی۔ یہ منحوس آگ ہے ہی ایسی ہے۔ ہزاری مرتبہ تجھے بولا ہے۔ بس تو میرے ساتھ ساتھ رہا کر۔ اب اتنی بھی بچی نہیں رہی تو کہ کھیلے بغیر تیری روٹی ہضم نہیں ہوتی"۔

وہ اسے ڈانٹتی کچن میں لے آئی۔

"اور تو کیا کہہ رہی تھی کہ سون صاحب سے ڈر نہیں لگتا؟ کیا پہلے تجھ سے کبھی انہوں نے بات کی؟" ماسی کو ایک دم جیسے

کوئی دھیان آیا۔

"مجھے کیا پتا ایسے ہیں مون صاحب۔ اس دن رات کو تو بڑے ہمدرد بن رہے تھے" موتی جیسے پھٹ پڑی تھی۔

ماسی کا دل دھک سے رہ گیا۔ "رات کو؟ کون سی رات کو؟"۔

"جس رات بیگم صاحب نے مجھے مارا تھا۔ اس دن میں جلدی سو گئی تھی۔ برتن نہیں دھوئے تھے۔ تم اپنے بھائی کے گھر گئی ہوئی تھیں۔" اس نے بگڑے بگڑے انداز میں جواب دیا۔

"کیا ہمدردی کی تھی انہوں نے تجھ سے؟" ماسی کی نگاہ اس کے چہرے پر جا کر جانے کیا کھوجنے لگی۔

"میری ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ انہوں نے اپنے غسل خانے میں بھیجا تھا مجھے سر پر پانی ڈالنے کو۔" بھولپن سے بتا رہی تھی۔

"پھر؟" ماسی کا کلیجہ جانے کیوں کانپنے لگا۔

"کیا پھر پھر کیے جا رہی ہو؟ خون رک گیا تھا اور میں کوارٹر میں چلی گئی تھی۔" موتی چڑ کر کہہ رہی تھی۔

"اچھا" ماسی نے گہرا سانس لیا۔

"آئندہ مجھے بتائے بغیر اوپر نہ جائیو۔" وہ بظاہر عام سے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"کیوں اوپر کوئی جن رہتا ہے؟ کھا جائے گا مجھے؟" وہ جھلا گئی۔ بچوں کے سامنے مون صاحب نے ڈرا دیا تھا تو کیوں نہ جھنجھلاتی۔

"ہاں کھا جائے گا۔ زبان بہت چلنے لگی ہے تیری۔ میں تو تجھے اپنی بیٹی سمجھتی ہوں۔ تب ہی تو سمجھاتی ہوں۔ تو نہیں ہے تو مجھے دکھ ہوتا ہے۔ تو اور تیری بہن ادھر سب سے کمزور ہیں۔ اور نوکروں کو کیوں تمہیں پینے ڈالنے یہ لوگ؟ نوکر اور غلام میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ایسے پیٹ کر کوئی نوکری نہیں کرتا۔ نوکر یہاں بہت محنت کر کے ادھر بھی کھاتا کہیں اور بھی کھاتا۔

مگر تیرے اپنے ماں باپ فاقوں سے تنگ آ کر ادھر رفتی غلامی میں رہے گئے ہیں۔ عمر بھر کی غلامی ہو تو لونڈی مالکوں کو حلال ہو جاتی ہے۔ مگر پھر بھی تو غلام نہیں ہے۔ ایک دن تیرا گھر بستا ہے۔ ہاں بچے پالتے ہیں۔ ادھر اور دوسری جگہوں پہ گاؤں کوٹھوں سے بہت لڑکیاں آئی ہوئی ہیں۔ بہت کچھ دیکھتی ہوں پر کیا کر سکتی ہوں۔

دیکھ موتی۔ تو اور باقی ساتھ عزت، خیریت سے یہ دھوپ کاٹ لو۔ اللہ تمہیں آگے چھاؤں دے۔ اللہ بار مجھے روز تاکید کرتا ہے کہ تم دونوں بہنوں کا خیال رکھوں"۔

ماسی رسلے ہوئے برتن کیبنٹس میں لگانے کے دوران اسے بہت رسانیت سے سمجھا رہی تھی۔

موتی سب کچھ سن رہی تھی۔ مگر کچھ یوں کہ گویا ماسی کوئی ایسی زبان بول رہی ہو جو اس کی سمجھ میں نہ آتی ہو۔ اس لیے کہ وہ تو۔

دراصل حیرت میں ہار رہی اسی نشان پر ٹھہری ہوئی تھی جہاں مون کے طمانچے کھا کر اذیت بھری حیرت کی ابتدا ہوئی تھی

☆☆☆☆☆

"اچھے لوگ ہیں"۔ عارفہ نے اپنی رائے شوہر تک پہنچادی۔

"ہوں۔۔ بہت پرانا ساتھ ہے۔ قسمت اچھی ہے کہ بچے سب لائق نکل گئے۔ اصل میں تو انسان کی قسمت ہی ہے ورنہ کبھی باپ نے کما کے اولاد کو سکھ ملا یا نہیں"۔

طاہر علی نے اپنے مخصوص تھکے تھکے لہجے میں کہا جو مسلسل بیماریوں کے سلسلے کی عطا تھی۔

"ہیں تو ہے" عارفہ کے انداز میں بڑی طمانیت اتر آئی تھی۔

"اماں کو بھی بلوا لیتیں۔ وہ بھی دیکھ لیتیں۔ آخر بڑی بوڑھی ہیں۔ ان کے مشورے بہت قیمتی ہو سکتے ہیں۔ پھر وہ تمہاری بزرگ ہیں"۔ طاہر علی نے عارفہ کی کوتاہی کی نشاندہی کی۔

"اماں کو فرصت کہاں۔ کیوں پریشان کروں؟ یوں بھی انہیں ہمارے معاملات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے"۔ عارفہ نے تلخی چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اس گھر کے مسئلے اور طرح کے اور ہمارے مسئلے اور طرح کے۔ گھر اولاد تو میں بھی ہوں مگر مجھے کبھی ان سے وہ اہمیت نہیں ملی جو میرا حق ہے۔ اگر انہیں دلچسپی ہو تو سو بار بلاؤں۔ مگر ان کی بلا سے آپ کسی کو بھی اپنی بٹی رہے رہیں۔ انہیں کیا۔ دیکھتی نہیں رہیں۔ مجھے میرے مسائل کو۔ دو جوان بیٹیوں کا ساتھ ہے۔ ایسی فکر کرنے والی ہوتیں تو بات ہی کیا ہوتی۔ بڑی آپا ڈرائیور بھیج کر بلوا لیتی ہیں۔ بھائی میاں ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھیج دیتے ہیں۔ میری اتنی اوقات نہیں۔ میں کیسے لاؤں اپنے گھر ہونہہ۔

مجھے نصیحتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے زخموں پر سے کھرنڈ اترنے لگتا ہے۔ شادی طے ہو جائے گی تو بتا دیں گے۔ آ جائیں گی مہمانوں کی طرح جیسے آتی ہیں ہمیشہ"۔

"اتنے برے گمان ٹھیک نہیں ہوتے۔ ان کی عمر دیکھو اور ذمے داریاں دیکھو۔ کبھی کسی نے ان کے دکھ جاننے کی کوشش کی۔ ہر شخص صرف انہی سے توقع رکھتا ہے۔ جوانی میں بیوگی کے امتحان سے گزری ہیں۔ وہ اپنے دکھ کس سے کہیں"۔ طاہر علی نے ساس کی بابت کلمۂ حق منہ سے نکالا۔ عارفہ خاموش سی ہو کر رہ گئیں۔

"جب دکھ ستاتے ہیں تو اللہ یاد آتا ہے بابا"۔ وہ افسردگی سے سر جھکا کر کچھ سوچنے لگیں۔

میرے خیال میں ان سے مشورہ ضرور کر لو۔ ورنہ انہیں بہت دکھ ہوگا۔ طاہر علی نے پھر کہا۔

"وہ کیا کہیں گی؟ یہی کہ ہاں ٹھیک ہے۔ وہ تو نہیں کہیں گی جو میں سننا چاہتی ہوں"۔ عارفہ نے اسی پژمردہ کیفیت میں جواب دیا۔

"تو پھر غلطی تمہاری ہے۔ تم ان سے وہ امیدیں کیوں باندھتی ہو جو ان کے بس میں نہیں"۔ طاہر علی نے سمجھایا۔

"خیر۔ اتنی بے اختیار بھی نہیں ہیں"۔ عارفہ نے پھر اختلاف کیا۔

"تم ان سے بات کر کے تو دیکھو کیا خبر کچھ بول پڑیں۔ یہی تو مناسب موقع ہے۔ ان کے دل کی بات جاننے کا"۔ طاہر علی نے پھر پتے کی بات سمجھائی۔

"ہوں آپ بھی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ واقعی یہی تو موقع ہے"۔ عارفہ کی سمجھ میں بات آ گئی۔

طاہر علی نے بھی سکون کا سانس لیا۔

"بڑی اماں۔ عارفہ پھوپھو آئی ہیں"۔ ربیا حسب عادت چلا کر مطلع کر رہی تھی۔

بڑی اماں کے ہاتھ سے تسبیح چھوٹتے چھوٹتے بچی۔

"تو یہ یوں چیخ رہی ہے جیسے طبل جنگ بج رہا ہو"۔ وہ نمی کا سا کچن سے باہر نکلتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں۔

"نام ضرور لے گی جڑوا۔ چھوٹی پھوپھو نہیں کہہ سکتی؟" انہوں نے ربیا کو جھاڑ پلائی۔

"السلام علیکم اماں" عارفہ چادر اتار کر بڑے تکلف سے سلام کرنے لگیں۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو۔ ٹھیک ہو ناں؟"

"جی۔ اللہ کا شکر ہے آپ سنائیں"۔ وہ ایک طرف بڑی کین کی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"اللہ خوش رکھے۔ طاہر اور بچیاں خیریت سے ہیں ناں؟" وہ اپنے مخصوص تخت پر بیٹھ گئیں۔

"جی سب ٹھیک ہیں"۔

"گرمی بھی خوب پڑ رہی ہے۔ جا ڈریا! عبدالکریم سے کہو ٹھنڈے کا بندوبست کرے۔"

انہوں نے سر پر کھڑی ریبا کو کام سے لگایا۔ ریبا فوراً دوڑ گئی۔ اس کا اپنا بھی دل چاہ رہا تھا کولڈ ڈرنک پینے کو۔

"بہت دنوں بعد ماں کی یاد آئی۔ اظہار سے کتنی مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ کسی روز مجھے عارفہ کے گھر لے چل۔ ان کے اپنے دھندے ختم نہیں ہوتے۔ پڑھائیاں، لکھائیاں، امپورٹ کمپیوٹر۔ یوں بھاگے دوڑے پھرتے ہیں گویا دنیا انہی کے کندھوں پہ دھری ہو۔ مار پورے گھر میں مجھے نہیں جانے کی تیاری ساتھ ہوتی ہے۔

اسے اظہر کی تو نوکری ہی ایسی ہے۔ شفٹیں لگی رہتی ہیں۔ مظاہر کا کاروبار نیا نیا ہے۔ اسے کھانے پینے تک کا ہوش نہیں ہوتا۔ جب پوچھو کھانے کا، تو جواب ملتا ہے کھا لیا ہے۔ یا بھوک نہیں ہے۔ آج کل سویرے سویرے حریرہ بنا کر دے دیتی ہوں۔ سترہ اٹھارہ گھنٹے مصروف رہتا ہے۔ آخر دماغ ہی تو ہے۔ دو دو جگہ کی مصروفیت کہہ رہا تھا کام جم جائے تو نوکری چھوڑ دوں گا۔ ویسے تو اس کی سرکاری نوکری بھی بہت اچھی ہے۔ مگر پتا نہیں آج کل بچوں کو کیا ہو گیا ہے۔ چند ہزار میں ان کے گزارے نہیں ہوتے"۔

بڑی اماں بڑی تفصیل سے شروع ہو گئیں۔

"ہاں اماں، خوشحالی کا اپنا سرور ہے۔ انسان کو شاید اسی سرور کے بعد رشتوں کے بندھن بھی بوجھ لگنے لگتے ہیں۔ غریب، سفید پوش رشتے داروں سے ملتے ہوئے یوں بھی بھرم والوں کی شان بڑھ جاتی ہے۔

"کیسی باتیں کرتی ہو عارفہ۔ وہ تمہارے اپنے ہیں۔ جوان پر پڑی، اللہ کسی پر نہ ڈالے۔ ان کی پھوپھیوں کو تو سب سے زیادہ ان کا ہمدرد ہونا چاہیے"۔

بڑی اماں نے مراد آبادی پاندان اپنے قریب کھسکاتے ہوئے بیٹی کو ٹوکا۔

"اللہ ان کو خوش رکھے۔ ماشاء اللہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو چکے ہیں۔ دوسروں کا سہارا بننے کے لائق ہو چکے ہیں۔ کبھی کبھی اتنا بھی نہیں ہوتا کہ غریب پھوپھی کو بھی جا کر صورت دکھا آئیں۔ کیا مجھے اس بات کا شکوہ نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کو تو گاڑی کی سہولت بھی ہے۔ کیا آپ آ نہیں سکتیں؟"

عارفہ کے بدگمان دل کو کس طرح قرار آتا۔

"اے بیٹی چاند کی شادی ہوئی تھی تو سوچا تھا۔ بہو آ گئی ہے۔ مجھے بھلی اس گھر کی فکروں سے آزادی ملے گی۔ مگر وہ اللہ کی مرضی سے امریکہ چلا گیا۔ اس کی روزی اس زمین پر لکھی تھی۔ نئی نئی شادی تھی۔ اب کیا کہتی کہ دلہن کو یہیں چھوڑ جاؤ اور پھر کہتی بھی کیوں۔ بہو بیٹے کے لیے تو آئی ہے۔ کوئی کچھ کہے مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ بیوی اپنے شوہر سے دوسروں کی وجہ سے دور رہے۔ اپنے شوہر کا خیال رکھنا ہی اس کی پہلی ذمے داری ہوتی ہے۔ وہاں رہ کر اس کی گرہستی سنبھالے بیٹھی ہے۔ ظاہر ہے ہمارے اپنے بچے ہی کو آرام ہے۔

اظہر برسوں پہلے کہیں رکھ چکا ہے۔ پوچھتی ہوں تو کہتا ہے۔ بتا دوں گا۔ فی الحال شادی نہیں کر سکتا۔ ادھر کچھ دیر

ہے۔ مظاہر تو پیچھے پڑا ہاتھ ہی دھرنے نہیں دیتا۔ کہ ابھی مجھ سے اس موضوع پر کوئی بات نہ کریں بڑی اماں۔

اب بولو۔ بڑی اماں کیا کرے۔ ظہیر کا تمہیں پتا ہی ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔ تمہاری بڑی بھاوج نے کیا کیا ہمارے ساتھ۔ جب سے انہوں نے نشاط کی شادی اپنے بھائی کے ہاں کی ہے۔ اس کو کبھی چپ لگ گئی ہے۔ آخر بچپن کی بات تھی۔ ایک روز میں نے پھر بھی بڑی ہمت کر کے اس سے کہا تھا کہ جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب دل سے لگائے رکھنے میں تمہارا اپنا ہی نقصان ہے۔ ماہ نور بھی گھر کی بچی ہے"۔

عارفہ کا دل بڑی تیزی سے دھڑکا۔ وہ ماں کو بغور دیکھنے لگیں۔

بولا۔ مدت سے ایک نام اپنے ساتھ وابستہ رہا۔ کبھی کہیں اور دھیان ہی نہیں گیا اور ماہ نور کو تو میں ہمیشہ حقیقی بہن ہی سمجھتا رہا ہوں۔ ریبا کی طرح چھوٹی بہن۔ یہ نقش میرے ذہن سے کبھی مٹ نہیں سکتا میرا ذہن اس کے ساتھ نئے رشتے کو قبول ہی نہیں کر سکتا۔

عارفہ کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔ انہوں نے بڑی شرمندہ سی نگاہ ماں پر ڈالی۔

"ٹھیک ہی تو کہتے ہیں طاہر علی، بوڑھی بے چاری بھلا کیا کر سکتی ہے"۔

"یہ دیکھیں پھوپھو، فالسے کا شربت ہے۔ خود بنا کر لا رہا ہوں"۔ ریبا بڑی چہکتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی۔

"ہاؤ۔ فالسے کا شربت بنانے بیٹھ گئی۔ اتنی دھوپ میں پھوپھی آئی۔ خدا معلوم کتنی پیاس لگ رہی ہو گی۔ میں تو اٹھ کر عبدالکریم کی خبر لینے ہی والی تھی"۔

بڑی اماں نے ٹرے اس کے ہاتھ سے لیتے لیتے صلواتیں بھی سنا ڈالیں۔

"چھوڑیں اماں! کیوں ڈانٹ رہی ہیں۔ ایک تو اس نے اتنی محنت کی"۔ عارفہ نے بہت محبت سے ریبا کے چہرے پر نظر ڈالی۔

"ہاں بس۔ یہی محنتی رہ گئی ہے جہان بھر میں۔ اتنی سمجھ دار تو ہونا چاہیے کہ کون مہمان کتنا چل کر آیا ہے۔ کہاں سے آیا ہے۔ اسے کتنی پیاس لگی ہو گی۔ موسم، وقت ہر بات کا دھیان ہونا چاہیے"۔

"کوئی زیادہ دیر تو نہیں ہوئی پھوپھو؟" اس نے تائید طلب نظروں سے عارفہ کو دیکھا۔

"نہیں بالکل دیر نہیں ہوئی۔ ہمیں تو باتوں میں پتا بھی نہیں چلا۔ ماشاء اللہ اب تو گھر کے کام کرنے لگی ہے"۔

"اے ہاں۔ کام یوں کہو کہ کچھ سوجھ گئی۔ مر رہی بس لیفٹ رائٹ کرتی رہتی ہیں۔ عقل سے پیدل تم اس کا پتا آؤں گا جڑیں کا چھڑاؤ تو بات ہے" بڑی اماں نے گویا چیلنج کیا۔

"آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ خود ہی سمجھ جائے گی پھوڑوں میں"۔ انہوں نے بہت محبت سے ریبا کو دیکھا۔

"اے۔ اللہ ماری۔ جانے کب آئے گی۔ جب خوب ذلیل ہو چکے ہوں گے ہم۔ پرسوں مظاہر کے پارٹنر نے حال احوال پوچھا تو بولیں، میں تو انجینئر بنوں گی بے چارا گھبرا گیا۔ بولا اسے لڑکیوں کے کپڑے کیوں پہنواتے ہو۔ کسی نفسیات کے ڈاکٹر سے علاج کراؤ" بے چارا مظاہر بھی کیسے شرمندہ ہوا ہو گا۔ پرانے کیا"۔

"پھر مظاہر نے کیا جواب دیا؟" عارفہ کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"جواب کیا دیتا، بولا۔ "کپڑے تو ٹھیک پہنتی ہیں۔ بولنی غلط ہیں محترمہ"۔ بڑی اماں جیسے جل کر بولیں۔

"ہاں۔ ریبا اب تم بڑی ہو رہی ہو۔ بیٹی اب یہ سب عجیب لگتا ہے۔ لوگ کیا کہتے ہوں گے"۔

"میں لوگوں کی پروا نہیں کرتا پھوپھو۔ میری عادت ہو چکی ہے"۔ اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"اے ہٹاؤ عارفہ بیٹا، یہ نہ سنبھلنے کی۔ تم اپنی سناؤ شمسہ کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے۔ ماہ نور تو استانی بن گئی ہے۔ اس کا کچھ سوچا؟" بڑی اماں نے لایعنی بحث سمیٹ کر بات کا رخ موڑا۔

"اسی وجہ سے تو آئی ہوں۔ رشتہ آیا ہے ماہ نور کا"۔

"اچھا" بڑی اماں گویا یکدم مستعد ہو گئیں۔

"ان کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں ان کا بیٹا ہے۔ سرکاری ملازم ہے۔ ایم ایس سی کیے ہوئے ہے۔ اگلے اتوار کو جائیں گے ہم لوگ۔ آپ کے پاس بھی اسی لیے آئی ہوں کہ آپ بھی ساتھ چلیے گا۔ لڑکا بھی دیکھ لیجئے گا اور گھر بار بھی"۔

"جیتی رہو۔ اللہ خوشیاں دکھائے۔ آ جاؤں گی۔ مظاہر سے کہہ دوں گی۔ وہ ڈرائیور کے ساتھ گاڑی بھیج دے گا۔ اسی گاڑی میں لڑکے والوں کے ہاں بھی چلے جائیں گے۔ واپس تمہیں گھر بھی چھوڑ دیں گے۔ تم بھی راستے کی پریشانی سے بچ جاؤ گی"۔

"اتنی دیر تک موڑ مصروف رہے گی۔ مظاہر کو پریشانی نہیں ہو گی؟" عارفہ نے اپنے چہرے پر پھیلنی اداسی کو پراسرار رہنے کی کوشش کی۔

"اے ماشاءاللہ سے دفتر میں گاڑیوں کی کیا کمی۔ ایک دن کو پریشان ہو لے گا تو کیا فرق پڑ جائے گا۔ اے اب اتنا تکلف بھی نہ کیا کرو"۔ بڑی اماں نے ٹوکا۔

"اگلے مہینے تک کیا آپا کی شادی کر دیں گی پھوپھو؟" بڑی اماں۔ لڑکا دیکھنے میں بھی جاؤں گا"۔

ریا جو بڑے غور سے سن رہی تھی بیک وقت دادی پھوپھی سے مخاطب ہوئی۔

"ابھی شادی کی بات کہاں۔ ابھی تو لڑکا دیکھنے جائیں گے۔ پھر کچھ سوچیں گے"۔

وہ اس کی بے تابی پر بڑی اداسی سے مسکرائی تھیں۔

"اور کچھ اتا پتا ان لوگوں کا؟" بڑی اماں نے فطری دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

"ہاں۔ پٹھان ہیں۔ درمیانی حیثیت کے مالک ہیں"۔ عارفہ بولیں۔

"ہاں وہ کیا کہاوت ہے۔ شیخوں کی شیخی پٹھانوں کی ٹر۔ خیر اللہ مالک ہے۔ ذات پات بھی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اگر انسانیت ہو۔ تہذیب ہو"۔

بڑی اماں نے بڑے نپے تلے انداز میں کہا۔

"بہر حال۔ اللہ سے اچھی امید رکھو۔ اللہ بہتر کرے گا۔ ابھی بڑی بھاوج سے تذکرہ نہ کرنا۔ بات بگاڑ تو سکتی ہیں۔ سنبھال تو نہیں سکتیں۔ سامنے چلے گئے تو واری صدقے۔ ورنہ تو کون میں کون"۔

"بڑی اماں۔ تائی جان کو کہہ رہی ہیں؟۔ پتا نہیں آپ انہی کو کیوں کہتی رہتی ہیں۔ کچھ نہ کچھ۔ اس دن آپ کہہ رہی تھیں کہ سوکز پھاڑیں، ایک نہ دار ہیں۔ تائی جان ہی کو کہہ رہی تھیں؟ پتا نہیں آپ کو کیوں اچھی نہیں لگتیں۔ اتنی تو خوبصورت ہیں"۔

ریا کی زبان میں پھر کھجلی ہوئی۔

"دیکھ رہی ہو عارفہ! کیا قینچی کی طرح زبان چلتی ہے؟" بڑی اماں کا پارہ ہائی ہو گیا۔

عارفہ بے ساختہ ہنس رہی تھیں۔ ریا منہ لٹکا کر بیٹھ گئی تھی۔

چھوڑیں اماں! ویسے ریا تم نے فالسے کا شربت بہت مزے دار بنایا ہے"۔

"شکریہ پھوپھو۔ بڑی اماں تو کبھی میری تعریف ہی نہیں کرتیں۔" وہ منہ بسور کر کہہ رہی تھی۔ "حالانکہ آپ کے سامنے ڈیڑھ گلاس پیا ہے بڑی اماں نے۔ مگر ایک لفظ نہیں کہا کہ اچھا بنا ہے یا خراب؟" وہ مزید گویا ہوئی۔

"یہ لو۔ بیٹھی گلاس گن رہی ہے۔ تو لو بہت تو آتے دیکھ دوسرا کچھ بولے"۔ وہ بھی بالآخر مسکرا دیں۔

"اے ہاں۔ تمہیں بتانا تو بھول ہی گئی۔ صدرالدین کا لڑکا جمال بھی آ رہا ہے۔ ہندوستان سے"۔ معاً بڑی اماں کو دھیان آیا۔

"اچھا کب؟۔ صدرالدین بھائی خود نہیں آئے رہے؟" عارفہ نے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا۔

"وہ کہاں آ سکتا ہے پار سال اس کی آنکھوں کا اپریشن ہوا تھا جب سے بے چارے کے ساتھ کوئی نہ کوئی مسئلہ رہتا ہے۔ اگلے مہینے کی چھ کو پہنچے گا جمال"۔

"پھوپھو! بڑی اماں کہہ رہی تھیں کہ جمال بھائی بہت سیدھے ہیں۔ میں نے آج تک کوئی سیدھا آدمی نہیں دیکھا۔ پہلی دفعہ دیکھوں گا"۔ پھر اس کی رگ شرارت پھڑکی۔

"ارے میاں۔ میں تو بول کر پھنس گئی۔ اے کہیں ذلیل نہ کرا دے جو کل کے بچے کے آگے"۔ بڑی اماں سچ مچ پریشان ہو گئیں۔

"ارے نہیں اماں! اب اتنی بے وقوف بھی نہیں ہے"۔ عارفہ نے ہنستے ہوئے ریا کی سمت دیکھا جو بڑی اماں کے پہلو میں بیٹھی شرارت سے مسکرا رہی تھی اور کٹے ہوئے بالوں کو پیشانی سے سمیٹ کر باقاعدہ ہاتھ سے روکے ہوئے تھی۔ دیکھنے والا پہلی نظر میں یہی سمجھتا کہ سر پکڑے بیٹھی ہے۔

انہیں بے اختیار جانے کیا ہوا۔ اپنی جگہ سے اٹھیں اور دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرا تھام کر پیشانی چوم لی۔ چند قطرے آنکھوں سے ٹپک کر ریا کے چہرے پر گر گئے۔

"اماں! اسے کھیلنے دیں۔ ہنسنے دیں۔ اس کا بچپن جتنی دیر ٹھہرا ہے غنیمت ہے"۔

ریا بہت تعجب سے عارفہ کی آنکھوں میں اچانک آ جانے والی نمی کو دیکھ رہی تھی۔ بڑی اماں اپنے پاندان میں جھانک تاک کر رہی تھیں۔ جیسے وہ عارفہ سے نظر نہ ملا پا رہی ہوں۔

☆☆☆☆☆

بلا کی افرا تفری ہے ہماری ذات میں لیکن!

ہمیں بے دھیانی میں بھی تیرے دھیان رہتے ہیں۔

آج وہ اسے موڑ پر نظر نہیں آیا تھا۔ عجیب سا اطمینان اس کی ذات میں در آیا تھا۔ در جانے کس سوچ میں تھی کہ عقب سے یہ شعر اس کے اعصاب پر پتھر کی طرح لگا تھا۔ دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ قدم اٹھانا گویا کوئی مرحلہ ہو گیا تھا۔

"خوبصورت لوگوں کے رشتے تو آتے ہی رہتے ہیں۔ رشتے آنے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اعتراض تو جب ہو گا جب کسی رشتے کو قبول کر لیا جائے گا۔ ہمارے "اعتراض" کو دھیان میں رکھیے گا"۔

وہ اس کے پہلو بہ پہلو چل رہا تھا اور ماہ نور کی آتی جاتی سانسیں بھاری ہونے لگی تھیں۔ جیسے وہ کوئی وزن گھسیٹ رہی ہو۔ وہ اس کی "دھمکی" کو اچھی طرح محسوس کر سکتی تھی۔

گرین جینز۔ لائٹ گرین شرٹ مخصوص ریڈ اسکارف اور ڈارک گلاسز میں وہ ڈان (دلکش بدمعاش) کی واضح تصویر

نظر آرہا تھا۔ آج تو اس کے ہاتھ میں بہت قیمتی بریف کیس بھی تھا۔ جانے کہاں کی تیاری تھی۔
اس کے حلق میں کانٹے پڑ چکے تھے جبکہ وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ جی بھر کے برا بھلا کہنا چاہ رہی تھی۔ مگر ایک لفظ اس
زبان سے نہ نکل سکا۔

"اور خیریت سے تو ہیں ناں آپ؟" وہ بڑا لگا سگا بنا خیر خیریت پوچھ رہا تھا۔ ماہ نور کو ضبط مشکل ہو رہا تھا۔
چند منٹوں بعد ہی مین روڈ آ گیا تھا۔ اس نے متوحش نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ آیا کسی نے اسے اس کے ساتھ چلتے،
بات کرتے تو نہیں دیکھ لیا۔
اسے سڑک کراس کرنے کا مرحلہ درپیش تھا اس لیے رکنا پڑا۔ یہ دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی کہ وہ دائیں طرف
بڑھ رہا تھا۔ اس نے کن انکھیوں سے اس طرف دیکھا۔ ایک سیاہ لگژری کار کا پچھلا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جیسے کوئی اس کا منتظر تھا۔ وہ چند
ثانیے کو ڈرائیونگ سیٹ والے دروازے پر رکا۔ کچھ کہا اور کھلے دروازے میں داخل ہو گیا اور دروازہ بند ہونے کی آواز چہار سو گونج گئی۔
وہ سڑک کراس کرنے کی نیت سے ٹریفک کا جائزہ لے رہی تھی کہ وہی کار دھول اڑاتی بالکل اس کے قریب سے گزر گئی۔ اس کا دل
سوکھے پتے کی طرح کانپ گیا۔ بہت ساری پڑھی ہوئی خبریں کانوں میں گردش کرنے لگیں۔ مختلف اغوا کے کیس کہ راہ چلتی
لڑکی کو گاڑی میں کھینچ لیا۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے میں تربتر ہو گئیں۔
جانے کس طرح خود کو گھسیٹتی ہوئی اسکول میں پہنچی تھی۔ اسمبلی ہو چکی تھی۔ بچے قطار در قطار کلاسوں میں جا رہے تھے۔
اس نے اسٹاف روم میں داخل ہو کر پنکھا چلایا اور ٹیبل پر پرس پھینک کر خود صوفے پر گر گئی۔ اتنی ہمت نہیں تھی کہ چادر اتار کر ایزی ہو
جائے۔

اسی دوران ٹیچرز اپنی اپنی بولیاں بولتی ہوئی اسٹاف روم میں داخل ہوئیں۔ نئی سنوری فل میچنگ کے ساتھ۔ کسی کے
بالوں میں لباس کے ہم رنگ کلپ تھے۔ تو کسی نے گز بھر کپڑا ہیئر بینڈ کے نام پر جوڑے پر لپیٹ رکھا تھا۔ آنکھوں میں کاجل،
ہونٹوں پر لپ اسٹک۔ چھن چھن بجتی چوڑیاں۔ ہنستی کھلکھلاتی ماہ نور نے اپنی سونی کلائیاں دیکھیں۔ بائیں کلائی پر سستی سی رسٹ واچ
بندھی ہوئی تھی۔ جسے وہ آنے دن ٹھیک کرائی رہتی تھی۔ زندگی میں آخری بار لپ اسٹک جانے کب لگائی تھی یاد نہیں تھا۔ بانس اور پتے
میٹر والا سوتی تھری پیس سوٹ۔ سادہ سی فلیٹ ہاٹا کی چپل جو پائیداری کے نقطۂ نظر سے پچھلے برس خریدی گئی تھی۔
"ایسی کیا خاص بات ہے مجھ میں؟ شاید وہ میری سفید پوش حیثیت کی وجہ سے مجھے بہت کمزور خیال کرتا ہے۔
لیے تنگ کرتا ہے۔ سنگدل اور ظالم لوگ تو کمزوروں پر ہی ہاتھ ڈالتے ہیں۔"
"ارے بھئی یہ کیسی چپ لگی ہے۔ نہ سلام نہ دعا۔"
ٹیچرز کے گروپ میں اس کی خاموشی نے گویا کھلبلی مچا دی۔ ہر جگہ کام کرنے والوں کے اپنے کچھ معمول کے تکلفات
ہوتے ہیں۔ جو جاب ہی کا حصہ ہوتے ہیں۔
"اے چاند کے لورر یعنی کے چاندنی۔ آج تجھے گہن سا کیا لگا ہے؟" ایک کولیگ صباجو اپنی زندہ دلی کی وجہ سے بہت
مقبول تھی۔ دھپ سے اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔
کیا لڑکے والوں نے کوئی گڑبڑ کر دی ہے؟" اس نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔
ارے نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔ چھٹی کی وجہ اس نے فون پر صبا کو بتائی تھی۔
"پھر۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟" اس نے کھوجتی نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔

"ہوں" اسے ایک ہوں۔ میں ہی عافیت نظر آئی۔
"تو ایک چھٹی اور کر لینیں۔ کہہ دیتیں آج ایک اور پارٹی "پرپوزل" لے کر آ رہی ہے۔ میڈم پرپوزل کیس پر بڑی سوفٹ
ہو جاتی ہیں۔ خود اور دراسی ہو رہی ہیں ناں۔ بہرحال اس لحاظ سے بہت بڑا دل ہے ورنہ وہ جیلسی فیل بھی کر سکتی ہیں۔ اگر یہ کوئی سائیکی
پرابلم ہے تو بہت پوزیٹو ہے۔ یہ پرابلم بہت سارے لوگوں کو ہونا چاہیے۔ سوسائٹی تھوڑی سی بیلنس ہو جائے گی۔ ورنہ جسے دیکھو
دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے چکر میں نظر آتا ہے۔"
بس وہ آنے ہی والی ہیں کان کھینچنے۔ اس لیے کہ کلاسوں میں بہت شور ہو رہا ہے"۔ دوسری کولیگ مہناز نے اسے
ہوشیار کیا۔

"ارے باپ رے"۔ صبا جلدی سے کھڑی ہو گئی۔
"آج تمہارا کوئی فری پیریڈ ہے۔ میرا مطلب ہے کس پیریڈ میں ویکینٹ ہو گی؟"
"آج کسی پیریڈ میں ویکینٹ نہیں ہوں"۔ ماہ نور نے بہت آہستگی سے جواب دیا۔
"کوئی پی ٹی وی ٹی؟" وہ جاتے جاتے پھر رکی۔
نہیں۔ ماہ نور نفی میں جواب دیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"میرا نمبرا پیریڈ فری ہے۔ میڈم سے بات کر لو۔ میں تمہارا پیریڈ لے لوں گی۔ تمہیں کچھ ریسٹ مل جائے گا۔ او کے؟
" وہ دروازے سے باہر نکل کر مخاطب ہوئی۔
"تھینکس" اس نے تشکر بھری نگاہوں سے صبا کو دیکھ کر کہا۔
اور خود بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر دوپٹا درست کیا اور بیگ اٹھا کر کلاس لینے چل دی۔
ذہن اتنا منتشر تھا کہ اٹینڈنس لیتے وقت ایک نام تین تین دفعہ لے لیا۔ بچے پریزنٹ مس، یس مس، پریزنٹ
پلیز کہتے کہتے عاجز ہونے لگے اور حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ معمول سے کہیں زیادہ سناٹا کلاس میں چھا گیا۔
اس نے رجسٹر سے سر اٹھا کر بچوں پر نظر ڈالی تو انہیں اپنی سمت دیکھتے پایا اور جیسے ایک دم سنبھل گئی۔ اور سر جھٹک کر پھر
مصروف ہو گئی۔
حاضری کے بعد وہ کھڑی ہو گئی۔ اور پڑھانے کی تیاری کرنے لگی۔ اسے کیسے خبر ہوئی کہ کوئی رشتہ آیا ہے؟ جانے کیوں
اسے یکدم اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ ذہنی رو پھر بھٹک گئی تھی۔
"یا اللہ۔ میں کیا کروں؟ کیا ابا جان کو بتا دوں؟ یا ظہیر بھائی اور مظاہر بھائی تک بات پہنچا دوں۔ آخر اپرو چ فل ہیں۔
کیا میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟"
"مس وہ چاک ٹیبل پر ہے"۔ کلاس مانیٹر نے متوجہ کیا۔
وہ چونک پڑی۔ عجیب خجالت بھری مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی تھی۔ وہ بلیک بورڈ کے سامنے خالی ہاتھ کھڑی تھی۔
جبکہ انداز ایسا تھا گویا کچھ لکھنا چاہتی ہے۔ اس نے خود کو اتنا بے بس محسوس کیا کہ دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔

☆☆☆☆☆☆

مغرب سے کچھ بعد کا عمل تھا۔
مالکن کی غیر موجودگی کے سبب نوکروں کی بھی گویا عید ہو گئی تھی۔ جانے کہاں غائب تھے۔ یہ اتفاق تھا کہ احساس دے

ملازمہ سنی آج شام ہی کو آگیا تھا۔ باقی ڈرائیور کے کوارٹر میں اس کے بچوں کے ساتھ کھیل رہی تھی اور ماہی موول برتنوں کے ڈھیر پہ ہاتھ صاف کر کے جانے کہاں ورستیاں جھانے پہنچی ہوئی تھی۔ موول نے سنی کی آواز سنی تھی مگر اسے ماہی کی ہدایت ابھی یاد تھی کہ "اوپر نہیں جانا ہے" وہ بھری بھی برتن دھوتی رہی۔ سنی کی آواز چیخوں میں تبدیل ہوگئی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ حالانکہ دل چاہ رہا تھا دوڑ کر اوپر پہنچ جائے۔

"مجھے کیا۔ پوچھیں گے تو کہہ دوں گی کہ ماہی نے منع کیا تھا"۔ معاً اس نے زینہ اترتے تیز قدموں کی آواز سنی۔ اب سنی کی آواز مزید قریب سے آرہی تھی۔

"یو۔ ڈیم۔ کیا تمہارے کانوں کے پردے پھٹ چکے ہیں؟" اس نے سنک کے آگے کھڑی موول کو اپنی جانب بازو سے پکڑ کر موڑا اور ایک زناٹے کا تھپڑ رسید کیا۔

موول کے ہاتھ سے شیشے کا گلاس چھوٹ گیا۔ گویا ہوا عذاب۔ دوسرا تھپڑ پہلے سے بھی زیادہ کرارا تھا۔ موول کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔

"صاحب م م۔ مجھے ماہی نے اوپر جانے سے منع کیا تھا"۔ وہ اگلے تھپڑ کے خوف سے جلدی سے بول پڑی۔

"کیوں؟ کیا تکلیف ہے بڑھیا کو۔ اور خود کہاں مرگئی ہے؟ اوپر کیا آگ لگی ہوئی ہے۔ جل کر مر جاؤ گی؟" سنی نے غصے نے پاگل کیا ہوا تھا۔

موول نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سنی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں غیر معمولی سرخ ہو رہی تھیں۔ انداز میں بہت نمایاں تبدیلی تھی جیسے وحشت میں گھرا ہو۔

"برف کے کیوبس لے کر اوپر آؤ۔ ہری اپ۔ اور جیسے ہی بڑھیا آئے مجھے خبر کرو اور جب تک میں نہ کہوں نیچے نہیں آؤ گی۔ جلدی کرو"۔ وہ کہہ کر واپس پلٹ گیا۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے فریج کھول کر کیوبس نکالے اور اوپر دوڑ گئی۔ سنی کے بیڈ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ لرزتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ وہ بستر پر نیم دراز سگریٹ سلگانے میں مگن تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ اس کے ہاتھ میں سگریٹ دیکھی تھی۔ جس کے بعد اس کی کیفیت تبدیل ہو جاتی تھی۔

"یہ سارے کیوبس جگ میں ڈال دو۔ بالکل بھی ٹھنڈا نہیں ہے پانی اور میں جل رہا ہوں۔ (گالی) دروازہ بند کرو۔ اے سی کی کولنگ ویسٹ ہو رہی ہے۔"

موول نے بوکھلا کر دروازہ زور سے بند کر دیا اور واپس پلٹ کر کیوبس جگ میں الٹ دیے۔

"کیوں منع کیا تھا بڑھیا نے تمہیں اوپر آنے کے لیے" اس نے جھٹکے سے اپنی شرٹ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر کھینچا۔ سارے بٹن ٹوٹ کر بیڈ پر بکھر گئے۔ خود تکیے پر ڈھے گیا۔

"او۔ جاہل۔ اسٹوپڈ۔ گلاس میں پانی ڈالو"۔

وہ جیسے اپنے آپ میں نہیں تھا۔ موول خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ بمشکل گلاس میں پانی انڈیلا۔ اور اس کی طرف یوں بڑھایا جیسے پکڑاتے ہی بھاگ لے گی۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ کیوں منع کیا تھا بڑھیا نے" وہ اتنی زور سے دھاڑا کہ ایک لمحے کو اس کے دل کی دھڑکن تھم گئی۔

"آپ ان سے ہی پوچھ لینا صاحب"۔ اس نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں" (گالی)

"وہ آگئی ہوگی۔ بلا کر لاؤں صاحب؟" خوف سے اس کی ٹانگیں اس طرح کانپ رہی تھیں کہ لگتا تھا کہ اب گری کہ تب گری۔

"میں اس سے بھی زیادہ تیرا حشر کر سکتا ہوں۔ اس بڑھیا کو تو میں ابھی نکالتا ہوں دھکے دے کر۔ جواب تجھے سے لینا ہے"۔ وہ اشتعال کی حدود پار کرنے لگا۔

"صاحب! مجھے معاف کر دو۔ آئندہ ماہی کی بات نہیں مانوں گی"۔ اس نے بے بسی سے ہاتھ جوڑ دیے۔

"تم سے پوچھ رہا ہوں کیوں منع کر رہی تھی ماہی۔ اس نے تجھے وجہ بھی بتائی ہوگی؟"

"صاحب! موول پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔"

"رو کیوں رہی ہے؟ انوسنٹ فیری (معصوم پری) وہاٹ اے پریٹی نیم (کیا پیارا نام ہے) موول"۔ اس نے غٹاغٹ ایک سانس میں پانی کا پورا گلاس خالی کر دیا۔

"اور پانی ڈالو اس میں"۔ وہ دوبارہ ٹیک لگا کر بیٹھ چکا تھا اور سگریٹ کے گہرے گہرے کش لگا رہا تھا۔ "آ۔ میں تجھے بتاؤں کہ بڑھیا کیوں منع کر رہی تھی"۔

☆☆☆☆☆

"ماہی! ماہی!" زرر دیوانہ وار پورچ سے اندر آنے والے راستے پر دوڑ رہی تھی۔

کسی سے بری طرح ٹکرائی تھی کہ جس سے ٹکرائی تھی وہ بھی گرتے گرتے بچا تھا۔ اس نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ کس سے ٹکرائی۔ دوبارہ دوڑنے کے لیے ایڑھ لگائی۔ مگر دوڑ نہ سکی۔ اس کا بازو کسی کے ہاتھ میں تھا۔

اس نے خوف سے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیے اور بلکنے لگی۔

"کیوں بھاگ رہی ہو؟ کیا پرابلم ہے؟" مون کی سخت دوسری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ اس کی بوسیدہ رنگ اڑی اوڑھنی اس کے وجود پر نہیں تھی۔

سفید چہرے پر تازہ طمانچوں کے نشان بہت واضح تھے۔ خوف و دہشت سے بری طرح لرز رہی تھی کہ بازو تھامنے کی وجہ سے مون اس لرزش کو صاف محسوس کر رہا تھا۔

"کون کون ہے۔ اندر؟" خود بخود اس کی آواز میں نرمی اتر آئی۔

"کک۔ کوئی نہیں"۔ وہ بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔

"سنی۔؟ (بٹلر)"

"نن۔ نہیں"۔

"اللہ یار۔؟"

اس نے پھر نفی میں گردن ہلا دی۔

"ماہی کہاں ہے؟" اب وہ الجھنے لگا۔

"مجھے نہیں پتا صاحب" اس کا وجود تھوڑا لرز رہا تھا۔

"کس سے ڈر کر بھاگی تھیں؟" وہ اس کی دہشت و خوف کے معنی ڈھونڈنے لگا۔

کسی سے نہیں۔ ہم۔ میں کچن میں برتن دھو رہی تھی۔ مجھے ایسا لگا جیسے باغ میں کوئی سایہ ہو۔ مجھے جن بھوت سے بہت ڈر لگتا ہے"۔ وہ جیسے بولتی چلی گئی۔ مگر نظریں نہ اٹھائیں۔

"آؤ۔ میرے ساتھ کچن میں"۔ وہ جانے کیوں اتنا سیریس ہو رہا تھا۔ سومل اس کے لہجے کی نرمی سے خاصی تقویت محسوس کر رہی تھی چپ چاپ اس کے پیچھے ہو لی۔

مون نے کچن میں داخل ہو کر سنک کی طرف دیکھا۔ کچھ برتنوں پر جھاگ نظر آ رہا تھا۔ کچھ اسی طرح آلودہ تھے۔ اس نے لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کی سمت دیکھا۔ جس کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ پھر پلٹ کر سومل کی طرف دیکھا۔ وہ سہمی سہمی نظروں سے مون کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"ہوں"۔ اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی بند کر دی۔ عجیب لاتعلق سا ہوں تھا۔

"چلو تم اپنا کام کرو۔ اتنی ڈرپوک ہو تو اپنی چھوٹی بہن کو ساتھ رکھا کرو"۔

وہ یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔

وہ فریج کھول کر پانی نکالنے لگی۔ حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔

ابھی اس نے گلاس ہونٹوں سے لگایا ہی تھا کہ مون دوبارہ کچن میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں سومل کی بدرنگ اوڑھنی تھی۔

"ماسی آئے تو اسے میرے پاس اوپر بھیجنا"۔ مون کے لہجے کے اتار چڑھاؤ سومل جیسی کم سن دیہاتن محسوس نہیں کر سکتی تھی۔

وہ فوراً واپس پلٹ گیا تھا۔ کرسی کی پشت پر اوڑھنی ڈال کر۔ سومل نے اوڑھنی اٹھا کر گلے میں اٹکالی اور پانی پینے لگی۔ زندگی کی پہلی بھیانک حقیقت سے واسطہ پڑنے کے بعد آنکھ میں سوچ کے رنگوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔

اس کی آنکھ میں آج پہلا رنگ اترا تھا۔

☆☆☆☆☆

بھلا بڑی اماں عارف کی طرف جاتیں اور ریا ساتھ نہ جاتی؟ رات سے بھائیوں کے کان کھا رکھے تھے۔

"ماہی آپی کے لیے لڑکا دیکھنے جا رہے ہیں۔ ماہی آپی جتنی پیاری ہیں لڑکا بھی اتنا ہی پیارا ہونا چاہیے۔ یہ ہونا چاہیے، وہ ہونا چاہیے"۔

اور اب وہاں سے آنے کے بعد چہرا ہی اترا ہوا تھا۔

"اے بہن! لڑکا پسند نہیں آیا؟" مظہر نے اسے تنگ کیا جو اس سے صرف ڈیڑھ برس ہی بڑا تھا۔

"بڑی اماں! سمجھا لیجیے مظہر بھائی کو۔ یوں بھی میرا موڈ آف ہے"۔

"کیوں بھائی اتنا تیز وولٹیج تھا لڑکے کا کہ تمہارا فیوز ہی اڑ گیا"۔ (اظہار مظہر سے صرف سال بھر بڑا) نے رہبوت استعمال کرتے ہوئے اسے چھیڑا۔

"میں سمجھ گیا لڑکے نے انہیں لڑکی کہہ دیا ہوگا۔ یہ تو ان سے بھائی چارہ قائم کرنے گئی تھیں۔

بڑی اماں تو تھکن اور گرمی سے پریشان اپنی مختصر زین چوٹی کا جوڑا باندھ رہی تھیں۔ ان کی تو سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا کہ کیا بول رہے ہیں وہ۔

اسی دوران مظاہر بریف کیس اٹھائے باہر جاتے دکھائی دیے۔

"اے کیا مظاہر کہیں جا رہا ہے؟" بڑی اماں کچھ اس کتنے بے جواب دے رہے ہوں مگر پوتوں کی آمد و رفت کے معاملے میں بالکل الرٹ رہتی تھیں۔

"اے، نوج ابلا واسطے۔ اب کیا جانے کا وقت ہے؟ حالات ویسے ہی خراب ہیں"۔

اکا جان۔ بڑی اماں بتا رہی ہیں۔ کہہ رہی ہیں حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ ان کی سوچ ہمیشہ منفی رہتی ہے۔ حالانکہ ہم ابھی ابھی "لڑکا" دیکھ کر آئے ہیں۔ حالات بالکل ٹھیک ہیں"۔ وہ اپنی مخصوص ٹون میں چلائی۔

"ہاں۔ سارے شہر کو سنا دے کہ لڑکا دیکھ کر آئی ہے۔ بد ذات! کبھی لڑکا نہیں دیکھا"۔

"عارف نانا کہتی رہی واپسی پر کہ اماں تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ اور میں اس کی وجہ سے موڑ سے بچے نہیں اتری کہ جتنے بچیوں سے تبادلہ کچھ کہہ بیٹھے۔ ان لوگوں کے بارے میں۔ بتا دو ہیں۔ جیجی کان میں کہہ رہی ہے۔ اماں! لڑکا اچھا نہیں ہے۔ موٹا ہے۔ ماہی آپی تو رو دھو کر بچارا ابا کا ناک جبا کر رہیں گی۔ اگر وہاں کوئی سن لیتا؟"

"جی بڑی اماں؟" مظاہر تخت سے قریب آ کھڑے ہوئے اور زیر بحث موضوع سے قطعی بے توجہی ظاہر کی۔

"بیٹے۔ یہ کون سا وقت ہے جانے کا۔ اب جاؤ گے تو کب لوٹو گے؟" بڑی اماں نے جی بھر کر نرم لہجہ اختیار کیا کہ کسی طرح مظاہر گھر سے باہر نکلنے کا ارادہ ترک کر دیں۔

"بڑی اماں! بہت ضروری کام ہے۔ گاڑی آپ لوگوں کی وجہ سے رکی تھی۔ آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا کب سے"۔

"بیٹے! صبح بھی تو ہوگی"۔

بڑی اماں جانے دیں اکا جان کو حالات سب سے زیادہ کشمیر اور افغانستان میں خراب ہیں۔ وہاں بڑی اماں کہیں باہر نکلنے پر پابندی لگائیں تو صحیح بھی ہے۔ دیکھیں کیسے اچھے تیار ہوئے ہیں۔ کیا زبردست پرفیوم لگایا ہے"۔

"پھر بولی۔ زبان ذرا دیر کو نہیں رکتی"۔ بڑی اماں نے ڈپٹ کر کہا۔

مظاہر مسکرا رہے تھے۔ وعدہ بڑی اماں جلدی آ جاؤں گا۔ آپ لوگوں نے بھی اتنی دیر لگا دی۔ گاڑی جلدی آ جاتی تو جلدی چلا جاتا۔ ظہیر بھائی بھی گئے ہوئے ہیں اور سوئنگ کے بعد بائیک چلانے میں مزا نہیں آتا۔ آپ لوگوں کو اتنی دیر کیوں ہو گئی؟"

انہوں نے ہمیشہ کی طرح بڑی اماں کو پرسکون رکھنے کی انتہائی کوشش کی۔

"اے۔ وہ کیا کہتے ہیں مہمان آتا اپنی مرضی سے ہے اور جاتا میزبان کی مرضی سے۔ اور پھر ہم۔"

"ہم تو بہت غور سے "لڑکا" دیکھنے گئے تھے۔ ریا کی زبان میں پھر کھجلی ہوئی۔ بڑی اماں کی بات پھر کاٹ دی گئی تھی۔

"غور سے دیکھنے سے کیا اس کا دل، جگر، پھیپھڑے بھی نظر آ جاتے ہیں؟" اظہار نے گرہ لگائی سوالیہ انداز میں۔

"اب جاؤ تو ٹیلی اسکوپ بھی لیتی جانا"۔ مظہر نے بھی مشورہ دینا ضروری خیال کیا۔

"اب ابا بھی فالتو نہیں ہوں۔ اکا جان! مجھے تو لڑکا پسند نہیں آیا۔ کم سے کم ماہی آپی کا دولہا تو اسمارٹ خوبصورت ہونا چاہیے۔ اس کے تو ابھی سے بال کم ہیں۔ شادی کے فوراً بعد بال اور اڑ گئے تو ماہی آپی کے ساتھ بالکل اچھا نہیں لگے گا۔ اور ٹیلی اسکوپ سے کیا دیکھنا تھا۔ ویسے ہی دیکھو تو محسوس ہوتا ہے کہ ٹیلی اسکوپ کے لینسز سے آنکھ لگا کر دیکھ رہے ہیں۔ یہ سامنے سے اتنے سارے"

مظاہر اور اظہر کا مشترکہ قہقہہ فضا میں ابھرا تو بڑی اماں کی جان جل کر خاک ہونے لگی۔

"تم سب نے مل کر اسے سر چڑھایا ہے۔ ہر بات میں کودے گی۔ چاہے مطلب کی ہو نہ ہو۔ ارے کیا بنے گا اس کا؟ "ذرا تمیز نہیں کہ بڑے بات کر رہے ہیں"۔

"چلیں۔ بڑی اماں کوئی بات نہیں آپ اسے کچھ نہ کہیں۔ آخر اس کا بھی تو دل ہے۔ آپ پھوپھو کو بتا دیجیے کہ ہماری ریبا کو یہ رشتہ پسند نہیں۔ میں چلتا ہوں۔ یوں بھی بہت لیٹ ہو چکا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ حافظ"

"پھوپھو کو منع کر دوں؟ کس برتے پہ؟ میرے دل کو کوئی خوشی ہے۔ بھاڑ میں جائے"۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی پھر دراز ہو گئیں۔

"بڑی اماں! آپ اکا جان سے کیوں نہیں کر دیتیں ماہی آپی کی شادی؟" اظہار جیسے کسی دھیان سے چونکا تھا۔

"ایسا ہو سکتا تو بات ہی کیا تھی"۔ انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "اب وہ زمانے کہاں کہ جہاں بڑوں نے مناسب سمجھا پیام ڈال دیا۔"

"تو آپ کر دیں کیا کر لیں گے یہ لوگ آپ کا چاہے ظہیر بھائی سے کریں۔ چاہے اکا جان سے کر دیں۔ کتنی پیاری ہیں ماہی آپی۔ ہے نا اظہار بھائی؟" ریبا کو بھی اظہار کا آئیڈیا دل و جان سے بھایا۔

"کر چکی ہوں تمہارے بھائیوں سے بات" بڑی اماں چڑتے ہوئے لہجے میں باقاعدہ ہاتھ جھٹک کر بولیں۔

"اللہ اظہار بھائی۔ ان کا تو گھر بھی کچھ خاص نہیں ہے"۔ ریبا کو ایک اور پوائنٹ یاد آیا۔

"بہت غلط بات ہے ریبا! اللہ سے ڈر کر کچھ پتا نہیں ہوتا بچی کے نصیب کا۔ بچی کے بھاگ کھلنے پہ آئیں تو خالی گھر بھر جاتے ہیں۔ بدذات۔ سست بے دھڑک بولا کر۔ پرائے گھر کا منہ دیکھنا ہے تجھے بھی"۔ بڑی اماں نے فوراً ٹوکا۔

یہ پرائے گھر کا صرف منہ نہیں دیکھے گی بڑی اماں! جاتے ہی وہاں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی۔ مظہر اچھا بھلا خواب گاہ میں جا رہا تھا۔ اسے تنگ کرنے کی نیت سے واپس پلٹ کر حصہ لیا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ ہمیشہ ہمیشہ انشاء اللہ یہیں رہوں گی"۔ اس نے چلا کر اعلان کیا۔

"تیرے منہ میں خاک" بڑی اماں کی ہول اتنی ہافوت تھی کہ تڑپ کر اٹھ بیٹھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبیحہ کمرے میں داخل ہوئی۔ پیچھے پیچھے ملیحہ بھی تھی۔

وہ سر جھکائے بریف کیس سے نوٹوں کے بنڈل نکال کر گنتا جاتا تھا اور دائیں طرف رکھتا جاتا تھا۔

"لگتا ہے اب ڈاکے بھی ڈالنے لگے ہو۔" صبیحہ نے افسردہ مگر تلخ لہجے میں اسے متوجہ کیا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"یہی سمجھ لیں" اس کی بے نیازی قابل دید تھی۔

"کم از کم اتنا لحاظ تو کر لیا کرو کہ ہم تمہاری بڑی بہنیں ہیں۔ کبھی کبھی ادھر آنا ہوتا ہے"۔ ملیحہ اس کی بدتمیزی برداشت نہ کر پائی۔

"کیوں کرتی ہیں یہ زحمت؟" اس کا انداز قطعی سنگدلانہ تھا۔

"ماں ہوتی ہے ادھر ہماری۔ اس سے ملنے آتے ہیں"۔ صبیحہ نے ناراض لہجے میں جواب دیا۔

تو کیا آج رات بارہ بجے تک ماں سے ملاقات نہیں ہوئی۔ گھر ہی میں تو تھیں۔"

اس کے اس توہین آمیز انداز پر صبیحہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"بہت اچھا صلہ دیا ہے ہماری محبتوں کا"۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ لوگ محبت کرتے ہیں کہ کاروبار"۔ وہاں سے رکھائی دھا جواب آیا۔

"پاشا! اماں جان بہت پریشان ہیں۔ ان کا بی پی شوٹ کر گیا ہے۔ تمہیں اپنی ماں کا خیال بھی نہیں"۔

ان کا بی پی اس لیے شوٹ کر گیا ہے کہ انہیں میرا خیال نہیں۔ سیدھا سا کام ہے اور وہ جان پر کھیل رہی ہیں۔

"تم سیدھی راہ پہ ہوتے تو یہ کام واقعی سیدھا سا تھا"۔ ملیحہ نے اضافہ کیا۔

"تو پھر میں غور کر لیتا ہوں۔ یہ سیدھا سا کام"

"خبردار پاشا! اس فلمی اداکارہ کی وجہ سے جو کچھ ہوا اس کی بازگشت آج بھی ہمارے سسرالوں میں موجود ہے۔ کیسا تماشا۔ بنا یا تھا تم نے ہمارا۔ وہ تو تمہارے بہنوئی کے مزاج میں جو نیکی اور بھلائی ہے اس کی وجہ سے وہاں آسانی ہو گئی ورنہ تم نے تو ہمیں کہیں کا نہیں رکھا تھا"۔ صبیحہ نے بھڑک کر کہا۔

رہ خود میرے پیچھے پھر رہی تھی۔ حالانکہ اس کا تو شوہر بھی موجود تھا۔ کراچی کا نامی گرامی جوئے باز، سٹے بازار کا شہسوار۔ اس مرتبہ کے ورلڈ کپ پر اس نے جو سٹہ کھیلا، آج بھی اس کی لاک کے چرچے ہیں۔ اگر اتنے مالدار آدمی کی بیوی میرے پیچھے پڑ رہی ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں؟"۔

کتنی شرم آئی تھی ہمیں۔ اخبار میں اس کے ساتھ تمہاری تصویریں دیکھ کر۔ ہمیں تو تم نے یہ بتایا تھا کہ سنا جب جا رہے ہو۔ اور اخبار میں لکھا تھا تم دو ماہ سے اس کے ساتھ پیرس میں تھے"۔ ملیحہ نے کہا۔

"اپنے خرچے پر لے کر گئی تھی"۔ اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

"یہ تو تمہاری ریپوٹیشن ہے۔ خواب دیکھ رہے ہو عزت دار گھرانے کی لڑکی اپنانے کے؟"

"سارے عزت دار لوگ ہی ادھر گھر کا نشے جاتے ہیں اور نیک، معصوم، خاندانی بیویاں۔ گھر تک ان کا انتظار کرتی ہیں۔ جب وہ عزت دار گھرانوں کی عورتیں اپنے گھر میں بسا سکتے ہیں تو میں کوئی دنیا سے نرالی بات کر رہا ہوں۔"

عموماً ایسا انجانے میں ہوتا ہے۔ کوئی جانتے بوجھتے اپنی بیٹی کو کنویں میں دھکا نہیں دیتا۔ رہ بڑے نا سمجھ اور کم ظرف لوگ ہوتے ہیں۔ جو صرف دولت دیکھ کر بیٹی رہتے ہیں۔"

"بڑے عقلمند ہوتے ہیں۔ پیسے ہی سے ہر شے خریدی جا سکتی ہے۔ خواہ اسپرو کی گولی ہو یا کوئی مکان۔ اگر پیسے کی اتنی اہمیت نہیں ہے تو عدالتوں میں نان و نفقہ کے ہزاروں مقدمے کیوں چل رہے ہیں؟" اس نے اپنی دانست میں بہنوں کو لاجواب کر دیا۔

"بنیادی حقوق اور عیاشی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جو تمہاری سمجھ سے بالاتر ہے"۔ ملیحہ جل کر بولی۔

"آپ لوگوں کو تو خوش ہونا چاہیے کہ میں نے آپ کے لیے ایک اچھی بھاوج کا انتخاب کیا ہے"۔

اس نے نوٹوں کے بنڈل لاکر میں جماتے ہوئے اپنی مخصوص بے حسی کے ساتھ کہا۔

"ابھی ہم اتنے بے ضمیر اور خود غرض نہیں ہوئے ہیں کہ صرف اپنی غرض اور خوشی کی خاطر کسی کی ساری زندگی داؤ پر لگا دیں"۔

"آپ لوگ بھائی کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتے۔ لوگ تو دولت کی خاطر زندگی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ آپ کو پتا ہے دنیا کا سب سے خطرناک "جوا" کون سا ہے۔ اس میں انسان جان کی بازی لگاتا ہے۔ اس کا نام RUSSION

ROUHLLE ہے۔اس میں ریوالور استعمال ہوتا ہے جس میں صرف ایک گولی ہوتی ہے۔ جواری اپنی مرضی سے اس کا میگزین گھماتا ہے پھر ریوالور اپنی کنپٹی پر رکھ کر ٹرائیگر دبا دیتا ہے۔ اگر اکلوتی گولی باہر آ جائے؟ یعنی وہ زندگی ہار دیتا ہے۔ بچ جانے والا ساری رقم کا مالک بن جاتا ہے"۔

استغفراللہ۔ صبیحہ نے بے ساختہ کہا"خدا کی پناہ ایسی دولت پرستی سے"۔

دنیا تو کہہ رہا ہوں۔ آپ لوگ بھائی کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتے؟" وہ کھلا سوشلی بلیک میل کر رہا تھا۔

جوئم کرنے کے لیے کہہ رہے ہو۔ وہ تفریح یا ٹینشن دور کرنے کی ہے۔ ایک انسان کی پوری کی پوری زندگی داؤ پر لگے گی"۔

ملیحہ نے انتہائی تلخی سے جواب دیا۔"ہم بھی انسان ہی ہیں ہمارے بھی خواب ہیں کہ بہت اچھی سی بھابی ہو ہماری۔ مگر اللہ نے ہمیں بھی اولاد دی ہے ایسی خود غرضی نہیں دکھا سکتے لاکھ آپ تمہارا دوسرا گھر ہے۔ وہ سفید پوش خاندانی لوگ ہیں۔ آئندہ ہم سے اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اماں سے۔ اگر خود کو تبدیل کر کے دکھا سکتے ہو تو ہم تمہاری ہر قسم کی مدد کو تیار ہیں"۔

صبیحہ جو اس کے قریب مونڈھے پر بیٹھی تھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایک معمولی سی لڑکی کے لیے میں خود کو بدل ڈالوں؟ ہونہہ" اس نے حقارت سے جواب دیا۔

"جب وہ اتنی معمولی ہے تو پیچھا چھوڑ دو اس کا؟" ملیحہ نے دبابات پکڑ لی۔

"آپ لوگوں کے تعاون کی تو سرے سے مجھے ضرورت ہی نہیں۔ جہت بہت شکریہ۔ یہ میرا اور اماں کا معاملہ ہے۔ آپ اپنے اپنے گھروں میں چین کی بانسری بجایئے" اس نے بلا کی اجنبیت سے بہنوں کو جواب دیا۔

ستم پر محبت اثر کرتی ہے نہ آنسو۔ اماں کی کوکھ سے ایسا پتھر کیسے پیدا ہو گیا۔ صبیحہ کی آواز رندھ گئی۔

"اگر آپ لوگ میری اصلاح کا بیڑہ اٹھا کر اس گھر میں داخل ہوتی ہیں تو برائے مہربانی آئندہ زحمت نہ کیجیے گا۔ اچھا خاصا سکون رہتا ہے گھر میں۔ آ جاتی ہیں دماغ خراب کرنے۔ ماں کو پٹیاں پڑھانے"۔

وہ غصے سے زہر اگلتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ چند منٹوں بعد گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تھی۔

☆☆☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو فوراً احساس ہوا کہ عصر کا وقت نکلا ہی چاہتا ہے۔ وہ بڑی عجلت میں باہر آئی اور سیدھی بیسن کی طرف وضو کی نیت سے بڑھی۔

"سلام کرو ماہ نور! مہمان آئے ہیں"۔ اسے پیڈسٹل کے شور کے بیچ ماں کی آواز آئی۔ وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔ برآمدے میں پڑی کرسیوں پر دو خواتین اس کی امی کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ ان میں سے ایک کو تو وہ پہچانتی تھی۔ یعنی اپنی ہمسائی سید صاحب کی بیگم کو دوسری کو وہ پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھی۔

اس نے ذرا خفیف سے انداز میں سلام کیا تھا اور پھر پلٹ کر وضو کرنے میں مصروف ہو گئی۔

"ان کے ماشاءاللہ چھ بچے ہیں۔ پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا۔ منہاج حسین پاشا۔ بیٹیاں تو اللہ رکھے اپنے اپنے گھروں میں ہیں"۔

ماہ نور ٹک میں پانی چڑھا رہی تھی۔ ہاتھ جہاں کا تہاں رہ گیا۔ پاشا؟

☆☆☆☆

اس نے بڑی بے اختیاری کیفیت میں پلٹ کر خواتین کی طرف دیکھا تھا۔ ذہن کی حالت یوں ہو گئی تھی جیسے معتدل

فضا میں اچانک غیر متوقع آندھی آ جائے اور سب کا ذہن آندھی اور آندھی کے دوران پیدا ہونے والی صورت حال میں الجھ کر رہ جائے۔ اس کے علاوہ ہر اہم غیر اہم بات ذہن سے محو ہو جائے۔ وہ بھی بس ایک ہی کیفیت میں چکرانے لگی تھی"۔ پاشا! پاشا"۔

سید صاحب کی بیگم تو اور بھی جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں۔ مگر اس کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔ الفاظ محض شور محسوس ہو رہے تھے۔

"بہن! بات یہ ہے کہ کئی بیٹیوں کے بیچ ایک ہی بیٹا ہوا ہے۔ باپ کے لاڈ پیار نے اسے بہت خود سر بنا دیا۔ حالانکہ بچوں کو بگاڑنے میں ماؤں کا ہاتھ مشہور ہے۔ بہت چھپکے کے زور والے بندے تھے میرے مرحوم شوہر اور میں بڑے چھوٹے گھر سے یتیمی کے دکھوں کے ساتھ ان کے گھر میں آئی تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ صورت کی وجہ سے مال دار گھرانے میں بیاہ ہوا مگر میں یہی کہتی ہوں کہ جوڑ نصیب کا لکھا ہوتا ہے۔ میری تقدیر ہی یہی لکھی گئی تھی۔ مجھے اندازہ ہے کہ آپ کو میری بات اچھی نہیں لگے گی۔ مگر میں بہت مجبور ہو کر آپ کے دروازے پر آئی ہوں"۔

قمر النساء کی عاجزی و شرم ساری عارفہ کی سمجھ سے بالا تر تھی۔ عموماً لڑکوں میں خود سری تو ہوتی ہی ہے۔

ماہ نور نے خود کو سنبھال کر بمشکل وضو مکمل کیا اور دوپٹے کو نماز کی نیت سے درست کرتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ان کی آوازیں بخوبی کمرے میں بھی پہنچ رہی تھیں۔ مگر اب بیرونی آوازیں اسے چونکانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھیں کہ اب ذات کے اندر بڑی چیخ و پکار شروع ہو چکی تھی۔

اور جب انسان ذات کے ہنگامے میں الجھا ہو تو زمان و مکان کی قیود سے ماورا ہو جاتا ہے۔ مادی حواس کی گرفت ٹوٹتے ہی وہ سماعت، بصارت، بلاغت، گویائی کو محض ایک گمبھیر خاموشی ایک اٹوٹ سناٹے میں جذب کر دیتا ہے۔ مادی دنیا بے معنی و بے اثر اور بے تعلقی کا مظہر ہو کر ایک طرف ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ جانے کیا کیا باتیں کر چکی تھیں مگر اس نے کچھ نہیں سنا تھا۔ اس کی اپنی ذات میں اس قدر کی نبی کی بے ضابطہ اور اصولی گفتگو چھڑ چکی تھی کہ سوال سہا ہوا اور ہر جواب بے رحم تھا۔

جانے اس نے کیا کچھ پڑھا تھا کہ چوتھی رکعت میں سجدہ سہو کرنا پڑا۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ساری کائنات میں صرف رحم۔ رحم کی بازگشت گونجنے لگی۔ اس کے ہونٹوں کا ارتعاش کن کے ارتعاش سے ہم آہنگ ہونے کو مچلنے لگا۔ اس کی اندر کی آندھی میں بگولے کی طرح ناچ رہی تھی کہ اس وقت ذرے ذرے کو "آمین" کہنا چاہیے۔ حق کو حق کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ہر انسان اپنی ہر دعا کے لیے ایسا ہی اصرار رکھتا ہے کہ اسے ضرور قبول ہونا چاہیے۔

مگر دعا کی قبولیت کا تو وعدہ ہے۔ دعا تو ہمیشہ سنی ہی جاتی ہے۔ مگر بہت سے انسان دعا کی قبولیت کے معنی نہیں جانتے۔

قبولیت کے تین انداز ہیں جو مانگے وہی ملے۔ اس سے بہتر ملے۔ یا پھر صدقہ بن کر رد بلا ٹھہرے۔

مگر دعا مانگنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ دنیا بہشت نہیں ہے

بلکہ بہشت سے بہشت کے سفر کی گزرگاہ ہے۔ ایسا سفر جو مشقت کی دھول سے اٹا ہوا ہے۔

امتحان در امتحان کے سلسلوں سے بنا ہوا ہے۔

ایسے میں دعا کا صدقہ بھی بڑی امداد ہوتی ہے۔ دعا مانگنا تو عین سعادت ہے۔ دعا کے لیے ہاتھوں کو پھیلانا تو بجائے خود ایک خوشی ہے۔

سعید روحیں ہر وقت پر منہ پر لپیٹ کر نہیں لیتا کرتیں۔ دعا کے ذریعے رابطے میں رہتی ہیں اور دنیا "غرض و غایت" ہی کا رابطہ ہے۔ امتحان میں ہیں تو ہاتھ اٹھانے کو دھیان کیسے آئے؟ ارے بے دھیان کے نتائج ہونے ہیں فطرت سے بد دلی اور اعراض کا

چلن فطرت کو کبھی تبدیل نہیں کر سکتا۔ مگر رابطہ بحال رہنے کی صورت میں بہت کچھ ہونے کے امکان روشن رہتے ہیں۔

مگر۔ ابھی تو زندگی کا سخت اور پہلا امتحان تھا۔

پہلے امتحان پر ہوش اڑ جاتے ہیں اور مسلسل امتحان پڑ جائیں تو ہوش ٹھکانے بھی آ جاتے ہیں۔ پھر فکر میں گہرائی اور لطافت اترنے لگتی ہے اور بہت سے بھید آشکار ہو جاتے ہیں۔ سوالوں کے جواب ملنے لگتے ہیں۔ الجھنیں سلجھنے لگتی ہیں۔ بات سمجھ میں آنے لگتی ہے۔

بات سمجھ میں آنے لگتی ہے تو فطرت سے بدگمانی دور ہوتی ہے، دوستانہ مراسم قائم ہونے لگتے ہیں۔

دوستی ہوتی ہے تو سکون اترنے لگتا ہے۔

وہی سکون۔

جس کے لیے بہشت سے نکل کر آدم قیامت تک کے لیے سرگرداں ہوا۔

طبیعت سکون آشنا ہو جاتی ہے تو گم گشتہ بہشت کی فضا سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔

دور اپنے ابدی، ازلی، دائمی ٹھکانے پر قیام کی تیاری مکمل ہو جاتی ہے۔

وہ شخص کم مائیگی کو آج تک سب سے بڑی ندامت۔

بہت بڑی ابتلا۔

عظیم دکھ سمجھتی رہی تھی۔

مگر آن واحد میں۔ فکر نے سالوں پر محیط اڑان بھری تھی۔ خوف کی ایک جھرجھری نے بصیرت کا ایک نیا روزن کھولا تھا۔ سیاہ آبنوسی دروازوں والا پرشکوہ گھر۔ بے آواز چمکتی چیختی گاڑی۔ سب کچھ چل کر خود بخود اس کے لیے آیا تھا۔ بلکہ پیش ہو رہا تھا۔

پھر وہ زندگی میں سب سے زیادہ خوفزدہ اور غیر محفوظ کیوں محسوس کر رہی ہے خود کو؟ کیوں یہ سب سے عظیم بار اور افسوس ناک لگ رہا ہے؟۔ کیوں یہ بزرگ حلیم و حسین خاتون قہر خداوندی لگ رہی تھیں۔ کیوں آنے والے وقت کے خیال سے دل بیٹھا جا رہا ہے

مالی خوشحالی بلکہ ثروت و شوکت بالکل پاس ہی تو آ کھڑی ہوئی ہیں۔ خوشی، اطمینان و سکون، ان ہی سے تو مشروط سمجھتی رہی ہے۔ اب سے کچھ دیر قبل تک دو کمروں کا مکان، پیشہ ور باپ، سترہ سو روپے ماہوار اپنی تنخواہ کتنی پیچ و شرم ناک محسوس ہوتی تھی۔ کہ چہار اطراف۔ بچھا سکھ و محبت کا ماحول اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

ماں باپ کا آپس میں حسن سلوک باہمی احترام، وقت کی پابندی کے ساتھ پیٹ بھر کھانا۔ وقت پر سونا اور بے سدھ سونا۔ وقت پر اٹھنا۔ نہایت پاکیزہ نظر و قرینے کا ماحول کتنا قیمتی ہوتا ہے اور جو اسے حاصل ہے۔ اسے اس کی قدر آناً فاناً محسوس ہونے لگی تھی۔

"ماہ نور بیٹی! نماز پڑھ چکی ہو تو چائے بنا لو۔ شمسہ پڑوس میں گئی ہوئی ہے"۔

عارفہ کی آواز نے اس کے پتھر بنے وجود میں گویا جان ڈال دی۔ وہ یوں اٹھی گویا برسوں سے بیمار ہو اور نقاہت سے اٹھنا دوبھر ہو۔ جائے نماز بغیر تہ کیے پلنگ پر ڈال دی۔ پاؤں میں پلاسٹک کی چپل اڑس کر خود کو تقریباً گھسیٹتی ہوئی باہر آئی مگر دونوں مہمان خواتین گھر کے مین دروازے تک پہنچ چکی تھیں اور عارفہ بڑی وضع داری سے انہیں رخصت کر رہی تھیں۔ دروازہ بند کر کے پلٹیں تو اس سے نظریں ملا کر باورچی خانے میں چلی گئیں۔

"بہت اصرار کیا میں نے چائے کے لیے۔ مگر وہ رکیں نہیں۔ کہنے لگیں۔ جب آپ بلائیں گی تب ہی آپ کے ہاں

چائے پئیں گے۔" باورچی خانے سے ان کی آواز آ رہی تھی۔

مگر ہم کیوں بلائیں گے انہیں؟" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئی۔

"ابا جان کہاں گئے ہوئے ہیں امی؟" باپ کے وجود کا بھرپور احساس اس کے اندر سکون بن کر اترنے لگا۔

"خدا معلوم۔ وہ بتا کر کب جاتے ہیں۔ یہیں کہیں ہوں گے۔ اے شمسہ کو دیکھو۔ کب سے گئی ہوئی ہے۔ سہیلیوں میں بیٹھ کر سب کچھ بھول جاتی ہے"۔

وہ بڑبڑانے لگیں ساتھ ہی برتن بھی کھڑکھڑا رہے تھے۔

ماہ نور پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

"ارے مظہر کو دیکھو۔ کیا گھوڑے بیچ کر سو رہا ہے"۔

بڑی اماں ناراضگی سے بڑبڑاتی ہوئی ڈائنگ روم میں داخل ہوئیں۔

"بڑی اماں۔ یہ گھوڑے بیچ کر اتنی نیند کیوں آتی ہے۔ پتا نہیں کتنے لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہمیں نیند نہیں آتی۔ گولیاں کھاتے ہیں تب سوتے ہیں۔ آپ انہیں گھوڑے بیچنے کا مشورہ کیوں نہیں دیتیں۔ ظاہر ہے یہ گھوڑے بیچنے والی بات آپ سے بھی پہلے بزرگوں نے کہی ہے۔ غلط تھوڑا ہی کہا ہوگا انہوں نے"۔

ریبا ایک طرف کونے میں کارپٹ پر کتابوں کا ڈھیر پھیلائے اوندھی لیٹی ہوئی تھی۔ شرارت سے بڑی اماں کو دیکھ رہی تھی۔ "بس زبان پکڑنے کی رہتی ہے۔ بتاؤ۔ اگر ان کے پہنچنے سے پہلے جہاز پہنچ گیا تو بچہ کس قدر پریشان ہوگا"۔ انہیں خاصی پریشانی لاحق تھی۔

"کیا واقعی وہ بچے ہیں؟ اگر بچے ہیں تو ضرور پریشان ہوں گے۔ کیونکہ بچوں کو تو ایک ہی کام آتا ہے پریشان ہونے اور پریشان کرنے کا" "پھر وہی اوٹ پٹانگ ہانکی"۔ بڑی اماں نے ڈانٹ دیا۔

"بڑی اماں! آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ آخر وہ جو ٹورسٹ یعنی سیاح ہوتے ہیں۔ وہ بھی تو ایک بیگ کاندھے پر لٹکا کر نئے نئے ملکوں میں جاتے ہیں۔ وہ تو گم نہیں ہوتے۔ ان کے تو ان ملکوں میں رشتے دار بھی نہیں ہوتے۔

آپ اجازت دیں تو چند دنوں میں آدھی دنیا گھوم کر دکھا دوں اکیلا؟"

"اے بس بی بی! معاف کر دو ہمیں۔ تم سے کچھ بعید بھی نہیں کہ نکل ہی پڑو"۔

بڑی اماں نے ایک دم ہول کر اس کو درمیان میں ٹوک دیا۔ جیسے انہیں یقین ہو کہ وہ ایسا کر سکتی ہے۔

"جاؤ ذرا بھائی کو اٹھا کر پوچھو کہ کتنے بجے کا جہاز ہے؟"

بڑی اماں برتنوں کی الماری سے جانے کیا نکال رہی تھیں۔

"اور یہ کیا طریقہ ہے جدھر جی چاہتا ہے۔ کتابیں پھیلا کر بیٹھ جاتی ہو"۔

انہوں نے اپنی عادت کے مطابق بغرض اصلاح پوتی کو جھاڑ بھی پلائی۔

ریبا ڈھٹائی سے ہنستی ہوئی مظہر اور اظہار کے مشترکہ کمرے کی طرف چل پڑی۔

تھوڑی دیر بعد اسی ادا کے ساتھ دوبارہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

"بڑی اماں! مظہر بھائی کہہ رہے ہیں، جہاز تو ایک ڈیڑھ گھنٹہ ہوا پہنچ بھی چکا ہوگا"۔

"ہائیں! بڑی اماں کے ہاتھ سے جوس کا بلوری گلاس چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"وہ کہہ رہے ہیں بڑی اماں سے کچھ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آکاجان انہیں یعنی مہمان کو لے کر پہنچنے ہی والے ہوں گے۔"

"کس قدر بے وقوف لڑکی ہے۔ ابھی تک بات کرنے کا طریقہ نہیں سیکھی۔ لو بتاؤ وہ تو پہنچنے والے ہوں گے۔ ارے یہ مظاہر بڑا اڑسے دار بچہ ہے۔ اللہ نصیب اچھے کرے۔ اور مظہر اٹھا نہیں؟ یہاں تو چھٹی کا یہ مطلب ہے کہ پڑے سوتے رہو۔"

وہ باہر نکلتے ہوئے پھر بڑبڑائیں۔

"بڑی اماں! ساری دنیا میں چھٹی کا یہی مطلب ہوتا ہے۔" ریبا نے مطلع کرنا اپنا نہایت ضروری فرض سمجھا۔

"اللہ نے ہر چیز کا حساب کتاب بنایا ہے۔ ضرورت سے زیادہ تو نیند بھی اچھی نہیں ہوتی۔"

وہ باہر نکل چکی تھیں مگر آواز ہنوز آ رہی تھی۔

"ریبا" سعا انہوں نے پکارا "باہر آؤ کچھ کام کرو۔"

وہ با سامنہ بنا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی بڑی اماں! اتنا بجے زردے کی دیگ پہلے دم کروں یا بریانی کی؟" وہ جیسے جھلا کر پوچھ رہی تھی۔

"اللہ جانے کب آئیں گی وہ مبارک گھڑیاں کہ تم بھی ایسے کام کرو گی۔ فی الحال تو اوپر جا کر دیکھو لیلیٰ نے جمال کا کمرا ٹھیک کر دیا اور غسل خانے کی صفائی کیسی کی ہے۔ میرے کمرے سے دو تین دھلے تولیے لے جا کر اس کمرے کی الماری میں رکھ دو۔ صابن بھی دیکھ لینا۔ ٹوتھ پیسٹ بھی وہاں لیلیٰ کو۔ دیکھنا ٹھکانے پر پہنچا دیا یا ادھر ادھر رکھ کر بھول گئی۔"

"یعنی کہ ٹھکانے لگا دیا۔ بس یا اور کچھ؟" وہ اتنی طویل فہرست سے اکتا گئی۔

"ہاں بس جاؤ اور آ کر تھوڑی سی روٹیاں بناؤ میرے سامنے۔ میں اسے بتاؤں گی کہ تم نے بنائی ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہارے پھوہڑ پنے کے قصے سارے ہندوستان میں پھیلیں۔" وہ قدرے تیکھے انداز میں گویا ہوئیں۔

"اگر پاکستان میں پھیلیں گے تو لازمی ہندوستان میں بھی پھیلیں گے کیونکہ ہندوستان کے تو کان لگے رہتے ہیں ادھر۔ یوں بھی پڑوس ہی میں تو ہے۔" وہ کھلکھلائی۔

"کیسا وقت ضائع کرتی ہے الٹی سیدھی باتوں میں۔" وہ سلگ کر رہ گئیں۔

"بڑی اماں!" وہ جاتے جاتے پلٹ آئی۔

"اب کیا ہے؟" وہ جھلا گئیں۔

"ٹوتھ برش بھی منگا لیں۔ نورالدین بابا سے۔ کیا پتہ وہ سامان میں رکھنا بھول گئے ہوں۔ سیدھے جو ہیں۔" وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"خبردار جو تو نے اسے تنگ کیا۔ سیدھا سیدھا کہہ کر کہے دے رہی ہوں۔ زبان کو قابو میں رکھنا۔ دور کا مہمان ہے اور پھر دو روز دو ایک کیا مہمان تو مہمان ہوتا ہے۔ بڑا ہے وہ بھی؟"

"سمجھ لیا" وہ سر ہلا کر ہنستی ہوئی چل دی "آ کہیں تو ذرا۔"

☆☆☆☆☆

بظاہر ماہ نور ادھر ادھر کے کاموں میں لگی ہوئی تھی مگر اس کا سارا دھیان ماں باپ کے مابین ہونے والی گفتگو کی طرف لگا ہوا تھا۔

باہر آنگن میں چار پلنگ بچھا کر پیڈسٹل فین لگا دیا گیا تھا۔ لائٹ آف تھی۔ شمسہ ایک کمرے میں دروازہ بند کر کے استغفار کر رہی تھی۔ ماہ نور نے بظاہر ٹیسٹ کی کاپیاں پھیلا رکھی تھیں مگر اس کی رتی برابر توجہ کاپیوں کی طرف نہیں تھی۔ کبھی کچن میں جا کر

صحیناً سستانی کرنے لگتی کبھی واپس کمرے میں آ کر کاپیوں کے ڈھیر کو گھورنے لگتی۔ اسے خود اپنی کیفیت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ دل بے حد پریشان تھا۔ آنگن کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پٹ اس نے چوپٹ کھول رکھے تھے تاکہ آنگن میں ہونے والی گفتگو صاف سنی جا سکے۔

"سن رہے ہیں۔ آج سید صاحب کی بیگم آئی تھیں۔ اپنی کسی ملنے والی کو لے کر۔"

بالآخر وہ ساعت آ گئی جس کا ماہ نور کو شدت سے انتظار تھا۔

"اچھا۔ خیریت؟"

"ماہ نور کے لیے آئی تھیں۔ جنہیں لے کر آئی تھیں قمر النسا، نام ہے ان کا۔ پانچ بیٹیوں کے بیچ ایک ہی لڑکا ہے۔ اس کے لیے سوال ڈال گئی ہیں۔"

"ہوں۔ کیا کرتا ہے؟ کہاں رہتے ہیں وہ لوگ؟"

طاہر علی جو سونے کا سوچ رہا چکے تھے ایک دم چوکس ہو کر بیوی سے محو کلام ہو رہے تھے۔

"رہتے تو یہیں ہیں۔ کہیں قریب ہی گھر ہے۔ بہت مالدار لوگ ہیں۔ سید صاحب کی بیگم بتا رہی تھیں فرنیچر کا کام بھی ہے۔ باغ زمینیں وغیرہ بھی ہیں۔ لڑکے کے باپ کا انتقال ہو چکا ہے۔"

"کتنا پڑھا ہوا ہے لڑکا؟" طاہر علی مکمل دلچسپی لے رہے تھے۔

"یہ تو میں نے پوچھا ہی نہیں۔" عارفہ کو اپنی کوتاہی پر افسوس ہوا۔ "البتہ وہ مجھے بہت سادہ اور صاف گو لگیں۔ کوئی تعریف نہیں کی ہے۔ بلکہ ایک طرح سے اس کی برائی ہی کر رہی تھیں کہ باپ کے لاڈ پیار نے بہت ضدی اور خود سر بنا دیا ہے۔ بڑی ہٹ دھرمی ہے مزاج میں۔ کہہ رہی تھیں کہ ہو سکتا ہے شادی کے بعد معقول اور سمجھدار بیوی اس کو سنبھال لے۔ گھر گرہستی کا ہو کر بدل جائے۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ کیا ہوائی قلعہ ہے۔ کیا ضمانت ہے کہ وہ شادی کے بعد سنبھل جائے گا۔ یہ تو آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے والی بات ہوئی۔ منع کر دینا ان کو۔"

ایک دم واضح انکار پر ماہ نور نے دم سادھے بیٹھی تھی۔ طمانیت کا گہرا سانس لیا۔

"یہ کون سی کوئی انہونی بات ہے۔ عام طور پر ہمارے معاشرے میں خود سری مردوں کا عام مزاج ہے۔ اپنے آگے کس کی چلنے دیتے ہیں۔ پھر اکلوتا بیٹا اور وہ بھی کئی بیٹیوں کے ساتھ تو لاڈ پیار میں اتنا تو ہو ہی جاتا ہے۔ سید صاحب کی بیگم کہہ رہی تھیں کہ شکل بھی بہت اچھی ہے۔"

"بڑی بڑی حسین نامور عورتوں کو دنیا میں اپنا کر چھوڑا گیا ہے۔ تم مرد کی شکل کو اتنی اہمیت دے رہی ہو۔ کچھ ہوش کی باتیں کرو عارفہ! اتنی دولت پرستی بھی اچھی نہیں۔ میرے خیال میں ماہ نور کی جہاں پہلے بات چیت چل رہی ہے وہ لوگ ہر لحاظ سے بہتر ہیں۔ درمیانے نام سے لوگ۔ نہ غربت ہے نہ امارت۔ ختم کرو یہ قصہ۔"

انہوں نے بیزاری سے کہہ کر کروٹ بدل لی۔

"ابھی ہم نے کیا دیکھا بھالا ہے۔ دیکھ لینے میں کیا ہرج ہے۔"

عارفہ کو ایک دم انکار قطعی ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

ماہ نور کا جی چاہا بھاگ کر باہر جائے اور ایک ایک حرف حقیقت بیان کر ڈالے تاکہ بات اسی وقت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔

"تو پھر دیکھ لو۔ مگر میری طرف سے لڑکے کی والدہ کا شکریہ ادا کر دینا۔ انہی صاف گوئی سے انہوں نے ہمارے لیے بہت آسانی پیدا کر دی ہے۔

اور یہ سید صاحب کی بیگم کا تم بار بار حوالہ دے رہی ہو۔ اگر وہ اتنا ہی اچھا ہے تو وہ اپنی بیٹی کیوں نہیں دے دیتیں؟ ماشاء اللہ ان کے ہاں بھی کئی بیٹیاں ہیں"۔

طاہر علی بظاہر بیوی کو وضاحت دے رہے تھے مگر ان کی ایک ایک ادا ان کے صاف انکار کا اعلان کر رہی تھی۔

سید صاحب کی لڑکیوں کے علاوہ ان کے اچھے جاننے والوں میں بھی بہت لڑکیاں ہوں گی مگر وہ ماہ نور کے لیے خود آ؟

تمہیں صرف ماہ نور کے لیے"۔ عارفہ کے انداز میں خاصی ہچکچاہٹ آ گئی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" طاہر علی ان کے انداز پر الجھ گئے اور کروٹ بدل کر رخ ان کی طرف کر لیا۔

"آپ باپ ہیں۔ سن کر غصے میں آ سکتے ہیں"۔ عارفہ پھر ہچکچا کر رک گئیں۔

ماہ نور کی ہتھیلیوں سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ ہاتھوں کی لرزش وہ بہت واضح محسوس کر رہی تھی۔

"تمہیں کہو۔ بہت ضبط سے بجھے ہیں"۔ طاہر علی کے لہجے میں اندیشے اتر رہے تھے۔

"وہ۔ شاید اس لڑکے نے ماہ نور کو کہیں دیکھا تھا۔ اسی کے کہنے پر آئی تھیں"۔ انہوں نے دبی زبان میں ان کی طرف جھک کر کہا۔

ایک گہرا سناٹا ماحول پر چھا گیا۔

ماہ نور کے سینے میں ایک دھکڑ پکڑ ہونے لگی۔ یہ کیا کر دیا امی نے۔ کیا سوچیں گے ابا جان میرے بارے میں۔ حیا سے اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا۔

"عارفہ اور بہت سی بچیوں کی طرح ہماری بچیاں بھی گھر سے باہر جاتی ہیں۔ پڑھنے پڑھانے۔ کوئی بھی۔ آوارہ، لفنگا، ان پڑھ ان کے لیے رشتہ بھیج سکتا ہے۔ زمانے بھر کے آوارہ گرد بدنام لڑکے ادھر ادھر گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ اگر وہ اپنے بیٹے کے کہنے پر آئی تھیں تو سن لو۔ آئندہ مجھے کسی ایسے رشتے کے بارے میں مطلع نہ کرنا جو کسی راہ چلتے لڑکے نے بھیجا ہو اور پھر اس کی تو اپنی ماں اسے ضدی اور خود سر کہہ رہی ہے۔ ضد اور خود سری کے معنوں کو جتنا مرضی پھیلا سکتی ہو۔ بہت کچھ آ سکتا ہے اس میں سوائے باپ کی دولت کے اور تو کوئی خوبی نظر نہیں آ رہی۔ تعلیم تک تو بتائی نہیں والدہ نے۔ لہٰذا میرا خیال ہے آج کی بات آج ہی ختم ہو جانا چاہیے۔ اب اگر وہ آئی ہیں تو بس یہ کہہ دینا کہ ہم اپنے ہی جیسے گھرانے میں بیٹی کا رشتہ کریں گے۔ اتنا اونچا نہیں اڑنا چاہیے۔ بس اب مجھے سونے دو کوئی بات نہ کرنا"۔

عارفہ خاصی دیر پلنگ سے پاؤں لٹکائے بیٹھی کچھ سوچتی رہیں۔ پھر اٹھ کر اس کمرے میں چلی آئیں جہاں ماہ نور سکون و خوشی کے احساس سے یکدم ہلکی پھلکی ہو بیٹھی تھی۔ ماں کو دیکھ کر فوراً سنبھل گئی اور کتاب الٹ پلٹ کرنے لگی۔

بس اب سو جاؤ۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے شمسہ اندر سو گئی ہے۔ خوب ہے اس کی عادت پڑھتے پڑھتے کتابوں کے ڈھیر پر ہی سو جاتی ہے۔ اسے کہو بستر پر جا کر سوئے۔ باورچی خانے کا دروازہ بند کر کے سونا یاد سے۔ جانے کہاں سے ایک بلی آئی ہے۔ دودھ کا خطرہ ہی رہتا ہے۔ سوچا تھا اس مرتبہ دس ہزار کی کمیٹی نکلے گی تو چھوٹا سا فریج لے لیں گے۔

مگر اب سوچ رہی ہوں۔ پہلے تمہاری شادی کا مرحلہ خیر و خوبی سے نمٹ جائے۔ بیٹی کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے۔ یہی فکر ہوتی ہے کہ جلد سے جلد اپنے گھر کی ہو جائے۔ سب بیٹی والے تقریباً ایسے ہی سوچتے ہیں"۔ (اور پھر بیٹی بہت

خوبصورت ہو تو اور زیادہ دھڑکے لگے رہتے ہیں) انہوں نے ایک نگاہ اس کے معصوم اور پرسکون چہرے پر دوڑائی۔

"تمہارے ابا جان تو اپنے دوست سے رشتے داری قائم کرنے کا پکا پکا سوچ بیٹھے ہیں۔ وہ لڑکے کی تصویر بھی دے گئے تھے۔ مجھے دھیان ہی نہیں رہا۔ پوچھنا بس یہ ہے کہ تمہیں اپنے ماں باپ کی پسند پر کوئی اعتراض تو نہیں؟"۔

جانے کس خیال کے تحت وہ اس سے پوچھ رہی تھیں۔

"یوں بھی تم پڑھی لکھی، سمجھدار ہو۔ اچھے برے میں تمیز کر سکتی ہو۔ یہ مت سمجھنا کہ ہم تمہاری رائے لیے بغیر کسی کو ہاں کر دیں گے۔ البتہ اگر تم انکار کرو گی تو وجہ ضرور پوچھیں گے"۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں امی آپ"۔ وہ قدرے توقف کے بعد جھجکتے ہوئے بولی۔

اتنا پیار کرتے ہیں آپ اور ابا جان۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ آپ ہمارے بے بغیر سوچے سمجھے کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جو آپ لوگ سوچ سکتے ہیں۔ وہ ہم نہیں سوچ سکتے۔ پلیز امی! آپ مجھ سے کبھی اس موضوع پر بات نہ کیجئے گا"۔

"تمہاری سعادت مندی اپنی جگہ بیٹی! مگر تمہاری اپنی بھی سوچ ہے۔ تخصیص ہے۔ پسند ناپسند ہو سکتی ہے"۔ ان کے لہجے میں شاید کچھ تھا، وہ کیوں چونکی۔

"آج جو تمہارے رشتے کے سلسلے میں آئی تھیں۔ ہم ان سے قطعی ناواقف ہیں۔ تمہارے ابا جان نے تو سرے سے ہی مسترد کر دیا ہے یہ رشتہ۔ مگر"۔

"ابا جان نے بہت اچھا کیا ہے"۔ اس نے نہایت سنجیدگی اور وقار سے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ابا جان جسمانی طور پر بیمار ہیں مگر ذہنی طور پر بالکل فٹ ہیں"۔

اس نے کتاب رول کر کے ربڑ بینڈ چڑھانا شروع کر دیا۔

عارفہ نے ایک ماں کی حیثیت سے اس کا قطعی واضح انکار اس کے لہجے کی ایک ایک پرت میں رکھ لیا۔

انہوں نے سیاہ دوپٹے کے ہالے میں چمکتے چہرے پر بہت محبت سے نگاہ ڈالی۔ ایسا چہرا جس پر ہر کسی کو پیار آتا تھا۔

اچھے نقوش، صاف رنگ حسن کا قطعی معیار نہیں۔ ہر چہرے پر اپنے ہی دل کا عکس بھی ہوا کرتا ہے۔ ساری جاذبیت، ساری کشش اس کے عکس سے مشروط ہے۔

عارفہ نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں میں چہرا تھام لیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"اللہ نصیب اچھے کرے"

"مائی! چھپ جاؤ۔ سنی صاحب آ رہے ہیں"۔

سوہل، مائی کو بازو سے پکڑ کر کھینچتی ہوئی لیٹری میں لے گئی۔ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور لیٹری کا دروازہ بند کر کے چپ چاپ برتن دھونے لگی۔ سنی نے کچن میں قدم رکھا اور سوہل کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ برتن بھی سنبھالتا تھا اور پشت پر کھڑے سنی کی طرف بھی متوجہ ہوتا تھا۔ ذہن دو جگہ بٹ گیا تھا۔

اسے بڑی حیرت ہوئی جب کچھ دیر تک کوئی آواز ہی نہیں آئی۔ چند لمحوں بعد البتہ کچھ کھڑ پڑ ہوئی۔ سوہل نے ڈرتے ڈرتے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

حیرت سے چند لمحوں کے لیے اپنی جگہ جامد ہو کر رہ گئی۔ سنی الیکٹرک کیتل کا پلگ لگا رہا تھا۔ ایک بڑا مگ اور کافی کا ڈبہ

سامنے رکھا تھا۔ خوف اس بلا کا تھا کہ خدمات کی پیشکش کسی مرحلے سے کم نہیں تھی۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے برتن دھوتی رہی اور تھوک نگل کر حلق تر کرتی رہی۔

اب کافی پھینٹنے کی آواز آنا شروع ہو گئی تھی۔ پھر یہ مرحلہ بھی تمام ہوا۔ چند منٹوں کے وقفے کے بعد وہ باہر چلا گیا تھا۔ موبل نے کھل کر سانس لیا اور پینٹری کا دروازہ کھول کر ماسی کو خلاصی دی۔

"نامراد۔ مرگئی میں گرمی سے۔ تو تو کہہ رہی تھی کہ بہت غصے ہو رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے۔ ایک آواز نہیں سنی میں نے ان کی۔ مذاق کر رہی تھی۔ بدذات میرے ساتھ"۔

میں تو حیران ہوں ماسی۔ انہوں نے ایک لفظ نہیں کہا۔ کام بھی نہیں کہا بلکہ خود کافی بنائی اور چلے گئے تمہارا ابھی نہیں پوچھا۔ ماسی رات کو تم و بھنبیں۔"

وہ بولتے بولتے خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔ خوف کی ایک لہر اسے ایک بار پھر رنگبدلتی گزر گئی تھی

"کیا ہوا نغمات کو؟" سن رسیدہ ماسی کی متلاشی نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔

کیونکہ صبح ہی صبح تو اس نے صرف اتنا بتایا تھا کہ نئی صاحب تم پر بہت غصہ ہو رہے تھے تو وہ یہی سمجھی کہ اسی کے گھر سے غائب ہونے کی وجہ سے غصہ کر رہے ہوں گے۔

"کیا ہوا نغمات کو؟" بڑی بی کو اس کے چہرے پر کچھ لکھا نظر آ رہا تھا۔

"کک کچھ نہیں۔ وہ نئی صاحب غصے ہو رہے تھے۔ تمہارا پوچھ رہے تھے کہ کدھر چلی گئی۔ نوکری سے نکال دوں گا"۔

"بس مجھ ہی پر غصہ کیا تھا؟" ماسی کو ابھی بھی اس کی بات کا اعتبار نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں تو اور کیا"۔ وہ نظریں چرا کر برتن سمیٹ کرنے لگی۔

اسی لمحے منشی اندر کچن میں داخل ہوا۔ یقیناً وہ دونوں بھائیوں کے لیے ناشتہ تیار کرنے آیا تھا۔ ماسی نے موبل کو اشارے سے باہر نکلنے کو کہا۔

موبل باہر آئی تو ڈائننگ میں مون کو موجود پایا۔ تازہ شیو کی نظاست چہرے کو بڑی تازگی بخش رہی تھی۔ بلیو جینز اور وائٹ شرٹ میں ملبوس وہ بہت انہماک سے اخبار دیکھ رہا تھا۔ وہ دبے پاؤں وہاں سے گزرنے لگی۔

"اے لڑکی۔ کیا نام ہے تمہارا۔ ادھر آؤ"

مون کی پکار پر تو اس کی جیسے جان ہی نکل گئی۔ وہ ڈرتے ڈرتے اس سے قدرے فاصلے پر آ کھڑی ہوئی۔ "موبل جی"، وہ لرزتی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ میرے بیڈ روم کی صفائی کون کرتا ہے؟" وہ اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھ رہا تھا۔

اس کی ہیبت کیا کم تھی اس پر سے انگریزی اخبار کا مطالعہ۔ ایسا رعب طاری ہوا کہ بات کرنا مشکل ہو گئی۔

"جی۔ وہ۔ ماسی کرتی ہے۔ مجھے تو وہ اوپر جانے سے منع کرتی ہے"۔

اس کے منہ سے پھر نکل گیا۔ رات یہی جملہ اس کے گلے پڑ گیا تھا۔ منہ سے تو نکل گیا مگر کپکپی بھی طاری ہو گئی۔

"کیوں منع کرتی ہے اوپر جانے سے؟"

وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ادھر بھی وجہ دریافت کی جا رہی تھی۔ اس کی تو آنے والے لمحات کے خوف سے گھگھی ہی بندھ گئی۔

"نہیں جی۔ وہ منع نہیں کرتی۔ میں غلط کہہ رہی ہوں۔ وہ تو کہہ رہی تھی اوپر ضرور جایا کرو۔ صبح کو بھی رات کو بھی ہر

وقت۔ وہ منع نہیں کرتی۔ میرے منہ سے نکل گیا۔"

وہ منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"اسٹوپڈ۔ واٹس اے پزل؟" اس میں رونے والی کون سی بات ہے۔ میں تو صرف یہ معلوم کر رہا ہوں بیڈ روم کی صفائی کون کرتا ہے۔ ایک ہفتے سے بیڈ شیٹ چینج نہیں ہوئی اور فرنیچر پر ڈسٹ ہوتی ہے لگتا ہے کہ روٹین وائز صفائی نہیں ہو رہی۔ گیلا تولیہ رات تک باتھ روم ہی میں ہوتا ہے۔ اتنے ملازم کس لیے ہیں۔ مفت کی روٹیاں توڑنے کے لیے۔ آج میرے سامنے ساری کوٹھی کی صفائی سب مل کر کریں۔ آج میں گھر پر ہی ہوں۔ ممی کے آنے تک تو ادھر حشر ہو چکا ہو گا ورنہ۔

بابا اللہ یار ماسی اور اپنی بہن سے کہو کام شروع کریں۔ ہری اپ"۔

موبل تو حکم سنتے ہی سرپٹ دوڑی۔ کل کا طمانچہ ابھی تک گال پر آنچ دے رہا تھا۔

"ماسی! مون صاحب کہتے ہیں پوری کوٹھی صاف کرو سب نوکر۔ آج وہ گھر پر ہی ہیں"۔ اس نے لاؤنج میں ماسی کو جا لیا۔

"اللہ رحم کرے۔ آج سارا وقت گھر پر ہوں گے"۔ ماسی پریشان ہو گئی۔

ماسی! اتنی بڑی کوٹھی کی صفائی کیسے ہو گی ایک دن میں؟ وہ حواس باختہ تھی۔

"اس کوٹھی میں سب ہی الٹے دماغ کے ہیں۔ شکر ہے کہ دن بھر تقریباً سب ہی باہر رہتے ہیں بیگم صاحب صحبت ورنہ کوئی نوکر زیادہ دن نہ ٹکے ادھر"۔ وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"ماسی! آہستہ بولو۔ موبل نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ماسی کو ٹوکا۔

تھوڑی دیر بعد ہی پوری کوٹھی میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ مون، موبل کو اپنے ساتھ اوپر لے گیا تھا اور باقی سب نیچے ہی تھے کہ نیچے ہی کام زیادہ تھا اور پھر تو وہ بیڈ روم لاکڈ تھے۔

موبل نے بے بسی سے ماسی زینب کی طرف دیکھا تھا اور مون کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔

"صاحب! ماسی کو بھی اپنے ساتھ لے لوں؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھ لیا تھا۔

"نہیں"۔ قطعی اور مختصر جواب آیا تھا۔

مون نے اپنے کمرے میں پہنچ کر اسے کام سمجھایا کہ اسپیشلی کیا کیا کرنا ہے۔ بیڈ شیٹ کہاں سے حاصل ہو گی وغیرہ۔

خود ایک کرسی دروازے سے باہر نکال کر اس پر براجمان ہو گیا۔

اس کی موجودگی کے احساس سے تو یوں بھی کام کرنا مصیبت تھا۔ دوسرے ابھی تک اعتماد نہیں آیا تھا کہ وہ ایسا کام کر سکتی ہے جسے قابل اطمینان کہا جا سکے۔ لہٰذا ڈرتے ڈرتے اس نے بیڈ شیٹ بدل کر ڈسٹنگ شروع کر دی۔ گاہے گاہے کن انکھیوں سے دروازے کی سمت بھی دیکھ لیتی تھی۔ مون نہایت خوبصورت موٹے چھلکے کا عقد والا کوئی رسالہ دیکھ رہا تھا۔ خوب کتنے شوق سے عورتوں کی تصویریں دیکھ رہے ہیں۔ اس نے آئیڈیے کی بنیاد پر سوچا۔ اور بیڈ کے سرہانے رکھے ڈیکوریشن پیس بہت احتیاط سے اتار اتار کر کارپٹ پر رکھنے لگی تاکہ خطرے سے بالا تر ہو کر آرام سے بیٹھ کر ان کی صفائی کرے۔

آج مون صاحب بہت شاندار نظر آ رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی نقصان ہو اور انہیں غصہ آ جائے۔ زندگی میں بے شمار مرتبہ اس کی پٹائی ہوئی تھی۔ پہلے ماں اور دادی بات بے بات دھنک کر رکھ دیا کرتی تھیں۔ پھر یہاں تو حد ہی ہو گئی۔ پٹائی کے نام پر باقاعدہ تشدد ہوا۔ پٹنا گویا اس کا نصیب اور معمول کا حصہ بن چکا تھا۔ ہر پٹائی کے بعد کچھ دیر رو دھو کر سنبھل جاتی مگر مون کے طمانچے پر جو شرم پہلی بار محسوس ہوئی جس دکھ کا احساس پہلی بار ہوا وہ خود اس کے لیے حیران کن بات تھی۔ یا شاید اس نے مون کو اس

رات کی آمد و رفت کے بعد اس نے سب سے بہت الگ رہنا ہی اچھا سمجھ لیا تھا ۔ اور ایک گھڑی میں مضبوط بت بنا بیٹھی تھی ۔ جو کل ہی چور چور ہو گیا تھا ۔ اب تو بس مکمل خوف کا احساس تھا ۔ اس کی موجودگی کے احساس سے اس کا ذہن منتشر تھا ۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ صفائی کے نام پر اسے مزید کیا کیا کرنا ہو گا ۔

بے بسی اور خوف کی انتہا پر انسان سے بے سوچے سمجھے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جاتی ہے جو پہلے سے ذہن میں نہیں ہوتی ۔

"صاحب! میں دروازہ بند کر کے کام کر لوں" وہ اضطراری انداز میں انگلیاں مروڑ رہی تھی ۔

"کیوں؟" مون نے چونک کر اس کی صورت دیکھی ۔

"جب کوئی سامنے ہوتا ہے تو مجھ سے کام نہیں ہوتا ۔ کوئی چیز ٹوٹ گئی تو آپ ماریں گے ۔"

مون کو اس کے چہرے کے ایک ایک خلیے سے خوف و بے بسی جھانکتی نظر آئی ۔

"سوہل!"

"جی صاحب" اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں ۔

"تمہارا دوپٹا سیڑھیوں پر کس نے پھینکا تھا؟"

"نہیں جی ۔ یہ تو میرے پاس ہے" اس نے دوپٹے کو اچھی طرح لپیٹ کر اور قدرے الجھ کر مون کو دیکھا ۔ "میں رات کی بات کر رہا ہوں" ۔ اس نے بے تاثر لہجے میں کہا ۔

"رات" ۔ سوہل کی کنپٹیاں پھڑکنے لگیں ۔

"اور تم وہ کیا کہہ رہی تھیں کہ ماسی اوپر جانے سے منع کرتی ہے ۔ پھر خود ہی کہنے لگیں کہ منع نہیں کرتی ۔ کیا چکر ہے ۔ صاف صاف بتاؤ" ۔ اس کے لہجے میں تحکم تھا ۔

"نہیں جی ۔ وہ تو منع نہیں کرتی" ۔ سوہل اب نئے سرے سے تھر تھر کانپنا شروع ہو گئی ۔

مگر رات کچھ ہوا ضرور ہے ۔ ادھر آؤ میرے ساتھ" ۔

وہ درحقیقت کسی الجھن میں تھا ۔ سوہل لرزتی کانپتی اس کے پیچھے چل پڑی ۔ وہ سنی کے کمرے میں داخل ہو گیا ۔

"اس کمرے کی صفائی بھی کرتی ہے" ۔ وہ ایک دم پلٹ کر سوہل کی صورت دیکھنے لگا ۔

عجیب انسان ہے ۔ کبھی کوئی بات کبھی کوئی بات) سوہل کی جان میں جان آئی ۔

"سوہل" ۔

"جی صاحب" ۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے بلیو بیڈ شیٹ پر پڑے آف وائٹ بٹنوں کی طرف اشارہ کیا ۔

"سوہل نے غور سے دیکھا ۔ بٹن ہیں صاحب" وہ سادگی سے بولی ۔

"سنی صاحب کی قمیص کے ہوں گے صاحب ۔ انہی کا کمرا ہے" ۔ بلا کی معصومیت تھی اس کے جواب و انداز میں ۔

"تمہارے سامنے ٹوٹے تھے یہ بٹن؟ مگر کس طرح" ۔

"جی صاحب؟ جانے کیوں وہ جھوٹ نہ بول سکی ۔ مگر دوسرے سوال کا جواب نہ دے سکی ۔

مون بری طرح چونک پڑا ۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟ وہ اتنی ناپختہ اور چھوٹی نظر آتی تھی کہ وہ اشارے میں بھی اسے عندیہ نہیں سمجھا سکتا تھا ۔

"سنی صاحب کی طبیعت بہت خراب تھی ۔ شاید ان کو تیز بخار تھا ۔ ان کو بہت ٹھنڈا پانی چاہیے تھا ۔ شاید انہیں تکلیف ہو رہی تھی ۔ انہوں نے زور سے قمیص کو جھٹکا دیا تو بٹن ٹوٹ گئے ۔

بولتے بولتے اس کی آواز دھیمی اور دھیمی ہو گئی ۔ اسے مون کی خاموشی سے اندازہ ہوا کہ اسے دوسرے سوال کا جواب بھی دینا پڑے گا ۔ لہٰذا ادھورا ہی کہہ پائی ۔ باقی اسے جانے کیا یاد آ گیا تھا کہ چہرا سفید پڑتا جا رہا تھا اور ہونٹ کانپ رہے تھے ۔

"یہی بات تھی ۔ بس اتنی بات؟"

وہ مشتبہ نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا ۔

اس کے حلق میں کچھ پھنس گیا ۔ جو بات وہ ماسی نصیب کو نہیں بتا سکی تھی ۔ وہ بھلا مون کو کیسے بتا سکتی تھی؟ ۔

"کیا پوچھ رہا ہوں میں؟" بس آج ہی پوچھ رہا ہوں اگر آئندہ تم روتی ہوئی نظر آئیں تو مار مار کر واپس گوٹھ بھجوا دوں گا ۔ سمجھیں؟" اس نے دھمکی دی ۔

اتنا سننا تھا کہ ادھر تو سوکھے دھانوں پر پانی پڑ گیا ۔ آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں ۔

"ہیں صاحب؟ آپ واپس گوٹھ بھجوا دیں گے ۔ بھلے آپ مجھے کتنا مار لیں مگر اللہ کے واسطے مجھے بابا کی کو واپس گوٹھ بھجوا دیں" ۔

مون تو چکرا کر رہ گیا ۔ دھمکی تو الٹی گلے پڑ گئی تھی ۔

"میں تو آج بھجوا سکتا ہوں ۔ مگر تمہارے ماں باپ نہیں مانیں گے ۔ وہ پھر تمہیں یہاں چھوڑ جائیں گے اس لیے کہ تم ان کے لیے روٹی کمائی ہو ۔ آئی سمجھ ۔ اب جاؤ اپنا کام کرو ۔ آئندہ اگر روتی نظر آئیں تو اچھا نہیں ہو گا ۔

وہ بھی جیسے الجھ رہا تھا ۔ اور طائرانہ نظروں سے سنی کے بیڈروم کی ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہا تھا ۔

"جان بچی سو لاکھوں پائے" سوہل تو سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں چھوٹ لی ۔

"مے آئی کم ان سر؟" ریا نے دروازے کے اندر سر گھسا کر اجازت طلب کی ۔

جمال شانوں پر تولیہ ڈالے ڈریسنگ کے سامنے کھڑا تھا ۔ بری طرح گڑبڑا گیا ۔

"جی ۔ جی ۔ ضرور ۔ کیوں نہیں؟"

"آپ مختصر الفاظ میں اجازت نہیں دے سکتے؟" وہ منہ بنا کر اندر آتے ہوئے بولی ۔

"ناشتا لا رہی ہوں آپ کے لیے" اس نے ٹرے ہاتھوں میں اٹھائی ہوئی تھی ۔

"جی ٹھیک ہے ۔ کیا آپ کے ہاں سب اکٹھے ناشتا نہیں کرتے؟"

وہ بڑی سادگی سے پوچھ رہا تھا ۔

یہ بھی خوب کہی ۔ اگر ناشتا اکٹھے ہونے لگا تو ہم تو مارے گئے ۔ اس سے تو بہتر ہے کہ رات کے کھانے کے ساتھ ہی ناشتا بھی کر لیں ۔ اظہر بھائی منہ اندھیرے گدائی جا رہے ہیں آج کل ظاہر ہے سب کو ان کے ساتھ ناشتا کرنا پڑے گا اذانوں سے پہلے ۔ سب سے آخر میں کرنے ہیں انجھار بھائی ۔ اب اظہر بھائی ان کے ساتھ ناشتا کرنے کے چکر میں کیا نوکری چھوڑ دیں؟"

اس نے اتنے زور شور سے بتا سنائی کہ مارے شرمندگی کے جمال پانی پانی ہو گیا اور ان لمحوں کو کوسنے لگا جب اس نے اکٹھے ناشتا کرنے کی بابت سوال کر ڈالا تھا ۔

"نہیں نہیں۔ میرا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا۔ نوکری تو ویسے بھی بہت مشکل سے ملتی ہے"۔

"یہ ابلے ہوئے انڈے ہیں۔ چھیلے اس لیے نہیں کہ ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ کیا آپ انڈا چھیل سکتے ہیں؟" اس نے لاکر تپائی پر رکھ دی۔

"جی جی۔ میں انڈا چھیل سکتا ہوں۔ یہ کون سا مشکل کام ہے"۔

وہ فوراً بیڈ پر بیٹھ گیا اور بوکھلاہٹ کے انداز میں انڈا اٹھا کر چھری زور سے انڈے پر ماری۔ انڈا دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور کچی زردی اور سفیدی اس کے ٹراؤزر پر گر پڑی۔ ریا ہنس ہنس کر لوٹ گئی۔

"مم۔ معاف کیجئے گا میرا خیال ہے انڈے بدل گئے۔ جیسے اسپتال میں بچے بدل جاتے ہیں۔ کچے انڈے بھی پاس ہی رکھے تھے۔ اوہو آپ کو تو ہنسی آ رہی ہو گی۔ مجھے تو یہاں تک آ رہی ہے۔ اچھے کا نہیں ورنہ یہ سب کچھ کارپٹ پر گر جائے گا۔ میں صاف کرنے کے لیے کوئی کپڑا وغیرہ لاتا ہوں"۔

وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ عین اسی وقت بڑی اماں اندر داخل ہوئیں۔

"تم کیا کر رہی ہو ادھر۔ میں آوازیں دے دے کر تھک گئی"۔ وہ اسے گھورتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"اور یہ ناشتا ادھر کیوں اٹھا لائیں؟ سب نیچے بیٹھے جمال کا انتظار کر رہے ہیں۔ چلو جمال نیچے مہمان کے آگے ابلے ہوئے انڈے اور سوکھے توس لا کر رکھ دیے۔ دیکھا نہیں تھا کہ عبدالکریم پورا دسترخوان بنا رہا تھا"۔

وہ بولتی بولتی تپائی کے نزدیک پہنچ گئیں۔ ہائیں یہ کیا۔ تمہاری گود میں انڈا کیسے پھوٹ گیا"۔

ریا دبے پاؤں باہر نکلنے لگی۔

"ریا! ادھر آؤ"۔ انہوں نے اسے کان دبا کر باہر نکلتے دیکھ لیا۔

"جی بڑی اماں؟" وہ مسکین سی صورت بنا کر دروازے ہی میں اٹک گئی۔

"یہ اس پر انڈا تم نے پھوڑا ہے؟" وہ بہت غضبناک نظر آ رہی تھیں۔

"یہ کوئی شاعر یا سیاستدان ہیں وہ مسکراہٹ دبا کر پوچھ رہی تھی۔

"کتنی بدذات ہے۔ بچہ پریشان بیٹھا ہے۔ یہ کیسی شرارت ہے۔ کوئی بات تو انسانوں والی ہو"۔

"میں ابھی آیا جمال بھائی"۔ وہ جلدی سے نیچے بھاگ گئی۔

بیٹے! خیال نہ کرنا۔ بھائیوں نے بہت سر چڑھا لیا ہے۔ اب اتنی بڑی لونڈیا کو جوتے کیا لگاؤں۔" بڑی اماں سخت ندامت کا اظہار کر رہی تھیں۔

"کوئی بات نہیں دادی جان!" جمال ان کی شرمندگی پر ان سے زیادہ شرمندہ نظر آ رہا تھا۔

"بات کیسے نہیں۔" یہ عمر ہے بچپنے کی۔ آج شادی کر دو کل کو بچے والی کہلانے گی۔ حد ہو گئی۔ تم یہ پونچھ کر کپڑے بدل کر نیچے آ جاؤ۔ سب ناشتے پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔ وہ بولتی بڑبڑاتی واپس ہو گئیں۔

ان کے جاتے ہی ریا پرانا کپڑا لیے اندر آ گئی۔

"یہ لیجئے جلدی سے صاف کر لیجئے۔ انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اب اگر جلدی میں کچا انڈا آ گیا تو میرا کیا قصور۔ آپ یہ دوسرا نوش کر دیکھیے۔ یہ ابلا ہوا ہے۔ دیکھیے۔

اس نے انڈا اٹھا کر باقاعدہ اسے تھما دیا۔ جمال نے جلدی سے لے لیا۔

"تو ڑ بے اسے۔ بڑی اماں تو یونہی انسلٹ کر دیتی ہیں سب کے سامنے"۔ اس نے چھری بھی اس کو تھما دی تو ڑ بے ناں"۔ جمال نے دکھا کر چھری سے ضرب لگائی۔ انڈے کے دو ٹکڑے ہوئے اور زردی سفیدی پھر اس کی گود میں آ گری۔

"ار۔ رے۔ رے۔ یہ بھی کچا تھا۔ مگر میں نے چار ابالے تھے۔ وہ بڑی پریشانی سے کہہ رہی تھی۔ ساری جمال بھائی۔ رئیلی آئی ایم ساری"۔

وہ بڑی کامیاب اداکاری کر رہی تھی۔ حالانکہ انڈوں پر تو پہلے ہلکی چوٹ لگا کر لائی تھی۔ بے چارا جمال لاچار سا دو انڈوں کا ملغوبہ گود میں لیے بیٹھا تھا۔

"یہ بیچے دو انڈے ضائع گئے۔ یہ تو مستقبل کی دو مرغیاں تھیں۔ جن سے کئی پولٹری فارم شروع ہو سکتے تھے۔ اسے کہتے ہیں دولت کا ضائع ہونا۔ کیوں جمال بھائی؟"

"جی۔ جی۔" وہ اس دوراندیشی پر عقیدت سے دوہرا ہونے لگا۔

"لائیے۔ میں آپ کے کپڑے صاف کر دیتا ہوں"۔ وہ بڑی سرعت سے اس کی طرف بڑھی۔

"آپ۔ تکلیف نہ کیجئے۔ میں کر لوں گا"۔ اس نے سٹپٹا کر اس کے ہاتھ سے کپڑا لے لیا۔

چہرا حیا سے سرخ ہو رہا تھا۔ ریا نے بڑی حیرت سے دیکھا اور شانے اچکا کر ٹرے اٹھا لی۔

"آپ کس کلاس میں پڑھتے ہیں؟" جمال نے ٹراؤزر صاف کرتے ہوئے بڑی عاجزی سے پوچھا۔

"واؤ" ریا نے حیرت آمیز مسرت بھری چیخ ماری" آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا؟"

"جی۔ جی۔ آپ لڑکوں کی طرح بولتے ہیں ناں۔ میں نے سوچا آپ سے لڑکی والے انداز میں بات کی تو کہیں آپ برا نہ مان جائیں"۔ وہ نظریں جھکا کر کہہ رہا تھا۔

کتنے اچھے ہیں جمال بھائی آپ۔ میں بتا نہیں سکتا۔ میرے تو کان ترستے ہیں۔ میں تو دل و جان سے چاہتا ہوں کہ سب مجھ سے لڑکوں والے انداز میں بات کریں۔ مگر میری کوئی سنتا ہی نہیں۔ کبھی کبھی اظہار بھائی "ابے بنے" کر لیتے ہیں۔ مگر وہ بھی مذاق میں۔ حالانکہ میں سیریسلی چاہتا ہوں۔ سب مجھ سے اسی طرح بات کریں جس طرح میں کرتا ہوں۔

جمال بھائی پلیز۔ بڑی اماں کتنا ہی روکیں منع کریں۔ آپ مجھ سے اسی طرح بات کیجیے گا ورنہ میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ لاکھ آپ مہمان ہوں"۔

"آپ فکر نہ کریں"۔ جمال نے وارڈروب سے اپنے کپڑے نکالتے ہوئے تسلی دی۔

"واقعی۔ تھینکس اے لاٹ۔ بلکہ ہنڈرڈ آف تھینکس۔ کتنے اچھے ہیں آپ۔ اپنے چہرے سے بھی زیادہ حسین۔ دوسرے کے جذبات کا احساس کرنے والے مجھے بہت حسین نظر آتے ہیں۔ کتنے حسین لگ رہے ہیں اس وقت آپ۔ کاش کوئی میری نظر سے دیکھے آپ کو"۔

وہ جاتے جاتے کہہ کر جلدی سے باہر نکل گئی۔ جمال کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

اب جا کے آہ کرنے کے آداب آئے ہیں
دنیا سمجھ رہی ہے کہ ہم مسکرائے ہیں

حسب سابق دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ وہ رستے تو کہیں کھڑا نظر نہیں آتا تھا مگر ایک دم جانے کہاں سے۔ کس کو

نے سے نکل آتا تھا اور رعنوما ایسی جگہ جو نسبتاً سنسان ہوتی تھی۔

اس نے اضطراری انداز میں چادر سر پر مزید کھینچ کر آگے کر لی۔ کئی دن سے صبح کے وقت نظر نہیں آیا تھا اور آج بھری دوپہر میں جبکہ شدید لو کے تھپیڑے ہلکان کیے دے رہے تھے۔ لوگ ٹھنڈے بند گھروں میں پنکھوں کے نیچے بیٹھ کر بوکھلائے ہوئے تھے۔ وہ اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔

"ضابطے کی کارروائی تو پوری کر دی ہے۔ یار رہائی کے لیے چلے آئے ہیں۔ یہ زحمت بھی اس لیے کہ آپ کے ہاں فون نہیں ہے۔ آپ کے گھر سے انکار نہیں ہونا چاہیے"۔

رہ اس کے پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے بہت ہی دھیمی آواز میں بول بے تکلفی سے مخاطب تھا جیسے برسوں کی شناسائی ہو

خوف سے زیادہ وہ فطری حیا کا غلبہ تھا۔ زندگی میں ایک نڈر اور بھرپور مرد کا اس قدر کھلے عام اظہار شوق۔ وہ بھی اتنے قریب سے کہ ذرا سی بھول چوک سے شانے بھی ٹکرا سکتے تھے۔ وہ اس کے پہلو میں اس کی رفتار کے مطابق چل رہا تھا۔ چادر کیونکہ بہت آگے تک آگئی تھی چہرے پر اس لیے دائیں بائیں کن انکھیوں سے دیکھنے پہ کچھ نظر نہیں آ سکتا تھا۔

"اور یہ بھی بتائے دیتے ہیں کہ اب وقت کاٹے نہیں کٹ رہا۔ جانے"۔ وہ اچانک ایک طرف مڑ گیا۔

اس نے قدرے سکون کا سانس لے کر نظریں اٹھائیں تو دور سے کچھ لوگ آتے دکھائی دے رہے۔

"آج اتنی احتیاط آگئی تھی طبیعت میں۔ لمحے بھر کو زہر خند اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔ کتنا یقین ہے اس سطحی انسان کو اپنی سطحی بے ساکھیوں پہ۔ احمق۔ جاہل۔ لوگوں کو سامنے پا کر خوف کی کیفیت تو لمحے بھر میں زائل ہو گئی تھی۔ اب صرف نفرت اور کھولن باقی رہ گئی۔

بہت زعم ہے تمہیں اپنی زور زوری و سینہ زوری پہ۔ اور جلد ہی منہ کی کھاؤ گے انشاءاللہ۔

ہونا بے بسی کی آخری نہایت ہوتی ہے۔ یااللہ کتنے سکون کی گزر رہی تھی۔ کہاں سے آمرا یہ شیطان۔ وہ کھولتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تھی۔

"السلام علیکم"۔ اس نے ماں کو سامنے پا کر اسی ادھیڑ بن کیفیت میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ توبہ کس بلا کی گرمی ہے۔ کیسا سرخ ہو رہا ہے تمہارا چہرا"۔ عارفہ نے بڑے تاسف سے کہا۔ "شمسہ کو دیکھو ظہر کی نماز پڑھے بغیر کیا بے سدھ سو رہی ہے۔ آج کالج سے جلدی آگئی تھی۔ کہہ رہی تھی گیمز وغیرہ کے مقابلے ہونے والے ہیں۔ پڑھائی بس یونہی سی ہو رہی ہے۔ لیموں کا شربت بنا کر رکھا ہوا ہے تمہارے لیے۔ منہ ہاتھ دھو کر پہلے وہ پی لو۔ پھر آرام سے کھانا کھا لینا"۔

"جی اچھا!" اتنی بہت سی باتوں کا اس نے بہت مختصر جواب دیا۔

پرس اور چادر کمرے میں رکھ کر یہیں تک آئی۔ ابھی تک گہری سوچ کے حصار میں تھی۔

"امی۔ کوئی آیا تو نہیں تھا؟" اس کے منہ سے یونہی بلا ارادہ نکل گیا۔

"نہیں۔ خیریت۔ کسی نے آنا تھا کیا؟" عارفہ کچن میں جاتے جاتے ٹھہر گئیں۔

"ویسے ہی پوچھ رہی تھی" اس نے بات بناتے ہوئے ہاتھوں میں صابن لگانا شروع کر دیا۔

"اسے شمسہ کو بھی اٹھا دو۔ نماز پڑھ کر بعد میں سو جائے گی"۔ وہ کچن سے مخاطب تھیں۔

"سونے دیں امی! ابھی بہت ٹائم ہے۔ سکون و بے فکری کی نیند بھی قسمت سے ملتی ہے"۔ اس نے قدرے تلخی سے کہا۔

عارفہ اس کے خلاف معمول لب و لہجے پر چونک سی گئی تھیں۔ آگہی کے سوتے تب ہی پھوٹتے ہیں۔ جب کوئی حادثاتی واقعہ ہوتا ہے۔ یہ آج کیا کہہ گئی۔ کیوں آئی یہ سوچ؟۔

وہ قدرے الجھی گئیں۔ "تمہارے ابا بھی ابھی مسجد سے نہیں آئے۔ انہی کے ساتھ کھانا کھا لینا۔ میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔ میں اور شمسہ کھا چکے ہیں۔ کہہ رہی تھی کہ بہت بھوک لگ رہی ہے"۔

"جی۔ ٹھیک ہے" اس کے بائیں پہلو سے ابھی تک ایک خوشبو اٹھ رہی تھی۔ جس سے اندر خوشگواری کے بجائے آنچ سی محسوس ہو رہی تھی۔

ہونہہ "جن کا بچہ" اونچا پورا پاشا اس کے پہلو میں ہنوز موجود تھا۔

اگرچہ وہ اس کی دھمکی کو گیدڑ بھبکی سے زیادہ اہمیت نہیں دے رہی تھی۔ مگر اندر کچھ محسوس ہوتا تھا۔ جی چاہتا کہ ماں باپ کو سب کچھ بتا دے۔ مگر یہ سوچ کر اپنے آپ کو روک لیتی کہ انہیں بتانے کا کیا فائدہ سوائے اس کے کہ بے تحاشا پریشان ہو جائیں گے اور اس کی ملازمت پہلی فرصت میں چھڑوا کر گھر بٹھا دیں گے۔ یہ تو کوئی حل نہیں ہوا۔ نوکری ہی چھوڑنا ٹھہری تو یہ سب کچھ بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ چپ چاپ چھوڑ کر بیٹھ جائے یہ کہہ کر کہ وہاں کوئی مسئلہ ہو رہا ہے۔

مگر ملازمت چھوڑ دینے سے مسائل بڑھ جائیں گے۔ وہ بھی اذیت ناک حد تک۔ سوچتے سوچتے اس کا ذہن شل ہو جاتا اس پر پاشا کی ماں کی آمد کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا تھا کہ موصوف بات منوانے کے لیے مزید انداز کے ساتھ اب آئیں کہ تب آئیں۔

بالآخر یہی حل سمجھ میں آیا کہ اپنے کزنز میں سے کسی سے اس مسئلے پر بات کرے اور ان سے اخلاقی مدد طلب کرے۔ آخر ان کی اتنی مضبوط پوزیشن کب کام آئے گی؟

اس حل کے بعد ذہن بہت پرسکون ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ عارفہ کے پاس چلی آئی۔

"امی! کل اتوار ہے۔ میں آج نانی کے پاس جانا چاہتی ہوں"

عارفہ کے لیے بڑے اچنبھے کی بات تھی۔ وہ جب بھی اسے لے کر گئیں۔ بہت مشکل سے لے کر گئیں۔ صرف نانی ہی کے ہاں نہیں، کہیں بھی نہیں جاتی تھی آرام سے بہت کہنا سننا پڑتا تھا۔

"خیریت؟" انہوں نے بہت تعجب سے پوچھا۔ "یہ تمہیں نانی امی کیسے یاد آگئیں؟"

"نانی جو ہیں یاد آسکتی ہیں" اس نے ٹالنے والے انداز میں ہنس کر جواب دیا۔

"نانی تو ایسی ہستی ہیں کہ ان سے تو محاورے بنتے ہیں۔ اردو لغت میں بڑا اہم حصہ ہے نانی کا" وہ مسکرائی۔

عارفہ اسے مسکراتا دیکھ کر جیسے خود بھی کھل گئیں۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے نانی کے پاس جانے کی فرمائش کی تھی۔ وہ پوری کرنے کے لیے دل و جان سے تیار ہو گئیں۔

"ٹھیک ہے۔ تم ذرا جلدی جلدی باورچی خانے کا کام نمٹا لو۔ پھر تیار ہو جاؤ۔ مجھے تو واپس بھی آنا ہوگا۔ تمہیں تو خیر کل کوئی بھی چھوڑ جائے گا۔ ماشاءاللہ کئی موٹریں ہیں۔ پھر چھٹی بھی ہے۔ ویسے تو اظہار مجھے ہمیشہ ہی کہتا ہے کہ پھوپھو آپ کو بائیک پہ چھوڑ آؤں گا۔ مگر بھیا! مجھے اس پر بیٹھتے بہت خوف آتا ہے۔ خیر تم تیاری کرو"۔ وہ خود بھی کام نمٹانے میں لگ گئیں۔

"یہ آج آپ کو اتنی شدت سے نانی امی کیوں یاد آگئیں آپا۔ خون دوبارہ "لال" ہو گیا ہے۔ کیونکہ نانی امی کہتی ہیں۔ مارنو بھی خود مجھ سے

ملنے نہیں آئی۔ شاہی مہمان کی طرح دعوت نامہ بھیجنا پڑتا ہے۔ خون سفید ہے اس کا۔"

"بعض اوقات کچھ ایسا ہوتا ہے کہ نانی یاد آ ہی جاتی ہے۔" اس نے ہنس کر بات اڑائی۔

"امی! میں چلوں؟" شمسہ ٹھنکی۔ حالانکہ اچھا بھلا جرنل ورک کر رہی تھی۔

"ارے نہیں بھئی۔ کل کپڑے دھلوانا میرے ساتھ۔ تم اگلے اتوار کو چلی جانا۔" انہوں نے صاف منع کر دیا۔

"میں آپ کے ساتھ واپس آ جاؤں گی۔" شمسہ نے ضد کی۔

"ہاں۔ رہنے دو تمہیں۔ وہاں جا کر تم بھی پھیل جاؤ گی۔ تمہارے ابا کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کوئی تو ان کے پاس ہونا چاہیے۔" انہوں نے قطعی فیصلہ سنا دیا۔

"باگی، جو میں کہہ رہی ہوں غور سے سن۔ دیکھ تو ابھی بہت چھوٹی ہے۔ میں تیری بڑی بہن ہوں۔ اماں نے بھی کہا تھا کہ باگی چھوٹی ہے۔ اس کا خیال رکھنا"۔

"تو کیا میں کھیلوں نہیں؟" باگی جانے کیا سمجھ کر جھلائی۔

"تجھے کھیلنے سے کون منع کر رہا ہے۔ میں یہ کہہ رہی ہوں تو کبھی اوپر بھول کر بھی نہ جائیو۔ کوئی تجھے بلائے تو مجھے بتا دیو۔ تیرے بدلے میں چلی جاؤں گی"۔

"ٹھیک ہے"۔ باگی خوش ہو گئی۔ اس میں تو صاف اس کی جان بچ رہی تھی۔ اسے تو ویسے ہی کسی کا کام سے بلانا عذاب لگتا تھا۔

"ماسی نے تو صرف منع کیا ہے مگر میں تجھے منع کر رہی ہوں۔ دیکھ ناں تو چھوٹی ہے"۔

"اچھا بابا نہیں جاؤں گی اوپر۔ موبل۔ کیا اوپر کوئی سایہ ہے؟" وہ معصوم ہر قدرے خوفزدہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"یہی سمجھ لے"۔ موبل کو خود کوئی جواب نہ سوجھا۔

"ماسی تو ہر وقت اوپر جاتی رہتی ہے۔" سایہ" اسے کچھ نہیں کہتا"۔ وہ حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں وہ بوڑھی ہے۔ اس لیے" موبل نے اپنے حساب سے بڑا اچھا جواب دیا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ جب میں بڈھی ہو جاؤں گی تب ہی جاؤں گی اوپر"۔ وہ کھی کھی کر کے ہنسنے لگی۔

دونوں ڈائننگ ٹیبل کی اوٹ میں بیٹھی کھسر پھسر کر رہی تھیں۔

"موبل! ابن صاحب نے تجھے بہت کس کے مارا تھا۔ میں تو رات کو بھی دعا کر کے سوئی تھی کہ اللہ کرے ان کے ہاتھ ہی ٹوٹ جائیں"۔ باگی کو ایک دم جیسے کوئی دھیان آیا۔

"بری بات باگی۔ ایسے نہیں کہتے۔ موں صاحب تو بہت اچھے ہیں۔ شاید ان کو زور سے لگ گئی ہوگی۔ ورنہ تو بے چارے گھر میں بچے تک کم ہیں۔ انہوں نے میرا خون رکوایا تھا۔ ان کے غسل خانے میں بیسن ہے ناں لال ہو گیا تھا۔ اتنا خون نکلا تھا میری ناک سے۔ مجھے تو سارے گھر میں سب سے ہی (سچ) لگتے ہیں وہ۔ جھلے سے مار یں۔"

وہ بڑی سادگی اور بھولپن سے کہہ رہی تھی۔

"کیوں ماریں؟ مفت میں"۔ باگی نے ناک چڑھائی۔

"اچھا چل تو باہر جا۔ میں ادھر صفائی کر لوں ورنہ ابھی ماسی آ جائے گی۔" بیڈ مس اپنی ہوئی ہے۔ بدذات صفائی نہیں کی؟ زرا خصم آ کر کرے گا صفائی؟" اس نے ماسی زینب کی نقل اتاری۔

باگی کھلکھلا کر ہنس پڑی ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی مگر اس کی ہنسی کو تو جیسے ایک دم بریک لگ گئے تھے۔

موبل نے بھی ماحول میں غیر معمولی پن کو محسوس کیا تھا۔ اور اس طرف دیکھا تھا جدھر باگی دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحے کو تو وہ بھی چکرا کر رہ گئی۔ سامنے موں کھڑا ہوا تھا۔

"میں۔ صاحب۔ صفائی کر رہی ہوں ادھر۔"

وہ کانپ کر بولی تھی اور اٹھ کر باگی کے برابر میں کھڑی ہو گئی تھی۔

"تمہیں ماسی منع کرتی ہے۔ تم اسے منع کرتی ہو اوپر جانے سے اور جب میں وجہ پوچھتا ہوں تو جواب نہیں دیتیں۔ آج سنی کے سامنے پوچھوں گا۔ اس لیے کہ میں ہر وقت گھر میں نہیں پڑا رہوں گا۔ ورنہ دوسری صورت یہ ہے کہ۔ اللہ یار بابا تمہیں کسی دوسری کوٹھی میں کام دلا دے۔"

وہ اتنا کہہ کر ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔ موبل ساکت کھڑی تھی۔ کیا موں صاحب نے ساری باتیں سن لیں۔

عارز تو صرف آدھا گھنٹہ بیٹھ کر واپس ہو گئی تھیں۔ جمال کہیں گیا ہوا تھا۔ ورنہ تھوڑی دیر اور بیٹھ جاتیں۔

ماہ نور کو اتنے عرصے بعد گھر میں دیکھ کر رضیہ کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔

"توبہ آپی! پچھلی بقرعید کی دعوت پر آئی تھیں آپ اور اب آئی ہیں۔ بور نہیں ہوتیں آپ؟"

"نہیں" وہ دھیمے سے مسکرا پڑی۔

"بڑی پھوپھو۔ تایا ابا کے گھر والے سب ہی کہتے ہیں کہ آپ کسی سے بھی ملتی ملاتی نہیں ہیں"۔

"ہاں۔ خود تو روز جا کر کھڑے ہوتے ہیں ناں بہن کے گھر"۔ بڑی اماں نے جل کر ٹکڑا لگایا۔

وہ بہت ضروری کام سے کچن میں جانا چاہتی تھیں مگر اس وجہ سے نہیں اٹھ رہی تھیں کہ رضیہ ان لوگوں یا لڑکے کے بارے میں کچھ اول فول ماہ نور کے سامنے نہ بک دے کیونکہ اسے تو صرف بولنے سے غرض ہوتی ہے (جہاں ماہ نور کے رشتے کی بات چل رہی تھی) سوچ رہی تھیں کہ گھر کے لوگ آ موجود ہوں تو وہ اٹھیں۔

"آپ نے جمال بھائی کو دیکھا ہے؟" وہ شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ ماہ نور سے پوچھ رہی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے۔ یہ دیکھنا کیا ہوتا ہے؟ کوئی چیز ہے وہ جو دیکھی جائے گی؟ یوں پوچھنا چاہیے تھا کہ آپ جمال بھائی سے ملیں یا نہیں؟"

بڑی اماں پردیسی پوتے کی اتنی توہین کیسے برداشت کر سکتی تھیں۔

"نہیں۔ وہ ابھی تک ہمارے گھر آئے نہیں۔ امی ذکر کرتی رہتی ہیں"۔ ماہ نور نے جلدی سے جواب دے کر سابقہ فضا بحال کی۔

"ارے بیٹی! وہ بے چارا ادھر مدتوں بعد آیا ہے۔ اسے راستوں کی بھلا پہچان۔ وہ تو کہہ بھی رہا تھا کہ دادی جان یہاں جانا ہے وہاں جانا ہے۔ میں نے سوچا چھٹی کے روز سب گھر پر ہوں گے کوئی نہ کوئی لے ہی جائے گا۔ کہہ رہا تھا کہ امی نے سب کے لیے تحائف بھجوائے ہیں۔ اس لیے فلاں جگہ بھی جانا ہے اور فلاں جگہ بھی"۔

"مجھے تو ابھی تک کوئی تحفہ نہیں ملا؟" افسوس و احتجاج کا ملا جلا تاثر رضیہ کے انداز میں۔

"منہ سے مانگے بھی مت بیٹھنا۔ دیا تھا اس نے میں نے سنبھال (سنبھال) کر رکھ دیا ہے"۔ بڑی اماں نے تنبیہ کی۔

"ہائے۔ کیا لائے ہیں جمال بھائی میرے لیے؟" زرا بے تابی سے بولی۔

"اس کی ماں نے بھیجا ہے ایک چاندی کا سیٹ اور پازیب کی جوڑی"۔

بڑی اماں کو مجبوراً بتانا پڑا۔ تحفہ کا لفظ جو منہ سے نکل گیا تھا۔

"اوہ!" ربیا نے منہ لیا۔ "پازیب۔ نان سنس۔ میں تو وہ ورنا نہیں پہنتا جس میں ایک ستارہ بھی لگا ہو۔ آپ ہی پہننا لیجئے گا بڑی اماں"۔ اتنی سخت کوفت ہوئی تھی کہ کھڑے کھڑے بڑی اماں کو بخش دیا تھا۔

"یہ کوئی عقل کی بات۔ اس عمر میں میں پازیب چھنکاتی پھروں گی؟ ایک چیز ہے رکھی ہوئی ہے۔ تمہارے بیاہ پر جہیز میں رکھ دیں گے"۔

"یہ جہیز وغیرہ کا نام مت لیا کیجئے تو یہ کیسا دقیانوسی تصور ہے۔ دوسروں پر مفت کا بوجھ۔ سب کو اپنا اپنا کام کرنا چاہیے۔ اپنا اپنا بوجھ اٹھانا چاہیے۔ خود ہی عادتیں بگاڑ دیتے ہیں۔ خود ہی شکایتیں کرتے ہیں کہ داماد طعنے دیتا ہے کہ یہ نہیں دیا۔ وہ نہیں دیا۔ میرے سامنے کبھی کسی داماد نے اس طرح کی بات کی تو میں صاف کہہ دوں گی کہ اللہ میاں نے ہاتھ پاؤں دیے ہیں۔ خود کر لو"۔

"انقلاب" "زندہ باد" مظہر اور اظہار نے زوردار نعرہ لگایا تو پیچھے پیچھے آتا ہوا جمال لمحہ بھر کو سہم کر رہ گیا

"السلام علیکم" کر سلام کرڈالا تھا

"وعلیکم السلام۔ آ گئے۔ اب اس کی زبان رر چلے گی۔ ابھی آتی ہوں ماہ نور! عبدالکریم کو دیکھ لوں"۔

بڑی اماں تخت سے اترتے ہوئے بولیں۔

"ذرا غور سے دیکھیے گا بڑی اماں! آج انہوں نے گہرا نیلا سوٹ پہن رکھا ہے۔ ذرا مشکل سے نظر آئیں گے"۔ ربیا نے عبدالکریم کی گہری رنگت پر چوٹ کی۔

"اللہ کی پناہ۔ کوئی خوف خدا نہیں۔ اللہ جانے کیا بنے گا اس کا"۔ وہ جاتے اور کیا کیا کہہ رہی تھیں۔ الفاظ واضح نہیں تھے

"آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں جن سے دادی جان کو غصہ آتا ہے"۔ جمال کو دراصل دوسروں کو کوفت میں دیکھ کر بڑی تکلیف ہوتی تھی۔

ماہ نور حیران پریشان جمال کی صورت دیکھ رہی تھی۔

"ویل ڈن جمال بھائی۔ ویل ڈن۔ اس کے مردانے پن" کو جتنی تقویت پہنچائیں۔ بھارت میں سائیکل رکشا" ابھی چلتے ہیں۔ ایسا کریں کچھ کاغذی ہیرا پھیری کر کے اسے وہاں پہنچا دیں اور ایک سائیکل رکشا دلا کر اس کا کیرئیر بنا دیں۔ جب چھ آدمی سامان سمیت کھینچیں گے تو پتا چل جائے گا۔ اگر بہترین انڈین ساڑی پہن کر آدھا میٹر لمبا گھونگھٹ نکال کر واپس پاکستان آ جائے تو نام مظہر سے بدل کر احسن رکھ دیجئے گا"۔

مظہر نے بڑی پتے کی بات کی۔ ماہ نور کا ہنس ہنس کر برا حال ہو رہا تھا۔ کتنے عرصے بعد وہ اتنی بے ساختگی سے ہنس رہی تھی۔

"آپ بیٹھیے نا"۔ ماہ نور کو لو را کھڑے ہوئے جمال کا خیال آیا تو اس نے کین کی کرسی کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"انہیں پہچانا: جمال بھائی؟" اظہار نے پوچھا۔

جمال نے ماہ نور کو ایک نظر دیکھا۔

بڑی پھوپھو یا چھوٹی پھوپھو میں سے کسی کی صاحبزادی ہوں گی کچھ دھیان نہیں آ رہا۔" بڑی سادگی جواب ملا" آئیڈیا تو قریب ٹھیک ہی تھا"۔

"جی چھوٹی پھوپھو۔ بڑی صاحبزادی ہیں۔ ماہ نور آپی مگر یہ ہماری آپی ہیں۔ آپ کی نہیں آپ سے چھوٹی ہوتی ہیں"۔ مظہر نے وضاحت کی۔

ماہ نور نے از۔ ترغاروفی آداب کہا۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر"۔ جمال نے نظریں جھکا کر بڑے تردد سے کہا۔

"یہ لیجئے ان سے مل کر کون کافر بے مزا ہوگا"۔ اظہار نے ماہ نور کو تنگ کیا۔

اسی لمحے مظاہر اپنا ساوہ بریف کیس اٹھائے لاؤنج میں داخل ہوئے۔ ماہ نور نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر سلام کیا

"ماہ نور۔ ارے بھئی آج کیسے؟" وہ دھیما سا مسکرائے۔

ماہ نور جواب میں مسکرا کر رہ گئی۔

"ابا جان! پھوپھو بتا رہی تھیں کہ آج آپی نے پہلی مرتبہ فرمائش کی کہ نانی کے گھر جانا ہے۔ ہاؤ اسٹرینج"۔ ربیا نے مزید اطلاع دینا ضروری خیال کیا۔

"اسٹرینج نہیں بیٹا یہ تو بہت خوشی کی بات ہے"۔ مظاہر بڑے پیارے انداز میں مسکرائے۔

"جمال بھائی بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ انہیں آپی سے مل کر دلی مسرت ہو رہی ہے"۔

"انہوں نے "دلی" نہیں کہا تھا۔ حد ہوتی ہے کہاں تک لپیٹیں"۔ مظہر نے فوراً احتجاج کیا۔ یعنی ربیا کی بات درمیان ہی میں اچک لی۔

"اگر تمہیں جج بنا دیا جائے۔ ہائی کورٹ کا نہ سہی سیشن کورٹ ہی کا بنا دیا جائے۔ تم تو حد کر دو گی"۔ فرد جرم" عائد کرتے وقت وہ چار اپنے پاس سے جڑ دیں تو کسی غریب کی دو سال کی سزا دس سال میں بدل جائے گی"۔

اظہار ایسے وقت میں مظہر کا ساتھ ضرور دیتا تھا۔

"چھوڑیں۔ کیوں ان بے چاروں کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ مطلب تو میرا یہی تھا"۔ جمال نے اپنی دانست میں بیچ بچاؤ کرایا۔ مظاہر نے قدرے تعجب سے جمال کی طرف دیکھا۔ چونکہ ادھر واضح اشارہ ربیا کی طرف تھا۔

"ابا جان۔ یہ متنازعہ سرزمین" ہندوستان والے اپنی عادت کے خلاف تسلیم کر چکے ہیں۔ ہمارے پیارے جمال بھائی محترمہ سے "اکول ٹریٹ" کرتے ہیں"۔

اظہار نے مظاہر کی حیرت دیکھ کر بڑی شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ وضاحت کی۔

ماہ نور نے گویا چھتے ہوئے سر پیٹ لیا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اسے اتنی دلچسپ کمپنی ملے گی۔

مظاہر مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے۔

کھانے کے وقت تک اظہر اور ظہیر بھی پہنچ گئے تھے۔ آٹھ کرسیوں کی ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگانے کے بجائے لاؤنج میں دسترخوان لگایا گیا۔ اظہر کی سنجیدگی اس درجہ وحشت ناک ہوتی تھی۔ کہ عموماً ان کی موجودگی میں بہت احتیاط برتی جاتی تھی۔ گھر میں جب حالات بڑی اماں کے ہاتھوں کنٹرول نہیں ہو پاتے تو اظہر کی دھمکی کو آخری حربے کے طور پر استعمال کرتی تھیں۔

لہٰذا کھانا خاصے سکون سے کھایا گیا۔ کھانے کے بعد اظہر ظہیر اور مظاہر تو فوراً اپنے کمروں میں چلے گئے۔ کر صبح

سے مصروف ہوتے تھے۔ وہ سب خاصی دیر تک خوش گپیوں میں مصروف رہے۔ ماہ نور بظاہر محفل کا حصہ نظر آ رہی تھی مگر ذہن بے حد منتشر تھا۔ کبھی اظہر کے بارے میں سوچتی کہ ان کو بتائے اپنا مسئلہ۔ کبھی سوچتی نہیں ظہیر بھائی سے بات ذرا آسانی سے کہی جا سکتی ہے۔ پھر خیال آتا کاکا جان زیادہ بارسوخ ہیں۔ ان کو آگاہ کرنا زیادہ فائدہ مند ہے۔ خاصی دیر تک وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔

آہستہ آہستہ سب ہی سونے چلے گئے۔ ربیا تو وہیں لاؤنج میں فلور کشن سر کے نیچے رکھ کر چند منٹوں میں بے سدھ ہو گئی تھی۔ بڑی اماں ماہ نور کو کہہ گئی تھیں کہ کمرے میں آ کر سو جانا یا ربیا کے کمرے میں سو جانا۔

اس نے سوئی ہوئی ربیا پر ایک نظر ڈالی۔ کتنی بے فکری و طمانیت تھی اس کے چہرے پر۔ اسی سے باتوں باتوں میں اس نے سب کے کمرے پوچھ لیے تھے۔ کیونکہ وہ ادھر آتی بہت کم تھی۔ شمسہ البتہ عارفہ کے ساتھ آتی رہتی تھی۔

مظاہر کا کمرا بہت آسان لگا تھا۔ اور وہی یاد بھی رہ گیا تھا۔ ربیا نے بتایا تھا کہ لاؤنج کی سیڑھیاں ختم ہوتی ہیں اور اکا جان کا بیڈروم سامنے ہوتا ہے۔ پہلے یہ کمرا چاند بھائی کا تھا۔ ان کے امریکہ چلے جانے کے بعد مظاہر اس میں منتقل ہو گئے تھے۔ یہ کوٹھی چاند بھائی اور اظہر کے مشترکہ سرمائے کے تعاون سے حاصل ہوئی تھی۔ ان کے والد کا چار کمروں والا بنگلہ آٹھ لاکھ میں فروخت ہوا تھا۔ اس میں تقریباً دس لاکھ مزید ملا کر آج سے کئی سال پہلے یہ کوٹھی خریدی گئی تھی۔ یہ معلومات عارفہ کے ذریعے اس تک پہنچی ہوئی تھیں۔

اس نے گھڑی کی سمت دیکھا۔ پونے بارہ بج رہے تھے۔ مسئلہ اتنا گھمبیر تھا اسی وجہ سے اس میں اتنا حوصلہ واقعی پیدا ہو چکا تھا کہ مظاہر کے بیڈروم کے دروازے پر دستک دے سکے۔ اس نے ننگے پاؤں زینہ طے کیا تھا آہٹ کے خوف سے۔ کوئی خیال اتنا مربوط ہو کر قائم تھا کہ دستک بے ترتیب نہیں تھی۔ اس میں ردھم تھا۔

☆☆☆☆☆

دستک دینے کے بعد انتظار کا دورانیہ۔ جیسے وقت ٹھہر گیا تھا۔ چند لمحوں بعد ہی وہ پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔ خاندان بھر میں جتنے کزنز تھے آج تک اس کی صرف ان سے رسمی بات چیت ہوئی تھی۔ اس میں سراسر اس کی اپنی طبیعت کا دخل تھا۔ اس کے چہرے پر کچھ اس طرح کے تاثرات لکھے نظر آتے تھے کہ خواہش کے باوجود کوئی اس سے اپنے طور پر بات نہیں کر پاتا تھا۔ خوبصورت چہرے پر جمی ہوئی برف اتنی واضح ہوتی تھی کہ سامنے والے کے اپنے احساسات ٹھٹھر جاتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ مظاہر نے دروازہ کھولنے کے بعد بڑی حیرت و استعجاب سے پہلے اس کی طرف پھر وال کلاک کی طرف دیکھا۔

"آؤ، اندر آ جاؤ۔ خیریت؟" وہ کسی دھیان سے چونک کر گویا ہوئے۔

ماہ نور خاموشی سے اندر آ گئی مظاہر نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔

ماہ نور نے پلٹ کر بیٹھنے سے قبل ان کی سمت دیکھا۔

"دروازہ بند کر دیجیے مظاہر بھائی۔" اس کی آواز سرگوشی کی طرح پھوٹی۔

"نہیں۔ ٹھیک ہے۔" مظاہر نے اس کی واضح تاکید پر واضح انکار کیا اور واپس آ کر اپنے بیڈ کے ایک کونے پر ٹک گئے۔ ماہ نور ایک نفاست کا نشان قسم کی آرائشی کرسی پر پہلے ہی بیٹھ چکی تھی۔

چند لمحے خاموشی سے سرک گئے۔ مظاہر سراپا سوال بنے ہوئے تھے مگر خاموش تھے۔

"وہ مظاہر بھائی"۔ ماہ نور نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ اس مرتبہ اس کی آواز میں واضح لرزش تھی۔

"دراصل۔ ایک بہت پریشان کن مسئلہ ہے۔ اسی وجہ سے آج یہاں آئی ہوں۔" اس نے الفاظ ترتیب دینا شروع کیے۔ "ہوں۔ ہوں۔ کہو۔ بہت خوشی کی بات ہے کہ تم ہمیں اس قابل سمجھتی ہو۔ اطمینان رکھو مسئلہ بیان ہونے سے پہلے تمہارا ہے اور اس کے بعد

جب سامنے آ جائے گا تو ہم سب کا یعنی یہاں جتنے لوگ ہیں وہ سب تمہارے اپنے ہیں"۔

انہوں نے بھرپور اطمینان دلایا۔ گولڈن پھولوں والے کاٹن کے سفید نائٹ سوٹ میں وہ نیند بھری آنکھوں میں الجھن لیے بغور اسے دیکھ رہے تھے۔

"نہیں نہیں۔ جو بات میں بتانے جا رہی ہوں۔ وہ بس آپ تک رہنا چاہیے"۔ وہ بے ساختہ گھبرا کر بولی۔

"چلو ٹھیک ہے ایسے ہی سہی کہو۔ کیا بات ہے؟" تجسس اپنے کمال کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ماہ نور نے ہونٹ کاٹتے ہوئے نگاہ اٹھا کر ان کی سمت دیکھا۔ وہ ادھر ہی دیکھ رہے تھے۔ اس نے فوراً نظریں جھکا لیں

"وہ ایسا ہے مظاہر بھائی"۔ وہ پھر جھجک کر رک گئی۔

مظاہر خاموش رہے۔

"ایک شخص مجھے بہت پریشان کر رہا ہے۔ میرا سکون برباد کر کے رکھ دیا ہے"۔ اتنا کہتے ہی وہ ہچکیوں سے رو پڑی۔ دونوں ہاتھوں سے چہرا چھپا لیا تھا۔

مظاہر بری طرح چونک پڑے۔ اس کے رونے کے انداز نے انہیں بے حد پریشان کر دیا تھا۔ ایک تواتر سے پریشان کن خیالات کی یلغار شروع ہو گئی۔

"اوں۔ ہوں۔ رونے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیا کہتا ہے؟ کہاں رہتا ہے؟" وہ بڑی فکرمندی سے پوچھ رہے تھے۔

"رہتا تو پتا نہیں کہاں ہے۔ مگر روز راستے میں پریشان کرتا ہے۔ شاید بہت بڑا بدمعاش ہے۔ چلتوں کی پروا کرتا ہے نہ کسی اور بات کی"۔ وہ رک رک کر بتا رہی تھی ساتھ ہی آنسو بھی صاف کر رہی تھی۔

"کیا نام ہے اس کا؟" مظاہر گہری سوچ کے پاتال سے باہر آئے۔

"پاشا کہتے ہیں۔ اس کی ماں نے اس کا پورا نام منہاج حسین پاشا بتایا تھا۔" وہ بولتی چلی گئی۔

"ماں؟ اس کی ماں کو تم کیسے جانتی ہو؟ جبکہ تمہیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ وہ رہتا کہاں ہے؟" مظاہر بری طرح الجھ گئے۔

وہ ساکت سی اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی۔ جو کچھ منہ سے نکل گیا تھا اب اس کی وضاحت درپیش تھی۔

مظاہر پرسوز سوالیہ اور حیران نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہے تھے۔

اس نے جھجکتی ہوئی نظریں اٹھائیں مگر فوراً ہی جھکا لیں۔ مظاہر دونوں ہاتھ جوڑ کر ہونٹوں پر رکھے بغور اسی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔

"وہ پرپوزل لے کر آئی تھیں۔" اس کی آواز بے حد آہستہ تھی

"تمہارا؟" وہ پھر چونک پڑے۔

ماہ نور نے اثبات بھری خاموشی اختیار کیے رکھی۔

"اسی کا۔ میرا مطلب ہے پاشا کا؟" مظاہر پوچھ رہے تھے۔

اس نے گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

"تمہیں پسند نہیں تو انکار کر دو۔ مسئلہ کیا ہے؟ سیدھی سی بات ہے" مظاہر نے الجھ کر کہا۔

"سیدھی سی بات نہیں ہے ناں۔ اس نے دھمکی دی ہے کہ انکار نہیں ہونا چاہیے۔"

"اس کی ماں کے ذریعے دھمکی ملی ہے؟" مظاہر اب فکرمند ہوئے۔

"نہیں،" وہ نہیں کہہ کر پھر خاموش ہو گئی۔

"اس نے خود دی ہے۔ مگر کہاں؟" مظاہر نے پوچھا۔ آنکھوں سے نیند اڑ چکی تھی۔ اب وہاں الجھن بھی حیرت تھی فکر مندی تھی۔

"کیا راستے میں اتنی بات کرنا ممکن ہے؟" وہ کچھ سوچتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"اس کے لیے تو ممکن ہے"۔ ماہ نور کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"کیا تم شعور ہو کہ وہ بدمعاش ہے"۔ وہ بہت کچھ اپنے طور پر سمجھ کر اگلے سوال کی طرف آئے۔

"تو اور کیا۔ انسان کا اسٹائل بتاتا ہے۔" وہ بولی۔

"ہو سکتا ہے اسٹائل دھوکا دے رہا ہو۔ معلومات کیے لیتے ہیں اگر نارمل ہے۔ ٹھیک ہے تو"۔

"نہیں نہیں"۔ ماہ نور نے جیسے تڑپ کر انہیں ٹوکا۔ "کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ میں اسی لیے آئی تھی آپ کے پاس؟" وہ ہراساں ہو گئی۔

"بہت بری شکل ہے؟" مظاہر نے پہلی بار تھوڑا شگفتہ انداز اختیار کیا۔ لہجہ معنی خیز تھا۔

ماہ نور کو خوب کر حیا آئی ان کے انداز پر۔

"انسان اندر سے اچھا نہ ہو تو کتنی اچھی شکل ہو بری ہی لگتی ہے"۔ وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"اس کا مطلب ہے شکل اچھی ہے۔ خیر جب تمہیں ہی اچھی نہیں لگتی تو بے کار ہے۔ ٹھیک ہے میں پھوپھو کو کہہ دوں گا کہ ماہ نور کو یہ پرپوزل منظور نہیں آپ انکار کر دیں"۔

"ابا جان پہلے ہی انکار کر چکے ہیں۔ آپ بات کیوں نہیں سمجھ رہے؟ انکار تو ہو تا ہی ہے۔ مسئلہ انکار کے بعد کا ہے"۔ اس نے گویا اپنا سر پیٹ لیا۔

"بہت دیتے ہیں لوگ گیدڑ بھبکیاں۔ کوئی ضرورت نہیں ڈرنے کی۔ تم نے پھوپھو سے یہ پرابلم ڈسکس کی ہے؟" مظاہر نے اس مرتبہ قدرے پرسکون اور لاپروا انداز میں اس سے بات کی۔

"ان سے کہہ بھی مت دیجیے گا۔ کھانا پینا سونا سب چھوٹ جانے گا ان کا۔ میری اور شمسہ کی شامت آجائے گی۔ مجھے بھی چھوڑ دیے بے چاری شمسہ کو کالج سے اٹھا لیں گی۔ ابا جان آل ریڈی بیمار ہیں"۔

وہ اپنی ملازمت کی اہمیت کا ذکر گول کر گئی کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی نازک لمحے میں مظاہر اسے معاشی تعاون کا یقین دلا بیٹھیں اور ماں سے پہلے اسے ملازمت چھوڑنے کا مشورہ دینے لگیں۔ اس کی خوددار طبیعت کو یہ سب گوارا نہیں تھا۔

"ان سے کہہ سکتی تو پھر آپ سے کیوں کہتی"۔ اس نے جتانے کے انداز میں کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ مجھ سے کس قسم کا تعاون چاہتی ہو؟ مجھے اندازہ تو ہونا چاہیے" مظاہر کو واقعی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔

"آپ اس سے ایک مرتبہ مل لیں اور اسے ڈانٹ دیں۔ شاید وہ یہ سمجھ رہا ہے میرے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے"۔ ماہ نور نے وضاحت کی۔

"مگر کہاں؟" مظاہر پھر الجھ گئے۔

"وہیں راستے میں" ماہ نور نے جواب دیا۔

"لیکن راستے میں تو مناسب نہیں ہے۔ بقول تمہارے وہ بدمعاش ہے۔ بات کسی انتہا تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ اس طرح تم سب کی نظروں میں آسکتی ہو پھر تمہارے لیے ہی مشکلات پیدا ہونے لگیں گی"۔

"پھر؟" وہ پہلے سے زیادہ پریشان ہو گئی۔

"پھر یہ کہ تم میرے فون نمبرز لے لو اور مجھ سے کونٹیکٹ میں رہو۔ اس کی والدہ جواب لینے کب آئیں گی؟" مظاہر نے سوال کیا۔

"پتا نہیں"۔ اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

"انہوں نے بھی اپنے بیٹے کے اسٹائل میں بات کی تھی؟ یا نارمل انداز تھا؟" مظاہر نے کچھ سوچتے ہوئے اگلا سوال کیا

"نارمل انداز تھا۔ وہ ہرگز اس کی والدہ نہیں لگتیں۔ بہت مختلف ہیں"۔ ماہ نور دبے دبے لہجے میں جواب دیا۔

"ہوں۔ پھر تو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے طور پر اس کا اتا پتا اور کارگزاریاں معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں" وہ اتنا کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سائیڈ ٹیبل سے پرس اٹھا کر اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالنے لگے۔

ماہ نور ان کے آخری جملے کے بعد نہایت پرسکون نظر آنے لگی تھی۔

"ہمارے ہاں لڑکیوں کی اتنی لمبی لمبی زبانیں پسند نہیں کی جاتیں۔ اپنے بڑے بھائیوں کو بھی دیکھا ہے جواب دیتے ہوئے"۔

آج پھر ریبا کو جھاڑ پڑ رہی تھی۔

"لیکن بڑی اماں! آپ میری صرف بڑی اماں ہی نہیں ہیں۔ امی جان بھی ہیں۔ نانی جان بھی ہیں۔ خالہ جان بھی ہیں۔ دوست بھی ہیں کزن بھی ہیں"۔

"ہیں۔ ہیں۔ ایں۔ کیا بولے چلی جا رہی ہے۔ میں صرف تمہاری دادی ہوں"۔ بڑی اماں رشتوں کی اتنی طویل فہرست سنتے ہی پریشان ہو گئیں۔

"پھر آپ مجھے میری امی لا کر دیجیے۔ کیونکہ اور رشتوں کے بغیر تو گزارا ہو سکتا ہے امی مگر بہت ضروری ہیں"۔ اس نے بچکانہ انداز میں ٹھنک کر کہا۔

ظہیر باہر نکلنے کے لیے لاؤنج کا دروازہ پار کر چکے تھے۔ ایک دم پلٹ کر واپس آئے۔

"ریبا! کیوں تنگ کرتی ہو بڑی اماں کو؟ اب تم کوئی بہت چھوٹی بچی نہیں ہو۔ بڑی اماں بہت کمزور ہیں اور بہت تھک بھی چکی ہیں۔ دنیا میں بہت سے انسان ایسے ہیں جو والدین کے بغیر پروان چڑھتے ہیں۔ مت پریشان کیا کرو بڑی اماں کو کیوں دیتے آپ کو یقین نہیں دلاتیں کہ تمہارے ماں باپ اب دنیا میں نہیں ہیں"۔

"اللہ نہ کرے" بڑی اماں نے ہول کر دل ہی دل میں کہا۔ ظہیر بہت تلخ لہجے میں کہہ کر باہر چلے گئے تھے۔

بڑی اماں ریبا کو سنجیدہ اور افسردہ دیکھ کر تڑپ سی گئیں۔ انہوں نے بہت محبت سے اس کی پیشانی پر سے بال ہٹائے۔ وہ ان کے زانو پر سر رکھے لیٹی تھی۔

"بڑی اماں۔ کیا ان دونوں کی ایک ہی روز ڈیتھ ہوئی تھی۔ اگر نہیں تو پہلے کس کی ڈیتھ ہوئی تھی؟" اس نے نظریں اٹھا کر بڑی اماں کا ستا ہوا پریشان چہرا دیکھا۔

ان کی آنکھوں سے چند قطرے ٹپکے اور جھریوں میں بھٹک گئے۔

"انھوں نے جھک کر ردا کی پیشانی پر بوسہ دیا" "اللہ تمہیں ہر مشکل ہر دکھ سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین"

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہ ہوا بڑی اماں" اس کی آواز میں سنجیدگی اور الجھن تھی۔ بڑی اماں نے جواب میں مکمل خاموشی اختیار کیے رکھی۔

"جمال اور اعجاز آج صبح سے نکلے ہوئے ہیں۔ شام ہونے کو آئی۔ اللہ جانے کہاں رہ گئے بچے؟

آج میں نے تمہارے لیے بروسٹ لانے کے لیے کہا تھا اظہر سے۔ تمہیں پسند ہے ناں؟ گوشت تو تم شوق سے کھاتی نہیں ہو۔ اسی لیے اظہر سے کہتی ہوں ہفتے میں ایک بار لے آیا کرے۔ تمہاری بڑھنے کی عمر ہے۔ دودھ تم شروع سے ناپسند کرتی ہو۔ مجھے تو یہی فکر رہتی ہے کہ کمزوری نہ ہو جائے۔ اس عمر میں تو بچوں کو ہر چیز کھانا چاہیے۔ خون بنتا ہے۔ اٹھان اچھی ہوتی ہے"۔

ان کے لہجے کا زور ٹوٹا ہوا تھا۔ دھیمی اور ملائم آواز میں وہ اس سے یوں مخاطب تھیں جیسے دیر سے ان کے درمیان یہی باتیں ہو رہی تھیں۔

"سول"۔ اسے قریب سے سنی کی آواز سنائی دی۔ اور گویا اس کی روح پرواز کر گئی۔ گھبرا کر اپنی جگہ کھڑی ہو گئی۔ آواز کہیں گم ہو گئی۔

"سول"۔ اس بار سنی کی آواز تیز تھی۔

"ج۔ جی صاحب"۔ اس نے بمشکل حلق سے آواز نکالی۔

"بڑھیا کہاں ہے؟" اس کا روپ اس وقت صبح سے قطعی مختلف تھا۔

"وہ تو سو گئی ہوگی"۔ وہ لرزتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تمہاری بہن کہاں ہے؟" وہ عجیب سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"وہ بھی سو گئی صاحب"۔

"تم کیوں جاگ رہی ہو؟" وہ غرایا۔

"مم۔ میں بھی سو رہی ہوں"۔ اس کا رنگ خوف سے سفید پڑ چکا تھا۔ گھوم پھر کر کمبخت رات پھر آ گئی تھی۔

میرا بیڈروم فریج خراب ہے۔ جب تک ٹھیک نہ ہو تم روز رات کو اسی وقت میرے بیڈروم میں برف لایا کرو گی"۔

سول تھرتھر کانپنے لگی۔ سنی اتنا کہہ کر پلٹ گیا تھا۔ سول نے بمشکل گردن موڑ کر اس کو جاتے ہوئے دیکھا۔

کچھ دیر کھڑی اپنی سانسیں سنبھالتی رہی پھر خوف کے اس مقام سے ایک اڑان بھری جہاں انتہائی خوف یکدم بے خوفی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ وہ بلا ارادہ بے اختیار مون کے بیڈروم تک چلی آئی تھی۔ اس نے دستک دی کوئی جواب نہ ملا۔ دوسری تیسری بار بھی خاموشی رہی تو اس نے ہینڈل گھما کر اندر جھانکا۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور اندر داخل ہو گئی پھر دروازہ بند کر دیا۔

اسے یاد آ گیا تھا کہ مون کی واپسی رات گئے ہوتی ہے۔ اس نے اندر سے چٹخنی لگائی تھی اور دروازے سے کان لگا کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا رواں رواں دعا گو تھا۔

اس کے پاس علم نہیں تھا۔ اسے کائناتی ذہن سے رابطے کا سلیقہ نہیں آتا تھا۔ مگر روح لاشعوری طور پر اپنے خالق سے

ہر وقت مربوط رہتی ہے۔ اور دعا کا تقاضا آگہی کا محتاج نہیں۔

روز اول جب خالق کائنات نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (پہچانو میں تمہارا رب ہوں) کہا تو تمام ارواح نے بلیٰ کہہ کر پہچاننے کا اقرار کیا تھا۔

اسے فاتحانہ وظائف ورد نہیں آتے تھے مگر چلتی سانس تو خالق سے پیوست تھی۔ پکار کا عمل تو جاری تھا۔ اس لیے کہ خالق و تخلیق کے بیچ "بلیٰ" موجود ہے۔ جانے کب تک وہ غیر موجود ہو کر صرف دعا ہی رہی۔ باہر کسی کے چلنے پھرنے کی آوازیں کئی مرتبہ ابھر کر معدوم ہوئی تھیں اور ہر مرتبہ اس کا دل ڈوب ڈوب کر ابھرا تھا۔ اسے گھڑی میں وقت دیکھنا نہیں آتا تھا مگر پھر بھی گھڑی کی سوئیوں کو ایک ٹک تکے ڈوب کر ابھرا تھا۔ اسے گھڑی میں وقت دیکھنا نہیں آتا تھا مگر پھر بھی گھڑی کی سوئیوں کو ایک ٹک تکے جا رہی تھی۔ شاید اس احساس ہی سے تقویت پکڑ رہی تھی کہ گھڑی کی سوئیاں آگے کھسک رہی ہیں تو وقت گزر رہا ہے۔

بیٹھے بیٹھے اس کی ٹانگیں سن ہونے لگیں۔ تب اسے محسوس ہوا کوئی ہینڈل گھما رہا ہے۔ اس نے قدموں کی چاپ سنی تو تھی مگر ڈر رہی تھی کہ ہو سکتا ہے سنی اسے تلاش کر رہا ہو۔

اس نے بہت ہمت کر کے پوچھا تھا "کون؟"

"کون ہے اندر؟" سوال کے جواب میں بھی سوال تھا۔

اس نے مون کی آواز پہچان کر جھٹ چٹخنی کھول دی۔

مون اسے اپنے بیڈروم میں پا کر حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا کر رہی ہو ادھر اس وقت؟" وہ اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

سول نے جواب دینے کے بجائے دروازہ بند کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا۔

"صاحب۔ میں کہاں جاؤں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"کیوں لگ رہا ہے ڈر اور کس سے؟" وہ تنے ہوئے انداز میں ہاتھ کمر کے دونوں حصوں پر جمائے اسے گھور رہا تھا۔ ساتھ ہی سوچ اس کی نظروں تک میں اتر آئی تھی۔

"وہ۔ سنی صاحب"۔

مون بری طرح چونک پڑا۔ "کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں جی۔ وہ پھر مجھ سے برف منگا رہے تھے۔" وہ ہچکچاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"پھر سے کیا مطلب؟" گزری ہوئی رات کے معنی اس پر آناً فاناً منکشف ہونے لگے۔

"مم۔ مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے۔ آپ ان سے کہہ دیں وہ ماسی سے برف منگا لیا کریں۔" وہ بہت آہستہ آواز میں کہہ رہی تھی۔

"کیوں لگتا ہے تمہیں ان سے ڈر؟" جس سوال کا جواب خود ہی پتا ہو۔ اس میں صرف بے روح الفاظ کی تکرار ہوتی ہے۔ اس لیے سول خاموش رہی۔ سوال کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

"کل رات کو جب تم بھاگی ہوئی باہر آئی تھیں اس وقت بھی اس نے تم سے برف منگائی تھی؟" مون نے گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے انداز میں کلائی سے ریسٹ واچ اتارتے ہوئے پوچھا۔

سول خاموش کھڑی کارپٹ کو گھورتی رہی۔

موحد نے رسٹ واچ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور قمیض کا اوپری بٹن کھولنے لگا۔ اسے ایک گہری سوچ لاحق تھی۔

"حالانکہ میں نے تم سے کل بھی کچھ پوچھا تھا۔ تم انتہائی احمق ہو۔ اسٹوپڈ۔ ماسی کو کیا بتایا تم نے؟" موحد کوئی اسٹینڈ لینے سے پہلے ٹھیک ٹھاک باخبر ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کچھ نہیں کچھ بھی نہیں صاحب"۔ اب اوسان قدرے بحال ہو چکے تھے۔

موحد نے ایک اچٹتی نگاہ اس کی بدرنگ اوڑھنی پر ڈالی جس کو اس کے ہاتھ بھی چھو چکے تھے۔ کل سبز زینے پر پڑی ہوئی تھی۔ معمہ حل ہو چکا تھا مگر پیشانی پر لکیریں بکھر گئی تھیں۔

"تمہارے ماں باپ تم سے ملاقات کرنے کب تک آئیں گے؟" وہ بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"اللہ سائیں جانے صاحب"۔ سوہل کی اداسی بڑھ گئی۔

"ٹھیک ہے۔ بابا اللہ یار کل تمہیں گوٹھ چھوڑ آئے گا"۔ موحد نے کہا۔

سوہل کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ گوٹھ۔ جہاں بادام کے درخت کے نیچے اس کی ڈھیروں سکھیاں اس کی راہ دیکھ رہی تھیں۔

"آپ بہت اچھے ہیں صاحب۔ لیکن صاحب۔ ماسی کوارٹر میں سو چکی ہے۔ میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ کوارٹر یہاں سے دور ہے اور میں کوٹھی میں نہیں سوؤں گی۔ مجھے باہر نکل کر بہت ڈر لگے گا۔ میں ادھر قالین پر سو جاؤں؟ پھر صبح چاچا اور باقی کے ساتھ گوٹھ چلی جاؤں گی۔"

"نہیں بھئی۔ تم ادھر نہیں سو سکتیں۔ واٹس اے پرابلم"۔ وہ جھلایا۔ "میں گھر میں موجود ہوں کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ جاؤ۔ کہیں بھی جا کر سو جاؤ۔ ہری اپ"۔ اس نے قدرے ناگواری سے اس کے وجود کی طرف دیکھا۔ درحقیقت وہ خود بری طرح الجھ گیا تھا۔

وہ اسی طرح اپنی جگہ جمی کھڑی رہی۔ موحد کی موجودگی سے جو خوف کی دھند چھٹی تھی۔ وہ ابھی اس پرسکون احساس میں دیر تک بھیگے رہنا چاہتی تھی۔

"جاؤ بھئی"۔ وہ برہم ہو گیا۔

وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔ موحد اپنا نائٹ سوٹ نکال کر ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔

سفید کاٹن کے نائٹ ڈریس میں باہر آیا تو وہ جوں کی توں اپنی جگہ ایستادہ تھی۔ زندگی کی ناخوشگواریوں سے بوجھل اعصاب نئی مصیبت پر چیخ چیخ گئے۔ جی تو چاہتا تھا دھکا دے کر باہر کر دے۔ اس نے تھکی ہوئی خوبصورت مگر قہر آلود نظر اس پر ڈالی۔ وہ بے آواز رو رہی تھی۔ اور اپنی بوسیدہ اوڑھنی سے آنسو بھی پونچھ رہی تھی۔

ناک، کان ہاتھ۔ کوئی نقلی زیور بھی نہیں تھا۔ وہ خود ہی سراپا زیور تھی۔ جس کی چوری کے ڈر کے لگ گئے تھے۔ گندمی رنگ، سرخی مائل بھورے بال، بھرے بھرے پیازی ہونٹ جو سسکیوں کی روانی روکنے کی کوشش میں کانپ رہے تھے۔ لوگ آج کہیں آدھا تولہ سونا بھی رہن رکھیں تو ڈھائی ہزار مل جائیں اور اس کے بے بس والدین دو تین لال نوٹوں کے عوض پورا خزانہ رہن رکھ گئے۔ جانے انگلے ہی لمحے میں اپنے اصل کی طرف لوٹنے کو متوجہ ہوا تھا۔ اتنی چھوٹی عمر اتنی بھاری ذمہ داریاں۔

رات کے چند گھنٹے ہی تو باقی ہیں۔ صبح مصیبت "گوٹھ" دفع ہو جائے گی۔ باقی کو ہینڈل کرنا ہو جائے گا" ٹھیک ہے۔ تم دروازے کے پاس سو جانا۔"

سوہل کی گویا جان میں جان آ گئی۔ اس نے تشکر بھری نظروں سے موحد کی طرف دیکھا۔

"سر کے نیچے رکھنے کے لیے لاؤنج سے کوئی کشن اٹھا لاؤ"۔ اس وقت وہ اسے معمولی نوکرانی نہیں ایک بے بس روح نظر آ رہی تھی۔ اور کل اس نے اوڑھنی زینے پر سے نہ اٹھائی ہوتی۔ تو شاید طبیعت میں اتنی گہرائی بھی پیدا نہ ہوتی۔ اس کے اپنے اندر کوئی اسے پر زور تاکید کر رہا تھا کہ اس غریب کو بند دروازوں کے پیچھے تنہا چھوڑنا "یونیورسل بلنڈر" ہو گا اور اس کے ہاتھوں ہو گا۔

"میں لائٹ آف کر رہا ہوں۔ تم دروازہ بند کر کے سو جانا"۔ وہ تو اس قدر سہمی ہوئی تھی کہ اس کی تاکید کے باوجود کشن تک لینے باہر نہیں گئی تھی۔

موحد نے لائٹ آف کی اور اپنے بیڈ پر چلا گیا۔ سوہل نے دروازہ اچھی طرح بند کیا۔ بلکہ چٹخنی بھی لگا دی اور اوڑھنی کو گول مول کر کے سر کے نیچے تکیہ بنا کر رکھ دیا۔ احساس تحفظ کی تھپکیوں نے تھکے ہوئے وجود کو چند لمحوں کے اندر ہی نیند کی واد یوں میں دھکیل دیا تھا۔ وہ بالکل دروازے کے ساتھ لگی سو رہی تھی۔

موحد کو اگرچہ اس کی موجودگی کے احساس سے بہت کوفت ہو رہی تھی مگر وہ خود کو سمجھا کر سونے کی کوشش کر رہا تھا۔

سوہل نے نیند سے چور آنکھوں سے جو آخری منظر دیکھا وہ یہ تھا کہ موحد باتھ روم میں داخل ہوا تھا۔ اس کے بعد پھر وہ سو گئی تھی۔

پھر نیند ٹوٹی تو ایسی کہ بس ہمیشہ کے لیے قسمت کے کھاتے میں جا پڑی۔ اس کے ہونٹوں پر خاموشی کے سخت پہرے بٹھا دیے گئے تھے۔ وہ رم تھو دوسرا اسم۔ ہیک وقت تھی۔ دبیز کارپٹ پر لیٹی پھٹی پھٹی۔ آنکھوں سے اندھیرے میں چھت کو یوں گھور رہی تھی جیسے ادھر کوئی روزن تلاش کر رہی ہو۔

تھوڑی ہی دیر بعد فجر کی اذانیں شروع ہو چکی تھیں۔ موحد اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر جا چکا تھا اور جاتے ہوئے دروازہ بند کر گیا تھا۔ اب اس کی خواب گاہ میں وہ تنہا تھی۔ دہشت زدہ لب بستہ۔

"بس۔ تھوڑا سا اور پڑھ لوں پھر۔ جی فی پائلٹ بننے کی تیاری کروں گا"۔

"اللہ کی شان بھئی۔ تی پائلٹ بنیں گی۔" "ہاں" میں کیوں نہیں چلی جاتیں۔ آخر ایک دن تو انشاء اللہ پاکستان بھی کوئی خلائی شٹل خلا میں بھیجے گا۔ کتنی اچھی لگو گی تم شٹل میں بیٹھی ہوئی۔ ہم سب تمہیں سی آف کریں گے دشمنوں کی طرح دیر تک ہاتھ ہلا ہلا کر رہیں گے حالانکہ تم تو اسٹاپ واچ کا ایک چکر پورا ہونے سے پہلے کئی لاکھ کلومیٹر طے کر چکی ہو گی۔ بلکہ کئی کروڑ کلومیٹر"۔

"اظہار بھائی۔ آبجیکشن۔ شٹل کم از کم روشنی کی رفتار سے تو چلا کیں۔ زیادہ تیز اڑ رہی ہے۔ آپ تو یونیورسل فارمولے میں گڑبڑ کر رہے ہیں۔ قیامت بھی آ سکتی ہے"۔ مظہر نے ٹوکا۔

بے چارا جمال آنکھیں پھاڑ کر بیتوں کو باری باری دیکھ رہا تھا۔ دیبا تو جمال کران کے درمیان ہی سے اٹھ گئی۔ کتنے اہتمام سے وہ جمال کو اپنا فیوچر پلان بتانے لگی تھی۔ کبھی جو یہ دونوں اسے کوئی بات سنجیدگی سے کرنے دیں۔

ماہ نور دور کھڑی اپنی چادر پر استری کر رہی تھی۔ مظاہر کہہ گئے تھے کہ وہ شام چھ بجے اس گھر ڈراپ کرنے کے لیے پہنچ جائیں گے۔ بڑی بے ساختہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔ وہ بڑی دلچسپی سے ان کی نوک جھونک سن رہی تھی۔

"آپ تو ویسے ہی اتنے حاضر جواب ہیں۔ میدان کیوں چھوڑ رہے ہیں۔" جمال نے دیبا کو جانے سے باز رکھنا چاہا۔

"اور کیا ہمیں دیکھو۔ ع حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے"۔ مظہر نے ٹکڑا لگایا۔

"آپ لوگ انہیں باقاعدہ منایا کریں۔ آخر چھوٹے ہیں یہ"۔ جمال نے پھر سمجھایا۔

"ٹاکول ٹریٹ کرتے ہیں آپ کی طرح نہ چھوٹا اور نہ بڑا۔ آخر مجھے سمجھتے کیا ہیں؟"

ریبا جمال کے انداز پر مسکراہٹ دبا کر گویا ہوئی۔

"بھئی اکول ٹریٹ کرنے کے لیے اسپیشل لوگ آتے ہیں۔ ہندوستان سے اتنے اخلاقی تعاون کی امید تو نہیں تھی بہرحال۔" "ٹھیک ہے بہت باصلاحیت ہیں۔ بہت کونفیڈنٹ ہیں۔ ان کا خیال رکھنا چاہیے"۔ جمال نے نظریں جھکا کر تعریفی سند جاری کی۔

"جمال بھائی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں"۔ ماہ نور استری کا پلگ نکال کر ان کے قریب چلی آئی۔

"عورت کا ووٹ تو پورا ہوتا ہے ناں گواہی کی طرح آدھا تو نہیں ہوتا"۔ افتخار نے مظہر سے سوال کیا۔

"پورا ہی تو ہوتا ہے تب ہی ساری دنیا میں آج تک جمہوریت استحکام نہیں پکڑ سکی"۔ مظہر نے بڑی افسردگی سے جواب دیا۔ "گن لیں۔ پورے دو ووٹ ہو گئے ہیں۔"

اسی دوران مظاہر بڑی عجلت میں لاؤنج میں داخل ہوئے۔

"السلام وعلیکم اکا جان"۔ ریبا کا سلام سب سے پرجوش اور نمایاں تھا۔

"وسلام۔ ریڈی ہیں آپ ماہ نور؟ مجھے ذرا جلدی ہے"۔ وہ اسی عجلت بھرے انداز میں گویا ہوئے۔

"جی میں بالکل تیار ہوں۔ نانی جان کو خدا حافظ کہہ دوں"۔ وہ لاؤنج سے باہر نکلتے ہوئے گویا ہوئی۔

"کتنی اچھی ہیں ماہ نور آپی۔ ہے ناں جمال بھائی؟" ریبا نے چور نظروں سے مظاہر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ بہت دھیما مزاج ہے۔ ویری پولائیٹ"۔ جمال نے جواب دیا۔

"ان کے لیے لڑکا دیکھنے گئے تھے ہم لوگ۔ پھوپھو، بڑی اماں اور میں۔ مجھے تو بالکل پسند نہیں آیا۔ مگر میری نے کہا کون؟ تھوڑے دنوں میں سوتا ہونے والا ہے وہ"۔ اس نے بڑی آزردگی سے کہتے ہوئے چوری چوری مظاہر کی طرف دیکھا۔

مظاہر فوراً ہی چونک پڑے تھے۔ انہوں نے ابرو اٹھا کر ایک اچٹتی نگاہ ریبا پر ڈالی تھی۔ اسی لمحے بڑی اماں اور ماہ نور ایک ساتھ لاؤنج میں واپس آ گئیں۔

"آ جایا کرو بیٹی اسی طرح۔ یقین جانو مجھے بہت خوشی ہوئی تمہارے آنے سے۔ تم تو کہیں بھی آتی جاتی نہیں ہو۔ عارفہ سے کہنا ذرا جلدی چکر لگا لیا کرے"۔ بڑی اماں کا الوداعی انداز خاصا طویل ہو جاتا تھا۔ مظاہر اضطراری انداز میں پہلو بدل رہے تھے۔

"اچھا نانی امی اللہ حافظ"۔ بڑی اماں کے خاموش ہوتے ہی ماہ نور نے جلدی سے کہا اور مظاہر کے پیچھے چل پڑی۔

پانچ منٹ کی خاموش ڈرائیو کے بعد مظاہر نے اسے مرر میں دیکھا۔

"کوئی اور پروپوزل بھی آیا ہوا ہے۔ ریبا بتا رہی تھی"۔ انہوں نے گیئر کو حرکت دیتے ہوئے سوال کیا۔

ماہ نور ایک دم جھجک سی گئی۔ کہ کیا جواب دے اس سوال کا۔

"جی۔ ابا جان کے احباب میں سے ہیں"۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"ہوں۔ تو یہ اور ابزی ہو گیا ہے۔ ریبا بچی ہے اس کے دیکھنے اور سوچنے کا انداز سطحی ہے۔ اگر مناسب پروپوزل ہے تو اوکے ہو جانا چاہیے"۔ انہوں نے ریبا کی رائے کو قطعی غیر اہم ثابت کراتے ہوئے کہا۔ مبادا محض ریبا کی وجہ سے ماہ نور غور کرنے کا ارادہ ترک کر دے۔

"شادی شدہ لڑکی کی پوزیشن بہرحال سوسائٹی میں بہت مضبوط ہوتی ہے۔ تمہارے لیے تمہارے اچھے پارٹنر کی بیک کافی ہو گی۔ خدانخواستہ پھر بھی کوئی بدمزگی درمیان میں آ جاتی ہے تو ہم ہیں ناں۔ میرا مشورہ ہے کہ اگر یہ پرپوزل مناسب ہے تو فی الفور تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔ باقی باتیں پھر دیکھی جائیں گی۔ سمجھ رہی ہو ناں میری بات"۔ مظاہر نے پھر مرر میں اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کی۔

ماہ نور خاموش رہی۔ اسے مظاہر سے بہت حیا محسوس ہو رہی تھی۔

گھر نزدیک آ چکا تھا۔ معاً بولا کولڈ اسپاٹ پر اس کی نگاہ پڑی۔ بے وجود میں تھرتھری دوڑ گئی۔ پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔

ایک دم سیاہ پینٹ اور ڈھیلی سیاہ شرٹ میں اپنے مخصوص ریڈ اسکارف اور گلاسز کے ساتھ وہ کاؤنٹر پر کہنی ٹکائے ان کی گاڑی ہی کی سمت دیکھ رہا تھا۔ ماہ نور نے بہت بے ساختہ انداز میں اپنے سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس کی یہ چونکا دینے والی ادا مظاہر سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ یوں بھی اس کے علاقے میں داخل ہونے ہوتے کانشس ہو رہے تھے۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے گاڑی سے باہر ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے سوال کیا۔

"کک۔ کچھ نہیں" وہ بوکھلا سی گئی۔

مظاہر نے گاڑی روک دی۔ "کیا کہیں کھڑا ہوا ہے؟" ان کا ذہن بہت سرعت سے کام کر رہا تھا۔

ماہ نور نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"کدھر؟ کہاں؟ وہ گاڑی بیک کرنے لگے۔

"آپ گھر چلیں مظاہر بھائی"۔ اسے ڈر سا لگنے لگا۔

"میں صرف دیکھنا چاہتا ہوں"۔ انہوں نے بھی اس کے خوف کو محسوس کرتے ہوئے تسلی دینے والے انداز میں جواب دیا۔

"وہ کولڈ اسپاٹ پر بلیک کپڑوں میں" اس نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

مظاہر نے فوراً اپنی طرف کا دروازہ کھول دیا۔ ماہ نور نے وحشت زدہ ہو کر بے اختیار ان کا بازو دبوچ لیا۔

"نہیں۔ نہیں۔ بس۔ بے سوچے سمجھے ابھی کچھ نہیں کرنا چاہیے۔ پلیز مظاہر بھائی"۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

"میں کچھ نہیں کر رہا۔ شمس کے لیے آئس کریم پیک لے کر آ رہا ہوں"۔ اس کے خوف و سراسیمگی کو دیکھ کر وہ بے اختیار مسکرا دیے۔ "ارے ماہ نور وہ اپنا بازو چھڑا کر گاڑی سے اتر گئے۔

ماہ نور قرآنی آیات کا ورد کرنے لگی۔ ساتھ ہی گاہے گاہے گردن موڑ کر پیچھے بھی دیکھ رہی تھی۔ مظاہر اسپاٹ پر پہنچ گئے تھے۔ پاشا اب سرو قد کھڑا ہوا تھا۔ وقفے وقفے سے سر جھکا کر دونوں جیکٹ کے اندر سے سگریٹ سلگا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے گرد دھوئیں کے مرغولے تھے۔ مظاہر اس کے بے حد قریب کھڑے تھے۔

مظاہر چند منٹوں بعد واپس آ گئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں شاپنگ بیگ تھا جو انہوں نے گاڑی میں بیٹھتے ہی ماہ نور کو تھما دیا اور کھٹاک سے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے خاصی اسپیڈ سے دوڑا دی۔

انہوں نے ایک لفظ منہ سے نہیں نکالا۔ ماہ نور نے بہت ہمت کر کے ان کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں گہری سوچ کا عکس بہت واضح تھا۔

"میں رکوں گا نہیں ماجنورہ۔ پھوپھو کو سمجھا دینا کبھی در کچھ خیال کریں"۔ مظاہر نے کا

(حیرت ہے آپ کو بھی اتنا خیال آسکتا ہے؟) وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

اسے بہت تیز بخار تھا۔ ماسی نے اپنے ایک کمرے کے کوارٹر میں اس کو ایک پلنگ پر لٹا دیا تھا۔ وہ بڑی دلسوزی سے اس کی تیمارداری کر رہی تھی۔

اس کی اٹوٹ خاموشی کو وہ اس کی طبیعت کی خرابی پر محمول کر رہی تھی۔ بانی اور دوسرے بچے کئی مرتبہ آ کر اس کی خیریت معلوم کر چکے تھے۔ وہ چت لیٹی بس چھت ہی کو گھورے جا رہی تھی۔

"آج تو کوٹھی میں کوئی ہے ہی نہیں۔ سب لوگ فارغ ہیں۔ صاحب میں سے کسی کا ٹیلی فون بھی نہیں آیا کہ کھانا تیار کرنا ہے یا نہیں؟ کوفتے اور مچھلی کباب رکھے ہوئے ہیں۔ رات کا سالن میں بچوں کے لیے اٹھا لائی تھی۔ آدھا کا کوئی مال کو دے دیا۔ پتا نہیں کہاں سے بڑا سا کیک آیا تھا چار دن سے فریج میں رکھا ہوا تھا۔ آج میں نے عشی کو بتا کر سارے نوکروں کے بچوں میں بانٹ دیا۔ پچھلے ہفتے بھی بیشتر بن پڑے پڑے سوکھ گئی تھیں۔ رزق کی بربادی تو کوئی ان لوگوں کے ہاں دیکھے۔ اس مارے تو پڑے ان کے جوٹھے کھاتے رہتے ہیں کہ ہمارے بال بچوں کو کھانے کو اچھا مل جاتا ہے۔ پر تو نے تو صبح سے سوکھی ڈبل روٹی کا ٹکڑا بھی منہ میں نہیں ڈالا۔ کچھ کھا کر دوائی لے لے تو یہ بخار ٹوٹے۔ اللہ یار نے مجھے بس روپے دیے تھے کہ ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں تجھے۔ چل شاباش۔ اٹھ میری بچی یہ چائے ڈبل روٹی کھا لے"۔ ماسی بہت محبت و شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔

وہ اسی طرح خاموش ماسی کو خالی خالی نگاہوں سے گھورتی رہی۔

"اس طرح تو بخار نہیں اترنے کا ضد نہیں کرتے۔ دیکھ تو سہی سارا بدن آگ ہو رہا ہے"۔ اس نے پھر چمکارا۔

سول کے انداز میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

"پھر میں اللہ یار کو بلا کر لے آؤں گی۔ اگر تو نے میری بات نہیں مانی"۔ ماسی نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔

"اللہ سائیں کی قسم۔ میرا دل نہیں چاہ رہا ماسی"۔ بالآخر اس کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی۔

"بیماری میں کس کا دل چاہتا ہے سول۔ خالی پیٹ دوائی بھی تو نہیں کھاتے۔ ڈاکٹر منع کرتے ہیں۔ تھوڑی سی ڈبل روٹی کھا کے چائے پی لے۔ پھر یہ بخار کی گولیاں کھا لے۔ نہیں تو ہمت کر میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چل"۔

"مجھے پریشان نہ کرو ماسی۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ بھلے سے تم میرے ٹکڑے کر دو"۔ اس نے قطعی انداز میں کہہ کر کروٹ بدل لی۔

"دکھ بیماری سب کے ساتھ۔ رواداری تو کرنے ہی ہیں"۔ ماسی نے ہمت نہ ہاری۔ وہ بہت ہمدرد طبع کی عورت تھی سول پہ مطلق اثر نہ ہوا۔ ماسی کو اس کے بدن سے کی آنچ محسوس ہو رہی تھی۔ اور عمر بھر کے تجربے کی جو برف اس کے اعصاب پر جم گئی تھی۔ وہ ذہن کا ادراک نہیں کر سکی تھی۔ جمود کا یہ عالم تھا کہ سوچ تو ایک ہی نقطہ پہ ٹھٹکی ہوئی تھی۔ خیالات کا سلسلہ رکا ہوا تھا۔ نہ کوئی احساس تھا نہ خیال۔ ہر سمت ایک خلا کا احساس تھا۔

"تو نہیں مانے گی۔ رات بڑھتی جا رہی ہے۔ بلا کر لاتی ہوں اللہ یار کو"۔ ماسی تنگ آ کر باہر چلی گئی۔

باہر کوئی نظر نہیں آیا۔ عشی بھی سیکنڈ فلور پر اپنی خواب گاہ میں جا چکا تھا۔ حقیقی معنوں میں پوری کوٹھی کا منتظم وہی تھا۔ اللہ

یار کا تو کچھ پتا نہیں چل سکا البتہ مون کو اس نے پورچ سے لابی کی طرف آتے ضرور دیکھ لیا۔

"سلام علیکم صاحب"۔

"ہوں"۔ اس نے سرسری جواب دیا اور آگے بڑھتا گیا۔

"کھانا کھائیں گے صاحب؟" وہ پیچھے پیچھے چل رہی۔ پوچھنا اس کا فرض تھا۔

"نہیں"۔ مختصر جواب دیا۔

"صاحب۔ آپ سے ایک بات کرنی ہے"۔ ماسی ملتجیانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

مون کے قدم زمین نے پکڑ لیے تھے۔ وہ جہاں تک پہنچا تھا وہیں جم گیا۔ مگر مڑا نہیں۔

"صاحب۔ آپ اللہ یار کو ذرا تو کہیں۔ دن میں بھی جانے کہاں غائب رہتا ہے اور رات کو بھی پتا نہیں کدھر غائب ہو جاتا ہے۔ اب سول اور بانی تو اس کی ذمے داری ہیں۔ اسے ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ بچی جل رہی ہے مگر نہ کچھ کھاتی ہے نہ دوائی لیتی ہے۔ ایک گھنٹے سے اس کی خوشامد کر رہی ہوں"۔ عاجز آئی ماسی کو مون ہی سے کچھ امید ہو چلی۔

"کس کی بات کر رہی ہو؟" وہ کسی دھیان سے چونک کر پھر آگے بڑھنے لگا۔

"سول کی۔ صاحب جی اور کس کی"۔

ماسی اس کی تیز رفتاری کے سبب اپنے بھاری وجود کو اسی حساب سے گھسیٹ رہی تھی۔

"تو۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ اللہ یار کا انتظار کرو"۔ وہ خشک لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"آپ ذرا سا اسے ڈانٹ دیں تو وہ شاید آپ کی مان لے"۔ ماسی نے گویا درخواست کی۔

"میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔ پرابلم کرتی ہے تو اسے اس کے گوٹھ بھجوا دو۔ اور آئندہ نوکروں کی وجہ سے مجھے ڈسٹرب نہ کرنا۔ گوٹھ بھجوا دے۔ ممی کو میں ہینڈل کر لوں گا"۔

"میں۔ صا۔ صاحب۔ وہ"۔ ماسی خود الجھنے لگی۔

"گو۔ پلیز۔ وہ"۔ وہ برہم ہوا اور زینے چڑھنے لگا۔

سنی سیٹی پر کوئی خوبصورت سی دھن گنگناتے کی رنگ جھلاتے بڑی سرمستی میں لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ مگر ایک دم ٹھٹک گیا تھا۔

سر کے نیچے فلور کشن، کھلے ہاتھ میں ریموٹ لیے مون کارپٹ پر دراز تھا اور اسکرین پہ بڑے فاسٹ میوزک میں کوئی انڈین ڈرٹ سانگ چل رہا تھا۔ خاصے عرصے بعد اس نے مون کو ٹی وی کے سامنے یوں براجمان دیکھا تھا۔ بلکہ درحقیقت گھر ہی میں خاصے عرصے بعد وہ ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ مون نے اس کی آمد پر صرف ایک لمحے کے لیے ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹائی تھیں

"ممی کا فون آیا تھا۔ انہوں نے نمبر دیا ہے۔ رنگ کر لینا۔ فون کے پاس ایک چٹ پر لکھا ہے"۔ مون نے آواز آہستہ کر کے اسے اطلاع دی اور دوبارہ آواز بڑھا دی۔

سنی نے ایک لمحے کچھ سوچا پھر مون پر ایک نگاہ غلط انداز ڈال کر زینے کی طرف بڑھ گیا۔

مون نے وی سی آر اسٹاپ کیا اور دوسری کیسٹ لگا دی۔ وی سی آر دوبارہ آن کر دیا۔ اب اسکرین پر رنگ نہیں تھے۔

بلیک اینڈ وائٹ سانگ ڈسپلے ہو رہا تھا۔

میں خفا کار ہوں یا بچھڑ جانے والا
چاند کے مکھڑے پہ بھی داغ ہے کالا کالا
جل کے دل خاک ہوا آنکھ سے رویا نہ گیا

گانا ختم ہوا۔ اس نے ریوائنڈ کر دیا۔ پھر ختم ہوا۔ اس نے پھر ریوائنڈ کر دیا۔ دوبارہ، سہ بارہ۔ پھر ریوائنڈ کرنے لگا تو پیچھے سے کسی کی آواز آئی۔

"یار۔ اسٹاپ اٹ۔ مجھے فون کرنا ہے۔" جانے کب آ کھڑا ہوا تھا وہ۔

اس نے چونک کر سر گھمایا اور وی سی آر آف کر دیا اور ریموٹ وہیں پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

اپنے کمرے کی طرف جانے کی بجائے اس کے قدم لان کی سمت اٹھ رہے تھے۔ ایک انتشار و اضطراب اس کی چال سے مترشح تھا۔

لان میں خاصی دیر چہل قدمی کرنے کے بعد اس نے سرونٹ کوارٹرز کا رخ کیا تھا۔

ڈارک گرے لکڑی کے دروازے پر اس کی دستک بہت آہستہ تھی۔ کئی مرتبہ کی دستک کے بعد دروازہ کھلا تھا۔ سامنے ڈرائیور نیند بھری آنکھوں میں حیرت سموئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"سلام صاحب۔ کہیں جانا ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔ نہیں۔ کہیں نہیں جانا۔ وہ ماسی" ۔ مون الجھا۔

"اچھا اچھا۔ وہ برابر والا دروازہ ہے صاحب۔ دراصل آپ کبھی ادھر آتے ہی نہیں ہیں ناں۔ ٹھہریے۔ میں بلاتا ہوں ماسی کو۔" وہ فدویانہ انداز میں کہہ کر آگے بڑھا اور برابر والے دروازے پر دستک دینے لگا۔

دروازہ دوسری دستک ہی پر کھل گیا تھا۔ ماسی کے انداز سے ظاہر تھا وہ جاگ رہی تھی۔ پہلی نظر ڈرائیور پر اور دوسری مون پر پڑی تو ایک دم گھبرا گئی۔

"صاب۔ آپ۔ خیریت؟"

"ہوں" ۔ اس نے ہنکارا بھرا اور ڈرائیور کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ فوراً مودبانہ انداز میں پلٹ گیا۔

"روٹی کھائی اس نے؟" وہ بے حد آہستہ آواز میں پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔ ابھی بھی اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔" ماسی نے بے چارگی سے جواب دیا۔

"اچھا۔ ہٹو سامنے سے۔" وہ بولا تو ماسی جھٹ ایک طرف ہو گئی۔

مون کی چال بہت آہستہ تھی۔ وہ اندر داخل ہوا تو وہاں کی چارپائی پر سامنے ہی ہستی نظر آ گئی۔ پٹ پٹ آنکھیں کھولے وہ اسی کو آتے دیکھ رہی تھی۔

مون چارپائی کے پاس آ کر ٹھہر گیا۔

"کیوں پریشان کر رہی ہو ماسی کو؟ دوا کیوں نہیں کھائی؟" وہ اس سے نظریں چرا کر مخاطب تھا۔

"ماسی، پہلے اسے کچھ کھلاؤ" ۔ وہ ماسی سے مخاطب ہوا۔

"جی صاب۔ آپ بیٹھیں" ۔ ماسی نے بڑے پرجوش انداز میں موڑھا پیش کیا۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ کچھ لے آؤ اس کے لیے۔" وہ الجھے الجھے انداز میں کہتے ہوئے موڑھے پر

بیٹھ گیا اور کمرے میں نظریں دوڑانے لگا۔

ماسی کے وہاں سے جانے کے بعد ایک پرہول سناٹا ماحول پر طاری ہو گیا۔ وہ نظریں جھکائے اپنے سلیپر کو بغور دیکھ رہا تھا۔ "دیکھو۔ ماسی جو کہے اس کا کہنا مانو۔ میں جلدی تمہیں گوٹھ واپس بھجوا دوں گا۔" بالآخر اس کی آواز نے سکوت توڑا۔ مومل اسی طرح بےخواب پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ اب اس کے بے تاثر چہرے پر خوف کے اثرات بھی نمایاں تھے۔

"ماسی۔ میں جا رہا ہوں۔ اب یہ تمہیں پریشان نہیں کرے گی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"صاب۔ آپ تھوڑی دیر بیٹھ جائیں آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔ اس کا کوئی بھروسہ نہیں" ۔ ماسی جہاں تھی وہیں سے بلبلا کر بولی۔

مون نے ایک غیر ارادی نگاہ اس پر ڈالی اور دوبارہ بیٹھ گیا۔

ماسی ایک پیالے میں چائے اور ڈبل روٹی کے دو سلائس لے کر آ گئی۔

"اٹھ مومل۔" وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ "چل شاباش۔ دیکھ صاب اتنی رات کو بے آرام ہو رہے ہیں تیری وجہ سے۔"

ماسی نے چمکارا۔ مومل پر مطلق اثر نہیں ہوا۔

"دیکھ تو صبح سے بھوکی ہے۔ اب رات کا ایک بج رہا ہے۔ چل اب اٹھ بیٹھ۔"

مومل ٹس سے مس نہ ہوئی۔ مون نے بمشکل نگاہ اٹھائی۔ مگر فوراً جھکا لی۔ اور خاموش رہا۔

"صاب کی بات بھی نہیں سن رہی۔ مائی باپ ہیں یہ ہمارے۔ اٹھ بیٹھ بیٹی۔ یہ لے" ۔ ماسی نے ٹرے اپنے زانوں پر سیٹ کی۔

"اچھا۔ لیٹی رہ۔ میں کھلا دیتی ہوں۔" ماسی ڈبل روٹی چائے میں بھگو کر اس کے منہ کے نزدیک لے گئی۔

مومل نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پرے کر دیا۔ ساتھ ہی ٹرے پہ ہاتھ مارا۔ ٹرے دور جا کر گری۔ ماسی چند ثانیے دم بخود بیٹھی رہی۔ پھر بڑی شرمندگی اور غصے سے مون کی طرف دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پتا نہیں۔ کیا ہو گیا ہے۔ اچھی بھلی تھی کل تک۔ ایک آواز پر دوڑتی تھی۔ جو کہو مانتی تھی۔ آپ تو اسے گوٹھ ہی بھجوا دیں۔ مر جائے گی ورنہ یہ تو۔"

مون خود لب بستہ سا سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں ڈرائیور سے کہتا ہوں۔ کسی طرح اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈال دو۔ باقی ہاسپٹل میں وہ خود سنبھال لیں گے۔"

دروازے پر دستک ہوئی۔ مون نے کتاب الٹ کر رکھتے ہوئے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ دو بج کر کچھ منٹ ہو رہے تھے۔

"کون؟" جانے خوف کہاں سے در آئے تھے۔

"میں ہوں صاحب" ۔ ڈرائیور کی آواز تھی۔

مون جلدی سے دروازے تک آیا۔

"ہوں۔ کیا ہوا؟" وہ دروازہ وا کر کے بہت محتاط انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں صاب۔ وہ ماسی زینب نے کہا تھا کہ آپ کو بتا دوں کہ مومل وہاں بھی بہت تنگ کر رہی ہے۔ اس نے ڈاکٹر کا آلہ (اسٹیتھو اسکوپ) نرس کے منہ پر کھینچ مارا اور جو فائل ہوتی ہے ناں صاحب۔ وہ بھی پھاڑ دی۔ ایک گلاس بھی توڑا۔ بڑی مشکل سے قابو کر کے ایک انجکشن لگایا۔ پھر کہیں جا کے ذرا آرام سے لیٹی ہے۔"

"پھر۔؟ اور کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا۔؟" کیا قیامت تھی ڈرائیور تک سے نگاہ چرا کر بات کرنے کی نوبت آ گئی تھی۔

"مسئلہ تو خیر کیا ہوگا صاحب۔ پرائیویٹ اسپتال ہے۔ بل بنانے کے چکر میں شیر بھی قابو کر سکتے ہیں وہ تو ذرا سی چھوکری ہے۔" ڈرائیور کی آنکھیں نیند سے مغلوب ہو رہی تھیں۔ خاصے بیزار کن انداز میں پرائیویٹ اسپتال کو نشانہ بنایا۔

"آپ کا نام بتا دیا تھا ڈاکٹر صاحب کو۔ میں چلوں صاحب؟" اس نے اجازت چاہی۔

"ہاں۔ ہاں۔ ٹھیک ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔

"عمر پوچھ رہے تھے ڈاکٹر صاحب۔ ماسی بولی تیرہ چودہ سال ہوگی۔ ڈاکٹر بولے پونے ستائیس سال ہوگئی۔ ہی۔ ہی۔" ڈرائیور نے انتہائی بدمزہ ماحول میں اپنی دانست میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ صاحب کچھ زیادہ ہی پریشان نظر آ رہے تھے۔ "بولے لگتی تو نہیں۔ سنا نہیں کی۔ اچھا صاحب السلام وعلیکم۔" اس نے موں کے انداز میں کوئی تبدیلی نہ پا کر جانے میں عافیت سمجھی۔ موں نے فوراً دروازہ بند کر لیا۔ خزانے کی موجودگی کے احساس کے ساتھ دھڑکے بھی شروع ہوتے ہیں۔ چوری ڈاکے کے خوف بھی ستاتے ہیں۔

ابھی تو ادھر خزانے کی موجودگی کا ٹھیک ٹھیک شعور بھی نہیں تھا اور خزانہ خالی ہو گیا تھا۔ چونکہ خزانے کا احساس نہیں تھا اس لیے دکھ کسی ڈاکے پر نہیں تھا۔ دکھ اور صدمہ اس آواز پر تھا کہ کچھ اچھا نہیں ہوا۔ بے بسی کے احساس سے بس یہ احساس ہوا کہ وہ کچھ ہار رہی ہے۔ مگر نہ۔ وہ حیرت سے پتھر نہ ہوئی بلکہ بہت روتی۔ ایسا بین کرتی کہ دیواریں پسیج جاتیں۔ کتنی ہی بزدل ہوتی۔ ایک دفعہ صاحب کی طرف دیکھ کر نفرت سے تھوکتی ضرور۔

ابھی تو بادام کے پیڑ تلے مٹی کے گھروندے بنا کر کھیلنے والی کھیاں رات تک رہی تھی۔ سنی کی وحشت سے اسے ڈر ضرور لگا تھا مگر اس ڈر کے معنی اس پر کھلے نہیں تھے۔ اگر اس ڈر کے معنی اس پر کھل جاتے تو وہ دوسرے کمرے میں بے خوف ہو کر کیسے سو جاتی؟

موں اس کی موجودہ کیفیت کا تجزیہ کر سکتا تھا اور کر رہا تھا۔

اب وہ سو نہیں سکتا تھا۔ اب اسے سونے کے لیے نیند کی گولیوں کی ضرورت تھی یا بے حسی کی۔ مستقل قسم بے حسی کی۔ مگر دست اسے دونوں میں سے ایک بھی میسر نہیں تھی۔

اس نے سوچا تھا کہ وہ آج وقت سے بہت پہلے نکل کھڑی ہوگی بلکہ روزانہ یہ معمول بنا لے گی کہ وقت سے بہت پہلے نکلا کرے گی اور اسکول سے دیر سے نکلا کرے گی۔ چند دنوں بعد وہ خود ہی انتظار سے تھک جائے گا اور نئی دلچسپی تلاش کر لے گا۔ اس قسم کے لوگ یہی کیا کرتے ہیں۔ اس دوران میں ممکن ہے اس کی شادی کا مسئلہ حل ہو جائے اور عارفہ سے ایک دو ماہ قبل گھر بیٹھنے کو کہہ دیں اور جب تک یہ مرحلہ طے نہیں ہو جاتا کم از کم ایک ماہ تو مزید تنخواہ لے لے۔ عارفہ تمسہ سے کہہ رہی چکی تھیں کہ وہ امتحانوں کے بعد گھر پر بچوں کو پڑھانا شروع کر دے کیونکہ وہ جلدی ماہ نور کی شادی کا ارادہ رکھتی ہیں۔ مزید یہ کہ وہ بھی تمسہ کا ہاتھ بٹا دیا کریں گی۔

پیش بندی کے طور پر وہ عارفہ کو بتا چکی تھی کہ مسسز کی وجہ سے آج کل اسکول میں بہت کام ہے۔ وہ جلدی جایا کرے گی اور دیر سے آیا کرے گی۔ اس نے دو چار نوالے لے کر بڑے نام کا ناشتا کیا۔ نظریں مستقل گھڑی پر تھیں۔ وہ آدھ گھنٹہ قبل نکل جانا چاہتی تھی۔

بہت تیز رفتاری معمول سے ہٹ کر تھی۔ اچھا خاصہ راستہ طے ہو گیا تھا اسکول سامنے آ چکا تھا۔ یہ مرحلہ تو بالآخر طے ہوا سکون سے۔ اس نے اطمینان کا سانس بھر کر سانس جہاں تھا وہیں رک گیا تھا۔

زن سے ہی۔ ڈی سیونٹی اس کے قریب راہ روکنے والے بھرپور انداز میں آ کر رکی تھی۔

"کل جس گاڑی میں آپ تھیں۔ اس کا نمبر BJ 003 ہے۔ سرکاری گاڑی ہے سرکاری افسر کی بظاہر موصوف کا نام ہے۔ اچھے نیک نام آفیسر ہیں۔ آپ کے ماموں موصوف کی ہونہار اولاد ہیں۔ پرسنالٹی بھی اچھی ہے۔ وہ آپ کے کزن ہیں میری خواہش ہے وہ قیامت تک صرف آپ کے کزن ہی رہیں۔ آپ کو تو ہوا بھی چھوتی ہے تو رقیب محسوس ہوتی ہے۔ آپ بہت احتیاط کیجیے گا۔ اچھے کزن بھی قسمت سے ملتے ہیں۔ جیسے آپ ہمیں قسمت سے ملی ہیں۔ ہماری والدہ محترمہ عنقریب آپ کے ہاں آنے والی ہیں۔ اس مرتبہ وہ خالی ہاتھ نہیں ہوں گی۔ بہت شاندار ڈائمنڈ کی انگوٹھی ساتھ لائیں گی۔ اسے آرام سے پہن لیجیے گا کبھی اتاریے گا نہیں۔"

ماہ نور کی حیرت اب اشتعال میں تبدیل ہو رہی تھی۔ تہ زبانوں میں جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔ جی چاہتا تھا آگے بڑھ کے اس کے گلاسز اتار دے اور چہرا کھسوٹ ڈالے اور اس بری طرح مسخ کر دے کہ وہ خود کو نہ پہچان سکے۔ مگر اسے مظاہر کی نصیحتیں فون نمبر سمیت یاد آنے لگیں۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔ اور بلا ارادہ اس کی طرف دیکھا۔ وہ گلاسز کے اوپر سے بڑے شوخ انداز میں اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔ بلا کی دلچسپی نظروں سے ہویدا تھی۔

"ٹھیک ہے۔ اس ایک نگاہ کے لیے۔ آپ کو بھلا اس کی دلچسپی کا کیا اندازہ شاعروں کی سنگدل محبوبہ والے سارے گن ہیں آپ میں۔" اس مرتبہ اس کی آواز سرگوشی کا انداز لیے ہوئے تھی۔ بے بسی اور حیا سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"ارے لعن طعن ہی کر دیا کریں۔ اسی بہانے آپ کی خوبصورت آواز تو سنیں۔"

ماہ نور کنی کترا کر بڑھنے لگی۔

اس نے بائیک پیچھے کی طرف دھکیل کر پھر اس کا راستہ بلاک کیا۔

"کسی ایک بات کا تو جواب دیجیے۔ اس دن کی طرح برس ہی جایئے۔" وہ شاید کل کا منظر دیکھ کر آپے میں نہیں رہا تھا اتنا تنگ تو کبھی بھی نہیں کیا تھا۔

ماہ نور نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے مبادا کچھ منہ سے نکل ہی جائے۔ اس لیے کہ برداشت جواب دیتی لگ رہی تھی۔ وہ پھر ایک طرف سے آگے بڑھی۔ اس مرتبہ وہ سامنے سے گزرنے لگی تھی۔

پاشا نے بائیک دھکیل کر آگے کر دی۔

ماہ نور نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے دو قطرے ٹپک گئے۔ ایک تو وہ اسے اس مقام پر روکتا تھا جو عموماً سنسان ہوتا تھا۔

اس نے اپنے رخسار ہاتھ سے صاف کیے۔ مگر ضد اس کے اندر بھی اس بلا کی آ گئی تھی کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ اپنی آواز اس کی سماعت تک نہیں پہنچائے گی۔

"آپ کے پاس جو کچھ ہے وہ میری امانت ہے۔ شادی کے بعد تو صرف آپ مجھ سے بات کیا کریں گی۔ میں تو یوں بھی بہت مصروف بندہ ہوں۔ ہلکو ہوں۔ آپ راستہ روک روک کر باتیں کیا کریں گی۔ بہت انتظار ہے اس خوبصورت آواز میں پیار و باتوں کا۔"

اس نے چابی گھما کر کک لگائی اور یہ جا وہ جا۔

ماہ نور نے چادر سے چہرا پونچھا اور اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ وہ دو ادھیڑ عمر مرد اس کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ پاشا نے

غالباً نوٹ کر لیا تھا کہ وہ اسی طرف آ رہے ہیں۔

"کیا بات ہے بچی۔ تنگ کر رہا تھا۔ ہم خاصی دور سے دیکھ رہے تھے۔ ہمیں یوں اندازہ ہوا کہ آپ آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں اور وہ آپ کو آگے بڑھنے نہیں دے رہا تھا"۔

"وقت بہت خراب ہے۔ آپ کسی کو ساتھ لے کر نکلا کریں۔ بھائی وغیرہ نہیں ہیں آپ کے؟" ان میں سے ایک نے دریافت کیا۔

اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ اسے بے اختیار رونا آ رہا تھا۔

"اور آپ کے والد؟ آپ ان سے کہیں کہ وہ آپ کو پہنچایا کریں۔ یہ شخص شاید آپ نہیں جانتیں اچھی شہرت نہیں رکھتا۔ بہت پیسے اور اثر و رسوخ والا ہے۔ سمجھتا ہے ساری دنیا اس کی جیب میں ہے"

"کہاں کام کرتی ہیں آپ؟" دوسرے شخص نے سوال کیا۔

"یہ سامنے اسکول میں پڑھاتی ہوں" اس نے اشک پیتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہو، اچھا، اچھا، بتائیے لوگ ٹیچر کو نہیں بخشتے کیا احترام ہوتا تھا کسی زمانے میں استاد کا۔ غیر متعلق لوگ بھی بے حد احترام کرتے تھے"۔ ان میں سے ایک نے جو نسبتاً زیادہ عمر کا تھا بہت تاسف سے کہا۔

"جاؤ بیٹی۔ اور اکیلی مت آیا جایا کرو۔ عموماً کوئی بھی اس سے الجھنا پسند نہیں کرے گا۔ سب کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے۔" وہ مزید گویا ہوا اور دونوں دوبارہ اسی سمت پلٹ گئے جہاں سے آئے تھے۔

ماہ نور آفس میں داخل ہوئی تو اس کا چہرا اسنسار ہا تھا۔ آج وہ پی فون اور ماسی۔ کے بعد اسکول میں آنے والی تیسری تھی۔ اس نے فوراً پنکھے چلا رہے تھے۔

جی چاہ رہا تھا فوراً مظاہر کو فون کر کے تازہ ترین حالات سے مطلع کرے۔ اس نے کلرک کی طرف دیکھا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ مظاہر نے نو (9) بجے سے کچھ پہلے ہی آفس پہنچتے تھے زیادہ تر بھی کبھی انہیں جلدی جانا ہوتا تھا۔ یہ وہ اسے بتا چکے تھے۔

اسے انتظار کی اذیت سے بہر طور گزرنا تھا۔

خاصی دیر وہ آنکھیں موندے کرسی کی ٹیک سے ٹیک لگائے خالی الذہن بیٹھی رہی۔ بجلی کے کوندے کی طرح اس کی آنکھیں اس کے حواس پر بار بار لپک رہی تھیں۔

اسکول میں بچوں اور ٹیچرز کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ بے سر و پا تبسم کا شور ہو رہا تھا۔

ٹیچرز سلام دعا، کھلکھلاہاں کرتی آفس میں داخل ہو رہی تھیں۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئی اور مسکرا مسکرا کر وش کرنے لگی۔

"غالباً حاکم وقت نے کسی انعام کا اعلان کیا ہے کہ جو شہر میں سب سے پہلے داخل ہوگا وہی شہزادی کے سوال کا جواب دے گا۔ مگر پھر بھی شہزادی کی شادی کا مسئلہ تو جوں کا توں رہے گا کیونکہ یہ تو خود شہزادی ہیں۔ صرف انعام ہی مل پائے گا۔

ماسی بتا رہی تھی کہ اسکول کا تالا کھلتے ہی آج سب سے پہلے مس ماہ نور داخل ہوئی تھیں۔

"خیریت؟" صبا صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

"ہوں۔ خیریت ہی ہے۔ شاید میری گھڑی آگے چل رہی ہے"۔ اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"مگر اتنی صبح زندگی تمہارے چہرے پر تحکارت ہے؟۔ پھر ایک بجے دوپہر تمہاری تصویر کیسی ہو گی؟" وہ خود ایک دم ہنس دی تھی۔

"اچھا؟" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

"آج پھر محسوس ہو رہا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟ کوئی گڑبڑ ہے؟" صبا اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی میں پوچھ رہی تھی۔

"ارے نہیں۔ بس۔ تم فکرمند مت ہو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ بہت جبر کر کے بھرپور مسکرانے کی کوشش کرنے لگی۔

"بتانا نہیں چاہتیں تو وہ دوسری بات ہے۔ مگر کچھ ہے ضرور خیر ہم بھی ہاتھ دھو کر پیچھے نہیں پڑیں گے۔ اب ذرا اٹھ کھڑی ہو۔ اسمبلی ہو رہی ہے۔ چلو اب"

"صبا۔ ایک منٹ۔" اس نے صبا کو روک لیا اور آفس سے ٹیچرز کے نکلنے کا انتظار کرنے لگی۔

صبا سوالیہ انداز میں اس کا چہرا پڑھ رہی تھی۔

چند منٹوں بعد آفس میں بس وہ دونوں رہ گئیں۔

"وہ تمہارا گھر تو اسکول کے بالکل پیچھے ہی ہے ناں۔ مجھے پرائیویسی میں ایک ضروری فون کرنا ہے۔ ریسس میں چلو گی ذرا۔ پرنسپل کے آفس میں بات ٹھیک سے ہو نہیں پائے گی۔"

"اُفوہ۔ اتنا تکلف۔ حد ہو گئی۔ مگر یہ تو بتاؤ پرائیویسی میں بات کس سے ہو گی؟" وہ شرارت سے آنکھیں نچا رہی تھی۔

"کیا ابھی سے۔ پرپوزل منظور کر لیا گیا ان کا"۔ وہ تنگ کرنے لگی۔

"ارے نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس ایک پرابلم ہے"۔ وہ ہونٹ بھینچ کر آنسو پینے لگی۔

"ارے۔ رے۔ رے تم تو رونے لگیں۔ اسٹوپڈ۔ کسی کو اپنا سمجھو تو پرابلم شیئر کی جا سکتی ہے۔ مگر تم تو کسی کو اس قابل سمجھتی ہی نہیں ہو۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"اچھا اب آنسو صاف کرو۔ لے چلوں گی میں تمہیں اپنے گھر ریسس میں۔ یہ بھی کوئی مسئلہ ہے؟" وہ اس کے آنسو دیکھ بہت فکرمند نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ساڑھے دس بجے ریسس کی بیل رنگ ہوئی اور وہ تو جیسے نشان پر پاؤں جمائے کھڑی تھی۔ بیس منٹ کی ریسس میں آنا جانا بھی تھا اور بات بھی کرنا تھی۔ صبا شاید اس سے زیادہ بے چین تھی۔ وہ برآمدے میں اس کی منتظر تھی۔ پرنسپل سے وہ صبح ہی پرمیشن لے چکی تھیں۔

تیز تیز چلتی وہ گھر تک پہنچی تھیں۔ صبا کی امی اور دادی نے آداب میزبانی کا سلسلہ شروع کیا تو اس نے بے بسی سے صبا کی طرف دیکھا۔

"امی۔ ہم ایک ضروری فون کرنے آئے ہیں۔ بہت جلدی ہے۔ میں پھر کسی دن اسے گھر لاؤں گی۔ ماہ نور۔ تم ادھر آ جاؤ۔ یہ امی کا بیڈ روم ہے۔ دروازہ بند کر کے آرام سے بات کر لو۔ میں تمہارے لیے کوئی امیر جنسی اسکواش لاتی ہوں" وہ باقاعدہ اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ روم میں چھوڑ گئی۔ اور فون سیٹ کی نشان دہی اشارے سے کی اور باہر نکل گئی۔

ماہ نور نے پرس سے مظاہر کا کارڈ نکالا اور نمبر ملانے لگی۔

دوسری طرف آپریٹر نے اٹھایا تھا اور مظاہر کا نام سن کر ہولڈ کرنے کو کہا تھا۔ وہ بہت بھرے انداز میں دھڑکی دھڑکن سن رہی تھی۔ ایک ایک لمحہ اسے بھاری تھا۔

تھوڑی دیر میں مظاہر کی آواز ائرپیس میں ابھری تھی۔

"ہیلو"۔ گمبھیر مدھم اور مکلف۔

"اسلام علیکم۔ میں ماہ نور بات کر رہی ہوں مظاہر بھائی"۔

"وسلام۔ ٹھیک ہو؟" وہاں اب لہجہ بہت جھکا ہوا تھا۔

"جی۔ وہ۔ بات یہ ہے۔ آج اس نے مجھے ہمیشہ سے زیادہ پریشان کیا۔ آپ کی گاڑی کا نمبر آپ کا نام، آپ کا آفس، سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ یہاں تک کہ آپ میرے ماموں زاد ہیں اور مظاہر بھائی دھمکیاں بھی دے رہا تھا کہ خدانخواستہ وہ آپ کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے"۔ وہ جلدی جلدی بتا رہی تھی۔

"پگلی۔ بہت بزدل ہوتے ہیں اس طرح کے لوگ۔ قطعی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں"۔ وہ بہت اطمینان سے کہہ رہے تھے۔

"پریشان کیسے نہ ہوں۔ بہت بدتمیز آدمی ہے۔ آپ کو کیا پتا"۔ وہ بہت کچھ بہرحال ان کو نہیں بتا یا سمجھا سکی تھی۔

"فون کہاں سے کر رہی ہو؟"

"اپنی کولیگ کے گھر سے۔ اسکول کے پیچھے ہی گھر ہے"۔ اسے یہ سوال انتہائی غیر ضروری لگا۔

"اسکول سے کیوں نہیں کیا؟"

"وہاں اس طرح کی گفتگو نہیں کی جا سکتی، سمجھیں ناں آپ"۔ وہ جھلا گئی کہ یہ کیا باتیں لے کے بیٹھ گئے۔

"ہوں۔ دیکھو میری بات غور سے سنو۔ تمہاری شکل پہ لکھا ہے کہ تم بہت کم ہمت ہو۔ وہ بس اس لیے ڈرا رہا ہے۔ کوئی ضرورت نہیں ڈرنے کی۔"

"مجھے واقعی ڈر لگ رہا ہے" وہ جلدی سے بولی۔ "آپ نے اس کی عجیب عجیب باتیں نہیں سنیں ناں آپ۔"

"مثلاً۔ کیا باتیں کرتا ہے؟" مظاہر نے اس کی بے دھڑک روانی کے آگے بند باندھا۔

اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ مسکرا رہے ہوں۔ معنی خیز انداز میں۔ حیا سے اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ نظریں یوں جھک گئیں جیسے وہ سامنے بیٹھے ہوں۔

"میری جان سولی پہ ٹنگی ہے۔ کیا فائدہ سب کچھ آپ کو بتانے کا۔ آپ کو تو کچھ احساس ہی نہیں ہے"۔ اس کی آواز بھرانے لگی۔

"ایسی بات نہیں ہے ماہ نور! تم جتنا ڈیپ لے رہی ہو ایسا نہیں ہے۔ ان لوگوں کے اس طرح کے بہت سے مشغلے ہوتے ہیں۔"

"آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ اس کی والدہ ہمارے گھر آ چکی ہیں پروپوزل لے کر"۔ اس کا دل مظاہر سے بدگمان ہونے لگا کہ جیسے وہ اس کی مدد کرنا ہی نہیں چاہ رہے ہوں۔

"ہاں تو اصل صورت حال تو انکار کے بعد سامنے آئے گی۔ میں کانشس ہوں۔ تم اتنی فکر مند کیوں ہو رہی ہو؟۔ جب بات کی ہے تو بھروسا بھی کرو۔ ایزی ماہ نور"۔ وہ اس کی ناپختگی کے مقابل بہت مجبور تھے۔ اسے فوراً احساس ہو گیا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ فائل کر لیں۔ یہ آج کی رپورٹ تھی۔ وہ خاصی بشاشت سے گویا ہوئی۔ کوئی وزن سا تھا جو سرک گیا تھا

"تو کیا ڈیلی رپورٹنگ کرو گی؟" وہ بھی بہت ہلکے پھلکے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

"اللہ نہ کرے کہ پھر اس سے روز سامنا ہو"۔ وہ بے ساختہ کہہ اٹھی تھی۔

❁

ناگواری اس کے لہجے سے آشکار تھی۔

"آمین، اور کچھ؟" مظاہر پوچھ رہے تھے۔

"جی۔ بس شکریہ۔ اللہ حافظ"۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ صبح کا واقعہ ایک آسیب کی طرح اس پر محیط تھا۔ سیاہ گلاسز کے اوپر سے جھانکتی اس کی نڈر اور بے خوف نگاہیں اس کے حافظے سے محو نہیں ہو رہی تھیں۔ اس پر سے مظاہر کا پرسکون انداز اس کا تو خیال تھا جب وہ یہ سب کچھ مظاہر کو بتائے گی تو وہ سناٹے میں رہ جائیں گے۔ پھر اسے سیکیورٹی کے متعدد طریقے سمجھائیں گے۔ مگر؟

وہ نڈھال سے انداز میں کمرے سے باہر آ گئی۔ لاؤنج میں صبا اپنی امی کے ساتھ اس کی منتظر تھی۔ اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اٹھی اور میز سے اسکواش کا ایک گلاس اٹھا کر فوراً پیش کیا۔

"ہو گئی بات؟" وہ بات برائے بات کے انداز میں گویا ہوئی۔

"ہوں"۔ وہ اسی طرح تھکے تھکے لہجے سے بولی۔

"بیٹھو تو جاؤ"۔ وہ شکن منت لب ہو گئے تو کیا تھوڑی سی ڈانٹ ہی پڑ جائے گی اس سے زیادہ کیا ہوگا"۔ وہ اسے پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کتنے بہن بھائی ہو؟" صبا کی امی اس کے حسین چہرے اور معمولی لباس کا بخوبی جائزہ لے چکی تھیں۔

"بس ہم دو بہنیں ہیں۔ دوسری بہن مجھ سے چھوٹی ہے"۔ اس نے اسکواش کا گھونٹ بھرتے ہوئے جواب دیا اور ساتھ ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔

"تمہارے والد کیا کام کرتے ہیں؟" انہوں نے اگلا سوال کیا۔

"پچھلے سال ریٹائر ہو گئے تھے۔ گورنمنٹ ہائی اسکول میں ٹیچر تھے۔ اب کچھ نہیں کرتے بلکہ ہم انہیں کچھ کرنے نہیں دیتے۔ طبیعت ٹھیک نہیں رہتی ان کی۔ پھیپھڑوں میں پانی کا عارضہ ہے"۔

"اوہ"۔ انہوں نے ایک مرتبہ پھر اس کا تفصیل سے جائزہ لیا۔

"باقی انٹرویو پھر کر لیجیے گا کسی دن میں چھٹی کے بعد اپنے ساتھ لے آؤں گی۔ وہ پہ کا کھانا بھی ہوگا اور انٹرویو بھی۔ ٹھیک ہے ماہ نور؟" صبا گلاس رکھ کر عجلت بھرے انداز میں کھڑی ہو گئی۔

"ہوں۔" اس نے بھی وقت کے تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہنکارا بھرا۔

"پڑھے لکھے باپ نے اپنی ساری قابلیت کا مظاہرہ تمہارا نام رکھتے ہوئے کر دیا"۔ صبا کی امی ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے بہت شفیق انداز میں مسکرا کر کہہ رہی تھیں۔

ماہ نور جواب میں صرف ایک شرمگیں مسکراہٹ ہی پیش کر سکی تھی۔

چھٹی کی بیل سنتے ہی گویا دل ہی بیٹھ گیا۔ اتنا کچھ کرنے کے بعد مظاہر کی تعاون کرنے والی یقین دہانیوں کے باوجود اسے کسی طرح چین نہیں تھا اور پھر آج صبح تو حد ہی ہو گئی تھی۔ طرح طرح کے وہم ستا رہے تھے۔

ایسا نہ ہو وہ گھر میں قدم رکھے اور سامنے اس کی اماں دانشمند کی اکلوتی بے منتظر بیٹھی ہوں۔ اس خیال کے آتے ہی اس

کی حالت غیر ہونے لگی۔

چھٹی کے بعد کا مخصوص شور آہستہ آہستہ مدھم پڑنے لگا۔ صبا بھی خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔ پی اون آنے جانے اسے بڑے سوالیہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔

پرس سینے سے لگائے سیاہ چادر میں لپٹی منتظر سی مانور اس کے ذہن میں سوال پیدا کر رہی تھی۔ کسی تصویر کی طرح ساکت مگر پرتاثر۔

"آپ کو کوئی لینے آئے گا؟" آخرکار پی اون سے رہا نہ گیا۔

"کک۔ کون۔ کون آئے گا؟" وہ چونک کر بدحواس سی پوچھ رہی تھی۔

"سب جا چکے ہیں۔ میں سمجھا آپ کسی کا انتظار کر رہی ہیں؟" پی اون بہت مودب انداز میں کہہ رہا تھا۔

"میں کس کا انتظار کروں گی"۔ وہ میں دراصل کہیں ٹیسٹ کی کاپیاں رکھ کر بھول گئی ہوں۔ لاکر میں بھی نہیں ہیں۔ خیر صبح دیکھ لوں گی۔" وہ اپنی الجھن چھپا کر بڑے سکون سے مسکرائی۔ "اچھا بابا۔ خدا حافظ۔"

گیٹ سے باہر قدم رکھتے ہی اس نے چوکنے انداز میں دائیں بائیں اور سامنے دیکھا۔ حالانکہ اس طرح وہ اسے کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ وہ تو کسی کونے سے اچانک سامنے آجاتا تھا۔ گرمیوں کی دوپہروں میں گھروں میں خاموشی بولتی ہے۔ تپتی جلتی گلیوں میں سڑکوں پر رونق کیونکر ہوتی۔

کتنے بے حس ہیں مظاہر بھائی۔ کیا گاڑی کا انتظام نہیں کر سکتے تھے۔ ڈرائیور بھی رکھتے ہیں۔ کیا انہیں اندازہ نہیں ہوا ہوگا کہ میں ؟؟؟... مگر یہ بڑی فطری سی بات ہے۔ بے بسی میں انسان کو دوسروں کی وہ کوتاہیاں بھی یاد آنے لگتی ہیں۔ جنہیں عام حالات میں وہ سوچنا بھی پسند نہیں کرتا۔

لیکن اتنے ذرا سے فاصلے کے لیے انہیں گاڑی بھیجنے کا دھیان آ بھی کیسے سکتا تھا؟ اب وہ زبانی بدتمیزی ہی تو کر سکتا ہے۔ سالم نگلنے سے تو رہا۔ وہ اسی ادھیڑبن میں خاصا فاصلہ طے کر چکی تھی۔ گھر قریب ہی آچکا تھا کہ وہ خوف سے بے ہوش ہونے ہونے بچی۔ وہی اس روز والی سیاہ چم چم کرتی کار بالکل اس کے قریب آکر رکی بلکہ اس طرح روکی گئی کہ وہ دائیں بائیں کہیں سے فوراً آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔ گلی کے دونوں اطراف مکانات بنے ہوئے تھے۔ سڑک خاص کشادہ نہیں تھی۔

"آج شام نیاز ہے گا۔ ہماری اماں اور بہنیں پہنچ رہی ہیں۔ بس یہی یاد دہانی کرانا تھی اور خیریت سے ہیں آپ۔ کیوں ڈرتی ہیں آپ مجھ سے اتنا؟ حالانکہ ڈرتے ہوئے آپ اور زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے ایک روز آپ کو اتنا ڈراؤں کہ ڈر کے مارے آپ بے ہوش ہو جائیں۔ اس وقت تو آپ اور زیادہ اچھی لگیں گی۔ اتنی کہ میرا ذاتی تو ازن بھی بگڑ سکتا ہے۔ ڈٹ بو گڈ لک"۔

اس نے گاڑی زن سے آگے بڑھا دی تھی۔

دکھ، خوف، احساس توہین سے چند قطرے آنکھوں سے پھسل کر رخساروں پر ڈھلک آئے تھے جو اس نے فوراً چادر سے پونچھ ڈالے تھے۔

"کون کہتا ہے اس کی ماں بھلی عورت ہے۔ بھلی عورت ہوتی تو کبھی ہمارے دروازے تک نہ آتی۔ سبحان اللہ بہنیں بھی آئیں گی۔ اللہ مجھے ہمت دے۔ ان سے نمٹوں گی میں اچھی طرح۔ اس نے دکھ اور خوف کے احساس سے جان چھڑانے کے لیے آگے کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔

گھر میں داخل ہوئی تو وہی روزانہ کا ماحول تھا۔ ابا جان مسجد گئے ہوئے تھے۔ عارفہ کچن میں تھیں اور یہ شور اسی ھنڈ... دوپہر کے کھانے کا انتظام ہو رہا تھا۔ شمسہ ابھی کالج سے نہیں لوٹی تھی۔ وہ سلام کر کے کمرے میں چلی آئی۔ گھر میں داخل ہوتے ہوئے روزانہ کتنا سکون محسوس ہوتا تھا۔ کہ اب نماز اور کھانے کے بعد عصر تک صرف سونا ہے۔ سو کر اٹھنے کے بعد خود کو کتنا فریش محسوس کرتی تھی۔ پھر رات گئے تک کاپیوں میں سر کھپانا بھی بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ مگر اب تو سکون کا احساس ہی رخصت ہو گیا تھا۔

آنے والی شام کے خیال سے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔

نوکروں میں ایک کانا پھوسی جاری تھی۔ آج مون صاحب گھر پر تھے وہ اس طرح سے کہ دوپہر ہونے کو آئی تھی مگر بیڈ روم کا دروازہ ایک مرتبہ بھی نہیں کھلا تھا۔ نہ ناشتے کے لیے نہ لنچ کے لیے۔ حتیٰ کہ ایک پیالی چائے کی آواز بھی نہیں آئی تھی۔ غالب خیال یہی تھا کہ صاحب کی طبیعت شاید ٹھیک نہیں۔ سب ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ کسی کو دستک دے کر خیریت معلوم کر لینی چاہیے۔ مگر ان میں سے کسی کو ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اگرچہ ماسی نے بتا دیا تھا کہ ہوٹل کی وجہ سے صاحب دیر سے سوئے تھے۔ شاید اس لیے سو رہے ہیں۔ مگر نوکر حیرت سے یہ سوچ رہے تھے کہ دوپہر ڈھلنے کو آئی اب تک نیند پوری نہیں ہوئی۔

آخر شمسی ہی نے ہمت کی اور دروازے پر دستک دے ڈالی۔

"کون؟" مون کی مضمحل آواز آئی۔

"صاحب۔ میں ہوں۔ شمسی۔ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" وہ مودبانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔ ماسی کو بھیجو میرے روم میں"۔ اس کی تھکی تھکی آواز میں تحکم تھا۔

"او کے صاحب"۔ شمسی پلٹ گیا اور ماسی کو پیغام پہنچا دیا۔ ماسی تو خود فکرمند تھی۔ حکم سنتے ہی جھٹ پٹ دوڑی۔ دروازے پر دستک دے کر جواب کا انتظار کیے بغیر بولی۔

"صاحب! میں ہوں زینب"۔

"آجاؤ ماسی۔ دروازہ کھلا ہے"۔

مون کی دھیمی اور بھاری آواز ماسی نے سنی۔ فوراً ہینڈل گھمایا اور دروازہ وا کر کے اندر جھانکا۔

"کیسی طبیعت ہے صاحب"۔

"ٹھیک ہوں۔ کوئی فون تو نہیں آیا میرا؟" وہ اس سے نگاہ چرا کر پوچھ رہا تھا۔

"پتا نہیں کتنے فون آچکے ہیں۔ شمسی نے اور اللہ یار نے سنے تھے۔ ان کو پتا ہوگا کس کس کے تھے؟" ماسی دہلیز دروازے میں رک کر جواب دے رہی تھی۔

"ان کے پاس کون ہے۔ تم کیوں آگئیں اس کو وہاں چھوڑ کر۔ کیسی طبیعت ہے اس کی"۔

ماسی نے نگاہ اٹھا کر مون کا چہرہ دیکھا۔ سرخ بے خواب آنکھیں، بڑھی ہوئی شیو کی رخساروں پر سیاہی۔ سلکی نائٹ ڈریس... کالا نٹ براؤن ملبوس۔ ایسا حلیہ تو اس نے صاحب کا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہمیشہ کمرے سے تیار ہو کر باہر آتے تھے۔ اس طرح سے کہ دیکھنے والے کی اپنی نگاہ میں تازگی اتر آتی تھی۔

"... ادھر بیگم صاحبہ بھی تھیں تبھی تو ناں صاحب۔ پھر ان کا کچھ پتا نہیں کہ کب ذہن آجائیں۔ میں نے ذرا دیر پہلے کہہ دیا تھا کہ شام تک کے لیے اپنی عورت کو بھیج دے۔ اتنے میں ادھر کے کام نمٹا لوں۔ ویسے تو وہ سو رہی تھی۔ نیند کے انجکشن لگائے

تھے ڈاکٹر نے۔ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ کسی صدمے سے اس کے دماغ پر اثر ہو گیا ہے۔ بھلا اس کی عمر ہے صدمے کی؟ ہو سکتا ہے اپنے ماں باپ کو یاد کرتی ہو۔ آپ کے لیے چائے لاؤں صاحب؟" وہ بولتے بولتے جیسے کسی دھیان سے چونکی۔

مون بستر سے اتر کر آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا اور اپنی بڑھی ہوئی شیو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

"صاحب۔ آپ ڈاکٹر صاحب کو ٹیلی فون کر دیجئے گا۔ ذرا ان پر اثر پڑے گا۔ ذرا دھیان سے اس کا علاج کریں گے۔ نوکر چاکر لوگوں کا آج کل کون خیال کرتا ہے۔" وہ یہ کہتے ہوئے پلٹ گئی۔

مون نے اپنی آنکھوں کی سرخی ذرا غور سے پڑھی۔

اسے احساس ہوا کہ بسا اوقات خود سے آنکھ ملانا بھی کتنا بڑا مرحلہ ہوتا ہے۔

"ہاں تو جمال بھائی وہاں آپ کے پڑھنے کے بارے ہوتے تھے۔ جن میں آپ جھولے ڈال کر اپنے دوستوں کے ساتھ پینگیں لیتے تھے۔

"لاحول ولاقوۃ"۔ جمال تو باقاعدہ خوفزدہ ہو کر دیبا کی شکل دیکھنے لگا۔ جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو رہا ہو۔

"تو پھر اور کیا قصے سنائیں گے وہاں کے۔ جو اظہار بھائی کہہ رہے تھے۔ وہاں کے قصے سنانے جیسے ان دنوں وہاں کے قصے سننے کو نہیں ملتے۔ سب جانتے ہیں وہاں کے قصے۔ کبھی اخباروں میں تصویریں دیکھتے ہیں کہ ڈیپ کمار صاحب مسلمانوں کی بستی میں روٹیاں تقسیم کر رہے ہیں۔ کبھی خبر ملتی ہے کہ وہاں مسجد شہید کر کے مندر بنایا جا رہا ہے کہ ان کے کسی بڑے کو بکھری ہوئی تھال سے کھیر ڈکارتے ہوئے الہام ہو گیا تھا کہ پچھلے وقتوں میں یہاں کوئی مندر تھا"۔

دیبا نے تلخ حقائق بیان کر کے محفل کا مزا کرکرا کر دیا۔ جمال یوں خجل سا ہو گیا جیسے ان سب واقعات میں اس کا اپنا ہاتھ ہو۔

"سیدھے سیدھے مسلمانوں کی حالت زار دیکھنے جاتا کہ ہم سب تھوڑا رو لیں۔"

"جب بولے گی۔ بے موقع اور بے تکا۔" بڑی اماں فاصلے پر بچھے تخت پر دوڑاتی تسبیح کی گردش تمام کر کے اسے ڈانٹنے لگیں۔ "لو بتاؤ بچے اپنی باتیں بھی نہ کریں۔

"تو بڑی اماں۔ بچے اپنی باتیں تو کر رہے ہیں مجھ سمیت"۔ اس نے فوراً جواب دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں لونڈوں لپاڑوں کی بیٹھک میں کودنے کی۔ جب یہ بیٹھا کریں تو تم باورچی خانے میں کام کیا کرو۔ زیادہ پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم باز نہ آئیں تو تمہارے بھائیوں کی ایک نہیں چلنے دوں گی۔ تمہارے ہاتھ پیلے کر دوں گی"۔

"آپ ہاتھ پیلے کریں گی بڑی اماں اور بیوٹی پارلر والیاں منہ لال کر دیں گی۔ میرا مطلب ہے جب آپ سے نکاح کا جوڑا گرین منگوا دیجئے گا۔ والز (WALLS) والوں کی سولہ روپے والی آئس کریم سے لگی ہماری دیبا"۔ مظہر کو بڑا سنہری موقع ہاتھ لگا

"گولے گنڈے میں بھی کئی رنگ ہوتے ہیں؟" اظہار نے دریافت کیا۔

"بولے جائیں گے۔ حالانکہ سب کو پتہ ہے میں شادی نہیں کروں گا۔ یا تو ڈاکٹر بنوں گا یا پائلٹ۔ انڈی پینڈنٹ لائف گزاروں گا"۔

"اے ہاں۔ تم بچ رہیں جان جلانے کو باقی تو سب اپنے اپنے ارمان پورے کر چکے"۔ بڑی اماں بڑبڑاتے ہوئے

اٹھ بیٹھیں اور پاندان کھول لیا۔

"لوگ کہتے ہیں ہم لڑکیوں کو یہ بتائیں گے وہ بتائیں گے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ ہم اپنی بچی کو اچھی انسان بنائیں گے۔ چہار دیواری سے زیادہ کوئی چیز عورت کو اطمینان و تحفظ نہیں دے سکتی۔ واہ "یہ" بن جائے یہ۔ "وہ" ہو لیا ہے عورت۔ ایک گالی ہے جو غلطی سے بھی دے دی گئی ہو یا ایک تہمت ہے جو مغالطے میں لگ گئی ہو۔ خواہ امید سے وہ کتنی اجلی اور شفاف ہو۔ دھتکار دی جاتی ہے۔ عورت اپنے مرد اور بچوں سے بھاری ہوتی ہے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں لڑکی کو گھر بار کا کر دینا چاہیے۔ میرے سامنے اب یہ اوٹ پٹانگ نہیں چلے گا۔ یا دیبا کا امتحان ہو جائے "یہ" بدنام۔ بس پھر ہو گئی بہت پڑھائی۔"

دیبا تو بڑی اماں سے۔ بس موڈ بھانپ کر کچھ بھائیوں کی شریر مسکراہٹوں کی وجہ سے منہ بسورتی کچن میں چلی آئی تھی۔

اسے اکھڑ موڈ میں الم غلم کھانے کی عادت تھی۔

"ہائیں! یہاں بی بی۔ ہم ہیں جمال"۔

دیبا کے لیے بڑی اچنبھے کی بات تھی۔ جمال کچن میں کیوں چلا آیا؟ اس نے کیک ٹیبل پر رکھتے ہوئے بہت تعجب سے دیکھا۔

"جی۔ جمال بھائی خیریت؟"

"جی ہاں۔ الحمداللہ۔ بس وہ ادھر آپ کی شادی کی بات چل رہی تھی! اس تو گمان گزرا۔ میرا مطلب ہے۔ آپ کی منگنی وغیرہ ہو چکی ہے؟"

"اوہ۔ دیبا نے گویا سر پیٹ لیا"۔ وہیں بڑی اماں سے پوچھ لیتے۔ بڑی زحمت کی آپ نے"۔ دیبا کی ہنسی چھوٹ گئی

"بس بڑوں کے سامنے سوال جواب پوچھتے اچھے نہیں لگتے"۔ وہ شرمندہ سے نظر آئے۔

"مظہر اور اظہار بھائی تو آپ سے چھوٹے ہیں۔ ان کے کان میں پوچھ لیتے"۔ دیبا نے کیک پر چھری چلاتے ہوئے مخلصانہ مشورہ دیا۔

جمال بے چارہ بڑبڑا کر رہ گیا۔

"کیک کھائیے۔ بہت مزے دار ہے۔ پائن ایپل سے بھرا ہوا ہے۔ مجھے تو جب بھی غصہ آتا ہے مزے دار کوئی چیز کھاتا ہوں تب جا کر اترتا ہے"۔

"جی شکریہ"۔ جمال نے معذرت کر لی۔

"ویسے انسان عقلمندی وہی ہے جو حقیقت کو تسلیم کر لے۔ بڑی اماں غلط نہیں کہہ رہیں"۔ وہ جاتے جاتے ایک لمحے کو رک کر گویا ہوا۔

"ایک منٹ۔ ایک منٹ۔ جمال بھائی"۔ وہ میز پر چڑھی بیٹھی تھی۔ اچھل کر اتری اور جمال کا راستہ روکنے لگی۔

جمال ٹھہر گیا "جی؟"

"انسان کی زبان کوئی چیز ہوتی ہے۔ آپ اپنی زبان سے پھر رہے ہیں؟"

"آپ چھوٹی ہیں اور دادی جان بڑی ہیں۔ ان کی ذات اور بات سب سے اہم ہونا چاہیے۔ اس وقت مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ آپ کا "لڑکا پنا" اتنا سخت ناپسند کرتی ہیں"۔ جمال نے بڑی سادگی مگر سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ہوں تو ٹھیک ہے۔ ہمارے آپ کے تعلقات بھی ختم۔ ہمارے تعلقات صرف ان لوگوں کے ساتھ ہی خوشگوار رہ سکتے ہیں جو ہم سے کول ٹریٹ کرتے ہیں۔ یعنی ہمیں لڑکا سمجھ کر بات کرتے ہیں"۔ دیبا نے اعلیٰ درجے کی بے مروتی کا مظاہرہ کیا

اور دوبارہ اپنے کیک پیس کی سمت متوجہ ہو گئی۔

"ایک دن تو آپ کو حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ آپ لڑکا نہیں لڑکی ہیں"۔ جمال نے دبی زبان میں کہہ کر قدم باہر واپسی کی نیت سے بڑھا دیے۔

"خدا نہ کرے میری زندگی میں وہ منحوس دن آئے"۔ وہ تنک کر بولی۔

"وہ تو بہت مبارک دن ہوگا"۔ جمال کی آواز اب بھی بہت آہستہ تھی۔

"جی؟"۔ اس نے تقریباً چلا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں"۔ اس کی چیخ سے تو وہ خوفزدہ ہی ہو گیا اور منظر سے فوری ہٹ جانے میں عافیت جانی۔

کھانا بھی تقریباً زہر مار کیا تھا اور نماز میں بھی خشوع و استغراق نہیں تھا۔ نماز ادا کر کے وہ جانے کتنی دیر آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی رہی تھی۔ شمسہ کالج سے واپس آ کر اسے سوتا جان کر بہت خاموشی سے اپنے معمول کے کام کر رہی تھی۔

اس کا بالکل موڈ بھی نہیں تھا بات چیت کا سا لیے اس نے بھی یہی ظاہر کیا گویا سو رہی ہے۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ تب وہ بے دلی سے اٹھ کر باہر آئی۔ عارفہ شام کے کھانے کے سلسلے میں لہسن پیاز چھیل رہی تھیں۔ اس کی سمت ایک نظر دیکھ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھیں۔

اس نے اسی گم صم کیفیت میں وضو کر کے نماز ادا کی۔ پھر ذہنی پریشانی دور کرنے کی نیت سے کلام پاک کھول کر تلاوت کرنے لگی۔

اس دوران عارفہ نے شمسہ کو جگانے کے لیے دو تین آوازیں بھی دے ڈالیں۔

جانے کتنی دیر تلاوت کرتی رہی۔ وقت کافی بہت مدھم پڑ چکی تھی۔ ایک مستقل سوچ کی کیفیت تھی جہاں بیٹھی رہی تھی وہاں سے اٹھنے کو جی نہ چاہتا تھا"۔

کلام پاک بند کر کے وہ پھر سوچ میں غرق تھی کہ شمسہ چائے کا کپ اس کے قریب رکھ گئی۔ یہ کہتے ہوئے کہ کون سا وظیفہ شروع کیا ہے آپا؟"

اس نے کلام پاک اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھا اور پلنگ پر بیٹھ کر چائے پینے لگی۔ کبھی کبھی نگاہ خود بخود داخلی دروازے کی سمت اٹھ جاتی تھی۔

چائے ختم کر کے وہ ماں کا ہاتھ بٹانے کی نیت سے کمرے سے باہر آئی تو دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ حالانکہ وہ دروازے سے نزدیک تھی۔ مگر دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں تھی وہ انجان سی بن کر کچن میں چلی گئی۔

دروازہ شمسہ نے کھولا۔ طاہر علی نماز ادا کر کے مسجد سے آئے تھے۔ اس نے قدموں کی چاپ سے پہچان لیا۔ ایک سکون سا اس کے اندر اتر گیا۔

وہ آٹا گوندھنے کی تیاری کرنے لگی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے ماہ نور؟" عارفہ نے اس کی گم صم سی کیفیت محسوس کر لی تھی۔

"جی امی۔ ٹھیک ہوں"۔ اس نے زبردستی اپنے چہرے پر بشاشت طاری کرتے ہوئے جواب دیا۔

"بولتی تو کم ہی ہو مگر آج پتا نہیں کیوں بہت گم صم سی محسوس ہو رہی ہو"۔ وہ پتیلی نکالتے ہوئے اس کی سمت دیکھ

رہی تھیں۔

"نہیں امی۔ ایسی تو کوئی بات نہیں"۔ وہ پھر زبردستی مسکرائی۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔

برتن ماہ نور کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے رہ گیا۔

"کون؟" طاہر علی دروازہ کھولنے سے پہلے عادتاً پوچھ رہے تھے۔ ماہ نور ساکت سی آنے والوں کی طرف متوجہ تھی۔

"آہا، وعلیکم السلام۔ ارے بھئی عارفہ آج تو بڑے بڑے لوگ آئے ہیں ہمارے ہاں"۔ ان کے لہجے کی بشاشت اور گرم جوشی سے ظاہر تھا کہ کوئی جاننے والا ہی آیا ہے۔ عارفہ فوراً کچن سے نکل گئیں۔

"ارے۔ مظاہر۔ وعلیکم السلام۔ ارے بھئی آج سورج کدھر سے نکلا تھا۔ اس دن تو ماہ نور کو گھر پہنچا کر الٹے قدموں چلے گئے۔ مجھے بہت دکھ تھا مگر ماہ نور کہنے لگی کہ امی بہت ضروری کام ہوتے ہیں انہیں پھر آئیں گے۔ میں بھی یونہی کہہ رہی ہے مگر تم تو واقعی سامنے ہو۔ جیتے رہو اللہ خوشیاں نصیب کرے۔ جنجھوتاں"۔

ماہ نور ایک دم یوں ہو گئی جیسے اس کے سارے مسئلے ہی حل ہو گئے ہوں۔ وہ بڑی ہلکی پھلکی کیفیت میں کچن سے باہر آئی سامنے وائٹ شلوار سوٹ میں جس میں زبردست کلف لگا ہوا تھا۔ ملبوس بڑے نکھرے نکھرے سے مظاہر موجود تھے۔

اس نے اپنے مخصوص دبے دبے لہجے میں سلام کیا۔

دوسری جنبش کافی سمجھی گئی۔

البتہ ایک اچٹتی سی نگاہ انہوں نے ماہ نور کے چہرے پر ضرور ڈالی تھی۔

"کیسے رستہ بھولے بھئی؟" طاہر علی بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

"اب یوں شرمندہ تو نہ کریں پھوپھا جان۔ مصروفیات ہی اس نوعیت کی ہیں کہ بس مشکل سے کھانا کھانے کا وقت ہی مل پاتا ہے"۔ مظاہر ان کی گرم جوشی دیکھ کر در حقیقت خاصے خفیف سے نظر آ رہے تھے۔

ماہ نور سلام کے بعد واپس کچن میں آ گئی تھی۔ اس وقت وہ واقعی بہت خوش تھی۔ اسے قطعی امید نہیں تھی کہ مظاہر آ جائیں گے۔ جب شمسہ کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ خوشی سے بھرپور لہجہ۔ شاید اس کے لیے بھی یہ بہت زیادہ غیر متوقع تھا۔

وہ جلدی سے چائے بنانے لگی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اب کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ وہ لاشعوری طور پر تشکر کے جذبات سے مغلوب تھی۔

دوسری مرتبہ دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونکی ضرور مگر پریشان نہیں ہوئی۔ اس لئے اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کس نے دروازہ کھولا اور کون آیا۔ البتہ جب عارفہ کی آواز آئی۔

"آ جائیے آپ لوگ کمرے میں آ جائیے۔"

تب ایک لمحے کو اس کا رواں رواں کھڑا ہو گیا۔ یعنی آ گئے وہ لوگ بھی۔

"جی مہمان کیا۔ ہمارا اپنا بچہ ہے میرا بھتیجا۔ وہ بھی آیا ہے ابھی۔ بہت دنوں بعد پڑھائی اور روز کے جھمیلے ہی بہت ہیں"۔ عارفہ کی آواز اس تک بہت واضح پہنچ رہی تھی۔

وہ پھر الجھ گئی تھی۔ اب کیا باتیں ہوں گی۔ کیا ہوگا؟

چند منٹوں بعد عارفہ کچن میں داخل ہوئیں۔

"سید صاحب کی بیگم اور تینی خواتین ان کے ساتھ ہیں۔ چائے بنالو۔ ثمسہ کو بھیجتی ہوں۔ برتن وغیرہ نکال دے گی۔ تمہارے ابا سے سموسے وغیرہ منگوا رہی ہوں۔ خالی چائے لے کر مت آجانا"۔

"کس کو لے آئی ہیں سید صاحب کی بیگم؟" اس نے واضح ناگواری کے ساتھ پوچھا۔

"وہی ہیں۔ پاشا۔ منہاج حسین پاشا کی امی اور اس کی دو بہنیں"۔ وہ اس سے نگاہیں چرا کر بولیں اور فوراً باہر نکل گئیں۔ مظاہر برآمدے میں تنہا ہو گئے تھے۔ وہ چائے کا پانی رکھ کر باہر آگئی اور مظاہر کے برابر والے موڑھے پر بیٹھ گئی۔

"بھی ہیں وہ لوگ مظاہر بھائی۔ امی آوارہ کی ماں بہنیں"۔ وہ گویا واقف ہی رہی تھی۔

"تم کیوں اپنی جان جلا رہی ہو۔ ہوگا نور ہی جو ہم چاہیں گے"۔ زرنت دری"۔

"بہت اچھا ہوا آپ آگئے۔ میں آپ کا صرف شکریہ ادا ہی کر سکتی ہوں۔"

"میں بھی وقت نکال کر بہت مشکل سے تمہارا 'شکریہ' وصول کرنے آیا ہوں۔ بے وقوف لڑکی"۔ وہ قدرے خفگی سے گویا ہوئے۔

"میں کچن میں جا رہی ہوں آپ امی سے کہہ دیجئے گا مجھے ان لوگوں سے ملوانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کہیں کھری کھری نہ سنا بیٹھوں"۔ وہ اٹھتے ہوئے بڑے بیزار کن لہجے میں گویا ہوئی۔

"جیسے سنانا چاہیں۔ اسے کیوں نہیں سنا ئیں؟" مظاہر کا لہجہ لاشعوری طور پر شریر سا ہو گیا۔

ماہ نور بری طرح جھینپ گئی اور جلدی سے کچن کی سمت بڑھ گئی۔ فوراً ہی ثمسہ بھی آگئی۔

"ہائے آپا۔ کتنی پیاری ہیں یہ رشتے والیاں"۔ غالباً اسے بن گن مل گئی تھی۔ اس کے کان میں سرگوشی میں کہہ رہی تھی۔

"ہاں بس تم یونہی شکلوں پر لٹو ہو جایا کرو"۔ وہ جل کر بولی۔

پھر کس پر لٹو ہوں۔ لٹو ہونے ہی شکلوں پر ہیں۔ سچی آپا مجھے تو بہت اچھی لگیں۔ بہت امیر لگ رہی ہیں۔ بڑی والی بہن نے اتنا پیارا سوٹ پہنا ہوا ہے کہ کیا بتاؤں اور پرفیوم بھی بڑا زبردست لگا رکھا ہے۔ میں تو خوشبوؤں میں مست بیٹھی ہوئی تھی۔ امی نے یہاں بھیج دیا۔ ہائے اللہ مظاہر بھائی اکیلے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اتنے عرصے بعد آئے ہیں کیا سوچتے ہوں گے۔ میں جاتی ہوں ان کے پاس۔ جاؤں آپا۔ بسکٹ تو رکھے ہیں۔ برتن امی کہہ رہی ہیں لازمی میں صاف کروں"۔

"نہیں نہیں۔ تم جاؤ مظاہر بھائی کے پاس بیٹھو میں خود کر لوں گی صاف"۔ اس نے بھی گویا اسے وہاں سے رخصت کرنے میں عافیت جانی کہ مزید جانے کیا کیا تبصرے سننے کو ملیں۔

اس نے عجیب سی کیفیت میں چائے تیار کی۔ اس کی ماں بہنوں کی عادت اسے بہت شاق گزر رہی تھی۔ جی میں آ رہا تھا چائے میں ڈھیر ساری مرچیں ملا دے۔ ایسی کھلی بدتمیزی کرے کہ وہ کان پکڑ کر بھاگیں اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں۔

وہ برتن سیٹ کرتے ہوئے ناقابل عمل منصوبے بنا رہی تھی۔ اسی طرح اندر کی کھولن کم ہو رہی تھی۔

اسی وقت ثمسہ دولفافے لیے کچن میں داخل ہوئی۔ ایک لفافے میں گرم سموسے اور دوسرے میں بسکٹ تھے۔ وہ آتے ہی بنا کوئی بات کیے اشیاء پلیٹوں میں نکالنے لگی۔ پلیٹیں سجانے کے بعد وہ اس کی سمت پلٹی۔

"آپا۔ جب اماں بہنیں اچھی ہیں تو وہ خود بھی تو اچھا ہوگا"۔

"ہونہہ۔ کوئی نارسولا ہے کیا؟ کوئی لوح کا پتا بھی تھا" وہ تلخی سے کہہ کر چائے فلاسک میں نکالنے لگی۔

"کیوں اتنا موڈ آف ہے؟ کیا ابا جان کے دوست والا پرپوزل دل و جان سے پسند آگیا ہے۔ وہ اس کی طرف

جھک کر شرارت سے گویا ہوئی۔

"بے وقت کی شرارت اچھی نہیں ہوتی۔ جاؤ تم اندر چائے لے جاؤ میں مظاہر بھائی اور ابا جان کو دے دوں گی"۔ اس نے پھر درشتی سے کہا۔

ثمسہ نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی اور ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔ دوسری ٹرے سجا کر یا ہر آگئی۔ مظاہر اور طاہر علی بہت دھیمی آواز میں بڑی سنجیدگی سے کچھ گفتگو تھے۔ اس نے ٹرے تپائی پر رکھ کر مظاہر کی سمت دیکھا۔ وہ سوچتی ہوئی نظریں اس کے چہرے پر جمائے ہوئے تھے۔ اس نے فوراً نظریں جھکا لیں اور چائے کا کپ ان کی طرف بڑھا دیا جو انہوں نے طاہر علی کو تھما دیا اور دوسرا کپ خود آگے بڑھ کر اٹھا لیا۔

ماہ نور نے دھیان دیا تو اندر سے باتوں کی آواز بہت واضح آ رہی تھی۔ جانے اب تک کیا کیا باتیں ہوئی ہوں گی۔ یقیناً مظاہر نے سنی ہوں گی۔ اس نے قدرے خفت بھرے انداز میں مظاہر کی سمت دیکھا۔

"بیٹی۔ یہ کون مہمان ہیں۔ تمہیں ان کے پاس بھی جانا چاہیے۔ بعض لوگ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بہت محسوس کرتے ہیں"۔ طاہر علی نے بڑی سادگی اور شفقت سے اسے مخاطب کیا۔

ان کا مطلب ہے اندر ہونے والی گفتگو پر طاہر علی نے کوئی دھیان نہیں دیا تھا۔

اس نے بڑی بے بسی سے مظاہر کی سمت دیکھا۔ وہ نظریں چرا گئے مگر ایک معنی خیز مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر نظر آئی۔

"ہم اپنی باتیں کر رہے ہیں تم اندر مہمانوں کے پاس جاؤ ان کے ساتھ چائے پیو"۔

اسے یوں محسوس ہوا طاہر علی اس کی موجودگی میں بات نہیں کر پا رہے یا ان کی اخلاقیات بہت مضبوط تھیں۔ اس نے پھر مدد طلب نظروں سے مظاہر کی سمت دیکھا۔

"کوئی حرج نہیں"۔ وہ پھر نگاہ بچا کر کہہ رہے تھے۔

وہ طوعاً و کرہاً اٹھ کھڑی ہوئی اور دوپٹہ درست کرتے ہوئے سامنے کمرے میں چلی آئی جو دن بھر کے لیے ڈرائنگ روم اور رات کو بیڈ روم کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔

"السلام علیکم"۔ اس کے لیے نگاہ اٹھانا دو بھر تھا۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو۔ آباد رہو"۔

"یہ ہے ماہ نور"۔ سید صاحب کی بیگم کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"بیٹی یہ ہماری منہ بولی بہن ہیں اور یہ ان کی بیٹیاں صبیحہ اور ملیحہ"۔ انہوں نے تعارف کرایا۔

"ادھر آئیں۔ ہمارے پاس بیٹھئے کہاں چھپی ہوئی تھیں اتنی دیر سے ہم کتنی دیر سے کہہ رہے تھے خالہ جان سے کہ ماہ نور کو بلوائیں"۔ ملیحہ نے اپنے نزدیک صوفے پر جگہ بناتے ہوئے بہت پرشوق اور بے تکلف انداز میں کہا۔

وہ خود پر جبر کرتی ہوئی اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔ نگاہ اٹھا کر کسی سمت دیکھنے کا یارا اس میں نہ تھا۔

"یہاں کون سے اسکول میں پڑھاتی ہیں؟" ملیحہ نے پرشوق انداز میں اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"پرائیویٹ جونیئر پبلک اسکول"۔ اسے بادل نخواستہ جواب دینا تھا۔

"اللہ کرے وہاں پڑھنے اور پڑھانے والوں کا فیوچر برائٹ ہو"۔ صبیحہ نے مسکرا کر ٹکڑا لگایا۔

"شہرت تو بہت اچھی ہے اسکول کی"۔ سید صاحب کی بیگم نے بھی حصہ لیا۔

"جہاں ایسے پڑھانے والے ہوں، وہاں کی عمارت بھی نئی ہونا چاہیے"۔ ماہ نور کھلکھلائی۔

ماہ نور نے ماں کی طرف دیکھا گویا کہہ رہی تھی "امی کیا زمانہ ہے؟"

عارفہ نے نظروں کا رخ موڑ لیا اور سید صاحب کی بیگم کی طرف متوجہ ہو گئیں جو بہت غور سے ان کے گھر کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"آپ کی بیٹی کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے خالہ جان! یہ جہاں ہوگی وہ ماحول بہت قیمتی اور خوشگوار ہوگا۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہماری درخواست پر ضرور غور فرمائیں۔ ایک عظیم نیکی کا موقع مل رہا ہے آپ لوگوں کو"۔ صبیحہ عارفہ سے مخاطب ہوئی۔

"میں نے عرض کیا ناں ہم اس کا رشتہ طے کر چکے ہیں۔ آپ سمجھ لیں ان معاملات میں زبان ہی کی اہمیت ہوتی ہے۔ آپ لوگ بہت معقول ہیں۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ مگر آپ لوگوں کو دیر ہو گئی۔ مجھے بھی بہت افسوس ہے۔ آپ کو دوسری بہت اچھی لڑکی مل جائے گی۔ جو آپ کے بیٹے کو سب سے بڑھ کر خوش رکھے گی۔ ان شاء اللہ!" عارفہ نے بہت اخلاقی مروت سے بے حد شائستہ انداز میں واضح انکار کر دیا۔

"کاش آپ ہماری مشکل سمجھ سکتیں"۔ فرح انساء نے بڑے دلسوز لہجے میں کہا۔

عارفہ خاموش رہیں۔

"واقعی کاش آپ ہماری مشکل سمجھ سکتیں"۔ صبیحہ بہت زرد نظر آئی۔

"میں نے کہا ناں۔ مجھے خود بہت افسوس ہے"۔ عارفہ نے جواب دیا۔ ماحول پر یکلخت ایک گہرا سکوت طاری ہو گیا۔

"دو مجھے ذرا کچن میں کام ہے"۔ اس مرتبہ ماہ نور کے انداز میں بلا کا اطمینان و سکون تھا۔ وہ بڑی خود اعتمادی سے معذرت کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

صبیحہ اس کی جاتی ہوئی ماہ نور کی پشت پر لہراتی ہوئی چوٹی پر ایک افسردہ نگاہ ڈالتی، چادر درست کرتی خود بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"چلیں امی"۔ وہ پریشان امی فرح انساء سے مخاطب ہوئیں۔

"بیٹھیے ناں آپ لوگ"۔ عارفہ نے اخلاقاً کہا۔

"کاش اس گھر میں آنے روز بیٹھتے"۔ صبیحہ ماں کا بے حد پریشان چہرہ دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

سید صاحب کی بیگم بھی بہت متفکر نظر آ رہی تھیں کہ وہ فرح انساء کی محرم راز تھیں۔ عارفہ ان کو خدا حافظ کہنے دروازے تک گئیں۔ پھر دروازہ بند کر کے طاہر علی اور مظاہر کی طرف آ گئیں۔

"کہاں سے آئے تھے مہمان؟" عارفہ نے مصلحتاً ابھی تک طاہر علی کو ان کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔

"وہی تھیں سید صاحب کی بیگم اور پاشا کی ماں بہنیں"۔ عارفہ نے مظاہر کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے قدرے بے نیازی سے جواب دیا۔

"ماہ نور کے رشتے کے لیے آئی تھیں۔ لڑکے کی شہرت اچھی نہیں ہے پتا نہیں کس امید کے سہارے ہماری طرف چلی آئیں۔ سوچا ہوگا سفید پوش لوگ ہیں۔ ان کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر بیٹی دے دیں گے۔" طاہر علی نے مظاہر علی کو پہلی دانست میں مطلع کیا۔

"ماں بہنیں تو بہت معقول ہیں۔ بھی لوہا سا ہے۔ پتا نہیں لڑکا کس پر پڑ گیا۔ انکار سن کر چہرے اتر گئے بے چاریوں

کے مجھے تو خود افسوس ہونے لگا۔ ایک حساب سے تو مظلوم ہی ٹھہریں۔ ایک بگڑے ہوئے لڑکے کے گھر والے تو ناحق کی اذیت سے گزرتے ہیں"۔ عارفہ کہہ رہی تھیں۔

"اصل میں تو گھر والے ہی لڑکوں کو بگاڑنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں" طاہر علی نے بیوی سے اختلاف کیا۔

"بس جی دکھ تو مل ہی جاتے ہیں" اگر تقدیر میں لکھے ہوں۔ کیا لڑکی کیا لڑکا۔ ہمارے گھر میں کیا ہوا تھا۔ ہماری ماں نے بڑھاپے میں سات بچے پالے ہیں۔ اللہ کا احسان ہے۔ چھوٹے چھوٹے بہت ہونہار اور نیک ہیں کتنی اچھی زیست کی ہے۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں اگر خدانخواستہ اماں ان بچوں کے سروں پر نہ ہوتیں"۔

"کیا فائدہ اب ان باتوں کو دہرانے سے اتنے دنوں بعد مظاہر میاں آئے ہیں اچھی باتیں کرو۔ ایسی باتیں کیوں کرو کہ وہ آئندہ آنا بھی چاہیں تو آتے ہوئے کترائیں۔ گزرے دکھ کا ذکر بے معنی ہوتا ہے"۔

"دکھ گزرا کہاں ہے پھوپھا جان۔ پھوپھو اس ٹاپک کو اوائیڈ نہیں کر سکتیں"۔ مظاہر کی نظروں سے ایک اذیت کا تاثر جھلکنے لگا۔

"معاف کر دیجیے۔ ایسے ہی رو میں بہک گئی تھی"۔ عارفہ کو بھی اپنی کوتاہی کا احساس نادم کر گیا۔

"مدتوں میں تو پھوپھو کے گھر آتے ہو کیا"۔

اس وقت تمسہ آ کر ماں کے نزدیک موڑھے پر بیٹھ گئی۔

"اللہ۔ کتنی اچھی تھیں یہ لوگ۔ آپ نے دیکھا مظاہر بھائی"۔

مظاہر اس بچکانہ احمقانہ سوال پر صرف مسکرا ہی سکتے تھے۔

"کاش ان کا لڑکا بھی بہت اچھا ہوتا"۔

"بہت امیر لگ رہی تھیں۔ ہے ناں امی؟" وہ ماں سے تائید چاہنے لگی۔

"بچے اس قسم کے معاملات میں حصہ نہیں لیا کرتے۔ بے ادبی بھی ہے اور بدتمیزی بھی"۔ عارفہ کو اسے روکنے کے لیے مجبوراً سخت کارروائی کرنا پڑی۔ بھائی آیا ہے۔ اس سے اچھی باتیں کرو۔

"ہاں۔ صحیح ہے۔ دنیا کی باتیں کرتے ہیں۔ مگر آپ تو کسی سے بھی زیادہ بات نہیں کرتے۔ ریا کہتی ہے آپا جان کا دل نہیں گھبراتا چپ رہتے رہتے"۔

مظاہر مسکرا دیے۔

"بلا سبب گفتگو سے انرجی ویسٹ ہوتی ہے۔ اس سے عقل کی کمی بھی ثابت ہوتی ہے"۔ وہ تمسہ کی معصومیت نظر انداز نہیں کر سکے۔ مسکرا کر شفیق لہجے میں اس سے کلام کر رہے تھے۔ ساتھ ہی اچٹتی نظر ریسٹ واچ پر بھی ڈال رہے تھے۔ چند لمحوں بعد ماہ نور بھی آنچل سے ہاتھ پونچھتی ان کے پاس چلی آئی۔

"میرا خیال ہے مجھے اجازت دیجیے"۔ انہوں نے ماہ نور کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے کہا۔ گویا پوچھ رہے ہوں کوئی مسئلہ تو نہیں ہے؟"۔

"کھانا کھا کر جائیے"۔ طاہر علی نے کہا۔

"پھر کبھی پھوپھا جان۔ مجھے شام سات بجے آفس پہنچنا ہے۔ کنسائنمنٹ کی روانگی عنقریب ہے اس لیے کام کا بہت زور ہے"۔ وہ بہت مہذبانہ انداز میں معذرت کرتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ کی خیر بہت مطلوب تھی۔" وہ ماہ نور کی سمت دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔
ماہ نور محسوس کر سکتی تھی۔ اس کی نو پوزیشن اس قسم کی ہو رہی تھی کہ خواہ مخواہ شرمندہ نظر آنے پر مجبور تھی۔ ماں باپ سے بھی اور منظاہر سے بھی۔ کہ فی الحال بات ابھی تینوں تک ہی محدود تھی۔
"اچھی بات بیٹے۔ پھر کسی روز فرصت سے آنا۔ آج تو ان مہمانوں کی وجہ سے ٹھیک سے بات بھی نہ ہو سکی۔"
عارفہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

وہ فیکٹری سے وقت سے پہلے نکل گیا تھا۔ جس پر فیکٹری میں تشویش کی لہر بھی دوڑ گئی تھی۔ کہ ہمیشہ فیکٹری سے اس کی گاڑی سب سے آخر میں نکلتی تھی۔ اس کی اس ادا ہی نے تو نفیس خواجہ کے دل میں بڑی قدر پیدا کر رکھی تھی۔ اس کے اس احساس ذمے داری نے انہیں قدرے لاپروا اور سست بنا دیا تھا۔ زندگی بھر خود کو بہت سی پابندیوں میں جکڑا ہوا محسوس کیا تھا مگر اب انہیں اپنی ذات بہت ہلکی پھلکی محسوس ہونے لگی تھی۔ جب سے اس نے فیکٹری آنا شروع کیا تھا پہلی مرتبہ وقت سے بہت پہلے سیٹ چھوڑی تھی۔ کافی دیر بے مقصد گاڑی سڑکوں پر دوڑاتا رہا۔ گیسٹ پر گیسٹ چینج کرتا رہا مگر جیسے اسے خود ہی پتا نہیں تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے
دور کسی ویرانے میں نکل آیا تھا۔ چند سیکنڈ گاڑی روک کر موبائل پر گھر کا نمبر ملا اور گاڑی فرسٹ گیئر میں ڈال دی۔
فون سنی نے اٹینڈ کیا۔ آج وہ جلدی گھر پہنچا ہوا تھا۔
"ہیلو۔ سون بات کر رہا ہوں۔ ماسی سے بات کراؤ۔"
"وہ گھر پر نہیں ہے۔ وہ اسٹور پڑ سی لڑکی شاید ہاسپٹلائزڈ ہے۔ ادھر گئی ہوئی ہے۔ ابھی گئی ہے مجھ سے پوچھ کر۔ خیریت؟" سنی کی آواز میں اس کی فطری لاپروائی واضح تھی۔
"ہوں۔ ہوں۔ اوکے۔" اس نے فون آف کر دیا اور برابر والی سیٹ پر بہت آہستگی سے رکھ دیا۔
"ابھی تک ہاسپٹل میں ہے۔ ایسا کیا ہو گیا اس کو؟" ایک کوفت بھری سوچ نے ذہن بوجھل سا کر دیا۔ گیئر چینج کر کے اس نے ایک موڑ کاٹا تھا۔ لاشعوری طور پر اس کا رخ ہاسپٹل کی طرف تھا۔ اگلے دن میکے آنے والی لڑکیاں کتنی فریش ہوتی ہیں۔ عام حالات میں رات بھر جاگنے سے انسان کتنا ڈل ہو جاتا ہے۔ اسے تو خاندان کی ایسی قریبی شادیوں میں شرکت کا بھی اتفاق ہوا تھا۔ جو دوسرے شہروں میں ہوئی تھیں۔ مثلاً سگے چچا اور پھوپھیوں کی لڑکیوں کی شادیوں میں جانا پڑا تھا۔ اپنے والدین کی نمائندگی کرنے کہ وہ ان دنوں ملک سے باہر تھے۔ اسے یاد تھا کہ اس کی پھوپھی واحد بیٹا جس کی بہت کم عمری میں شادی ہوئی تھی۔ وہ صرف دو دن کے لیے فیصل آباد گیا تھا مگر اس شادی میں بہت انجوائے کیا تھا۔
بینا بیاہ کر نزدیک ہی گئی تھی۔ صبح کو ابھی بہت سے لوگ سو رہے تھے اور بینا گھر بھی آ گئی تھی۔ بعض بھابیاں اور کزنز وغیرہ سے لپٹ آئی تھیں۔ وہ کمرے سے باہر آیا تو بینا بھاری سوٹ کے بجائے پنک کاٹن کا سوٹ اور چٹا ہوا دوپٹا پہنے گھر میں چہکتی پھر رہی تھی بلکہ اس نے آملیٹ کے لیے ساری پیاز کاٹ کر ناشتا بنانے والیوں کی مدد بھی کی تھی۔ سب کے منع کرنے پر جھلا کر بولی تھی۔ "کیا ڈنگی میری ڈی بن کر بیٹھے بیٹھے۔" کتنی فریش اور نکھری نکھری نظر آ رہی تھی۔
اس لیے کہ امانت کا حق ادا ہوا تھا۔ چوہدری ڈاکا لوٹ مار کے سہاوے بیٹھنے والے کسی نفسو کا ذہن پر سایہ تک نہ تھا۔
اس نے مڑ بیشں خود کو دیکھا۔ مگر کچھ نہ سکا۔ حالانکہ کتنا سمجھا چکا تھا خود کو۔ وہ تو سر راہ رکھا ہوا چراغ تھی۔ کوئی بھی اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

کیوں چھوڑتے ہیں ماں باپ۔ تجاہ کر کے غیروں کے بیچ۔ جب انہیں پروا نہیں تو غیروں نے کیا ٹھیکہ لیا ہے۔ تین سو روپے میں کتنے دن روٹی کھائیں گے؟ اس کی ماں کے ہاتھ پاؤں نہیں۔ جو کام یہ کر رہی ہے وہ نہیں کر سکتی۔ امیروں پر عیاشی کا الزام لگانے والے خود کتنے بڑے عیاش ہیں۔ بیٹھے بیٹھے روٹی چاہیے۔ خزانے کے مالک پر خزانے کی حفاظت کی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ انہیں کون سے قانون نے اجازت دی ہے کہ خزانہ چوک پر رکھ کر لوگوں کے ایمان و ضبط کو چیک کریں۔
سب سے زیادہ واللہ اللہ یہی غریب کرتے ہیں اور سب سے زیادہ اللہ کے قانون سے ناآشنا بھی ہوتے ہیں۔ ایک بوڑھی بیوہ بغیر محرم کے حج کے لیے نہیں جا سکتی۔ بغیر محرم وہ اس عظیم اور جلیل القدر عبادت سے محروم ہے۔ وسائل ہونے کے باوجود۔
اللہ پرست یہ خود فریب لوگ۔ جس کا نام لیتے ہیں اس کی بات نہیں سمجھتے۔ چار اگربتیاں سلگا کر چار نفل پڑھ کر ان کا دین مکمل ہو جاتا ہے۔
انسان کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ اپنی کوتاہی کی ذمے داری دوسرے کے دوش پر ڈال کر اپنی اندرونی آواز سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔ اور اپنی اندر کی آواز سے غیر منطقی جنگ کے باعث یہ نوبت آئی ہے کہ ماہرین نفسیات بڑی خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔ کنسلٹینٹ ہوا کرتے ہیں۔
اعتراف و استغفار عادت ثانیہ ہو تو زمین جنت کا روپ دھار لے۔ گناہ پھر جواز گناہ پھر جواز در جواز۔ ایک دراز سلسلہ۔ لاانتہا۔ وہ بھی کسی نکتے پر پہنچ کر پاک صاف ہو جانا چاہتا تھا۔
اس نے سر جھٹکا۔ ہاسپٹل دائیں جانب بہت واضح نظر آنا شروع ہو گیا تھا۔ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے وہ اندر سے یوں منتشر تھا کہ ریزہ ریزہ ہو رہا تھا۔ حالانکہ طبقاتی لحاظ سے جس کلاس میں وہ شمار ہوتا تھا وہ صرف میوریٹڈ اشیا پر گزارہ نہیں کرتی۔ اس کے نظریات بھی امپورٹڈ ہوتے ہیں۔ ہر ٹرپ اسے پہلے سے زیادہ بہتر امریکی یا انگریز بنا دیتا ہے۔ اس کلاس میں یہ کوئی بات نہیں ہوتی۔ شاید اس کا شریانی رابطہ اس لیے مانگر ریوز۔ یہ تھا کہ اس کی ماں لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھتی تھی۔ اگرچہ سنی سنائی بات تھی وہ بھی شاہانہ کے توسط سے طعنوں کی صورت میں۔ اس کلاس کی بہت سی بکھری ہوئی انسانوں کو خودنگر بنا دیتی ہیں۔ کہ ہمہ وقت کی کوشش اپنی جان کو لاحق رہتی ہے کہ خود پیزے کھانے سے زیادہ اور دوسرا کوئی کام ضروری نہیں رہتا۔ انسان حساس ضرور ہوتا ہے مگر ساری حساسیت عالمگیر پیکنگ پر زیر ہوتی ہے۔ تو ٹلی ٹیکنو۔ ہر آن خود پرکھ، چھین اور اپنے مقدر سے شکوہ کناں۔
شاید اندر کی آواز پر متوجہ ہونے کی عادت ماں سے ورثے میں ملی تھی اور حقائق قبول نہ کرنے کا ورثہ باپ کی طرف سے۔ کہ دولت کے پردے میں بہت سے لوگوں کو اپنے عیب چھپانے میں کمال مہارت ہوتی ہے۔
اس کی گاڑی ہاسپٹل کے احاطے میں داخل ہو گئی تھی۔ مگر وہ ابھی تک ڈبل مائنڈڈ تھا۔ آیا جائے کہ نہ جائے۔ بہر حال گاڑی پارک کر کے اندر بڑھ گیا تو تھا۔ وہ اس تندرست قدموں سے زینے طے کر رہا تھا کہ دیکھ آنے جانے والے تیز رفتاری ہونے کے باوجود اسے ایک نظر دیکھتے ضرور تھے کہ بعض لوگوں کی تیز رفتاری میں تو وہ حائل بھی ہوا تھا۔
معاً اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ یہ تو اسے معلوم نہیں کہ وہ کس فلور پر کس روم میں ہے۔ ریسپشن سے رابطے کے لیے اسے پھر نیچے جانا تھا۔ وہ آخری زینے پر کھڑا ابا کی تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا۔ اس خیال سے کہ پھر نیچے جانا ہے۔
"سلام سون صاحب۔" ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے نظریں اٹھائیں۔ سامنے ڈرائیور کا بیٹا کاکو کھڑا دانت نکوس رہا تھا۔
"صاحب۔ سون کو دیکھنے آئے ہیں؟ میں بھی ابا کے ساتھ آیا تھا۔ سارا تو دل ہی نہیں لگ رہا کوٹھی میں سون کے

"اے ہاں۔ ہاتھی گھوڑے بھاگ گئے، گدھا پوچھے کتنا پانی؟" بڑی اماں نے بڑے غصے سے پاندان بند کیا۔ "یہ دام کریں گی بھائی کو؟" بڑی اماں نے چشمے کے موٹے عدسوں کے پیچھے سے جھانکا۔

"خود ہی تو منع کرتی ہیں کہ لڑکا نہیں لڑکی سمجھوں خود کو اور خود ہی گدھا بھی کہہ رہی ہیں۔ آپ بتائیں جمال بھائی میں گدھا ہوں یا گدھی؟" وہ جمال کے سر ہو گئی۔

بے چارا جمال حواس باختہ بغلیں جھانکنے لگا۔

سارہ سر پیٹ کر رہ گئیں۔ اتنی سنجیدہ بات اور یہ جاہل اصول۔

"اس کی تنک طبیعت پکی ہے تو جمال کے لیے رکھ لو۔ اور یہ بھی کہ اس کا باپ بڑھا بھیجنے پر راضی بھی ہو جائے گا کہ نہیں۔ ان فیتوں سے تو اب میں کبھی نہیں کہوں گی کچھ بھی۔ عزت گنوانا کوئی آسان کام نہیں۔ تم عارفہ یا چاندی کی دلہن چاہو تو ان سے اپنے طور پر بات کر کے دیکھ لو۔ یہ نئے زمانے کے لڑکے ہیں تو ہم بھی پرانے زمانے کے ہیں" بڑی اماں کا انداز قطعی تھا۔ "ٹھیک ہے اماں۔ ہم اپنے طور پر ان سے بھی پوچھ لیں گے۔ مگر آپ تو اس کو ایک نظر دیکھ لیں۔ بھائی میاں کے خیالات تو بہت اونچے ہیں۔ دروز لگتا ہے بہو اسلام آباد سے لائیں گے۔"

"جی پھوپھو۔ اسلام آباد سنا ہے اونچائی پر واقع ہے۔" ریا نے اضافہ کیا۔

"کیا کہیں کسی کو۔ جب اپنے گھر ہی میں۔ چلو ریا! اٹھو۔ اپنا کام کرو۔ کیسے بڑوں میں گھس کر بیٹھی ہے۔" بولتے بولتے بڑی اماں کو ریا کی موجودگی کا دھیان آیا۔

اس سے پہلے گھبرا کر جمال کھڑا ہو گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ بڑی اماں نے صرف ریا ہی کو نہیں تو کسی طرح سے اسے بھی اشارہ کیا ہے۔

"چلیں جمال بھائی! ہم لان میں کرکٹ کی پریکٹس کرتے ہیں۔" وہ منہ بنا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کوئی ضرورت نہیں کھڑکیاں لگانے کی اور بہت کرنے کے کام ہیں۔ تمہارے ابا نے جمال کو آج کھانے پر بلایا ہے۔ ساپٹی تیاری کرے گا۔ مظہر بھی بس آتا ہو گا۔" بڑی اماں نے پھر ٹوک دیا۔

"تو کیا صرف جمال بھائی اور مظہر جائیں گے ابا ابو کے ہاں؟" وہ ٹھٹکی۔

"ہاں بس۔" بڑی اماں کو اس کا کھڑے رہنا بہت شاق گزر رہا تھا۔

"ایک آپ ہیں دعوت کرتی ہیں تو پتا نہیں کس کس کو بلا لیتی ہیں۔" وہ یہ کہہ کر چل دی۔

"دیکھ لیا۔ کیسی گز بھر کی زبان ہے۔ ان لوگوں نے جمال کی دعوت کر دی یہ بھی بڑی بات ہے۔ ایسے دل نہاں ان لوگوں کے بقر عید پر ایک بڑا گوشت کی ایک کٹوری کلیجی کی آ جاتی ہے۔ ماں زندہ ہے اس لیے یا اس کا حصہ آتا ہے۔" بڑی اماں بہت سلگ کر کہہ رہی تھیں۔

"چھوڑیں اماں۔ آپ کیوں جان جلاتی ہیں۔ بھابی تو ہمیشہ ہی سے ایسی ہیں۔ بھائی میاں کی کب چلی ہے ان کے سامنے۔" سارہ نے ماحول سے ناز کی کیفیت ختم کرنے کی کوشش کی۔

"اپنا اپنے نصیب ہیں۔ بہوؤں سے فیض ہی نہیں۔ ایک چاندی کی دلہن بھلی دکھائی دی تھیں دو بھی دور جا پہنچیں۔"

"اچھا۔ چھوڑیں بھی۔ یہ بتائیں کہ کیا ارادہ ہے۔ لڑکی دیکھ لیں۔ آپ کو پسند آئے گی۔" سارہ بولیں۔

"اے۔ میں لڑکی پسند کر کے کیا کروں گی۔ اپنے گھر میں ایسی اچھی بچیاں ہیں۔ ان کے لیے نہیں سوچ سکتی۔ عارفہ کی بانو کیا کسی سے کم ہے۔ گھر کی بچی ہے مگر پتا نہیں ان لڑکوں نے کیا سوچ رکھا ہے۔" بڑی اماں اداسی سے کہہ رہی تھیں۔

"اس کی تو بات چیت چل رہی ہے عارفہ بتا رہی تھی۔"

"تو چلنا بھی چاہیے۔ اب بیکار کی آس لگا کر کیا لڑکی کی عمر نکال دے۔" بڑی اماں نے بیٹی کی بات کاٹ دی۔ "انہوں کا یہ حال ہے۔ مال دولت دیکھتے ہیں۔ کتنا دکھ ہے مجھے بچی کے باہر جانے کا۔ اب تم ریا کی فکر کرو۔ میں چاہتی ہوں اپنی زندگی میں اسے گھر بار والی کر دوں۔ لونڈروں میں لونڈا بنی رہتی ہے۔ خاندان کے لڑکے تو یوں مذاق کرتے ہیں جیسے کوئی لطیفہ ہو تمہاری نظر میں کوئی بھلا لڑکا ہو تو بتانا۔"

"ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے اماں۔ اس سے بڑی بڑی بیٹھی ہیں۔" سارہ نے کہا۔

"دن جاتے ہیں ہوا کی طرح۔ عمر بھی دیر کیا لگتی ہے۔ دوسری بچیوں کی بات چھوڑو۔ ان کی تو مائیں سر پر ہیں۔" بڑی اماں کے لہجے میں تلخی در آئی۔

"اور یہ۔ ماں تو اس کی بھی ہے مگر سر پر نہیں ہے۔" سارہ نے متاسف لہجے میں سرد آہ بھر کر کہا۔

دونوں کے درمیان ایک بامعنی خاموشی طاری ہو گئی۔

"جمال بھی تو اچھا لڑکا ہے اماں۔" سارہ نے انہیں متوجہ کیا۔

"ہے تو اچھا لڑکا۔ پڑھا ہوا بھی ہے۔ سب سے بڑھ کر سیدھا سادا بچہ ہے۔ مگر عمر کا فرق بہت ہو جائے گا۔ نیرہ چودہ سال بڑا ہو گا۔" بڑی اماں سر دھنتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"اتنا تو نہیں ہے۔ عورت تو دو بچوں کے بعد ہی برابر کی لگنے لگتی ہے۔ بھائی صدر الدین کے خیالات تو جاننے کی کوشش کریں۔ اب اگر آپ کا دھیان میری طرف گیا ہے تو آپ جانتی ہیں۔ ریا سے صرف سوا سال بڑا ہے عمر۔ اس کی شادی تو دس گیارہ برس بعد ہی مناسب ہو گی۔ پڑھائی لکھائی۔ پھر روزگار۔" سارہ نے بغیر لگی لپٹی صاف بات کہہ ڈالی۔

"تو تم اظہر اور ظہیر وغیرہ سے بات کر کے دیکھو۔ کہ وہ کیا سوچتے ہیں؟" بڑی اماں نے سارہ کے ذمے کام لگایا۔ "یہ ضرور سمجھا دینا کہ اگر اسے زیادہ پڑھا لکھا دیا تو ہاتھوں سے نکل جائے گی۔ کبھی اپنی مرضی سے بیاہ نہیں سکو گے خدانخواستہ۔ اے ہاں اور کیا۔ بیاہ نہیں کیا یا۔ اتنی تو دیکھی ہیں۔ تم خود دیکھتی ہو اس کے طور طریقے۔"

"ٹھیک ہے اماں۔ کر کے دیکھوں گی بات۔" سارہ نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔

اسی لمحے ذرا سی باختہ سا عبدالکریم لاؤنج میں داخل ہوا۔

"بڑی اماں۔ جلدی چلیے۔ جمال صاحب جھولے سے گر گئے ہیں جلدی چلیں۔"

"جھولے سے؟" وہ بدحواس سے انداز میں لان کی طرف لپکیں۔ پیچھے پیچھے سارہ اور عبدالکریم بھی دوڑے۔

جمال ٹانگ پکڑے ہائے ہائے کر رہا تھا۔ ریا اندر سے پریشان پاس ہی کھڑی تھی۔

"بڑی اماں! جمال بھائی جھولے سے گر گئے۔ شاید ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔" ریا نے خدشہ ظاہر کیا۔

"تیرے منہ میں خاک۔ کس کمبخت نے مشورہ دیا تھا اسے جھولا جھولنے کا؟" بڑی اماں گھاس پر بیٹھ کر جمال کی ٹانگ ٹٹولنے لگیں۔

"میں تو خود حیران رہ گیا جب جھولا خالی واپس آیا۔ میں نے زیادہ زور سے پینگ تو نہیں دی تھی۔" ریا کے چہرے پر

پر ہی عذاب بن کر ٹوٹی پڑی تھیں۔ تنخواہ تو اللہ یار کی روکوں گی۔ بڑا سفارشی بن رہا تھا یہ۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی زینے کی طرف بڑھیں۔

اللہ یار نے نزلہ گرا تھا۔ اس نے بھی بڑی غضب ناک نظروں سے بانگی کی طرف دیکھا تھا پھر کچھ سوچ کر مومن کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

اس نے قدرے ہچکچاتے ہوئے اس کے بیڈروم کے دروازے پر دستک دی تھی۔

"کون ہے بھئی؟" مومن کی بے حد جھلائی ہوئی آواز آئی۔

"میں ہوں مومن صاحب"۔ اللہ یار نے جواب دیا۔

"کیا تکلیف ہے؟" مومن نے دروازہ کھول کر پہلے سے زیادہ جھلا کر پوچھا تھا۔

وہ غالباً لباس تبدیل کر رہا تھا شرٹ اتار چکا تھا۔ وہائٹ بنیان میں وہ سامنے آیا تھا۔

"صاحب! میری مدد کیجیے۔ میں بہت غریب آدمی ہوں۔ میں نے قرآن سے ہمدردی کی تھی۔ مالکن میری تنخواہ کاٹنے کا کہہ رہی ہیں۔ اب اگر میں یہ نوکری چھوڑ بھی دوں تو اتنی جلدی دوسری کہاں ملے گی"۔ اللہ یار کے لہجے میں بلا کی بے بسی تھی۔

"اوہ۔ تم کیسا پریشان ہو رہے ہو۔ میں ہوں ناں۔ مجھ سے لے لیا کرنا اپنی تنخواہ۔ جاؤ۔ اب اپنا کام کرو۔ جو پیسے ملا سے بچیں وہ بھی تم رکھ لینا اور کچھ؟" وہ دروازہ بند کرنے لگا۔

"آپ تو اس گھر میں اللہ کی رحمت ہیں سائیں! آپ کے لیے تو جان بھی حاضر ہے۔ اللہ سائیں آپ کو نئی خوشیاں دے کر سنبھالے رکھیں۔"

اللہ یار کی آواز رندھ گئی اور مومن کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے بہت آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔

"ہوں۔ تو یہ جواب دیا ہے انہوں نے"۔ پاشا پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے بولا۔

دونوں ماں بیٹیاں جواب میں خاموش رہیں۔

پاشا اس وقت شکار کے مخصوص لباس میں ملبوس تھا۔ بھوری بھوری جینز اور اس سے میل کھاتی خاکی سی شرٹ جس پر جابجا ہلکے سبز رنگ کے دھبے بھی موجود تھے۔ لانگ بوٹ انتہائی نفیس وضع کے تھے۔ جو بطور خاص پیرس سے لایا تھا۔ اس نے دیوار سے ٹنگی رائفل اٹھائی اور کسی غیر مرئی نشانے پر تان لی۔ وہ قطعی خاموش تھا جیسے اس نے کوئی معمول کی بات سنی ہو۔

"بہت اچھا۔ آپ لوگ ہیں ہی اتنی باصلاحیت کہ جواب یہی ہو سکتا تھا"۔ اس نے رائفل اپنے کاندھے پر لٹکائی۔

آخر اس کی خاموشی ٹوٹی۔

"ماں اتنی بڑی تصویر لگی ہے میری ڈرائنگ روم میں مردہ شیر پر پاؤں رکھ کر کھنچوائی تھی۔ ایک بار تو انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چائے پلا دیتیں۔ تین دن کے لیے جا رہا ہوں شکار پر۔ اس علاقے میں جہاں شکار کرنے پر پابندی ہے۔ واپس آ کر آپ سے بہت سی باتیں کروں گا"۔

وہ پیچھے رکھا بیگ اٹھا کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ تینوں ماں بیٹیوں نے گویا دیر بعد کھل کر سانس لیا۔

"وہ بہت بھلے نیک سفید پوش لوگ ہیں۔ خدا ان پر رحم کرے۔ صبیحہ میرا دل گھبرا رہا ہے"۔ قمر النساء کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

"مت پریشان ہوں۔ وہم نہ کریں اماں! آپ تو پہلے ہی بیمار ہیں۔ میں ان سے کہوں گی ان کی تو بات بھی سن لیتا ہے۔ کچھ ادب لحاظ بھی کرتا ہے۔ مجھے امید ہے وہ اسے قائل کر لیں گے۔"

صبیحہ نے ماں کا ہاتھ تھام کر بہت محبت سے ماں کو تسلی دی۔

"کیوں بچوں کی طرح بہلا رہی ہو۔ کیسے چٹ پٹ مر جاتے ہیں لوگ میں پتا نہیں کب مروں گی۔ کہاں ہے میرے حصے کی موت" ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔

ملیحہ اپنی جگہ سے اٹھی اور جیسے تڑپ کر ماں کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"میری پیاری اماں! ایوں نہ کہا کریں ہمارے لیے تو بس سب ہی کچھ آپ ہیں۔ آپ کی دعاؤں کی ٹھنڈی چھاؤں چاہیے ہمیں۔ دعا سے نہ ہاریے۔ دعا کرتی رہیے کبھی تو سن ہی لے گا وہ۔

جب ہم بچوں سے کہتے ہیں۔ کل پھپھی کے ہاں جانا ہے تو وہ رات سے تیاریاں کرنے لگتے ہیں۔ وہ چھوٹی سی مہک کہتی ہے۔ ممی مجھے چوڑیاں پہنا دیجئے نانی کے گھر جانا ہے۔ آپ کو کیا پتا آپ اس گھر میں بس ایک ہی تو رونق ہیں۔ اماں یقین کریں رات کو کبھی سوتے سوتے یونہی آنکھ کھل جاتی ہے۔ تو پہلا خیال یہی آتا ہے کہ پتا نہیں آپ سو رہی ہیں اس وقت یا جاگ رہی ہیں۔ کہیں رو تو نہیں رہیں"۔

ملیحہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

قمر النساء نے بھی اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور رونے لگیں۔ "حد ہو گئی ملیحہ اماں تو ویسے ہی پریشان ہیں تم نے اور رلا دیا۔"

صبیحہ انہیں الگ کرتے ہوئے سرزنش کرنے لگی۔ ملیحہ واپس آ کر بیٹھ گئی اور آنسو صاف کرنے لگی۔ دانیال کے ولیمے میں پاشا بھی آیا تھا۔ کتنی خواتین نے اسے دلچسپی سے دیکھا تھا۔ یہ جان کر کہ وہ میرا بھائی ہے اور کنوارا ہے۔

سیاہ ڈنر پیس سوٹ میں وہ سب سے خوبصورت اور نمایاں تھا۔ جب عورتیں بڑے رشک بھرے انداز میں مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ ملیحہ تمہارا بھائی ہے؟ خیر سے کیا کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو میرا جی چاہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دوں"۔

ملیحہ کی آواز پھر رندھ گئی۔

"کاش اماں یہ وہ ہوتا جس پر ہم بہنوں کو ناز ہوتا۔ ہم خوشی سے پھولی نہ سماتیں"۔ وہ آنکھیں پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھی

صبیحہ کے سینے سے بھی ایک سرد آہ خارج ہوئی۔

"ہاں یہ میرا نصیب ہے۔ بیٹا ہے۔ خوبصورت ہے۔ ماشاءاللہ صحت مند ہے مگر بس جیسے ایک روگ ہے۔ آنسو ہے دکھ ہے"۔ قمر النساء کے لہجے میں بلا کا حزن تھا۔

"اب یہ تین دن جیسے سولی پر ٹنگے گزریں گے۔ ایسی جگہ گیا ہے جہاں پابندی ہے اور خطرہ ہے۔ درندے ہیں اور پھر تین دن بعد پھر وہی گھر میں قیامت ہے۔ اسی سے کیوں نہیں کر لیتا جس کے ساتھ سیر کرنے باہر گیا تھا۔ کیوں کسی کی معصوم بچی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے۔ کیا بگاڑا ہے انہوں نے کسی کا کتنے سیدھے سادے لوگ ہیں مفت کی ہائے اپنے سر لے رہا ہے"۔ قمر النساء نے ملول ہو کر کہا۔

"اماں اگر ہمارا بھائی ویسی کے لائق ہوتا تو ہم تو ان کی دہلیز کی مٹی لے لیتے۔ اتنی اچھی لگی ہے کہ بس دل میں اتر گئی ہے"۔

"شاید اس کے دل میں بھی اتر گئی ہے"۔ ملیحہ نے برجستہ کہا۔

"جب کنویں سے پانی لینے جاتے ہیں تو ایسا برتن لے کر جاتے ہیں جسے بھر کر اٹھا بھی سکیں۔ اپنی ہمت اپنی طاقت بھی دیکھتے ہیں۔ نادان کو یہ بات کیوں سمجھ میں نہیں آ رہی؟"

قمر النساء نے برابر بیٹھی ہوئی بچی کو دیکھا۔ جو کسی گہری سوچ میں تھی۔

"ہاں اماں! درد تو پڑوانے ہی کا ہے"۔

"ابھی تو تین دن ہیں۔ جا صبیحہ تو ہی جا کر انہیں سمجھا دے کہ وہ اپنی بچی کو کہیں بھیج دیں یا فوراً اس کا نکاح کر دیں۔"

"مگر کیونکر۔ کیسے کہیں اماں۔ ہم کچھ سمجھا ئیں وہ کچھ سمجھیں" ملیحہ نے کہا۔

"وہ سمجھ جائیں گے۔ جب ڈریں گے تو کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے" قمر النساء نے بہت زور دے کر کہا۔

"مگر اماں! ضروری نہیں کہ وہ کچھ الٹا سیدھا کر ڈالے" صبیحہ نے کہا۔

"اس سے کیا بعید ہے۔ بھولی سی بچی ہے۔ ذرا سی چوک سے مٹی ہو جائے گی۔"

"نہیں اماں! وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ طاہر صاحب سے براہ راست بات کرنے ان کے گھر پہنچ جائے اور وہ لوگ اتنے سمجھدار ہیں کہ کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیں گے۔ آپ اپنے ذہن پر بوجھ مت ڈالیے بیٹے کے لیے راہ راست کی اور ان لوگوں کے لیے حفظ و امان کی دعا کیجیے۔"

صبیحہ نے ماں کا ہاتھ تھام کر محبت سے بوسہ دے کر کہا۔

"کیا کروں کیسے کیسے ہتھیار لیے پھرتا ہے۔ جانے کون کون مجھے کوستا ہوگا کس جنم جلی نے اسے جنم دیا ہے۔ کسی بھلے آدمی کا کہنا ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور اس کے بعد اس سے ڈرتا ہوں جو اللہ سے نہیں ڈرتا۔"

"بس میری بھی کچھ ایسی حالت ہے"۔ قمر النساء گویا ہوئیں تو صبیحہ و ملیحہ اپنی جگہ خاموش ہو کر رہ گئیں۔

"چلو مدیحہ اور فریحہ تو دوسرے ملک میں ہیں۔ وہ تو کچھ سکون میں ہوں گی" قمر النساء نے خاصی دیر بعد خاموشی کو توڑا

"اللہ کرے اماں! کوئی تو سکون میں ہو۔ مگر دور رہنے والوں کو تو اور زیادہ فکریں ہوا کرتی ہیں۔ اب فریحہ ہی کو لے لیں۔ کہنے کو پشاور میں ہے۔ اپنے ملک میں ہے مگر جب وہ فون کرتی ہے تو یوں سہمی ہوئی ہوتی ہے جیسے ہم جانے نہیں اسے کیا بری خبر سنائیں گے خدانخواستہ۔

"اس کا پہلا سوال یہی ہوتا ہے بھائی کیسے ہیں؟" صبیحہ کچھ سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔

"ہاں وہ سب سے چھوٹی ہے ماں۔ اس نے اس گھر میں پاشا کے دو رنگ دیکھے ہیں۔ جو شاید ہم چاروں نے نہیں دیکھے۔ تنے منے زیادہ اور دکھ کم ہے۔ اس نے خاکم اور دکھ بھات یاد ہے۔ جب کبھی پاشا مجھ سے بہت تیز آواز میں بات کرتا تو وہ روتی ہوئی اس سے لپٹ جاتی تھی اور منت کر کے کہتی تھی آہستہ بولو بھائی۔ اماں کا دل بہت کمزور ہے"۔

قمر النساء کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

تینوں ایک مرتبہ پھر خاموشی کا دریا عبور کرنے لگیں۔

"نوبہ۔ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ ایک ذرا سی موچ ہی آ گئی ہے۔ بہت ہی نازک ہیں آپ۔ اسکول میں اتنی اونچائی سے رسا پھلانگ کر میں نے فرسٹ پرائز جیتا تھا۔ آپ جیسے لڑکوں کو تو بچپن ہی سے فوج میں بھیج دینا چاہیے تاکہ سخت زندگی کے عادی بن سکیں۔ ویسے عمر کیا ہوگی آپ کی۔ کیا اس عمر میں فوج میں کمیشن مل جاتا ہے۔"

وہ ایک اور سوال کرنے لگی۔

"وقت کی بات ہے ورنہ میں اتنا بھی نازک نہیں ہوں"۔ جمال نے آہستگی سے جواب دیا۔

"یعنی تھوڑے سے بہت نازک تو ہیں۔ آپ کے گھر میں لان ہے؟" وہ پوچھنے لگی۔

"جی۔ جی ہاں۔ لان کیا اچھا خاصہ قطعہ اراضی ہے"۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"اب آپ ایسا کیجیے گا۔ وہاں جتنے بھی درخت ہیں۔ بڑی اماں کی عمر کے تو ہوں گے؟"

"کون۔ درخت؟" وہ گڑبڑا گیا۔

"جی ہاں۔ وہ سب آپ کاٹ ڈالیے گا۔ اور ان کی جگہ نئے لگا دیجیے گا۔ اگر وہ واقعی بہت سارے ہوں گے تو ان کی جڑیں وہ دور تک پھیل چکی ہوں گی۔ آپ نئی زمین کھود دیے گا اور جڑیں اکھاڑ دیجیے گا۔ پھر زمین برابر کر دیجیے گا پھر دیکھیے گا آپ کے ہاتھ پاؤں کتنے مضبوط اور سخت ہو جائیں گے۔ سارا نازک پن ختم ہو جائے گا پھر آپ خدانخواستہ تیسری منزل سے بھی گر پڑیں گے تو آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ بس احتیاط کیجیے گا کہ سر کے بل نہ گریں کیونکہ بعض اوقات دماغ کی چوٹ کا علاج نہیں ہوتا۔ آپ کو تو پتا ہی ہے اصل معذوری تو دماغ کی معذوری ہی ہوتی ہے۔ کیوں؟" وہ بہت دانشورانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"جی جی!" جمال نے حیرت چھپا کر بڑی بے بسی سے جواب دیا۔

"آپ کی وجہ سے بڑی اماں نے مجھے بہت ڈانٹا ورنہ عام طور پر تو وہ دو منٹ سے زیادہ نہیں ڈانٹتیں"۔ اس نے جیسے شکوہ کیا۔

"مجھے بہت افسوس ہے"۔ جمال نے کہا۔

"ایک تو یہ افسوس میری سمجھ نہیں آتا۔ بہت کچھ ہو جانے کے بعد صرف افسوس پر تو فورسٹار افسوس ہے۔ اب صرف افسوس سے تو میری پوزیشن بحال ہونے سے رہی۔ عمر بھر طعنے ملیں گے کہ جمال کو جھولے سے گرا دیا تھا۔ ہفتہ بھر بے چارا بستر پر پڑا رہا۔ وغیرہ وغیرہ" اس نے منہ بنایا۔

"میں سب کو یقین دلانے کی کوشش کروں گا کہ آپ کا کوئی قصور نہیں۔ میں خود ہی گر گیا تھا"۔ جمال کو اس کی تسلی کو کچھ تو کہنا تھا۔

"لیجیے۔ خود سے کب گرتے ہیں۔ خود سے تو چھلانگ مارتے ہیں۔ جیسے اندھے کنویں میں چھلانگ مارتے ہیں۔ موت کے منہ میں چھلانگ مارتے ہیں۔ آگ کے دریا میں چھلانگ مارتے ہیں۔ جیسے بے خطر آتش نمرود میں عشق کود پڑا ہے۔ کود نا چھلانگ مارنا ایک ہی بات ہے"۔

"کیا واہی تباہی بک رہی ہے؟ یہ عشق مشک کی باتیں بھائیوں سے کرنے کی ہیں؟" بڑی اماں نے محض نازک الفاظ کے دوران دخل اندازی کی تھی۔

جمال کو ایک مصیبت سے خلاصی ملی تھی تو دوسری میں پھنس گئی تھی۔

"کب آئے گی عقل۔ بچے کھلانے کی عمر آ گئی۔ چلو اٹھو ادھر سے"۔

بڑی اماں جانے کیا بھی تھیں پارہ ایک دم ہائی ہو گیا تھا۔ اس کی طرف سے ہمیشہ انہیں کسی حماقت ہی کا خدشہ رہتا تھا۔

"دادی جان! یہ کوئی غلط بات نہیں کہہ رہی تھیں۔ بلکہ وہ اپنی سیدھی سادی باتیں کر رہی تھیں"۔ جمال ان کے غصے کی وجہ تک پہنچ گیا تھا۔

دو گھنٹوں بعد اس کی ہڈیوں کی رگھن مدھم پڑنے لگی تھی۔ اس نامہربان کا ظلم تو ابھی تک لہو میں انگارہ بن کر دوڑ رہا تھا۔ ابھی بھی وہ جیسے ہی اسے زینے پر نظر آیا تھا اس کا رواں رواں کھڑا ہو گیا تھا اور ٹانگیں بے جان ہو گئی تھیں۔ اتنا خوف تو اسے شاہانہ کے غصے سے بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔

"کمپنی کی حقیقت بھی اپنے باپ سے پوچھ لینا۔ بڑے آئے کمپنی کے تنخواہ دار" شاہانہ نے تلخی سے کہا۔

"ہاں تو تنخواہ دار ہی کہہ رہا ہوں۔ خود کو حصہ دار تو نہیں کہہ رہا" ایک رکا ہوا طوفان تھا۔ جو شاید آج راہ پا گیا تھا۔

آئندہ مجھے نوکروں کے سامنے موضوع بنایا گیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ غور سے سن لیں غور سے سنو تم۔ اگر نفیس خواجہ کے پاس ایک بیٹا ہے تو ایک میرے پاس بھی ہے۔ ابھی اگر اسے بتا دوں کہ تم اسے کس انداز میں ہلیم کر رہے ہو تو وہ کھڑے کھڑے تمہیں شوٹ کر دے۔ خیر مناؤ اپنی۔ احسان فراموش کی اولاد۔ چل لڑکی! اپنے کوارٹر میں۔ اور تم سب بھی"۔ وہ مون کی بات کاٹ کر جذباتی انداز میں چلائی تھیں۔ اور تو یوں کا رخ نوکروں کی طرف موڑ دیا تھا۔

مون نے مٹھیاں بھینچ کر جیسے اپنے غضب کو قابو کیا اور واپس پلٹ گیا۔

سارے نوکر بھی چپکے چپکے کھسکنے لگے۔ اللہ یار نے موٹی کو اشارے سے وہاں سے ہٹ جانے کو کہا۔ بانگی تو پہلے ہی وہاں سے ہٹ چکی تھی اور چپکے چپکے دروازے سے جھانک رہی تھی۔

اب پھر وہی معمول تھا جو چند دنوں کے لیے ڈسٹرب ہوا تھا۔ نفیس خواجہ ابھی تک ملک سے باہر تھے۔ وہ تین دن کے وقفے سے انہیں فون کر لیتا تھا۔ ان کا فون آفس میں آ جاتا تھا۔ شاہانہ کو ان کے متعلق کچھ علم نہیں تھا کہ کس ملک کے کس شہر یا قصبے میں ہیں۔ انہوں نے ایک آدھ مرتبہ آفس سے پتا کرنے کی کوشش کی تھی مگر نفیس خواجہ کی ہدایت کے مطابق عملے نے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ جس پر وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکارتی پھرتی تھیں۔

آج رات وہ ایک بجے سے کچھ پہلے گھر میں داخل ہوا تھا۔ کوٹھی کی تقریباً نوے فیصد روشنیاں گل ہو چکی تھیں۔ اس نے قدرے سکون کا سانس لیا تھا۔ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے وہ آہستہ قدموں سے اندر کی طرف بڑھا۔ مگر سسکیوں کی آواز نے جیسے اس کے قدموں کو زنجیر ڈال دی۔ اس نے آواز کی سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ مگر کچھ واضح نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے الجھ کر جستجو ترک کر کے پھر قدم بڑھا دیے۔ معاً اس کی نظر بانگی پر پڑی۔ وہ ہاتھ میں کچھ لیے لان کی طرف چور قدموں سے بڑھ رہی تھی۔

"اے۔ ای۔ شش"۔ اس نے قدرے دبی اور جھلائی ہوئی آواز میں اسے متوجہ کیا۔

جو کچھ بانگی کے ہاتھ میں تھا چھوٹ کر زمین پر آ رہا۔ چھن کوئی سیال شے بہتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ نزدیک آیا تو معلوم ہوا کہ پانی کا گلاس تھا جو ٹوٹ چکا تھا اور بانگی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"ادھر کہاں جا رہی تھیں۔ پانی لے کر۔ وہ بھی اس وقت؟" اس نے بہت آہستہ آواز میں پوچھا تھا۔

ٹپ ٹپ۔ بانگی کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے۔

"نان سنس۔ میں تمہیں کیا کہہ رہا ہوں۔ جو تم نے رونا شروع کر دیا۔ کس کے لیے لے کر جا رہی تھیں پانی؟" وہ بری طرح جھلا گیا۔ سکون کی ساری کیفیت زائل ہو گئی تھی۔ جی چاہ رہا تھا اسے پھاڑ کھائے۔ مگر اس کا خوفزدہ چہرہ دیکھ کر بہت ضبط کر رہا تھا۔

"وہ۔ وہ۔ صاحب۔ موٹی نے مانگا تھا پانی" بانگی نے بمشکل کہا۔

"موٹی ادھر کیا کر رہی ہے"۔ اس نے پلٹ کر لان کے اندھیرے میں کچھ دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ نظر نہ آیا۔

"پانی خود نہیں پی سکتی وہ نواب زادی۔ جو تمہاری خدمت کروا رہی ہے آدھی رات کو۔ اور اس وقت لان میں بیٹھنے کی کیا تک ہے؟" مارے کوفت کے برا حال ہو گیا۔

"س۔ صاحب۔ وہ بھاگ رہی تھی اور مجھے بھی بھگا رہی تھی۔ میں تو اسے منع بھی کر رہی تھی کہ مون صاحب غصہ ہوں گے"۔ اس نے معصومانہ سیاست سے مون کو اہمیت دے کر اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ خوف سے اس قدر بری حالت تھی کہ سوائے سچ کے منہ سے کچھ اور نہیں نکل سکتا تھا۔

"بھ۔ بھا۔ بھاگ رہی تھی۔ تمہارا مطلب ہے کھیل رہی تھی تمہارے ساتھ؟" مون تو حیرت سے خود لڑ کھڑا گیا۔

"نن۔ نہیں صاحب۔ وہ دیوار پھلانگ رہی تھی کہہ رہی تھی کوٹھے واپس جائیں گے"۔ بانگی نے ہکلاتے ہوئے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

"اوہ۔ مائی گاڈ"۔ مون چکرا کر رہ گیا۔

"تمہیں پتا ہے کوٹھہ یہاں سے کتنی دور ہے؟" اس نے قدرے ناراضگی سے پوچھا۔

"م۔ میں تھوڑا ہی پھلانگ رہی تھی۔ وہ تو موٹی کہہ رہی تھی"۔ بانگی نے سادگی سے کہا۔

"تو بھاگنے سے پہلے وہ ادھر سے آخری مرتبہ پانی پینا چاہ رہی تھی۔ ہوں"۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اندھیرے میں دور تک دیکھنے کی کوشش کی۔

"صاحب۔ وہ گر گئی ہے۔ اس سے اٹھا نہیں جا رہا"۔ بانگی نے اصل وجہ بتائی۔

"دیوار کے اوپر سے"۔ مون نے دیوار کی اونچائی کا اندازہ کر کے تشویش سے پوچھا۔

"نہیں ابھی وہ دیوار پر نہیں چڑھی تھی۔ شہتوت (شہتوت) پر چڑھ رہی تھی۔ کہہ رہی تھی ادھر سے آرام سے دیوار پر چڑھ جائیں گے۔ کہہ رہی تھی پہلے میں چڑھوں گی تو غور سے مجھے دیکھو۔ جیسے جیسے میں چڑھوں ویسے ویسے تو چڑھ جانا"۔

بانگی نے بالکل بھولپن سے ساری پلاننگ صاحب کے گوش گزار کر دی۔

"آپ کی گاڑی دیکھی ہاں تو پس گر گئی"۔ بانگی نے بیان مکمل کر دیا۔

"کدھر ہے وہ۔ آؤ میرے ساتھ"۔ اس نے کسی دشمن جیسا قدم آگے بڑھائے مگر فوراً ہی رک گیا۔ "جاؤ اسے لے کر اپنے کوارٹر میں جاؤ۔ اور آئندہ اس قسم کی حرکت کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ تمہاری مالکن میری زندگی اجیرن کر دے گی۔ اب تم بے تو قیر لڑکیاں نہیں ہو۔ ناک کا مسئلہ ہو"۔ وہ بڑبڑایا۔

بانگی اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی لان کی طرف دوڑ گئی تھی۔ خوشی بھی بہت تھی۔ وہ تاسب کچھ دیکھ کر بھی صاحب ناراض نہیں تھے۔ جہاں سکون میں آ گئی تھی۔ وہ تو ویسے بھی اس طرح فرار ہونے کے حق میں نہیں تھی۔ اندھیرے سے تو اسے بہت ہی ڈر لگتا تھا۔

مون پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس سمت دیکھ رہا تھا۔ جہاں دوڑ کر بانگی گئی تھی۔ دو تین منٹ گزر گئے مگر وہ واپس آتی دکھائی نہ دیں۔

"اوہ۔ کہیں وہ احمق لڑکی واقعی دیوار تو نہیں پھلانگ گئی۔ اس خیال نے اسے نئے سرے سے ذہنی اذیت ہوئی۔ اگرچہ حسن کم جہاں پاک والا معاملہ بھی تھا مگر پر اس "پاک جہاں" کی بجشت بہر ہیں بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ کسی قیمتی ساز کی پازیب سنگ گارڈن میں تیل دوا لم اور کھل دہشت کے ساتھ چھنچھنی رہا رہی۔ ایک ماچس کی تیلی سے ساری دنیا کو بھسم کر دینے والی دہشت کے ساتھ۔

وہ ایک اشتعال کی کیفیت میں اس سمت بڑھا جہاں باگی گئی تھی۔ اتنی ضروری تھیں یہ منحوس لڑکیاں اس گھر کے لیے۔ کاروبار خوب تھا ان کے بغیر۔ کیا قہر خداوندی ماحول ہوا ہے اس گھر پہ۔

اپنی نظروں میں گر جانے کا عمل انسان کو جتنا سنجیدہ اور بے عمل بناتا ہے، دنیا کا کوئی اور حادثہ اتنی تیزی سے توڑ پھوڑ نہیں پاتا۔ وہ بڑھنا چاہتا تھا مگر ایک حادثہ وہ زنجیر اس کے پاؤں میں چھنک پاتی تھی۔

وہ اس کے سامنے ہوگا اور وہ نظر اٹھا کر اسے ضرور دیکھے گی۔ اور وہ اس کا دیکھنا کیسے دیکھے گا؟ ابھی وہ اسی الجھن ہی میں تھا کہ باگی واپس آتی دکھائی دی۔ قدرے اطمینان سا ہوا کہ ابھی عذاب الٰہی اسی چار دیواری کے اندر موجود ہے۔

"صاحب مجھ سے اٹھ نہیں رہی وہ۔ کہتی ہے پاؤں میں مل پڑا ہے۔ شاید رو رہی ہے۔ میں نے تو اسے بہت کھینچا۔ صاحب، وہ بہت بھاری ہے۔" اس نے بڑی بے چارگی سے اپنی مشکل بتائی۔

مون نے ولبسٹ واچ پر نظر ڈالی ایک بج چکا تھا۔ "جاؤ اللہ باؤ کو اٹھاؤ اور اسے بتاؤ کہ تم دونوں کیا حرکت کر رہی تھیں۔" مون یہ کہتے ہی جانے کو مڑا۔

"صاحب! جا جانو رات کو روٹی کھا کر کوٹھے چلا گیا تھا۔ کل چھٹی ہے اس کی۔ بولتا تھا صبح سویرے آئے گا۔" باگی نے سہمی آواز میں پھر سے زنجیر ڈالی۔

مون کا جی چاہا بے حس بن کر آگے بڑھ جائے۔ گھسیٹ گھسیٹ کر گھنٹے بھر میں کسی کوارٹر تک پہنچ ہی جائے گی۔ مگر اس ذہنی کشمکش میں شور بہت تھا۔ وہ جیسے شکست خوردہ سے انداز میں اس کی طرف بڑھا تھا۔

"صاحب۔ اس کو ماما تیس اس کا بہت اودا ہے" باگی نے بہن کی ہمدردی میں جیسے خوب کر سفارش کی تھی۔

مون نے اپنی قسمت، گھر کا ماحول، موجودہ حالات کو ایک سیکنڈ میں نئے سرے سے ایک مرتبہ پھر سوچ لیا تھا۔ ایک جملہ روم، وہ وقت کیا کھا، جملوں کے نشتر اور پھر اپنا تک اپنی نظروں میں آپ گر جانے کا عمل۔

اسے لگا کہ وہ نہایت بدصورت اور مکروہ لگنے لگی۔ ایک الم کدہ عذاب کا گھر۔ لامحدود اعتبر منعین فیدہ بند۔

وہ جیسے خود کو گھسیٹتے ہوئے وہاں تک آیا تھا جہاں سول اپنا پاؤں دبائے ہوئے درد سے دوہری ہو رہی تھی۔ مون کو سامنے پا کر ایلفنٹ کو یا اس کے ہوش جواب دے گئے۔ وہ دبکی سہما ہو گیا۔ وہ وحشت زدہ ہرنی کی طرح آنکھیں پھاڑ کر اسے گھورنے لگی

اسے اپنے وجود پر مون کے ہاتھ کی لرزش یوں محسوس ہونے لگی جیسے اس کے وجود پر کیڑے رینگ رہے ہوں حالانکہ وہ اس سے ایک فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

گندی بدبو سی کوئی وحشت کی طرح، داخلی خوشبو اس کے وجود سے نکلنے لگی۔ اس کا سانس رک گیا۔ اسے اس خوشبو سے جتنا خوف تھا اتنا خوف شاہانہ کے نوکیلے ناخنوں والے نوچنے ہاتھوں سے بھی نہیں آیا تھا۔ جو اسے کئی مرتبہ بری طرح کھسوٹ چکے تھے۔ اس نے مون کے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ وہ گوشت کے ہاتھ کے بجائے دانت نما محسوس ہو رہے تھے۔ مون نے ایک بے خبری کی کیفیت میں اس کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔ اسے زمین سے اٹھانے کی غرض سے۔

سول نے خوفزدہ ہو کر چہرے پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ لیے۔

"افوہ کی! اپلا عذاب خداوندی" مون کے لہجے میں جھنجھلاہٹ بھی تھی اور بیزاری بھی۔

"م۔ میں چلی جاؤں گی صاحب۔ آپ جائیں۔" وہ تھرتھرائی آواز میں بولی۔

"افوہ! پھر تو تم پر بوجھ ہی کچھ کھا کر کیوں نہیں مر جاتیں؟" وہ لاشعوری طور پر زہریلا ہونے لگا۔ "دیوار پر سے

کودنے سے کیا ہوتا ہے چھت سے کود جاتیں۔"

اس نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔ سول درد سے دوہری ہو گئی۔ اس کے منہ سے ایک کراہ نکلی۔ وہ بری طرح جھول گئی۔ مون نے بمشکل سنبھالا۔

درد سول کی برداشت سے زیادہ تھا۔ وہ بے بسی سے مون کے شانے سے سر ٹکا کر بری طرح رو دی۔ شاید ہڈی اپنی جگہ سے کھسک گئی تھی۔

"اپنا بوجھ مجھ پر ڈال دو" اس کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا۔

اسے اپنا انداز اپنے الفاظ یکسر اجنبی محسوس ہوئے۔ چاروں طرف سے یہ جملہ بازگشت بن کر اسی پر حملہ آور ہوا۔

"ہاں سول! صاحب کو اچھی طرح پکڑ لے" باگی ایک خاص بچن کی سی دلچسپی کے ساتھ اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ بے فکر ہو کر ہدایت دینے لگی۔

"پکڑ لیا ہے اس نے صاحب کو اچھی طرح" زہرخند مون کے ہونٹوں پر تحریک ہوئی۔

"اس بری طرح لٹے ہیں صاحب کہ خالی ہو گئے ہیں۔ ایک بے مایہ تو اسے مات کھا بیٹھے ہیں۔ کتنے شوق سے آئینہ دیکھتے تھے۔ اب آئینے سے حیا آتی ہے۔ جواں مردی کا سارا نشہ ہرن کر رہا ہے اس معمولی سے ادنیٰ نے۔ جب تک یہ اندر کی لعن طعن والی بے مروتی کہاں کی؟ لڑکی ہے کہ زہریلی ہوا جدھر سے گزر جائے سبزہ سوکھ جائے۔"

اس نے کراہیت سے سول کے وجود کو محسوس کیا۔

بمشکل وہ اسے لے کر کوارٹر تک پہنچا۔ اور فوراً اسے خود سے یوں الگ کیا جیسے کوئی زہریلا کیڑا جسم سے جھاڑا جاتا ہے۔ سول نے سہم کر تو دیوار کو تھام لیا۔

"صبح جب نہا دی مالکن کو تمہارا کارنامہ معلوم ہوگا تو دوسرا فریکچر وہ کر دیں گی۔ آئندہ اپنی یہ منحوس صورت لے کر میرے سامنے نہ آنا۔ اگر غلطی سے بھی میرے سامنے آئیں تو اچھا نہیں ہوگا۔"

وہ یہ کہہ کر اس کی سمت دیکھے بغیر لوٹ گیا۔ باگی احتیاط سے دروازے کا پٹ آہستگی سے دبا رہی تھی کہ آواز پیدا نہ ہو۔

مون کا خیال تھا کہ باگی اب کوارٹر میں سوئے ہوئے سارے ملازمین کو اٹھا دے گی۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ سول کی تکلیف کس نوعیت کی ہے۔

نمن چاودان او نظر نہیں ہوا زندگی یکدم خوشگوار محسوس ہونے لگی۔ مظاہر بھائی کا اندازہ بالکل درست تھا۔ اس طرح کے واہ چلنے لوگ بس یونہی ہوا کرتے تھے۔ یہی مشغلے ان کی زندگی ہوتے ہیں۔ کتنے عرصے بعد وہ دل سے تیار ہوئی تھی۔ وائل بلیو لینن کا سوٹ زیب تن کیا تھا۔ آٹھوں میچنگ کی چوڑیاں بھی کلائی میں ڈالی تھیں۔ کانوں میں تو سونے کے رنگ بچپن سے پڑے تھے۔ عارفہ نے بتایا تھا کہ جب اس نے قرآن ختم کیا تھا تو اس کی مالی بخشی بڑی اماں نے اسے تحفہ دیا تھا۔

صبا اور دوسری شیریں نے بہت دلچسپی سے اسے دیکھا تھا اور بہت معنی خیز انداز میں کھنکاری تھیں۔ چمکدار پنک لپ اسٹک اس کی تیاری کی خاص بات تھی جو آج سے پہلے اس نے کبھی استعمال نہیں کی تھی۔

"گھر جا کر نظر ضرور اتروا لینا۔ کچھ پتا نہیں ابھی خیال کر لینا تھا کہ ہم بے چاروں پر کیا گزرے گی۔ نفر یا مر ری ہے ہیں تم"

صبا اسے ایسے چھیڑ رہی تھی۔

جواب میں وہ حیا آمیز انداز میں مسکرا پڑی تھی۔

سیکنڈ پریڈ لینے وہ چھٹی کلاس کی سمت بڑھ رہی تھی کہ پی اون تقریباً دوڑتا ہوا اس کی سمت آیا۔

''مس؟ آپ کا فون ہے۔ میڈم کہہ رہی ہیں فوراً آ جائیں'' وہ کہہ کر واپس پلٹ گیا۔

''فون؟'' اس کا ذہن فوراً طاہر بھائی کی طرف گیا۔ ''ظاہر ہے انہیں بھی فکر تو ہو گی''۔ وہ راستہ بدل کر آفس کی طرف چل پڑی۔

پرنسپل صاحبہ نے اسے اندر آتے دیکھ کر بہت مصروف انداز میں ریسیور کی طرف اشارہ کیا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔

''ہیلو''۔ اس کا انداز بہت محتاط تھا۔

''فون بند کرنے کی کوشش مت کیجیے گا ورنہ آپ کے اسکول کا فون آج تمام دن ہیلڈ اپ رہے گا۔ جب بھی آپ کے آفس سے کوئی نمبر ملانے کی کوشش کرے گا۔ اسے میرے فون سے کچھ نہ کچھ سننے کو ملے گا۔ اس لیے کہ میں اپنی بات آپ تک پہنچائے بغیر لائن کٹ نہیں کروں گا''۔

اس کے حلق میں ایک دم جیسے کانٹے پڑ گئے تھے۔ اس نے بری طرح گھبرا کر پرنسپل کی جانب دیکھا تھا۔

''راستے میں آپ کی آواز نہیں سن سکتے۔ فون پر تو سن سکتے ہیں۔ آئیڈیا تو ہمیں نئے نئے سوجھتے ہیں۔ ماسٹر ہیں اس فیلڈ میں۔ اب آپ یہ پوچھیے فون کیوں کیا ہے؟ جب تک آپ پوچھیں گی نہیں میں بتاؤں گا نہیں۔ لیکن اس کے باوجود لائن کٹ نہیں ہو گی خواہ آپ ریسیور رکھ دیں۔ ہم آپ کی پرنسپل صاحبہ کے تھرو آپ کو پیغام دے دیں گے''۔

وہ تو جیسے سناٹے میں پہنچی ہوئی تھی۔

''ہیلو پوچھیے کیوں فون کیا ہے۔ ہیلو مس ماہ نور!'' پاشا کی آواز سے اس کے کان کا پردہ سنسنا رہا تھا۔

''ہیلو۔ پوچھیے ناں''

''کیوں فون کیا ہے؟'' بالآخر اس کی تھرتھراتی ہوئی آواز ابھری۔ وہ پرنسپل کی طرف دیکھ رہی تھی جو اس کی خاموشی پر تعجب سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔

''آواز صاف نہیں ہے ذرا اونچا بولیے۔'' پاشا نے بہت زور سے کہا۔ وہ اپنی جگہ پر گویا اچھل سی پڑی۔

''کیوں فون کیا ہے؟'' اس نے بے بسی سے پرنسپل کی طرف دیکھا اور قدرے بلند آواز میں پوچھا۔

بہرا ہوں چاہیے ہے دوگونہ التفات
سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر

''ذرا زور سے بولیے''۔ اس کی شوخی حرف حرف سے عیاں تھی۔

ماہ نور کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

''جی میں نے پوچھا ہے کیسے زحمت کی؟'' احساس بے بسی سے وہ کھکھیانے لگی۔

''فنٹاسٹک۔ ماشاء اللہ کیا ڈیشنگ آواز ہے۔ آپ تو ریڈیو پر صرف انٹرویو دے کر ہی اناؤنسر سلیکٹ ہو جائیں آڈیشن کے بغیر ہی۔ آپ کو معلوم ہے اس وقت میں کہاں سے بات کر رہا ہوں؟ گھنے جنگل کے گھنے درخت کے ایک مچان سے اپنے موبائل پر۔ دوپہر ہونے کو ہے مگر یہاں شام سی اتری ہوئی ہے۔ ابھی میرے سامنے سے پہلے ایک [illegible]

حسین شیرنی گزری۔ تو مجھے آپ کی یاد آ گئی۔ آپ کے اندر چھپی ہوئی شیرنی کو ہم نے تاڑا ہے میں شیر پر نشانہ باندھ رہا تھا۔ کہ شیرنی فوراً ہی سامنے آ گئی۔ بس شیر کا خیال آ گیا کہ احساس تنہائی سے کہیں پاگل نہ ہو جائے۔ اکیلے نکلی ہم یہاں ہرن کے شکار کی غرض سے آئے ہیں۔ شیر کے شکار کا شوق تو پہلے پورا کر چکے۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ حکومت نے ہرن کے شکار پر پابندی لگائی ہے اور خلاف ورزی کرنے والے پر بھاری جرمانہ ہے اور پابندی توڑنا ہمارا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ ادھر ہرن بھی کبھی کبھی دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے ہی شیڈ ہوئی سامان اٹھا کر ادھر پہنچ گئے۔ ابھی فرصت ہے اور آپ یاد بھی بہت آ رہی ہیں۔''

''ایکسکیوز می میڈم۔ آئندہ اسکول میں میرے لیے کوئی فون آئے تو آپ مجھے مت بلائیے گا خواہ میرے والد ہی کا ہو''۔

اس کی قوت برداشت جواب دے گئی اور وہ اسے سنانے کی غرض ہی سے پرنسپل سے مخاطب ہوئی تھی۔

''واہ کیا بھلی آواز ہے۔ جنگل میں سر پھوٹنے لگے ہیں۔ ویسے آج کے بعد آپ اسکول آئیں گی بھی نہیں''۔ اس نے ریسیور رکھتے ہوئے اس کا آخری جملہ سنا۔

''میڈم پلیز ہیلپ می۔ یقین کیجیے۔ یہ مجھے تنگ کر رہا ہے''۔ وہ ہچکیوں سے رو دی۔

''تو مس طاہرہ آپ اتنی دیر سے ریسیور تھامے کیوں سختی رہیں اسے؟'' میڈم نے شک بھرے لہجے میں سوال کیا۔

''وہ دھمکیاں دے رہا تھا'' وہ روتے روتے بولی۔

''کون ہے یہ؟ کہاں رہتا ہے؟'' پرنسپل کو جیسے اس پر ترس آ گیا بہت نرمی سے بولی تھیں۔

''یہیں رہتا ہے۔ پاشا نام ہے اس کا''۔ وہ بنوز بری طرح رو رہی تھی۔

''پ۔ پپ۔ پاشا۔ یو مین''۔ پرنسپل کا چہرا سفید پڑ گیا۔ ''او وائی گاڈ''۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی۔ پرنسپل نے فوراً اٹھا لیا۔ ''جی۔ ہیلو۔ ہوں ہاں۔ جی بات کر رہی ہوں۔ ہو۔ ٹھیک ہے۔ ہمیں کیا ضرورت ہے آپ سے الجھنے کی۔ جی بہتر۔ جیسے آپ کہیں۔ ظاہر ہے۔ ہمیں ادارہ چلانا ہے۔ نہیں کسی سے فون کروانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کا فون ہی کافی ہے۔ نہیں شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا حافظ'' پرنسپل نے فون بند کر دیا۔

''مجھے بہت افسوس ہے مس طاہرہ کہ ہم آپ جیسی ذہین اور محنتی ٹیچر سے محروم ہو رہے ہیں۔ آپ یقین کریں آپ کا کردار بہت روشن اور قابل تقلید ہے۔ مگر ہماری مجبوری ہے۔ اس ادارے کو چلانا ہے جسے برسوں کی محنت سے ہم نے سینچا ہے۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں ناں''۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے پرنسپل کی صورت دیکھ رہی تھی۔

''آپ اپنی ستر دن کی تنخواہ کلرک سے ضرور لیتی جائیے گا۔ آپ کو یہاں بہت اچھے نام سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ہماری دعا ہے آپ ہمیشہ خوش و آباد رہیں''

اسے پرنسپل کی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

اسی دوران پھر فون کی گھنٹی بجی۔ پرنسپل نے فوراً ریسیور اٹھا لیا۔

اس نے ریسیور کسی معمول کی طرح تھام کر سوالیہ نظروں سے پرنسپل کی طرف دیکھا۔

''آپ نے دیکھا صرف ایک فون کا اثر۔ کیسے لوگ ہماری بات مانتے ہیں اور ایک آپ ہیں کہ آپ کے دیدار سے

عارضی طور پر آرام کر رہا ہوں۔ مگر صرف چند دنوں کی بات ہے۔ اور آپ کو ملازمت کی ضرورت بھی کیا ہے۔ اللہ کا دیا میرے پاس بہت کچھ ہے۔ ہم اپنے بچوں کو سوئٹزرلینڈ میں بھی تعلیم دلا سکتے ہیں۔ رش بوکھولک" ریسیور میں سناٹا چھا گیا۔

پرنسپل تو آن کی آن میں کچھ سے کچھ ہو گئیں۔ ایسے اپنے کاغذات رفائلیں الٹ پلٹ کر رہی تھیں جیسے کہہ رہی ہوں" خدا کے لیے اب جاؤ بھی"۔

اس نے ریسیور آہستگی سے ٹیبل پر رکھ دیا اور اپنا چھوٹا سا بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"تھینک یو میڈم"

پرنسپل نے سر کی جنبش میں سب کچھ کہہ دیا۔ یعنی شکریہ بھی قبول کر لیا۔ جوابی خدا حافظ بھی کہہ دیا اور شاید یہ بھی کہ اب ادھر کبھی نہ آنا۔ جب انسان بات کرتے ہوئے نظر نہ ملانا چاہے تو گفتگو واضح اشارہ ہوتی ہے۔ ترک تعلق کی۔ ترک مدارات کی نظر چرائی اور تو خوب فاصلہ ہے۔ الا محدود رغیر جانبدار۔

اظہر اور ظہیر چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے صبح صبح بڑی اماں کے پاس بیٹھے تھے۔ آنے والے دونوں تینوں تازہ اخبارات کے صفحات آپس میں مدغم تھے جیسے بہت دیر سے "اخبار کا" ہو رہی ہو۔

"دیکھو اب چاند تو ادھر ہے جیسے تم ہی اب یہاں اپنا کردار ادا کرو، بہن کو سر چڑھا رہا ہے، وقت سے قابو بھی کرو"۔

"کیوں؟ خیریت؟" درمیان میں جتلا ہو گئے بہن جوان تھی کوئی بھی وہم مملہ آور ہو سکتا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے خیریت ہی ہے۔ جمال کے لیے تمہاری رائے لی تھی تمہاری بھو بھو بتا رہی تھی کہ تم نے کہا ہے اگر جمال پاکستان میں مستقل سیٹ ہو جائے تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں۔ دو بھی اس وجہ سے کہ یہ میری خواہش ہے۔ اللہ تمہیں خوش رکھے کہ تم نے میری بات رکھی۔ میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ جمال یہیں سیٹ ہو جائے مگر تمہارے چچا صدر الدین شاید راضی نہ ہوں۔

"بیٹے! اب تو جہاز میں آنا جانا ہوتا ہے گھنٹوں میں انسان ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر ہو جاتا ہے۔ لڑکا بہت نیک، سیدھا اور اچھا ہے"۔

"آپ یہ بھی تو سوچیے اماں ایک ہی تو بہن ہے ہماری اور پھر اس کی عمر بھی بہت چھوٹی ہے"۔ اظہر کہتے کہتے یک دم چپ ہو گئے۔

"اور بڑی اماں! جمال ضرورت سے زیادہ ہی سیدھا ہے" ظہیر نے بہت مضطرب سے انداز میں پہلو بدل کر پہلی مرتبہ لب کشائی کی۔

"سیدھا ہے خدانخواستہ پاگل تو نہیں ہے۔ تعلیم یافتہ ہے۔ شکل بھی اچھی ہے سب سے بڑھ کر ہمارا اپنا ہے" بڑی اماں کی گوٹ بھر "اپنے پن" پر آ کر اٹک گئی۔

"ٹھیک ہے ہم تو آپ کی بات کو حکم کا درجہ دیتے ہیں مگر بات دہی ہے کہ دو کا معاملہ ہے"۔

"خیر یہ تو میرے ذہن میں بھی ہے۔ اب اگر پتا چل جائے کہ وہ اس رشتے پر راضی ہے تو یہ مسئلہ بھی مل جل کر حل کیا جا سکتا ہے۔ اب یہ بھی ہے کہ دہ یہ رشتہ پسند بھی کرتا ہے یا نہیں۔ اس لڑکی نے تو اسے ماؤں جنے جواب دیے ہیں۔ بہت تنگ کرتی ہے اسے۔ اب اس کے دل کی بات کیسے پتا کی جائے؟"

"صرف اسی کی نہیں بڑی اماں ربا کی بھی رائے معلوم کی جانی چاہیے"۔

"اور سنو! وہ تو زبردستی کر کے شادی سے انکار کرتی ہے اس کی بلا سے رشتہ کسی کلرک کا ہو یا کسی ورلی عبد کا اور تو خروں سے زیادہ منصوبے بنانے بیٹھی ہے۔ اس پر رکھو گے تو ہو چکی اس کی شادی۔ اب یہ کام تو یار جیب تھوڑی تھی ڈانٹ سے تم بھائی ہی کرو گے۔ اسے ابھی اپنے اچھے برے کی سمجھ کہاں۔ مارلو تھراپی: میں جا کر جلتی ہے۔ سارا دن اس کی لیفٹ رائٹ کر میرے تو ہاتھ بھی دیکھ دیکھ کے رکھے لگتے ہیں۔

ذمہ داری کی زندگی شروع ہو گی تو آپ ہی ساری سمجھ بوجھ آ جائے گی۔ گونگے کی ماں کا اشارے کون سمجھتا ہے۔ سب سیکھ جاتے ہیں جب پڑتی ہے۔ تم لوگ خود میں نہ پڑو تم بس جمال کی طرف کا معاملہ نمٹاؤ۔ اسے تو بس یہ بتانا کافی ہے کہ ہم تمہارا بیاہ کر رہے ہیں۔

ادھر بس ذرا سا ظاہر کے بھی اپنے حق میں کرنے کی کوشش کرو ورنہ سٹی پر دماغ ہے اس کا۔

تمہاری بھو بھو نے اشارۃً اس کے سامنے یہ بات کا ذکر کر دیا تو بولا انگریزی میں پتا نہیں کیا دو نرسس (نانسنس) تمہاری بھو بھو تو اچھی خاصی جزبز ہو گئی۔

"میں نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہوا۔ تو بولی وہ یہ کہ وہ راضی نہیں ہے"۔

ظہیر نے چونک کر بڑی اماں کی صورت دیکھی۔

"بڑی اماں! جمال کو منانا بھی معلوم کیا جا سکتا ہے اور پیار بھی اثر انداز ہو جا سکتا ہے اور سب کچھ ہو سکتا ہے جو آپ چاہتی ہیں لیکن اگر ظاہر نے اس پر ایزل پر نانسنس کا کمنٹ پاس کیا ہے تو بہت مشکل ہے کہ اس کو خیال تبدیل کیا جا سکے"۔

"ظہیر کا خیال بالکل درست ہے بڑی اماں! بالکل خبطی ہے وہ۔" اظہر نے بھی بھائی سے مکمل اتفاق کیا۔

"اس کی ہٹ سے تو آپ بھی واقف ہیں۔ اگر وہ زمین پر سیدھا دوڑنے کا ارادہ کر لے تو اس وقت تک دوڑے گا جب تک زمین کے کنارے پہنچ کر خلا میں گر دنے یا دوسرے سیارے میں چھلانگ مارنے کی نوبت نہ آ جائے"۔

ظہیر بولتے بولتے جانے کس خیال کے تحت مسکرا دیے۔ جواب میں اظہر کی مسکراہٹ بھی بے ساختہ تھی۔

"بہر حال وہ بغیر ٹھوس وجہ کے انکار یا فرار نہیں کر سکتا۔ آپ کی خواہش ضرور پوری ہو سکتی ہے مگر یہ دھیان میں رکھیے، ظاہر کی ناراضگی ہم سب کو برداشت کرنا پڑے گی۔ اگر وہ رضامند نہیں ہے تو وہ کبھی بھی رضامند نہیں ہوگا۔ یہ آپ اور ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں"۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ ایک وقت انسان کو کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ دوسرا اسے سمجھاتا ہے تو اس کی عقل میں بھی آ جاتی ہے۔ اگر وہ تمہاری نہ مانے تو اسے کہنا کہ سال کے آخر تک میں نے ربا کی شادی کا سوچ لیا ہے۔ ان دنوں چاند اور دلہن بھی پاکستان آنے ہوئے ہوں گے۔ بس موقع اچھا ہوگا۔ اگر اسے یہ رشتہ منظور نہیں تو سال کے آخر تک کوئی عرش کا تارا توڑ لائے اگر اچھا ہوا تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ خوب کہی تم نے نہیں مانے گا۔ تم سب بھائی ماننے کس کی ہو۔ ایک چاند ہے جس نے لڑکی پسند کی اور بتا دیا۔ بولا بڑی اماں جیسے آپ کی مرضی۔ کیسی دل سے دعا نکلی تھی۔ کیسا نیک ہے میرا بچہ کیسا پورا ہوا تھا میرا ارمان، ہونے کی بارات لے کر گئی۔ سہرے میں بجھ بجھ گئے ہاتھ پکڑ کر آگے بٹھایا۔ فوٹو اتارنے سب کو بتاتے پھرے کہ یہ دولہا کی دادی ہیں۔ مالو پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ دلہن کو نظر بھر کر نہ دیکھا کہ میری ہی نظر نہ لگ جائے اور پھر کتنا روئی تھی اس رات دلہن کو چھپر کھٹ پر بٹھا کر"۔

بڑی اماں اچانک ہی رونے لگیں۔

"ارے نبا کیا نہ یاد آیا۔ یہ دن میرے دیکھنے کے کب تھے۔ جن کے دیکھنے کے تھے۔" وہ ہچکیوں ہچکیوں رونے لگیں
ظہیر یکدم اپنی جگہ سے اٹھے اور بڑی اماں کے برابر تخت پر بیٹھ گئے اور بہت محبت سے ان کا سر اپنے شانے سے لگا لیا
"بڑی اماں! آپ کے حوصلے سے تو ہم نے حوصلہ پایا ہے ورنہ ٹوٹ کر بکھر گئے ہوتے۔ آپ کی محبت کی شہ پر تو ہم اتنے گستاخ ہیں نہ کہنا چاہتے ہیں تو نہ کہہ دیتے ہیں اور ہاں کہنا چاہتے ہیں تو ہاں کہہ دیتے ہیں۔ جو دل میں ہوتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ اس لیے کہ آپ پر اعتبار ہے۔ آپ کی محبت پر بڑا مان ہے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو ہمیں دھول مٹی کر دیں گے۔ آپ سے تو ہم مضبوط ہیں۔ خدا کے لیے آپ یہ دعا کریں بس چپ ہو جائیں۔ پلیز بڑی اماں"۔

وہ ان کو خاموش کرانے لگے۔

اظہر بھی ملول خاطر نظر آئے۔

بڑی اماں ظہیر سے الگ ہو کر اپنے دوپٹے سے آنکھیں پونچھنے لگیں۔

"بیٹے! یہ تمہاری بڑی اماں بہت کمزور ہے۔ ماشاءاللہ چھ پوتوں میں بھی ہو تو چھپ جاتی ہے" وہ گلوگیر آواز میں بول رہی تھیں۔

"ہائے اللہ! بڑی اماں کیوں رو رہی ہیں صبح صبح؟"

ریا جاگتے ہی ہمیشہ بڑی اماں کو تلاش کرتی تھی۔ اور اب بھی برش کرتی باہر آئی۔ ظہیر اور اظہر کو دیکھ کر قدرے سنبھلا ہو کر بات کر رہی تھی۔ مگر پریشانی چہرے سے عیاں تھی۔

"تم جو بڑی اماں کو تنگ کرتی ہو" ظہیر نے بہت شفقت بھری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"نہیں تو میں تو ابھی ابھی سو کر اٹھی ہوں" وہ بے حد پریشان ہو گئی۔

"تو سونے سے پہلے کچھ کیا ہو گا" ظہیر نے کہا۔

"اچھا تو ہے بھائی! میں تو کل سارا دن بہت تمیز سے رہی ہوں۔ نال بھائی! جب چار سے جو بائے بائے کرتے رہے۔ اب کوئی بائے بائے کر رہا ہو تو موڈ ویسے ہی خراب ہو جاتا ہے۔

یہ تو بہت ہی نازک ہیں۔ مجھے ان سے یہ امید نہیں تھی۔ اب میں کچھ کر بھی نہیں سکتی تھا۔ سر میں درد ہوتا تو ٹکیہ دے دیتا۔ اب پاؤں کیا دباتا وہ تو دونوں ہی دور دور ہو تھا۔ اگر بڑی اماں کہتیں تو دبا بھی دیتا۔ بیوا انسان کا ذہن دبا سکتا باقی تو سب کچھ دبا سکتا ہے۔ مجھے تو یہ ہی نہیں پتا کہ جب انسان کے پاؤں میں موچ آ جائے اور وہ ہائے ہائے کر رہا ہو تو اسے کیسے خاموش کرتے ہیں؟"

بولتے بولتے ریا کے منہ میں پیسٹ کا جھاگ بھر گیا اور وہ ایک دم واش بیسن کی طرف بھاگی جبکہ...... سر تھام کر بیٹھ گئی تھیں۔

اظہر اور ظہیر مسکراہٹ روکے بیٹھے تھے مگر ان کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نے آتے ہی ماں کو کچھ نہیں بتایا تھا البتہ بہت سرسری انداز میں جیسے اطلاع دی تھی کہ اب وہ اسکول نہیں جائے گی۔

اس کے فون کے ذکر کو وہ یکسر گول کر گئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ گھر میں فکر و اندیشے کی فضا قائم ہو جائے۔
وجہ یہ بتائی کہ بہت دنوں سے وہاں پرنسپل کے ساتھ چپقلش چل رہی تھی۔ پرنسپل کا مزاج بہت ناقابل برداشت ہے وہ

کسی اور جگہ کوشش کرے گی۔

اگرچہ عارفہ کو کچھ غیر معمولی محسوس ہو رہا تھا مگر انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ جو کچھ وہ کہہ رہی ہے۔ وہ اس پر یقین کر رہی ہیں۔ وہ تشویش میں مبتلا نظر آتی تو انہیں بھی تشویش محسوس ہوتی۔ وہ پرسکون تھی تو وہ بلاوجہ سوال کیوں کرتیں جبکہ وہ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ وہ زیادہ اچھی جگہ کوشش کر رہی ہے۔

صبح سے وہ گھر کی صفائی میں جتی ہوئی تھی اور مسلسل یہ سوچتی رہی تھی کہ اس نئے واقعہ کی اطلاع مظاہر کو کیسے پہنچائے۔
اس کے علاوہ وہ ان سے کسی اچھے ادارے میں ملازمت کا بھی کہنا چاہتی تھی۔ جہاں اسے معقول سیلری مل سکتی ہو۔
سوچ رہی تھی سید صاحب کے ہاں جا کر مظاہر کو فون کر ڈالے۔ طاہر علی کو عارفہ نے اپنے حساب سے کچھ سمجھا دیا تھا۔
خیریت کی بات تھی انہوں نے بھی اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ ظہر کی نماز کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ مسجد جائیں تو وہ ماں سے اجازت لے کر سید صاحب کے ہاں جا کر فون کرے۔ ایک یونہی دھڑکا سا تھا کہ اس نے کبھی سید صاحب کے ہاں سے فون نہیں کیا اگر وہ باپ کے سامنے جاتی ہے تو وہ کچھ سمجھ نہ جائیں کسی گڑبڑ کا اندازہ نہ لگا بیٹھیں۔ عارفہ تو سیدھی سادی ہیں جو کہو آسانی سے یقین کر لیتی ہیں۔ اسے ایک خدشہ البتہ ضرور تھا کہ طاہر علی اسے کسی فراغت کے لمحے میں ضرور اپنے پاس بلائیں گے اور اس اچانک پیدا شدہ تبدیلی پر اس سے استفسار کریں گے۔ اس لیے نہیں کہ گھر میں اس کی تنخواہ آنا بند ہوئی ہے۔ بلکہ اس لیے کہ جس ملازمت سے وہ بے حد مطمئن تھی وہ ایک دم کیسے چھوڑ بیٹھی۔ وہ اس کی پریشانی یا مسئلہ جاننا چاہیں گے۔ وہ ان کو مطمئن کرنے کی نیت سے لاتعداد جملے موزوں کر چکی تھی۔ ان کے سامنے پیشی سے قبل وہ مظاہر سے ہر صورت بات کرنا چاہتی تھی۔

جیسے ہی طاہر علی مسجد کے لیے گھر سے نکلے وہ کپڑے تہہ کرتی عارفہ کے پاس آ گئی۔

"امی! مجھے ذرا ایک ضروری فون کرنا ہے۔ سید صاحب کے ہاں چلی جاؤں؟"

عارفہ نے بری طرح چونک کر اس کی صورت دیکھی۔

"کہاں۔ کہاں کرو گی فون؟"

"وہ ایک جگہ ایجنسی کا دیکھا تھا اخبار میں وہاں جانے سے قبل کچھ معلومات کرنا چاہ رہی ہوں"۔ جھوٹ بولتے ہوئے بے حد ندامت ہو رہی تھی۔

"اچھا........ اچھا جاؤ مگر جلدی آ جانا"۔ وہ پرسکون نظر آنے لگیں۔

وہ اندر کمرے میں چادر لینے گئی تو دروازے پر کسی نے دستک دی جو عارفہ ہی نے اٹھ کر کھولا تھا۔ اسے دستک اور آنے والے سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ جلدی سے چادر لپیٹ کر برآمدے میں آ گئی تھی۔ عارفہ بھی گھر کے داخلی دروازے کو ادھ کھلا چھوڑ کر واپس پلٹ رہی تھیں۔

"تم تو اپنے طور پر جا رہی تھیں مگر سید صاحب کے ہاں سے بھی تمہارا بلاوا آ گیا ہے۔ مظاہر کا فون ہے۔ تمہیں بلا رہا ہے۔ حیرت کی بات ہے آج تک تو اس نے فون کیا نہیں۔ آج کیا تو وہ بھی تمہیں۔ کیا کام پڑ گیا تم سے خیر فون سن لو اور میری طرف سے خیر خیریت بھی پوچھ لینا"۔

عارفہ تخت پر بیٹھ کر دوبارہ کپڑے تہہ کرنے لگیں۔

وہ جیسے ایک دم ہلکی پھلکی سی ہو گئی۔ خود ہی فون کر لیا مظاہر بھائی نے یہ تو بہت ہی اچھا ہوا اسے عجیب سی مسرت کا احساس ہوا۔

وہ سید صاحب کے گیٹ میں داخل ہوئی تو ان کی بڑی بیٹی اس کی منتظر تھی۔

"شکر ہے کسی بہانے آپ بھی ہمارے گھر آئیں۔ آیئے پہلے فون سن لیجیے پھر آپ سے باتیں کریں گے۔"

وہ اسے لے کر لاؤنج میں آ گئی جہاں ماحول بڑا خواب ناک سا تھا۔ نیلے پردے گرے ہوئے تھے۔ روشنی بہت ہلکی اور نیلگوں سی تھی۔ نیلے کارپٹ پر فون سہمے بچے کے کھلونے کی طرح پڑا ہوا تھا۔

وہ بڑی بے تابی سے فون کی طرف بڑھی اور دو زانو بیٹھ کر ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔ مظاہر بھائی! السلام علیکم۔ یقین کریں میں بس آپ کو فون کرنے ہی آ رہی تھی کہ آپ کا فون آ گیا۔ صبح سے سوچ رہی تھی کہ آپ کو فون کروں بات کروں۔ آپ آفس میں ہیں یا گھر میں؟"

"گھر میں۔ تھوڑی دیر ہوئی ہے گھر آئے ہوئے۔ ویسے ہیلو کہنے کے بعد کچھ دیر رک لینا چاہیے اور دوسری طرف کی آواز سننا چاہیے یہ دیکھنے کے لیے کہ کوئی لائن پر ہے بھی یا لائن ڈس کنکٹ ہو گئی ہے۔ اگر ہیلو کے بعد ہیلو سننے کو ملے تو پھر سلام کرتے تب اور بات شروع کرتے ہیں۔ خیر جن کے پاس فون نہیں ہوتا شاید ان کو فون پر بات کرنے کی پریکٹس بھی نہیں ہوتی کتنا خوبصورت انداز گفتگو ہے اور کیا دل میں اتر جانے والی آواز ہے۔ کیوں ہمیں شرمندہ اور پامال کر رہی ہیں۔ یقین کیجیے جان نکل ہی گئی تھی۔"

ایک جان ہے کو تو وہ چھری ہو گئی۔ یاشا۔

اس نے پلٹ کر لاؤنج میں نظر دوڑائی سید صاحب کی بیٹی اسے پرائیویسی دینے کے خیال سے وہاں سے جا چکی تھی۔

"کیسی بات ہے۔ ہمیں یقین تھا کہ مظاہر کا ہم ہیں کہ آپ ہی آئیں گی مگر یہ کیا چکر ہے۔ آپ انہیں مظاہر بھائی کہتی ہیں؟ کیا خوش قسمت بندہ ہے۔ آپ صبح سے انہیں فون کرنے کا سوچ رہی تھیں۔ مارے رشک کے مر جانے کو جی چاہتا ہے ماہ نور! کوئی بات کیجیے۔ آپ کی آواز سننے کے لیے فون کیا ہے۔ فون بند مت کیجیے گا ورنہ پچھتائیں گی۔ کیا کہیں گے پاس پڑوس والے۔" کیا انداز تھا مسخری کا۔

"یقین کیجیے۔ رات بھر نیند نہیں آئی۔ سوچتا ہوں گاڑی نکالوں اور اٹھا کر لے آؤں آپ کو۔"

ماہ نور کو چکر آنے لگے۔

"یاشا میں اس طرح کی لڑکی نہیں ہوں مجھے پریشان مت کرو۔" وہ بے بسی سے روتی ہوئی آواز میں بالآخر بول پڑی۔

"یہ اس طرح کی لڑکی" کیا ہوتی ہے میری جان؟" اس کی آواز میں بڑی گمبھیرتا تھی۔

ریسیور ماہ نور کے ہاتھ سے چھوٹ کر کارپٹ پر گر گیا تھا اور آناً فاناً سارا جسم پسینے سے تر بتر ہو گیا تھا ریسیور سے ہیلو ہیلو صاف سنائی دے رہا تھا۔

"ہو گئی بات؟" سید صاحب کی بیٹی جانے کب اندر آ گئی تھی اس نے لرزتے ہاتھ سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر اثبات میں گردن ہلا دی۔

عین اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی اس کا وجود تو گویا مفلوج ہو چکا تھا کئی بار کی بیل کے بعد سید صاحب کی بیٹی ہی نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو۔۔۔ جی۔۔۔۔ ابھی تو یہیں ہیں اچھا وہ تو کہہ رہی ہیں بات ہو گئی خیر میں پوچھتی ہوں۔"

اس نے ریسیور ماہ نور کی سمت بڑھا دیا۔

"کون ہے؟" نظریں چرا کر پوچھنے لگی۔

"وہی ہیں آپ کے کزن۔" اس بار اس کا لہجہ معنی خیز تھا وہ جانے کیا سمجھ رہی تھی۔

"ان سے کہو ہولڈ کریں میں امی کو بھیجتی ہوں" وہ اپنی ساکھ بچاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہیلو وہ کہہ رہی ہیں آپ ہولڈ کریں وہ اپنی امی کو بھیج رہی ہیں آپ ان سے بات کیجیے گا۔" امی کے درمیان میں آنے سے لڑکی کا لہجہ خود بخود نارمل اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"جی۔ ہوں۔ ہوں۔" وہ بہت توجہ سے سن رہی تھی۔

"ماہ نور آپی اور کہہ رہے ہیں وہ آپ ہی سے بات کریں گے۔"

ماہ نور نے بے بسی سے اپنے ہونٹ کاٹ ڈالے اور ریسیور اس کے ہاتھ میں لے لیا۔

"جی؟" اس کی آواز میں لرزش واضح تھی۔

"کیسے جئیں؟ مر رہے ہیں آپ پر" برجستہ جملہ آیا۔

"ویسے آپ نے آئیڈیا بڑا اچھا دیا ہے۔ امی سے بات تو واقعی بہت ضروری ہے۔ بہت ہی بے رحم خاتون ہیں۔ کس بری طرح ہمارا پزل بکھرایا ہے۔ خیر ان سے بھی بات کریں گے۔ پہلے آپ کو تو داستان ہجر و فراق سنا دیں۔ ویسے سچ سچ بتائیں۔ دن رات میں کبھی ہمارا بھی دھیان آتا ہے؟ ہمارا تو آپ نے ستیاناس کر دیا ہے۔ کسی کام کے نہیں رہے۔ اس دفعہ تو شکار بھی بے مزا رہا۔ آپ انسان ہیں یا جادو کی پڑیا۔

ویسے ایک بات ہے کہ آپ کی ملازمت ختم ہونے سے بہت سکون ملا ہے۔ بہت کوفت ہوتی تھی کہ وہی نازک سی لڑکی اور اتنی مشقت۔ اسے تو پھولوں کے کنج میں بٹھانا چاہیے۔ گرم ہوا سے بچانا چاہیے۔ محنت مشقت کرنے کے لیے ہم جو ہیں۔

آپ کو معلوم نہیں ہے کہ دل کی بات کہنے سے بھی طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے۔ یہ وقت میرے نزدیک نہایت قیمتی ہے میں بول رہا ہوں آپ سن رہی ہیں۔ یہ بڑی بات ہے کہ فاصلے کے احساس سے جو آہستہ آہستہ ایموشن (بارور) میں تبدیل ہو رہا ہے

آپ اس طرح کی لڑکی نہیں ہیں تب ہی تو آپ پر مرتے ہیں۔ ورنہ ہمیں بھلا کیا لڑکیوں کی کمی ہے

چراغ رخ زیبا لے کر ڈھونڈتی پھرتی ہیں ہم کو۔ ابھی تک آپ ہی کو پرپوز کیا ہے۔ ورنہ اب تک تو ہمیں ہی "آفرز" آئی ہیں۔

ہیلو۔ سن رہی ہیں؟

آپ کی سانسوں کی رفتار کیا ہے۔ یہاں بیٹھ کر لگا اپنے بیڈ پر لیٹ کر آپ رہا ہوں۔ یوں محسوس ہو رہا ہے آپ بالکل قریب ہی ہیں۔

ویسے کچھ کھایا پیا کریں۔ بہت ہی نازک ہیں اور ہاں آپ نے بتایا ہی نہیں ہے کہ مظاہر کو کیوں فون کرنا چاہ رہی تھیں؟ بندہ ہینڈسم بڑا اسمارٹ سا ہے مگر کیا ہم سے بھی زیادہ؟

"خیر آپ کہیں بے ہوش نہ ہو جائیں اس لیے قصہ مختصر کرتے ہیں۔ ہم آپ کے در دولت پر حاضری دینے والے ہیں۔ شاید آج ہی" اس نے فون بند کر دیا تھا۔

﴿۲۲﴾

سید صاحب کی بیٹی کو اس کی کیفیات بہت غیر معمولی محسوس ہو رہی تھیں۔

"کیا بات ہے آپی! کوئی پریشانی والی بات ہے؟" اس نے گم صم سی ماہ نور کی سمت دیکھا۔

ماہ نور کے ہونٹوں پر بڑی مصنوعی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے لڑکی کا رخسار بہت آہستگی سے تھپتھپایا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ وہ ایسا ہوتا ہے ناں کہ کبھی کبھی کوئی بات اس طرح سے ہوتی ہے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی۔ تو چند لمحوں کے لیے حیران کن کیفیت ہمیں مغلوب رکھتی ہے جو فطری ہی ہوتی ہے۔"

"ہاں۔ مجھے بھی محسوس ہوا تھا کہ کوئی ایسا مسئلہ ہے جو صرف آپ کا ہے۔ جو وہ آپ کی امی کے بجائے صرف آپ سے بات کرنا چاہ رہے تھے۔

آئی ایم سوری آپی۔ میں بالکل بھی پزل نہیں ہو رہی۔ بس یونہی آپ کو پریشان دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ ویسے آپی جب میں نے فون اٹینڈ کیا ناں تو میں آواز سن کر یہی سمجھی کہ پاشا بھائی ہیں لائن پر۔ ان کی آواز بڑی یونیک سی ہے فوراً پہچان میں آ جاتی ہے اور پھر ہمارے تو ان لوگوں سے فیملی ٹرمز ہیں میرا تو آنا جانا بہت کم ہو گیا ہے۔ جب سے افزہ کی شادی ہوئی ہے۔ بہت دوستی تھی میری اس سے۔ بہت جلدی شادی کر دی اس کی ان لوگوں نے۔ مجھ سے بس ایک ڈیڑھ سال ہی بڑی ہو گی۔ اف وہ کیا بات کر رہی تھی اور کیا قصہ بات بتانے بیٹھ گئی۔ مگر جب آپ کے کزن نے کہا مظاہر بات کر رہا ہوں۔ ذرا اس سے ماہ نور کو بلا دیں۔ تو میں حیران رہ گئی۔ اتنی ملتی ہے ان کی آواز پاشا بھائی سے۔ میری ان سے کوئی بات نہیں ہوئی کبھی۔ کیونکہ گھر میں تو وہ ہمیشہ آف موڈ ہی میں بات کرتے ہیں شروع سے۔ سب ڈرتے ہیں ان سے۔"

ماہ نور نے چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق الجھ کر اس کی سمت دیکھا۔ کیوں کر رہی ہے اتنی نوازش سے پاشا کا ذکر؟

وہ بہت سادگی سے ماہ نور سے باتیں کرنے کے شوق میں بولے چلی جا رہی تھی۔

"اتنی تو کیوٹ ہے۔ یہ صدف (سید صاحب کی بیٹی) یہ کیوں اچھی نہیں لگی اسے؟ اس میں کیا کمی ہے؟ شکل، قد بت، شرافت، سادگی، کیوں پڑ گیا ہے منحوس میرے پیچھے ہاتھ دھو کر۔

وہ یکلخت اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلیں ناں آپی۔ میں تو آپ کے لیے چائے بنا رہی ہوں گھر میں صرف میں اور رفاران ہیں۔ امی زارا اسعد یہ گیارہ بجے سے شاپنگ کے لیے گئی ہوئی ہیں۔ آتی ہوں گی۔"

اس کے انداز میں اتنی اپنائیت و محبت تھی کہ وہ خفگی انداز میں بات نہ کر سکی۔

"میں چائے بہت کم پیتی ہوں صدف! تم مجھ سے پوچھ تو لیتیں"۔ وہ مجبوراً بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔ جب انسان کسی ادھیڑبن میں ہو تو وہ صرف سوچنا چاہتا ہے۔ سوچ کی راہ میں معمولی سی مزاحمت بھی عذاب سے کم محسوس نہیں ہوتی۔

یہ اطلاع کیا کم سوہان روح تھی کہ آج وہ اس کے گھر یقیناً نہیں آئے گا۔ وحشت و خوف کے طوفان بلاخیز میں گھر کر چائے پینا کس قدر اذیت ناک عمل ہے۔ کیسے سمجھائے اس کم سن اور خوش قسمت میزبان کو؟

خوش قسمت اس لیے کہ پاشا کی نظر اس پر نہیں ٹھہری۔ اس نے ایک سرد آہ کھینچی۔ صدف لاؤنج سے باہر چلی گئی تھی۔ بنگلوں پرسکون ماحول اور بلا کی خاموشی پاشا کا کلام زبر زیر پیش کی حرکات و سکنات کے ساتھ اس کے حواس کو ہنوز شکنجے میں لیے ہوئے تھا۔ اتنے واضح الفاظ گھنی ہوئی پراعتماد آواز، لہجہ۔

اوہ۔ میں مظاہر بھائی کو بتا دیتی ہوں۔ ورنہ پتا نہیں کیا ہو جائے۔ وہ شاید ہمیں بہت کمزور تنہا سمجھتا ہے۔ اس خیال نے جیسے اسے یک دم تازہ دم کر دیا۔ یہ تو بہت ہی اچھا ہوا کہ اس کے اگلے قدم سے آگاہی قبل از وقت ہو گئی۔ یہ سوچ کر وہ بے حد پرسکون ہو گئی۔
صدف چھوٹی سی ٹرے کے ہمراہ اندر داخل ہوئی تو وہ بڑے عجلت بھرے انداز میں اس سے مخاطب ہوئی۔ "صدف! کیا میں تمہارا فون استعمال کر سکتی ہوں؟"

"اوہ۔ اتنا تکلف حد ہے آپ سے۔ جتنی دیر مجھے چائے لانے میں لگی ہے اتنی دیر میں تو آپ فون کر کے فارغ بھی ہو چکی ہوتیں" صدف نے ایک موڑھے پر ٹرے ٹکا دی۔

وہ اپنی دھن میں فون کی سمت بڑھی۔ مگر ریسیور اٹھاتے ہی ایک خیال پوری طاقت سے حملہ آور ہوا۔

وہ بہت غلط، بہت برا آدمی ہے۔ مظاہر کو اس کے مقابل لانا کسی طرح بھی عقل و ہوش کی بات نہیں ہے۔

اس نے ریسیور واپس رکھ دیا۔ اور پلٹ کر صدف کی سمت دیکھا جو بڑی الجھن میں اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے اس وقت وہ سیٹ پر نہیں ہوں گے" اسے کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"کون؟" صدف نے پوچھا۔ اسے کیا معلوم کہ وہ کس کو فون کرنا چاہ رہی تھی۔

"میرے کزن" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

"تو آپ ٹھہر کر کر لیجیے گا۔" صدف نے بڑے اخلاق سے جواب دیا۔

"ہوں"۔ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے ہنکارا بھر کر رہ گئی۔

"چائے لیجیے۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے" صدف نے اسے کپ تھمایا۔

"شکریہ"۔ وہ یوں چونکی جیسے پتا نہیں کیا سن لیا۔

"کیا کہہ رہا تھا مظاہر؟" گھر میں گھستے ہی متوقع سوال ہوا۔ عارفہ شاید اسی کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔

"کچھ نہیں" اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے۔ بہت ہی بے تکا جواب تھا۔ جس کا کبھی فون نہ آیا ہو وہ ایک دن دوپہر میں فون کریں اور وہ بھی بلاوجہ۔ عارفہ نے تعجب سے اس کی صورت دیکھی۔

"کچھ نہیں۔ کیا مطلب؟ اماں کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" عارفہ گھبرا کر پلنگ سے نیچے اتر آئیں۔ کچھ کا بھی مطلب ان کی سمجھ میں آ سکتا تھا۔ چھپانے والی بات تو یہی ہو سکتی تھی۔ وہ بغور ماہ نور کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ جہاں زردی بھی اور گہری سوچ۔

"ٹھیک ہیں نانی امی۔ آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔ میں آپ سے کچھ چھپا تو نہیں رہی۔" وہ لاشعوری طور پر تلخ ہو گئی۔ اور اسے احساس تک نہ ہوا۔

"ماہ نور" عارفہ دم بخود رہ گئیں۔ یہ آج تک تو کبھی اس طرح نہیں بولی۔ کوئی بات ہے ضرور۔

"فون کہاں سے کیا تھا مظاہر نے۔ دفتر سے یا گھر سے؟" عارفہ کی پریشانی ابدی تھی۔

"دفتر سے" وہ چپاک سے کچن میں گھس گئی۔ اس کی اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عارفہ سے کیا بہانا کرے۔ آخر کیا کہے کہ وہ مطمئن ہو جائیں۔

"دفتر سے"۔ اگرچہ یہ سن کر انہوں نے قدرے سکون کا سانس لیا تھا مگر اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی تھیں۔

"پھر بھی کچھ تو پتا چلے۔ آج تک اس نے فون نہیں کیا۔ آج کیا ہوا؟"

"امی! وہ میں نے ان سے کسی دفتری جاب کے لیے بات کی تھی جب میں نانی امی کے ہاں گئی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے فون کیا تھا۔ انہی کے آفس میں کوئی جگہ نکلی ہے۔ مگر تنخواہ بہت کم ہے۔ گھر پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہو جایا کرے گا۔ اس پر شاید ابا راضی نہ ہوں"۔ آخرکار اس کی ذہنی مدد ہوئی جواب سوجھ ہی گیا۔

"توبہ۔ تم نے تو مجھے ہولا ہی دیا تھا۔ پہلے ہی بتا دیتیں۔ کس عجیب طریقے سے بات کی تم نے۔ میں تو پریشان ہی ہو گئی۔ حد ہو گئی" عارفہ کے رگ و پے میں سکون اتر گیا۔ "تم ابھی تو آئی ہو گی۔ مظاہر نے ابھی ہی کوشش کی ہو گی۔ بات کرنا مجھے ابا جان سے۔ کچھ تو میں کروں"۔ وہ واپس جاتے جاتے پلٹیں۔

"نہیں نہیں۔ آپ رہنے دیں۔ ابھی مجھے بھی سوچنے دیں" اس نے جانے کس دھیان سے چونک کر ماں کو ٹوکا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔ اماں کی خیریت تو پوچھ لیتیں۔ مگر تمہیں اپنی بات میں دھیان ہی کہاں رہا ہو گا۔" وہ منہ ہی منہ میں بولتی باہر نکل گئیں۔

وہ کھڑی سوچ رہی تھی جھوٹ تو بول دیا ہے اب نبھے گا کیسے؟

اور جو امی خود ہی تائی امی کی خیر خیریت لینے پہنچ گئیں اور مظاہر بھائی سے کچھ پوچھ بیٹھیں۔ ایک اس کی مصیبت کیا کم تھی کہ اب یہ نئی فکر پڑ گئی۔ وہ انگلیاں چٹخاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ اس پر مستزاد یہ شام بھی سر پر کھڑی تھی۔ جانے وہ منحوس کب آ دھمکے۔ ابھی تو نزدیک کا سفر کر کے ہی بیٹا جی اس سے کس طرح ٹھنیں گے۔ اس بری طرح الجھ رہی تھی کہ بھوک پیاس اڑ چکی تھی۔ وہ کچن میں نظریں دوڑانے لگی۔ مگر یوں لگ رہا تھا کہ ذہن کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔

کبھی بابا تائی کی آمد کے خیال سے ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ جاتی۔ کبھی مظاہر کا دھیان آ جاتا کہ اس سے پہلے مڈبھیڑ ان سے نہ ہو جائے۔

سوچ سوچ کر اس کے اعصاب شل ہو گئے۔ مجھے سب کچھ امی کو بتا دینا چاہیے۔ کچھ تو ذہن ہلکا ہو گا۔ میری فکر و پریشانی دیکھ کر نہیں کریں گی تو اور کون کرے گا؟ وہ جیسے تہیہ کر کے باہر آئی تھی۔ مگر سامنے عارفہ ظہر کی نماز میں مصروف تھیں۔ اس نے کچھ دیر سوچا پھر خود بھی وضو کرنے کے ارادے سے بیسن کی طرف بڑھ گئی۔

"سارے شہر میں بدنام۔ جب بے سوچے سمجھے بولنے کی عادت ہے تو نکل ہی گیا ہو گا کچھ۔ ہزار دفعہ سمجھایا ہے کہ بڑوں میں بیٹھ کر باتیں بنانا کچھ بھلا نہیں لگتا لڑکیوں کو۔ تمہاری تائی تو یوں بھی تاک میں رہتی ہیں اس گھر کی۔" بڑی اماں کا تیزی سے چلتا سر ان کے اندر کی کھولن ظاہر کر رہا تھا۔

"میں نے یہ نہیں کہا تھا بڑی اماں کہ جمال بھائی بی اے پاس نہیں لگتے۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ وہ ابا جان کی عمر کے ہیں کہ مظہر بھائی چھوٹے لگتے ہیں۔" ربا تقریباً روہانسی ہو کر وضاحت کر رہی تھی۔

"اور وہ کہہ رہی ہیں کہ جیسے تم نے یوں کہا ہے کہ جمال نے پڑھ لکھ کر گھاس ہی کھودی ہے۔" بڑی اماں نے مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔

"[illegible] بڑے ہیں وہ مجھ سے میں ایسے کیسے کہہ سکتی ہوں۔ تائی امی کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔" ربا تقریباً رو پڑی۔

بڑی اماں کا غصہ آن کی آن میں جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ایک چوٹ سی ان کے دل پر لگی تھی۔ اس کے آنسو ان کی کمزوری تھے۔ ربا بھی تو اتنی آسانی سے نہیں روتی تھی۔

وہ اپنی جگہ پر خاموش سی بیٹھی رہ گئیں۔

اسی دوران جمال بھی وہاں آ گیا تھا۔ ربا دوپٹے سے آنکھیں پونچھ رہی تھی۔ جمال نے بے انتہا پریشان ہو کر

باری باری دونوں دادی پوتی کو دیکھا تھا۔

"کیا ہوا دادی جان۔ خیریت؟"

"ہاں بیٹے۔ خیریت ہی ہے۔ اب باڑوں میں تکلیف تو نہیں ہے؟" بڑی اماں جمال کی اچانک آمد پر فوراً سنبھل گئیں۔

"یہ۔ یہ کیوں رو رہی ہیں؟" اس کی ساری توجہ روتی ہوئی ربا پر تھی۔

"اے بیٹا" کتنے سارے "رو رہے ہیں؟ رو رہی ہے۔ ذرا ڈانٹا ہے میں نے۔" بڑی اماں جل کر گویا ہوئی تھیں۔

"لیکن کیوں؟ میری ٹانگ تو اب بالکل ٹھیک ہے۔" اسے ربا سے دلی ہمدردی محسوس ہوئی۔ کہ بے چاری ہنوز معتوب ہے۔

"بیٹے وہ ایک اکیلی تمہاری ٹانگ کا مسئلہ نہیں۔ اور بھی بہت سے جھگڑے ہیں۔" بڑی اماں کو بڑی بہو پر غصہ ذرا غالب تھا ہر جواب رکھا ہوا تھا۔

"جھگڑے؟" جمال تو حیرت سے ربا کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ کیا کسی اور پر بھی اس طرح کا برا وقت آیا ہے۔ مگر کون؟ اور تو اور سب اس کے اپنے حقیقی بھائی ہیں "خیریت۔" اس نے بڑی اماں کو تشویش بھری نظروں سے دیکھا۔

"خیریت ہے بیٹے الحمدللہ تم بیٹھو۔ کاہے کو ہلکان ہو رہے ہو۔ کوئی بات نہیں ہے۔" بڑی اماں نے ٹالنا چاہا مگر اسے اس بات کی فکر تھی کہ ربا کیوں رو رہی ہے؟

"آپ کیوں رو رہی ہیں؟" اس سے رہا نہ گیا براہ راست ربا سے مخاطب ہوا۔

"جھوٹا الزام لگا ہے مجھ پر۔ کیا روؤں نہیں؟" وہ جیسے پھٹ پڑی۔

"کس نے لگایا ہے۔ آپ تو" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"تائی امی نے۔ وہ بھی آپ کی وجہ سے" وہ دوسروں سوں کر رہی تھی۔

"م۔ میری وجہ سے" جمال نے بری طرح پریشان ہو کر بڑی اماں کو دیکھا۔ خفت سے جو برا حال تھا وہ الگ۔

"پتا نہیں کیوں آ گئے ہندوستان سے۔ اماں کیا لڑکیاں نہیں تھیں الزام لگانے کے لیے" ربا بری طرح الٹ گئی۔

"ہیں۔ ہیں ہیں۔ کیا واہی تباہی بک رہی ہے" بڑی اماں ایک دم حواس باختہ ہو گئیں۔ بڑی شرمندہ نظروں سے پوتے کی طرف دیکھنے لگیں۔

جمال تو اتنا بدحواس ہوا کہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو بیٹے میں بتاتی ہوں کہ معاملہ کیا ہے" اب ساری بات جمال کو بتانا ضروری ہو گئی تھی۔ در حقیقت ربا نے اس کی بہت اہانت کی تھی۔

بڑی اماں نے بڑے اختصار سے ساری بات کہہ ڈالی۔ اس دوران ربا اپنی آنکھیں پونچھتی رہی۔

بڑی اماں اپنی بات سنا کر خاموش ہو چکی تھیں۔ جمال گم صم سا بیٹھا تھا۔

ربا اسے بڑی خونی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"دادی جان۔ یقین کیجئے میں اس قسم کی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یہ اس طرح کچھ کہہ بیٹھی ہوں۔ میرے سامنے انہوں نے کبھی کوئی بات نہیں کی۔ جس سے یہ پتا چلتا ہو کہ یہ مجھے گاؤں کا اجالی سمجھتی ہیں تو میں ادھر ادھر کی شکایت کیسے کر سکتا ہوں

۔ آجکل یہ تو بہت الوینٹ ہیں"۔

"کیا ہیں؟" بڑی اماں کو جمال کی انگریزی سے بہت الجھن ہوئی۔

"میرا مطلب ہے، بہت معصوم ہیں۔ آج کے دور میں نوجوان سے چھوٹی لڑکیاں اچھی خاصی ہوشیار ہوتی ہیں۔"

"تو میں لڑکی ہوں بھی نہیں"۔ دیبا جمال کی وضاحت کے بعد خاصی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ ایک دم اپنی عادت کے مطابق چیخ کر بولی۔

"ہاں لڑکیوں کے سینگ ہوتے ہیں"۔ بڑی اماں کا پارہ پھر چڑھ گیا۔

"ایسی لڑکی بھی کہیں نہ دیکھی ہوگی۔ جس کو کوئی سہیلی نہ ہو۔ جب بنانے سے پہلے ہی ہٹائے۔ سارے محلے کے لونڈوں کو لیے کھیلتی تھی۔ کچھ بچیاں بھی ساتھ کھیلنے کی کوشش کرتیں تو روتی ہوئی گھر میں آ جاتی تھی کہ مجھے لڑکیوں سے گھن آتی ہے۔ "آتی ہوں جاتی ہوں۔" بولتی ہیں۔ ڈرپوک اور بزدل ہوتی ہیں۔ چھپا نہیں لگا سکتیں ایک شمسہ ہے خدا معلوم اس سے کیسے بن جاتی ہے۔ اسے تو تحفے تحائف بھی دے دیتی ہے۔"

"بی جی نہیں کالج میں بھی میری ایک دوست ہے نا دیبا۔ وہ کہتی ہے تم لڑکوں کی طرح رہنا چاہتی ہو اسی لیے مجھے اپنی اچھی لگتی ہو۔ کوئی میرا مذاق اڑاتا ہے تو کہتی ہے کیا احساس کمتری کا شکار ہے اور ٹھیک ہی کہتی ہے۔ وہ بہت عقلمند و ذہین ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنی خاص وضع سے تراشیدہ بالوں کو جھٹک کر۔

"ہاں۔ جوان کی اتنی سیدھی مان لے بس وہی عقلمند۔" بڑی اماں کی جان جل گئی۔ جمال اس خیال سے اداس ہو گیا کہ وہ لاؤنج سے باہر جا رہی تھی۔ پتا نہیں اس کی موجودگی سے سرخوشی کا احساس کیوں غالب آ جاتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام کی پرچھائیاں رات کی آمد کے اشارے کرنے لگیں اور اس کے وجود سے آہستہ آہستہ روح کھنچنے لگی۔ آتا ہی ہوگا۔ آنے ہی والا ہوگا۔ چل تو پڑا ہوگا۔ کہیں راستے میں رک گیا ہوگا۔ میل جول بھی تو بہت ہے۔ وہ لرزہ براندام سی اندازوں میں کھیل رہی تھی۔ طاہر علی نماز پڑھنے مسجد جاتے تو واپسی میں انہیں خاصی دیر ہو جاتی تھی۔ خاص طور پر مغرب کی نماز کے بعد سید صاحب کے ہاں بیٹھک ضرور ہوتی تھی۔ جہاں تازہ ترین سیاسی صورت حال پر تبصرے ہوتے تھے۔ اکثر طاہر علی وہیں سے عشاء کے لیے چلے جاتے تھے۔ سردیوں میں اسی طرح شیڈول ہوا کرتا تھا۔ باقی دنوں میں وہ بدل ہوتا رہتا تھا۔ اگر ابا جان کے آنے سے پہلے وہ آ گیا۔ امی تو بہت پریشان ہو جائیں گی۔ باپ کی صلاحیتوں پر تو اسے پورا پورا بھروسا تھا۔ وہ بہت مدلل بات کرتے تھے اور کوئی انہیں آسانی سے مشکل نہیں کر پاتا تھا۔ اس طرح کا مزاج رکھنے والا انسان عموماً غالب رہتا ہے۔

وہ شام کے کھانے پکانے اور نماز سے فارغ ہو کر ایک کتاب لے کر لیٹ گئی۔ مگر کتاب تو بس ایک خود فریبی تھی۔ دھیان تو کسی وحشت جگاتی دستک پر تھا اور طاہر علی کے آنے کے بعد تو اسے واقعی دستک سے خوف آنے لگا۔ دل دل۔ میں ایک محشر بپا تھا۔

اگر یہ کہا تو ابا جان یوں کہیں گے۔ اگر وہ تو پھر جواب یہ ہوگا۔ اگر اس نے میرے باپ کے ساتھ بدتمیزی کی تو اسے تو پھر میں سمجھ لوں گی۔ ہوا تو نہیں انسان ہے۔ ہاتھ تو ٹھکنے سے رہا۔ اس بری طرح ستاؤں گی کہ عمر بھر یاد کرے گا۔

خیال ہی خیال میں جنگی حکمت وضع کر لی گئی۔ جس سے اندرونی جوار بھاٹے پر خاصا فرق پڑا۔

کتاب سینے پر اوندھی رکھی تھی۔ شمسہ نیچے بیٹھی جرسی پر ڈیزائن ابھار رہی تھی۔ عارفہ کو نرسری کا کام ملا رہتا تھا۔

گرمیوں میں ادھیڑنے کا سردیوں میں بننے اور دھاگے ڈالنے کا۔ اس وقت بھی کسی لحاف کی مصروفیت تھی کہ گاہے گاہے طاہر علی کو مخاطب کر کے کوئی بات بھی کرتی جاتی تھیں۔

شمسہ کو یہ معمولات پر استری کی یاد دہانی بھی کروا چکی تھیں کہ صبح کچھ دیر ہو گئی ہو اور بغیر بانٹے کے چلی جاتی ہو۔ اپنے کام رات ہی کو نپٹا کر سویا کرو اور وہ انہیں یقین دلا چکی تھی کہ وہ احتیاط کرے گی۔

پانچ دس منٹ سارے گھر میں خاموشی چھائی رہی پھر طاہر علی نے بلیک اینڈ وائٹ پر ٹی وی آن کر دیا۔ آواز اگرچہ آہستہ تھی مگر ماحول سے سناٹے کی وحشت رخصت ہو گئی تھی۔ ٹی وی کی وجہ سے وہ آہستہ ہونے والی دستک نہ سن پائی تھی وہ تو اس وقت چونک کر رہ گئی جب عارفہ اندر آ کر ان دونوں سے مخاطب ہوئیں۔

"لڑکیو! یہ کمرا خالی کر دو اپنے ابا جان کے کمرے میں چلی جاؤ مہمان آئے ہیں"۔

"اس وقت کون سے مہمان آ گئے"۔ شمسہ اپنے بکھرے ہوئے سامان پر نظر ڈال کر جھلائی۔

"آہستہ بولو۔ باہر کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ سید صاحب کی بیگم کے ساتھ جو خاتون ماہ نور کا رشتہ مانگنے آئی تھیں ان کا بیٹا ہے"۔ عارفہ کے لہجے میں جانے کیا تھا۔ ماہ نور کی نظریں نہ اٹھ سکیں۔

"واقعی آ گیا۔ کوئی مہم جو ہی لگتا ہے۔ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہا ہے"۔ اس نے اپنے پتھرائے وجود کو حرکت دی اور ماں سے کچی کتراتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ ضمیر کی گہرائیوں سے جانتی تھی کہ وہ ضرور آئے گا۔ ایک احساس اسے گاہے گاہے ادراک کراتا تھا کہ اس کی وجہ سے دل لگی کرنے والوں کو دل کی لگی کا عارضہ پیش آ گیا ہے۔

چاہے جانے والوں کو چاہے جانے کا احساس ضرور ہوتا ہے مگر وہ صرف وجہ مسئولیت پر فائز رہنا ہی پسند کرتے ہیں۔ اس سے آگے انہیں ہر بات اپنی انا کی شکست محسوس ہوتی ہے۔

وہ بیرونی اور کھلے دروازے پر نگاہ ڈالے بغیر دوسرے کمرے میں آ گئی تھی۔ ایک خیال نے البتہ اسے زیر بار کر دیا تھا۔ آج کے بعد وہ ماں باپ کا سامنا کیسے کر سکے گی۔ اگرچہ اس سارے فسانے میں اس کا رول نہایت غیر اہم ہے مگر موضوع خاص تو ہے اور پھر یہ بھی کہ جانے وہ کیا کیا انکشاف کر جائے۔ گزرے ہوئے دنوں کا لاشعوری طور پر کر جائے تو اس سے پھر ضرور پوچھا جائے گا کہ انہیں ان باتوں سے کیوں لاعلم رکھا گیا۔ وہ کیسے یقین دلا پائے گی کہ وہ ان واقعات کو گزرتی ہوا کے جھونکوں سے زیادہ اہمیت نہیں دے رہی تھی۔

شمسہ بھی اپنا سامان سمیٹے آ گئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی مصروفیت کے باعث دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ ماہ نور تیزی سے اٹھ کر دروازہ بند کرنے لگی۔

"واقعی آ گیا"۔ ایک مرتبہ پھر اس کے اندر بازگشت ہوئی۔ اسے یوں حیرانی ہوئی جیسے اسے اس کی صلاحیتوں پر شبہ رہا ہو۔ وہ یکدم ہوش میں ہو گئی اور آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔

"جب انکار کر ہی چکی ہیں تو پھر چپکے چپکے کیوں دیکھ رہی ہیں۔ کیا پچھتا رہی ہیں؟" شمسہ نے اس کے پراسرار انداز سے اپنے مطلب کا نتیجہ اخذ کیا۔

"آہستہ بولو۔ یہ کوئی موقع ہے اس قسم کے مذاق کا بالکل برابر ہی میں ہے"۔ وہ ناراض ہوئی۔

"میں تو دیکھ سکتی ہوں۔ اور دیکھنا بھی چاہیے۔ ایسی پکی لگن آج کے دور میں کہاں پائی جاتی ہے۔ فرصت علی بیس انسالوز کر انکار ہضم نہیں ہوا تو خود آ گئے۔ واہ کیا جرات مردانہ ہے۔ مجھے تو رشک آ رہا ہے آپ پر۔ اتنے مالدار لوگ اور ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ

گئے۔ سچ سچ بتا بیٹا آپ کو کیا مشکل ہو رہا ہے؟" نسہ کو شرارت سوجھ رہی تھی اور اس کی جان پر بنی تھی۔

"خدا کے لیے نسہ مت بولو اس قدر اب اتنی بھی بچی نہیں ہو۔ مالدار، مالدار حرام کی دولت ہے ساری قبر اک کر پٹ آرہی ہے۔ اف! بہت چھوٹ کر بھی نہیں گزری جائیں گی، بے غیرت انسان ہے کیا اپنے جوتے نچوں کے گھر منہ اٹھا کر چلا آیا ہے۔" بولتے بولتے ماروا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"آپا!" نسہ بدحواس ہو کر اس کی سمت بڑھی "آپا سوری آپا۔ مجھے کیا پتا تھا" اس نے ماروا کو گلے سے لگا لیا۔

"اونہوں، سے آپا۔ مجھے تو کچھ پتا نہیں تھا۔ صدف نے ایک مرتبہ ذکر کیا تھا کچھ اس انداز میں کہ جیسے موصوف بہت بار مرتبہ قسم کے واہیات بندہ ہوں۔"

"ہاں لیکن آج کل بار سوخ بنیاں کس قسم کے لوگ؟" ماروا اس سے الگ ہو کر آنکھیں پونچھنے لگی۔

نسہ کچھ دیر کھڑی سوچتی رہی پھر آگے بڑھ کر دروازے کا ایک پٹ کھول کر باہر جھانکنے لگی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہی ہو۔ عارفہ بھی نظر نہیں آرہی تھیں۔ جانے کچن میں تھیں یا وہ بھی کمرے ہی میں چلی گئی تھیں۔

پاشا کی آواز تو نہیں آرہی تھی البتہ طاہر علی بات کر رہے تھے مگر سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، بہت ہی دھیمی آواز تھی۔

ٹی وی بند کر دیا گیا تھا۔ سارے ماحول پر عجیب سی پراسراریت چھائی ہوئی تھی۔ ماروا اپنی جگہ گم صم کیفیت میں بیٹھی ہوئی تھی۔

"عمرو نے ہر کام ہی تو بڑا بچپنا کیا ہے۔" پاشا کی آواز آئی۔ وہ کمرے سے باہر آچکا تھا۔

"اس طرح کے کام سب صحیح الاولاد لوگ گھر پر پاپر چپکل ہی کرتے ہیں۔ اب یہ لڑکی والوں کا صوابدید عمل ہوتا ہے، وہ کیا جواب دیتے ہیں۔" طاہر علی کی آواز۔

"کیا ہی اچھا ہوتا اگر میرے آنے کو اہمیت دے دی جاتی۔" پاشا کی آواز آئی۔

"میں نے آپ کی آمد کا شکریہ ادا کیا ہے۔" طاہر علی کی سنجیدہ آواز آئی۔ جواب فاصلے سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ غالباً وہ بیرونی دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"کیا یہ آپ کا حتمی جواب ہے؟ یا غور کرنے کی گنجائش ہے۔" پاشا پوچھ رہا تھا۔

"میں نے کہا ناں، ہم اس کا رشتہ طے کر چکے ہیں۔ پھر گنجائش کہاں رہتی ہے۔" طاہر علی نے جواب دیا۔

یکلخت خاموشی چھا گئی۔ پھر چند لمحوں بعد دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ نسہ نے دروازے کا دوسرا پٹ بھی کھول دیا، اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ مگر ماروا کے وجود میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی۔ جیسے پتھرا گئی ہو۔

کافی دیر گھر میں پوری خاموشی چھائی رہی جیسے گھر میں کوئی نہ ہو۔ نسہ بھی کمرے سے باہر جا چکی تھی۔ ماروا کا انداز نشست ہنوز تھا۔

گھر میں پھیلی خاموشی جیسے سرگوشیاں کر رہی تھی اسے مجرم ثابت کر رہی تھی۔ اس گھر کے سکون برباد ہونے کی ذاتی طور پر اس کی ذمہ داری وہ خود کو محسوس کر رہی تھی۔

"کچھ کہہ گیا ہے؟ جو گھر میں موت کا سناٹا چھا گیا ہے۔"

کچھ کہہ کر تو ضرور گیا ہوگا۔ ہار ماننا تو اس کی سرشت میں نہیں ہے۔ ہر مزاحمت اس کی انا کا مسئلہ ہے۔ جس کو اپنی

ملاقات کے مظاہرے کی عادت ہو اور اخبار ڈال کر خاموش بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ کیا کہہ گیا ہوگا؟ ابا جان کس قدر پریشان ہوں گے۔ اس کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔

اسی وقت عارفہ کمرے میں داخل ہوئی تھیں اور بت بنی ماروا پر پہلی نظر ڈالی تھی۔

"اس طرح کیوں بیٹھی ہو بیٹی! اوپر بیٹھو۔ سردی ہو رہی ہے۔ تم نے کچھ اوڑھا ہوا بھی نہیں ہے۔" وہ اس کے قریب آکر رک گئیں۔ ان کے لہجے میں ملائمت و شفقت نے اس کے لبوں میں گویا گرہ لگا دی۔ اس نے نظریں ماں کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"پریشان کیوں ہو بیٹی۔ ہم ہیں ناں۔ پتا نہیں کب سے تم پریشان ہو کیا اس معرکے سے نبٹ رہی ہو۔ اگرچہ یہ تمہاری غلطی ہے مگر بروقت غلطیاں دہرانے یا جتانے کا نہیں ہے۔

غلطی تو ہم جیسی ماؤں کی بھی ہوتی ہے۔ جب بیٹیاں جوان اور خوبصورت ہوں تو کچھ ضابطے ہمیں بھی طے کر لینا چاہئیں۔ اگر کچھ اچھا ہے تو وہ سب ہی کو اچھا لگے گا۔ تمہاری پیدائش کے بعد سے آج تک یہی سنا ہے کہ آپ کی بیٹی پیاری ہے۔ اس کے رکھ رکھاؤ بھی کی رل سو، لیتے ہیں۔ مذہب نے جو ضابطے طے کیے ہیں وہ ہم انسانوں کی بھلائی کے لیے ہی تو ہیں ہر اچھی بری نظر ان پر پڑے گی۔ مرد تو پہلی نظر میں عورت کے ظاہری پر مرتا ہے یہ فطرت ہے۔ ایک طرف کی پارسائی اگرچہ ڈھال ضرور ہوتی ہے۔ مگر ایسی نہیں کہ سب کچھ روک سکے۔ ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہے۔ ہم تمہیں کوئی الزام نہیں دیں گے۔

دنیا کتنی ہی ترقی یافتہ ہو جائے عورت کی عصمت کا معیار نہیں بدل سکتی۔ آج اخبار میں ڈیانا پر مضمون آیا ہے اس میں ایک جگہ لکھا ہے کہ شہزادہ نے بیوی کے انتخاب میں بہت وقت لیا۔ کوئی لڑکی اس کے معیار پر پوری نہیں اترتی تھی۔ ڈیانا کے معصوم حسن نے اگرچہ اسے متاثر کیا تھا مگر ایک اور خاص وجہ تھی اس کے انتخاب کی اور وہ اس کا باعصمت ہونا تھی۔ شہزادے نے یہ چیز بھی بھانپ لی تھی۔ اگر مغرب کا مرد عصمت کے تصور کو فرسودہ قرار دیتا ہے تو اس پوائنٹ کو پھر سوچتا بھی کیوں ہے؟ اپنی باری پر اپنی پسندیدہ عورت میں اہم خوبیاں کیوں رکھنا چاہتا ہے۔ یعنی ہم مغرب کے نظام کو منافقانہ نظام برملا کہہ سکتے ہیں۔ فطرت تو ادھر کے مرد کی بھی وہی ہے جو یہاں کے مرد کی ہے۔ مرد و عورت اس بر اعظم کے ہوں یا اس بر اعظم کے ان کی فطرت مختلف کیسے ہو سکتی ہیں۔ کہ فطرت کا خالق تو ایک ہی ہے۔ وہاں عورت کو مرد نے آزادی اس لیے دی ہے کہ اس کی دلبستگی ہوتی رہے بلا روک ٹوک۔ مگر بڑے سے بڑا مرد بھی جب کوئی عورت اپنے گھر میں بسانا چاہتا ہے تو اس میں حسن بھی چاہتا ہے اور پارسائی بھی۔ اور یہی کچھ پاشا بھی کر رہا ہے۔ یہ تو ہم والدین کا فرض ہے کہ جب کسی مجبوری کے سبب اپنی خوبصورت و پارسا بچیاں گھر سے باہر بھیجیں تو کچھ ضروری احتیاط بھی ملحوظ رکھیں۔ خواہ لوگ جاہل اور دقیانوسی کہیں۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو منگنی ہو جانے والی لڑکی پر سب سے پہلے اپنے دروازے بند کرتے ہیں۔

یہ سب کچھ میں اس لیے کہہ رہی ہوں تاکہ تم پریشان نہ ہو اور نہ یہ سوچو کہ ہم تمہیں اس مسئلے میں قصوروار سمجھ رہے ہیں۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ تمہاری فطرت کے سب رنگ میرے دیکھے بھالے ہیں۔ مجھے پتا ہے کہ تمہیں کیا پسند ہے اور کیا ناپسند۔" ماروا مبہوت سی ماں کی شکل دیکھ رہی تھی۔

اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس وقت کی مصیبت اتنی آسانی سے ٹل جائے گی اور اس سے کسی قسم کا سوال نہیں کیا جائے گا۔

"اب تم اٹھو اور اپنے دو چار جوڑے کپڑے کسی بیگ میں رکھ لو۔ صبح میں تمہیں اماں کے پاس چھوڑ آؤں گی۔ جب تک ہم کسی اور جگہ مستقل انتظام نہیں کر لیتے تم وہیں رہو گی۔" وہ عام سے انداز میں کہہ کر باہر نکل گئیں۔

ماروا کا دل دھک سے رہ گیا۔

اور اظہار کے بھی حربے آرہے ہیں۔ شہ بالے بنے پھرتے ہیں جمال بھائی کیسا نخرہ ہے ناں بڑی اماں؟" وہ بڑی آزردہ خاطر نظر آرہی تھی۔

"ہاں تمہیں تو کھانے کو ہی نہیں ملتا۔ سارا وقت فریج میں سر گھسائے رہتی ہے"۔ بڑی اماں سلگنے لگیں۔

"دعوت کی تو بات ہی اور ہوتی ہے۔ بھی سجائی محفل یہاں سے وہاں تک۔ بس بہ میزبان کا اصرار۔ یہ لیجیے وہ لیجیے۔ یہ تو آپ نے لیا ہی نہیں وغیرہ وغیرہ۔" اس نے کچھ اس انداز میں کہا کہ بڑی اماں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"بدذات۔ بدمزہ بدلحاظ کہیں کی۔ تو"۔ وہ ہنسی چھپانے کی غرض سے پاندان میں جھانکنے لگیں۔

"سومل!" شاہانہ نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر سومل کو آواز دی جو ڈائننگ سے برتن اٹھا کر کچن کی طرف جا رہی تھی۔

"سومل کانپ کر رہ گئی جی بیگم صاحبہ!"

"برتن رکھ کر ادھر آ" وہ اتنا کہہ کر پھر فون پر مصروف ہوگئیں۔

سومل کی جان پانی ہونے لگی۔ اب کیا غلطی ہوگئی؟

وہ برتن رکھ کر آئی اور شاہانہ سے کچھ فاصلے پر مؤدبانہ انداز میں کھڑی ہوگئی۔ شاہانہ بات کرنے کے دوران اس کے سراپے کا جائزہ لیتی رہیں اور وہ کانپتی رہی چند منٹوں کے بعد انہوں نے فون بند کر دیا۔

"ادھر آ۔" انہوں نے اسے اپنے قریب بلایا۔

سومل لرزتی کانپتی نزدیک آگئی۔

"کس نے دیے ہیں یہ کپڑے؟" ان کی آواز میں بلا کی سختی تھی۔ زرد اور سرخ رنگ کے پھولوں سے بھرا سبز رنگ کا لیلن کا سوٹ تھا اور زرد رنگ کی سستی جارجٹ کا دوپٹہ تھا جو اس نے اپنے مخصوص انداز میں سر سے اوڑھا ہوا تھا۔

"وہ... وہ جی کاکو کی ماں نے دیا تھا پہننے کے واسطے۔ کاکو کی چھوٹی بہن کی بسم اللہ تھی ناں آج" اس نے بری طرح لرزتے ہوئے جواب دیا۔

"ہوں" شاہانہ کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ "جب بسم اللہ ختم ہوگئی تو اتارے کیوں نہیں کپڑے جن کپڑوں میں گوٹھ سے آئی تھی بس وہی پہنا کر۔ اپنی اوقات میں رہ" انہوں نے لاشعوری طور پر پدرپرسی کے کمرے کی طرف نظر ڈال کر نفرت آمیز انداز میں کہا۔

"جی ابھی پہن لیتی ہوں پرانے کپڑے"۔ اس نے فوراً جواب دیا۔ مبادا کہیں بات بڑھ جائے۔

"آئندہ مجھ سے پوچھے بغیر اچھے کپڑے پہننے کی ضرورت نہیں۔ نہائی بھی تھی؟" مزید سوال ہوا۔ اس کے سنہری جھلک مارتے ہوئے بال خوب چمک رہے تھے۔

"نج۔ جی" اس کا دل پھر تیز تیز دھڑکنے لگا۔

"کوئی ضرورت نہیں نہانے دھونے کی۔ بس مہینے میں ایک بار نہانا کافی ہے۔ فالتو صابن نہیں ہے اس گھر میں۔ سنا"

"جی۔ اچھا" اسے یہی کہنا تھا۔

"اور ہاں، چل دفع ہو یہاں سے کچھ نہیں۔ جا اپنا کام کر"۔ شاہانہ کا انداز قدرے نرم ہوگیا۔ سومل نے حیرت سے جھکی نظریں اٹھا کر شاہانہ کی طرف دیکھا جو فون سیٹ گود میں رکھ کر کوئی نمبر ڈائل کرنے لگی تھیں۔ وہ پلٹ گئی۔ مگر ایک خاص بات کی وجہ سے ٹھٹک گئی سون

لاؤنج کے اگلے دروازے سے داخل ہو کر زینہ بھی چڑھ چکا تھا۔

"زکیہ ماسی کو بخار ہے۔ اس لیے کچن بالکل صاف کر کے سونا۔ بھی حلق تک ٹھونس ٹھانس کر پیار کر سو جائے گی تو۔"

شاہانہ نے سابقہ مخصوص انداز پر واپس آکر ڈپٹ کر اس سے مخاطب ہوئیں۔

وہ نہ کہیں ڈھیروں حیرت ٹوٹ کر بکھری اور خون میں حلول ہو کر دوڑنے لگی۔ انداز لمحے بھر کو کیوں بدلا تھا؟ کیا بیگم صاحبہ سون صاحب سے ڈرنے لگی ہیں؟ میں بھی تو ڈرنے لگی ہوں ان سے۔ اس نے آف وائٹ ڈریس پینٹ میں ملبوس سون کی سمت دیکھا جو انہیں طرف مڑ کر نظروں سے فوراً ہی اوجھل ہو گیا تھا۔

ایک عجیب سی اداسی اس سے آسیب کی طرح لپٹنے لگی۔

ایک مضبوط حامی کا احساس تو نشہ اقتدار کے برابر ہی ہوتا ہے۔

اس کا نشہ ٹوٹ گیا تھا۔ انگ انگ میں ہر دم ایک دکھن رہتی تھی۔ اس نے کتنی سرعت سے عملی مدارج طے کیے تھے۔ مثلاً۔ یہ کہ رد کبھی جانے والی ہر شے وہ نہیں ہو سکتی جو محسوس ہوتی ہے۔ دانائی کا پہلا سرا ادھر سے شروع ہوتا ہے کہ حقیقت و فریب کے دونوں پلڑے ہر آن سامنے ہوں اور لرزتے کانپتے کانٹے پر نگاہ رہنے لگے۔

ایک طرف زندگی کا بوجھ اور ہر دو ہزار و کس قدر آبلہ پائی ہے اس سفر میں وہ خاموشی سے اپنا کام کرنے لگی۔

برتنوں کی آوازیں اور شاہانہ کی فون پر باتیں کرنے کی آوازیں آپس میں دیر تک گڈمڈ ہوتی رہیں۔ باقی کو تو وہ سرشام ہی کوارٹر میں جانے کا کہہ دیتی تھی۔ پاؤں میں اگرچہ مکمل ورم نہیں تھا۔ مگر ایک دم سے وہ زیادہ ہی نرم اور دھر دھر ہو گئی تھی۔ اسے باقی پہلے سے بھی زیادہ چھوٹی نظر آنے لگی تھی۔ مظلوم و معصوم جس کے کام کرنے کی عمر نہیں تھی۔ کھیلنے کی عمر تھی۔ جلدی سو جانے کی عمر تھی۔

وہ اس کے حصے کے سارے کام خود کرنے لگی تھی اور کبھی بھول کر بھی اسے کام کے لیے آواز نہیں دیتی تھی اگر ماسی اسے چھپا کر کبھی مرغی کی ٹانگ کھانے کو دیتی تو وہ بھی وہ باقی کو دے آتی تھی۔

اللہ مارے سے چیز کھانے کو چھپ کر دیتا تو وہ بھی باقی کو تھما دیتی۔ بس جیسے دینے کی عادت ہو چکی تھی کسی کو خدمت کسی کو بھئے ایک دکھ میں کسی کو حصہ نہیں دے رہی تھی۔ یہ بوجھ تنہا اٹھا رہی تھی۔

"سومل!" بیگم صاحبہ کی آواز پر وہ کسی دھیان سے بری طرح چونکی۔

"جی" وہ لشتم پشتم کچن سے دوڑی۔

بیگم صاحبہ زینے کے قریب کھڑی تھیں۔

"سی تو ابھی نہیں آیا؟" ان کی آواز خاصی بلند تھی۔

"نہیں تو جی۔ میں نے تو نہیں دیکھا" وہ گڑبڑا کر بولی۔

"اگر وہ آجائے تو حشمی کو بتا دینا۔ حشمی اسے کھانے وغیرہ کا خود ہی پوچھ لے گا"۔ سومل کی سمجھ میں نہیں آیا وہ زینے کی طرف منہ کر کے کیوں بات کر رہی ہیں؟

"جی۔ اچھا"۔

"حشمی کو بتا کر کوارٹر میں چلی جانا" وہ مزید گویا ہوئی۔

"جی!" اور بس وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"کھانے پینے کا صرف اپنے سون صاحب سے ہی پوچھ لیا کرو۔ میری طرف سے اجازت ہے" وہ یہ کہہ کر ایک

طرف بڑھ گئیں۔

"اچھے سون صاحب!" اندر کمرے میں سون چیخ گیا۔ شاہانہ اس کے کمرے میں اپنی آواز پہنچانے میں کامیاب رہی تھیں۔

جبکہ اچھے سون صاحب! موبل کے سر سے گزر گیا تھا۔

"اتنی صبح صبح؟ کتنے بجے نکل پڑی تھیں گھر سے؟" بڑی اماں نے بہت تعجب سے عارفہ اور ماہ نور کو دیکھا۔

"السلام علیکم اماں!" عارفہ نے تھکے ہوئے انداز میں ایک کرسی پر گر کر سلام کیا۔

ماہ نور نے بھی آہستگی سے سلام کیا تھا۔ اس کا چہرہ ستا ستا سا نظر آیا جیسے رات بھر نہ سوئی ہو۔

"جیتی رہو" بڑی اماں نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ان کی حیرت اپنی جگہ بدستور تھی۔

"سب سو رہے ہیں ابھی؟" عارفہ نے تھکے تھکے انداز میں پوچھا۔

"نہیں۔ اظہر تو جا چکا ہے۔ مظاہر تیار ہو رہا ہے۔ ظہیر پرسوں اسلام آباد چلا گیا ہے ہفتے بھر کے لیے۔ مظہر اور اظہار اور جمال رات سارہ کے ہاں رک گئے تھے۔ انہیں وہاں دیر ہو گئی تھی۔ سارہ نے فون کر دیا تھا کہ اماں رات بہت ہو گئی ہے۔ صبح آجائیں گے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ ظہیر کی گاڑی لے گئے تھے۔ حالات ویسے ہی خراب ہیں۔ ایک تو لونڈے لپاڑے پھر ساتھ موٹر کار۔ دل ہولتا ہی ہے خیر۔ تم بتاؤ خیریت تو ہے ناں۔ شمسہ اور طاہر علی کیسے ہیں؟" وہ پھر تشویش بھری نظروں سے دونوں کو گھورنے لگیں۔ عارفہ اپنی جگہ خاموش سی بیٹھی رہ گئیں۔ جیسے کچھ سوچ رہی ہوں۔

"اے عارفہ! کچھ بولو بھی۔ میرا تو دل ہول رہا ہے۔" بڑی اماں اپنی بے قراری چھپا نہیں سکیں۔

"ریا سو رہی ہے اماں؟" عارفہ نے اشارے سے ماں کو سمجھایا کہ وہ ماہ نور کی موجودگی میں کچھ بتانا نہیں چاہتیں۔

"ہاں سو رہی ہوگی۔ رات دیر تک جو جاگی ہے۔ جاؤ ماہ نور جگا دو اسے تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوگی آج کل چھٹیاں ہیں۔ سارا گھر میں جیسے ویڈیو کھلا پھر رہا ہے۔ کبھی ادھر سے آتی دکھتی ہے کبھی ادھر سے۔"

ماہ نور سمجھ گئی کہ اسے وہاں سے اٹھ جانا چاہیے۔ وہ زینے کی طرف سے چل پڑی۔ قدم بہت آہستہ اٹھ رہے تھے۔ وہ سائیڈ میں ریلنگ پر ہاتھ جما کر اوپر چڑھ رہی تھی کہ مظاہر کھلاڑیوں جیسی پھرتی سے نیچے آتے دکھائی دیے۔ ساتھ ہی ٹائی کا پھندا ابھی بنا رہے تھے۔ ہاتھ اور قدم جہاں تھے وہیں جم گئے۔

"ماہ نور!" استعجاب اس درجہ غالب ہوا کہ مزید کچھ بول نہ سکا۔

"السلام علیکم" وہ گھبرا کر آگے بڑھ گئی۔

"ابھی آئی ہو؟" وہ پیچھے رہ گئے تھے اور ماہ نور آگے بڑھ چکی تھی اسے پشت سے مظاہر کی آواز آئی۔

"جی!" اس نے مختصر جواب دیا۔

"کس کے ساتھ؟" اس نے مضبوط اعصاب مظاہر کو پل بھر کے حیران کر دیا تھا۔

"امی کے ساتھ" وہ آخری زینہ طے کر گئی۔

مظاہر کے نپے تلے اصول پرست مزاج پر اس کی بے توجہی و بے زاری بے حد گراں گزری۔

انہوں نے اس سے مزید سوال کا ارادہ ترک کر دیا یہ جان کر کہ نیچے پھوپھو موجود ہیں۔ درست معلومات ان

سے بھی مل سکتی ہیں۔ وہ تیزی سے نیچے چلے گئے۔

ماہ نور ریا کے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔

مظاہر لاؤنج میں داخل ہوئے عارفہ ماں کے شانے سے چپکی بیٹھی آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھیں۔ اماں پر سکتے کی کیفیت طاری تھی۔ ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھے وہ بظاہر لاؤنج کے فرش پر بنے نقش و نگار پر نظریں جمائے ہوئے تھیں۔

"تو غضب نہیں ہو گیا؟ مظاہر تک خبر پہنچا دے گا اسے۔ اتنی سمجھ دار ہو؟" اماں نے دیر بعد سانس خارج کر کے بڑے صدمے کی کیفیت میں مظاہر کو دیکھا۔

مظاہر کی گھورتی نظروں سے عارفہ گھبرا گئی تھیں۔ سمجھ گئیں کہ بات بہت بڑھ گئی ہے۔ تبھی اس نے زیادہ پریشان کر دیا ہے

"خیریت؟" اماں جان بتائیں ان کی مجبوری کیا تھی کس طرح کہہ دیتیں ماہ نور انہیں سب کچھ بتا چکی ہے۔ معاملہ در حقیقت انہوں نے اتنا سیریس لیا بھی نہیں تھا۔

"خیریت کیا بیٹے۔ ایک تو وہ دونوں لونڈا اچھے پڑ گیا ہے ماہ نور کے۔ دھمکی دے کر گیا ہے رات جوہر علی کو کہ ایک دو روز میں ماہ نور کا نکاح اس کے ساتھ کر دو۔" بڑی اماں نے نہایت اختصار سے کام لیا۔

"رات گھر پر آیا تھا وہ؟" مظاہر نے جلتی کی بات درست کرنے کا دورہ مختصر کر دیا۔ ایک غصہ ان کے لہجے سے جھلکنے لگا تھا ماہ نور کو جانے کیوں تعجب سے دیکھنے لگی۔ مصروف ہوں کر کے رہ گئی تھیں۔

"مائی گاڈ" وہ بس اتنا کہہ سکے۔

"اب کیا سوچا ہے؟" وہ خاصی دیر چپ رہنے کے بعد گویا ہوئے۔

"تمہارے پھوپھا نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ علاقہ ہی چھوڑ دیں گے۔ آج گھر دیکھنے جائیں گے۔ وہ صرف آوارہ ہی نہیں بہت خطرناک بھی ہے۔ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اس علاقے میں تو کوئی اس کے خلاف بولنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا" عارفہ نے بہت سوچ سوچ کر بات کی۔

"جرم تو خود کمزوری ہے۔ لوگ نفسیاتی طور پر ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور جرم سے ہار جاتے ہیں۔ ذرا سی خود اعتمادی سے کام لیں تو مجرم کو منطقی انجام سے دوچار کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ شفٹ نہ ہوں میرا مطلب ہے ہمت اور حاضر دماغی سے کام لیں۔ انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔" مظاہر نے تسلی دی۔

(بس اچھے مشورے اور حوصلے ہی دے سکتے ہو؟) عارفہ نے ان کی طرف دیکھ ٹھنڈی سانس بھری۔

معاً تینوں کی نظر ایک ساتھ ماہ نور پر پڑی وہ لاؤنج کے دروازے پر تنہا کھڑی تھی۔

"آؤ بیٹی۔ ریا اٹھ گئی؟" بڑی اماں نے چپ چپ کھوئی کھوئی سی ماہ نور کو بہت پیار سے مخاطب کیا۔

"جی نانی امی! اٹھ گئی ہے۔ ہاتھ منہ دھو کر آ رہی ہے" اس نے آگے بڑھتے ہوئے جواب دیا۔ اور ان تینوں سے خاصے فاصلے پر بیٹھ گئی۔

"بڑی اماں! ناشتہ تیار ہے؟ میں ساری جھوم جھوم میں آل ریڈی لیٹ ہو چکا ہوں۔ آپ شام تک تو یہاں ہیں ناں؟" وہ کھڑے ہو کر گاڑی کی چابی پکڑتے گئے۔

"نہیں۔ میں تو بس تھوڑی دیر بعد چلی جاؤں گی۔ شمسہ اکیلی ہے" "ٹھیک ہے پھر میں شام کو آپ کی طرف آؤں گا" وہ یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ ماہ نور نے بہت الجھی ہوئی نظروں سے دور تک ان کا تعاقب کیا تھا۔

عارفہ پھر سرگوشی کے انداز میں باتیں کرنے لگی تھیں۔ بڑی اماں کا انہماک دیدنی تھا۔

"جمال بھائی! جب ہندوستان پاکستان کی جنگیں ہوئیں تو آپ کس کی طرف ہوتے تھے؟"

"ظاہر ہے اپنے ملک کی طرف ہوتے ہوں گے بس جہازوں کو روک دیتے ہوں گے کہ کراچی، ناظم آباد پر بم نہ مارو ادھر ہماری دادی امی جان کا گھر ہے۔ کیوں جمال بھائی؟" اظہار نے ٹکڑا لگایا۔

"لو بھلا اسے ان دنوں ہوش ہی کہاں ہوگا؟" بڑی اماں نے دور ہی سے حصہ لیا۔

"کیا بے ہوش ہو جاتے تھے جنگ کی خبریں سن کر؟" دیبا نے شرارت سے مگر بہت معصوم سی صورت بنا کر پوچھا۔

"لو تیری جنگ کے وقت تو یہ گود میں ہوگا" بڑی اماں نے سادگی سے کہا۔

"تو کیا ماں کی گود میں چڑھ جاتے تھے آپ؟" دیبا نے پھر حیرت سے دریافت کیا۔

"پاگل۔ ڈیڑھ سال کا ہوگا۔ میاں اس وقت" بڑی اماں نے اس کے مذاق کو حق جان کر گویا سر پیٹ لیا۔

"ڈیڑھ دو سال کا بچہ تو پاؤں پاؤں چلنے لگتا ہے" دیبا نے یاد دہانی کی۔

"تجھ سے کون جیتا۔ چلو اٹھو اب۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ تمہاری تو باتیں کبھی ختم ہی نہ ہوں گی۔" بڑی اماں نے حکمیہ

جمال نے تو فوراً ہی خیر منائی۔ دیبا کی گرفت میں تو باقاعدہ پھڑپھڑانے ہی لگا تھا۔ سب سے پہلے ہاتھ دھونے وہی اٹھا۔

"جاؤ دیبا! اوپر اظہر اور مظاہر کو کہہ آؤ کہ کھانا لگ گیا ہے" ۔ بڑی اماں اپنے تخت سے اترتے ہوئے بولیں۔

"اب اوپر جاؤ۔" دیبا بڑبڑاتے ہوئے چل دی۔

ماہ نور خالی خالی آنکھوں سے بس ان سب کو دیکھے جا رہی تھی۔ مظاہر تھوڑی دیر قبل ہی تو آئے تھے۔ ایک ہاتھ میں بریف کیس دوسرے میں کوئی کتاب تھی۔ سلام کر کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی تیزی سے اوپر چڑھ گئے تھے۔ حالانکہ اس کا خیال تھا وہ بتائیں گے کہ وہ اس کے گھر سے ہو کر آ رہے ہیں۔

"نورو بیٹی! کیا سوچ رہی ہو؟" بڑی اماں اس کے قریب سے گزریں تو ٹوک دیا۔

"جی؟" وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیوں اتنی فکرمند ہو۔ دیکھو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ایسے نہیں کرتے زیادہ فکر کرنے سے صحت کمزور ہوتی ہے" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

ماہ نور کو شام سے دو دو گھر کا خیال آ رہا تھا۔ وہ تو جیسے مظاہر کا بہت بے تابی سے انتظار کر رہی تھی۔

نانی کی شفیق آواز پر بے تحاشا دل بھر آیا۔ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"نادان نہیں ہو بیٹا۔ ہو۔ بڑی بات ہے خود کو سنبھالو۔ بے وقوف کہیں کی۔" بڑی اماں نے اسے گلے سے لگا لیا۔ چہرے سے اس کے ہاتھ ہٹا کر اپنے آنچل سے اس کی آنکھیں پونچھنے لگیں۔ مگر اس کے آنسو کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"کیا ہوا؟" اظہر یہ منظر دیکھ کر ان کے قریب آ کر بہت فکرمندی سے ماہ نور کو دیکھنے لگے۔ "کچھ نہیں۔ یونہی پریشان ہے۔ تم چلو کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

بڑی اماں ماہ نور کو تھام کر خود بھی آگے بڑھنے لگیں۔

"کیوں پریشان ہے۔ کچھ پتا تو چلے"۔ اظہر کو اس کا رونا بہت پریشان کر رہا تھا۔

"خود کو نہیں سنبھالو گی اور یونہی روتی رہو گی تو دنیا باتوں پر آئے گی۔" وہ سرگوشی کے انداز میں ماہ نور سے بولیں۔

ماہ نور کے آنسو خود ہی تھم گئے۔

اظہر ہنوز سوچتی ہوئی نظروں سے ماہ نور کو دیکھ رہے تھے۔

مظاہر بھی نیچے پہنچ گئے تھے۔ بیسن کی طرف بڑھتے ہوئے ان کے قدم تھم گئے تھے۔ انہوں نے ماہ نور کو روتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"آپ چلیں نانی امی میں منہ ہاتھ دھو کر آتی ہوں۔" ماہ نور نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور سیدھی بیسن کی طرف بڑھ گئی۔ مظاہر اس سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے اور بیسن پر جھکے ہوئے تھے۔ ماہ نور ان کے دائیں پہلو میں کھڑی ہو کر ان کے ہٹنے کا انتظار کرنے لگی۔

مظاہر سیدھے ہوئے تو ماہ نور کو پاس کھڑا پایا۔

انہوں نے اسٹینڈ سے تولیہ کھینچا اور ایک طرف ہو گئے۔ ماہ نور آگے بڑھ کر نل کھول کر منہ پر چھینٹے مارنے لگی۔

"گھر میں سب خیریت ہے۔ مکان کے لیے میں نے کہہ دیا ہے۔ بہت قریب کے لیے۔ پھوپھا جان کو بتا دیا ہے کہ یہ مسئلہ میں حل کر دوں گا۔ وہ کہاں گھر دیکھتے پھریں گے۔ ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ اب مت رونا۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔ اس طرح مسئلے حل نہیں ہوتے۔" وہ تولیہ واپس اسٹینڈ پر لٹکاتے ہوئے بہت آہستگی سے کہہ رہے تھے۔ ماہ نور نل بند کر کے ٹھہر گئی۔ وہ ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"مگر یہاں تو مکان بہت مہنگے ملیں گے"۔ وہ پریشان نظر آئی۔

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے تمہارا اپنا مکان بھی تو پھوپھا جان کرائے پر دیں گے"۔ مظاہر اتنا کہہ کر وہاں سے ہٹ گئے۔

ماہ نور نے ان کی سمت ایک نظر دیکھا اور دوبارہ منہ پر چھینٹے مارنے لگی۔

دل بہت مطمئن سا ہو گیا تھا۔

وہ کھانے کے کمرے میں آئی تو تقریباً سب ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ زیادہ افراد ہونے کی وجہ سے کھانا نیچے لگایا گیا تھا۔ فرشی دسترخوان خاصا وسیع تھا۔

وہ بڑی اماں کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ دوسری جانب دیبا تھی۔

ابھی کھانا شروع کیا تھا کہ لاؤنج سے فون کی گھنٹی کی آواز آنے لگی۔ اظہار نوالہ چھوڑ کر بڑی پھرتی سے کھڑا ہو گیا۔

"ہزار دفعہ کہا ہے کھانے کے وقت چونگا ہٹا دیا کرو۔ کھانے کے بیچ اٹھنا اچھی بات نہیں ہوتی"۔ بڑی اماں کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ بڑبڑانے لگیں۔ اظہار لاؤنج میں جا چکا تھا۔ مگر فوراً ہی واپس آ گیا تھا۔

"ماہ نور آپی کا فون ہے۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر دوبارہ بیٹھ گیا۔

"م۔ میرا؟" ماہ نور کا دل دھک سے رہ گیا۔

"جی۔ کوئی قریشی صاحب ہیں آپ کو بلا رہے ہیں۔" اس نے اسی بے نیازی سے جواب دیا اور کھانا کھانے لگا۔

ماہ نور حیران حیران سی اٹھ کھڑی ہوئی۔ قریشی؟ اس کے جاننے والوں میں تو کوئی قریشی نہیں۔ ذہن ایک دم [illegible] کی طرف گیا۔ ایسی کوئی چال نہ ہو۔ وہ مرے مرے قدموں اور دھڑکتے دل کے ساتھ فون تک آئی اور کانپتے ہاتھوں سے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"جی۔ ہیلو السلام علیکم! خوشی بات کر رہی ہیں۔" دوسری جانب سے آواز آئی۔

"وعلیکم السلام۔ کون بول رہی۔ میں نے پہچانا نہیں؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے بات کی۔

"اچھا۔ مگر کوئی بات نہیں پہچاننے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ یہ بتائیے آپ کیسی ہیں؟"

بہت بے تکلف انداز تھا۔

"جی! میں ٹھیک ہوں۔ آپ پلیز اپنا تعارف کرائیے" وہ بولی۔

"تعارف بھی کرا دیں گے۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ اپنی نانی کے ہاں کتنے دن رکیں گی۔ وہاں سے بڑے شناسا انداز میں سوال کیا گیا۔

"جی۔ فی الحال تو مجھے خود بھی نہیں پتا کہ کتنے دن رکوں گی۔ آپ؟" وہ پھر آپ پر آ کر اٹک گئی۔

"لیکن میری برداشت سے بہت زیادہ ہو جائے گا یہ۔ آپ کو وہاں نہیں رکنا چاہیے آپ کو پتا ہے اچھی طرح کہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ آپ مظاہر کے قریب رہیں"۔ پاشا کی آواز ایئر پیس میں ابھری۔

ماہ نور یکلخت بے جان سی ہو گئی۔ گویائی دواعت قطعی جواب دے گئی۔

"پہلا کی طرح بات کیجیے جیسے خوشی سے بات کر رہی تھیں۔ میں مائیک پر سن رہا تھا۔" وہ پھر بھی اس کی آواز سن رہی تھی

"آپ کے والد مجھے اس لیے بہت اچھے لگے کہ وہ آپ کے والد ہیں۔ مگر انہوں نے مجھے مایوس کر کے اچھا نہیں کیا۔ خیر ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو ہمت ہار جائیں۔ پھر جس آگ میں ہم جل رہے ہیں وہ تو انسان کو راکھ بنانے کے بجائے خود آگ بنا رہی ہے۔ ہم جسے اپنا کہہ دیں وہ ہمارا ہوتا ہے میری جان"۔

ماہ نور اسی طرح ساکت و صامت کھڑی رہی۔

"اوہ۔ آپ نے بتا دیا ہوتا کہ اس وقت کھانا کھا رہے ہیں تھوڑی دیر بعد کر لیجیے گا۔"

ریبا کو بڑی اماں نے بھیجا تھا وہ جھلاتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ مگر ماہ نور کی پوزیشن دیکھ کر ایک دم ٹھٹھک گئی تھی

"کک۔ کیا ہوا آپی؟" وہ تیزی سے اس کے قریب آئی۔

دوسری طرف ریبا کی آواز سن لی گئی تھی فوراً لائن کٹ گئی تھی۔ ریبا نے ریسیور اس کے ہاتھ سے لے کر اپنے کان سے لگایا۔ وہاں ٹوں ٹوں ہو رہی تھی اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ ماہ نور بھی ایک دم حواسوں میں واپس آ گئی۔

"کیا ہوا آپی؟ کس کا فون تھا؟" ریبا بے حد پریشان نظر آئی۔

"کچھ نہیں۔ آؤ چلو کھانا کھاتے ہیں"۔ وہ خود پر قابو پا چکی تھی۔

ریبا نے بہت الجھ کر اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔ "آپی"

"کچھ نہیں سب ٹھیک ہے۔ ویسے ہی میں کچھ سوچنے لگی تھی۔"

"ریسیور کان سے لگا کر سوچ لیتی ہیں آپ؟ فون پر تو بات کرتے ہیں۔ اس سے سوچتے نہیں ہیں"۔ ریبا نے برا مان کر کہاں، ایوں سنایا تھا کہ اسے اس قدر بے وقوف سمجھا جاتا ہے"۔

ماہ نور خاموشی سے اس کے پیچھے چلتی ہوئی ڈائننگ تک آئی۔

"شکر کریں میں پہنچ گیا۔ اسپیچ (بت) بنی کھڑی تھیں۔ ریسیور کان سے لگائے" ریبا نے آف سوا سے مطلع کیا۔

"میں تو ڈر گیا تھا کہیں آوازیں دیں تو حرکت پیدا ہوئی ان میں۔ اب آپ لوگ خود ہی پوچھ لیں کس کا فون تھا۔ مجھے تو کچھ بتایا نہیں۔ مگر مجھے کچھ گڑبڑ محسوس ہو رہی ہے"۔ ریبا نے اتنا کہہ کر کھانا شروع کر دیا تھا۔

سب کی نظریں ماہ نور پر ٹک گئی تھیں۔ ان میں سب سے جدا انداز مظاہر کا تھا۔

سب کی نظروں میں صرف ایک سوال تھا اور ان کی نظروں میں سوال بھی تھا اور جواب بھی۔

سب ہی نے کیوں کیا جیسے الفاظ استعمال کیے تھے۔ مگر مظاہر نے فوراً سنبھل کر کھانا شروع کر دیا تھا۔

"چلو تم لوگ سکون سے کھانا کھاؤ"۔ اسے پریشان نہیں کرو میں خود پوچھ لوں گی۔" بڑی اماں نے اسے رہائی دلائی۔

اس نے تشکر بھری نظروں سے اپنی نانی کی طرف دیکھا تھا۔ کھانا کھانے کو دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہ اٹھ بھی نہیں سکتی تھی۔ آہستہ آہستہ منہ چلانے لگی۔

"یہ کیا پرندوں کی طرح ٹونگ رہی ہو۔ ٹھیک سے کھاؤ" بڑی اماں نے ٹوکا۔

"مجھے ایک دم سے خیال آیا ہے اگر اللہ میاں ماہ نور آپی کو پرندہ بناتے تو شاید مورنی بناتے۔ وہ بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ اس کے پر بڑے حسین ہوتے ہیں۔ پرندوں میں بکاؤنٹ ہوتی ہے نا؟" ریبا بولتے بولتے اظہار سے پوچھنے لگی۔

"جی نہیں اس کے پاؤں بہت بدصورت ہوتے ہیں۔ معلومات پوری حاصل کیا کرو مگر تم بھی کیا کرو مجبور ہو تمہارے پیچ کا نام ہو جاتا ہے معلوماتی پروگرام کے دوران"۔ مظاہر نے گویا کی لی۔

"دیکھ رہی ہیں بڑی اماں" ریبا نے چمچ پلیٹ میں رکھ کر بڑی اماں سے شکایت کی۔

"تو ضرورت کیا ہے کھانے کے بیچ اوٹ پٹانگ باتیں کرنے کی"۔ اسے مزید جھاڑ پڑ گئی۔

"ایک ذرا سے بدصورت پاؤں ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہوتی تو خوبصورت ہی ہے"۔ ریبا بھلا کیسے ہار مان لیتی ہے" ہے نا آپی؟" اس نے ماہ نور سے تائید چاہی۔

"بڑی اماں! سون آیا کرے تو آپ اسے بٹھا لیا کریں۔ وہ میرا انتظار کر سکتا ہے۔ کل اسے میری وجہ سے بہت پریشانی اٹھانا پڑی۔ مجھے ابھی تک افسوس ہے"۔ مظاہر نے بے مروپا باتوں کو روکنے کے لیے نا اپنی بات شروع کی تھی۔ کچھ دیر قبل ہونے والے واقعے سے سب کا دھیان ہٹانے کی غالباً لاشعوری کوشش بھی تھی۔

"سون۔ کون سون۔ اس نام کا تو کوئی دوست تمہارا آج تک نہیں آیا؟" بڑی اماں حیران ہو کر [illegible] ڈالنے لگیں۔

"میرا مطلب ہے عبدالباسط خبیب"۔ مظاہر کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ [illegible] کا بیٹا ہے۔ تمہیں خود ہی آج کل ملک سے باہر ہیں اس لیے ابھی سے ڈائریکٹ ڈیلنگ ہو رہی ہے۔ تمہیں تو بچپن کی یاد کر رہے تھے۔ بڑی اماں۔ یہ ان کا تعارف تھا

"وہ تمہارے پارٹنر؟" اظہر مظاہر سے پوچھنے لگے۔

"جی" مظاہر نے جواب دیا۔

"ہائے اللہ جمال بھائی [illegible] بے چارے [illegible] لیے بیٹھے ہیں"۔ ریبا نے حسب عادت [illegible]

"شکریہ۔ میں [illegible] کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"ابھی تو ہم نے [illegible] بات کا۔ حق کے شکریے" ہم نوں [illegible] سے چھا کر بولی

"[illegible] بہت [illegible]

"صرف ایک تم اکیلے تھوڑے سے سخت ہو جاؤ تو بس ایک دن میں سیدھی ہو جائے گی" بڑی اماں نے ناراضگی سے اظہر کو دیکھا

"میں تو پہلے ہی اظہر بھائی سے بہت ڈرتا ہوں۔ زیادہ ڈرنے سے انسان فوت بھی ہو جاتا ہے" اس نے قدرے دبے دبے انداز و آواز میں کہا۔

"بہت تھوڑے سے دن ہیں تمہارے پاس۔ پتا چلے گا آٹے دال کا بھاؤ" بڑی اماں شدید غصے میں بس یہی کہہ سکیں مظہر کی رگ پھڑکی مگر وہ اظہر کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

سب لوگ سونے چلے تو بڑی اماں نے اسے اشارے سے اپنے پہلو میں بلایا۔ وہ کرسی سے اٹھ کر تخت پر ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"کس کا ٹیلی فون تھا بیٹی؟" وہ سرگوشی کے انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

ماہ نور کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ ہونٹ چباتے ہوئے آنسو روکنے لگی۔

"کوئی آوارہ لونڈے کا تو نہیں تھا۔" وہ فکرمند نظروں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

اس نے فوراً اثبات میں گردن ہلا دی۔

بڑی اماں یکدم سناٹے میں رہ گئیں۔

"نمبر کیسے ملا ہوگا اسے؟" وہ بڑی سادگی سے پوچھ رہی تھیں۔

"ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے" اس نے آنسو پیتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں۔ کیا جنوں میں سے ہے؟" انہوں نے تعجب سے سوال کیا۔ ماہ نور خاموش رہی۔

"کیا کہہ رہا تھا؟" بڑی اماں کا دل پریشان ہو کر بے قابو ہونے لگا۔

وہ بدستور خاموش تھی۔

"دھمکی دے رہا تھا؟"

اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"پھر اور کیا کہہ سکتا ہے فون پر" وہ حیرت سے سوچنے لگیں۔

"تم بیٹھو۔ میں ذرا مظاہر سے بات کرتی ہوں اس کی تو پولیس والوں سے بڑی جان پہچان ہے" وہ پاؤں نیچے لٹکا کر چپل ٹٹولنے لگیں۔

❊☆❊

ماہ نور اپنی جگہ ساکت بیٹھی تھی۔ حالانکہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ بڑی اماں کو روک لے کہیں حقیقت میں مظاہر جوش میں آ جائیں اور اس سے الجھ جائیں تو اس سے الجھنے میں الجھنیں اور خطرات ہی تھے۔ مگر دوسرا احساس یہ بھی تھا کہ اس وقت کوئی فیصلہ کن رد عمل ضرور سامنے آنا چاہیے۔ ورنہ وہ کسی انتہا پر بھی پہنچ سکتا ہے۔ ایک طاقت ور اخلاقی تعاون کا احساس بھی اس وقت ضروری تھا

بڑی اماں اوپر جا چکی تھیں اور وہ ایک اضطراب سے دوچار تھی۔

چند منٹوں بعد وہ مظاہر کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئیں۔

"بتا بیٹی وہ کیا کہہ [illegible] ٹیلی فون [illegible]؟"

ماہ نور نے نظریں اٹھا کر مظاہر کی سمت دیکھا۔ وہ لباس تبدیل کر چکے تھے اور گہرے سرمئی شلوار سوٹ میں ملبوس تھے جس سے ان کی شخصیت کا ظرف کچھ ابھر گیا تھا۔ وہ اس کے نزدیک صوفے پر بیٹھ گئے۔

"اب کیا کہہ رہا ہے۔ کیا دھمکی دے رہا ہے؟" وہ اپنے پر تکلف انداز میں پوچھ رہے تھے۔

ایک غالب احساس شرم سے اس کی آنکھیں بھر آئیں (یہ دن بھی زندگی میں آنا تھا)

"بس تنگ کر رہا تھا۔ جیسے کرتا ہے" وہ بمشکل گویا ہوئی۔

"ہوں..... ویسے بھی بتاؤ۔ کوئی زیادہ گڑبڑ تو نہیں کر رہا؟" وہ کہنیاں اپنے زانوں پر ٹکائے ہاتھ جوڑے اپنے ہونٹوں کو تھپتھپا رہے تھے۔

"اے لونڈوں سے زیادہ کیا گڑبڑ ہوگی۔ شریفوں کے گھر دھڑلے سے ٹیلی فون بجا رہا ہے۔" بڑی اماں آگ بگولا نظر آئیں۔

"ٹھیک ہے آپ یہ فون اٹینڈ ہی نہیں کرے گی۔ اور میرا خیال ہے وہ اتنا بے وقوف بھی نہیں ہے کہ دیوار ہی پھلانگ کر اسے تنگ کرنے آ جائے۔ گھر کی چار دیواری میں کیا گھبرانا۔"

"اے ایسوں کا کیا بھروسا۔ ایک اور بچی بھی ہے گھر میں۔ آخر تم اسے تھانے میں بند کیوں نہیں کرا دیتے؟" بڑی اماں بات کاٹ کر جیسے زچ ہو کر بولی تھیں۔

"وہ اپنے جرم کا کوئی نشان چھوڑتا تو یہ کارروائی بھی ہو جاتی۔ وہ بہت چالاکی سے گیم کھیل رہا ہے۔ خیر۔ میں دیکھتا ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔" مظاہر نے بڑی اماں کو تسلی دی۔

"خوب کبھی ہم پریشان نہیں ہوں گے تو کہنے والے پریشان ہوں گے۔ بس تم کسی طرح اسے ہتھکڑی لگوا دو کیا فائدہ تمہاری افسری کا جب تم ایک بدمعاش قابو نہیں کر سکتے؟"

بڑی اماں نے اوپرے جذبات کے طعنہ بازی شروع کر دی۔

"دوست تھیے درست طریقہ کار سے حاصل ہوتے ہیں بڑی اماں! آپ سے کہا ناں کچھ نہیں کر سکتا وہ آوارہ مزاج لوگ بس یونہی اپنا وقت گزارا کرتے ہیں۔ کچھ روز نظر نہیں آئے گی۔ فون اٹینڈ نہیں کرے گی خود بخود بھوت اتر جائے گا پھر کسی اور شغل میں مگن ہو جائے گا۔ بہتے پانی کی لہریں ہوتے ہیں ایسے لوگ۔ کوئی استقامت و استقلال نہیں ہوتا ان کے مزاج میں۔ انہیں بس روز ایک نیا مشغلہ چاہیے ہوتا ہے۔ آپ تو بس یونہی پریشان ہو جاتی ہیں۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یونہی"۔ بڑی اماں کا پارہ پھر ہائی ہونے لگا۔

"لونڈا اٹھا کر گھر تک تو چلا آیا اور تم کہہ رہے ہو یونہی۔"

"یہاں سے مایوس ہو کر کل کو کسی اور گھر میں چلا جائے گا۔ یہ سب تماش بینی کرنے والے اسی طرح کے لفنگے پسند کرتے ہیں۔ آپ فضول فکرمند نہ ہوں۔"

"اب یہ تو بتاؤ مظاہر کو وہ تم سے کیا کہہ رہا تھا ٹیلی فون پر۔"

بڑی اماں نے سوچا۔ وہ کوئی اس طرح کی بات کہہ دے کہ مظاہر اسے ٹالے۔ اب بھگا دیں۔ تب ہی ان کے سینے میں ٹھنڈک پڑتی۔

"بھئی کب کھانا کھاؤ گے؟ پڑے پڑے ٹھنڈا بھی ہو گیا ہو گا" بڑی اماں لاؤنج میں آئیں تو مظاہر پر نظر پڑتے ہی بولنے لگیں۔

"ابھی بھوک نہیں ہے۔ ماما سے کہہ دیں۔ کھانا اٹھا لیں۔ دیر سے کھاؤں گا"۔ مظاہر کی آواز سے لگتا تھا وہ کسی گہری سوچ میں ہیں۔

"اور کتنی دیر میں کھاؤ گے؟ ایک وقت گھر میں کھانا ہوتا ہے۔ اس میں بھی دیر ہی۔ ایک تو آئے بھی دیر سے ہو"۔

بڑی اماں خود خفا سی واپس پلٹ گئیں۔

ماہ نور نے تولیہ اسٹینڈ پر لٹکایا اور بڑی اماں کے تخت کی طرف بہت تھکے تھکے انداز میں بڑھی جہاں ایک کونے میں وہ تسبیح تہہ شدہ جائے نماز بھی پڑی ہوئی تھیں۔

اپنے آپ سے کچھ پوچھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے مظاہر کی نرمی بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔

کیوں کھڑے ہیں؟ اپنے کمرے میں جاتے کیوں نہیں؟

کہیں یہ تو نہیں سوچ رہے کہ میری وجہ سے یہ لوگ مشکل میں پڑ گئے ہیں؟ کہیں میرے بارے میں تو کچھ الٹا سیدھا نہیں سوچ رہے؟

"دن میں تو جی کا کوئی فون نہیں آیا؟" مظاہر اس کی طرف پلٹے۔

اس نے مجرموں کی طرح آنکھیں جھکا کر نفی میں گردن ہلا دی۔

"میرا مطلب ہے گھر میں کسی نے اٹینڈ کیا ہو؟" وہ مسلسل کچھ سوچ رہے تھے۔

اس نے ایک مرتبہ پھر نفی میں گردن ہلا دی۔

"دیکھو تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اپنی نہیں بلکہ تمہاری پریشانی کا خیال ہے۔ اس لیے کہ تم بہت دلی وابستہ ہوا۔ اعتماد تو ویسے نہیں ہے تم میں۔ تم جس مزاج کی لڑکی ہو۔ ایسی لڑکیاں کیریئر بنانے کے لیے نہیں ہوتیں۔ انہیں ملازمت نہیں کرنا چاہیے۔ خواہ کتنی ہی مجبوری ہو۔ اس طرح کی خواتین کے لیے ہوم انڈسٹری مناسب ہوتی ہے۔ جس لڑکی میں اعتماد نہ ہو اسے کبھی گھر کے چار دیواری سے غیر ضروری نہیں نکلنا چاہیے۔ کیریئر بنانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان لڑکیوں کی تو بس بہت جلدی شادی ہو جانا چاہیے۔ بچوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو جانا چاہیے۔

میں پھوپھا جان سے بات کرتا ہوں کہ وہ جوان کے دوست کے بیٹے کا پرپوزل ہے اسے فائنل کر کے بس اسی ماہ شادی کر دیں۔ بلکہ سب انتظامات ہم خود ہی کر لیں گے وہ صرف تاریخ وغیرہ طے کر لیں۔

"میرا خیال ہے تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے"

ماہ نور جائے نماز بچھاتے یکدم بھونچکی ان کی صورت دیکھ رہی تھی۔

اسے مظاہر بہت برے لگے۔ بلا کے مغرور محسوس ہوئے۔ اس کے اندر کچھ ٹوٹ کر بکھرا تھا۔ اس کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر رخساروں پر ڈھلک آئے۔

شیر بھوک کے وقت دوسرے شیر کو پھاڑ نہیں کھاتا بلکہ چھوٹے اور کمزور جانوروں پر حملہ کرتا ہے۔

فنانشلی اسٹرانگ ہو تو کوئی اونچ وہم بات نہیں کہ انسان اتنا اپنی بہترین صلاحیتوں پر خود ہی لاک لگا دے۔ اپنے آپ سے انتقام لینے والے لوگ بہت بزدل، ظالم اور کمزور ہوتے ہیں"۔

مظاہر نے اس کے آنسو دیکھ لیے تھے اس وجہ سے انہیں سچ مچ کا غصہ آ گیا تھا، وہ لاؤنج سے باہر چلے گئے تھے۔

شاہانہ کسی فنکشن میں گئی تھی۔ اس نے بتایا تھا وہ رات ایک بجے سے پہلے نہیں آئیں گی۔ چھوٹے صاحبوں کا تو کنفرم تھا کہ لیٹ آورز ہی میں تشریف لاتے ہیں۔ آج سب بڑے بچے لاؤنج میں پکنک منا رہے تھے۔ ٹی وی پر دیکھے گئے ایک ڈرامے کی نقل کی جا رہی تھی۔ کاکو وڈیرا بنا ہوا تھا۔ سر پر پگ اور کرتے پر لمبی لمبی مڑی ہوئی مونچھیں۔ موتل وڈیرن بنی تھی۔ کانوں میں بڑے بڑے جھالے کاکو کی ماں کا چھپا کر رکھا ہوا گوٹے کناری سے بھرا گہرا عنابی دوپٹا۔ ہاتھوں میں ڈھیروں چوڑیاں، آنکھوں میں ڈبل اسٹوری "کاجل" ہونٹوں پر تیز سرخ لپ اسٹک صوفے پر دونوں پیر رکھ کر بیٹھے ہوئے تھے۔

خاصی دیر تو سب بچے ایک دوسرے کے سوانگ دیکھ دیکھ کر ہنس ہنس کر لوٹتے رہے۔ کوئی ملازم بنا ہوا تھا کوئی مظلوم۔ ہر مرتبہ مظلوم وڈیرے کے پاس دہائی دیتے آتا۔ ہر مرتبہ کوئی بچہ شرارت سے سین خراب کر دیتا۔

"سائیں! اچل نے میری بھینس چوری کر لی ہے۔ پچھلے سال اس نے گائے چرائی تھی"۔

"اور اب تیری مرغی چرائے گا" کوئی بچہ ٹکڑا لگا بیٹھتا۔ سب ہنس ہنس کر دہرے ہونے لگتے۔ سین کا ستیاناس ہو جاتا۔

گویا پھر وڈیرے کا مرحلہ آ جاتا۔ حالانکہ کاکو کئی مرتبہ دھمکی دے چکا تھا جو اس مرتبہ گند کرے گا اسے لاؤنج سے باہر نکال دیا جائے گا۔

کتنے دنوں بعد آج موتل کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو پائے تھے۔

سین دوبارہ شروع ہوا۔ مظلوم کی فریاد اس مرتبہ سب نے خاموشی سے سنی۔

"سائیں! اپیل بہت دکھی ہے۔ اپنے ڈیرے سے اسے ایک بھینس دے دو"۔ وڈیرن نے سفارش کی۔

"بے عقل عورت! یہ بھینس مانگنے نہیں آیا۔ انصاف مانگنے آیا ہے۔ اس طرح بھینسیں بانٹنا شروع کر دیں تو خالی ویڑہ تیرا باپ بھرے گا"۔

حریص و ذلیل وڈیرا دانت چبانے لگا۔

موتل ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں نہیں کھیل رہی۔ وڈیرا امیر ہوتا ہے تو وڈیرن بھی امیر ہوتی ہے۔ پھر وڈیرا اس سے اتنی بدتمیزی سے کیوں بات کرتا ہے؟"

"وڈیرے ایسے ہی بولتے ہیں نا۔" سب سے کاکو نے سمجھایا۔

"تو ایسے بولنے سے ذلالت ہوتی ہے۔ نوکروں کے سامنے وڈیرن کی بے عزتی نہیں کرنا چاہیے۔" موتل نے اپنی بات پر اصرار کیا۔

"نوکر بن کر تو ہر وقت میری بے عزتی ہوتی ہے۔ ایک بار وڈیرن بن کر بھی بے عزتی کراؤں۔ تھوڑی دیر کے لیے تو ذرا عزت سے بات کر لو۔ ورنہ میں نہیں کھیلوں گی۔" موتل نے فیصلہ سنا دیا۔

"اچھا اچھا۔ اس مرتبہ تو دونوں کو نہیں۔ تمیز سے بات کروں گا۔ البتہ غصہ ضرور کروں گا"۔ کاکو نے صاف صاف ڈیلنگ کی۔

"وڈیرا اتنا غصہ کیوں کرتا ہے؟" انگی ڈرامے میں بھی نوکرانی ہی بنی ہوئی تھی۔ بس بڑی عمر کی نوکرانیوں کی طرح دوپٹا سر سے اوڑھ کر سب سے پیچھے جھجک دکھا رہا تھا۔ بڑی معصومیت سے اس نے کاکو سے پوچھا تھا۔

"اس کے پاس بہت پیسہ ہوتا ہے اس لیے" کاکو کو یہی مناسب جواب سوجھا۔

"بڑا موقع اس ناشتے کے بعد بھی بند ہو سکتا تھا۔ کتنا اور لگ رہا ہے"۔ ردیا نے منہ بنایا۔

"بڑوں کی بات ماننے سے خوش بختی میں اضافہ ہوتا ہے" جمال نے بڑی سادگی سے کہا۔

"ہم باز آئے ایسی خوش بختی سے کہ انسان تماشا ہی بن جائے" وہ ذرا چڑ کر بولی۔

"آپ کی کئی باغیانہ روش تو مجھے بہت پسند ہے۔ جس طرح کا انسان کم از کم اپنی دلی خواہشات تو پوری کر لیتا ہے"
جمال نے ذرا دنے پہلی مرتبہ اس کے چہرے پر خاص انداز سے نظر ڈالی جس پر ردیا نے دھیان نہ دیا۔

"آپ بھی اس طرح کے بہادر بن سکتے تھے جب بچے تھے" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"ردیا! واقعی ہم آپ کو یاد آئیں گے؟" الوداعی گھڑیوں میں عجیب سا اضطراب پیدا ہوتا ہے۔

"یقین کریں بہت۔ آپ سے دوستی بھی کرتا ہے۔ یقین کریں واقعی مجھے اپنی بدتمیزیوں کا احساس ہے۔ آپ جیسے سادہ بندے کے ساتھ بہت زیادتی کی میں نے۔"

"کوئی زیادتی نہیں کی۔ مجھے تو یاد بھی نہیں۔ ردیا وہ ایک دم جھجک گیا اور اٹک گیا۔

"بس تو بہ جمال بھائی کتنا سوچ سوچ کر بولتے ہیں آپ۔" وہ جیسے چڑ گئی۔

"وہ میں پہنچتے ہی فون کروں گا۔" وہ پھر رک گیا۔

"وہ تو اتنا تو کرنا بھی چاہیے آپ کو۔" وہ الجھ کر جمال کو دیکھنے لگی۔

"آپ ضرور بات کیجیے گا مجھے ایک بات کہنا ہے صرف۔ آپ صرف سنیے گا۔ جواب میں کچھ بولیے گا مت۔ بھولیے گا نہیں۔ ملتی آئیں۔ نیچے دادی جان انتظار کر رہی ہیں۔"

وہ سوٹ کیس اٹھا کر فوراً ہی باہر نکل گیا۔ ردیا جو حیران پریشان کھڑی تھی، سر جھٹک کر پیچھے چل پڑی تھی۔ اتنا بھی سیدھا نہیں ہونا چاہیے انسان کو۔

"آپ صبح کو کتنے بجے اٹھ جاتے ہیں؟ اور بھی سنڈے کو۔ ہمارے ہاں تو سنڈے سلیپ ڈے ہوتا ہے۔ افتخار بھائی پر کوئی نصیب ابھی سے بھی پانی چھڑک کے تو اٹھا کر دیں۔ مجھے تو آپ بہت اسمارٹ لگ رہے ہیں۔ لائک اے ملٹری سولجر۔ میں خود بھی صبح کو جلدی ہی اٹھ جاتا ہوں۔ بڑی اماں سویرے اٹھا کرتی ہیں۔ اب تو خیر عادت ہو گئی ہے وہ اٹھائیں نہ بھی کریں تو آنکھ کھل جاتی ہے۔ آپ یہیں کہیں قریب رہتے ہیں؟"

سون جو اس کے "اٹھ جاتا ہوں" پر بڑی حیرت و دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے سوال پر گڑبڑا کر اپنی نظر کا زاویہ بدلتے کہا۔

"جی۔ جی۔"

"مثلاً کتنے قریب؟" وہ کس قدر اعتماد اور اطمینان سے ٹانگ پر ٹانگ جمائے اس سے باتیں کر رہی تھی۔ بلکہ اسے جکڑ رہی تھی۔

"دو جنکس خیابان بحار" اس نے قدرے پریشان کن حالت میں اختصار سے کام لیتے ہوئے بتایا تھا۔

"بائی گاڈ۔ وہ تو بہت … سادہ … ہے ہمارے گھر۔ جب آپ اسے قریب کہتے ہیں تو کوئی گزارہ کے ساتھ ہی آتے ہوں گے۔"

"اور اکا جان اصل میں ہاتھ لیتے میں بہت ٹائم لیتے ہیں۔ اس لیے میں آپ کو کمپنی دے رہا ہوں۔ پتا نہیں آپ کو میری

باتیں بری لگ رہی ہیں یا نہیں۔ مجبوری ہے۔ دراصل ہمارے ہاں مہمان کو اکیلا ڈرائنگ روم میں بٹھانا بے حد بداخلاقی سمجھا جاتا ہے۔ بڑی اماں تو ایسے لوگوں کو انسان ہی نہیں گنتیں۔

ہم اپنی دادی کو بڑی اماں کہتے ہیں۔ رات کو ہماری بڑی پھوپھو انہیں لے گئی تھیں اپنے گھر۔ آج کل ہماری چھوٹی پھوپھو کی بیٹی بھی ہمارے ہاں رہنے آئی ہوئی ہیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ گئی ہیں۔ میرا موڈ نہیں تھا اس لیے نہیں گیا۔ ویسے بھی میں تو ہفتے میں دو چکر لگا لیتا ہوں۔

اور کچھ دن پہلے آپ شام کے وقت سفید گاڑی میں آئے تھے ناں؟ دراصل میں جلدی موڈ آف کر لیتا ہوں۔ آپ نے کچھ مائنڈ تو نہیں کیا تھا؟ اکا جان سے میری کوئی شکایت تو نہیں لگائی؟"

مردانہ انداز گفتگو پر مٹکا سون بے ساختہ مسکرا دیا۔

"ہرگز نہیں۔ مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔"

"تھینکس۔ بس وہ اکا جان سے تھوڑا سا ڈر لگتا ہے"۔ وہ قدرے شرمندگی سے مسکرائی۔

"بس تھوڑا سا؟" سون کے احساسات یکدم خوشگوار ہو گئے تھے۔ میزبان بہت دلچسپ تھا۔

"جی۔ وہ اس لیے کہ ظاہر ہے وہ ماریں گے تو نہیں۔ انہوں نے کبھی بچپن میں بھی نہیں مارا۔ اب تو میں بڑا ہو گیا ہوں۔ ویسے تو وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ جب بھی انہیں فرصت ہوتی ہے۔ وہ مجھے آئس کریم یا پزا کھلانے لے جاتے ہیں۔ کتنے ہی مصروف ہوں میری برتھ ڈے ضرور یاد رکھتے ہیں۔ بہت شاندار گفٹ بھی دیتے ہیں۔

اسی دوران مظاہر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

سون اٹھ کھڑا ہوا اور بہت گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔

"سوری۔ مجھے کچھ دیر ہو گئی۔" انہوں نے معذرت کی۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ کی سسٹر بہت اچھا انٹرٹین کرتی ہیں۔ بور نہیں ہونے دیا۔"

"بہت شریر ہے یہ۔ واقعی انٹرٹین کیا ہے یا آپ تکلف میں کہہ رہے ہیں؟"

انہوں نے پیار سے ردیا کا سر تھپتھپایا۔

"ادھر تو کوئی ماڈرن صلاحیتوں کو مانتا ہی نہیں" ردیا مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چائے بھجواتی ہوں۔ اکا جان آپ کو صرف پانچ منٹ انتظار کرنا ہو گا۔ پلیز" وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

"خیال نہ کریں۔ ہم سب … ہیں کہ اس کا "مجھے ڈر لگا" … آئیں۔ دراصل جب یہ چھوٹی تھی تو اس طرح کا انداز گفتگو بہت دلچسپ لگتا تھا۔ کسی نے ٹوکا ہی نہیں تو اس کی عادت ہو گئی۔ گھر میں کیونکہ مسکولائن ایلیمنٹ (مذکر عنصر) کثرت سے ہے اور یہ سب سے چھوٹی ہے۔"

آخرکار انہوں نے سون کی حیرت و تجسس کی جس کا انہیں اندازہ تھا کہ ضرور ہو رہی ہو گی۔ سون کو تسلی ہو گئی تو آپ ہی آپ مسکرا دیا۔

ماڈرن … کے ساتھ بیڈروم میں کھڑکی کا پردہ … تھی۔

"ہائے … ماموں، بھائی۔ مظاہر، اظہر … بڑی اماں سمیت موجود تھے۔ بڑے ماموں آ گئے … تھے

"لیجیے کر عدہ ہوئی ہے۔ سترہ سال پرانی ایک کہانی کی بازگشت تو ابھی تک باقی ہے۔ یہ نیا ڈراما شروع ہو گیا۔

تیسرا فون آیا ہے ابھی تو میں انہیں لے کر ادھر دوڑا آیا ہوں۔ آپ کیوں نہیں سمجھاتیں عارفہ کو۔ جوڑ کے دولت میں کھیلنے ہیں ان میں اس طرح کی لاپروائیاں ہوتی ہی ہیں۔ شادی کے بعد ذمہ داری پڑتی ہے تو آپ سیٹ ہو جاتے ہیں۔

کہہ رہا ہے اس نے اپنی ماں بہنوں کو بھیجا۔ خود طاہر علی سے ملا۔ مظاہر سے منت خوشامد کی۔"

مظاہر نے چونک کر تایا کی شکل دیکھی۔ "منت خوشامد"

"ایک سیدھی سی بات کو اتنا بڑا ایشو بنا لیا ہے آپ لوگوں نے" وہ حیرت زدہ گویا ہوئے۔

"دم لو ناصر حسین! کوئی ہماری بھی سنو" بڑی اماں نے چونک کر زچ ہو کر گاوی سے انہیں ٹوک دیا۔

"عمر دراز ہو گئے ہو۔ عمر داروں کی بات پر کان دھرنا سیکھو۔ اچھا ہوا تو وہ تم سے مشورہ لیے بغیر ہاں کر دیتی۔ نمبردار بنا پھرتا ہے اپنے علاقے کا۔ صرف اس کی بنی اور ہم سب کو سنانے آ گئے۔ ہماری بچی کو اچھا کر لے تو ہم سے زیادہ کون خوش ہوگا۔ جد کر دی ہے تم نے لونڈے لپاڑے کی بات سنو گے ماں کی بات کی کوئی حیثیت نہیں اور پھر کون سا ہم سے دور ہیں۔ بہن کو دلاسے دینے پہنچ جاتے ہو"

"اس نے تو ہم سے واسطے دیکھے ہیں۔ اس نے جس طرح ہماری کو منایا ہو کیا وہ شخص اس کا احساس کمتری تھا۔ آپ یہ بات نہ کہیں" ناصر حسین نے سخت برا مانا۔

"کسی لڑکے کا اتنا وحشت ہی ہوتا ہے جب اسے کسی سے کوئی اچھی امید ہو۔ بہانہ نہیں گا اماں" ناصر حسین کی بیگم کے لہجے میں عجیب سی تلخی تھی۔

"دلہن۔ ہاتھ بھر دو منہ پر۔ اپنے آگے اور بھی بچیاں ہیں۔ اور دوسرے مزاج کی بچی ہے۔ خاندان بھر میں اس جیسا حسن کسی کے پاس نہیں۔ یہی حسن بعض مرتبہ عورت کے لیے مصیبت بن جاتا ہے۔ سب ہی اسے پسند کرتے ہیں۔ مگر ہاتھ کوئی نہیں دھرتا کہ غریب ہے۔ جہیز میں کچھ نہیں ملے گا۔ ساری دنیا کی آنکھوں پر دولت کی پٹی بندھی ہے۔ یہی ہوتی کسی سرمایہ دار کی بیٹی تو سب لائن لگائے کھڑے ہوتے۔ دشمنیاں پڑ جاتیں۔ سب لڑکوں کی مرضی پر دھو کر نال جاتے ہیں۔ اور لونڈے تو اڑتے رہتے ہیں ہواؤں میں کیا اپنے گھر کے کیا دوسروں کے۔"

بڑی اماں جیسے بہت بری تھیں۔

"اور تو یہاں تک کہہ رہا ہے جو چاہیں شرائط لکھوا لیں آپ لوگ"۔

"بہت آسان ہے لکھوانا۔ جیسے وہ بوری تو کر دے گا۔ اللہ کے قانون توڑنے میں جواب نہیں تو سرکار کی نافرمانی میں بے مثال۔ سب پتا ہے مجھے۔ اب کے فون آئے تو کہہ دینا ہم کیا کر سکتے ہیں۔ آئندہ فون کرنے کی ضرورت نہیں"۔ بڑی اماں نے بہو کی بات کاٹ کر تیزی سے جواب دیا۔

"ہواؤ دیکھو اس کا وہ لٹے داروں کے گھروں میں نیلی فون بجانے بیٹھ گیا۔ اس نامراد کے گھر میں ماں بہنیں نہیں ہیں۔ تمہارے اعلا افسر بھتیجے سے کہہ دی ہوں۔ ہتھکڑی لگوا دو۔ آپ ہی سارا جوش دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ مگر میری سنتا کون ہے"۔

بڑی اماں نے ناراضگی سے مظاہر کی طرف دیکھا۔

"وہ ہتھکڑی والی کوئی بات تو کرتا بڑی اماں اور شریف ہی تو مانگتا ہے"۔ مظاہر جز بز ہو کر بھی بہت مؤدبانہ گویا ہوئے۔

"رشتہ مانگا تھا انکار ہو گیا۔ بات ختم۔ ہماری اپنی بچی سو جان سے انکاری ہے۔ تم سنو ل ہی اسے۔ اور یہ کیا تماشا

بنا رہا ہے ہماری بچی کا طاہر علی سنیں گے تو کیا گزرے گی ان کے دل پر" بڑی اماں کی آواز بھرا گئی۔

سب لوگ یکدم خاموش بیٹھے رہ گئے۔

"وہ آپ بتا رہی تھیں کہ کہیں بات چل رہی ہے ماہ نور کی" اظہر نے آہستگی سے بڑی اماں کی طرف جھک کر پوچھا۔ وہ اچانک آگاہ ہوئے تھے۔ اس لیے دم بخود سے تھے۔

"ہاں تو چل رہی ہے۔ اللہ کے فضل سے بھلے لوگ ہیں۔ مگر سفید پوش ہیں۔ اب ہم ان سے پتہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم پریشان ہیں۔ اگلے جمعے بارات لے آؤ۔ ان کا بھی پہلا بچہ ہے۔ انہیں بھی کوئی ارمان ہوں گے۔ پھر اس طرح سے کہنا تو خود اپنی ذات کو مشکوک بنانا ہے۔

لڑکی کا رشتہ طے ہو جاتا ہے۔ تو زیادہ تر لڑکے والے ہی مدت مقرر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وہ کب بارات کا ارادہ رکھتے ہیں" بڑی اماں کا انداز ہنوز خفا خفا تھا۔

"بہر حال ہم تو خرانٹوں کے گھسیٹے گئے ہیں۔ پریشان کر کے رکھ دیا ہے ہمیں تو اس نے اگر اس نے زیادہ تنگ کیا تو گھر پہنچ کر خبر لوں گا"

ناصر حسین نے اپنی فیصلہ کن طبیعت کا مظاہرہ کر دیا۔

"طاہر علی سے کہیں اس سے سجھا کے بات کریں اور اس سے کہیں وہ رشتے داروں کو عذاب میں ڈالے بغیر اپنا معاملہ خود نمٹائے۔ خوب انوکھی کہانی چلی ہے۔ ہماری اور بچیاں بھی سا دن باہر نکلی تھیں۔ بڑی بھی ہیں۔ ہنر بھی سیکھے ہیں۔ ساتھ خیریت کے اپنے اپنے گھروں کی بھی ہو گئیں"۔

بڑی اماں طنز و استہزاء کے بغیر بات مکمل کرنے کی عادی نہیں تھیں۔

"اللہ کا سا سنا دیکھو دلہن۔ بس پناہ مانگو اس سے بڑے بولوں سے بلکا پڑ جاتا ہے انسان"۔

"بڑے بول نہیں۔ بس ایک بات ہے۔ کہنے میں آ ہی جاتی ہے" ناصر حسین کی بیوی تنک کر بولی تھیں۔

"آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ میں خود جا کر اس سے بات کرتا ہوں" مظاہر اس بے معنی میٹنگ سے بے زار ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے ایسے خطرناک آدمی کے منہ لگنے کی" بڑی اماں نے عجلت سے کہا۔

"اگر وہ غیر قانونی طور پر خطرناک ہے تو ہم قانونی لحاظ سے خطرناک ہیں۔ اسے بھی ہم سے ڈرنا چاہیے"۔ جیسے چڑ کر رہ گئے تھے اور وہاں سے ہٹ گئے تھے۔

ماہ نور دہلنے سر سے کانپنے لگی تھی۔ اسے بابر کی دھمکی یاد آ گئی تھی۔

"پھر بھی دیکھنا چاہیے کہ آخر اس کے پاس وہ کون سی گیدڑ سنگھی یا کنٹرول پاور ہے جس کی وجہ سے وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ جب ادھر بابا ہم سب کا سارا بایوڈیٹا بانٹتے ہے جب چاہتے ہو گیٹ کر لیتا ہے اس کا مطلب ہے اس کے پاس کوئی ایسی جگہ ہے جہاں اور پاؤں جما کر کھڑا ہے۔ اجنبی اسے تمہارے بارے میں تمہاری سیٹ کے بارے میں آگاہی ہوگی۔

ایک دم اس سے الجھنا کچھ ٹھیک نہیں۔ ہم میں سے کسی کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ بہ نفس نفیس جا کر اس سے ملاقات کرے"۔

ماہ نور کی پراسرار آمد و قیام۔ اس کا رونا اور آج بابا جان کی آمد و انکشافات۔

اظہر گھڑی بھر میں سب جان گئے تھے۔ لہٰذا اب انہوں نے خود بھی حصہ لیا۔ بھئی مظاہر کو توکہہ دیا۔

"وہ ہراساں پریشان کرنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا ہے۔ دو چار مرتبہ اور زیادتی کرے گا پھر خاموش ہو جائے گا۔"

اظہر نے گویا چٹکیوں میں بھرے حاضرین کو پرسکون کیا۔

"خوب کہی میاں! یہ تو یوں ہوا کہ جیسے ہم بھی ان کے ساتھ کھیلیں" وہ بڑبڑایا کر کے اپنے شوق پورے کرے۔ ہم مفت میں اپنی جان جلاتے پھریں۔ کوئی ایسا بندوبست کرو کہ آج کے بعد وہ ہمارے گھروں کا رخ ہی چھوڑ دے۔ تائی امی کو اظہر سے زبردست اختلاف ہوا تھا۔

"ماہ نور خود کہاں ہے اس وقت؟" وہ ساس سے پوچھنے لگیں۔ اندر ماہ نور کا دل دھک سے رہ گیا۔

"برابر کمرے میں ہے۔ بچی بہت پریشان ہے۔ کوئی ایسی ویسی بات نہ دہرانا اس کے سامنے۔"

بڑی اماں نے بہو کو اٹھتے دیکھا تو ٹوکے بنا نہ رہ سکیں۔

ناصر حسین کی بیگم عالیہ کمرے میں داخل ہوئی تھیں اور ماہ نور اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم ممانی جان" کیسا مجرم بنا رہا تھا اس ظالم نے بے گناہ کو۔

"وعلیکم السلام" انہوں نے سر سے پاؤں تک ماہ نور کا جائزہ لیا۔ سفید چکن کی شلوار سیاہ کاٹن کا کرتا اور سیاہ جارجٹ کا دوپٹہ معمولی لباس کی نسبت بڑھ گئی تھی۔ وہ بہت سج رہی تھی۔ عالیہ بیگم نے شاید پہلی مرتبہ اس کا اتنی گہری نظر سے جائزہ لیا تھا بعض لوگ ہوتے ہیں ایسے وہ کوئی لباس پہن لیں۔ اس لباس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔

"ہوں۔ بیٹھو، ٹھیک ہو تم۔ کس کے ساتھ آئی تھیں تم ادھر؟" وہ اس کے مقابل کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"امی کے ساتھ" اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"تو کیا وہ ادھر دوبارہ گھر میں آنے لگا تھا" وہ ناگوار لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

احساس ذلت و ندامت کی سبب تاریکی سے اس کی بصارت دھندلانے لگی۔ اپنی زندگی پر احساس شرمندگی لاحق ہونے لگا۔ وہ باغی وجود اپنے آپ سے بند کر سکتی۔ اب لوگ اس سے براہ راست کریں گے؟

اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"بھئی عارفہ تمہیں اماں کے پاس چھوڑ گئی تو اس کا تو سیدھا سا یہی مطلب ہے کہ وہ گھر پر تمہیں پریشان کر رہا تھا۔ دوسرے لوگ تو ابھی وہیں ہیں۔ وہ زخمی بھی زور ہیں ابھی۔"

وہ کیا جواب دے اس کی سمجھ نہ آیا۔

"تمہاری ماں بیٹھیں آئی نہیں؟" عالیہ بیگم نے پوچھا۔

ماہ نور نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ ساتھ ہی ٹپ ٹپ آنسو بھی گرنا شروع ہو گئے۔

"ویسے تو خیر تمہارے والدین کی مرضی مگر لڑکی والوں کو ہاتھ دبا کر رکھنا چاہیے۔ بلاوجہ کی باتیں بعض دفعہ گلے پڑ جاتی ہیں۔ ہم تو بھی پریشان ہو کر رہ گئے ہیں۔ فون پر فون کر رہا ہے کہ تم لوگوں کو سمجھا نہیں رہے۔ بھلا ہم کیا سمجھا سکتے ہیں۔ تمہارے ماں باپ خود سمجھدار ہیں۔ تمہارے پڑوس میں رہتا ہے؟" عالیہ بیگم پوچھنے لگیں۔

ماہ نور نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"پھر کہاں دیکھا تمہیں؟" تو انہیں حیرت ہوئی۔ وہ تو یہی سمجھ رہی تھیں کہ وہ ان کے محلے میں رہتا ہوگا۔ ماہ نور خاموش رہی۔

اس کی بہن وغیرہ تمہارے ساتھ اسکول میں پڑھاتی تھی؟ ایک اور سوال ہوا۔

ماہ نور نے پھر نفی میں گردن ہلا دی۔

پتا چلا ہے بہت مالدار لوگ ہیں؟ کچھ پڑھا لکھا تو ہوگا؟ سوال پر سوال ہو رہے تھے اور ماہ نور کے گلے میں پھندے لگ رہے تھے۔

"دیکھو خیر کیا ہوتا ہے۔ اب اگر وہ فون آیا تو میں اور تمہارے ماموں عارفہ کے پاس جائیں گے اسے سمجھائیں گے۔"

ماہ نور نے بدحواس ہو کر عالیہ بیگم کی شکل دیکھی۔

"اگر ضرورت محسوس ہوئی تو صباحت حسین کی ماں سے بھی ملیں گے۔ فاہر ہے جب عارفہ تمہیں ماننے کی تو اس کی ماں سے ملنا بہت ضروری ہو گا کہ وہ اپنے بیٹے کو سمجھائے۔ اس طرح کے کام بزدلی سے نہیں ہوتے۔"

وہ بات کرنے کے دوران ماہ نور کو بہت غور سے بھی دیکھ [illegible] جاتی تھیں۔

"دیکھو یہ میری اور تمہاری بات ہے۔ اگر تم بھی رضامند ہو تو بتا دو۔ میں عارفہ کو قائل کر لوں گی۔ ماہ نور میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔ تم اپنے دل کی بتا دو۔" عالیہ بیگم نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"ممانی جان!" ماہ نور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس سے تو کتنا بہتر ہے کہ میں زہر کھا کر مر جاؤں۔ مجھ سے یہ ذلت و رسوائی برداشت نہیں ہو رہی" وہ بلک بلک کر کہہ رہی تھی۔

عالیہ بیگم سناٹے میں رہ گئیں۔ ان کا اندازہ غلط نکلا تھا۔ لڑکے کی بے قراری محسوس کر کے وہ تو یہی سمجھ رہی تھیں کہ اسے ماہ نور سے کوئی آس ہے۔

"تو کیوں اس نے قیامت برپا کر رکھی ہے۔" وہ خود کلامی کے انداز میں گویا تھیں۔

انہیں سخت مایوسی ہوئی تھی۔ وہ تو اس ایڈونچر میں بڑی تھرل محسوس کرنے لگی تھیں۔ ساس کی وضع داری پر بڑی ضرب سے دل کو بڑی تقویت تھی۔ مگر

"چلو کوئی بات نہیں۔ اب اس کا فون آیا تو میں اسے خود کھری کھری سناؤں گی۔ اب تمہاری اماں ہم سے خیریت پوچھتی ہے تو کیا ہوا۔ تم تو ہمارے لیے نشاط اور صبا کی طرح ہی ہو۔ میں چلتی ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ ہم نے تو ایسی دھنائی بھی کبھی دیکھی نہ سنی۔ اس لیے پریشان ہو گئے تھے۔"

وہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔

تھوڑی دیر بعد ناصر حسین اور عالیہ بیگم واپس چلے گئے۔ گھر میں سناٹا چھا گیا۔ کمرے سے باہر نکل کر سب کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

فوراً ہی ربابہ اندر آ گئی اور ہاتھ پیچھے کر کے دروازہ آہستگی سے بند کر دیا۔ اور اس کے قریب چلی آئی۔

"آپ رو رہی تھیں۔" اس نے جھک کر ماہ نور کی آنکھوں میں جھانکا۔

ماہ نور نے [illegible] جھکا لیں۔

"مجھے تو خیر کوئی کچھ بتاتا ہی نہیں۔ صبح کو کہتے ہیں۔ بڑی ہو گئی ہو۔ شام کو کہتے ہیں۔ تم ابھی چھوٹی ہو۔ بڑوں میں نہیں بیٹھو۔ زبان ہی ایک نہیں ہے۔ پتا نہیں کتنی چھوٹی ہوں اور کتنی بڑی" وہ منہ بنا کر اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"کیا وہ" "آپ کو اچھے نہیں لگتے۔ حیرت ہے؟ جو لوگ محبت کرتے ہیں۔ وہ برے کیسے لگ سکتے ہیں؟" وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔

"آپ بہت ہی اچھی۔ تو ظاہر ہے انہیں بھی اچھی لگی ہوں گی۔ پھر سب ان کو انہیں برا کیوں کہہ رہے ہیں؟" وہ پھر بولی۔ ماہ نور کے پاس اس کی سادہ سی باتوں کا جواب نہ تھا۔

"آپ کو انہوں نے کہاں دیکھا تھا؟"

ماہ نور کا جواب وہی خاموشی رہی۔

"کیا ان کی صورت اچھی نہیں ہے؟ آپ کچھ بولتی کیوں نہیں؟" وہ اکتا کر جھلا گئی۔

"چھوڑو ریا! اپنی باتیں کرو۔ یہ مسئلے تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گے۔" اس نے گہری سانس لے کر تھکے تھکے انداز میں جواب دیا۔

"آج تو اظہار بھائی تک کا موڈ خراب ہے۔ وہ بے چارے تو آپ سے شادی تو کرنا چاہتے ہیں۔ سب لوگوں کو اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے؟" ریا جیسے الجھن میں تھی۔

"اب میں اتنی چھوٹی بھی نہیں ہوں کہ آپ مجھ سے کوئی بات نہ کر سکیں۔ منگنی ہو کر اب میں آپ سے نفرت کیا کروں گی ہوگا میرا اللہ!" ریا چڑ کر بولی۔

ماہ نور کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔

بڑی اماں کہتی ہیں اونٹ کی طرح منہ نکالا ہے۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔

"آپی! یہ سب لوگ ان موصوف کو اتنا برا بھلا کیوں کہہ رہے ہیں۔ اور بوا ہما کا جان تو پیچھے ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔ بڑی اماں ان سے اصرار کر رہی ہیں کہ وہ انہیں ہتھکڑی لگوا دیں۔ مجھے تو ان پر ترس آ رہا ہے۔ آخر انہوں نے کیا ہی کیا ہے؟ میری تو عقل حیران ہے جو اتنے شوق سے آپ سے شادی کرنا چاہ رہا ہے۔ آپ کی شادی انہی سے ہونی چاہیے۔ اس حوالے سے تو اچھے ہی ہوں گے۔"

ماہ نور نے اس کے منہ پر بے ساختہ ہاتھ رکھ دیا۔ کس بری طرح کانپ کر رہ گئی تھی۔

"گڑیا! جب کچھ پتا نہ ہو تو اس طرح کھل کر اظہار خیال نہیں کرنا چاہیے۔ وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے شریف لوگ کوئی گفت و شنید کریں۔ وہ جرائم کی دنیا کا باشندہ ہے۔ اب کچھ مت بولنا اور کبھی نہ بولنا۔"

بالآخر اسے ریا کو چپ کرانا تھا۔

"مثلاً قتل وغیرہ بھی؟" ریا یکدم خوفزدہ ہو گئی۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے" ماہ نور نے آہستگی سے کہا۔

ریا جیسے سہم کر رہ گئی۔

"نورا کا جان کو دیکھیں۔ کہہ رہے ہیں اس کے گھر جاؤں گا میں تو کبھی اپنے بھائی کو وہاں نہیں جانے دوں گا۔ ایسے مفت کے نہیں ہیں میرے بھائی۔

پھر تو وہ بہت ہی الٹا انسان ہے کہاں وہ کہاں آپ۔ اب مجھے کیا پتا تھا۔ میں تو بھی سمجھا تھا۔ کسی کو آپ سے عشق ہو گیا ہے کوئی بات نہیں کسی کو بھی آپ سے عشق ہو سکتا ہے۔"

"ماہ نور نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا اور سر پیٹ لیا۔ "آہستہ بولو۔"

ریا کو اس کا سہما ہوا انداز اتنا اچھا لگا کہ اس نے شرارت سے ماہ نور کا رخسار چوم لیا۔

ماں کو اندر آتے دیکھ کر اس نے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی کی آواز آہستہ کر دی اور ایک گہری نگاہ ماں کے چہرے پر ڈالی اور ان کی آمد کے مقصد کا اندازہ کرنے کی کوشش کی۔

"آج شام کو گھر پر رہیے؟" وہ اس کے قریب بستر پر بیٹھ گئیں۔

"چلا جاؤں؟ آپ تو شاید یہی چاہتی ہیں کہ دنیا سے چلا جاؤں۔" اماں سے معمول کے مطابق الٹا سا جواب آیا۔

"اللہ نہ کرے" وہ جیسے تڑپ گئیں۔ "جب تک سانس کی ڈور بندھی ہے۔ اللہ سے دعا کرتی رہوں گی کہ وہ تمہیں ہدایت دے۔"

"خیریت؟" اس نے ماں کا چہرہ دیکھا تھا۔

"ہاں۔ تمہارے پاس وقت ہو تو مجھے صبیحہ کے ہاں چھوڑ دینا۔ اس کی طبیعت بہت خراب ہے دو چار روز سے ملیحہ کا فون آیا تھا تو اس سے پتا چلا۔"

"چلیں چھوڑ آتا ہوں۔" اس نے ریموٹ سے ٹی وی آف کر دیا۔

"ایک اور بات ہے بابا!" ایک دکھ کا سایہ ان کے چہرے پر لہرانے لگا۔

"پتا ہے مجھے وہ کیا بات ہے۔ آنٹی (سید صاحب کی بیوی) آئی ہوں گی آپ کے پاس طاہر صاحب کی بیگم کا کوئی میسج لے کر۔" اس نے بیزاری سے کہا۔

قمر النساء نے چونک کر بیٹے کی صورت دیکھی۔ انہیں واقعی حیرت ہوئی تھی۔

"آپ کے پاس کوئی بھی آئے۔ مجھے کیا۔ میں اپنے معاملات کا خود ذمہ دار ہوں مجھے اب آپ سے کوئی بات نہیں کرنا۔" اس نے قطعی انداز میں جواب دیا۔

"اچھا اب آپ جلدی سے لاک وغیرہ لگائیں۔ میں گاڑی نکالتا ہوں۔" وہ اٹھ کر بالوں میں برش چلانے لگا۔

قمر النساء نے ایک افسردہ سی نگاہ اس پر ڈالی۔ نیلی جینز آف وائٹ شرٹ میں وہ نمایاں ہو رہا تھا۔ ان کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔ کتنی مضبوط ہو سکتی تھیں وہ اس سے مگر کتنا شرمسار و کمزور کر دیا تھا اس نے۔ وہ مجبور سی باہر چلی گئیں۔ بات تو وہ اس سے کچھ کرنے گئی تھیں اور کچھ اور کر کے اٹھی تھیں۔

چادر اوڑھ کر پرس لے کر اور ضروری جگہوں پر لاک لگا کر باہر آئیں تو پاشا گاڑی گیٹ سے باہر نکالے ان کا منتظر تھا۔

گیٹ لاک کر کے گاڑی کی طرف بڑھیں تو پاشا نے ہاتھ بڑھا کر فرنٹ ڈور کھول دیا۔

قمر النساء نے بیٹھ کر دروازہ بند کیا تو پاشا کی آواز آئی۔

"آپ تو ظاہر ہے کچھ دیر وہاں رہیں گی۔ میں آپ کو ڈراپ کر کے واپس آ جاؤں گا وہاں پہنچ کر مجھ پر زور مت ڈالیے گا کہ اندر چلو بہن سے ملو بہنوئی کو سلام کرو وغیرہ وغیرہ" وہ اپنے مخصوص اکھڑ کھرے انداز میں گویا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے تم مت اترنا"۔ وہ جلدی سے بولیں۔ ان کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ ان کو ڈراپ کرنے کے لیے بھی فوراً تیار ہو گیا تھا۔

وہ بہت تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔

"آہستہ چلاؤ گاڑی، میرا دل گھبراتا ہے۔" فرالنسا نے ٹوکا۔

"آپ کا دل تو یوں بھی گھبرایا ہے۔" اس نے روکھے پن سے جواب دیا۔

"پاشا بیٹے! میری ایک بات سن لو۔ ماں ہوں آخر تمہاری۔ تم پر حق رکھتی ہوں۔"

"فرما بیٹے" وہاں سے بیزار جواب ابھرا۔

"دیکھو۔ میں خوشی سے کہہ چکی ہوں کہ تم جہاں مرضی شادی کر لو۔ کسی کو بھی میری بہو بنا کر لے آؤ میں قبول کر لوں گی۔ مگر ان لوگوں کا پیچھا چھوڑ دو بیٹے! وہ بہت ہی پریشان ہو رہے ہیں۔ تمہاری وجہ سے در بدر ہو رہے ہیں۔"

"کیوں ہو رہے ہیں۔ میں نے تو نہیں کیا؟" وہ برہم ہوا۔

"دیکھو بیٹے! سب اپنی اولاد کا بھلا چاہتے ہیں۔ ان کی بیٹی ہے وہ جہاں چاہیں اس کی شادی کریں۔"

"اماں! میں نے کہا تھا ناں، اب آپ سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہو گی۔"

اس نے اتنی تیزی سے ٹوکا کہ لہجوں میں جو نرماہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ فرالنسا ٹھٹک کر رہ گئیں۔

"پاشا نے یوں سر جھٹکا جیسے کہہ رہا ہو حد ہو گئی۔"

"بہت روئی تھی اس کی ماں۔ سید صاحب کی بیوی نے میرے آگے ہاتھ جوڑ ڈالے۔ میری تو نیندیں اڑ گئی ہیں۔ آخر کیسا دل ہے تمہارا؟" وہ ملول ہو کر کہہ رہی تھیں۔

"بس سارا عذاب اس دل ہی کا تو ہے۔" وہاں سے پھر ٹکا سا جواب آیا۔

"دنیا میں خوبصورت لڑکیوں کی کیا کمی ہے؟" وہ جیسے تھک کر پوچھ رہی تھیں۔

"میں نے کب کہا میں صرف اس کے حسن پر مرتا ہوں۔ حسن تو میرے پاؤں کے نیچے رہتا ہے۔"

اس نے بہت شان بے نیازی سے جواب دیا۔

"استغفراللہ! دل دہل جاتا ہے تمہارا غرور دیکھ کر۔" فرالنسا کے وجود پر لرزہ طاری ہو گیا۔

"کوئی کچھ ہوتا ہے جو غرور سے بچ جاتا ہے۔" وہاں جواب تیار تھا۔

"تو پھر اور کیا ہے ایسے پاس۔ غریب لوگ ہیں۔ لے دے کے بیٹیوں کی شکلیں ہی تو پیاری ہیں۔"

انہیں اس کے جواب پر حیرت ہوئی۔ "نہ جانے کس ضد میں جا پڑا ہے۔"

"آپ نہیں سمجھیں گی کیا ہے اس کے پاس" وہ مبہم سا مسکرایا۔

"ضد ایسی تو نہیں ہونی چاہیے کہ جانوں پر بن جائے۔" وہ بولیں۔

"ضد ہی تو ہے۔ ابھی تک کوئی ہم سے بڑا ضدی ہمیں ٹکرایا ہی نہیں تھا۔"

"وہ ضدی نہیں ہے۔ اس کی بلند کرداری ہے۔ اچھی ہے۔ قدر کرنا چاہیے تمہیں۔"

"قدر ہی تو کر رہا ہوں۔" اس نے ماں کی بات کاٹ دی۔

"اس کی یہ خوبی میں نے ہی تو دریافت کی ہے۔ ورنہ ہر غریب لڑکی عام سی لڑکی ہی تو ہوتی ہے۔ جبھی جھجک تھی۔ اپنی غربت کے ہاتھوں ڈر کر اور ہارے جاتے ہیں بہت ہی غریب لڑکیاں۔ بہت جلد بازی میں امیر بنی ہیں۔ مگر وہ تو اپنے عورت کی اس دولت پر بنی۔۔۔ جس کی وجہ سے وہ اپنا عورت پن وار کر نکھار رہی ہے۔ کم ظرف کردار کی حسین عورت سے تو ایسی بو آتی

ہے جیسے کوڑے کے ڈھیر پر پڑے کسی مردہ جانور سے آتی ہے۔ ہم اس کا تماشا دیکھ آئے ہیں۔ اچھی چیزوں پر ہم بھی حق جتا سکتے ہیں۔"

فرالنسا ہکا بکا اس کی صورت دیکھنے لگی تھیں۔

"اچھی عورت حاصل کرنے کے لیے خود کو اس کا اہل بھی تو ثابت کرنا چاہیے۔"

انہوں نے خود پر قابو پا کر بڑی نقاہت سے کہا۔

"میں تو اس کے لیے اتنا ایمان دار بن گیا ہوں کہ اب تو کسی کے ساتھ جوئے بھی نہیں بیٹھتا۔" اس کی بات میں جانے کیا تھا کہ فرالنسا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"بیٹے! اتنی ایمانداری کافی نہیں۔ تمہیں جرائم کی دنیا سے بھی باہر آنا ہو گا۔"

فرالنسا نے سمجھانے کی کوشش کی۔ جیسے کہ ہمیشہ کرتی تھیں۔

"ویسے بھی یہ جھوٹ نہیں ہے۔ ہمارے رشتہ لے جانے سے پہلے ہی وہ کہیں اور اس کا رشتہ طے کر چکے تھے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے مجھے" پاشا بے فکری سے مسکرا دیا۔

"کیوں نہیں پڑتا۔ انسان کی زبان ہی تو ہوتی ہے۔" فرالنسا جز بز ہونے لگیں۔

"اماں! آپ بے کار مجھ سے اس موضوع پر بات کرتی ہیں۔" وہ بہت اطمینان و سکون سے کہہ رہا تھا۔ فرالنسا کو ہول آنے لگے۔

ہمیشہ کی طرح تحسین خواجہ اور شاہانہ کے مشترکہ دوستوں کی کاوشوں سے دونوں میں پھر صلح کرا دی گئی تھی۔ اور تحسین خواجہ کو وطن واپس بلا لیا گیا تھا۔ ان کے دوستوں کا خیال تھا کہ یہ بہت مناسب موقع ہے۔ کیونکہ ان کی شادی کی ستائیسویں سالگرہ بھی آ رہی تھی۔ گھر کے افراد گھر میں پورے ہوئے تو گھر میں خود بخود رونق اترنے لگی۔

تحسین خواجہ کی آمد سے قبل ہی شاہانہ بیگم اور دوست شادی کی سالگرہ کی تیاریاں کر چکے تھے۔

سالگرہ کا انتظام ہوٹل میریٹ میں کیا گیا تھا۔ عام حالات میں شاید سالگرہ محدود پیمانے پر کی جاتی مگر کیونکہ شادی ٹوٹتے ٹوٹتے بچی تھی۔ اس لیے اسے صلح کا فنکشن بھی قرار دیا گیا تھا۔ اور وسیع پیمانے پر منانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس کے اکثر دوست احباب اور ان کی فیملیز تھیں۔ شاہانہ اور تحسین خواجہ کے مشترکہ اور الگ الگ دوست اور دور قریب کے رشتے دار۔

مظاہر کو بھی "روبیلی" انوائیٹ کیا گیا تھا کہ وہ تحسین خواجہ کے نئے کاروباری دوستوں میں شمار ہونے لگے تھے۔

وہ اظہار اور رویا کے ساتھ تقریب میں شریک ہوئے تھے۔

رویا سادہ سے وائٹ کے شلوار سوٹ اور بہت تحسین کا وارڈرو کے بڑے سے دوپٹے میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ میک اپ پر تو بڑی اماں کی طرف سے سخت پابندی تھی اور خود بھی اسے شوق نہیں تھا۔ ہونٹ لپ اسٹک تک سے عاری تھے۔ کانوں میں چھوٹی چھوٹی گولڈ کی بالیاں تھیں، جو بڑی اماں نے زبردستی پہنائی تھیں۔

وہ بہت انہماک سے ہوٹل کی آرائش کا جائزہ لے رہی تھی۔ تحسین خواجہ اور ان کی بیگم نے بہت دلچسپی سے رویا کو دیکھا تھا۔ مظاہر رویا اور اظہار کا تعارف کرا رہے تھے۔ مگر رویا ان کی طرف خاص متوجہ نہیں تھی۔

☆☆☆

"کس کلاس میں ہو بیٹے؟" تحسین خواجہ رویا کی طرف متوجہ ہوئے۔

"سیکنڈ ائیر میں سمجھ لیں۔ ابھی رزلٹ تو نہیں آیا مگر مجھے پتا ہے میں پاس ہو جاؤں گا۔ کبھی زندگی میں فیل ہی نہیں ہوا۔"

اس نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔

شاہانہ نفیس خواجہ نے قدرے چونک کر پہلے ربا کی طرف پھر مظاہر کی سمت دیکھا۔

"چلتے ہوئے گھر بھر نے بہت تاکید کی تھی مگر یہ بھول جاتی ہے۔ بس یہ بچہ اسی طرح بات کرتی ہے۔" مظاہر نے ... معذرت آمیز انداز میں وضاحت کی۔

"نو پرابلم۔ اسے سوٹ کرتا ہے۔" نفیس خواجہ نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر بہت محبت شفقت بھرے انداز میں ربا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ شاہانہ بھی مسکرا رہی تھیں۔

"وہ آپ کے صاحبزادے نظر نہیں آ رہے۔ وہ مجھے بہت پسند آئے۔ آکا جان کی طرح بہت کم بات کرتے ہیں۔ میری وجہ سے انہیں خاصی پریشانی ہوئی تھی۔ مجھے ابھی تک افسوس ہے۔ مجھے اتنے اچھے انسان سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

ربا نے نفیس خواجہ سے براہ راست بات کی۔

"میرے دو بیٹے ہیں۔ آپ کس کی بات کر رہی ہو بیٹے؟" نفیس خواجہ بہت دلچسپی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"مومن کی بات کر رہی ہے خواجہ صاحب۔ آپ کی غیر موجودگی میں ایک دو مرتبہ گھر آئے تھے۔"

مظاہر کو ایک مرتبہ پھر وضاحت کرنا پڑی۔ اظہار جز بز ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا۔

"اوہ... وہ یہیں ہے۔ بلکہ وہ تو ہم سے بہت پہلے یہاں پہنچ گیا تھا۔ بہر حال آپ افسوس نہ کرو۔ وہ بھول چکا ہوگا۔ تب ہی تو اس نے ابھی ملاقات کرا دی ہوں اور اسے کہتا ہوں کہ اگر کچھ کسی بات پر ہوا تھا اور نہیں بھولے ہو تو بھول جاؤ۔ یہ بڑی ... بچی ہے۔"

نفیس خواجہ کو ربا کی سادگی اور بے ساختگی بہت پسند آ رہی تھی۔ شاہانہ مظاہر سے بات چیت میں مصروف تھیں۔ گاہے بگاہے دوسرے مہمانوں پر بھی نظر ڈال لیتی تھیں۔ نفیس خواجہ ان کے حساب سے ان مہمانوں کو کچھ زیادہ وقت دے رہے تھے۔ اس پر ... مومن کا تذکرہ... وہ قدرے بے چینی محسوس کرنے لگی تھیں۔

"ایکسکیوز می۔ وہ دیکھیں چوہدری صاحب آ گئے ہیں۔" شاہانہ نے معذرت بھرے انداز میں مظاہر سے کہہ کر نفیس خواجہ کو متوجہ کیا۔

"پلیز۔ آپ تشریف رکھیے۔" نفیس خواجہ نے مظاہر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور شاہانہ کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

"تم بس شروع ہو جایا کرو۔ موقع محل بھی دیکھ لیا کرو۔" اظہار نے موقع ملتے ہی ربا کو جھاڑ پلائی۔

"موقع بہت خوشگوار اور محل کے بجائے ہوٹل میں کھڑی ہوں دیکھ رہی ہوں۔" ربا نے ناک چڑھائی۔

"اب ذرا سنبھل کر بات کرنا۔ ورنہ میں واک آؤٹ کر جاؤں گا۔" اظہار نے دھمکی دی۔

"آکا جان! دیکھ رہے ہیں؟ محفل میں واک آؤٹ رہے ہیں اظہار بھائی" ربا نے بسور کر کہا۔

"آکا جان سے کیا کہہ رہی ہو۔ بڑی اماں کو بتاؤں گا تمہاری کارگزاری"۔ وہ تینوں ایک ٹیبل کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"پھر دھمکی؟" ربا نے بمشکل اپنی تیز آواز کو کنٹرول کیا۔

"چھوڑو اظہار! اسے پریشان کرو اسے۔ یہ سمجھانے سے نہیں سمجھے گی۔ بس ایک روز خود ہی سمجھ جائے گی۔" مظاہر نے اپنے بردبار انداز میں بھائی کو ٹوکا۔

"کیسا نوروز ہو گا وہ روز" اظہار منہ ہی میں بڑبڑایا۔

"آپ کے ساتھ کہیں جانے میں یہی ہوتا ہے موڈ خراب کر دیتے ہیں" ربا نے ناراضگی سے اظہار سے کہا۔

"اب چلو جانے دو" مظاہر نے معاملہ رفع دفع کرنے کی کوشش کی۔

"وہ دیکھو وازگروپ آ رہا ہے"۔ انہوں نے ایک سمت اشارہ کیا۔

"مائی گاڈ!" ربا نے بے ساختہ خوشی کا اظہار کیا اور وازگروپ کو بغور دیکھنے لگی۔

اسی دوران مومن ان کی ٹیبل کے قریب آ گیا تھا۔

"السلام علیکم"

"وہ!" مظاہر کھڑے ہو گئے اور بہت گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

"ان سے تو آپ مل ہی چکے ہیں۔ ربا اور یہ میرے چھوٹے بھائی اظہار"

اظہار بھی اپنی سیٹ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور مومن سے ہاتھ ملانے لگا۔

سیاہ فری پیس سوٹ میں ملبوس مومن بہت نکھرا نکھرا اور تر و تازہ دکھائی دے رہا۔

ربا نے بہت دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ کے پیرنٹس کی ستائیسویں شادی کی سالگرہ ہے۔ آپ کی چھبیسویں سالگرہ ہونے والی ہوگی یا ہو چکی ہوگی۔" ربا نے مومن سے کہا۔

"ستائیسویں شادی۔ مائی گاڈ۔ ستائیسویں سالگرہ ہونا چاہیے"۔ (اظہار نے اضافہ کیا۔ "یہ پیرنٹس کی شادی کی سالگرہ بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ اس سے تو بچوں کی عمر کا اندازہ ہونے لگتا ہے۔"

"مگر اس سالگرہ سے میری عمر کی سالگرہ کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ میں اس شادی سے پہلے موجود تھا۔ اب میری عمر اسی صورت میں پتا چل سکتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو کہ پیرنٹس کی شادی کے وقت میری عمر کیا تھی۔"

مومن نے مسکراتے ہوئے انہیں دوبارہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ربا کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔

"آپ اپنے پیرنٹس کی شادی سے پہلے موجود تھے؟ وہ کیسے؟"

اظہار نے ٹیبل کے نیچے ربا کا پاؤں اپنے پاؤں سے دبایا۔

"اچھا چھوڑیں۔ تاپک چینج کر لیتے ہیں" اس نے قدرے ناراضگی سے اظہار کی طرف دیکھا۔

"نہیں نہیں۔ آپ شوق سے اس ٹاپک پر بات کر سکتی ہیں"۔ مومن نے رواداری سے کہا۔

مگر ربا خاموش ہو کر گلاس سے کھیلنے لگی۔

وہ ایک خالی چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔

"میرا خیال ہے آپ کے درمیان انڈرسٹینڈنگ کمیونیکیشن ہے۔ ورنہ یہ اس طرح خاموش نہیں ہو سکتی تھیں۔" مومن نے مسکرا کر کہا۔ تو اظہار قدرے خجل سا ہو گیا۔

"ابھی بابا نے بتایا کہ آپ کے بہت دلچسپ گیسٹ آئے ہیں۔ آپ کو ضرور ملنا چاہیے۔"

"مومن نے مظاہر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ تو جواب میں مظاہر بھی مسکرا دیے۔

"ایکچولی یہ میرے ڈیڈی کی سیکنڈ میرج ہے۔ میری مدر کی ڈیتھ کے بعد یہ شادی ہوئی۔ اس لیے میں اس شادی سے پہلے موجود تھا۔ امید ہے آپ کی الجھن دور ہو گئی ہو گی۔" سمون نے خود وضاحت کر دی۔

"تب ہی تو میں سوچ رہا ہوں۔ آپ کی ممی تو بالکل ینگ ہیں۔ آپ کی ممی سے زیادہ آپ کی بڑی بہن لگتی ہیں۔" ربیا کے منہ سے کچھ پھسل ہی گیا۔

"یہ کمپلیمنٹ آپ ممی کے سامنے پاس کر دیتیں تو ممکن ہے کہ وہ آپ کے لیے کوئی پرائز اناؤنس کر دیتیں۔" سمون نے پہلی مرتبہ اس کے سامنے قہقہہ لگایا تھا جو ربیا کو بہت اچھا لگا تھا۔

"آپ نے ایک کام بہت اچھا کیا۔ میں راز گروپ کی زبردست فین ہوں۔" ربیا نے بے ساختگی سے کہا۔

"تھینکس۔ یہ اصل میں میرے چھوٹے بھائی نے ارینج منٹ کی ہے۔ میں بہت دھیمی موسیقی پسند کرتا ہوں۔ یہ لوگ تو شور بہت کرتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے مظاہر؟"

سمون نے صاف گوئی سے بات آگے بڑھائی۔

"آف کورس۔ میلوڈی از ریئل میوزک۔" مظاہر نے اتفاق کیا۔

"ہاں تو کیا ہوا۔ آپ لوگ ہیں ہی بزرگ۔ ینگسٹرز والی بات ہی نہیں۔" ربیا کو یہ اختلاف بہت کھلا تھا۔

"ہم اپنی بات پر قائم رہنے کے لیے بزرگ بننے کو بھی تیار ہیں۔ ڈونٹ کیئر۔" سمون بڑی بے ساختگی سے ہنس دیا۔

"ویسے آپ کے گھر میں ربیا کی وجہ سے بہت رونق رہتی ہو گی۔"

"کہاں۔ ہر وقت بس لعن طعن ہی ہوتی ہے۔ ہر کسی کو میری ہر بات پر بس اعتراض ہوتا ہے۔" ربیا نے فوراً شکایت کی تھی۔

"یہ تو زیادتی ہے۔" سمون نے مظاہر کو متوجہ کیا۔

"اس میں ابا جان شامل نہیں ہیں۔ وہ بے چارے تو ضرورت کے وقت بھی نہیں بولتے۔ اب دیکھیں ہمارے والا تینوں بڑے بھائیوں میں سے کوئی شادی کے لیے ہاں نہیں کرتا۔ میں نے بڑی اماں کو ترکیب بتائی ہے کہ ابا جان تو بہت مشکل سے بات کرتے ہیں۔ محفل پر آکر خاموشی سے بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر کوئی ادھر سے گزر گیا تو پتا چل گیا کہ ان کو کھانا چاہیے ورنہ دوسری صورت میں بس بیٹھے ہیں۔ بھوک میں تو اچھے اچھے بول پڑتے ہیں۔ ہاں تو میں ترکیب کی بات کر رہا تھا کہ میں نے بڑی اماں سے کہا آپ لڑکی دیکھ کر بات پکی کریں اور تاریخ طے کر لیں۔ شام آٹھ بجے تک تو ابا جان آتے ہی گھر میں مہمان دیکھ کر بھی کچھ نہیں پوچھیں گے۔ سونٹو پہنچے ہی ہوتے ہیں۔ جیسے ہی گھر میں داخل ہوں سب ان کے گلے میں ہار ڈال دیں اور کہیں بارات تیار ہے دوسری طرف دلہن بھی تیار ہے۔ آپ ذرا چلیں دو منٹ سکیلپچر کرتا ہیں اور بڑا بھائی والی سیٹ پر کسی کو بٹھا کر لاتا ہے۔ کچھ بولیں گے تو نہیں آرام سے بھابھی گھر میں آجائے گی۔

اتنی دیر میں مظاہر پہلی بار بے ساختگی سے ہنس رہے تھے۔

"واہ۔ کتنی آسان ہے مظاہر آپ کی شادی۔" سمون اور ابا جان بھی ہنس رہے تھے۔

"پھر بھی ابھی تک نہیں ہوئی۔ کمال ہے۔" سمون نے دلچسپی سے ربیا کی طرف دیکھا۔

"ان کی ترکیب پر کوئی عمل جو نہیں کرتا۔ حالانکہ کتنی آسان اور قابل عمل ہے۔"

مظاہر اس وقت بہت فریش نظر آرہے تھے۔

اس دوران مہمانوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ تقریباً تمام ٹیبلز بھر چکی تھیں۔ رنگ و بو کا ایک سیلاب امڈ آیا تھا ربیا ایک جانب بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"مائی گاڈ! اتنی سردی میں سلیولیس لباس۔ ان محترمہ کو سردی نہیں لگ رہی۔ یا پھر اسکن کلر کی پہنی ہوئی ہے؟"

ابا جان نے سمون کی طرف گھبرا کر دیکھا اور بڑی جھلاہٹ میں ربیا کا پاؤں پھر دبا دیا تھا۔

سب لوگ اپنے اپنے کاموں پر جا چکے تھے۔ ربیا کالج گئی ہوئی تھی۔ بڑی اماں کو ناصر حسین کا ڈرائیور اس پیغام کے ساتھ لینے آگیا تھا کہ صاحب نے آپ کو فوراً بلایا ہے۔ ان کے پاس کوئی ضروری ٹیلی فون آنے والا ہے جو آپ کو سننا ہے۔

بڑی اماں کا دھیان فوراً پاشا کی طرف گیا۔ پھر تو وہ جیسے اپنے آپ میں نہ رہیں۔ جلدی جلدی کچھ پان بنا کر اپنے بٹوے میں رکھے۔ بابا نور والدین کو ضروری ہدایات جاری کیں۔ ماہ بانو کو تاکید کی کہ کیسی بھی صورت حال ہو۔ وہ فون ریسیو نہ کرے نہ خود گیٹ کھولے۔ اس کے بعد فٹافٹ گاڑی میں جا کر بیٹھ گئیں۔

ان کے جانے کے بعد ماہ نور نے تمام بیرونی دروازے بند کیے اور کچن سے مٹر لا کر بڑی اماں کے تخت پر بیٹھ کر چھیلنے لگی ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ فون کی بیل ہونے لگی۔ ایک لمحے کو وہ ڈر سے بوکھلائی پھر فوراً ہی پرسکون ہو کر دوبارہ کام میں مصروف ہو گئی۔

بیل ہوتی رہی۔ آخر کسی کونے سے بابا برآمد ہوئے اور فون اٹینڈ کیا۔ مگر فوراً ہی بڑبڑاتے ہوئے باہر چلے گئے جب تک گھنٹی بجتی رہی تو لائن نہیں کی۔ ہیلو بولتے ہی لائن کٹ گئی۔"

ماہ نور اسی طرح اپنے کام میں مگن رہی۔

دس منٹ بعد پھر فون کی بیل ہوئی۔ اس مرتبہ وہ بالکل نارمل انداز میں اپنے کام میں مصروف رہی۔ بابا نے بڑے جھلاتے ہوئے انداز میں فون اٹینڈ کیا پھر فوراً ہی ریسیور پٹخ دیا۔ اور بڑبڑاتے ہوئے کچھ دیر فون سیٹ کے پاس کھڑے رہے۔ پھر باہر چلے گئے۔

ان کے باہر جاتے ہی بیل پھر ہونے لگی۔

بی بی! چوکیدار کا اتا وقت بھی نہیں رکھ سکتا۔ سب باہر ہیں جانے کس کا فون آجائے۔ پتا نہیں کس کا فون ہے۔ بار بار لائن کٹ جاتی ہے۔ بڑی بیگم کہہ کر گئی ہیں کہ فون میں ہی سنوں۔ آپ کو منع کر گئی ہیں۔ اب بتائیے میں کام کروں یا فون کے پاس بیٹھ رہوں؟"

کام میں کر لوں گی۔ آپ بس فون سن لیں۔ مائی امی مٹر پلاؤ بنانے کو کہہ گئی ہیں۔ شامی کباب بنے ہوئے ہیں۔ سلاد بنانا ہے۔ کون سا زیادہ کام ہے۔ میں کر لوں گی آپ فکر نہ کریں۔"

اس کا انداز اتنا دلنشین اور اپنائیت بھرا تھا کہ بابا کا غصہ ایک دم جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"شاد جہاں اوپر صفائی کر رہی ہے بس ذرا اسے بھی دیکھ لیجیے گا۔" ماہ نور نے انہیں یاد دلایا۔

"وہ میں دیکھ لوں گا آپ فکر نہ کریں بیٹا! وہ ربیا بی بی پلنگ کا کہہ گئی تھیں۔ اس وقت تو وہ بنا رہا ہوں۔ اس کے آنے تک اسے ٹھنڈا بھی ہونا ہے۔"

وہ یہ کہہ کر باہر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد فون کی بیل پھر ہوئی۔ جو کافی دیر بجتی رہی۔ یہاں تک کہ

لاؤنج میں آئے تو چند سیکنڈ کے وقفے کے بعد دوبارہ شروع ہو چکی تھی۔

"بابا نے ریسیور اٹھا کر دو تین مرتبہ ہیلو ہیلو کہا اور ریسیور پٹخ دیا۔" کمبخت پھر کٹ گئی۔

"کہیں چاند میاں امریکہ سے ٹرائی نہ کر رہے ہوں۔" بابا یہ خیال آتے ہی ایک دم نرم پڑ گئے اور بڑے پرسکون انداز میں باہر چلے گئے۔

ورمز سپل چکی تھی۔ لہٰذا انہی کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔

کچن میں آ کر وہ مٹر پلاؤ کی تیاری کرنے لگی۔ بڑی اماں نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ ناصر حسین نے کیا پیغام بھیج کر انہیں بلوایا ہے۔ اسے تو بس بتایا تھا کہ کوئی بہت ضروری کام ہے۔ ورنہ اب تک تو سوچ سوچ کر اس کے حواس معطل ہو چکے ہوتے۔

وہ بہت تندہی سے کام میں مصروف تھی۔ بابا بھی اس کی مدد کر رہے تھے۔ اسی دوران کال بیل ہوئی تو بابا فوراً کچن سے باہر چلے گئے تھے۔

وہ پیاز چھیلنے لگی۔ دو تین منٹ بعد بابا واپس آ گئے۔

"بیٹی! آپ کے اسکول سے نصیح صاحب آئے ہیں کہہ رہے ہیں میں کلرک ہوتا ہوں اور آپ سے بہت ضروری ملنا ہے۔ پرنسپل صاحب نے بھیجا ہے۔"

"نصیح صاحب! اب کیوں آئے ہیں؟ اب میرا اسکول سے کیا تعلق۔ کہیں مجھے واپس بلانے تو نہیں آ گئے۔"

اسے تھوڑی سی خوش فہمی لاحق ہوئی۔

"اچھا آپ یہ پیاز دیکھیے۔ دیکھتی ہوں میں۔"

وہ دوپٹہ درست کرتی ڈرائنگ روم کی طرف چل دی۔ عجیب اضطراب سا اس کے اندر ہو رہا تھا۔ اسی کیفیت میں وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ مگر ہفت آسمان جیسے سامنے کے منظر کے سامنے گھوم گئے تھے۔

بلیو جینز بلیک کلر شرٹ ریڈ اسکارف میں پاشا صوفے پر بہت اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ موبائل فون ٹرپل فائیو سگریٹ کا پیکٹ، گولڈن لائٹر اس کے برابر والی نشست پر یوں دھرے ہوئے تھے جیسے اس کا دیر تک بیٹھنے کا ارادہ ہو اور اسے کوئی فکر نہ ہو نہ کسی کے آ جانے سے اندیشہ مند ہو۔

"السلام علیکم!" اس نے جواب دیتے اعصاب کی جنگ کے دوران اس کی آواز سنی اور واپس پلٹنے کے لیے رخ موڑا۔

"پلیز! آپ تشریف رکھیے۔ وہ بوڑھا آدمی آپ کی کوئی ہیلپ نہیں کر سکتا اور آپ کو کسی کی ہیلپ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں صرف آپ سے کچھ باتیں کروں گا اور چلا جاؤں گا۔ فی الحال کسی پراجیکٹ پر آپ کو اٹھانے نہیں آیا۔"

ماہ نور کی ٹانگیں بری طرح کانپنے لگیں۔ اس کے حواس تقریباً معطل ہو چکے تھے۔

"آپ کو ادھر آ کر بیٹھنا ہوگا ماہ نور۔ بس حد ہو گئی ہے اب۔" پاشا کا انداز قطعی اور دو ٹوک تھا۔

"م۔ میں ٹھیک ہوں۔ آپ کریں اپنی بات۔" اس نے بمشکل کانپتی آواز میں کہا۔

ماہ نور خود پر قابو پانے لگی مگر اپنی جگہ سے ہلی نہیں۔

"اگر آپ کا کوئی کزن آ گیا تو بے کار بات بڑھے گی۔ کیوں خون خرابے کو دعوت دے رہی ہیں؟"

ماہ نور جیسے ایک دم حواسوں میں واپس آئی تھی۔ اور دروازے کے ساتھ والی نشست پر بس جیسے ٹک گئی۔ دل ابھی تک بے قابو تھا۔

وہ اضطراری انداز میں اخبار پھر درست کر رہی تھی۔ مگر نظر اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔

"کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ بلکہ خواب لگ رہا ہے۔ آپ ہیں اور میں ہوں۔ کوئی مداخلت نہیں ہے۔ جبھی تو میں نے اپنے موبائل سے آپ کا فون انگیج کیا ہوا ہے۔"

"آپ۔ آپ کیوں اتنا پریشان کر رہے ہیں۔ ہم نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔" ماہ نور نے بمشکل آواز نکالی خوف اس کے رونگٹوں میں دوڑ رہا تھا۔

"جتنا پریشان آپ نے مجھے کیا ہے اس کا کچھ اندازہ ہے آپ کو؟ میں نے تو کبھی آپ سے شکایت نہیں کی۔" اس نے سگریٹ کی ڈبیا اٹھا کر ایک سگریٹ نکال کر بڑے اطمینان سے کہا۔

"آپ اپنے گھر والوں کو سمجھاتی کیوں نہیں؟ ایک سیدھی سی بات کو کیوں الجھا رہے ہیں؟ یہ تو بہت کم عقلی کی بات ہے" اس نے لائٹر سے سگریٹ سلگانا شروع کر دیا۔

"اچھا۔ ایک نظر میری طرف دیکھیں۔ اچھی بھلی شکل ہے میری" اس نے دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے بڑی شرارت سے کہا۔ کتنا بڑی وہ بے خوف نظر آ رہا تھا۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائے کش پر کش لگا رہا تھا۔

"پلیز! آپ یہاں سے چلے جائیں۔ ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ مت پریشان کریں مجھے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"آپ وعدہ کریں کہ اپنے گھر والوں کو کنونس کریں گی تو میں ابھی چلا جاتا ہوں۔" وہ اسی طرح اطمینان سے گویا ہوا

"میں کیوں کنونس کروں۔ میری کون سی کمٹمنٹ ہے آپ سے؟" وہ بری طرح روتے ہوئے بڑی معصومیت سے کہہ رہی تھی۔

"تو کر لیں نا کمٹمنٹ۔ دیر کس بات کی ہے" وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے دھواں اڑا رہا تھا۔

"میں وہ لڑکی نہیں ہوں کمٹمنٹ والی۔ آپ کو اندازہ کیوں نہیں ہو رہا" وہ سسکیاں لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں تو خود کمٹمنٹ کے بجائے انگیجمنٹ چاہتا ہوں۔ نکاح کا ایگریمنٹ۔" وہاں اطمینان کی انوکھی کیفیت تھی۔

"مجھے معاف کر دیجیے۔ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ میرا پیچھا چھوڑ دیجیے۔ ذلیل کر کے رکھ دیا ہے آپ نے مجھے۔" وہ بری طرح رو رہی تھی۔

"عورت کے آنسو بہت طاقتور ہوتے ہیں۔ میرے دل کو کچھ ہونے لگا ہے۔ مگر میری مجبوری ہے میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔" وہاں سے صاف جواب آیا۔

"یہ سب فضول باتیں ہیں۔ پیٹ بھرے کی باتیں" وہ روتے روتے تنک کر بولی۔

"کچھ بھی کہیں۔ مجھے پروا نہیں۔ بس آپ ان سب کو میری طرف ہموار کر دیجیے۔"

"آپ نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ کس غلط فہمی کی وجہ سے مجھ سے یہ سب کرنے کو کہہ رہے ہیں؟ نفرت ہے مجھے آپ سے۔" وہ جیسے اپنے حواسوں میں نہ رہی بری طرح پھٹ پڑی۔

"میں آپ کو ابھی اسی وقت اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں اور آپ میرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گی۔ مگر صرف آپ کے دل میں تھوڑی سی جگہ بنانے کی خاطر ضبط کے عذاب سے گزر رہا ہوں۔ آپ نہ جانے کیا سمجھ رہی ہیں؟" وہ ایک دم خونخوار نظر آنے لگا۔

"نہیں بن سکتی جگہ۔ جب مجھے آپ سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ تو آپ کا مطالبہ ہی سراسر غیر فطری ہے۔ خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ آپ کے لیے اللہ کی زمین پر خوشیوں کی کیا کمی؟" وہ خود پر قابو پا کر دوپٹے سے آنکھیں پونچھنے لگی۔

"اب آپ میری بات سن لیں۔ اللہ کی زمین پر فی الوقت میری ایک خوشی ہے اور اس کا نام ہے ماہ نور۔ مجھیں پرا پرائے کے میں کام کرنے سے صرف آپ کا فائدہ ہے۔ ہمیشہ آپ ہی ابزی عمل کریں گی۔ مجھے تو کسی حادثے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تو صرف آپ کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کر سکتا ہوں اور کر بھی لوں گا۔"

اس نے منہ سے ڈھیروں دھواں نکال کر ماہ نور کی سمت روانہ کر دیا۔ اطمینان قابل دید تھا۔

"زبردستی ہے کوئی؟" ماہ نور کا سارا وجود غصے سے کانپنے لگا۔

"جو مرضی سمجھ لیں۔"

اسی لمحے بابا چائے لیے اندر داخل ہوئے۔ ماہ نور کو ایک دم احساس تحفظ کا احساس ہونے لگا۔ قدرے پرسکون ہو گئی۔

"آپ نے بہت زحمت کی بزرگوار! میں چائے بہت کم پیتا ہوں۔ چلیں آپ لے آئے ہیں تو ضرور چکھیں گے۔" کتنا پرسکون کس قدر بے خوف تھا وہ۔ ماہ نور کو نئے سرے سے ہول آنے لگے۔

اس نے بابا کے ہاتھ سے ٹرے خود آگے بڑھ کر تھام لی تھی۔ بابا پلٹنے لگے تو ماہ نور کا جی چاہا وہ پکڑ کر انہیں روک لے۔ اور کہے کہ خدا کے لیے اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیں۔ یا فوراً طاہر کو فون کر کے گھر آنے کو کہیں۔

بابا بے چارے کو کیا پتا تھا کہ اس وقت وہ کس مصیبت میں ہے۔ خاموشی سے باہر نکل گئے تھے۔

ماہ نور نے غیر ارادی طور پر پاشا کی سمت دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ ماہ نور نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔

"بہت بزرگ ہیں۔ آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں" اس نے آگے کی طرف جھک کر سگریٹ کا ٹکڑا ایش ٹرے میں مسل دیا۔ "آپ نے بہت عقلمندی کی۔ کیسا حسین چاہا ماحول ہے۔ آپ کے ساتھ چائے تو کیا زہر بھی پیا جا سکتا ہے۔"

اس نے چائے کا کپ اٹھا کر ماہ نور کی سمت بڑھایا۔

ماہ نور یوں ہو گئی جیسے اس نے اس کی حرکت دیکھی ہی نہ ہو۔

"چائے" پاشا نے اسے متوجہ کیا۔

(کاش یہ کپ میں تمہارے منہ پر دے ماروں) وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"اچھی بات۔ نہ چکھیں۔ ہمارے لیے آئی ہے۔ ہم تو ضرور چکھیں گے" وہ ٹیک لگا کر گھونٹ بھرنے لگا۔

"ارے واہ۔ اس گھر میں تو بہت باذوق لوگ رہتے ہیں۔ ریکارڈز کلیکشن موجود ہیں۔"

وہ چائے کا کپ ہاتھ میں تھامے ریکارڈ پلیئر کی طرف بڑھ گیا اور ریکارڈز نکال نکال کر دیکھنے لگا۔

ماہ نور حواس باختہ سی اس کی بے تکلفی اور اطمینان دیکھ رہی تھی۔ وہ معجزے کی دعا کرنے لگی۔ کاش [illegible] کوئی فوراً اچانک آ جائے۔ مگر اسے کچھ سوچ کر خوف سے جھرجھری آ گئی۔

پاشا چائے کے گھونٹ بھی بھر رہا تھا اور ریکارڈ بھی دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک ریکارڈ منتخب کر کے پلیئر پر چڑھا دیا۔

سامنے تجھ کو بٹھا کر تیرا دیدار کروں
جی میں آتا ہے کہ جی بھر کے تجھے پیار کروں

دھن کی آواز ماحول میں زیر و بم پیدا کرنے لگی۔

ماہ نور کا سر جھکا ہوا تھا۔ احساس بے بسی نے گویا زندگی کا احساس ختم کر رہا تھا۔ اسے یہ سب ایک بھیانک خواب محسوس ہو رہا تھا۔ اس وقت وہ کسی معجزے کی منتظر تھی۔

میں نے کب تجھ سے زمانے کی خوشی مانگی ہے
میرے ہونٹوں نے ایک ہلکی سی ہنسی مانگی ہے

وہ اس کے سامنے بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا۔ پسندیدہ گیت سن رہا تھا۔ اور وہ بے بس تھی۔

"ان سب باتوں کا آخر انجام کیا ہوگا؟ اسے تو مر جانا چاہیے۔ اس کی ایک اکیلی ذات کتنے لوگوں کو عذاب میں ڈالے ہوئے ہے۔ ایسی شرمناک زندگی سے تو موت ہی بہتر ہے۔" اسے نئے نئے خیال آنے لگے۔

"یہ گیت مجھے بے حد پسند ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے میرے لیے ہی لکھا گیا ہے۔ ویسے آپ کو موسیقی سے کچھ لگاؤ ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

ماہ نور نے گویا اپنے لب سی لیے۔

"ماہ نور! میں کھیل نہیں رہا ہوں۔ آپ کو سنجیدہ ہونا پڑے گا۔ ورنہ بعد میں جو کچھ ہوگا آپ مجھے ذمے دار نہیں ٹھہرا سکیں گی۔ اپنے حساب سے میں نے آپ لوگوں کو بہت چانس دے دیے ہیں۔ یہ آخری چانس ہے۔"

اس نے کپ واپس رکھتے ہوئے بڑی خوفناک سنجیدگی سے کہا۔

"آپ صرف میری لاش ہی حاصل کر سکیں گے۔" جانے کہاں سے ایکدم اس میں ہمت آ گئی۔ وہ یوں مخاطب ہوئی جیسے پرندے اڑان سے پہلے پھڑپھڑا لیتے ہیں۔

"آپ خدانخواستہ اس قسم کی کوئی حرکت اگر کریں گی تو یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں۔ آپ کا سارا خاندان زندگی میں کبھی خوش نہ ہو سکے گا۔ اگر مجھے خوشی نہ ملی تو کوئی بھی خوشی کا حقدار نہ ٹھہرے گا۔ اگر میں خوشی سے محروم رہ کر زندہ رہ سکتا ہوں تو دوسرے کیوں نہیں رہ سکتے؟" وہ یوں غرایا گویا خون کا رسیا کوئی درندہ ہو۔

"خوشی زبردستی تو نہیں چھینی جاتی۔ غم خوشی تو مقدر میں ہوتے ہیں۔ میں اندر جا رہی ہوں۔ آپ شوق سے ریکارڈ سنتے رہیں۔ مگر آپ کی یہ سب حرکات فضول ہیں۔"

اس میں اگرچہ اعتماد کم تھا مگر پھر بھی پاشا ہی کو جتا رہا تھا۔

"جب تک میں یہاں ہوں آپ یہاں سے نہیں جا سکتیں۔ میں آپ کے بیڈروم میں بھی پہنچ سکتا ہوں۔ اگرچہ یہ نازیبا بات ہوگی مگر مجبوری ہے۔ قسمت سے اگر یہ وقت ملا ہے تو کیوں ہاتھ سے جانے دوں۔ آپ یہیں بیٹھیں۔ خواہ روٹھی رہیں۔ آپ کا ہر انداز دلکش اچھا لگتا ہے۔ ڈائریکٹ دل میں اترتا ہے۔ جو آپ پر مر رہا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کو سنجیدگی سے سوچنا چاہیے۔"

"دیکھیں میں آپ کا کتنا خیال کر رہا ہوں۔ آپ سے دور فاصلے پر بیٹھا ہوں لیکن جو قیامت مجھ پر گزر رہی ہے اس کا اندازہ آپ نہیں لگا سکتیں۔ حالانکہ"

"خدا کے لیے آپ خاموش ہو جائیں اور یہاں سے چلے جائیں۔ آپ کو اتنا احساس نہیں کہ آپ یہ سب باتیں کس قسم کی لڑکی سے کر رہے ہیں۔" احساس ذلت سے اس کی آواز بھرا گئی۔

"آپ تو بس اپنی قسم کی ایک ہی ہیں۔ مجھے تو بس یہی کافی ہے۔ اور چلے بھی جائیں گے۔ وہ تو بس ذرا۔"

"آپ کو شرم آنا چاہیے کسی کی بے بسی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے۔" وہ پھر رونے لگی۔

"اونہو۔ بے بس تو ہم ہیں آپ کے سامنے۔ بے بسی کا فائدہ تو آپ اٹھا رہی ہیں۔ [illegible]" اس نے اطمینان سے نیا سگریٹ سلگانا شروع کر دیا۔

"اچھا اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ اٹھ کر ادھر میرے برابر میں آ کر بیٹھ جائیں تو کیا آپ کہنا مان لیں گی۔"

پاشا کے ہونٹوں پر بڑی مزیدار مسکراہٹ تھی۔ "سر تو دوں گی آپ کا" اور جیسے تڑپ کر بے اختیار ہو گئی تھی۔

"پھر کہاں سے آپ بے بس ہوئیں۔ سر توڑنے کا اختیار تو آپ ہی کے پاس ہے۔ خیر میں چلتا ہوں۔"

کہیں ایسا نہ ہو کہ واقعی میں خود پر کنٹرول کھو بیٹھوں۔ مجھے امید ہے۔ آج کے بعد آپ کا تعاون میرے لیے ہوگا۔

مظاہر کو ضرور بتائیے گا۔ اور اپنے ملازم سے کہیے گا وہ چائے بہت اچھی بناتے ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ بھی پئیں گے۔

وہ کھڑا ہو گیا۔ سگریٹ کی ڈبیہ اور لائٹر جیب میں ڈالا موبائل ہاتھ میں تھاما اور ایک بہت بھرپور نظر اس پر ڈالی اور جیب

کی … پر ہاتھ رکھ کر گاڑی کی چابی موجود ہونے کا اندازہ کیا۔

"او کے سویٹ ہارٹ۔"

وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ وہ باہر نکل چکا تھا۔

وہ گویا ابھی تک ایک بھیانک خواب کے عمل میں تھی۔

اس کے منظر سے ہٹتے ہی اسے اندازہ ہوا کہ اسے کچھ دیر قبل کیا پیش آیا تھا۔ وہ کس قدر خوفناک صورت حال سے دو چار تھی اور صورت حال کتنی سنگین بھی ہو سکتی تھی۔ کوئی انتہائی خیال عملی جامے میں بھی آ سکتا تھا۔ اس کا بدن سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا۔ وہ وہیں صوفے پر لیٹ گئی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ یوں محسوس ہوا کہ کچھ دیر قبل وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی تھی۔

خوف کے احساس نے اسے یوں جکڑ رکھا تھا کہ ہر قسم کی حرکت مفقود ہونے لگی۔

"بی بی! مہمان تو چلے گئے آپ۔" بابا اندر داخل ہو کر بولتے بولتے ایک دم ٹھٹک گئے۔

"کیا ہوا۔ آپ ادھر کیوں لیٹ گئی ہیں؟" وہ پریشان ہو گئے۔

"بابا! مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔ کوئی کمبل لا کر مجھ پر ڈال دیں۔" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

بابا ایک دم باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک خوش رنگ پھولوں والا بلینکٹ لے کر واپس آ گئے اور اس پر اوڑھانے لگے

"یہ ایک دم آپ کو کیا ہو گیا بی بی! میں بڑی بیگم کو فون کرتا ہوں۔ آپ کو کچھ چاہیے تو نہیں؟" وہ جیسے سسکنے لگی تھی۔

بابا حواس باختہ سے باہر نکل گئے تھے۔

"مون صاحب۔ بڑے صاحب آپ کو اپنے دفتر میں بلا رہے ہیں" چپڑاسی نے اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے پروڈکشن میں جا لیا تھا۔

"او کے۔ کہو میں آتا ہوں دس منٹ لگ جائیں گے۔ ابھی صابری صاحب بھی نہیں ہیں ادھر" اس نے بلا کے مصروف انداز میں جواب دیا۔

چپڑاسی واپس چلا گیا۔

مون مشین آپریٹر کی طرف بڑھ گیا۔

تقریباً چند منٹ بعد وہ رئیس خواجہ کے مقابل بیٹھ گیا۔

"جی ڈیڈی خیریت؟" وہ ان کے مقابل بیٹھ گیا۔

"ہوں خیریت ہی ہے۔ آفیشل نہیں پرسنل ہے" انہوں نے سگار منہ سے نکال کر ایش ٹرے میں رکھ دیا۔

"دراصل تم سے یہ پوچھنا تھا تم نے ابھی تک کوئی لائف پارٹنر سلیکٹ نہیں کیا۔ یا کر چکے ہو؟"

مون نے چونک کر باپ کی شکل دیکھی۔ وہ اس سے پہلی بار اس موضوع پر بات کر رہے تھے۔

"یہ آج آپ کو کیا خیال آ گیا۔" وہ نارمل ہو کر مسکرا دیا۔

"خیال تو خیر کئی بار آ گیا تھا۔ اظہار آج کر رہا ہوں تمہاری تیس ویں برتھ ڈے ہونے والی ہے۔ میرا خیال ہے تم لیٹ ہو رہے ہو۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"پتا نہیں۔ مجھے کچھ ایسا فیل نہیں ہوا"۔

"یہ تو بیتا نارمل ہے۔ تمہیں تو ضرور فیل ہونا چاہیے۔ خیر یہ بتاؤ تم مظاہر کی فیملی کو کس حد تک جانتے ہو؟" وہ پوچھ رہے تھے اور وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"کچھ زیادہ نہیں"۔ مجسم سوال بنا اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"میرا خیال ہے فیملی اچھی ہے وہ بچی۔ کیا نام ہے اس کا" وہ ذہن پر زور ڈالنے لگے۔

"ریا!" اس نے قدرے جھجکتے ہوئے باپ کی مدد کی۔

"ہاں بھئی مجھے تو وہ خوبصورت سی لڑکی بہت پسند آئی۔ تھوڑا سا بچپنا ہے۔ میرا خیال ہے تمہاری سپر لیں کمپنی میں بہت جلد میچور ہو جائے گی۔ کیا خیال ہے تمہارا۔"

"ڈیڈ۔ میں نے اس طرح کبھی سوچا نہیں۔ میرا خیال ہے وہ خاصی کم عمر ہے۔ بارہ یا تیرہ سال کا ایج ڈفرنس تو نکلتا ہی ہو گا۔" اس نے عام سے انداز میں جواب دیا۔

"کچھ ڈفرنس نہیں ہے۔ تمہاری ماں مجھ [illegible] اس کی بات کاٹ رہی۔ "تم اس پروپوزل پر غور کرو"۔

"ہو سکتا ہے ان لوگوں نے ابھی اس کی شادی وغیرہ [illegible] کی طرف اٹھائی۔

پروپوزل جائے گا تو سوچ بھی لیں گے۔ میرا خیال ہے مظاہر تمہیں [illegible] " وہ خفیف سا مسکرائے۔

"جی؟" اس نے بری طرح چونک کر باپ کو دیکھا۔ "واٹس اے امیزنگ؟"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابھی پسند کا اندازہ دوسرا ہے۔ مگر یہ بھی کافی ہے۔ ڈیمن انف"

"ابھی تو میرا ذہن کام نہیں کر رہا۔ بہرحال غور کروں گا۔" وہ بس یہی کہہ سکا۔

"مگر ذرا جلدی۔ زیادہ غور کرنے سے بس پھر غور ہی ہوتا رہتا ہے۔ وہ بچی مجھے بہت بھائی ہے۔ میں اسے تمہارے لیے بس فوراً پروپوز کرنا چاہتا ہوں۔ حیرت انگیز طور پر تمہاری ممی نے بھی مجھ سے اتفاق کیا ہے"۔

مون کو واقعی حیرت ہوئی۔

"اس بچی میں زبردست اٹریکشن ہے۔ اس کی موجودگی ماحول میں رونق اور خوشگواری کی ضمانت ہے۔ جس کی ہمارے گھر میں بہت کمی ہے۔ یہ سمجھ کر غور کرنا کہ یہ میری دلی خواہش ہے۔"

"بہتر۔ میں ضرور غور کروں گا ڈیڈی۔ بس۔ لو دو کوئی بات نہیں؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"یہ بھی میرا ایک امپورٹنٹ پروجیکٹ ہے۔ اگر محسوس کرسکو تو" وہ دوستانہ انداز میں مسکرائے۔
"تھینکس فادر۔ میں پروجیکٹ" وہ بھی جواب میں مسکرا دیا۔

"ارے میاں! وہ دا کی دوا میں یہ ہو گیا۔ ادھر ناصر نے بلوا بھیجا تھا۔ اچھا بھلا چھوڑ کر گئی تھی۔ واپس آئی تو بخار سے نڈھال ڈرائنگ روم میں ملی۔ بالکل بے سدھ۔ تخمینہ لگا کر بخار تو کاؤں گیا ہوا ہے۔ نورالدین تھے گھر میں۔ بتا رہے تھے کہ بالکل ٹھیک تھا کہ کچن میں کام کر رہی تھی۔ اسکول کا کوئی کلرک ملنے آیا تھا۔ نورالدین نے چائے بھی بنائی تھی۔ وہ بھی بتا رہے تھے کہ وہ کلرک خاصی دیر تک جیتا جاتے والے پی کر گیا۔ یہ بھی بالکل ٹھیک تھا کہ اس سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد کمبل منگایا اور وہیں لیٹ گئی۔ اب تک بے سدھ ہے"
بڑی اماں کا پریشانی سے برا حال تھا۔
مظاہر جلدی گھر اس لیے آئے تھے کہ انہوں نے کہیں بہت ضروری کام جانا تھا۔ مگر گھر داخل ہوتے ہی ایک مسئلے کا سامنا تھا: دیبا اور مظہر آ چکے تھے۔ وہ بھی بہت فکرمند نظر آ رہے تھے۔
"وہ تو اسکول چھوڑ چکی ہے۔ پھر کلرک کیوں آیا تھا؟" مظاہر نے الجھ کر پوچھا۔
"چلو خیر اگر آ بھی گیا تھا تو کیا ہے۔ فکر اس بات کی ہے کہ اچانک اس کی حالت کیوں بگڑ گئی۔ واللہ! بابا نیلی فون تو نہیں اٹھا لیا اس نے"۔
بڑی اماں کو اچانک دھیان آیا۔
"فون تو انگیج تھا۔ آج میں نے چار مرتبہ ٹرائی کی" مظہر نے فوراً کہا۔
"ایک بجے سے پہلے میں نے کیا۔ تب بھی انگیج ہی تھا۔ مظاہر جانے کس دھیان سے چونکے" ناصر حسین سے میں نے کہا تھا ملانے کو۔ تاکہ ماہنور سے گھر میں خیر خیریت معلوم کر لوں اور بتا دوں کہ کب تک پہنچ جاؤں گی۔ ناصر کہنے لگے لگ ہی نہیں رہا"
"تقریباً ایک گھنٹہ انگیج رہا" مظہر نے حیرت سے کہا "میں نے گیارہ پچاس سے ٹرائی شروع کی تھی۔ اماں جان کہہ رہی ہیں۔ ایک بجے سے پہلے انہوں نے ڈائل کیا تب بھی انگیج تھا۔ کہیں فون ڈیڈ تو نہیں ہے؟" مظہر کو اچانک دھیان آیا۔
"نہیں۔ میں دیکھ چکا ہوں" مظاہر نے غیر معمولی سنجیدگی سے جواب دیا۔
"ایک گھنٹہ۔ اس کی کس سے بات ہوئی۔ یہ اس سے ایک گھنٹہ کیسے بات کر سکتی ہے؟ کہیں اسی نے تو فون بہلا اپ نہیں کیا ہوا تھا؟" وہ سوچنے لگے۔
"دیبا۔ بابا کو بلاؤ" وہ بیلٹ پر ہاتھ باندھے بڑی سنجیدگی سے کچھ سوچ رہے تھے۔ ساتھ نظریں ماہنور کے چہرے کا بھی طواف کر رہی تھیں۔
تھوڑی دیر بعد بابا آ موجود ہوئے۔
"جی مظاہر میاں؟"
"بابا! کسی کا فون بھی آیا تھا بڑی اماں کے جانے کے بعد؟"
"میں کیا بتاؤں میاں! بابا کو جانے کیا یاد آ گیا گویا انہوں نے اپنا سر پیٹ لیا"۔ "ابھی وقفہ گھنٹی بجی کر کام سے کھڑے

گئے۔ پر چونکا اٹھاؤں تو بیٹو کہنے ہی نوں نوں۔ بڑی بیگم تاکید کر گئی تھیں کہ بی بی فون نہیں سنیں گی۔ گھر والوں کے علاوہ کسی کا بھی فون آئے بی بی کو مت دینا۔ پر میاں گھنٹیاں بہت بجیں مگر کوئی بولا نہیں۔ پریشان ہم بہت ہوئے"۔
بابا نے بڑی تفصیل سے جواب دیا۔ ایک گونہ اطمینان تو حاضرین کو ہوا کہ اس کی کسی سے بات نہیں ہوئی۔ مگر فون انگیج کیوں دیا۔
"ہو سکتا ہے کچھ دیر کے لیے ڈیڈ ہو گیا ہو" مظاہر نے مظہر سے خیال آرائی کے انداز میں کہا۔
"جی!" مظہر نے اتفاق کیا۔
"بہر حال۔ جب تک وہ بی بی کے کلرک فصیح صاحب بیٹھے رہے۔ اس دیر کوئی گھنٹی نہیں بجی کلرک تو وہ کہیں سے بھی دکھائی نہیں تھے۔ بادشاہ آدمی لگ رہے تھے۔ لال سا مفلر گلے میں ڈالا ہوا تھا۔ صاحبوں کے بھی صاحب دکھائی دے رہے تھے" وہ یہ کہہ کر باہر نکلنے لگے۔
"ایک منٹ بابا!" مظاہر کے مضبوط اعصاب ایک سیکنڈ میں شل ہو گئے۔
"لال مفلر۔ کیا مطلب ہے آپ کا؟"
"یہی مطلب ہے میاں کہ بڑے اچھے کپڑے پہنے تھے۔ گلے میں لال مفلر لٹکا ہوا تھا آگے کی طرف۔ اس طرح نہیں جس طرح سردیوں میں لپیٹا جاتا ہے۔ اچھے خاصے خوبصورت تھے بی بی کے کلرک"
"گاڑی! بھی آیا تھا وہ؟" مظاہر کے حواس پر برف جمنے لگی۔
"میں نے تو نہیں دیکھی۔ کلرک بندے کے پاس کیا گاڑی ہو گی میاں"
مظاہر نے فوراً آگے بڑھ کر ماہنور کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ بخار سے جھلس رہی تھی۔ انہوں نے بڑے اضطراری انداز میں اس کے رخسار تھپتھپائے۔
"ماہنور" ساتھ ہی آواز بھی دی۔
"مائی گاڈ" انہوں نے ایک اذیت اپنی رگ رگ میں بازگشت محسوس کی۔
"آپ اسے کیوں اکیلا چھوڑ گئی تھیں۔ نہ کہ اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا" وہ ایک دم جھنجلا کر بڑی اماں سے مخاطب ہوئے۔
"ارے بیٹے! میں تو دن کی روشنی میں اسے گھر سے باہر لیجانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس بدذات نمک حرام کا کیا بھروسہ۔ میں تو ماہنور سے احتیاط کے ساتھ کہہ گئی تھی۔ میں بوڑھی جان ایک عمر والی دائیں بائیں"۔
انہوں نے پھر ماہنور کو آواز دی۔ مر یا پر آب ادر مڑ کر باہر نکل گئی تھی۔
مظاہر الجھا ہونٹ کاٹتے ہوئے کمرے میں ٹہلنے لگے جیسے انہیں کسی کی بھی پرواہ نہ ہو۔ اپنا اہم کام تک ان کے ذہن سے نکل گیا تھا۔
معاً ان کی نگاہ ایش ٹرے پر پڑی۔ دو ٹکڑے سگریٹ کے اس میں نظر آ رہے تھے۔ ایک چھوٹا ایک بڑا۔ جس کی نیلی کوئی نہیں تھی۔ سب سے آخر میں گھر سے وہ نکلے تھے۔ ظہیر کے علاوہ کوئی اور سگریٹ پینے والا گھر میں نہیں تھا اور ماچس استعمال کرتے تھے۔ جبکہ یہاں لائٹر کا استعمال پتا چل رہا تھا۔ وہ سگریٹ کے ٹکڑے آنے والے کے اطمینان و سکون کو بھی ظاہر کر رہے تھے اور ملاقات کی طوالت کا بھی اندازہ دے رہی تھی۔

ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ماہ نور کو اٹھا کر بٹھا دیں اور پوچھیں خدانخواستہ کس قسم کی قیامت بپا ہوئی۔ کتنا نقصان ہوا۔ کتنی چوٹ آئی۔ احساس شکست و ذلت سے ان کی رگ و پے میں محشر بپا تھا۔

ربیا ضروری لوازمات لے آئی تھی اور بڑی اماں نے ٹھنڈے پانی میں نچوڑ نچوڑ کر رکھنا بھی شروع کر دی تھیں۔

"میاں! آپ کا فون ہے۔" بابا نے مظاہر کو مطلع کیا۔

"کون ہے؟" انہوں نے بیزاری سے پوچھا۔

"عبدالباسط خواجہ۔" بابا یہ کہہ کر چل دیے۔ مظاہر نے بھی ان کے پیچھے قدم بڑھا دیے اور خود پر قابو پانے لگے تاکہ نارمل و جانے پہچانے موڈ میں بات کر سکیں۔ دس منٹ کا بزنس کمیونیکیشن تھا۔ اس دوران وہ خود کو سنبھال چکے تھے۔

واپس آئے تو ماہ نور کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور بڑی اماں بڑے پیار سے اس کا حال احوال پوچھ رہی تھیں۔

مظاہر کی نظریں اس کی نظروں سے ٹکرائیں تو انہوں نے خود ہی نگاہ چرا لی۔

"کیا کہنے آیا تھا تمہارے اسکول کا کلرک۔ یہ تمہیں اچانک اتنا تیز بخار کیوں چڑھ گیا؟ میرے تو ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔"

"چلو۔ اٹھو میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتا ہوں۔"

مظاہر نے سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھے بغیر کہا۔

"ہاں بچی۔ ڈاکٹر کے پاس ضرور جاؤ۔ ربیا! جاؤ بچی چادر لا دو بہن کو۔" بڑی اماں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی۔

"آپ ادھر ہو جائیں بڑی اماں۔ میں اٹھاتا ہوں آپی کو۔" مظہر نے آگے بڑھ کر ماہ نور کو اٹھنے میں مدد دی۔

"ربیا! میرے کمرے سے گاڑی کی چابی لے آؤ۔" مظاہر نے کہا اور ماہ نور اور مظہر کو راستہ دینے کی نیت سے ذرا ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ گھر پہ بیٹی اکیلی رہوں گی۔ بچی کے پاس رہوں گی تو سکون میں تو رہوں گی۔"

مظاہر نے منع کرنے کے لیے منہ کھولا مگر جانے کیا سوچ کر خاموش ہو گئے۔

ربیا بھاگتی ہوئی واپس آئی تھی اور چابی مظاہر کو تھما دی تھی۔

وہ پورچ میں آئے تو مظہر اگلی سیٹ پر ماہ نور کو بٹھا کر واپس پلٹ رہا تھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آ گئے۔ بڑی اماں پچھلا دروازہ کھول رہی تھیں۔ وہ مڑ کر سیٹ کرنے لگے۔

بڑی اماں بیٹھ چکی تھیں۔ ان سے دروازہ کبھی ٹھیک سے بند نہیں ہوتا تھا۔ مظہر اندر جا چکا تھا۔ وہ گاڑی سے باہر آئے اور بڑے آف موڈ میں پچھلا دروازہ کھول کر کھٹاک سے بند کیا۔ بابا گیٹ کھول چکے تھے۔ مظاہر نے سیٹ سنبھال کر چابی لگائی اور ایک ناقابل فہم نظر ماہ نور پر ڈالی۔ ان کے اعصاب گویا کسی شکنجے میں کسے ہوئے تھے۔

گاڑی بڑی اسپیڈ میں گیٹ سے باہر آئی تھی۔

"آج گھر تشریف لے آئے تھے صاحب؟" وہ گاڑی کھلی سڑک پر ڈال کر اس سے یوں مخاطب ہوئے جیسے پھٹ پڑے ہوں۔

نڈھال سی ماہ نور نے بدحواس ہو کر ان کی صورت دیکھی تھی۔ "آپ۔ آپ کو۔"

"میرے سوال کا جواب دو صرف۔" ان کے لہجے میں بڑی اجنبیت در آئی تھی اور آواز بہت آہستہ تھی۔ وہ بھی بمشکل بن

پا رہی تھی۔

ان کے انداز پر ماہ نور کا کلیجہ چھلنی چھلنی ہو گیا۔ ہمیشہ کی طرح بڑی آسانی سے آنسو چھلک پڑے تھے اور جن کی وجہ سے ہمیشہ مظاہر کا موڈ آف ہو جاتا تھا۔

"میں نے نہیں بلایا تھا اسے۔" جانے کیسے اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا تھا۔

ایک تلخی ایک وحشت ان کے لہجے میں بھی تھی۔ صدیوں کی ناراضگی ان کے لہجے کی پرت پرت سے بھی آشکار تھی۔

"مزید کوئی برا عمل تو کری ایٹ نہیں کر گیا تمہارے لیے۔ ایک تو تمہاری بزدلی تم تو شاید بابا کو بھی آواز نہ دے پائی ہو گی۔ اگر ایسا کچھ ہوا ہے تو چھپانے سے نقصان ہو گا۔ میں اسے گولی مار دوں گا۔ پہلی فرصت میں۔ ہم صاحب نسب و خاندانی لوگ ہیں۔ یہ ہماری برداشت سے بہت زیادہ ہے۔ اگر وہ مجھے شکست دے کر چلا گیا ہے تو پھر تمہیں اس کے پاس ہونا چاہیے ہمیشہ کے لیے۔ تمہاری جگہ خدانخواستہ ربیا ہوتی تو میں ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی بجائے اسے شوٹ کر دیتا۔ تمہاری بزدلی تو خاندان بھر کے لیے عذاب بن گئی ہے تمہاری جگہ کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو اس کی مجال نہیں تھی کہ وہ گھر میں قدم بھی رکھ سکتا۔"

احساس شکست نے مظاہر کے وجود میں انگارے بھر دیے تھے۔

ماہ نور سکتے کی کیفیت میں ان کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے ان کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی مگر غصہ سمجھ میں آ رہا تھا۔

حیرت و صدمے سے اس کی حالت مزید گرگوں ہونے لگی۔

"آپ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے بجائے امی کے پاس چھوڑ دیجیے۔ آپ کی احسان مند ہوں گی۔"

"ہاں۔ ان کے پاس لیجاؤں مزید ذلیل ہونے کے لیے۔" وہ بگڑ کر بولے۔ ماہ نور اندر سے سہم کر رہ گئی تھی۔

ان کی پیشانی شکن آلود تھی مگر خاموش ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی ایک پرائیویٹ ہاسپٹل کے سامنے رکی تھی۔

بڑی اماں بڑی پھرتی سے سب سے پہلے اتر گئی تھیں۔

مظاہر نے باہر نکل کر اپنی طرف کا لاک لگایا اور پھر اس کی طرف دروازہ کھول کر اسے سہارا دینے کی غرض سے ہاتھ بڑھایا۔ ماہ نور نے ان کا ہاتھ ایک طرف ہٹا دیا۔ جیسے کہہ رہی ہو مجھے آپ کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔

کہیں وہ انہیں بہت زیادہ شکست نہ دے گیا ہو۔ اس خیال سے ان کے حواس مفلوج ہو رہے تھے۔ اس کی کرپشن کی کوئی انتہا بھی تو نہیں تھی۔ مگر ایسا ہو تو نہیں سکتا اتنی شریف لڑکی اس مقام پر تو بزدل نہیں ہو سکتی۔ مگر وہ بھی تو آرٹ دیتا ہے اور یہ بے وقوف لڑکی تو یونہی چڑیا کی طرح کانپتی رہتی ہے۔

اس نے بیزاری سے ان کا ہاتھ ایک طرف کیا تو ان کے وجدان نے اس کی مضبوطی کے احساس سے قدرے تقویت پہنچائی۔ انہوں نے ناراض انداز میں اس کا بازو تھام لیا۔ گویا اس کی مزاحمت کی کوئی پروا نہیں کی۔

اس کے باہر آتے ہی انہوں نے گاڑی کو مکمل لاک کیا اور اسے سہارا دے کر اندر بڑھے۔ بڑی اماں ماہ نور کے دوسری جانب چل رہی تھیں۔

"ہائے۔ بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا بچی کو۔" وہ بڑبڑا رہی تھیں۔

مظاہر اسے تھامے ہوئے تھے اور اسے ان کے اس قرب سے وحشت ہو رہی تھی۔ جس سے صرف احسان کے بوجھ کا تاثر مل رہا تھا۔

وہ چیک اپ کے لیے اندر گئی تو بڑی اماں بے چینی سے پہلو بدلنے لگیں۔

"تمہارا مزاج بھی مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا۔" وہ پوتے سے مخاطب ہوئیں۔

مظاہر خاموش رہے۔

"میری تو عقل حیران ہے۔ ایکدم اس کی حالت اتنی بگڑ گئی۔ وہ سوئی ہوئی بچی۔ اب یہ مجھوڑا ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بول رہی تھیں۔

"دوپہر کا کھانا کھا لیا تھا؟" وہ مظاہر سے پوچھنے لگیں۔

"یہ پوچھیے رات کا کھانا جائے گا یا نہیں؟" وہ بڑی نرمی سے مخاطب ہو رہے تھے۔

"ہیں۔ خدانخواستہ۔ تمہاری اپنی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ ہولنے لگیں۔

دوسرے جھٹکا کر زمیں کی ہاتھوں کو گھورنے لگے۔ رگ رگ سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے سلگتے کوئلے چیخ رہے ہوں۔

ایک کرپٹ آدمی نے اپنا عوارا افسری کا سارا نشہ ہرن کر دیا تھا۔ وہ ان کے ڈرائنگ روم میں سرگھنٹیں بھونک کر گیا تھا۔ جی چاہتا تھا وہ سامنے آ جائے اور وہ اس پر پورا برسٹ کھول دیں۔

تھوڑی دیر میں ماہ نور واپس آ گئی۔ آستین اوپر تھی جس کا مطلب تھا کہ انجکشن لگا تھا۔ ایک ہاتھ میں سونے سے کاغذ پر چھپا نسخہ تھا جو مظاہر نے فوراً جھپٹ لیا تھا۔ اور اس پر نظر دوڑانے لگے تھے۔

"کیا کہہ رہا تھا ڈاکٹر؟" بڑی اماں اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بڑے پیار سے پوچھنے لگیں۔

"کچھ نہیں۔ بی پی بہت لو ہے۔ بخار سردی کی وجہ سے ہوا ہے۔" وہ نقاہت بھرے انداز میں کہہ کر آنکھیں بند کرنے لگی تھی

مظاہر نے ڈاکٹر سے کارڈ اور بقایا پیسے لے کر انہیں وہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود غالباً میڈیسن لینے چلے گئے۔

"بیٹھ جاؤ۔ گھر چل کر دیسی انڈا گھلواؤں گی تو بلڈ پریشر فوراً ٹھیک ہو جائے گا۔ تم کچھ کھاتی پیتی بھی تو نہیں ہو۔ خون کہاں سے بنے گا۔ لو ناپٹے آپ ہو گا۔ صبح نہار منہ سیب کھا لیا کرو۔ بڑی جلدی نیا خون بنتا ہے۔"

وہ قیمتی مشوروں سے نوازنے لگیں۔ وہ سر جھکائے سنتی رہی۔

مظاہر جلدی واپس آ گئے۔

بڑی اماں نے بہت محبت سے اسے تھام کر اٹھایا۔ مظاہر نے بھی جیسے رسماً تھام لیا۔ باہر آ کر وہ بڑی اماں سے مخاطب ہوئی۔

"نانی امی! آپ آگے بیٹھ جائیں۔"

مظاہر نے کوئی تاثر نہیں دیا۔ اور دروازہ کھولنے لگے۔

وہ پچھلے بڑی اماں کے بیڈروم میں ان کے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ بخار میں قدرے کمی تھی۔ اسے نہیں پتا تھا کہ کیا بجا ہے۔ بس اندازہ تھا کہ دس بج رہے ہوں گے۔ کیونکہ کچھ دیر قبل بہنوں کی کھسر پھسر ختم ہو چکی تھی۔ اور خاموشی چھا چکی تھی۔ گویا سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ یقیناً بڑی اماں اپنی جائے نماز پر ہوں گی۔ کچھ دیر قبل ربابہ سوپ پلا گئی تھی اور کہہ گئی تھی کہ بعد میں آ کر دوا کھلا جائے گی۔ کمرے میں نائٹ بلب کی مدھم روشنی تھی مگر لاؤنج سے بھی روشنی کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے اندر آ رہی تھی۔

اس کا ذہن اس قدر ماؤف تھا کہ کچھ بھی نہیں سوچ رہی تھی۔ قطعی خالی الذہن تھی۔ فون کی بیل بج اٹھی تھی اور اس کے وجود پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ فون آ چکے تھے۔ گھر کے افراد ماشاء اللہ اتنے تھے کہ پندرہ منٹ بعد

فون کی بیل ہونا معمول کا حصہ تھا۔ مگر آج ہر بیل پر کانپ رہی تھی۔

"ہیلو۔ ہیلو۔" فون بڑی اماں نے اٹینڈ کر لیا تھا۔

"ذرا اونچا بولو بیٹے! مجھے کم سنائی دیتا ہے۔ بچے سب سونے چلے گئے ہیں۔ مظاہر ہاں گھر پر ہی ہے صبح بات کر لینا۔ بیٹے! برا مت ماننا۔ جب میں اپنے بچوں کو سوتے سے اٹھاتی ہوں تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہاں خیر اس وقت سوتا تو نہیں ہے۔ نام کیا ہے تمہارا؟"

بڑی اماں نے غالباً مظاہر کو بلانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

"کیا بولے ہیں۔؟ ارے تم وہی ہو جو ہر وقت فون بجاتے رہتے ہو۔ ارے بچے ذرا خوف خدا نہیں تمہیں۔ ارے کون سے خون بہا۔ ہمارے مزدور ہیں؟ تم ہمارے کیوں پریشان کر رہے ہو ہمارے خاندان کو؟"

مظاہر کو تو جیسے آج اس کے فون کا شدت سے انتظار تھا۔ بڑی اماں کی گفتگو کچھ کچھ ان تک پہنچی تو وہ گویا اڑ کر پہنچ آئے تھے۔ آج ان کا ذہن کوئی کام کرنے کے قابل ہی کہاں تھا۔

اب ریسیور ان کے ہاتھ میں تھا۔ بڑی اماں مضطرب سی تخت پر جا بیٹھی تھیں۔

"جی۔ فرمایئے۔ خلاف کے مظاہرے کی داد لینے کے لیے فون کیا ہے۔ اس قسم کا مظاہرہ ایسے تھڑدلوں سے میں بھی آپ کے گھر میں کر سکتا ہوں۔ مسٹر! میری موجودگی میں آ کر دکھاتے تو کوئی بات بھی تھی۔ اس سنڈے کو میں اسی ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کروں گا جہاں آپ اپنی سگریٹ کے ٹکڑے چھوڑ کر گئے ہیں۔ دیٹس آل۔" مظاہر نے ریسیور رکھ دیا۔

"کون سی سگریٹ۔ کیا بولے تم؟" بڑی اماں بدحواس ہو کر مظاہر سے مخاطب ہوئی۔

"پوچھ لیجیے گا اپنی نواسی سے آپ۔ میں فی الحال بہت تھکا ہوا ہوں۔ پلیز بڑی اماں مجھے سونے دیں۔" وہ زینے کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"ارے بیٹے! کیا ہو رہا ہے؟ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ ہولتی ہوئی اپنے کمرے میں داخل ہو گئی تھیں۔

ماہ نور کو پتا تھا اب ضرور ادھر آئیں گی۔ وہ بمشکل ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔ اپنی زندگی ایک شرمندگی ایک لعنت لگنے لگی تھی

"ماہ نور بچی! یہ کیا کہہ رہا تھا مظاہر۔ وہ نامراد کس وقت آ گیا تھا؟ ارے میرا تو بلڈ پریشر ہائی ہو رہا ہے۔"

وہ اپنے بیڈ پر ماہ نور کے برابر میں لیٹ گئیں۔ ان کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔

"نانی امی! پلیز خود کو سنبھالیں۔ وہ تو یونہی ہم لوگوں کو ڈرانے دھمکانے آ گیا تھا۔" اس نے محبت سے نانی کی پیشانی چوم کر کسی گناہگار مجرم کے سے انداز میں کہا۔

"ہائے اللہ۔ اکیلا گھر۔ اگر کچھ ہو جاتا۔" بڑی اماں کی طبیعت بگڑنے لگی۔

"ارے کیا وہی آیا تھا گرک بن کر؟" وہ ہانپتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"جی!" وہ دھیرے سے بس اتنا کہہ کر رہ گئی۔

"ارے میرے مولا!" انہوں نے سر تھام لیا۔ سارا عمل ان کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ ناصر حسین کو اس نے فون پر ضروری انکشافات کا کہہ کر فون سننے پر راضی کیا اور تاکید کی وہ اپنی واقعتاً گواہی بنوا لیں تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے کے مصداق معاملہ ٹھہرے۔ ناصر حسین نے فوراً ادا ... کو بلوا لیا۔

وہ دونوں ماں بیٹا رو رو بجے تک فون کا انتظار کرتے رہے۔ فون نہ آنا تھا نہ آیا۔ بڑی اماں کو پتے لگے ہوئے تھے۔

ماہ نور کو اپنی بھول گراں کی چڑ گئی۔

"نانی امی! مجھے معاف کر دیجیے۔ کتنا پریشان کیا ہے میں نے آپ سب کو۔" اس نے بڑی اماں کا ہاتھ تھام کر چوم لیا۔ آنکھوں سے دو قطرے ان کے ہاتھ پر ٹپک گئے۔

"کیا بولا وہ تم سے۔ ارے۔ ہاتھ واتھ تو نہیں پکڑ لیا تھا۔ اس نے۔ ارے وہ تو اوباش ہے تمہیں میرے سر کی قسم مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ سچ سچ بتا دو بیٹی؟"

"اگر ہاتھ پکڑ لیتا تو اس میں اس کا منہ نہ توڑ دیتی۔ اتنی کمزور بھی نہیں ہوں۔ نانی امی! اپنی عزت کی خاطر جان بھی دے سکتی ہوں۔"

"ہاتھ واتھ" کا اصل مفہوم کیا ہے۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ احساس ذلت سے چور چور ہو کر رہ گئی تھی۔

بڑی اماں نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لپٹا لیا۔

"نانی قربان جائے۔ مجھے بھروسا ہے اپنی بچی کا۔ مگر وہ ہے ہی اس قسم کا۔ تو پھر کیا بکواس کر رہا تھا۔ کیوں آیا تھا؟" وہ اس کے بال سنوارنے لگیں۔

"آگ لگانا آتی ہے بس اسے۔ ابھی آیا ہو گا کہہ رہا تھا ماں کر دوں۔ نانی امی۔ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے۔ کیوں پڑ گیا ہے میرے پیچھے ہاتھ دھو کر۔ بالکل ہی ضمیر مر گیا ہے۔ کیا اس کے خاندان میں لڑکیاں نہیں ہیں؟" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ارے ایسے مردوں کو عورت کی کیا کمی۔ روز نئی نئی مل جاتی ہو گی۔ بس اللہ نے تم آج ہم پر کرم کر دیا ورنہ ہم مر گئے تھے بے موت۔ مظاہر کو کب سے کہہ رہی ہوں اسے جیل بھجوا دے۔ مگر پتا نہیں بھئی وہ کیا سوچ رہا ہے۔ ہم سب قیدی ہو گئے ہیں جیسے جنگل میں شیر سے چھپتے پھر رہے ہوں۔ بتاؤ گھر میں گھس آیا۔ ہو اور کمبخت بدذات کا۔ بس تم چپ ہو جاؤ۔ تمہارا ابھی یوں بھی اچھا نہیں۔ دیکھو سارا اپنڈا ابھی تک جل رہا ہے۔ اپنی ماں کو نہ بتانا جو کچھ ہوا۔ وہ پریشان ہو گی۔ کوئی فائدہ نہیں ہے؟"

"جی۔ مجھے تو آپ کی فکر ہے۔ آپ خود کو سنبھالیں نانی امی۔ مجھے بہت شرمندگی محسوس ہوتی ہے" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی

"بس بچی! بوڑھی جان ہے ذرا سی بات نہیں سہار سکتی۔ یونہی دل بیٹھ جاتا ہے۔" وہ نارمل ہونے کی کوشش کرنے لگیں

ماسی اور کاکو کی بہن حسینہ نے گڑیا کی شادی کا پروگرام بنایا تھا۔ چھپ کر تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ماسی سے کہا تھا۔ وہ مہندی والے دن سول کو مالکن سے چھٹی دلوا دے۔ مگر ماسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔

سول نے ماسی کی گڑیا کو اچھا خاصا جہیز بنا کر تیار کر لیا تھا۔ موقع ملتے ہی سینے سلانے بیٹھ جاتی تھی۔ حسینہ سے نکاح کا غرارہ خراب ہو گیا تھا۔ وہ سول کے سر ہو رہی تھی کہ ٹھیک کر دے۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ بیگم صاحبہ کو غائب پایا تو غرارہ ٹھیک کرنے بیٹھ گئی۔ اتنی مگن ہی کہ خود کو بھول گئی۔ چنانچہ کا غرارہ تھا۔ چنیاں اور جہیز تا پڑ گئی تھیں۔

خاصی دیر بعد اسے کسی شے کے جلنے کی بو آئی۔ اس نے لمبی لمبی سانسیں لے کر اندازہ لگانے کی کوشش کی آخر کیا جل گیا ہے

"اوہ۔" وہ ایک دم بلبلا اٹھی۔ ماسی کہہ گئی تھی کہ چولہے پر دودھ رکھا ہے دیکھ لینا۔ دودھ ابال جاری ہے۔ دودھ تھوڑا ہی ہے جلدی ابل جائے گا۔

وہ کچن میں پہنچی تو اوون کی طرف دھواں سا پھیلا ہوا تھا۔ قریب جا کر دیکھا تو دودھ جل چکا تھا۔ پتیلی کالی سیاہ ہو رہی تھی

اس نے جلدی سے برنر بند کیا۔ ابھی پتیلی اٹھا کر سنک میں رکھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ شاہانہ چیختی چلاتی اندر داخل ہوئیں

"کیا پھونک دیا۔ کیا جلا دیا حرام خور دوں؟"

سول کے ہاتھ سے پتیلی چھوٹ کر دوبارہ برنر پر جا پڑی۔

"کس یار کے خیالوں میں گم رہتی ہے۔ آخر کس بات کا نشہ رہتا ہے۔ ستیاناس ہو گیا پتیلی کا تجھے ہوش نہیں آیا۔"

وہ چکن کا لان سے سینے بستی شمس سے آراستہ سلیولیس نائٹی میں چلی آئی تھیں۔ وہ تڑ سے سول کی پشت پر چڑھے تو وہ گرم گرم اوون پر اوندھی گئی۔ برنر پر ہاتھ خود کو سنبھالنے کی کوشش میں میں جا لگے تھے۔ جس پر کچھ دیر قبل وہ دودھ جل رہا تھا۔ ایک دلدوز چیخ کے ساتھ وہ پیچھے ہٹی تھی۔

چیخ اتنی بلند اور دردناک تھی کہ ایک لمحے کو تو شاہانہ بھی سناٹے میں رہ گئی تھیں۔ اس لیے وہ جب بھی نپٹی تھی بہت خاموشی سے ہٹ جاتی تھی۔

وہ ہتھیلیاں سامنے کر کے دیکھنے لگی۔ پھر ایک دم بلک بلک کر رونے لگی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا ہاتھ اب بھی آگ پر دھرے ہوں۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ شاہانہ سمجھ گئی تھیں کہ اس کے ہاتھ جھلس گئے ہیں۔ اس لیے تشدد موقوف کر دیا تھا کہ اب تو تشدد کی انتہا ہو گئی تھی۔

"پتا نہیں بڑا والے ہی کبنا کا گرکی ماں سے کچھ لگا دے گی۔ ابا کام بھی گئی مزید حرام خوری۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئیں

تکلیف اتنی زیادہ تھی کہ اس نے ہیجانی انداز میں نل کھول کر ہتھیلیاں پانی کی دھار پر رکھ دیں۔ پانی کی دھار پڑتے ہی اذیت میں قدرے کمی کا احساس ہوا۔ جانے کتنی دیر وہ اسی طرح نل کے نیچے ہاتھ دیے کھڑی رہی۔

اسی لیے شمسی سیٹی پر کوئی دھن بجاتا کچن میں داخل ہوا۔

"کیا کر رہی ہو سوئی؟ ٹیپ کھول کر کیوں کھڑی ہو؟"

"شمسی مجھے کوئی دکھن ہو رہی ہے" وہ زار و قطار رونے لگی۔

"کیا ہوا؟" وہ کیتلی واپس رکھ کر اس کی سمت بڑھا۔

"ہائی گاڈ نہیں۔ یہ تو بلیسٹرز بن گئے ہیں۔ کیسے جلا؟ چلو آؤ میرے ساتھ۔ ماما۔ کاؤ"

وہ اسے شفقت سے تھام کر دونوں کی طرف چلا۔ ڈرائنگ ٹیبل پر مومن بالکل فریش تیار ناشتے کا منتظر تھا۔ وہ پیپر کے گیارہ بجے تھے۔ مگر اس کی صبح ابھی ہوئی تھی۔

"سوری سر! آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا ہو گا۔ یہ بنگ کیس ہو گیا ہے۔ بلیسٹرز بن گئے ہیں۔"

مومن نے اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹا کر عام سی نگاہ اس پر ڈالی۔ مگر قدرے ٹھٹک گیا۔ وہ بے خاموشی سے رو رہی تھی۔

"یہ دیکھیے سر!" شمسی نے اس کے ہاتھ مومن کے سامنے کر دیے۔

اور وہ اس کی موٹی موٹی گداز ہتھیلیاں جن کی بہت خوبصورت سی گہری مزاحمت کے عمل کے دوران اس کے ہاتھوں ملائمی کی لطف کے لیے اتر آئی تھی۔

وہ شعوری طور پر نہیں چاہتا تھا کہ وہ کچھ افسوس کرے مگر لاشعوری طور پر اسے دلی افسوس ہوا تھا۔

"ہاں۔ اسے کچھ لگاؤ۔ ناشتا میں آفس میں کر لوں گا۔ بس ایک کپ چائے دے دینا۔ اسے جلدی کچھ لگاؤ۔"

"میں ابھی فرسٹ ایڈ باکس لے کر آتا ہوں" شمسی اوپر دوڑا گیا۔

"کیسے چل رہی ہو؟ ٹھیک کر کام کیا کرو۔" وہ اس سے نظر ہٹا کر اخبار دیکھنے لگا۔

مون نے آنسو بھری نظروں سے اسے یوں دیکھا جیسے وہ ذبح ہو رہی ہو۔

میرون شرٹ سیاہ پینٹ، وہی بکھرا ستھرا چہرا، نفاست سے تراشی مونچھیں، گھنی پلکوں والی دھوکا باز آنکھیں۔ جن کو وہ بغور اسے دیکھتی رہی۔

"ایک دم دونوں ہاتھ کیسے جل گئے؟" وہ اخبار جھٹک کر اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"آپ کو کیا۔ میں جلوں یا مروں۔ کتنے خراب ہیں آپ۔ اس دن مجھے بھاگنے دیتے تو میں آج کیوں جلتی۔ آپ مجھ سے نہیں بولا کریں۔ میرا دل چاہتا ہے میں مر جاؤں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"اے لڑکی! تمیز سے بات کرو۔" مون نے غضبناک ہو کر اخبار ٹیبل پر پٹخ دیا اور کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں کرتی تمیز سے بات۔ آپ مجھے دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دو۔" وہ اسی طرح روتے روتے بولی۔

"مم۔ میں" مون کچھ بولتے بولتے یکدم چپ ہو گیا۔ شاہانہ زینے سے اتر رہی تھیں۔

"دکھڑا سنا رہی ہے صاحب کو۔ مردودی بڑی ہو رہی ہو؟ جا اخبار میں چھپوا دے کہ میں نے جلائے ہیں ہاتھ۔ بے غیرت کھاتی میرا ہے۔ اور گھر کے لڑکوں کے سامنے مجھے ہی برا بنا رہی ہے۔ کون لگتا ہے تیرا۔ جب [illegible] ملتی ہے۔ ابھی تو نقصان بھی پورا نہیں۔

دو دن کے نقصان۔ اللہ مارکی تو تنخواہ روکی ہوئی ہے میں ان دس ہزار کہیں سے لاؤں۔ ادھر نقصان کا جو دن دو اور جو حرمت کالا کرنے جاؤ اجازت ہے میری طرف سے۔ ہر وقت شکل پر بارہ بجے رہتے ہیں۔ جیسے کچھ کھانے کو نہیں ملتا۔ اتنا اتنا سالن غائب ہو جاتا ہے۔ جیسے جن کھا جاتے ہوں۔ شرم نہیں آتی گھر کے لڑکوں سے مالکن کی شکایت کرتے ہوئے؟"

چوڑی والی مشین جیسے کے مصداق شاہانہ بغیر سانس لیے بولے چلی جا رہی تھیں۔

مون کو معلوم تھا اب مشکل ہی سے رکیں گی۔ رک رک دبے میں آگ تو پہلے ہی بھری ہوئی تھی۔ مستزاد یہ صورت حال۔

اس نے وہاں سے چلے جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ مگر اس سے قبل وہ شاہانہ سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔

☆

ابھی جانے کتنی گولہ باری اور ہوتی کہ شمسی کی مداخلت سے سلسلہ رک گیا۔ شاہانہ ایک قہر آلود نظر ڈال کر واپس پلٹ گئیں۔ مون بھی ناشتا کرنے کا ارادہ ملتوی کر کے پورچ کی طرف نکل گیا۔

"بے بی! تمہیں تو بہت تکلیف ہو رہی ہوگی۔" اس نے نکلتے نکلتے شمسی کی آواز سنی تھی۔

"بے بی! کتنا گھٹیا ہے یہ شمسی!" اس نے ضمیر کے کنکی رہنے تیر کو جیسے ہاتھ سے روکا تھا۔

"خیریت تو ہے ناں پھوپھو!" ظہیر کو سارو کا انداز بہت پُراسرار سا لگا۔

"خیریت ہی ہے۔ تم لوگ چاہو تو مزید خیریت ہو سکتی ہے۔" وہ ان کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

"اللہ ہمیں بھلائی کی توفیق دے۔" وہ مسکرائے رہے تھے مگر مسکراہٹ سا الجھن بھی عیاں تھی۔

"آمین" سارو نے سنجیدگی سے کہا۔

"اماں نے بلوایا تھا مجھے کہ تم سے بات کروں۔"

"ایسی کیا بات ہے جو وہ خود نہیں کر سکتیں؟" وہ حیران ہوئے۔

"بزرگ ہیں وہ ہم سب کی، نہیں بیذر ہے ان کی بات نہ کھوئی جائے جب مسئلہ بھی تو بہت اہم ہے۔"

سارو نے بہت دھیمی آواز میں عجیب سی یاسیت سے کہا۔

"ماہ نور کے ساتھ کیا ہو رہا ہے تمہیں علم تو ہو گا؟"

"جی" ظہیر قدرے چونک کر محتاط انداز میں جی کہہ کر رہ گئے۔

"اماں کا خیال ہے۔ چپ چاپ کل کا انتظار کیے بغیر آج ہی اس کا نکاح کر دیا جائے۔" وہ بولتے بولتے رک گئیں۔

"اچھی بات ہے۔ وہ جہاں اس کی بات چل رہی تھی کیا فائنل ہو گیا؟"

"نہیں۔ ان سے ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ راتوں رات ہماری لڑکی سے نکاح کر لیں۔"

"پھر؟" ظہیر از حد سنجیدہ نظر آنے لگے۔ ان کی چھٹی حس اسپارک ہونے لگی۔

"اماں کا خیال ہے کہ تم۔"

"پھوپھو! بڑی اماں کو آل رائٹ ہی سب پتا ہے۔ مگر پھر بھی۔ بندہ کی کوئی کمٹ منٹ ہوتی ہے وہی اس کی قیمت کا تعین کرتی ہے۔ وہ انسان کی اپنی نظر میں بھی کوئی عزت ہوتی ہے۔"

"اس وقت "فرد" کی عزت کی نہیں، نسلوں، رشتوں کی عزت کا سوال ہے۔ اتنے سمجھدار ہو کر کیسی بچگانہ بات کر رہے ہو" سارو خفا ہو گئیں۔

"آپ اظہر بھائی یا مظاہر سے کیوں بات نہیں کرتیں۔ وہ تو کہیں بائنڈ نہیں ہیں۔"

ظہیر کا انداز بالکل واضح اور دوٹوک تھا۔

"وہ جانے کون کون سی دلہنیں لے آتے ہیں۔ ان دونوں سے اماں مایوس ہیں۔"

"پھوپھو! میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس طرح کے زبردستی کے بندھن ایک مسلسل سزا ہوتے ہیں۔ اس میں فائدہ ایک نہیں اور نقصانات بے شمار ہوتے ہیں"

انہوں نے بہت سکون سے سمجھانے کی کوشش کی۔

گھر میں بکری باندھتے ہیں تو اس سے بھی انسیت ہو جاتی ہے۔ جب تعلق قائم ہو جاتا ہے تو گنجائش بھی نکل آتی ہے۔ تم ذرا ان ہمدردی سے سوچ لو۔"

"آئی ایم سوری پھوپھو! میں کمٹڈ ہوں۔

اور پھر یہ کیا سوچ لیا ہے آپ لوگوں نے کہ نکاح ہو جانے سے اس کو کوئی خاص قسم کی سیفٹی مل جائے گی؟ آپ اگر مائنڈ نہ کریں تو ایک بات کلیئر کر دوں۔ وہ اتنی آسانی سے ہار نہیں مانے گا۔ ماہ نور کا نکاح کسی بھی اکیس والی زد سے ہوتا ہے۔ اس کے لیے بھی مصیبت ہی مصیبت ہو گی۔

میں نے ہمیشہ اسے اپنی چھوٹی بہن ہی سمجھا ہے۔ میرے نزدیک اس کے مفادات کی بہت اہمیت ہے۔ لیکن میں تو آپ کو توجہ اس پوائنٹ کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ اس مسئلے کا جو حل آپ لوگوں نے سوچا ہے۔ یہ حل نہیں ہے خود فریبی ہے۔ یہ مسئلہ کھلی بات چیت سے تو حل ہو سکتا ہے۔ کسی ٹیکنیک سے نہیں۔ کیونکہ وہ ہم سب سے زیادہ ٹرک و ٹیکنیک کا ماہر ہے۔

آپ ایک قانون شکن سے یہ امید کیوں رکھ رہی ہیں کہ وہ کسی کی منکوحہ کا احترام کرے گا۔"

ظہیر بہت جھلائے ہوئے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

سارا نے تو جیسے سر پیٹ لیا تھا۔

"حد ہے بھیا، ہم لوگوں سے بات نبھانے کے لیے کہاں کہاں سے دور کی کوڑیاں ڈھونڈ کر لے آئے ہوں۔"

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ مزید تعصبات کے فیصلے نہ کریں۔ جو حل آپ لوگ سوچ رہے ہیں۔ وہ حل خود ایک مسئلہ ہے۔ عمر بھر کی بات ہوتی ہے۔ کوئی کھیل نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے۔ اظہر بھائی اور مظاہر نے بھی یہی سوچا ہوگا۔ آپ بڑی اماں کو قائل کریں۔ یہ مسئلہ اس سے بات چیت کے ذریعے ہی حل ہوگا۔ بہت صبر اور برداشت سے کام لینا ہوگا۔"

"پھر بھی ایک شادی شدہ عورت کو اپنے مرد کا بہت سہارا ہوتا ہے۔ اس پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان کام نہیں ہوتا۔" سارا نے ایک اور دلیل دی۔

"میں نہیں سمجھتا جو انسان تمام اخلاقی تقاضے بالائے طاق رکھتے ہوئے کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا اس کے لیے شادی شدہ ہونے اور نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سیدھی سی بات ہے۔ کہ یہ حل ہی نہیں ہے" انہوں نے قطعی انداز میں کہا۔

"اس بے چاری کی سب سے بڑی خامی اس کی غربت ہے" سارہ نے جیسے دکھ سے کہا "اور آج کل کے لڑکوں کی اڑان بہت اونچی ہے۔ جو لڑکا جتنا قابل ہوتا ہے۔ وہ اتنا ہی زیادہ کسی بڑے آدمی کا داماد بننے کا خواہش مند ہوتا ہے۔"

سارہ نے گویا آخری کارڈ کھیلا۔

"[illegible] جس سے کہا ہے ہوں۔ ان کی پوزیشن عارفہ پھوپھو سے زیادہ کریٹیکل ہے۔ اس پر بہت ذمہ داری ہے اور [illegible] لیے میں انتظار کر رہا ہوں"۔

انہوں نے گویا سارہ کا کارڈ ضائع کر دیا۔

"اچھی بات یہی کہہ سکتی ہوں کہ بس اس کی قسمت ہی خراب ہے۔ اللہ اسے اس اندھیرے سے نکالے۔"

وہ ہارے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ظہیر [illegible] خیال میں کچھ کہنا بے کار تھا۔

مظاہر بڑی اماں کی تسبیح ختم ہونے ہی آ موجود ہوئے تھے۔

بڑی اماں کو پتا تھا وہ ان کے پاس بلا سبب نہیں آ بیٹھے ہیں۔ بہرحال وہ [illegible] نے تنگیں کریں، خود اپنی آمد کا مقصد [illegible]

"بڑی اماں! آپ نفیس خواجہ کو جانتی ہیں ناں؟" انہوں نے رسمی گفتگو [illegible] اصل بات [illegible] شروع کی۔

"ہاں۔ ابھی جن کے ساتھ تم کاروبار کر رہے ہو؟" بڑی اماں نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"جی وہی"۔

"ہوں تو کیا ہوا، خیریت سے تو ہیں ناں؟ [illegible] ان کھول کر جھانکا تاکی کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ اپنے بیٹے کے لیے ریا کا رشتہ چاہ رہے ہیں [illegible]

بڑی اماں ایک لمحے کو اپنی جگہ ساکت ہو گئیں۔ جمال ان کے پاس نظر آنے لگا۔

"کیا کرتا ہے ان کا بیٹا؟" وہ پوچھنے لگیں۔

"ایم بی اے کیا ہے اپنے والد کا بزنس سنبھالا ہوا ہے"۔ مظاہر نے جواب دیا۔

"عمر کیا ہوگی؟" بڑی اماں جانے کیوں بجھی بجھی نظر آنے لگیں۔

"نہیں ہے تو کم ہی ہے۔ جچتا ہے بالکل۔ نفیس خواجہ باقاعدہ رشتہ لے کر آنا چاہتے ہیں۔ آپ کی اجازت درکار ہے"۔

"صورت شکل تو اچھی ہے ناں"

اتنے مناسب رشتے کی موجودگی میں وہ جمال کے حق میں دلائل دینے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ جس کا وزن سرحد پار ہونے کے باعث پہلے ہی گھٹا ہوا تھا۔

"جی بہت زیادہ ہی اچھی ہے۔ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔ وہ دو مرتبہ یہاں آ چکا ہے مگر آپ سے ملاقات نہ ہو سکی"۔

"اچھی بات۔ بلا کوئی دن طے کر کے دیکھ لیتے ہیں مگر اس سے پہلے ان کے خاندان کے بارے میں اچھی طرح معلوم کر لو۔ اب خبروں میں باتیں آسانی سے تو چھپی نہیں رہ جاتی۔ صرف چہرہ ہونے سے بڑی نہیں بدل جاتی"۔

مظاہر نے ان کی بات بہت توجہ سے سنی۔

"بہتر" وہ اٹھنے لگے۔

"ماہ نور کی طبیعت کیسی ہے؟ میں نے اظہار کو فون کیا تھا وہ اسے دوبارہ چیک اپ کے لیے لے جائے۔ گیا تھا لے کر؟" وہ کھڑے ہو چکے تھے۔

"اچھی ہے۔ لے گیا تھا۔ ریا اور ظہیر بھی ساتھ گئے تھے" بڑی اماں جانے کیوں ہر دم خفا خفا سی نظر آنے لگی تھیں۔

"اتنے لوگوں کو جانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اکیلے لڑکے کے ساتھ باہر بھیجتے ہوئے مجھے تو ہول آتا ہے۔ تمہاری بات اور ہے میری بات اور ہے۔"

"آپ سب کو خوفزدہ ہونے کا شوق ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ زیر لب کہتے ہوئے باہر کی سمت بڑھے۔

"جو بے دھڑک گھر میں آ سکتا ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ تمہاری بہادری نے تو میری جان سولی پر لٹکا رکھی ہے۔"

مظاہر کے جانے کے بعد بڑی اماں بڑبڑا رہی تھیں۔

اسی لمحے ماہ نور ساتھ والے بیڈ روم سے لاؤنج میں آئی۔

"آ گئی بیٹی! نماز پڑھ لی؟ کیسی طبیعت ہے اب؟" بڑی اماں نے بہت محبت بھری نظروں سے اس کا سواگت کیا۔

"جی پڑھ لی"۔ وہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"آخر مظاہر کے جی کی ہو گئی۔ ابھی آیا تھا میرے پاس۔ ریا کے لیے بات کر رہا تھا۔ اس کے کوئی کاروباری دوست ہیں اپنے بیٹے کا رشتہ کرنا چاہ رہے ہیں ریا سے"

"اچھی بات ہے نانی امی! آپ بھی تو ریا کی شادی جلد سے جلد کرنا چاہ رہی ہیں" ماہ نور نے قدرے خوشگوار موڈ میں جواب دیا۔

"ہاں۔ وہ تو ٹھیک ہے۔ غیر لوگ ہیں۔ جان پہچان میں کچھ وقت تو لگے گا۔ یہ بھی تو دیکھنا ہوگا کہ لڑکا کس مزاج کا ہے۔ تمہیں تو اس لڑکی کا پتا ہے۔ اس کا نباہ ہر جگہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ لڑکا بہت سمجھدار اور دھیمے مزاج کا ہو تو اس کا گزارا ہو جائے گا۔ میں اسی لیے اپنوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ غیر پھر غیر ہی ہوتے ہیں۔ اپنوں میں محبت نہ ہو تو مروت تو ہوتی ہے۔ کوئی نہ کوئی گنجائش تو نکل آتی ہے۔ بہرحال دیکھ لیتے ہیں ان لوگوں کو مظاہر کی تو مراد پوری ہو رہی ہے۔ وہ تو اپنی بات منوانا چاہتے تھے۔ اچھے لوگ ہوئے تو

مجھے کیا اعتراض ہوگا۔ بیٹی تو پرائی ہی ہوتی ہے۔ آگے اس کا نصیب۔"

بڑی اماں نے گلوری بنا کر منہ میں رکھی۔

"اپنوں میں آپ کا خیال کس طرف ہے؟" ماہ نور نے محسوس کیا جیسے وہ خوش نہیں ہیں۔

"کسی کی طرف نہیں۔ میں تو اپنوں غیروں کا فرق بتا رہی تھی؟" وہ طرح دے گئیں۔

"کب آ رہے ہیں وہ لوگ؟" ماہ نور نے پوچھا۔

"پتا نہیں، یہ تو شاید ابھی طے نہیں ہوا۔"

"اللہ کرے اچھے لوگ ہوں۔ اچھا ہے میری زندگی میں اپنے گھر کی ہو جائے۔ کون سا اس کے ماں باپ آئیں گے اس کی فکر کرنے۔"

وہ یک دم ملول نظر آنے لگیں۔

مظاہر شاید دل سے اس رشتے پر رضامند تھے۔ انہوں نے اگلے ہی روز مسٹر اینڈ مسز خواجہ کو ڈنر پر انوائٹ کر لیا تھا مع سون اور سنی کے۔ تاکہ لگے ہاتھوں بر دکھوا بھی ہو جائے۔

بڑی اماں تو عام مہمانوں کی خاص مدارت کرتی نہیں۔ یہ تو پھر خاص مہمان تھے۔ وہ تین قسم کی تو سویٹ ڈش تیار کروا کر فریج میں رکھوا چکی تھیں۔ دوپہر بارہ بجے سے پہلے پہلے سارہ اور عارف کو بھی بلوا لیا تھا تاکہ وہ بھی لڑکا دیکھ لیں۔ اس قدر کی بھاگ دوڑ ریا کے لیے بے حد خوش کن تھی۔ رات کا مینیو سن کر اس نے کہا تھا۔

"آج تو رات بھی دیر سے ہو گی۔"

یہ تو اسے بتا دیا گیا تھا کہ مظاہر کے ملنے والے انوائٹ ہیں مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ کون لوگ ہیں۔ سو یہ اظہار کے منہ سے نکل گیا۔

"مجھے تو ریا کے دولہا سے زیادہ ریا کی ساس سے ملنے کا اشتیاق ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں مخالف ٹیم کتنی اسٹرانگ ہے۔"

تب ریا چڑ جانے کے لیے سنانے میں رہ گئی تھی۔

"ساس" مائی فٹ؟ میری کیوں ساس ہونے لگی۔ ہو گی آپ ہی کی ساس۔" وہ جھٹ پڑی تھی۔

"افسوس ان کی کوئی بیٹی نہیں ہے۔" اس نے شرارت سے کہا تھا۔

"گیٹ پار کرنے نہیں دوں گی۔ اگر کوئی اس ارادے سے گھر میں داخل ہوا۔" وہ جلا گئی۔

"تم باندھ کر لیٹ جاؤ گی گیٹ کے سامنے۔" بڑی اماں لاؤنج میں آ چکی تھیں۔

"تو آپ صاف ان دونوں کو سمجھا دیں میرے سامنے کوئی ساس واس کی بات کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"ہائیں۔ کیا بک رہی ہے؟ کون ساس کس کی ساس؟" بڑی اماں کا پارہ ہائی ہونے لگا۔

"وہ جو شام کو مہمان آ رہے ہیں ان کی مسز کو میری ساس پکار رہے ہیں۔ مجھے اس قسم کے مذاق پسند نہیں۔ آپ سمجھا لیجیے ان لوگوں کو۔"

وہ بری طرح کھول رہی تھی۔ وہ بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپا رہے تھے۔

"ساس کی بات کرنا کوئی بری بات نہیں۔ بہت ساری خواتین ساسیں رکھتی ہیں بلکہ بعض ساسیں تو بہت اچھی ہوتی ہیں۔ اپنی بہو کو بالکل بیٹی کی طرح ٹریٹ کرتی ہیں۔"

مظہر کی زبان پھر کھجلی ہوئی۔

"کیا ہوا ہے تم لوگوں کو جانے نہیں۔ ذرا جینا پانی ہے۔ یہ بنا بنایا جوڑا ہے گی ہمارا" بڑی اماں نے مظہر کو ڈانٹا۔

"ارے ایسے ہی مذاق کر رہے ہیں۔ وہ تو مظاہر کے کاروباری دوست ہیں۔ اب تمیز سے رہنا ان کے سامنے ورنہ مظاہر بہت خفا ہوگا۔"

بڑی اماں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی مظہر کو عینک کے عدسوں سے جم کر گھورا۔

"یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ ساس سسر کی باتیں دقیانوسی دور کی ہیں جب ہی پاکستان ابھی تک ترقی نہیں کر پایا۔ لوگ سسرال سے نکلیں تو دوسرے سیاروں کی خبر لائیں۔ ابھی تک برصغیر کے لوگ صرف گرم مسالے کے کھانے کھاتے ہیں اور ساس نندوں پر بے کار کی تحقیق کرتے ہیں۔ پتا نہیں کب ترقی کریں گے یہ لوگ؟"

ریا نے ناک چڑھا کر کہا اور بڑی اماں کے تخت پر بیٹھ گئی۔

"مرنی۔ ارے ہمیں کیا دوسرے سیاروں میں آدمی پیدا ہوتی ہے۔ با مولی بنے جاتے ہیں۔ اللہ نے ہمیں جہاں پیدا کیا ہے۔ ہم وہیں کے رہیں گے۔ جانے کیا واہی تباہی بکے جاتی ہے۔"

بڑی اماں اچنبھے سے باہر آتے ہی برس پڑیں۔

"کوئی بات نہیں۔ یہاں خواتین کے پاس بیٹھو ہر ساس بہو بن جائیں گی۔" ریا باز نہ آئی۔

"عورتیں پیدا ہی گھرداری کے لیے ہوتی ہیں۔ بڑی آئی کہیں سے سائنس داں۔ اسی لیے تو میں اسے زیادہ پڑھانے کے حق میں نہیں ہوں۔ ابھی سے یہ حال ہے زیادہ پڑھ گئی تو ہوائی جہاز چلاتی پھرے گی۔" بڑی اماں نے جل کر کہا۔

"یہی تو میں چاہتی ہوں۔ ہوائی جہاز نہ سہی ہیلی کاپٹر تو کم سے کم میرے پاس ہو۔ گاڑی میں تو بہت ٹائم ضائع ہوتا ہے۔" ریا نے رعنائی سے قہقہہ لگایا۔

"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کاش میں شاہین ہوتا۔ علامہ اقبال والا نہیں بیچ بیچ کا۔"

"بڑی اماں اس کا نام ریا شاہین رکھ دیں۔" اظہار نے مشورہ دیا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ "بیگم" یہ بننے ہی والی ہیں۔ شاہین مناسب رہے گا۔" مظہر نے فوراً اتفاق کیا۔ "اس کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔"

"کس کی بیگم بننے والی ہوں میں؟" وہ چیخ کر اٹھ بیٹھی۔

"آرام سے لڑکی! کیوں جامے سے نکلی جاتی ہے۔ یہ کوئی انسانوں والی بات۔" بڑی اماں نے ناگواری سے ٹوکا۔

"پھر آپ ان سے کہہ دیں۔ یہ بھی مجھ سے غیر اخلاقی گفتگو نہ کیا کریں۔ مائی فٹ بیگم۔"

اسی دوران اظہر بھی آ گئے تھے۔

"جھگڑا ہو رہا ہے۔"

"کچھ نہیں ہم تو آج کے ڈنر پر ڈسکس کر رہے تھے۔ کہ آج چکن فرائیڈ رائس کے ساتھ کوفتے بھی ہیں۔ چکن پاکستانی روسٹ کا یہ مثالی مظاہر بھر جو کا اور جا شہر سالار کے ساتھ مدعو ہوگا۔ فرائنکل ہے رنگ کی دال کا حلوہ ہے۔ کھیر ہے۔ کتنا خوش ہوں

کے مہمان۔ وہ سو شاید ہماری طرح بہت دنوں بعد اچھا کھانا کھائیں گے۔"

وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔

"یوں تو فاقے سے رہتی ہیں۔ کالج جانے سے پہلے بابا کو دیر کے لیے بلا بات لے کر چڑتی ہے۔ یہ بتا لیجیے گا وہ بتا لیجیے گا"۔

بڑی اماں بھی اس کی بدحواسی پر بے اختیار مسکرا دیں۔

"اتنا اہتمام کرنے کی کیا ضرورت تھی بڑی اماں؟"

انہوں نے دور بیٹھی ماہ نور پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی جو ان لوگوں کی نوک جھونک پر ابھی تک مسکرا رہی تھی۔

"مظاہر نے تاکید کی تھی کہہ دیا تھا۔ سون لو اس کا باپ تو خاصے سادہ مزاج ہیں مگر ان کی بیگم ہیں ساری باتیں بیگمات والی ہیں۔"

"ان کی اپنی سگی امی جو سادہ مزاج ہوں گی۔ اپنی امی پر گئے ہوں گے۔" دیبا ہانپ سے بولی۔

بڑی امی ہکا بکا اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"اس دن پارٹی میں انہوں نے مجھے بتا دیا تھا کہ یہ ان کی سگی امی نہیں ہیں"۔

دیبا نے لاابالی پن سے مزید مطلع کیا۔

"تمہیں بتایا تھا؟ بڑی اماں نے سٹپٹا کر پوچھا ماہ نور نے بھی اسے تعجب سے دیکھا۔

"میں اور دادا جان بھی موجود تھے۔" اظہار بڑی اماں کی الجھن سمجھ گیا اس نے فوری انہیں پرسکون کیا۔

"بڑی اماں! وہ تو ایک دم سے جوان لگتی ہیں۔ لگتا ہی نہیں کہ جوان بیٹیوں کی امی جان ہیں۔ سون صاحب کو تو پتا نہیں اچھی لگتی ہوں گی یا نہیں۔ ان کی تو اسٹیپ مدر ہیں۔ مگر مجھے تو بہت اچھی لگیں۔ کیا غضب کی ساڑھی پہنی تھی۔"

اظہار نے مظہر کو زبردست گدگدی ہونے لگی۔ مگر اظہر کی موجودگی کے سبب چپ رہا تھا۔ بڑی اماں ماہ نور کی طرف دیکھ کر بولیں

"جب میں کہوں" جب لانا اسٹینڈنگ روم میں اور دادا کی طرح سمجھا بجھا کر لانا۔"

بڑی اماں نے دیبا کو تاکید کے ضمن میں کہا۔

"اور تم دونوں جا کر کچن میں دیکھو۔ کوئی کمی بیشی تو نہیں۔ مجھے ذرا اظہر سے ضروری بات کرنا ہے۔"

وہ اپنا پاندان کھول کر پان بنانے لگیں۔

"کتنے دن ہو گئے چاند کا فون نہیں آیا۔ آج ذرا اس کا نمبر تو ملا دینا۔"

ماہ نور اور دیبا نے باہر نکلتے سنا۔ غالباً وہ اظہر سے مخاطب تھیں۔

ساجدہ، عادل اور ثمینہ شام سات بجے تک پہنچ گئی تھیں۔

ان کی آمد تو وا بعد ہی تھیں خواجہ اینڈ فیملی کی آمد ہوئی تھی۔ گھر میں عجیب چہل پہل نظر آنے لگی تھی۔ دیبا تو سنتے ہی باہر کی طرف بھاگنے لگی تھی مگر بڑی اماں نے اس کی لگام فوراً ہی کھینچ لی تھی۔ اور گھر کے دیا تھا۔

"آرام سے یہیں بیٹھو جب بلائیں تب آنا اور جب آجاؤ تو خاموش بیٹھنا۔ کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں۔"

انہوں نے تھوڑی دیر بعد اظہر کو اس کے پاس بھیج دیا تھا۔ تاکہ وہ اسے اونچ نیچ سمجھا دیں وہ تب تک سو رہے بیٹھی تھی کہ اظہر لاؤنج میں آگئے تھے۔

"مہمانوں کے سامنے کوئی غیر ضروری بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ تمہارے رشتے کے سلسلے میں آئے ہیں۔ کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس سے ہماری انسلٹ ہو۔ اب تم اتنی چھوٹی بھی نہیں ہو کہ ہماری بات نہ سمجھ سکو۔"

وہ اتنا کہہ کر واپس چلے گئے تھے۔ اور دیبا دم بخود بیٹھی رہ گئی۔ ہڑبڑا کر ماہ نور اور ثمینہ کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا فراڈ ہو رہا ہے میرے ساتھ؟" وہ جیسے چونک کر بولی تھی۔

"تمہیں تو سون اور اس کی والدہ بہت اچھی لگتی ہیں۔ ہم تمہاری شادی ان کے ہاں ہی کرنا چاہ رہے ہیں۔ انہوں نے تمہیں پسند کر لیا ہے۔ اب تو بس ہماری طرف سے جواب دیا جائے گا۔"

ماہ نور اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھی۔

"کس نے کہا ہے ان سب کو کہ میری شادی کریں۔ سارے سادے مجھ سے بڑے ایسے ہی بھرے ہیں۔ ان کو چھوڑ کر کوئی ان کی شادیاں کیوں نہیں کرتا۔ خود آرام سے رہیں گے۔ مجھے مصیبت میں ڈال رہے ہیں۔ میں ابھی جا کر ان لوگوں سے کہتی ہوں۔ برائے مہربانی یہاں سے تشریف لے جائیں ورنہ اچھا نہیں ہوگا"۔ وہ بھل بھل رو پڑی۔

"بے وقوف! ابھی کون سا شادی ہو رہی ہے۔ ابھی تو وہ لوگ رشتہ لے کر آئے ہیں۔ پہلے منگنی ہوگی پھر تمہاری عیدی آئے گی۔ شادی اس کے بعد ہوگی۔ کچھ وقت تو لگے گا"۔ ثمینہ نے اسے چھیڑا۔

"تمہیں اچھی لگتی ہیں یہ باتیں تو تم کروالو شادی"۔ وہ روتے روتے بولی۔

"مگر انہوں نے تو تمہیں پسند کیا ہے۔ ورنہ میں غور کرتی" ثمینہ ہنسی۔

"چلو اٹھو۔ منہ ہاتھ دھو کر چینج کر لو۔ کیا خبر سون کی ممی ادھر ہی آجائیں"۔

"میں نہیں دھوؤں گی منہ نہ کپڑے چینج کروں گی" وہ روتے روتے جھلائی۔

اسی لمحے مظاہر اندر آئے۔ اصل میں سب ہی کو اس سے خطرہ تھا کہ وہ کچھ کر نہ بیٹھے۔

"کیوں رو رہی ہے یہ؟" انہوں نے الجھ کر ماہ نور سے پوچھا۔

ماہ نور خاموش رہی۔

"منہ دھو کر ڈرائنگ روم میں آجاؤ"۔ ان کا انداز دو ٹوک اور حکمیہ تھا۔

"میں نہیں کروں گی شادی وادی"۔ وہ منمنائی انکار کا حوصلہ کر ہی لیا تھا۔

"ابھی کوئی شادی وادی نہیں ہو رہی۔ فضول باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ ماہ نور دیبا کو لے آؤ" وہ یہ کہہ کر پلٹ گئے

"میں نہیں جاؤں گی۔ چاہے کوئی مجھے شوٹ ہی کر دے۔ ہاں بس" وہ چنگھاڑی۔

"بری بات۔ ابھی کوئی شادی تھوڑا ہی ہو رہی ہے" ماہ نور نے اسے بہلایا۔

"مگر کرنے کا ارادہ تو ہے"۔ وہ چیخ کر بولی۔

"عجیب لڑکی ہو لڑکیاں تو بہت خوش ہوتی ہیں۔ تمہارا تو دولہا بھی اتنا پیارا ہے"۔ ثمینہ نے چھیڑا۔

"دولہا!" دیبا چلائی۔ "آپی اسے سمجھائیں۔ اسی کا دولہا بنا دیں انہیں۔ اسے بہت پسند آئے ہیں وہ"۔ وہ آنکھیں پونچھنے لگی۔

ماہ نور نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی۔

"مگر وہ تمہیں دلہن بنانا چاہتے ہیں مجھے نہیں" ثمینہ پھر ہنسی۔

"اچھا چلو اٹھو۔ شاباش۔ منہ ہاتھ دھو لو۔" ماہ نور نے اسے چمکارا۔

ریبا اپنی جگہ جمی بیٹھی رہی۔

"اظہار بھائی اور مظہر کو دیکھو جانے کہاں منہ چھپائے بیٹھے ہیں۔ چور کی داڑھی میں تنکا۔ پتا ہے ان کیا چیٹنگ کی ہے میرے ساتھ سب بتاؤں گا۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔

ماہ نور اور نسرین بے بسی سے اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد اظہر دوبارہ لاؤنج میں آ گئے۔

"تم ابھی تک اسی حالت میں بیٹھی ہو؟" وہ ناراضگی سے گویا ہوئے۔

"اچھی بات چلو اٹھو۔ اب اسی طرح چلو۔ بڑی اماں بلا رہی ہیں۔"

انہوں نے اس کا شانہ چھو کر کہا۔

ریبا کے رخساروں پر پھر آنسو پھسلنے لگے مگر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور ہتھیلیوں سے رخسار صاف کر رہی تھی۔

"ماہ نور، نسرین! تم لوگ بھی آؤ۔" اظہر نے پلٹ کر ان دونوں کو بھی بلایا۔

وہ تینوں اظہر کی تقلید میں چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔

سلام وجواب سلام کا مرحلہ طے ہوا۔ شاہانہ نے اٹھ کر ریبا کو اپنی بازوؤں میں تھام کر بوسہ دیا اپنے اور نفیس خواجہ کے درمیان بٹھا لیا۔

"کیسے ہیں بیٹا آپ؟" نفیس خواجہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اظہار شفقت کیا۔

"ٹھیک ہوں" اس نے مقابل [illegible] بڑے دکھ اور شکایت سے دیکھا تھا۔

"کالج پڑھ رہی ہیں آپ؟" نفیس خواجہ کو بچوں کے جیسے ہی میں بات کرنے کی عادت تھی۔

"جی!" اس کی آنکھوں میں اشک [illegible] ہو گئے۔ وہ سسکیاں بھر رہی تھی۔

سب اپنی جگہ پر جیسے جامد سے ہو گئے۔

"کیوں رو رہی ہو بیٹا؟" شاہانہ نے اسے اپنے بازوؤں میں لے کر گلے سے لگایا اور پیار سے پوچھا۔

صوان بہت حیرت سے شاہانہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ تو بڑا اجنبی سا انداز تھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"صوان تو [illegible]۔ دیکھو بیٹا کتنا پیارا گفٹ لائے ہیں ہم تمہارے لیے سنی نے کر دیا تھا سنگا پور سے میں نے بہت سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔"

انہوں نے ڈبہ کھول کر اسکے سامنے کیا گویا چھوٹے بچوں کی طرف سے بہلا رہی تھیں۔ ریبا نے ڈبے پر اچٹتی نگاہ ڈالی۔ ناچتے مور کی شکل کا لاکٹ ہیرے کی زنجیر میں پڑا تھا۔

"مجھے کس فارم کو کچھ [illegible] تو نہیں کر رہے پھر آپ یہ گفٹ کیوں لائی ہیں؟"

اس نے روتی ہوئی آواز میں قدرے بیزاری سے پوچھا۔

"جیسے سب ہی ہنس پڑے مگر نفیس خواجہ کا قہقہہ سب سے بلند تھا۔

"نائس گرل!" انہوں نے ریبا کا سر چھو کر کہا تھا۔ نیلی جینز اور عجیب سے ڈیزائن کی شرٹ میں ملبوس سب سے زیادہ حیرت سے سنی ریبا کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کے بعد صوان کو بھی دیکھ لیتا تھا۔

شاہانہ بھابھی اس کے آنسو پونچھ رہی تھیں۔ پھر وہ لاکٹ اس کے گلے میں ڈالنے لگیں۔ ریبا نے مزاحمت کی۔

"یہ آپ کیا تکلف کر رہی ہیں؟" بڑی اماں نے بھی ٹوکا۔

"پلیز آپ منع نہ کریں۔ اپنی بچی کو پہنا رہی ہوں۔ ہمارا دل رکھ لیں۔" انہوں نے لاکٹ پہنا کر اس کے رخسار پر بوسہ دیا۔

صوان نے پھر بہت حیرت سے شاہانہ کو دیکھا تھا۔ کتنی بدلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

"جب منگنی کرنے آئیں گے تو صوان خود انگوٹھی پہنائے گا۔ ہمیں امید ہے آپ کی طرف سے انکار نہیں ہو گا۔ ہم تو دیوانے ہو گئے ہیں ریبا کے۔"

انہوں نے ریبا کو گلے سے لگا کر کہا۔

"بالکل بالکل" نفیس خواجہ نے بیگم کی تائید کی۔

"میرا بڑا پوتا امریکہ میں ہے۔ ابھی اس سے بھی صلاح مشورہ کرنا ہو گا۔" بڑی اماں ان کی جلد بازی پر بڑی جز بز ہو رہی تھیں۔

"وہ تو ہونا ہے گا۔ ہم ہمیشہ اچھی امید سے رہنے والے لوگ ہیں۔"

شاہانہ نے مسکرا کر کہا۔ تو بڑی اماں سارہ اور عارفہ کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

"لگے ہاتھوں بس یہ بتا دیجیے آپ کو ہمارا بیٹا کیسا لگا؟" شاہانہ نے بڑی اماں سے سوال کیا۔ قریب تھا کہ صوان کو غش آ جاتا۔

"جیتا رہے۔ اللہ عمر دراز کرے۔ ماشاءاللہ۔" بڑی اماں نے صوان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بس آپ ہمیں زیادہ انتظار نہ کرائیے گا۔ یہ ہم اپنے ساتھ لائے ہیں یہ پڑھ لیجیے گا۔ اس میں سب تفصیل ہے ہمارے خاندان حسب نسب۔ بچے کے بارے میں تفصیل۔"

شاہانہ نے پرس سے ایک [illegible] لفافہ نکال کر بڑی اماں کو تھوڑا سا اپنی جگہ سے اٹھ کر تھما دیا۔

"اچھی بات۔" بڑی اماں کو ان کا رشتہ دینے کا انداز پسند آیا۔

ریبا نے منہ پھلا کر بے اختیار صوان کی طرف دیکھا تھا۔ سیاہ پینٹ اور کریم کلر کی شرٹ میں ملبوس صوان سنی ظاہر سے گفتگو میں مصروف تھے۔

"میں اپنے کمرے میں جاؤں؟" ریبا نے شاہانہ سے بہت روٹھے روٹھے انداز میں پوچھا تھا۔

اسے اپنے سامنے اپنے رشتے کی بات پر اور زیادہ تاؤ آ رہا تھا۔ جبکہ صوان بھی سامنے ہی بیٹھا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو ماہ نور اور نسرین بھی کھڑی ہو گئیں۔

"یہ دونوں میری نواسیاں ہیں۔ عارفہ کی بیٹیاں" بڑی اماں کو تعارف کا دھیان آیا۔

"ماشاءاللہ بڑی پیاری ہیں۔ کہاں رہتے ہیں آپ لوگ؟" شاہانہ نے عارفہ سے پوچھا۔

"کریم آباد۔" عارفہ نے جواب دیا۔ وہ شاہانہ سے سب سے زیادہ مرعوب نظر آ رہی تھیں۔

اب سارہ و عارفہ کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں۔

وہ تینوں بڑی اماں کے بیڈ روم میں چلی آئیں۔

پہلے ریبا نے وہ پیکٹ کھسوٹ کر بیڈ پر پھینکا۔ پھر گلے سے لاکٹ اتار کر ماہ نور کی طرف اچھال دیا۔

"بڑی اماں کو بھیجے گا۔" وہ ہنسنے لگی۔

"ارے رے۔ ابھی تو ہنس کر رکھو۔ کھانا نہیں کھاؤ گی ان کے ساتھ؟"

ماہ نور پریشان ہو گئی۔

"میں نہیں جاؤں گی اب کھانا وانا کھانے۔" وہ جھنجلائی۔

"مگر تم تو صبح سے انہی کا انتظار کر رہی تھیں۔" شمسہ نے شرارت سے کہا۔

"شمو! مجھے پریشان نہیں کرو۔ ورنہ میں چیخ چیخ کر رونے لگوں گا۔" اس نے گویا دھمکی دی۔

"ہائے! اتنے پیارے تو ہیں موں صاحب!" شمسہ نے معصومیت سے کہا۔

"تو کر لو خود ان سے شادی۔" وہ جھلائی۔

"لاحول ولا قوۃ!" شمسہ بری طرح جھینپ گئی۔ "عجیب لڑکی ہو تم۔"

"ادھر اس کی شادیوں میں تو بڑی خوشی خوشی شریک ہوتی ہو۔"

ماہ نور نے کہا اور لاکٹ اماں کی وارڈروب میں سنبھال کر رکھنے لگی۔

"آغا جان بہت زیادتی کر رہے ہیں میرے ساتھ خود تو کرتے نہیں ہیں۔ مجھے بھنسا رہے ہیں۔ میں کیریئر فل ہونا چاہتا ہوں وہ مجھ سے بڑی بی کے نخرے اٹھوانا چاہ رہے ہیں۔"

"بڑی بی! صبح تو تم جوان کہہ رہی تھیں" ماہ نور نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

"ساس تو ہوتی ہی بڑی بی ہے" اس نے ناک چڑھائی۔

ماہ نور اور شمسہ ہنس پڑیں "ساس"۔

"کتنا پسند کر رہے ہیں تمہیں۔ کتنی چاہ سے مانگ رہے ہیں"۔ ماہ نور نے گویا جھڑکی دی۔

"آپ کو بھی کوئی بہت چاہ سے مانگنا چاہیے" وہ بڑا امان کر بے سوچے سمجھے بولی۔

ماہ نور کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ شمسہ بھی دم بخود سی کھڑی رہ گئی۔

ان پر ہانڈیاں دھری تھیں۔ ماسی بھنائی کر رہی تھی۔ موں کی بڑ بڑ زبان چل رہی تھی۔ معاً اس نے زور سے ابکائی لی اور لاؤنج کی طرف بھاگی۔

کچن میں اس کے قے کرنے کی آواز صاف آ رہی تھی۔ وہ بری طرح قے کر رہی تھی۔

ماسی دہل کر رہ گئی تھی۔ برنر کی آنچ دھیمی کر کے وہ بھی باہر بھاگی۔

سفید چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

"کیا کھا لیا تھا؟" وہ اس کی پشت سہلانے لگی۔

موں نے بمشکل کلی کی اور گرنے کے انداز میں نیچے بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھام رکھا تھا۔

"ان لیموں نے تو میری جان نکال دی ہے" وہ نڈھال سی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"کب سے ہو رہے ہیں؟" ماسی پریشان ہو گئی۔

"صبح اٹھتے ہی شروع ہو جاتی ہیں" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔

"تو پہلے کیوں نہیں بولی۔ ڈاکٹر کے پاس لے جاتی۔ ابھی کھانا بنا لوں پھر چلتی ہوں لے کر" ماسی نل کھول کر بیسن صاف کرنے لگی۔

"کیا ہوا؟ کیسی آواز آ رہی ہے؟" شاہانہ نیچے آتے ہی پوچھنے لگیں۔

"الٹی ہو گئی ہے اسے" ماسی سنبھل کر بولی۔

"پتا نہیں کیا الٹا سیدھا کھا لیا ہو گا۔ ہزار مرتبہ کہا ہے۔ سنبھل کر کھایا کرو۔ ذرا دھیان سے" وہ ناگواری سے بولیں۔

"ڈاکٹر کو دکھا دینا اسے میں ذرا بازار تک جا رہی ہوں۔ ذرا دھیان رکھنا۔ پھر کچھ نہ کھا بیٹھے۔ ان لوگوں کا مسئلہ ہی یہ ہوتا ہے بھوک ہوتی ہے کہ دوزخ کی آگ"۔

وہ بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

شمسی چھٹی پر تھا۔ اس لیے ماسی کو دوسرے کام بھی نمٹانے پڑ رہے تھے۔

"تو ادھر صوفے پر جا کر لیٹ جا میں ابھی آتی ہوں۔ پانی پیے گی؟" وہ جاتے جاتے رکی۔

موں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ماسی کچن کا دروازہ بند کر دو۔ مجھے مسالے کی خوشبو سے ابکائی آنے لگی ہیں۔"

موں نے کمزوری آواز میں کہا۔

ماسی نے قدرے ٹھٹھک کر اسے دیکھا پھر جانے کیا سوچ کر آگے بڑھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ پانی لے کر آ گئی تھی۔ موں نے گلاس اس کے ہاتھ سے لیا اور غٹاغٹ چڑھا گئی۔

ماسی نے گلاس ٹیبل پر رکھا اور اسے سہارا دے کر اٹھایا۔

"چل تو یہاں لیٹ جا تب تک میں پودینے کا پانی لے کر آتی ہوں"۔

"پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔ جلدی جلدی بیمار پڑنے لگی ہے"۔ ماسی کی بڑبڑاہٹ وہ بخوبی سن رہی تھی۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔ صبح سے قے کر کر کے اس کی آنتیں اینٹھ گئی تھیں۔

جانے کب تک اسی طرح لیٹی رہی تھی۔

ماسی ایک کپ میں پودینے کا پانی لے کر آ گئی تھی۔

"لے اٹھ گھونٹ گھونٹ کر کے پی لے" اس نے اٹھنے میں موں کی مدد کی۔ سوکھے چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی تھی اور ہاتھوں میں کپکپاہٹ تھی۔

"جب آئی تھی تو کیسی کھلی ہوئی تھی۔ گھوڑے کی طرح بھاگی پھرتی تھی۔ جنے کیا ہو گیا ہے۔" ماسی نے بہت دکھ سے کہا تھا وہ بہت شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

"شمسی کے بھی بہت نخرے ہیں۔ سب سے زیادہ بھنبھناں کرتا ہے۔ صاحب اور بیگم بھی اسے کچھ نہیں کہتے۔ اگر بڑی بول کے اپنا الو سیدھا کر لیتا ہے۔ اب ہم غریب لوگ اگر بڑی تو بول نہیں سکتے۔" وہ ملول ہو رہی تھی۔

موں نے پانی پی کر اسے کپ واپس تھما دیا اور دوبارہ لیٹ گئی۔

"ذرا بوا کو بھیجتی ہوں اگر وہ فارغ ہو گی تو اس کے ساتھ بھیج دوں گی تجھے۔ ڈاکٹر کے وہاں بھی گھنٹوں لگ جاتے ہیں"

وہ کپ میز پر رکھ کر سرونٹ کوارٹر کی طرف نکل گئی۔

"تمہارے ساتھ کوئی آیا ہے؟" ڈاکٹر سومل سے مخاطب ہوا۔ اس نے سومل کی کلائی پر ابھی تک اپنی انگلیاں رکھی ہوئی تھیں
"جی کالو کی ماں کے ساتھ آئی ہوں"
"بلاؤ اسے"
ڈاکٹر کی جانے بلا کہ کون کالو کی ماں۔ اس کو تو کافی تھا کہ کوئی اس کے ساتھ ہے۔
"سومل باہر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئی تو زرینہ اس کے ہمراہ تھی۔ کالی چادر میں لپٹی تھوڑی پریشان۔
"یہ کیا لگتی ہے تمہاری؟" ڈاکٹر زرینہ سے پوچھ رہا تھا۔
"ہم جس کوٹھی میں رہتے ہیں وہاں ڈاکٹر صاحب! یہ بھی وہیں کام کرتی ہے۔ میرا مرد وہاں ڈرائیور ہے۔"
"اور اس کا مرد؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔
"جی اس کا؟ اس کا تو مرد نہیں ہے۔ شادی نہیں ہوئی اس کی ابھی"۔ زرینہ نے حیران پریشان کیفیت میں جواب دیا۔
ڈاکٹر نے اپنے فوکل گلاسز اتار کر ٹیبل پر رکھ دیے۔
"اس کے ماں باپ ہیں؟" نیا سوال ہوا۔
"جی ہیں۔ وہ گوٹھ میں رہتے ہیں، بہت غریب ہیں۔ اسی لیے ان دونوں بہنوں کو کوٹھی میں چھوڑ گئے ہیں کہ یہ یہاں کمائیں کھائیں گی اور ان کی تنخواہ سے وہ پیٹ بھریں گے"۔ زرینہ نے تفصیل سے جواب دیا۔
"کیا عمر ہے اس کی؟" ڈاکٹر کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور فکرمندی تھی۔
"تیرہ چودہ سال ہوگی۔ اس کی ماں تو بارہ سال بتاتی ہے۔ جب انہیں چھوڑنے آئی تھی تو بتا رہی تھی۔"
"کتنے دن ہو گئے ہیں انہیں کوٹھی میں؟" مزید سوال ہوا۔
"سات آٹھ مہینے تو ہو گئے ہوں گے"۔ وہ اندازے سے بتا رہی تھی۔
"تم باہر بیٹھو کیا نام ہے تمہارا؟" ڈاکٹر سومل سے کہہ رہا تھا۔
"سومل!" سومل نے نام بتایا اور باہر چلی گئی۔
"دیکھو بی بی یہ بچی امید سے ہے۔ شاید سات ماہ بعد یہ ایک بچے کی ماں بن جائے۔" ڈاکٹر نے زرینہ کو جیسے بہت افسوس کے ساتھ بتایا۔
"جی!" زرینہ پر تو جیسے چھت آ گری تھی۔
"جی ہاں" ڈاکٹر نے بھی خاص انداز سے کہا۔
"پر اس کی تو شادی نہیں ہوئی"۔ وہ ہکلانے لگی۔
"نان سینس۔ اب یہ تمہارا دردسر ہے۔ ہمارے ہاں کسی قسم کے غیر انسانی اور غیر قانونی کام نہیں ہوتے۔" ڈاکٹر نے آن کی آن میں آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔
زرینہ کی تو جیسے ٹانگیں مفلوج ہو گئی تھیں۔
"اب تم جاؤ۔ اسے کوئی بیماری نہیں ہے۔ ایک بات اور بتا دوں اس پر سو دو سو سال پرانے نسخے آزمانے سے پرہیز کرنا۔ یہ بہت کم عمر ہے۔ اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔"

زرینہ تو بس بجھی بجھی ہوئی تھی دیوار سے ٹیک لگی تھی اور آنکھیں بند تھیں۔
"چل سومل!" زرینہ نے بڑے دکھ اور بیزاری سے اسے متوجہ کیا۔
"دوائی لے لی؟" وہ چونک کر زرینہ سے پوچھنے لگی۔
"اسٹور کی دی ہے۔ ماسی تو دے گی"۔ زرینہ نے عجیب سے بے مہر انداز میں جواب دیا اور جانے کے لیے قدم بڑھا دیے
سومل اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

ماسی سکتے کی کیفیت میں سومل کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"پوچھ اس سے کس کا ہے؟" زرینہ ناراضگی سے سومل کو دیکھ کر ماسی سے مخاطب ہوئی۔
"کس در سے اٹھایا ہے یہ عذاب؟" زرینہ خود ہی پوچھنے لگی۔
سومل ٹکر ٹکر کبھی زرینہ کو کبھی ماسی کو دیکھنے لگی۔
"یہ تو کہیں آتی جاتی بھی نہیں باہر"۔ ماسی کانپتی آواز میں زرینہ کو بتا رہی تھی اس کا ذہن کسی کی طرف بار بار پلٹ رہا تھا
"کیا ہوا ہے تم دونوں کو کیسی باتیں کر رہی ہو مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا"۔ سومل نے پریشانی سے ان دونوں کو دیکھا تھا
"آ جائے گی سمجھ کرم جلی۔ تیرے ماں باپ تو جیتے مر گئے۔ بے حیا! کچھ ہوا تھا تو مجھے بتا دیا ہوتا"۔ ماسی جیسے پھٹ پڑی
"کیا بتاؤں۔ کیا پوچھ رہی ہو تم۔ ایک تو الٹیاں کر کر کے ویسے ہی میری جان نکل جا رہی ہے اوپر سے تم جانے کیا باتیں کر رہی ہو"۔ سومل جھلا گئی۔
"جان تو تیری نکلے گی نامراد۔ اب تو خود کو مرا ہوا ہی سمجھ"۔ ماسی نے بھی جل کر جواب دیا۔
"کیوں منہ لٹکا کر بیٹھی ہو۔ کیا مجھے کینسر ہو گیا ہے۔ پرسوں ڈرامے میں جب ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس کو کینسر ہے تو اس کے سارے گھر والے اسی طرح منہ لٹکا کر بیٹھ گئے تھے"۔
"تیرا عذاب تو کینسر سے بھی بڑا ہے۔ بیگم کو پتا چل گیا تو کمبخت تیری وجہ سے ہم سب کی چھٹی ہو جائے گی"۔ ماسی نے جیسے کڑھ کر کہا تھا۔
"اتنی لمبی چوڑی باتیں کیوں کر رہی ہے ماسی۔ پوچھ اس سے کہ کس کا ہے؟" زرینہ الجھی باتوں سے اکتا کر بولی۔
"تیرا اس گھر میں کس نے ہاتھ پکڑا تھا؟" ماسی نئے قرینے سے کھوجنے لگی۔
"کب؟" سومل نے خوفزدہ ہو کر ماسی کی شکل دیکھی۔
"کبھی بھی دو تین مہینے پہلے" زرینہ نے ٹکڑا لگایا۔
"کسی نے بھی نہیں" وہ نظر چرا کر کہہ رہی تھی۔
"نن صاحب نے یا شمسی نے؟" ماسی کو زیادہ شک سنی جی پر تھا کیوں کہ اسے یقین تھا کہ سنی صاحب نفرت کرتے ہیں۔
سومل یک دم خاموش ہو گئی۔
"بولتی کیوں نہیں؟ بیگم کو پتا چل گیا تو مار مار کر تیرا بھرکس نکال دے گی"۔
ماسی کو اس کی خاموشی نے مشتعل کر دیا۔
"سنی صاحب پکڑنے لگے تھے ایک مرتبہ میں بھاگ کر یہاں آ گئی تھی"۔ وہ کار کا سن کر جلدی سے بولی تھی۔

زرینہ اور ماسی نے قدرے تعجب سے ایک دوسری کو دیکھا۔

"پھر کسی نے؟" اس ماگر بڑے جسم کے نوجوان سے ماسی کو بات ہارے کے بیر تھے۔

"وہ تو بے چارہ بہت اچھا ہے۔ مجھے اس سے کبھی ڈر نہیں لگتا۔ میں کہتی ہوں کہ تم مجھے چاکلیٹ کیوں لا کر دیتے ہو تو کہتا ہے تم بے بی ہو تم بھی کھایا کرو اور دوسرے بچوں کو بھی دیا کرو"۔

"کبھی اس نے تیرا ہاتھ پکڑا؟" زرینہ کو اس کی طوطا مینا سے الجھن ہونے لگی۔

"ہاں۔ جس دن میرے ہاتھ جل گئے تھے۔ اس نے مرہم لگایا تھا۔ اور پٹی باندھی تھی"۔ وہ سادگی سے بتا رہی تھی۔

دونوں نے گویا سر ہی پیٹ لیے تھے۔ اور بے بسی سے اس کی صورت دیکھنے لگی تھی۔

"ماسی! یہ تو بالکل ہی بے وقوف ہے۔ یوں نہ بتائے گی۔ صاف صاف پوچھو اس سے"۔

زرینہ نے جھلا کر کہا۔

ماسی کسی سوچ میں پڑ گئی۔

"اچھا زرینہ تو اپنے کوارٹر میں جا میں پوچھتی ہوں اس سے"۔ ماسی نے کہا۔

"اتنا تو پوچھ لیا ہے۔ اب کیا پوچھتی ہی جاؤ گی؟" سول چڑ گئی۔ "ایک تو ویسے ہی میری طبیعت خراب ہے"۔

زرینہ اٹھ کر چلی گئی۔ ماسی کھسک کر سول کے نزدیک ہو گئی۔

اور سول کے کان میں کچھ بولی۔ سول یوں بدک کر پیچھے ہٹی گویا کرنٹ لگا ہو۔

وہ بری طرح خوفزدہ ہو کر ماسی کی شکل دیکھ رہی تھی۔ اسے ماسی کی رسائی پر تعجب تھا۔

"بولتی کیوں نہیں۔ کم بخت بولے گی نہیں تو پھنس جائے گی۔ رضیہ باؤ صیاں تو میں تجھے بہت دنوں سے دیکھ رہی تھی۔ مگر یہ کچھ تو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیتا تیرا خیال کرتی تھی مگر ہوا وہی جس سے ہول آتا تھا۔ وہ تو شکر ہے بیگم کو بھنک پڑ گئی تو بہت برا ہو گا"۔

"ایسا ذلیل کروں گی اسے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ تو ایک بار بول تو سہی"۔

سول کی خاموشی گویا اقرار تھی۔

"بے غیرت گود میں بچہ کھیلے گا تو سب اس کے باپ کا نام پوچھیں گے۔ جب کوئی تیرے باپ کا نام پوچھتا ہے تو تو بتاتی ہے کہ نہیں؟ تیرا بچہ کیا بتائے گا؟"

اب ماسی کی بد رشت جواب دے گئی تھی۔

"بچہ"۔ سول ایک ٹک ماسی کی صورت دیکھے جا رہی تھی۔

اسی لیے تیس خوبصورت پینٹ شرٹ کرکے لاؤنج میں آئے۔ انہوں نے سوٹنگ کی ہوئی تھی۔ قیمتی بریف کیس ان کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے پیچھے پیچھے سون بھی دکھائی دیا۔ راؤ سنگ کا کرتا ہاف شلوار ہاتھ میں لیدر کی فائل۔

سول کو دوری ابکائی آئی تھی۔ اور اٹھ کر بیسن کی طرف بھاگی تھی۔

"بھئی اس لڑکی کو کوارٹر میں لے جاؤ۔ اسے میٹنگ ہو رہی ہے۔ لاؤنج میں آسکیل آنے لگے گی"۔ تیس خواجہ نے ناگواری سے سول کی سمت دیکھا۔

"جی صاحب"۔ ماسی نے مؤدبانہ کہا۔

"اسے کوئی بیماری ہے، اخبر دار"۔

سون نے ایک اچٹتی نگاہ سے کراں سول پر ڈالی تھی۔

دونوں باپ بیٹا باہر نکلے تو ماسی پھر سول کی پشت پر جا کھڑی ہوئی۔

"ارے بتا دے۔ کس کی مصیبت ہے یہ۔ اگر اللہ مارے کہتی ہوں کسی طرح تجھے کو ٹھو چھوڑ آئے تو تیرے ماں باپ کا خیال آتا ہے"۔

"تو بتا دے گی تو تیری بہت بچت ہو جائے گی۔ پھر بیگم بھی تیری کچھ مدد کر سکتی ہیں کچھ پھوٹ تو سہی"۔

"دن چڑھ گئے اور تو سمجھے لے پھر کچھ نہیں ہو سکے گا۔ جان سے ماری جائے گی۔ تیرا باپ تجھے نہیں چھوڑے گا۔ پہلے تو سمجھ لے پھر کچھ نہیں ہو سکے گا۔ جان سے ماری جائے گی۔ تیرا باپ تجھے نہیں چھوڑے گا۔ پہلے تو بیگم ہی تیری ہڈیوں کا سرمہ بنا دیں گی"۔

ماسی اب جیسے منت کر رہی تھی۔

"بچہ! سول کے ذہن میں ابھی تک دھماکے ہو رہے تھے"۔

"بول سول!"۔

"خدا کے لیے ماسی میرا پیچھا چھوڑ دو۔ مجھے نہیں سمجھ میں آ رہی تمہاری باتیں"۔

ڈر کی ابھی بلکی سی آہٹ نے اسے بری طرح خوفزدہ کر دیا تھا۔

وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"اچھا چل۔ تو جا کر کوارٹر میں آرام کر میں کام نمٹا کر آتی ہوں ادھر"۔

ماسی کا دل بیٹھنے لگا۔ اس کی عمر معصومیت کر رہا سب کچھ اس کے بوڑھے شعور میں اترا ہوا تھا۔

"مت آنا میرے پاس پتا نہیں کیسی کیسی باتیں کر رہی ہو"۔ وہ جیسے پھٹ پڑی اور پھر سنبھال کر باہر نکل گئی۔ خوف سے اس کا دراں دراں بنا ہوا تھا۔

"معذرت ہے مجھے یہ طور طریقے بھائے نہیں۔ بتاؤ لڑکی بھی وہیں لڑکا بھی وہیں اور رشتہ دے رہی ہیں ہم تو ربیا کو ڈرائنگ روم میں لانے کے حق میں بھی نہیں تھی۔ مگر بظاہر کچھ بولی تو یہی جواب ملتا کہ یہ پچھلے زمانے کی دقیانوسی باتیں ہیں۔

"بہت اچھا بول رہی تھیں۔ مگر مجھے تو ذرا تیز مزاج کی لگیں۔ بس اللہ رحم کرے ہم پر ربیا کا اپنا مزاج تیز ہے۔ مانا لڑکا ہر طرح سے اچھا ہے۔ تعلیم سے صورت سے پیسے سے مگر لڑکے کے گھر والے بھی دیکھنا ہوتے ہیں"۔

بڑی اماں چھالیہ کترتے ہوئے ماہ نور سے دل کی باتیں کر رہی تھیں۔

"بس ذرا ماڈرن خاتون ہیں۔ آج کل کے زمانے میں سیدھا کون ہے نانی اماں"

ماہ نور کو در حقیقت ربیا کے لیے سون بہت پسند آیا تھا۔

"ان کے مزاج سے نہیں مجھے تو ربیا کے مزاج سے ڈر لگتا ہے۔ کل رو دو کر جان آدھی کر لی۔ پتا نہیں ان کے گھر جا کر کیا تماشا بنائے ہمارا"۔

"سون بہت دھیمے مزاج کا اور سلجھا ہوا محسوس ہوتا ہے وہ ہینڈل کر لے گا۔ اتنا تو سوچ ہی لے گا کہ ربیا کم عمر ہے"۔ ماہ نور نے گویا تسلی دی۔

"وہ تو خیر میں بھی سمجھ رہی ہوں۔ بظاہر تو خیر اپنی منوا کر رہے گا۔ بس یہی دعا ہے کہ اللہ نصیب اچھا کرے۔ ماں

ماہ نور بھی گویا اُدھر لو ہی اُٹھی تھی۔ ورنہ سنڈے تو سر پر تلوار کی طرح لٹک رہا تھا" اگلی بار چوٹ کی مارلگنا چاہیے کہ عقل ٹھکانے آجائے۔ نسلوں کی عزتیں جوتے کی نوک پر اچھالتا پھرتا ہے۔ حرام خور نہیں تو "بڑی اماں بڑبڑائیں۔

"چھوڑیں بھی بڑی اماں۔ اب بے چارے ماند تو ہو گئے ہیں" ۔ دیبا نے ترس کھاتے ہوئے گویا درخواست کی تھی۔

"اسے عارفہ کو کہلوا دو۔ اس کے لیے تو یہ خوشخبری ہے۔ سنے گی تو ہلکی ہو جائے گی۔" بڑی اماں کا باطنی طمانیت سے چہرہ جگمگا رہا تھا۔

"کیسی باتیں ویران کردی تھیں۔ موئی بلک نہیں لگتی تھی" ۔ وہ پھر گویا ہوئیں اس وقت تو دیبا کی الٹی سیدھی باتوں کا بھی وہ نوٹس نہیں لے رہی تھیں۔

ماہ نور کی چال پھرت میں عجیب قسم کی تیزی آگئی تھی۔

"اسے تو کیا اس نے تھانے سے فون کیا ہو گا؟" بڑی اماں کو نئی سوچ آئی۔

"جو لوگ اسٹینڈرڈ کے بدمعاش ہوتے ہیں۔ انہیں قانون ہر طرح کی سہولت دیتا ہے" ۔ دیبا نے اپنی دانست میں گویا معلومات میں اضافہ کیا۔

"پھر "اندر" کیوں لے کر جاتے ہیں۔ گرو کھلانے کے لیے؟" بڑی اماں کو غصہ آ گیا۔

"ان کو گور کھلانے کے لیے تو عالم جنا کی کی خدمات حاصل کرتا ہوں گی۔ کیوں آپی؟"

دیبا ہنس پڑی۔

"کل کتنا رو رہی تھی۔ آج بلبلی نہیں رک رہی" ماہ نور نے بھی خوشگوار موڈ میں اسے تنگ کیا۔

"اب کیا رہتا ہوں؟ عمر بھر ہی رونا ہے۔" وہ یک دم سنجیدہ ہو گئی۔

"تیرے منہ میں خاک" ۔ بڑی اماں کو اچانک دھیان آیا۔

"وہ میں نے آپ کی وارڈ روب کی دراز میں ڈال دیا ہے" ۔ اس نے واقعی جھٹک دیا تھا۔

ماہ نور نے جواب دیا۔

"ذرا لے کر آنا۔ دیکھوں تو" بڑی اماں اس وقت ترنگ میں آ گئی تھیں۔

"صرف دیکھیے نہیں۔ پہن بھی لیجیے۔ میں تو پہنوں گا نہیں" ۔ دیبا آف موڈ میں باہر نکل گئی۔

"بے کری اس کی کل سیدھی۔ بڑی اماں کا موڈ پھر خراب ہو چکا تھا۔

"اس کے تے نہیں رکی۔ کیا دوا نہیں کھائی اس نے؟" شاہانہ بلیو ساڑھی اور ہاونی سینڈل اب میں کہیں جانے کو بالکل تیار تھیں۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ وہ فون کرنے کے ارادے سے فون سیٹ کی طرف بڑھیں تو سوئل کی ابکائیوں نے قدم روک لیے۔

"اسی طرح وومیٹنگ ہوتی رہی تو آج رات میں کچھ ہو جائے گا" ۔

"ماسی! ایدابد میں چوہدری صاحب کی بہو ہوں گی۔ آج سنڈے ہے وہ آف ہوتی ہیں دیکھ کر آؤ۔ کسی ایمرجنسی میں میں ہاسپٹل میں تو نہیں ہیں؟ اگر گھر میں ہوں تو ساتھ لے آنا۔ دیکھو اس کا حال۔ وہیں بیسن کے پاس لیٹ گئی ہے۔ یہ گلے پڑتی لگ رہی ہے" ۔ وہ قدرے تشویش سے ماسی سے مخاطب ہوئیں۔

باہر نکلتے وقت ماسی کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اللہ اس جان پر رحم کرے۔

"پتا نہیں کیا کیا کھا لیتے ہیں یہ لوگ" ۔ وہ بڑبڑاتیں اور صوفے پر بیٹھ کر فون ڈائل کرنے لگیں۔

اسی لمحے سنی سیٹی پر ایک شوخ دھن بجاتا لاؤنج میں داخل ہوا۔

"تھاٹسک۔ زبردست۔ کہاں کی تیاری ہے ممی! وہ آگے بڑھتے بڑھتے رک گیا۔

"مسز منہاس کے ہاں پارٹی ہے۔ چل رہے ہو؟ تمہارے ڈیڈی لیٹ آتے ہیں۔ تیار ہو رہے ہیں۔ اتنا ٹائم ہے تم تیار ہو سکتے ہو۔ ان کی وائف نے تم دونوں کو سنی دھرون کو اسپیشل انوائیٹ کیا تھا۔ مگر نہ تمہارا چھوٹا ساون کی کوئی خبر ہے ابھی تک اپنے کمرے میں ہے یا" ۔

"یہ یہاں اس طرح کیوں لیٹی ہے؟" وہ پھر آگے بڑھتے بڑھتے رک گیا اور حیرت سے سوئل کو دیکھنے لگا۔

"شاید فوڈ پوائزن ہو گیا ہے۔ صبح سے وومیٹنگ ہو رہی ہے۔ جو سامنے آ جاتا ہے کھا لیتے ہیں یہ لوگ" ۔ وہ ناگواری سے کہہ رہی تھی۔

"اس طرح لیٹیے اس کی وومیٹنگ رک جائے گی۔ اللہ یاد سے کہیں اس کو ڈاکٹر کو دکھائے" ۔

وہ بہ کوئی تھی ماسی سے لے کر مگر کسی کو فرق نہیں پڑا۔ ثریا کو بلوایا ہے ماسی گئی ہوئی ہے۔ بلانے اس سے تو کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا۔ گود میں اٹھا کر کون لے جائے گا۔ اپنے ڈیڈی کو ٹاک کر دینا۔ دیر ہو رہی ہے۔" انہوں نے سنی کو اپرو جاتا دیکھ کر کہا اور دوبارہ ڈائل کرنے لگیں۔

ماسی کو گئے ہوئے دس منٹ سے زیادہ ہو رہے تھے۔ سوئل آنکھوں پر بازو رکھے یوں لیٹی تھی گویا وہ دنیا سے بیچ رہی ہو۔ خوف سے وہ تقریباً نچڑ ہی چکی تھی۔ ماں کی بوجھ بڑتال نے اس کی ساری توانائیاں نچوڑ دی تھیں۔ شاہانہ کی موجودگی اسے یوں لگ رہی تھی جیسے سر پر تا قابل برداشت وزن رکھا ہو۔

آخر ماسی ڈاکٹر ثریا کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئی۔

سلام دعا کا تبادلہ ہوا۔

"یہ۔ ماڈ مرے میری اس کی وومیٹنگ نہیں رک رہی۔ مجھے لگتا ہے فوڈ پوائزن ہو گیا ہے" ۔

"بے بی ادھر صوفے پر آ کر لیٹ جاؤ" ثریا نے سوئل کو مخاطب کیا۔

ماسی نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ اس کی اپنی ٹانگیں بری طرح کانپ رہی تھی۔ اس کی جی چاہ رہا تھا شاہانہ فوراً منظر سے ہٹ جائیں۔

لاؤنج میں گویا کوئی عفریت منڈلا رہا تھا کہ اندھیرا سا چھانے لگا تھا۔

ثریا نے اس کی نبض دیکھی۔ سانس چیک کی۔ دل کی دھڑکن نوٹ کی پھر اس کا بی پی چیک کیا۔ جو خطرناک حد تک لو تھا۔ ان کے ماتھے پر شکنیں ابھر چکی تھیں۔

"میرا خیال ہے اس کی عمر بہت کم ہے۔ اوئی میرڈ؟" وہ پلٹ کر شاہانہ سے پوچھ رہی تھی۔

شاہانہ بری طرح چونک کر ثریا کی صورت تکنے لگیں۔

"نہیں بھی۔ ابھی تو اس بدعقل کو اپنا پتا نہیں ہے۔" وہ الجھ کر کہہ رہی تھیں۔

ثریا سیدھی ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ایک گہری سوچ کی چھاپ اتر آئی تھی۔

وہ اپنا بیگ بند کر کے شاہانہ کے نزدیک چلی آئی۔

"کب سے ہے یہ آپ کے پاس آئی؟"

تقریباً نو دس مہینے ہو گئے؟ شاہانہ بہت الجھ رہی تھیں۔

"جی اس اسے پریگنینٹ۔ تقریباً ڈھائی تین ماہ کی پریگنینسی ہے اسے"۔

ثریا بہت افسوس کے ساتھ مطلع کر رہی تھی۔

"شاہانہ کی تو گویا آنکھیں مطلوج ہو گئی تھیں۔ ڈھائی تین ماہ؟" وہ حیرت سے ثریا کی صورت دیکھ رہی تھیں۔

"جی۔ ابھی اسے وومٹنگ رہے گی کچھ دن یہی پرابلم ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے میں ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے یہ ابارشن بھی نہیں کر سکتی کہ آپ اس کی ذات کا خیال کریں اس کا بی پی بہت لو ہے۔ اگر اس کی یہی حالت رہی تو یہ ڈلیوری افورڈ نہیں کر سکے گی۔ ایک بار ہو سکتی ہے۔ عمر بھی کم ہے اور ویک بھی بہت ہے۔" ثریا اسٹیتھو اسکوپ سے کھیلتے ہوئے دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی اور شاہانہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بس اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

ماسی کے سارے جسم پر لرزہ چڑھ رہا تھا۔ مومل البتہ غنودگی کی کیفیت میں پہنچ چکی تھی۔

آپ کہیں تو بی پی مین ٹین کے لیے کوئی دوا لکھ دوں؟" وہ شاہانہ کی کیفیت سے نظر چرا اجازت مانگ رہی تھی۔ افسوس تو اس کے اپنے چہرے پر بھی نقش تھا۔

"ہوں"۔ شاہانہ نے بمشکل ہنکارا بھرا۔

ثریا ان کے پہلو میں بیٹھ گئی اور بیگ سے پیڈ اور پین نکال کر لکھنے لگی۔

اسی دوران نفیس خواجہ تیار ہو کر نیچے آ چکے تھے۔

"کیا پرابلم ہے؟" وہ چونک پڑے۔ لاؤنج میں چار چار ڈی نفوس موجود تھے اور وحشتناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔

"السلام علیکم انکل"۔ ثریا نے نفیس خواجہ کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا! کیا ہوا اسے؟" وہ سلام کا جواب دے کر شاہانہ سے مومل کی بابت دریافت کرنے لگے۔

"کچھ نہیں۔ ویسے ہی کچھ وومٹنگ وغیرہ ہو گئی تھی۔ آپ چلیں گاڑی میں بیٹھیں میں آتی ہوں" ان کی قوت گویائی ذرا کمزور ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہے ماسی اس کا خیال رکھو سپیڈلیسن وغیرہ دو اسے" وہ رکی سے انداز میں کہہ کر باہر نکل گئے۔

"میں چلتی ہوں آنٹی!" ثریا بیگ بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھیک ہے ثریا!" شاہانہ بدقت مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"یو ویلکم آنٹی؟" ثریا نے ان کے شانے پر بہت ہمدردانہ انداز میں ہاتھ رکھ کر کہا۔ پھر ماسی کی طرف پلٹی

"ماسی! اس کی کیئر کرو۔ خدا حافظ آنٹی"۔ وہ شاہانہ کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گئی۔

شاہانہ نے ماسی کی طرف دیکھا۔

"تم نے تو بال دھوپ میں سفید کیے ہیں۔ غالباً۔ وہ تین مہینے کا پیٹ اٹھائے پھر رہی ہے مگر تمہاری آنکھوں میں سوتا اترا ہوا ہے"۔ وہ پھنکاریں۔

ماسی خاموش کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"عمرو کیجو اس کی لوز حرکتیں دیکھو۔ اس کے تو جوڑ کا بھی نہیں ہے۔ کوئی کوٹھی میں پوچھو اس سے کہاں سے لائی ہے یہ

آگ اٹھا کر؟"

ماسی اسی طرح خاموش کھڑی رہی۔

"کوئی ضرورت نہیں اسے کوئی دوا دینے کی۔ مرنے دو۔ ایسی لڑکیوں کو تو یوں بھی مر جانا چاہیے۔ مصیبتیں پھیلانے کے لیے نئی روحیں دنیا میں لائیں اس سے بہتر ہے مر جائیں۔

ورنہ اس کی عمرو کیجو اور اس کے حوصلے دیکھو۔

اللہ یار کو بلا کر ساری صورت حال سمجھاؤ۔ اور اسے کہو اسے فوراً گھر چھوڑ آئے۔ اس کی بہن کو بھی۔

"میں ناک سے لکیر کھینچتی ہوں آئندہ کسی لڑکی کو اس کوٹھی میں کام نہیں ملے گا۔ تو یہ پیٹ میں روٹی نہیں اور ہری ہری سوجھتی ہے۔" انہوں نے نفرت سے مومل کی طرف دیکھا۔

"اس سے پوچھ کر رکھو۔ کون ہے اس بچے کا ذمہ دار؟ مجھے زیادہ غصہ آ گیا تو اس کے حق میں بہت برا ہوگا۔ اس معاملے میں تمہاری ذمہ داری بھی ہے۔ یہ تمہاری آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کیسے کامیاب ہوئی۔ سبکی کی بات ہے۔ میری غیر موجودگی میں تو بھی سیر سپاٹوں کو نکل جاتی ہو گی۔ خود تو ساری پولیس نکل گئی ہے۔ اپنے آپ کو بھی یہاں کی ملازمت سے فارغ سمجھو۔

"مجھے تو اس حبشی ہی پر شک ہے۔" وہ بڑبڑائیں۔

"لوگوں کو پیٹ بھر کھانے کو ملے تو نئی ہی سوجھنے لگتی ہے" وہ حقارت سے کہہ کر باہر نکل گئیں۔

مون نے دوسرے اسٹیپ پر پاؤں رکھتے ہی کچھ سن لیا تھا۔

شاہانہ باہر نکل چکی تھیں۔ مگر وہ خود ابھی زینے کے اوپری حصے پر موجود تھا۔

﴿☆﴾

مون صرف چند لمحوں کے لیے اپنی جگہ پر ساکت ہوا تھا۔ پھر فوراً ہی حواسوں میں واپس آ کر زینے کی سمت بڑھ گیا تھا اپنے کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کیا۔ جھنجھلا جا رہا تھا اسے ہی آن کر دیا اور اپنی شرٹ اتارنے لگا۔ ذہن میں شدید قسم کے دھماکے ہو رہے تھے۔ اس نے کئی بار سر کو یوں جھٹکا جیسے خود کو یہ باور کراتا چاہ رہا ہو کہ وہ واقعی جاگ رہا ہے۔ کسی بھیانک خواب کے عمل میں نہیں ہے۔ شرٹ اتار کر اس نے بستر پر پھینک دی تھی اور اے سی کے بالکل نزدیک جا کر کھڑا ہو گیا تھا اندر کوئی آگ دہکنے لگی تھی جس کو ٹھنڈا کرنا چاہ رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے۔ کیا کہہ رہی تھیں ممی۔ نان سینس"

وہ یکدم کسی دھیان سے باہر آ کر وارڈ روب سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں چلا گیا۔ وہ ریگ شاور لینے کے بعد جب باہر آیا تو ماسی کا دروازہ بجا رہی تھی۔ اس نے ہاتھ گاؤن کی بیلٹ باندھ کر جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

"کیا پرابلم ہے؟" اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"صاحب۔ وہ مر جائے گی۔ بیگم صاحب کے ارادے خطرناک لگ رہے ہیں۔ وہ واپس آ کر اس کی جان لے لیں گی۔ اگر آپ کہیں جا رہے ہیں تو جلدی آ جائیے گا۔ میرا تو دل کانپ رہا ہے۔ اللہ یار کوٹھی میں نہیں ہے۔ ورنہ میں دونوں کو ابھی گھر بھجوا دیتی"۔

"کیوں مار دیں گی وہ اسے جان سے۔ ماسی کیا ٹوٹ گیا ہے؟ یا جل گیا ہے؟" وہ بڑی بیزاری سے ہمکلام ہوا۔

"اب تو وہ پگلی اس کا نصیب پھوٹ گیا ہے"۔

صبا! آپ یقین کریں۔ آج ضرور کچھ نہ کچھ ہوگا۔ اس اندھیرے میں مجھے کچھ نہیں سوجھ رہا۔ سوائے اس کے کہ میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر عرض کروں کہ اسے کسی طرح گھر بھجوا دیں۔ اس گھر میں صرف آپ ہی ہیں جس سے کچھ ہمدردی کی امید کی جا سکتی ہے۔ جوں جوں سوئی آگے سرک رہی ہے میرا دل ڈوب رہا ہے"۔ ماسی ہانپتی ہوئی آس بھری نگاہوں سے اس کی سمت اُمڈ رہی تھی۔

"تو تم کیوں بن رہی ہیں ان کی جان کی آفت؟" اس نے انجان بن کر برش اٹھا کر اپنے بالوں میں چلاتے ہوئے سوال کیا۔

"اب کیا بتاؤں صاحب۔ بات اتنی بڑھا ہے کہ زبان سے نکلتی نہیں۔ بس یوں سمجھئے ظلم کی انتہا ہو گئی ہے"۔ ماسی جز بز سی ہو کر بولی۔

"اولاد تو انسان کا اپنا جسم ہی ہوتی ہے۔ اتنی قیمتی ہوتی ہے کہ اللہ بھی بعض اوقات اسی کے ذریعے آزمائش کرتا ہے۔ مال اور اولاد یہی تو انسان کی کل کہانی ہے۔ پتا نہیں کیسے لوگ ہوتے ہیں۔ ہائے ہائے بے نام و نشان اولاد ٹھوکریں کھانے کو دنیا میں چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نیچے جا رہی ہوں صاحب۔ آپ ذرا مجبوروں کا خیال کیجئے۔ یہ مشکل وقت ہے بے چاری پر۔"

ماسی کو بولتے بولتے اپنی حد اور سوتن کی عمر اور غیر شادی شدہ حیثیت کا خیال آیا تو اپنی زبان خود ہی روک لیا اور فورا واپس پلٹ گئی۔

ایک پتھر وہ اس کی ذات کے تالاب میں پھینک گئی تھی۔ اور وہ تفکر کی لہروں کے دائرے میں پھنس رہ گئے تھے۔

"ہمارے وقتوں میں لوگ مہینوں جوتے گھسانے کے بعد بھی فکرمند ہوتے تھے کہ پتا نہیں۔ لڑکے والوں کی طرف سے ہاں ہو گی یا ناں۔ اچھے نخروں سے بیٹی کی چاند سی بیٹی والوں کی جان ہانپی ہو جاتی تھی اور اب لڑکے والے آتے ہیں تو بیٹی دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ زندگی کا پتا نہیں ہم... آگے ہی ہاں ہو جاتی ہے بتاؤ بھلا فوراً ہی ہاں۔ بچی ان کے گلے میں ڈال گئی جیسے انہیں پہلے سے یقین ہو کہ ہم انہیں بچی کر دیں گے... انسانوں کو کچھ تو رکھ رکھاؤ سے کام لینا چاہیے۔ اب اتنا تو مجھے پوچھتے رہتے چیا تو بیٹا ابھی پسند کر رہا ہے۔ ان کے سرپرست بزرگ موجود ہیں کہ نہیں۔ ان رشتے داروں کا کیسا کیسا ہے۔ اور کے کتنے چپا قریب کے کتنے ہیں؟"

"دنیا بہت فاسٹ جا رہی ہے۔ بڑی اماں! اب پتھر گھسنے کی کسی کو فرصت نہیں۔ ہمارے ہاں تو ابھی بھی خاصا ٹائم ضائع کرنے کی عادت ہے۔ باقی دنیا میں تو لڑکا لڑکی شادی کرنے کا فیصلہ کرتے ہی رجسٹریشن کرانے چلے جاتے ہیں اور والدین کو فون پر مطلع کر دیتے ہیں کہ ہم نے شادی کر لی ہے۔ اگلے دن کی صبح کو اپنے اپنے آفس چلے جاتے ہیں۔ کس قدر وقت کی قدر کرتے ہیں۔ یہاں تو لیٹ ہوتا ہے تو مہمان تین چار گھنٹے صرف کولڈ ڈرنک کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ قیمتی وقت برباد ہو گیا"۔ اظہار نے بڑی اماں کو فقرے کے جواب میں دو گنا زیادہ تقریر کی۔

"اے بتاؤ۔ انہی چھوٹی چھوٹی باتوں میں تو زندگی کے رنگ ہیں۔ شادی بیاہ کوئی روز روز کی باتیں ہیں جو بڑی ہوتی ہیں وقت سنبھالنے کے لیے۔ نہ جانے کدھر بھاگی جا رہی ہے دنیا۔ بھاگنے والوں کو پتا نہیں کہ کدھر جا رہے ہیں"۔ بڑی اماں سلگ کر رہ گئیں۔

"وقت کی قدر کرنا چاہیے بڑی اماں۔ زندگی بڑی مختصر ہوتی ہے"۔ مظاہر نے بھی سمجھایا۔

"اے خاندان ملتے ہیں تو ناحسب نسب شرماتا ہوا ہے۔ حسب نسب سے نسلیں نکھرتی ہیں۔ زندگی میں خوبصورتی اور

سہولت آتی ہیں۔ ذہنی انتہا میں روشنی ہوتی ہے۔ تم بچوں کی سمجھ میں نہیں آئیں گی یہ باتیں۔ انسان وقت سے زیادہ اہم ہے۔ رکھ رکھاؤ سے انسان کی حیثیت مضبوط ہوتی ہے۔ پہلی ملاقات میں اتنا قیمتی تحفہ دینے کا مطلب تو یہ ہے کہ جیسے زبردستی اپنی مرضی سے فیصلہ چاہتا۔ ہماری طرف سے پہلے ہاں کا انتظار کرتیں ہاں ہو جاتی تو جو مرضی تحفہ اپنی بہو کو دیتیں۔"

بڑی اماں کی وضع داری پر چوٹ پڑی تھی۔ اس دن سے سوچ سوچ کر کڑھ رہی تھیں۔ آج جیسے ہی وقت جواب دے گئی تھی۔ یوں بھی دل میں تو جمال کو جگہ دے چکی تھیں۔

"بڑی اماں! اکا جان نے بھی تو اپنے رویے سے انہیں خوش فہمی میں مبتلا کیا ہوگا۔ انہوں نے بھی تو اندازہ کر لیا ہوگا کہ اکان جان ان کی فیملی کو پسند کرتے ہیں"۔

"ہاں ہاں۔ یہی بات ہوئی ہوگی۔ اتنے آرام سے بیٹی دے دو تو بیٹی کی وقت وقعت نہیں رہتی جو سسرال میں ہونا چاہیے"۔ بڑی اماں نے بات ختم بھی کی اور اضافہ بھی۔

"یہ پرانے زمانے کی باتیں ہیں۔ آج کل ان باتوں کی پروا نہیں کی جاتی۔ ہماری ربیا میں کوئی کمی نہیں ہے۔ یہ وہ بھی دیکھ رہے ہیں"۔ مظہر نے کہا۔

"خیر ہونا تو وہی ہے جو کہ اللہ کی مرضی۔ اب تو جو ہونا تھا وہ ہو چکا"۔ انہوں نے کو بانگ آ کر خود یہ بات سمیٹی۔

"پھر شادی کا کب تک ارادہ ہے؟ آپ کو تو تیاریوں کمل پہ بھی وقت چاہیے۔ ایک ایک رسم کے لیے ایک ایک مہینے کی تیاری۔ اگر جو انہوں نے ایمرجنسی ڈیٹ مانگ لی تو آپ کیا کریں گی"۔

آج اظہار بڑی فرصت میں بات کر رہا تھا۔

"ایمرجنسی۔ خدا نخواستہ تو نہیں چلنے والی ہیں۔ شادی ہم اپنے حساب اپنے طور پر طریقوں سے کریں گے۔ ایمرجنسی میں چاہیے تو کوئی اور گھر دیکھ لیں۔ اپنے ہاں۔ ایک ہی بچی ہماری۔ سو ارمان ہیں۔ ہمارے دل میں"۔ بڑی اماں نے بڑا مانے کے انداز میں کہا۔

"صرف سو؟" مظہر نے تعجب سے پوچھا۔ "آپ کا دل تو ارمانوں بھرا خزانہ ہے۔ پوتوں کی شادی کا ارمان۔ ربیا کی شادی کا ارمان۔ پھر داستان جانے کا ارمان۔ سب پوتوں کے سات سات بیٹوں کو کھلانے کا ارمان۔ پھر ان سات سات بیٹوں کو بھی سہرا باندھنے کا ارمان۔"

"بکتے چلا جا رہا ہے۔ یہاں میں قیامت کے بوریے بیٹھے کی جتنی زندگی ہے بس ربیا کی شادی ہو جائے پھر ایک اور حج کرنے کا ارمان ہے۔ اس کے بعد پھر اللہ چلتے ہاتھ پیروں اپنے پاس بلا لے۔"

"چھوڑیں بڑی اماں۔ حج کے بعد آپ کو پھر ارمان آ جائے گا۔ آپ پھر مہلت مانگ لیں گی۔

باغِ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں

کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر

مظہر نے شرارت بھرے انداز میں دادی کو دیکھتے ہوئے شعر پڑھا۔

"خیر کام تو واقعی بہت ہیں۔ بہر حال جانا تو ہے۔ اتنی عمر بھی کھینچ لی جانوں بہت ہے۔ اس بچی کی خاطر جینے کو مانگی تھی۔ معلوم نہیں اس کا دل کیسا تھا؟ کیسے سمجھایا ہوگا اس نے خود کو۔ سات بچے ماشاء اللہ کبھی بار نہ آتے ہوں گے۔ ماں تو ماں ہوتی ہے۔ جانے فطرت تو نہیں بدل سکتے"۔

بڑی اماں بہت طول اندوہ میں کہہ رہی تھیں۔ کچھ اس طرح گویا خود کلامی کر رہی ہوں۔

"تمہارا تو باپ بھی زندہ ہے بڑی اماں! اس طرح بھی رو تنی ڈالیے" مظہر نے تلخی سے کہا۔

"خاموش رہو۔ بہن ادھر ادھر ہی ہوگی۔ کچھ کان میں پڑ گیا تو مصیبت ہو جائے گی۔ سنبھالنا مشکل ہوگا۔ کیسے کیسے بچا کر یہاں تک لائی ہوں" بڑی اماں نے گھبرا کر مظہر کو ٹوکا۔

"ایک دن تو اسے پتا چل ہی جائے گا۔" اظہار بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"اللہ مالک ہے۔ تمہاری تائی ہی سے دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کبھی ان کے منہ سے کچھ نہ نکل جائے۔ بے دھڑک بولنے کی عادت ہے۔ تمہارے تایا کا ڈر نہ ہو تو کچھ نہ کچھ بول ہی پڑیں۔ یہ بچپنا اس کا ختم ہو تو ایک روز خود ہی بتا سمجھا دوں گی وہ اس سے پہلے کہ کہیں سے اسے بھنک پڑے۔

ابھی تک مجھے تمہاری ماں کا گھر سے نکلنا یاد ہے۔ ساتھ کچھ لے کر نہیں گئی تھی۔ کان سے بالیاں تک اتار کر میرے ہاتھ پر رکھ دی تھیں اور رضیا کو میری گود میں دے کر بولی تھی اماں اس کے باپ سے کہہ دیجیے گا۔ میں اس کے گھر سے کچھ لے کر نہیں جا رہی۔ نہ مال نہ دولت نہ ہی اس کی اولاد۔ میری اس بخشش پر اس کا ضمیر ہمیشہ اسے کچوکے لگائے گا۔ یہی اس کی سزا ہے یہی میرا انتقام۔"

میں نے کہا "دلہن کلیجہ پتھر کا ہے؟" بولی "جا رہی ہوں" بہت منت کی تھی اس کی بہت روکا تھا بہت سخت دل بنایا اللہ نے اس کا۔ خود سری اس کی فطرت میں تھی۔ مگر ماں کو تو بس ماں ہونا چاہیے۔ ایک عورت کی دولت تو اس کی اولاد ہوتی ہے۔ ماشاء اللہ چھ بیٹے دے بیٹے تھے اللہ نے۔ بڑی ناشکری کی۔ جانے کس حال میں ہوگی۔

اجڑنے کے دن یاد آتے ہیں تو ہوک سی اٹھتی ہے۔ دو جانوں نے اپنی جانوں کا تماشا بنا دیا" بڑی اماں کی آواز بھرا گئی

"بہت سمجھایا تھا تمہارے باپ کو عورت پسلی سے بنی ہے۔ اللہ کے رسول کا کہا ہے۔ اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو ٹوٹ جائے گی۔ مگر اس کی سمجھ میں بات نہ آئی۔

مرد ضد میں آ جائے تو بڑے نقصان ہوتے ہیں۔ پتا نہیں کیا ہو گیا تھا۔ اپنی نشانیاں مجھے سونپ کر جانے کہاں منہ چھپا کر بیٹھ گیا۔"

بڑی اماں کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔ مظہر اور اظہار بالکل چپ تھے۔

بار ہا اس طرح کے مواقع آتے تھے جب سب گھر والے مسکرانا بھول جاتے تھے۔ ناکردہ گناہ جرم میں مبتلا کر دیتے تھے

"چھوڑیں بڑی اماں! ہم آپ کے علاوہ کسی کو اپنا جانتے ہیں اور نہ ہی ہمیں کسی کی ضرورت ہے"۔

اظہار نے بہرحال خاموشی توڑی اور جیب سے بائیک کی چابی نکال کر کھڑا ہو گیا۔

"ایک گھنٹے تک آ جاؤں گا بڑی اماں"۔

وہ اپنے چہرے کی افسردگی پر پردے ڈال کر باہر نکل گیا۔

بڑی اماں دوپٹے سے آنکھیں پونچھنے لگیں۔ مظہر کرسی پر اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ ٹانگیں دور تک سیدھی لمبی ہوئی تھیں۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

"سو گئی؟ اٹھا کے لاؤ۔ کیا طوطا پالا تھا میں نے۔ ساری پارٹی کا حرا کرا ہو گیا۔ ذہن برسوں سے ہٹ کر نہیں رہا۔ مردار کو نیند کیسے آ گئی۔ برسوں کو تو زہر کھا کر موت کی نیند سونا چاہیے۔ حرام کہیں کی"۔

شاہانہ نے لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا۔ آتے ہی شروع ہو گئی تھیں۔

ماسی خشم گیں نظروں سے کوارٹر کی طرف دوڑی تھی۔

سوئی بے سدھ سو رہی تھی۔ ماسی کے جھنجوڑنے پر بمشکل اٹھی تھی۔

"کیا ہے؟" اس نے جھلا کر پوچھا تھا۔

"بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔" ماسی نے بہت دکھ سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اب کیا ہے۔ سارا کچن تو صاف کر دیا تھا۔ نہ کچھ جلایا نہ توڑا۔ نہیں نیند نہیں آئی رات کو؟" وہ بگڑے بگڑے انداز میں گویا ہوئی۔

"خود ہی پوچھ لیجیو۔ جلدی اٹھو۔ دیر ہو گئی تو یہیں آ جائیں گی۔"

سوئی نے بڑی بے زاری سے پاؤں نیچے لٹکائے اور چپل پاؤں میں ڈالی دوپٹہ گلے میں لٹکایا اور کھڑی ہو گئی۔

"دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھو" ماسی نے اس کے گلے پر نظر ڈالی اور ٹوک دیا۔ اس کے وجود سے کسی دوسری موجودگی کے اثرات جھلکنے لگے تھے۔ آنے والی نئی زندگی کی تیاریاں واضح تھیں۔ جن سے شاید وہ ابھی تک بے خبر تھی۔

"پرسوں بھی کہا تھا قمیض کے نیچے دوسرا کپڑا بھی تو استعمال کیا کر۔ شرم غیرت بالکل ہی کہیں رکھ کے بھول گئی ہے"۔

ماسی ساتھ چلتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی شاہانہ پر نظر پڑی جو بڑی اضطراری کیفیت میں ادھر ادھر ٹہل رہی تھیں۔

سوئی پر نظر پڑتے ہی چیل کی طرح اس پر جھپٹیں اور اس کی چوٹی دبوچ لی۔

"بار بار کہہ رہی ہوں کہ سیدھے سیدھے بتا کس کی مصیبت ہے یہ؟"

انہوں نے زور سے اس کی چوٹی کو جھٹکا دیا۔

سوئی کو ماسی پہلے اطلاع کر گئی تھی۔ اسے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اسے شاہانہ اور نفیس خواجہ کی ضد کا بھی علم تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ آج رات معرکہ ضرور ہوگا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ شاہانہ آج رات سکون سے سو جائیں۔

وہ اپنے کمرے کے دروازے میں آ کھڑا ہوا افتخار شاہانہ کی لعن طعن ششدر ہو کر سن رہا تھا۔ کس قدر بے دھڑک ہو کر بولنے کی عادی تھیں۔

"کیوں نہیں پھوٹتی کچھ۔ دیکھ اس کا نام بتا دے۔ اگر آج ہی نکاح نہ پڑھوایا اس سے تو میرا نام شاہانہ نہیں۔ دو کوڑی کا نوکر میری شامت کو آواز دے گا۔ آج ہی آج میں نفسیاتی سیل بھجوا کر وہ حشر کرواؤں گی کہ ساری عیاشی بھول جائے گا"۔

سوئی کو جھرجھری آ گئی۔

چٹاخ چٹاخ کی آواز پر جیسے دم جاگ گیا۔

"نہیں بولے گی۔ ابھی ٹھنڈا کر دوں گی" انہوں نے دو چار اور جڑے۔

اب ان پر مخصوص ہسٹریائی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔ آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ ماسی دیوار سے لگی تھر تھر کانپ رہی تھی اور جو جو بات بتا رہا تھا پڑھ رہی تھی۔

"کیسی پکی ہے۔ کیوں نہیں بکتی۔ کیوں نہیں بولتی؟" انہوں نے اس کا سر دیوار میں دے مارا۔

"کیا بولوں؟" وہ تو بلک بلک کر رونے لگی۔ سر دیوار سے ٹکرایا تو چکر آنے لگے۔ آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا گئی۔

"میں یہ بھی کر سکتی تھی کہ اللہ یار کے ساتھ آج ہی گوٹھ بھجوا دیتی۔ مگر مجھے یہ پتا چلنا چاہیے میرے گھر میں یہ جرأت کس نے کی۔"

"بیگم صاحبہ! میں اس سے اگلوا لوں گی۔ آپ اسے چھوڑ دیں۔ یہ جان سے چلی جائے گی تو آپ کو بھی مشکل ہو گی۔"
ماسی اسے دیوار سے ٹکراتا دیکھ کر تڑپ کر اس کے اور شاہانہ کے بیچ دیوار بن کر کھڑی ہو گئی تھی اور ہاتھ جوڑ رہی تھی۔
"ہٹ ایک طرف۔ بڑی آئی عورت یہاں۔ یہ کل کل کی لڑکیاں۔ تیری آنکھوں پر پٹیاں بندھی رہتی ہیں۔ خدا معلوم کہاں گنوائی ساری عمر۔" شاہانہ پر گویا بھوت سوار تھا۔ ماسی کو ایک طرف دھکا دے کر پھر مومل کی طرف جھپٹیں اور پھر اس کی چوٹی پکڑ لی۔
"نام تو پوچھ کر رہوں گی۔ چاہے نام بتا کر فوراً مر جائے۔"
انہوں نے اس کی چوٹی کو جھٹکا دیا۔ اور دوبارہ سر دیوار میں اسے مارنے کا ارادہ کیا مگر اتنی دیر میں مون نے مومل کا بازو تھام کر شاہانہ کی سمت دیکھا تھا۔

"یہ تو مر جائے گی مگر پھر اس کے بعد کا سوچیے۔"
"ابھی سوچنے کا وقت نہیں۔ تمہیں اس معاملے میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں۔ ہٹو ایک طرف۔" وہ اپنے آپے میں نہیں تھیں۔ مون کو یوں ایک طرف دھکیلا گویا وہ کاغذ سے بنا ہو۔
مگر مون نے دوبارہ مومل کا بازو تھام کر ان کے شکنجے سے چھڑانے کی کوشش کی۔ مون کو دیکھ کر ماسی کی جان میں جان آئی تھی۔

"میں کہہ رہی ہوں ہٹو ایک طرف۔ تمہیں پتا نہیں کیا کر کے بیٹھی ہوئی ہے۔ میرے اندر ایک آگ لگی ہوئی ہے بے عقل چھوٹ کرائی ہوں۔" وہ غرائیں۔

"یہ کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ آپ اپنے لیے مصیبت مول رہی ہیں۔" اس نے مزاحمت جاری رکھی۔
"مصیبت تو مول لے چکی۔ اسی دن جس دن اس منحوس کو گھر میں گھسنے دیا تھا۔ تم جاؤ اپنا کام کرو۔" ان پر قابو پانا اس وقت بہت مشکل تھا۔

"ماسی! ممی کو ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ۔" اس نے مومل کا بازو چھوڑ کر شاہانہ کو شانوں سے تھام لیا۔
"یہ آگ ایک ٹھنڈے پانی کے گلاس سے نہیں بجھے گی۔ تم جاتے کیوں نہیں۔"
وہ چلائیں۔ وہ بہر حال مرد تھا۔ اس کی شاہانہ پر مضبوط گرفت تھی۔ وہ پھڑپھڑا کر رہ گئی تھیں۔
مون نے بمشکل تمام ان کے ہاتھ سے مومل کی چوٹی چھڑائی۔
"ممی۔ ہوش میں آئیں۔ کسی اور طریقے سے کام لیں۔"
وہ ان کو تھامے ہوئے کہہ رہا تھا اور خود اندر ہی اندر زیر و زبر ہو رہا تھا۔
"میں تم سے کہہ چکی ہوں میرے معاملات میں مداخلت سے پرہیز کیا کرو۔ جب تمہیں ایک بات کا سرے سے پتا ہی نہیں۔ تو کیوں بیچ میں آ رہے ہو۔"
وہ اس کی گرفت میں نئے سرے سے پھڑپھڑانے لگیں۔
"ماں بننے والی ہے یہ۔ جانے کس کا طوق گلے میں لٹکائے پھر رہی ہے۔ اس کی عمر دیکھو اور ان کی حرکتیں دیکھو۔"
وہ تیز و تند نظروں سے مومل کو گھورنے لگیں۔ مون [illegible] ہو گیا۔

"ہو سکتا ہے کسی نے! اس پر جبر ہوا ہو۔ اس کا قصور نہ ہو۔" وہ بہت پست آواز میں کہہ رہا تھا۔
"جبر؟ جبر ہوتا تو بتاتی نہ کسی کو۔ ارے یہ بہت پکی ہے۔"
انہوں نے اپنے شانے سے مون کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی۔ جو احساس شکستگی سے خود بھی ادھ موا تھا۔
"جاؤ مومل! تم اپنے کوارٹر میں جاؤ۔"
"کہیں نہیں جائے گی یہ۔ تم جاؤ اپنے کمرے میں۔" وہ چلائیں۔
"واٹ ہیپنڈ؟" سنی گاؤن کی ڈوریاں کستا نیچے چلا آیا تھا اور بہت تعجب سے سب کو باری باری دیکھ رہا تھا۔
"کچھ نہیں ہوا۔ تم جاؤ اپنے کمرے میں؟" وہ سنی پر بھی برس پڑیں۔
"آدھی رات کو ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کام ارلی مارننگ بھی ہو سکتا ہے۔"
سنی کا موڈ بہت خراب ہو چکا تھا۔ وہ تو بہت آرام سے سونے کی نیت سے بستر پکڑ چکا تھا اور اپنے خاص نشے کے سرور کے احساس سے سر تا پا خوشی کی لہروں سے مسرور تھا۔ ماں کے چیخنے کی آواز ایک خنجر کی طرح اس کے اعصاب پر لگی تھی۔ وہ بہت جلا بھنا نیچے آیا تھا۔ آواز اگرچہ کمرے میں واضح نہیں جا رہی تھی مگر واش روم کا دروازہ تھوڑا کھلا ہونے کی وجہ سے یہ آواز دھیمی دھیمی کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔
"ڈونٹ بی سلی؟" وہ ممی کی طرف متوجہ ہوا۔ "اگر یہ اتنی سی لڑکی اتنا بڑا ایشو ہے تو اسے واپس گوٹھ کیوں نہیں بھیج دیتے۔ کیوں یہ تاج سر پر سجا رکھا ہے۔ جاؤ لڑکی! خدا کے لیے تم یہاں سے چلی جاؤ۔ صبح ہی صبح۔ ارلی ان دی مارننگ۔ جان چھوڑو ہم سب کی۔ چھوڑیں بھی ممی آپ کیوں ٹمپر لوز کر کے اپنا بی پی اپ سیٹ کر رہی ہیں۔"
"سنی! مون! چلو تم دونوں اپنے کمرے میں۔ خبردار اگر میرے معاملات میں ٹانگ اڑائی۔"
شاہانہ نے دونوں کو گھورتے ہوئے دھمکی دی۔
شاہانہ کی اتنی سیریس حالت دیکھ کر سنی لمحے بھر کو سوچ میں پڑ گیا تھا۔
اس نے محسوس کر لیا تھا کہ کوئی "ایکسیڈنٹ" ہوا ہے۔ اس نے مون کی طرف دیکھا۔
"تم ہی بتاؤ۔ کیا مسئلہ ہے؟"
مون جو ایک لغزش کی آگ سے جھلستا جا رہا تھا۔ یوں محسوس ہوا گویا سنی نے نمک چھڑکا ہو۔
اس نے مومل پر ایک نظر ڈالی۔ سنی کی طرف دیکھا۔ مگر بولا کچھ نہیں۔
"ممی آرام کرنے دیں۔" وہ آخر کار جھنجھلا گیا۔
"ایڈجسٹ روم میں آواز کیسے جا سکتی ہے۔ تم اپنے واش روم کا ڈور چیک کرو۔ اور ٹھیک سے بند کر کے سو جاؤ۔"
مومل دیوار سے ٹیک لگائے سر پکڑے کھڑی تھی۔ پلکوں کی تکرار سے اسے سانس لینے اور سنبھلنے کا موقع مل رہا تھا۔ ماسی مومل کے قریب ہی کھڑی تھی۔
"اس گھر میں یہ دونوں لڑکے ہیں۔ ان کا باپ تین مہینے پہلے یہاں نہیں تھا۔ کسی کو سمجھ۔ زرا اندازہ ہے۔ اب تو بتا کس کا بچہ ہے یہ؟"
شاہانہ اب دوبارہ سے مومل کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔
"بچہ!" وہ ٹکر ٹکر ان کی صورت دیکھنے لگی۔ "کون سا بچہ۔ کہاں ہے؟ کس کا کوئی ماں۔ ماں۔"

بیگم صاحبہ، سب ہی کو کچھ نظر آ رہا ہے۔ مجھے کیوں نظر نہیں آ رہا۔"

"کیا کہہ رہی ہوں میں تم سے؟ جاؤ اپنے کمرے میں۔" وہ موون اور سنی سے بولیں۔

سنی تو بچے کو دیکھ کر اس قدر حواس باختہ اور ہونق تھا کہ اس نے تو ماں کی آواز ہی نہیں سنی تھی۔

"ہوش ہے بی؟ دہ ہے بی۔ واپس اپنے پزل؟" وہ موون سے پوچھ رہا تھا۔ موون نے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

"نہیں جاؤ گے تم لوگ۔ اچھی بات ہے۔ چل تو اپنے کوارٹر میں، میں تجھ سے وہیں نمٹوں گی۔ جب تک نام نہیں بتائے گی جان نہیں چھوڑوں گی۔"

"کس کا نام پوچھتا ہے؟ میں پتہ کر لیتا ہوں اسے۔ آپ کیوں کیلور برڈ وبسٹ کر رہی ہیں۔"

سنی نے آگے بڑھ کر ماں کو تھام لیا۔

"شٹ اپ۔" شاہانہ نے سنی کی احمقانہ بات پر اسے بڑی ملامت بھری نظروں سے گھورا۔

"چل اپنے کوارٹر میں۔" انہوں نے آگے بڑھ کر سوہل کو دھکیلا۔ وہ گرتے گرتے بچی۔

"بڑی بی۔ تم اپنا سامان باندھو۔ اور صبح نور کے تڑکے یہاں سے چلتی پھرتی نظر آئی۔" شاہانہ نے ماسی کو بھی فارغ کیا

"دیکھو اللہ یار کہاں مرا ہوا ہے اسے کوارٹر میں بھیجو۔" سوہل چل پڑی تھی اور اس کے پیچھے پیچھے ماسی نے سنی اور موون کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھا۔ دونوں نظر چرا گئے۔

وہ احساس بے بسی سے خود ہی اللہ یار کو بلانے چلی پڑی۔

سنی نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔ پھر موون کی طرف دیکھ کر گویا ہوا۔

"گھر ہے یا تھیٹر؟" یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

موون کسی سنگی مجسمے کی طرح اپنی جگہ ایستادہ تھا۔

چشم تصور سے وہ سوہل کو لہولہان دیکھ رہا تھا۔ جانے کب سوہل کو شاہانہ کا سوال سمجھ میں آ جائے۔ اور وہ اس کا نام اپنے لبوں سے آزاد کر دے۔ شاہانہ کی ضد سے واقف تھا۔ انہیں نام سے زیادہ اس بات پر غصہ آ رہا ہوگا کہ وہ مسلسل "حکم عدولی" کر رہی تھی۔ ہر سوال کے جواب میں خاموش تھی۔ وہ اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے ملازمین کے کوارٹرز کی طرف بڑھا تھا۔

اور اس کوارٹر کے دروازے پر جا کھڑا ہوا تھا جہاں رات کو سوہل ٹھکانہ کرتی تھی۔

شاہانہ کی آواز بہت واضح تھی۔ ایک ہی سوال کی تکرار تھی۔ دوسری طرف جواب میں خاموشی تھی۔

"کہاں ملتا تھا وہ تجھ سے؟" شاہانہ پوچھ رہی تھی۔

"کک۔ کون؟" سوہل کی آواز کانپ رہی تھی۔

"وہی۔ تیرا یار۔ ضرور اس نے تجھے شادی کا جھانسہ دیا ہوگا۔ اس کے بعد ہی تجھ پر ہاتھ صاف کیا ہوگا۔" وہ ... یا نہیں

جواب میں خاموش رہی۔

تھوڑی دیر بعد سوہل کی دلدوز چیخیں آنا شروع ہو گئیں۔ غالباً جوتوں سے پٹائی ہو رہی تھی۔

"خدا کے لیے بیگم صاحبہ مجھے نہ مارو۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔" سوہل بلک بلک کر منت کر رہی تھی۔ "کیا نام ہے اس کے باپ کا؟" شاہانہ ایک بار زور سے بول رہی تھیں۔

"کون سے بچے کا...؟" سوہل روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"جو پیدا کرے گا چھ مہینے بعد۔" شاہانہ نے پھر دو چار لگائے۔

یکدم خاموشی چھا گئی۔ صرف سوہل کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ اب شاید وہ ادراک کا زینہ چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ شاید اسے شاہانہ کا سوال سمجھ میں آ گیا تھا۔

پھر شاہانہ نے اس سے ایک واضح سوال کر دیا۔ جو شاید وہ سب کے سامنے نہیں کر پا رہی تھیں۔

سوال تھا کہ تازیانہ سوہل کی سسکیاں بھی رک گئیں۔

موون کی شرٹ پسینے سے یوں تر بتر ہو گئی گویا بارش میں نہایا ہو۔

اب کوارٹر میں ایک وحشت ناک سناٹا تھا۔

موون کے پاؤں کے نیچے سے زمین سرک رہی تھی۔

"تو اس کا نام بتا۔ ابھی نکاح پڑھوا دوں گی۔ انکار کرے گا تو بیچ سڑک کے وہ جوتے لگاؤں گی کہ صبح اخبار میں چھپ جائے گا۔ جدھر سے گزرے گا لوگ پتھر ماریں گے۔ یہ بچہ بھی وہ خود پالے گا۔"

اب شاہانہ کے لہجے میں غضب نہیں تھا۔

"تو بھی تو یہی چاہتی ہوگی کہ تیری شادی اس سے ہو جائے۔ آج۔ ابھی بتا دو اس کا نام بتا۔"

وہ اسے پھسلانے پر آ گئی تھیں۔ کیونکہ مار پیٹ سے تو اس پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا تھا۔

"میری شادی اس سے نہیں ہو سکتی۔" سوہل نے سسکتے ہوئے کہا۔ کتنی باشعور ہو گئی تھی وہ لمحوں میں۔

"میں جو کہہ رہی ہوں۔" شاہانہ پھر غضبناک ہو گئیں۔

سوہل خاموش تھی۔

"اب کچھ بتانے میں تیرا فائدہ ہی فائدہ ہے۔" شاہانہ نے بہت بچاؤ سے کہا۔

موون کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو چکی تھیں۔ اب وہ کوٹھی میں بڑی قیامت برپا دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تو بتا کون ہے وہ؟" شاہانہ کی بے تابی سوہل کی خاموشی سے بڑھنے لگی۔

"سنی صاحب۔" سوہل کی آواز سے سناٹے ٹوٹ ٹوٹ کر کوٹھی پر گرنے لگے۔ دھماکے ہونے لگے۔ قیامت برپا ہو گئی۔ موون کے نیچے زمین دلدل ہو گئی۔ وہ نیچے دھنسنے لگا۔ اس کے اعصاب مفلوج ہو رہے تھے۔

کسی عورت کو پہلی دفعہ جب چھوا جاتا ہے تو سب سے معتبر گواہی چھونے والے مرد کا ضمیر اس کے خواص۔ اس کا علم ہوتا ہے۔

کیوں لیا اس نے سنی کا نام؟ کائنات حیرت کدہ بن گئی۔ اور وہ مجسم حیرت زدہ۔

کیوں گھسیٹا اس نے کانوں میں بے چارے بے وقوف سنی کو۔ چند لمحوں بعد اسے رہائی کے احساس سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنا شروع ہو گئے۔

اندر شاہانہ شاید چکرائی ہوئی تھیں۔ بڑی خاموشی تھی۔

"سوہل! میری بات دھیان سے سن۔ اب تو نے نام تو بتا دیا ہے ٹھیک ہے۔ آئندہ یہ نام تیری زبان پر دوبارہ نہ آئے۔"

اندر کی ٹوٹ پھوٹ شاہانہ کی آواز سے مترشح تھی۔ دانا تو وہ بھی تھیں۔ یہ جاہل اور بے وقوف لڑکی۔ اتنی ہوشیار تو ہرگز بھی نہیں ہے کہ بات سمجھنے کے بعد غلط بیانی سے کام لے۔ وہ اس کی حماقت و جہالت سے کما حقہ واقف تھیں۔ سنی کی رنگین مزاجی نہیں

پہنچی مگر یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایک بدبودار نوکرانی کو بھی وہ اپنے قریب کر سکتا ہے۔

"زکیہ۔ میں تیرے ماں باپ سے بات کروں گی۔ انہیں شہر میں صاف ستھرا گھر لے دوں گی۔ تو وہیں ان کے پاس رہے گی۔ بس۔ تم زبان بند رکھو گی تو بہت خیر و عافیت سے رہو گی۔"

شاہانہ کا انداز بکلیت تبدیل ہو چکا ہے۔ آواز میں کمزوری اور لہجے میں ٹوٹ پھوٹ واضح تھی۔

ابا کا پاک خالص نسب کیسا میلا میلا ہو گیا تھا۔

لونڈی سے اولاد کا ہونا کوئی انوکھی و دل ہلا دینے والی بات نہیں۔ مگر اس تکبر کا کیا کریں جو اپنے موتی صرف کسی تاج میں ہی چمکتا دیکھنا چاہتا ہے۔

ان کا اپنا خون۔ معاف اللہ۔ نجیب، نیٹ اینڈ کلین۔ انہیں سو طرح کے وجود کی قربت سے جھرجھری آ گئی۔ ماسی اور اللہ یار کوارٹر کی طرف آ رہے تھے سو وہ فوراً کوارٹر کے پچھواڑے سے چلا گیا تھا۔

"بڑی اماں! پولیس اسٹیشن گزری سے فون ہے۔" انتہار نے دور ہی سے بڑی اماں کو آواز دی۔

بڑی اماں کے ہاتھ سے سروتا چھوٹ گیا۔

"پولیس اسٹیشن سے؟ کس کا ہے؟" وہ بولتی ہوئی تخت سے نیچے اتر آئیں۔

"اے ایس پی صاحب کا۔" اس نے خود بھی قدرے پریشانی سے بتایا۔

"یہاں کیوں کیا ہے؟ ہم نے کہیں ڈاکا ڈالا ہے۔" وہ انتہار کے قریب چلی آئیں۔

"معلوم نہیں کہہ رہے ہیں مظاہر صاحب کی والدہ سے بات کرائیں۔"

"لو بتاؤ۔ میرا کیا کام۔" ان کے اوسان خطا ہونے لگے۔ کانپتے ہاتھوں سے ریسیور تھاما۔

"ہیلو!" ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ ہاں۔ مظاہر کی والدہ بات کر رہی ہوں۔"

"میاں! ہم نہیں جانتے کسی منہاج حسین کو۔ ہم نے نہیں سنا یہ نام۔ ہماری سات پشتوں میں بھی تھانہ پولیس نہیں ہوا۔" وہ بڑی ناراضگی سے گویا ہوئیں۔

"جی ہاں۔ ماہ نور میری نواسی ہوتی ہے۔ جی ہاں میرے پاس ہے ایک بوڑھا ملازم۔"

"کس بات کی گواہی۔ نہیں ہم کسی کے گواہ نہیں بنیں گے۔ ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہمارے پاس رخصت (وقت) ہے۔"

"ہم سیدھے سادھے شریف لوگ ہیں۔ ایسے ہی لوگوں سے ہمارا میل جول ہے۔ بس آپ ہمیں معاف کر دیں۔"

"کہا نے کہا ناں ہم نہیں جانتے نہ ہمیں جاننے کی ضرورت ہے۔ نہیں مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنا۔ نہ میرے بچوں کو۔ ہمیں مفت میں پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"آپ کا اصرار بے کار ہے۔ کون گناہگار ہے کون بے گناہ آپ جانئے پھر ہیں ہمیں معاف کریں۔"

"ہماری بلا سے۔ نہیں بالکل نہیں ہم کوئی تعاون نہیں کریں گے۔ میری بچی کا نام کسی کو زبان پر لانے کی اجازت نہیں۔ خدا حافظ۔"

انہوں نے بڑی بے مروتی سے کہہ کر ریسیور کو ٹل پر رکھ دیا۔

"میں کون کہ خواہ مخواہ۔" وہ بڑبڑائیں۔ "اللہ اللہ کر کے تو جان چھوٹی ہے۔ ہماری شامت نے دھکا دیا ہے کہ ہم گواہیاں دے کر اسے باہر لائیں تاکہ وہ پھر شرفا کی بہو بیٹیاں اچھالتا پھرے۔ بھاڑ میں اندر ہی ٹھیک ہے۔ بتاؤ۔"

وہ دوبارہ اپنے تخت پر آ کر بیٹھ گئیں۔

"کیا کہہ رہا تھا۔ کیا مسئلہ ہے؟" انتہار پہلے ہی ان کے تخت پر بیٹھ چکا تھا۔

"کہہ رہا تھا قتل کیس میں اندر ہوئے ہیں۔ منہاج حسین پاشا۔ وہ ان کا کہنا ہے جس وقت قتل ہوا ہے وہ ہماری کوٹھی میں موجود تھے۔ اور ان کی نواسی ماہ نور کے ساتھ چائے پی رہے تھے جو آپ کے بوڑھے ملازم نے تیار کی تھی۔ قتل بہت اہم آدمی کا ہوا ہے۔ اس لئے ان کا اثر رسوخ اس وقت کچھ کام نہیں آ رہا۔ لہٰذا اگر ثابت ہو جائے کہ قتل کے وقت منہاج حسین پاشا آپ کے گھر میں آپ کی نواسی کے ساتھ چائے پی رہا تھا تو بہت آسانی سے ان کی جان چھوٹ جائے گی۔

ارے مجھے تو یہ پولیس والا بھی اسی کا چمچہ لگ رہا تھا۔ ایسے ہمدردی بگھار رہا تھا اس سے جیسے دودھ شریک بھائی ہو اگر سکا نہ ہو۔

"ہم کیوں جان چھڑائیں۔ کہیں جا کر تو اللہ نے ہماری سنی ہے۔ ہمیں کے نفلوں کا ثواب۔"

ماہ نور دھلے ہوئے کپڑے لے کر جب تخت تک پہنچی تو بہت کچھ اس کے کان میں پڑ چکا تھا۔ اس کے وجود پر لرزہ سا طاری ہونے لگا تھا۔ وہ انتہار اور بڑی اماں سے نظر چرا کے کپڑے تہہ کرنے لگی۔

اگر سچ کے پھنس گئے نامو صوف تو پھانسی ہو سکتی ہے۔ اب تو ان کی ساری فائلیں کھل جائیں گی۔"

انتہار نے کہا۔

"خیر اللہ نہ کرے پھانسی ہو۔ بس اتنی سزا ضرور ملے کہ عقل ٹھکانے آ جائے اور سیدھے راستے پر آ جائے۔ اس کی ماں کو سکون مل جائے۔"

بڑی اماں فطرت سے مجبور تھیں لفظ "پھانسی" سن کر تڑپ کر رہ گئیں۔

"یہ لیں ایک طرف تو آپ لوگ اتنے عاجز کہ دیکھنا سننا نہیں مانگتے دوسری طرف ان کی زندگی بھی بچانا چاہتے ہیں۔"

انتہار نے مسخرانہ انداز میں کہا۔

"ارے اس کی ماں کا خیال آتا ہے۔ اولاد کو کہاں احساس کہ ماں ہوتی کیا ہے۔ وہ بے چاری تو جیتے جی مر رہی ہے۔ خدا اس بدنصیب کو ہدایت دے دے تو کیا بات ہے۔ کیا زندگی ہے اس بے چاری کی۔" بڑی اماں کے رقیق قلب میں تڑپ پیدا ہونے لگی۔

"اگر وہ ہمیں یقین دلا دے کہ باہر آ کر دوبارہ شرفا کے گھر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا تو ہم ابھی گواہی دینے کو تیار ہیں۔"

بڑی اماں اپنی فطرت سے مجبور تھیں۔ چاہے سب کچھ بھلا بیٹھی تھیں۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" انتہار کو یہ ہمدردی بالکل پسند نہ آئی۔

"ارے بچوں کو کیا احساس ہم عورتوں کی مصیبت کا۔"

نہ جانے کس احساس نے ان کی آواز کو آنسوؤں میں بھگو دیا۔ ماہ نور نے چونک کر بڑی اماں کی طرف دیکھا۔

"ساری مائیں ایک جیسی نہیں ہوتیں مگر سارے بچے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ بس ان کی ماں کا خیال آ رہا ہے۔" وہ

آنسو پونچھنے لگیں۔

ماہ نور خاموشی سے کپڑے تہہ کر رہی تھی جو بیگ کے کونے میں گھسی ہوئی تھی۔ غالب گمان یہی تھا کہ یہ بعد ہی ہے۔
مظاہر عام سے شلوار قمیص میں ملبوس لاؤنج میں داخل ہوئے تو آنکھیں پونچھتی بڑی اماں پر نظر پڑی۔

"خیریت ہے؟" انہوں نے اظہار اور ماہ نور کی طرف باری باری دیکھا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔ اللہ خیریت ہی رکھے۔ آؤ بیٹھو۔" بڑی اماں کی آواز پر ابھی تک آنسوؤں کا غلبہ تھا۔

"کیا بات ہے بڑی اماں! آپ کیوں رو رہی ہیں؟" مظاہر ہنوز پریشان نظر آئے اور بڑی اماں کے قریب بیٹھ گئے۔

"کچھ نہیں بیٹے۔ یہ دل تو بس ہر وقت ہی بھرا رہتا ہے۔

پولیس اسٹیشن گڑھی سے فون آیا تھا اے سی پی کا۔ گواہیاں چاہییں ہمارے گھر سے۔

اظہار سے نہ رہا گیا۔ وہ فون کے بعد سے درحقیقت بہت فکر مند تھا۔

"کس قسم کی گواہیاں؟" مظاہر بری طرح چونک پڑے۔

"منہاج حسین پاشا کے لیے۔ یہ اے ایس پی ان کے جگری یار ہی ہوں گے۔ ورنہ انہیں کیا ضرورت پڑی تھی کسی ملزم کے لیے گواہیاں اکٹھی کرتے پھریں۔" اظہار بیزاری سے بولا۔

"ٹھیک سے بتاؤ۔ کیا مسئلہ ہے۔" مظاہر فکر مند نظر آنے لگے۔ ایک اچٹتی نگاہ ماہ نور پر ڈالی تھی۔

قتل کے الزام میں اندر ہیں موصوف اور جس روز قتل ہوا اس روز قتل کے وقت ہمارے ڈرائنگ روم میں چائے پی رہے تھے۔ بقول ان کے۔ اب وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ آپ اور بابا ان کی رہائی کے لیے اپنی گواہیاں پیش کریں گے۔ بے وقوف نہ ہوتے تو آج پھنستے کیوں؟"

اظہار نے مختصراً سب کچھ گوش گزار کر دیا۔

"واقعی اس خوش فہمی پر حیرت ہے۔" مظاہر نے غیر ارادی طور پر ماہ نور کی طرف دیکھا۔

فون کس نے اٹینڈ کیا تھا؟" انہوں نے اظہار سے دریافت کیا۔

"اٹینڈ تو میں نے ہی کیا تھا مگر اے ایس پی نے بڑی اماں کو بلا کر بات کی تھی۔

بڑی اماں سے" مظاہر کو تعجب ہوا۔

"کیا کہا تھا اس نے؟"

کہہ رہا تھا کہ دادی سے بات کرائیں۔" اظہار نے جواب دیا۔

"ہوں"۔ وہ کسی سوچ میں ڈوب گئے۔ چند لمحے سوچنے کے بعد ہی اپنی جگہ سے اٹھے اور فون کی طرف بڑھے۔ کوئی نمبر ڈائل کرنے کے بعد بولے۔

"اے ایس پی سے بات کرائیں۔ مظاہر بتا کر رہا ہوں"۔

ہیلو۔ السلام علیکم

"جی مظاہر کچھ دیر قبل غالباً آپ نے فون کیا تھا۔ جی مجھے ابھی پتا چلا ہے۔ جہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ ایک خائل ہماری طرف سے بھی تیار کر لیں۔ ان موصوف کو اچھی طرح سمجھا دیں کہ ہمارے گھرانے کے کسی فرد کا نام بھول کر بھی اپنی زبان سے نہ لائیں۔ ورنہ ان کے حق میں مزید برا ہوگا۔ وہ ہمیں جتنا ذہنی کرب سے گزار سکتے تھے کر چکے۔ اب ذہنی کرب ہونے کی باری ان کی

ہے۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ قتل کس کا ہوا ہے۔ اور آپ ہم سے کسی قسم کا تعاون کی امید نہیں رکھیں۔ آئی ایم ساری انہوں نے ریسیور کریڈل پر ڈال کر ماہ نور کا چہرا دیکھا جو کسی قسم کا تاثر نہیں دے رہا تھا۔

"خوش فہمی نہیں ہے یہ۔ بلکہ یہ بھی دھمکی کا ایک انداز ہے۔ اتنے آرام سے پھانسی چڑھنے والا نہیں ہے وہ۔ باہر وہ ضرور آئے گا۔ اور اس بات کو جواز بنا کر کہ ہم نے اس کے ساتھ تعاون نہ کر کے کوئی بہت بڑا جرم کیا ہے۔ وہ مزید تنگ کرے گا۔ مگر گھبرانے کی کوئی بات نہیں کروں گا اس کا حساب کتاب۔"

وہ لاؤنج سے واپس جانے لگے۔

"اس حساب کتاب کے چکر میں کہیں وہ ہمارا ہی حساب بے باق نہ کر دے۔ موقع اچھا ہے۔ وہ اندر ہے۔ میں تو عارفہ سے کہتی ہوں کہ طاہر علی کے دوست سے بات چیت کر کے کوئی جلدی کی تاریخ ٹھہرا لے۔ مرد کے ساتھ عورت بہت بھاری ہو جاتی ہے۔ جن کے گھر جانے کی وہ آپ بندوبست کرتے پھریں گے۔"

بڑی اماں کو نیا دھیان آ رہا تھا۔

"بس آپ کے ذہن میں تو اس کے سوا کوئی دوسرا خیال ہی نہیں آتا۔" مظاہر کے انداز میں ناراضگی تھی۔

"لو۔ جب تک یہ کسی کی ہو نہیں جاتی تب ہی تک کا تو قصہ ہے۔ بعد میں اسے کیا دلچسپی ہوگی؟" بڑی اماں نے مظاہر سے زیادہ ناراض لہجے میں کہا۔

"کیا کہہ سکتے ہیں" مظاہر نے ماہ نور کے چہرے پر نظر ڈال کر غیر ارادی طور پر کہہ دیا تھا۔

ماہ نور اپنی جگہ نچڑ کر رہ گئی تھی۔ کیا قیامت تھی۔ کس انداز میں موضوع گفتگو بنی تھی وہ آج کل۔

مظاہر کے پیچھے اظہار بھی نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد بڑی اماں بھی کچن میں چلی گئیں۔ ماہ نور تہہ شدہ کپڑے ایک طرف کر کے کارنر بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔ اس کے چہرے سے تھکن ظاہر تھی۔

اسے پھانسی بھی لگ سکتی ہے"۔ اظہار کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجنے لگے۔ دل ایک دم پوری قوت سے سکڑا اور پھر پھیلا۔

"پھانسی، جو کیا پلک جھپکنے کا کھیل ہے موت و زندگی۔ بس؟"

اس کے سگریٹ کی خوشبو اس کے اعصاب چھونے لگی۔ اس کی آواز کا ارتعاش سارے ماحول پر طاری ہونے لگا۔ یہاں، وہاں، ہر طرف۔ ہر سمت وہ کھڑا تھا۔ اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ اس کی بھاری کھردری آواز... بم پیدا کرنی

آواز اس ... نے لگی

کوئی سرخ ... مظاہر کے نرم وجود میں۔ قلب میں۔ اور کتنی نرمی تھی اس کے آہنی وجود میں۔

عشق ... دل کے آہنی دروازوں سے سر ٹکرا رہا ہے۔

موت ... کھیل۔ ایک ننھا منا سا لمحہ ہے۔

اندھیرے ... روشنی۔ کچھ ہونے کا احساس تو ہے۔

... کوئی اجنبی سی چاپ تو ہے۔

... کوئی غبار سا تو ہے۔

... وجود کے آنگن میں پرواز تو ہے۔

ہونی ہے کہ انہونی ہی۔ کوئی حادثہ تو ہے۔

جست ہے کہ قدم۔ سرسراہٹ سی تو ہے۔

سائی ہے کہ نارسائی۔ ایک کرب سا تو ہے۔

دیا ہے کہ جگنو۔ کوئی روشنی سی تو ہے۔

دور ہے کہ قریب۔ موجود تو ہے۔

گمان ہے کہ احساس۔ وجود تو ہے۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے اپنے احساسات سے خوف سا آنے لگا۔

اندر کوئی وحشت ناچنے لگی۔ اس کا جی چاہا چیخیں مار مار کر رونے لگے۔

کیوں؟۔ خود اسے بھی پتا نہیں تھا۔

اسے یوں محسوس ہوا کہ وہ موجود تھی مگر اب غائب ہو جائے گی۔ خود اپنی نظروں سے اوجھل ہو جائے گی۔

اتنا اہم بنا دیا تھا اسے ان کی اپنی نظروں میں کتنا خاموش حادثہ تھا یہ۔ کتنی اونچی بلند اور خاص ہو گئی تھی۔

منتخب ہونا ہی تو خوبی ہے:

یہ احساس کہ وہ انتخاب کی گئی ہے۔ اس روز ہوا تھا جب وہ اس پر سو فیصد قدرت رکھنے کے باوجود فاصلے پر بیٹھ کر بات کر رہا تھا۔

اتنے بڑے آدمی سے اتنی احتیاط کی امید کوئی نہیں کرتا۔ اسے بھی نہیں تھی۔ مگر وہ اس مرحلے سے گزر گیا تھا۔ پھر وہ شک نہیں۔ ضرب پڑی تھی۔ اتنی زور سے کہ نشان رہ گیا تھا۔

حیرت و خوف کی سرحد پار عبور کر کے انکشاف کے جنگلوں میں دنوں بھٹکی تھی۔

"وہ رنگ گلاس ان نے کبھی عبور نہیں کیے تھے۔ مگر اس کے دل کی سرحدوں کو چھو آئی تھی۔

مظاہر کی نظر انداز کی تیز اندازی تھی۔

اس نظر اندازی نے نظر نوازی کے راز کا در اک دیا تھا۔ جیسے اندھیرے سے روشنی کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔

جو عام سی بھی نہیں تھی۔ کوئی کشتیاں جلا کر عشق کے اندلس میں اتر تھا اسے اپنے احساسات نے گھبراہٹ ہونے لگی اس کی آنکھوں پر باز و تھا۔ اسے مظاہر کی آمد کا پتا نہیں چلا تھا۔

"آئس کریم کھانے چل رہی ہوں؟ ریا تیار ہو رہی ہے تم بھی تیار ہو جاؤ"۔

وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اپنا دوپٹہ اور قمیص درست کی۔

نہیں۔ موڈ نہیں ہے میرا۔ آپ ریا کو لے جائیں"۔ اس نے نظریں جھکا کر انکار کر دیا۔

مگر وہ تو اصرار کرے گی۔ امی نے مجھے کہا ہے کہ آپ کہیں گے تو آپی ضرور تیار ہو جائیں گی"۔ مظاہر کا انداز مخصوص اور عام سا تھا۔

(کیونکہ تیار ہو جاؤں گی ان کے کہنے سے)

میں نے آپ سے کہہ دیا ناں میرا موڈ نہیں ہے۔ ویسے بھی ہمیں اس قسم کی خوشگوار ایکٹویٹیز کی عادت نہیں ہے۔ بہت ٹائٹ بجٹ ہوتا ہے ہمارے گھر کا"۔

مظاہر نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔

صاف گوئی۔ بے مروتی۔ بدلحاظی۔ چڑچڑا پن۔ اور فیصلہ کن کان تو اس کی بس ناں کے عادی تھے۔ آج تو بہت وضاحت تھی۔

وہ بچ بچ فکرمند سے ہو کر اس کی صورت دیکھ رہے تھے۔

"طبیعت کیسی ہے؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"ویسی ہی ہے جیسی رہتی ہے۔ ابھی تو نہیں کہنے اپنی طبیعت کو"۔ وہاں سے پھر ایک پتھر آیا۔

"لگتا ہے تم ٹھیک سے سوئیں نہیں یہ ٹینس ہو۔ اپنی پرابلم؟"

پتا نہیں چوری کی داڑی میں تنکا تھا کوئی اور احساس سا ہے تو یوں لگا جیسے وہ صاف صاف کہہ رہے ہوں کہ تم پاشا کی وجہ سے فکرمند ہو۔

نہیں خیر۔ سو تو جاتی ہوں۔ کام ہی کیا ہے یہاں مجھے۔ بس امی یاد آ رہی ہیں۔ کئی روز ہو گئے ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے پھر اٹھو۔ آج میں فرصت میں ہوں۔ ملا لاتا ہوں پھوپھو سے چلو شاباش۔" بری اب۔

ماں سے ملاقات کا احساس ہی اتنا خوشگوار تھا کہ وہ واقعی اٹھ کھڑی ہوئی گویا سب کچھ بھول بھال گئی۔

مظاہر نے بہت پڑھنے والی نظر اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔

"اب تو میں اپنے گھر واپس جا سکتی ہوں۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

اسے پھانسی نہیں ہو گی۔ یہاں وزیر اعظم کا بھائی قتل ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں ہوتا۔ ایک ذرا سا خاص آدمی ہی تو قتل ہوا ہے۔ وہ بہت ماہر کھلاڑی ہے۔ قانون کے گلے میں اٹک جائے گا ہم فی الحال کسی قسم کا رسک نہیں لے سکتے۔ وہ اور وہ ثابت بھی باہر آ سکتا ہے اس مرتبہ تو وہ زیادہ بھرا ہوا باہر آئے گا۔ اول اسے بلیم کیا گیا ہے۔ وہ تم گواہی سے ہوا انکار۔ جانے اس نے کس خوش فہمی کی بنیاد پر تم سے رجوع کیا۔ مجھے حیرت ہے۔ اینی ہاؤ۔ تم تیار ہو جاؤ۔ تمہارے پاس پندرہ منٹ ہیں"۔

ماہ نور گم سم سا انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ جانے کس خوش فہمی کی بنیاد پر۔ یہ جملہ اس کے اعصاب توڑ پھوڑ رہا تھا۔ اسے تو مظاہر سے وحشت ہونے لگی تھی۔ وہ بڑی آہستگی سے اپنے رہائشی کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

ریا کی طرف خاطر پہلے آئس کریم کا مرحلہ طے کرنا تھا جو کیا پھر ماہ نور کے گھر پہنچے۔ تبھی تبھی ہلکی ہنسی ایک دم سے نکل آئی تھی۔ بہن بہت یاد آ رہی تھی۔ جو اچانک آ گئی تھی۔ اس پر مستزاد ور یا ہمراہ تھی۔

خاموش بھائیں بھائیں کرتے گھر میں آنا فانا چہل پہل ہو گئی۔ ماہ نور کی سرخوشی کی کیفیت مظاہر نے خصوصی طور پر نوٹ کی تھی۔ وہ بڑی ترنگ میں ادھر ادھر آتی جاتی نظر آ رہی تھی۔ مگر ریا اس نے اصرار کے باوجود کچھ نہیں کھایا تھا۔

یہاں آتے ہی اسے بھوک لگ گئی تھی۔ کچن سے ایک پلیٹ میں دال چاول نکال لائی تھی۔ مظاہر اور ریا کھانا کھا کر آئے تھے۔ اس نے نکلنا بہر حال تو چھا تھا۔ اور برآمدے میں موڑھے پر بیٹھ کر کھانے لگی تھی۔

مظاہر نے اپنے گھر اور اس گھر میں اس کے رویے کے واضح فرق کو نوٹ کیا۔ یوں نظر آنے لگی تھی گویا مرجھاتے ہوئے سرے پر پانی پڑ گیا ہو۔

"ضرور کوئی بڑی بھول ہوئی ہے تم سے کہیں نہ کہیں۔ کبھی نہ کبھی۔ کبھی بیٹھے بٹھائے کی مصیبت ہے۔" عارفہ مظاہر سے ہمکلام تھیں۔

"سارے خاندان میں تماشا سا بن گیا ہے۔ بڑی بھابی بھی آئی تھیں۔ اتنی چھان بین کر رہی تھیں گویا کوئی سراغ لگا کر ہی دم لیں گی۔ پر کوئی سراغ ہو تو ملے۔"

"بڑی امی کب آئی تھیں۔؟" مظاہر نے فکرمندی سے پوچھا۔

"دو دفعہ آ چکی ہیں۔" عارفہ نے اداس و شرمسار انداز میں بتایا۔

"اب آپ فکر نہ کریں پھوپھو! وہ تو لاک اپ میں چلے گئے ہیں۔ دعا کریں وہیں رہیں۔ ہمیشہ ہمارے ساتھ ساتھ اور بہت سے لوگوں کا بھی بھلا ہوگا"۔

ریبا ان کے درمیان آ کر بیٹھ چکی تھی۔ اس کے کان میں بڑی امی کی آمد کی اطلاع پہنچ گئی تھی۔ اور بڑی امی سے اسے ہمیشہ زمانے بھر کی شکایتیں رہی تھیں۔

طاہر علی اور عارفہ دونوں چونک پڑے۔

"لاک اپ میں؟" "تمہیں کیسے پتا؟" عارفہ نے ریبا کے ساتھ ساتھ مظاہر کو دیکھا۔

"نون آبا خاندان کا۔ وہ کہیں ہوں ہم لوگوں کو بھولے نہیں ہیں۔" ریبا کھلکھلا کر ہنسی۔

مظاہر گڑبڑا کر رہ گئے۔

طاہر علی اور عارفہ چند ثانیے کو سناٹے میں رہ گئے۔

"کب سے ہے؟" عارفہ نے پوچھا۔

لاک اپ تو ایسے لوگوں کا ریسٹ ہاؤس ہوتا ہے۔ آ جائے گا دو چار روز میں باہر"۔

طاہر علی کسی سوچ سے باہر آ کر پرسکون لہجے میں کہہ رہے تھے جیسے جلدی ہی کسی نتیجے پر پہنچ گئے ہوں۔

"پھوپھو! منت مان لیں کہ اگر انہیں عمر قید ہو گئی تو غریبوں کو کھانا کھلائیں گے"۔ ریبا بڑی معصومیت سے گویا ہوئی۔

"اللہ بدخواہی کے احساس سے بچائے۔ جو گمراہ ہیں انہیں ہدایت دے"۔ وہ اپنا سینہ بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ویسے اس طرح کے لوگوں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ دیکھیے گا انشاء اللہ ایک دن خود بھی قتل ہی ہوں گے۔" وہ بجز ماہ نور نے بڑی بے ساختگی سے ریبا کی طرف دیکھا تھا اور اس کے دیکھنے کو مظاہر نے دیکھا تھا۔

بری بات بیٹی! ایسی بری باتیں منہ سے نہیں نکالتے اچھا نہیں لگتا۔" طاہر علی نے ریبا کو ٹوک دیا۔

تو پھر کیا کریں۔ بچوں کو اتنا ستاتے کیوں ہیں۔ بڑی اماں کہتی ہیں کہ دکھا دل تو خود ہی بددعا ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنی بددعائیں لیتے ہیں ان کا تو انجام برا ہوتا ہی ہے۔ ایک دن تو حد ہی ہو گئی۔ پھوپھو وہ جا رہے۔

ریبا! بری بات۔ تمہیں ان باتوں میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔

طاہر نے اسے فوراً ہی ٹوک دیا۔ ریبا سمجھ گئی کہ اس واقعے کا یہاں ذکر کرنا چاہیے تھا۔

عجیب سی بے چارگی و بے بسی کا احساس ہے بیٹے! ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم یونہی ویران رہیں گے۔ تنگی کا وقت کبھی گزرے گا ہی نہیں۔ زندگی کون سا ٹھنڈی ہوا کا جھونکا تھی۔ اللہ ہی اس گرداب سے نکالے"۔

"انشاء اللہ بہتری ہوگا۔ آپ حوصلہ نہ ہاریں۔ اچھی امید اور دعا کا سہارا لیں کیوں اتنی مایوس ہوتی ہیں۔

آپ ہمیشہ سے اپنی خودداری کا مظاہرہ کرتی رہی ہیں کہ بڑی اماں ہوں آپ کی مدد کے خیال سے گھبراتی ہیں کہ آپ برا نہ مان جائیں۔ آپ کو دکھ نہ ہو۔ کہتی ہیں میں ہمیشہ پہلے سادہ کھانے سے پیٹ بھرتی ہوں بعد میں کوئی اچھی چیز چکھ لیتی ہوں۔ کہتی ہیں دسترخوان پر مجھے عارفہ یاد آ جاتی ہے۔ لیکن پھوپھو خودداری اچھی چیز ہوتی ہے مگر اپنی سگی ماں سے کسی قسم کا تعاون حاصل کرنے میں کیا جھجک؟"

مظاہر نے دبے دبے انداز میں دل کی بات کہہ ہی گئے۔

"اپنی اپنی طبیعت ہوتی ہے مظاہر۔ خواہ کوئی احساس کمتری کہے یا خودداری۔ اپنے گھر میں کھانا کو ہو تو دوسرے کے گھر میں کھانا اچھا لگتا ہے"۔

عارفہ نے بڑے وقار سے جواب دیا۔

"وہ آپ کی ماں کا گھر ہے۔ کسی دوسرے کا نہیں"۔ مظاہر نے برجستہ کہا۔

"چلو خیر چھوڑو۔ یقین کرو۔ اللہ نے کبھی بھوکا نہیں سلایا۔ اس کا شکر گزاری کو یہ بھی بہت ہے۔

"اب اس مصیبت کے وقت میں اماں اور تم لوگ جو تعاون کر رہے ہو یہی اپنائیت کا احساس ہمارے لیے بہت ہے"۔

"کیا تعاون کر رہے ہیں۔ یہ تو وہاں بھی فیدیوں کی طرح ہی زندگی گزار رہی ہیں۔" وہ بڑی صاف گوئی سے کہہ رہے تھے۔

"اب وہ قید ہو گئے ہیں تو یہ آزاد ہو گئی ہیں اور آج ان کا جان انہیں تھما پھرا رہے ہیں"۔ ریبا کے منہ سے پھر پھسل گیا۔

ماہ نور کچن میں تھی اور غصے سے رازدارانہ انداز میں باتیں کر رہی تھی۔ ریبا کی آواز وہاں بھی پہنچی تھی۔ کمرے میں کتنا بڑا اٹھا۔ سارے ہی دل پر ایک مرتبہ پھر خاموشی طاری ہو گئی۔

ریبا نے اچانک چھا جانے والے سناٹے پر محسوس کر لیا کہ اس سے پھر کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔

جاؤ ریبا! تم تمسہ کے پاس جاؤ۔ مجھے ذرا مظاہر سے ضروری بات کرنا ہے"۔

ریبا فوراً ہی اٹھ گئی۔

"کیا اسے واقعی جیل ہو گئی ہے۔ کیا کہہ رہی تھی ریبا؟" عارفہ کو بہت دیر سے بے چینی ہو رہی تھی۔ اس کے اٹھتے ہی بڑی پرازداری سے گویا ہوئی۔

"ابھی تو گرفتار ہوا ہے۔ کیس تو سیریس ہے۔ مگر خیال یہی ہے کہ بچ جائے گا"۔ مظاہر نے بھی بہت آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"تو پھر پرفون کیوں کیا تھا؟" طاہر علی کی سمجھ میں یہی بات نہیں آ رہی تھی۔

"بس ایسے ہی تاکہ ہم پریشان ہوں۔ اور کیا مقصد ہو سکتا ہے"۔ مظاہر نے سرسری سے انداز میں جواب دیا۔

"کیس کس قسم کا ہے؟" طاہر علی نے پوچھا۔

"یہ تو قتل کا۔ مگر اسے کیا فرق پڑتا ہے"۔ مظاہر کا انداز ہنوز لاپروائی پر مبنی تھا۔

"ہوں۔" طاہر علی کسی سوچ میں گم ہو گئے۔

"قتل پر تو پھانسی ہوتی ہے؟" عارفہ سادگی سے پوچھ رہی تھی۔

"اب نہیں ہوتی" مظاہر نے استہزائیہ انداز میں جواب دیا۔

"اتنے قتل ہوتے ہیں۔ کس کس کو پھانسی دیں؟" وہ تلخی سے مسکرا دیے۔

دونوں میاں بیوی یوں خاموش ہو گئے جیسے مظاہر سے اتفاق کر لیا ہو۔

"پھر بھی نہ کچھ تو سزا ہو سکتی ہے۔ آخر قتل ہے" عارفہ عارضی طمانیت سے احساس کو مستقل کرنا چاہ رہی تھیں۔

"بہت پیسہ ہے اس کے پاس، لاکھوں کی ضمانت بھی دے سکتا ہے" مظاہر نے فوراً اپنا سا جواب دیا۔

"ہاں یہ تو ہے۔ کسی کے پاس ضرورت کو بھی نہیں کسی کے پاس ضمانت کو بھی بہت"۔ وہ تلخ لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

"تو پھر اسے اب یہیں چھوڑ جاؤ"۔ وہ بولیں۔

"ابھی کچھ پتا نہیں۔ میرے خیال میں اسے وہاں بھی کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ایک بات اور کرنا تھی آپ سے۔" مظاہر ہچکچاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"ہاں۔ ہاں۔ کہو۔ تکلف کیسا؟" طاہر علی نے جلدی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب آپ ماہ نور کی شادی کر ہی دیں۔ وہ جو آپکے دوست کے صاحبزادے کا پرپوزل ہے۔ اسے دیکھ کر دیں۔ آخر ایک روز شادی تو کرنا ہی ہے۔ کیوں پھوپھو؟"

"ہاں۔ ٹھیک کہہ رہے ہو" انہوں نے ایک افسردہ سی نگاہ مظاہر پر ڈالی۔

"آئے تو تھے وہ لوگ۔ مگر وہ تو ابھی منگنی کے موڈ میں ہیں۔ شاید وہ پہلے بیٹی کی شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔ ظاہر ہے ابھی اسی بیٹے کی کمائی سے گھر چل رہا ہے۔ عموماً بیٹیوں والوں کو خوف ہوتا ہے کہ شادی کے بعد کماؤ بیٹا تعاون سے ہاتھ نہ کھینچ لے۔ اب ہم اپنی طرف سے اصرار تو نہیں کر سکتے۔ لڑکے والے شک میں بھی پڑ سکتے ہیں کہ لڑکی والے اتنی جلدی کیوں کر رہے ہیں۔ سمجھ رہے ہو ناں میری بات۔"

عارفہ مظاہر سے پوچھ رہی تھیں۔

"جی۔ جی۔ سمجھ رہا ہوں۔ بہرحال آپ بات کر کے دیکھیں۔ لڑکیاں تو بہت بھاری ذمے داری ہوتی ہیں۔ جلدی عہدہ برآ ہو، اچھا ہوتا ہے۔ ہم ربا کی شادی بھی جلدی ہی کرنے کے موڈ میں ہیں۔ سال کے آخر تک چاند بھائی بھی آ جائیں گے۔ بہت مناسب وقت ہوگا"۔

مظاہر کا انداز بہت مناسب اور پختہ تھا۔

"ایک ویسی ذمے داری۔ بھاری سل ہوتی ہیں۔ حالانکہ بیٹیوں سے زیادہ خدمت گزار اور ہمدرد ہوتی ہیں۔ مگر رکھنے کی چیز نہیں ہوتیں۔ اللہ نے بڑی اچھی شکل دی۔ سوچتی تھی اتنا، اللہ کسی اچھے اونچے گھرانے میں نصیب کھلے گا۔ مگر قسمت کے آگے کس کا زور چلتا ہے۔ خیر کوشش کر دیکھتی ہوں۔ میں تو خود چاہتی ہوں کہ کل کی ہوتی آج ہو جائے۔ فکر سے نیند اچاٹ ہو گئی ہے راتوں کی"۔

عارفہ نے کہا۔ انہوں نے جو کچھ کہا تھا مظاہر نے بہت دلچسپی اور توجہ سے سنا تھا۔ چند لمحوں تک تو وہ کسی سوچ میں ڈوبے رہے۔

"تم چائے پی رہے ہو۔ ٹھنڈا۔ کھانا تم کھا کر آئے ہو۔ بتاؤ پھر کیا خاطر مدارات کریں تمہاری۔" عارفہ نے یکدم موضوع بدل دیا۔

"کمال کرتی ہیں آپ۔ کوئی تکلف کی بات نہیں ہے۔ ہمارا اپنا گھر ہے۔ اصل میں ہم راستے میں [illegible]

حالانکہ یہاں تو وہ کبھی چائے بھی نہیں پینے آیا۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہم خواہ مخواہ ڈر رہے ہیں۔ جو رب، وہ ہاتھ وہ پاؤں والا انسان ہی تو ہے۔ مجھے اب کوئی ڈر نہیں ہے۔ گھر بدلنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

عارفہ نے جس انداز میں مظاہر سے یہ جملہ کہا تھا کہ سوچا تھا صورت اچھی ہے۔ کسی اچھے اونچے گھرانے میں قسمت کھل سکتی ہے۔ مگر قسمت کے آگے کس کا زور چلتا ہے۔ یہ حسرت ناک جملہ سے یوں محسوس ہوا تھا گویا وہ مظاہر کے سامنے دامن پھیلا رہی ہوں۔ اسے اپنی ماں کی خواہش کا ادراک تو بہرحال تھا۔

اور اسے ماں کا دامن خالی ہی رہنے کا یقین تھا۔ مگر سوال کی شرمندگی تو اضافی تھی۔ لاشعوری طور پر ہی سہی۔

طاہر علی عارفہ ماہ نور دم بخود ہو کر اس کی سمت دیکھ رہے تھے۔

یہ سب کچھ ماہ نور نے کہا تھا۔ انہیں کیسے یقین آتا کہ بیٹھی ہوں ہاں جی بہتر سے کام لینے والی لڑکی۔ آج واضح آواز میں مکمل کر کے گویا ہوئی تو پتا چلا کہ اس کی آواز میں کتنی خوبصورت کھنک ہے۔ ہمیشہ آواز دبا کر بولتی تھی تو آواز کی اصل خوبصورتی بھی دبی رہتی تھی۔ خاص طور پر طاہر علی تو حیرت سے چکرا سے گئے تھے۔

"بڑی اماں کو فکر سے نیند نہیں آئے گی۔ ان کی طبیعت بھی خراب ہو سکتی ہے"۔ مظاہر نے خود کو سنبھال کر نارمل انداز میں بات کی۔

"نہیں ہوگی۔ ان سے کہیے گا امی کے ساتھ کسی روز ملنے آ جاؤں گی"۔

"آج چلی جاؤ۔ صبح انہیں سمجھا کر ان سے اجازت لے کر آ جانا" عارفہ نے اسے سمجھایا "کیا سوچیں گی وہ؟"

"وہ کچھ نہیں سوچیں گی مجھے یقین ہے"۔

"آپی! نہیں کریں۔ بس چلیں اب۔ آپ کی وجہ سے تو اب مجھے گھر میں رونق محسوس ہوتی ہے"۔

ربا نو پریشان ہو گئی تھی۔ ماہ نور نے اتنی سرعت سے پینترا بدلا تھا کہ وہ سب سے زیادہ ہکا بکا تھی۔ مگر ماہ نور اس کی بات سنی ان سنی کر کے سامنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"کیا ہوا اسے؟ ایکا ایکی؟" "خیر تم ٹھہرو۔ میں ابھی آتی ہوں"۔

عارفہ مظاہر سے کہہ کر اس کے کمرے کی طرف بڑھیں جہاں ایک منٹ پہلے ماہ نور داخل ہوئی تھی۔ ربا ان کے پیچھے لپکنے لگی مگر مظاہر نے اس کا بازو تھام لیا۔ نسرین بھی سوچ میں ڈوبی اٹھ کر ماں کے پیچھے چل پڑی تھی۔

❁

"یہ کیا حرکت ہے۔ کتنی پریشان ہوں گی اماں؟" عارفہ نے ناراضگی سے ماہ نور کی صورت دیکھی "اور یہ تم کیا کہہ رہی تھیں کہ یہاں تو کبھی وہ چائے پینے بھی نہیں آیا؟" وہ بہت فکر مندی سے پوچھ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں امی! کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔ جانے کیا کہہ گئی مجھے کچھ دھیان نہیں۔ آپ فکر مند نہ ہوں اور مامی جان قطعی پریشان نہیں ہوں گی۔ وہ دل کی اچھی انسان ہیں۔ یوں بھی وہاں میرا دل گھبراتا ہے۔ آپ بہت یاد آتی ہیں۔ میں زندگی میں کبھی بھی آپ سے دور نہیں ہوئی۔" وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ماں کو نہیں جانتیں۔ وہ واقعی پریشان ہو جائیں گی۔ تم ابا کر دو ابھی چلی جاؤ۔ میں صبح تمہیں خود لینے آ جاؤں گی۔ چلو اٹھو۔ شاباش تم نے ابھی سب کے سامنے کتنے عجیب طریقے سے بات کی۔ مظاہر کیا سوچ رہا ہوگا۔ یہ صلہ دیا ہے تم نے ان کی دیکھ بھال کا؟" وہ اسے پچکارنے لگیں۔

"میں نہیں جاؤں گی امی پلیز۔ آپ مجھے میری بات سمجھنے کی کوشش کریں"۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

"اب تم ضد نہ کرو۔ بری بات ہے بیٹے! مظاہر بہت محسوس کرے گا۔ بات کو سمجھو"۔ وہ اسے بازو سے پکڑ کر اٹھانے لگیں

"پلیز امی! مجھے مجبور نہ کریں۔" ماہ نور کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"کیا ہوا ہے۔ اماں تو تمہارا بہت خیال رکھتی ہیں۔" عارفہ پریشان ہو گئیں۔

"نانی امی واقعی بہت خیال رکھتی ہیں۔ بہت محبت کرتی ہیں۔ بس میرا دل چاہتا ہے کہ آپ سے دور نہ رہوں۔۔" اس نے آنکھیں پونچھیں۔

"تو پھر میری آخری مرتبہ بات مان لو۔ آج رات وہاں اور گزار لو۔ صبح میں تمہیں لے آؤں گی۔ اس کی اجازت سے چلو شاباش۔ دیکھو میری ماں کی ساری زندگی بہت ہی پریشانی میں گزری ہے۔ میں نہیں چاہتی ہماری جانب سے انہیں مزید الجھنیں ملیں۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔

میری بیٹی تو ویسے بہت اچھی اور سمجھدار ہے۔"

عارفہ نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

اور ماہ نور یکلخت پگھل کر رو دی۔

"ٹھیک ہے امی اگر آپ صبح ضرور آ جائیے گا۔" اس نے شمسہ کی طرف دیکھ کر کہا جو گم صم بت بنی کھڑی تھی۔

عارفہ کے چہرے پر چمک سی آ گئی۔

"ہاں ہاں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں صبح کو ساتھ لے کر آؤں گی۔ تم کھڑی ہو جاؤ۔ میں باہر جاتی ہوں۔ مظاہر پریشان ہو رہا ہو گا۔" وہ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

مظاہر اور ریا اسی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ مظاہر نے بڑی جانچتی ہوئی نگاہ پھوپھی کے چہرے پر ڈالی۔

"آ رہی ہے۔ بس کبھی بغیر رہی نہیں ہے۔ نا۔ اس لیے ذرا گھبرا گئی۔ کہہ رہی ہے نانی امی ریا اور دوسرے سب میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ مگر آپ بہت یاد آتی ہیں۔ خیر میں نے سمجھا دیا ہے" وہ مظاہر سے مخاطب تھیں۔

مظاہر خاموشی سے سر جھکا کر جوتے کی نوک سے فرش پر کوئی نقش بنانے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ماہ نور باہر آ گئی۔ وہ دوپٹہ درست کر رہی تھی اور نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ آ کر مظاہر کے مقابل کھڑی ہو گئی۔ ریا نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

"میں تو ڈر ہی گیا تھا کہ پتا نہیں شاید ہم سے کوئی غلطی ہو گئی جو آپ کا موڈ اتنا خراب ہو گیا۔" اس نے ماہ نور کا رخسار چوم کر کہا۔

"ارے نہیں۔ یہ کیسے سوچ لیا تم نے۔ ہم تو بہت اچھی ہیں" ماہ نور نے اس کا ہاتھ تھام کر بہت محبت سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے پھوپھا جان۔ پھر اجازت؟" مظاہر نے طاہر علی کی سمت ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھیک ہے بیٹے!" طاہر علی کسی دھیان سے چونکے۔ وہ ماہ نور کے بدلے انداز پر ورطۂ حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے

"خدا حافظ ابو" ماہ نور نے آہستگی سے کہا۔ طاہر علی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ مظاہر اور ریا کے پیچھے چل پڑی

مظاہر نے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ اور خود ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گئے۔ ریا ماہ نور کے ساتھ پچھلی سیٹ پر ہی جم گئی۔ طاہر علی، عارفہ اور شمسہ دروازے پر کھڑے تھے۔ ماہ نور اور ریا نے ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

"تو بہ آپی! آپ نے تو میری جان ہی نکال دی۔ کیا ہو گیا تھا آپ کو؟" ریا نے ماہ نور کا ہاتھ تھام کر بہت محبت سے پوچھا

"کچھ نہیں۔ بس۔ وہ امی بہت یاد آتی ہیں۔" وہ خفیف سے لہجے میں جواب دے گئی۔

"جب آپ کی شادی ہو جائے گی تب تو آپ کو پھوپھو کے بغیر رہنا پڑے گا۔ یا جہیز میں لے کر جائیں گی پھوپھو کو؟"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ماہ نور لاجواب سی ہو کر خاموش رہی۔

"ویسے تو آپ اتنی اچھی ہیں۔ اگر امی رات کو بھی اپنے دولہا سے کہیں گی کہ امی یاد آ رہی ہیں تو وہ فوراً آپ کو پھوپھو کے پاس لے آیا کریں گے"

ریا نے اپنا سر اس کے شانے سے ٹکا کر کہا۔

"اکان جان کا موڈ بہت خراب ہے۔ کوئی بات کریں ان سے۔" ریا نے سرگوشی کی۔

"کیوں میں نے انہیں کیا کہہ دیا ہے۔ خود ہی لانے لائے تھے۔ امی سے۔ میں نے تو فرمائش نہیں کی تھی۔" ماہ نور نے برا مان کر مظاہر کی پشت کی طرف دیکھا۔

"تو آپ ویسے ہی کوئی بات کر لیں نا۔ پتا تو چل جائے گا کہ اس وقت ان کا موڈ کیسا ہے؟" ریا نے پھر سرگوشی کی

ماہ نور خاموش رہی۔

"اکا جان! آپ پوچھ رہی ہیں آپ ناراض تو نہیں ہیں؟" ریا نے سرِ راہ انداز میں پوچھ ہی لیا۔

ماہ نور نے برا مان کر ریا کی طرف دیکھا۔

"کس خوشی میں؟" مظاہر کا لہجہ سرد تھا۔

"خوشی میں؟" ریا نے تعجب سے ماہ نور کی طرف دیکھا۔ "ناراض بھی خوشی میں ہوتے ہیں؟" ریا سرگوشی کے انداز میں ماہ نور سے پوچھنے لگی۔

"ویسے ہی۔ یونہی آپ کا موڈ دیکھ کر خیال آ گیا تھا" ریا نے وضاحت کی۔

مظاہر کی محسوس ہونے والی خاموشی بہت ستانے والی تھی۔ ریا بھی سنجیدہ ہو گئی تھی اور خاموشی سے ہیڈ سے سر لگا رہا۔ یوں جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

"وہ بلوچ کا کوئی فون تو نہیں آیا تھا کل؟" نفیس خواجہ نے لاؤنج میں قدم رکھتے ہی شاہانہ سے پوچھا تھا۔ نہایت حیرت کا مقام تھا وہ اپنے ہاتھ نفیس خواجہ کے لیے بریک فاسٹ ارینج کر رہی تھیں۔

"نہیں۔" انہوں نے مختصراً جواب دیا۔

"بہت غیر ذمہ دار ہے یہ شخص۔ حد ہو گئی" وہ ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہوئے ٹیبل تک آ گئے۔

"اور یہ شمسی کو کیا ہوا۔ صبح میرے کمرے میں بیڈٹی کے بجائے سیب کا جوس رکھ دیا۔ خیر میں نے پی لیا تھا۔"

وہ مارننگ نیوز پر نظریں دوڑانے لگے۔

"شمسی کو میں نے کہا تھا۔ صاحب کو روز مارننگ ایپل جوس دیا کرو۔ آپ اب اس ایج پیریڈ میں داخل ہو چکے ہیں جب فٹنس پر اسپیشل توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کی تو مصروفیات کا تقاضا ہے کہ آپ ایکسٹرا کیلوریز اسٹور رکھیں۔"

وہ نیازمندانہ نفیس خواجہ کے سامنے رکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

نفیس خواجہ اخبار دیکھنا بھول گئے اور شاہانہ کا چہرہ غور سے دیکھنے لگے۔

بے حد نرم اور نازک کپڑے کے نائٹ گاؤن میں ملبوس۔ ترشیدہ بالوں کو خوبصورت کلپ میں جکڑے ہونٹوں پر پیازی سیڈ کی چمکدار لپ اسٹک کی تہہ جمائے ہر قسم کی جیولری کے بوجھ سے آزاد۔ ضروری اشیاء نفیس خواجہ کے آگے رکھتے ہوئے شاہانہ انہیں حیرت سے پتھر بنا رہی تھیں۔

معاً وہ ٹھٹھک گئے۔ اوہ۔ یقیناً کوئی بڑا انقلاب۔ نئی فرمائش۔

"تھینکس" آخر انہیں کچھ تو بولنا تھا۔ بہر حال انہیں شاہانہ کے بولنے کا انتظار تھا۔

"یہ تو تم نے ٹھیک کہا میں بھی محسوس کرتا ہوں کہ اب میری اپنی شخصی وہ نہیں جو میرے بزنس کا تقاضا ہے۔ بوتھینکس انجمن"۔ وہ حیرت چھپا کر بہر حال مسکرائے۔

"آج کل تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں؟" انہوں نے پھر اخبار پکڑ لیا۔

شاہانہ نے چونک کر نفیس خواجہ کی شکل دیکھی۔

"مسئلہ نہیں۔ تو کوئی مسئلہ نہیں۔ یہ آپ کو کیا دھیان آیا" وہ الجھنے لگیں خود سے۔

وہ قدرے سرزدہ انداز میں مسکرا دیے۔ شاہانہ نے یوں پلکیں جھکا لیں جیسے شادی کے اوائل دنوں میں وہ نفیس خواجہ کی کسی شرارت سے لاجواب ہو کر جھکا لیتی تھیں۔

"آپ کو چاہیے کہ اب پائپ بھی کم سے کم یوز کریں۔ لڑکے کتنے ہی اپنی ضد ہو جائیں۔ بہر حال آپ جتنا سنس آف ڈیوٹی تو ان میں نہیں آ سکتا" انہوں نے چائے کا کپ نفیس خواجہ کے سامنے رکھ دیا۔

"اور کوئی حکم بیگم صاحبہ!" قدرتی طور پر نفیس خواجہ کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔

"فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔" شاہانہ پیشانی سے بال سمیٹ کر ان کے مقابل بیٹھ گئیں۔

"اور میں یہ بھی کہہ رہی تھی۔ آپ مظاہر سے فائنل بات کریں۔ میرا خیال ہے ہم منگنی کے بجائے سون کا نکاح کر دیں۔ یہ ذرا اسٹرونگ رہے گا۔ رخصتی تک کم از کم فون پر بات چیت رہے گی تو اجنبیت بھی ختم ہو گی اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع بھی ملے گا۔ کیا خیال ہے؟" وہ پوچھنے لگیں۔

"وہری نائس۔ آج ہی بات کرتا ہوں۔ ڈونٹ وری" نفیس خواجہ نے جواب دیا۔

"کوئی خاص تیاری تو کرنا نہیں ہے۔ ری سینٹلی میں نے اپنے لیے جیولری تیار کرائی تھی خاصی بھاری ہے اس لیے سوچا وہ رباب کو چڑھا دوں گی نکاح پر۔ ایک بھاری سوٹ لینا ہو گا چار ہلکے بنا لوں گی۔ ان کے ساتھ میچنگ آرٹیفشل جیولری پرس اور شوز لینا ہوں گے۔ پھل اور مٹھائی ہو گی۔ ٹھیک ہے ناں؟"۔

"بالکل ٹھیک۔" نفیس خواجہ پر تو رعشہ طاری ہونے لگے۔ اتنی حسین صبح کا تصور بھی ان کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ وہ سون کے لیے یہ سب پروگرام بنا رہی تھیں۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

اخبار۔ ناشتا۔ سب کچھ ان کے ذہن سے محو ہو رہا تھا۔

شاہانہ بے چینی سے بار بار بیسٹ واچ پر نظر ڈال رہی تھیں۔ کبھی ساتھ والے کمرے کے ادھ کھلے دروازے کی طرف دیکھ لیتی تھیں۔ کبھی اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیتیں۔

انتظار کی اذیت حد سے گزری تو بالکنی میں جا کھڑی ہوئیں اور رواں ٹریفک پر نظریں دوڑانے لگیں۔ پیشانی پر شکنیں

اور آنکھوں میں سوچ تھی۔

تقریباً آدھ گھنٹہ مزید گزرا تب جا کر کال بیل بجی وہ انڈین سوتی ساری میں تقریباً الجھتی ہوئی داخلی دروازے کے طرف آئیں اور تیزی سے چٹخنی گرا دی اور دروازہ کھول دیا۔

سامنے اللہ یار سونل کی ماں اور باپ کھڑا تھے۔

"سلام بیگم صاحب" تینوں نے ہاتھ جوڑ کر سلام کیا۔

"حد ہو گئی اللہ یار! اتنی دیر لگا دی۔ دو گھنٹے سے یہاں بیٹھی ہوں" وہ سلام کے جواب میں خاصی ناراضگی سے گویا ہوئیں۔

"گوٹھ سے جلدی نکل گئے تھے بیگم صیبہ پیچھے میں دیر ہو گئی۔ بڑی مشکل سے سواری ملتی ہے۔" اللہ یار دست بستہ گویا ہوا

"ہوں!" شاہانہ واپس پلٹ کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ اللہ یار نے دروازہ بند کر دیا اور تینوں شاہانہ کے قدموں میں کارپٹ پر بیٹھ گئے۔

"ساری بات سمجھا دی ہے ناں دونوں کو؟" وہ اللہ یار سے پوچھ رہی تھیں۔

"جی"۔ اللہ یار نے نظریں جھکا کر کہا۔

"یہ تو یک قیامت ٹوٹی ہے ہم غریبوں پر" سونل کی ماں رونے لگی۔

"اچھا زیادہ شور کرنے کی ضرورت نہیں ہے بڑی بی! جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ کیونکہ سونل میرے گھر میں رہ رہی تھی اسے لیے میں تمہاری مدد کر رہی ہوں۔ یہ تین کمروں کا فلیٹ ہے۔ لوا کھ کا خریدا تھا میں نے کرائے پر دینے کے خیال سے۔ فی الحال تمہیں رہنے کے لیے دے رہی ہوں۔ ضرورت کی سب چیزیں اس میں موجود ہیں۔ کچھ برتن بھجوا دوں گی۔ اللہ یار بیٹے تو گزر خرچ دے جایا کرے گا اور سنو اسے مارنے پیٹنے کی ضرورت نہیں اور نہ کچھ پوچھنے کی۔ سب پوچھ لیا ہے میں نے۔ جب تک بچہ بورڈنگ میں جانے کے قابل نہ ہو جائے اسے سونل ہی پالے گی اور اس وقت تک تم سونل کی شادی نہیں کرو گی۔ میری بات سمجھ میں آ رہی ہے؟" وہ سونل کے باپ سے پوچھنے لگیں۔

"جی۔ جی۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"آپ غصہ نہ کریں تو ایک بات پوچھوں بیگم صیبہ؟" سونل کی ماں گھگھیا کر بولی۔

"ہوں؟" شاہانہ نے بے زاری سے جیسے اجازت دی۔

"سونل منحوس نے آپ کو کیا بتایا؟" وہ سسک رہی تھی گویا۔

"جو بتانا تھا بتا دیا۔ اب وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گی اور تم پوچھنا بھی نہیں۔ اس لیے کہ کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ بس یہ سوچو کہ اللہ نے بیٹھے بٹھائے تمہارے رزق روزی کا بندوبست کر دیا ہے"۔

یہ کہہ کر انہوں نے پرس کھولا اور پانچ سو کا نوٹ سونل کے باپ کی طرف بڑھا دیا۔

سونل کے باپ کی آنکھوں کی گدلاہٹ چمک میں بدل گئی۔ اس نے نوٹ اتنی عقیدت سے لیا گویا کسی مقدس شے کو چھونے کی سعادت حاصل کر رہا ہو۔

"گھر میں بھی دونا کھانا اور دوسری چیزیں بچی رہتی ہیں۔ اللہ یار دے جایا کرے گا۔ اپنی لڑکی کے نصیب سے تم بھی خوب پیٹ بھر کھانا۔

"دونوں لڑکیاں اندر ہیں۔ خیال سے رہنا اور کوئی نئی مصیبت برداشت نہیں کروں گی" وہ خود کھڑی ہو گئیں۔

وہ دونوں اٹھ گئے۔

"آس پاس کے فلیٹوں میں آنے جانے کی ضرورت نہیں۔ نہ کسی سے تعلقات بڑھانے کی۔ نہ مالکوں سے نہ ملازموں سے۔ کان کھول کر سن لو۔"

"اپنی ہستی کیا ہے بیگم صیبہ۔ کہاں یہ لوگ کہاں ہم۔ فکر نہ کریں جیسے آپ حکم کریں گی ویسے ہی ہوگا" سول کے باپ نے پھر ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔

"اتنا خوبصورت گھر۔ پانچ سو کا نوٹ۔ جلتی دھوپ میں بے سائبان چوک میں سنہری روٹی کے سنہرے سپنے۔ سارے خواب ایکا ایکی حقیقت بن گئے تھے۔

"اور ہاں یہاں ذرا تمیز سلیقے سے رہنا۔ گھر میں معمولی سی گندگی برداشت نہیں کروں گی۔ نہ کوئی ٹوٹ پھوٹ ہونا چاہیے نہ دروازوں کے ہینڈل خراب ہونا چاہئیں۔ باتھ روم فنائل سے روزانہ دھلیں گے۔ کچن کا سنک ہر وقت چمکتا نظر آنا چاہیے۔"

انہوں نے سخت انداز میں تاکید کی اور پرس کھول کر گاڑی کی چابی نکالی۔

"چلو اللہ یارو۔"

"سول کو بول باہر آ کر بیگم صیبہ کو سلام بولے" سول کے باپ کا لہجہ خوشامدانہ تھا۔

"نہیں نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔" وہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں۔ پیچھے پیچھے اللہ یار بھی چل رہا تھا۔

سول کا باپ نئے سرے سے نوٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ ایک دو مرتبہ سونگھا بھی تھا۔ یوں جیسے تازہ پھول سونگھ رہا ہوں۔

عارفہ طاہر علی کا انتظار کر رہی تھیں کہ وہ ظہر کی نماز پڑھ کر واپس آئیں تو وہ گھر سے نکلیں۔ شمسہ بھی تیار حالت میں بہت بے قرار ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ شمسہ لپک کر دروازے تک گئی اور بڑی عجلت میں وا کر دیا مگر دوسرے ہی لمحے ہلکی سی چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔ عارفہ بری طرح چونک پڑی تھیں۔ شمسہ کی ہلکی چیخ بہت بے ساختہ تھی۔ وہ بہت تیزی سے دروازے تک آئی تھیں۔ سامنے سیاہ پینٹ لیمن کلر شرٹ اور سرخ اسکارف وائیں بائیں لٹکائے پاشا کھڑا تھا۔ آنکھوں پر سیاہ گاگلز تھے۔

"السلام علیکم" اس کا انداز شائستہ تھا۔

"وعلیکم السلام" عارفہ کا انداز خود بخود بے مہر ہو گیا۔ بہت رکھائی سے جواب دیا گیا۔

"خیریت؟" وہ مزید گویا ہوئیں۔

"اندر بلا کر بات کر لیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔" وہ اسی انداز میں گویا ہوا۔

"میں تمہیں اندر نہیں بلا سکتی۔ پہلی وجہ تو یہ کہ میرے میاں گھر میں نہیں ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ ہم تم سے کوئی بات کرنا ہی نہیں چاہتے۔ خدا حافظ۔"

انہوں نے دروازہ بند کرنا چاہا تو پاشا نے دروازے میں اپنا ہاتھ اس طرح دیا کہ وہ بند نہیں کر سکی تھیں۔

"آپ سے آخری مرتبہ بات کرنے آیا ہوں۔"

"اگر مجھے طاقت کے زور پر نادو کو حاصل کرنا ہوتا تو وہ آج میرے گھر میں ہوتی مجھے پتا تھا کہ آپ لوگ کبھی نہیں مانیں گے۔ سو میں نے اسے محبت سے جیتنا چاہا مگر وہ آپ سے بھی بڑی پتھر نکلی۔

میں رات کو مظاہر کے ہاں فون کر کے آپ لوگوں سے آخری مرتبہ پوچھوں گا۔"

"پھر اس کے بعد ہمیں گولی مار دو گے؟" عارفہ اس کی بات کاٹ کر تلخی سے بولی تھیں۔

"اس سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟" وہ بھی تلخ ہو رہا تھا۔

"پھر اس کے بعد آپ مجھے کسی الزام سے نہیں نوازیں گی۔ آپ اسے سات پردوں میں چھپا دیں۔ مگر وہ میری ہے۔ ابھی آپ کو یقین نہیں آ سکتا مگر آ جائے گا۔ اللہ حافظ۔"

وہ پلٹا اور سامنے کھڑی بائیک پر بیٹھ کر کک لگائی اور زن سے لے اڑا۔

عارفہ اور شمسہ کا سکتہ طاہر علی کی آمد سے ٹوٹا تھا۔

"کیا بات ہے۔ اس طرح کیوں دروازے پر کھڑی ہو۔ خیریت؟" کمزور اعصاب طاہر علی بری طرح گھبرا گئے۔

"نہیں نہیں کچھ نہیں۔ وہ ایسے ہی بس آپ کا راستہ دیکھ رہے تھے۔ اماں کی طرف جا رہے ہیں نا۔ خاصی دیر ہو گئی ہے نادو انتظار کر رہی ہوگی۔"

"اس طرح دروازے پر کھڑے ہو کر مجھے دیکھ رہی تھیں؟"

طاہر علی کو ان کی دماغی صحت پر شبہ ہونے لگا۔ "آخر میں گھر کے اندر ہی آتا گلی میں تو کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔"

شمسہ اندر جا چکی تھی۔ عارفہ ایک طرف کو ہو گئیں اور طاہر علی اندر آ گئے تو انہوں نے دروازہ بند کر دیا۔

"شمسہ اپنے ابا کو کھانا دو اور خود چادر اوڑھ کر تیار ہو جاؤ۔"

طاہر علی ہنوز الجھن میں تھے انہیں عارفہ کی بات کا اعتبار نہیں آیا تھا۔ اس طرح دروازے میں کھڑے ہو کر تو ان کی کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ کسی بات کو بنیاد بنا کر بحث کرنے خاموشی سے پلنگ پر بیٹھ گئے۔

"بتاؤ کیا ہو رہا ہے کہ وہ اندر ہے۔ عارفہ کمرے میں جانے کے بجائے کچن میں چلی آئیں اور شمسہ سے مخاطب ہوئیں۔

"میرے تو پاؤں تلے سے جیسے زمین سرک گئی۔ بتاؤ فیصلہ سنا گیا ہے اگر وہ اس وقت گھر میں ہوتی تو اس کا ہاتھ پکڑ کر چلا بنتا۔" وہ خوفزدہ انداز میں جیسے خود سے مخاطب تھیں۔

"اور وہ جیسے چل پڑتی۔ حد کرتی ہیں امی آپ بھی۔" شمسہ نے خاصی ناراضگی سے کہا۔ "وہ جان دے سکتی ہیں۔ ان کا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہونے دیں گی۔ بظاہر وہ پھول کی طرح نازک ہیں مگر بہت ضدی ہیں ان میں۔"

شمسہ نے ٹرے میں کھانا سجاتے ہوئے بڑے یقین سے کہا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے مگر یہ اور طرح کا مرد ہے۔ اس کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اب تم جلدی کرو۔ جا کر اماں کو بتاتی ہوں اور اسے بھی سمجھاتی ہوں۔ یہاں تو ہم اکیلے ہوتے ہیں وہاں ماشاء اللہ کئی لڑکے ہیں انہی طرف قدم بڑھاتے ہوئے دس مرتبہ تو سوچے گا۔" وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

"شمسہ بھی ٹرے اٹھائے پیچھے پیچھے نکلی تھی۔ وہ تو خود اکیلی بور ہوتی تھی۔ سوچ رہی تھی آپا آ جائیں گی تو گھر میں پھر سے رونق ہو جائے گی وہ اب تو لازمی ہوگی اس لئے کہ وہ "اندر" ہے مگر۔" اب نئے سرے سے سوچ سوچ کر کڑھ رہی تھی۔

"اتنی جلدی" باہر آ گیا۔ پتا نہیں کیسا قانون ہے یہاں کا۔ بے گناہ سے پھر رہے ہیں مجرم دندناتے پھر رہے ہیں" وہ ابا کے آگے کھانا رکھتے ہوئے سلگ رہی تھی۔

"چلیں امی! میں تو تیار ہوں؟" اس نے پلنگ سے چادر اٹھاتے ہوئے ماں کو آواز دی۔

"ہاں۔ ہاں میں بھی تیار ہوں۔ آپ فکر نہ کیجئے گا۔ ہم جلدی آنے کی کوشش کریں گے۔" وہ چادر اوڑھتے ہوئے شوہر کو تسلی بھی دے رہی تھیں۔

"ذرا میں ماہ نور کے ایک دو سوٹ رکھ لوں۔"

"کیوں۔ اسے ساتھ لے کر نہیں آؤ گی۔ اس کم بخت کا کوئی بھروسا نہیں۔" وہ شمسہ کی طرف دیکھ کر یوں گویا ہوئیں جیسے کہہ رہی ہوں کہ تم کچھ نہ بولنا۔

"لے آؤ۔ جب اس کا دل نہیں لگ رہا۔ اللہ مالک ہے۔" طاہر علی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "بیکار کڑھتی ہو گی۔"

"اس کے کڑھنے کی چھوڑیں۔ وہ تو بچی ہے۔ دوسرے جو پریشان ہو رہے ہیں۔ میں اسے لینے نہیں سمجھانے جا رہی ہوں۔"

"دیکھ لو اگر سمجھ جائے۔ مرضی ہے تمہاری۔"

وہ یہ کہہ کر کھانا کھانے لگے۔ عارفہ اور شمسہ ایک شاپنگ بیگ کے ہمراہ باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

"اوئی۔ آ گیا؟" بڑی اماں کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

"آ گیا۔ اور آ کر دھمکا کے کر بھی چلا گیا۔ نواب کی اولاد۔" عارفہ نے چور نظروں سے دور دور کام کرتی ماہ نور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے بھیجا اس پر قفل ڈالا تھا۔" بڑی اماں کے اوسان جواب دینے لگے۔

"ایسوں پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پہلی مرتبہ تو نہیں ہوا ہو گا اس کے ساتھ۔" عارفہ نے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک کہا تم نے۔ اب پھر گھنٹیاں بجائے گا یہاں کی۔ مجھے تو اب مظاہر کی بھی فکر ہے۔ وہ اس سے ہار ماننے کو تیار نہیں۔ ایسوں کا کیا بھروسا۔" بڑی اماں بے حد پریشان نظر آ رہی تھیں۔ "پتا نہیں کیا ہے ہماری بچی کے نصیب میں۔"

"بس اماں دعا کریں اللہ عزت رکھ لے۔ پتا نہیں کیا غلطی ہوئی تھی مجھ سے۔" عارفہ افسردگی سے کہہ رہی تھیں۔

"خیر تم دل نہ گھٹاؤ۔ اللہ پر بھروسا رکھو وہی نکالے گا اس اندھیرے سے۔" بڑی اماں کو اپنی بھول گئی۔ بیٹی کو دلاسا دینے لگیں۔

"اماں! رات کو سو نہیں سکی۔ طرح طرح کے ہول آتے ہیں۔ دل سوکھے پتے کی طرح کانپتا رہتا ہے۔" عارفہ دوپٹہ آنکھوں پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

ربابہ اور شمسہ خدا معلوم کہاں تھیں۔ ماہ نور بھی وہاں سے جا چکی تھی۔

بڑی اماں نے عارفہ کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"بیٹی! گھبرا نہیں اللہ سے دعا کرو تم روؤ گی تو میں اور بے سکون ہو جاؤں گی آخر کیا کہہ گیا وہ؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔"

"یہی کہ اب میں وہ کر جاؤں گا جو میں کرنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ تو صاف دھمکی ہوئی اماں۔ کیا اسے زہر دے دوں؟ یا گولی مار دوں؟ وہ بلیک میل کر رہے ہیں۔

"ناں بیٹی! بری بات۔ یوں نہیں کہتے۔ ہماری بچی تو معصوم ہے۔ ہم کیوں دینے لگے۔ زہر یوں کفر نہ بولو۔ بس اللہ پر بھروسا رکھو۔" وہ عارفہ کی پشت سہلانے لگیں۔

اسی دم فون کی گھنٹی بجی۔ بڑی اماں یوں چونکیں جیسے کرنٹ لگا ہو۔

"دیکھوں کہیں وہی نہ ہو نامراد؟" عارفہ کو خود سے الگ کر کے وہ تخت سے اتر گئیں۔

بہت تھکے تھکے انداز میں چلتی ہوئی فون تک گئیں اور بہت احتیاط سے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو وعلیکم السلام۔ اچھا مظاہر۔ ہاں سب خیریت ہے۔ تمہاری عارفہ پھوپھو آئی ہوئی ہیں۔ کچھ نہیں۔ بس آج کچھ زیادہ ہی پریشان ہے۔ بہت رو رہی ہے۔ ارے وہ نامراد باہر آ گیا ہے ناں۔"

"کچھ کیوں نہیں ہوا۔ آتے ہی تو اس نے تمہاری پھوپھی کے گھر حاضری لگائی۔ خوب دھمکا کر گیا ہے۔ مارے ٹھنڈی ہول رہی ہے۔"

"ہاں تو تم تماشے باندھو۔ ہم تو پریشان ہوں گے اس لئے کہ بات ہی پریشانی کی ہے۔ اپنی اپنی طبیعت ہے بیٹے۔"

"کیا سمجھاؤں۔ مصیبت میں کچھ سمجھ نہیں آتی۔ وہ رو رو کر ہلکان ہوئی جا رہی ہے تم کتاب سنا رہے ہو۔" بڑی اماں بری طرح جل بھن رہی تھیں۔

"کتنی دیر سے آؤ گے۔ ٹھیک ہے اللہ حافظ۔"

وہ واپس تخت پر بیٹھ گئیں۔ عارفہ آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔

"نہ رو بیٹی۔ آج تو میں بڑی بے عزتی سے بچنے کے لئے چھوٹی بے عزتی کرا لوں گی۔ ایک کا دل ٹوٹتا ہے تو ہے دوسرے نے دیکھ رکھی ہے مظاہر کا کوئی مسئلہ نہیں آج میں صاف کہہ دوں گی کہ تمہیں ماہ نور سے نکاح کرنا ہے طاہر علی کے دوست سے ہم مر کر بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ راتوں رات بارات لے آئیں۔ اس منحوس کا کوئی بھروسا نہیں۔ میں تو صاف کہہ دوں گی کہ ماہ نور سے نکاح کرو ورنہ میں جاتی ہوں ہمیشہ کو عارفہ کے گھر۔ اپنی بچی کو مصیبت میں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔ سنبھالو تم لوگ اپنا گھر۔"

بڑی اماں نے گویا اٹل فیصلہ کر کے بڑے زور سے پاندان کھولا تھا۔

عارفہ ہکا بکا ماں کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ اس طرح ان کا خواب پورا ہو جائے گا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔

چند لمحوں بعد وہ دوبارہ حواسوں میں آئیں تو کسی سوچ سے چہرے پر افسردگی جھلکنے لگی۔

"نہیں اماں! آپ یوں سختی سے کام لے کر کسی کو مجبور نہ کریں۔ مظاہر بھی ہمارا اپنا بچہ ہے میں اپنی مصیبت اس کے سر کیوں ڈالوں۔"

"اپنا بچہ ہے تب ہی تو کہہ رہی ہوں۔ ہمارے دکھ کون بانٹے گا۔ ہمارے اپنے بچے۔ اچھا اب تم چھوڑو۔ جو میں کرنے چلی ہوں مجھے کرنے دو۔ بس اللہ سے دعا کرو کہ وہ ہماری پریشانی دور کرے۔ آمین۔"

"اماں زبردستی کے سودے بہت بھاری پڑتے ہیں۔ سوچ لیں۔ اس طرح سچی خوشی مل پائے گی دونوں کو۔؟"

عارفہ بہت حقیقت پسندی سے کام لے رہی تھیں۔

"بچی۔ اس وقت خوشی کا نہیں عزت کا سوال ہے بس اب تم خاموش ہو رہو۔"

"ان بچوں کو کون سی خوشیاں ملی ہیں۔ اب مر بے بوجھ بھی گھسیٹیں۔ اگر ان کی دلچسپی ہوتی یا جھکاؤ ہوتا تو تب ہی کچھ رہتے۔ جب پہلی بار آپ نے منصوبہ باندھا تھا۔

نہیں اماں یہ نہ کریں ورنہ مجھے کوئی خلش عمر بھر تنگ کرے گی۔ اور ماہ نور بھی شاید خوش نہ رہ سکے۔ نکاح بیاہ تو دل کی خوشی اور آمادگی کے ساتھ ہوں تو ٹھیک ورنہ ڈھور ڈنگروں کی طرح ایک کھونٹے سے باندھ رکھنے کا کیا فائدہ۔"

عارفہ خواہش دبا کر اس وقت صرف حقیقت پسندی سے کام لے رہی تھیں۔

"بتا دو تم یہ منطقیں۔ نکاح کے دو بول کے بعد خود بخود گنجائش نکل آتی ہے۔ یہ رشتہ ہی ایسا ہے۔ بس اب چپکی ہو جاؤ اور یہ بتاؤ کھانا کھاؤ گی؟"

"کھا کر آئی ہوں اماں" وہ کچھ سوچتے ہوئے بول رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ماہ نور اپنا بیگ لے کر آ گئی۔

"یہ کیا اٹھا لائی ہیں؟" بڑی اماں نے عینک کے عدسوں سے بیگ کو یوں گھورا جیسے واقعی انہیں ٹھیک سے دکھائی نہ دیا ہو حالانکہ بیگ کوئی نہ سمجھ میں آنے والی شے تو نہیں تھی۔ تعجب کے اظہار کی وہی صورت تھی جب انسان کی طاقت سے زیادہ علم اس کی گرفت کرتا ہے تو خود فریبی سے کام لے کر خود کو سنبھالتا ہے۔

"بیگ ہے مانی امی! اس میں کپڑے ہیں۔ امی کے ساتھ واپس جا رہی ہوں ناں امی نے آپ کو نہیں بتایا کہ مجھے لینے آئی ہیں؟" ماہ نور نے حیرت سے ماں کو دیکھا تھا۔

"تمہاری ماں نے تو مجھ سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی۔ اور تم کیوں جا رہی ہو تمہیں پتا نہیں وہ چھوٹ گیا ہے۔ اور آ کر تمہاری ماں کو ذرا دھمکا کر چلا بھی گیا۔ جو بے دھڑک دروازے تک آ سکتا ہے وہ دروازے سے اندر بھی آ سکتا ہے کہیں نہیں جا رہی ہو تم۔ آرام سے بیٹھو۔ ہمیں پیچھے لگے ہوئے ہیں تم جانے کس دھیان میں ہو۔"

ماہ نور حیران پریشان مانی کی صورت دیکھ رہی تھی "چھوٹ گیا" اس کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے واقعی؟ اور آ کر کیا کہہ گیا۔ وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ وہ کیا کہہ گیا ہوگا۔ "مگر یہ کچھ پوچھ نہیں سکی تھی۔

"کھڑی کیا ہو؟ بیگ کمرے میں رکھ آؤ۔ اور اپنا کام کرو کرتے ہیں کوئی انتظام تمہارا بھی۔ اس طرح کب تک ہوگا کوئی تو حل نکالنا ہوگا۔ اب ایسا بھی زور آور نہیں کہ ہم اپنے طور پر کچھ کر ہی نہ سکیں۔ اٹھاؤ یہ تھیلا کھڑی کیوں ہو۔"

وہ گم صم سی بیگ اٹھا کر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"وہ آ گیا ہے اب کیا انتظام کرنے چلے ہیں یہ لوگ۔" "کالا پانی" بھجوائیں گے۔ یا کیا کریں گے؟ اب کیا ہوگا؟ کیا کرے گا وہ۔" پریشان کن خیالات حملہ آور ہونے لگے۔ کیا کہا ہوگا اس نے امی سے؟ ابا جان کہاں تھے اس وقت؟"

وہ بیگ بیڈ پر پھینک کر خود بھی گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

☆☆☆

وہ کافی دیر سے مظاہر کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ مظاہر نے بہت سی باتیں کی تھیں مگر پاشا سے متعلق کوئی بات۔ اشارۃً بھی نہیں کی تھی۔

"بڑی اماں! بس آپ جلد کوئی فیصلہ کر لیں۔ تحسین خواجہ کہہ رہے تھے کہ وہ منگنی نہیں کریں گے نکاح کریں گے آج وہ میرے آفس آئے تھے۔"

"تو کیا پریشانی سے جان چھوٹنے تو دو۔ اور سوچیں یہ بیاہ تو نہیں ہے کیا مسئلہ ہے اس کا دوہی جائے گا اس کا کچھ نہ کچھ۔ جب تم بہن کے لئے کچھ ٹھان ہی چکے ہو ہم تمہاری خوشی میں خوش ہیں۔ مسئلہ تو ماہ نور کا چل رہا ہے۔ اس طرف سوچو۔" وہ بے

زار کن انداز میں گویا ہوئیں۔

"اس طرف کیا سوچوں؟ جہاں اس کی بات چیت چل رہی ہے وہاں فائنل کر کے تاریخ طے کر دیں۔ اگر فائنینشلی پرابلم ہے تو کوئی بات نہیں۔ میں ارینج کر دوں گا۔ جو دیکھیں گی۔ آپ ان کو کہہ دیجئے کہ فکر نہ کریں یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے وہ تاریخ طے کر لیں۔" انہوں نے اپنی فائلیں ترتیب سے رکھتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔

بڑی اماں منہ پر ہاتھ رکھے غصے اور حیرت سے ایک ٹک مظاہر کو دیکھے جا رہی تھیں۔

ماشاء اللہ۔ بہت خوب بیٹے۔ یعنی آپ ہی نقل کی آپ ہی گئی گی۔ غیر لوگوں سے اس طرح بات چیت جب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں یہ کرو کہ ہماری لڑکی لے آ جاؤ۔ لڑکی والے تو تب اس طرح کی بات کرتے ہیں جب لڑکے والے اپنا ارادہ ظاہر کرتے ہیں کہ فلاں وقت میں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ تب لڑکی والے طے کرتے ہیں کہ کون سی تاریخ مناسب ہے۔ ہم ان سے یہ کہیں کہ ایک آوارہ ہماری بچی کے پیچھے پڑا ہوا ہے لہٰذا برائے مہربانی۔ ہماری لڑکی جلد سے جلد لے جائیں واہ سبحان اللہ۔"

بڑی اماں کی جان جل کر خاک ہونے لگی۔

"تحسین خواجہ سے تمہاری بات چیت ہوتی رہتی ہے تمہیں اندازہ ہو رہا ہوگا کہ لڑکے والے کس طرح بات کرتے ہیں۔ پاشا نامردود کی بھنک بھی طاہر علی کے دوست کو لگ گئی تو کیا کیا نہیں سوچیں گے وہ؟ وہ یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ کہیں لڑکی کی اپنی بھی دلچسپی نہ ہو۔ جیسے تمہاری تائی تو دے رہی تھیں۔

دیکھو بیٹے۔ لگ تو یہی رہا ہے کہ طاہر علی کے دوست کو کوئی جلدی نہیں ہے۔ ان کی بیٹی بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ پہلے اس سے فارغ ہونا چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ بیٹے اور بیٹی کی شادی ایک ساتھ کرنا چاہتے ہوں۔ لہٰذا تم ذرا ٹھنڈے ہو کر میری بات غور سے سنو اور جب تک میں اپنی بات مکمل نہ کر لوں درمیان میں نہ بولنا۔"

مظاہر الجھ کر بڑی اماں کی طرف دیکھنے لگے۔

"بیٹے! یہ ہمارے گھر کا مسئلہ ہے اور اس کا حل؟ میں ہی سوچتا ہے بس تم اسے میرا حکم ہی سمجھو۔ میں ماہ نور کا نکاح تم سے ہی کرنا چاہتی ہوں۔ اور کل ہی۔ تم نے میری گستاخی تو سمجھو مجھے میری نظروں میں گرا دو گے۔ پھر اس ذلت کے بعد میں اس گھر میں ایک منٹ کو نہیں رکوں گی۔ عارفہ کے پاس ہی باقی دن گن لوں گی۔"

بڑی اماں نے بہت اختصار اور سادگی سے وہ کہہ دیا جو کہنے آئی تھیں۔

"جب بھی تم بھائیوں سے کبھی بات کی ہمیشہ اپنے تخت پر بٹھا کر کی۔ آج خود چل کر تمہارے کمرے میں آئی ہوں۔ یہ دھیان میں رکھنا۔" وہ مزید گویا ہوئیں۔

اس جملے پر مظاہر کا سر بھی جھک گیا اور نظر بھی۔ کتنی معصومیت سے ان کی پوری ذات استعمال کرنے کا اعلان ہوا تھا۔

"خدانخواستہ وہ لولی لنگڑی نہیں ہے۔ بدصورت اور ان پڑھ نہیں ہے۔ پھوہڑ اور بدزبان بھی نہیں ہے کہ تم یہ سوچ لو کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔"

مظاہر کو اس طرح زنجیر ہونے کا احساس ہوا جیسے پرندوں پر بے خبری میں جال پڑتا ہے۔ تو وہ پھڑپھڑا کر رہ جاتے ہیں ان کی جگہ ان کا کوئی بھی بھائی ہوتا حتیٰ کہ "کمینہ" ظہیر بھی ہوتے تو اس صورت حال میں بڑی اماں کے سامنے ہار جاتے۔ کہ یہ عمل خاندانی وضع داری کا حصہ تھا۔

یعنی آپ فیصلہ سنانے آئی ہیں۔" وہ بہت آہستہ اور تھکی ہوئی آواز میں بالآخر گویا ہوئے۔ وہ خاندان کی بزرگ تھیں۔ براہ راست مخاطب تھیں یہ بڑی بات تھی۔

ہاں! بڑی اماں نے بلاتردد کہا۔

اور آپ کی کیا مصروفیت رہی دن بھر۔ نماز پڑھ چکیں آپ؟" انہوں نے عام سے اور معمول کے انداز میں ان سے پوچھا

عارفہ آ گئی تھی۔ کچھ وقت اس کے ساتھ گزرا۔ باقی وہی گھر کے کام دھندے۔ نماز ابھی کہاں پڑھی۔ ذہن یکسو ہوتا تو پڑھ بھی لیتی۔ سوچا پہلے تم سے بات کرلوں۔ ذہن ایک طرف ہو جائے۔ اچھا میں چلتی ہوں۔ تم آرام کرو۔"

انہوں نے آگے بڑھ کر مظاہر کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما اور پیشانی پر بوسہ دیا۔

"باادب بانصیب ہوتے ہیں۔" ان شاء اللہ بہت سکھ ملے گا۔ اللہ تمہیں دنیا و آخرت ہر دو جگہ سرخرو کرے۔ آمین۔"

وہ دعائیں دیتی کمرے سے باہر جانے لگیں۔

"بڑی اماں۔ ایک منٹ" مظاہر نے کھڑے ہو کر انہیں روکا۔

بڑی اماں وہیں ٹھہر کر ان کی بات کا انتظار کرنے لگیں۔

وہ۔ پروگرام کل نہیں۔ اتوار پر رکھیے کل اور پرسوں میں بہت مصروف ہوں۔"

وہ بہت بجھے بجھے انداز میں کہہ کر اپنی رائٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔

"اچھی بات وہ ہی دن تو ہیں بیچ میں۔ کوئی بات نہیں۔" وہ کہہ کر باہر چلی گئیں۔

☆☆☆

"جیسے ہی آپ کا پیغام ملا تو فوراً ہی چل پڑی۔ خیر تو ہے اماں؟" عارفہ خاصی پریشان نظر آ رہی تھیں۔

"خیر ہے۔ اپنا دل سالو (سنبھالو) اچھی خبر ہی ہے بری نہیں ہے۔" بڑی اماں اتنا کہہ کر چھالیہ کترنے لگیں اور عارفہ کی بے چینی بڑھنے لگی۔

انوار کو ماہ نور کا نکاح طے کر دیا ہے میں نے۔" انہوں نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

"ہائیں؟ مگر کس سے؟" وہ حیرت کی حد کو چھو آئیں۔

"مظاہر سے"۔ بڑی اماں پھر بڑے سکون سے چھالیہ کترنے لگیں۔

ماہ نور ماں کی آمد کی خبر سن کر بڑی بے تابی سے لاؤنج میں داخل ہوئی تھی مگر یکدم اپنی جگہ پتھر کے بت کی طرح ایستادہ ہو گئی تھی۔ اس نے بڑی اماں کی بات سن لی تھی۔

"مظاہر سے؟ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔ وہ مان گیا؟" وہ ابھی تک حیرانی کی سابقہ کیفیت سے باہر نہیں آئی تھیں۔

"میں نے اسے فیصلہ سنا دیا تھا۔ پوچھی نہیں لی تھی اس سے۔ ارے خاندان بھر کا تماشا بن رہا ہے کب ہونٹ سے کان لوگوں کو؟ کس کام کے پھر یہ لڑکے۔ خدانخواستہ کچھ ہو جاتا ہے تو خمیازہ بھی تو یہی بھگتیں گے۔ آخر گھر کا ہی تو معاملہ ہے کوئی باہر کا تو نہیں۔ بس جو ہونا تھا ہو چکا آگے خیر کی دعا مانگو۔"

بڑی اماں بڑے تسلسل سے گویا ہوئی تھیں۔

"کچھ بولا نہیں مظاہر؟" عارفہ کے چہار سو دشمنیاں ہی پھوٹنے لگیں۔

"میں نے اسے راستہ ہی نہیں دیا۔ میں تو آج ہی نکاح کے لیے کہہ رہی تھی اس نے خود اتوار کا کہا ہے۔ کہہ رہا تھا یہ

دو دن بہت مصروفیت کے ہیں۔ میں نے سوچا چلو بیچ کے دو ہی دن تو ہیں۔ یہ بھی گزر ہی جائیں گے۔"

اب ایسے بھی کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ ختم کرو یہ حیرانی پریشانی۔" بڑی اماں نے پان لگانا شروع کر دیا۔

اب ایسے کرو ریا کو ساتھ لے کر بازار چلی جاؤ کچھ کپڑے لتے لے لو۔ تم تو خود سینے پرونے میں ماہر ہو۔ کم از کم نکاح کا جوڑا تو تیار کرلو۔ ایک دو سیٹ تو رکھے ہیں۔ جوڑو پیسہ یہ لوگ میرے ہاتھ پر رکھتے ہیں وہی میں سے جمع کرکے ہوا ہے۔ ایک چھوٹی سی ہنڈیا لیتی آنا۔ نتھ تو تمہاری بڑی بھاوج دیں گی۔ گھر گھر کے لوگ ہوں گے نکاح میں۔ ہفتے بعد ولیمہ کر دیں گے تو بلا لیں گے اور لوگوں کو کیا خیال ہے۔"

وہ پان کی گلوری بناتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

مجھے تو یقین نہیں آ رہا۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ سو رہی ہوں عارفہ جانے کس دھیان میں بول رہی تھیں۔

جاگ رہی ہو تم۔ ایسی ہونی انہونی کا نام زندگی ہے۔ بار گھر بھر کی نیند یں اڑی ہوئی ہیں بیاہنا ہو جانے کی تو بھاری ہو جائے گی۔ کسی کی بیاہتا پر نظر رکھنا کوئی مذاق نہیں ہوتا۔ سو دفعہ سوچے گا اگر کچھ کرنا چاہے گا۔ خیر اب وہ تو ڈال فقرے کو دو ذرا اچھا سوچو۔"

"تم وہاں کیوں کھڑی ہو۔ ماں کو سلام کرو۔" معاً بڑی اماں کی نظر ماہ نور پر پڑی۔ وہ یوں چونکی جیسے سونے سے جاگی ہو

"السلام علیکم امی!" کالے کرتے سفید شلوار دوپٹے میں ملبوس بے حد خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ "وعلیکم السلام" جانے کتنے عرصے کے بعد ان کے لہجے میں خوشگواری آئی تھی۔

وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ ان کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے کانوں میں صرف سائیں سائیں ہو رہی تھی۔

نہ دکھ تھا۔

نہ حیرت۔

خوشی تھی۔ اور نہ ملال۔

ہر حادثے سے کوئی کیفیت مشروط ہوتی ہے۔ ہر سانحے کا کوئی نتیجہ ہوتا ہے مگر وہ اندر ہی اندر برف کی طرح جمتی جا رہی تھی ہر کیفیت سے ماورا۔ اس نے خالی خالی آنکھوں سے ماں اور دادی کو یوں دیکھا تھا جیسے بصارت جواب دے رہی ہو۔

صرف دو دن بعد ایک حادثہ اسے بدل دے گا۔ اسے ساری زندگی کانچ پر چلتے وہ گزارنا ہوگی۔ یہ کھیوڑے کی طرح کانٹا لگا مرد۔ جو ہر آن اپنی موجودگی میں کیلکولیٹ کرتا رہے گا۔ پھر وہ خود کہاں رہے گی۔

وہ تو کوئی غلام زادی ہوگی۔ جس پر احسان و اکرام کی بارش ہوئی ایک ایک لمحہ ہر حرکت سے "بہت بہت شکریہ" کہنا ہوگا۔

اور کسی بدنام سے نام کی بازگشت اسے جھکی نظریں نہ اٹھانے دے گی۔ اس بے مہر کا احسان۔ جس کی ذات ہی بھاری پتھر ہے۔ اس احسان عظیم کا "اعزاز" وہ اس کی خدمت میں کب تک پیش کرے گی؟

محبت تو خود عمر بھر کا احسان ہوتی ہے مگر محبت ہو تو۔ محبت کے بغیر تو احسان کے ہیلتے زیر بار کرتے جاتے ہیں۔

اٹھا پائے گی۔ وہ اتنا بوجھ۔ بڑی مشقت بغیر محبت کے۔ وہ اسے تو سب سے محبت کرنے والا۔ کبھی اس کی دل جوئی بھی نہ کر سکے گا۔ کہ منتخب ہونے کا اعزاز جب زخم بن جائے گا۔ تو مرہم کہاں سے آئے گا؟

اتنا معزز آفیسر۔ کہاں میں۔ بلعون و مطعون۔ کیا کرنے لگی ہیں بڑی اماں۔ کس دوزخ میں جھونکنے لگی ہیں۔ کتنا کثیف ہے ان کے ہونے کی روح میں۔ اپنے لباس سے کہیں زیادہ۔

محبت بھی نہیں۔

ہمدردی بھی نہیں۔

دلچسپی بھی نہیں۔

کیسے کہتے کی عمر۔ نہیں میری روح کی ایک ایک پرت پر انکار لکھا ہے میں نہیں لوں گی یہ بھیک۔

بیٹھ جاؤ بیٹی۔ کیوں کھڑی ہو؟" بڑی اماں نے ٹوکا۔

"وہ۔ میں یہ پوچھنے آئی تھی آج دوپہر کو کیا پکے گا؟" وہ اسی طرح کھڑے کھڑے پوچھ رہی تھی۔

"بابا سے کہو۔ قیمہ تیار بنا لے اور تھوڑی سی طاہری۔ لڑکا تو آج کوئی سا بھی دوپہر کو نہیں ہوگا۔ کہنا کھانا تھوڑا ہی بنائے۔ شام کو باسی کھاتے ہوئے لڑکے دس باتیں بنائیں گے پھر شام دور پڑی ہے پھر سوچ لیں گے۔" بڑی اماں نے اپنی پھیلائی بات خود ہی سمیٹی۔

"ریبا نظر نہیں آ رہی؟" ماہ نور کے لاؤنج سے جاتے ہی عارفہ کو جھنجھلا کا دھیان آیا۔

اسے بیٹے کہیں اوپر چھت پر نہ چڑھی ہوئی ہو۔ پرسوں بھی بابا بتا رہے تھے کہ سامنے والوں کے ٹیپو ارشی کے ساتھ پتنگ اڑا رہی تھی۔ دس بارہ برس کی عمر ہوگی بچوں کی۔ وہ خود ان میں چھ سال کی ننھی بنی رہتی ہے۔ مجھے کیا خبر تھی کہ پتنگ بازی ہو رہی ہے بابا نے بتایا اوپر اسٹور میں پتنگوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ پوچھا تو جواب ملا خریدی تھوڑی ہی ہیں لوٹی ہیں۔ بتاؤ آس پاس کی چھتوں پر کسی نے دیکھا ہوگا تو کیا سوچا ہوگا۔ مارلوٹتا سی چھتوں پر کودتی پھر رہی ہے۔

بس ان ہی حرکتوں کی وجہ سے میں نے سوچا ہے کہ تجیس خواجہ کو نکاح کے لئے ہاں کر دوں گی۔ آخر کہیں تو کرنا ہی ہے میرے دل میں تو بس ابھی تک جمال کا خیال ہے کیسا بھولا بچہ ہے دب سے گیا ہے دسیوں خط آ چکے ہیں کہ پاکستان بہت یاد آتا ہے پرونٹ بس آپ ہی لوگوں کا خیال آتا رہتا ہے۔ اپنی ریبا ہی کی آرام سے گزر جاتی۔" "ہاں تو لڑکوں کی خوشی کی خاطر کر رہی ہوں۔ مگر اندر سے ڈر بھی رہی ہوں لڑکی ناک ہی نہ کٹوا دے خدانخواستہ۔" بڑی اماں نے روانی سے خیالات کا اظہار کیا۔

"ارے حسینہ! کدھر ہے تو۔ ریبا کا کچھ پتا ہے؟" انہوں نے صفائی میں مصروف ماسی کو آواز دی۔

"خبر نہیں بڑی اماں۔ سامنے گڈی اڑا رہی ہوں گی بی بی۔" (اوپر پتنگ اڑ رہی ہوگی) ماسی نے بے نیازی سے جواب دیا سن لیا۔ چھت پر دھوپ پھیلی ہوئی ہوگی۔ کون سی ٹھنڈی پھوار برس رہی ہوں گی۔" بڑی اماں نے کوفت بھرے انداز میں عارفہ کو مخاطب کیا۔

"ارے۔ ذرا دیکھو اس لوٹھا کو آواز۔ اڑ رہی ہوں اس سے چپکیں۔" بڑی اماں بڑبڑائیں۔ "زیادہ پر بولی تو نکاح کے ساتھ رخصتی بھی کر دوں گی۔" وہ سلگ رہی تھیں۔

"تم ریبا کے ساتھ بازار چلی جاؤ۔ پہلے گھر جا کر طاہر کو یہ صورت حال بتا دینا۔ پھر بازار چلی جاؤ۔ مہندی بھی لیتی آنا۔ میں اس کو گندھی ہوئی مہندی خود لگاؤں گی۔ دوائیوں والی مہندی سے تو عجیب سی بو آتی ہے۔ اصلی مہندی کی خوشبو کی اپنی بات ہوتی ہے۔" بڑی اماں بولیں۔

اسی لمحے ریبا دھپ دھپ کرتی لاؤنج میں آ گئی۔

"جی بڑی اماں؟" وہ گرنے کے انداز میں تخت پر بیٹھ گئی۔ چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

"بڑی اماں کی بچی لگتی۔ کیا کر رہی تھی چھت پر اس دھوپ میں۔ بند کرو۔ اب یہ حرکتیں کچھ دن جانے ہیں اپنے گھر کا

ہو جائے گی۔ ننھی بنی پھر رہی ہے اور پھوپھو کو سلام نہیں کیا؟"

اوہ سوری پھوپھو بھی بڑی اماں کی "کال" پر اسی طرح گھبرا جاتی ہوں۔ السلام علیکم!"

وہ گھبرانے کی اداکاری کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ایسی گھبرانے والی ہوتی تو کہنے کی ہوتی۔" "اچھا اب ذرا دھیان سے سنو۔ اپنی پھوپھو کے ساتھ بازار چلی جاؤ اور کچھ جوڑے لئے خریدنے میں ان کی مدد کرو۔ اپنی آپی کے لیے تمہارے آکا جان کا نکاح ہے اتوار کو تمہاری آپی کے ساتھ۔"

"آ۔" ریبا چیخ مار کر اٹھ کھڑی ہوئی ماہ نور جو ماں سے تنہائی میں کچھ بات کرنے کی نیت سے کھڑی تھی اور ماں کو کسی گوشے میں بلانے کے لئے سوچ رہی تھی اس سے بری طرح لپٹ گئی۔

"آکا جان! زندہ باد۔" اس نے ماہ نور کو دبوچ کر زور زور سے چکر دے ڈالے۔

"کیا کر رہی ہو ریبا؟" وہ گھبرا کر بولی۔

"واہ بڑی اماں! آپ نے تو چپکے چپکے کمال کر دیا۔ اللہ کرے آپ سو سال اور زندہ رہیں۔" وہ ماہ نور کے گلے لگ کر بولی۔

"پاگل نہیں تو۔" بڑی اماں بڑبڑائیں۔

"یہ آکا جان تو بڑے چھپے رستم نکلے۔ آنے دیں انہیں ذرا۔" ریبا کی خوشی بے پایاں تھی۔ عارفہ بھی بہت خوشی سے مسکرا رہی تھی۔

"امی! آپ جانے سے پہلے میری ایک بات سنتی جایئے گا۔" ماہ نور کو ماں سے مخاطب ہونے کا بمشکل موقع مل سکا۔ وہ یہ کہہ کر لاؤنج سے باہر چلی گئی۔

"ایک منٹ اماں! میں ذرا اس کی بات سن کر آتی ہوں۔" عارفہ ماہ نور کے انداز پر قدرے فکرمند ہو گئی تھیں اس لئے فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

وہ کچن کی طرف آئیں تو ماہ نور کو کچن کے دروازے ہی میں ایستادہ پایا جیسے وہ منتظر ہو جیسے اسے یقین ہو کہ عارفہ اس کے پیچھے پیچھے چلی پڑی ہوں گی۔

"ہوں۔ کیا بات ہے؟" وہ اس کے مقابل کھڑی ہو کر غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"امی!" وہ جھجک کر رک گئی۔

"ہوں۔ کیا بات ہے بولو جو کہنا چاہتی ہو بے فکر ہو کر کہو۔"

"آپ نانی امی سے کہہ دیں انہوں نے جو فیصلہ کیا ہے مجھے منظور نہیں۔" اس کی آواز بابا کی موجودگی کی وجہ سے بہت آہستہ تھی۔

"کیوں؟" عارفہ کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ انہیں کوئی اور وہم بھی آ گیا تھا۔

"کیا مطلب۔ ماشاءاللہ سے اچھا رشتہ تمہیں کہاں ملے گا۔ یہ قسمت ہم پر اچانک مہربان ہوگئی ہے دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟" وہ ناراضگی سے کہہ رہی تھیں۔

"نہیں ہوئی قسمت مہربان۔ بڑا عمر بھر کا احسان ہے اس سے تو اچھا ہے کہ عمر بھر میری شادی ہی نہ ہو۔"

"تمہارے منہ میں خاک چپ کرو۔ احسان کس بات کا۔ تم میں کوئی عیب ہے جو وہ قربانی دے

با ... پھر اپنوں کا کیا احسان۔ یہ سب ہمارے بچے ہیں۔ بس اب کچھ مت بولنا تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔" عارفہ
وہ ... اسے جھاڑ پلا رہی تھیں۔

"نہیں، میں نے بھی کہہ دیا ہے میں نہیں کروں گی۔ اس سے اچھا ہے آپ مجھے زہر دے دیں۔"

"تم بچی ہو، گہرائی میں جا کر نہیں سوچ سکتیں۔ اللہ نے اندھیرے میں راستہ نکالا ہے۔ کفران نہیں کرو۔" وہ اس
سے اس ... پڑ گئیں۔

"امی مجھے مجبور نہ کریں ورنہ میں ریپا کے ذریعے مظاہر بھائی سے خود کہلوا دوں گی۔ یہ مجھ پر ظلم ہے۔" اس کے
... گئے۔

"ادھر آؤ تم۔" عارفہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے لاؤنج میں آئیں اور اسے تخت پر زور سے بٹھا دیا۔ "اب سنیں اس
... تب اس کے منہ میں زبان نہیں تھی۔ کتنا پریشان کرنے لگی ہے۔ پوچھیں اس سے کس بات کی سزا دے رہی ہے مجھے
؟" عارفہ نے بڑی اماں کو مخاطب کیا۔

بڑی اماں پریشان ہو کر عارفہ کی صورت دیکھنے لگیں۔

"کیا ہوا؟" وہ تو ریپا کے ساتھ بہت خوشگوار موڈ میں باتیں کر رہی تھیں۔

"آپ کا فیصلہ منظور نہیں اسے۔ زمانے بھر کی رسوائیاں منظور ہیں۔" عارفہ نے تلخی سے جواب دیا۔

"کیا؟" بڑی اماں ہکا بکا ہو کر ماہ نور کی صورت دیکھنے لگیں۔ "کیا مطلب؟"
پوچھیں اسی سے مطلب۔ "اب تو بولنا آ گیا ہے۔" وہ اسی تند لہجے میں بولیں۔

"کیا بات ہے بچی؟" بڑی اماں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ ماہ نور خاموش
رہی۔ ریپا علیحدہ حواس باختہ ہو رہی تھی۔

"بولو بچی؟" بڑی اماں نے اصرار کیا۔

"کہہ رہی ہے میں یہ احسان نہیں لوں گی۔ پوچھیں اس سے اس میں یہ احسان کہاں سے آ گیا؟" عارفہ نے تیزی سے کہا

"یہ کیا بات ہوئی، احسان غیروں کا ہوتا ہے ہم تو تمہارے اپنے ہیں۔ کیوں ایسا سوچ رہی ہو۔ بہت غلط سوچ ہے
بڑی اماں بہت دکھ سے گویا ہوئیں۔

"جس طرح مظاہر بھائی پر یہ فیصلہ تھوپا گیا ہے یہ ان کے ساتھ بہت زیادتی ہے۔ صرف انہی کے ساتھ نہیں۔ میرے
ساتھ بھی آپ لوگ غور کریں۔"

وہ دھیرے سے کہہ رہی تھی۔

"کوئی زیادتی نہیں۔ اگر خدانخواستہ کچھ ہو جاتا ہے تو یہ خاندان بھر کا نقصان ہے اس طرح تو سب ہی
کا بھلا ہو رہا ہے۔ بچپنے کی باتیں نہ کرو۔ وقت کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"
وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بہت تحمل سے سمجھانے لگیں۔

"اور کوئی فیصلہ مظاہر پر نہیں تھوپا گیا ہے۔ آخر اس کی شادی ایک نہ ایک دن تو ہوتی ہے کسی سے بھی۔ تم تو خیر سے
گھر کی بچی ہو۔" بڑی اماں نے مزید سمجھایا۔
(اس سے پہلے "گھر کی بچی" نظر کیوں نہیں آئی؟) وہ بولی نہیں سوچ کر رہ گئی۔

"اب تم جاؤ اپنا کام کرو۔ خواہ مخواہ خود کو اور ہم سب کو پریشان نہیں کرو۔"

"آپا! میں تو شروع ہی سے اس کا جانتے کہہ رہا ہوں کہ آپی سے شادی کر لیں۔" گم صم سی ریپا بھی بالآخر بول پڑی۔
مار۔ ہاتھ پاؤں پھیلا دیے ماں کے۔ کتنا سکون دیکھا تھا میں نے اس کے چہرے پر زمانے بعد۔ یہ بہت دکھی ہے تم
اسے اور پریشان نہ کرو۔"

"اپنا دکھ دور کرنے کے لئے دوسروں کو دکھ دینا کون انصاف ہے۔"
وہ آہستہ مگر ناراض لہجے میں گویا ہوئی۔

"بڑی اماں اور عارفہ جیسے سناٹے میں آ گئیں۔

"آپ لوگ مجھے معاف کر دیں۔" وہ دوپٹا درست کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو پھر ٹھیک ہے پھر میں اس دھمکیاں دینے والے کو سیدھے راستے سے بلا لیتی ہوں شاید اب تمہاری بھی یہی مرضی
ہے۔" عارفہ کو شدید غصہ آ گیا۔

"امی! اب یوں نہ کریں۔ اس میں ایسی کیا خوبی ہے جو میں اپنے پیاروں کو ناراض کروں گی؟ میں تو اس کی شکل بھی
نہیں دیکھنا چاہتی۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

"نہ ہے۔ تو کیا آپ کو وہ موٹے والے پسند آ گئے ہیں جو میں بڑی اماں کے ساتھ دیکھ کر آیا تھا۔" ریپا سے ضبط نہ
ہو سکا۔ تنگ آ کر بول ہی تھی۔

"تم خاموش رہو۔" بڑی اماں نے جھڑک دیا۔

"خواہ تم کچھ کہو اگر ہمارے فیصلے سے انکار کرو گی۔ پھر تمہارا نکاح میں اسی آوارہ کے ساتھ کروں گی خواہ کچھ
ہو جائے۔" عارفہ غصے سے بولیں۔

"امی! کم از کم آپ تو میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔" وہ رونے لگی۔

"چلو ریپا! اٹھو پہلے گھر جاؤں گی اماں پھر بازار۔ پھر رات ہی کو آ سکوں گی۔ ریپا اٹھو بیٹے عارفہ یکدم کھڑی ہو گئیں۔
"نکاح تو اتوار ہی کو ہوگا۔ اس کی مرضی ہے۔ خواہ مظاہر کے ساتھ خواہ اس آوارہ لفنگے کے ساتھ۔"
بڑی اماں کی خاموش حمایت بیٹی کے ساتھ تھی۔ وہ کچھ نہیں بولیں۔

"ذرا ٹھہرو تو۔" انہوں نے پاندان کھول کر الماری کی چابی نکالی اور ریپا کی طرف بڑھائی۔ "دس ہزار ... آؤ؟
کر اور پھپھو کو دے دو۔"

"اتنے پیسے کیوں دے رہی ہیں کون سا فرد ... ہزار لگتا ہے۔" عارفہ نے ٹھنک کر کہا۔

"ایک ایک جوڑا اسے اور ریپا کا لے لینا۔ وہ ماہ نور کے لے لینا۔ بعد میں ... مظاہر کے ... جا کر اپنی ضرورت
چیزیں خود خرید لے گی۔ بازار میں نکل کر پیسوں کا کیا پتا چلتا ہے۔"
ریپا چابی لے کر بڑی اماں کے کمرے میں چلی گئی تھی۔
ماہ نور سر جھکائے بیٹھی تھی۔ رخساروں پر آنسو مسلسل پھسل رہے تھے۔

"کوئی اور موقع ہوتا تو میں تمہارے یہ آنسو پونچھتی۔ مگر اب ان کا مجھ پر کوئی اثر نہیں۔ تم نے تو آج مجھے ... دکھ دیا جو میں
سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ تمہیں اتنا خیال نہیں آیا یہ انکار کرتے ہوئے کہ ماں پر کیا گزرے گی۔؟" عارفہ کا انداز ہنوز خفگی اور ناراضی۔

خوش خبری سنا رہا ہو تو ماں یونہی ادھ موئی سی ہو جاتی ہے۔

"کون ہے وہ نیک بخت؟" وہ کھنکارنے کے بعد پوچھنے لگیں۔

"اللہ آپ کی زبان مبارک کرے نیک بخت ہی ہے وہ محلہ چھوڑ کر اس لیے گئی ہے کہ نزدیک بارات لے جانے کا مزا نہیں آتا۔" اس نے گویا ماں کو واضح اشارہ دیا۔

ان کا تو جیسے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"کون سے طریقے سے بیاہ رہے ہو اسے؟" ان کے اندر ایک ذمہ دار سنجیدہ عورت بیدار ہو گئی۔

"آپ کو کیا؟" اس نے بستر پر ادھر ادھر ہاتھ مار کر بوٹ تلاش کرتے ہوئے بڑی شان بے نیازی سے جواب دیا۔

"ہمیں کچھ نہیں ہو گا تو کیا کالے چور کو ہو گا کچھ؟ میں تو یہی سمجھی تھی کہ اپنے یاروں حوادیوں میں کہیں دل ٹھہر لیا۔" وہ بہت فکر مند نظر آ رہی تھیں۔ پاشا ایک قہقہہ لگا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

"بہت بھولی ہے ہماری ماں پتا نہیں ہم جیسے خبیث ان معصوموں کے ہاں کیسے پیدا ہو جاتے ہیں اماں! دل ٹھہرا کے نہیں ہیں دل تو بس ٹھہرتا ہے اس گھوڑے کی لگام نہیں ہوتی۔ آپ کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہے کہ ہم کہاں ٹھہر سکتے ہیں۔"

قمر النساء اس کی ہنسی پر الجھ رہی تھیں۔ "کیا مطلب لیتی کہ مانور؟"

"یعنی کہ...... مانور ہے...... میری باتیں اگر ہزاروں ان کے معنی لاکھ تو سب لاکھوں معنی کے صرف ایک ہی معنی ...... مانور۔"

"مان گئے اس کے ماں باپ؟" قمر النساء کی حیرت فطری تھی۔

"سب مانتے ہوتے ہیں بس دبیے ہی دوسروں کو ذرا چیک کرتے ہیں کہ کون کتنے پانی میں ہے باد شاہ ہے تو سو نمبر رہ جاتا ہے غریب ہے تو جوتوں کا دشمن جوتے گھسواتا ہے۔"

خیر جس دن لڑکی رخصت کرا کے لائیں گے تو جوتوں کے سوراخ بھی دکھائیں گے جن کی وجہ سے دل میں سوراخ ہوتے ہوتے رہ گئے۔"

"کون لوگ ہوں گے تمہاری بارات میں؟" قمر النساء کی ذہنی حالت بہت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ ان کا سارا جسم دھیرے دھیرے کانپ رہا تھا گویا لرزہ کا عارضہ لاحق ہو۔

"ٹاپ سیکرٹ۔"

"مجھے تو بتا دے کم از کم تو نے سوچا کیا ہے۔ اور کیا ماں کو بارات میں لے کر نہیں جائے گا؟" وہ عام سے انداز میں بات کر رہی تھیں۔ مگر سینے کے اندر دل خوف سے کانپ رہا تھا۔

"بارات! ہاں ٹھیک ہے چلیے گا آپ۔" وہ جانے کس دھیان سے چونک کر گویا ہوا تھا۔

"نہیں خیر کبھی تمہیں یاد ہی نہیں آتی۔" قمر النساء نے نہ چاہتے ہوئے بھی جتا دیا۔

"بڑی خوش قسمت ہیں میری بہنیں، خوش باش ہیں اور مجھے کیا چاہیے۔ میں انہیں اپنی وجہ سے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔"

"ہاں بس دھوکا دیتے رہو خود کو جن کے بھائی تم جیسے ہوتے ہیں ان کی بہنیں خوش باش کیسے رہ سکتی ہیں بے ہوش انسان۔" وہ افسردہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

"نادان اور بے وقوف وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی خوشیوں کے لئے ہمیشہ دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں جب تک ادھر ادھر یہاں وہاں "سب اچھا" نظر نہ آئے وہ ری چین ہی چین نہ لکھے یہ خوش نہیں ہوں گے۔ انسان خوش ہونا چاہے تو اندھے کنویں میں بھی خوش رہ سکتا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی ماں بہنیں اس وقت تک خوش نہیں ہوں گی جب تک ان کے بھائی بیٹے ساری دنیا سے شرافت کا سرٹیفکیٹ نہیں لے لیتے اتنی چھوٹی سی زندگی خوشی کا اتنا لمبا انتظار بھی حد ہے نادانی کی۔ اب یہ دیکھیں ہماری شادی میں کوئی قابل ذکر فرد شریک نہیں مگر دیکھیں ہم کس قدر خوش ہیں۔"

"کہاں اور کب ہو رہی ہے؟ کیا کر رہے ہو تم ان لوگوں کے ساتھ؟ مجھے پتا ہے وہ قیامت تک تمہیں بیٹی دینے والے نہیں۔ ضرور تم نے کسی کا صبر آزمایا ہے۔" قمر النساء ہول کر بستر سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اماں! لوگ ہمارا صبر ضبط آزماتے ہیں ہم تو باری پر بھی نہیں تکتے کہ ہم بھی کسی کو آزمائیں۔"

"پاشا اور مجبور بس بیٹی کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں ہونا چاہیے۔"

"ہمارے ساتھ تو اس کے نصیب جاگ جائیں گے۔ اماں! پاشا کی بیوی ہونا بہت اہم خبر ہے۔ "نو پارکنگ" کی جگہ پر گاڑی پارک کرے گی مگر کبھی چالان نہیں ہو گا۔ اس کے بچے اسکول میں ہمیشہ فرسٹ آئیں گے۔ بینک جائے گی تو کیشئر سب سے پہلے اسے فارغ کرے گا۔"

اور قیامت والے روز اللہ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کر دے گا کہ پاشا کی بیوی ہے۔" قمر النساء نے چڑ کر کہا۔

پھر افسردگی سے گویا ہوئیں۔

"کیوں اتنی بددعائیں میرے سر لگا رہے ہو ہر طرح کے انسانوں کے لیے اللہ کی اس دنیا میں ہر طرح کی چیز موجود ہے۔ ہر طرح کے برے بھلے موجود ہیں۔ اچھے مزاج کے لوگوں ہی میں دیکھو تم نے تو اس کلیجے پر پتھر رکھوا لیا ہے۔"

"اماں! بیوی تو بس نیک، پارسا، ان چھ فیصد فل ہی اچھی لگتی ہے باقی تو بس سب نیے روشنیاں ہی ٹھیک ہوتی ہیں۔ ایسے بدصورت آرائش ڈھول کون گلے میں لٹکانا پسند کرتا ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"نیک پارسا لڑکیوں کے بھی کوئی خواب ہوتے ہوں گے۔ وہ بھی سوچتی ہوں گی کہ ان کا شوہر معزز اور نیک ہو۔" قمر النساء نے ربی ربی آواز میں کہا۔

"اماں! عورت تو بس اس بات پر خوش ہو جاتی ہے کہ اس کے پاس دنیا جہان کے کمفرٹس ہیں اور وہ اپنے ملنے والوں میں سب سے زیادہ خوش حال سمجھی جاتی ہے۔ کرپٹ بیورو کریٹس، بدنام اسمگلرز کی بیگمات سے ذرا آپ مل کر دیکھیں مارے خوشی کے کپا "زدگی" ہوئی رہتی ہیں لیٹسٹ ماڈل کی کار میں گوشت سبزی خریدنے جاتی ہیں۔ آگے ڈرائیور اور سودا اٹھانے والا نوکر پیچھے قیمتی سوٹ میں گلا سنوا لگائے بیگم صاحبہ ان کا انداز یوں ہوتا ہے گویا ساری دنیا ان کی جیب میں مرا مطلب ہے پرس میں ہو کیا آؤ بھگت ہوتی ہے ان کی بازار میں دوکاندار بچھے بچھے جاتے ہیں۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ تمہارے میاں نے کروڑوں ہضم کیے ہیں جب اسمگلر ہے یا قومی خزانے کا چور......؟"

اپنی بات کے اختتام پر اس نے قہقہہ لگایا۔

"بیٹے! اتنا تو بتا دو یہ سب کچھ کس طرح طے کیا ہے۔ تمہاری کیا بات ہوئی ہے ان لوگوں سے کس طرح مجبور کیا ہے تم

"زبردستی کی شادی میں مزہ کہاں آتا ہوگا؟" نشاط اکیلی تو نہیں آئے گی۔ کوئی اور بھی اس کے ساتھ ہوگا جلدی خبر بھی بتالوں۔" اس نے پھر موضوع بدل دیا۔

تجھے کا حلوہ ورکھا ہوا ہے آم بھی ہیں کافی ہے۔

"کل ہفتہ ہے پرسوں اتوار۔ بس کل کا دن ہے اللہ ساتھ خیرت سے نیک گھڑی لائے تم اپنے جی پر کوئی بوجھ نہ رکھو ایسا ہوتا ہے بعض کام شروع میں بہت بھاری لگتے ہیں۔ مشکل اور ناممکن سے لیکن جو پہلا دروازہ کھولتا ہے وہ راستے بھی صاف کرتا ہے۔ تم اطمینان رکھو اچھی امید کے ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ اللہ نصیب اچھے کرے ہر طرح کا سکھ چین رہے بعض لوگ کم بولنے والے ہوتے ہیں دوسروں پر کھلتے نہیں ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے کے جذبات کو سمجھتے نہیں ہیں یا انہیں خیال نہیں ہوتا منظاہر کم بات کرتا ہے مگر سب بات سے پہلے وہ ذمہ دار بہت ہے۔ اپنی ذمہ داریوں کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہے۔ جب تم اس کی ذمہ داری بن جاؤ گی تو رکھنا تمہیں اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ وہ تمہارا بہت خیال رکھے گا۔"

"بڑی اماں! یہ اتنا سارا ابٹن کیوں گوندھا ہے کیا سب لگائیں گے؟" ریبا بڑا سا برتن اٹھائے بڑے تعجب سے پوچھتی لاؤنج میں آرہی تھی۔

"سب لگائیں گے نواب کا کام ہے جو سب کریں گے......؟ باؤلی تمہیں کیا لگتا ہے اتنا سارا ہے۔"

"بڑی اماں! آپ سمجھیں نہیں۔ اس کا مطلب ہے اسے بھی سنڈے ہی کو نشاط بیں زیبے بھی مون بھائی کی چھٹی تو ہوگی۔" اظہار اپنا پسیب بغل میں دبائے زینہ طے کر کے نیچے آچکا تھا۔

"اور یہ جو کہہ رہے ہیں 'مون بھائی'۔" ریبا نے منہ بسور کر کہا۔

"ہاں تو اس کا تو ہوا بھائی تیرا بیاہ ہو رہا ہے اس سے اس کا نہیں ہو رہا؟"

بڑی اماں کو اس کی مزید حماقت نے چراغ پا کر دیا۔

"سوچنے کی بات ہے بڑی اماں! میرا بیاہ ان سے ہو بھی کیسے سکتا ہے؟" اظہار نے مزید لگا لگانا ضروری خیال کیا۔

"ارے میرا بس چلے تو ابھی ریوالور چلوا دوں' ہارڈ مین آسمان ایک کیے دے رہی ہے افسانوں والی کوئی بات ہے اس میں اب ابٹن کا پیالہ اٹھائے چلی آرہی ہے۔ کوئی اس سے پوچھے بھئی تیرا کیا کام۔"

"جس کام کے لئے آپ گلبرگ سے نشاط آپی کو بلا رہی ہیں۔ یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے۔ بہت جان ہے۔ پہلوانوں کی طرح 'رگڑائی' کر سکتا ہوں مگر آپ تو سمجھتی ہیں میں کوئی کام کر ہی نہیں سکتا۔" اس نے دل گرفتہ ہو کر کہا۔

"آج تک سارے کام پہلوانوں کی طرح کے ہی کیے ہیں۔ عورتوں والا کوئی کام بھی کیا ہے کبھی؟" بڑی اماں جل کر بولیں۔

"تو میں عورت ہوں بھی نہیں۔" وہ چڑ کر گویا ہوئی۔

"ہاں۔ عورتوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔" بڑی اماں سابقہ انداز میں بولیں۔

"کاش عورتوں کے سر پر سینگ ہوتے' سارے مرد عورتوں سے کتنا ڈرتے پھرتے مجھے بھی لڑکا بننے کا شوق نہ ہوتا جہاں کسی نے کچھ کہا۔ سینگ دے مارا۔" ریبا ہنسی۔

"کیسے شوق چرائے جا رہے ہیں۔ اللہ کی پناہ' چلو یہ پیالہ وہیں پہ رکھو جہاں رکھا ہوا تھا۔" بڑی اماں نے تحکمانہ کہا۔

"تو پھر...... سنڈے ٹھیک ہے ناں ریبا؟" 'آکان جان' فرزانہ آپی کے ساتھ تم بھی۔" اظہار جاتے جاتے رک کر بولا۔

"کسی میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میری شادی کر سکے۔" ریبا نے زہر اگلا کیا۔

"کسی نے کہا تھا شادی کرتے نہیں ہیں' شادی ہوتی ہے اور اس کے لئے ہمت کی نہیں ایک عدد موصوف یا موصوفہ کی ضرورت ہوتی ہے بالکل قائداعظم کی تصویر والے کاغذوں کی۔" وہ ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔

ریبا نے ابٹن کا پیالہ لے کر اس کے پیچھے چل پڑی بڑی اماں نے ماہ نور کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب بٹھالیا۔

"ویسے تو اللہ کا شکر ہے۔ کسی بات کی کمی نہیں ہے ہزار مہمان اکٹھا کر کے بھی تمہاری شادی کر سکتے ہیں۔ مگر گناہ کی طرح خاموشی سے اس لئے کرنا پڑ رہی ہے کہیں اس نامراد کو دوبارہ لگ جائے اور خواہ مخواہ کوئی بدمزگی ہو جائے یوں بھی اب تو بہار آچکا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب فون وغیرہ بھی نہیں کر رہا ایک ایک منٹ بھاری ہے مجھے یوں لگتا ہے اتوار سالوں بعد آئے گا تمہارا نکاح ہوگا تب ہی کچھ نیند آئے گی۔ بیٹی تو نعمت ہوتی ہے مگر اس کی ذمہ داری بہت بھاری ہوتی ہے۔ قسمت والے ماں باپ ہوتے ہیں جو اپنی زندگی ہی میں بیٹیوں کے فرض سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ عورت کا بھی مجرم بن جاتا ہے۔ کسی کا نام لگ جاتا ہے تو جانو پاؤں لگانے کو زمین مل جاتی ہے کنواری بیٹی پر ہزار نظریں ہوتی ہیں۔ تمہارے اور ریبا کے بعد شمسہ رہ جاتی ہے۔ اللہ اس کا بھی سبب بنادے۔ طاہر علی بھی چار دن سکھ سے جی لیں۔ بیٹیوں کی ذمہ داری ساتھ ہی بیماری اور بے روزگاری...... عارفہ کو بڑی اماں نے آنچل پھیلا کر دعائیں دینا شروع کر دیں۔

ماہ نور سر جھکائے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"آج تو دیسے ہی کام کا بہت رش ہے ذرا ٹیوو بھی نہیں ہے۔ اس لو اب زاری کے پاس بھی جانا ہے۔" زہ اللہ یار سے مخاطب تھیں۔

"اچھا دیکھو ذرا اوپر مون ہے؟ پوچھنا فارغ ہے؟" انہیں یکایک کوئی دھیان آیا۔

"ریبا کی جیولری بھی اٹھانا ہے۔ ٹیلر کے پاس بھی جانا ہے کپڑے ڈالنے مریم کے پاس بھی لازمی پہنچنا ہے دو دن سے اسے کہہ رہی ہوں آج آؤں گی۔"

مریم ان کی لنگل ایڈ ڈیزائنر تھی...... اللہ یار مون کے کمرے کی طرف بڑھ چکا تھا۔ وہ خود کلامی میں جتا تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آگیا تھا۔

"مون صاحب تیار ہے ہیں بیگم صاحبہ! میں نے ان سے پوچھ لیا ہے کہ وہ فارغ ہوں تو آپ کی موٹر چلا لیں۔"

"عمریں گزر گئیں شہر میں اللہ یار! بات کرنا نہ آئی تمہیں۔ موٹر چلا لیں۔ یہ کیا بات ہوئی؟" وہ چڑ سی گئیں۔

"پھر آپ بولو...... کیا بولوں؟ دوبارہ بول دیتا ہوں۔" اللہ یار کھسیا کر بولا۔

"رہنے دو۔ میں خود ہی کر لوں گی اس سے بات۔ جاؤ تم۔" زہ بیزار کن لہجے میں بولیں۔

"تو پھر میں نہیں جاؤں آپ کے ساتھ اس طرف؟" اللہ یار نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنے کام نمٹاؤ۔" وہ آگے بڑھ کر فون ڈائل کرنے لگیں۔

"جی جی! کیا قصہ ہے موٹر کا۔ کہاں جانا ہے؟" مون کا ندھوں پر تولیہ ڈالے ریلنگ پر کہنیاں جمائے نیچے جھانکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"کوئی قصہ نہیں۔ سیدھی سی بات میں بھی جانے کتنے موڑ ڈال دیتے ہیں بے وقوف۔ وہ مجھے دو تین جگہوں پر بہت ضروری کام سے جانا ہے۔ ڈرائیو نہیں ہے۔ لانگ ڈسٹینس (Long Distance) پر میں ڈرائیو نہیں کر سکتی۔ روٹ سینس نہیں ہے۔ ہمیشہ سے ڈرائیور ہی کے ساتھ جاتی ہوں ہاں۔ کیا تم ڈیڑھ دو گھنٹے نکال سکتے ہو؟"

"جی میں لے چلتا ہوں آپ کو۔ مجھے رات نو بجے ہی جانا ہے۔ فارغ ہی ہوں فی الحال۔" اس نے تولیہ ہاتھوں میں لے کر سر رگڑتے ہوئے کہا۔ "میں تیار ہو کر آتا ہوں۔" وہ اپنے کمرے کی طرف پلٹ گیا۔

اللہ یار حیران پریشان کھڑا تھا۔ ایسا نظارہ وہ پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔

"تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو۔ اپنا کام کرو۔" بے چارہ چونک کر تیز تیز باہر کی طرف دوڑ گیا۔

شاہانہ نے ایک دو فون کیے۔ پھر اپنے بیڈ روم میں سے ضروری فائل، رسیدیں وغیرہ لیں باہر آئیں تو سون بالکل تیار کھڑا تھا۔ وہ خوش ہو گئیں انہیں انتظار نہیں کرنا پڑا۔

"گاڑی تم میری ہی لو۔ میں دوسری گاڑیوں میں ان ایزی فیل کرتی ہوں۔" انہوں نے اپنی گاڑی کی چابی سون کی طرف بڑھائی۔

"او کے..... آپ کی سپر لگژری کار چلانا تو ویسے بھی بڑی خوشی کی بات ہے۔" وہ مسکرایا اور باہر کی سمت بڑھ گیا۔

شاہانہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھیں۔ اللہ یار نے اوپر بالکنی سے جھانک کر دونوں کو پورچ کی طرف بڑھتے دیکھا تو تعجب سے تھوڑی پر انگلی رکھ کر کچھ سوچنے لگا تھا۔

اسے یقین تھا کہ یہ ایک معمہ ہے اور دل چاہتا تھا کہ یہ حل ہو۔ اسی لیے سوچ رہا تھا۔

شاہانہ نشان دہی کرتی جا رہی تھیں اور سون ڈرائیو۔ وہ یہ بھی بتا چکی تھیں کہ ابھی انہوں نے ریا کی جیولری لینے بھی جانا ہے۔ جیولر کا فون آیا تھا کہ سیٹ تیار ہے۔ وہ جہاں جہاں کہہ رہی تھیں وہ ہاتھ جوڑ کر سر جھکا رہا تھا اس وقت وہ کس سے ملنے جا رہی ہیں؟ مگر اس نے پوچھا نہیں۔

"یہ سامنے "کریسنٹ" پر روک لینا۔" وہ شاہانہ کی نشان دہی پر ایک دم خیال کی دنیا سے باہر آ گیا۔

"گاڑی لاک کر کے میرے ساتھ اوپر چلو گے یا یہیں انتظار کرو گے؟" وہ گاڑی سے اترتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ مگر صاف ظاہر تھا گویا نکلنا پوچھ رہی ہیں۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔" اس کا بھی کوئی موڈ نہیں تھا۔ "کیا آپ کو دیر لگے گی۔ اگر ایسا ہے تو میں ایک گھنٹے بعد اپنے کچھ کام نمٹا کر واپس آ جاؤں گا۔"

"نہیں نہیں بس پانچ منٹ کی بات ہے۔ بس خواتخواہ کی پریشانی گلے پڑتی ہے۔" وہ جیسے بڑبڑائی تھیں اور آگے بڑھ گئی تھیں۔ سون کیسٹ لگا کر نئے گیت سننے لگا۔

جانے کب تک مگن رہا۔ معاً اس کی نظر ایک اوجھل ہوتے مرد پر پڑی۔ جسے غالباً اللہ یار نے پہچانا کر دیا تھا۔ وہ آگے بڑھتے بڑھتے رک کر اپارٹمنٹ کی طرف منہ اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر بلا ارادہ اس کی نظروں کے تعاقب میں فرسٹ فلور کی گیلری تک گئی تھی وہ بری طرح چونک پڑا تھا۔ ادھر پانی کھڑی تھی۔ وہ ہاتھ ہلا کر بوڑھے سے کچھ کہہ رہی تھی۔ اس نے اسے کار کی کھڑکی کی جانب کا شیشہ تیزی سے نیچے کیا۔

"وہ منع کر رہی ہے۔" پانی کہہ رہی تھی۔

"دومنٹ میں آتا ہوں۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"نہیں۔ بیگم صاحبہ تمہیں بلا رہی ہے۔ کہتی ہے فوراً آؤ۔" پانی چلا رہی تھی۔

بوڑھے نے قدرے سوچا پھر واپس اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گیا۔ پانی بالکنی سے ہٹ گئی تھی۔ سون الجھ کر رہ گیا۔ کئی روز سے ایک سوچ اسے گھیرے ہوئے تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ممی نے ان دونوں کو واپس گوٹھ بھجوا دیا ہے۔ اور ایک مستحکم خیال یہ بھی تھا کہ ممی نے "انکشاف" کے بعد پہلا کام یہ کیا ہو گا کہ اس مصیبت سے سون کی جان چھڑائی ہو گی۔ وہ اس سوچ کے بعد بہت پرسکون محسوس کر رہا تھا خود کو۔ اسے یقین تھا کہ یہ جاننے کے بعد کہ سون کس کی "نشانی" سنبھالے پھر رہی ہے۔ ممی سوچ بھی نہیں سکتیں کہ ان کی نوکرانی کے بطن سے ان کا خون جنم لے۔

مگر یہ پانی اور وہ بوڑھا جو غالباً ان کا باپ ہے یہاں اس سپر لگژری اپارٹمنٹ میں کیا کر رہے تھے۔ سون کہاں ہے؟ وہ بری طرح الجھ گیا تھا۔ جی چاہتا تھا دوڑ کر اوپر پہنچ جائے اور دیکھے وہاں کون کون ہے۔ اور شاہانہ وہاں کیا کر رہی ہیں۔

اس نے کار کا شیشہ دوبارہ چڑھایا اور پھر گہرے خیالات میں ڈوب گیا۔ یاالٰہی کیا معمہ ہے۔ یہ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ ممی ادھر کیوں آئی ہیں؟ کیا "وہ" بھی یہیں ہے؟ لیکن کیوں؟" سوچ سوچ کر اس کا ذہن شل ہو گیا۔ مگر کوئی سرا ہاتھ نہ آ رہا تھا۔

"اس کا کیا حال ہے۔ ممی نے انہیں یہاں کہاں رکھا ہوا ہے؟ وہ کیا کر رہی ہیں؟ پانی کی یہاں موجودگی کا کیا مطلب ہے۔ یہی کہ سون بھی یہاں موجود ہے۔ مگر کیوں؟ یہ لوگ گوٹھ واپس کیوں نہیں گئے؟ بے چارہ سون۔" وہ جانے کن کن سوچوں میں الجھا ہوا تھا کہ شاہانہ نے کھٹ سے کار کا دروازہ کھولا۔

"زیادہ دیر تو نہیں ہوئی؟ بعض اوقات ناگہانی جھمیلے پڑ جاتے ہیں۔ چلو اب صدر۔ شاہراہ عراق۔ جیولر کے پاس۔" وہ پرس سے ٹشو نکال کر چہرہ پونچھنے لگیں۔

سون نے کار اسٹارٹ کی۔

"جیولر کے بعد کہاں جانا ہے ممی؟" اس نے کار مین سڑک کی طرف موڑتے ہوئے پوچھا۔

"پھر مریم کے پاس چلنا ہے۔ سی ویو۔ اس نے کاغذات تیار کر لیے ہوں گے فیکٹری کے۔ وہ فیکٹری جو آٹھ سال سے بند پڑی تھی وہ سیل کر دی ہے میں نے۔ خوامخواہ کا ہیڈک بنی ہوئی تھی۔ یا اکاؤنٹ ہوگرل میں الاٹ ہو جانے کی تو جلدی کچھ ملنے لگے گا۔ اب خواجہ میں تو پہلے جیسا اسٹیمنا نہیں ہے۔ تمہیں ہی لک آفٹر کرنا ہو گا۔ سی تو ابھی بہت کچا ہے اس پر فی الحال ٹرسٹ نہیں کیا جا سکتا۔"

ان کے لہجے میں اداسی اور تلخی کی ملی جلی کیفیت تھی۔

سون قطعی خاموش تھا۔ بہت بڑی بات تھی۔ وہ لاکھوں خرچ کر کے اس پر ٹرسٹ کر رہی تھیں۔ اور وہ بھی اگر کالے بادل بنے تو وہ بھی چھٹ گئے۔ اس نے مڑ کر شاہانہ کا چہرہ دیکھا۔ دل پر دو تین آسمان کے بوجھ آ پڑے۔

"تم بہت سنجیدہ ہو رہے ہو۔ یہ اچھا ہے۔ اگر سنجیدگی سے کام لو گے تو بہت جلد تمہارے رنگ میں ڈھل جائے گی۔ مگر اس بازی میں لاپروائی ہونے کے باوجود کوئی بات ایسی ضرور ہے کہ اسے ناپسند نہیں کیا جا سکتا۔"

وہ گردن موڑ کر سون کی طرف دیکھنے لگیں جو بالکل خاموش تھا۔

سون کے کانوں میں ریا کی آواز گونجنے لگی۔ تازہ ترین ٹیلی فون کی بات چیت۔

"کتنی معصوم سی لڑکی ہے پتہ نہیں میرے ساتھ خوش بھی رہ سکے گی؟ پتہ نہیں میرے اندر کسی دارم پرجوش لڑکی کو مطمئن کرنے کی صلاحیت ہے بھی یا نہیں؟ پتہ نہیں میرے گھر میں اسے پہلے جیسی ہنسی ملے گی بھی یا نہیں۔ آخر ایک معصوم لڑکی کی بددعائیں کی دھوپ بھی تو میرے سر پر ہے۔ بددعا رائیگاں جاتی ہے نہ بددعا دو جو میری قسمت میں جھے دار بن رہی ہے۔ کہیں میں اس کو راس بختے تو نہیں جا رہا؟ کہیں پھول مرجھانہ جائے..... آگ نہ بھڑک اٹھے۔ وہ بہت معصوم ہے۔ وہ کسی مرد کے کرنٹ کی بو پانے کی بھی حساب نہیں رکھتی۔ مجھے تو محبت کرنا بھی نہیں آتی۔ اور وہ محبت کے پانی کی مچھلی لگتی ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ تو کیا صحیح ہو رہا ہے۔ ایک کیسی خرابی۔ جو کچھ خوبصورت ہے اسے بدصورت بنا دینے والی خرابی جو چمک رہا ہے اسے دھندلا دینے والی خرابی..... جو ہنس رہا ہے اسے رلا دینے والی خرابی..... جو پاس ہے اسے فاصلہ دینے والی خرابی..... جو جی رہا ہے اسے مار دینے والی خرابی۔"

"تم یقین کرو سون! میں بہت سیٹسفائیڈ ہوں۔ مجھے اس دن کا انتظار ہے جب وہ ہمارے گھر میں بنے گی۔ شرارتیں کرے گی۔" وہ کسی خیال کے تحت مسکرا رہی تھیں۔

سون نے دوبارہ قدرے چونک کر شاہانہ کا چہرہ دیکھا تھا۔ (اتنی تبدیلی؟)

"اب اگر اس کو گھر کے کام کاج نہیں آتے سوات..... یہ مڈل کلاس لوگوں کا درد سر ہوا کرتا ہے۔ جس گھر میں بہت سے زیادہ نوکر ہوں وہاں کام کیا پرابلم۔ پکا پکایا کھانا کھائے۔ بوتیک سے کپڑے لا کر پہنے۔ جیسی کرے اس کی دادی بہت ہچکچاتے ہوئے بتا رہی تھیں کہ اسے گھر کے کام کاج سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

"ویسے خیر میں خوش بھی ہوں اور حیران بھی تم نے ہمارا سلیکشن بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اوکے کر دیا۔ ورنہ ینگ جنریشن تو بس صرف اپنا سلیکشن ہی پسند کرتی ہے۔ کمال ہے۔ اتنی عمر میں تمہیں آج تک کسی لڑکی نے اٹریکٹ نہیں کیا؟" وہ بہت اچھے موڈ میں ہنس کر پوچھ رہی تھیں۔

سون اس سوال پر سٹپٹا سا گیا۔

"لڑکیاں تو سب ہی ایک جیسی ہوتی ہیں۔ اچھی ہوتی ہیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ یہ تو کوئی جواب نہیں ہے۔ تمہارے جواب پر مجھے اپنی دادی یاد آ گئیں۔ بچوں میں گھری رہتی تھیں بہت پیار کرنے والی تھیں۔ بچوں کو بہت اہمیت دیتی تھیں۔ ان کے تمام معاملات میں دلچسپی لیتی تھیں ان کے لئے مزیدار مزاحیہ شاعری کرتی تھیں۔ اکثر بچوں کو ایک نظم سناتی تھیں۔

پاکستان کے سب کوے کالے
چونچ بھی کالی اور پر بھی کالے

ہم بچے پوچھتے دادی جان! ہندوستان کے کوے کیا سفید ہوتے ہیں؟ کہتیں۔ ساری دنیا کے کوے کالے ہوتے ہیں۔ ہم تو بس پاکستان کے گیت گاتے ہیں۔"

سون بے ساختہ مسکرا دیا۔

"اب یہ ہے کہ میں ریا کی دادی سے پرمیشن لے لوں گی نکاح کے بعد کہ تم ان سے فون پر بات کر لیا کرو۔ اس طرح اجنبیت کا احساس باقی نہیں رہے گا۔ اور ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ خاص طور پر تمہیں آسانی ہوگی۔ تم اندازہ لگا سکو گے کہ تمہاری اس کے ساتھ ڈیل کس طرح کی ہونا چاہیے۔ مینٹل اپروچ کا فرق بھی کم سے کم ہوگا۔ کسی قسم کی شرم جھجک کی ضرورت نہیں۔ یہ بڑے سنجیدہ معاملات ہوتے ہیں۔ بلاوجہ کسی لڑکی سے انجنبی جلانا اسے چکرا دینا بہت بڑی اخلاقی کمزوری ہوتی

ہے۔ مگر جس کے ساتھ سنجیدہ تعلق قائم رہا ہو۔ اسے سمجھنے کی کوشش ضرور کرنا چاہیے۔ کیونکہ بعض اوقات مس انڈرسٹینڈنگ سے بہت بڑے نقصان ہو جاتے ہیں جن کا ازالہ بھی ناممکن ہوتا ہے۔"

سون کا حیرت سے برا حال ہوتا جا رہا تھا۔ (یہ مجی ہی ہیں؟)

"سنی کی غیر ذمہ داری نے تو مجھے پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ مجھے اس سے بہت اچھی امید یں تھیں جو وہ آہستہ آہستہ خاک میں ملاتا جا رہا ہے۔ میں سوچتی ہوں تم بن ماں کے بچے تھے۔ خواجہ نے مجھے تمہاری ماں بنایا تھا۔ مگر میں نے ڈنڈی ماری۔ جس کی سزا قدرت مجھے دے رہی ہے۔"

"آپ سنی سے اس قدر مایوس کیوں ہیں۔ ابھی اس کی ایج بہت کم ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا آہستہ آہستہ۔" وہ بہت آہستہ اور دبی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا گویا بولنا بھی کوئی مرحلہ ہو۔

"خاک ہو جائے گا۔" شاہانہ نے سلگ کر کہا۔

"کوئی بات ہوگئی ہے ممی؟ اگر ہو بھی گئی ہے تو کیا ہوا۔ ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہی ہے۔ غور کرنے ہیں تو اپروچ بھی ہو جاتی ہے۔"

"تم رہنے دو۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ ٹھیک ہوگا۔" وہ آزردگی سے گویا ہوئیں۔

"کیوں۔ زیادہ گڑبڑ ہوگئی ہے۔ رانگ وے پر چل پڑا ہے؟ کمپنی اچھی نہیں ہے؟" وہ بہت محتاط ہو کر بات کر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے اس کو کمپنی اچھی نہیں مل رہی۔ تم واچ کرو۔ کچھ احساس دلاؤ۔ تھوڑی سی بھی گنجائش دیکھوں کی تو اسٹیٹ بھجواؤں گی اسٹڈی کے لئے۔ میرے لیے ریئلی ہیڈک بنتا جا رہا ہے۔" وہ بے چارگی سے گویا ہوئیں۔

"آپ اس قدر دری نہ ہوں۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" آخر اسے کچھ تو کہنا تھا اندر سے تو مسلسل "شرم کرو شرم کرو" کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"چلو۔ ابھی امید ہی سہی۔" وہ گہری سانس لے کر صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔

سون کو تو مرنا پڑا ہوا تھا۔ رخ اسکرین پر تھی بڑی اداس نظروں کو سون پر جمائے ہوئے تھا۔ جیسے کہہ رہا ہوں۔ "میرا قصور تو بتا دو یار!" اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ کانپ کر رہ گئے۔

☆☆☆

ناصر حسین کی طبیعت کی خرابی کا پتا چلا تو بڑی اماں ریا اور اظہار کے ساتھ ان کو دیکھنے چلی گئیں۔ گھر پر اظہر، مظہر اور نور تھے۔ وہ ضروری کاموں سے فارغ ہو کر بڑی اماں کا کرتا سینے بیٹھ گئی۔

لاؤنج کی ساری لائٹس آف تھیں۔ سلائی مشین میں لگا ہوا بلب روشن تھا۔ بڑا پرسکون سا ماحول تھا۔ مشین بے آواز پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔ اسے سلائی میں بہت مزہ آتا تھا۔ اور اظہر اور مظہر دونوں کو کھانے کا پوچھ آئی تھی دونوں نے آدھے گھنٹے بعد کا کہا تھا۔ اس لئے کرتا لے کر بیٹھ گئی تھی۔

"بڑی اماں اور ریا کہاں ہیں؟" وہ کام میں اس قدر مگن تھی کہ مظاہر کی آواز پر بڑی طرح چونک پڑی۔

"بڑے ماموں کے ہاں گئی ہیں۔" اس نے نظریں اٹھائے بغیر سنبھل کر جواب دیا۔

"خیریت؟" وہ متفکر ہو گئے ایسے بے وقت تو بڑی اماں کہیں نہیں جاتی تھیں۔

"بڑے ماموں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بنا دادی کا فون آیا تھا۔" اس نے یہ کہہ کر دوبارہ سلائی شروع کر دی۔

"سنا ہے کہ کیا طبیعت خراب ہے؟" مظاہر اس سے بہت فاصلے پر کھڑے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں......؟" اس نے اسی طرح نظریں جھکائے جواب دیا۔

"کھانا کھائیں گے آپ؟" وہ پلٹنے لگے تو اس نے پوچھ لیا۔

"ہاں تقریباً دس منٹ بعد نیچے آؤں گا۔"

وہ بڑے خشک اور اجنبی سے انداز میں بات کر رہے تھے اسے یک دم کسی کی والہانہ وابستگی و بے ساختگی کا دھیان آ گیا۔ "یہ مارے باندھے کے سودے تو میری جان لے کر چھوڑیں گے۔" اس کا دل بھر آیا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ لاؤنج کی ٹیوب آن کی۔ مشین کا سوئچ آف کیا۔ بابا باہر گئے ہوئے تھے اس لئے اسے خود ہی کھانا ٹیبل پر لگانا تھا۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے کچن میں چلی آئی۔

انسان میں غرور کب آتا ہے؟

انسان مغرور کیوں ہوتا ہے؟

ہم تو "اس" کے بھیجے ہوئے کردار ہیں۔ اپنا اپنا رول ادا کر کے واپس چلے جائیں گے۔

غرور تو "اس ماوراں" پر جچتا ہے۔ جو بڑا سکارف سے خود کو سجاتا ہے۔

آگہی سے بہت دور ہے۔

منفعت کے علاقے میں پاؤں رکھنا جس کی شان کے خلاف ہے۔

باہر اتنا مصروف ہے کہ اپنے "اندر" جھانکنے کی فرصت نہیں۔

نہ خود شناسی ہے نہ خدا شناسی۔

گمراں کو کیا ہوا ہے۔؟ ناموافقت کی جھلسا دینے والی لو تو لمحہ لمحہ انسان کو خود پر منکشف کرتی ہے۔ سرے جھانی ہے۔ بینائی و بصیرت تیز کرتی ہے۔

جب انکشافات کے سلسلے شروع ہو جاتے ہیں تو اپنا کام سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ اور کام لینے والا بھی۔ محض اپنی "کارکن" حیثیت پر اتنا غرور و گمان۔ نادانی کی کوئی حد ہے؟

بہت افسردہ سی کیفیت میں وہ کھانا لگا رہی تھی۔ اسی دوران مظاہر آ گئے تھے۔

"واپس تو آج ہی آ جائیں گی ناں۔" وہ واش بیسن کے سامنے کھڑے پوچھ رہے تھے۔

"جی پر تو مجھے پتا نہیں۔ اس طرح کی کوئی بات نہیں ہوئی۔" وہ سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ہوں" وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے "تم نے کھانا کھا لیا؟"

"نہیں۔" وہ اختصار کے ساتھ گویا ہوئی۔

"تو پھر آ جاؤ" وہ بڑی بے نیازی سے بولے۔

"ابھی اظہر بھائی اور مظہر نے بھی نہیں کھایا...... ان کے ساتھ کھا لوں گی۔" وہ یہ کہہ کر پلٹنے لگی۔

"بات سنو" مظاہر کی آواز اس کے تعاقب میں آئی۔

وہ رک گئی...... وہ دو لمحے رک کر ان کی بات کا انتظار کرنے لگی۔

مظاہر جیسے بات کو تول رہے تھے اور اس پر ایک ایک گھڑی سنان گزرنے لگی۔

کوئی فون تو نہیں آیا؟ وہ گویا ہوئے۔

"کس کا؟ فون تو جانے کس کس کے آئے ہیں۔" وہ سرد انداز میں بول رہی تھی۔

"کوئی خاص فون...... کوئی الجھن و پریشانی والا؟" مظاہر سالن پلیٹ میں ڈال رہے تھے۔

"میں کسی کا بھی فون اٹینڈ نہیں کرتی...... ہو سکتا ہے آیا ہو...... مجھے کسی نے کچھ نہیں بتایا۔" اس نے بھی بڑی رکھائی سے جواب دیا۔

"اظہر بھائی کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟" مظاہر نے پوچھا۔

"کہہ رہے تھے ابھی۔ کوئی ضروری کام کر رہا ہوں۔" وہ باہر نکلنے لگی۔

"تمہیں بھی بھوک نہیں لگی؟ میرے ساتھ کھانا نہیں چاہ رہیں۔" وہ بغور دیکھ رہے تھے۔

"آپ جو سمجھ لیں۔" وہ بڑے روٹھے انداز میں کہہ کر باہر نکلنے لگی۔

"اچھا۔ میری بات سنو۔"

"مگر مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنا۔" وہ یہ کہہ کر تیزی سے باہر چلی گئی۔

خفت سے مظاہر کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔

☆☆☆

"نہیں ہیں میرے پاس پیسے...... تمہاری کون سی فیملی ہے جو تمہاری جیب اتنی جلدی خالی ہو جاتی ہے؟" شاہانہ نے تلخی سے کہا اور زینہ اترنے لگیں۔

"مگر مجھے پیسے چاہئیں۔" سنی ان کے پیچھے پیچھے آیا۔

"درختوں پر نہیں لگتے پیسے...... اتنا کھلا پیسہ چاہیے تو باپ کے ساتھ فیکٹری میں بیٹھا کرو۔ ہاتھ بٹاؤ ان کا...... آخر مون بھی تو کالج لائف سے بزنس میں ہے۔ باپ کے ساتھ برابر کا شیئر کرتا ہے۔" وہ تیزی سے زینہ طے کر کے نیچے آ گئیں۔

"پہلے تو کبھی آپ نے ایسے نہیں کہا۔" وہ جھلایا۔

"یہی تو میری سب سے بڑی غلطی ہے جس پر عمر بھر پچھتاتی رہوں گی۔" وہ برہم ہو گئیں۔

"آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟" وہ تقریباً روہانسا ہو گیا۔

"اپنے آپ سے پوچھو...... مجھ سے زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ لاؤنج سے باہر جانے لگیں۔

"ممی...... پلیز میری بات سنیں۔"

"نہیں سننا مجھے تمہاری کوئی بات۔" وہ غصے سے بولیں۔

"کیا ہوا ممی؟" مون برآمدے میں پہنچ کر بڑی حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں...... وہی پیسے...... ٹکسال لگی ہوئی ہے۔ اشرفیاں ڈھل رہی ہیں۔" وہ بہت ناراض تھیں۔ سنی کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کر رہی تھیں۔

"پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ فرسٹ کو آپ نے تو تماوز چند ہی تو دیے تھے۔" سنی اپنی جگہ اڑا ہوا تھا۔

"تمہارے باپ کی فیکٹری میں مہینہ بھر جھک مار کر لوگوں کو وہ ہزار ملتے ہیں...... تمہیں بیٹھے بٹھائے مل جاتے ہیں۔"

"تو وہ اپنی فیکٹریاں سنبھالیں۔ کیوں کام کرتے ہیں میرے باپ کی فیکٹری میں۔" وہ جل کر بولا۔

"تو تم ہی بتاؤ کی میں کچھ کر لوں۔"

"کتنے پیسے مانگ رہا ہے یہ؟" سون نے شاہانہ سے پوچھا۔

"صرف فائیو ہنڈریڈ کی ڈیمانڈ پر میری اتنی انسلٹ ہو رہی ہے۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"اونلی فائیو ہنڈریڈ۔" سون کو تعجب ہوا۔

"دو ہزار پاکٹ منی بہت ہے۔ بس اب نیکسٹ منتھ ہی ملیں گے۔" شاہانہ نے قطعی انداز میں کہا۔

سون نے بہت حیرت سے شاہانہ کی طرف دیکھا...... فائیو ہنڈرڈ وہ سنی کو ایسے دے رہی تھیں جس طرح بچے کو لالی پاپ خریدنے کے لئے پانچ روپے دیے جاتے ہیں۔

"چلیں میں دے دیتا ہوں...... نیکسٹ منتھ اپنا پاکٹ منی احتیاط سے خرچ کرنا یار۔" سون پینٹ کی جیب سے اپنا پرس نکالنے لگا۔

"کوئی ضرورت نہیں...... تم رہنے دو...... پیسہ برا ایک ہی گھر کا ہے...... بس بہت ڈھیل مل چکی۔ اب بس۔" انہوں نے سون کو روک دیا۔

"اس مرتبہ دے دیں...... آئندہ وہ احتیاط سے خرچ کرے گا۔" سون کو سنی سے بے حد ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

"ہرگز نہیں۔ جب یہ ہمارا خیال نہیں کر رہا تو ہم اس کا خیال کیوں کریں؟" وہ چیخ کر بولیں۔

"مو آخر میں نے کیا...... کیا ہے...... آپ سڈنلی چینج کیوں ہو گئیں۔ کچھ دن پہلے تو سب ٹھیک تھا۔" سنی اب ناراضگی کے بجائے حیرانی کا اظہار کر رہا تھا۔

"نان سنس...... تو بچہ...... یعنی اتنا بے وقوف سمجھا ہوا ہے تم نے...... میرا تو جی چاہتا ہے کہ انا ونس کر دوں۔ صرف سون میرا بیٹا ہے اور بس۔" شاہانہ تیزی سے آگے کی طرف بڑھیں۔

سون کے قدم زمین نے دبوچ لیے تھے۔ اس نے اشارے سے سنی کو شاہانہ کے پیچھے جانے اور کچھ بولنے سے منع کر دیا۔ سنی فوراً ہی رک گیا۔ شاہانہ انیکسی کی طرف جا رہی تھیں۔ سون نے لاؤنج کی طرف قدم بڑھائے اور سنی کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ دونوں لاؤنج میں پہنچے۔ سون نے پرس نکالا اور پانچ سو کا نوٹ سنی کی طرف بڑھایا۔

"یہ لو...... اور ممی کو ہوا نہ لگانا...... ورنہ میں آئندہ تمہاری کوئی ہیلپ نہیں کر سکوں گا۔" اس نے سنی سے کہا۔

"ویسے یار یہ ممی کو ہوا کیا ہے؟" سنی نے الجھتے ہوئے کہا۔

سون نے سنی کا نوعمری کے عہد کا بھیگا بھیگا چہرہ دیکھا مگر فوراً ہی نظریں جھکا لیں۔ (وہ کیا اسے ساری بات) وہ اس کے سامنے پر امنحصر کیے جانے کس دھیان میں تھا۔

"اب آئندہ جب بھی تمہیں ضرورت ہو...... مجھے کہنا۔ ممی سے ڈیمانڈ نہ کرنا...... خواہ مخواہ وہ ٹینس ہوں گی۔" اس نے بہت دھیمے اور محبت بھرے انداز میں سمجھایا۔

"کیوں ٹینس ہوں گی؟" سنی بگڑ کر بولا۔

"سمجھا کرو یار وہ چاہتی ہیں تم پریکٹیکل لائف کی طرف آ جاؤ۔ یہ تو سب والدین کی خواہش ہوتی ہے۔"

"بہت اچانک قسم کی خواہش ہے۔" وہ اسی آف موڈ میں بولا۔

"ہو سکتا ہے وہ مستقبل سے کوئی اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہوں (میں کیا کروں سنی؟) یہ ویری ٹنگ قسم کا چینج

ہے...... تمہارے ساتھ ان کا رویہ عجیب ہے؟"

"تم کیوں پریشان ہو رہے ہو...... تم بھی ممی کی خواہش کے مطابق خود کو چینج کرنے کی کوشش کرو تمہارے ساتھ بھی ان کا رویہ چینج ہو جائے گا۔ یہ سب وقتی ہے ڈونٹ وری۔"

"ایبسولوٹلی انسلٹنگ چینج...... آئی کانٹ فارگیٹ اٹ...... خیر...... تم ان کو سمجھا دینا۔" سنی نے پانچ سو کا نوٹ تہہ کر کے جیب میں جما لیا۔

"او کے...... میں انہیں سمجھا دوں گا مگر تم بھی خیال رکھنا۔"

سنی مزید کچھ کہے بغیر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ سون پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہیں ٹہل رہا تھا اس کا اندرونی خلفشار اس کے چہرے پر نقش تھا۔

☆☆☆

"بڑی اماں، جمال بھائی بلا رہے ہیں انڈیا سے۔" ریحانے حسب عادت زہر افشانی کیا۔ بڑی اماں کے ہاتھ میں برتن تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے۔

"اے میری سنا؟ کہیں بٹ ری ہو تو تھوڑی سی اسے بھی مل جائے، پورے گھر جا کر اسی طرح "اعلان" کرتی پھرے گی۔ پتہ ناڈھول لائے ہیں یہ کیا کریں گے ساس سسر۔" بڑی اماں نے بڑبڑاتے ہوئے ریسیور تھام لیا...... موڈ فوراً ہی خوشگوار ہو گیا۔

"جیتے رہو میرے بچے...... دادی قربان ہو جائے...... ارے میں تو ہر وقت یاد کرتی ہوں۔ تمہیں ہی خیال نہیں آتا...... فون کرنے میں تو پیسے لگتے ہیں تو کیا دو پیسے کا خط بھی نہیں لکھ سکتے؟" انہوں نے شکوہ کیا۔

"لکھا تھا...... نہیں بیٹے مجھے تو نہیں ملا...... ارے تو جگہ بے جگہ دشمنی تو نکالیں گے۔ یہ ہندوستان والے...... اب دیکھو خواہ مخواہ دھماکے کر کے پاکستان کو مشکل میں ڈال دیا۔ اسے بھی دھماکے کرنا پڑے...... اب بچا پیسہ بچتے تو پاکستان کے دس کام نکلتے۔"

"بڑی اماں...... جمال بھائی کا بل بن رہا ہے سیاسی بات کرنے سے ہمارا ٹیلی فون بھی کٹ سکتا ہے۔ پولیس بھی آسکتی ہے گھر پر...... ہندوستان سے جو ٹیلی فون آتے ہیں...... پولیس والے سنتے رہتے ہیں۔" ریحانے ٹوکا۔ بڑی اماں کے ہاتھ میں ریسیور کانپ گیا۔

"میں تو یونہی بات کر رہی تھی ارے مجھے کیا لینا سیاست سے۔ اچھا بیٹے...... گھر میں سب کو پیار سلام کہنا میری طرف سے "ریا......؟ ہیں کھڑی ہے یہ لو ریا بات کرو بھائی سے۔" انہوں نے ریسیور ریا کو تھما دیا۔

"جی...... جمال بھائی! آج کل تو پتنگ اڑا رہی ہوں بڑی اماں سے چھپ کر پندرہ بیس نوٹ بھی چکی ہوں۔ میری؟ صرف ایک دو کٹی ہوں گی۔"

"کب......؟" تو ابھی کر لیں...... دوبارہ فون کریں گے تو دوبارہ پیسے خرچ ہوں گے۔"

"لوگ کھڑے ہیں؟ کیا آپ کو دیکھ رہے ہیں؟ بہت غلط بات ہے۔ آخر آپ انسان ہی تو ہیں کیا سمجھا ہے لوگوں نے خیر...... کل دولہا جان اور مادلور آپی کی شادی ہے...... نکاح رخصتی دونوں...... چھپا کر رہے ہیں ناں...... کسی خطرے کی وجہ سے۔"

"خوشی کی بات ہے آپ ضرور خوش ہوں۔ اپنے فریج پر۔ ٹھیک ہے اللہ حافظ۔" اس نے ریسیور رکھ دیا۔

پھر کب کرے گا فون؟" بڑی اماں نے بڑی توجہ و انہاک سے اس کے جملے سنے تھے۔

"پتا نہیں کب کریں گے۔ کہہ رہے تھے کہ آپ سے بہت ضروری بات کرنا ہے ابھی کچھ لوگ میری محفل کے پاس کھڑے ہیں۔ کام کا بھی رش ہے اور جب میں فون کروں تو کسی اور کو بسہولت دیجئے گا مجھے صرف آپ سے بات کرنا ہے" اس نے لاپروائی سے بتایا۔

"یوں کہہ رہا تھا؟" بڑی اماں نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔

"جی مجھی یہ سیکر بیٹرز کی سطح پر بات چیت ہوگی...... اعلیٰ سطحی...... سربراہی اجلاس ہرگز نہیں ہوگا۔" زرمش کمرے کی طرف چلی۔

"جانے کیا بکے چلی جاتی ہے...... اور دور انی دورے وہ بار صرف اس سیاحت کرنے کو فون کرے گا...... ؟ خیر" بڑی اماں کے چہرے پر تفکر واضح تھا۔

"آپ کیا سوچ رہی ہیں؟" ماہ نور جانے کب آ کھڑی ہوئی تھی ان کے قریب۔

"کچھ نہیں بیٹی! جمال کا فون آیا تھا ابھی دہلی سے...... رشتے کے کپڑے؟" وہ یکدم سنبھل گئیں۔

"جی!" وہ ان کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"اگر مظاہر خود اسارک جاتا تو ہو سکتا ہے...... جمال پاکستان ہی میں سیٹ ہو جاتا گھر کا بچہ ہے...... دل کی بات کہنے کا ڈھنگ نہیں جانتا۔ سید صاحب نے میں نے محسوس کیا تھا اسے پاکستان اور پاکستان والے پسند آ گئے تھے۔" مگر مظاہر تو خیر کبھی مانتا ہی نہیں...... بہت اونچے خیالات ہیں اس کے۔"

"جیسے تنگ اڑان رکھنے والے خیالات "اونچے" ہوتے ہیں۔" ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اضافہ کیا تھا۔

"ہاں آج کل دنیا کا یہی معیار ہے۔" بڑی اماں نے افسردگی سے کہا۔

"کون سے پاکستان والے پسند آ گئے جمال بھائی کو؟" ماہ نور نے پوچھا۔

بڑی اماں نے خالی خالی آنکھوں سے ماہ نور کی طرف دیکھا...... پھر ایک گہری سانس لے کر کچھ سوچنے لگیں۔

"میرا خیال ہے وہ ریا میں دلچسپی رکھتا ہے۔ ایک دو بار تو میں نے اس کی یہاں نظر بھی دیکھی تھی...... بس...... کیا بتاؤں؟ یہ بال دھوپ میں تو سفید نہیں کیے...... بچے پھر بچے ہیں۔ کوئی نہ کوئی چوک کر جاتے ہیں جو بوڑھے پکڑ میں آ جاتے ہیں۔

میری اپنی بھی خواہش تھی کہ گھر ساتھ ہی اندازہ تھا کہ چاند اور مظاہر کبھی نہیں مانیں گے...... حالانکہ تم ہی بتاؤ کیا برائی ہے جمال میں...... ؟ عمر کا فرق ہے تو سوا بھی تو جمال ہی کی عمر کا ہوگا...... مگر اس کی فکریاں ہیں اور یہ بہت خاص بات ہے حالانکہ جوڑ کے گھر ہی گھر میں ہونے ہیں ان کے فائدے بہت ہوتے ہیں۔" وہ بہت افسردگی سے ہمکلام تھیں۔

"تب ہی تو آپ کو کہا ہے" آپ زبردستی کر رہی ہیں مظاہر بھائی کے ساتھ۔ وہ ایک غریب لڑکی میں کیا دلچسپی لے سکتے ہیں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہہ ہی دیا۔

"اب تم اپنا ذہن ان باتوں میں نہ الجھاؤ...... تمہارے جیسی لڑکی اس کو کہیں اور نہیں مل سکتی۔ اس کا اندازہ اسے بھی کچھ دن بعد ہو جائے گا اور ہاں بس...... بہت ہو گیا' مظاہر بھائی' کل نکاح ہو رہا ہے تمہارے ساتھ اس کا۔

نشاط اور عالیہ شام کو آ جائیں گی...... کھانا جلدی لگوا لینا تاکہ تمہیں وقت سے مہندی لگ جائے...... مہندی بہت اچھی ہے۔ ان شاء اللہ رنگ بہت اچھا آئے گا شمسہ اور عارفہ بھی بس آتی ہوں گی۔

تم دل خراب نہ کرنا...... کہ اتنی سادگی سے شادی ہو رہی ہے۔ مجبوری ہے بیٹی! مگر ان شاء اللہ اس کا انجام اچھا ہوگا۔ تم سب کچھ بھول جاؤ گی۔ یہ سب نصیب کے کھیل ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ جو شادی دھوم دھام سے ہو اس کا انجام بھی اچھا ہو۔ حوصلہ رکھو۔ ان شاء اللہ سب کچھ تمہارے حق میں ہو جائے گا۔ رات اطہر نے چاند کو امریکہ فون کر کے بتا دیا تھا۔ بتا رہا تھا چاند بہت خوش ہے کہہ رہا تھا' یہ بہت اچھا فیصلہ ہے۔ ماہ نور بہت اچھی لڑکی ہے۔ شادی کے بعد دونوں کو مبارکباد کا فون کروں گا۔

گھر بھر میں ایک بھی ایسا نہیں جو اس شادی پر خوش نہ ہو۔ ریا کی تو جیسے من کی مراد پوری ہو گئی...... شاہد طاہر علی کے دوست کے بیٹے میں اس نے کیڑے ہی اس لیے نکالے تھے کہ وہ تمہیں اپنی بھابی کے روپ میں دیکھنا چاہ رہی تھی۔ ایک دن کی شادی ایک دن کا رلیب۔ تین جوڑے بنا کر بیٹھی ہے۔

کہہ رہی تھی اماں جان سے سونے کی چھن اور لاکٹ لوں گی۔ پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے اس کے تم بھی اللہ پر بھروسہ رکھو نیک نیت ہو تو لئے کام بھی...... سے ہو جاتے ہیں۔"

وہ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

☆☆☆

عارفہ' شمسہ' نشاط' عالیہ...... آ چکی تھیں۔ باقی گھر کے افراد بھی آہستہ آہستہ گھر میں آنا شروع ہو گئے تھے...... ناصر حسین کو بھی بڑی اماں نے بلوا لیا تھا کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اکیلے گھبرائیں گے یہاں بارونق میں بہلے رہیں گے۔ چار پانچ افراد کا اضافہ ہوا تو گھر میں قدرتی چہل پہل محسوس ہونے لگی...... مظاہر کے علاوہ گھر میں سب ہی موجود تھے۔

عالیہ بیگم بظاہر خوش نظر آ رہی تھیں مگر اندر ہی اندر کچھ ہو رہا تھا۔ ماہ نور کا اسٹیٹس اچانک ہی اونچا ہو گیا تھا...... اپنے بھانجے کے لئے نور یہ کہہ کر انکار کر چکی تھیں کہ "اماں میرے بہنوئی کا بہت اونچا اسٹیٹس ہے...... وہ بھلا اپنے میل کھاتے گھرانے ہی سے لائیں گے۔"

آنے جانے والے مسلسل ماہ نور کو غیر شعوری طور پر دیکھ رہی تھیں۔ آنے والے رشتوں کی تصویر ان کے سامنے آ جاتی تھی...... ایک بار سوخ' آفیسر کی بیوی جس کا سامنے بزنس بھی چمک رہا تھا۔

حسین صورت اور اونچا معیار زندگی...... وہ نشاط سے بھی آگے آ رہی تھی...... وہ تقابلی جائزے میں بھی جتلا تھیں۔ نشاط نے ابھی تین تندوں کی شادیاں بھی کرنا تھیں جبکہ ماہ نور کے سر اس طرح کی صرف ایک ذمہ داری تھی وہ بھی چھ لڑکوں کی موجودگی میں کیا بچ جانا تھی۔ اس فیصد تیاری تو بڑی اماں جیسی دور اندیش عورت پہلے ہی سے کر چکی تھی۔

ماہ نور بڑی اماں کے کمرے میں خود کو قید کر چکی تھی۔ کھانا بھی اس نے کمرے ہی میں منگا لیا تھا...... اس خیال سے کہ اگر مظاہر بھی موجود ہوئے تو اظہار ناپسندیدگی یا بہت تنگ کریں گے۔

وہ کھانا کھا کر (برائے نام) فارغ ہوئی تھی کہ عالیہ بیگم اس کے پاس پہنچ گئیں پہلے تو ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں...... پھر جلدی ہی اصل موضوع پر آ گئیں۔

"اب تو نہیں آئے اس کے فون وغیرہ؟" وہ رازداری سے انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

"کس کے؟" اس کا دل کانپا تو انجان بن کر خود کو سنبھالا۔

"اسی لوفر کے جو ماسر کو بھی فون کر رہا تھا۔" وہ اس کے انجان بننے پر قدرے سٹک سی گئیں۔

"پتا نہیں۔ میں تو فون اٹینڈ ہی نہیں کرتی ممانی جان۔" وہ مجرموں کے سے انداز میں گردن جھکا کر کہہ رہی تھی۔

"گھر میں کوئی ذکر تو ہوتا ہوگا؟" عالیہ بیگم نے جیسے جتایا۔

"میرے سامنے تو کسی نے نہیں کہا۔" وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔

"اچھی بات ہے بڑی جلدی راہ راست پر آ گیا..... خیر چھوڑو اس قصے کو۔ چلو تمہیں نصیب سے بڑا بچا لیا گیا۔ عارف کو بھی کچھ سکون ہوا ہوگا۔ بظاہر جیسے لڑکوں کے پیچھے تو ایک سے ایک گھرانے لگے ہوتے ہیں۔ کوٹھیاں کاریں جہیز میں دینے والے۔ یہ تو اس کی سعادت مندی ہے کہ ہمدردی میں اس نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا ورنہ آج کل کے لڑکے کہاں پکڑ میں آتے ہیں۔ حالانکہ اس فیصلے میں خطرہ کتنا ہے اس کا اندازہ اسے بھی ہوگا..... تمہارے ماموں بتا رہے تھے کہ وہ بہت خطرناک قسم کا بندہ ہے۔ قانون کو توڑ و بنا کر کھیل رہا ہے۔"

وہ ایک تواتر سے بولے جا رہی تھیں ماہ نور کا چہرہ پھیکا پڑتا جا رہا تھا وہ بالکل خاموش سنانے میں تھی۔ اسی لمحے نشاط اور بڑی اماں کمرے میں داخل ہوئیں۔

"چلو نشاط! اسے مہندی لگا دو..... اگر تمہیں زیادہ مہندی لگانا اچھا نہیں لگتا تو لین لگا دیں گی۔"

انہوں نے بہو کی طرف دیکھا تو جیسے انہوں نے مارے باندھے مہندی کا پیالہ ہاتھ میں لے لیا۔

"اماں! آج کل کون لگاتا ہے یہ ساری مہندی۔" وہ قدرے بیزار کن انداز میں گویا ہوئیں۔

"اے بنا! تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں کوئی لگاتا ہے یا نہیں ہماری اپنی کچھ روایتیں ہیں جو ہمیں بھلی لگتی ہیں..... اور بہت عزیز ہیں میں بڑا یا دور جھک نہیں سکتی۔ گھر میں یہ دور رہتا ہے رشتہ میں تو خود لگا دیتی۔"

"اماں! میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ آپ غلط سمجھیں میں تو بچیوں کے جذبات کی ترجمانی کر رہی تھی۔" انہوں نے طوعاً کرہاً ماہ نور کا ہاتھ تھام لیا اور مہندی لگانے لگیں۔

بڑی اماں دوبارہ چلی گئیں۔ نشاط ماہ نور کے کپڑے وغیرہ کھول کھول کر دیکھنے لگی جو بیڈ پر رکھے ہوئے تھے۔ "اتنے بڑے آفیسر کی ہونے والی بیگم کے نکاح کا جوڑا تو مہنگا ہونا چاہیے تھا۔ یہ تو بہت عام سا ہے۔ بڑی اماں مجھے کہتیں تو میں بڑا اچھا سا لاکر دیتی کون لایا تھا یہ کپڑے؟" وہ ماہ نور سے پوچھنے لگی۔

"امی لائی تھیں۔" وہ یوں بولی جیسے کسی گناہ کا اعتراف کر رہی ہو۔

"ہائے بے چاری پھوپھو نے بھلا کب کی ہوگی اس طرح کی شاپنگ۔" اس نے عجیب سا منہ بنا کر گردن ہلائی۔

"جب بندہ بالائی فائی سا ہو تو ہر بات میں اسکے اسٹیٹس کا خیال رکھنا چاہیے۔"

"بھئی فیصلے تو تمہاری بڑی اماں کرتی ہیں اس میں ماہ نور کا کیا قصور۔"

عالیہ بیگم نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔ ایک تلخ سی مسکراہٹ ہونٹوں پر تھی۔

"یہ بھی صحیح ہے آپ دیکھیے۔ یہ قصور یہ نہیں گی اس سوٹ میں جو ہمیشہ کے لئے ہوں گی۔ ابا جان کے بیڈ روم میں بھی سجائی جائیں گی۔"

اس نے کپڑے یوں ایک طرف ڈال دیے جیسے میلے کپڑے دھلائی کے وقت ایک طرف ڈال دیے جاتے ہیں..... ماہ نور کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ سنتی رہی، دیکھتی رہی۔

اسی وقت ریبا اور شمسہ بڑی ہوائی بولائی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"تائی امی وہ آ گئے ہیں۔" ریبا نے رعب سے بیڈ پر گرتے ہوئے کہا۔

"کون.....؟" عالیہ بیگم نے نظریں اٹھائے بغیر مصروف انداز میں پوچھا۔

"وہی جو فون کر کر کے ڈراتے رہتے ہیں پاشا صاحب۔"

ماہ نور کے حواس تو جیسے فوری طور پر معطل ہو گئے تھے۔ عالیہ بیگم کا منہ بھی حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

"یہ کس قسم کا مذاق ہے؟" وہ اچانک ہی حواسوں میں آ کر ریبا کو ڈانٹنے لگیں۔

"مذاق نہیں ممانی جان! ریبا سچ کہہ رہی ہے۔ تائی امی نے کہا ہے کوئی لڑکا بھی ڈرائینگ روم میں نہیں جائے گا اپنی ممانی سے کہو وہ ان سب کو روکے رکھیں۔" شمسہ نے کانپتی آواز میں یقین دلایا اور تفصیل سے دلایا۔

"ہائیں.....!" عالیہ بیگم تو سراسیمہ کھڑی ہو گئیں۔

"اور خود کہاں ہیں اماں؟" وہ بری طرح پریشان ہو گئی تھیں۔ "وہ خود گئی ہیں ڈرائینگ روم میں اور وہ یہ کہہ رہی تھیں کہ بڑے ماموں کو ہوا بھی نہیں لگنا چاہیے۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" شمسہ مزید گویا ہوئی۔ اس کا رنگ خوف سے سفید پڑ چکا تھا۔ ریبا بھی بولتی چوکڑیاں بھول چکی تھی۔

"ابا جان گھر پر نہیں ہیں اور وہ ان سے ملنے آئے ہیں۔" ریبا نے کہا۔

"وہ تو مجھے پہلے ہی اندیشہ تھا کہ بے چارے منظاہر کی تو سوا مشکل ہے۔"

عالیہ بیگم نے جاتے جاتے ایک نظر ساکت و صامت سی ماہ نور پر ڈالی۔

"اللہ رحم کرے بچے پر۔" وہ یہ کہہ کر باہر چلی گئیں۔

"ہم تو اوپر چھت پر ہوا کھا رہے تھے۔ بلیک جیپ گیٹ پر رکی تو ہم سمجھے کوئی گیسٹ آیا ہے۔ میں نے سوچا بابا کو تو نکلنے میں کافی دیر لگے گی میں ہی کھول دیتا ہوں گیٹ جب انہوں نے کرایا اپنا تعارف۔ مجھے تو چکر آ گئے۔" ریبا نشاط کو بتا رہی تھی۔

"اکیلا ہے؟" نشاط نے گم صم سے انداز میں پوچھا۔

"بالکل..... اکیلے..... کوئی ہتھیار وتھیار نہیں ہے۔ خالی ہاتھ ہیں۔" اس نے گویا حاضرین کو تسلی دی جو اپنے طوطے اڑائے بیٹھے تھے۔

"ہونہہ! ایسے لوگ کبھی بغیر ہتھیار کے نہیں ہوتے۔"

"ارے یہ ماہ نور کو ہلا جلا کر دیکھ لو..... سکتہ تو نہیں ہو گیا۔" نشاط چونکی۔ ماہ نور ایک دم سنبھل گئی۔

"آپی! بالکل گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کا شکر ہے سب گھر میں ہیں ابا جان بھی بس آتے ہی ہوں گے۔" ریبا نے بڑی معصومیت سے ماہ نور کی دلجوئی کی۔

"آپی! میں سن کر آؤں بڑی اماں اس سے کیا باتیں کر رہی ہیں؟" ریبا نے نشاط سے کہا۔

"نہیں خوامخواہ سب ناراض ہوں گے۔ بڑی اماں تو خوب جھاڑ پلائیں گی۔" نشاط نے صاف منع کر دیا۔ حالانکہ اسے خود بھی بے چینی تھی کہ وہ کیوں آیا ہے اور دندناتا ہوا کر بھرے گھر میں اکیلا چلا آیا۔

"کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا جیسے گیلری میں کھڑا ہو کر سنوں گا۔" وہ چہکی۔

"اچھا ٹھیک ہے" نتاشا فوراً شمس کے ہاتھوں بے حال تھی۔

ریحا فوزاً دوڑ گئی مگر جیسے الٹے قدموں واپس آ گئی اسی طرح دوڑتی ہوئی۔

"آپی...... بڑے ابا جان بھی آ گئے ہیں۔ ابھی ابھی ان کی گاڑی اندر آئی ہے۔"

ماہ نور کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"آپی...... شمس...... آپ لوگ بھی چلیں پتا نہیں کیا ہو بڑی اماں نے فوراً ہی ای کو پہرے دار بنا کر اوپر بھیج دیا ہے وہ کسی کو نیچے نہیں آنے دیں گی لیکن کیا پتا۔ کب ضرورت پڑ جائے کم از کم بھاگ کر اوپر سے بھائی جان کو بلا کر تو لے آئیں گے۔ اب کیا بے چارے اکیلے اس "بدروح" سے نمٹیں گے۔ اس نے گویا "فوج" کا مورال بلند کرنے کی کوشش کی۔

"آپی، آپ بھی چلیں ورنہ کسی کی سنیں نہ سنیں۔ آپ کی ضرور سنیں گے۔"

اس نے ماہ نور کو بھی لگے ہاتھوں اکسایا۔

"بابا نے ابا جان کو بتا دیا ہوگا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے ہوں گے۔" وہ یہ کہہ کر فوزاً ہی باہر بھاگ گئی۔ نتاشا اور شمس بھی اس کے پیچھے ہی کمرے سے نکل گئیں۔

ڈرائنگ روم کے عقب میں ہوا کے عرض سے بنائی گئی گیلری میں دو بڑی بڑی کھڑکیاں کھلتی تھیں۔ وہ ان ہی کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئیں۔ ریحا نے فوزاً اچھا لگا بھی۔ سامنے وہائٹ پینٹ شرٹ اور مخصوص سرخ اسکارف میں پاشا نظر آیا۔ ان کے مقابل بڑی اماں اور مظاہر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں کی پیٹھ کھڑکی کی طرف تھی۔

"آپ جو کچھ کہیں گی۔ میں سن لوں گا حتیٰ کہ آپ جتنی گالیاں مجھے دینا چاہیں۔ میں سن لوں گا۔ مگر پھر آپ کو بھی میری صرف ایک بات سننا ہوگی۔"

"ہم شرفا میں سے ہیں گالی گلوچ ہمارے ہاں کا رواج نہیں سمجھے۔ اور تم کیوں نہ سنو گے۔ اس لیے کہ تمہیں کیا پتا شرافت ہوتی کیا ہے۔ تمہارا تو وہ حساب ہے کہ "بابے ٹری نیز آسرا" ہمارا وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ سیدھے سبھاؤ اپنا راستہ دیکھو۔"

"مظاہر پلیز آپ مجھ سے تنہا ہو کر بات کریں بزرگوں کو انوالو نہ کریں۔"

"بات کیا کر رہا ہے ہماری کوئی بات نہیں ہے آپ سے۔ آپ کو وقت ضائع کرنے کا اتنا شوق کیوں ہے؟" مظاہر کا انداز برہم مگر انڈر کنٹرول تھا۔

"کیوں؟ بات نہیں ہے ہم نے اپنی بات پہنچائی ہے اپنے گھرانے میں۔ حق بنتا ہے کہ آپ ہماری بات سنیں۔" پاشا نے جواب میں بے مثال برداشت و دھیمے پن کا مظاہرہ کیا۔

"آپ نے بات کی۔ ہم نے انکار کر دیا۔ بات ختم ہو گئی۔ مگر غنڈہ گردی شروع ہو گئی"

"جو چاہے کہیں۔ میری گوٹ اٹکی ہوئی ہے۔ مجھے تو برداشت کرنا ہے۔ آپ کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل رہا ہے ضرور فائدہ اٹھائیں گے۔"

"آپ سے زیادہ بھی برداشت کا مظاہرہ کر سکتا ہوں اب آپ مجھے بتائیں۔ کیوں میرا وقت ضائع کر رہے ہیں؟" مظاہر نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"مجھے ماہ نور سے ابھی نکاح کرنا ہے آپ کے گھر...... آپ سب کی موجودگی میں۔"

مظاہر نے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر جدید طرز کا نازک سا ریوالور نکال لیا تھا۔

"میرے گھر میں میرے گھر کی خواتین میں سے کسی کا نام کس طرح لیا آپ نے بار بار سلامت؟"

"ارے بچے رے" بڑی اماں کے پاؤں کے نیچے زمین کا تختہ یوں ہلنے لگا جیسے پانی پر بہتا ہے۔ وہ چیل کی طرح مظاہر پر جھپٹی تھیں۔

"بڑی اماں، آپ پلیز ڈرائنگ روم چھوڑ دیں۔" وہ ایک ہاتھ سے ریوالور دوسرے ہاتھ سے بڑی اماں کو سنبھال رہے تھے۔

شمس کی چیخ اور ریحا کی در کی طرف دوڑ بڑی بے ساختہ تھی۔

☆☆☆☆

مظاہر اور بڑی اماں میں مزاحمت جاری تھی کہ دوسرے لوگ ڈرائنگ روم میں آنا شروع ہو گئے سب سے پہلے اظہار اندر آیا تھا۔ پاشا نے اسے فوراً بازو سے پکڑ لیا تھا جانے کہاں سے اس نے بھی ریوالور نکال لیا تھا اور وہ اظہار کی پشت سے چپکا دیا تھا۔

"کوئی گڑبڑ نہیں ہونا چاہیے مسٹر مظاہر! اس وقت آپ ہوش سے کام لیں آپ صرف سرکاری افسر ہیں۔ کوئی مرڈر کریں گے تو پھنس جائیں گے۔ میں چار مرڈر کر دوں گا تو بھی میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ او کے...... میں جا رہا ہوں آج وکیل روز نذ تھا۔ آج کے بعد آپ لوگوں سے کوئی بات نہیں ہوگی ضابطے کی تمام کارروائیاں پوری ہو چکی ہیں۔ بس اب سب کچھ ختم...... خدا حافظ"

وہ اظہار کو اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھنے لگا۔

"ارے ہمارے بچے کو چھوڑ دے اس غریب کا کیا قصور ہے۔" بڑی اماں مظاہر کو چھوڑ کر اظہار کی طرف دوڑیں۔

"کوئی قریب نہ آئے یار رو...... بزرگ بچے جوان کی تمیز نہیں کر سکتا۔" پاشا بدلحاظی سے غرایا۔

"ارے نحالت (لعنت) تیری صورت پہ...... تو ہمارے بچے کو چھوڑ......" بڑی اماں دیوانہ وار اس کے ہاتھ سے اظہار کا بازو چھڑانے لگیں۔

باقی لوگوں کو عالیہ ممانی دروازے پر روکے ہوئے تھیں اظہر بری طرح بھڑ بھڑا رہے تھے۔ پاشا اظہار کو لیے دروازے تک پہنچ گیا۔

ریوالور ہنوز اظہار کی کمر سے لگا ہوا تھا۔

مظاہر بے بسی کے ساتھ اسے تکتے رہ گئے جس طرف سے نشانہ باندھتے زد پہ اظہار تھا جو ریحا کا بھائی تھا ورنہ دل چاہ رہا تھا پورا ریوالور خالی کر دیں۔ مگر اس وقت وہ پورے ہوش و حواس میں تھے۔ پاشا اظہار کو لے کر الٹے قدموں دروازے سے باہر نکل چکا تھا۔

"ارے ہمارے بچے کو کہاں لے جا رہا ہے؟" بڑی اماں بھی باہر نکلیں۔ مگر اظہر نے دونوں ہاتھوں سے انہیں تھام لیا

"آپ پریشان نہ ہوں جب تک آپ کے صاحبزادے فائر کرنے میں پہل نہیں کریں گے۔ میں گولی نہیں چلاؤں گا" پاشا بڑی اماں سے مخاطب ہوا۔

"مسٹر مظاہر! آپ نے ریوالور نکالنے میں پہل کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ آپ کو احساس ہی نہیں آپ کیا کر بیٹھے

ہیں۔ بہر حال یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ زندگی کے کسی موڑ پر ملاقات ہوئی تو اس کا انداز مختلف ہوگا۔ میں نے کبھی تاریک زین لمحے میں بھی نہیں سوچا کہ میں ہار سکتا ہوں۔ اس لئے میں ہار نہیں سکتا۔ مشکلیں آپ کو پڑ رہی ہیں اور مجھے اس کا افسوس ہے۔ کاش آپ لوگ اپنے لئے آسانیاں پیدا کر لیتے۔ مجھے آپ سب سے دلی ہمدردی ہے۔

اماں جی..... پریشان نہ ہوں۔ آپ کا پوتا مجھے خدا حافظ کہہ کر واپس آ جائے گا اسے کچھ نہیں ہوگا.....'' پاشا نے اظہار کی طرف اشارہ کیا۔

بڑی اماں غضب ناک ہو کر کچھ کہنے لگیں عالیہ بیگم نے اشارے سے انہیں خاموش رہنے کے لئے کہا۔ مظاہر نے آگے کی طرف قدم بڑھائے۔ پاشا کی لمحے بھر کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر ماہ نور نے عالیہ بیگم کے دائیں پہلو سے رستہ نکال کر دوڑ لگائی اور مظاہر کا ریوالور والا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام لیا۔

''پلیز آپ جہاں ہیں اپنی حد میں رہیں..... اللہ کے واسطے آگے نہیں رہے وہ اظہار کو ساتھ لئے جا رہا ہے۔'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''تم کیوں آ گئیں یہاں؟'' مظاہر نہایت برہم نظر آئے۔

''تو..... آپ تشریف لے آئیں آپ کہیں تو آپ کے کزن کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر لیں۔''

''کس قدر بے وقوف لڑکی ہو تم۔'' مظاہر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے شوٹ ہی کر ڈالیں۔

''آپ اندر چلیں ورنہ فوری چلا جائے گا۔'' ماہ نور کی کیفیت بے اختیاری سی تھی اس نے کس کے ان کا ریوالور والا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔

''بڑی اماں! آپ اسے یہاں سے لے جائیں۔''

''آپ حکم کریں تو بڑی عزت کے ساتھ میں انہیں یہاں سے لے جا سکتا ہوں۔''

پاشا کا انداز آگ لگا دینے والا تھا۔ مظاہر نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ ماہ نور کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ ماہ نور نے بدحواس ہو کر ان کا بازو اس طرح پکڑ لیا جیسے وہ ان کے وجود سے لپٹ گئی ہو۔

''بڑی اماں پلیز آپ اسے یہاں سے لے جائیں ورنہ میں اسے ہی شوٹ کر دوں گا۔''

مظاہر کے ہوش و حواس اس رفت جواب دے رہے تھے ماہ نور کے منظر پر چلے آنے سے تو ان کی غضب ناکی انتہا کو چھونے لگی تھی۔

''اگر اسے معمولی سا بھی نقصان پہنچا تو آپ کے گھرانے پر عمر بھر کی خوشیاں حرام ہو جائیں گی یہی تو ہے جس کی وجہ سے ہم نے آپ جیسے چھوٹے موٹے لوگوں کی بے بھاؤ کی بھی سن لی ہیں مگر مسٹر مظاہر! آپ اور اسٹیبلشمنٹ نہ ہوں کہیں ایسا نہ ہو آپ پچھتائیں ماہ نور! آپ اندر چلی جائیں آپ کی خاطر کوشش کروں گا کہ کوئی نقصان نہ ہو۔''

وہ الٹی چال سے مین گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''ہو سکتا ہے آپ میں سے کوئی ایلیٹ شخصی اٹھا چکا ہو اور پولیس بھی پہنچنے والی ہو اگر ایسا ہوا تو بار رکھیں کل صبح و شام کے اخباروں میں چھپے گی خاص طور پر اس کی سجی ہوئی حسین تصویر'' مرحوم'' اخبار میں رنگین چھپا کرے گی اخبار کی سرکولیشن ڈبل ہو جائے گی۔''

''تھو پر خدا کی مار کیوں کلیجوں پر ہاتھ ڈالتا ہے۔ منہ نہیں رکھا خدا کرے'' بڑی اماں تڑپ اٹھیں۔

اظہر نے آگے بڑھ کر مظاہر کے ہاتھ سے ریوالور اور ماہ نور کو بازو سے تھام کر لاؤنج کی طرف چلے۔

''تمہیں سامنے آنے کی کیا ضرورت تھی۔'' زر قدرے خفگی سے ماہ نور سے مخاطب ہوئے۔

''وہ بہت خطرناک ہے میں ڈر گئی تھی کہیں خدانخواستہ کچھ ہو نہ جائے۔'' وہ کانپتی ہوئی شرمندہ سی کہہ رہی تھی۔

''اس سے زیادہ خطرناک صورت حال تو تمہاری آمد کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھی۔ تمہیں اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' انہوں نے بہت سنجیدگی اور دھیمے پن سے اسے سمجھایا۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' ماہ نور نے کانپتی آواز میں کہا۔

''مظاہر نے سخت غلطی کی اسے ریوالور نہیں نکالنا چاہیے تھا ایسے لوگوں سے ٹیکنیک سے بات کی جاتی ہے ہتھیار دینے نہیں وہ تو بڑی اماں کی وجہ سے نوبت نہیں آ گئی۔''

اظہر دھیرے دھیرے اسے لے کر بڑھ رہے تھے انہیں بہر حال یہ تو یقین تھا کہ اظہار کی وجہ سے مظاہر کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھائیں گے اور اسی لمحے انہوں نے جیپ اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ سب لوگوں نے گویا سکون کا سانس لیا۔

''ارے خدا کی مار اس پر خون خرابا ہونے ہونے رہ گیا۔ بھلا بتاؤ انہیں پاکستان میں کیا ہو رہا ہے۔ لوگ شرفا کی پگڑیاں اچھال رہے ہیں سرکار کان لپیٹے سو رہی ہے اب کس ریس میں جا بسیں امن سکون کے لئے پاکستان آئے تھے۔''

بڑی اماں لاؤنج کی طرف بڑھتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں۔ مظاہر ڈرائنگ روم سے نکل کر تیزی سے در پر کی طرف بڑھ گئے تھے۔ اظہار کو گیٹ بند کرتا دیکھ لیا تھا۔ بڑی اماں نے رک کر اظہار کے قریب آنے کا انتظار کیا جیسے ہی قریب آیا فوراً سینے سے لگا لیا۔

''میرا بچہ وا دی صدقے قربان جائے۔ کمبخت نے زور سے تو نہیں پکڑا تھا ارے ہم نے اپنے بچوں کو کبھی پھول کی چھڑی نہیں چھوائی۔''

''توبہ اللہ میری تو ابھی تک ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔'' نشاط لاؤنج میں آ کر دھپ سے تخت پر گر گئی۔ ''اف بڑی توبہ..... مجھے تو ابھی تک چکر آ رہے ہیں۔'' ریحانہ نے سر تھامتے ہوئے صوفہ سنبھالا۔

''مظاہر کو پستول نہیں نکالنا چاہیے تھا سب ہی بچے گھر میں تھے ایسے خطرناک آدمی کا کیا بھروسا اسے تو یوں بھی قتل کرنے کی پریکٹس ہوگی۔ پتا تو نشانے باز ہوگا ویسے بھی ڈاکوں کا ہوا نکلا ہوتا ہے۔'' عالیہ بیگم بھی بولتی ہوئی اندر آ رہی تھیں۔

''ارے کمبخت مر گئے تھے ہم۔'' بڑی اماں ہانپتی کانپتی اپنے تخت تک آئیں۔

اظہر تو نشاط کی وجہ سے اسلئے پاؤں لاؤنج سے باہر نکل گئے تھے۔ وہ ان کا دو مسلسل تھی۔ ماضی کی یاد داشت تھی اسے سامنے پا کر آج بھی دہشت زدہ ہونے لگی تھی۔

''اللہ ری..... ہے کیسا..... جیسے فلموں کا ''ابنگری..... ینگ مین'' ایک دم ہیرو ورکنگ..... یقیناً اس کا نام پاکستان کے دہشت گردوں کی فہرست میں ہوگا۔'' نشاط ماں سے مخاطب ہوئی۔

''اے ہاں ایسی رکھی دہشت مالو ابھی تک جان کانپ رہی ہے اماں جان! ایک بات میری بھی سن لیں اس گھر میں نکاح کرنا کسی طرح بھی درست نہیں مواا ہر وقت کان لگائے جنجھار رہنا ہوگا نواب شاہ میں جو میری پھوپھی ہیں وہاں لے جائیں ماہ نور کو مظاہر اور ماہ نور بعد میں پیچھے پیچھے پہنچ جائیں گے۔ عارف طاہر علی اور ناصر حسین کو پہلے جانے دیں۔ بعد میں ہم سب چلے چلیں گے آپ مانیں یا نہ مانیں وہ اس گھر کی پل پل کی خبر رکھتا ہوگا..... ماشاء اللہ جوان بچوں سے گھر بھرا ہے۔

وہ ہار نہیں مانے گا اسے اپنے شیطانی دماغ اور ذرائع پر بڑا بھروسا ہے۔'' عالیہ بیگم درحقیقت بے پناہ خوفزدہ تھیں۔

"تمہارا کہا غلط نہیں ہے مگر مظاہر کو کیسے قائل کرو گی...... وہ صاف انکار کر دے گا اس کے نزدیک یہ بزدلی ہوگی تم دیکھنا البتہ بڑی نازک ہے اس کی خواہ مخواہ خطروں میں کودنا یہ کہاں کی بہادری ہے۔" بڑی اماں بڑی بیدلی سے کہہ رہی تھیں۔

"آپ ناصر سے کہیں وہی اسے سمجھا سکتے ہیں ڈانٹ کر بھی اپنی بات منوا سکتے ہیں میں آپ کو کہہ رہی ہوں یہاں نکاح وغیرہ کرنا مذاق نہیں ہے وہ کچھ نہ کچھ کر کے رہے گا۔ اسے کسی کا ڈر نہیں ہے۔" عالیہ بیگم نے ساس کو پھر سے ذہن نشین کرایا۔

"ہاں دلہن۔ میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں تم بالکل درست کہہ رہی ہو۔ کرتی ہوں ناصر سے بات۔" بڑی اماں نے کہا

"اور ماہ نور کو یہاں سے لے کر نکلنے کا وقت بہت سوچ سمجھ کر طے کریں۔"

"میرا خیال ہے صبح فجر کی اذان سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ میں ساتھ چلوں گی۔"

خوف و خطر کی صورت حال نے عالیہ بیگم کی نفسیات میں خاصی تبدیلی واقع کر دی تھی۔ کچھ بھی سہی بہر حال جوان بھتیجوں کی زندگیوں کا سوال تھا۔

"کرتے ہیں بات واقعی اس بدذات سے کچھ بعید نہیں آخر رئیس بدمعاش ہے کر بھی آ سکتا ہے۔ یہ ماہ نور کہاں گئی؟" انہیں اچانک دھیان آیا۔

"آپ کے کمرے میں ہے۔" نشاط نے بتایا۔

"بچی بھی خواہ مخواہ چوری بن کر رہ گئی ہے۔ کس عذاب میں جان ہے اس کی......" بڑی اماں نے بہت دکھ سے کہا۔

"ہوں......!" عالیہ بیگم کی "ہوں" میں ہزار معنی تھے۔

"دلہن! تم ایسا کرو ناصر سے بات کرو پھر مجھے بتاؤ۔ وہ کیا کہہ رہا ہے جو کرنا ہے بس کر ڈالو کل اتوار ہے۔" بڑی اماں پر عجلت سوار ہو گئی۔ وہ بہت فکر مند اور ہراساں تھیں۔

"ربیا کی سسرال میں کیا کہتا ہوگا۔؟ مظاہر کی ایسے چپ چپاتے کی شادی ہوگی تو کیا وہ محسوس نہیں کریں گے۔" بڑی اماں کو ایک نئی فکر نے ستایا۔

"یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ اب کوئی بات تو بنانا ہوگی" عالیہ بیگم سوچ میں پڑ گئیں۔

"ارے وہ عارفہ چھت پر عشاء کی نماز پڑھنے گئی تھی۔ پیچھے یہ سب ہو گیا۔ اس کی ابھی تک نماز پوری نہیں ہوئی اچھا ہی ہوا اس کا دل تو یوں بھی بہت کمزور ہے۔"

اسی لمحے عارفہ جائے نماز ہاتھ میں پکڑے لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں پہلی نظروں کی بھاوج کے چہرے پر پڑی تھی۔ پھر ماں پر جانے کیوں انہیں ماحول میں غیر معمولی پن محسوس ہوا تھا وہ جائے نماز ایک طرف ڈال کر ماں کے پہلو میں بیٹھ گئیں

"مہندی لگا دی؟" انہوں نے نشاط سے پوچھا...... بھاوج کے سامنے جانے کیوں وہ بہت احتیاط سے بات چیت کرتی تھیں۔ دل تو ان سے کبھی ملا ہی نہیں تھا۔ ان کے اجنبیت نے بہت فاصلے پیدا کیے ہوئے تھے یا یہ عارفہ کی اپنی سوچ کا نتیجہ تھا۔

"ارے مہندی بھی لگ جائے گی۔ یہاں تو نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے۔" عالیہ بیگم کا لہجہ عارفہ کو بہت عجیب محسوس ہوا وہ چونک پڑیں۔

"مسئلہ......؟ اب کیا مسئلہ ہو گیا ہے" وہ ماں کی صورت غور سے دیکھنے لگیں۔ بڑی اماں کی تو سمجھ میں نہ آیا کہ بات شروع کیسے کریں۔

"بڑی لمبی نماز ہوتی ہے بھئی تمہاری۔" عالیہ بیگم نے تمہید باندھی۔

"بس آدھا گھنٹہ ہی لگا ہوگا ظاہر ہے عشاء کی نماز ہوتی ہے۔" عارفہ یوں بولیں جیسے کسی جرم کا اعتراف کر رہی ہوں۔

"ہاں خیر عشاء کی نماز لمبی تو ہوتی ہی ہے یوں جانو ایک قیامت برپا ہو گئی اس آدھ گھنٹے میں آ گیا تھا وہ یہاں......" عالیہ بیگم نے بالآخر کہہ دیا عارفہ کا چہرہ دھلے لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا۔

"کک...... کیا کہہ رہا تھا؟" انہوں نے مجرموں کی طرح آنکھیں چرا کر پوچھا۔

"کیا کہہ سکتا ہے کہہ رہا تھا ابھی نکاح کرو اسی وقت۔" عالیہ بیگم نے تلخی سے کہا۔

"ارے بچی! خون خرابا ہوتے ہوتے رہ گیا مظاہر نے پستول نکال کر سب ہی کو مشکل میں ڈال دیا تھا پھر اس کمبخت نے بھی نکال لی۔ وہ تو میں اٹک گئی مظاہر کی جان کو ورنہ وہ تو گولی چلا دیتا میرے منہ میں خاک" بڑی اماں اضطراری کیفیت میں ہاتھ ملتے ہوئے بتانے لگیں۔

عارفہ ساکت و صامت ماں کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

"یہ سب کچھ ہو گیا اتنی دیر میں؟" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"بس تم گئی ہو گی وہ آیا ہو گا۔" عالیہ بیگم نے سرد لہجے میں کہا اور ایک نگاہ غلط عارفہ کے چہرے پر ڈالی۔

"بیٹیاں نفد نکالنے لگیں تو ماں کو بہت کچھ جھیلنا پڑتا ہے۔ اب تم شروع سے باخبر ہوتیں تو بات اتنی نہ بڑھ سکتی ہے۔ تمہیں خبر بھی ہو گی ہو گر تمنے اہمیت نہ دی ہو اب دیکھو ناں یوں پورے علاقے میں اور بھی تو لڑکیاں ہوں گی ماہ نور جیسی ہی خوبصورت جیسے والی...... ٹھیک ہے ماہ نور کی شکل اچھی ہے مگر اب یہ بھی نہیں کہ کوئی جان کی بازی لگا کر میدان میں آ جائے۔ تم بہت غفلت میں رہیں عارفہ! اسی وجہ سے آج پورا خاندان ایک عذاب میں مبتلا ہے تمہیں اور ماں کو ہو سکتا ہے برا لگے مگر یہ حقیقت ہے۔"

عارفہ کا دل بیٹھنے لگا۔

بعض اوقات بیٹی جب بہتان و الزام بننے لگتی ہے تو ساری دنیا آگ کا دریا بن جاتی ہے۔

"اماں! اب آپ عارفہ کو اگلا پروگرام بتا دیں۔ میں ناصر سے بات کر کے آتی ہوں۔" عالیہ بیگم سلیپر میں پاؤں پھنسا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اگلا پروگرام؟" عارفہ کا دل دھک سے رہ گیا (کیا مظاہر نے انکار کر دیا؟)

"ہوں......" بڑی اماں بہو کے انداز سے دل برداشتہ سی نظر آ رہی تھیں۔ بہت دکھ اور بے دلی تھی ان کی "ہوں" میں۔ ان کے جانے کے بعد نشاط اور ربیا بھی بڑی اماں کے کمرے میں چلی گئیں جہاں ماہ نور اور نفیسہ موجود تھیں۔

"کیا پروگرام ہے اماں؟ بھابی بیگم کیا کہہ رہی تھیں؟" عارفہ نے بڑی کمزور سی آواز میں ماں کو متوجہ کیا جو بڑی گم صم نظر آ رہی تھیں۔

"دلہن کہہ رہی ہیں کہ نکاح کی تقریب اس گھر میں تو کیا اس شہر میں بھی مناسب نہیں نواب شاہ میں جوان کی پھوپھی ہیں وہاں جانے کو کہہ رہی ہیں اس طرح کہ گھر سے دو دو تین تین کر کے، وقفے وقفے سے روانہ ہوں۔ سب سے پہلے ماہ نور کو ناصر حسین اور کسی دو ایک لڑکے کے ساتھ منہ اندھیرے روانہ کر دیا جائے پانی وہاں بھر میں پہنچتے رہیں اب تم کہو" بڑی اماں نے بتی

کی صورت دیکھی۔

"ٹھیک ہے بڑی بات ہے۔ بھابی بیگم اتنا تعاون کر رہی ہیں۔ ساتھ دے رہی ہیں۔ یقین نہیں آ رہا۔" عارفہ نے بڑی عجیب اور تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"اے بس ذرا زبان بے قابو ہے اب اتنی بھی بری نہیں۔ اتنی بدگمانی بھی زہر ہوتی ہے بیٹی اس خاندان کا حصہ ہے" خاندان کی عزت اس کی عزت ہے "لوگ تو اسی طرح بات کرتے ہیں ناں کہ فلاں کی نند فلاں کی ساس خیر بس اب تم اس کا سامان تیار کر دو میرا خیال ہے دلہن ناصر کو قائل کر لیں گی۔"

"بھائی تو پہلے روز سے قائل ہیں اماں! بھابی بیگم تو انہیں فیصلہ سنانے گئی ہیں۔"

عارفہ نے اٹھتے ہوئے معنی خیز جملہ کہا جو بھائی بھاوج کے آنے کے بعد فاصلے پر محسوس ہونے لگے اس بھاوج سے تو زمین آسمان کے فاصلے سے بات ہوتی ہے۔

بڑی اماں نے ساری بات سمجھی تھی مگر مزید کچھ بولنے سے خود کو باز رکھا تھا۔ ان کی ساری فراست و دانائی عارفہ کو......قنوطیت فرسٹریشن سے باہر نکالنے میں ناکام رہی تھی۔

"آپ طاہر کو کیسے پیغام پہنچائیں گی۔" وہ جاتے جاتے پلٹیں "بات ایسی ہے کہ پڑوس میں فون پر پیغام بھی نہیں دیا جا سکتا" وہ بات سمجھ نہ پائیں گے۔ اور کھل کر پڑوسیوں کے ذریعے پیغام بھجوایا بھی نہیں جا سکتا اگر یہ کہیں کہ وہ یہاں آ جائیں تو اب اتنی رات کو وہ کیسے آئیں گے اور پریشان جو ہوں گے وہ الگ اب ان میں سہار نہیں ہے۔ کوئی وہاں جائے انہیں ساری بات بتائے یہی مناسب ہے' کیوں؟

"ہاں کہتی تو تم ٹھیک ہو...... ظاہر ہے اس کی اولاد کو اس کی اجازت کے بغیر ادھر ادھر کیسے کر دیں۔" بڑی اماں سوچ میں پڑ گئیں۔

"تو کیا وہ پڑوس میں فون سننے آ نہیں سکتے؟" بڑی اماں پوچھنے لگیں۔

"کیوں نہیں سکتے' مگر فون پر جانے کیا سمجھیں' اماں! ان کی طبیعت کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔"

"اچھا...... ٹھیک ہے۔"

"آپ ایسا کریں۔ انہیں یہاں بلوا لیں۔ صبح ماہ نور اور ناصر بھائی کیساتھ انہیں بھی بھیجیں' آخر وہ باپ ہیں انہیں ماہ نور کے ساتھ ساتھ ہونا چاہیے۔ آپ کو تو "ان کا" دھیان ہی نہیں آتا۔"

"اے بچی! تو تو ساری خدائی سے ناراض ہے' پہلے سے کیوں سوچ لیتی ہے کہ ہم تیری بات نہیں مانیں گے عارفہ بیٹی! بڑی ناشکری کی بات ہوتی ہے سارا خاندان اس وقت تیرے ساتھ کھڑا ہے تو اس کڑے وقت میں تنہا نہیں ہے' بڑی لگتی ہیں اللہ کو ایسی باتیں' میں اظہر کو کہتی ہوں' تم ساتھ چلی جاؤ اسکے اور طاہر کو سمجھا کر لے آؤ۔ دیا سے بولو اوپر سے اظہر کو بلا لائے۔"

بڑی اماں کا انداز خفا خفا سا تھا۔

عارفہ بڑی اماں کے کمرے میں چلی گئیں۔

بڑی اماں نے پاندان کھول کر تاک جھانک شروع کر دی۔

تھوڑی دیر بعد عالیہ بیگم واپس آ گئی تھیں...... دیا کو بڑی اماں نے اوپر جاتے تو دیکھا تھا مگر اظہر ابھی تک آئے نہیں تھے

"ناصر تو سب سے زیادہ پریشان ہیں اماں! اور تو ابھی تیار ہیں۔ ماہ نور کو ساتھ لے جانے کو کہہ رہے ہیں۔ مجھے تو رات

بھر نیند بھی نہیں آئے گی۔ تسلی دے کر آئی ہوں جب سے ایکسیڈنٹ ہوا ہے ان کی حالت ایسی ہے کچھ برداشت نہیں کر سکتے۔ ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔" وہ ایک تواتر سے کہہ رہی تھیں۔

"ٹھیک بولیں۔ اللہ میرے بچے کو صحت دے۔ کیا عمر ہے اور کیا روگ۔ طاہر علی کو بلوا رہی ہوں گھر سے وہ بھی ساتھ جائیں گے آخر باپ ہیں ان کا بھی تو کوئی مشورہ ہونا چاہیے۔ داماد آخر داماد ہوتا ہے۔ پرائی گرہستی ہے بیٹی کی۔"

"ٹھیک ہے۔ کون جائے گا انہیں لینے سے طاہر کو تو فی الحال آپ گھر سے باہر نہ نکالیں؟" عالیہ بیگم نے بادل نخواستہ اماں کے موقف کی تائید کی۔

"اظہر کو بلوایا ہے۔ عارفہ ساتھ جائے گی۔" بڑی اماں نے جواب دیا۔

"ہوں۔" عالیہ بیگم نے بڑی اماں کا پاندان نزدیک کھسکا کر کھولا اور پان بنانے لگیں۔ ان کی پیشانی پر ابھری ہوئی شکنیں ان کی کسی اندرونی جنگ کا پتا دے رہی تھیں۔

☆☆☆

اس نے گاڑی جانے کس جذبے کے تحت اپارٹمنٹ کی طرف موڑ لی تھی۔ بہت دن ہو گئے تھے اس مظلوم کی صورت دیکھے ہوئے۔

گاڑی پارک کرنے کے بعد بھی اس نے خاصی دیر سوچا تھا کہ اوپر جائے یا نہیں' بمشکل کسی فیصلے پر پہنچ کر وہ بالآخر گاڑی سے اتر گیا تھا۔

اس نے کال بیل کا بٹن پش کرنے کے بجائے آہستگی سے دستک دی تھی' ایک بار۔ دوبارہ تیسری دستک کے ساتھ ہی دروازہ وا ہوا تھا۔ دروازہ کھولنے والی سوئل تھی۔ گھسا ہوا پرانا سوٹ پہنے بوسیدہ سی اوڑھنی اوڑھے۔ اسے سامنے دیکھ کر بدک کر پیچھے ہٹی تھی مومن نے اندر داخل ہو کر دروازے کی چٹخنی چڑھا دی تھی۔

سوئل نے اسے سلام نہیں کیا اور بہت فاصلے پر جا کھڑی ہوئی تھی اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ قد رے ترچھی کھڑی تھی اور نظریں کارپٹ پر جمی ہوئی تھیں۔

اس نے بڑی تفصیل سے اس کا جائزہ لیا۔ قمیص کولہوں کے پاس سے تنگ ہو رہی تھی' سینے پر اوڑھنی تھی مگر سانسوں کے زیر و بم سے پتہ چلتا تھا کہ سرسبزی و شادابی کے موسم اتر رہے ہیں۔ سبزہ اگ رہا ہے۔ اور پھول پھل بھی رہا ہے۔

دوشیزگی کے عکس صرف چہرے پر تھے' جسم ایک عورت پن کے سانچے میں ڈھلتا لگ رہا تھا۔

اسکا کھڑے ہونے کا انداز تھکا تھکا اور مجبوری کا سا تھا۔

"کیسی ہو؟" اسے اپنی ہی آواز اجنبی سی لگی۔

سوئل نے اس کی طرف لمحے بھر کو نظر اٹھا کر دیکھا پھر دوبارہ نظریں جھکا لیں۔

"وہ میں ادھر سے گزر رہا تھا۔ بس ایک خیال آیا اور ادھر چلا آیا۔" اس نے پینٹ کی پچھلی جیب سے پرس نکالا اور پانچ سو کے دو نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

"یہ رکھ لو جس چیز کا دل چاہا کرے منگا کر کھا لیا کرو۔"

سوئل کے انداز میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

"باقی لوگ کہاں ہیں۔" اس نے دو قدم آگے بڑھ کر پوچھا۔

"بابا گوندھ گیا ہے اماں اور باقی سو رہی ہیں۔" اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔

"اچھا یہ لو۔ میں چلتا ہوں۔" اس نے اسے پیسوں کی طرف متوجہ کیا۔

"ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں کھانے کو روٹی مل جاتی ہے۔ بڑی مہربانی آپ کی۔"

کتنی چبھتی اور بڑی بڑی سی محسوس ہوئی تھی۔ آگاہ با شعور جاگی ہوئی۔

"پیسے تو کتنے ہی ہوں ان کی ضرورت پھر بھی رہتی ہے۔ رکھ لو۔ میں اسی لیے آیا تھا۔"

سول نے ایک آر پار ہو جانے والی نظر اس کے وجود پر ڈالی موں کے سارے جسم پر برف گرنے لگی۔

"اماں کہہ رہی تھی جو عورتیں اپنا جسم دے کر پیسہ لیتی ہیں وہ خریداروں کے بچے پیدا نہیں کرتیں بچہ تو عورت اپنے مرد کا پیدا کرتی ہے جو عورت مرد کا نام چھپا کر بچہ پیدا کرتی ہے۔ یہ زمین اس کے لئے نہیں ہوتی' یہ دنیا دو طرح کی عورتوں کو پاؤں رکھنے کی جگہ دیتی ہے۔ ایک وہ جس کے ساتھ اس کا مرد ہوتا ہے' دوسری وہ جو خود کو بیچتی ہے جب تک کسی شریف عورت کی شادی نہیں ہوتی۔ اس کے اپنے اس کے سر پر چادر ڈالے رکھتے ہیں۔ اسے سنبھالتے ہیں' اس کا مرد آنے تک اس کا خیال رکھا جاتا ہے۔ میں ان تینوں میں سے نہیں ہوں آپ مجھے پیسے دے کر دوسری والی بنانا چاہتے ہیں؟

اتنا بڑا بوجھ آپ نے میرے سر پر ڈال دیا ہے کہ میری زندگی مصیبت بن گئی ہے۔ آپ کو میرے پاس نہیں آنا چاہیے۔"

موں لب بستہ سا اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ بے ربط' بے سروپا باتیں کرنے والی ایک وہم احمق سی لڑکی اس سے مخاطب تھی۔ اتنی مرتب و مربوط۔

"اماں کہہ رہی تھی۔ "اب تجھے کوئی بیاہنے نہیں آئے گا۔ اگر بیاہ کر لے بھی گیا تو اگلے دن واپس گھر بھیج دے گا مرد بہت ہوشیار ہو۔ تے ہیں جو عورت ماں بن جائے۔ اس کے پیچھے تو بے وقوف سے بے وقوف مرد بھی جان سکتا ہے۔

مجھے پتہ چل گیا ہے کہ میں برباد ہو چکی ہوں۔ ایک سوچ آتی ہے ایک جاتی ہے' کبھی دل چاہتا ہے' نیچے چھلانگ ماردوں۔ کبھی دل چاہتا ہے۔ باتھ روم میں رکھا ہوا تیل پی لوں بھوک نے اتنا تنگ نہیں کیا جتنا آپ نے کیا ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اللہ سائیں خوشیوں سے ترسائے گا۔"

اوہ گاڈ کتنی بہادری اور برابری سے وہ اس سے ہمکلام تھی۔ موں کے چودہ طبق روشن ہو رہے تھے۔ اس کے سارے الفاظ بے رنگ اور بے معنی ہو گئے تھے۔

دنیا کی کسی لغت میں وہ الفاظ نہیں جو کسی لٹ جانے والے کی دل جوئی کے کام آسکیں۔ اس کی سوچوں کا رخ موڑ سکیں۔ لٹنے سے پہلے کے مقام پر کھڑا کر سکیں۔ جرم کھلا ہوا ثابت ہو تا ہو' خود بول رہا ہو تو ہر طرف معنی ہوتے ہیں نشان دہی ہوتی ہے۔ دہائی ہوتی ہے چیخ پکار ہوتی ہے۔ وارث نہ ہو تو موت کی دلکشی سمجھ میں آنے لگتی ہے۔ زندگی جو فریب ہے فریب ہی لگنے لگتی ہے۔"

ایک گونگی سی لڑکی بول پڑی تھی۔ ایک حادثہ اس کا استاد تھا۔ وہ فصاحت و بلاغت کے اوقاف و رموز سے گزر رہی تھی ایک نئی زبان سیکھ رہی تھی۔ مظلومیت کی اپنی خانقاہ ہوتی ہے' جہاں دکھ کے مراقبے ہوتے ہیں۔ اذیت کی ریاضت ہوتی ہے۔ اس خانقاہ میں بڑی تیزی سے روحانی منازل طے ہوتی ہیں۔

انسان معرفت کی پہنائیوں میں اتر جاتا ہے۔ روز ذات کے سمندر سے انکشاف کا نیا موتی نکالتا ہے۔ اس کی ماں کو خالی پیٹ نے جو گہرائیاں دی تھیں۔ وہ اس نے بیٹی کی جھولی میں ڈال دی تھیں۔ پرانے انکشاف نئے انکشاف کی بنیاد بن رہے

تھے۔ علم کمال ہو رہا تھا۔

چودہ پندرہ سال کی بوڑھی عورت اس کے مقابل کھڑی تھی۔ اسے ڈر لگنے لگا بے خبری باخبری میں بول رہی تھی اسکے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں چھنکنے کی آواز آنے لگی۔

"جو ابھی پال رہی ہوں وہ تو بیگم صاحبہ لے جائیں گی مجھے خالی ہونے کے بعد کی سمجھ نہیں آرہی۔"

وہ کتنی بے تکلفی سے بات کر رہی تھی جیسے کوئی بیاہتا اپنے ساتھی سے ہونے والے بچے کے بارے میں بات کرتی ہے۔ اپنے شوہر سے اپنی اندرونی کیفیات کے متعلق تنہائی میں بے دھڑک بات کرتی ہے۔ جسے یقین ہوتا ہے کہ وہ اس کی ذات میں تبدیلی کا برابر کا حصہ دار ہے۔

حیرت سے موں کے اعصاب ٹھٹھر رہے تھے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کم گو نہایت احمق سی لڑکی "سوچ" بھی سکتی ہے۔

"آپ یہ پیسے ہمدردی میں دے رہے ہیں' یا زبان بند رکھنے کی قیمت دے رہے ہیں۔ آپ کی ہمدردی کی مجھے ضرورت نہیں اور زبان تو خاموش ہی ہے۔ آپ جائیں اور آئندہ میرے سامنے کبھی نہ آیئے گا۔ مجھے چوروں کو اپنے بڑے نہیں لگتے جتنے آپ لگتے ہیں۔

آپ نے پیپل اور نیم کی چھاؤں چھین لی ہے۔ گوندھ چھین لیا ہے۔ سہیلیاں چھین لی ہیں۔" وہ بے آواز رو رہی تھی۔

"کہاں سے سیکھ لی ہیں تم نے یہ باتیں؟" موں کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اماں سے پہلے وہ صرف بھوک اور روٹی کی باتیں کرتی رہتی تھی اب عزت کی' دنیا کی' بیٹی کی مصیبت کی باتیں کرتی ہے اور ایسی باتیں کرتی ہے کہ دماغ کھا جاتی ہے۔"

"اری سول! کس سے باتیں کر رہی ہے؟" وہ اس سے مزید اور پوچھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولی۔

"اس وقت؟ خیریت تو ہے؟" بڑی بی کی حیرت بھری آواز آئی۔

"تم اگر شام چھ بجے پڑ کر سو جاؤ تو کیا ساری دنیا میں رات ہو جائے گی۔" وہ بہت بدتمیزی اور تلخی سے بولی تھی۔ "خدا نخواستہ چھ بج رہے ہیں ابھی؟" بڑی بی شاید گہری نیند کی وجہ سے اضطراب کا دامن چھوڑ بیٹھی تھیں۔

"نو دس بج رہے ہوں گے۔ دس بجے تو شہر والوں کی شام شروع ہوتی ہے۔ تم گوٹھ میں نہیں ہو شہر میں ہو تو لاکھ روپے کے گھر میں۔"

شاہانہ نے جو گھر کی قیمت بتائی تھی۔ وہ اسے یاد تھی' سول کا انداز ہنوز تھا' سول کی ماں باہر آگئی تھی۔

"معاف کرنا صاحب! سلام علیکم! ابھی تو ہو؟" وہ دست بستہ پوچھنے لگی۔

"ہوں ٹھیک ہوں۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم لوگ یہاں ہو' میں تو اپارٹمنٹ کا جائزہ لینے آگیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ یہ کرنا آفس یہاں بنا لوں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ بڑی مہربانی کی ممی نے تمہارے ساتھ۔" سول خاموشی سے اپنی آنکھیں صاف کر رہی تھی

"آپ آئندہ یہاں نہ آنا۔ آپ کو دیکھتے ہی میرا جی چاہتا ہے کہ مر جاؤں۔" سول نے روہانسی آواز میں کہا تھا۔ آواز اتنی آہستہ تھی کہ وہ بمشکل سن پایا تھا۔

"میں تو ویسے ہی آگیا تھا اور اماں! تم ٹھیک ہو؟"

"مائی باپ کی خیر ہو۔" سول کی ماں کا انداز فدویانہ تھا۔

اس نے روپے واپس پرس میں رکھ لیے اور ایک اچٹتی نگاہ سوالی کے چہرے پر ڈالی۔
"دروازہ بند کر لو خدا حافظ۔"

☆☆☆

صبح ساڑھے تین بجے تقریباً سب ہی اٹھے ہوئے تھے۔ یوں لگ رہا تھا۔ رمضان آ گئے ہوں اور سحری کی تیاریاں ہو رہی ہوں"

"بابا! میرے لیے ایک پراٹھا بنا دیجئے ویسے تو روکھا تا ہوں۔" مگر خیر ذرا سورج نکلنے کے بعد کھا لوں گا۔" ریبا نے بابا کو ڈرائنگ روم سے باہر نکلتے دیکھا تو بول پڑی۔

"یہ آدھی رات کو پراٹھے کھائے جائیں گے؟" بڑی اماں کو ویسے ہی اس کے اٹھنے سے کوفت ہو رہی تھی۔" کیوں شریعت میں منع ہے اس وقت؟" وہاں سے چناخ سوال آیا۔

"ہاں ویسے تو ساری شریعتیں پوری کر رہی ہے۔" وہ جل کر بولیں۔

"بڑی اماں! مولوی کا حلوہ مشہور ہے پراٹھا نہیں۔" مظہر نے ٹکڑا لگایا۔" اور شریعت تو مولوی کے ہاں ہی ہوتی ہے۔ باقی سب کچھ غیر شرعی ہوتا ہے۔"

"بیٹھ جاؤ صبح صبح چونچیں لڑانے۔" ان پر اور طرح کی پریشانی سوار تھی۔

"ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں۔ آدھی رات ہو رہی ہے۔" ریبا نے معصوم سی صورت بنا کر بڑی اماں کو مزید گرم کیا۔

"تجھے کس نے کہا تھا اٹھنے کو؟ بیٹھ گئی منہ اندھیرے زبان پکڑنے۔" انہوں نے بڑے برہم انداز میں اسے گھورا۔

"سن لائٹ۔" میں بکڑ رب بھی آپ ناراض ہوتی ہیں۔" اس نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"ارے ذرا بلانا مظاہر کو۔ وہ بھیجے گا اسے واپس گھر سے میں۔ جتنی بکر بکر چکریاں بیچ رہی ہے۔ کام رک رہے تھے ادھر اس کے بغیر۔" انہوں نے اظہار سے کہا۔

"آپی اور بڑی امی کے ساتھ کون کون جا رہا ہے؟" اظہار بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اس کی مطلق توجہ نہیں تھی ریبا کی شوخیوں کی طرف گویا ابھی تک ریوالور کی نال اس کی پشت سے چپکی ہوئی تھی۔

"تمہارے پھوپھی پھوپھا تایا ابا اور اظہر۔ نو بجے صبح ہم لوگ بھی روانہ ہو جائیں گے۔" بڑی اماں نے جواب دیا۔

"مظہر! بڑی امی سے کہو۔ جلدی کریں ماہ نور سے کہو۔ گاڑی میں بیٹھے۔" اظہر تیزی سے لاؤنج میں داخل ہوئے۔ سب ہی جاگ رہے ہیں۔" انہوں نے طائرانہ نگاہ لاؤنج میں ڈالی۔

"ماشاء اللہ آپی! ماشاء اللہ کا جان یہ لوگ سو رہے ہیں حالانکہ اکا جان کو تو مارے فکر کے نیند ہی نہیں آنا چاہیے تھی مجھے دیکھیں رات بھر سو یا نہیں جہاں آنکھ لگنے لگتی ہے گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگتی ہیں۔"

"تیرے منہ میں خاک خندق ہے اتنی زبان کے آگے۔" بڑی اماں تو گویا پسینے پسینے ہو گئیں۔ اسی لمحے عارفہ ماہ نور کے ساتھ ایک بیگ اٹھائے بڑی اماں کی خوابگاہ سے باہر آ گئیں۔

"پھوپھو! آپ لوگ گاڑی میں بیٹھیں۔" اظہر نے ان پر نظر پڑتے ہی کہا۔

"بھابھی بیگم کہاں ہیں؟" عارفہ نے پوچھا۔

"آپ بیٹھیں آ رہی ہیں وہ بھی۔" اظہر نے ان پر نظر پڑتے ہی کہا۔

بلیک جینز اور بلیک کالر والی آف وائٹ ٹی شرٹ میں وہ بڑے اسمارٹ نظر آ رہے تھے۔

"ماشاء اللہ سے اظہر بھائی بڑے "فٹ" نظر آ رہے ہیں جیسے فوج محاذ پر الرٹ ہو اور ان فل یونیفارم اینڈ فل اسپرٹ۔" ریبا کی زبان میں پھر کھجلی ہوئی۔

"ارے لڑکی! اللہ تجھے سمجھے۔" بڑی اماں نے سر تھام لیا۔

"یہ طوطی آج اتنی جلدی اٹھ گئی نیند نہیں کرنے؟" اظہر نے پیار سے ایک چپت ریبا کے سر پر لگائی۔

"جب یہ پیدا ہوئی ہوگی اس وقت آپ اچھے خاصے بڑے ہوں گے۔ ریبا کے بجائے طوطی نام رکھ سکتے تھے۔ کیا سوٹ ایبل نام ہے۔"

مظہر نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"اچھا بس اب یہ بحث تکرار ختم کرو۔ وقت تنگ ہے۔ اظہر بیٹے اللہ کی امان میں رہو۔ بس اب نکلنے کی کرو۔" بڑی اماں نے کہا۔

"آپ مظاہر کو جلد چلنے کے لئے کہہ دیجئے گا۔ اس کا موڈ سخت خراب ہے کہہ رہا تھا ایسی کیا توپ چیز ہے کہ اس کی وجہ سے شہر چھوڑ رہے ہیں۔" اظہر نے کہا۔

"اے ہاں ان کی بہادری پر چوٹ جو پڑ رہی ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب عزت جان سے زیادہ قیمتی ضرور ہو جاتی ہے۔ مگر جان کا بھی خیال کرنا ہوتا ہے۔ اللہ کی امانت ہے زندگی۔ اسے ناک چوٹی کے مسئلوں میں نہیں جھونکا جا سکتا۔ تم فکر نہ کرو۔ میں اس کے ساتھ ہی آ رہی ہوں پیچھے پیچھے۔"

"یعنی...... کار چیز تک۔" ریبا پھر بولے بنا نہ رہ سکی۔

"ہاں۔ یعنی...... کریبی...... اب چپکی بیٹھی رہو۔" بڑی اماں برہمی سے گویا ہوئیں۔

سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔ پتا نہیں "کار چیز تک" سے بڑی اماں کیا سمجھی تھیں۔ سب لوگ پورچ کی طرف چل پڑے تھے۔

بڑی اماں نے ماہ نور کو سینے سے لگایا اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ "دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں اللہ بہتر کرے گا۔ ربین اور تمہاری ماں تمہارے ساتھ جا رہی ہیں۔ ہمیں پتا ہے تم بے قصور ہو۔ بس بیٹی کوئی قسمت لکھا بھی ہوتا ہے۔ دعا کرو سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔"

طاہر علی، عارفہ، غالب بیگم اور ماہ نور پچھلی سیٹ پر اور ناصر حسین اظہر آگے تھے۔ گاڑی گیٹ سے باہر نکلی۔ بڑی اماں پیچھے گئیں۔

"اگر میں بھی ساتھ چلا جاتا تو کیا ہو جاتا؟" ریبا نے منہ بسورا۔

"تو بیٹھ جانا گاڑی میں۔ کس نے منع کیا تھا؟" اظہار نے برجستہ کہا۔

"آپ کا بس چلے تو میرے گلے میں زنجیر ڈال کر کسی درخت سے باندھ دیں۔" وہ بھڑک گئی۔

"مگر اتنا خیال رکھوں گا۔ درخت کی چھاؤں گھنی ہو تاکہ تمہیں دھوپ وغیرہ نہ لگے۔" وہ یہ کہہ کر تیزی سے اندر بھاگ گیا۔

"وہ تو اللہ بھی دیکھ رہا ہے یہاں میرے ساتھ جانوروں والا سلوک ہوتا ہے۔" وہ بھی جھنکتی اندر کی طرف چلی۔

"ویسے تمہارے خیال میں جانور دن بھر میں کتنے لیٹر آئس کریم کھا لیتے ہوں گے؟" مظہر اس کے پیچھے پیچھے چلنے

بے بسی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں تیز روشنی ہو رہی تھی۔ آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔ نامانوس سی چھت کا احساس پھیلا تھا۔ اس نے ہڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھا۔ سامنے صوفے پر پاشا ٹانگ پر ٹانگ رکھے اطمینان سے کش لگا رہا تھا۔ ایک قیامت تھی جو ذہن میں برپا ہو گئی تھی۔ دل کسی اتھاہ میں ڈوبنے لگا۔ سارے جسم پر لرزش سی طاری ہو گئی۔ اعصاب منتشر ہو گئے۔

"تھینکس گاڈ۔" اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر پاشا اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"آپ نے تو جان ہی نکال کر رکھ دی۔"

"کیا حال ہے؟" وہ بیڈ کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔

"وہ ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ سراسیمہ...... بدحواس جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو۔

"ہائی واٹی چیک کی۔ ویسے کوئی ڈر نہیں بھی موجود ہیں۔" وہ یوں پوچھ رہا تھا جیسے وہ کوئی مہمان ہو۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اپنوں کے درمیان ہیں۔ چاہنے والوں کے پاس...... اس اجنبی سی دنیا میں کوئی ایک ہی تو اپنا ہوتا ہے۔ آپ یوں سمجھیں اپنے ہی گھر میں ہیں۔ اپنوں کے ساتھ۔"

ماہ نور کے ذہن پر پھر تاریکی چھانے لگی تھی۔

"آں...... آں...... فار گاڈ سیک۔ اب دوبارہ بے ہوش نہ ہو جانا۔"

اسے آنکھیں موندتا دیکھ کر پاشا نے اس کے رخسار تھپتھپائے۔ اب وہ اس پر جھکا ہوا تھا۔ بلیک جینز۔ لائٹ براؤن ٹی شرٹ جس میں اس کے بالوں سے بھرے مضبوط بازو کسی آہنی شکنجے کی طرح محسوس ہوئے۔ ربڑ کا سکارف دائیں بائیں جھول رہا تھا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے خود سے اتنا قریب دیکھ رہی تھی۔ مگر گویائی جیسے سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ جیسے پتھرا کر رہ گئی ہو۔

"میری جان! اب بس کرو...... معمولی سے ٹمپرامنٹ والے بندے کو بہت آزما لیا۔ بہت ہو گئی...... اب کشتیاں جل چکی ہیں۔ اب اس اندلس میں جیت جانے کے لئے جنگ کرو۔"

وہ اس پر اسی طرح جھکے جھکے مخاطب تھا۔

"قیامت نئی نئی ہے۔ سنبھلتے سنبھلتے دیر لگے گی۔ مگر سنبھلنے کی کوششوں کی شروعات تو کرو۔

یہاں تمہیں سب کچھ ملے گا۔ میرے عشق کی انتہاؤں سمیت...... ساری خوشیاں، سارے سکھ، دولت، حشمت، اقتدار۔ سب کچھ میری زندگی...... سب کچھ۔

وہاں کیا تھا...... دکھ...... مصیبت...... مشقت۔ ایک سچے چاہنے والے کے ساتھ تو سب ہی کچھ مل جاتا ہے۔ دنیا کی ساری راحتیں، ساری خوشیاں۔"

وہ مخمور آواز میں دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا مگر ماہ نور کی پلک نہیں جھپک رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا قہر خداوندی اس پر جھپٹ آیا ہو۔

"عورت کو بہر حال ایک روز ایک گھر تک محدود ہو ہی پڑتا ہے۔ وہ گھر اس کی دنیا ہوتی ہے۔ اس کی ساری دلچسپیوں کا محور و مرکز...... جس عورت کو ٹوٹ کر چاہنے والا ساتھی مل جائے تو اسے دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ نظر آنے لگتی ہیں۔

ہمیں تو خود پر حیرت ہے ہمیں یہ روگ کیسے لگ گیا۔ ہمیں تو بس چاہا گیا تھا۔ آپ سے ملے تو پتا چلا چاہنے اور چاہے

جانے میں کیا فرق ہوتا ہے؟ یہاں تو چاہت بھی ہے۔ دولت بھی ہے اقتدار کا نشہ بھی ہے۔ ہم یہ سب چیزیں آپ کے پسندیدہ اور قابل قبول راستے ہی سے رینا چاہتے تھے مگر آپ کے گھر والوں نے تعاون نہ کیا اور بے کار کی ضد کی۔ اب دیکھیے ناں مان جاتے تو آپ سرخ جوڑے میں ہماری باتیں سن رہی ہوتیں۔ سرخ جوڑا تو خیر آپ پہنیں گی۔ مگر اب ذرا دوسرا انداز میں۔ کاش آپ محسوس کر سکیں کہ میں اس وقت کتنا خوش ہوں۔ جیسے میں نے خود ایک سیڑھی بنائی پھر زمین پر جمائی اور چاند توڑ لایا۔"

"کچھ تو بولیں۔ ہمارا ہی بولیں۔ آپ تو ان لوگوں میں سے ہیں جو کچھ بھی بولیں۔ پھول جھڑتے ہیں۔" وہ اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ "اچھا ایک منٹ" وہ یکلخت سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ چند منٹوں بعد جب اندر آیا تو ایک خوبصورت سی ٹرے میں دو گلاس اورنج جوس سجے ہوئے تھے۔

"پہلے کچھ پی لیں۔ پچھلے اٹھارہ گھنٹوں میں آپ کے پیٹ میں کچھ نہیں گیا۔ چلیں۔ شاباش۔"

وہ اس کے قریب بیٹھ گیا اور اپنے بازو کا سہارا لگا کر اسے بٹھانے کی کوشش کی اور دوسرے ہاتھ میں گلاس تھام کر اس کے ہونٹوں سے لگایا۔ لیکن اس کے ہونٹ گویا لوہے کی تار سے سل چکے تھے۔ ان میں کسی قسم کی کوئی تحریک پیدا نہیں ہوئی۔

"بھئی کھانے پینے سے کیا ناراضگی۔ فلیورڈ نہیں ہے خالص جوس ہے۔ بنا کر رکھا تھا کہ کب آپ اٹھیں اور آپ کی خدمت میں پیش کریں۔"

وہ اپنی پشت پر اس کے بازو کی گرمی محسوس کرنے لگی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے اعصاب پر جمی برف پگھلنے لگی۔ معاً اس نے گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ چند لمحے ایک ٹک گلاس کو گھورتی رہی پھر بجلی کی تیزی سے سارا جوس پاشا کے چہرے پر پھینک دیا اور گڑبڑا کر پیچھے ہٹا تھا۔

اور جیب سے رومال نکال کر فوراً ہی چہرہ پونچھنے لگا تھا۔

"شکر ہے تیزاب نہیں تھا۔" وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

ماہ نور چند ثانیے اس کی زیر لب مسکراہٹ یوں دیکھتی رہی گویا کوئی انمٹ تحریر پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو...... پھر ایکا ایکی اس نے دائیں طرف منہ کر کے تھوک دیا۔ "تم انسان نہیں بھیڑیے ہو...... درندے...... اس کی نحیف آواز بھرا رہی تھی۔

اچھا کیا بھیڑیے انسانوں پر عاشق ہوتے ہیں۔ جن کہا ہوتا تب بھی بات سمجھ میں آتی۔ جنوں کو بڑا شوق ہوتا ہے انسانوں پر عاشق ہونے کا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ تم جیت چکے ہو۔ میں تمہیں جیتنے نہیں دوں گی۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

وہ کچھ دیر کھڑا اسے بغور تکتا رہا۔

"تمہارا رونا بھی کس قدر خوبصورت ہے۔ دل چاہ رہا ہے تم روتی رہو اور میں دیکھتا رہوں۔" وہ فاصلے پر پڑے صوفے پر دوبارہ بیٹھ گیا۔

"تم جیسے لوگوں کی وجہ سے دنیا میں اندھیرا ہے۔ تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ایک خاندان پر کیا قیامت بیت رہی ہو گی۔"

رو ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ اس کے دم دم سے عمر بھر کے کسی گمان کا اعلان ہو رہا تھا۔

"اٹھارہ گھنٹے۔ میرے خدایا! میرا بیمار باپ۔ بڑے ماموں جان کی بھی تو طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ بھی تو گاڑی میں میرے ساتھ تھے اور میرے خدا میں کس مقام پر آ گئی؟"

اسے چکر آنے لگے۔ خوف کی جتنی صورتیں تھیں، وہ نقصان کے ازدہام میں گم ہو رہی تھی۔ احساسات ڈیک بار دونی شکل اختیار کر رہے تھے۔ وہ کوئی معجزہ چاہنے لگی کہ اسے کہیں کوئی ریوالور کہیں نظر آ جائے۔ اور وہ اس کی ساری گولیاں اس کے بھیجے میں اتار دے۔ اگلے دن کے اخبار اس خبر سے رنگین ہوں کہ ایک لڑکی نے اپنی عزت بچاتے ہوئے ایک خطرناک مجرم کو قتل کر دیا۔ کم از کم اس کے خاندان والے تو سرخرو ہو جائیں گے کہ ان کی بیٹی اغوا ضرور ہوئی مگر عزت کی خاطر بڑی بہادری سے ایک انتہائی قدم بھی تو اٹھا لیا۔

"ہم لوگوں کی وجہ سے دنیا میں اندھیرا ہے اور محترمہ! آپ جیسے لوگوں کی وجہ سے دنیا میں اتنی روشنی ہے۔ زندگی کے یہ دونوں روپ کمال ہیں۔ جینے کی لذت اسی میں ہے۔ بلکہ ایک نشہ ہے اس میں۔" وہ ڈھٹائی سے کہہ رہا تھا۔

"ہزار بار لعنت تمہاری صورت پر۔" کمرے کی بند فضا میں اسے جان کی بازی لگانے پر مجبور کر رہی تھی۔

"مادام! جو دل چاہے کرو۔ جو مرضی بولو...... میں بے انتہا خوش ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ میں ہاروں گا نہیں۔ میں نے تمہارے معاملے میں لمحہ بھر کی غفلت بھی نہیں رکھی۔ مجھے یقین تھا۔ وہ تمہارا اعلا افسر قسم کا کزن اب تمہیں وہاں سے شفٹ کر دے گا۔ کیونکہ وہ اندازہ کر سکتا ہے کہ میں کون ہوں اور کیا کچھ کر سکتا ہوں۔ میرے بندے وفادار کہتے ہیں۔ مجھے موبائل پر اطلاع مل گئی تھی کہ صاحب...... آج صبح تین بجے سے کوٹھی میں بڑی رونق ہے۔ لائٹیں جل رہی ہیں۔ چہل پہل ہو رہی ہے۔ کار کی ڈکی کھلنے اور بند ہونے کی آواز کئی مرتبہ آئی ہے۔ جیسے کسی سفر کی تیاری ہو۔ یعنی میرا اندازہ ٹھیک نکلا۔ ویسے...... تو اب بتاؤ میں کون سے نواب رہتے ہیں اور آپ کے کیا لگتے ہیں؟ وہ سر کھجاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

اتنی ایمرجنسی......؟ اتنی توجہ اتنی منصوبہ بندی...... اتنی لگن......؟

وہ چند ثانیے کو سب کچھ بھول کر اس کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی۔

"اف میری کالی قسمت...... ایسا کیا ہے مجھ میں؟" وہ بلک بلک کر روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"وہ کیا سوال کیا ہے۔ مگر برائیڈل ڈریس پہن کر یہ سوال کرنا۔ آپ کے کان میں تفصیل سے بتائیں گے کہ آپ میں کیا ہے۔ بہر حال سوال محفوظ ہے۔ ان شاء اللہ عنقریب جواب دیں گے۔"

اس نے جیب سے سگریٹ اور لائٹر نکالا اور ایک سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔

"محترمہ! ایسی باتیں تو شب عروسی ہی میں سجتی ہیں جس کا ہمیں شدت سے انتظار ہے۔"

اس نے خاصی دیر دھواں اندر روک کر بڑے اشتیاق سے ناک کے نتھنوں سے خارج کیا۔

"ان شاء اللہ! حسرت ہی رہے گی۔" وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

"وہ جینے اور ہوتے ہیں جن میں حسرتیں پڑاؤ ڈال دیتی ہیں۔ یہاں تو طبیعت باغ باغ رہتی ہے کہ ہر مراد پوری ہوتی ہے۔" بڑا برجستہ جواب آیا۔

"فرعون اور شداد کی بھی بڑی مرادیں پوری ہوئی تھیں۔" وہ پھنکاری۔ باشا کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ہم گالیوں کا برا نہیں مانتے۔ گالی تو بے بسی کی آخری انتہا ہوتی ہے۔ اور بے بسوں پر ہمیں بڑا رحم آتا ہے۔"

"میں بے بس نہیں ہوں۔ میں مر سکتی ہوں...... اس خون میں کہ تم ہار جاؤ اور جب تک زندہ رہو اپنے زخم چاٹتے رہو۔" وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔

وہ شریر انداز میں گنگنایا۔

"تم جیسے لوگوں سے کوئی محبت نہیں کرتا۔ تمہاری موت کی منتیں مانگی جاتی ہیں۔ جب تم جیسے لوگ مرتے ہیں تو دنیا سکھ کا سانس لیتی ہے۔" وہ نفرت سے زہریلی ہو رہی تھی۔

"کتنی خوش نصیبی ہے کہ ہماری وجہ سے دنیا کو خوشی ملتی ہے۔ آج موت کی باتیں جانے دو میری جان...... وہ تو ہم سے کھیلتی رہتی ہے۔ یہ بتاؤ تمہاری زلفوں سے کب کھیلیں گے۔؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

ساتھ ہی مالور کا رواں رواں کھڑا ہو گیا۔ اسے ایک دم احساس ہونے لگا کہ اس کے ساتھ کیا ہو چکا ہے۔ وہ کہاں ہے اسے کیا کچھ پیش آ سکتا ہے۔

وہ جیسے کسی کنوئیں میں گر چکی ہے چپ چپ پانی کی آوازیں ہیں۔ بے بسی ہے وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔

"گھبراؤ نہیں میری جان۔ سب کام تھرو پراپر چینل ہوں گے۔ بڑا شاندار سا ولیمہ بھی ہوگا۔ پی سی یا میریٹ میں...... بڑی مشہور شخصیات آئیں گی تمہیں مبارک باد دینے۔ تمہیں یوں محسوس ہوگا گویا تم فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دی گئی ہو۔ دیکھو...... یہ جوس کا دوسرا گلاس رکھا ہوا ہے۔ میں کمرے سے جا رہا ہوں اسے پی لینا۔ پھر کھانا آئے گا۔ میں تھوڑی دیر بعد واپس آؤں گا۔ پھر باتیں ہوں گی۔ او کے ڈارلنگ؟" وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد لاک کرنے کی آواز آئی۔

مالور نے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہ بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں، جن پر گہرے نیلے رنگ کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ ہم رنگ کارپٹ تھے۔ نیلے کشن سے آراستہ وائٹ صوفہ تھا۔ ڈیکوریشن پیس تھے۔ پورٹریٹ سینریاں تھیں کمرے میں پنکھا بھی چل رہا تھا اور اے سی کی سن سن بھی تھی۔ اسے ایکا ایک سردی لگنے لگی۔ وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ تاکہ اے سی بند کر دے اس نے اٹھنا چاہا تو مارے نقاہت کے چکرا گئی۔

وہ دوبارہ بیٹھ گئی۔ بے اختیار اس کا ہاتھ جوس کے گلاس کی طرف بڑھا تھا۔ پیاس کی شدت وحشت میں بدلنے لگی۔ ایسی وحشت جو صحرا میں بھٹکنے والے مسافر کی ہوتی ہے جو پانی نہ ملنے پر انگلیوں سے ریت کھودنا شروع کر دیتا ہے پانی کی تلاش میں

اس نے غٹاغٹ گلاس خالی کر دیا تھا۔ معدے میں کچھ پڑتے ہی جیسے اوسان بحال ہونے لگے۔ پہلے تو یقین کی ایک کرن کا جھماکا ہوا۔

بڑی اماں نے زمین آسمان ایک کر دیے ہوں گے جس کے نتیجے میں مظاہر نے اپنا سارا رسوخ، سارے وسائل ایک کر دیے ہوں گے کہ پتہ ہی نہیں کہ بھاری بوٹوں کی آواز سے یہ عمارت گونجنے لگے۔ چند لمحوں بعد یہ دروازہ ٹوٹ جائے۔ پھر سامنے سب سے آگے مظاہر موجود ہوں۔

اف...... کس قدر جاں فزا خیال تھا۔ جسم میں توانائیاں دوڑنے لگیں۔ اور غدار محفلوں نے بڑی اماں نے کسی کو ایک پل چین سے بیٹھنے نہیں دیا ہوگا۔ کوئی لمحہ کسی کی پلک نہ لگی ہوگی۔ سارے قابل ذکر افسران صرف اس کی بازیابی کے لئے کام کر رہے ہوں گے۔

ان خیالات کے ساتھ ہی جیسے نئے سرے سے زندہ ہو گئی۔ اس نے پاؤں بیڈ سے نیچے اتارے اور بڑی جرأت سے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

اور آہستگی سے چلتی ہوئی کھڑکی تک آئی۔ اور پردے کو سرکایا۔ یہ کھڑکی کسی ویران گیلری میں کھلتی تھی۔ پٹ کھولنے

ہی سامنے کنکریٹ کی ... دیوار نظر آئی۔ اس نے بددل ہو کر دوسری کھڑکی کی راہ لی۔

پہرے نے کھسکا کر چاروں پٹ کھول دیے۔ سامنے سرخ بجری کی روش بڑا سا پورٹیکو اور بہت خوبصورت لان موجود تھا۔ اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ رات کے دس بج رہے تھے لان میں بلب روشن تھا اور پورٹیکو کے شیڈ کی تمام لائٹس روشن تھیں۔ برقی روشنی کے اہتمام نے عمارت کو بڑا حسین روپ دے رکھا تھا۔ اسی لمحے اسلحہ بردار چوکیدار نے گیٹ کھولا تھا۔ ... بعد دیگرے کئی گاڑیاں اندر داخل ہوئی تھیں۔

{☆}

تمام گاڑیاں پورٹیکو میں ایک ترتیب سے جا کر رک گئیں۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر ایک ٹک گاڑیوں سے اترنے والوں کو دیکھ رہی تھی۔ بلیک شیراز کا دروازہ سب سے پہلے کھلا تھا۔ اس میں سے دو لڑکیاں برآمد ہوئیں ایک فل یونیفارم شوفر۔ لڑکیاں ٹی شرٹس اور جینز پہنے ہوئے تھیں۔ ایک کے بال بوائے کٹ اور دوسری کے انتہائی لمبے تھے کہ کمر سے نیچے تک پہنچ رہے تھے۔ بہت خوبصورت چمک دار اور پیچھے سے ایک برابر ترشے ہوئے دونوں نے کاندھوں پر لیدر بیگ لٹکائے ہوئے تھے۔ ایک نے پاؤں میں جوگرز دوسری نے آرام دہ سے لیدر سلیپر پہنے ہوئے تھے۔

بوائے کٹ بالوں والی نے جینز کی پچھلی پاکٹ سے چھوٹا سا کنگھا نکالا اور بڑے اسٹائل سے بالوں میں چلایا جبکہ لمبے بالوں والی گاڑی سے ٹیک لگائے لائٹر سے سگریٹ سلگا رہی تھی ماہ نور آنکھیں پھاڑے ان کو دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ دوسری گاڑیوں سے اترنے والوں کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں گیا۔

اسی دوران پاشا کہیں سے نمودار ہو چکا تھا۔ دونوں لڑکیوں نے باقاعدہ اسے گلے سے لگایا۔ دوسرے لوگ لڑکیوں کے پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے مگر ماہ نور تک ان کی آوازیں واضح نہیں پہنچ رہی تھیں۔

پھر وہ لوگ برآمدے کی طرف بڑھے اور ماہ نور کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ وہ حیران پریشان واپس بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔ وال کلاک کی سمت دیکھا۔ ایک گھنٹہ مزید گزر چکا تھا۔

وہ کہاں ہے؟ کس علاقے میں ہے؟ اتنے گھنٹے گزر گئے اور ستار ابھی تک یہاں نہیں پہنچ سکے۔ امی اور بڑی اماں کی حالت تو بہت خراب ہوگی۔ یقیناً ستار اور دوسرے لوگ ہاتھ پاؤں مار رہے ہوں گے۔

کہیں ابانہ ہوڑ وہ اسے کسی دوسرے شہر لے آیا ہو؟ اس اندیشے کے ساتھ ہی جیسے دل بیٹھنے لگا۔ کتنی ہمت سے اب تک خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ ورنہ یہ اتفاق تو ایک قیامت تھی اس جیسے کمزور اعصاب کی مالک لڑکی کا نروس بریک ڈاؤن ہو سکتا تھا۔ کسی بھی خاندان میں یہ موت سے بھی بڑا حادثہ ہوتا ہے جس کے ماتم نسل در نسل سینہ بہ سینہ پہنچتے ہیں۔

مشرقی معاشرے میں اس سے بڑا کوئی سانحہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس حادثے کے بعد لڑکی کے پاؤں سے زمین کھینچ لی جاتی ہے۔ دوشیزگی کے سارے خواب جھلس کر راکھ ہو جاتے ہیں۔

سات رنگ کے سات زمانوں میں بس ایک ہی زمانہ ٹھہر جاتا ہے۔ ملامت کا، حیرانی کا، دکھ کا اور موت کے کربناک انتظار کا۔

اغوا ہونے والی لڑکی اور بھاگ جانے والی لڑکی میں اندھیرے اجالے جتنا فرق ہوتا ہے مگر معاشرے میں ان کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا ہے۔

ایک اغوا شدہ لڑکی مظلومیت کی انتہا پر ہوتی ہے اور بھاگنے والی لڑکی خود غرضی و ظلم کی انتہا پر جسے تو اسلام کی نشاۃ ثانیہ

کے بعد مثالی انصاف کہیں نظر نہیں آتا مگر بعض معاملات میں تو یہاں حد ہی ہو جاتی ہے۔

انصاف انسان کا پیدائشی حق ہے جسے بحسن و خوبی ہضم کیا جاتا ہے۔ مظلوم مر جاتا ہے مگر اس کی حیرت ختم نہیں ہوتی۔ حیران و ششدر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دنیا کو آخری بار بھی اس طرح دیکھتا ہے کہ یا الٰہی میں کہاں آ پھنسا تھا؟

اتنی بڑی قیامت کے باوصف وہ سانس لے رہی تھی۔ جس پر اسے بہت حیرانی تھی۔ یہ کون لوگ آئے ہیں؟ ان کا کیا مقصد ہے؟ ذہن منتشر خیالوں میں الجھا ہوا تھا۔ ستار دروازہ کھلا اور وہ دونوں لڑکیاں اندر داخل ہوئیں جنہیں اس نے کچھ دیر قبل کار سے اترتے دیکھا تھا۔

”ہیلو سوئٹی۔ ہاؤ آر یو؟“ بوائے کٹ بالوں والی نے آ کر اس کی ٹھوڑی کو چھوا۔

لمبے بالوں والی کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا بریف کیس تھا جو اس نے بیڈ پر رکھ دیا تھا۔

”اٹھو ڈارلنگ...... شاور لے کر فریش ہو جاؤ۔ پھر تمہیں ہم دلہن بناتے ہیں۔ بری آپ۔“

لمبے بالوں والی نے کھٹاک کھٹاک بریف کیس کھولا اور بڑے مگن سے انداز میں اس سے مخاطب ہوئی۔ ماہ نور پتھرائی آنکھوں سے دونوں کو ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔ دلہن......؟ بریف کیس سے گولڈن اور میرون شیڈ کا غرارہ سوٹ باہر آ چکا تھا۔ زیورات کے کئی ڈبے تھے۔ جو کھلے تو آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔

”اٹھو جان۔ بری اپ۔ وہ مولوی بہت دیر سے بیٹھا ہے۔“ (قاضی کی طرف اشارہ تھا) بوائے کٹ بالوں والی نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی۔ اور ماہ نور کو گویا کرنٹ لگا تھا۔ اس نے جھٹکے سے بازو چھڑا لیا۔ اور ایک دم کھڑی ہو گئی۔

”جہنم میں جاؤ تم اپنے اس سامان سمیت۔ کیا سمجھا ہے تم نے...... بیڑا غرق ہو تمہارا۔“

اس نے زیورات کے ڈبے اٹھا کر دور پھینک مارے اور غرارے کا گولا سا بنا کر بوائے کٹ ہیئر اسٹائل والی کے منہ پر دے مارا اور وہ اسے قابو کرنے لگیں مگر اس میں تو گویا کوئی جن سما گیا تھا۔ خود کو ایک جھٹکے سے چھڑا کر بریف کیس اٹھا کر زمین پر پوری قوت سے دے مارا۔ اور لمبے بالوں والی کے بال نوچ ڈالے۔

”تم کیا لڑکی نہیں ہو؟“ اس الو کے پٹھے کو تم نظر نہیں آئیں۔ تم کیوں نہیں پہن لیتیں یہ کپڑے۔ اور نکاح پڑھوا لیتیں اس سے؟“

وہ ہذیانی انداز میں اس کے بال نوچتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ جبکہ دوسری لڑکی اپنی ساتھی کو اس کے شکنجے سے چھڑانے کی جدوجہد کر رہی تھی۔

اسی لمحے پاشا دروازہ کھول کر اندر آیا اور جیسے چکرا کر رہ گیا۔ وہ دھان پان سی لڑکی تو جیسے بلا بنی ہوئی تھی۔ اسے تو اپنی خیریت بھی خطرے میں نظر آنے لگی۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے اپنے بازوؤں میں دبوچا اور اس کے ہاتھوں سے لمبے بالوں والی کے بال چھڑانے لگا۔ ماہ نور نے خود ہی اس کے بال چھوڑ دیے اور حملے کا رخ پاشا کی طرف موڑ دیا۔ آناً فاناً اس نے پاشا کے بازو میں دانت گاڑ دیے۔ پاشا اگرچہ بلبلا گیا مگر اسے چھوڑا نہیں۔ دونوں لڑکیاں ایک طرف کھڑی ہو کر اپنا اپنا حلیہ درست کر رہی تھیں۔

”کئی بار اپنے وجود سے چاقو کے چیرے لگا کر گولیاں نکالی ہیں۔ یہ خوبصورت سے دانت مجھ پر کیا قیامت ڈھائیں گے۔“ وہ اسی طرح دبوچے ہوئے اسے بیڈ تک لایا۔

”دیکھو ماہ نور! تمہارے اس پاکیزہ وجود کی میں نے بہت عزت کی ہے۔ اس پیارے سے جسم پر اپنے ہونٹوں کی مہر لگانے کا اگرچہ بہت ارمان ہے۔ مگر یہ ارمان اس طرح پورا کرنے کا خواہش مند ہوں کہ تمہارے ضمیر پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ اسے

خود پر حلال کرلوں۔ لیکن اگر تم اسی طرح خونخوار شیرنی بنی رہیں تو یاد رکھو میں شیروں کا شکار بڑی مہارت سے کر لیتا ہوں۔ تم اس وقت میرے قابو میں ہو۔ تمہیں جہاں سے چاہوں اپنے ہونٹوں سے چھوؤں پھر بھی نہیں چھوڑ رہا۔ دیکھو کتنا خیال کر رہا ہوں تمہارا۔ اب بھی نہیں بنو گی دلہن؟ حالانکہ یہ طے ہے کہ دلہن تو تم منہاج حسین پاشا ہی کی ہو۔"

"میری قبر پر آ کر روتے رہنا۔" وہ اتنے زور سے چیخی کہ آواز پھٹ گئی۔

پاشا نے دونوں لڑکیوں کو کمرے سے جانے کا اشارہ کیا۔ دونوں فوراً ہی باہر نکل گئیں۔

"ہاں تو میری جان دلہن بننا ہے یا ویسے ہی اپنے ارمان پورے کرلوں؟" وہ اسے لے کر بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

"تمہیں بھی اندازہ ہے کہ میں کیا کرسکتا ہوں۔ کیوں نہیں آجاتیں لائن پر۔ نکاح میری نہیں تمہاری مجبوری ہے سنا ہے شریف لڑکی کو نکاح سے پہلے حاصل کرلو تو وہ اپنی نظروں میں گر جاتی ہے۔ میں تو تمہارا خیال کرتے ہوئے اتنا ضبط کر رہا ہوں۔ وہ ندیم کوئی دور ہو؟"

ماہ نور خود کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

"ڈھونڈ نکالیں گے۔ مظاہر بھائی تمہیں۔ پھر چھوڑیں گے نہیں تمہیں۔ بڑے بارسوخ بنتے ہیں۔ ایک کرپٹ انسان کتنا بارسوخ ہوسکتا ہے۔ لعنت ہے تم پر۔" وہ جذباتی انداز میں چیخی۔

"ہاہا...... ہا...... وہ بے چارہ سرکاری افسر جو تمہیں اپنی زوجیت میں لینے کے سپنے دیکھ رہا تھا۔ آہ...... ویسے واقعی مجھے بڑی ہمدردی ہے پتا نہیں ہار جانے والوں کو کیسا محسوس ہوتا ہوگا۔ اصل میں ہم تو کبھی ہارے نہیں۔ سو بے ہار جانا بھی مذاق بات نہیں۔ بڑا دل گردہ چاہیے۔ کیوں؟"

"اب ایسا کریں محترمہ! سیدھے سیدھے دلہن بن جائیں۔ کام آسان ہوجائے گا۔ آپ کا بھی اور ہمارا بھی۔ یوں بھی اب جھگڑا کرنے کا فائدہ بھی کچھ نہیں۔ بری بات ہے جان۔ زیادہ نہیں اکڑتے ورنہ ٹوٹ جاتے ہیں۔" وہ پھر بھی چپ چاپ بیٹھی رہی

"دیکھو اگر کہنا نہیں مانوگی تو میں تمہیں بغیر نکاح کے حاصل کرلوں گا...... اب مجھ سے صبر نہیں ہوگا۔ پھر بعد میں نہ کہنا۔ بہت مواقع مل چکے ہیں تمہیں۔ بس اب بہت ہوچکا۔" وہ اس کے کان میں کہہ رہا تھا۔

"منہ دھو رکھو۔ تمہاری خواہش حسرت ہی رہے گی۔ تھوکتی ہوں تم پر۔"

وہ یہ کہہ کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

پاشا نے چند لمحے اس کی طرف سوچتی نظروں سے دیکھا۔ پھر اپنا سرخ اسکارف گلے میں درست کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اور مزید کچھ کہے باہر نکل گیا۔

ماہ نور کو اس کی خاموشی سے اگرچہ خوف آتا تھا مگر اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ اس کے جاتے ہی وہ تیر کی طرح اٹھی دروازے تک آئی تاکہ چٹخنی چڑھا دے۔ مگر اسے بہت مایوسی ہوئی۔ یہاں کوئی چٹخنی نہیں تھی۔ البتہ یہ دیکھ کر اسے خصوصی تقویت ہوئی کہ دروازہ میں آٹو میٹک لاک تھا اسی طرح کا جس طرح کا لاک بڑی اماں کی کوٹھی میں تھا اس نے بٹن پش کر دیا اور پھر دونوں کھڑکیاں بند کر دیں اور ان کی چٹخنیاں چڑھا دیں اور جیسے سکون کا گہرا سانس لیا۔

اتنی ابر تک کی تو بچش بندی وہ کر رہی تھی جتنی دیر میں مظاہر پہنچ سکیں۔ اسے واثق یقین تھا کہ وہ اس لوکا لے تک پہنچ جائیں گے۔ قید میں رہائی کا یقین کسی خوشگوار جھونکے سے کم نہیں ہوتا۔

وہ بیڈ پر بے جی لیٹ گئی اور چھت پر لگے کرسٹل فانوس کو گھورنے لگی۔ کان تو جیسے مدد کے لئے آنے والوں کی آہٹوں

پر لگے ہوئے تھے۔

نہ بھوک پیاس کا احساس تھا نہ نیند کا...... بس خوف کے احساس سے ریڑھ کی ہڈی میں برف سی ہوئی تھی۔ کا ہے گا ہے رواں کھڑا ہو جاتا تھا۔

﴿☆﴾

"ویسے ہی خواب کو بیٹھے بیٹھے دھیان آگیا تھا۔ کہنے لگے چلو ریبا سے مل کر آتے ہیں۔ بچی کو دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ یہ تو گمان بھی نہیں تھا کہ آپ کی حالت اتنی خراب ہوگی۔ کس ڈاکٹر کو دکھایا ہے آپ نے؟"

شاہانہ بڑی اماں کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے بڑی دلسوزی سے ان کی خیر خیریت پوچھ رہی تھیں۔ بڑی اماں خاموش رہیں دونوں آنکھوں کے گوشوں سے چند آنسو ٹپک کر تکیے میں جذب ہوگئے۔

"آپ گھبرائیں نہیں۔ ان شاء اللہ جلد اچھی ہو جائیں گی۔" شاہانہ نے ان کے آنسو دیکھ لیے تھے۔

"ارے اب کیا اچھی ہوں گی۔" ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"ایسی باتیں نہ کریں۔ ان شاء اللہ اچھی ہوں گی اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھیں گی" شاہانہ نے ان کے ہاتھ کو بہت محبت سے دبایا۔

"مظاہر آج ابھی تک نہیں آئے؟" شاہانہ نے نشاط سے پوچھا۔ جو گھر میں لمبی لمبی لٹکی ہوئی خواتین کی نمائندہ دار تھی۔

"جی بس ان کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے آتے ہی ہوں گے۔" وہ نظریں چرا کر جواب دے رہی تھی۔ "ریبا نظر نہیں آئی ابھی تک۔" شاہانہ نے ادھر ادھر دیکھا۔

"جی...... وہ نماز پڑھ رہی ہے۔" نشاط نے جواب دیا۔

"اچھا...... ماشاء اللہ...... تو تم ریبا کی تایا زاد بہن ہو۔ اکلوتی ہو؟" شاہانہ نے نشاط سے بات چیت شروع کردی۔

"نہیں۔ مجھ سے چھوٹی ایک بہن اور بھی ہے۔" نشاط نے جواب دیا۔

"غیروں میں ہوئی ہے تمہاری شادی؟" شاہانہ کے انداز میں عجیب سی کھوج تھی۔

"نہیں۔ میرے ننھیالی رشتہ دار ہوتے ہیں۔" نشاط نے جواب دیا۔

"ماشاء اللہ۔ مظاہر لوگ بھی کئی بھائی ہیں۔ چھ بھائیوں کی بہن ہے ریبا۔ اور سب ہی قابل و ہونہار ہیں۔ اکثر ماں باپ ایسے ہیں کہ چاہتے ہیں ہمارے بچے کچھ بن جائیں۔ اس کے لئے سو جتن کرتے ہیں مگر اولاد پھر بھی مایوس ہی کرتی ہے۔ اب ان بھائیوں کو دیکھو تو خدا نظر بد سے بچائے صرف ایک اکیلی دادی کی جان۔ مگر لاج رکھ لی دادی کی۔ ماں باپ ہوتے تو ان کی خوشی دیکھنے کے قابل ہوتی۔ ریبا کتنی بڑی ہوگی جب اس کی ماں کا انتقال ہوا؟"

شاہانہ کو نشاط خوب بانو لگی تھی۔

"جی...... ام...... مجھے تو پتا نہیں...... کبھی پوچھا بھی نہیں بڑی اماں سے۔" نشاط بری طرح گڑبڑا گئی۔ "غالباً" گود میں ہی تھی۔"

بڑی اماں کو ہونے والی گفتگو قیامت کا لگ رہی تھی مگر وہ کسی قسم کی تائید و تردید کرنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

"ارے بھئی! مہمانوں کو کوئی چائے ٹھنڈا وغیرہ پوچھو۔" وضع دار بڑی اماں اس حال میں بھی رکھ رکھاؤ نہیں بھولی تھیں۔

"جی بڑی اماں۔ بابا لا رہے ہیں۔ میں دیکھ کر آتی ہوں۔" نشاط نے جواب دیا۔

اسی دوران ریبا بڑا سا دوپٹہ لپیٹے آ گئی تھی۔ اس نے شاہانہ کو سلام کیا اور بڑی اماں سے ٹک کر بیٹھ گئی۔ "کیسی ہو ریبا؟" شاہانہ نے اس کا ستا ستا چہرہ بغور دیکھا۔

"ٹھیک ہوں آنٹی۔" وہ گم صم کیفیت میں بولی۔

"اماں! آپ اسے سمجھائیں۔ میں اس کی آنٹی نہیں۔ ممی ہوں" شاہانہ مسکرائیں۔

"ہاں بھئی۔ یہ تمہاری ماں ہے جو بھی کہیں وہ بولو۔" بڑی اماں نے شاہانہ کی بات رکھی۔

""بڑی اماں کی اپنی رونق ہے۔ دیکھو ذرا بیمار ہو کر لیٹ گئیں۔ سارے گھر پر اداسی سی طاری ہو گئی۔ میں تو گھر میں داخل ہوتے ہی سمجھ گئی تھی کہ کوئی بات ہے۔ ماشاء اللہ بھرا گھر اور اتنا سناٹا۔" شاہانہ کہہ رہی تھیں۔

"شمس کے پاس بھی کوئی بیٹھا ہے یا وہ اکیلے ہیں ڈرائنگ روم میں؟ بڑی اماں کو ایک اور خیال آیا۔

"اظہر بھائی ہیں ان کے پاس۔" نشاط نے جواب دیا۔

"شمسہ کہاں ہے؟ بڑی اماں نے پوچھا۔

"وہ اظہار کے ساتھ ہاسپٹل گئی تھی ابھی تک نہیں آئی۔" نشاط بولی۔

"ابھی تک نہیں آئی؟ بتاؤ کیا وقت (وقت) ہو گیا۔ اللہ رحم کرے....." بڑی اماں کو عجیب سے ہول آنے لگے۔

"کوئی ٹیلی فون بھی نہیں آیا؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں۔" نشاط نے مختصراً کہا۔

"خیریت؟ ہاسپٹل میں کون ہے؟" شاہانہ چونک پڑیں

"ارے۔ ہماری لڑکی کی طبیعت خراب ہے ناں۔" بڑی اماں نے بات سنبھالی۔

"کیا ہوا ان کو؟" شاہانہ نے پوچھا۔

"بلڈ پریشر بہت بڑھ گیا تھا۔" بڑی اماں نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"ہاں آج کل یہ بہت عام ہو گیا ہے۔ شاید مظاہر بھی وہیں چلے گئے ہوں۔" شاہانہ نے اندازہ لگایا۔ بابا ٹرالی میں پھل اور مشروبات لے کر آ گئے تھے۔

نشاط نے آگے بڑھ کر ٹرالی تھام لی اور شاہانہ کی تواضع کرنے لگی۔

"ان تکلفات کی کیا ضرورت تھی۔ گھر میں ویسے ہی پریشانی ہے۔ ریبا..... لو بیٹے۔"

انہوں نے کٹے ہوئے سیب کی قاشیں ریبا کے سامنے بڑھائیں۔

"آج تو ریبا بھی بہت چپ چپ ہے۔ ظاہر ہے اس کی بڑی اماں کی طبیعت جو ٹھیک نہیں ہے۔ گھبرانے کی بات نہیں ہے بیٹے۔ جلد اچھی ہو جائیں گی۔"

بڑی اماں کے منہ سے ایک سرد آہ بے ساختہ نکل گئی تھی۔

﴿☆﴾

کوئی خوش وقتی تو تھی نہیں کہ نیند آ جاتی۔ سوچ اتنی گہری تھی کہ پلک بھی رہ رہ کر جھپکتی تھی۔ مبادا اسے محسوس ہوا کسی نے دروازے کا ہینڈل گھمانے کی کوشش کی ہو۔ اس کا گویا سانس رکنے لگا۔ اگرچہ لاک لگا ہوا تھا۔

اس کا پورا وجود سماعت بن چکا تھا۔ گھڑی کی ٹک ٹک کے بیچ ایک اور "ٹک" کی آواز ابھری اور دروازہ کھل گیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

دروازہ کھول کر آنے والا پاشا تھا۔ اس کی سانسیں رکنے لگیں۔ ٹانگیں بے جان ہو گئیں پاشا نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا تھا اور لاک بھی کر دیا تھا۔ ذرا آہستگی سے چلتا ہوا صوفے کی طرف بڑھا ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی اور جیب سے سگریٹ کی ڈبیا اور لائٹر نکالا اور دھیرے سے کھنکارا۔

"اس گھر کے سارے تالوں کی چابیاں میرے پاس ہیں آپ نے ناحق زحمت کی۔ بہرحال۔" ذرا اتنا کہہ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

وہ دم سادھے بیٹھی تھی۔ اتنی ہمت نہیں تھی کہ نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھ لیتی۔ وہ کچھ دیر کش لگانے کے بعد اٹھا اور لائٹ آف کر کے نائٹ بلب جلا دیا۔ کمرے میں ہلکی سبز روشنی پھیل گئی۔ ماہ نور کے سینے میں طوفان برپا ہو گیا۔

پاشا نے کھڑکیوں کے پردے برابر کیے اور اس کے پہلو میں آ کر بیٹھ گیا۔ سگریٹ اور پرفیوم کی خوشبو اس کے نتھنوں میں اترنے لگی۔ وہ کھسک کر دور ہونے لگی تو پاشا نے اس کا بازو تھام لیا۔

"اوں..... ہوں۔ بس اب کھیل ختم۔ اب نکاح کے بغیر ہی گولڈن نائٹ ہو گی۔" اس نے اس کے بالوں پر دھیرے سے ہاتھ پھیرا۔

ماہ نور تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے ہاتھ لگایا تو اچھا نہیں ہو گا۔ جان دے دوں گی اپنی۔" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"ہماری موجودگی میں تو تم یونہی جان دے سکتی ہو۔ اور ہمیں تو بہت انتظار ہے۔"

اس نے جھٹکا دے کر اسے دوبارہ بٹھا دیا اور اس کی چوٹی کے بل کھولنے لگا۔

ماہ نور نے یکلخت پلٹ کر ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر رسید کر دیا۔

"بے غیرت۔ میں تمہارا حشر کر دوں گی۔" اس نے پاشا کا گریبان چیر پھاڑ دیا۔ ایک وحشت اس پر سوار ہونے لگی۔

پاشا نے اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ "بڑا دم خم ہے بھئی اس نازک سے وجود میں۔"

اس نے ایک گستاخی کر ڈالی۔ ماہ نور تڑپ کر رہ گئی۔ مگر پاشا کے بازوؤں کا شکنجہ بہت مضبوط تھا۔

"نکاح ہو جاتا تو اس رات دلہن بنی ہوئی کتنی اچھی لگ رہی ہوتیں۔ خیر تمہاری مرضی اب چار پانچ سال کی بچی تو نہیں ہو کہ کسی مرد کے تقاضے نہ سمجھ سکو۔ میں اپنا مطلب نکال کر تمہیں رخصت نہیں کر دوں گا۔ ایسے ہی عمر بھر اپنے پاس رکھوں گا۔ میرا عشق میری تڑپ ہو تم۔ مطلبی نہیں ہیں ہم۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنایا ہے۔ ایسے ہی تو سر دھڑ کی بازی نہیں لگا دی ہے۔ یوں بھی میرے گھر کے علاوہ تمہارے لیے اب کہیں پناہ نہیں۔ یقین نہ آئے تو اپنی نانی سے بات کر کے دیکھ لو۔ میں تو ابھی ابھی ان کی گالیاں کھا کر فارغ ہو چکا ہوں۔"

ماہ نور جو بھرپور مزاحمت کر رہی تھی۔ یکلخت ساکت ہو گئی۔ ""بات کی ہے اس نے نانی امی سے؟" اس نے آنکھیں پھاڑ کر پاشا کا چہرہ دیکھا جو اتنے قریب تھا کہ اس کی سانسوں سے ماہ نور کا چہرہ جھلس رہا تھا۔

"بات کرا دوں ان سے؟" وہ بڑی اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔

وہ ساکت و صامت اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

پاشا نے اسے چھوڑ دیا۔ اور وارڈ روب کی طرف بڑھا اور اوپر رکھا انسٹا فون ہاتھ اونچا کر کے اٹھا لیا پھر اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

"مظاہر تو آج رات گھر نہیں پہنچیں گے۔ وہ تو ظاہر ہے میری تلاش میں پاتال تک اتر گئے ہوں گے۔ اس لیے اس نمبر پر آرام سے دیر تک بات کر سکتی ہو۔"

اس نے نمبر ملایا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ہلو...... ہلو...... نانی جان سے بات کرائیں۔"

"میں...... ؟ ان کا نواسا ہی سمجھ لیں۔"

"اصل میں ماہ نور ان سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔" ایک شریر مسکراہٹ پاشا کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔ "لیجیے بات کریں۔" اس نے ریسیور ماہ نور کی طرف بڑھا دیا۔ جو ماہ نور نے یوں تھاما گویا مرتے ہوئے کو زندگی کی نوید مل گئی ہو۔

"السلام علیکم!" اس کی آواز پر بے اختیار آنسو غالب آ گئے۔

"نانی بی! مجھے بچا لیجیے۔ خدا کے لیے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"دیکھو بچی! اب تم پر اپنے ارمان نکال چکا ہے۔ بس سمجھو کہ اب ہم مر چکے ایسی بے سری کی زندگی ہم نہیں جی سکتے۔ فرض کر لو ہم نے تمہیں رخصت کر دیا۔ اب برا بھلا تنگ بدمعاش جیسا بھی ہے۔ اب وہی تمہارا ہے۔ گھر میں اور بچیاں بھی ہیں۔ دیکھو۔ ہم تمہیں رو رہے ہیں۔"

بڑی اماں کے سسکنے کی آواز ادھر ہی سے ابھرنے لگی۔

پاشا نے ریسیور چھڑائی ہوئی ماہ نور کے ہاتھ سے لے لیا۔

"بس؟ وہ ایسے کیا کہہ رہی تھیں۔ میں ٹھیک سے سن نہیں سکا۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ مگر اس کے ساکت وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔"

"محترمہ مادام...... میڈم...... ہز ایکسیلنسی...... شریمتی...... ڈارلنگ۔"

اس نے شرارت سے ماہ نور کی ٹھوڑی اونچی کی۔ پھر اپنے بازوؤں میں کس کر جنبش دی۔ وہ ایک دم ڈھلک کر اس کے شانے سے آ لگی۔ پاشا ایک دم ٹھٹھک گیا۔

"ماہ نور!" وہ فوراً کھڑا ہو گیا اور اسے بستر پر لٹا دیا۔ ماہ نور کی پلکوں میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ وہ مجسمے کی طرح چت لیٹی تھی

❖☆❖

"دوسرے پارٹی تک بے گناہ ہے پھر اسے ہمیشہ کے لیے ایک درندے کو کیسے سونپ دیں؟" مظاہر بالکل ازخود سے

"ہم سے زیادہ کون جانتا ہے کہ ہماری بچی بالکل بے گناہ ہے۔ مگر جو کچھ اس کے ساتھ ہو چکا ہے۔ غیرت کا تقاضا ہے کہ اب وہ اسی کی ہو کر رہے۔ کوئی نہیں خوشے گا اسے۔ تم تو پہلے ہی مارے باندھے میری منت خوشامد پر اس سے نکاح کر رہے تھے۔" بڑی اماں بہت دکھ کرب سے کہہ رہی تھیں۔

"جب یہ عورت قبول ہو جاتی ہے۔ مطلقہ قبول ہو جاتی ہے تو وہ تو پھر قطعی بے گناہ و معصوم ہے۔ میں تیار ہوں اسے قبول کرنے کے لیے۔ میں اس کی پارسائی پر حلف اٹھا سکتا ہوں۔ مجھے غم ہے۔ میں لکیر کا فقیر نہیں ہوں اور نہ ہی عدل و انصاف سے بے بہرہ۔ میں پہلے مارے باندھے ہی اسے قبول کر رہا تھا مگر اب دل سے قبول کرنے کو تیار ہوں۔ اس لیے کہ ظلم ہر شکل میں میرے

برداشت سے باہر ہے۔ اسے ظالم کے شکنجے میں سونپتے ہوئے آپ کے دل کو کچھ نہیں ہوا بڑی اماں۔" مظاہر دکھ اور تاسف سے ہاتھ مل رہے تھے۔

"تو پہلے سوچ لیا ہوتا۔ یہ سب تو یہ دن کیوں آتے۔" بڑی اماں کی آواز بھر گئی۔

"آپ کہہ سکتی ہیں۔ اس کے حق ہی میں انکار کیا تھا۔ کہ شاید میں اسے وہ خوشی نہ دے سکوں جو وہ ڈیزرو کرتی ہے۔" مظاہر بہت شکستہ سے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"کیا کرتی ہے؟" بڑی اماں الجھیں۔

"میرا مطلب ہے جس کی وہ بحیثیت انسان مستحق ہے۔" مظاہر نے وضاحت کی۔

"اتنی اچھی بچی تو بہت حق رکھتی ہے۔" بڑی اماں یاسیت سے بولیں۔

"آپ نے اسے مایوس کر کے اچھا نہیں کیا۔ کیا قیامت گزری ہو گی اس پر۔" مظاہر نے نظر اٹھا کر وال کلاک کی سمت دیکھا۔ رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔

"وہ تو اپنا سب کچھ گنوا بیٹھی بیٹے! کہہ رہا تھا۔ اماں جی اللہ آپ کو لمبی عمر دے اور میں جلد ہی آپ کے پڑنواسے سے آپ کو ملاؤں۔ اسے تو دعائیں دیں گی۔ مظاہر بچے ہم لٹ چکے ہیں۔ ٹھنڈے بیٹھ جاؤ۔ بھول جاؤ اسے۔" بڑی اماں سسک سسک کر رونے لگی تھیں۔

"کیسے بھول جائیں بڑی اماں...... میں اس دقیانوسی منافق معاشرے کے کسی اصول و قانون کو نہیں مانتا اس درندے کو سبق سکھانے کا عزم کیا ہے۔ میں نے وہ کچھ بھی کر چکا ہو مجھے ماہ نور ہر حال میں قبول ہو گی۔"

"ہاں بس ایک لکیر ہی پیٹنا ہے تمہیں۔" بڑی اماں نے سر اٹھا کر ان کی بات کو ہاتھوں میں اڑا دی۔

"آپ دیکھیے گا جینے کے سوفیصد زعادی جب بھی ہار تے ہیں ناں تو بہت خطرناک ہو جاتے ہیں ہی آزمائی اور پولیس۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائے۔

"کاش تم شروع ہی میں میری بات مان لیتے۔" بڑی اماں افسردگی سے بولیں۔

"وہ تب بھی یہی کرتا اور میں بھی یہی کرتا جواب کروں گا۔"

وہ بہت بدلے ہوئے نظر آ رہے تھے یہ تبدیلی بڑی اماں کو بھی محسوس ہوئی بہت اجنبی سا لب و لہجہ تھا۔

❖☆❖

"بھیا! میرے دیکھتے دیکھتے دو بڑی گاڑیاں آ کر بازو چلنے لگیں۔ خبر نہیں کس طرف سے آئی تھیں۔ کھڑکیوں میں سے پستولیں نکلیں میں سمجھی ہم پر گولیاں چلا رہے ہیں۔ میری تو آواز ہی بند ہو گئی دل ہی دل میں کلمہ پڑھ لیا انہوں نے ہماری کار کے پہیوں پر گولیاں چلائیں پہیوں کی ہوا نکل گئی کار رک گئی ہلال ہلال کرتے جانے کتنے سانڈ گاڑیوں سے اترے پھر تو میری چیخیں نکل گئیں۔ عارفہ بھی چیخنے لگی۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے اس سردار نے ماہ نور کو گھسیٹ لیا۔ دوسروں نے ہم پر پستولیں تان لیں۔ ایک گاڑی میں ماہ نور کو ڈال کر وہ چل دیا۔ دوسری گاڑی میں سے دو تڑ گولیاں چلیں پھر مجھے تو ہوش نہ رہا۔"

عالیہ بیگم دیر بعد حواسوں میں آئی تھیں اور وہ اسلام آباد سے آئے ظہیر کو فائر کی تفصیل بتا رہی تھیں جو ایک دم گم سم نظر آنے لگے تھے۔

"رپورٹ وغیرہ درج کرا دی تھی۔" وہ پوچھ رہے تھے۔

"یہ بوٹ بھی لکھائی جاتی ہے یہ خبر تو در و دیوار سے بھی چھپائی جاتی ہے۔" بڑی اماں گویا تڑپ کر بولیں۔

"مظاہر نے کچھ تو کہا ہوگا؟" ظہیر نے اظہر سے پوچھا جو بہت مغموم نظر آ رہے تھے۔

"ہاں وہ لگا ہوا تو ہے مگر کچھ بتاتا نہیں۔" اظہر نے جواب دیا۔

"اس کے بعد کوئی کونٹیکٹ نہیں کیا اس نے آپ لوگوں سے؟" ظہیر کا ذہن فعلی حاضر تھا۔ وہ بہت مرتب سوالات کر رہے تھے۔

"دو دفعہ فون آئے تھے اس منحوس کے۔ ظہیر نے اٹھایا تھا پہلے بولا۔ مظاہر سے بات کراؤ۔ ظہیر نے کہا۔ وہ گھر پر نہیں ہیں تو بولا۔ اپنی دادی کو فون دو۔ بس کچھ اپنی الٹی سیدھی بکواس کی اور فون بند کر دیا۔" بڑی اماں نے اپنے حساب سے بات کی۔

"کیا بکواس کر رہا تھا؟" ظہیر نے گہری نظروں سے بڑی اماں کا چہرہ دیکھا۔

"کیا بتاؤں۔ اس عمر میں بھی بچوں کے سامنے بات کرتے ہوئے لاج آتی ہے۔ وہ تو خیر شرم و حیا کھونٹی پر رکھ کر بھول گیا ہے۔ دوسرا فون آیا تو اس وقت بھی مظاہر گھر پر نہیں تھا۔ اس سے تو بات نہیں ہوئی۔ نور کی آواز سنی تو سارے نقصان لائن لگا کر سامنے آ کھڑے ہوئے۔ بس مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ کہہ دیا کہ اب اس گھر کا خیال ذہن سے نکال دے جو ہونا تھا ہو گیا۔ کہہ تو دیا مگر اندر ایک آگ بھڑک گئی۔ زندہ پلی پلائی بچی مذاق تو نہیں ہے کہ گھر آ گئے دوسری بچیاں بھی ارمان لیے بیٹھی ہیں۔ ان کا بھی تو سوچنا ہے۔ مجھے تو سوچ سوچ کر ہول اٹھ رہے ہیں جب خواجہ نفیس کے گھر بات پہنچے گی تو وہ کیا خیال کریں گے؟ ہم تو بے قصور ہو کر بھی رسوا ہیں۔" بڑی اماں رونے لگیں۔

"عقل سمجھ سے کام لیں گے تو کیوں غلط بات سوچیں گے کوئی انسان ایسا ہے جو جانتے بوجھتے ذلت کے راستے پسند کرے۔ بس آپ وہم کریں۔ اگر ہم بے قصور ہیں تو اللہ ہمارے لیے آسانی پیدا کر دے گا۔ یہ تو ظلم کی انتہا ہو گی کہ جن لوگوں پر ظلم مسلط ہوا انہیں مزید عذابوں میں گھسیٹا جائے۔ کوئی ضرورت نہیں پریشان ہونے کی۔" ظہیر اندر سے ٹوٹ رہے تھے مگر بڑی اماں کو تسلی دے رہے تھے۔

"بیٹے! آسمان ٹوٹا ہے سمجھو۔" وہ تڑپ کر بولیں۔

"جس نے آزمائش میں ڈالا ہے وہ نکالے گا بھی۔" اظہر بھی خاصا سوچ کر بولے۔

"بہت آسان ہے کہنا یا ہے صبر مع اللہ۔" عالیہ بیگم نے بھی گویا دہائی دی۔

"پھر آپ لوگ گھر کیسے پہنچے؟" ظہیر نے اظہر سے پوچھا۔

"کوئی دوسرا شہر سے آ رہا تھا۔ اس نے اپنی جیپ روک کر صورت حال معلوم کی۔ موبائل پر ایک گاڑی منگوائی اور ہمیں گھر چھوڑا۔ اماں وقار پھوپھو اور تائی امی کی حالت بہت خراب تھی۔ پہلے ان کو اسپتال پہنچایا پھر ہم لوگ گھر آ گئے۔ بابا نے خود کو بہت سنبھالا تھا مگر گھر آ کر ان کی حالت بہت بگڑ گئی تھی۔" اظہر نے مزید بتایا۔

"یہ تو اب نہ جانے کا مشورہ دیا کس نے تھا؟" ظہیر نے اچانک پوچھا۔

عالیہ بیگم پہلو بدل کر رہ گئیں۔

"نکاح جو کر رہا تھا وہ مولوی جیسے آنکھ کان لگا کے بیٹھا تھا اسی لیے اذانوں سے پہلے گھر سے نکلے تھے کہ اس وقت تو سارا شہر سو رہا ہو گا تمہاری تائی نے تو اپنی طرف سے بھلی سوچی تھی۔"

بڑی اماں نے بڑے سبھاؤ سے بہو کو مشکل سے نکالا۔

ظہیر خاموش ہو رہے انہیں اپنی بات کا جواب مل گیا تھا۔

"ابھی ہم اپنے نصیبوں کو رو رہے تھے کہ رونے میں آ گئیں ریا کی ساس۔ مشکل سوا پڑی وہ بھی اتنی تسلی سے آئیں کہ جنہیں اٹھنے کا نام نہیں بس بیٹھا کچھ نہ پوچھو۔"

"آخر ایک روز تو نہیں اس حادثے کے بارے میں پتا چلنا ہی ہے آپ خود بتا دیتیں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو نادان ہے کوئی؟" عالیہ بیگم جیسے تڑپ کر بولیں۔ "رو لینے دو ہمیں کرنے دو کچھ دن یہ ماتم داغ لگا ہے ہمارے خاندان کو۔"

"محض سوچ کا انداز ہے اتنی بڑی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں اور لوگوں کو کسی جرم کا احساس نہیں ہوتا۔ جب ہم نے کوئی جرم نہیں کیا تو خود کو مجرم کیوں محسوس کریں اگر کوئی ہم سے ملنا نہ چاہے تو ہم اصرار نہیں کریں گے۔ ہمیں بہت عزیز رشتوں کے بغیر بھی جینا آتا ہے اور عرصے سے جی رہے ہیں۔" ظہیر کے لہجے میں تلخی جھلکنے لگی تھی۔ عالیہ بیگم تو ان کے فلسفی انداز پر گڑبڑا کر رہ گئیں۔

"اس دنیا میں انسانوں سے کٹ کر گزارہ نہیں ہوتا۔"

"یہ سب انسانوں کی مجبوری ہے۔" بڑی اماں نے کہا۔

"بہت سے انسانوں کا ہو جاتا ہے بڑی اماں! آپ خواہ مخواہ پریشان نہ ہوں۔ حادثہ اگرچہ بہت بڑا ہے مگر تاب لا کر جینے کی راہ بھی ڈھونڈنا ہے۔" ظہیر کا انداز دو ٹوک تھا "وہ واپس آ جاتی ہے تب بھی وہ نہیں آتی ہے تب بھی دونوں صورتوں میں ایک قیامت بہرحال برداشت کرنا ہے۔" وہ مزید گویا ہوئے۔

"لو.... تمہارا بھائی تو میدان میں نکل کھڑا ہوا ہے۔ کہاں تو نکاح پر رضامند نہیں ہوتا تھا اور کہاں یہ کہہ رہا ہے کہ کچھ بھی ہو اپنائے گا اسے مثنیٰ میری تو جان کانپتی ہے۔ اتنے خطرناک انسان سے بھڑ رہا کوئی واہی تو نہیں تم ہی اسے سمجھاؤ۔" بڑی اماں کو اچانک مظاہر کا دھیان آیا۔

"اب پتا نہیں آپ لوگوں سے اس کی کس قسم کی بات چیت ہوئی ہے۔ میں خود اس سے بات کروں گا تو کسی نتیجے پر پہنچوں گا اتنا بے وقوف تو وہ ہرگز بھی نہیں ہے کہ بلاوجہ جان کی بازی لگانے لگے۔" ظہیر اظہر کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑی اماں کو سمجھا رہے تھے۔

"ارے ثناء! جاؤ اپنی پھوپھی سے کہو ادھر ہی آ جائے۔ چھت پر اکیلی کیا کر رہی ہے؟" بڑی اماں نے کسی سمت ثناء کا اندازہ کر کے اسے غائبانہ مخاطب کیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے بھو بھو کی۔" ظہیر نے عالیہ بیگم سے پوچھا۔

"پتا نہیں کتنی ڈرپس اور انجکشن لگے ہیں تو کچھ چلنے پھرنے کے قابل ہے مگر حالت ابھی بھی اچھی نہیں۔ ذہنی خلاؤں میں گھورتی رہتی ہے۔ نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے طاہر علی نے تو تب سے بستر پکڑ لیا ہے۔ رات بھی بہت کھانس رہے تھے۔ آ بھی جائے تو کیا زخم تو نہیں مٹیں گے عمر بھر کا داغ ہے۔" وہ مزید گویا ہوئیں۔

"خیر آنے والے کل میں کیا ہو کوئی نہیں کہہ سکتا اس دنیا میں تو روز ہی نئی نئی قیامتیں برپا ہوتی ہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" اظہر نے فوراً کہا۔

"بہرحال ایک حقیقت ہے جو سامنے ہے۔" عالیہ بیگم آہ بھر کر بولیں۔

"ہاں جب تک کچھ ہوا نہ تھا۔ جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔ اب قیامت آ کر گزر گئی تو بیٹھے ہیں حیران پریشان۔ کچھ سوجھ

نہیں وہ اسوت بھی جانے کہاں منہ چھپا کر بیٹھ گئی۔" بڑی اماں نے آنکھوں میں آئے آنسو انگلی کی پوروں سے صاف کیے۔

"مظاہر ہے کہاں؟" تظہیر نے پوچھا۔

"اللہ جانے اب ہی فکر ہے کہ یہ کیا کر رہا ہے، تم اسے سمجھاؤ اللہ کی امانت ہے جان۔ جوتی میں لٹکانے لگانے کی چیز نہیں ہے۔" بڑی اماں نے تظہیر سے کہا۔

"ہاں ہو دے ملے تو سہی۔" تظہیر اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆

"کون؟"

"پاشا......!"

کھٹ کھٹ کھٹاک کھل گیا۔

"آ گیا چار پانچ دن بعد گھر آنے کا ہوش؟" قمر النساء نے ناراضگی سے کہا۔ پاشا اندر آ گیا تھا۔ انہوں نے گیٹ دوبارہ بند کر دیا۔

"کبھی تو مسکرا کر استقبال کیا کریں، جس طرح دامادوں کا کرتی ہیں۔" وہ ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میرے داماد تمہاری طرح نہیں ہیں۔" وہ سابقہ انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"ہو بھی نہیں سکتے، ہماری طرح کا ہونے میں محنت پڑتی ہے بڑا کام ہوتا ہے۔" وہ شرارت سے ماں کی پشت دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اللہ نہ کرے کوئی تمہاری طرح کا ہو۔" وہ بگڑ کر بولیں۔

پاشا کچھ بولے بغیر اپنے بیڈروم کی طرف مڑ گیا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے پہلے اے سی آن کیا پھر وارڈ روب کھول کر نائٹ سوٹ نکالنے لگا۔

"کھانا لاؤں؟" قمر النساء جانے کب آ موجود ہوئی تھیں۔

"کیا پکایا ہے؟" وہ بڑی رسانیت سے پوچھ رہا تھا۔

"ملکہ مسور کی دال اور چاول پکے ہیں، قیمے کے کباب بھی ہیں فریزر میں، کہو تو تل دوں؟"

"خیر ہے دال چاول ہی چلیں گے باہر تو صرف گوشت ہی کھانے کو ملتا ہے ماں کے ہاتھ کے دال چاول کی تو بات ہی اور ہوتی ہے۔" وہ وارڈ روب بند کر کے پلٹا۔

"خیریت، آج کیسے ماں کی کوئی خوبی یاد آ گئی؟" قمر النساء ٹھٹک گئیں۔

"ماں تو ہوتی ہی خوبی ہے۔ آپ موقع ہی کب دیتی ہیں کہ آپ کی تعریف کریں۔ گھر میں گھستے ہی لعن طعن شروع۔" وہ کپڑے بازوؤں میں سمیٹے ماں کے مقابل کھڑا بڑی معصومیت سے کہہ رہا تھا۔

"اللہ رحم کرے میرے حال پر۔" قمر النساء کسی اندیشے سے ہول ہول گئیں۔ بڑا بدلا ہوا انداز تھا ورنہ تو ہمیشہ اپنی بات منواتا تھا۔ بے مخصوص خود سرانہ انداز میں ماں کا دل رکھنے کی تو کبھی کوشش نہیں کی تھی۔

"خیریت تو ہے بیٹے؟ ماں کب سے ماں لگنے لگی؟" وہ کہے بنا نہ رہ سکیں۔

"اتنی بدگمانی بھی اچھی نہیں ہوتی اماں، آخر آپ ہی کا بیٹا ہوں، لے کر تو نہیں پالا تھا۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"کاش لے کر ہی پالا ہوتا یوں اپنے آپ سے شرم تو نہ آتی۔" وہ ملول سے انداز میں بولیں۔

"اچھا میں واش روم سے ہو کر آ رہا ہوں۔ اتنے آپ کھانا نکالیں پھر آپ سے تفصیل سے باتیں ہوں گی۔" وہ واش روم کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"تفصیل سے۔" قمر النساء کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

"کہاں تو ماں سے بات کرنے کی بھی فرصت نہیں ملی۔ کہاں اب تفصیل سے باتیں ہوں گی۔ اللہ جانے کیا قیامت چھپی ہوئی ہے اس 'تفصیل' میں۔" وہ بولتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

میز پر کھانا مع سالاد سجا کر انہوں نے وہیں سے اسے آواز دے ڈالی تھی۔ اور وہ سیٹی پر کوئی دھن بجاتا ہوا فوراً ہی آ گیا تھا۔ قمر النساء فریج سے پانی کی بوتل نکال رہی تھیں۔

"آج کس کس بہن سے بات یا ملاقات ہوئی؟" وہ پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"یا اللہ رحم!" آج تو بہنیں بھی دھیان میں تھیں۔ وہ بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"فریحہ کا فون آیا تھا، ملیحہ کو میں نے خود کیا تھا، صبیحہ شام سے آئی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہی گئی ہے۔" وہ خود کو سنبھال کر اطمینان سے بتانے لگیں۔

"کس کے ساتھ؟" اس نے یونہی پوچھ لیا۔

"اس کا میاں آیا تھا لینے۔ دفتر سے سیدھا یہیں آ گیا تھا اسی کے کہنے پر دال چاول پکائے تھے۔ اللہ ہر طرح کا سکھ چین دے...... بہت خیال کرتا ہے میرا بھی اور میری بیٹی کا بھی۔" انہوں نے اس کے مقابل کی کرسی سنبھال کر بہت دل سے دعا دی۔

"اصل میں تو آپ کے داماد ہی آپ کے بیٹے ہیں۔ ہم تو بس یونہی۔" اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"یہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے میرے سب داماد بیٹوں کی طرح میرا خیال کرتے ہیں۔ کاش میرا بیٹا بھی میرا ہوتا۔" ان کی آواز دھیمی ہو گئی۔

"آپ ہی کا تو ہوں قیامت تک، کوئی اور کلیم کر سکتا ہے مجھ پر؟" وہ مسکرا رہا تھا۔

قمر النساء کے پاس مناسب جواب تھا مگر وہ مصلحتاً خاموش رہیں۔ وہ بس انتظار کر رہی تھیں کسی انوکھی سی بات کا جو پاشا کے منہ سے نکلتی۔ وہ اس کی ماں تھیں آخر اس کی ایک ایک ادا سے آشنا۔

"کہاں رہے اتنے دن؟" وہ بغور صورت دیکھ رہی تھیں۔

"یہیں ملک میں اپنے شہر میں۔" وہ چمچ استعمال کر رہا تھا۔ اور اس طرح کھا رہا تھا جیسے شدید بھوک لگی ہوئی ہو۔

"کم از کم فون تو کر دیا کرو...... اکیلی ہولتی رہتی ہوں رات بھر نیند نہیں آتی۔" وہ بولیں۔

"اتنے بڑے بیٹے سے بھی ماں اتنی محبت کرتی ہے؟" وہ مسکرایا۔

"ماں تو پاگل ہوتی ہے، ماں جو ہوتی ہے۔" وہ افسردگی سے مسکرائیں۔

"کپڑے کیسے ہو رہے تھے۔ کب سے نہیں بدلے تھے۔" وہ اس کے چہرے پر مسلسل نظریں جمائے ہوئے تھیں۔

"بس مصروفیت بہت تھی۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"ہاں تمہیں تو کام بہت ہوتے ہیں۔ الٰہی دین بھی آیا تھا دکانوں کا حساب لے کر، میں نے کہہ دیا میرے بس کی تو بات نہیں پاشا آئے گا تو بتا دوں گی۔ چکر لگا لینا۔" وہ کچھ سوچ رہی تھیں۔

"آپ کاغذات لے لیتیں۔ میں دیکھ لیتا۔ آموں کی فصل کا حساب لایا ہوگا۔"

"پتا نہیں میں نے اس سے کچھ پوچھا نہیں۔" وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ پاشا نے کھانا ختم کیا نیپکن سے منہ صاف کیا اور ایزی ہو کر بیٹھ گیا۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟" اس نے ماں کو متوجہ کیا۔

"کچھ نہیں۔ کھانا کھا لیا تم نے؟" اس نے ماں کو متوجہ کیا۔

"ہوں کھا لیا، وہ ایک بات ہے اماں!" وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"ہوں کہو۔" انجانے اندیشے سے دل کانپ گیا۔

"آپ کو صبح میرے ساتھ چلنا ہے۔"

"کہاں؟" وہ بری طرح چونکیں۔

"ایک جگہ۔ میرا ہی گھر ہے" وہ اطمینان سے بولا۔

"پھر بھی کس جگہ؟" وہ پریشان ہو گئیں۔

"بس آپ کو چلنا ہے" وہ اپنی فطری خودسری سے بولا۔ "آپ کی ضرورت ہے۔"

"زہے نصیب تمہیں بھی میری ضرورت پڑ گئی۔" وہ بہت ڈر رہی تھیں۔

"آپ تو بہت ضروری ہیں۔ آپ کی دعاؤں سے تو کئی بار گولیوں کی بارش سے زندہ بچ نکلا ہوں۔"

"چلو شکر ہے۔ کسی حساب سے ہی ضروری سمجھو۔ کہو کیا بات ہے؟" وہ پوچھنے لگیں کہاں چلنا ہے صبح؟"

"وہاں چل کر پتا چل جائے گا۔" وہ عام سے انداز میں بولا۔

"نہیں مجھے بتاؤ تب ہی چلوں گی۔ خدا معلوم کیا مسئلہ ہے۔" وہ قطعی انداز میں بولیں۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔ کوئی ڈرنے والی بات نہیں ہے۔" وہ انہیں تسلی دینے لگا

"پھر بھی کچھ اندازہ تو ہو ناں۔ بتانے میں کیا حرج ہے؟" وہ بضد اپنی بات پر قائم تھیں۔

"آپ ڈر کیوں رہی ہیں! میرے ہوتے ہوئے آپ کو کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"نعوذ باللہ۔ نفع نقصان کا مالک اللہ ہے میں اسی سے امید یں کرتی ہوں۔" قمر النساء نے اس کی بات کاٹ کر بے ساختہ کہا۔

"ٹھیک ہے پھر آپ اللہ پر بھروسہ کر کے میرے ساتھ چلیں۔" اس نے بھی فوراً کہا۔

"ہوں ٹھیک ہے۔ اللہ مالک ہے چلی چلوں گی۔ انہوں نے بالآخر ہتھیار ڈال دیے۔

☆☆

پاشا نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلنے کی مخصوص چرچراہٹ پیدا ہوئی قمر النساء حیران پریشان اس کے پیچھے تھیں کمرے میں بہت ہلکی روشنی تھی بیڈ کے ساتھ لیدر کی چیئر پر بیٹھی نرس پر سب سے پہلے ان کی نظر پڑی تھی جو انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی پاشا نے اسے کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ فوراً ہی سر جھکا کر نکل گئی۔

قمر النساء ہکا بکا بستر پر دراز وجود کو دیکھ رہی تھیں ہلکی روشنی کی وجہ سے چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ک.....کون ہے یہ؟" وہ یکلخت پاشا کی طرف مڑ گئیں۔

"آپ نے پہچانا نہیں؟" وہ سینے پر ہاتھ لپیٹے سنجیدگی سے ماہ نور کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ پھر ایک دم بدک کر پیچھے ہٹی تھیں اور سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"ماہ نور؟" انہوں نے پاشا کا چہرہ بہت قریب سے دیکھا۔ پاشا خاموش رہا۔

"اٹھا کر لائے ہو؟" وہ اپنے ڈوبتے دل پر ہاتھ رکھ کر اس سے پوچھ رہی تھیں۔ بڑی بے چارگی تھی ان کے انداز میں جیسے ان کی ساری توانائی ختم ہو گئی ہو۔

پاشا خاموش رہا۔

قمر النساء وہیں بیڈ کے کنارے پر ٹک گئیں اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"آپ کیوں رو رہی ہیں؟" وہ بے مہر سے انداز میں پوچھنے لگا۔

"مجھے ہی تو رونا چاہیے۔ میرے علاوہ کسی کو نہیں رونا چاہیے۔ اس لیے کہ جس کے ہاتھوں کسی کے گھر میں آگ لگی ہے وہ میرے شکم میں ڈھلے تھے۔" وہ اتنا کہہ کر دوبارہ رونے لگیں۔

"ہر انسان اپنے کیے کا ذمہ دار ہے۔ آپ کو کچھ محسوس نہیں کرنا چاہیے۔" وہ کس قدر سنگدلی سے کہہ رہا تھا۔

"ارے مجھے حیا آ رہی ہے۔ شرم سے ڈوب مرنے کو جی چاہ رہا ہے۔ بدنصیب تجھے کیا پتا کہ تو نے کیسا حشر برپا کیا ہے" وہ بری طرح رو رہی تھیں۔

"کوئی حشر وشر نہیں ہوا ہے۔ لوگ خود قصوروار ہوتے ہیں۔ کسی کی بات ہی نہیں سمجھتے۔ ایسے لوگوں کو پھر سمجھانا پڑتا ہے۔ ماں باپ ناگ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔" وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔

"شریفوں کی بیٹی ماں باپ کی ہوتی ہے۔ اس کی حفاظت فرض ہوتی ہے ارے کیا غضب ڈھایا ہے پاشا میں مر کیوں نہیں جاتی۔ کیسی بے حیا ہوں میں۔ یا اللہ کیا کیا رکھانے کا مجھے۔ غفور الرحیم مجھے معاف کر دے۔ بخش دے میرے گناہ۔"

ان کا رونا نہیں رک رہا تھا۔ پاشا کے چہرے پر ناراضگی بھی تھی اور الجھن بھی۔

"یہ اٹھ کیوں نہیں رہی ہے؟ کیا ہوا ہے اسے؟" دفعتاً قمر النساء جیسے نیند سے جاگیں۔ اتنے شور پر بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ چت لیٹی تھی۔

"بے ہوش ہے۔" وہ اس کی سمت دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کب سے ہے یہ یہاں؟" قمر النساء نے ماہ نور کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"زیادہ دن نہیں ہے جب سے آئی ہے بے ہوش ہی ہے۔" پاشا نے جواب دیا۔

قمر النساء کو کچھ سکون کا احساس ہوا انہوں نے ماہ نور کا ہاتھ لو نچا کیا اور ایک بوسہ دیا۔

"کیسی معصوم صورت ہے کاش میں اتنی قسمت والی ہوتی کہ تیرے دروازے پہ بارات لے کر جاتی پر کیا کریں ہم دونوں ہی کے نصیب خراب ہیں۔" ان کی آنکھوں سے پھر اشک رواں ہو گئے۔

"کیوں نصیب خراب ہے۔ آ تو گئی ہے آپ کے پاس۔ آپ کہیں گی تو ہم آپ کے ساتھ ہی رہیں گے۔"

"آ گئی ہے؟" قمر النساء نے کو بہت اذیت محسوس کی۔ "اسے واپس چھوڑ کر آؤ۔ میں بہت عزت کے ساتھ اسی کے دروازے سے بیاہ کر لاؤں گی اور اب تو وہ لوگ انکار نہیں کریں گے" قمر النساء نے جیسے اس کی منت کی۔

"واپس چھوڑ کر آؤں؟ کیا مطلب اپنی موت کے پروانے پر خود اپنے ہاتھ سے دستخط کروں؟ واہ کیا حل ہے میرے

مسئلے کا۔ بھولی ماں! اگر اس کے دروازے پر چھوڑ کر آگیا تو دنیا کو اس کا سایہ بھی نظر نہیں آئے گا اور یہ صرف کورٹ میں نظر آئے گی میرے خلاف گواہی دیتی ہوئی، میری پھانسی کی درخواست کرتی ہوئی۔" پاشا نے گویا سر پیٹا تھا۔

"نہیں۔ اب یہ ان کی مجبوری ہو گی کہ وہ اس کا نکاح تمہارے ساتھ کریں۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا، محض تمہارا جرم تمہیں ڈرا رہا ہے۔" قمر النساء نے فلسفی انداز میں بات کی۔

"وہ جو اس کا کزن ہے ناں، میرے خون کا پیاسا ہے۔ پنجابی کا لفظ "شریکا" سنا ہے آپ نے۔ "شریکوں والے لیے ہیں ہمیں ایک دوسرے سے۔ وہ صرف مجھے پھانسی کے تختے پر لٹکا دیکھنا چاہتا ہے۔ بغیر نکاح کے یہ اس کے ہاتھ لگ جائے۔ ایک مرتبہ پھر دکھانے کا وہ اچھا ایک سو گیارہ رنگ۔ تو اس میں بہت ہیں، دکھانے کا کر! ایک سو گیارہ وہی میں آپ کے مشورے پر عمل کر کے عذاب میں نہیں پھنسنا چاہتا۔" اس نے تروخے پن سے جواب دیا۔

"وہ پیر باندھے کہاں کر گیا تمہیں؟" قمر النساء کو تعجب ہوا۔

"جب لالہ جی اسے میدان میں اپنا حمایتی بنا کر۔" پاشا نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"کیا لگتا ہے رشتے میں اس کا۔" قمر النساء نے سوال کیا۔

ماموں زاد، وہ بھی بہت کچھ لگنے والا تھا وہ بس ہم "ان" ہو گئے وقت پر۔ بہرحال آپ چھوڑیں اس قصے کو اور میری تھوڑی سی ہیلپ کریں۔ گو کہ لڑکی ہوش میں آتی ہے پھر بے ہوش ہو جاتی ہے۔ میں کمرے سے اس وقت تک باہر رہوں گا جب تک یہ مکمل ہوش میں نہیں آ جاتی۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سسٹر کے ساتھ اس کمرے میں رہیں۔ وہ ہوش میں آتے ہی آپ کو دیکھے آپ اسے سمجھائیں، ذرا اس کا دل پکا کریں۔"

"شاباش بیٹے!" "شاباش شاید ہی کسی بیٹے نے جرائم کی دنیا میں اپنی ماں کا استعمال کیا ہو گا۔" قمر النساء نے تیزی سے اس کی روانی گفتگو میں بند باندھا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں اماں آپ! کسی انسان کی زندگی بچانا کیا جرم ہے؟" وہ زچ ہو کر پوچھ رہا تھا۔

"ہاں تم موت بانٹنے والے فرشتے بن کر پھرو اور اماں کو زندگی بانٹنے کی ڈیوٹی سونپو۔ نعوذ باللہ۔ تف ہے میری زندگی پر جب ہے ایسے بیٹے کی ماں ہونے پر۔ تم اسے گاڑی میں کسی طرح پہنچاؤ۔ میں خود اس کی اماں کے حوالے کر کے آؤں گی۔"

قمر النساء نے بڑے تحکمانہ انداز میں کہا لاشعوری طور پر ماں ہونے کا استحقاق ظاہر کیا تھا۔

"میں اسے اسی بستر پر گولی تو مار سکتا ہوں مگر یہ نہیں کر سکتا جو آپ کہہ رہی ہیں۔"

"ہائے میرے اللہ" قمر النساء نے دہل کر اس کی صورت دیکھی۔ "اسے گولی مار سکتا ہے جس کے لیے تو نے زمین آسمان ایک کر رکھے ہیں؟"

"ہاں! یا تو یہ میری ہے یا پھر کسی کی نہیں۔" وہ غرایا۔

"اب بھی تیری کیا انا ہے۔ نادان بعد کر دیں گے نکاح۔ تو ایک مرتبہ چل تو سہی میرے ساتھ۔" انہوں نے خوشامد کی۔

"یہ جو آپ کا دل ہے ناں، انجیل بنتا ہے۔ سب کے پاس نہیں ہوتا یعنی خوش فہمی کی بھی حد ہوتی ہے۔ انہوں نے بارود بچھا دیا ہو گا شہر بھر کے راستوں پر کہ جانے میں کون سے راستے سے گزر جاؤں، یہ چلی ہیں ان سے تعلقات کرنے۔ سبحان اللہ۔" عجیب مذاق اڑانے والا انداز تھا۔

"پاشا بیٹے! دیکھ اس کی ماں مر جائے گی۔" قمر النساء بھرائی آواز میں بولیں۔

"یہ تو اس کی ماں کو پہلے ہی سوچ لینا چاہیے تھا۔ میری تو کوئی غلطی نہیں ہے۔ بہت پاپڑ بیلے ہیں میں نے۔ ان غریب لوگوں کے مزاج ہی نہیں ملتے۔ انہیں اسی طرح عقل آتی ہے۔ بہت چانس دیا تھا۔"

"رشتے ناتے خوشی کے سودے ہوتے ہیں۔ ماں باپ کی مرضی ہوتی ہے۔ جہاں چاہے اپنی بیٹی دیں۔ انہوں نے بھی طریقے سے منع کر دیا تھا۔ تمہارے عیب تک نہیں گنوائے تھے۔"

"کیا عیب ہیں مجھ میں؟ ہاتھ پاؤں میں سے کچھ کم ہے؟ کانا اندھا ہوں؟ روپیہ پیسہ نہیں ہے؟ پڑھا لکھا نہیں ہوں یا خاندان کا اتا پتا نہیں ہے؟" وہ ان کی بات کاٹ کر بھنا کر بولا۔

"کسی انسان کی بدنصیبی کی انتہا ہوتی ہے کہ اسے اپنے عیب بھی ہنر نظر آتے ہیں۔ یہ بھی غضب الٰہی کا اشارہ ہوا کرتا ہے۔" قمر النساء دکھ سے بولیں۔

"اس مرتبہ وہ میری بات سن لیں گے۔ میں انہیں قائل کر لوں گی اب اس کے سوا چارہ ہی کوئی نہیں کہ اس کا نکاح تمہارے ساتھ ہو وہ میرے سمجھانے سے پہلے ہی یہ بات سمجھ چکے ہوں گے۔" قمر النساء نے بہت تحمل سے اسے سمجھایا۔

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ محترمہ کی تائی نے صاف کہہ دیا ہے۔ یہ اب ان کے لیے مر چکی ہے۔" وہ استہزائیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ قمر النساء نے کلیجے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"ایسے پتھر نہیں ہو سکتے وہ لوگ۔ معصوم و بے گناہ بچی ہے۔ قربان جاؤں اس صورت پر۔" انہوں نے آگے کی طرف جھک کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے چہرے پر پیار کیا۔

"بات یہ بھی ہے کہ لوگ اللہ اللہ سے نہیں ڈرتے جتنا رسوائی سے ڈرتے ہیں۔ وہاں تو بیٹھے تھی مرن پڑ گیا ہو گا۔ پاشا، جو اعظم کا بابا تو نے۔" وہ بہت دلسوزی سے کہہ رہی تھیں۔

"بہرحال اب یہ واپس نہیں جائے گی اگر وہ کمانڈوز لے کر بھی چھاپہ ماریں گے تو مایوس ہوں گے اس صورت میں میں اسے گولی مار دوں گا۔" وہ نہایت سفاکی سے کہہ رہا تھا۔

قمر النساء نے دہل کر پاشا کی صورت دیکھی۔

"ناک کا مسئلہ ہے؟ یا محبت بہت ہو گئی ہے؟" قمر النساء کی آواز بہت آہستہ تھی۔

"پتا نہیں، پتہ تو مجھے خود بھی نہیں چلا۔" اس نے لاابالی پن سے جواب دیا۔

"واہ سبحان اللہ!" قمر النساء نے صرف سوچا، بولیں کچھ نہیں۔

"اماں! میں کام سے جا رہا ہوں۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے سسٹر ہے ایک گھنٹے کے اندر ڈاکٹر بھی چیک کرنے آنے والا ہے۔ یہ آپ کا گھر ہے۔ یہاں ضرورت کی ہر شے موجود ہے۔" اس نے یہ کہہ کر جانے کو قدم بڑھائے۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟ کتنی دیر میں لوٹو گے؟" وہ پریشان ہو گئیں۔

"باہر جو بندے ہیں وہ میرے اپنے گارڈز ہیں میں جلدی آؤں گا میں باہر جانا تو نہیں چاہتا بس مجبوری ہے۔ ہاں ایک بات یہ قد آدم آئینہ ہے اسے دھکیل دیجئے گا آرام سے کھسک جائے گا یہ راستہ ہے پیچھے تہہ خانے کا۔ خدانخواستہ کوئی خطرہ محسوس کریں تو نیچے چلی جائیے گا۔"

قمر النساء ایک دم حواس باختہ نظر آنے لگیں۔ "خطرہ!"

"میرا مطلب ہے ہو سکتا ہے پولیس ریڈ ہو۔ آخر موصوفہ کے کزن اعلیٰ افسر ہیں۔ حکام بالا سے تعلق قائم کر کے اپنے

دل کی تمنائیں پوری کر سکتے ہیں۔ ویسے یہاں تک پہنچنا ممکن تو نہیں۔ خیر احتیاطاً کہہ رہا ہوں۔ وہ دوا دے لا کر رکھیے گا۔"

"تو منہ خانے میں چلی جاؤں اور اسے یہیں بستر پر چھوڑ جاؤں؟ اور جو میں کہہ رہی ہوں کہ سب سے سب سے ہم خود ہی چھوڑ آتے ہیں اسے اس کی ماں کے پاس۔" قمر النسا بری طرح جھلا کر رہ گئیں۔

"یہ یہاں سے ایسے غائب کر دی جائے گی جیسے جنت میں پہنچا دی گئی ہو۔ ذہن کے دائرے ہی سے نکل گئی ہو۔" وہ مسخرانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"کاش یہ ذہین دماغ اپنے گھر، خاندان وطن کے لئے اپنی ذہانت کے کرشمے دکھاتا۔"

قمر النساء نے گلوگیر آواز میں کہا۔ کس قدر بے بس محسوس کر رہی تھیں وہ خود کو۔ انہوں نے بمشکل آنسو ضبط کیے اور آگے بڑھ کر ماہ نور کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"مجھے معاف کر دینا بیٹی۔" پاشا باہر چلا گیا۔ نرس اندر آ چکی تھی۔

﴿☆﴾

ایک ڈیڑھ گھنٹے میں قمر النساء کی خوب مدارت ہوئی۔ تازہ پھلوں کے جوس، پھل، مٹھائی، کیک، بڑے پائے، تل کی خمیری روٹی، چائے۔ کمرے میں رکھی مرکزی ٹیبل آہستہ آہستہ بھرتی جا رہی تھی۔ سامنے رکھی اشیاء کو دیکھ کر ان کا دل بھر بھر آ رہا تھا۔

ایک نیک خصلت، خوشحال بیٹے کے گھر میں ان کی یوں آؤ بھگت و عزت افزائی ہوتی تو شاید خوشی سے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے مگر؟

انکی نگاہ بے خبر ماہ نور کے چہرے پر جا کر ٹک گئی۔

"یا اللہ میں اس قابل تھی؟ جو یوں آزمائی جا رہی ہوں۔ میرے تو سات بیٹے بھی نہیں تھے کہ جو بے بیٹے کوئی بکھیرانہ فعل سرزد ہو جاتا۔ کچھ منہ سے نکل جاتا۔ میں تو پانچ بیٹیوں کی ماں ہوں جب بھی تو بیٹی دیتا تھا۔ کھلے دل سے لیتی تھی۔ شکرانہ پڑھتی تھی۔ کہ ہونے والی بچی صحت مند ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہے۔ دعا کرتی تھی کہ یا اللہ جتنی اچھی صورت ہے بچی کی اس سے اچھے اس کے اخلاق و نصیب ہوں۔"

وہ صوفے سے اٹھ کر دوبارہ بیڈ پر آ کر بیٹھ گئیں اور ماہ نور کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ محبت و قربت کی تپش تھی کہ کیا تھا۔ ان کی آنکھوں سے چند موتی ٹوٹ کر ماہ نور کی پیشانی پر ٹپکے اور اس نے یوں آنکھیں کھولی جیسے وہ سو رہی تھی اچانک جاگی ہو پہلے تو اندھیرے میں وہ کچھ سمجھنے پہچاننے کی کوشش کرتی رہی پلکوں کو جنبش دیے بغیر۔

نرس اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے نزدیک آ گئی تھی اس نے ماہ نور کی کلائی تھام لی۔

"کیسی طبیعت ہے؟" وہ اسکی نبض چیک کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"کیا حال ہے بیٹی؟" قمر النساء نے اس کی بجھی بجھی آنکھوں میں جھانکا۔

کمرے میں آوازوں کا ارتعاش پھیلا اور وہ جیسے حواسوں میں آ گئی۔ اس نے کمرے کی چاروں سمتوں میں نظریں گھمائیں وہ کہاں ہے؟ یہ کون ہیں؟ وہ ذہن پر زور ڈالنے لگی۔

"بیٹی...... لائٹ جلا دو شاید یہ الجھ رہی...۔" قمر النساء نے نرس سے کہا۔

ماہ نور چونک سی گئی یہ آواز تو وہ پہلے بھی سن چکی تھی۔ نرس نے اٹھ کر لائٹ جلا دی تھی۔ کمرے میں ذیل نیوب کی روشنی سے چکا چوند ہو گئی تھی۔

ماہ نور چند ثانیے پلکیں جھپکتی رہی۔ پھر اس کی نظریں قمر النساء کے صبیح چہرے پر ٹک گئیں۔ قمر النساء نے اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر یوں نظریں جھکا لیں جیسے کوئی سنگین جرم کر چکی ہوں اور وہ جرم ان کے چہرے پر نقش ہو۔ ماہ نور کے چہرے پر حیرت ٹھہر گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سوالیہ ارتعاش تھا پاشا کی امی۔۔؟"

"بیٹے! پانی پیو گی؟" وہ بہت لرزتی آواز میں اس سے مخاطب ہوئیں۔

نرس جھٹ پانی کا گلاس میز سے اٹھا لائی اور اسے سہارا دے کر اٹھانے لگی۔

ماہ نور کی نظریں ایک لمحے کے لئے بھی قمر النساء کے چہرے سے نہیں ہٹی تھیں۔ ایک ٹک انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ نرس نے پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگایا اور وہ ایک سانس میں پی گئی اور پھر یوں گہرے گہرے سانس لینے لگی جیسے میلوں پیادہ چل کر آئی ہو۔

"پتا نہیں کب سے کچھ کھایا پیا نہیں، کتنے دن سے گلوکوز پر رکھا ہوا ہے؟" وہ نرس سے پوچھنے لگیں۔

"دو دن سے۔" نرس نے بہت مؤدبانہ جواب دیا۔

"بتاؤ دو دن سے کچھ نہیں گیا اس کے منہ میں ہاتھ دیکھو سوج کر کیا ہو رہے ہیں۔ اتنی موٹی سوئی ہوتی ہے گلوکوز کی۔ کئی کئی دن نس میں رہے گی تو سوجن تو ہو گی۔" وہ پیار سے اس کے ہاتھ سہلانے لگیں۔ ماہ نور کی حیرت جیسے ٹوٹ رہی تھی۔

"بیٹی! اسے کچھ کھلاؤ بلکہ میرا خیال ہے پہلے اسے اناس کا جوس پلا دو۔ ذرا ہوش و حواس درست ہوں گے تو خود بخود کھایا پیا جائے۔" وہ نرس سے کہہ رہی تھیں۔

نرس نے تعمیل کی اور بہت خوب صورت وضع کے گلاس میں جوس لے آئی۔ قمر النساء نے خود اسے سہارا دے کر اٹھایا۔

"لاؤ، میں اپنی بیٹی کو خود پلاتی ہوں۔" انہوں نے گلاس نرس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ بہت رغبت سے پی رہی تھی شاید اس لیے کہ ابھی حواس مکمل طور پر بیدار نہیں تھے نہ مزاحمت تھی نہ آمادگی نہ انکار نہ اقرار۔

چند سیکنڈ میں گلاس خالی ہو گیا تھا۔

قمر النساء نے گلاس نرس کو واپس تھما کر اسے آرام سے لٹا دیا اور محبت سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ ماہ نور ہنوز انہیں تکے جا رہی تھی۔

"کیا میں آپ کے گھر میں ہوں؟" وہ گم صم سی آواز میں پوچھ رہی تھی۔ قمر النساء اس کی آواز سن کر جیسے خوشی سے مسکرائیں۔

"یہ بھی گھر ہی ہے۔ تم نے مجھے پہچانا؟" وہ پوچھنے لگیں۔ وہ دوبارہ انہیں غور سے دیکھنے لگی۔

"آپ پاشا کی امی ہیں نا؟" وہ نقاہت بھری آواز میں پوچھ رہی تھی۔

"ہاں صدقے ہاں میں تمہاری امی ہوں۔ میری بیٹی کی طبیعت اب کیسی ہے۔" وہ بہت شفقت سے پوچھ رہی تھیں۔

"مم...... مجھے کیا ہوا ہے؟" وہ پوچھنے لگی۔

"کچھ بھی نہیں ماشاء اللہ تم بالکل ٹھیک ہو۔ کچھ کھا پی لو تو طبیعت اور اچھی ہو جائے گی۔ جگنیں، مٹھی ہر چیز موجود ہے۔ کیا کھاؤ گی بیٹی؟"

ماہ نور بس ان کی شکل دیکھتی رہی۔ اسکا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ وہ بہت زور ڈال رہی تھی ذہن پر۔

"تم اٹھ جاؤ میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھلاؤں گی۔ اللہ جانے کب سے کچھ نہیں کھایا۔ نرس بیٹی! اسے بٹھا کر پیچھے تکیے لگا دو میں اسے کچھ پلیٹ میں ڈال کر لاتی ہوں۔" وہ نرس سے مخاطب ہوئیں۔

نرس بہت مستعدی سے آگے بڑھی اور اسے بٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔

قمر النساء نے ہاٹ پاٹ میں سے تھوڑا سا پائے کا سالن لیا۔ ایک کباب اسی پلیٹ میں رکھا۔ آدھی روٹی توڑ کر دوسری پلیٹ میں رکھی اور دونوں پلیٹیں لے کر بستر تک آ گئیں۔ نرس ماہ نور کو بٹھا چکی تھی اور پیچھے گول تکیے لگا دیے تھے۔

قمر النساء نے نوالہ بنایا اور بسم اللہ پڑھ کر اس کے منہ میں دیا۔ ماہ نور آہستہ آہستہ چبانے لگی مگر اس کی نظریں قمر النساء کے چہرے سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔

"سلاد بھی ہے، کھاؤ گی؟" وہ دوسرا نوالہ اس کے منہ میں دے کر پوچھنے لگیں۔

ماہ نور نے نفی میں سر ہلا دیا۔

قمر النساء اسے کھاتا دیکھ کر بہت مسرور تھیں۔ درمیان میں ذرا سا کباب بھی اس کے منہ میں دے دیتی تھیں۔ "جانے کب سے میری بچی بھوکی ہے اللہ مجھے معاف کر دے۔" وہ بہت محبت بھری نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"میں نے تو چکھا نہیں کیسا ہے سالن؟ اچھا ہے؟ شکل تو اچھی لگ رہی ہے پتہ نہیں گھر کا پکا ہے یا باہر سے منگوایا ہے۔" وہ بولتی جا رہی تھیں اور نوالے بناتی جا رہی تھیں۔

"آپ کیسے آئیں یہاں! کیا یہ آپ کا گھر ہے؟" آدھی روٹی تمام ہونے پر ہی ماہ نور نے پوچھا تھا۔

"ہاں یہ مصر علی گھر ہے۔ میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ کھانے کے بعد چائے پیو تو بنواؤں۔" وہ پوچھنے لگیں۔

ماہ نور نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"بس ذرا آدھی روٹی اور دو۔ تم نے ناشتہ کر لیا تھا؟" وہ نرس سے مخاطب ہوئیں۔

"جی میں ارلی مارننگ ہی ناشتہ کر لیتی ہوں۔ تھینکس مدر۔" کرسچن نرس نے مؤدبانہ جواب دیا اور روٹی قمر النساء کے ہاتھ میں تھما دی جو دوبارہ ماہ نور کو کھلانے لگیں۔

"کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرنا پھر نہا لینا۔ طبیعت اور اچھی ہو جائے گی۔" وہ بولیں۔ رزق خالی پیٹ میں پڑتے ہی جیسے دل و دماغ میں روشنی سی آ گئی۔

"میرا تو خیال تھا کہ میں مر جاؤں گی۔ کیا میں اتنی سخت جان ہوں؟" ماہ نور بھرائی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "مریں تمہارے دشمن۔" قمر النساء بے ساختہ بولیں۔

"وہ نہیں مریں گے۔" ماہ نور کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے "آپ تو اتنی اچھی ہیں آپ تو میری مدد کریں گی ناں؟" وہ جیسے بڑی منت سے پوچھ رہی تھی۔

"قربان جاؤں اپنی بچی پر میں اپنی بچی کے ساتھ سائے کی طرح ہوں۔ ساری دنیا تجھے چھوڑ سکتی ہے اللہ نہ کرے وہ بھی جو دم بھر رہا ہے مگر زندگی کی آخری سانس تک میں اپنی بچی کے ساتھ ہوں۔" انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

"آپ جیسی نیک دل عورت نے اتنا سفاک بیٹا جنم دیا! آپ جیسی کی تربیت سے پھل جائیں ایسا کیسے ہو گیا؟" وہ گلوگیر آواز میں کہہ رہی تھی۔

"اللہ کی شان ہے بیٹی! بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے مگر غلط تربیت لے ڈوبتی ہے۔ بعض گھرانوں میں بہت سی لڑکیوں کے بیچ ایک لڑکا ہو جائے تو اس کے بے جا لاڈ اٹھائے جاتے ہیں اور بس یہیں سے خرابی شروع ہو جاتی ہے۔ عموماً مائیں ہی

سو وار الزام ٹھہرائی جاتی ہیں مگر ہمارے ہاں الٹ ہوا۔ میں بچوں کی تربیت کے معاملے میں خاصی سخت رہی ہوں مگر اس کے باپ کے آگے میری ایک نہ چلی۔ ساتویں پاس کی تو اسکوٹر لے کر دے دیا۔ میں بہتیرا بولی سانجھے سے بچے کو اتنی بڑی چیز کیوں لے کر دے رہے ہیں بولے دیکھو ابھی سے کیسا گبرو جوان ہے۔ کیا مہارت سے اسکوٹر چلاتا ہے میٹرک پاس کیا تو لاکھوں کی گاڑی دے دی یوں بیٹھے بٹھائے ہر چیز ملے گی تو دولت کی کیا خاک قدر ہو گی؟ مگر میری سنتا کون بیٹا بیٹا کیا ہوتا ہے بیٹے تو صرف دنیا کی زینت ہوتے ہیں نصیب سے ہی اولاد کی خدمت ملتی ہے۔ ماشاء اللہ میری پانچ بیٹیاں ہیں۔ اللہ کا احسان ہے۔ سسرال بھی ان سے خوش اور ان کے مرد بھی بہت خدمت کر کے گئی ہیں میری اور اب بھی پوری ذمہ داری سے میری خبر گیری کرتی ہیں۔ سردیاں آنے والی ہوں تو بستروں کو دھوپ لگانے آ جاتی ہیں۔ کوئی اچھی چیز پکاتی ہیں تو مجھے بھجوائے بغیر نہیں کھاتیں۔ بیمار پڑ جاؤں تو اپنے دھندے چھوڑ میرے سرہانے آ کھڑی ہوتی ہیں۔

بہتر ین سے بہترین ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتی ہیں۔ میری صحت کے لیے نفل مانتی ہیں۔ باقاعدگی سے فون کرتی ہیں گھر میں کوئی تقریب کریں تو خود آ کر لے جاتی ہیں۔ اللہ انہیں دین دنیا کی ہر نعمت سے نوازے۔ انہیں ہر آزمائش سے اپنی پناہ دے۔ انہیں اولاد کی بہاریں دکھائے۔ کتنی پیاری ہوتی ہیں بیٹیاں کوئی میرے دل سے پوچھے۔" قمر النساء بیٹیوں کا ذکر کر رہی تھیں اور لہجے میں گویا شہد گھل رہا تھا۔ عین اسی دوران دروازہ کھلا اور پاشا اندر داخل ہوا۔

♦☆♦

قمر النساء یکدم خاموش سی ہو کر رہ گئیں۔

پاشا نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور وہیں کھڑے ہو کر گویا صورت حال سمجھنے کی کوشش کی۔

"پلیز آپ اس شخص سے کہیں یہ یہاں سے فوراً چلا جائے ورنہ۔" ماہ نور نے قمر النساء کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر جیسے بہت اذیت سے گزرتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ اسے سمجھائیں میں مزید نخرے اٹھانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" پاشا نے بڑے اکل کھرے انداز میں حساب برابر کیا تھا۔

"کس نے کہا تھا میرے نخرے اٹھاؤ۔" ماہ نور حلق پھاڑ کر چیخی اور پھر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

قمر النساء نے اسے گلے سے لگا لیا۔ ان کی اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت وہ کس قسم کا کردار ادا کریں۔

"دیکھو بی بی! ہم نے برابر مشکل کام کرنے کے بعد بہت مایوسی میں ایم برابر fm proper مشکل اسٹیپ لیا ہے سب کچھ فائنل ہو چکا ہے۔ حقیقت سامنے ہے اب جو بھی ڈرامہ ہے فضول ہے کہو تو کل اخبار میں چھپوا دوں یا اعلان کر دوں کہ تم میری ہو چکی ہو۔ اماں آپ اسے سمجھائیں کہ یہ میرا دماغ خراب نہ کرے۔"

اف خدایا کتنا ظالم ہے بے ضمیر بے حس ہے محبت بھی ہوتی تو کچھ تقویت ہو جاتی یہاں تو صرف ضد ہے انا ہے ہٹ دھرمی ہے انتقام ہے۔ وہ قمر النساء کے گلے سے لگی بلک بلک کر رو رہی تھی اور قمر النساء کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

"اس سے اس لہجے میں بات نہیں کرو پاشا! یہ تو پہلے ہی ادھ موئی ہے۔" انہوں نے قدم اٹھایا ہی تھا تو دل بھینچنے کی کوشش کرتے اس سہمی ہوئی کبوتری کو نرغے سے مت پکڑو۔ خبردار میرے سامنے اس سے اس لہجے میں آئندہ بات کی اگر اس کے ساتھ انجمن ہیں کی تو پھر میں بھی ثابت کروں گی کہ میں پاشا کی ماں ہوں یہ کوئی طریقہ ہے بات کرنے کا۔ اجڈ انسان! یہ رشتہ داری نبھانے

کی بچی ہے۔ کوئی دیہاتن ہیں اپنے بہ طرز سے تحفے اپنے جیسے لوگوں کو دکھایا کرو۔" قمرالنساء بیگم نہایت برہم انداز میں مخاطب تھیں۔

"تو اماں! آپ دیکھیں ناں برداشت کی کوئی حد ہوتی ہے۔ بہت آزمایا اس خاندان نے مجھے ہم بھی "خاندانی" ہیں۔ درختوں پر تھوڑی اگے تھے۔" وہ بہنوز اسی آف موڈ میں بات کر رہا تھا۔

"دیکھو پاشا! تم ابھی یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تم سے کہہ رہی ہوں۔" قمرالنساء نے ناراض انداز میں کہا۔ "کب تک کے لئے؟" وہ وزخ کرتو ہ بیٹھے۔

"جب تک میں نہ کہوں۔" وہ برجستہ بولیں۔

"اور جو تاقیامت تک نہ کہا آپ نے۔ یہ بھی خوب رہی ہو نہ۔"

"اتنی اچھی اسید بن مجھے تم سے کبھی نہیں رہی۔ اب تم جاؤ یہاں سے۔"

قمرالنساء اس بری طرح اسے روتا دیکھ کر گویا پگھل کر پانی ہو رہی تھیں۔

پاشا نے چند ثانیے کچھ سوچا پھر ایک دم دروازہ تیزی اور جھٹکے سے کھول کر باہر نکل گیا۔

"بس اب چپ ہو جاؤ۔ تمہیں اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ خواہ کتنی مجبور سہی تم اکیلی نہیں ہو حوصلہ رکھو اگرچہ جو تم پر گزر رہی ہے۔ وہ بہت سخت ہے۔ مگر سختی کے موسم میں تھوڑی سی نرمی بھی بہت جانو یہ بھی مجبوروں کے لئے غیبی مدد ہی ہے یہ یقین رکھو کہ اپنی جان تم پر واردوں گی مگر تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔"

وہ اسے گلے سے لگائے بہت محبت سے تھپک رہی تھیں۔ ان کے انداز میں اتنی سچائی اور خلوص تھا کہ اسے نیند کے جھونکے آنے لگے۔

{☆}

ادھر ایک افتاد پڑی ہے ادھر شبانہ فون پر فون کر رہی ہیں کہ نکاح کی تاریخ دیں۔ گھر بھر کے ہوش ٹھکانے نہیں ہیں۔ اب تم ہی انہیں سمجھاؤ ٹھہراؤ، وہ تو کچھ سن ہی نہیں رہیں۔ معلوم نہیں انہیں اتنی جلدی کیوں ہے میں نے کہا بھی دسمبر میں میرا پوتا ہمایوں امریکہ سے آئیں گے تو اسی وقت پہ تقریب کر لیں گے اسی وقت رخصتی کر لیں گے۔ اب بولو؟"

"میں کر لوں گا خواجہ صاحب سے بات۔ آپ فکرمند نہ ہوں۔" مظاہر کہیں جانے کی تیاریوں میں تھے۔

"تو پھر جلدی کرو۔ وہ تو ماؤ گھٹنیوں پہ گھنٹیاں بجائے جا رہی ہیں۔ ایک تو ویسے ہی میرا جی اچھا نہیں۔ رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے کیسا روگ لگا ہے جان کو۔"

ان کی آواز بھرا گئی۔ حالانکہ مجھے ہی سب سے زیادہ ارمان تھا کہ دیبا کے جلد سے جلد ہاتھ پیلے ہوں۔ اپنی زندگی میں اسے گھر بار والی دیکھوں مگر اب تو جیسے موت سے اچھی کوئی بات نہیں رہی۔ جانے کب آئے گی" انہوں نے ایک آہ سرد بھری۔

"اتنی جلدی اتنی مایوسی بڑی اماں کچھ اچھی نہیں۔ میں انتہائی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ جلد سے جلد آپ کے سامنے آموجود ہو۔" وہ جوتے پہن کر ہاتھ دھونے واش بیسن کی طرف بڑھے تھے۔

"ارے بس ہوگئی کہانی ختم۔ ہمیں کوئی ارمان نہیں اب اس کی قسمت۔ اب تم بھی ٹھنڈے بیٹھ جاؤ۔ کیا معمولی بات ہے کوئی ملسی کھیل ہے۔ اس کا دوبارہ یہاں آنا نہ ہمارے لیے اچھا ہے اور نہ اس کے لئے اتنی ادھمی کنواری بچی باہر گزار کر واپس آنے پہ خوشی کا نہیں ڈوب مرنے کا مقام ہوتا ہے سنا؟"

"سب سنتا آ رہا ہوں سن رہا ہوں کہ سننے میں کا جاتا ہے؟ جس جس کو شوق ہو۔ وہ سنا ڈالے۔" مظاہر نے قدرے تلخی

سے کہا۔ "مگر مجھے آپ سب کے خیالات سے اتفاق نہیں۔ پہلے بھی بتا چکا ہوں۔" انہوں نے باہر کی سمت قدم بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

"نہ کرو اتفاق بھاڑ میں جاؤ۔ اب بنت کی مسجد علیحدہ اس سے فائدہ کچھ نہیں۔ تمہاری سمجھ میں ابھی میری بات نہیں آ رہی مگر آ جائے گی۔ میرے بھی جگر کا ٹکڑا ہے۔ کلیجے پہ پتھر رکھنا کوئی مذاق نہیں ہوا کرتا مت کرو اس بھڑکتی آگ میں میں نے اپنا خون پانی کیا ہے تو تمہیں بھلا پھولا دیکھا ہے تمہاری ماں۔" بڑی اماں کچھ کہتے کہتے یکدم رک گئیں۔

"ہماری اماں آپ ہیں۔ بس ہم یہ جانتے ہیں۔ ہم ڈر کر بیٹھ جائیں ایسے کرپٹ لوگوں کے حوصلے مزید بلند کریں۔" وہ دروازے پہ رک کر بڑی اماں سے مخاطب ہوئے۔

"تمہاری اکیلی جان اب سب ارب کرپ (کرپٹ) لوگوں کو ٹھکانے لگا دے گی؟" بڑی اماں نے گویا جل کر کہا تھا

"تالاب میں ایک پتھر بھی ہلچل مچا دیتا ہے۔" مظاہر نے برجستہ کہا۔

"ہاں پتھر تہہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ پانی پھر برابر ہو جاتا ہے۔ بڑی اماں اپنی عمر کے تجربے سے انہیں لاجواب کر رہی تھیں

"بڑی اماں! آپ مجھے بزدلی کے سبق نہ دیں۔ میرے اندر ایک آگ بھڑک رہی ہے پلیز۔" وہ جیسے زچ ہو گئے۔

"اتنی رسانیت بھی تم میں نہ ہوئی آگ کہاں سے آ گئی۔" وہ آزردگی سے گویا ہوئیں۔

"کسی کی عزت پہ ہاتھ ڈالنا تو دوزخ دہکانے کے برابر ہے بڑی اماں۔" وہ بولے۔

"مگر اب تو ہم لٹ چکے سانپ نکل گیا ہے لکیر پیٹنے سے فائدہ؟" وہ بہت سکون سے کہہ رہی تھیں۔ حالانکہ اندر جگر پاش پاش تھا۔

"اس لکیر کو پیٹیں گے نہیں بلکہ اس لکیر سے سانپ کا سراغ لگائیں گے اس کا سر کچلیں گے۔" وہ یہ کہہ کر تیزی سے بڑی اماں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

بڑی اماں کی پیشانی کی ساری لکیریں آسانی سے شمار ہونے لگیں۔

{☆}

وہ بے تکلف انداز میں بستر پہ دراز شام کا کوئی اخبار دیکھ رہا تھا۔

معا دروازہ دھیرے سے چرچرایا اور شاہانہ اندر داخل ہوئیں۔ وہ یکدم سنبھل کر اٹھ بیٹھا۔

"مجھے بلوا لیا ہوتا ممی! ابھی ابھی تو میں آپ کی لگژری کا ذرا نہور بننے کو تیار ہوں۔" وہ بہت خوش گوار موڈ میں مخاطب ہوا۔

"جھینکس!" وہ کسی دھیان سے چونک کر جیسے جبراً مسکرائیں بار وہیں اس کے بستر پہ بیٹھ گئیں اور پھر کسی سوچ میں ڈوب گئیں۔

"خیریت تو ہے ممی؟" اس نے الجھ کر ان کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"ہوں وہ ایک کانفیڈنشل ہے اکیلی سوچ سوچ کر دماغ تھک چکا ہے۔ تمہارے ڈیڈی سے یہ پرابلم ڈسکس کرنا نہیں چاہتی۔ تم میرے ساتھ کو دھوکا تو نہیں دو گے۔"

وہ بہت بدل چکی تھیں۔ مون قدرے تعجب سے دیکھ رہا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں ممی! اس گھر کا جو اسٹیٹس ہے وہ ہم سب نے مل کر ہی مین ٹین رکھنا ہے۔ میرے لئے تو آپ کی محبت اور اٹینشن سب سے اہم ہے۔ ممی تو ایک کی تھی میری زندگی اور میں بہت ٹھیک ٹھاک ہوں۔" اس نے جانے کیوں ان سے

نظریں چرا کر یہ سب کہا تھا۔ "آپ جو کہنا چاہتی ہیں کہہ ڈالیں ان شاء اللہ آپ ڈس اپائنٹ نہیں ہوں گی۔"

"تھینک یو ذریں۔" انہوں نے گویا سکون کا گہرا سانس لیا۔

"بات یہ ہے سون! اگر محسوس کیا جائے تو بہت کچھ ہے، نظر انداز کر دیا جائے تو کچھ بھی نہیں بس یہی کچھ ہے۔ جو میں ڈسکس کرنا چاہتی ہوں۔" وہ سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔

سون ان کی اگلی بات کے انتظار میں تھا۔

"یہ تو تمہیں اندازہ ہی ہے کہ سنی کی کتنی ارجی نہیں ہے لو اس نے ایک ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے جس سے میں بری طرح ہرٹ ہوئی ہوں۔"

سون کے پپوٹے وزنی ہو گئے۔

"اس کی وجہ سے سول پریکٹس ہے میں سنے یہ سوچ کر کہ ہمارا بچہ ہے۔ ایسے ربیعے خاندان میں کیوں پلتے ہماری سات پشتوں کا ستھرا خون فی الحال اسے ریڈ لائنی رہی ہوئی ہے لیکن دوسری بات یہ بھی ذہن میں آئی ہے کیا کوئی ال لیگل بچہ بھی خاندانی ہو سکتا ہے۔ کبھی سوچتی ہوں کہ اسے بچے سمیت واپس گوتھ بھیج دوں اور ہمیشہ کے لیے جان چھڑا لوں پھر خیال آتا ہے بچہ تو باپ سے ہوتا ہے، یہ تو ہمارا بس بچی رکھو ڈسکس کرنا چاہتی ہوں بیٹا یک بھی ایسا ہے کہ اور کسی سے ڈسکس بھی نہیں کر سکتی۔ خوجہ تو سارا وزن مجھ پر ہی ڈال دیں گے کہ سنی کی تربیت ٹھیک نہیں ہوئی۔ یہ تمہارا ہی قصور ہے وغیرہ وغیرہ۔ یقین کرو سون! میں بہت ڈسٹرب ہوں۔" وہ تقریباً روہانسی ہو رہی تھیں۔

سون کو ساری دنیا بانس کا کھیت نظر آ رہی تھی جہاں نہ کوئی پھلواری ہو نہ رونق ایک عجیب سی وحشت اس کے اندر اتر گئی یوں لگا زندگی بوجھ ہو گئی ہو۔ قلب سے پھوٹنے والی کسی بھی خوشی کے سارے آسرے ختم ہو گئے ہوں۔

"تمہیں بھی یقیناً شاک لگا ہوگا نا! بات ہی ایسی ہے۔" وہ اس کی خاموشی کو معنی پہنانے لگیں۔

"کیا ہمیں بچہ Own کر لینا چاہیے یا؟" وہ پوچھتے پوچھتے رک گئیں۔

"بچہ؟" سون جیسے کسی خیال سے چونکا۔

"کیا حیثیت ہے اس بچے کی؟ بس یہی الجھن ہے۔ بچہ تو سنی کا ہی ہے ناں۔" شاہانہ نے بہت دھیمی آواز میں کہا۔

"دیکھو سون! میں نے تم پر ہمیشہ اعتبار کیا ہے، مجھے بتاؤ کہ کیا کرنا چاہیے۔" شاہانہ نے بہت آزردگی سے کہا۔

"یقین کرو زندگی سے سکون رخصت ہو گیا ہے۔ عمر بھر کا ہینڈی کیپ ہے یہ فرض کرو بچہ کہیں بھی پلتا ہے اب ذہن تو اس کی طرف سے نہیں ہٹ سکتا۔" وہ مسلسل بول رہی تھیں۔

"جی جی!" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔ نظریں اٹھا [illegible] تھیں۔

"جب آپ کو پتا چلا تھا تو آپ کے ذہن میں کیا بات آئی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"یہی کہ ہمارے وجود کا کوئی حصہ کہیں غلط ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے۔ سوچا تھا جب تک وہ وجود مجھ ہاسپٹل کی حد تک نہیں پہنچے گا اس کو سول ہی پالے گی پھر اسے ہم لے لیں گے مگر جب وہ بڑا ہوگا زیادہ پوچھے گا اسے کس حیثیت سے اس گھر میں لایا گئے؟ اس کا یہ حل سمجھ میں آیا کہ تمہیں اعتماد میں لے کر بچہ تمہارے اور دریا کے حوالے کر دیا جائے۔ تم یہ ظاہر کرو کہ یہ تمہارے کسی دوست کا بچہ ہے اور کسی وجہ سے تنہا ہو گیا ہے تو تم نے اس کی ذمہ داری لے لی ہے۔ اس طرح ہی اسے اس گھر میں جگہ مل سکے گی۔ سنی تو اتنا لاپرواہ ہے کہ اسے اپنی غلطی کا عمر بھر احساس بھی نہیں ہوگا اور بہت ممکن ہے کہ وہ کوئی خاندان بھی [illegible] کرے گا۔ [illegible] دوسرے

سے اسے اپنی غلطی تسلیم ہی نہیں کرے گا۔ معاف کر جائے گا۔ اتنا تو مجھے اندازہ ہے جانتی ہوں اس کا مزاج مگر دریا لڑکی کتنی بے وقوف سہی جھوٹ نہیں بول سکتی یہ بھی جانتی ہوں وہ تو ساتھ نہیں رہی تھی۔"

سون کے دل میں پھر دھکڑ پکڑ شروع ہو گئی۔

"دریا اتنا حوصلہ بھی نہیں ہے کہ بچے کا ایک زندگی کا خون اپنے ہاتھوں پر لے لوں؟ بہت مشکل ہے سون پلیز مجھے کچھ بتاؤ۔ میری کسی غلطی کی یہ بہت بڑی سزا ہے اور یہ غلطی کیا کم ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں کیا۔" ان کی آواز بھرا گئی۔

"لیکن می! آپ یقین رکھیں میں سب کچھ بھول چکا ہوں۔ آپ رکھو بھی فیل نہ کیا کریں۔" اس نے ہنوز نظریں جھکا کر آہستگی سے کہا۔

"آپ نے اس پرابلم کا جو حل سوچا ہے مجھے قبول ہے آپ ایزی ہو جائیے۔ جیسے آپ کہیں گی ویسے ہی ہوگا۔" اس نے شاہانہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر جیسے تعاون کا یقین دلایا۔

"تھینک یو سون! مجھے یقین ہے وہ بہت کیوٹ بچہ ہوگا۔ ہمارے بچے ایسے ہی ہوتے ہیں یقین کرو مجھے تو ابھی سے اس سے محبت محسوس ہونے لگی ہے میں اسے دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔"

"آپ کہیں گی تو میں اسے اپنا نام بھی دے دوں گا۔" اس نے اپنے اندر کے شور میں اپنی ہی آواز بمشکل سنی تھی۔

"تھینک یو میری جان سون! تم نے جو کچھ کہا ہے میں قیامت تک تمہاری ممنون ہوں۔ میرا سب رکھو تمہارا ہے ایک تھینک فل دل سمیت۔" انہوں نے اس کے چمکدار سیاہ بالوں کو ایک بے اختیار سا بوسہ دیا۔

اسے یوں محسوس ہوا کہ وہ ڈاکے کی دولت سے کوئی تخت خرید رہا ہو۔

"دریا کم عمر بھی ہے اور انوسینٹ بھی مجھے امید ہے وہ کوئی مزاحمت نہیں کرے گی۔ دیکھ بھال تو گورنس ہی کرے گی میں زیادہ بوجھ نہیں ڈالوں گی تم پر۔ فکر نہ کرنا کتنی بار جی چاہا کہ مرنے سے پہلے ہی ختم کر ڈالوں پر دل نہیں مانتا۔ ڈاکٹر نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ آپ جان چھڑانے کی کوشش کریں گی تو اس کی زندگی کو خطرہ ہے۔ ایک تو یہ کہ لڑکی کی بہت ام میچور ہے۔ دوسرے دن کافی ہو گئے تھے۔ ایک انسان کے مرڈر کے لیے بہت حوصلہ چاہیے۔" وہ اس سے الگ ہو کر کہہ رہی تھیں۔

"سنی نے تو مجھے گھن لگا دیا ہے۔" وہ جیسے خود سے مخاطب تھیں۔ "دریا کے کپڑے آ گئے ہیں تیار ہو کر دکھا کر مجھے بتاؤ تمہیں کیسے لگے؟"

وہ جاتے جاتے پلٹیں۔

"اچھے ہی ہوں گے می! مجھے امید ہے۔ بس اسے پسند آنا چاہئیں۔" وہ جیسے بمشکل مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ماشاء اللہ تمہاری لک بہت اچھی ہے۔ لڑکی ہر لحاظ سے اچھی ہے۔ کتنا بھولپن ہے چہرے پر۔ ہمارے اپنے سرکل میں بہت خوب صورت لڑکیاں موجود ہیں مگر جو بات اس میں ہے وہ ہر لڑکی میں نظر نہیں آتی پہلی نظر میں اس نے مجھے اٹریکٹ کیا تھا۔ اس وقت تو شاید میری خود غرضی اپنے کمال پر تھی میں نے اسے سنی کے لیے پسند کیا تھا۔ مگر تمہارے ڈیڈی نے تمہارے لیے کہا تو میں نے سوچا سنی تو اپنے دل کی کرتا ہے پتا نہیں میری پسند پر راضی نہ ہو مگر اب سوچتی ہوں اتنی اچھی لڑکی کو تمہارا پارٹنر ہونا چاہیے وہ تمہارے ہی قابل ہے۔"

وہ اس کے اندر حشر برپا کر کے باہر نکل گئیں۔

کوئی کسک انسان کے اندر رہتی ہو تو اس کی زندگی سے بھرپور خوشی کا احساس ہی مٹ جاتا ہے۔

اس کے پاس سب کچھ تھا۔

مگر کوئی کمی سی تھی جو آنچ دیتی رہتی تھی۔ جو آنکھوں میں وہ جلن بھر دیتی تھی کہ بھرپور نیند کی خواہش ہی ختم ہو جاتی تھی۔ سوال اور رسی جیسے زنجیروں میں بندھے سامنے کھڑے رہتے تھے۔

"مجھے یقین ہے بچہ بہت کیوٹ ہوگا ہمارے بچے ایسے ہی ہوتے ہیں۔" ثنا ہانہ کے الفاظ کمرے میں ناچنے کودنے لگے۔

"کہا جاتا ہے اس کا بچہ قدرت اس کے ہی ہاتھوں میں دے رہی ہے۔ رکھو تو جو بنا گرد وجواس کے بوئے ہوئے دکھ کی فصل کاٹ رہی ہے۔"

وہ یکدم اٹھا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا جیسے خود سے بھاگ رہا ہو۔

☆

قمر النساء واش روم سے باہر آئیں تو دیکھا وہ کھڑکی کی گرل سے ناک لگائے باہر جھانک رہی تھی اس وقت ایک کونے میں رکھے فون کی گھنٹی بجی قمر النساء نے تیزی سے آگے بڑھ کر فون اٹھا لیا۔ ماہ نور بھی ان کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

"وہ تو یہاں نہیں ہے جی میں اس کی ماں ہوں پوچھتا ہوں گی۔" انہوں نے فون کان سے ہٹا لیا۔

"ماہ نور!" انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔

"تمہیں اپنی امی کا نمبر یاد ہے؟ چاہو تو فون پر بات کر لو۔ کیا پتا اس کے مسئلے کا کوئی حل ہی نکل آئے۔ میری کر ... کرا دو بیٹا۔" انہوں نے فون اس کی سمت بڑھا یا ماہ نور نے چونک کر ان کی شکل دیکھی پھر فون کی سمت دیکھا۔

"اس کام کی چیز کرے میں موجود ہے۔ یہ تو دھیان ہی نہیں آیا۔" اس نے آگے بڑھ کر گویا فون جھپٹ لیا اور نمبر ملانے لگی۔ تیسری رنگ پر دوسری جانب ریسیور اٹھا لیا گیا تھا اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"ہیلو!" اُمبر ہی سے رہیا کی آواز آئی اور وہ تو جیسے زندہ ہو گئی۔

"ہاں رہیا! میں بول رہی ہوں تمہاری آپی۔"

"یہ تو مجھے نہیں پتا کہ میں کہاں ہوں کیسے ہیں سب؟ امی کیسی ہیں؟" اس نے گلوگیر آواز میں پوچھا۔

"پھوپھو کی طبیعت تو اب پہلے سے بہتر ہے مگر پھوپھا جان کی حالت بہت خراب ہے اظہار بھائی انہیں ہاسپٹل لے کر گئے ہوئے ہیں آپ تو ٹھیک ہیں ناں؟" وہ پوچھنے لگی۔

"اب کیا ٹھیک ہوں گی۔ دعا کرو مر جاؤں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"امی کہاں ہیں؟ گھر پر ہیں یا دھر ہی ہیں؟"

"پھوپھو تو روز جانے کو کہتی ہیں مگر بڑی اماں جانے نہیں دے رہیں یہ لیں بڑی اماں سے بات کریں۔" چند لمحے بعد بڑی اماں کی آواز آئی۔

اس نے بمشکل سلام کیا۔

"کیا حال ہے بچی؟ کہاں سے فون کر رہی ہو؟" وہ بہت تھکی تھکی آواز میں پوچھ رہی تھیں۔

"پتہ نہیں کہاں ہوں نانی امی میں کیا کروں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"اب کیا کرنا ہے بچی! جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہمارے کیے کا کوئی عذاب تھا جو آ کر رہا۔ آگے اس سے بخشش و پناہ مانگتے

ہیں اب رکھو نہیں ہو سکتا آ جائے گا انہیں بھی صبر کہ صبر بھی ہی دیتا ہے۔"

"میں مر جاؤں گی نانی امی!" وہ زار و قطار روتے ہوئے بولی۔

"دیکھو اسی اندھیرے میں روشنی ڈھونڈو اللہ اسے ہدایت دے جس نے ہمیں جیتے جی دوزخ میں دھکیل دیا۔ اللہ کی شان بہت بڑی ہے۔ کچھ بعید نہیں وہ تمہارے حق میں اچھا ہو جائے دیکھو اب تم فون وغیرہ بند کرو۔ بظاہر کی طرف سے بہت ڈر ہے وہ تمہاری کھوج میں ہے۔ اس کے سر پر تو جیسے خون سوار ہے۔ بالا بالا پھر کیسے اپنے سامنے خوار ہوتا دیکھوں۔ وہ لگا ہوا ہے کسی دھن میں اور میری نیندیں اڑی ہوئی ہیں دیکھو اس سے کبھی سامنا ہو تو صاف بول دینا کہ جو ہوا تم سمجھوتا کر چکی ہو۔ اپنی بوڑھی نانی پر احسان ہوگا۔" بڑی اماں کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"دعا کریں نانی امی! کہ میں مر جاؤں؟" وہ سسکتے ہوئے بولی۔

"اپنی نانی سے میری بات کراؤ بچی!" قمر النساء نے مزید صبر نہ ہوا تو بول پڑی تھیں۔

"نانی امی! پاشا کی امی آپ سے بات کریں گی۔" اس نے خود پر قابو پا کر کہا۔

"پاشا کی ماں! کیا تم ان کے پاس پہنچ گئیں؟" بڑی اماں حیرت سے بولیں۔

ماہ نور نے بغیر کچھ کہے فون قمر النساء کو تھما دیا۔

"السلام علیکم!" انہوں نے اپنی نفیس و پر وقار آواز میں مؤدبانہ سلام کیا۔

"یعنی آپ دونوں ماں بیٹے کی منصوبہ بندی تھی یہ" بڑی اماں نے بے زار کن انداز میں سلام کا جواب دے کر تو وہ حملہ کیا۔

قمر النساء تو اتنی سٹپٹائیں کہ چند لمحوں کو تو گویائی ہی سلب ہو گئی۔

"یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ مجھے اپنے بیٹے کا طرز زندگی کتنا پسند ہے اور اس سے کتنا اتفاق ہے۔ بہر حال یہ ضرور کہوں گی کہ مجھے اس حادثے کا کوئی علم نہیں تھا۔ وہ آج صبح ہی مجھے یہاں لا یا اور ملانے سے پہلے یہ تک نہیں بتایا کہ کہاں لے جا رہا ہے اور کیوں؟ میں تو خود یہاں بچی کو دیکھ کر بھونچکی سی رہ گئی اور جیسے کہ جو کہہ سکتی تھی۔ کہا بلکہ اب بھی کہہ رہی ہوں کہ میں پہلی فرصت میں بچی کو آپ کے پاس واپس پہنچانا چاہتی ہوں اور آپ لوگوں کی دعاؤں کے سائے تلے رخصت کرا کر لانا چاہتی ہوں میرا اندازہ ہے کہ آپ لوگ بھی مجبور ہے ہوں گے کہ اب اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے اب جیسے آپ حکم کریں۔"

قمر النساء نے ٹھہر ٹھہر کر جیسے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

بڑی اماں شاید سچائی کے زیر اثر آ گئی تھیں۔ سانس روکے قمر النساء کی بات سن رہی تھیں۔ جیسے ہی ان کی بات مکمل ہوئی۔ وہ یکدم چونک پڑیں۔

"اچھا بولیں آپ مگر یہ تو اب ممکن نہیں رہا۔ فرض کریں وہ آ بھی جاتی ہے تو بھی وہ سب نہیں ہو سکتا۔ جو آپ سوچ رہی ہیں میرا بیٹا ہتھیلی پر سر دھرے پھر رہا ہے۔ وہ کسی صورت اس کی شادی آپ کے بیٹے سے ہونے نہیں دے گا اور نتیجہ آپ بھی سمجھ سکتی ہیں کہ کیا ہوگا نہ آپ کا بیٹا مانے گا اور نہ میرا بیٹا۔" شادی بیاہ تو ایک طرف رہ جائیں گے۔ یہ دونوں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑیں گے۔ عمر بھر کی رنجشیں گلے پڑیں گی بڑے سخت موسم دیکھے ہیں تو یہ جائیں پلی ہیں۔ اس بڑھاپے میں خدانخواستہ میں ان کے دکھ نہیں اٹھا سکتی۔ حالانکہ میرا بس چلے تو اپنی بچی ایک لمحہ آپ کے پاس نہ چھوڑوں۔ آپ اس کا کسی فرصت میں نکاح کر دیں نکاح ہو جائے گا تو میرا بیٹا بھی ٹھنڈا ہو جائے گا اگر یہ ہمارے پاس واپس آئی تو پھر پستول لیں نکل آئیں گی آپ میری بات سمجھ رہی ہیں؟"

بڑی اماں اب قدرے سکون سے بات کر رہی تھیں۔

"میرا چھوٹا بیٹا میرا مطلب ہے پوتا بتا رہا تھا۔ اب جو ٹیلی فون آئے گا۔ اس کا نمبر ٹیلی فون والے نوٹ کر لیں گے کل درخواست گئی تھی۔ آج سے شاید وہ ہمارے ٹیلی فون سننا شروع کر دیں گے۔ اب آپ ٹیلی فون نہ کریں۔ بڑی مشکلوں سے پوتوں کو جوان دیکھا ہے۔ اب بس ان کی خوشیاں دیکھنے کی تمنا ہے۔ بہر حال بڑا حوصلہ ہوا کہ بچی کے پاس آپ موجود ہیں خدا حافظ۔"

بڑی اماں نے ان کی بات سنے بغیر فون بند کر دیا تھا۔

قمر النساء گم صم ہنوز فون کان سے لگائے کھڑی تھیں۔ ماہ نور ان کے سر سے سر ملائے جیسے نانی کی باتیں سننے کی کوشش کر رہی تھی۔ معاً دروازہ کھلا۔ پاشا فروٹ باسکٹ اٹھائے اندر داخل ہوا۔ پہلے تو نظر بستر کی طرف ہی گئی تھی اور پھر فوراً ہی پلٹ کر ان کی طرف۔ وہ عقاب کی طرح آگے کی طرف جھپٹا تھا اور فون ماں سے تقریباً چھین لیا تھا۔ کان سے لگا کر کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ وہاں تو خاموشی تھی۔ اس نے ماں کی طرف دیکھا۔

"کس کا فون تھا؟"

"کسی کا نہیں۔ میں نے کیا تھا ماہ نور کی نانی کو۔" وہ پرسکون انداز میں گویا ہوئیں۔

"نانی کا؟ کیوں؟" وہ جیسے غضب ناک ہو گیا۔

"میں نے سوچا کچھ ان کی طبیعت سنبھلے گی۔" وہ اسی انداز میں بولیں۔

"کیا بات ہوئی؟ کس کس سے ہوئی؟" وہ مشکوک نظروں سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"بس اس کی نانی ہی سے ہوئی۔" وہ رسانیت سے بولیں۔

"ناممکن۔" وہ جیسے بڑبڑایا پھر نظریں اٹھا کر ماں کا پرسکون چہرہ دیکھا۔

"آئیں آپ لوگ باہر وہاں گاڑی کھڑی ہے بیٹھیں۔" وہ ناراض نظر آیا۔

"اب کہاں پہنچاؤ گے ہمیں؟" قمر النساء ہنک کر بولیں۔

"بس آپ چلیں۔ میں کہہ رہا ہوں ناں۔" وہ بھی بگڑ کر بولا "جلدی کریں۔"

اس نے ماہ نور کا ہاتھ پکڑ کر قدم بڑھا دیے۔ قمر النساء ہول کر پیچھے پیچھے چل پڑیں۔

"ارے کیا مصیبت ہے۔ اب کون سے تہہ خانے میں اتارو گے ہمیں۔" وہ بڑبڑا رہی تھیں۔

پاشا نے کوئی جواب نہ دیا۔ ماہ نور اس کے ساتھ گویا گھسٹتی ہوئی جا رہی تھی۔ وہ پورچ میں کھڑی گاڑی کے قریب ہی جا کر رکا۔ پچھلا دروازہ کھول کر گویا اسے سیٹ پر پھینک دیا پھر ماں کی طرف پلٹا۔

"چلیں بیٹھیں۔"

"کیا وحشت ہے۔ بچی کو پاؤں میں چپل تو ڈالنے دیتے۔" وہ ماہ نور کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بگڑ کر بولیں۔

پاشا نے کوئی جواب دیے بغیر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ اسلحہ بردار چوکیدار گیٹ وا کر چکا تھا پاشا نے بہت تیزی سے گاڑی ریورس کی اور باہر نکلتے ہی اتنی تیزی سے ٹرن لیا کہ گاڑی کے پہیوں سے زور کی چرچراہٹ پیدا ہوئی اب وہ فل اسپیڈ سے گاڑی بھگا رہا تھا۔

"کچھ بتاؤ تو سہی اب کہاں کے ارادے ہیں؟" قمر النساء پریشان ہو رہی تھیں۔

"جہنم میں نہیں لے جا رہا اطمینان رکھیں۔" وہاں سے تڑاخ جواب آیا۔

"جہنم میں تو ویسے ہی ہیں۔" قمر النساء بڑبڑائیں اور ماہ نور کا سر اپنے شانے سے لگا کر اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگیں اس کے تو ابھی تک اوسان بحال نہیں ہوئے تھے۔

"مروا دیا تھا آپ نے۔" پاشا نے بڑبڑاتے ہوئے ایک موڑ کاٹا۔

"کیوں وہ ٹیلی فون میں سے نکلے پڑ رہے تھے۔" وہ جل کر بولیں۔

"سمجھیں نکل ہی پڑے ہوں گے۔" وہ بھی اسی موڈ میں جواب دہ ہوا۔

"اماں! ویسے تو شاید میں کچھ عرصہ زندہ رہ لوں مگر لگتا ہے۔ آپ مجھے جلد سے جلد دنیا سے رخصت کرنا چاہتی ہوں۔"

"خدا کا نام لو پاشا! یوں ماں کے دل سے نہیں کھیلتے۔" وہ گویا تڑپ گئیں۔

"اللہ اکبر۔" اس نے بھی نعرہ لگا دیا اور گاڑی کی اسپیڈ مزید بڑھا دی۔

"پڑوسیوں کو بھی چیک کر لیں، ہوش و حواس میں بھی ہیں یا؟"

وہ مڑ کر پچھلی سیٹ پر بیٹھی ماہ نور کو دیکھ رہا تھا۔

قمر النساء نے کوئی جواب نہ دیا اور ماہ نور کو محبت سے تھپکنے لگیں۔

☆

"کیا کہہ رہی تھیں وہ؟" عارفہ نے ریا کی طرف دیکھا۔

"زیادہ بات نہیں ہوئی۔ آپ کا پوچھ رہی تھیں کہ آپ کیسی ہیں؟" ریا نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"پاشا کی ماں ہے اس کے سامنے میں نے تو اسے خوب سنا ڈالیں۔ بولی مجھے تو اس حادثے کا علم نہیں تھا۔ صبح یہ کہہ کر ساتھ لایا کہ بہت ضروری کام ہے۔"

"وہ غلط نہیں کہہ رہی ہوں گی۔" "بہت بھلی عورت لگتی ہیں۔ میں تو ان سے مل کر حیران ہوئی تھی۔ یقین نہیں آتا۔ وہ بدنصیب ان کا بیٹا ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ ماہ نور کو لے کر ماں کے پاس گیا تھا۔ تو ان کو چاہیے تھا کہ کسی نہ کسی طرح ہمیں مطلع کرتیں۔ ہم جا کر کسی ترکیب سے اسے لانے کی کوشش کرتے۔ وہ بیٹے کے گناہ میں خود بھی شریک ہو گئیں۔" عارفہ بہت سوچ سوچ کر بولتی جا رہی تھیں۔

"وہ اسے ماں کے پاس لے کر نہیں گیا تھا۔ بتا یا ناں ماں کو اس کے پاس لے کر گیا ہے۔ صبح بتا رہی تھیں۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھیں۔ کہ میں نے تو یہی کہا تھا۔ اسے واپس چھوڑ کر آؤ۔ میں خود عزت سے رخصت کرا کر لاؤں گی۔ اور بھی جانے کیا بولی تھیں۔ پر میں نے کہہ دیا۔ بظاہر بات بہت آسان نظر آ رہی ہے میرے منہ میں خاک بس پھر خون خرابا ہی ہوگا۔ اور میری اسٹ یہی ہے کہ بلے پالے بچوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے آگ میں چھلانگ مارتا دیکھوں۔ آپ وہیں نکاح پڑھا دیں۔ آ جائے گا مجھ کو صبر۔"

"آ...... آپ نے یہ کہہ دیا اماں! میری بچی مر جائے گی۔ قدرت نے تو ہمیں موقع دیا تھا۔" عارفہ تڑپ کر بولیں۔

"ہونٹ کے ناخن لو عارفہ! ایسی باتیں کبھی چھپی نہیں ہیں۔ دوسری بچیاں بھی ارمان لیے بیٹھی ہیں۔ ثابت ہو گیا وہ اسے کسی صورت نہیں چھوڑے گا۔ بندوقوں پستولوں سے کھیلتا ہے۔ اس نے تو ہماری بچی کو برت لیا غیرت کا تقاضا ہے اب وہ اسی کی ہو۔ پتا چل چکا ہے وہ کس قدر خطرناک ہے جوان بچے اور کنواری بچیوں کا ساتھ ہے۔ تم کیا سمجھ رہی ہو یہ سب سہہ کر کے میں خوش ہوں۔ ناسور پل رہا ہے سینے میں مگر اب تم بھی ارمان سے غور کرو۔ بہت بڑے بگاڑ سے بچنے کے لئے اس بگاڑ کو قبول کرنا پڑے گا۔"

عارفہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"کہنا کتنا آسان ہے اماں! ہائے میری پھول سی بچی۔" وہ روتے ہوئے بولیں "پلک نہیں لگتی رات کو۔ دل مچلتا چاہتا ہے کہ بس وہ سامنے آ موجود ہو۔ آپ نے مجھے اس کی آواز تو سنا دی ہوتی۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔ وہ اس درد سے کہ بہت جلد مایوس کر دے گی۔ وہ مر جائے گی اماں! آپ اسے واپس آنے دیں میں اسے لے کر کہیں ایسی جگہ چلی جاؤں گی جہاں رشتے تعلق دکھ نہ رہیں۔ رشتہ داروں کو ہم سے ملتے شرم آئے گی اماں۔ ہم نہیں ملیں گے بس آپ میری بچی کو آنے دیں۔"

بڑی اماں نے عارفہ کو کھینچ کر اپنے گلے سے لگا لیا اور اپنے دوپٹے سے عارفہ کے آنسو پونچھنے لگیں۔

"بس کرو عارفہ! ماں کا اتنا نہ آزماؤ۔ تمہیں سارہ بھی سمجھا کر گئی اور تمہاری بھاوج بھی۔"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا اماں! مجھے اپنی بچی کے سوا کچھ سمجھ نہیں آتا۔ آپ اسے آنے دیں۔" عارفہ کے رونے میں اور شدت آ گئی۔

بڑی اماں عارفہ کی پشت سہلانے لگیں۔ "تیرا دکھ کوئی ناپنے تولنے کی بات نہیں ہے تو کیا سمجھتی ہے میں نے کلیجہ پتھر کا رکھا ہوا ہے۔ تو اس کی ماں ہے تو میں تیری ماں ہوں۔ دعا کر کوئی بھلی صورت نکلے۔ مزید لگا رہ بہوں اللہ تیرے دل کے سکون کو کوئی راستہ بنا دے۔ کیا عجب ہے۔ بڑی شان ہے اس مولا کی۔"

وہ عارفہ کو پیار کر رہی تھی۔ بہلا رہی تھیں۔ مگر عارفہ کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے شمسہ پانی کا گلاس لے کر آ موجود ہوئی تھی۔ ربیا بڑی مہارت سے اپنی آنکھیں خشک کر رہی تھی۔

اسی لمحے مظاہر لاؤنج میں داخل ہوئے۔ اور پہلی نظر ہی بڑی اماں اور عارفہ پر پڑی۔

"کیا ہوا؟" کوئی اندیشہ ان کی نگاہوں سے جھانکنے لگا۔

"کچھ نہیں۔ وہ آپی کا فون آیا تھا ناں۔" ربیا جلدی سے بولی۔

"ماہ نور کا......؟" وہ چونک پڑے اور تیزی سے فون کی طرف بڑھے۔ کوئی نمبر ڈائل کیا اور متوجہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔

"ہاں۔ مظاہر بات کر رہا ہوں۔ کیا اس نمبر پر آج دو ریسیور لگ چکی۔ اچھا...... ٹھیک پلیز نمبر بتائیں۔ آٹھ بجے سے تین بجالیس ادھر آ گئیں۔ ہوں۔ جی بولیے۔"

انہوں نے قلم جیب سے نکالا اور فون کے قریب پڑے چھوٹے سے پیڈ پر کچھ لکھنے لگے۔

"ہوں...... ٹھیک ہے تھینک یو...... جعفری صاحب ہی بات کر رہے ہیں ناں......؟ اوکے تھینکس اے لوٹ......" انہوں نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا تھا۔ ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک آ گئی تھی۔ اور چال میں ایک جوش......

"پھوپھو پلیز...... آپ حوصلہ رکھیں وہ آ جائے گی۔ بس تھوڑا سا انتظار۔"

بڑی اماں منہ کھول کر مظاہر کی صورت دیکھنے لگیں۔

"یں......؟" عارفہ بھی رونا بھول کر چونک پڑیں۔

"ہاں بس ابھی پتا چل جاتا ہے اس کا ٹھکانا ان شاء اللہ۔"

"سچ کہو......" عارفہ بے یقینی سے ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

مظاہر بنا کچھ بولے تیزی سے باہر نکل گئے۔

"یہ کیا اسے لینے گیا ہے؟" وہ بڑی اماں سے پوچھنے لگیں۔

بڑی اماں نے ایک گہری سانس لی۔

"ربیا......! وہ میز پر میری تسبیح دھری ہے۔ پکڑانا" انہوں نے حیران پریشان ربیا کو مخاطب کیا جو فوراً میز کی سمت دوڑ گئی۔

{☆}

قمر النساء سارے راستے خاصے اعصابی تناؤ میں مبتلا رہی تھیں مگر اپنے گھر کے سامنے گاڑی رکتے دیکھ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

"تم نہیں سکتے تھے کہ گھر جا رہے ہیں۔ یہ بھی کوئی راز میں رکھنے والی بات تھی۔ راستے بھر میں پریشان رہی۔" انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے پاشا سے قدرے ناراض انداز میں کہا۔

"اب کسی کو خوامخواہ پریشان ہونے کا شوق ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ ماں کو کسی غلط جگہ تو نہیں لے جا سکتا۔" اس نے بھی اپنے مخصوص اکھڑ انداز میں جواب دیا۔ اور گاڑی سے اتر کر مین گیٹ کا تالا کھولنے لگا۔

قمر النساء نے حیران پریشان سی ماہ نور کا ہاتھ تھام کر دھیرے سے دبایا۔ "چلو شکر ہے گھر لے آیا ہے اطمینان رکھو۔ اب کچھ نہ کچھ ہو سکتا ہے۔ تمہاری ماں کا گھر بھی یہاں سے نزدیک ہے۔"

ماہ نور چونک پڑی۔ وہ اپنے علاقے میں واپس آ چکی تھی۔ اسے اپنے اندر برقی رو دوڑتی محسوس ہوئی پاشا گیٹ کھول کر واپس آ چکا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ گاڑی آہستگی سے پورچ میں داخل ہوئی۔ وہ دونوں گاڑی سے اتر چکی تھیں۔ قمر النساء ماہ نور کو تھام کر گھر میں داخل ہو گئیں۔ اور اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھیں۔ اپنے چھوٹے سے پرس سے بیڈ روم کی چابی نکالی دروازہ کھولا اور پہلے ماہ نور کو اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ ڈمی کی طرح چلتی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی۔ اور کھڑے ہو کر بیڈ روم کا جائزہ لینے لگی۔

سادہ سا بیڈ روم تھا۔ ایک بیڈ۔ نماز کی چوکی۔ چار منقش کرسیاں۔ لائٹ گرین کارپٹ۔ ہم رنگ سفید پھولوں والے پردے۔ دیوار گیر وارڈ روب۔ اس کے علاوہ کوئی سامان نہیں تھا۔

"سکون تو اپنے ہی گھر میں ملتا ہے۔ وہاں سب کچھ تھا۔ کہہ رہا تھا اس کا اپنا گھر ہے۔ مگر پھر بھی اسی گھر کی بے چینی تھی۔ اب تم حوصلہ رکھو۔ رات بہت ہو گئی ہے ورنہ میں لڑکیوں میں سے کسی کو بلا لیتی۔ اگر چاہو تو نہا دھو لو۔ لڑکیوں کے کپڑے موجود ہیں آتی جاتی رہتی ہیں ناں اس لیے دو چار جوڑے ان کے یہیں پڑے رہتے ہیں۔ میں اتنے کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔"

انہوں نے وارڈ روب کھول کر ہینگر میں لٹکے کچھ کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ کپڑے ہیں ان میں سے جو مناسب سمجھو نہا کر پہن لو۔ اب تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔" وہ اسے وارڈ روب کے سامنے کھڑا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

وہ بت کی طرح ایستادہ تھی۔ ذہن بالکل ساتھ چھوڑے ہوئے تھا۔ خالی خالی نظروں سے کپڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ ذہن تو کہیں دور کی پرواز پر تھا۔ اور صرف ایک نقطے پر جما ہوا تھا۔ نانی امی کی آواز...... اب یہ تمہاری قسمت۔ بڑے آرام سے انہوں نے اس کی جدائی برداشت کر لی۔ کیا وہ سب اس کی خاطر دنیا کی باتیں برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

ایک لفنگا آزری کے ساتھ عمر بھر ساتھ رہنے کی تاکید کرنے لگے۔

یہ خون کے رشتوں کا رنگ ہے۔ غیروں کو کیا ملامت؟

میرا کیا قصور۔ میں کیوں راندۂ درگاہ ٹھہری......؟ کیا میری کھلی کتاب جیسی زندگی ان کے سامنے نہیں؟ مجھے زندگی کے

سب سے کڑے وقت میں تنہا چھوڑ دیا گیا۔

اور میرے ماں باپ؟ ماں باپ جن پر قربانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

میں کہاں جاؤں کسے اپنا کہوں۔ ثابت تو یہ ہوا کہ اس دنیا میں کوئی اپنا نہیں ہوتا۔ اتنی آسانی سے بھیڑیے کے چنگل میں دے دیا۔

اگر میں مر بھی جاؤں تو کسی کو کیا۔

ان سب اپنوں سے تو یہ کچل موت اچھی رہی۔ جو دل جوئی بھی کر رہی ہے اور نجات کے راستے بھی دکھا رہی ہے۔ آنسو بھی پونچھ رہی ہے ہمیشہ ساتھ نبھانے کے وعدے بھی کر رہی ہے۔ میرا اس سے کیا تعلق ہے؟ ایک انسانیت کا رشتہ۔

زندگی کے اس اندھیرے میں مجھے کس طرف قدم اٹھانا چاہیے؟

یکدم فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ خیالات کی رو بھی رک گئی۔

چند لمحوں بعد پاشا کی آواز آنے لگی۔

"سب چلے گئے تھے ماں وہاں سے۔ ہاں ٹھیک ہے۔ تھینکس گاڈ...... ہاں ہم لوگ آج باہر ہی رہتا...... شکر ہے کوئی بندہ ان کے ہاتھ نہیں لگا۔ تم لوگوں کا کوئی بھروسہ بھی نہیں ہوتا۔ جب تک میں نہ کہوں کوئی اس گھر میں قدم نہ رکھے۔ سسٹر کو ڈراپ کر دیا تھا ناں؟ اوکے۔ میرے اگلے فون کا انتظار کرو...... زمین پر ہی ہوں۔" وہ جھلا کر کہہ رہا تھا اور پھر اس کی آواز بند ہو گئی۔

"میں فی الحال زمین پر ہی ہوں مگر ماں نے زمین کے اندر اترنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔" وہ بلند آواز سے بڑبڑا رہا تھا۔

"خیریت...... کس کا فون تھا۔" قمر النساء کی آواز آئی۔

"جہاں کچھ دیر پہلے ہم موجود تھے وہاں ریڈ ہوئی تھی۔ ایسا ہونا ناممکن تھا مگر آپ نے ممکن بنا دیا تھا۔ پہنچ گیا تھا اس کا سورما کزن۔ اس شخص کا کچھ کرنا پڑے گا۔ واری کی بات بھی نہیں مانتا...... حالانکہ کتنی عقل مند واری ہے اماں! آپ اسے نکاح کے لئے تیار کرو...... ورنہ اسے اپنے ہونہار کزن کو کھونا پڑے گا۔ پھر کیا کرے گی سمجھائیں اسے۔"

"اس بے چارے نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو اس کی جان کے دشمن ہو رہے ہو۔" قمر النساء کی آواز آئی۔

"بگاڑا نہیں تو بگاڑ دے گا۔ بڑا سچا عاشق ہے جان کی بازی لگا رہا ہے۔ حالانکہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ٹاکرا کس سے ہے۔ آپ اسے سمجھائیں۔ ورنہ بعد میں مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے گویا دھمکی دی۔

"کیا سمجھاؤں؟" قمر النساء چڑ کر پوچھ رہی تھی۔

"یہی کہ مجھے فوراً ایپروچ کرنا ہے اب اگر وہ مزاحمت کرے گی تو ایک آدھ اپنے سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔"

ماہ نور کا دل دھک سے رہ گیا۔ "اپنے" اب تو خیر یہ لفظ اجنبی لگنے لگا ہے اس نے سوچا۔

"اللہ کو مانو پاشا...... انسانی جان اتنی سستی نہیں ہوتی۔" قمر النساء دہل کر بولی تھیں۔ پاشا کی آواز آنا بند ہو گئی تھی شاید وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

"ارے تم ابھی تک اسی طرح کھڑی ہوئی ہو۔" قمر النساء جانے کب آ گئی تھی۔

"لو میں خود نکال دیتی ہوں کوئی سوٹ۔" انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ایک سوٹ اتارا اور اسے تھما دیا۔

"جاؤ نہا دھو لو...... پھر کھانا کھا لینا۔ چلو شاباش۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا "یہ سامنے باتھ روم ہے۔" ماہ

نور روبوٹ کی طرح چلتی ہوئی باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

❴☆❵

قمر النساء کے پہلو میں لیٹی وہ بس ایک ٹک چھت کو گھورے جا رہی تھی۔ ذہن جیسے ایک دم خالی تھا۔ وہ دن بھر کی وحشت بھی نہیں تھی۔ قمر النساء کے چہرے پر نظر ڈال کر ایک تسلی سی ہو جاتی تھی۔ اسی دم ٹیلی فون کی گھنٹی بجنا شروع ہو گئی۔ اور ذہن میں خیالات کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔

"توبہ کتنی گہری نیند سو رہا ہے حالانکہ فون سرہانے ہی رکھا ہو گا۔ بس جب گھر میں ہوتا ہے۔ ساری رات فون کی گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں معلوم سارا پاکستان اسی کے کندھوں پر کھڑا ہے۔" قمر النساء غنودگی میں بڑبڑائی تھیں۔ وہ کروٹ بدل کر دوبارہ سو چکی تھیں۔

مگر اس کا ذہن جاگ رہا تھا۔

کیا کر رہی ہوں گی امی؟

پتا نہیں ابان جان کی طبیعت کیسی ہو گی۔

شمسہ نہ معلوم کتنا روئی ہو گی۔

ماں امی اتنی بڑی بات خود سے کیسے کر سکتی ہیں۔ یقیناً پہلے امی اور ابان جان سے کوئی بات ہوئی ہو گی۔ کیسے یقین دلاؤں خود کو ماں باپ تو ایسے نہیں ہوتے۔

مگر شاید وہ لوگ بھی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ کہ دوسری لڑکیاں بھی ارمان لیے بیٹھی ہیں۔ شاید لوگ کسی اغوا شدہ لڑکی کے گھر میں رشتہ نہیں دیتے ہوں گے ایک انسان کی وجہ سے اتنے بہت سے انسانوں کا نقصان تو نہیں ہونا چاہیے۔

کس طرح ختم کرے خود کو...... زہر کہاں سے لائے؟ خود سے پھندا ٹھیک سے لگے یا نہیں؟ بلیڈ سے اپنی شہ رگ کاٹ ڈالے...... بلیڈ کہاں سے لائے؟ بھاگ جائے بے سہاروں کے کسی مرکز میں پناہ لے لے؟ اس نے قمر النساء کی طرف گردن موڑ کر دیکھا وہ بہت گہری نیند سو رہی تھیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ کل رات سو نہیں سکی تھیں۔ یہی سوچتی رہیں وہ انہیں کہاں لے کر جائے گا۔

وہ آہستگی سے بیڈ سے اٹھ آئی۔

اور دروازہ کھول کر باہر جھانکا تھا۔ کاریڈور کی لائٹ جل رہی تھیں۔ وہ ننگے پاؤں باہر چلی آئی۔ کاریڈور عبور کر کے بیرونی گیٹ کی طرف جانا چاہتی تھی مگر سخت مایوسی ہوئی وہاں خوب وزنی تالا جھول رہا تھا۔ اس نے چند سیکنڈ کھڑے ہو کر گہرے گہرے سانس لیے کچھ سوچنے لگی۔

کچن میں چھری تو ہو گی۔ پتا نہیں نیند بھی ہو گی یا نہیں۔ اور یہ کچن کس طرف ہے؟

وہ لاؤنج کی طرف بڑھ گئی۔ لاؤنج میں پہنچ کر چاروں طرف دیکھا تین دروازے نظر آئے ایک دروازہ کھولا تو وہ باتھ روم تھا۔ دوسرا کھولا تو سٹور نمبر دو کھولا تو کچن تھا۔ اس نے سوئچ بورڈ تلاش کیا جو بائیں طرف نظر آ گیا۔ کاریڈور کی روشنی کچن تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے لائٹ جلائی کچن جگمگ کر رہا تھا اور قمر النساء کی نفاست کا اعلان کر رہا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ سنک کے پاس ہی چھری نظر آ گئی۔ اس نے لپک کر اٹھائی مگر ایک دم ہی وہ دو مضبوط بازوؤں کی گرفت میں تھی۔

"نہ...... نہ...... نہ میری جان...... یہ نہیں...... کافی دیر سے دیکھ رہا تھا کہ آخر آپ کیا کرنا چاہتی ہیں کچن میں آ گئیں

تو سوچا۔ بندے بندے کو بھوک بھی لگتی ہے مگر ایک کھٹک تو تھی۔ یہ لوگ بہت شریف ہیں۔ کوئی خطرہ بھی ہو سکتا ہے، اور وہی ہوا۔"

پاشا نے چھری اس کے ہاتھ سے لے لی۔ اور اسے تھامے ہوئے باہر لے آیا۔ اچانک حملے سے ماہ نور کی ٹانگیں ابھی تک کانپ رہی تھیں۔

پاشا نے اسے صوفے پر بٹھا دیا پھر لاؤنج کی لائٹ جلائی۔

"جی جناب۔ ویسے ماشاء اللہ بڑی بہادر ہیں۔ آپ شاید بھول گئیں۔ ہم نے سمجھا دیا تھا کہ آپ کو کچھ ہوا تو آپ کے گھرانے پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ مجھے زندہ سلامت ماہ نور چاہیے مجھے اس کے ساتھ زندہ رہنا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی مرنا ہے۔ آخر محبت زندہ باد۔" وہ اس کے مقابل بیٹھا بڑی شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

وہ گم صم چترائی اس کی صورت دیکھے جا رہی تھی۔ یا اللہ۔ کیا ہے یہ شخص؟

"دو دن سے شیو نہیں بنائی۔ بہرحال دیکھے جانے کے قابل ہے صورت۔ کیا خیال ہے؟ ویسے آپ تو شاید پہلی مرتبہ غور سے دیکھ رہی ہیں یہ مکھڑا...... کیسا ہے؟"

ماہ نور نے یکدم چونک کر نظریں جھکا لیں۔

"کاش آپ کے دل میں آ جائیں تو وہیں رکھ لیا کریں۔" وہ بڑے انداز سے مسکرا رہا تھا۔

"آئندہ اس قسم کے اقدام کا سوچیے گا بھی نہیں۔ آپ تو چلی جائیں گی اور آپ کے گھر والے مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ پہلے ان ہی کا سوچ لیجیے۔" وہ یکدم سنجیدہ ہو گیا۔

"ویسے آپ کو اس گھر میں دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔ تصور میں تو بارہا دیکھا ہے۔ کل آپ کو دلہن بننا ہے۔ کل کتنی دیر میں آنی ہے۔ آہ...... ہا......" وہ مزید ایزی ہو کر بیٹھ گیا۔

"وہ آپ کے عاشق نامدار نے بڑی افراتفری مچائی ہوئی ہے۔ ورنہ اور صبر کر سکتے تھے۔ چلیں اب آپ جا کر آرام سے سو جائیں۔ ورنہ...... بنانے والے نے کیا صورت بنائی ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ دلکشی کا راز کیا ہے۔ ایک مقناطیس کی طرح دل کو کھینچتی ہے۔ ویسے شاباش ہے اتنا کچھ سن کر بھی کچھ بولنے کی تحریک پیدا نہیں ہوئی؟ بالکل پورٹریٹ محسوس ہو رہی ہیں۔ سبحان اللہ۔"

"بہروں کے سامنے بولنے کا فائدہ؟" وہ ایک دم سلگ کر بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرے خیال میں میں نے یہ جملہ سن لیا ہے شاید سماعت بحال ہو گئی ہے۔" جان جلانے والی مسکراہٹ تھی۔

"بہرحال آپ آرام فرمائیں۔ مزید تاکید کی تو شاید اب ضرورت نہیں ہے۔ ویسے ایک اور بات۔ یہ کلر آپ کو بہت سوٹ کر رہا ہے۔" اس نے ڈارک اورنج کلر کے سوٹ میں ملبوس ماہ نور کو بڑی بے باک نظروں سے دیکھا۔ ماہ نور کو رونا آ گیا۔ جیسے کوئی سربازار بے پردہ کر رہا ہو۔

"ماں کے بڑے فائدے ہیں اب تو آ گئی سمجھ۔ بے زر نہیں لگ رہا؟ اماں سو گئیں ورنہ آج میں ان کے پاؤں ضرور دباتا۔ مجھ سے کوئی اکثر بات نہیں کرتا۔ ماں دل کھول کر خفا ہوتی ہے تو بڑی پیاری لگتی ہے اب تو اور بھی پیار آ رہا ہے۔ ماہ نور میرے گھر میں چل پھر رہی ہے۔ کچن سے چھری اٹھا رہی ہے۔ واہ......" وہ اٹھ کر اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

"ویسے مجھے وہ خواتین شروع ہی سے اچھی لگتی ہیں جو بہت کم بولتی ہیں۔"

عین اسی لمحے قمر النساء نیند میں بھوتی ڈولتی لاؤنج میں داخل ہوئیں اور جیسے ساری نیند جھٹک سے اڑ گئی تھی۔ انہوں نے ماہ نور کا ہاتھ پکڑ کر خود سے قریب کیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ ماں کا بھی لحاظ نہیں۔"

"واقعی بڑی ہی غلط فہمی رہتی ہے۔ آپ اچھی ماں تو ہیں۔ مگر اچھی پہرے دار نہیں۔ محترمہ پہلے تو فرار کے راستے ڈھونڈتی رہی۔ پھر کچن میں آ کر چھری سے اپنا کام تمام کرنے لگیں کہ عین وقت پہ میں سر پر پہنچ گیا پہلے تو میرا ارادہ نہیں تھا۔ میں سوچ رہا تھا شاید بھوک لگی ہے اس لیے کچن میں جا رہی ہیں۔"

قمر النساء نے ماہ نور کو کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔

"یہ کیا کرنے لگی تھی۔ جانتی نہیں حرام موت مردود کی ہوتی ہے۔ کوئی ایصال ثواب نہیں پہنچتا اس کو۔ قیامت تک خدا کی مار پھٹکی۔ یہ چار دن کی زندگی اور وہ ہمیشہ کی۔ بے وقوف ہی چھوٹے فائدے کے لیے بڑے نقصان پر راضی ہوتا ہے۔ کہا تو ہے میں تیری ماں ہوں۔ تیرے ساتھ ہوں۔ اعتبار نہیں کیے پر؟ اوے میں تو یونہی مر جاتی۔" وہ اسے پیار کرنے لگیں۔

"پیار تو ہے تجھ پر...... حقیقت ہے۔ مگر اس کا یہ عمل نہیں۔ یہ تو مایوسی ہے اور مایوسی کفر ہے۔ چلو آرام کرو۔ شاباش۔" وہ اسے لے کر اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئیں۔

پاشا لائٹ آف کر رہا تھا۔

﴿☆﴾

"ہوئی کوئی کامیابی؟" اظہر مظاہر سے پوچھ رہے تھے۔

"ہو جائے گی۔ عجیب ملک ہے۔ ایماندار پست اور کرپٹ مضبوط۔ ایک اعلیٰ افسر سے بات ہو رہی تھی تو فرمانے لگے۔ وہ بڑا اسمگلر ہے بڑے بڑے کام کرتا ہے اسے اتنی فرصت کہاں کہ ایک عام سی لڑکی کو اغوا کر کے اپنا وقت ضائع کرے۔ آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"رابطہ ٹھیک جگہ ہوئی تھی مگر وہ بہت ہوشیار ہے۔ میرے خیال میں وہ فون اس کی لاعلمی میں ہوا تھا۔ اور بعد میں اس کے کسی کرکے نے اسے اطلاع دی تھی۔ ہر جگہ چیبر لگا کر اس نے اپنے بندے بٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آئی جی میں کوئی اس کا اپنا بندہ ہو اور اس نے اسے اطلاع دے دی ہو۔ حالانکہ ریڈ کرنے میں تاخیر نہیں ہوئی مگر جب وہاں پہنچے تو کوئی نہیں تھا۔ پوری کوٹھی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یہ بات طے ہے کہ وہ کوٹھی اس کی اپنی ہے۔ اس کا اڈہ۔ وہ سارے مہرے وہیں بیٹھ کر کھیلتا ہے۔ مسلسل نگرانی تو ہو رہی ہے۔ ایک تو بڑی اماں نے پیچیدگی پیدا کر دی۔ اسے کھلی فرصت میں اس اون کر دیا اور ہو سکتا ہے وہ بے وقوف کم ہمت لڑکی اپنی جان پر بنا بیٹھی ہو۔"

مظاہر کے چہرے پر الجھن و پریشانی صاف ظاہر تھی۔

"ہاں۔ اصل میں ہم دنیا سے بہت ڈرتے ہیں۔" اظہر نے افسردہ انداز میں کہا۔

"اور دنیا نے کیا دینا ہوتا ہے۔ یہاں تو سگے والدین بھی دغا دے جاتے ہیں۔" مظاہر کا لہجہ زہریلا ہو رہا تھا۔ اظہر خاموشی سے ہو کر رہ گئے۔

"چھوڑو۔ گزری پر کڑھنے کا کیا فائدہ۔" وہ بولے۔

"آپ دیکھیے گا وہ مر جائے گی۔ نہ دل ہے نہ کونفیڈنس۔ اور اس پر قیامت کہ انہوں نے ٹھکرانے میں دیر نہیں لگائی۔" مظاہر نے جیسے بہت دلسوزی سے کہا۔ "میرے علاوہ کسی نے بھی تو نہیں کہا کہ اس کی واپسی میں کوئی حرج نہیں۔"

"بڑی اماں نے اس دنیا میں ایک عمر گزاری ہے۔ جو وہ سوچ سکتی ہیں اور کسی بات کے جتنے پہلو ان کے سامنے آ سکتے

ہیں ہم دواپر وچ نہیں کر سکتے۔" اطہر نے بہت نپے تلے الفاظ ادا کیے۔

"انسانی زندگی سے اہم بات اہم پہلو کوئی نہیں ہوتا۔" وہ قطعی لہجے میں بولے۔

"ہاں...... بالکل۔ دسیوں جانیں رکھی ہیں آگے۔ ایک زندگی کے مقابلے میں وہ تمہیں نظر نہیں آ رہیں۔" بڑا ماں کسی کام سے مظاہر کے کمرے میں داخل ہوئیں تو مظاہر کے جملے پر جل کر کہا۔

"جب کوئی کنواری بچی رات گھر سے باہر گزار دے تو پھر پیچھے کچھ نہیں رہتا۔ یہ تو اس اندھیرے میں روشنی کی سی بات ہے کہ وہ عمر بھر اسے پاس رکھنا چاہتا ہے اتنا بھرم تو ہے کہ ایک مرد کے پلے بندھ گئی ہے۔" انہوں نے مظاہر کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری سمجھ سے بالاتر ہے کسی کی زبردستی پر سمجھوتا۔"

"ہاں بس اب تم سمجھنا چھوڑ دو۔" انہوں نے چڑ کر کہا اور پھر اطہر کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"تمہارے تایا ابا کا فون آیا تھا کہ کوئی لڑکا فارغ ہو تو صبح بھیج دینا۔ ڈاکٹر نے اسپتال داخل ہونے کو کہا ہے۔ اب یہ سب تو صبح چلے جاتے ہیں تم دیر سے جاتے ہو۔ تم ہی دیکھ لینا۔ بڑا صدمہ کیا ہے اس نے۔" وہ باہر نکلتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں۔

"بس صدمہ کرنا ہی آتا ہے۔" مظاہر نے گویا سسک کر کہا تھا۔

❖☆❖

"مون...... تمہیں ایک ضروری کام کرنا ہے۔ وہ مومل کو چیک اپ کے لئے لے جانا تھا۔ وہ ذاتی احمق ہے کہ تجسس سے بات بھی نہیں کر پاتی۔ تھر تھر کانپنے لگتی ہے۔ پچھلی مرتبہ مطمئن نہیں تھی کہہ رہی تھی کہ یہ لڑکی خطرے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ نارمل پراسس نہیں ہے۔ اس لیے اگلا چیک اپ جلدی کرانا ہے۔ میں نے تو ایڈوائزا اگنور کر دی تھی رات اللہ بارہ وہاں سے ہو کر آیا تو بتا رہا تھا کہ اس کی حالت بہت خراب ہے۔ دو زندگیوں کا مسئلہ ہے۔ دل نہیں مانتا کہ اگنور کیا جائے۔ اور تمہارے ڈیڈی کا کوئی بزنس ڈنر ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں مس نہیں کر سکتے۔ ورنہ میں خود ہی لے جاتی ہوں۔"

مون...... جیسے کسی الجھن میں پڑ گیا تھا۔ کتنے مان سے اب شاہانہ اس سے بات کرنے لگی تھیں۔

وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر شاہانہ کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"کیا ٹائمنگ ہے؟"

"تین سے چھ کے درمیان پہنچ جانا۔ یہ تو تم سمجھ ہی رہے ہو کہ میں ذرا نیو کو ادھر کا راستہ کیوں نہیں دکھا رہی۔ یہ چھوٹے طبقے کے لوگ ان کو بڑی فرصت ہوتی ہے چلتے پھرتے اخبار ہوتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں چلا جاؤں گا (اصولاً تو مجھے ہی جانا چاہیے)" اس نے ریسٹ واچ پر نظر ڈالی سہ پہر کے چار بج رہے تھے

"اب مجھے تو پارلر میں تین گھنٹے لگ جائیں گے۔ وہیں جا رہی ہوں۔" وہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔ مون نے اپنے حلیے پر نظر دوڑائی۔ پھر کسی قسم کی تیاری کے پروگرام کو خود ہی ملتوی کر دیا۔ سفید کاٹن کے شلوار سوٹ میں بے شمار شکنیں پڑی ہوئی تھیں اس نے پاؤں میں بلیک لیدر سلیپر پھنسائے اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔ ایسے حلیے میں شاید وہ زندگی میں پہلی بار گھر سے نکلا تھا۔

[illegible] بچہ۔ باپ میں کتنا جوش اور ولولہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس کیبن میں ایک خلفشار۔ ملامت۔ احساس جرم جیسے اعصاب شکن احساسات تھے۔ آنے والی نئی زندگی گویا ایک عذاب تھی۔ کوئی پدرانہ جذبہ بھولے سے بھی نہیں ابھرتا تھا۔

وہ بہت تھکے تھکے انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

اسی لیے اپارٹمنٹ تک پہنچنے میں خاصی دیر لگی۔

دروازہ مومل کی ماں نے کھولا تھا۔

"سلام مائی باپ۔" وہ فدویانہ انداز میں دوہری ہو کر کہہ رہی تھی۔

افلاس سے تھک ہی تو جاتا ہے۔ زندگی کے سارے ضابطے ایک طرف دھرے رہ جاتے ہیں۔ صرف پیٹ کی چیخ پکار ہوتی ہے۔

پیٹ میں گزرنے والی قیامت کا شور سنائی نہیں دیتا۔ عزت، غیرت، ناموس جیسے اپنے معنی ہی کھو دیتے ہیں۔ آرام سے ملنے والی پیٹ بھر روٹی۔ ہر شے پر حاوی ہو جاتی ہے۔ وہ اسے لے کر ڈرائینگ روم میں آ گئی تھی۔

"کون آیا ہے اماں...... ؟" کسی کونے سے مومل کی آواز آئی۔

"مون صاحب آئے ہیں۔ ادھر آ کر سلام بول۔" ماں نے تاکید کی۔

"کیوں آئے ہیں۔ ہم نے کیا ان کا قرضہ دینا ہے۔ ان کو بولا تھا اب نہیں آنا ادھر۔" وہاں سے ابھی دھاڑ کر بولی۔

مومل کی ماں کا چہرہ دہشت وخوف سے سفید پڑ گیا۔ اس نے گھبرا کر مون کی طرف دیکھا۔

"بے غیرت نہیں تو...... ایسا بولتے ہیں۔"

❖☆❖

مومل کی ماں جیسے تھر تھر کانپنے لگی۔

"اس کا جی اچھا نہیں ہے۔ اس واسطے بکواس کر رہی ہے۔ اس کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں مائی باپ" وہ گھگھیا کر بولی۔

"کوئی بات نہیں۔ تمہیں معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔ تم اسے بولو جلدی تیار ہو جائے۔ ٹائم نہیں ہے۔" اس نے گھڑی پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"کہیں نہیں جاؤں گی میں۔" وہ وہیں سے چلائی۔

مومل کی ماں نے بے بسی سے مون کی شکل دیکھی۔ "اس کا باپ آتا ہوگا۔ ابھی ٹھیک کر دے گا اسے۔" وہ خوشامدانہ انداز میں بولی۔

"میں خود نہیں آیا ہوں۔ ممی نے کہا ہے۔"

"کسی نے بھی کہا ہو مجھے تمہاری صورت ساری دنیا میں بری لگتی ہے۔" مومل کی آواز پر آنسو غالب آ گئے تھے۔

مومل کی ماں اتنی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی کہ وہ کچھ سمجھ نہیں سکا وہ اس طرف بڑھی تھی جہاں سے مومل کی آواز آ رہی تھی۔

"بجات (بدذات) حرام جادی۔" تڑاخ تڑاخ دو تھپڑ پڑنے کی آواز آئی۔

مون اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی سے "جانے دو خدارا" کی طرف بڑھا مومل کی ماں نے مومل کے بال مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے۔

مون نے آگے بڑھ کر اس کے بال چھڑائے

"ایسے نہیں کرو اس کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔" اس نے مومل کی ماں کو ایک طرف کیا۔

سبز اور سیاہ پرنٹ کے کلیجے سے کپڑوں میں وہ پلنگ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی اس کا جسم سوجے کی طرف مائل محسوس ہوا

"جلدی اٹھو دیر ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر اٹھ جائے گی۔" اس نے اس سے قدرے دور بیٹھے ہوئے کہا۔

"میری طرف سے مرے۔" اس میں ہو جتر کھا کر بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

"صاب آپ بیٹھو اس کا باپ آتا ہے۔ ابھی کھڑی ہو جائے گی۔" مول کی ماں نے اطمینان دلانے کی کوشش کی۔

مون نے چند لمحے کچھ سوچا پھر باہر چلا گیا۔ مول کی ماں بھی اس کے پیچھے پیچھے آئی تھی۔

"صاب! لسی پانی کچھ لاؤں؟" وہ دست بستہ پوچھ رہی تھی اور مون کے چہرے کے تاثرات سے کچھ سمجھنے کی بے سود کوشش کر رہی تھی خوف سے کلیجہ مسلسل کانپ رہا تھا۔

"صاب کو بہت برا لگا ہو گا ان کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو منہ توڑ دیتا حرام جادی کا جس کا کھاتی ہے ان پہ ہی غراتی ہے نمک حرام۔"

"صاب! اسکی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں آپ کا دیا کھاتے ہیں مائی باپ۔" وہ غلامی کی بدترین تصویر بنی کھڑی تھی

"کوئی کسی کا دیا نہیں کھاتا۔ سب کو اللہ رزق دیتا ہے۔ یہ گناہ کی باتیں ہیں۔"

"گناہ!" ایک ہتھوڑے کی ضرب اس کے ہونٹوں سے نکلی اور وجود کے اس حصے پر پڑی جہاں چوٹ پوری قوت سے محسوس ہوتی ہے۔

عورت مزید بدحواس ہو گئی اور ہاتھ باندھ کر اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"اس طرح مت بیٹھو جاؤ ای کے پاس میں دس پندرہ منٹ تمہارے مرد کا انتظار کرتا ہوں پھر چلا جاؤں گا اٹھو ادھر سے۔"

انسانیت کی اتنی تذلیل جیسے وہ بلبلا کر رہ گیا۔

عورت چپ چاپ اٹھ کر مول کے پاس چلی گئی۔

وہ پہلو بدل بدل کر گھڑی دیکھنے لگا۔

تقریباً دس منٹ کے انتظار کے بعد کال بیل بجی تھی۔ مول کی ماں تیزی سے باہر آ کر داخلی دروازے کی طرف لپکی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی مول کے باپ کی آواز آئی۔

"بڑی والا مزدور پے کا سیر ملا ہے وہ تو پتا نہیں کیا کلو طولے ہیں اب سیر کو سیر بولنے سرم (شرم) آوے لوگوں کو کلو بولنے سے کا چیج (چیز) بڑھتی ہو جاوے؟"

"اب چپ بھی ہو جا۔ مون صاحب آئے ہیں مول کو لینے واسطے۔" عورت نے سرگوشی میں ایک طرح سے گھر کا۔

"مول کو لینے واسطے؟ اب کہاں لے جائیں گے۔" مول کا باپ پریشانی سے بولا۔ ابھی تک اس کی نظر مون پر نہیں پڑی تھی۔

"چپ، یہیں بیٹھے ہیں۔ ڈاکٹر کے پاس لے جا رہے ہیں بیگم صاحب نے بھیجا ہے۔" عورت نے سرگوشی کی۔

مول کا باپ اندر آ گیا اور صوفے سلف کا تھیلا زمین پر رکھ کر ہاتھ باندھ کر سلام کرنے لگا۔

⟵............☆☆☆............⟶

مون نے سر کی جنبش سے جواب دیا۔

"کب سے بیٹھے ہیں تیری راہ دیکھ رہے ہیں" عورت بولی۔

"لے جائے اسے میں کیا منع کرنے کا مائی باپ ہیں ہمارے۔ ہماری جان بھی حاضر ہے۔ کتنا خیال کر رہی ہیں۔ بیگم صاحبہ دھکے مار کر نکال دیتیں تو ہم کیا کر لیتے؟" وہ اسی طرح ہاتھ باندھے ہوئے بولا۔

"وہ نچھری بیٹھی ہے۔ بولتی ہے میں نہیں جانے کی منہ زوری کر رہی ہے" عورت نے گویا شکایت کی۔

"لگائے ہوتے دو چار نخرے دکھا رہی ہے حرام خور۔ ارے ان کا دیا کھاتے پہنتے ہیں نواب جادی ہے کہیں کی؟ پیٹ بھر روٹی مل رہی ہے تو آنکھیں آسمان پر لگ گئی ہیں۔" مول کا باپ بڑبڑاتا ہوا مول کے ٹھکانے کی طرف بڑھا۔

"کیوں ری۔ کیوں منہ زوری کر رہی ہے؟ لاٹ صاحب کی اولاد ہے وہ بڑے کی متوں رحمان کوٹ کر جب ملے گی۔ صرف ایک روٹی تو پتا لگے گا آٹے دال کا بھاؤ۔ چل اٹھ وہ تیرے نوکر ہیں جو اپنے دھندے چھوڑ کر بیٹھے ہیں۔"

"میں نہیں جانے کی ڈاکٹر کے پاس۔ یہیں مرنے دو مجھے" مول کی ہٹ دھرمی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"مرے گی بھی تو نہیں اس طرح بے غیرت چل اٹھ" مول کے باپ نے غالباً اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تھا۔

"کچھ کر لو۔ میں نہیں جانے کی"۔ وہاں ایک ہی رٹ تھی۔

"بہت جبان لگ رہی ہے" مول کے باپ نے اسے دھنکنا شروع کر دیا مون ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"رہنے دو بابا! مت مارو اسے۔ میں چلتا ہوں بی خود لے جائیں گی"۔

"کیا بولیں گی بیگم صیب کہ ان کا حکم نہیں مانتی۔ اس کے تو اچھے بھی جائیں گے" مول کے باپ نے پھر دھنائی شروع کر دی مون کی بات سنی ان سنی ہو گئی تھی۔ ایک تو مول کی حالت دوسرے مردانہ ہاتھ سے دھنائی۔ مون بے اختیار آگے بڑھا تھا اس نے مول کے باپ کے چلتے ہاتھوں کو ایک ہاتھ سے روکا دوسرے ہاتھ سے مول کا بازو پکڑ کر اسے اٹھایا۔

"بس کرو میں کہہ رہا ہوں ایسا ضروری بھی نہیں حکم ماننا تمہیں لڑکی پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے حد ہوتی ہے جہالت کی۔

اس کے منہ سے بلا ارادہ یہ جملے نکلے تھے اور عتاب بن کر اسی پر جھپٹے تھے۔

"حد ہوتی ہے جہالت کی"۔

اس بوڑھے ناخواندہ سے بڑا جاہل تو وہ خود تھا جس نے انسانی اخلاقی ضابطوں کی دھجیاں اڑا دی تھیں۔

وہ بوڑھا تو اس عمر تک کسی قسم کی قانون شکنی کے الزام سے پاک تھا۔

نہ اس نے کبھی ڈرائیو کرتے ہوئے سگنل توڑا تھا۔

نہ دولت ٹیکس کی چوری کی تھی۔

اگر کبھی راشن رسید پہ کے لیے لائن میں کھڑا ہوا تھا تو بہت صبر سے اپنی باری کا انتظار کیا تھا۔

پیٹ کی بھڑکتی آگ نے بھی "لا اینڈ آرڈر" کا مسئلہ پیدا نہیں کیا تھا۔

معمولی سی قانون شکنی سے بھی اس کی زندگی پاک تھی کون جاہل تھا؟

اندر کی آواز بن آن کی آن میں اس کی توانائی چوس لیتی تھیں اس نے نڈھال سے انداز میں مول کو ایک طرف کیا اور بوڑھے کو تھام کر کمرے سے باہر لے گیا۔

"یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے کل بھی کے ساتھ چلی جائے گی۔"

"یہ غلط بات ہے۔ حکم نہیں مانتی بے غیرت۔ ایک تو آپ لوگوں نے ہمارے ساتھ مہربانی کی۔ ایسے برے وقت میں

چھبر دیا تمک حرام ہوگئی ہے"۔

سول کا باپ مالکوں کی خوشنودی کا یقین حاصل کرنے کے لیے اس سے بھی زیادہ بیٹی کی درگت بنا سکتا تھا۔

"اچھا بس چھوڑو ختم کرو اس قصے کو میں چلتا ہوں۔" وہ قدرے الجھ کر بولا تھا۔

"نہیں صاب! مالکن کا کہا پورا کریں۔ ورنہ وہ بہت ناراض ہوگی"۔

"میں انہیں سمجھا دوں گا"۔ اس نے تسلی دی۔

"چل اٹھ صاب جا رہے ہیں۔ جا کر سلام بول۔" سول کی ماں بیٹی کو تاکید کر رہی تھی۔ بالکل جوانی ورنہ جانے کہاں چھپی ہوئی تھی۔ اسے سلام کرنے حاضر ہوگئی تھی۔

"تم بولا کرو صاب کو سلام تمہارے صاحب ہیں۔ یہ میرے نہیں"۔

دونوں میاں بیوی یکدم پھر ستانے میں رہ گئے تھے وہ ایکی تو نہیں تھی یا اور کسی کے سامنے تو اس کی بات کے زاویئے یہ نہیں ہوتے؟ کیوں کرتی ہے یہ سون صاحب سے بدتمیزی اور وہ اسے کیوں نہیں جھڑکتے؟ دونوں اپنی اپنی جگہ اپنی اپنی سوچ کے جال میں تھے۔

مار کر دیکھ لیا تھا۔ ڈانٹ کر دیکھ لیا تھا اور کیا کریں اس کے ساتھ؟

رات کے اس واقعے کے بعد قمر النساء نے اسے پاشا کے سامنے نہیں پڑنے دیا تھا۔ ہر ضرورت کی شے اسے خواب گاہ ہی میں حاصل تھی۔

تھوڑی دیر قبل وہ کچھ اخبار رسالے بستر پر ڈال گئی تھیں۔ وہ غائب دماغی کے ساتھ یونہی ورق گردانی کر رہی تھی کہ دروازہ کھلا اور ایک بڑی دلکش اور جامہ زیب لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ بازوؤں میں گول مٹول سا بچہ بائیں شانے پر جھولتا ہوا سا لیدر بیگ وہ جتنی تیزی کمرے میں داخل ہوئی تھی اتنی تیزی سے دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"السلام علیکم جی!" اس نے بڑے پرتکلف انداز میں ماہ نور کو سلام کیا وہ اپنی حیرت چھپانے میں ناکام تھی۔

"اماں کہاں ہیں؟" وہ دروازے ہی کے قریب کھڑی دریافت کر رہی تھی۔

"یہیں کہیں ہوں گی"۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئی تھی اور سمجھ بھی گئی تھی کہ پاشا کی کون سی بہن ہوگی وہ بہنوں کو تو اس نے دیکھا ہوا تھا ان میں مل بھی رہی تھی۔

"آپ۔ آپ کی تعریف؟" وہ بہت الجھن میں نظر آئی۔

"اپنی اماں ہی سے پوچھ لیجئے۔" اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔ محسوس ہوئے دراں کوئی تلخی سی تھی۔

لڑکی اسی الجھن میں الٹے قدموں چلتی کمرے سے باہر ہوگئی۔ ماہ نور کئی سوچیں گھیرنے لگیں۔

"ایسے انسان کی بہنوں کے کیا ٹھاٹھ ہیں۔ فرلیش، نزرتار، معزز بلند قامت ہم نے کیا اس کی خدائی میں قتل عام مچا رہا تھا؟ اس کے بجائے کوئی اور خدا مان لیا تھا؟

قسمت کے اندھیرے ذلت محرومی شکست تا حد نگاہ صرف تاریکی انہوں نے کون سا ولایت پیغمبری کے بوجھ اٹھائے تھے جو ان کی قسمت میں ہر طرح کا آرام اور عزت ہے؟" کیسی کیسی کافر سوچوں نے یلغار کی تھی۔

سوچ کر پھر ندامت بھی بری طرح ہوئی کہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عجب احساس بے بسی تھا۔

جانے قمر النساء کب کمرے میں آگئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بے اختیار اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

"بری بات ہے بیٹی! یوں ہلکان نہ کرو خود کو۔ انشاء اللہ کوئی نہ کوئی راستہ اس اندھیرے میں وہ دکھائے گا"۔ انہوں نے بہت محبت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"تم مجھے صبر دو اپنی ماں کا۔ میں موقع ملتے ہی ان سے رابطہ کروں گی کیوں پریشان ہو رہی ہو؟ حوصلہ کرو بیٹی! ہمت ہارنے سے تو بنے کام بھی بگڑ جاتے ہیں۔ ابھی کمرے میں مدیحہ آئی تھی؟ میری بیٹی ہے پاشا کے بعد آتا ہے اس کا نمبر۔ دو ماہ کی ہو رہی تھی اس لیے گیٹ کھلا ہوا تھا مجھے اس کے آنے کا پتہ نہ چلا۔ میں اوپر کپڑے اتارنے گئی تھی۔ دوڑی سے چھت پر پڑے ہوئے تھے پوچھ رہی تھی کہ اماں آپ کے کمرے میں کون ہے۔؟

میں نے کہا اندر آ جاؤ تو بتا دیتی ہوں۔ آ رہی ہے بچے کو فیڈ کر رہی ہے۔ اسی طرح آ جاتی ہے۔ ذرا نیند چھوڑ جاتا ہے میاں کو رات میں فرصت ہوتی ہے تو آ کر لے جاتا ہے۔ ابھی اس کے پاس ایک ہی بچہ ہے اس لیے ذرا فرصت دوسری بہنوں سے زیادہ مل جاتی ہے۔ اس لیے جلدی جلدی میرے پاس آ جاتی ہے۔ سسرال تو چنڈی میں ہے۔ یہاں اکیلی ہی ہوتی ہے۔ میرے پاس آ جاتی ہے تو اس کا جی بھی بہل جاتا ہے اور میرا بھی"۔

گویا وہ بیٹی کو تفصیل سے متعارف کرا رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ اس کے آنسو بھی پونچھ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد مدیحہ بچے کو گود میں لیے ہوئے اندر داخل ہوئی اور سر سے ماہ نور کو حیرت سے دیکھتے ہوئے ماں سے مخاطب ہوئی۔

"اماں! آپ کو بھائی بلا رہے ہیں کچھ مہمان آئے ہیں ان کے دیکھ لیں جا کر"۔

"اس کے مہمانوں کا مجھ سے کیا کام"۔ وہ قدرے ناگواری سے بولیں۔

"آپ ان کی بات تو سن لیں"۔ وہ ماں سے مخاطب تھی مگر نظریں ماہ نور پر تھیں۔

"اچھا تم بیٹھو۔ میں آتی ہوں"۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اچھا اب رونا مت۔ مدیحہ سے باتیں کرو میں دیکھوں تو کیا کہہ رہا ہے"۔ وہ کہتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

"میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ اماں بھی کچھ نہیں بتا رہیں"۔ مدیحہ بستر پر اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

ماہ نور نے اس کی طرف ایک اچٹتی سی نگاہ کی۔

"پہچانیں گی بھی کیسے۔ خواب میں بھی دیکھا ہو تو وہ دوسری بات"۔ اس کی زبان جیسے تلخی سے دھل گئی تھی۔ لہجہ خود بخود زہریلا ہو جاتا تھا۔

مدیحہ نے چونک کر اس کی صورت دیکھی پہلی ملاقات میں تکلف ضرور ہوتا ہے۔ تلخی چہ معنی؟

"میں البتہ آپ کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ آپ اس گھر کی بیٹی ہیں ایک آوارہ اور کرپٹ انسان کی خوش قسمت بہن ہیں جو اتنی بہنوں کا بھائی ہو کر بھی غیرت سے عاری ہے اور اس سے زیادہ مجھے کچھ جاننے کی ضرورت نہیں ہے"۔

مدیحہ ہکا بکا منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ ہیں کون؟" اس بار اس کا لہجہ بھی تلخ اور جھنجھلایا ہوا تھا۔

"کبھی کچھ تھی اب کچھ نہیں ہوں نہ مردہ۔ نہ زندہ ایک مٹی کا بت جو ایک درندے کے چنگل میں ہے جو اسے ضرب لگا کر ریزہ ریزہ کر رہا ہے۔" بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی۔

مدیحہ جیسے سناٹے میں رہ گئی تھی۔ جیسے کوئی سوال ہی نہ رہا تھا کرنے کو۔ وہ آنکھیں پھاڑے ماہ نور کو تکے جا رہی تھی جو کچھ ماہ نور نے اس سے کہا تھا وہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا بچہ اس کی گود میں مچلنے لگا تو وہ اسے تھپکنے لگی مگر اس کی نظریں ماہ نور کے چہرے سے نہیں ہٹی تھیں۔

اسی آن پاشا کی آواز کھلے دروازے سے کمرے میں داخل ہوئی۔

"بہت وقت دے دیا۔ اب کوئی مارجن نہیں۔ کاغذی کارروائی مکمل ہے صرف انہیں دستخط کرنا ہیں"۔

"لیکن۔" قمر النساء کی دبی دبی آواز ابھری۔

"لیکن ویکن بہت ہو چکا اماں۔ دیکھیں اب اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو میں لبنیٰ میں اسے بغیر نکاح کے زبردستی اپنے ساتھ رکھوں گا اور جو اس نے غیرت دکھانے کی کوشش کی تو میں اس مظاہر کے گھر کو آگ لگوا دوں گا وہ بھی اس وقت جب گھر کے سارے افراد گھر کے اندر ہوں گے۔"

اس کے لہجے میں درندوں کی سی غراہٹ تھی۔

ماہ نور ایک مرتبہ پھر تھرا گئی تھی۔ مدیحہ یکدم جو اس باختہ سی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور ماہ نور کو گھورتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

اس کے جاتے ہی قمر النساء اندر آ گئی تھیں۔

ان کے ہاتھ میں ایک زرتار بھاری سرخ دوپٹہ تھا۔ وہ بہت عجلت کے انداز میں اس کی طرف بڑھی تھیں اور دوپٹہ کھول کر اس کے وجود پر پھیلا دیا تھا اور اس کے مقابل بیٹھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"بیٹی اب دور تک کے نفع کا سودا کر لو یوں سوچ کہ اب بہت کچھ بس تمہارے ہاتھ میں ہے وہ دھمکیاں نہیں دیتا ہے جو کہتا ہے کرتا ہے نکاح تو تمہارا اب اسی سے ہی ہو سکتا ہے۔ تمہاری نانی بھی یہی سمجھا رہی تھیں کہ اب یہاں ہو یا تمہاری ماں کے گھر مگر وہاں جانے کے بعد ہنگامہ بہت بڑھ جائے گا خدانخواستہ کوئی بے گناہ جان بھی ضائع ہو سکتی ہے جو مجھے بھی نجات کا راستہ ہے۔

میں تمہیں اس کے ساتھ کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گی۔ جب تک زندگی ہے میں تمہارے ساتھ ہوں۔

بیٹا ایک حشر برپا ہے۔ ٹھنڈا ہو جائے گا میرے لیے یہ کوئی فخر و خوشی کی بات نہیں کہ کسی مجبور کو اور مجبور کر رہی ہوں مگر راستہ اب یہی ہے۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر پیشانی چوم لی۔

"اماں!" حیران پریشان مدیحہ پھر کمرے میں تھی۔

"تم آرام سے بیٹھو۔ اب بتاتی ہوں۔ تم پریشان مت ہو اچھا ماہ نور! میں بلاتی ہوں ان لوگوں کو بس تم دستخط کر دینا۔ ٹھیک ہے؟"

ماہ نور نے پتھرائی آنکھوں سے قمر النساء کی طرف دیکھا تھا وہ نظر چرا کر باہر چلی گئی تھیں۔

مدیحہ ہنوز ساکت کیفیت میں سرخ دوپٹے میں چھپی ماہ نور کو ایک ٹک گھورے جا رہی تھی۔

چند منٹ گزرے اور کچھ لوگ کمرے میں داخل ہوئے۔ مدیحہ جلدی سے بچہ سنبھال کر پاؤں اوپر کر کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"ماہ نور بنت طاہر علی! آپ کا نکاح بعوض دس لاکھ مہر معجل منہاج حسین پاشا بن اعجاز حسین پاشا سے ہونا طے پایا ہے آپ کی رضامندی مطلوب ہے"۔

"آپ اس سے دستخط لے لیں۔ وہ رضامندی ہی کے معنی ہیں۔" قمر النساء نے اس کے قریب بیٹھے ہوئے بہت دھیمی آواز میں کہا۔

فوراً ہی ایک قلم ماہ نور کے ہاتھ میں تھما دیا گیا۔

گویا زمین آسمان کی گردش تھم گئی کائنات پھر سے ساکت و بے آواز ہو گئی۔

"میں دستخط کر رہی ہوں اس فیصلے پر کہ دنیا میں میرا کسی انسان سے کوئی رشتہ نہیں نہ میرے والدین ہیں نہ بہن نہ کوئی اور رشتہ دار میں اپنا بے روح وجود غیر سے پہلے ایک بھیڑیے کو سونپتی ہوں اسے مزید پامالی کی اجازت نامہ دیتی ہوں۔

کوئی صاحب نشان دہی کرتے رہے وہ دستخط کرتی رہی۔ پھر کمرے میں مبارکباد کی آوازیں گونجنے لگیں وہ قمر النساء کو مبارکباد دے رہے تھے چند لمحے بعد سب لوگ کمرے سے باہر چلے گئے۔

قمر النساء نے انگلی سے اس کی تھوڑی چھو کر چہرہ اونچا کیا۔ وہ بغیر پلکیں جھپکائے سامنے دیوار پر دیکھ رہی تھی ہونٹ ایک دوسرے میں اس طرح پیوست تھے گویا اب کبھی نہیں کھلیں گے۔

سدا قمر النساء نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ وہ باقاعدہ آواز کے ساتھ رو رہی تھیں

"میں کس طرح کہوں کہ مجھے معاف کر دو۔ قتل کا خون بہا ہوتا ہے اور میں خون بہا بھی دے دیتی۔ اب سارے خدائی سونپ دوں تو مداوا نہیں۔ کاش میں مر گئی ہوتی یہ سب نہ دیکھتی۔ ہر ماں کی طرح خواب تو میں بھی بہو کے دیکھے تھے۔ میرا پھول گئی پر چمن لٹ گیا میری بیٹی! میری بچی"۔

"اماں پلیز!" مدیحہ بچے کو بیڈ پر بٹھا کر ماں کو ماہ نور سے الگ کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

قمر النساء خاموش ہو گئی تھیں مگر بدستور سسک رہی تھیں۔

"مدیحہ! صبیحہ اور ملیحہ کو فون کر کے بلا لو کہنا خود آنا۔ اپنے شوہروں کے ساتھ نہ آنا۔ آہستہ آہستہ ہی ان سے آنکھ ملا پاؤں گی۔ جاؤ بیٹی جلدی کرو۔" وہ بھرائی آواز میں کہہ رہی تھیں۔

"جو دیکھا ہے وہ بھی بتا دوں؟" وہ ماں سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں تب ہی وہ احتیاط کریں گی۔ جاؤ دیر نہ کرو۔" وہ بولیں۔

مدیحہ باہر چلی گئی۔ بچہ ماں کو باہر جاتا دیکھ کر رونے لگا۔ قمر النساء نے جھک کر اسے گود میں بھر لیا اور تھپکنے لگیں۔

ماہ نور نے زرتار دوپٹا اتار کر ایک طرف ڈال دیا اور لیٹ گئی۔ بازو آنکھوں پر رکھ لیا تھا وہ بالکل چپ لیٹی تھی۔

قمر النساء نے ایک نگاہ کی اور اٹھ کھڑی ہو گئیں۔

وہ باہر آئیں تو اسنیکس کی خوشبوؤں نے انہیں چونکا دیا جو ڈائننگ روم کی طرف سے آ رہی تھیں۔ غالباً احباب کی تواضع ہو رہی تھی۔

کچن میں ملازمہ موجود تھی وہ تین بجے چلی جاتی تھی۔ اسے شاید پاشا ہی نے روکا تھا انہوں نے کچن میں جھانکا ملازمہ ٹالی سنک میں چائے انڈیل رہی تھی۔ وہی برتنوں کے ڈونگے ٹرالی میں رکھے تھے۔

وہ واپس لاؤنج میں آ گئیں۔ جہاں مدیحہ فون پر بہت دھیمی آواز میں باتیں کر رہی تھی۔ اس نے لمحہ بھر کو آنکھ اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا تھا۔

وہ اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گئیں۔

تھوڑی دیر بعد مدیحہ نے فون بند کر دیا۔

"بھیا اور آپی کہہ رہی ہیں کہ ہم بس گھنٹہ بھر میں پہنچ جاتے ہیں"۔ اس نے ماں کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"اماں! مسئلہ کیا ہے؟" وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

قمر النساء چند لمحے بچے سے کھیلتی رہیں۔

"قسمت سے تمہیں بھاوج تو بہت اچھی مل گئی ہے۔ مگر جس طرح ملی ہے ساری زندگی گناہ بخشوانے پڑیں گے۔" وہ یہ کہہ کر اس کے مزید قریب ہو گئیں اور بہت اختصار سے اسے سب کچھ بتا دیا۔

ملیحہ نے یوں سینے پر ہاتھ رکھا تھا گویا دل کہیں نکل کر بھاگ رہا ہوں۔

"یہ 'وہی' ہیں جن کا ذکر بھیا اور آپی نے کیا تھا" اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ماں کا چہرہ دیکھا۔

"ہوں۔" وہ ہوں کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

مدیحہ خاموش ہو گئی جیسے کچھ سوچ رہی ہوں۔

"یہ تو بہت ظلم ہے اماں!" وہ کافی دیر بعد گویا ہوئی۔

"ایسا ہو گیا۔" قمر النساء نے بھی دکھ سے کہا۔

"ان کے بابوں نے اتنی جلدی ساتھ چھوڑ دیا یعنی ظلم پر ظلم۔ اپنے ایسے ہوتے ہیں؟" وہ بہت دکھ سے کہہ رہی تھی۔

"تم ابھی بچی ہو انہیں یہی کرنا تھا۔ کسی گھرانے کی لڑکی کا اغوا موت سے بھی بڑا حادثہ ہوتا ہے ایک خاندان جیسے تباہ ہو جاتا ہے۔ میں نے تو ان سے کہا تھا ہم لڑکی آپ کے پاس پہنچا کر عزت کے ساتھ بیاہ لاتے ہیں۔ مگر اس کا ماموں زاد پاسا کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ وہ ایسا ہونے نہیں دیتا۔ میری اس نانی سے بات ہوئی تھی۔ بے چاری بہت ڈری ہوئی تھیں۔ کچھ بعید بھی نہیں تھا کہ خون خرابا ہو جاتا۔ تم اپنے بھائی کو جانتی ہو۔" قمر النساء نے آزردگی سے کہا۔

"ہائے اماں!" مدیحہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

اسی دوران پاسا اندر داخل ہوا۔

"آپ لوگ چائے والے نفس! اسے بھی بلائیں۔" وہ چند لمحے دونوں کو بغور دیکھ کر باہر واپس پلٹ گیا۔

"دیکھی بے حسی؟ اپنی مراد پوری ہو گئی باقی سب بھاڑ میں جائیں۔" قمر النساء دل سوزی سے گویا ہوئیں۔

مدیحہ ہنوز گم صم کیفیت میں تھی۔

"اماں یہ کیا ہو گیا؟" وہ بے قراری سے بولی۔

قمر النساء خاموش رہیں ان کے پاس جیسے کوئی جواب نہ تھا۔

صبیحہ، ملیحہ بہت بدحواس اور بوکھلائی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تھیں۔ ڈرائنگ روم کے سامنے سے گزرتے ہوئے انہوں نے معزز مہمانوں کو بغور صحت اکھڑائے کرتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا اور بھائی کو بھی جو گہرے براؤن سک کے کرتے سفید شلوار اور اپنے مخصوص ریلیکس موڈ میں بہت خوش اور فریش نظر آ رہا تھا۔

لاؤنج میں سامنے ہی قمر النساء اور مدیحہ پر نظر پڑ گئی۔

قمر النساء اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

صبیحہ بازو پھیلا کر ماں کی طرف بڑھی تھی اور ماں کے گلے لگ کر بری طرح بلکنے لگی تھی۔

"بجیا پلیز ڈرائنگ روم میں مہمان بیٹھے ہیں۔" مدیحہ نے آگے بڑھ کر دونوں کو الگ کرنے کی کوشش کی۔

"ہاں بیٹی! چپ ہو جاؤ۔ کیا فائدہ رونے سے" قمر النساء نے بھرائی ہوئی آواز میں صبیحہ کو تسلی دینے لگیں۔

"اماں! ہمارا ایک بھائی۔ ہائے ہم کیا کریں۔ ہمارے ارمان"۔

"ہماری قسمت بیٹی" قمر النساء کی آنکھوں سے بھی چند قطرے بہہ نکلے۔

"اماں! دنیا کے بھائیوں کی بارات میں ہوتی ہیں۔ شگن ہوتے ہیں۔ اماں ہمارا بھائی ہائے اماں ہمارا بھائی۔"

"مر نہیں گیا آپ کا بھائی۔ پشت سے پاسا کی غضب ناک آواز آئی۔" گھر میں لوگ بیٹھے ہیں۔ یہاں ڈرامہ سوچ رہا ہے۔ سب مل کر رو لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر دروازے کھڑکیاں بند کر لیں پلیز۔" اس نے اتنا کہا اور باہر نکلتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔

"دیکھو بیٹی! جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب اس اندھیرے میں روشنی ڈھونڈو۔ میرے ساتھ آؤ وہ اکیلی بیٹھی ہے۔ اس کا سوچو اس بے گناہ پر کیا بیت رہی ہے۔"

وہ صبیحہ کو لے کر باہر نکلیں تو ملیحہ اور مدیحہ بھی پیچھے پیچھے آ گئیں۔

وہ چاروں آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئیں۔ ماہ نور نے بے تاثر نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"آج کل تو دلہنیں کوئی چل رہی ہیں۔ گھنٹہ بھر میں رنگ چڑھ جاتا ہے دلہن لگو اس کے ہاتھ پاؤں میں۔"

تینوں نے چونک کر ماں کی شکل دیکھی۔

"اب تم ہی نے اسے دلہن بنانا ہے۔ نکاح تو ہو گیا ہے۔" وہ بڑے سکون سے کہہ رہی تھی۔

صبیحہ نے آگے بڑھ کر ماہ نور کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"اف یہ خوشی! تمہیں مبارک باد بھی نہیں کہہ سکتے ہمیں معاف کر دینا۔" وہ پھر رونے لگی۔

"بھابھی کو پہنانا کیا ہے اماں؟" مدیحہ نے بہت آہستگی سے پوچھا تھا۔

"یہ الماری کے اوپر رکھا ہے ناں بریف کیس اس میں سب کچھ ہے بڑا ارمان تھا تمہارے بھائی کو۔ سب تیاری کی ہوئی ہے اس نے۔" قمر النساء نے بہت دکھ سے کہا تھا۔ کمرے میں پانچ نفوس موجود تھے مگر ماحول میں عجب وحشت تھی۔ ہر دل ایک انجانے سے ملال کی آنچ سے سلگ رہا تھا۔

"ماہ نور بیٹی! اٹھو کر غسل کر لو دیکھو۔ یہ تمہاری بہنیں تمہارے پاس ہیں اور ان شاء اللہ تم ہمیشہ انہیں اپنے ساتھ ہی پاؤ گی۔ اب تم ہم میں سے ہو الگ نہیں ہو۔ یہ گھر یہ سب لوگ تمہارے ہیں۔ تمہارے پاؤں کے نیچے زمین بھی ہے اور سر پہ آسمان بھی۔ سب سے بڑھ کر اللہ کی نگہبانی۔ تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ جس لڑکی کو اس طرح کا حادثہ پیش آئے اس پر کس طرح مصیبتوں کے در کھلتے جاتے ہیں مگر اللہ نے اس اندھیرے میں تمہیں روشنی دی ہے۔ میں تمہاری ماں ہوں تمہارے ساتھ تمہاری پانچ بہنیں ہیں جو تمہیں بہت محبت دیں گی۔ کبھی تو ملال نہیں ہونے دیں گی ان شاء اللہ۔ چلو شاباش غسل کر کے تیار ہو جاؤ۔ میں تمہارا ولیمہ دھوم دھام سے کروں گی۔ اپنے سب ملنے والوں اور رشتہ داروں کو بلاؤں گی۔ تمہیں وہی عزت دلاؤں گی جو کسی بھی بہو کا حق ہوتی ہے۔ ان شاء اللہ ایک دن تمہارے اپنے بھی تمہیں اپنانے آئیں گے۔ چلو اٹھو شاباش"۔

انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا۔

وہ بے چون و چرا ساتھ کھڑی ہوئی مگر کسی ڈمی کی طرح۔

مدیحہ نے بریف کیس اتار کر کھول بھی لیا تھا۔

عروسی سوٹ کا کپڑا اتنا نفیس اور نازک تھا کہ مٹھی میں آ جائے۔ کپڑے کا وزن تو پر کے برابر محسوس ہوتا تھا جسے دبکے اور ریشم کے کام سے بوجھل کیا گیا تھا۔ نہایت قیمتی سرخ عروسی سوٹ تھا۔ تینوں بہنوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر گویا سراہا تھا۔

"اماں کہہ رہی تھیں۔ بھائی کی وارڈ روب میں ولیمے کا غرارہ سوٹ ہے۔ گہرا جامنی رنگ ہے اور اس پر سیر بھر چاندی کا کام ہے۔ اس کے ساتھ پلاٹینم کی جیولری ہے۔" ماہ نور کے باتھ روم جاتے ہی مدیحہ نے سرگوشی میں بہنوں کو بتایا۔

"بہت بری طرح دل آیا ہے پاشا کا اس پر۔" صبیحہ نے گہری سانس لی اور بیٹھ گئی۔ "کاش یہ سب روایتی طریقے سے ہوتا جو کچھ ماہ نور کے ساتھ ہوا ہے اس کا ملال زندگی بھر اس کے ساتھ رہے گا۔ اسے بھلا ریشم و جواہرات سے بہلایا جا سکتا ہے؟" ملیحہ نے گہرے تاسف کے ساتھ کہا تھا۔

"اس بات کا شعور ہوتا تو آج ہم یوں دکھ کیوں اٹھاتے۔ اتنا سب کچھ ہوتے ہوئے زندگی میں خلا کیوں ہوتا۔" صبیحہ نے بھی بہت دکھ سے کہا تھا۔

"فریحہ اور افزیہ کو یہ سب نہ بتانا۔ وہ تو بالکل غیر لوگوں میں گئی ہیں۔ ابھی ان کا ٹھیک سے اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔" صبیحہ نے دونوں بہنوں سے کہا۔

"وہ پاشا کے کمرے سے ڈرائر لے آؤ۔ ماہ نور کے بال جلدی سوکھنے والے نہیں اور اس سے کہہ دینا مہندی کی کون لانے کے لیے۔"

صبیحہ نے ملیحہ سے کہا۔ وہ فوراً ہی باہر چلی گئی۔

"میں ذرا یہ کپڑے پریس کر کے لاتی ہوں۔ تم ادھر ہی رہنا۔" صبیحہ نے کپڑے اٹھا کر کہا اور مدیحہ خاموشی سے بیٹھ گئی تھوڑی دیر بعد ماہ نور باتھ روم سے آ گئی تھی اور کھڑکی کے پاس کھڑی ہو کر بال جھٹکنے لگی تھی۔ مدیحہ ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی ساتھ ہی بچے کو تھپک رہی تھی۔

ماہ نور نے بال جھٹک کر پیچھے کیے اور انگلیوں سے سلجھانے لگی۔ وہ بہت نکھری نکھری محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ابھی تک آنکھ اٹھا کر مدیحہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ کمرے میں گہرا سکوت تھا حتیٰ کہ بچہ بھی مدیحہ کی گود میں بالکل خاموش تھا پھر یہ سکوت ملیحہ کی کمرے میں آمد سے ٹوٹا۔

"بھابھی! آپ بال سلجھا کر مجھے دیتی جائیں۔ میں ڈرائیر سے خشک کرتی جاؤں گی۔" وہ ماہ نور کے قریب پہنچ کر بولی

"بھابھی؟" ماہ نور نے کسی دھیان سے چونک کر ملیحہ کی طرف دیکھا۔ کتنا خوب صورت لفظ مگر ہتھوڑے کی ضرب بن کر سماعت سے ٹکرایا تھا۔ ملیحہ نے ہیئر برش اسے تھمایا تھا۔

"آپ کے بال ماشاء اللہ بہت گھنے اور لمبے ہیں۔ انہیں تو ٹیکنیک سے ہی سلجھایا جا سکتا ہے اور وہ آپ ہی کو آتی ہوگی۔"

ماہ نور نے خاموشی سے اس کی سمت دیکھے بغیر برش اس کے ہاتھ سے لے لیا اور بال سلجھانے لگی۔

ملیحہ نے ڈرائیر کا پلگ لگایا اور کمرے میں ڈرائیر کے چلنے کی آواز گردش کرنے لگی۔ ماہ نور ہنوز کسی ڈمی کی تصویر پیش کر رہی تھی۔

"آپ کرسی پر بیٹھ جائیں۔ کھڑے کھڑے تھک جائیں گی۔" ڈرائیر کی شوں شوں کے بیچ ملیحہ کی آواز ابھری۔ ماہ نور

کسی معمول کی طرح نزدیکی کرسی پر بیٹھ گئی۔

ابھی یہ عمل جاری تھا کہ صبیحہ کپڑے لیے اندر آ گئی۔

"اماں گئی ہیں ڈرائیور کے ساتھ بازار مہندی اور چوڑیاں لینے کچھ اور ضروری چیزیں جو کپڑوں کے ساتھ ضروری تھیں۔" اس نے آتے ہی بتایا۔

"سونے کی چوڑیاں اور کنگن ہیں تو سہی۔" ملیحہ نے بیڈ پر بکھرے سامان کی طرف اشارہ کیا۔

"اماں کہہ رہی تھیں شیشے کی عروسی چوڑیاں بھی ہونا چاہئیں۔" صبیحہ نے قرینے سے کپڑے ہینگر کرتے ہوئے جواب دیا

"مہمان چلے گئے بجیا؟" مدیحہ نے صبیحہ سے پوچھا۔

"کہاں۔ سنا ہے مغرب کے بعد اور آئیں گے۔ ڈنر کا اہتمام ہے۔ کھانا کسی فائیو اسٹار ہوٹل سے تیار ہو کر آئے گا۔ ریکھ کر آ رہی ہوں لان میں ارینجمنٹ ہو رہی ہے۔ باقاعدہ ویڈیو بن رہی ہے۔" صبیحہ کے لہجے میں محسوس کی جانے والی تلخی تھی۔

"مزید اطلاع یہ ہے کہ ہمارے ہونہار بھائی بہنوئیوں کو فون کر کے ڈنر پر انوائیٹ کر چکے ہیں۔ ابھی سے سوچ لو۔ اپنے اپنے میاں کو کیا کہنا ہے۔" صبیحہ نے سابقہ انداز میں کہا۔

"ظاہر ہے انہیں اس بات سے کیا سروکار کہ ہم کسی مشکل میں پھنسیں مریں یا جئیں کیسا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ آخر بہنوئیوں سے بھی تو داد حاصل کرنا ضروری ہے۔" مدیحہ جل کر بولی۔

"ماہ نور! ہمیں معاف کر دینا۔ یقین کرو ہم تمہارے دکھ سے دکھی ہیں۔ یہ سب کچھ ایک مجبوری ہے جشن نہیں۔" صبیحہ نے ماہ نور کی تھوڑی چھو کر بہت دل سوزی سے کہا۔

"کاش وہ تمہاری خاطر ہی اپنا قبلہ درست کر لے۔" صبیحہ مزید گویا ہوئی۔

"ہائے اللہ آپی! بھائی نے ان کو بتایا کیا ہوگا؟" مدیحہ تو بہت فکر مند نظر آ رہی تھی۔ اسے اپنی پڑ گئی تھی۔

"کچھ بھی بتایا ہو۔ تم اپنا "ہوم ورک" مکمل کر لو۔" مدیحہ گویا سلگ کر بولی۔

"بھائی بے حسی و خود غرضی کی انتہا ہے۔ بہنوں کا خیال بھی تو نہیں کرتے۔" مدیحہ بہت اداس لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"بی بی! آپ لوگوں کی چائے یہیں لے آؤں؟" ملازمہ نے دروازہ کھول کر جھانکا۔

"ہاں بھئی جلدی سے لے آؤ۔ یہاں تو سر میں درد شروع ہو چکا ہے۔" صبیحہ نے بیزاری سے جواب دیا۔

"چائے کے ساتھ بڑے گرم گرم تازہ اسنیکس بھی ہیں۔" مدیحہ نے کہا۔

"ہوں پتا نہیں ماہ نور نے دوپہر کا کھانا بھی کھایا یا نہیں۔" صبیحہ کو معاً دھیان آیا۔ "کچھ کھایا تھا ماہ نور؟"

اس نے اثبات میں گردن ہلا دی اور پھر مورت کی طرح ساکت ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد ملازمہ ٹرالی دھکیلتی اندر کمرے میں داخل ہوئی۔

اور بڑی بڑی گلاب جامنوں کی پلیٹ کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"پاشا صاحب بولتے ہیں بی بی لوگوں سے بولو پہلے منہ میٹھا کریں اور کرائیں۔" اس نے معنی خیز نظروں سے ماہ نور کی طرف دیکھا تھا۔

"ہاں بھئی منہ میٹھا کرو پہلے۔ آخر ہمارے بھائی نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔" صبیحہ نے طنزیہ کہا۔ وہ بیڈ پر پڑی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

مدیحہ نے ایک چھوٹی سی پلیٹ میں گلاب جامن نکالی اس میں کانٹا پھنسایا اور ماہ نور کے قریب چلی آئی۔

اور ایک ٹکڑا کانٹے میں لے کر ماہ نور کی طرف بڑھایا۔ "منہ کھولیں بھابی؟"

ماہ نور نے خالی خالی آنکھوں سے مدیحہ کا چہرہ دیکھا اور منہ کھول دیا۔

مدیحہ کو اس کا انداز عجیب سا لگا۔ اس نے تھوڑا تھوڑا کر کے اسے پوری گلاب جامن کھلا دی۔ صبیحہ اور ملیحہ نے بھی محسوس کیا۔ اس میں دلہنوں والی کوئی جھجک نہیں تھی البتہ وہ یکسر خاموش تھی۔

"چلیں آدھے بال تو سوکھ گئے ہیں۔ پہلے چائے پی لیتے ہیں۔ ٹھیک ہے؟ آپ کی چائے میں کتنی چینی ڈالوں بھابی؟" مدیحہ پچ صبیحہ کو تھما کر چائے بنانے لگی۔

ماہ نور کے ہونٹوں سے کچھ نہ نکلا۔ بس وہ ٹکر ٹکر تینوں کی صورتیں دیکھتی رہی۔

مدیحہ نے قدرے سوچا اور پھر خود ہی چائے میں چینی ملا کر کپ اس کو تھما دیا۔

چائے پی کر وہ لوگ فارغ ہی ہوئی تھیں کہ قمر النساء آ گئیں۔ انہوں نے کمرے میں داخل ہو کر چاروں کو باری باری بغور دیکھا گویا تازہ ترین صورت حال سمجھنے کی کوشش کی۔

"ماہ نور کو کچھ کھلایا؟" اس نے دوپہر کو بہت تھوڑا سا کھانا کھایا تھا۔ انہوں نے بیگ بیڈ پر رکھتے ہوئے لڑکیوں سے پوچھا

"ایک گلاب جامن اور آدھا چکن سینڈوچ۔ ایک کپ چائے۔ حالانکہ میں نے بتایا کہ یہ مائی کی دال کے وہی بڑے ہیں اچھا ذائقہ ہے مگر انہوں نے پلیٹ واپس رکھ دی۔ بہت چپ ہیں اماں انہیں تو ان کی چپ سے ڈر لگنے لگا ہے۔" ملیحہ نے تشویش بھرے لہجے میں ماں سے کلام کیا۔

"ہاں تو کیا چیخنے لگے؟ ہوا کیا ہے اس کے ساتھ، اندازہ تو کرو۔ تم لوگ۔ لاؤ پہلے میں اسے چوڑیاں پہنا دوں۔ بعد میں تم اسے مہندی لگا کر تیار کر دینا اسے ادھر لے آؤ میرے پاس۔"

قمر النساء نے بیڈ پر اس کے لیے جگہ بنائی۔ ملیحہ اسے تھام کر ماں کے پاس لے آئی۔

"لاؤ ذرا سونے کی چوڑیاں اور کنگن بھی دے دو۔ ملا کر پہنا دوں۔" انہوں نے شیشے کی چوڑیاں ڈبے سے نکالتے ہوئے بہت مصروف انداز میں کہا۔

صبیحہ نے چوڑیاں کنگن ان کے سامنے بیڈ پر رکھ دیے۔

"لاؤ بیٹی! پہلے سیدھا ہاتھ دو۔ بسم اللہ۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر چوڑیاں پہنانے لگیں۔ کمرے میں بہت خاموشی تھی۔ صرف چوڑیوں کی چھن چھن تھی۔ قمر النساء نے چوڑیاں پہناتے ہوئے دو تین مرتبہ اس کا چہرہ دیکھا تھا جو بے تاثر مگر پرسکون تھا۔ پرسکون کچھ ایسے جیسے کسی ایسے مرنے والے کا ہوتا ہے جو طویل اذیت اٹھا کر موت سے ہمکنار ہوا ہو اذیت و ابتلا سے جس کی جان چھوٹ گئی ہو۔

قمر النساء چوڑیاں پہنا رہی تھیں اور وہ تینوں انہماک سے یہ عمل دیکھ رہی تھیں۔

"اس طرح چپ کیوں ہو بیٹی؟ سو ہی ہول آ رہا ہے مجھے تمہاری چپ سے۔" انہوں نے ماہ نور کی آنکھوں میں جھانکا

(کیا بولوں اماں اور کیا روؤں؟ اب کیا مطلب ہے میری زندگی میں خوشی غم نقصان کا۔ سارا سودا بک گیا اماں۔)

قمر النساء نے چوڑیاں پہنا کر اس کا ہاتھ چوم لیا۔ "صرف چوڑیاں پہنتے ہی سے میری بچی دلہن لگنے لگی ہے۔ ماشاء اللہ چشم بد دور۔"

"اچھا اب تم لوگ اسے مہندی لگا دو۔ میں دیکھتی ہوں باہر کیا ہو رہا ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اماں وہ آ جائیں تو مجھے باہر بلوا لیجئے گا۔" صبیحہ نے کہا۔

"تم نے فون کیا تھا اسے؟" وہ تعجب سے ٹھٹک کر صبیحہ سے پوچھنے لگیں۔

"ہمارے شیر دل بھائی اپنے بہنوئیوں کے بغیر خوشی نہیں منائیں گے بھلے سے بعد میں بہنوں کی ایسی تیسی ہو جائے۔" مدیحہ نے جل کر کہا۔

"خیر تم لوگ پریشان مت ہو۔ میں سنبھال لوں گی سب۔" وہ کچھ سوچ کر پرسکون ہو گئیں۔

"آپ کی تو عمر گزر گئی سنبھالتے سنبھالتے۔" ملیحہ نے دکھ سے کہا۔

وہ گئیں تو صبیحہ اور ملیحہ نے ایک ایک ہاتھ سنبھال لیا اور بڑی مہارت سے مہندی لگانے لگیں۔

"مدیحہ ہم سب میں ایکسپرٹ ہے مگر اس کا پچ کسی کے پاس نہیں نکلا۔ بہرحال گزارا کر لیں۔" ملیحہ نے کہا۔

"اپنی آواز تو سنا دیں جب آپ کے گھر گئے تھے تب بھی آپ خاموش تھیں۔ اب بھی خاموش ہیں۔" ملیحہ بولی۔

"میں تو اپنی بھابی کی میٹھی مدھر آواز سننے کا اعزاز حاصل کر چکی ہوں۔" مدیحہ کے لہجے میں طنز کی چبھن تھی جسے صرف ماہ نور ہی محسوس کر سکتی تھی۔

"اچھا کیا بات کی تھی تم سے۔" ملیحہ اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

"آپ چھوڑیں بھی کچھ بھید بھی نہیں کہ بغیر فرمائش کے آپ لوگوں کو بھی کچھ سننے کو مل جائے۔" وہ پھر معنی خیز ہنسی ہنس کر بولی۔

پھر وہ مہندی لگاتے ہوئے اپنی اپنی باتیں کرنے لگیں۔

"بھابی! آپ تھک گئی ہوں تو لیٹ جائیں۔" ملیحہ بولی۔

"ہاں واقعی یہ تو تھک گئی ہوں گی۔ ابھی تو سب سے بڑی مشقت باقی ہے۔" مدیحہ مسکرائی۔

"بدتمیز!" صبیحہ بڑی اور بال بچوں والی ہو کر جھینپ گئی تھی۔

ماہ نور نے تینوں کے چہرے دیکھے۔

"نقصان صرف میرے ہیں۔ مجھے ہی رونا ہے۔ انہیں کوئی دکھ کیوں ہونے لگا؟ ایک اغوا شدہ لڑکی دلہن بنائی جا رہی ہے۔ باہر مہمان بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔ بہترین ڈیکوریشن، بہترین ڈنر، مہمان تو ان ہی باتوں سے بہل جاتے ہیں۔

کسی نے پوچھ بھی لیا ہو گا بھولے بھٹکے دلہن کہاں سے لائے؟ تو کیا کمی ہے گھڑے ہوئے فسانوں کی۔

چلو اتنا بھی بہت ہے کہ مجھے روندی ہوئی پامال لڑکی نہیں سمجھا جا رہا۔

نانی امی! اب آپ کے سارے خوف ختم ہو جائیں گے۔ آپ کے پوتے محفوظ ہو گئے ہیں۔ اٹھا لیا ہے یہ پہاڑ میں نے اپنے سر پر۔ مگر دیکھتی ہوں چین کیسے آتا ہے آپ لوگوں کو۔"

چند قطرے اس کے رخساروں پر پھسل آئے۔

صبیحہ نے نظر اٹھا کر اس کے آنسو دیکھے اور بے اختیار اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر اس کے سر پر بوسہ دیا۔

"اتنا حوصلہ دکھایا ہے تو چند قدم اور ماہ نور! ہم تمہیں تمہارے اپنوں سے ملا کر رہیں گے انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس قضیئے میں کسی بے گناہ کی جان نہیں گئی۔ تم کیا سمجھتی ہو ہمیں تمہارے دکھ کا اندازہ نہیں۔" صبیحہ بہت محبت سے کہہ رہی تھی۔

"اس دنیا میں کوئی اپنا نہیں ہوتا۔ اکثر کے پردے رکھے ہوئے ہیں اللہ نے خوش قسمت ہیں جو آزمائے نہیں گئے۔ آپ یقین کریں یہ سب خیالی و کتابی باتیں ہیں۔" وہ سپاٹ لہجے اور دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔

امی اور نتینوں لمحے بھر کو جیسے پتھرا کر رہ گئی تھیں۔

"ارے نہیں میری جان!" معاصمہ نے بے قرار ہو کر اسے زور سے بھینچ لیا تھا۔ علیحہ کے اندر بھی کچھ ٹوٹ کر بکھر اتھا۔

"تمہیں اس طرح نہیں سوچنا چاہیے۔ قصہ بھی تو عجیب ہے۔ کوئی پیشن گوئی نہیں کی جا سکتی کہ آگے کیا ہونے والا ہے ابھی ذرا سے البتہ حوصلہ ضرور ملتا ہے۔" صبیحہ بہت اپنائیت کے ساتھ سمجھا رہی تھی۔

حدیقہ چائے ختم کر کے باہر چلی گئی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے میں ہاتھ پاؤں پر خوب صورت نقش و نگار بن گئے تھے۔ مہندی ختم کر کے علیحہ اس کے بال سلجھانے لگی۔

"مہندی خشک ہو جائے تو کپڑے بدل لینا۔ بالکل تیار ہیں۔ میں ذرا دیکھتی ہوں پتہ آ گئے ہوں۔" صبیحہ اٹھ کھڑی ہوئی

ماہ نور نے کپڑے بدلے پھر علیحہ نے بہت لائٹ سا میک اپ کر دیا۔ البتہ لپ اسٹک بہت تیز سرخ تھی۔ وہ زیور پہنا رہی تھی کہ فضا انصار گجرے لے کر آ گئیں۔

"ماشاءاللہ۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"مہندی تو سوکھ گئی ہے۔ صاف کر دو اور یہ گجرے پہنا دو۔ باہر فوٹوگرافر والا انتظار کر رہا ہے۔ پاشا دس دفعہ پوچھ چکا ہے کہ تیار ہو گئی یا نہیں۔ وہ خود بھی اندر آئے گا۔ کتنی دیر میں بھیج دوں؟"

"دس منٹ بعد بھیج دیجئے گا اور ہاں" یہ "آ جائیں تو بتا دیجئے گا۔"

"وہ تو خاصی دیر ہوئی آ چکا ہے۔ اسے تمہاری مصروفیت کی وجہ بتا دی تھی۔ باہر مہمانوں میں بیٹھا ہے۔"

"آ گئے؟" علیحہ چونکی۔ "کچھ کہہ رہے تھے؟" اس کے چہرے سے فکر مندی جھلکنے لگی۔

"تمہیں مجھ سے بھلا کیا کہے گا تم ہی سے کچھ کہے تو کہے۔ بتا دینا اسے اپنے بھائی کا کارنامہ۔ آخر کیا کیا اور کب تک چھپاؤ گی؟" وہ بہت دکھ سے کہتی ہوئی باہر چلی گئیں۔

"کتنی آسانی سے کہہ دیا اماں نے۔" علیحہ پریشان نظر آ رہی تھی۔

"بھابی! آپ کو اندازہ ہو رہا ہو گا کہ ایک شخص کی تمنا کی تکمیل کتنے لوگوں پر بھاری پڑ رہی ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ نقصان صرف آپ کا ہوا ہے۔ بہت سارے اندیشے ہماری زندگی میں بھی زلزلے برپا کر رہے ہیں۔

(تم لوگوں کو صرف اندیشے ہیں اور نقصان صرف میں ہوں) وہ ویران نظروں سے علیحہ کو بس دیکھ کر رہ گئی۔

علیحہ دوپٹہ درست کر رہی تھی کہ پاشا دروازے پر دستک دے کر اندر آ گیا۔

"بہت ٹائم لگا دیا آپ لوگوں نے۔" وہ بے نیاز و ستائشی نظروں سے ماہ نور کو دیکھ رہا تھا۔

ماہ نور نے بے تاثر خالی نگاہیں اس کے چہرے پر جما دیں۔ دلہنوں والا حلیہ ضرور تھا مگر انداز نہیں تھا۔

پاشا کو قدرے تعجب بھی ہوا۔ ایک تو بہت پر سکون انداز میں بیٹھی تھی۔ دوسرے پاشا کو ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔ جس کا چہرہ سرخ مہندی کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ تھی۔ وہ بہت خوب صورت نظر آ رہا تھا۔ اس کے رخ اسکارف کا شیڈ اس کے چہرے کو مزید نکھار دے رہا تھا۔ البتہ ماہ نور کے انداز نظر پر اب اس کی آنکھوں سے الجھن و تشویش جھلکنے لگی تھی انتہائی حالات میں بھی نظر نہ اٹھانے والی پلک بھی نہیں جھپک رہی تھی۔

"کوئی پرابلم تو نہیں ہے آپی؟" اس نے علیحہ کو مخاطب کیا۔

"مذاق نہیں کرو جو کچھ کرنا ہے کر ڈالو۔ یہ تیار ہیں۔" علیحہ ہنس کر بولی تھی اور بہت دل جمعی سے اس کا دوپٹہ سیٹ کرنے لگی تھی۔

"ہوں میں بلا رہا ہوں فوٹوگرافر اور ویڈیو میکر کو۔" وہ ایک الجھن میں باہر نکلا تھا اور چند لمحوں بعد دو افراد کے ساتھ واپس آ گیا تھا۔

پہلے اس کی سنگل تصاویر کا سیشن مکمل ہوا پھر پاشا اس کے برابر میں آ بیٹھا۔

"آپ آنکھوں کو تھوڑا سا جھکا لیں۔" فوٹوگرافر کو بھی ماہ نور کی پتھرائی آنکھوں سے الجھن ہوئی۔

پاشا نے بازو پھیلا کر اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا تھا یا تھا کہ کوئی پہاڑ اس کے وجود پر آ پڑا تھا۔ پاشا کے ملبوس سے ایک بہت دلفریب خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ اس نے چہرہ موڑ کر پاشا کے چہرے کی طرف کیا۔ پاشا نے بھی چہرہ اس کی طرف موڑ لیا تھا۔ وہ انچ کے فاصلے پر دونوں چہرے تھے۔ اس نے ماہ نور کی آنکھوں میں جھانکا۔

"واہ! کتنی خوب صورت آنکھیں ہیں۔ ٹھیک کا دیری ہیں۔"

اس نے موقع نکال کر سرگوشی کی تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے کی مصروفیت تھی۔ فوٹوگرافر کی ہدایات پر عمل کرانے میں علیحہ ہی پیش پیش تھی۔ گرچہ اس کا ذہن کمرے کے ماحول سے زیادہ دیباں میں الجھا ہوا تھا۔ بھائی کی خوشی من چاہی بھارج سب احساسات اندیشوں وہموں اور پیش آنے والی مشقت کی نذر ہو رہے تھے۔

بھائی نے ایک کارنامہ انجام دیا تھا۔ ہزاروں لاکھوں تالیوں کی گونج میں بے شمار اعزازات ابھی دنیا سے وصول کرنے تھے

"آپی! آپ بھی آ جائیں۔" پاشا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"نہیں تم بنواؤ۔ میں بعد میں بنوا لوں گی۔" اس نے رکھائی سے جواب دیا۔

"تھوڑی دیر بعد آپ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آیئے گا۔" کام مکمل ہوا اور وہ باہر جاتے جاتے گویا ہوا۔

"ہوں تم اماں کو اندر بھیج دو۔" وہ سپاٹ انداز میں بولی۔

"اچھا وہ تمہیں ہوٹل مہران جا رہا ہوں۔ آدھے گھنٹے میں واپس آ جاؤں گا۔ اتنے آپ لوگ مہمانوں کا خیال رکھیے گا ٹھیک ہے؟" وہ یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔

علیحہ گہری سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

ماہ نور ہاتھوں کی مہندی دیکھتے ہوئے جانے کیا سوچ رہی تھی۔

"بس اماں! ایک ہول سی پڑی ہوئی ہے۔ یقین کریں آنکھ نہیں لگی عارفہ کا خیال آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ بچیاں باہر نکلی ہیں تو ان کی واپسی تک جانے کیسے کیسے وہم ستاتے رہتے ہیں۔ اتنا تو میں بابا جان کی موت پر بھی نہیں روئی تھی۔" سارہ کی آواز بھرا گئی۔

"ماشاءاللہ بی بی! اس بری طرح لٹے ہیں کہ کوئی تاوان پورا نہیں۔ ٹھیک کہہ رہی ہو تم خیندیں ویران دل پریشان۔ کوئی ملنے والا اپنے کام سے آتا ہے تو نظریں جھک جاتی ہیں جانو ہم پر تھو کنے آیا ہے۔

رہی سہی کسر مظاہر نے پوری کر دی۔ سر پہ کفن باندھے پھر رہا ہے۔ جتنا سمجھایا کہ اب کیر پیٹنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ کہتا ہے جب تک اسے پھانسی نہ لگوا دوں۔ چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ ارے اب اس کی پھانسی بھی ہمارا نقصان پورا نہیں کر سکتی پر نہیں سمجھتا۔ آدمی اس کو یہ بات۔ جان پالی کی ہے تو ان کو جوان دیکھا ہے۔ بہت منت کر رہی ہوں کہ میرے بڑھاپے پر رحم کرو۔" وہ رو نے لگیں۔

"جب تک گھر سے باہر رہتا ہے۔ جان کانپتی رہتی ہے۔ ٹیلی فون بجتا ہے تو ہول آنے لگتے ہیں۔ ابھی آتا ہوگا۔ تم بھی سمجھا دیکھو۔ وہ آوارہ اسے انسانی جانوں کی بھلا قدر وہ ہوگی؟ جانے کتنے خون کیے ہوں۔ کتنے گھر برباد کیے ہوں گے۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"اظہر اور ظہیر کیا کہتے ہیں۔"

"وہ بھی بہت کہہ چکے کہ اتنے خطرناک آدمی کے منہ لگنا ٹھیک نہیں مگر اس کے حساب میں تو ہم سب میں غیرت ختم ہو چکی ہیں۔ اسے اپنی افسری پہ بڑا غرور سا ہے۔ راتوں کو ٹیلی فون پکڑے بیٹھا ہوتا ہے۔"

"جب وہ کچھ سمجھنے کے موڈ میں نہیں تو میں اسے کیا سمجھا پاؤں گی۔ اسے خود سمجھنا چاہیے۔ اتنے دن بچی باہر رہی اب ہمارے حوالے کیا گیا۔" ساوہ نے رقت سے کہا۔

"ریا کہاں ہے اماں! آج تو اس کی آواز بھی نہیں سنی۔" سارہ کو سہاوہ دھیان آیا۔

"ہوگی اپنے کمرے میں۔ میری پھول سی بچی مرجھا کر رہ گئی ہے۔" بڑی اماں نے افسردگی سے کہا۔

"اس کے سسرال والے تو کہہ رہے ہیں نکاح کے لیے اب کچھ جان سنبھلے تو سوچوں۔

"ان کو تو کچھ پتا نہیں ناں اماں۔" ساوہ پوچھنے لگیں۔

"ارے اللہ نہ کرے وہ ہم تو بڑے آ رہے تھے۔ پر مظاہر بولا وہ دقیانوسی قسم کے لوگ نہیں ہیں۔ جو کسی کا گناہ کسی کے سر منڈھ دیں اغوا شدہ لڑکی کا خاندان تو مظلوم ہوتا ہے۔ اتنا شعور ہے انہیں۔ یہ چھوٹے محلوں کی چھوٹی باتیں ہیں۔ انہیں ریا ریا کی دادی اور دو بیاہ کے بھائیوں سے آگے کی تفصیل سے کوئی دلچسپی نہیں"۔

"میں بولی اچھی بات مگر ہمارے سے حواس تو ٹھکانے آ گئیں۔ شکر ہے مولا کا لڑکا اچھا ہے۔ خوامخواہ کی گٹ پٹ نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی ماں بتا رہی تھیں کہ بہت خاموش طبیعت ہے اس کی۔ نفیس خواجہ کی پہلی بیوی کا بیٹا ہے۔ مگر شاہانہ بات کرتی ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے۔ گویا ان ہی کے پیٹ کا ہے۔ بچوں کے کا بے سبھاؤ بھی ہوتے ہیں جو دل جیت لیتے ہیں۔ اللہ ساتھ خیریت کے اپنے گھر کی کرے۔ میں بھی چین سے مر سکوں گی۔"

"اللہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے اماں! بڑی ڈھارس ہوتی ہے کہ ماں سر پہ ہے۔" ساوہ نے بے اختیار ان کے گھٹنے چھوئے۔

"جیتی رہو۔ بال بچوں کی بہاریں دیکھو۔" بڑی اماں نے بھی بے اختیار ہو کر ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

اسی دوران ریا چائے اور اسنیکس سے بھری بڑی سی ٹرے اٹھائے لاؤنج میں آ گئی۔

"تم نے یہ کام کر دی تھیں۔ میں اماں سے پوچھ رہی تھیں کہ جانے کہاں غائب ہو گئی ریا"۔

"وہاب کی طبیعت آج کل ٹھیک نہیں ہے۔ اس سے ان کی چائے کی ٹیبل پر لگا رہی تھی۔" وہ بڑی سادگی سے کہہ رہی تھی۔

"بہت اچھی بات ہے بیٹی! ایسی ہی لڑکیاں سب کو محتاج کرتی ہی اچھی لگتی ہیں۔ اب تو خیر سے گھر بار والی ہو رہی ہو۔

ایک بات تو بتاؤ؟" سارہ نے اسے اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

"جی پھوپھو!"

"یہ شادی کے بعد بھی کیا سسرال میں 'کھاؤں گا جاؤں گا' چلے گا؟"

"وہ پھوپھو! میں کوشش تو کرتا ہوں پر منہ سے نکل جاتا ہے۔" وہ معصومیت سے گویا ہوئی۔

"اب تم مکمل لڑکی بننے کی پریکٹس کرو ورنہ خواہ مخواہ مذاق بنے گا سسرال میں۔"

ریا خاموش رہی۔

"واقعی اماں ہماری ریا تو کملا کر رہ گئی ہے۔ ایسا پھیکا رنگ تو کبھی نہ تھا اس کا۔" ساوہ نے محبت سے اس کا رخسار چھوا۔

"سہم کر رہ گئی ہے۔ بچی ساری چوکڑیاں بھول گئی ہے۔ کہتی ہے بڑی اماں آپی تو روتی ہوں گی؟ آہ اپنا تو ایک عمر کا رونا ہے۔ جانے کس حال میں ہوگی۔ اس کے تو ہو گئے ارمان پورے نہ زمین ملی نہ آسمان تو ہمارے برے کی رسی تو یوں بھی دراز ہوتی ہے۔ کیسا کلیجے پر ہاتھ ڈالا ہے کیا بویا ہے۔ کیا کاٹے گا۔ مفت میں تو ہماری بچی پسے گی۔ اصل غم تو اب یہ ہے کہ ایسی سہمی ہوئی کمزور سی کی بچی ہماری"۔

بڑی اماں سسکا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

ریا تڑپ کر ان کے قریب ہوئی اور انہیں گلے سے لگا لیا۔

"بس کریں بڑی اماں! کب تک روئیں گی؟ پھوپھو! کیا ہوگا بڑی اماں کا اگر اس طرح روتی رہیں گی جب دیکھو رو رہی ہیں۔ نماز پڑھ رہی ہیں تو رو رہی ہیں۔ کوئی آیا ہے تو رو رہی ہیں۔"

"پلیز بڑی اماں! پھر میں بھی رونے لگوں گی بس اب چپ ہو جائیں۔"

ریا کی اپنی آنکھیں بھی ڈبڈبا رہی تھیں۔

"اچھا میری بچی! اب نہیں روتی۔" وہ آنکھیں پونچھنے لگیں۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ریا فوراً اٹھی اور فون اٹینڈ کیا۔

"ہیلو السلام علیکم بڑی اماں! ابا جان ہیں۔" وہ بیک وقت دونوں سے مخاطب تھی۔ بڑی اماں بڑی پھرتی سے تخت سے اتری تھیں۔

"جی اچھا۔ ٹھیک ہے خدا حافظ"۔

"ارے لو بند بھی کر دیا۔ بات کیوں نہیں کی اس نے؟" وہ پریشان ہو گئیں۔

"وہ کہہ رہے تھے۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس یہ کہا تھا کہ آج رات وہ گھر نہیں آئیں گے۔" ریا نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"ہائیں ان کو کیا ہوا تھا ٹھکانہ۔ یوں رات تو وہ باہر نہیں رہتا، وجہ نہیں بتائی؟"

"کہہ رہے تھے۔ آفس کا کوئی ضروری کام ہے۔" وہ اسی لاپروا انداز میں بولی۔

"اب دفتر رات بھر کھلا کرے گا۔ خوب نئی نرالی ہو رہی ہے۔" وہ بڑبڑائیں۔

"اماں امروزات کے کاموں میں سو جھمیلے ہوتے ہیں۔ آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ سیٹ بڑی ہوتی ہے تو بوجھ بھی بڑے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے ذمہ داری کے کام ہوتے ہیں۔" سارہ سمجھانے لگی۔

"وہ تو مجھے پتا ہے مگر اس نے دوسرا چکر چلا پایا ہوا ہے۔ یہ سوگ کا پھر رہا ہے اس نامراد کی۔ بس یہی دھڑکا رہتا ہے کہ کچھ ہو نہ جائے۔ اس منحوس کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ بگڑنا ہوتا تو یوں اللہ کی مخلوق کی ناک میں تنکا چلا کر زندہ نا پھرتا؟ یہ مجھے ہی پتا ہے کس طرح پالا ہے ان بچوں کو مگر انہیں میرا کوئی خیال نہیں۔" بڑی اماں آزردگی سے گویا ہوئیں۔

"انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ ضرور آپ پر رحم کرے گا۔" سارہ ماں کو بہلانے لگیں۔

"کیا دفتر رات کو بھی کھلتے ہیں؟ راتوں کو تو فیکٹریاں کارخانے کھلتے ہیں ان میں بھی باریاں لگتی ہیں۔ دن میں کوئی اور کام کرتے ہیں۔ رات میں کوئی اور"

بڑی اماں کو بری طرح بے چینی لاحق تھی۔

"اماں! بڑے ذمہ دار عہدوں پر کام کرتے ہیں ان کی ضرورت کبھی بھی پڑ سکتی ہے۔ ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے آئے روز نہیں۔" سارہ نے پھر سمجھایا۔

"تین سال کی نوکری میں تو کبھی نہیں رکا رات کو۔" ان کی سوئی ہنوز ایک جگہ اٹکی ہوئی تھی۔

"آپ دعا کریں خیریت کی۔ کیوں ایسا سوچتی ہیں۔" سارہ کو ان پر ترس آیا۔ بڑی اماں خاموش رہیں۔

"ربیا! ذرا اظہار کو تو بلانا۔ اس سے کرواتی ہوں مظاہر کے دفتر ٹیلی فون ورنہ مجھے چین نہیں پڑے گا۔" وہ تھوڑی دیر بعد پھر گویا ہوئیں۔

"ضروری تو نہیں کہ وہ سیٹ پر بیٹھا ہو۔ کہیں کسی کام سے نکلا ہوا تو آپ اور زیادہ پریشان ہو جائیں گی۔" سارہ نے انہیں اس عمل سے روکا۔

بڑی اماں ایک گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ بہت گہری سانس لے کر۔

"کتنا پریشان کیا اس نے۔ اب وہ کوئی بیکار بندہ تو نہیں جو اپنے ضروری کام چھوڑ کر اس کے نخرے برداشت کرے۔ تم اسے سمجھاتے نہیں ہو۔" شاہانہ مومل کے باپ سے مخاطب تھیں۔

"میں تو اسے مار رہا تھا مگر اس نمک حرام کو مومن صاحب ہی نے بچایا۔ ورنہ میں تو کر دیتا اس کی ہڈی پسلی ایک۔ مالکن میں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں آپ سے۔" وہ گھگھیایا۔

"خیر تمہیں معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو میرے ہی نصیب خراب ہیں کہ آج تم جیسے لوگوں ہاں چل کر آنا پڑتا ہے۔" وہ ناگواری سے بولیں۔

"یہ تو آپ کی بڑائی ہے مالکن اللہ سائیں آپ کو اس کا اجر دے گا۔" وہ پھر عاجزی سے بولا۔

"ذرا بلاؤ تو اسے۔ کس کونے میں غرق ہے۔ ہم لوگوں کا وقت بہت قیمتی ہوتا ہے اس کے دماغ میں بٹھا دو یہ بات اچھی طرح۔"

"معلوم ہے میرے کو مائی باپ اوری مومل! تیرے کو سنائی نہیں پڑا ابھی تک مالکن آئی ہیں ادھر آ۔" اس نے وہیں سے آواز دی۔

تھوڑی دیر بعد بڑی سی چادر میں لپٹی مومل ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

"السلام علیکم!" اس نے بہت آہستگی سے سلام کیا۔

"مومل کیوں پریشان کر رہی ہے ہم سب کو۔ آخر مقصد کیا ہے؟"

شاہانہ کم سے کم یہی ظاہر کر رہی تھیں "کارڈ" تو بہرحال ابھی "حنیف" کے پاس تھا کبھی بھی کھیل سکتی تھی انہیں کسی کی پروا نہیں تھی بس شمس خوبہ کے سامنے وہ ہاری ہوئی نظر نہیں آنا چاہتی تھیں۔ باقی دنیا کو تو وہ اچھی طرح سنبھال سکتی تھیں۔

"آپ مجھے کسی آدمی کے ساتھ باہر جانے کو نہ بولیں۔ باقی جو آپ حکم دیں اگر نہ مانوں تو آپ مجھے جتنا مرضی پیٹ لیں۔ میری کھال اتار دیں۔" مومل نے کانپتی آواز میں درخواست کی۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

شاہانہ گویا سناٹے میں رہ گئیں۔

مومل ان کے قدموں میں بیٹھ گئی پھر بے اختیار ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"مالکن! مجھے "آدمیوں" کے سائے سے بھی ڈر لگتا ہے۔ سب سے ڈر لگتا ہے جوان سے بڈھے سے سب سے۔" وہ سسک رہی تھی۔

"میرا دل کرتا ہے ساری دنیا کے آدمی مر جائیں۔ کہیں کوئی نظر نہ آئے جو اچھا ہوتا ہے مالکن وہ بھی اچھا نہیں ہوتا بس اپنا باپ اچھا ہوتا ہے بھلے سے مارے گالیاں دے۔" یہ کہہ کر وہ مزید بلکنے لگی "میں فالتو کا کھا رہی ہوں۔ اس سے تو اچھا ہے میں مر جاؤں۔"

"تم جاؤ اسے ذرا میرے پاس اکیلا چھوڑ دو۔" شاہانہ گم صم کیفیت سے باہر آ کر مومل کے ماں باپ سے مخاطب ہوئیں وہ دونوں الٹے قدموں چلتے فوراً باہر چلے گئے۔

"کیا تکلیف ہوتی ہے کس وقت زیادہ ہوتی ہے۔" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ دھرے پوچھ رہی تھیں۔

"رات کو کمر میں بہت درد ہوتا ہے" وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"اور؟" وہ پوچھنے لگیں۔

"چلتے ہوئے پنڈلی دکھتی ہے۔ کبھی کبھی سانس بند ہونے لگتی ہے ساری ساری رات دیوال (دیوار) سے لگی بیٹھی رہتی ہوں۔ پتا نہیں وڈے سائیں نے مجھے اتار کیوں دیا۔" وہ پھر رونے لگی۔

"میں تیرے باپ کو ساتھ لے کر جاتی ہوں۔ اسے کوئی دلوا دیتی ہوں۔ وہ کھا کر سو جانا۔ اب تو رات ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر اٹھ گئی ہو گی۔ کل میں تجھے لے کر جاؤں گی۔"

کچھ بھی سہی آخر عورت ہی تو تھیں پھر ایک نا کردہ جرم کا آسیب روح و قلب سے لپٹا ہوا وہ اتنا کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں

اعصاب و حواس تو گویا فریز ہی تھے۔ کب سے ایک زاویے سے بیٹھی تھی مگر پہلو بدلنے کا خیال تک نہیں آ پایا تھا۔ صبیحہ ملیحہ اپنے اپنے شوہر اور فرانسا کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی تھیں تب اس نے ان کی سمت یوں غور سے دیکھا تھا جیسے کوئی کسی کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے ذہن پر بہت زور ڈالتا ہے۔

دونوں حضرات نے اسے سلام کیا تھا۔

"ماہ نور! یہ میرے میاں ہیں علی عمران اور یہ ملیحہ کے شوہر ہیں وقار۔" صبیحہ تعارف کرا رہی تھی۔

دونوں حضرات خاصے کچھ سوبر اور سنجیدہ مزاج نظر آئے۔

"بہت ایمرجنسی کال تھی۔ اب گفٹ تو ولیمے ہی میں پیش کر سکیں گے۔ بہرحال مبارک باد۔" صبیحہ کے شوہر نے کہا۔

ان کی نگاری کی الجھن بہت واضح تھی۔

"پامالی پر مبارکباد۔ بربادی پر مبارکباد۔ تارتار ردا پر مبارک باد۔ کتنے سارے مذاق قسمت کے صرف میرے ہی ساتھ ہیں۔

اب میں کوئی مزاحمت نہیں کروں گی۔ خود کو پامالی کے لیے پیش کروں گی۔ بالکل نہیں روؤں گی۔ کوئی احتجاج نہیں کروں گی۔

اپنے وجود کا لہو قطرہ قطرہ خود نذر کروں گی اس کو جس نے یہ درماندہ اور رسوا کن زندگی مجھے عطا کی ہے۔ نہیں کروں گی کوئی شکوہ شکایت نہ آسمان والوں سے نہ زمین والوں سے۔

خواہ مجھ پر ہل چلا دیے جائیں یا طنبورے میرے سینے میں ناخن کھینچ لیے جائیں۔ میں کیوں روؤں۔ دنیا میں کسی کو میرے ان حقیر قطروں سے کوئی دلچسپی نہیں۔

وہ پھر کمرے کے ماحول سے باہر تھی۔

"اماں!" معاذ یہ بدحواس سی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"کیا ہوا؟" سب ہی اس کے انداز پر چونک پڑے تھے۔

"اماں! وہ بھائی گرفتار ہو گئے ہیں۔ ان کے دوست کو موبائل پر اطلاع ملی ہے آپ بھابی کو کہیں چھپا دیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ گرفتاری سے چند منٹ پہلے بھائی نے فون کیا تھا کہ یہ لوگ بھابی کو کہیں اور ٹھکانے پہ لے جائیں۔"

"اماں! آپ ان لوگوں کے ساتھ بھابی کو مت بھیجئے گا علی بھائی! وقار بھائی! آپ اندر سے دروازہ بند کر لیں۔ بھابی کہیں نہیں جائیں گی اب یہ اس گھر کی عزت ہیں۔ ہماری ماں کی موجودگی میں نکاح ہوا ہے۔ یہ مجرم تم لوگ ہیں۔ دھیان رکھیے گا! آپی! اماں! آپ لوگ بھی یہیں رہیے بند کر لیجئے دروازہ اندر سے۔"

وہ اسی بدحواسی میں باہر نکل گئی۔

{☆}

ایک لمحے کو سب ہی سناٹے میں رہ گئے۔

ماہ نور کی آنکھوں سے لگتا تھا ساری برف پگھل گئی ہے۔ اس نے باری باری سب کی صورتیں دیکھیں۔ ملیحہ نے بھاگ کر اندر سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

علی عمران اور وقار نے نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے سے کچھ کہا تھا۔

"علی! آپ باہر جائیں۔ پلیز مہمانوں کو ہینڈل کریں اگر کھانا آ گیا ہو تو کھانا لگوا دیں۔" صبیحہ نے اپنی ... چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اور سنیں۔ کوئی کچھ کہے آپ صاف کہہ دیجئے گا کہ ماہ نور کہیں نہیں جائے گی۔ اس کا نکاح ہو چکا ہے۔ یہ اس کا گھر ہے کسی کا نہیں۔" اس نے مزید کہا۔

"علی عمران وقار کو ساتھ لے کر باہر چلے گئے۔ ملیحہ نے دوبارہ دروازہ بند کر دیا۔

"اگر ان کے گھر والوں نے ایف آئی آر کٹوائی ہو گی تو ممکن ہے گرفتاری اسی وجہ سے ہوئی ہو ویسے تو سمجھدار لوگ لڑکی کے اغوا کی ایف آئی آر نہیں کٹواتے۔ اپنی بیٹی کی تصویریں اخبار میں کون برداشت کر سکتا ہے۔ اس پر سے پولیس کی بے دردانہ کاروائی

الله کی پناہ۔ صبیحہ ماں سے مخاطب ہوئی۔

"بعض اوقات جب مصیبت پہاڑ کی طرح سر پر آتی ہے تو انسان کے ہوش و حواس بھی جواب دے جاتے ہیں۔" وہ گم صم سی کیفیت میں گویا ہوئیں۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ ملیحہ تیر کی طرح اپنی جگہ سے اٹھی۔ "کون؟" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میں ہوں ملیحہ" وقار کی آواز آئی۔

ملیحہ نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ وقار تیزی سے اندر آ گئے اور دروازہ بند کر دیا۔

"کک۔ کیا ہوا؟" ملیحہ نے شوہر کی صورت تکی۔ وہ بہت بدحواس ہو رہی تھی۔

"پاشا کا دوست کنگ کہہ رہا ہے کہ کسی بھی وقت پولیس ریڈ ہو سکتی ہے اگر ایسا ہوا تو پولیس ماہ نور کو ساتھ لے جائے گی اور تھانے و عدالت کے چکر شروع ہو جائیں گے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ بھابی کو یہاں سے فوری شفٹ کریں یا گارنٹی دیں کہ وہ پولیس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیں گی یہ کہہ کر ان کا نکاح ان کی مرضی سے ہوا ہے اور یہ کہ انہیں اغوا نہیں کیا گیا بلکہ انہوں نے اپنی مرضی سے اپنے باپ کا گھر چھوڑا تھا۔ اس لیے کہ ان کا خاندان و والدین پاشا سے ان کی شادی پر رضامند نہیں ہو رہے تھے۔"

قمر النساء نے چہرا اٹھا ماہ نور کی صورت دیکھی۔

"تو پھر ان سب باتوں کا جواب تو ماہ نور ہی دے سکتی ہے۔" وہ رسانیت سے بولیں۔

پاشا کی گرفتاری کی اطلاع ان کے لیے کوئی نئی اطلاع نہیں تھی۔ بس یا برس گزرے آئے دن یہ خبر گھر آتی رہتی تھی کسی روز وہ اس کی پسند کی کوئی ڈش بنا کر اس کی منتظر ہوتی تھیں اور فون آ جاتا تھا کہ وہ گرفتار ہو گیا ہے۔" کچھ عرصے کے لیے گھر نہیں آ سکے گا۔ بے شمار مرتبہ پولیس دروازے پہ آئی تھی۔ ان گنت مرتبہ اسے گھر سے گرفتار کیا گیا تھا۔

کبھی وہ رات گئے اس کے انتظار میں لیٹی کوئی کتاب پڑھ رہی ہوتیں اور پولیس آ جاتی۔ پاشا کی تلاش میں گھر کے کونے کونے میں گھس جاتی اور وہ مصلے پہ بیٹھی قرآنی آیتیں ورد کرنے لگتیں۔

دروازے پہ پھر دستک ہوئی۔ اس مرتبہ قمر النساء نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"آنٹی! بھابی کو یہاں سے لے جانا ہے۔ آپ نے ساتھ چلنا ہے تو چلیں۔" ایک مردانہ آواز کمرے میں بیٹھے افراد نے سنی۔

"بیٹا! ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ آنے دو پولیس کو۔ میں خود بات کروں گی۔" قمر النساء بہت سکون سے کہہ رہی تھیں۔

"کچھ ہو گیا تو پاشا ہمیں نہیں چھوڑے گا۔ اتنا سمجھ لیں۔" وہی آواز پھر آئی۔

"میں ذمہ دار ہوں۔ یہ اس کی نکاحی بیوی ہے۔ یہ گھر اب اس کا ہے۔ وہ اپنے شوہر کے گھر میں ہے۔ پولیس کیا کر سکتی ہے؟ تم نکاح نامے کی ایک نقل مجھے دو اور چلے جاؤ۔ بس میں نے کہہ دیا۔"

وہ سابقہ انداز میں گویا ہوئیں۔

"پھر بھی آپ بھابی سے کنفرم کر لیں اگر پولیس نے ان کا بیان لیا تو وہ کیا کہیں گی؟" پھر اصرار ہوا۔

وہ پھر وہی۔ کہیں گی جو میں کہوں گی۔ اب تم جاؤ" انہوں نے اتنا کہہ کر دروازہ بند کر دیا۔ اور پلٹ کر دلہا والوں کے پاس آ گئیں

"تم لوگ باہر جا کر مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرو۔ اور بس اتنا کہہ دو پاشا کو کوئی بہت ضروری کام پڑ گیا ہے وہ رات بارہ ایک بجے سے پہلے واپس نہیں آ سکے گا۔" وہ بہت پرسکون انداز میں بات کر رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے بھائی! پولیس اگر آگئی تو کون بات کرے گا؟" وقار پوچھ رہے تھے۔

"میں بات کروں گی۔ تم لوگ فکر نہ کرو اور نکاح نامے کی نقل بس مجھے پہنچا دو۔"

علی عمران، معوذ وقار فوراً کمرے سے باہر چلے گئے۔ صبیحہ نے تیزی سے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔
ماہ نور فکر مندی سے ان کی صورتیں دیکھ رہی تھی۔

(خدا کرے اب وہ لاک اپ میں ہی رہے اور میں اس سے پناہ مانگ لوں) اس نے سوچا۔

"گھبراؤ نہیں بچی۔ یہاں کے معمولات ہیں، ہو سکتا ہے صبح تک واپس آ جائے۔" انہوں نے ماہ نور کے سر پر ہاتھ رکھ کر گویا تسلی دی۔

"اگر اغوا کی ایف آئی آر درج ہوئی ہے تو اماں! اب کیس آسان نہیں ہوگا۔ خوامخواہ بے چاری بھابھی کو عدالتوں میں گھسیٹا جائے گا۔" ملیحہ نے کہا۔

"لیکن اگر ماہ نور نے کہہ دیا کہ یہ نکاح اس کی مرضی سے ہوا ہے تو کیس خود بخود ختم ہو جائے گا۔"
صبیحہ نے بڑی درخواست گزار نظروں سے ماہ نور کی طرف دیکھا۔

"ہاں اب شریف بچی کو عدالت میں اپنے سر پر خاک ڈالنا ہوگی کہ وہ اپنی مرضی سے گھر سے نکلی۔ وہ اغوا شدہ نہیں بھاگی ہوئی لڑکی ہے۔" قمر النساء نے تلخی سے کہا اور آنکھیں پونچھنے لگیں۔

"لیکن اماں! اب اس کے علاوہ کوئی راستہ بھی تو نہیں۔ مزید کسی نقصان سے اسی طرح بچا جا سکتا ہے۔" صبیحہ نے آزردگی سے کہا۔

"کیا قسمت ہے بچی کی۔" قمر النساء نے دلہن بنی ماہ نور پر ایک نظر ڈالی۔

"بھابھی! آپ ایسا کریں کپڑے چینج کر لیں اور آرام کریں۔ میرے خیال میں خواتین تو ہیں نہیں جو دلہن دیکھنے کی خواہش کریں گی۔ کیا خیال ہے اماں؟" ملیحہ نے ماں سے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہے یونہی بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہوگی۔ اسے کوئی جوڑا نکال کر دے دو۔ میری الماری میں تم لوگوں کے کپڑے لٹکے ہوئے ہیں۔" قمر النساء اٹھتے ہوئے بولیں۔

"میں ذرا باہر جا کر دیکھتی ہوں۔"
ملیحہ یوں تیزی سے اٹھی گویا کوئی اندر آنے کو تیار ہی کھڑا ہو۔
صبیحہ بہت گم صم نظر آ رہی تھی۔

"یہ سب بھی آج ہی ہونا تھا۔ اب یہ پتا نہیں گرفتار کن سلسلے میں ہوئے ہیں۔ بھابھی کے گھر والوں نے گرفتار کرایا ہے یا کسی اور کیس میں مطلوب ہیں۔ اماں بھابھی کی قسمت کو کہہ رہی ہیں۔ ہماری بھی تو قسمت خوب ہے۔ ایک ہی بھائی۔ اس کے بھی بس دھڑکے ہی لگے رہتے ہیں۔" ملیحہ افسردگی سے کہہ رہی تھی۔

"آہ......" صبیحہ نے ایک سرد آہ بھری۔ اور ماہ نور کی طرف دیکھا جو اپنے ہاتھوں کی مہندی کو بغور دیکھ رہی تھی اور کسی گہری سوچ میں تھی۔

مظاہر پولیس اسٹیشن میں داخل ہوئے تو وہاں خاصی چہل پہل نظر آئی۔ احاطے میں کئی گاڑیاں کھڑی تھیں اور پولیس اہلکار ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ آدھی رات گزر چکی ہے۔

وہ اے ایس پی کے کمرے میں داخل ہوئے وہاں بھی بہت سے لوگ کرسیوں پر براجمان نظر آئے۔ اے ایس پی نے اٹھ کر مظاہر سے بہت گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

"کہاں ہے؟" انہوں نے دبے دبے انداز میں اے ایس پی سے پوچھا۔

"یہیں ہے۔ ابھی ڈرائنگ روم میں لے جانے کے آرڈر نہیں آئے ہیں۔ بخاری صاحب کا انتظار ہے۔ یا تو وہ خود آئیں گے یا فون آئے گا۔" اے ایس پی نے ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گویا بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیا رپوٹیشن ہے بخاری صاحب کی؟" مظاہر نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اچھی ہے۔ دو ٹوک بات کرتے ہیں۔ کیرو مائنڈنگ نہیں ہیں۔ یہ ٹھیک ہے۔" اے ایس پی نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔ کیا ان کے آنے سے پہلے اس سے ملاقات ہو سکتی ہے۔" مظاہر نے اے ایس پی کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کیوں نہیں۔ ابھی چلتے ہیں۔ ذرا شیخ صاحب کو فارغ کر دیں۔" اے ایس پی نے مسکرا کر کہا۔ "یہ اغوا برائے تاوان کا کیس ہے۔ بڑے مشہور صنعت کار ہیں۔ شیخ عثمان قادری۔ اتنا تاوان مانگ رہے ہیں کہ بے چاروں کی مل فروخت ہو جائے گی خدانخواستہ۔ بہت حالات خراب ہیں۔ کوئی محفوظ نہیں رہا۔" اے ایس پی نے تاسف سے کہا۔

"آپ جیسے با اثر سورس افسران محفوظ نہیں ہیں۔" اے ایس پی نے مظاہر سے کہا۔

اسی دوران فون کی گھنٹی بجی۔ اے ایس پی نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو۔ جی سر!" وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"جی سر۔ مظہر سے بات کر رہا ہوں۔ آپ کی دعائیں ہیں سر۔"

"جی۔ یہیں ہے میرے پاس۔ نہیں۔ سر فی الحال تو بہت آرام میں ہے۔ جی سر ابھی بخاری صاحب کا انتظار ہو رہا ہے۔ جی سر آج کل بہت بزی ہیں۔ ناکہ بندی ہو رہی ہے ناں آج کل۔ میں تو کل رات سے اسٹیشن پر ہی ہوں۔ نہیں سر، وہ ابھی تک تو سب نے تمیز سے ہی بات کی ہے۔ جی...... جی...... سر...... او کے سر۔" اس نے فون رکھ دیا اور گہری سانس لے کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"غالباً پاشا کے بارے میں بات ہو رہی تھی؟" مظاہر کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو چکی تھیں۔

"ٹھیک سمجھے"۔

"آپ کسی سپاہی کو میرے ساتھ کر دیں۔ میں چند منٹ کے لیے اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ اپنے شیخ صاحب کو دیکھیے۔" مظاہر سے مزید انتظار نہیں ہو رہا تھا۔

"او...... کے...... اے ایس پی نے بیل بجائی۔ "مگر دیکھیے ذرا ادب تمیز سے" اے ایس پی کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔

"ڈونٹ وری۔ ہز ہائی نس یور ہائی نس کہیں بغیر بات ہی نہیں ہوگی۔" مظاہر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"انداز دیکھیں۔ کتنا برا وقت ہے پولیس پر۔" اے ایس پی نے شیخ صاحب سے کلام کیا۔

وہ بے چارے اپنی پریشانی میں تھے۔ بات سمجھے بغیر گردن ہلانے لگے۔ مظاہر اٹھ کھڑے ہوئے سپاہی اندر آ کر

سلیوٹ کر چکا تھا۔

"سوری؟ انہیں...... "نیو انٹری" سے ملائیں"۔

"سر۔ دس بجے والی؟" سپاہی نے دریافت کیا۔

"کیا اس کے بعد بھی کوئی انٹری ہوئی ہے۔" اے ایس پی نے الجھ کر پوچھا۔

"نو سر۔" سپاہی نے جواب دیا۔

"پھر بے کار سوال کا مطلب؟" اے ایس پی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ سپاہی سلیوٹ کر کے فوراً باہر نکل گیا اور مظاہر نے جیسے۔

ایک بڑی راہداری کے آخر میں بنے کمرے سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ دروازہ نیم وا تھا۔ سپاہی اور مظاہر ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے میں ایس ایچ او۔ انسپکٹر ز اور چند سپاہی موجود تھے اور تین صاحبان دیوار سے لگی کرسیوں پر اطمینان سے فروکش تھے۔ مظاہر نے ایک نظران سب پر ڈالی اور سب نے سپاہی کے ہمراہ آنے والے کو بڑی مشکوک نگاہوں سے گھورا۔

"مسٹر مظاہر...... ہوم منسٹری میں ہوتے ہیں۔" سپاہی نے ایس ایچ او سے تعارف کرایا اور مودبانہ کھڑا ہو گیا۔

مظاہر کی نظر پاشا پر اور پاشا کی نظر مظاہر پر تھی۔ وہ سلک کے کرتے سفید شلوار اور ریڈ اسکارف میں بہت اطمینان سے بیٹھا نظر آیا۔ ایک معنی خیز مسکراہٹ ہونٹوں پر تھی۔

"السلام علیکم مسٹر آفیسر...... مجھے افسوس ہے آپ لیٹ ہو گئے۔ کیا کریں ملک کے سارے ہی محکمے بہت سلو ہیں۔ ویسے مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے۔ وہ میری منکوحہ ہے۔ معلوم نہیں میں ڈیئر کو ابھی یہی بتا رہا تھا۔" اس نے ایس ایچ او کی طرف دیکھا

"آپ تشریف رکھیے مسٹر مظاہر!" ایک انسپکٹر نے خالی کرسی کی سمت اشارہ کیا۔

مظاہر کی پیشانی شکن آلود تھی۔ انہوں نے بیٹھنے سے پہلے ایس ایچ او کی طرف بڑی الجھی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔

"تو جناب آپ کا پرسنل کیس ہے؟" ایس ایچ او مظاہر سے مخاطب ہوا۔

مظاہر نے جواب دینے کے بجائے پہلے پاشا کی سمت پھر اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا۔

"مسماۃ نادو لو رطاہر سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔؟" ایس ایچ او پوچھ رہا تھا۔

"میری ماموں زاد ہوتی ہیں۔" مظاہر نے ایک تیز نظر پاشا پر ڈالی تھی۔

"ماموں زاد بہن۔ پورا بولیے سر!" پاشا تمسخرانہ انداز میں ٹکڑا لگا رہا تھا۔

"شٹ اپ۔ میں تم سے مخاطب نہیں ہوں۔" مظاہر کی برداشت جواب دے گئی۔

"میں نے تو کریکشن کی تھی۔ آپ نے جانے کیوں مائنڈ کیا بہر حال سوری۔" پاشا نے بڑی معصوم صورت بنا کر کہا۔

"ایف آئی آر کون سے اسٹیشن پر کٹی تھی؟" ایک انسپکٹر نے مظاہر سے پوچھا۔

"پولیس اسٹیشن ناظم آباد۔" مظاہر نے جواب دیا۔

"اس کی رسید فوٹو کاپی ہے آپ کے پاس؟" ایس ایچ او نے دریافت کیا۔

مظاہر نے انداز نشست بدل کر پینٹ کی جیب سے ایک پرس نکالا اور کھول کر چیک کرانے لگے۔

"اب تو یہ سب بے کار ہے سر! مجھ سے اصلی نکاح نامہ لیجیے۔" پاشا نے پھر مخالفت کی اس کے ہونٹوں پر ہنوز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

مظاہر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنا ریوالور نکال کر پورا راؤنڈ خالی کر دیں۔ نکاح والی بات پر تو وہ یقین کر ہی نہیں سکتے تھے۔ البتہ......

انہیں وہ ایک ایسا درندہ نظر آ رہا تھا جس کے منہ پر تازہ شکار کا خون لگا ہو۔ وہ اپنے اندر کی قیامت کو جس طرح کنٹرول کر رہے تھے وہی جانتے تھے۔ اس کے برے حشر کی امید دل میں چنگاری ہوتی تو وہ شاید کچھ کر ڈالتے۔

کتنی راتیں کروٹیں بدل بدل کر گزاری تھیں۔ کتنے پیر کی نیندوں کے قرض چڑھے تھے تب جا کر آج سینے میں کچھ ٹھنڈک محسوس ہوئی تھی۔

وہ چاروں طرف سے اس کے گرد گھیرا تنگ کر کے قدرے سکون محسوس کر رہے تھے۔ اب انہیں اس بات کی جلدی تھی کہ اسے "ڈرائنگ روم" میں لے جایا جائے اور اس طرح حلیہ بگاڑا جائے کہ اپنی شکل نہ پہچان سکے۔

سب ہی ان کی حوصلہ شکنی کر رہے تھے مگر انہیں یقین تھا وہ کہیں بھاگے وہ اسے جا لیں گے ایک دن وہ بحیثیت مجرم قانون کے شکنجے میں پھنسا ضرور نظر آئے گا۔

اسی لیے ان کے حواس باختہ نہیں تھے۔

حیرت...... تب ہوتی ہے جب انسان سارے یقین کھو دیتا ہے۔ یا کسی بات کو ناممکن سمجھ لیتا ہے۔

ذہنی منتشر اس لیے تھا کہ ایک ملزم کو ابھی تک بے حد رعایت وعزت حاصل تھی۔ اب یہ بھی خیال آ رہا تھا کہ آگے کیا ہو گا؟ اور اس کا رسوخ کہاں تک ہے۔ اور انہیں ان کی محنت کا پھل کس انداز میں ملتا ہے۔

"آپ کیا سوچنے لگے جناب؟" ایس ایچ او کی آواز سماعت میں ٹکرائی۔

"یہ سوچ رہے ہیں مجھ پر فائر کس طرح کریں اور فائر کر دیا تو دونوں ہی کی جگہ بدل جائے گی۔ میں زمین کے اندر اور یہ یہاں جہاں اس وقت میں بیٹھا ہوں بیٹھ جائیں گے۔ بہر حال ظفر صاحب! آپ انہیں سمجھائیں۔ اب تو کم از کم رشتہ داری کا خیال کر لیں۔ ایسی بھی کیا ناراضگی"۔

پاشا کی مسخرانہ تاثر سے بھرپور آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی اور ان کا خون سو ڈگری سینٹی گریڈ کی حد کو چھونے لگا۔

"تم میرے لیول کے بندے نہیں ہو۔ اس لیے تمہاری بات کا جواب دینا ضروری نہیں"۔ وہ اتنا کہے بغیر رک نہ سکے

"اتنی چھوٹی سی افسری پر غرور ہے؟ اتنی تنخواہ تو میں اپنے ایک باڈی گارڈ کو دیتا ہوں"۔

مظاہر بڑے ضبط سے خاموش ہو رہے۔

"مسٹر پاشا! پلیز آپ خاموش رہیں۔ بخاری صاحب بس پہنچنے ہی والے ہیں کوئی پرابلم کری ایٹ نہ کریں۔" ایک نہایت سنجیدہ چہرے والے انسپکٹر نے رکھائی سے کہا۔

"یعنی آپ ڈر رہے ہیں ورنہ وہ مسٹر مظاہر کی خوشنودی منظور ہے۔" وہ بھلا باز آنے والا تھا۔

"میں تو خود بخاری صاحب کی آمد کا شدت سے منتظر ہوں۔ میری تو خیر ونی تو یلی سی دلہن میرا راستہ دیکھ رہی ہو گی۔" اس نے ایک سلگا دینے والی نظر مظاہر پر ڈالی۔ "ایکسکیوزمی ڈیئر سر! ایک سگریٹ پی سکتا ہوں"۔ وہ ایس ایچ او سے مخاطب ہوا۔

ایس ایچ او نے ایک نظر مظاہر کی سمت دیکھا۔ "آپ ہمارے پرانے مہمان ہیں۔ اب کیا کہہ سکتا ہوں"۔

مظاہر خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے۔

پاشا نے گولڈ لیف کا پیکٹ بغلی جیب سے نکالا اور ایک سگریٹ منہ میں دبا کر ماچس ڈھونڈنے لگا۔

"آپ لوگوں کی مہمان نوازی کے تو ہم قائل ہیں۔ تھینکس"۔

"ویسے بے چارے بخاری صاحب کریں گے کیا؟؟ آئیں گے۔ سلام دعا کریں گے۔ دو چار فون کریں گے۔ مسٹر مظاہر سے معذرت کریں گے۔ ہمیں اپنے گھر جانے کو کہہ کر خود گھر چلے جائیں گے۔ اینڈ ویٹس آل۔" وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا

"ایسا ہوتا ہوگا۔ مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ ہر بات کی حد ہوتی ہے۔ خوش فہمی کی بھی۔ صرف پیسے سے اپنی غیر ضروری خوش فہمی کے سبب ہی وہ جنسا کرتے ہیں۔" مظاہر نے ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اسے پھر ایس ایچ او کو دیکھا۔

"ہم پیدا نہیں ہیں۔ نمبروں کے شکاری ہیں۔" وہاں سے ترنت جواب آیا عین اسی لمحے دروازہ کھلا اور ایک سپاہی نے آکر سلیوٹ کیا۔

"بخاری صاحب اپنے آفس میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ منگش صاحب بھی وہیں ہیں اور سیٹھ ہاشم وہ وہیں والا بھی آچکے ہیں۔" اس نے دوبارہ سلیوٹ کیا اور واپس پلٹ گیا۔

"آپ کو تھوڑی دیر بعد بلائیں گے۔ آپ کی بھی اگر ضرورت ہوئی۔"

ایس ایچ او نے ایک انسپکٹر اور پھر پاشا سے کلام کیا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسی رفتار سے مظاہر اس کے پیچھے تھے۔ پاشا دھوئیں کے مرغولے بنا رہا تھا۔ گہری سوچ کے عکس اس کے چہرے پر تھے۔

ایس پی حمزہ بخاری نے بہت بہت تپاک سے مظاہر کا استقبال کیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے آپ کو خاصا انتظار کرنا پڑا۔ تشریف رکھیے۔ آپ سے ملیے یہ سیٹھ ہاشم ہیں۔ شہر کے ممتاز صنعت کار اور منہاج حسین پاشا کے بزنس پارٹنر۔"

مظاہر نے بہت الجھ کر بڑی سرد مہری سے سیٹھ ہاشم سے ہاتھ ملایا اور صوفے پر بیٹھ کر بخاری صاحب کی طرف دیکھنے لگے۔

"آپ منہاج حسین پاشا کی ضمانت کے لیے ہمارے پاس آئے ہیں۔ آپ کا کہنا ہے کہ مسٹر پاشا ان کے پرسنل دوستوں میں سے ہوتے ہیں۔ آپ کی کزن اور مسٹر پاشا کا افیئر ان کے علم میں تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مسٹر پاشا نے کئی مرتبہ آپ کی کزن کو پرپوز کیا اور یہ بھی یقین دلانے کی کوشش کی کہ آپ کی کزن کی آمادگی کے بعد ہی پرپوزل بھیجا گیا تھا۔ مگر ہر مرتبہ مسٹر پاشا کی والدہ کی توہین کی گئی اور ایک روز آپ نے اشتعال میں آکر مسٹر پاشا پر گولی چلانے کی کوشش بھی کی۔ ایسی انتہائی صورت حال سے دل برداشتہ ہو کر آپ کی کزن نے خاموشی سے گھر چھوڑ دیا اور مسٹر پاشا کی والدہ سے مدد کی درخواست کی اور یہ بھی بتایا کہ ان کے گھر والوں نے ان کو بے حد آتی اوپر چڑھنا شروع کر دیا تھا۔ جو ان کے لئے ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔"

مظاہر بہت سکون اور انہماک سے بخاری صاحب کا لفظ بہ لفظ سن رہے تھے۔ سن رہے تھے تول رہے تھے۔

"قانون میں اس قسم کی دوستانہ مداخلت کس زمرے میں آتی ہے اینڈ پاکستان ۱۹۳۲ء یا ۱۹۷۳ء کے آئین میں کسی دوست کو اس قسم کی سہولت دی گئی ہے؟ مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے۔ کہ قانون نافذ کرانے اور قانون کو سمجھنے والے ایک اعلیٰ آفیسر کو تو سوٹ ہی نہیں کرتا کہ وہ کسی ملزم کے دوست کے بیان پر اپنا وقت ضائع کرے۔ مجھے سیٹھ ہاشم کے بیان پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا کیا اس لیے کہ بے کار ہے۔ میں سب کچھ قانون کے سرکل میں ہی ڈیل کر سکتا ہوں۔ ایف۔ آئی۔ آر۔ درج ہے۔ ملزم کسٹرڈی

میں ہے۔ چالان پیش ہوگا۔ اس کے بعد کا کام عدالت کا ہے۔ فی الحال تو فوراً سے پیشتر میری کزن کو قانونی تحفظ مل جانا چاہیے۔ میری ساری بھاگ دوڑ اسی لیے ہے۔"

انہوں نے بہت متانت سے اپنا موقف بیان کیا۔

"اگر سیٹھ صاحب پاشا کی سفارش کر کے اسے ساتھ لے جانے آئے ہیں تو یہ ان کی بھول ہے۔ اس لیے کہ ابتدائی قانونی کارروائی مکمل ہے۔ اب ہم سب کو ایک ضابطے کا پابند سمجھنا چاہیے خود کو۔ اگر سیٹھ صاحب کی بات عدالت میں ثابت ہو جاتی ہے تو آپ مجھے قانون کا احترام کرنے والوں میں پائیں گے قانون شکنوں میں نہیں۔" مظاہر گویا ہوئے۔

"آپ کی کزن اب منہاج حسین پاشا کی منکوحہ ہے" سیٹھ ہاشم تمسخرانہ مسکرائے۔

"وہ منکوحہ سے پہلے مغویہ ہے۔ اور ہم ٹھوس ثبوت عدالت میں پیش کریں گے۔"

"اتنا بااثر بندہ اور دولت ایک سو ساتھ نکاح نامے تیار کرا سکتا ہے۔ ہم بھی اسی ملک میں رہتے ہیں۔ سیٹھ صاحب ایس پی کے آفس میں اس وقت پولیس آفیسر کا وش لگا ہوا ہے۔ جس سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ مجھے اس دفتر میں کیا کچھ پیش آنے والا ہے۔ مجھے اتنا زیادہ بندوبست کر کے قانون کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا ہے کہ ابھی خاصی دیر ہو گئی۔ جو کچھ پیش آ رہا ہے مجھے اس کا اندازہ تھا۔"

مظاہر بے خوفی اور خود اعتمادی سے سیٹھ صاحب سے مخاطب تھے۔

"میں اس کے نکاح کا عینی گواہ ہوں اس کا وکیل بنا ہوں۔ میرے دستخط موجود ہیں نکاح نامے پر۔ اپنے علاوہ دو تین گواہ عدالت میں پیش کر سکتا ہوں جو نکاح کے وقت موجود تھے۔" سیٹھ صاحب نے بھی کمال سکون سے جواب دیا۔

ایک لمحے کو تو مظاہر گم صم ہو کر رہ گئے۔ کافی دیر سوچ میں ڈوبے رہے۔

"مجھے علم ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہوگا اور اگر واقعی نکاح ہوا ہے تو یہ بالجبر ہے مجھے اندازہ ہے اسے کس قسم کی دھمکیاں دی گئی ہوں گی۔ وہ ایک بزدل لڑکی ہے۔ ہتھیار ڈالنا اس کے لیے مشکل نہیں ہے۔ میں اپنی بات عدالت میں ثابت کر سکتا ہوں۔ اگر اسے ایک مرتبہ قانونی تحفظ کا یقین دلا کر عدالت میں پیش کر دیا گیا وہ سب کچھ بتا دے گی۔"

مظاہر نے پھر بہت وثوق اور اعتماد سے کہا تھا۔

"میرے گھر والے ایف آئی آر درج کرانے کے حق میں نہیں تھے۔ مگر میں نے پہلی فرصت میں ایف آئی آر درج کرائی تھی۔ اس لیے کہ مجھے علم تھا اس کے بغیر میں قانون سے کسی قسم کی مدد طلب نہیں کر سکتا۔ بہر حال وہ ملزم وابستہ ہے۔ اب کوئی اسے اپنی ضمانت پر براہ راست اسٹیشن سے نہیں لے جا سکتا۔ میں اس کا انتظام کر چکا ہوں۔ سیٹھ صاحب اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں۔" مظاہر نے درشتگی سے کہا۔

"آپ عدالت میں جانے کا شوق ضرور پورا کریں۔ یہ آپ کا حق ہے شاید آپ کو اخبارات کا موضوع بننے کا بھی شوق ہے۔ اس طرح آپ کا یہ شوق بھی پورا ہو جائے گا۔"

سیٹھ ہاشم نے طنزیہ کہا۔ یہ بھی دھمکی کا ہی انداز تھا۔

"بالکل۔ آپ مجھے یہ شوق پورا کرنے دیں۔ مہربانی ہوگی۔" مظاہر نے بھی اسی انداز میں کہا۔

"تمام قانونی تقاضے پورے کیے جائیں گے۔ ہمیں علم ہے آپ کتنی محنت کر رہے ہیں۔ یقیناً منسٹر کی قلعیں اور فون کر چکے ہیں۔ محتسب اعلیٰ کی خصوصی ایڈوائز بھی وصول ہو چکی ہے۔ ہم تو صرف یہ چاہ رہے تھے کہ بات بڑھنے سے بہتر ہے کہ سب کی

جائے"۔

بخاری صاحب دونوں کی گفتگو بغور سننے کے بعد بہت آرام سے گویا ہوئے۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا جب کوئی ملزم یا مجرم بارسوخ ہوتا ہے تو بات سمیٹنے کا مشورہ کیوں دیا جاتا ہے؟ اور یہ کون سی قانونی شق ہے؟" مظاہر نے بہت آف موڈ میں کہا۔

"آپ سمجھے نہیں میرا مقصد ہے کہ مسئلہ ایک شریف گھرانے کی لڑکی کا ہے۔ بعض اوقات سارا گھرانہ بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ ناقابل تلافی قسم کے نقصانات پہنچنے لگتے ہیں"۔ انہوں نے مظاہر کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"حق تلفی سے بڑا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ آپ ہمیں اپنا حق استعمال کرنے کی اجازت دیں۔" مظاہر کا انداز ہنوز تھا۔

اسی آن فون کی بیل گھنگنا اٹھی۔ بخاری صاحب نے فوراً ریسیور اٹھایا۔

"جی...... سر! بخاری بات کر رہا ہوں۔ جی بیٹھے ہیں۔ میرے پاس جی...... جی...... سمجھ رہا ہوں سر...... نہیں ابھی تک تو سب ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ چالان پیش ہو جائے گا نہیں سر...... کوئی فون آئے گا تو میں پہلی فرصت میں آپ کو انفارم کروں گا۔ میرے لیے فی الحال تو آسان نہیں ہے۔ لیکن میں ڈیل کر رہا ہوں جی...... جی...... میں مسٹر مظاہر کو بتا دیتا ہوں۔ اوکے سر"۔

بخاری صاحب نے گہرا سانس لے کر فون بند کر دیا اور کچھ دیر ٹیلی فون سیٹ کو گھورتے رہے۔

"سیٹھ صاحب! فی الحال تو کچھ بھی میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ بہر حال......" وہ خاصی دیر سوچ کر سیٹھ ہاشم سے مخاطب ہوئے۔

"اگر میرے مشورے پر شک نہ کریں تو اتنا ضرور کہوں گا کہ آپ اس معاملے میں آگے نہ جائیں۔ آپ کے "بزنس" پر اثر پڑ سکتا ہے۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں ناں۔ اب پرانی فائلیں کھولنے کا بھی حکم ہے۔ صورت حال پیچیدہ ہو گئی ہے اور آپ کو پتا ہی ہے آپ کے پسندیدہ آئی جی سرحد ٹرانسفر ہو گئے۔ اور نئے آئی جی پنجاب سے آئے ہیں۔ سب کے لیے نئے ہیں۔ ابھی ان کے ویوز کا کچھ پتہ نہیں آپ میرے بندھے ہاتھوں کا اندازہ لگائیں اور میری معذرت قبول کریں۔"

اتنا کہہ کر بخاری صاحب خاموش ہو گئے۔ مظاہر بہت انہماک سے ان کی بات سن رہے تھے شاید سیٹھ ہاشم سے بھی زیادہ جو کہ بخاری صاحب کے مخاطب تھے۔

"اچھی بات...... یہ ذہن میں رکھیے۔ ہم بڑی سے بڑی رقم بطور ضمانت بھی رکھ سکتے ہیں اور بطور خدمت بھی۔" وہ معنی خیز انداز میں کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بہر حال...... خدا کسی سنگین صورت حال سے بچائے۔" انہوں نے پھر ذو معنی انداز میں مظاہر کی طرف دیکھ کر کہا اور ان کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ مظاہر نے سرد مہری سے مصافحہ کیا اور فوراً ہی ہاتھ کھینچ لیا۔

"کیا پاشا سے مل سکتا ہوں؟" بخاری صاحب جانے کس دھیان میں تھے۔ ہاشم صاحب کی بات پر چونک پڑے۔

"بالکل۔ کیا فرق پڑتا ہے"۔

"شکریہ جناب اور خدا حافظ"۔ سیٹھ ہاشم نے پھر مظاہر کی طرف دیکھا اور تیزی سے باہر نکل گئے۔

"یہ بڑی "مچھلیاں" ہی مسئلہ کرتی ہیں۔ مگر آپ بہت اوپر تک چلے گئے ہیں۔ اتنا ضرور کہوں گا کہ ہر قدم احتیاط سے اٹھائیے۔" بخاری صاحب مشورہ دے رہے تھے۔

"میں مجبور رہا ہوں بخاری صاحب! لیکن حق پر ہوتے ہوئے ہتھیار کیسے ڈال دوں؟" مجھے رسک لینا پڑے گا۔ میں

اپنی ضمیر کے خلاف کچھ ورائز نہیں کر سکتا۔ بہر حال آپ تھر ریپا پرچیل کا کام ہونے دیں" وہ پر سکون انداز میں گویا ہوئے۔

"یہاں پر کام تھرو پراپر چینل شروع ہوتو جاتے ہیں مگر......" بخاری صاحب نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"مگر محض اندیشوں کا شکار ہو کر اپنے حق سے دستبردار ہونا بھی تو درست نہیں۔ کوشش کرنا ہمارا کام۔ ناکام یا کامیابی ہماری لک...... اللہ کی مرضی"۔

"اس کوشش کے "سائیڈ افیکٹ" کا بھی آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا۔ چالان پیش ہوگا تو آپ کی فیملی اخبارات کا دلچسپ موضوع بنے گی۔ یہ بہت تکلیف دہ صورت حال ہوتی ہے"۔

بخاری صاحب شاید انہیں مزید آگے بڑھنے سے روکنا چاہ رہے تھے۔ ورنہ جو باتیں مظاہر کے سوچنے کی تھیں وہ کیوں سوچ رہے تھے۔

"ویسے تو ہمارے انفارمیشن سیل کو آفیشل ایڈوائز کر دی گئی ہے۔ مینڈ بالکل پر فی الحال ہمارا ہولڈ ہے"۔ مظاہر نے الجھ کر جواب دیا۔

"بہر حال "خبر" تو بن ہی جاتی ہے"۔ بخاری صاحب نے ہار نہ مانی۔

"ہاں تو بن جائے۔ میں بہر حال ڈر کر اپنے جائز حق سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ خواہ ٹیلی گراف یا سنڈے ٹائمز میں چھپ جائے"۔

ان کے دوٹوک انداز پر بخاری صاحب نے یوں رکھا تھا گویا انہوں نے مظاہر سے ہار مان لی ہو۔

"بہر حال۔ اب میں چلتا ہوں۔ اب اسے "شاہی پروٹوکول" کے ساتھ نہیں لاک اپ میں رکھنا چاہتا ہوں۔ ڈونٹ مائنڈ۔ اوکے۔ خدا حافظ۔" وہ کھڑے ہوئے۔

بخاری صاحب بھی سیٹ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بہت گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"چلیں بھابھی۔ آپ اوپر کمرے میں چلیں۔ یہ کہہ رہے ہیں کسی بھی وقت ریڈ ہو سکتی ہے۔ بس جلدی اٹھیں۔ اوپری کپڑے چینج کر لیجئے گا۔" ملیحہ بہت حواس باختہ نظر آ رہی تھی۔

ماہ نور نے ایک نظر اس کی سمت دیکھا اور پاؤں بستر سے نیچے لٹکا کر سلیپر پہننے لگی۔

ملیحہ بہت احتیاط سے اس کا ہاتھ تھام کر کمرے سے باہر آئی دوسرے ہاتھ میں کپڑے تھے۔

ماہ نور نے بمشکل شرارہ سنبھالا ہوا تھا۔

وہ ملیحہ کے ساتھ اوپر کمرے میں آ گئی۔ کمرہ شاید کافی عرصے بعد کھولا گیا تھا۔ اچھی خاصی دھول مٹی نظر آ رہی تھی۔

"پولیس تو اوپر بھی آ سکتی ہے"۔ ماہ نور نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تو پھر آپ واٹر ٹینک کے پیچھے چلی جائیے گا۔ ویسے وقار بھائی کہہ رہے تھے کہ ہم ہینڈل کر لیں گے۔ نکاح نامہ ہمارے پاس موجود ہے"۔ ملیحہ نے جواب دیا۔

"نکاح نامہ" ماہ نور تلخی سے مسکرا پڑی۔

"آپ کپڑے بدل لیجئے اور اندر سے دروازہ بند کر لیجئے میں چکر لگاتی رہوں گی۔"

"کیوں دھوکا دے رہے ہیں آپ لوگ خود کو۔ پولیس اگر تلاشی لے گی تو گھر کے ایک ایک کونے کو کھنگال ڈالے گی۔"

ماہ نور نے پھر تلخ لہجے میں کہا۔

"برابر والوں کی چھت ہماری چھت سے ملی ہوئی ہے۔ ہم آپ کو وہاں پہنچا دیں گے۔ فکر نہ کریں"۔ ملیحہ باہر نکلتے ہوئے بولی۔

ماہ نور نے چونک کر اس کی شکل دیکھی اور ایک خیال برق رفتاری سے ذہن کی وسعتوں میں کوندا۔ اس نے اپنے سر اپے پر نظر ڈالی اور ملیحہ کے باہر نکلتے ہی دروازہ اندر سے بند کر کے کپڑے بدلنے لگی۔ اس عمل کے دوران اس نے بہت کچھ سوچا تھا۔

اس نے کپڑے بدل کر جھومر نکالا تھا اپنے گریبان کے اندر رکھ لیا اور کپڑے بیڈ پر پھینک کر کاٹن کا دوپٹہ اچھی طرح لپیٹ لیا۔

جو خیال ملیحہ کو دیکھ کر تازہ ہوا تھا۔ وہ جو مجبوراً پامال ہونے کا احساس تھا" ۔ راہ نجات نظر آتے ہی مٹ گیا تھا۔

وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ اوپر ٹیرس کے علاوہ دو کمرے اور بنے ہوئے تھے۔ اس نے چار دیواری کی سمت نظر کی۔ پڑوس کی سمت غور کیا تو واقعی ایک مشترکہ دیوار نظر آئی جو تقریباً پانچ فٹ اونچی تھی۔

وہ دیوار کے نزدیک آئی۔ برابر والوں کی چھت پر کوئی کنسٹرکشن نہیں تھی۔ صرف صاف ستھری چھت تھی۔ جہاں رونق پلنگ چند کرسیاں اور بڑا سا ارکولر۔ ایک پلاسٹک کی بالٹی دو تین چپلوں کے جوڑے۔ بچوں کی سائیکل بیٹ بال وغیرہ ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔

وہ دیوار پر چڑھنے لگی تو بہت دشواری محسوس ہوئی۔ اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو ایک خستہ حال لکڑی کی کرسی نظر آ گئی۔ وہ جلدی سے کرسی اٹھا لائی اور دیوار سے لگا کر بہت آرام سے دیوار پر چڑھ گئی۔ اب چھلانگ لگانے کا مرحلہ تھا چند لمحے خود کو تولتی رہی۔ پھر اللہ کا نام لے کر چھلانگ لگا دی۔ اچھی خاصی دھپ کی آواز پیدا ہوئی تھی۔ ابھی وہ سنبھل کر کھڑی بھی نہیں ہوئی تھی۔ کہ کوئی بھاگتا ہوا زینہ طے کر کے اوپر چلا آیا۔

"کون ہے۔ کون ہے؟" ایک تیرہ سالہ لڑکے کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

"پلیز شور نہیں کرو۔ تمہارے گھر میں کوئی خاتون ہے تو مجھے ان کے پاس لے چلو۔ پلیز جلدی کرو" ۔ پھولتے ہوئے سانس کے ساتھ لڑکے سے مخاطب ہوئی۔

"گھر پر اس وقت صرف میری پھوپھو ہیں۔" لڑکے کے اوسان خطا تھے بہر حال اس نے جواب دیا تھا۔ اس کی حیرت وا لجھن اس کے چہرے پر چسپاں نقش تھی۔

"آ..... آپ کون ہیں......؟"

تم مجھے جلدی سے اپنی پھوپھو کے پاس لے چلو" اس نے اضطراری انداز میں لڑکے کا بازو تھام کر کہا۔

"آ ہے۔" لڑکے کی حیرت ہنوز تھی۔ وہ غور سے اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

لڑکا اسے نیچے ایک کمرے میں لے آیا۔ ایک چالیس بیالیس سال کی خاتون لائٹ براؤن شیفون کی ساڑی میں ملبوس غالباً وارڈ روب درست کر رہی تھیں۔ وارڈروب کے پٹوں پٹ کھلے ہوئے تھے اور بیڈ پر کپڑوں کا ڈھیر پھیلا ہوا تھا وہ اپنے کام میں بری طرح منہمک تھیں۔

"پھوپھو...... ایک منٹ" لڑکے نے متوجہ کیا۔

خاتون چونک کر پلٹیں۔ اور ماہ نور کو قدرے حیرت سے دیکھ کر لڑکے کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"پھوپھو! یہ چھت پر تھیں۔ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔" لڑکے کی سمجھ میں جو آیا کہہ دیا۔

"ہیں؟ چھت پر تھیں۔ انہوں نے لڑکے کو گھورا۔ گویا وہ مذاق کر رہا ہو۔

"جی۔ میں بتاتی ہوں۔ آپ ذرا بچے کو باہر بھیج دیں۔"

"بلو۔ تم یہیں ٹھہرو۔ آپ میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئیں۔" خاتون مشکوک تھیں اور قدرے پریشان بھی۔

وہ تیزی سے خاتون کے پیچھے چل پڑی۔

وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔

"تشریف رکھیے۔" انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میں کچھ نہیں۔ بلو کیا کہہ رہا تھا۔ آپ چھت پر تھیں۔"

"جی..... میں مختصر بتاتی ہوں۔ اس نے جلدی جلدی اپنی کہانی کہہ سنائی خاتون منہ کھولے سنتی رہیں۔

"اوہ..... آپ کے ساتھ تو بہت برا ہوا ہے۔ چچ چچ۔ وہ تاسف سے کہہ رہی تھیں۔

"اب میں چھت پر سے اتر کر آپ کا گیٹ تو پار نہیں کر سکتی تھی۔ دوسرے میرے پاس کرائے کے پیسے بھی نہیں ہیں۔ آپ یہ جیولری رکھ لیں اور مجھے کچھ پیسے دے دیں۔ بعد میں آپ پاشا کی والدہ کو یہ جیولری واپس کر کے ان سے پیسے لے لیجئے گا۔ وہ بہت اچھی ہیں۔ آپ کو پیسے دے دیں گی۔"

"پیسوں کی تو کوئی بات نہیں۔ مگر آپ اتنی رات کو جائیں گی کہاں؟ اور یہ شخص تو بہت خطرناک ہے آپ کو ڈھونڈ نکالے گا۔ ہم تو اس پڑوس سے بہت پریشان ہیں آئے دن جب دیکھو تو پولیس کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ مجھے واقعی آپ سے بہت ہمدردی محسوس ہو رہی ہے۔ بہت اچھے گھرانے کی لڑکی معلوم ہوتی ہیں۔ بہت برا ہوا آپ کے ساتھ۔ اگر آپ کا گھر یہاں سے نزدیک ہے تو میں اور بلو آپ کو چھوڑ آتے ہیں۔ میں ڈرائیو کر لیتی ہوں۔" خاتون بہت ہمدرد محسوس ہوئیں۔

"نہیں نہیں، بہت شکریہ۔ بس آپ میری اتنی ہیلپ کر دیں کہ مجھے کچھ رقم دے دیں۔ یہ جیولری رکھ لیں۔ گولڈ کی ہے۔ آپ پاشا کی امی کو واپس کر کے اپنے پیسے لے لیجئے گا۔ آپ یقین کریں وہ دے دیں گی۔"

"مگر آپ جا کہاں رہی ہیں؟ رات بہت ہو چکی ہے" ۔ خاتون بہت فکر مندی سے کہہ رہی تھیں۔

"اس کی آپ فکر نہ کریں میں اپنے گھر ہی جاؤں گی۔ پلیز آپ دیر نہ کریں پولیس ریڈ ہو گی تو وہ ادھر بھی آ سکتے ہیں۔"

اس نے جلدی جلدی ہاتھ سے چوڑیاں کنگن کھسوٹنا شروع کر دیے۔

"آپ رہنے دیں۔ یہ میں نہیں رکھ سکتی۔ ان کو رکھ کر تو میں خود کسی مصیبت میں پھنس سکتی ہوں۔ آپ پیسے لے لیں۔"

خاتون نے الماری سے پرس نکالتے ہوئے کہا اور چار پانچ سرخ نوٹ نکالے پھر کچھ سوچ کر رک گئیں۔

"آپ کو کتنے پیسے کی ضرورت ہے، میرا مطلب ہے آپ کا گھر کہاں ہے"۔

"کم سے کم آپ مجھے تین سو روپے دے دیں۔ بہت مہربانی ہو گی اگر مجھے موقع ملا تو میں جلدی آپ کی رقم لوٹا دوں گی۔"

"مجھے رقم کی واپسی کی فکر نہیں ہے۔ میں تو یہ سوچ رہی ہوں اتنی رات کو آپ اکیلی؟"۔

"پلیز سوال جواب میں بہت دیر ہو جائے گی۔ بس آپ مجھے جانے دیں۔ مجھے اس علاقے سے جلد از جلد نکل جانا چاہیے۔"

خاتون نے چند نوٹ اس کی طرف بڑھا دیے۔

"ایک بات ذہن میں رکھیے پاشا کوئی معمولی کردار نہیں ہے۔ یہ خطرناک آدمی ہے۔ یہاں کوئی اس کے منہ لگنے کی کوشش نہیں کرتا۔ آپ کسی جگہ ہوں بہت احتیاط کرنا ہوگی۔"

"جی۔"

"یہ بیگ رکھ لو۔ اپنی جیولری اتار کر اس میں رکھو۔ اس رات و جیولری پہن کر نکلنا خطرے کو دعوت دینا ہے۔" خاتون نے ایک پرانا سا ہینڈ بیگ الماری سے نکال کر اس کی سمت بڑھایا۔

"سونیا آپ امانتاً رکھ لیں ناں۔ صبح پاشا کی امی کو واپس کروا دیجئے گا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ جیولری میرے پاس سے نکل آئی تو پولیس لڑکی بھی ہمیں سے برآمد کرائے گی۔ دوسری صورت میں ہم ایک عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے۔ ابھی آپ کے حواس درست نہیں ہیں۔ شاید میری بات سمجھ میں نہ آ رہی ہو مگر یہ اتار کر بیگ میں رکھیں اور ساتھ ہی لے جائیں۔ یہ گلے کا زیور بھی اتار لیں۔"

ماہ نور کے شاید بات سمجھ میں آ گئی تھی اس نے ساری جیولری جلدی جلدی اتار کر بیگ میں ٹھونسی اور کاٹن کا چوڑا سا دوپٹہ اچھی طرح لپیٹ کر بیگ بغل میں دبا لیا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ یقین کریں "رہائی" کا احساس اتنا خوب صورت ہے کہ باہر کے اندھیروں سے خوف بھی نہیں رہا۔"

"اللہ حافظ۔"

خاتون بھی گیٹ تک اس کے پیچھے پیچھے آئیں۔ خود گیٹ وا کیا اور اسے خدا حافظ کہا۔

اس نے گیٹ سے باہر قدم رکھا تو دیکھا۔ پاشا کے گیٹ کے سامنے بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں جن میں ایک بڑی پولیس موبائل بھی شامل تھی۔

لمحے بھر کو تو گویا حواس ہی معطل ہو گئے۔ اس نے چادر کو مزید چہرے پر آگے کی طرف کھسکا لیا تھا۔ ایک جوش کی کیفیت میں یہاں تک تو گزر آئی تھی مگر تاریک رات کے ہول ایک دم ہی اندر جاگ گئے تھے۔

چند منٹ کی واک پر ہی تو طاہر علی کا گھر تھا۔ اس کا اپنا اپنے باپ کا گھر۔ یونہی چلتی ہوئی وہاں پہنچ سکتی تھی مگر نہیں پہنچ سکتی تھی۔ درمیان میں بڑی گہری دھند تھی اب وہ رشتے اس کی ذات پر پڑی برف تھے جو پگھل پگھل کر اس کے ہاتھوں سے نکلے جا رہے تھے۔

پولیس کو وہ مطلوب تھی وہ اس کی بازیابی کے لیے ہر جگہ ریڈ کرتی جہاں اس کے موجود ہونے کا معمولی سا شائبہ بھی ہوتا وہ طوہاً کرہاً دل و جان کی آمادگی سے کسی طرح بھی اس گھر میں نہیں جا سکتی تھی رہائی ناممکن نظر آ رہی تھی تو کھونے کی سیاہ چادر لپیٹ لی تھی۔ اب کھلی ہوا چھو رہی تھی تو بسیط فضاؤں میں اڑ جانے کو جی چاہتا تھا۔ آزادی کا خوشگوار احساس ذہن کو نئی سمتوں میں اڑائے لیے جا رہا تھا۔ وہ بہت احتیاط سے چلتی ہوئی گلی کے موڑ تک آئی تھی۔ چہار سو خاموشی محیط تھی۔ گاہے گاہے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آ جاتی تھی۔

اس نے بہت حسرت سے گھر کی سمت جانے والے راستے کو دیکھا تھا اور آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں کبھی یہ راستہ یوں پاؤں کو لگتا تھا کہ وہ آنکھیں بند کر کے بھی گھر پہنچ سکتی تھی اور اس راستے میں آج جگہ جگہ کھائیاں پڑ گئی تھیں۔

اس نے موڑ پر رک کر ڈرتے ڈرتے پاشا کے گھر کی سمت دیکھا۔ گاڑیاں ابھی تک کھڑی تھیں۔ مین روڈ پر اکا دکا گاڑی

گزر جاتی تھی۔ پبلک ٹرانسپورٹ تو اس وقت تقریباً بند ہی ہو جاتی تھی۔ سا خوف کی ایک لہر ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کر گئی۔

اچانک ہی احساس ہوا تھا کہ رات بہت ہو چکی ہے اور اس سرزمین میں پاشاؤں کی کوئی کمی تو نہیں۔ جانے کس موڑ پر کوئی نیا پاشا کھڑا ہو۔ اس نے بیگ کو یوں دبوچ لیا جیسے کسی ذی نفس کی موجودگی کا احساس ہو رہا ہو ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا تھا کہاں جائے۔

عین اسی لمحے اسے ساجدہ کا خیال آیا۔ وہ نہ جانے اسی علاقے میں رہتی ہے۔ کیا اسے وہاں چلے جانا چاہیے مگر اس کے گھر والے کیا سوچیں گے۔ کیا وہ ایک اغوا شدہ لڑکی کو پناہ دے دیں گے۔

ذہن جس راستے کی نشان دہی کرتا اندیشوں کے ناگ پھنکارنے لگتے۔ ذہن بری طرح الجھ گیا۔ یہ تو طے تھا کہ جانے پہچانے راستوں پر جانا اس حاصل شدہ رہائی کو کھو دینے کے مترادف تھا۔ اب شاید وہ دو جگہ مطلوب رہے گی۔ وہ عجب مخمصے میں اپنی جگہ کھڑی تھی۔

عین اسی لمحے ایک موٹر بائیک اس کے نزدیک سے گزری۔ دل اچھل کر حلق میں آ گیا ٹانگوں میں لرزہ طاری ہو گیا۔ اسے وقت کی سنگینی کا شدت سے احساس ہوا اور یہ کہ اس وقت وہ کس سچویشن سے دوچار ہے۔

موٹر بائیک تو اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی مگر اس کے ذہن نے سرعت سے سوچنا شروع کر دیا تھا۔ خوف کی انتہائی صورت انسان کے ذہن کے ایک ایک خلیے کو چارج کر دیتی ہے اور ہنگامی صورت حال کا احساس ہوتے ہی دماغ کسی حل کی طرف دوڑتا ہے۔ اس اندھیرے سے بڑی ہنگامی صورت حال اور کیا ہو سکتی تھی؟

اس نے بس بغیر سوچے سمجھے مین روڈ کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

دل ہی دل میں قرآنی آیات بھی ورد کرتی جا رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ بس اسٹاپ کے شیڈ تک پہنچ گئی اور یوں بس کا انتظار کرنے لگی جیسے سو فیصد یقین ہو کہ بس آنے والی ہے۔ گاہے گاہے ادھر ادھر بھی دیکھ لیتی تھی کہیں کوئی موبائل اس کی تلاش میں نہ آ رہی ہو۔

کئی پرائیویٹ گاڑیاں اس کے سامنے سے گزر گئیں۔ ہر گزرنے والی گاڑی دل دھڑکا دیتی تھی۔ عین اسی لمحے ایک سیاہ کار اس کے نزدیک آ کر رک گئی اور ہارن دے کر اسے متوجہ کیا اس نے ڈرتے ڈرتے نظریں اٹھائیں ایک نوجوان اس کی سمت جھانک رہا تھا۔

"ہمارے لائق کوئی خدمت میڈم؟" اور ماہ نور کی ہتھیلیوں اور پیشانی پر پسینہ پھوٹ نکلا۔

نوجوان نے دوبارہ ہارن دیا۔

اس نے دل اور جان کی گہرائیوں سے اللہ کو پکارا۔

"زمانہ بہت خراب ہے میڈم! ہم آپ کی خدمت کو تیار ہیں۔ حکم کیجئے۔"

وہ اپنی نگاہوں کی آوارگی اور لہجے کے ساتھ مخاطب تھا اور اس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ سارے بدن کا رواں رواں خوف سے کھڑا ہو چکا تھا۔

نوجوان نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔

یا اللہ مدد! یہ میں نے کیا کیا پھر تو پاشا ہی بہتر تھا مجھے تو زمانے کے شکنجے میں جکڑ چکا تھا۔

اچانک اسے کسی رکشا کی آواز سنائی دی۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے دیکھا وہاں سامنے رکشا نہیں بلکہ ویسپا اسکوٹر تھا جس کو ایک سفید ریش بھاری جسامت والے صاحب چلا رہے تھے... اس نوجوان نے اسے اسکوٹر

روکتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے اترنے کے بجائے فوراً دوبارہ دروازہ بند کر لیا تھا اور گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

اسکوٹر رک چکا تھا۔

"جی بی بی؟" اسکوٹر سوار بزرگ مرد اس سے مخاطب تھا۔ وہ جلدی سے شیڈ سے باہر آ گئی تھی۔

"انکل پلیز میری ہیلپ کریں۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں گی"۔ یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی۔

"بیٹے! آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟" وہ آواز سے بہت حلیم الطبع محسوس ہوئے۔

"وہ مجھے کینٹ اسٹیشن جانا ہے۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا شاید وہ لاشعوری طور پر تمام متعلقین کی حدود سے بہت دور نکل جانا چاہتی تھی۔

"آپ کو کس جگہ جانا ہے اور کس گاڑی سے؟" وہ ان کے قریب کھڑی تھی اور وہ بہت مدھم آواز میں اس سے مخاطب تھے

"وہ بس آپ مجھے اسٹیشن پہنچا دیں۔ آپ کی بہت مہربانی ہوگی"۔ اس نے ان کا سوال نظر انداز کر دیا۔

"وہ تو میں پہنچا سکتا ہوں مگر آپ کس گاڑی میں جائیں گے۔ بچے اور گاڑی کے انتظار میں کیا وہاں بھی آپ اکیلے نہیں ہوں گے؟ اس وقت کسی اچھے گھرانے کی لڑکی باہر تنہا نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ سوائے اس کے کہ کوئی اضطرار آ پڑی ہو۔ آپ مجھے اچھے گھرانے کی بچی دکھائی دیتی ہیں اور میں آپ کو اس وقت باہر دیکھ کر بہت افسوس محسوس کر رہا ہوں"۔ وہ صاحب بہت دل سوزی سے کہہ رہے تھے۔

"میرا تعلق واقعی بہت اچھے گھرانے سے ہے بس انکل! آپ اس وقت میرے لیے کسی فرشتے سے کم نہیں ہیں میری ہیلپ کیجئے اور مجھے کینٹ پہنچا دیجئے یوں سمجھئے آپ بہت بڑی نیکی کریں گے اس وقت۔" اس نے منت سے کہا۔

"میں بالکل آپ کی مدد کرنے کو تیار ہوں مگر اس وقت یا تھوڑی دیر بعد کوئی گاڑی [illegible] آپ جائیں گی کہاں؟" وہ تشویش سے پوچھ رہے تھے۔

"مجھے اپنی خالہ کے پاس جانا ہے اور وہ بہت ضروری جانا ہے۔" اسے بس یہی جملہ سوجھا۔

"خالہ کے پاس تو صبح بھی جایا جا سکتا ہے۔ اس وقت آپ کہاں سے آ رہی ہیں۔ اصل بات یہ ہے"۔ صاحب کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا گویا۔

"وہ میں تو گھر سے ہی آ رہی ہوں۔ میری والدہ سوتیلی ہیں۔ وہ زبردستی میری شادی اپنے آوارہ بھانجے سے کرنا چاہتی ہیں۔ میں نے انکار کر دیا تو بس میری شامت ہی آ گئی۔ ویسے بھی پہلے وہ کون سا میرے ساتھ اچھا سلوک کر رہی تھیں پر اب تو بس کوئی حد ہی نہیں رہی۔"

"آپ کے والد؟" بے ساختہ سوال ہوا اور وہ گڑبڑا گئی۔ باپ کو جیتے جی مرحوم تو کر نہیں سکتی تھی۔

"وہ..... وہ تو میرے بچپن ہی سے مڈل ایسٹ میں ہیں۔ سال میں ایک مہینے کے لیے آتے ہیں۔" اف تو یہ جھوٹ در بھی سلسلہ وار وہ جیسے شل ہو گئی۔

"تو آپ کی خالہ کہاں رہتی ہیں؟"

"آپ مجھے کینٹ تو پہنچا دیں۔ کہیں کوئی مجھے ڈھونڈتا ہوا ادھر نہ آ نکلے۔" اس نے گویا بات ٹالنے کی کوشش کی در حقیقت اس قسم کا خطرہ تو بہر حال موجود تھا۔

"آ بیٹھیے۔ یہ بھی آپ نے درست کہا بیٹے!" وہ صاحب بھی قدرے پریشان ہو گئے۔

وہ پرس سنبھال کر جلدی سے ان کے پیچھے بیٹھ گئی۔ چادر سے چہرہ اچھی طرح ڈھانپ لیا تھا۔

اسکوٹر آگے بڑھ رہا تھا اور وہ دھلے شدہ ڈامری چمکتی سڑک کو گردن موڑ کر دیکھ رہی تھی۔

"ہاں تو بیٹے! آپ نے بتایا نہیں۔ آپ کی خالہ کہاں رہتی ہیں۔"

"جی وہ حیدرآباد میں رہتی ہیں۔" ذہن نے پھر برق رفتاری سے کام لیا۔

"حیدرآباد میں کس جگہ؟" پھر سوال آیا۔

"وہ زچ ہو گئی۔ حیدرآباد کے بارے میں تو اسے بھی کوئی خاص معلومات نہیں تھیں۔

"وہ لطیف آباد میں۔" اتنا تو اسے پتا تھا کہ حیدرآباد میں لطیف آباد بھی ہے۔

"کون سے نمبر میں؟" وہ شاید کھٹک گئے تھے جو چھوٹے کو گھر تک پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"میں کبھی نہیں" وہ بے ساختہ بولی۔

"بھئی لطیف آباد کے بہت سے نمبر ہیں۔ آپ کو ایڈریس تو معلوم ہے ان کا؟" وہ قدرے حیرانی سے پوچھ رہے تھے۔

"جی..... جی سات نمبر میں"۔ حالانکہ کہتے ہوئے دل دھڑک گیا کہ پتا نہیں سات نمبر ہے بھی یا نہیں اسے تو کراچی کا بھی زیادہ پتا نہیں تھا حیدرآباد کا کیا پتہ ہوتا۔

"اچھا اچھا۔ سات نمبر میں۔" وہ جیسے قدرے مطمئن ہو گئے اور اس نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔

"وقت بہت خراب ہے بیٹے! آپ کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا واقعی بعض اوقات تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس دنیا سے انسانیت کا [illegible] اب میں بھی نہیں جانتا کہ اس وقت کوئی گاڑی حیدرآباد کی طرف جاتی ہے یا نہیں۔ کوچز وغیرہ تو خیر چلتی رہتی ہیں۔ مگر میرا خیال ہے۔ اکیلی لڑکی کا کوچ میں سفر مناسب نہیں فوراً نظروں میں آ سکتی ہے۔ ٹرین ہی بہتر ہے۔" وہ جیسے الجھ رہے تھے۔

"انکل آپ [illegible]۔ بس کینٹ پہنچا دیں باقی وہاں سے مجھے کوئی مشکل نہیں ہوگی کوئی نہ کوئی گاڑی مل ہی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ آپ میرا فون نمبر رکھ لیجئے کوئی پرابلم ہو تو بتا دینا"۔

"جی ٹھیک ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔" اس نے دلی تشکر سے کہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب تک پولیس وقار علی عمران سے بات چیت میں مصروف تھی وقار نے ملیحہ کو اشارہ کر دیا تھا کہ وہ گھر میں محفوظ نہیں ہے پروگرام کے مطابق اسے اوپر پڑوس میں بھیج دیا جائے سب خواتین لاؤنج میں کھڑی پولیس وقار علی عمران اور پاشا کے دوستوں کے مابین ہونے والی بات چیت سن رہی تھیں۔

"تلاشی تو پاشا کے ہر ٹھکانے پر ہوگی۔ مگر ہمارے پاس اطلاع یہی ہے کہ لڑکی یہیں ہے بہتر ہے آپ لوگ تعاون کریں ورنہ دوسرا راستہ اختیار کرنا ہوگا"۔ پولیس آفیسر علی عمران سے کہہ رہا تھا۔

"آپ کو غلط اطلاع ملی ہے۔ لڑکی یہاں نہیں ہے۔ یہاں تو ایک چھوٹی سی دعوت ہو رہی ہے۔" علی عمران بہت اعتماد سے بات کر رہے تھے۔

"اطلاع غلط نہیں ہے۔ ہم تلاشی لینا چاہتے ہیں۔" آفیسر نے قطعی انداز میں کہا۔

وقار نے اسی لمحے ملیحہ کو اشارہ کر دیا تھا اور وہ لاؤنج کے راستے سے اوپر دوڑ گئی تھی۔

پولیس گھر کے اندرونی حصوں میں داخل ہو گئی تھی اور قمر النساء کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

"صبیحہ بیٹے! مجھے ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ"۔ وہ صوفے پر ڈھے گئی تھیں۔ صبیحہ فوراً پانی لینے دوڑ پڑی تھی۔

وہ پانی پی ہی رہی تھیں کہ ملیحہ دوڑتی ہوئی واپس آ گئی تھی۔

"بھابھی اوپر نہیں ہیں۔" اس نے سرگوشی میں صبیحہ کو بتایا۔

"اوپر نہیں ہیں؟" صبیحہ بھونچکی رہ گئی۔ "وہیں ہوں گی۔ ادھر ادھر کھڑی ہوں گی۔" وہ بھی سرگوشی میں بولی۔ "جلدی جلدی جاؤ اس سے پہلے کہ پولیس اوپر پہنچ جائے۔" اس نے اسی طرح سرگوشی میں ملیحہ کو کہا۔

"میں سب کچھ دیکھ کر آ رہی ہوں۔" ملیحہ نے جواب دیا۔

"یہ اوپر جانے کا راستہ ہے۔ امیر بخش اوپر دیکھو۔" اسی لمحے آفیسر کی آواز گونجی۔

سپاہیوں کے بوٹوں سے زینہ لرزنے لگا اور اس سے کہیں زیادہ پیچھے کھڑے لوگوں کے دل۔ قمر النساء زیر لب کچھ پڑھنے لگیں۔ آفیسر چھڑی بغل میں دبائے ریوالور ہاتھ میں اچھالتے ہوئے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ وقار اور علی عمران اپنی جگہ ایستادہ کھڑے تھے۔ پریشانی ان کے چہروں سے بھی واضح تھی۔

"سر! لڑکی اوپر بھی نہیں ہے۔" ایک سپاہی نے نیچے آ کر اطلاع دی۔

"ہوں مگر لڑکی کو ادھر ہی ہونا چاہیے۔" آفیسر اپنی جگہ اڑا ہوا تھا۔

"سر! اوپر صرف دو کمرے، ایک باتھ روم ہے اوور ہیڈ ٹینک ہے اور کچھ نہیں ہے۔" سپاہی نے مؤدبانہ عرض کی۔

"اوور ہیڈ ٹینک بھی دیکھو۔ سارچ ہے۔" آفیسر نے پوچھا۔

"کیس کچھ اس طرح کا ہے کہ کچھ بھی ممکن ہو سکتا ہے۔" اس نے سپاہی سے کہا سپاہی دوبارہ اوپر چلا گیا۔

"آپ کا خیال ہے۔ وہ ٹینک میں کود گئی ہوں گی؟" صبیحہ نے چڑ کر کہا۔ حالانکہ اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا (آخر وہ کہاں گئی)۔

"نہ بھی کودی ہوں دھکا بھی دیا جا سکتا ہے۔" پولیس آفیسر نے مشتعل انداز میں ترکا سا جواب دیا۔ مدیحہ کا بچہ رو رہا تھا وہ اسے لے کر لان کی طرف نکل گئی۔

"توبہ استغفار۔" قمر النساء نے آفیسر کے اندیشے پر بے ساختہ کہا تھا۔ اندر سے بے حد پریشان تھیں۔ (اوپر نہیں ہے تو کہاں ہے)

"سر! لڑکی اوپر نہیں ہے۔ اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔" سپاہی دوبارہ واپس آ گیا تھا۔

"ہوں تم لوگ گاڑی میں جاؤ خیابان شمشیر چلنا ہے۔" آفیسر نے ایک مرتبہ پھر چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے حکم دیا۔ باقی دوسرے سپاہی بھی نیچے آ چکے تھے۔ حکم سنتے ہی بغیر رکے باہر نکل گئے۔

"ٹھیک ہے ماں جی! ہم چلتے ہیں۔ آپ لوگ کتنی ہی ہوشیاری کریں لڑکی تو پھر بھی بازیاب ہو ہی جائے گی۔" وہ اتنا کہہ کر باہر نکل گیا۔

"ارے کہاں چلی گئی وہ؟" قمر النساء نے ملیحہ کی طرف دیکھا۔

صبیحہ نے فوراً ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اماں! پولیس ابھی یہیں ہے کیا کر رہی ہیں؟" وہ بدحواس ہو کر کہہ رہی تھی۔

وقار اور علی عمران بھی آفیسر کے پیچھے چلے گئے تھے۔

قمر النساء دل پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

صبیحہ اور ملیحہ ان کے دائیں بائیں بیٹھ گئی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد گاڑیوں کے روانہ ہونے کی آوازیں سنائی دیں اور اس کے فوراً بعد علی عمران اندر لاؤنج میں آ گئے۔

"وقار کہاں ہیں؟" ملیحہ پریشان ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"یہیں ہیں آ رہے ہیں" علی عمران نے تسلی دی۔

"ملیحہ! تم خود اسے اوپر چھوڑ کر آئی تھیں؟" علی عمران نے پوچھا۔

"جی عمران بھائی! میں ان کو یہ بھی کہہ آئی تھی کہ اگر خطرہ ہو تو انہیں پڑوس میں پہنچا دیں گے۔ اوپر چھت سے برابر میں اترا جا سکتا ہے۔" ملیحہ کو فوراً ہی دھیان آ گیا تھا۔

"تو پھر چلو پڑوس میں معلوم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے وہ اس کے علاوہ جا بھی کہاں سکتی ہے۔" انہوں نے قدرے اطمینان سے سانس لیتے ہوئے کہا۔

"آؤ صبیحہ! تم بھی آ جاؤ۔" انہوں نے ملیحہ کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے بیوی سے کہا۔ صبیحہ نے ماں کی طرف دیکھا "چل رہی ہیں اماں! مسعود کے گھر بلکہ آپ ہی کو جانا چاہیے"۔

"ہاں ہاں۔ چلتی ہوں خدا کرے وہ وہیں ہو۔" وہ بہت پریشان تھیں۔ تینوں علی عمران کے پیچھے پیچھے چل پڑیں۔

"اماں! آپ پریشان نہ ہوں وہ وہیں ہوں گی۔ سوچیں جا بھی کہاں سکتی ہیں۔" ملیحہ نے ماں کا ہاتھ تھام کر بہت محبت کے ساتھ تسلی دی۔

پڑوسی کے گیٹ تک علی عمران پہلے پہنچ کر کال بیل کا بٹن پش کر چکے تھے اور تینوں اماں بیٹیوں کے پہنچنے تک گیٹ کھل چکا تھا اور بلو گیٹ سے باہر جھانکتے ہوئے بڑی حیرانی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری ماں ہیں بیٹا اندر؟" قمر النساء نے بے تابی سے پوچھا۔

"نہیں جی وہ تو نہیں ہیں ممی پاپا مسعود چاچا سب اسلام آباد گئے ہیں۔ پھوپھو ہیں آ جائیں آپ لوگ اندر آ جائیں۔" اس نے ایک طرف ہو کر انہیں راستہ دیا۔ علی عمران اسی طرح پشت پر ہاتھ باندھے کھڑے رہے۔

"آپ بھی آ جائیں بھائی جان!" بلو نے انہیں متوجہ کیا تو انہوں نے قدرے ہچکچاتے ہوئے قدم بڑھا دیے۔

بلو کی پھوپھو سامنے ہی نظر پڑ گئیں کال بیل کی آواز پر وہ اندازہ لگا چکی تھیں کہ ضرور برابر ہی سے کوئی آیا ہو گا۔

"السلام علیکم خالہ جان!" انہوں نے قمر النساء کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام اچھی ہو؟" قمر النساء نے تکلف سے پوچھا۔ ان کی نظریں ادھر ادھر طواف کر رہی تھیں۔

"جی شکر ہے۔ آئیں ادھر ڈرائنگ روم میں آ جائیں۔ آج تو غالباً کوئی تقریب تھی آپ کے ہاں بلو سے کہہ رہی تھی کوئی دعوت وغیرہ ہو رہی ہے دیکھ لیں پڑوسیوں کو پوچھا تک نہیں۔" انہوں نے صبیحہ و ملیحہ کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"اے دعوت کیسی تاثرہ! سب پتہ چل جائے گا تمہیں۔ ہمسایوں سے کیا چھپانا۔ ذرا ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلوا دو مجھے۔" وہ صوفے پر بیٹھ کر گہری گہری سانس لینے لگیں۔ بلو اور علی عمران بھی ڈرائنگ روم میں آ چکے تھے۔

"بلو! نانی کے لیے ایک گلاس پانی لے کر آؤ۔" تاثرہ نے فوراً ہی بلو سے کہا تھا۔ وہ الٹے پاؤں باہر چلا گیا تھا۔

''نائمہ تم یہاں میرے پاس بیٹھو'' قمر النساء بمشکل تمام بولیں وہ بہت نڈھال تھیں۔

نائمہ اٹھ کر ان کے قریب آ بیٹھیں۔اب وہ صبیحہ اور قمر النساء کے درمیان تھیں۔بلو پانی لے آیا تھا اور گلاس قمر النساء کو تھما دیا تھا نائمہ حیران نہیں ششدر تھیں۔ان کو علم تھا کہ وہ سب کیوں آئے ہیں۔اسی لیے وہ اطمینان سے ہتھیلی گال کے نیچے اور کہنی زانوں پر ٹکائے بیٹھی تھیں۔

قمر النساء نے پانی بہت بے تابی سے پیا تھا وہ پانی پی کر وہ سانس درست کرنے لگی تھیں۔صبیحہ ملیحہ بہت مضطرب سی کھلے دروازے سے باہر دور تک دیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں کہ شاید نظر پڑ جائے جبکہ علی عمران ٹانگ پر ٹانگ رکھے بہت تکلف سے بیٹھے کسی دھیان میں گم تھے۔

''وہ نائمہ ہماری بہو تو نہیں آئی ادھر میرا مطلب ہے آپ کے گھر؟'' قمر النساء بالآخر بول پڑیں۔

''آپ کی بہو؟ کیا آپ نے پاشا کی شادی کر ڈالی۔'' نائمہ نے چونکنے کی اداکاری کی۔

''ہاں بس سادگی سے نکاح کر دیا تھا۔'' قمر النساء نے مجرموں کی طرح نظریں جھکا کر جواب دیا۔

''مگر آپ کی بہو یہاں ہمارے گھر کیوں آئے گی؟ میں سمجھی نہیں۔'' نائمہ نے الجھن ظاہر کی۔

صبیحہ ملیحہ کے چہرے پھیکے پڑ گئے۔صاف ظاہر تھا وہ یہاں نہیں آئی۔

''سچ کہو''۔قمر النساء کا دل بیٹھنے لگا۔

''میں بھلا آپ سے مذاق کروں گی بلکہ میں تو سوچ رہی ہوں کہ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے''۔

''صبیحہ بیٹی! مجھے چکر آ رہے ہیں۔'' قمر النساء نے صبیحہ کا شانہ دبوچ لیا۔

نائمہ نے ایک نگاہ قمر النساء پر ڈالی انہیں یکدم جیسے ترس سا آ گیا۔اس نے علی عمران کی طرف دیکھا

''وہ خالہ جان مجھے اس مذاق پر معاف کر دیجیے مجھے پتا نہیں آپ اسی لڑکی کو اپنی بہو کہہ رہی ہیں جو کچھ دیر پہلے آپ کی چھت پار کر کے ہماری چھت پر آئی تھی''۔

''آئی تھی؟ اب کہاں ہے''۔ قمر النساء کے سارے حواس چارج ہو گئے۔

''وہ چلی گئی''۔

''چلی گئی؟'' سب نے بدحواس ہو کر نائمہ کی صورت دیکھی۔

''مجھے تو صورت حال کا اندازہ نہیں تھا۔اس نے مختصراً جو کچھ بتایا۔اس کی روشنی میں میں نے اسے روکنا مناسب نہیں سمجھا اور نہ ہی اس سے سوال جواب کیے مجھے بس وہ لائق ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔'' نائمہ صبر سے دھیرے بتا رہی تھیں۔

''لیکن کیا اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ جا کہاں رہی ہے؟'' قمر النساء تو گویا بچھ کر رہ گئی تھیں۔

''شاید وہ اپنے گھر ہی گئی ہے۔'' جواب مشکوک تھا۔

''خدا کرے وہ اپنے گھر ہی گئی ہو۔'' علی عمران اتنی دیر میں پہلی مرتبہ گویا ہوئے۔

''اس کا گھر تو یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔چلو عمران اس کے گھر چلتے ہیں۔'' قمر النساء نے بے تابی سے کہہ رہی تھیں۔

''اماں اگر وہ اپنے گھر گئی ہے تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔رات بہت ہو گئی ہے۔صبح چلیں گے۔ہمارے برادر نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا ہے۔وہ ہمارا استقبال پھولوں کے ہار پہنا کر نہیں کریں گے۔اس کے گھر جانا مذاق بات نہیں ہے۔اماں آپ کیا سمجھ رہی ہیں۔'' علی عمران ماں کو سمجھانے لگے۔

''لیکن اس سے ملے بغیر دیکھے بغیر مجھے چین نہیں آئے گا۔وہ جو کہیں گے سن لوں گی۔دھکے دیں گے کھا لوں گی مگر تم چلو بچیوں! تم گھر چلو میں اور عمران ماروڑ کے گھر ہو کر آتے ہیں۔''

''نائمہ باجی! آپ ہی اماں کو سمجھائیں۔اب آپ سے کچھ چھپا ہوا تو نہیں ہے۔'' صبیحہ نے کہا۔

''خالہ جان! آپ ان سب کی بات پر غور کر لیں۔غلط نہیں کہہ رہے ہیں۔خواہ مخواہ کوئی بڑی بدمزگی ہو سکتی ہے۔'' نائمہ نے صبیحہ کی بات رکھی۔

''تم سب کچھ کہو مگر مجھے اپنی تسلی کرنا ہے۔اس کے گھر والے تو اس پر اپنے گھر کے دروازے بند کر چکے ہیں ضروری نہیں ہے کہ وہ وہیں گئی ہو۔بس میں بھی دیکھنا چاہتی ہوں وہ وہاں گئی ہے یا نہیں تم لوگ میری بات ہی نہیں سمجھ رہے میری اس کی نانی سے بات ہوئی تھی۔مجھے ان لوگوں کے خیالات پتا ہیں اور سے مجھے پتنگے لگ رہے ہیں صبح تک جانے کیا ہو جائے بس میری تسلی ہو جائے گی''۔

''ٹھیک ہے اماں! مگر کچھ دیر آپ ٹھہر جائیں۔ہو سکتا ہے پولیس وہاں موجود ہو میں آپ کو وہاں ضرور لے کر جاؤں گا آپ مطمئن ہو جائیں۔'' علی عمران نے تسلی دی۔

''پولیس وہاں کیوں جائے گی؟'' وہ الجھ گئیں۔

''آپ کو سب پتا چل جائے گا۔آیئے پہلے گھر چلتے ہیں۔'' علی عمران نے اپنی جگہ سے اٹھ کر قمر النساء کو شانوں سے تھام کر بہت محبت اور احترام سے کہا۔

''ارے آپ لوگ بیٹھیں۔کچھ چائے ٹھنڈا وغیرہ صبیحہ ملیحہ تو برسوں بعد آئی ہوں گی پڑوس میں۔میں نے تو بہت عرصے بعد ان کی صورتیں دیکھی ہیں۔'' نائمہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

''تو تم بھی تو باہر ہی رہتی ہو۔صورتیں کیسے دیکھو ایک دوسرے کی۔بس اب ہم چلتے ہیں۔چائے پھر اچھے وقتوں میں آ کر پی لیں گے۔فی الحال تو بس یہ دعا کرو۔میں بچی کی صورت دیکھ لوں''۔وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

''جی اماں! ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' صبیحہ نے کہا'' اس وقت تو پریشانی کی کوئی حد نہیں ہے''۔

''ان شاءاللہ! اللہ کرم کرے گا حوصلہ رکھیں آپ لوگ۔

''ہاں دعا کرو خدا کرے بچی گھر ہی گئی ہو۔قمر النساء نے کہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گھر پہنچنے کے گھنٹے بھر بعد علی عمران اور وقار قمر النساء کے ساتھ طاہر علی کے گھر گئے تھے مگر وہاں بڑا سا تالا منہ چڑا رہا تھا۔قمر النساء کو تو گویا غش آنے لگے۔

''اگر وہ اپنی نانی کے ہاں بھی گئی تو کس طرح؟ رات تو دیکھو۔کتنی ہو چکی ہے میرا تو دل ڈوب رہا ہے''۔

''اماں! وہ کوئی چھوٹی سی بچی تو نہیں ہے۔بچھو راز ہے وہیں اس کی نانی کا گھر کہاں ہے؟'' علی عمران نے ان کے بوف ہونے ہاتھ تھام لیے۔

''یہ تو مجھے بھی نہیں پتا مگر اندازہ ہے یہاں سے کافی دور ہے پیدل کا رستہ تو نہیں ہے اور اسے اس وقت کون سی بس ٹیکسی ملی ہو گی۔

''ہو سکتا ہے وہ یہیں آئی ہو مگر تالا دیکھ کر پڑوس میں چلی گئی ہو۔'' وقار نے کہا۔

"ہاں یہ ہو سکتا ہے وہ سید صاحب کے ہاں چلی گئی ہو۔" قمر النساء چونک پڑیں۔

"سید صاحب؟" علی عمران نے پوچھا۔

"تمہارے سسر کے ملنے والوں میں سے ہیں۔ بلکہ دوستوں میں سے ہیں پہلی مرتبہ میں ان کی بیوی کے ساتھ ہی ماہ نور کے ہاں گئی تھی"۔

"ضروری بھی نہیں وہ وہاں ہی گئی ہو۔ آپ کچھ پوچھیں گی تو بہت کچھ بتانا پڑے گا مزید تماشا ہی بنے گا"۔

"تو اتنا ہی پوچھ لیتے ہیں کہ ہمسایوں کے ہاں تالہ کیوں پڑا ہے؟ اگر وہ سید صاحب کے ہاں ہوگی تو ان کی بیوی خود ہی بتا دیں گی۔ بڑی اچھی سلام دعا ہے میری ان سے انہیں بہت کچھ پہلے ہی پتا ہے"۔ قمر النساء مصر ہوئیں۔

"مگر اماں! اتنی رات کو انہیں سونے سے جگانا کچھ عجیب نہیں؟ آخر وہ یہ تو پوچھیں گی ناں کہ اتنی رات کو ہم طاہر علی کے ہاں کیوں جانا چاہتے ہیں؟" وقار نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"کوئی کچھ بھی سوچتا رہے مجھے پروا نہیں۔ مجھے تو بس بچی کی صورت دیکھنا ہے ورنہ مجھے چین نہیں پڑے گا۔ وقت بہت خراب ہے۔ بیٹے جوان بچی ہے خوب صورت ہے اور اب ہماری عزت ہے"۔

"آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے۔ خدانخواستہ اگر وہ یہاں بھی نہ ہوئی تو جو کہانی اب تک چھپی ہوئی ہے۔ کل دوپہر سے پہلے نشر ہو جائے گی۔" وقار نے پھر سمجھایا۔

"سید صاحب کی بیوی بہت وضع دار عورت ہیں۔ میں انہیں خاموش رہنے کو کہوں گی تو وہ عمر بھر اس موضوع پر بات نہیں کریں گی۔ میں انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

قمر النساء کی بے کلی کوئی دلیل دور نہیں کر سکتی تھی۔ علی عمران اور وقار نے گویا ہار مان لی۔

"ٹھیک ہے اماں! جیسے آپ کی مرضی"۔

چند لمحوں بعد سید صاحب کے گھر کی کال بیل کا بٹن پش کیا تھا۔

❖☆❖

دروازہ سید صاحب نے کھولا تھا کچی نیند سے اٹھے تھے اس لیے آنکھیں پھاڑ کر آنے والوں کو پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے۔

"السلام علیکم بھائی صاحب! میں ہوں پارسا کی ماں!" قمر النساء نے آگے آ کر انہیں مشکل سے نکالا۔

"جی...... جی...... وعلیکم السلام...... خیریت؟ اندر آ جائیں آپ لوگ۔" وہ یک لخت پریشان ہو گئے۔

"رات بہت ہو گئی ہے، اتنی رات کو آپ کی نیند خراب کرنے کی معافی چاہوں گی بس اس وقت تو یہ معلوم کرنا تھا کہ آپ کے ہمسائے طاہر علی کیا کہیں گئے ہوئے ہیں؟"۔

انہوں نے یہ کہتے ہوئے آس بھری نظروں سے ان کی سمت یوں دیکھا گویا وہ کچھ اور ہی کہیں گے مثلاً یہ کہ وہ لوگ اگرچہ کہیں گئے ہوئے ہیں مگر اس وقت ماہ نور ہمارے گھر میں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

"جی یہ لوگ تو کئی روز سے گئے ہوئے ہیں، وہ انف بتا رہی تھیں کہ شاید طاہر علی اپنی سسرال گئے ہوئے ہیں۔ بچوں اور بیوی کے ساتھ خیریت تو ہے ناں بھابی؟" اب وہ مکمل طور پر حواسوں میں آ چکے تھے۔ "آپ اندر تو تشریف لائیں۔"

"نہیں بس اس وقت تو میں چلوں گی اپنے اس وقت آنے کا مقصد پھر کبھی بتاؤں گی اچھا سب ہی گھر والے گئے

ہوئے ہیں؟" انہوں نے پھر بڑی امید سے سید صاحب کی سمت دیکھا۔

"جی...... جی...... ظاہر ہے بچیوں کو چھوڑ کر تو نہیں جا سکتے ناں، میرا خیال ہے وہاں کوئی تقریب ہوگی تب ہی سب کے سب گئے ہیں ورنہ طاہر علی کہاں جاتے ہیں ان کی تو طبیعت ہی ٹھیک نہیں رہتی"۔ سیدھے سادے انداز میں جواب آیا۔

"جی... اچھا میں چلتی ہوں بھابی کو سلام کہیے گا ناحق آپ کو پریشان کیا"۔

وہ ڈوبتے دل کے ساتھ کہتے ہوئے پلٹ گئیں۔ وقار اور علی عمران نے آگے بڑھ کر سید صاحب سے ہاتھ ملایا۔

قمر النساء کے قدم من من بھر کے ہو چکے تھے ان کا دل چاہ رہا تھا کہ چیخیں مار مار کر رونے لگیں۔

"کہاں گئی؟ اتنی اندھیری رات ہو کا عالم۔" بس اس سے آگے سوچتے ہوئے دماغ سن سا ہونے لگتا تھا۔ علی عمران اور وقار ان کی کیفیت کو محسوس کر سکتے تھے۔ اس لیے وہ قطعی خاموش تھے بلکہ یہ کہنا صحیح تھا کہ وہ ان کو مخاطب کرتے ہوئے ڈر رہے تھے۔

"ایک قیامت کا سامنا ہے پارسا تو نہ ہمارا یقین کرے گا اور نہ ماہ نور کے گھر والوں کا وہ تو حشر کر دے گا۔ کہاں جا سکتی ہے اتنی رات کو، آخر اس نے یہ قدم کیوں اٹھایا؟ کتنا سمجھایا تھا اور سمجھ بھی گئی تھی پھر ایسا کیوں کیا اب تو وہ کسی کی بیاہتا ہے۔ اچھا ہے یا برا...... ہے بہرحال اسی کی مجھے تو ہول اٹھ رہے ہیں کہیں کچھ کر نہ بیٹھے بس یہی دھڑکا ہے"۔ وہ مسلسل بول رہی تھیں۔

"اماں! اب وہ اتنی بھی نادان نہیں ظاہر ہے جو کچھ ہوا وہ اس پر دل سے راضی نہیں تھی۔ اسے جیسے ہی موقع ملا اس نے ہر چیز پر آزادی کو ترجیح دی جب وہ پارسا کے ہاتھوں سے نکل گئی تو کیوں اپنی جان دے گی؟ یہ عمل تو بے بسی کی آخری انتہا پر کیا جاتا ہے۔ اب جب کہ وہ آزاد ہے تو موت کی باتیں کیوں سوچے گی؟ وہ پڑھی لکھی سمجھ دار لڑکی ہے۔ اس نے آج تک اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کی ہے آئندہ بھی اسے اس کا خیال رکھنا پڑے گا آپ بلاوجہ کی سوچوں سے خود کو پریشان نہ کریں"۔

وقار نے بہت دھیمی آواز میں ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"لیکن اب تو وہ میری بہو ہے۔ کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے؟" وہ بچوں کی سی معصومیت سے سوال کرنے لگیں۔

"پریشانی کی بات تو ہے اماں! لیکن یہ اطمینان رکھیے وہ جو قدم اٹھائے گی۔ اپنی بہتری کے لیے اٹھائے گی اور کسی اپنے کے ٹھکانے پر ہی جائے گی۔ اتنے خطرات سے گزر کر وہ مزید خطرہ ہرگز مول نہیں لے سکتی۔" وہ تسلی کے لیے مناسب ترین الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"میں کیا کروں اب میرے دل کو صبر نہیں آ سکتا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ خیریت سے ہے"۔

انہیں سمجھانا اب واقعی مشکل تھا علی عمران اور وقار ہار مان کر خاموشی سے راستہ طے کرنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بابا کو منع کر دو اور پیالے نہ ڈالے بہت ہیں۔" بڑی اماں نے ہاٹ پاٹ میں جھانکتے ہوئے ریا سے کہا جو کرسی کھینچ کر بیٹھنے ہی والی تھی۔

"عارفہ! آملیٹ لو ناں بیٹی! اس طرح کیوں بیٹھی ہو یہ لو مظاہر بھی آ گیا۔ رات تین بجے گھر آیا تھا جانے کون سی ڈیوٹیاں لگ گئی ہیں رات کو خبر نہیں کب سویا ہوگا اب پھر ڈیوٹی کا چکر پچھلے کان نظر آ رہا ہے۔"

"بیٹے! یہ کون سی ڈیوٹیاں شروع ہو گئی ہیں؟ کیا آج بھی رات کو دیر سے آؤ گے؟"

بڑی اماں نے ناشتے کے لوازمات ان کے سامنے سرکاتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ یہ ہے کہ آج اتنی دیر نہیں ہوگی آپ سوچا نہ کریں۔ دیر تک نہ جاگا کریں۔ آخر گھر تو آتا ہی

ہوتا ہے۔" وہ عجلت بھرے انداز میں کہہ کر ناشتہ کرنے لگے۔

"یہ بھی خوب کہی جا گانہ کروں جب تک سب بچے گھر نہ ہوں سوئی نیندی کہاں آنی ہے اور مجرم نے کام بھی تو وہ نکال لیے ہیں کہ ماں تو جان سولی پر لٹکی ہوئی ہے بیٹے وہ بہت خطرناک آدمی ہے میں نے اپنی نیندیں ویران کی ہیں تو تمہیں یہاں دیکھا ہے۔"

وہ قدرے ناراض لہجے میں گویا ہوئیں۔

"ذرا کرا پنے حق سے دستبردار ہونا بھی خود پر ظلم ہے بڑی اماں! وہ گرفتار تو ہو گیا ہے۔ دعا کریں اگلے مرحلے بھی ساتھ خیریت کے طے ہو جائیں۔" انہوں نے گویا دعا کا کر دیا تھا۔

جو جہاں تھا سناٹے میں جیسے ہار و گیا۔ ظہیر بہت انہماک سے اخبار دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اخبار ٹیبل پر رکھ کر تعجب سے مظاہر کی شکل دیکھی۔

عارفہ نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔ پہلے ماں کی طرف پھر مظاہر کی طرف یوں دیکھا جیسے جو کچھ سنا سماعت کا دھوکا تھا۔

اس وقت اظہر مظہر اور اظہار موجود نہیں تھے۔ طاہر علی کا ناشتا بھی اوپر ہی بھجوا دیا تھا انہیں صبح نماز کے فوراً بعد ناشتا کرنے کی عادت تھی۔

"کیا بولے لئم؟ گرفتار ہو گیا ہے اور ہماری بچی" بڑی اماں ہکا بکا ان کی صورت دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"وہ آپ کی بلکہ کسی کی بھی بچی نہیں ہے اگر وہ آپ کی بچی ہوتی تو آپ اتنی خاموشی سے اس درندے کے حوالے بھی نہ کرتے اس کا یہاں موجود کسی شخص سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔" مظاہر ناراضگی سے کہہ کر چائے کا گھونٹ بھرنے لگے۔

"تو بھیا! ہم نے کب حوالے کی، حوالے نہیں کی۔ تب ہی تو ہماری ناک چوٹی کاٹ گیا" بڑی اماں کے اوسان قدرے بحال ہوئے تو وہ بھی ناراضگی سے گویا ہوئیں۔

مظاہر جواباً میں خاموش رہے۔

"بیٹے!! بتاؤ تو بیٹا وہ وہ کس حال میں اور کہاں ہے؟" عارفہ کے لہجے میں بلا کی تڑپ تھی۔

"بس رہنے دیں پھوپھو! وہ جہاں ہو گی اچھے حال میں ہو گی۔" مظاہر نے لہجے میں تھوڑی رسانیت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ "فی الحال تو مجھے بھی نہیں پتا کہ وہ کہاں ہے مگر جلد پتا چل جائے گا" وہ بہت مطمئن انداز میں کہہ رہے تھے۔

"تو تو پھر اس کی گرفتاری کا کیا فائدہ جب یہی نہیں پتا کہ بچی کہاں ہے" بڑی اماں کے منہ سے نکل گیا۔ عجب بے اختیاری کی کیفیت تھی۔

"یا آپ لوگ اپنے فائدے نقصان کے بازار بند کر چکے ہیں یا دہ ہے" وہ پھر سابقہ انداز میں گویا ہوئے۔

"یہ قدرتی سی بات ہے مظاہر! وہ موجود نہ ہو زندہ ہے ذہنوں سے کبھی نکالی نہیں جا سکتی۔ اب یہ تو نہیں کہ اس کی خبر سے بھی دلچسپی نہ ہو۔" ظہیر نے بھی خشک انداز میں مظاہر کو کچھ جتایا ان کے انداز گفتگو پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کی۔ فطری بات تھی کہ دلچسپی تو انہیں بھی تھی کہ وہ کہاں ہے؟

"یہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔" وہ اسی انداز میں گویا ہوئے۔

"تو پھر تمہیں اس کی گرفتاری کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔" ظہیر نے آف موڈ میں کہا۔

"وہ تو میں نے اس لیے کیا ہے کہ آپ لوگ جانے اسے کون سی ماورائی مخلوق سمجھ رہے تھے اور ڈر رہے تھے۔ اور آسانی

سے ہار مان کر ایک جیتی جاگتی زندگی اسے سونپ کر فاتحہ پڑھ کر آرام سے بیٹھ گئے تھے۔"

ظہیر کوئی سخت جملہ بولنا چاہ رہے تھے مگر اس لیے ضبط کیا مبادا مظاہر ناشتہ چھوڑ کر اٹھ جائیں، بہر حال یہ تو انہیں اندازہ تھا وہ کس قدر جان کھپا رہے ہیں۔

"جیسے ہی اس کا کچھ تا پتا لگے بیٹے! مجھے فوراً بتانا آگ لگی ہوئی ہے میرے کلیجے میں" عارفہ کی آواز بھرا رہی تھی۔

مظاہر نے پھر زردیلے پن سے کوئی جواب دینا چاہا مگر جیسے انہیں عارفہ پر ترس آ گیا۔ بس خاموشی سے ناشتہ کرتے رہے۔

"اتنی دیر ہو گئی اسے گرفتار ہوئے۔ اس نے ابھی تک نہیں بتایا کہ بچی کہاں ہے" بڑی اماں بولے بنا رہ نہ سکیں۔

مظاہر پھر خاموش رہے۔ جواب تو بہت تھے مگر ضبط کرنا پڑا۔ کچھ حفظ مراتب بھی آڑے آ رہے تھے۔ ورنہ جواب تو بڑے مناسب سوجھ رہے تھے۔

"گرفتاری کے بعد تم سے بات چیت ہوئی اس نا ہنجار کی؟" عارفہ نے پوچھا۔

"جی ہو چکی ملاقات" مظاہر نے رسانیت سے جواب دیا۔

"تو تم ہی نے پوچھ لیا ہوتا کہ کہاں ہے وہ بدنصیب؟" عارفہ نے بمشکل آنسو ضبط کیے۔

"پتا چل جائے گا پتا انشاءاللہ لیکن میں اب یاد تو رکھو آپ لوگوں کے پاس ہرگز نہیں لاؤں گا رشتہ ختم تو بس ختم"۔ وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

عارفہ نے بہت بے بسی سے مظاہر کی سمت دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات تو ویٹنگ روم میں کٹ گئی تھی۔ بس اب اسے کسی ایسی گاڑی میں بیٹھنا تھا جو اسے اس سفاک شہر سے بہت دور پہنچا سکے ایک بزرگ خاتون کو وہ مسلسل جائے نماز پر بیٹھا دیکھ رہی تھی۔ یہی خیال آ رہا تھا کہ سفر کے سلسلے میں ان سے رہنمائی لے روا سے تنہا ہی دکھائی دے رہی تھی۔ کوئی ان کے پاس آتا جاتا دکھائی نہیں دیا تھا۔

اور کسی سے پوچھتے ہوئے اندر کے خوف مانع تھے کہ پتا نہیں کس بھیس میں کون ہو۔ وہ بڑی ہمت کر کے ان کے قریب آ کر بیٹھی تھی۔

وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں چادر سے چہرہ تقریباً چھپا ہوا تھا۔ مگر ہاتھوں سے ان کی رنگت اور صورت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

اس کے قریب بیٹھنے کا انہوں نے نوٹس لیا تھا اور اس کے چہرے پر نظریں جما دی تھیں۔

اس نے بہت آہستگی سے سلام کیا تھا۔ بزرگ خاتون نے تسبیح کا سلسلہ موقوف کر کے بہت دھیمی اور پر وقار آواز میں جواب دیا۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں سے تو حیدر آباد جاؤں گی پھر وہاں سے "تھر" میرا گھر وہیں ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"تھر" اس نے حیرت سے خاتون کی سمت دیکھا۔ اتنی مہذب و نفیس خاتون کہاں وہ ویران لق و دق صحرا۔

"آپ کی فیملی وہیں آپ کے ساتھ ہوتی ہے؟" اس نے تعجب سے سوال کیا۔

خاتون خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگیں پھر نظریں اٹھا کر اس سمت دیکھا۔

"نہیں وہاں میں اکیلی ہوتی ہوں۔

اس نے پھر حیرت سے ان کی سمت دیکھا "اکیلی.....؟؟"

"اس دنیا میں بہت سے لوگ اکیلے ہوتے ہیں بیٹی اس میں حیرت کیسی؟" "تم کہاں جا رہی ہو اور اکیلی جا رہی ہو؟" انہوں نے بہت شفقت سے پوچھا۔

"جی..... وہ وہاں میری خالہ رہتی ہیں اور میرے ساتھ کوئی نہیں۔ آپ کی طرح اکیلی ہی جا رہی ہوں۔" اس نے بڑے حوصلے سے جواب دیا۔

"خدا نہ کرے کہ میری طرح اکیلی ہو، خیر سے ماں باپ، بہن بھائی تو ہوں گے شادی شدہ ہو؟" معاً بولتے بولتے دھیان آیا تھا۔

"نن..... نہیں....." اس نے نظریں چرا کر جواب دیا۔

"ہوں..... رشتے تو خیر آتے ہوں گے۔" انہوں نے اس کے صبیح چہرے کو جانچتے ہوئے کہا۔

ماہ نور جواب میں خاموش ہی رہی۔

"گاڑی تو دو گھنٹے لیٹ ہو گئی ورنہ اب تک تو حیدرآباد پہنچ چکے ہوتے۔ بیٹھے بیٹھے کمر دو گئی۔" وہ بزرگ خاتون تھکے ہوئے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"جی..... جی....." وہ یوں بولی جیسے یہ بات اس کے علم میں ہو۔ حالانکہ ابھی تک اسے کچھ پتا نہیں تھا۔ ویٹنگ روم میں آنے کا مقصد ہی معلومات حاصل کرنا تھا کسی اور سے رہنمائی لیتے ہوئے خوف سا تھا کہ کہیں کوئی کچھ بھانپ نہ لے۔

"خالہ کے پاس کیوں جا رہی ہو؟" خاتون نے پوچھا اور وہ پھر گڑبڑا گئی۔

"جی..... وہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ وہاں اکیلی ہوتی ہیں۔" اس نے نظریں چرا کر پھر جھوٹ بولا۔

"آہ..... اکیلی..... کتنا بڑا عذاب ہوتی ہے یہ تنہائی مگر یہ بعض انسانوں کی قسمت ہوتی ہے اللہ کے کنبے میں ہوتے ہیں اور تنہا ہوتے ہیں اچھی بات ہے بیٹی اب بھی نیکی کا عمل ہے۔ وہ تمہیں دیکھ کر یقیناً خوش ہوں گی۔ ان کی خدمت کر کے دعائیں لینا دعائیں راستے کے روشن چراغ بن جاتی ہیں کبھی اندھیرا بہت ہو تو کام آتی ہیں اور دعائیں بھی قسمت والوں کو ملا کرتی ہیں۔"

"جی جی۔ دعا۔ دعا تو اب نہ جانے کون دے گا۔ سارے در بند کر آئی ہوں۔" وہ سر جھکائے سوچ رہی تھی۔

"ٹکٹ بنوا لیا ہے تم نے؟" خاتون نے پوچھا۔

"نن..... نہیں....." وہ کسی دھیان سے چونکی۔

"اتنا ضروری کام بھول گئیں۔ خیر تم میرے ساتھ بیٹھ جانا۔ ٹی ٹی آئے گا چیک کرنے تو اسی وقت بن جائے گا۔ لگتا ہے حال ہی میں تم نے کسی شادی میں شرکت کی ہے۔ مہندی خود لگائی ہے یا کسی سے لگوائی ہے؟ بہت خوب صورت لگ رہی ہے ماشاء اللہ۔ تمہارے پاؤں میں مہندی لگی دیکھ کر مجھے خیال آیا تھا کہ شاید تمہاری نئی نئی شادی ہوئی ہے اور تم اپنے دولہا کے ساتھ کہیں جا رہی ہو مگر آج کل تو ہر چیز فیشن بن گئی ہے۔ پرانے وقتوں میں لڑکیوں کے پاؤں میں مہندی ان کی شادی کے موقع پر ہی لگتی تھی۔"

"جی، وہ میری کزن کی شادی تھی۔ بس وہیں ایک کزن نے لگا دی تھی۔" اس نے پھر نگاہ چرا کر بات کی۔

"ہاں وہ تو خیر میں سمجھ گئی۔"

"اور بہن بھائی بھی ہوں گے تمہارے؟" پھر سوال ہوا۔

"جی ایک بہن ہے چھوٹی بھائی کوئی نہیں ہے۔" بہر حال ایک سچ بول کر روح قدرے ہلکی ہوئی۔

"اللہ کی مرضی بھائی ہوتا تو اس وقت تم تنہا نہ دور نہ جاتیں۔ وہ تمہارے ساتھ ہوتا خواہ بڑا ہوتا یا چھوٹا۔"

"خالہ کے بچے تو ہوں گے؟" پھر مشکل سوال آیا۔ اسے یوں محسوس ہوا گویا خاتون اس کے جھوٹ پکڑ چکی ہوں اور اب جان بوجھ کر ایسے سوال کر رہی ہیں کہ گھبرا کر وہ اصل بات بتا دے کسی نے ٹھیک ہی تو کہا ایک جھوٹ چھپانے کے لیے سو جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔

(اب وہ خالہ کے بچے کتنے بتائے اور ساتھ میں یہ بھی کہ وہ اتنے نکمے ہیں کہ ماں کی خدمت نہیں کر سکتے جو بھانجی کو حیدرآباد بلا بھیجا ہے)

"وہ ان کا ایک ہی بیٹا ہے اور وہ بھی ملک سے باہر ہے (یا اللہ میرے حال پر رحم کر دے)

"اچھا اچھا۔ یہ بھی قسمت کی ستم ظریفی ہوتی ہے کہ اولاد ہوتی ہے مگر پھر بھی انسان تنہا ہوتا ہے۔" خاتون کے لہجے میں تاسف تھا۔

اسی دم ویٹنگ روم میں ہلچل پوری قوت سے شروع ہو گئی۔ باہر گاڑی تیار تھی۔ انجن لگ چکا تھا۔

انتظار سے عاجز مسافر یوں باہر لپک رہے تھے گویا رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ جنہیں ابھی ابھی کھولا گیا تھا۔

خاتون نے اپنی جائے نماز تہہ کی اور سفری بیگ میں رکھی۔ دوسرے مسافروں کی طرح کسی قسم کی عجلت یا ہیجان ان کی حرکات سے ظاہر نہیں تھا۔

"چلو بیٹی" بسم اللہ توکلت علی اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ" وہ چادر درست کرتے ہوئے زیر لب سفری دعا پڑھ رہی تھیں اگرچہ بہت جھوٹ بولنا پڑ رہے تھے مگر خاتون کا ساتھ ایک نعمت غیر مترقبہ محسوس ہو رہا تھا اپنوں کے بند دروازوں نے ذہن کو تنگ یوں ماورائی دروازوں تک رسائی دی تھی جو چوپٹ کھلے تھے جن میں قفل پڑنے کی روایت نہیں تھی۔

ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں خواتین و بچے گویا دروازے میں پھنس گئے تھے۔ جو ٹرین کا سفر کرتے رہے ہوں وہی جانتے ہیں کہ گاڑی لیٹ ہونے پر انتظار کر مرحلہ کتنا کربناک ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد روانگی کی نوید کس قدر جاں فزا اور خوشگوار ہوتی ہے۔

خاتون نے بہت اپنائیت سے ماہ نور کا ہاتھ تھام رکھا تھا جیسے بھیڑ میں گم ہو جانے کے خدشے کے تحت ماں بچے کا ہاتھ تھامے رہتی ہے۔

بالآخر وہ باہر آ گئیں اور بدقت تمام کمپارٹمنٹ میں پہنچی تھیں۔

سیٹ سنبھالتے ہی خاتون نے اطمینان کا سانس لے کر ماہ نور کی سمت دیکھا۔

"گاڑی لیٹ ہو تو بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ دیکھو ابھی تک کیا چیخ پکار مچی ہوئی ہے اتنی بھگدڑ ریتیے پلیٹ فارم پر اور اتنی ہی گاڑی کے اندر استغفر اللہ۔"

ماہ نور تو یہ تماشا پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ ہم سفر خاتون نہ ہوتیں تو وہ گاڑی میں کس طرح سوار ہوتی؟"

تھوڑی دیر بعد ٹرین متحرک ہوئی دھیرے دھیرے آگے سرکنا شروع ہوئی۔ الوداع کہنے کے لیے آنے والے ٹرین کے ساتھ ساتھ پلیٹ فارم پر دوڑ رہے تھے۔ کہیں آنسو تھے۔ کہیں تاکید یں یا دو دہانیاں۔

اس کے ذہن میں بھی ایک جھماکا ہوا۔

خدا حافظ اے شہر بے مہر

نوچ سنگدلاں

ربا ورشتاں

ارض سفاک

شقی وبے باک

مثل چہرہ غمناک

خدا حافظ والوداع۔ یااللہ مجھے اس بستی کا چہرہ پھر نہ دکھانا۔

جہاں اپنائیت کا احساس چھن گیا۔

رشتوں کی حقیقت قیامت سے پہلے کھل گئی۔

جہاں زخم تو لگتے ہیں، مرہم لینے جاؤ تو دکان بند ہوتی ہے۔

رکھ مفت ملتے ہیں۔

سکھ نیلام ہوتے ہیں۔

جہاں ہم جیسے تہی دست بولی ہار جاتے ہیں۔

جہاں عشق و محبت کے پردے میں طاقت و برتری کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

انا کی جنگ ہوتی ہے۔

محبت کے نام پر وحشت کی دھول اڑتی ہے۔

فصل گل کے موسم میں رشتے وار یاں محسوس ہوتی ہیں۔ خزاں تنہا کاٹنا ہوتی ہے۔

اس نے نظر بچا کر بھیگی آنکھیں صاف کیں۔

گاڑی آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ سب مسافر عورتیں و بچے سیٹوں پر بیٹھ چکے تھے۔ بچوں میں ابھی قدرے بے چینی پائی جاتی تھی کچھ خاموشی سے پیکٹوں میں سے بسکٹ چپس وغیرہ نکال کر کھا رہے تھے۔

"یہ میری باسکٹ میں ابلے ہوئے انڈے اور بسکٹ وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔ بھوک لگ رہی ہو تو کھالو۔"

خاتون اس سے مخاطب ہوئیں تو اسے بھی خالی معدے کا دھیان آیا مگر ایک جھجک سی تھی۔ تبھی چادر رہا تھا وہ خود ہی اسے کچھ نکال کر دے دیں۔

اس نے نظر اٹھا کر خاتون کا چہرہ دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ ہاں بھوک تو لگ رہی ہے۔ مگر ان کی باسکٹ میں ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں تھی۔

شاید خاتون نے اس کی جھجک محسوس کر لی تھی۔ انہوں نے بسکٹ کا پیکٹ نکال کر اسے تھما دیا۔

"لو کھالو انڈا چھیل دوں؟" وہ شفقت بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔ "حد ہو گئی وہاں ویٹنگ روم میں تو مجھے دھیان ہی نہیں آیا کہ تمہارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں وہاں تو کھانا وغیرہ بھی مل سکتا تھا۔" وہ تاسف سے کہہ رہی تھیں۔

"کوئی بات نہیں۔ مجھے بھوک لگتی تو میں کچھ لے لیتی پیسے ہیں میرے پاس۔" وہ عجب احمقانہ انداز میں گویا ہوئی اتنی دور کا سفر کرنے والے کے پاس پیسے تو ہوتے ہی ہیں۔

اس نے بسکٹ کھانا شروع کیے تھے اور خاتون تسبیح نکال چکی تھیں اور کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھیں۔ چہرہ ہنوز چادر میں چھپا ہوا تھا حالانکہ کمپارٹمنٹ میں کوئی مرد نہیں تھا۔

"اسٹیشن از کر بس میں تو بیٹھو گی یا رکشا لو گی؟" خاتون کی آواز نے پھر چونکا دیا۔

"رکشا لے لوں گی۔" اس نے فوراً جواب دیا۔

"حیدر آباد میں کہاں جاؤ گی؟"۔

"لطیف آباد۔" اس نے وہی رٹا رٹایا جواب دیا جو اسکول والے صاحب کو دے چکی تھی۔ ان کا وزیٹنگ کارڈ اس کے پرس میں تھا جس سے بڑی تقویت تھی۔

"تھر" میں تو شاید خیمے لگا کر رہتے ہیں لوگ؟" اس نے پہلی مرتبہ خاتون سے سوال کیا۔ خاتون بے ساختہ مسکرا دیں مسکراہٹ ان کی نظروں سے جھلکی۔

"نہیں وہاں گھر بھی ہوتے ہیں شہروں کی طرح بڑے بڑے آرام دہ تو نہیں ہوتے۔ مگر بہرحال گھر ہوتے ہی ہیں۔ تھر کے صحرا کے بالکل قریب ایک گاؤں ہے" نوکوٹ" ایک آباد گاؤں۔ وہاں گھر بھی ہیں اور دکانیں بھی ضرورت کی چیزیں وہاں سے مل جاتی ہیں۔ بہت رونق ہے اس گاؤں میں میں وہاں بچوں کو پڑھاتی بھی ہوں۔ بہت عزت کرتے ہیں وہاں کے لوگ اور بہت سکون ہے وہاں"۔

"آپ مجھے اپنا ایڈریس دے دیجئے گا ہو سکتا ہے۔ میں آپ سے ملنا چاہوں" اس کے ذہن کے مزید دریچے وا ہوئے

"نوکوٹ آ کر کسی سے بھی کہو گی کہ استانی عائشہ کے ہاں جانا ہے تو وہ تمہیں میرے گھر پہنچا دے گا۔ یہی بڑا سیدھا سا ایڈریس ہے ویسے تم آؤ گی تو مجھے بہت خوشی ہو گی۔ خالہ کی طبیعت ٹھیک ہو تو انہیں بھی ساتھ لانا۔" وہ بہت خوش ہو کر کہہ رہی تھیں۔

"جی جی ضرور۔" وہ جلدی سے بولی اور پھر سے بسکٹ کھانے لگی شاید خاتون بہت تھکی ہوئی تھیں۔ جلد ہی اونگھنے لگی تھیں ٹرین رفتار پکڑ چکی تھی اور اس کا ذہن بھی۔

شہر تو چھوڑ دیا ہے اور شہر کے لوگ بھی۔ اب دوسرے شہر میں کیا فٹ پاتھ پر بیٹھ کر بھیک مانگے گی؟ بے سہارا عورتوں کا مرکز کس طرح ڈھونڈے گی؟ اتنا بڑا شہر ہے مرکز تو کوئی نہ کوئی ضرور ہو گا۔

اصل مسئلہ تو معلومات حاصل کرنا ہے۔ خیر اللہ وہاں بھی کارساز ہے وہی نکالے گا کوئی نہ راستہ وہی تو ہے بس میرا ماں کے پیٹ کی اندھیری کوٹھڑی سے لے کر اس آبلہ پائی کے سفر تک یہ بھی شکر ہے کہ وہ دن کی روشنی میں حیدر آباد پہنچ جائے گی۔ کسی لیڈی ڈاکٹر کے کلینک جا کر بھی معلومات لے سکتی ہے۔ کسی اسکول میں پتا کر سکتی ہے۔

یوں محسوس ہوتا تھا کہ طویل خاموشی کے بعد گویا ذہن کی اتھاہ دنیا میں کوئی انقلاب برپا ہو گیا تھا۔ کوئی جنون لاحق ہو گیا تھا۔ گلے میں کوئی طوق پڑے ہوئے تھے جو اس نے اتار پھینکے تھے۔ پاؤں میں زنجیریں تھیں جو کٹ گئی تھیں۔ وہ ایک بار بھی پیچھے مڑ کر دیکھنا نہیں چاہتی تھی نظر بس آگے دیکھ رہی تھی۔

ہاں بس اسے محفوظ ٹھکانے کا انتظار در کار تھا۔

اب رشتے ناطے تعلق بے معنی ہو کر رہ گئے تھے اب وہ گویا خلا میں تھی تا حد نگاہ وسعت بے کراں۔ نہ کوئی رکاوٹ نہ کوئی ڈھال نہ کوئی سمت۔

اس نے بسکٹ کا پیکٹ بند کر دیا اور نشست کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں نے تو ان سے بہت کہا تھا مگر" یہ " کہنے لگے کہ بڑی اماں کو سرپرائز دیں گے۔" چاند کی دلہن تانیہ نے بچے کا سوٹ کیس کھولتے ہوئے کہا۔

"اوے مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں اللہ کا دیا سب کچھ ہے میرے پاس۔ آتی دور سے آنے والوں کی اطلاع تو ہونا چاہیے مارے میرے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اب میری بوڑھی جان اچانک خوشی غم کی سہار کہاں" بڑی اماں نے ایک مرتبہ پھر چاند کا سر اپنے سینے سے لگایا۔

"جیتا رہے میرا بچہ۔ کتنے دنوں بعد دیکھا۔ مانو آنکھوں میں روشنی آگئی اللہ ہر بلا سے دور رکھے۔" بڑی اماں چاند کو اچانک سامنے دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے سب کچھ بھول گئیں۔

"بڑی اماں! آپ ریا کو کیا کھلا رہی ہیں آج کل؟ کچھ دنوں بعد تو اس کا سر چھت کے پنکھے سے ٹکرانے لگے گا چوٹ ووٹ لگ سکتی ہے" ۔ چاند نے ریا کے سر پر ایک چپت لگائی۔

"لو تم اپنی رہے گی تو لونڈوں ہی کی طرح قد نکلے گا۔" بڑی اماں جل کر بولی تھیں۔

"اس کا قد بھی ناپ لیا تھا؟ گلی کو نڈے کا سیٹ تو نہیں بن رہا۔" چاند نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ارے نہیں ماشاء اللہ قد کاٹھ تو اس کا بہت اچھا ہے۔ شکل صورت بھی اچھی ہے۔ اللہ نصیب بھی اچھا کرے آمین۔" بڑی اماں نے محبت سے دعا کی۔

"شادی کا کب تک پروگرام ہے؟" تانیہ نے پوچھا۔

"ان کا بس چلے تو شام کو آجائیں بارات لے کر۔ وہ تو میں نے کہہ رکھا ہے کہ میرا پوتا بہو امریکہ سے آئیں گے تو پروگرام بنے گا" ۔ بڑی اماں نے جواب دیا۔

"ویسے یہ رشتہ کس کی وساطت سے ہے؟" چاند نے پوچھا۔

"مظاہر کے ہی ملنے والے ہیں کاروباری ساتھی ہیں ویسے انہوں نے اپنے طور پر ریا کو پسند کر کے رشتہ ڈالا تھا۔ ہمارے تو ذہنوں میں اس طرح کی کوئی بات نہیں تھی۔"

"یہ ان کے سامنے بولی نہیں ہوگی" ۔ چاند نے کہا۔

"کیوں نہیں بولا تھا سب بات کی تھی ان سے۔" ریا کے منہ سے بلا ارادہ جملہ پھسل گیا۔ چاند اور تانیہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"سب بات کی تھی؟ مثلاً وہ سب باتیں کیا تھیں یعنی آپ لوگ ہمارے ہاں رشتہ لے کر کب آئیں گے۔ شادی کتنے عرصے میں کریں گے وغیرہ وغیرہ" ۔ تانیہ نے ٹکڑا لگایا۔

"نہیں نہیں۔ یہ والی بات نہیں کی تھی۔ وہ تو مفت میں پیچھے پڑ گئے ہیں ابھی کوئی شادی کی عمر ہے میری؟" ریا تنک کر بولی

"اے ہاں شادی کی عمر تب ہوتی ہے جب سر پر سینگ نکلتے ہیں۔" بڑی اماں سلگیں۔

"ابھی تک بچی بنی ہوئی ہے۔ بھری دوپہر میں چھت پر کودتی پھرتی ہے پتنگ بازی ہوتی ہے۔ ذرا چھت پر جا کر دیکھو کہ مار پتنگوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے اب یہ بات اگر سسرال والوں کو پتا چل جائے تو تھوک بوڑھی دادی کے جنم میں ہی پڑے گا کہ یہ تربیت دی ہے پوتی کو ارے میں تو خدا سے چاہتی ہوں کہ کل کی ہوتی آج اپنے گھر بار کی ہو۔ ارے بڑا جھگڑا تی ہے۔ اب تم آگئے ہو

تو پہلی فرصت میں یہ کام کرو۔ زیادہ پڑھائی ہوگئی تو ہاتھ سے نکل جائے گی اور پھر اس نے پڑھ کر کون سا گورنری کرنا ہے۔ کسی طرح تو قبلہ درست ہو" بڑی اماں ایک تو اتر سے بولیں۔

یعنی آپ کو بہت پریشان کیا ہے اس نے۔ بہت بری بات ہے ریا۔" چاند نے کہا۔

"چاند بھائی! یقین کریں میں تو بڑی اماں کو کچھ بھی نہیں کہتا۔ پتا نہیں بڑی اماں کو میری ہر بات پر غصہ کیوں آتا ہے۔ میں تو خود سوچ سوچ کر حیران ہوتا رہتا ہوں۔" ریا نے بڑی سادگی سے کہا۔

"اے دماغ جو خراب ہوا میرا۔ اس لیے غصہ کرتی ہوں۔" بڑی اماں پھر سلگیں۔

"اللہ نہ کرے۔ آپ کا دماغ تو بہت اچھا ہے۔ سب تعریف کرتے ہیں کہ بڑی اماں اس عمر میں بھی کتنا کام کرتی ہیں سارا گھر سنبھالتی ہیں۔" ریا نے بڑی اماں کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

"واہ بڑی اماں! ریا تو بہت قدر کرتی ہے آپ کی۔" تانیہ ہنسیں۔

"اے ہاں بس قدر ہی کرتی ہیں۔ بات تو جب ہے جب کہنا مانے" ۔ بڑی اماں نے چڑ کر کہا۔

"جی چاند بھائی! میں بڑی اماں کا سب کہنا مانتا ہوں۔ مثر چھیل دیتا ہوں چاول صاف کر دیتا ہوں۔ کھانے کے بعد ٹیبل صاف کر دیتا ہوں۔ پانی کی موٹر کا سوئچ آن کر دیتا ہوں۔" وہ جلدی سے صفائی پیش کرتے ہوئے بولی۔

"واہ بڑی اماں! اتنے بھاری قسم کے کام تو کرتی ہے بے چاری۔ اب کیا آپ دودھ کی نہریں نکلوائیں گی؟" چاند نے بڑی سنجیدگی کا تاثر دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں سسرال میں بس پانی کی ٹنکی ہی بھرا کرے گی بٹن دبا کر" ۔ وہ بولیں۔

"وہاں تو سب کام نوکر کرتے ہیں۔ میں نے سنا ہے۔" اس کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا۔

چاند کا قہقہہ اور تانیہ کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

"ہاں تو اسی پر پھولی جتنی ہے۔ نوکروں سے بھی وہی عورت کام لے سکتی ہے۔ جسے گھر داری کا سلیقہ اور سمجھ ہوتی ہے۔ دلہن اسے سمجھا دینا اچھی طرح۔" بڑی اماں نے کہا۔

"کوئی فائدہ تو نہیں ہے۔ کیوں بھابی کی انرجی ویسٹ کرا رہی ہیں" اظہار بھی لاؤنج میں آچکا تھا۔

"مایوسی کفر ہے میرے عزیز! کیا معلوم اور دفعتاً انقلاب آجائے اور سب لوگ کہتے سنائی دیں کہ بڑی اماں کی پوتی بہت ہونہار و سلیقہ شعار ہے۔ صبح فجر کے وقت اٹھتی ہے سارا دن کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی ہے میاں رات کو پانی منگا کر سو جاتا ہے۔ یہ صبح تک پانی کا گلاس لیے سرہانے کھڑی رہتی ہے نندیں گیارہ گیارہ بجے سے لے کر آجاتی ہیں۔ تو یہ انہیں بریانی کوفتے کباب بنا کر کھلاتی ہے۔ ان کے بچوں کو نہلاتی ہے" ۔

"ارے مائی گاڈ یہ سب کام مجھے تو چکر آ رہے ہیں۔ چاند بھائی میں پلین تو اڑا سکتا ہوں مگر یہ سب نہیں کر سکتا۔" ریا کے وجود میں تو جیسے تھرتھری دوڑ گئی۔

"توبہ استغفار کیا روپ ہے۔ ساری رات وہ کیا آنٹی واٹر اسٹینڈ ہاں کی ۔" انہوں نے سر تھام لیا۔

"ہاں ساری دنیا میں یہ انوکھی نرالی ہیں۔ یہ جہاز اڑائیں گی ورنہ جہاز کیسے اڑیں گے؟ سن لیا؟" ۔ بڑی اماں نے چاند کو دیکھ کر جیسے دہائی دی۔

"ہمیں بالکل بھی شوق نہیں سلیقہ شعار بی بی زیب النساء بننے کا۔ ہم ایسے ہی ٹھیک ہیں" ۔

کتنے دنوں بعد ہنسنے اور مسکرانے کی ساعت آئی تھی۔ پھر ... کا ساب ... سنتے ... پر بھی ... ی وجہ سے یہ سب بچے کتنے چپ چپ رہتے ہیں۔ عارفہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے سوچ رہی تھیں۔

بڑی اماں نے چاند کو بتایا تھا کہ طاہر علی کی طبیعت خراب تھی اس لیے ان لوگوں نے انہوں نے اپنے پاس بلا لیا ہے۔ لڑکے چیک اپ وغیرہ کے لیے لے جاتے ہیں۔

چاند کا دھیان ابھی ماہنور کی طرف نہیں گیا تھا۔ شمسہ بھی کالج سے ابھی لوٹی نہیں۔ ... جب ... دونوں بہنیں ساتھ آتی جاتی ہوں۔ وہ ساڑھے آٹھ بجے پہنچ گئے تھے۔ ریا کالج کے لیے نکل رہی تھی۔ ... جلدی ... کپڑے بدل کر آ گئی تھی۔ گویا جچتی۔

"آئیں پھوپھو! بیٹھیں۔ کہاں چلی گئی تھیں؟" چاند نے ایک کرسی کھسکائی۔

"کچن میں تھی۔ بابا اکیلے لگے ہوئے تھے میں نے سوچا کھانے کو دیر ہو جائے گی۔ تمہارے پھوپھا کے لیے یخنی بھی بنانا ہوتی ہے" وہ بہت افسردہ سے لہجے میں کہتی ہوئی بیٹھ گئیں۔ بڑی اماں نے بغور بیٹی کا چہرہ دیکھا۔ ایک ہوک سی ان کے سینے سے اٹھی۔

"مظہر کتنے بجے تک آ جاتا ہے؟" چاند نے پوچھا۔

"اس کے کوئی بجے نہیں ہوتے۔ کالج سے آتے ہی کھیل سوجھ جاتا ہے۔ جتنے کون سی پریکٹس ہوتی رہتی ہے۔ پھر ٹیوشن کو چلا جاتا ہے۔ وہاں سے آ کر ٹی وی پکڑ لیتا ہے۔ ابھی سونی ٹھیک نہیں آ رہا تو ابھی پاکستان کا ٹی وی ابھی ہندوستان کا ٹی وی پتا نہیں بھلا ان لونڈوں کا بنے گا کیا۔" بڑی اماں اعاری بڑبڑانے لگیں۔

"آپ ناراض نہ ہوا کریں بڑی اماں! اس عمر میں لڑکے ایسے ہی لاابالی ہوا کرتے ہیں۔ جب ہی شاعر نے بھی کہا تھا کہ عشق کھیل نہیں ہے کہ لونڈے کھیلیں۔ یہ تو عمر ہوتی ہی کھیل کود کی ہے۔" چاند نے سمجھایا۔

"اے تو کھیل کود کی کوئی حد ہوتی ہے۔ تم اظہر مظہر مظاہر بھی تو اس عمر سے گزرے ہو بڑے طریقے سے رہتے تھے۔ پڑھ لکھیں تو تم لوگوں کی کتابوں پڑھائیوں سے بے زار آ جاتی تھی۔"

"ہماری بات چھوڑیں بڑی اماں! ہمارے ساتھ مسئلہ اور تھا۔ ہمیں جنگل میں درخت کاٹ کر اپنا راستہ خود بنانا تھا۔ ہماری جدوجہد کی وجہ سے ان چھوٹوں کو بہت آسانیاں مل گئی ہیں۔ آپ کے ہمارے ہوتے ہوئے ان لوگوں کو زندگی کی سختی اور بدصورتی کا احساس نہیں ہو سکا۔ یہ کیا جانیں ..... کہ اندھیرے میں کرن ڈھونڈتے ڈھونڈتے کتنی مرتبہ ٹھوکر لگتی ہے۔" چاند یک دم سنجیدہ ہو گئے تھے۔

اور بڑی اماں نے جیسے تڑپ کر ان کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ "میرا بچہ ..... واری قربان جائے۔ مجھے پتا ہے میرے لال ..... تم نے بڑی سختیاں اٹھائی ہیں۔ مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے تمہیں محنتوں کا پھل دیا۔ دن رات تمہاری خوشیوں کی دعائیں مانگی ہیں اللہ تمہیں گرم ہوا سے بھی بچائے۔ تو تو میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ تو نے اپنے بھائیوں کا کتنا خیال کیا ہے۔ ان کے لیے کتنی محنت کی ہے۔ ان کی کامیابیاں تیری ہیں میرے بچے"۔ بڑی اماں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ "تو نے تو بھائی ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ سکھی رہے گا۔ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ اللہ کے حکم سے پھول ہی کھلیں گے۔"

"بس بڑی اماں! آپ کی دعائیں ہی چاہئیں۔" چاند نے ان کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔

"ہاں بس اب بوڑھی دادی کے پاس دعائیں ہی ہیں۔ اللہ تمہیں ہر طرح کا سکھ دے۔ آمین۔" انہوں نے چاند کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

عارفہ سر جھکائے جانے کیا سوچ رہی تھیں۔ تانیہ لاؤنج سے باہر جا چکی تھی۔

"ہاں بیٹے! وہ انسان بھی قسمت کا دھنی ہوتا ہے جو مشکلات کے بعد آسانی دیکھ لیتا ہے۔ ورنہ بعض انسان تو بس دم تک مشکل سے نکل کر مشکل میں پڑے رہتے ہیں۔ ان کی زندگی بس امتحان ہی ہوتی ہے"۔ عارفہ نے باسبب سے کہا۔

بڑی اماں اور اظہار نے بہت افسوس بھری نظروں سے عارفہ کی سمت دیکھا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے پھوپھو! مشکل کا آخر کسی آسانی پر ہی ہوتا ہے۔ ہاں بعض اوقات مشکل ذرا لمبی محسوس ہوتی ہے مگر اس نے طے ہونا ہوتا ہے۔ مجھے احساس ہے۔ پھوپھا جان کی بیماری نے گھر میں بہت سے مسائل پیدا کر دیے ہوں گے۔ مگر ہم بھی تو آپ کے اپنے ہیں۔ آپ کے بچے ہیں۔ آپ یہیں رہیں ہمارے پاس۔" چاند نے بہت ہی دل سوزی سے پھوپھی سے کہا تھا۔

"جیتے رہو۔ اللہ تمہیں ہر طرح کا سکھ دے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ اس خاندان میں سب سے زیادہ تم ہی لوگوں نے اپنائیت کا احساس دیا ہے۔ کتنے دن ہو گئے مجھے یہاں آئے ہوئے سب بچے میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ جس کو بھی کام ملتا ہے فوراً پھوپھا کے پاس جا کر بیٹھ جاتا ہے اور یہ میری اماں ہیں۔ ان کی تو بات ہی الگ ہے۔"

عارفہ کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر گرنے لگے۔

"ارے ..... رے ..... پھوپھو۔ یہ کیا حوصلہ رکھیں۔ پھوپھا جان ٹھیک ہو جائیں گے۔ اب تو تقریباً دو ماہ کے لیے میں یہاں ہوں اور فارغ ہوں۔ میں خود پھوپھا جان کی ٹریٹ منٹ پر توجہ دوں گا۔ ان کا چیک اپ اچھے سے اچھے ڈاکٹر سے کراؤں گا۔"

چاند اپنی جگہ سے اٹھ کر عارفہ کے قریب جا کھڑے ہوئے اور ان کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینے لگے۔

ریا ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی "ایک منٹ میں پانی لاتی ہوں پھوپھو کے لیے۔"

بھتیجے کی ہمدردی نے جیسے اندر سب بند توڑ ڈالے تھے۔ وہ بری طرح سسکنے لگیں۔

"بری بات ہے عارفہ! حوصلہ پکڑو۔" بڑی اماں نے ٹوکا۔

"اماں! آپ مجھے گھر جانے دیں۔ چاند اور دلہن کے آنے سے سب بچے کس قدر خوش ہیں۔ مجھ بدنصیب کی وجہ سے کیوں ان کی خوشیاں کرکری کرتی ہیں۔" عارفہ سسکتے ہوئے بولیں۔

"تو آپ کو خوش رہنے سے کون روک رہا ہے۔ آپ بھی سب کے ساتھ خوش ہوں"۔ چاند نے کہا۔ اظہار اور بڑی اماں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔

"بیٹے! تم میرا دکھ نہیں سمجھ سکتے۔ بس تم لوگ مجھے جانے دو۔" عارفہ نے آنسو خشک کیے۔ "شمسہ آ جائے تو میں چلی جاؤں گی اماں! بس اب مجھے نہ روکیے۔"

"تو ماہنور ادھر گھر میں اکیلی ہے؟" چاند نے بڑی اماں کا چہرہ دیکھا۔

بڑی اماں نظر چرا کر اپنا پاندان کھولنے لگیں۔

اظہار کو بہت ضروری کام یاد آ گیا اور عارفہ دوپٹے سے آنکھیں پہلے سے زیادہ زور لگا کر مسلنے لگیں۔

"اچھا یہ باتیں پیچھے ہو جائیں گی۔ تم ذرا بابا سے کہہ کر کھانا لگواؤ بہت دیر ہو گئی ہے"۔

بڑی اماں نے عارفہ سے کہہ کر گویا ان کا دھیان بٹایا۔ عارفہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بڑی اماں! کھانے میں مرچیں تیز تو نہیں ہوں گی؟" چاند نے پوچھا۔

"نہیں ..... بابا کو سمجھا دیا تھا۔ ذرا پہلے کا تو نہیں کھانے لگے۔ گوروں کی طرح؟" انہوں نے پوچھا۔

"بڑی اماں! ہم بھی گورے ہی ہیں کالے تو نہیں ہیں۔" چاند نے ہنستے ہوئے کہا۔

"شمسہ کو بھی آنے دیں کالج سے"۔ چاند نے پھر کہا۔

"ہاں بس آتی ہوگی۔ یہی ٹائم ہے اس کے آنے کا۔" انہوں نے جواب دیا۔

"تو ماہ نور کو گھر میں اکیلا کیوں چھوڑ دیا۔ وہ کیوں نہیں آئی ادھر؟" چاند کو پھر دھیان آیا۔

"آ جائے گی وہ بھی...... کھانا کھالو پھر بتاؤں گی کہ کیوں نہیں آئی۔" بڑی اماں نے نظریں چرا کر مبہم سا جواب دیا۔

"دلہن کہاں چلی گئیں۔ انہیں بولو ناں کھانے کے لیے"۔ بڑی اماں نے لاؤنج میں واپس آتی ریا سے کہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ لوگ تو ہاتھی سے کہلوا لیتے ہیں کہ میں شیر ہوں۔ اس کا تو باپ بتا سکتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ وہ بہت شاطر انسان ہے۔ اسے اندازہ تھا کہ یہ کچھ ہو سکتا ہے۔ اس نے پہلے ہی بندوبست کر لیا ہوگا۔ بہر حال آج شام تک معلوم ہو جانا چاہیے کہ لڑکی کہاں ہے؟"

مظاہر بہت زیادہ ٹینس نظر آ رہے تھے۔

"یہ تو اصل میں فرینڈلی انفارمیشن ہے۔ آپ فکر نہ کریں Contnue کا ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ پتا لگ جائے گا۔" اے ایس پی نے تسلی دی۔

"ریمانڈ تو مل گیا ہے ناں؟" مظاہر نے پوچھا۔

"آج مل جائے گا۔ شیور۔" جواب ملا۔

"یعنی ابھی تک موصوف کو دی۔ آئی پی ٹریٹمنٹ مل رہی ہے" انہوں نے واضح تلخی سے کہا۔ اے ایس پی خاموش رہا

"سسٹم تو گلی ڈنڈا ہے ۔ اتنا بڑا کارنامہ انجام دینے والے کے یہ ٹھاٹھ ہیں۔ جب ہم جیسے لوگوں کے ساتھ یہ سب ہو رہا ہے تو عام غریب شہری کی اس ملک میں کیا حالت ہے۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔"

"وہ لاک اپ میں ہے۔ صرف ریمانڈ کا انتظار ہے۔ ٹیک اِٹ ایزی مسٹر مظاہر"۔ پولیس آفیسر نے انہیں پھر تسلی دی۔

"مجھے اس سے کچھ بات کرنا ہے۔" مظاہر نے کہا۔

"آپ بات کر سکتے ہیں۔ نو پرابلم" آفیسر اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا "آئیے"۔

مظاہر کے اندر ایک جوار بھاٹا اٹھنے لگا۔ وہ آفیسر کے ساتھ لاک اپ کی طرف بڑھے۔ وہ لاک اپ میں یوں محسوس ہوا گویا شیر پنجرے میں۔

"آہا مسٹر مظاہر! ہمیں معلوم ہے کہ ہمیں دیکھے بغیر آپ کو چین نہیں آ رہا ہوگا۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمیں بھی آپ کا بے حد انتظار تھا۔ دیر ہو گئی؟ خیر اتنے بڑے افسر ہیں۔ کوئی ضروری کام نکل آیا ہوگا۔ اور سنائیں رات کو تو بہت اچھی نیند آئی ہوگی؟" وہ بڑے تپاک سے بولا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ مجھے نیند ہمیشہ اچھی ہی آتی ہے۔ آپ سے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ آپ کتنی مہارت سے کارروائی کھیلیں...... لیکن سامنے والوں کو بھی اناڑی نہ سمجھیں۔ بعض اوقات بڑے بڑے توپ باز اسی غفلت میں مارے جاتے ہیں۔ آخر تم نے ریمانڈ کے بعد بھی تو بتانا ہے کہ ہماری عزت کو کہاں چھپایا ہوا ہے؟ پہلے بتا دینے میں کیا حرج ہے؟"

مظاہر نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بہت پر سکون انداز میں اس سے کہہ رہے تھے۔

"میں اسے دلہن کے روپ میں شریف آباد میں واقع اپنے باپ کے بنگلے میں چھوڑ کر آیا تھا۔ اسے وہیں ہونا چاہیے۔ وہاں میری ماں بہنیں ان کے ہزبینڈز...... اس کے ساتھ موجود تھے۔ رات کو بھی یہی بتایا تھا۔ اب بھی یہی کہہ رہا ہوں۔ ریمانڈ کے بعد بھی یہی کہنا ہے۔ پھانسی کے تختے پر پہنچا تو وہاں بھی یہی کہوں گا۔ یہ ذہن میں رکھیں کہ پہلے نکاح ہوا تھا اس کے بعد وہ دلہن بنی تھی اور میں جس وقت گھر سے باہر آیا تو وہ مکمل دلہن بن چکی تھی۔ ہمارے پاس فوٹو گراف۔ مووی نکاح نامہ سب کچھ موجود ہے۔ کیوں مسٹر منگش رات کو بھی یہی کہا تھا ناں؟" وہ بہت اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"جی ہاں مسٹر مظاہر! انہوں نے رات کو یہی کہا تھا"۔ منگش نے تائید کی۔

"مگر وہاں ریڈ ہوئی تھی۔ وہ وہاں نہیں ہے۔" مظاہر اس مرتبہ قدرے جھلائے۔

"اب میں تو یہاں ہوں۔ کیا کہہ سکتا ہوں۔ شاید میرے گھر والوں نے ڈر کر کہیں کسی کونے میں چھپا دیا ہو حالانکہ ڈرنے کی تو کوئی بات نہیں وہ میری جائز قانونی بیوی ہے۔ پچاس ہزار ریڈ سے بھی ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

وہ اپنے مخصوص لاپروا انداز میں کہہ رہا تھا۔ مظاہر اندر ہی اندر پریشان تو ہوئے مگر بظاہر پرسکون ہی تھے۔

"تو پھر آپ اپنی والدہ کو اطمینان دلا کر اسے ہمارے سامنے لے آئیں۔ کہلوا دیں انہیں کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔" انہوں نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

"سر! وہ مسٹر پاشا کے برادران لا ملاقات کو آئے ہیں۔" ایک اے ایس آئی نے ان کے قریب پہنچ کر مطلع کیا۔

"مظاہر بری طرح چونک پڑے۔" ان کو بلا لیں"۔ انہوں نے منگش کی طرف تائید طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا

"ہاں ہاں...... لے آؤ انہیں ادھر۔ کوئی زیادہ تگڑی سفارش تو نہیں لے آئے؟" منگش نے پاشا سے سوال کیا

"بے فکر رہیں وہ اس طرح کے کام نہیں کرتے"۔ پاشا نے بڑی شریر و معنی خیز مسکراہٹ سے مظاہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"بہر حال مسٹر پاشا یہ تو آپ ہی کو بتانا ہے کہ لڑکی کہاں ہے۔ منگش نے کہا۔

"پلیز سر! آپ لڑکی نہ کہیں۔ آپ کی مسز کہیں حالانکہ کسی سے اس کی مسز کے متعلق اس طرح پوچھنا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔ بہر حال آپ قانونی بندے ہیں تو اتنا برداشت ہو جائے گا۔" اس نے بڑی بے خوفی و بے نیازی سے کہا۔

"اس طرح زبردستی کر کے کوئی لڑکی مسز نہیں ہوتی۔ وہ مجبور ہوتی ہے۔ خیر یہ معاملہ تو کورٹ میں طے ہوگا"۔ مظاہر نے بہت برداشت کرتے ہوئے کہا۔ مگر لہجے کی تلخی ظاہر تھی۔

اسی دوران علی عمران اے ایس آئی کے ہمراہ لاک اپ تک پہنچ چکے تھے۔

"السلام علیکم۔ عمران بھائی!" پاشا نے بڑے تپاک سے سلام کیا اور ہاتھ باہر نکال کر ان کی جانب بڑھایا۔

علی عمران نے رسمی انداز میں ہاتھ ملایا پھر باری باری منگش اور مظاہر کی طرف متوجہ ہوئے۔

"یہ میرے بڑے بہنوئی ہیں۔ نیشنل بینک میں ذمہ دار پوسٹ پر فائز ہیں۔ یہ اے ایس پی منگش صاحب اور یہ ماہ نور کے کزن مسٹر مظاہر ہوم منسٹری میں ہوتے ہیں۔" اس نے یوں تعارف کرایا۔ گویا اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں اطمینان سے بیٹھا ہوا ہو۔ علی عمران "ماہ نور" کے کزن پر چونک پڑے تھے۔ کیا ماہ نور ان کی طرف تو نہیں چلی گئی؟

"آپ لوگوں نے ماہ نور کو چھپا کر ٹھیک نہیں کیا۔ اب اسے چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب وہ میری قانونی بیوی ہے۔ میرے پاس سارے ثبوت موجود ہیں۔"

"لیکن...... ہم نے اسے نہیں چھپایا۔" علی عمران نے گھبرا کر مینگش کی طرف دیکھا۔ "بلکہ میں تو صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ ماہ نور کا کچھ پتا نہیں چل رہا۔ اماں کی طبیعت بہت خراب ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ پولیس انہیں پریشان نہ کرے کہ وہ قطعی بے قصور ہیں۔"

پاشا مظاہر مینگش بری طرح چونک پڑے تھے۔

"ڈراما؟" مظاہر نے علی عمران کا چہرہ بغور دیکھا تھا۔

"کیا مطلب عمران بھائی؟" پاشا کا دماغ خلا میں معلق رہ گیا تھا۔

"مطلب یہ کہ جب ریڈ ہوئی تو ماہ نور اوپر کمرے میں تھی۔ لیکن جب تلاشی ہوئی وہ گھر میں کہیں نہیں تھی اور میں یہی صورت حال بتانے یہاں آیا ہوں کیونکہ مجھے اماں کی بہت فکر ہے۔"

"تو کیا وہ دھواں بن کر اڑ گئی؟" پاشا جھلایا۔ اس وقت اس کا مخصوص اعتماد اس کے ساتھ نہیں تھا۔

"مجھے تو سیدھی سیدھی ایک پلاننگ لگ رہی ہے۔ ظاہر ہے اب اسے کورٹ میں پیش ہو کر حقیقت بتانا تھی۔ جس کے بعد بہت سے لوگ گرفت میں آجاتے۔" مظاہر کو علی عمران کے بیان پر ایک حرف یقین نہیں تھا

"بہر حال...... یہ سچ ہے۔ یہ ایک عام بیان ہے جو ہم ہر جگہ ابزات از دینے کو تیار ہیں۔" علی عمران کے اعتماد اور ٹھوس لہجے نے مظاہر کے ذہن کو قدرے مضطرب کیا۔

"اس میں اتنے کلس نہیں ہیں کہ وہ کہیں چلی جائے یا چھپ جائے۔ وہ میری سگی پھوپھی کی بیٹی ہے۔ اس کی عمر کی تمام منزلیں میرے سامنے طے ہوئی ہیں میں اس کی عادت۔ صلاحیت ذہنی اپروچ سے مکمل طور پر آگاہ ہوں۔ وہ تو اسی شہر میں بیٹھ کر بھی تنہا کہیں نہیں گئی۔ اس لیے آپ کا یہ بیان کم از کم مجھے تو ہضم نہیں ہو سکتا۔ سوری۔"

مظاہر علی عمران سے مخاطب تھے اور اندر سے انتہائی مضطرب۔

"عموماً انقلابی تبدیلیاں انسان کو بہت بدل دیتی ہیں اور اس طرح کی تبدیلیوں کے اعلان نہیں ہوتے۔" علی عمران نے بڑے سپے تلے اور سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

جواب استدلالی تھا۔ اس لیے مظاہر کو خاموش رہ کر کچھ سوچنا پڑا۔

"عمران بھائی! آپ کو ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ وہ میری قانونی بیوی ہے۔ آپ بتا دیں کہ وہ کہاں ہے اور ان سب لوگوں کی ملاقات کروا دیں۔ تاکہ یہ معاملہ جلد سے جلد اپنے انجام کو پہنچے۔" پاشا اس کے چلے جانے کا یقین کیونکر کر لیتا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا۔ یعنی میں خود چل کر آیا ہوں یہ بتانے کے لیے کہ وہ لاپتا ہے اور تم مذاق سمجھ رہے ہو۔ اماں کی طبیعت اتنی خراب ہے کہ تمہاری سب بہنیں ان کے پاس موجود ہیں۔" علی عمران بہت زیادہ ٹینس ہونے کی وجہ سے فوراً بھپر کر بیٹھے۔

"تو پھر وہ کہیں نہیں جا سکتی۔ علاوہ مسز مظاہر کے گھر کے۔" پاشا نے وثوق سے کہا۔

"ربش...... میں اسے کورٹ میں پیش کر کے تمہارا بخارا مارنا چاہتا ہوں کہ تمہاری وجہ سے ہماری فیملی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ اگر وہ مجھے مل جائے تو میری ساری محنت ہی وصول ہو جائے اور جس شاہی مزاج سے آپ ہم سے مخاطب ہیں۔ آ نا فانا خاکسارانہ ہو جائے۔ ماسٹر سلیو (Slave) بن جائے۔" مظاہر نے برہمی سے کہا۔

"یہ تمنا تو حسرت ہی بن گئی ہے۔ بہر حال آپ اپنے کارڈ کھیلیں۔ میں اپنے کھیلتا ہوں۔"

"ہاں سنیں مجھے تم ہی سے پتا کرنا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ یا کسی طرح سمجھو لو۔" مظاہر پلٹنے لگے۔

"اور مجھے بھی آپ ہی سے پتا کرنا ہے کہ وہ کہاں ہے۔" پاشا نے بھی بھنا کر کہا۔ ان کی اس تکرار پر ایک پولیس افسر محظوظ ہوتا تماشائی تھا۔ اس صورت حال سے اس عہدے کے چہرے پر بڑی خراشیں واضح نظر آ رہی تھیں۔

"ہاں تو کر لینا مجھ سے پتا۔" مظاہر نے ستانے والے لہجے میں جواب دیا اور آگے بڑھ گئے۔ اے ایس پی مینگش ان کے پیچھے تھا۔ علی عمران ان دونوں کو گردن موڑ کر جاتا دیکھتے رہے۔

"میں جا رہا ہوں اس کا کھاتہ چھوٹا ہے۔ مگر اس کے ارادے کچھ اور نظر آ رہے ہیں۔ کس طرح اتارے گا یہ اتنے سارے قرض؟" پاشا کی آنکھوں میں لاوا لرز رہا تھا۔

"تمہارا انداز درست نہیں ہے۔ کنفرم ہو چکا ہے کہ وہ جانے پہچانے ٹھکانوں پر نہیں پہنچی۔ اسی وجہ سے تو اماں کی حالت خراب ہے کہ وہ اکیلی کہاں بھٹک رہی ہوگی۔ وقت بہت نازک ہے قیمتی جیولری اس کے پاس ہے۔ خدانخواستہ کسی مصیبت میں نہ پھنس گئی ہو۔ بہر حال اس نے ایک غلط قدم اٹھایا ہے۔ "گھر" سے اچھی جگہ کوئی نہیں ہوتی۔ چاہے گھر میں رہنے والے ایک دوسرے سے ناراض ہی کیوں نہ ہوں۔" علی عمران نے رسانیت سے کہا۔

"میں نہیں مان سکتا۔ وہ اتنی بھی بے وقوف نہیں ہے۔ یہ اس شخص کی کوئی چال ہے آپ مانیں یا نہ مانیں۔" پاشا نے غضب ناک ہو کر جواب دیا۔

علی عمران کو مزید کچھ کہنا بے کار لگا۔ وہ خاموش رہے۔

"خیر...... اگر وہ زمین کے اوپر ہی ہے تو میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ ذرا باہر آ جاؤں۔" پاشا نے مزید کہا۔ "اور اس افسر اعلیٰ کو سبق سکھانا تو میرا مشن ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ میں کرتا کیا ہوں۔" پاشا لاک اپ میں ادھر سے ادھر آنے جانے لگا۔

"یہ کتنا ہی بڑا افسر کیوں نہ ہو مجھے دو دن سے زیادہ لاک اپ میں نہیں رکھوا سکتا۔ ایک افسر ہی تو ہے۔ گورنر تو نہیں ہے۔ مائی فٹ۔" اس نے دیوار کو ٹھوکر لگائی۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔ ابھی گھر کی صورت حال بھی معلوم کرنا ہے۔" علی عمران کو مزید وہاں ٹھہرنا بے سود لگا۔

"اچھا۔ خدا حافظ۔ میں اماں کے پاس ہی ہوں۔ تمہارے گھر آنے تک۔" وہ یہ کہہ کر اس کی کسی بات کا انتظار کیے بغیر آگے بڑھ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ہیلو...... جی...... میں مظاہر بات کر رہا ہوں۔ پاشا کی والدہ سے بات کرائیے۔" وہ آفس واپس جانے کے بجائے گھر آ گئے تھے ذہن بہت منتشر تھا۔ سب لوگ لنچ کے بعد کمروں میں بند تھے۔ بابا نے انہیں چاند کے آنے کی اطلاع پہنچا دی تھی۔ اتنے عرصے بعد بھائی کی آمد نے بھی ان کے اندر کسی قسم کے جذبات نہیں جگائے۔ وہاں تو ایک ہی سوال کی بازگشت تھی وہ کہاں ہے؟ اور آتے ہی انہوں نے پاشا کی ماں سے رابطہ کیا تھا۔ انہیں محسوس تو ہو رہا تھا کہ پاشا نے جو کہا وہ غلط نہیں۔ لیکن وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ یہ سب ماہ نور کی خوشی سے تو ہرگز نہیں ہوا ہوگا پتا نہیں کن کن طریقوں سے اس پر دباؤ ڈالا گیا ہوگا۔ کیسے کیسے قسم کی دھمکیاں اس نے سنی ہوں گی۔ کس طرح اسے ہراساں و خوفزدہ کیا گیا ہوگا۔

دوسری طرف سے قمر النساء کی نحیف و کمزور آواز آنا شروع ہو گئی تھی۔ "ہیلو...... کون؟"۔

"السلام علیکم۔ ماہ نور کا کزن مظاہر بات کر رہا ہوں"۔

"تو کیا وہ تمہارے گھر پہنچ گئی؟ بیٹے! میری اس سے بات کراؤ۔" قمر النساء کی بے تابی و تڑپ نے مظاہر کا ایک مرتبہ

پھر الجھا دیا۔

"اگر وہ ہم سے ناراض ہے تو کوئی بات نہیں بیٹے! میں ہزار بار اس سے معافی مانگنے کو تیار ہوں وہ یہاں نہیں آنا چاہتی تو اس کی خوشی۔ بس مجھے اس کی صورت دکھا دو۔ مجھے تسلی ہو جائے گی۔" قمر النسا، مظاہر کی کوئی بات سنے بغیر بس اپنی کہے جا رہی تھیں۔

"بیٹے! جب اس کی نانی نے حالات کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ تب میں نے اسے آنے والے وقت سے خبردار کرتے ہوئے سمجھا دیا تھا۔ اس کے سر پر اپنی چادر ڈالی تھی۔ اسے اپنی بیٹی بنایا تھا۔ خیر...... اب بھی مجھے اس کی خوشی منظور ہے۔ تم بات تو اس سے بات کرا دو یا اس کی صورت دکھا دو۔ میں تا قیامت تمہاری احسان مند رہوں گی۔" بولتے بولتے ان کی آواز پر آنسو غالب آ گئے مظاہر بری طرح الجھ رہے تھے۔

"جب آپ سب یہ کچھ کر چکے تھے اور وہ رضا مند ہو گئی تھی تو وہ آپ کے گھر سے کیوں نکل گئی کیوں چھوڑا اس نے آپ کا گھر؟ صاف ظاہر ہے اسے یہ سب منظور نہیں تھا۔ اس پر زبردست قسم کا پریشر ڈالا گیا۔ بلیک میل کیا گیا۔ اگر وہ رضا مند ہوتی تو کبھی آپ کا گھر چھوڑ کر نہ جاتی۔ وہ ہمارے پاس نہیں پہنچی۔ اس کا پتا آپ ہی لوگ بتائیں گے۔ سیدھی طرح نہیں تو اور طرح سے......" مظاہر نے تذبذب کی کیفیت میں قدرے ناراضگی سے کہا۔

"کاش مجھے اس کا پتا معلوم ہو جائے میرے بیٹے۔ ایک ایک سانس اندر آری بن کر چل رہی ہے۔ مجھے اس بچی کی مظلومیت نے زندہ در گور کر دیا ہے۔ دیکھو بیٹے! اگر واقعی تمہیں اس کا پتا ہے تو بس مجھے اس کی آواز سنوا دو۔ میرے لیے یہی بہت ہے۔"

قمر النسا، کی ذہنی کیفیت نارمل نہیں تھی۔ انہیں مظاہر کی بات کا اعتبار نہیں تھا۔ یا پھر وہ ذہنی اذیت کے اس مقام پر کسی معجزے کی منتظر تھیں۔

"مجھے جیسے ہی اس کا ٹھکانا معلوم ہوا سب سے پہلے آپ کو مطلع کروں گا۔" مظاہر نے غائب دماغی کی کیفیت میں ریسیور رکھ دیا تھا۔

اندر کی آواز قمر النسا، کو صادق بتا رہی تھیں۔ مگر دماغ اسے کوئی سازش قرار دے رہا تھا۔ وہ بے وقوف لڑکی اتنے ہوشیار لوگوں کو جل دینے کی منصوبہ بندی ہرگز نہیں کر سکتی۔ جیسے خود وٹس کا سینس ہے نہ کوئی نس کی معلومات ہو سکتا ہے، پاشا کی اس کرامت کا علم اس کی ماں کو بھی نہ ہو۔

اب یہ تھا کہ ذہن میں کچھ بھی کلیئر نہیں تھا۔ کوئی خیال واضح تر یک پر نہیں تھا وہ اندھا دھند کرا دھر ادھر بھٹکنے لگے۔ یا تو یہ کہ واقعی وہ کوئی حماقت کی انتہا کر بیٹھی ہے یا پاشا زبردست گیم کھیل رہا ہے۔ آخر وہ جا کہاں سکتی ہے۔ کسی قسم کا جواب اندر سے نہیں ابھر رہا تھا۔ ایک بے کراں سناٹا ہر سوال کے جواب میں دامن پھیلا کر کھڑا ہو جاتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بابا نے بتایا کہ آ چکے ہو۔ کھانا لگواؤں کیا؟" بڑی اماں اور عارفہ آئی تو کسی اور کھوج میں تھیں۔ مگر شروعات ذرا سجاؤ سے کر رہی تھیں۔

"ابھی تو مجھے بھوک نہیں ہے۔ کھانا ہوگا تو بابا سے کہہ دوں گا۔ آپ آرام کریں۔" وہ لا کر کھولتے ہوئے عام سے انداز میں گویا ہوئے تھے۔

"اتنا وقت تو ہو گیا ہے۔ بھوک کیوں نہیں لگی؟ کھانا گرم بھی ہے۔ چاند اور دلہن بھی پہنچ گئے ہیں۔ بھائی بھاوج سے نہیں ملو گے۔" بڑی اماں ان کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"مل لوں گا۔ گھر...... میں ہی ہیں ناں؟ کہیں جا رہے ہیں؟" وہ دور کھائی سے بولے۔

"جا تو خیر کہیں نہیں رہے۔ اتنی مدت بعد بھائی پردیس سے آیا ہے۔" بڑی اماں نے جتایا۔

"میں ملنے سے انکار تو نہیں کر رہا۔" وہ لا کر میں فائلیں الٹ پلٹ کرتے ہوئے اسی سپاٹ انداز میں گویا ہوئے۔

"ابھی وہ آرام کر رہے ہوں گے۔ میں گھر پر ہی ہوں۔ شام کو ملاقات ہو جائے گی۔" بڑی اماں کی خاموشی انہیں محسوس ہوئی تو گویا وضاحت کی۔

"اس وقت تو دفتر سے کبھی نہیں آئے۔ خیریت تو ہے ناں؟" کھوج کی ابتدا ہوئی۔

"دفتر ہی کے کام سے آیا ہوں۔" انہوں نے بڑی اماں کی تشویش دور کی۔

"وہ...... پاشا کا کیا بنا...... کچھ پتا چلا ماہ لور کہاں ہے؟" عارفہ اس سے زیادہ ضبط نہ کر سکی تھیں۔

"پاشا کا تو کچھ نہ کچھ بن ہی جائے گا۔ فی الحال ماہ لور کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔" انہوں نے پھوپھو کی حالت پر ترس کھا کر بہت تحمل سے جواب دیا۔

"تو پولیس نے اس سے ابھی تک کچھ نہیں اگلوایا۔ یہ تو گونگوں کو بلوا لیتی ہے۔" عارفہ نے مایوسیت بھرے لہجے میں کہا۔ جس میں حیرت کی آمیزش بھی تھی۔

"اگلوا لے گی۔ آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ کون سا آپ لوگوں نے اسے پناہ دینا ہے۔" لہجہ پھر تلخ ہو گیا۔ ضبط کے باوجود۔

"اتنا پتا چل جائے کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے تو ہمارے لیے یہ بھی بہت ہے۔ مگر اس کی تو کوئی خیر خبر ہی نہیں۔" بڑی اماں بھی اپنی بے تابی چھپائے بظاہر پرسکون کھڑی ان دونوں پھوپھی بھتیجے کی گفتگو سن رہی تھیں۔

"خیر خبر مل بھی جائے تو کیا ہوگا۔ آپ لوگ تو کسی کو بخش چکے ہیں۔ اب کیا جستجو ہے؟ میرا خیال ہے۔ آپ لوگ اسے بھول جائیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ ہم نے اس پر سمجھوتا کر لیا کہ وہ اسی آوارہ کے ساتھ رہے۔ مگر یہ ماں ہے اسے جستجو ہو سکتی ہے کہ بچی کس حال میں ہے؟"

بڑی اماں نے برا مان کر ان کی بات کاٹ دی تھی۔

"آپ ہی تو کہا کرتی ہیں کہ جس راہ چلنا نہیں اس کے کوس کیا گننا؟ چھوڑ دیا۔ تو بس چھوڑ دیا اب ذکر بھی نہیں ہونا چاہیے۔"

"تمہاری ناراضگی بجا نہیں ہے۔ ہمارے سینے میں بھی دل ہے پتھر نہیں۔ اس کی بھلائی اسی میں تھی کہ وہ عمر بھر اس کے ساتھ رہے جس نے داغ لگایا ہے۔ کسی لڑکی کا اغوا معمولی بات نہیں ہوتی۔ پشتوں اور نسلوں تک یہ دکھ پیچھا کرتا ہے۔ آنے والی نسل پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔ لوگ عورت کو اچھوت سمجھنے لگتے ہیں۔ اب اگر کوئی ہم سے بات کرے گا تو ہم یہ کہہ دیں گے کہ ہاں ہم نے اس کا نکاح کر دیا تھا خاموشی سے۔ حالات ہمارے قابو میں نہیں تھے۔ اگر ہم اسے دوبارہ یہاں لے آتے تو وہ عمر بھر کو زندہ در گور ہو جاتی۔" بڑی اماں سمجھاتے ہوئے بولیں۔

"زندہ در گور تو وہ ہو گئی ہے۔ اس کا کہیں پتا نہیں چل رہا۔" وہ برہمی سے گویا ہوئے۔

"بڑا ہی کی چار سو بیسی ہے۔ کہیں چھپ گئی ورنہ تمہارے ڈر سے چھپا رہا ہے اس نے۔ اخبار پاگل نہیں ورنہ کوئی مصیبت اٹھا کر لے جائے اور وہ اس کے گھر سے آرام سے نکل جائے۔ اگر وہ اس کے گھر سے نکلتی تو سیدھی یہیں پہنچتی۔ وہ کہیں اور نہیں جا سکتی۔" بڑی اماں نے وثوق سے کہا۔

"وہ یہاں کیسے آ جاتی جہاں اس پر ہمیشہ کے لیے دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔ اگر وہ صحیح ہاتھوں میں پہنچی تو اسے سیدھا..... پہنچا دیا جائے گا کسی ایسی وکیل کے پاس۔ جو اس طرح کی ستائی ہوئی لڑکیوں کے مقدمے لڑتی ہے۔" مظاہر نے اسی طرح آف موڈ میں جواب دیا۔

انہوں نے ایک فائل کھولی پھر اپنا پرس کھول کر پاکٹ ڈائریکٹری نکالی اور کوئی فون نمبر اتارنے لگے۔

"ہم نہیں کریں گے ذکر مگر تم بھی آرام سے بیٹھ جاؤ۔ تم اس طرح بھاگے پھر رہے ہو تو ذکر ہو گا۔ ہمیں یہ فکر ہے خدا نخواستہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

"نفع نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے۔" مظاہر نے بات کاٹ کر کہا۔

"ہاں مگر اونٹ باندھ کر توکل کرنے کو کہا گیا ہے۔ اللہ نے بارش برسائی تو چھتری بنانے کی عقل بھی دی۔" بڑی اماں نے بھی برجستہ کہا۔

مظاہر خاموش رہے۔ وہ بڑی اماں کی سن رسیدگی کا مقابلہ بہر حال نہیں کر سکتے تھے۔

عارفہ خاموش تماشائی بنی دونوں کو ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
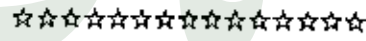
"اب تمہیں اس کا مکمل خیال رکھنا ہو گا۔ اس لیے کہ فی الحال میں بہت مصروف ہو جاؤں گی۔ جہاں میں نے مون کی منگنی کی ہے ان کا بڑا بیٹا امریکہ سے آیا ہوا ہے۔ اس لیے سوچا ہے کہ اس کی موجودگی میں یہ نیک کام انجام پا جائے۔ میرا مطلب ہے ایک مہینے کے اندر اندر مون کی شادی کر دی جائے۔ گھر میں بہو آ جائے گی تو مجھے بھی تھوڑی بے فکری ہو جائے گی۔" شاہانہ مومل کی ماں سے مخاطب تھیں۔

"خیر ہو سائیں کی۔ آپ نے بڑی اچھی خبر سنائی۔ بہت اچھے ہیں صاحب۔ بالکل فرشتہ بہت نیک بچہ ہے آپ کا۔ اللہ ان کے بھاگ جگائے۔"

مومل کی ماں اپنے مخصوص خوشامدانہ انداز میں بولی۔

"ہاں خیر بچہ تو میرا بہت اچھا ہے۔ میری بہو بھی بہت اچھی ہے۔ بہت چھوٹی عمر کی بھولی بھالی معصوم سی رس سونے کے بت جیسی۔ جب میں نے اس کے لیے۔ انشاء اللہ بہت دھوم سے بیاہ کر لاؤں گی۔" شاہانہ نے بہت گرم جوشی سے کہا۔

مومل باتھ روم میں کھڑی اپنی اوڑھنی نچوڑتے ہوئے سب سن رہی تھی۔ "ٹھیک کہہ رہی ہے ماں۔ وہ فرشتہ ہے دوزخ کا۔" اس کے سینے سے ہوک اٹھی۔

"ماشاء اللہ چھ بھائیوں کی ایک ہی بہن ہے میری بہو۔" شاہانہ کبھی نوکروں سے اس طرح باتیں نہیں کرتی تھیں۔ مگر شاید بہت خوش تھیں یا وہ مومل کی ماں تھی نوکرانی نہیں۔

"اللہ سائیں صاحب کے نصیب جگائے رکھے۔ خیر ہو مالک کی۔" مومل کی ماں پھر بے ساختہ بولی۔

(اللہ کرے دوزخ میں جائیں) مومل اندر کی دہکتی آگ کو کنٹرول کرتی باتھ روم سے باہر آئی اور شاہانہ کو سلام کیا۔

شاہانہ نے بغور اس کے سراپا کا معائنہ کیا۔

(خوبرو رعنا پان کی ہے۔ بچہ صحت مند لگ رہا ہے۔ اگر سیزیرین ہوا تو دوسری بڑھ جائے گی۔ نسل تو خیر صحت مند رہی کی ہے خواب کے خاندان میں مردوں کی کا تھی تو اچھی ہی ہے) شاہانہ سوچ رہی تھیں۔

"کیسی طبیعت ہے تیری؟" انہوں نے بڑی تمکنت سے حال پوچھا۔

"جی..... اچھی ہوں۔" اس نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"اپنا خیال رکھنا۔ تیرے مون صاحب کی شادی ہو رہی ہے۔ میں بہت مصروف ہوں گی۔ ڈاکٹر کے پاس جاتی رہنا۔ سمجھی؟" وہ بولیں۔

(ہونہہ..... "میرے" مون صاحب) اس نے بس اثبات میں گردن ہلا دی۔

"تو اگر بے دھیانی کرے گی تو تجھے ہی مشکل ہو گی۔ پیچھے رہے گا تھا اللہ مار؟"

شاہانہ دونوں ماں بیٹی سے بیک وقت مخاطب ہو گئیں۔

"جی مالکن۔" مومل کی ماں نے کہا۔

"اچھا تو پھر میں چلتی ہوں۔ کوئی بات ہو تو اپنے مرد کو بھیج دینا۔" شاہانہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

مومل کی ماں بھی ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی۔ شاہانہ نے قدم بڑھائے تو اس نے لپک کر دروازہ کھولا۔ شاہانہ بے نیازی سے آگے بڑھ گئیں مومل کی ماں نے دروازہ بند کر دیا۔ خوشی کے بہت سے رنگ اس کی کمزور دی جلدی کو واضح کر رہے تھے۔

"بیٹے کی شادی ہے۔ سب نوکروں کو مالکن کپڑا تو پہنائے گی۔ پیسے بھی دے گی۔" وہ خود کلامی میں جتا رہی تھی۔

"کتنا بڑا ہے تمہارا پیٹ۔ بھرتا ہی نہیں۔" مومل زہریلی ہونے لگی۔ "اتنا کپڑا مل گیا۔ اتنا کھانے کو ہے۔ رسوئی میں رکھنے کو جگہ نہیں۔ تمہاری یہ بھوک تو مجھے بھی کھا گئی ہے۔ پر تمہارا پیٹ نہیں بھرتا ابھی تک۔"

"ہے۔ ہے..... بے غیرت..... تو کیا ہم اکیلے کھا رہے ہیں۔ تو سوچتی ہے؟"

"تم تو وہ ہو اماں اگر تمہیں پاکستان کی ساری دولت مل جائے تو تم سوچو گی ہندوستان کی کیسے لوں؟" مومل نے اٹھ کر پنکھا تیز کیا۔ آج کل اسے سب سے زیادہ گرمی لگ رہی تھی۔

"کیسا ڈھائی ہاتھ کا ڈنڈا ہے یہ جبان کھانے کو زیادہ مل گیا ہے ناں؟" مومل کی ماں بھڑک گئی۔

(جن کو کھانے کو زیادہ ملتا ہے وہ پھر انسانوں کو بھی کھانے لگتے ہیں) دکھ حیرت اذیت تنہائی۔ شاید انسان کو عمر رسیدہ کر دیتے ہیں۔ وہ اپنی ماں سے بھی بڑی ہو گئی تھی شاید اس لیے کہ اس کی ماں نے کسی کا بچہ چھپا کر پیدا نہیں کیا تھا۔

(ہونہہ..... شادی ہو رہی ہے۔ اتنی بدعا دوں گی کہ چین نہیں ملے گا زمین پر پتا نہیں کون۔ بے چاری ابھی ظالم آدمی سے شادی کر رہی ہے؟)

وہ ماں کے سامنے سے ہٹ گئی۔ اب تو وہ جھگڑا کرتے ہوئے بھی تھک جاتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
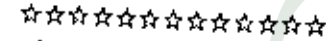
"دیکھو بیٹی۔ ابھی تو رن کلوٹ ہے۔ میں تمہیں تمہاری خالہ کے گھر پہنچا سکتی ہوں تمہاری ماں کی امت ہے۔ اس نے تمہیں اتنی دور اکیلا بھیج دیا۔ وقت اچھا نہیں ہے۔ زیادہ دام نہیں لگے گا۔ رکشے میں چھوڑ آتی ہوں۔"

"نہیں... نہیں خالہ جان! ابھی تو آپ نے اور آگے سفر کرنا ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں۔ میں چلی جاؤں گی۔ آپ فکر۔

کریں۔"

"اللہ کی امان رہو۔ ویسے تو تم اسمِ با مسمیٰ بچی ہو۔ ٹھیک ہے پھر...... آؤ تمہیں رکشے میں بٹھا دوں۔ پیا بادر کھنا کبھی دل چاہے تو اپنی خالہ بابا کے ساتھ آنا۔ مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

ہم سفر خاتون کو اس سے قربت محسوس ہونے لگی تھی۔ دونوں کے چہرے چادروں سے چھپے ہوئے تھے۔ خاتون تو اس کا چہرہ دیکھ چکی تھیں مگر اس نے ان کے چہرے سے چادر ذرا اوپر کے لیے ہٹی نہیں دیکھی تھی مگر آنکھوں سے اندازہ ہوتا تھا مجموعی طور پر خوبصورت خاتون ہیں۔ رنگت تو ہاتھوں سے ظاہر تھی۔ قد درمیانہ اور جسم دبلا تھا۔ آواز سے بزرگی اور شفقت جھلکتی تھی۔

وہ اسے لیے خالی رکشے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

﴿☆﴾

"آپ کے گھر کی طرف بس جاتی ہے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"ہاں میں ویگن میں جاؤں گی۔ پیا یاد رکھنا خالہ کی طبیعت ٹھیک ہو جائے تو لے کر آنا۔" خاتون ایک خالی رکشے کے قریب رک کر کہہ رہی تھیں۔

"جی ضرور انشاءاللہ۔" اس نے بھی جلدی سے کہا۔

"سات نمبر لطیف آباد جاؤ گے؟" خاتون رکشا ڈرائیور سے پوچھ رہی تھیں۔

اس نے اثبات میں گردن ہلائی تو بولیں۔ "بسم اللہ بیٹھ جاؤ اور سات نمبر میں جہاں اترنا ہو بتا دینا ٹھیک؟"

اس نے گردن ہلا دی۔

"اچھا اللہ نگہبان اپنی خالہ کو سلام دعا سے یاد کرنا۔ میں بھی ان کی صحت کے لیے دعا کروں گی۔"

وہ بیٹھ گئی۔ رکشا چل پڑا۔

"سات نمبر میں کہاں اتریں گی بی بی؟" عمر رسیدہ ڈرائیور نے اسے خیالات کے ہجوم سے کھینچ نکالا۔

"ہاں۔ بس وہاں بس اسٹاپ پر اتار دیں۔" اس نے بڑی حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا اور خاصی مطمئن سی ہو گئی۔ رکشے کی پشت پشت میں بھی وہ بہت انہماک سے کچھ سوچ رہی تھی۔

"ہمیشہ جیت جانے والے پاشا، تم ہار گئے ہو۔ میری دھول بھی نہ ملے گی تم کو۔ عمر بھر اپنے زخم چاٹتے رہنا۔ کیا یاد کرو گے تم ہی نہیں وہ سب بھی جو میرے ناخدا بنے ہوئے تھے۔ کیسا اکیلا چھوڑا تھا۔ رشتوں کی دھند چھٹ گئی۔ میں میدان ازل میں کھڑی ہوں۔ ہر رشتے کے بوجھ سے آزاد الست بربکم (پہچان لو میں تمہارا رب ہوں) کن رہی ہوں اور بلی کہہ رہی ہوں۔ عارضی رشتے کیسا بوجھ بھی ہوتے ہیں۔ جس کا اتار کر یوں محسوس ہوتا ہے میرے پر نکل آئے ہوں اور میں ہلکی پھلکی ہو کر بسیط فضاؤں میں اڑ رہی ہوں۔ میرے سامنے ایک بے کنار جہاں ہے اور میں طاقت پرواز کے نشے میں چور ہوں۔ کسی پڑاؤ کسی منزل کی نہ جستجو ہے نہ آرزو۔ اب کسی رشتے کی جدائی کے خوف سے بھی نیند اچاٹ نہ ہوگی۔ نہ دل بیٹھے گا۔

"بی بی! یہیں اترنا ہے؟ بس اسٹاپ تو آگیا۔" رکشا ڈرائیور کی آواز اسے خیال کی اڑان سے باہر لے آئی۔

"ہاں بس یہیں۔" اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

اس نے پرس کھول کر سو کا نوٹ نکال کر ڈرائیور کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بڑا میرے پاس کھلے پیسے نہیں ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو باقی پیسے دیتا ہوں"

"ہاں ظاہر ہے تم نہیں ادھر ہی لو گے"۔

"ہمیں نہیں کہاں بی بی! مہنگائی اتنی ہے کہ بچوں کو دو وقت پیٹ بھر روٹی کھلانا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ گورنمنٹ کو ہماری بھوک دکھائی نہیں دیتی بعض اوقات سواری پانچ روپے کو اہمیت نہیں دیتی مگر ہم پانچ روپے کی دو روٹیاں خرید لیتے ہیں۔"

بڑی لمبی چوڑی وضاحت ہوئی اور وہ تو جیسے تڑپ کر رہ گئی۔

"اچھا اچھا تم جتنے مرضی کاٹ لو۔ توبہ توبہ مزدور آدمی اور دن بھر کی مشقت کے بعد بھی روٹی پوری نہیں ایک وہ جو محض لانگ ڈرائیو کے شوق میں قیمتی پٹرول یونہی پھونک دیتے ہیں"۔

"جتنے مرضی تو نہیں بی بی! بس پانچ روپے بہت ہیں۔ بڑی مہربانی آپ کی"۔ اس نے بقایا پیسے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

وہ چادر درست کرتی رکشے سے اتر آئی اور گردن موڑ کر دائیں بائیں دیکھنے لگی۔ مین روڈ پر کچھ بنگلے بنے ہوئے تھے اور روڈ کے دوسری جانب چند دکانیں نظر آ رہی تھیں۔ ان ہی میں سے ایک میں ڈینٹنگ پینٹنگ کا کام ہو رہا تھا۔ روغن موٹر بائیک دکان سے باہر کھڑی ہوئی تھیں اور ایک خستہ حال کار بھی کھڑی تھی جو غالباً دکان کے لیے اشتہار کا کام کر رہی تھی۔ اس کے قدم اسی طرف اٹھے تھے۔ وہاں روغن نوعمر لڑکے کام کرتے نظر آ گئے تھے جو ایک دوسرے کے ساتھ بچکانہ سی شرارتوں میں مگن تھے۔ اسے اپنی سمت آتا دیکھ کر یکلخت اپنی اپنی جگہ بڑی شرافت سے جم گئے اور قدرے الجھتے ہوئے اس کی صورت تکنے لگے۔

"وہ یہاں کوئی پرائیویٹ اسکول ہے۔ نام مجھے یاد نہیں آ رہا مگر ہے اسی طرف ہی کہیں آپ کو کچھ پتا ہے؟" وہ بڑے اعتماد سے پوچھ رہی تھی کہ آج کل جگہ جگہ تو پرائیویٹ اسکول ہوتے ہی ہیں۔

"یہاں جی سامنے کے دو بنگلوں میں اسکول موجود ہے۔ ایک ہی گرامر اسکول اور ایک فاطمہ پبلک سکول آپ کو کون سے اسکول میں جانا ہے۔ ایک لڑکے نے اوزار وہیں پر ڈال دیے اور کھڑے ہو کر جواب دیا۔

"ہاں ہاں مجھے فاطمہ پبلک اسکول ہی جانا ہے۔ سامنے ہی ہے ناں؟ اچھا شکریہ۔"

وہ بڑی تیزی سے دکان سے باہر آ گئی اور سامنے بنگلوں پر نظر دوڑانے لگی۔ ایک بنگلے کے مین گیٹ پر اسے اسکول کا بورڈ نظر آ گیا یوں خوش ہوئی گویا حیدرآباد اسی وجہ سے آئی ہو۔ اس نے بڑی عجلت میں سڑک کراس کی۔ شدید بھوک کے باوجود اس کی چال میں بڑی توانائی تھی۔

اس نے اسکول کے گیٹ پر پہنچ کر گیٹ کھولنا چاہا تو وہ اندر سے بند ملا اس نے کال بیل تلاش کی جو سیدھے ہاتھ پر نظر آ گئی اس نے بٹن پش کیا تو گیٹ فوراً ہی کھل گیا اور چوکیدار کا سر باہر آیا۔

"جی فرمایئے؟" اس نے معمول کے انداز میں پوچھا۔

"مجھے پرنسپل سے ملنا ہے۔ کیا وہ موجود ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"جی آپ کا نام؟"

"ماہ نور طاہر کراچی سے آئی ہوں اور پرنسپل سے ملنے آئی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"اچھا کراچی سے آئی ہیں۔" چپراسی یا چوکیدار جو کوئی بھی تھا اس کے دل میں یکدم نرم گوشہ پیدا ہوا۔ "آیئے آپ اندر آ کر بیٹھ جایئے میں آفس میں اطلاع کرتا ہوں۔" اس نے فوراً گیٹ کا ذیلی دروازہ وا کر دیا تھا اور ماہ نور بھی فوراً اندر داخل ہو گئی تھی۔

"یہ عارضی ایڈریس ہے سر! ابھی ہم یہیں قریب میں ریزیڈنس دیکھ رہے ہیں یہ میری حقیقی خالہ کا ایڈریس ہے۔ جہاں فی الحال ہمارا عارضی قیام ہے۔" اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"یہ تو خاصی مشکل ہوگی۔" پرنسپل غیر مطمئن دکھائی دیے۔

"یہ میرا ہیڈک ہے سر! کہ مجھے وقت پر اسکول پہنچنا ہوگا۔" وہ اسی طرح اعتماد سے جواب دے رہی تھیں۔

"وہ تو ٹھیک ہے خیر آپ دو چار روز میں پتا کر لیجیے گا۔ ہم سوچتے ہیں۔" انھوں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے سر! مگر میں نے آپ کو جو کچھ بتایا ہے۔ اصل میں بتایا ہے۔ اپنے کراچی والے اسکول کا ایڈریس اور فون نمبر بھی لکھ دیا ہے۔ آپ مجھے موقع دے کر دیکھیں رہی وقت کی پابندی تو یہ میرا مسئلہ ہے میری کوشش ہوگی کہ مجھے موقع دینے کے بعد آپ کو افسوس یا مایوسی نہ ہو۔" وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"میں عرض کر چکا ہوں کہ آپ دو چار روز میں پتا کر لیجیے گا۔ ہمیں بھی اچھی ٹیچر ہی کی تلاش ہوتی ہے۔ ہمارا اسکول زیادہ پرانا نہیں ہے۔ ابھی ہمیں اپنا اسٹینڈرڈ مین ٹین کرنا ہے۔ تھینکس"۔

"تھینک یو ویری مچ سر! آپ کا بہت وقت لیا میں نے"۔ وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے پلٹ کر بولی۔ تھینکس اگین"۔

"ویلکم"۔ وہ اس کی پشت دیکھتے ہوئے بولے۔ جو بڑی سی چادر میں چھپی ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کچھ پتا ہی نہیں چلا۔ کہاں چلی گئی۔ کس طرح چلی گئی۔" وہ زار و قطار روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"جادو کے زور سے ہوا ہیں کے اڑ گئی۔ وہ بھی آدھی رات کو مجھے کسی کہانی پر یقین نہیں۔ اس کی سب سے بڑی ہمدرد آپ ہی بن رہی تھیں۔" وہ پھنکارتے ہوئے بولا۔

"لیکن میں یہ سب کیوں کرتی؟ وہ میری بہو بن چکی تھی۔ میں اپنے گھر کی عزت کو خود کیسے نکال دیتی۔" وہ سسکتے ہوئے بولیں۔

"کوئی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں سب سمجھتا ہوں کوئی میرا ہے ہی نہیں۔ سب مخالف ہیں میرے۔ پتا نہیں کب کب کے بدلے چکانے لگے ہیں۔" وہ اسی انداز میں بولا۔ "لیکن یہ سب وقتی ہے میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ چاہے وہ دنیا کے کسی کونے میں پہنچ جائے۔ ایئر پورٹ انکوائری کراؤں گا۔ ریلوے میں معلوم کراؤں گا۔ میرے لیے یہ سب مشکل نہیں ہے۔ سب جگہ میرے بندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیا سمجھا ہے آپ سب نے؟" وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔

"آگ لگا دوں گا سب طرف۔ آپ دیکھیے گا"۔

فخر النسا خاموشی سے آنسو پونچھتی رہیں۔

"اگر یہ اس کے کزن کا کارنامہ نکلا تو اسے تو وہ سبق سکھاؤں گا کہ مرنے کے بعد بھی یاد رکھے گا۔" اس کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔ "ویسے بھی اس نے شبر کو پنجرے میں بند کر کے اپنا بہت بڑا نقصان کر لیا ہے۔ قرض پر قرض چڑھ رہا ہے۔ ایک معمولی افسر بنا رہا جیسے بادشاہ ہو پاکستان کا"۔

"وہ وہاں بھی پہنچ جاتی تو اطمینان ہوتا۔ وہ تو وہاں بھی نہیں ہے۔" فخر النسا دھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

"آپ آیا کریں چکروں میں اماں! ہم جیسے چکر بازوں سے چکر چلا رہے ہیں؟ آپ مجھے باہر آنے دیں۔ میں

نپٹ لوں گا سب سے آپ یہاں مجھ سے ملنے نہ آیا کریں۔ آپ کے روتے دھونے سے مجھے بہت کوفت ہوتی ہے۔ بس گھر میں بیٹھ کر میرے لیے دعا کیا کریں"۔ اس نے بڑی بے مروتی سے ماں سے کلام کیا۔

"ایک ہی تو دعا ہے آنکھوں پہ۔ اللہ تمھیں سیدھا راستہ دکھائے تمھیں حق کی پہچان دے"۔ وہ بڑی افسردگی سے کہہ رہی تھیں۔

"ہاں تو مت پریشان ہوا کریں مجھ کافر کے لیے۔ پلیز آپ گھر چلی جائیں آپ کا ایمان بھی خراب ہوتا ہوگا مجھ سے بات چیت کر کے۔ گھر جائیں اللہ کو راضی کریں۔ ہری بھری جنت میں ہزار گز کا پلاٹ حاصل کرنے کے لیے درخواست دیں۔ بس مجھے پریشان نہ کریں"۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر پیشانی سے لگائے۔ اس وقت وہ بہت آؤٹ آف کنٹرول ہو رہا تھا۔

"اس بچی کو ہمارے گھر کے علاوہ کہیں پناہ نہیں۔ اسی لیے میں اسے نکاح پر راضی کیا تھا کہ وہ ایک ٹھکانے پر ہو جائے ورنہ جو کچھ تم نے اس کے ساتھ کیا تھا اس کے بعد لڑکی در بدر ہو جاتی ہے۔ میں اسے کیسے گھر سے جانے دے سکتی تھی؟ وہ عقل کے ناخن لو پاشا! وہ اسے کسی حد تک پرسکون کرنے کے لیے وضاحت کر رہی تھیں۔

پاشا نے ان کی طرف سے پیٹھ کر لی۔

"آپ جائیں اماں! مجھے کچھ سوچنے دیں۔ کسی کو میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔ ایک دو روز میں میں خود نکلوں گا۔ اب وہ مجھے مل جائے آپ دیکھیے گا۔ زنجیریں اور بیڑیاں اس کو پہنا کر دس سال کم از کم تہ خانے میں رکھوں گا اس نے محبت کا بہت مذاق بنایا ہے۔ بہت تماشا بنایا ہے۔ اگر وہ عقل سے کام لیتی تو آج میرے ساتھ سپر لگژری لائف انجوائے کر رہی ہوتی مگر اب اس کی قسمت"۔

"اسے زنجیریں اور بیڑیاں پہنانے کو یہ مصیبت مول لی تھی؟" وہ ناگواری سے بولیں۔

"یہ تو نہیں سوچا تھا مگر اب سوچ رہا ہوں۔ میرا دل چاہ رہا ہے ٹکڑے ٹکڑے سے اس کا چہرہ داغ دوں یا تیزاب پھینک دوں اس پر"۔

"اللہ توبہ......" فخر النسا دہل کر رہ گئیں۔

"کبھی کوئی اچھی بات بھی دماغ میں آئی ہے؟" وہ ناراضگی سے پوچھ رہی تھیں۔

"پہلے اس کے حوالے سے بہت اچھی باتیں دماغ میں آئی تھیں۔ اب نہیں آئیں گی بس ایک بار مل جائے"۔ اس کے دل و وجود میں کسی بھیڑیے کا آسیب اتر رہا تھا۔

"زبردستی کے سودوں میں خوشی نہیں ملتی تم نے اس کے دل میں جھانکنے کی کوشش کی ہوتی تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔" فخر النسا کے ارادے سے چادر درست کر رہی تھیں۔

"احمق ہے وہ۔ کیا نہیں ہے میرے پاس کیا دے رہا اس کا وہ اکیسویں گریڈ والا کزن؟ ایک کوٹھی جس میں چھ بہنوں اور ایک بھائی کا حصہ ہے اور یہاں وہ اکیلی ملکہ جیسی۔ اسے اس کی حماقت کا اندازہ ایک روز ہو جائے گا بس ایک بار باہر آ جاؤں گا۔" وہ لاک اپ کی سلاخیں تھامے غرا رہا تھا۔

"ہاں بس مرنے کی ایک ٹانگ کرتے رہو۔ خود کو بے سکون ہی کیا ہے تمہارے ہاتھ کیا لگا ہے؟" فخر النسا جل کر

بولیں۔ "یہ تو وقت بتائے گا۔" وہ اسی موڈ میں کہہ رہا ہوا۔

"اچھا میں چلتی ہوں۔ گھر سے کچھ منگوانا تو نہیں ہے؟" وہ پلٹتے ہوئے بولیں۔

"اچھے سے کھانے میں زہر ملا کر بھیج دیجئے گا۔" پھر لوندھا جواب آیا۔

"اللہ حافظ۔ اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔ ہدایت بخشے آمین" وہ بوجھل دل سے واپس ہوئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دس کرسیوں والی ڈائننگ ٹیبل پر موجود افراد پر چاند نے ایک نظر ڈالی۔

بڑی اماں، ظہیر، اظہار، مظہر، ریا، عارفہ، شبہ، طاہر علی اور وہ خود اور تانیہ، ریا اور شبہ ایک کرسی شیئر کر رہی تھیں۔ عارفہ کی کرسی کا تھوڑا سا حصہ بھی ان دونوں کے پاس تھا۔ ہاؤس فل کا منظر تھا۔

"لاؤنج میں اتنی چیئرز رکھی ہیں وہاں سے ایک چیئر اٹھا لاؤ۔ اس طرح پھنس کے ضرور بیٹھنا ہے؟" چاند نے ریا کو مخاطب کیا۔

"اس طرح بھی مزا آتا ہے چاند بھائی! بہت دنوں بعد اس ٹیبل کی ساری چیئرز فل ہوئی ہیں۔" ریا نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"تمہاری مرضی۔ یہ ظاہر کیا کسی وقت کا کھانا گھر پہ نہیں کھاتا بڑی اماں؟" چاند نے پوچھا۔

"اسے ساری گورنمنٹ اس کے کندھوں پر کھڑی ہے جو اسے کھانے پینے کی فرصت کہاں۔" وہ جل کر بولیں۔

"اور یہ ماہ نور کو ادھر گھر پر اکیلا کس خوشی میں چھوڑا ہوا ہے اس بے چاری کا قصور۔" چاند نے عارفہ سے پوچھا۔

سب کے چہرے یکلخت ویران ہو گئے خاموشی کی انتہا محسوس ہونے لگی طاہر علی نے بڑی اماں کی طرف بڑی افسردگی سے دیکھا تھا۔

"وہ ادھر نہیں ہے کھانا کھا لو پھر اطمینان سے بتاتے ہیں کہ وہ کہاں ہیں۔" بڑی اماں نے متانت سے صورت حال سنبھالی۔

"ہوں تو اس کا مطلب ہے آپ نے ہمیں مطلع کیے بغیر اس کی شادی کر دی تو یہ چھپانے والی بات تو نہیں ہے خوشی کی بات ہے کوئی بات نہیں اگر ہمیں اطلاع نہیں دی ہم نے مائنڈ نہیں کیا یہ تو وہ خوش خبری ہے جو ڈائننگ ٹیبل پر بھی بتائی جا سکتی ہے یا نہیں؟" چاند نے سب کی طرف باری باری دیکھا

"ٹھیک کہا تم نے۔" پھر بڑی اماں ہی بولیں۔

"کہاں ہے اس کا سسرال؟ کل ریا کی طرف جائیں گے تو وہاں بھی ہوتے آئیں گے۔" چاند بڑی خوشی سے کہہ رہے تھے۔

اس سوال کا جواب فوری طور پر کسی کے ذہن میں نہیں آسکا صرف چمچوں کی کھنک گونجتی رہی۔

"کیا کرتا ہے اس کا ہزبینڈ؟" چاند کی پوری دلچسپی ماہ نور کی طرف تھی۔

"کاروبار ہے اپنا۔" بڑی اماں نے عارفہ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ویری گڈ۔ اس کا مطلب ہے ویل آف فیملی بہت خوشی ہوئی۔"

"یہ ویل آف کیا ہوتا ہے؟" بڑی اماں نے سادگی سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے کھاتے پیتے لوگ ہیں۔" چاند نے وضاحت کی۔

"ہاں اللہ کا دیا سب کچھ ہے اس کے پاس۔" بڑی اماں نے بیٹی داماد سے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

"تو آپ اتنی اداسی سے کیوں بتا رہی ہیں سب کے چہرے بالکل بلینک ہیں ماہ نور کی شادی اچھے گھر میں ہو گئی ہے یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے اس سے پہلے بھی میں نے ذکر کیا تھا تب بھی کسی نے نہیں بتایا کمال ہے۔" چاند کے لیے واقعی یہ حیران کن بات تھی۔

"ورنہ ہی اتنی پیاری اس کی شادی اچھے آدمی سے اچھے خاندان میں ہی ہونا چاہیے تھی۔" تانیہ نے اتنی دیر میں پہلی مرتبہ حصہ لیا۔

"شیور۔" چاند نے اتفاق کیا۔

عارفہ نے چمچہ پلیٹ میں رکھ دیا تھا اب وہ ضبط نہیں کر سکی تھیں دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔

چاند اور تانیہ تو جیسے کھانا پینا بھول کر سناٹے میں رہ گئے تھے عارفہ کا بری طرح رونا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

"پھوپھو! کیا بات ہے خیریت تو ہے؟" چاند اپنی چیئر سے اٹھ کر ان کے قریب چلے گئے۔

"میرا خیال ہے۔ پھوپھو کو ماہ نور کی یاد ستانے لگی ہے۔" تانیہ نے خیال ظاہر کیا۔

"ایگزیکٹ لیکن پھوپھو، ورنہ تو آپ سے زیادہ دور نہیں ہے اب تانیہ کو دیکھیں شادی کے فوراً بعد دور دیس جا پہنچی اور آنے کے بعد ابھی صرف فون پر اطلاع دی ہے کہ ہم پاکستان میں ہیں اور ایک دو روز میں ملنے کے لیے آئیں گے یہ تو روٹین لائف ہے پھوپھو! چلیں آرام سے کھانا کھائیں میں ابھی آپ کو اس سے ملا کر لاتا ہوں کوئی مسئلہ ہے؟ چلیں پہلے اچھی طرح کھانا کھائیں۔"

"اظہار! تم نمبر تو کر لیتے ہو نا؟ ابھی چلتے ہیں پھوپھو کو لے کر۔" چاند نے عارفہ کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا

اظہار بغیر نظریں اٹھائے اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ رہا۔ البتہ ریا نے احمقانہ انداز میں بوکھلا کر ادھر ادھر نظر دوڑائی تھی ظہیر اور اظہر تو اتنے خاموش ولاتعلق تھے کہ جیسے موجود ہی نہ ہوں۔

"ریا! تم بھی تیار ہو جاؤ ٹھیک ہے؟ تانیہ تو ویسے ہی تیار رہتی ہے جیسے اس کی شوٹنگ شروع ہونے والی ہو فل میچنگ کے ساتھ ایک رات سوتے سے اٹھ کر بیٹھ گئی میں نے پوچھا کیا ہوا کہنے لگی جو ہیئر بینڈ لگا کر سوگئی تھی وہ سلیپنگ ڈریس کے ساتھ میچ نہیں ہے۔"

"توبہ ہے چاند! حد ہوتی ہے مبالغے کی۔" تانیہ نے برا سا منہ بنایا۔

"بھابی! کم از کم آپ تو چاند بھائی کو چاند نہ کہا کریں جب خواتین کسی کو چاند کہتی ہیں تو جیسے ماتا سی جھلکنے لگتی ہے لب و لہجے سے۔" اظہار، عارفہ کا بولے بنا نہ رہ سکا۔

سب لوگ ہنس پڑے تھے ماحول قدرے چینج ہوا عارفہ نے بھی جلدی سے آنکھیں پونچھی تھیں۔

"ٹھیک ہے نا بڑی اماں! آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے نا ماہ نور کے ہاں اس وقت جانے پر پھوپھو خوش ہو جائیں گی کیا حرج ہے؟" چاند نے بڑی اماں کی طرف دیکھا جو عجب بے بسی کی کیفیت سے دوچار تھیں۔

"بھیا! چین سے کھانا تو کھا لو۔ ابھی کرتے ہیں بات۔" وہ جھلا گئیں۔

"اس میں بات کیا کرنا ہوئی آپ بھی چلیں تھوڑی سی آؤٹنگ ہو جائے گی سارا دن گھر میں مصروف رہتی ہیں۔"

بڑی اماں نے طے کر لیا کہ بولنا بے کار ہے تبھی خاموش رہیں۔

"طاہر علی! بیٹا یہ گاجر مٹر کی سبزی میں نے تمہارے لیے خاص طور پر خود بنائی ہے۔" انہوں نے ایک چھوٹی سی ڈش کی طرف اشارہ کیا۔

"جی بڑی اماں! میں لے رہا ہوں بہت شکریہ۔ آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں یہ کام عارفہ اور شمسہ بھی کر سکتی ہیں۔" طاہر علی نے ممنون سے لہجے میں کہا۔

"بچی کالج سے تھک کر آتی ہے عارفہ صبح سے کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہتی ہے میں کیا کرتی ہوں ایک ذرا سی سبزی بنا دی تو کون سا تھک گئی مجھے اچھا لگتا ہے کہ چھوٹے موٹے کام کرنا اپنے بچوں کے اللہ تم سب کو سکھ چین دے صحت تندرستی کے ساتھ دراز عمر ہو۔"

"یہ اظہر اور ظہیر تو بڑی اماں! بالکل ہی خاموش ہو کر رہ گئے ہیں آپ نے بولنے سے منع کیا ہوا ہے؟" چاند نے پوچھا

"آپ لوگ جس موضوع پر بات چیت کر رہے تھے اس میں ہماری انٹری کے لیے کوئی راستہ نہیں بن رہا تھا۔" ظہیر زبردستی مسکرا کر بولے اظہر کے چہرے پر بھی بمشکل مسکراہٹ کا اثر نظر آیا۔

"یہ دونوں تو ہمیشہ ہی سے کم بولتے ہیں اور ان کے حصے کا یہ تینوں جو بول لیتے ہیں۔" بڑی اماں کا اشارہ اظہار مظہر اور ربیا کی طرف تھا۔

"اس وقت تو ہم تینوں ہی نے خاموشی کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔" مظہر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"بس اظہر اور ظہیر کے سامنے ہی ذرا زبان رکی رہتی ہے شکر ہے کسی کا لحاظ ہے۔" بڑی اماں نے بہت محبت سے دونوں پوتوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو ہے کہ چاند بھائی تو دونوں سے چھوٹے ہی لگتے ہیں۔" ربیا کی زبان میں بالآخر کھجلی ہوئی۔

"جی نہیں سب سے بڑے تو مظاہر بھائی یعنی ابا جان لگتے ہیں" مظہر نے ٹکڑا لگایا۔

"خیر یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں خاصی بزرگی سی جھلکنے لگی ہے مظاہر میں بائیسویں گریڈ میں پہنچا تو فل ہی بزرگ لگنے لگا امریکیوں سے بھی زیادہ مصروف رہتا ہے۔" چاند نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"اے ہاں سارا پاکستان اسی کے کاندھوں پر دھرا ہے گھر میں تو نکلنا محال ہے بہت ہی جی کلوستا ہے۔ گھر میں ہر طرح کا کھانا بنتا ہے مگر وہ نہیں ہوتا اللہ جانے باہر دھنگ سے کچھ کھاتا بھی ہوگا یا نہیں بڑی اماں آزردگی سے بولیں۔

"اور جب سے آپی کا۔" ربیا کی زبان پھسلتے پھسلتے رہ گئی اور اس نے ڈر کر بڑی اماں کی طرف دیکھا جو اسی کو گھور رہی تھیں۔ "کیا ہوا آپی کا؟" چاند ربیا کی طرف متوجہ ہوئے چند ثانیے کو سب ہی خاموش ہو گئے اس طرح کہ اب کچھ نہیں بولیں گے۔

کچھ نہیں۔ تم آرام سے کھانا کھاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ آ ہی رہا ہو اصل میں اس نے کاروبار بھی تو شروع کر دیا ہے ربیا کے سسر کے ساتھ ہی تو ہے تب ہی ان لوگوں سے راہ و رسم ہوئی تمہیں تو بتایا ہوگا اس نے بڑی۔" بڑی اماں نے بڑی مہارت سے چاند کا ذہن ادھر ادھر کیا۔

"جی مجھے پتا ہے" چاند نے جواب دیا۔

"دلہن اب بہاری کباب لو نان تو راشدین بہت اچھے بناتا ہے۔" انہوں نے بہو کو مخاطب کیا

"میں لے چکی ہوں بڑی اماں اور واقعی بہت مزیدار ہیں۔" ثانیہ نے جواب دیا

"بڑی اماں! بھابھی ڈائٹنگ کرتی ہیں موٹی ہو گئیں تو امریکی حکومت ان کو ویزا نہیں دے گی۔" اظہار نے شرارت

سے کہا۔

"تو کیا ان کے ملک میں کھانے کو نہیں ہے دنیا تو بھی بھاگی جا رہی ہے ان کی طرف؟"

بڑی اماں کی تو ساری توانائیاں کھلانے پلانے کے چکر میں صرف ہوا کرتی تھیں۔ انہیں تو کھانے پینے پر قدغن یا کمی برداشت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

"ان کے ہاں تو کھانا اتنا ہے کہ غریب ملکوں کو بھیجتے ہیں پھر بھی اتنا بچ جاتا ہے کہ سمندر میں بہا دیتے ہیں۔" اظہر نے وضاحت کرتے ہوئے جواب دیا۔

"استغفر اللہ! اتنی ناقدری رزق کی خدا کی مار پڑے گی ایک روز۔"

"بڑی اماں! وہاں صرف گندم کھانے پر زور نہیں ہے وہ لوگ خالص چیزیں حاصل کر کے اپنی صحت اچھی رکھنا چاہتے ہیں جو معدے پر کم سے کم وزن ڈالیں اور زیادہ سے زیادہ طاقت دیں۔" ثانیہ نے کسی لیکچر کی طرح سمجھانے کی کوشش کی۔

"موٹاپا صحت کی نہیں صحت کے نقصان کی نشانی ہے اب لوگ اتنے سمجھدار ہو گئے ہیں کہ صحت مندی اور موٹاپے میں فرق پہچاننے لگے ہیں۔"

اب لوگ کھانے پر اتنا خرچ نہیں کرتے جتنا بوتلوں کی تجرِ پینے پر خرچ کرتے ہیں۔" مظہر نے مزید اضافہ کیا۔

"تب ہی تو دنیا کا یہ حال ہے سب کچھ ہے سکون نہیں ہے۔" بڑی اماں چڑ کر بولیں۔

"اچھا بھئی سب لوگ کھانا کھا چکے ہوں تو ربیا و نور کے ہاں چلنے کی تیاری کریں آنٹی مینا جو جو جانا چاہتا ہو بڑی اماں میں چینج کر کے آتا ہوں آپ تیار رہیں۔" چاند کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

ڈائننگ روم میں ایک مرتبہ پھر سناٹا طاری ہو گیا عارفہ نے پریشان ہو کر بڑی اماں کی صورت دیکھی اور چاند کمرے سے باہر چلے گئے تھے بڑی اماں کچھ دیر سر جھکائے کچھ سوچتی رہیں پھر خود کھڑی ہو گئیں۔

"تم لوگ آرام سے کھانا کھاؤ میں اوپر چاند کے کمرے میں ہوں۔" انہوں نے حاضرین کا ذہنی انتشار دور کیا جو چاند کے تیار ہونے کا عندیہ سن کر اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے تھے بڑی اماں ... کے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

چاند وارڈروب کھولے غالباً کوئی لباس منتخب کر رہے تھے دروازے کی چرچراہٹ پر فوراً مڑ کر دیکھا تھا۔

"ارے بڑی اماں! آپ نے کیوں زینہ چڑھنے کی تکلیف کی میں بس آ ہی رہا تھا۔" وہ بولے۔

"اسی لیے اوپر آئی ہوں تاکہ تم تیار ہو کر نیچے نہ آؤ۔" وہ دروازہ بند کر کے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں مخاطب ہوئیں۔

"مطلب؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔" وہ وارڈروب کھلی چھوڑ کر بڑی اماں کے قریب آئے۔

"یہاں بیٹھو اور غور سے میری بات سنو۔" وہ بیڈ پر بیٹھ کر بولیں۔

"جی جی کہیے میں سن رہا ہوں۔" چاند کے چہرے پر فکر مندی کے آثار نظر آئے۔

"بیٹے! بات بہت بڑی ہے دھیان سے سنو تمہیں اکیلے میں اس لیے بتا رہی ہوں کہ تمہاری پھوپھی اور پھوپھا کے سامنے ایک تکلیف دہ بات کا ذکر بار بار اچھا نہیں لگتا دوسرے ثانیہ کو تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو معلوم نہیں ابھی اس کے سامنے ذکر مناسب ہے یا نہیں۔" وہ بولتے بولتے رک کر کچھ سوچنے لگیں۔

"خیریت تو ہے اماں بڑی اماں کیا تکلیف دہ بات ہے؟" چاند پریشان نظر آئے۔

"بتا رہی ہوں بیٹے! حوصلے سے سنو۔" وہ آہستہ آہستہ انداز سے بتانے لگیں۔

"چاند پوری آنکھیں کھولے دم بخود بڑی اماں کی صورت تک رہے تھے۔

"مائی گاڈ! ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"کم از کم غنی بھائی تو اس گھر میں شادی کے لائق ہیں آپ کسی سے بھی کر سکتی تھیں لو و دائٹ یہ کام ہو سکتا تھا آخر گھر ہی کی بات تھی۔" وہ الجھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"غنی سے بات کی تھی میں نے اظہر کا تو سرے سے شادی کرنے کا پروگرام ہی نہیں تھا پھر کسی کو زبان دیے بیٹھے تھے مظاہر کو فرصت نہیں تھی اسی پر سب سے زیادہ دباؤ ڈالا تھا میں نے تب کہنے لگا بڑی اماں وہ بہت اچھی لڑکی ہے لیکن میں نے کبھی اس کے بارے میں یوں نہیں سوچا اس زبردستی کی شادی میں اسے کیا ملے گا اور مجھے بھی افسوس ہوگا کہ ایک اچھی لڑکی کو میں سچی خوشی نہیں دے پایا۔"

"تو یہ شادی جیسی شادی کب ہوتی یہ تو ایک عورت کی عزت اس کی ساکھ کا مسئلہ تھا اسے کسی شیطانی شر سے بچانا تھا" چاند بات کاٹ کر قدرے ناراضگی سے بولے۔

"ہاں اس وقت مظاہر کی عقل میں کچھ نہیں آ رہا تھا جب حادثہ ہو گیا تو دل رات ایک کر دیے کہ اب میں ہی اس سے نکاح کروں گا۔ میں نے جب اس سے کہا کہ بس اب وہ اس کے بس میں چلی گئی قصہ ختم کرو اس کے نصیب میں یہی لکھا تھا تو اڑیل گھوڑے کی طرح بدک گیا کہ میں یہ جاہلانہ باتیں نہیں مانتا ایسی لڑکی کو اگر کوئی نہیں اپناتا تو میں اپنا کر دکھاؤں گا۔"

"تو پہلے کیوں نہیں اپنا لیا اب لکیر پیٹنے سے فائدہ؟" چاند نے پھر قطع کلامی کی ایک گہرے دکھ کا اثر ان کے نکلتے ہوئے لہجے سے واضح ہو رہا تھا۔

"میں نے بھی یہی کہا تھا کہنے لگا مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ میری پوزیشن کو جانتے ہوئے وہ کوئی قدم اٹھانے میں جلدی کرے گا۔" بڑی اماں بولیں۔

"ہونہہ! بڑا دنیا ہے کہ یہاں بیٹا باپ کا تختہ الٹ دیتا ہے ایک بڑے افسر کی کیا حقیقت ہے۔" چاند نے تلخی سے کہا۔

"بڑی اماں! کوئی کچھ بھی کہے لیکن پھوپھو کا جو بھی نقصان ہے اس میں ہماری فیملی بھی ذمہ دار ہے ان کا ہم پر حق مسلم ہے سولڈ ہے ہم نے ان کی حق تلفی کی ہے یہ بات سب کو مان لینا چاہیے" چاند نے قطعی انداز میں کہا۔

"تمہارا کہنا درست ہے لیکن خود سوچو میں کیا ہار بنا کر بیٹیوں میں سے کسی ایک کے گلے میں ڈال دیتی؟" بڑی اماں نے دکھ بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

"اتنی اچھی لڑکی! بڑی اماں! اس کے ساتھ زیادتی کی حد ہو گئی گھر میں اتنے لڑکے کوئی اس کی پروٹیکشن کے لیے کچھ نہیں کر سکا؟" چاند مارے تاسف کے ایک جملہ کئی کئی مرتبہ دہرانے لگے۔

"ہم اس کے مجرم ہیں کیا اس کے لیے کچھ نہیں کر سکے بہر حال اگر وہ ماہ نور سے نکاح کر چکا ہے اسے اپنے گھر میں بسا چکا ہے تو ہمیں اس سے کانٹیکٹ رکھنا چاہیے کہ اب جبکہ سب کچھ ہو چکا تو ہم اسے خود سے دور کیوں کریں۔؟ ہمیں ایک دوسرے سے ملنا چاہیے کوئی کیا کہتا ہے ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں لڑکی شادی کے بعد بھی اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں سے مورل سپورٹ لینے کا حق رکھتی ہے اور ماہ نور کو تو اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے آپ نے اسے بلایا اس نے آپ کو فون کیا بڑی اماں؟" چاند نے سوال کیا۔

بڑی اماں خاموش رہیں کچھ دیر سوچتی رہیں پھر نظریں اٹھا کر پوتے کا چہرہ بغور دیکھا۔

"بیٹے! یہ امریکہ نہیں ہے پاکستان ہے یہاں اغوا ہونے والی لڑکی ایک گالی بن جاتی ہے اس حادثے کا اثر پورے خاندان پر پڑتا ہے کہ دوسری بچیوں کو اچھے بر ملنا محال ہو جاتے ہیں اب فرض کرو کسی کو اس واقعے کا علم ہو بھی جاتا ہے تو اسے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں کوئی راہ و رسم نہیں۔ ہم عزت دار لوگ ہیں اور اپنی عزت کے لیے بہت کچھ قربان کر سکتے ہیں۔"

"خیر ہمیں کوئی مجبوری نہیں جو ہم یہ فرض کرنے لگیں۔ ایک انسان ہوا وہ ہے تو بس ہر حال میں ہمارا ہے ہم مفروضوں کی بنیاد پر کسی انسان کو اس مورل سپورٹ سے محروم نہیں کر سکتے جو اس کا حق ہے وہ قیامت تک حق ہے جو فرض ہے وہ قیامت تک فرض ہے" چاند نے قطعی انداز میں بڑی اماں کو جواب دیا تھا۔

بڑی اماں ہکا بکا چاند کی صورت تک رہی تھیں مظاہر کی طرح ہی تو بات کر رہے تھے چاند کیا ہو گیا ہے آج کل کے بچوں کو بڑوں کی ہر بات انہیں غلط نظر آنے لگی ہے۔

"بڑی اماں! ایک زندہ انسان کی بہت اہمیت ہوتی ہے کہ ایک جیتا جاگتا انسان اپنے تمام حقوق محفوظ رکھتا ہے۔ ہم لوگوں کو اپنے سیدھے سیدھے کاموں میں بھی اسی لیے رکاوٹیں اور مشکلات پیش آتی ہیں کہ ہم خوف و وہم میں مبتلا ہو کر لوگوں کے حقوق نظر انداز کر دیتے ہیں اور نظر آنے والے فائدے کو اہمیت دے کر فطرت کے تمام تقاضوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جیسے کہ آپ سوچ رہی ہیں کہ اسے گلے سے لگا کر رکھا تو سوسائٹی آپ کے گھرانے کا بائیکاٹ کر دے گی دوسری لڑکیوں کے رشتے نہیں آئیں گے وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کو اس کی ذمہ داریاں یاد دلانے کی ضرورت نہیں وہ جانتا ہے کس وقت کس کو کیا ملنا چاہیے پاکستان میں بے شمار گھرانے ایسے ہیں جہاں لڑکیوں کی شادی کی عمر نکل چکی ہے ان میں صرف وہی گھرانے نہیں ہیں جہاں جہیز کا مسئلہ ہے ایسی لڑکیاں آپ کو وہاں بھی ملیں گی جہاں باقاعدہ کیش جہیز کار کوٹھی کی آفر کی جاتی ہیں باقاعدہ لالچ دیا جاتا ہے وہ لڑکیاں بھی ہیں جو وسیع جائیداد کی مالک ہیں ان گھرانوں میں کبھی کوئی اغوا کا واقعہ نہیں ہوا ہوتا ہے پھر وہاں یہ صورت حال کیوں نظر آتی ہے؟

بڑی اماں محض ایک خدشے کی وجہ سے کسی انسان کی زندگی عذاب بنانا کہاں کا انصاف ہے؟ یہ تو وہ کڑا وقت ہوتا ہے جب انسان کو سب سے زیادہ اپنوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے میں اس کے پاس جاؤں گا بلکہ تانیہ بھی جائے گی پلیز آپ ہمیں روکیے گا نہیں اور میں آپ سے بھی درخواست کر سکتا ہوں دباؤ یا اصرار سے کام نہیں لے سکتا کہ آپ میری بزرگ ہیں۔

میں جا سکتا ہوں بڑی اماں؟ چاند نے ان کا ہاتھ تھام کر گویا اجازت طلب کی بڑی اماں جو چاند کی باتیں بہت دھیان سے سن رہی تھیں بلکہ ایک گہرا اثر ان کے دل پر طاری تھا یکدم چونک پڑیں۔

"بیٹے! اب یہ کیا معلوم کہ اس بدنصیب کو کہاں رکھا ہوا ہے۔" بمشکل گویا ہوئیں۔

"تو ہم معلوم کر لیتے ہیں اس کی والدہ کو تو کچھ علم ہوگا کوشش کریں گے تو پتا بھی چل جائے گا کسی کو اس کی والدہ کا گھر معلوم ہے؟" چاند نے پوچھا۔

"تمہاری پھوپھو کی طرف ہی ہے اس کا گھر معلوم کرنا کون سا مشکل ہے شیطان کی طرح مشہور ہے وہ اس علاقے میں۔"

بڑی اماں کا دل تو یوں بھی پگھلا رہتا تھا کہ جانے کس طرح خود پر جبر کیے وقت گزار رہی تھیں اس لیے چاند کو بہت وضاحت سے جواب دیا شاید ان پر مزید دباؤ ڈالا جاتا تو اٹھ بھی جاتیں۔

"ویسے مظاہر کو سب پتا ہے کیا پتا آ جاتی ہو۔ پوچھ لینا۔ وہ بظاہر لاپروائی سے کہہ رہی تھیں جی کا یہ عالم تھا کہ کوئی خبر

لے ہی آئے کرو، کیسی ہے؟

"ہوں۔ دیکھا ہوں۔ مجھے تو بہرحال جانا ہی ہے مجھے کیا معلوم تھا کہ اس بے چاری کے ساتھ سب ہی زیادتی کر رہے ہیں پیچ پیچ حد ہو گئی ان حالات میں تو اس جیسی لڑکی خودکشی بھی کر سکتی ہے اتنی فالتو ہوتی ہے انسانی جان؟"

بڑی اماں کچھ بولے بنا کمرے سے باہر چلی گئیں مگر دوسرے ہی لمحے دوبارہ اندر آ گئیں۔

"وہ مظاہر آ گیا ہے ابھی اپنے کمرے میں گیا ہے۔" وہ آہستہ آواز میں اطلاع دے کر واپس چلی گئیں۔

چاند نے وارڈروب بند کی اور کمرے سے باہر نکل آئے ان کے قدم مظاہر کے کمرے کی طرف اٹھ رہے تھے۔

دروازہ نیم وا تھا انہوں نے انگلی سے دستک دے کر اندر چلے گئے۔

مظاہر بھائی کا چھوٹا دصباء کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی دراز میں کچھ تلاش کر رہے تھے دروازے کی چرچراہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا۔

"اوہ چاند بھائی! آیئے۔" وہ دراز بند کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"شام کو تو تم بہت جلدی میں تھے اب تو گھر آ گئے ہو ناں؟ یا پھر کہیں اور جانا ہے۔" چاند ان کے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"نہیں بس اب تو کہیں نہیں جانا اگر کال آ گئی تو ہو سکتا ہے کچھ دیر کے لیے پولیس اسٹیشن جانا پڑ جائے مگر شیور نہیں ہے" وہ چاند کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

"پولیس اسٹیشن؟ خیریت؟" چاند قدرے چونک پڑے۔

ایک لمحے کو تو مظاہر کے کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی دوسرے لمحے وہ سنبھل گئے بس پولیس بار ابھی ملازمت ہی کا حصہ سمجھئے وہ مبہم سا مسکرائے آج کل ان کی مسکراہٹ بھی نصیب والے ہی دیکھ رہے تھے۔

"ہوں اور بزنس کیسا ہے؟" چاند نے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے ویسے تو ابھی آغاز ہی ہے۔ مگر خواجہ صاحب کا ایکسپیرینس بہت کام آ رہا ہے انشاء اللہ اور بہتر ہو گا۔"

"فنانشلی کوئی پرابلم ہو تو کہو میرے پاس کچھ ڈالرز ہیں۔" چاند نے آفر کی۔

"تھینک یو چاند بھائی آپ ہی کے ڈالرز سے یہ بزنس شروع کیا تھا" وہ تشکرانہ انداز میں گویا ہوئے۔

"تھینکس کی کیا بات اس گھر کو فنانشلی طور پر تم ہی سب سے زیادہ سپورٹ کرتے ہو اظہر اور ظہیر کی سیلریز یوں بھی بہت لمیٹڈ ہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے مل جل کر بہت اچھی گزر رہی ہے۔" مظاہر اس مرتبہ واضح مسکرائے

"ہوں۔ اچھی بات ہے ایسے میں نے ریا کی اٹیچ منٹ کا سن کر تین ہزار ڈالر بڑی اماں کو بھجوائے تھے کہ وہ اس کے لیے جیولری وغیرہ بنوالیں گی بتا رہی تھیں کہ وہ اسی طرح رکھے ہیں کوئی مسئلہ ہو تو ان سے لے لینا میرا مطلب ہے ریا کی شادی کے موقع پر۔" چاند نے کہا۔

"آپ نے اچھا کیا یاد دلایا خواجہ صاحب شادی جلدی کرنا چاہ رہے ہیں آپ بھی ڈیڑھ دو ماہ کے لیے یہاں ہیں آپ طے کر لیجئے آپ کی موجودگی میں ہو تو بہتر ہے پھر پتا نہیں آپ دوبارہ کتنے عرصے بعد آئیں" مظاہر نے کہا۔

"بڑی اماں بتا رہی تھیں کہ وہ فی الحال نکاح چاہ رہے ہیں؟" چاند نے پوچھا۔

"وہ تو اس وقت کی بات ہے کہ جب رشتہ طے کیا تھا وہ تو شادی کے لیے بہت شروع میں کہہ چکے تھے کہ ہم جلد چاہتے ہیں تو ہم نے آپ کی آمد پر اسے رکھ دیا تھا" مظاہر نے وضاحت کی۔

"ٹھیک ہے تو کر لیتے ہیں کہ ان سے بات کل ویسے بھی ہم سب ان کی طرف انوائیٹڈ ہیں میرا خیال ہے کہ کل ڈنر پہ باتیں چھیڑیں گے اب یہ بڑی اماں نے کنفرم کرنا ہو گا کہ کون سی تاریخ مناسب ہو گی وہ تو چاند کی تاریخ سے اپنے حساب کتاب کرتی ہیں" چاند نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ اسلامی تاریخ والا پاکٹ کیلنڈر ساتھ رکھیے گا" مظاہر نے مشورہ دیا۔

"ہوں" چاند کسی دھیان میں کھو گئے "ویسے تم بندے کی طرف سے تو مطمئن ہو ناں؟ اصل میں ریا بہت امیچور ہے ان لوگوں کو اس کی عادت، مزاج وغیرہ کا تو اندازہ ہے ناں؟" چاند متفکرانہ انداز میں پوچھ رہے تھے۔

"میرا اندازہ ہے کہ خواجہ صاحب کو اس کا مزاج ہی بہت اچھا لگا ہے ورنہ ان کے سرکل میں ویل آف اور خوب صورت لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے لاکھوں روپیہ گورنمنٹ کو ٹیکس دیتے ہیں آپ ان کے "سرکل" کا اندازہ لگا سکتے ہیں اس کلاس میں زیادہ تر بزنس میرجز (کاروباری شادیاں) ہوتی ہیں اس کے باوجود انہوں نے ریا کو سلیکٹ کیا ہے لڑکا بھی انگری ہے اس پر کوئی پریشر نہیں ہے باپ بیٹے کی بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔" مظاہر نے چاند کو اطمینان دلایا۔ "ہوں یہ اچھی بات ہے کاش اتنی دلچسپی تم ماہ نور کے کیس میں بھی لے لیتے جتنی اپنی حقیقی بہن کے کیس میں لے رہے ہو شاید۔"

مظاہر نے بری طرح چونک کر چاند کی صورت دیکھی (تو پتا چل گیا چاند بھائی کو)

"اس سے زیادہ ہی لے رہا ہوں۔" انہوں نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"مگر اب تو فضول ہے۔" چاند نے فوراً کہا "ایسے نازک معاملات اور سچویشن میں رکھے جانے والے سٹیپ لینے کی ضرورت ہوتی ہے بعد کی یہ فضول سی بھاگ دوڑ اس کے نقصان پورے نہیں کر سکتی یقین کرو مجھے اتنا دکھ ہے کہ میں بتا نہیں سکتا" چاند کے لہجے سے محسوس کیے جانے والا کرب چھلک رہا تھا۔ "اتنی اچھی لڑکی اس کے لیول کی تو خاندان میں دوسری کوئی نظر بھی نہیں آتی کتنا بڑا نقصان ہو گیا اس کا ایسا زخم جس کا کوئی مرہم بھی نہیں تمہیں کیا اعتراض تھا اس سے شادی کرنے پر؟ اس میں کیا کمی بات کی ہے۔ تم نے تو اچھا پارٹنر حاصل کرنے کا چانس مس کر دیا۔" چاند نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا اس مسئلے کا صرف یہی حل تھا؟" مظاہر نے بھی بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ہاں بہترین تو یہی تھا اب بھی تو تم اسے مورل سپورٹ دینے پر رضامند ہو گئے مگر اب بہت مشکل اور ناممکن سا ہو گیا فرض کرو تم سے شادی کے بعد یہ حادثہ پیش آتا تو اس کی اتنی بچت تو فوری ہو جاتی کہ نکاح پر دوسرا نکاح تو ہو نہیں سکتا تھا اب اچھا بڑا دل کرے ہو بعد میں بھی ہو سکتا تھا۔"

"چاند بھائی! معذرت کے ساتھ اس گھر میں شادی کے قابل اور بھی ہیں لیکن ہر کوئی مجھے ہی قصوروار سمجھ کر میری خبر لے رہا ہے۔" مظاہر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ان دونوں کے پاس دلہن ہے مگر تمہارے ساتھ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے یا تمہاری کوئی کمٹ منٹ ہے کسی سے؟ کسی کو نہیں بتایا ہے تو مجھے بتا دو کسی کو بھی کیا بات ہے۔" چاند نے قدرے ملائم لہجہ کر کے بڑی شفقت و محبت سے دریافت کیا۔

"ابھی زندگی نے اتنی مہلت ہی کہاں دی ہے کہ خوشگواریوں کی طرف دھیان جاتا۔" مظاہر نے خاصے تلخ لہجے میں جواب دیا تھا کہ بظاہر مسکرائے تھے۔

"تو بس یہ وجہ ہے کہ اظہر ان لوگوں میں سے ہے جو پیش آنے والی ٹریجڈی مدتوں نہیں بھول پاتے وہ صرف ناکام ہی نہیں ہوا اس کی انسلٹ بھی ہوئی ہے ہمیں اس سے ہمدردی ہونا چاہیے بجائے کوئی توقع کرنے کے ظہیر تو کسینڈ ہے سب ہی کو علم ہے

تمہارے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا خیر اب کیا کر رہے ہو؟ مجھے ماہ نور کا ایڈریس چاہیے کیونکہ تم اسے بازیاب نہیں کرا سکے اس کا مطلب ہے وہ اس سے نکاح کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے اور اب لکیر پیٹنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے میں اس سے اس کی فیملی سے کانٹیکٹ میں رہنا چاہتا ہوں اسے یوں تنہا کر دینا بہت بڑی زیادتی ہے میرا خیال ہے کہ میں اظہار یا مظہر کے ساتھ بائیک پہ چلا جاتا ہوں بڑی اماں بتا رہی تھیں کہ اس کا گھر پھپھو کی طرف ہی ہے تم اظہار کو ایڈریس سمجھا دو میں آج کی ڈیٹ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں مجھے امید ہے وہ اچھا فیل کرے گی اس کے دکھ میں کچھ کمی ہو گی؟" چاند بولتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

مظاہر نے خاصی حیرت و الجھن سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"وہ اس گھر میں نہیں ہے بڑی اماں نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ شاپا اس وقت اغذرار بستر ہے اس سے پوچھ گچھ ہو رہی ہے وہ نہیں بتا رہا ماہ نور کو اس نے کہاں رکھا ہوا ہے؟ یہی تو اصل مسئلہ چل رہا ہے اب۔" "تو کیا ابھی اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ نکاح کر چکا ہے یا نہیں۔" چاند نے اغذرار بستر سن کر بہت بے تابی سے پوچھا۔

"کہہ تو وہ یہی رہا ہے؟" مظاہر کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"کیا؟ یہ کہ نکاح ہو چکا ہے؟"

"ہوں" مظاہر نے صرف "ہوں" پر اکتفا کیا۔

"تو پولیس نے پروف نہیں مانگا۔" چاند کو پھر الجھن ہوئی۔

"کہہ رہا ہے کورٹ میں پیش کرے گا۔" مظاہر نے پھر دھیمی آواز میں کہا۔

"اس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ نکاح ہو چکا تب ہی وہ کورٹ میں جانے کو تیار ہے تو پھر ماہ نور کو کیوں چھپا رکھا ہے اب تو چھپانے کی کوئی ریزن نہیں ہے۔" چاند کو حیرت ہو رہی تھی۔

"وہ تو کہہ رہا ہے کہ وہ اسے دلہن بنی گھر پر چھوڑ کر آیا تھا پولیس ریڈ ہوئی وہ گھر پر نہیں ملی اس کی والدہ سے میری الگ سے بات ہوئی تو کہہ رہی ہیں کہ وہ گھر پر ہی تھی مگر خود سے کہیں چلی گئی ہے کوئی اسے لے کر نہیں گیا اور مجھے کسی کی بات پر اعتبار نہیں مجھے یقین ہے کہ وہ سب مل کر ہمیں الجھا رہے ہیں اپنے گھر سے بس میں اکیلی بیٹھ کر تو وہ کبھی یہاں نہیں پہنچ سکی اتنی ہمت کیسے کر سکتی ہے؟ یہ محض ان لوگوں کی کوئی خاص پلاننگ ہے لیکن آپ فکر نہ کریں انشاءاللہ جلد ہی پتا لگ جائے گا میرا جہاں تک خیال ہے اسے اس لیے الگ تھلگ کہیں رکھا ہوا ہے تاکہ اس کی تو تلی بے پین واشنگ کر ڈالیں اور جب وہ کورٹ میں پہنچیں ہو تو ان کے حق میں بیان دے۔" مظاہر نے چاند کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"یہ سب تو محض اندازے ہیں ناں۔ کنفرم تو کچھ بھی نہیں ہے بہرحال میں اس کی والدہ سے ملنا چاہتا ہوں تم اظہار کو اس کا ایڈریس سمجھا دو مجھے ابھی جانا ہے۔" چاند کا فیصلہ اپنی جگہ موجود تھا۔

"میں لکھ دیتا ہوں وہ سمجھ جائے گا" مظاہر کو محسوس ہوا کہ وہ چاند کو روک نہیں سکتے اس لیے ایڈریس دینے پر بادل نخواستہ رضا مندی ظاہر کی اور سائیڈ ٹیبل سے ایک پیڈ اٹھا کر ایڈریس لکھنے لگے۔

"ویسے تو اس علاقے میں پہنچ کر آپ باہر ملنے والے اس علاقے کے کسی بھی باشندے سے اس کا پتا پوچھیں گے تو وہ بتا دے گا۔" مظاہر نے کاغذ کی چٹ چاند کو تھماتے ہوئے کہا۔

"او کے تم چینج کر لو کھانا وانا کھاؤ اور ریسٹ کرو بڑی اماں کہہ رہی تھیں کہ تم بہت لم از بر کرتے ہو اپنے آرام کو بھی شیڈول کیا کرو یہ کام کرنے والوں کے لیے بہت ضروری ہوتا ہے۔"

مظاہر خاموش رہے چاند کمرے سے باہر چلے گئے۔

☆☆☆☆

صبح ہی صبح اس کی طبیعت بگڑ گئی تھی اللہ یار اور اس کے باپ نے اسے ہاسپٹل پہنچا دیا تھا شاہانہ اسے دیکھنے گئیں تو ڈاکٹر نے بتایا ابھی وقت نہیں ہوا۔ اٹھنے بیٹھنے میں بے احتیاطی کی وجہ سے تکلیف ہو گئی تھی اور یوں بھی متوقع ماں خاصی ویک ہے اور اس نے اتنا ویٹ گین نہیں کیا جتنا کہ ہونا چاہیے تھا بس اسی وجہ سے کمر سے درد اور چین وغیرہ کی شکایت ہو گئی تھی اس لیے اب گھر لے جائیں اور اس کی ڈائٹ کا خیال رکھیں۔

شاہانہ اسے اپنی کوٹھی میں اس لیے لے آئی تھیں کہ وہاں سے ڈرائیور کے ساتھ اپارٹمنٹ میں بھیج دیں گی۔

ہاسپٹل جانے سے پہلے انہوں نے موحد کی شادی کے سلسلے میں کچھ شاپنگ کی تھی ملازم وہ سب کی سب چیزیں لاؤنج میں رکھ چکا تھا۔

"ڈرائیور کو دیکھو کدھر ہے اس سے کہو سول کو گھر چھوڑ آئے۔" انہوں نے جاتے ہوئے ملازم کو کہا تو بخشی اپنے مخصوص انداز میں بندروں کی طرح اچھلتا زینہ اتر کر نیچے آیا اور سول کو دیکھ کر سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹوں کا زاویہ بنایا قدرے ٹھٹکا تھا۔

"بخشی! اسے جوس وغیرہ دے دو۔" وہ ایک لڑکی پیش کرتی ساڑھی کا جائزہ لیتی ہوئی بڑے مصروف سے انداز میں گویا ہوئیں۔

"یس میڈم۔" بخشی اسے گھورتا باہر چلا گیا۔

وہ نڈھال سی صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیگم صاحبہ کو اور ان کے سامنے پھیلے ہوئے عروسی ملبوسات کو دیکھ رہی تھی نقاہت کی وجہ سے یوں محسوس ہوتا تھا گویا چکرائی ہوئی ہو

اسی دوران موحد بھی زینہ اتر کر لاؤنج میں آ گیا تھا۔

"ممی آج کی ڈیٹ میں خوب شاپنگ ہوئی؟" وہ شاہانہ کے قریب پہنچ کر بولا۔

"خوب تو نہیں کچھ۔"

"یاد ہے ناں کل ڈنر پر آ رہے ہیں وہ لوگ کبھی غائب ہو جاؤ اس کا بڑا بھائی جو امریکہ سے آیا ہوا ہے انہیں تم سے ملنے کا خواہش مند ہو گا۔"

"وہ بھی آئے گی؟" موحد نے لطیف و شریر انداز میں پوچھا۔

"تمہارا دل چاہ رہا ہے تو خاص تاکید کر دیتی ہوں کہ اسے بھی ساتھ لے آئیں؟ شاہانہ مسکرائیں۔

"تیرے موحد صاحب کی شادی کر رہے ہیں سول یہ سب کپڑے اس کی دلہن کے ہیں۔" شاہانہ کا موڈ بہت اچھا تھا موحد بری طرح چونکا تھا سول! اس نے اطراف میں دیکھا ہے وہ ایک کونے میں دبکی نظر آ گئی بغور ان دونوں کی بات چیت سن رہی تھی پہلی بار اس نے موحد کو بڑے پیارے موڈ میں ماں سے بات کرتے دیکھا تھا مطمئن پر سکون اور خوش باش کتنا خوش ہے شادی ہو رہی ہے ناں۔ اس نے فلموں ڈراموں میں دیکھا تھا چوہدری اگر بڑے لوگ بہت خوش رہتے ہیں جتنے بہت ہیں اور ان کے پاس سب کچھ ہوتا ہے بڑا سا گھر بڑی سی گاڑی بہت سارے ملازم کھانے کی میز پر اچھے اچھے کھانے رعب داب سب ہی ان سے ڈرتے ہیں جو ان کو برا کہتا ہے اسے گولی مار دیتے ہیں۔

موحد ایک دم سنبھل گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کل تمہاری شادی کی ڈیٹ بھی ڈسکس ہو گی اور اس کے بعد تو ہمارے پاس بہت کم ٹائم رہ جائے گا

تیاری کے لیے تم اپنے ملنے والوں کی لسٹ بنا لینا تاکہ کارڈز وقت پر تقسیم ہو جائیں۔" وہ ساڑھی احتیاط سے تہہ کرتے ہوئے اپنی دھن میں بولے جا رہی تھیں مون قطعی خاموش تھا۔

"ویسے کہہ کر دیکھتی ہوں کہ کل وہ لوگ دیا کو بھی ساتھ لے آئیں کیا حرج ہے۔" وہ بہت اچھے موڈ میں تھیں۔

"ارے نہیں امی بور ہو تو میں ایسے ہی مذاق کر رہا تھا اس کی دادی کے سامنے کہہ بھی مت دیجئے گا ناراض ہو جائیں گی۔" اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ تو ہے یہ پرانے وقتوں کے لوگ اپنے اصولوں سے ہلنا کفر سمجھتے ہیں ویسے تم فون پر تو بات کر لیا کرو اس سے ظاہر ہے کہہ دیا تھا میں نے۔"

مون خاموش رہا۔

"میں تو اس خیال سے خوش ہوں کہ اس کے آنے سے گھر میں کتنی رونق ہو جائے گی۔ کتنی معصوم باتیں کرتی ہے۔" وہ بولیں

"یہ تو قسمت ہے کہ ابھی تک بہو گھر میں نہیں آ جاتی۔ ساس کو اس کی ایک ایک ادا بھاتی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ارے بھئی اچھی بات منہ سے نکالو۔ تم بھلا کیوں سوچ رہے ہو ابھی کھل کے خوش تو ہونے دو۔" انہوں نے ڈبوں کو ترتیب سے رکھتے ہوئے ٹوکا۔

شمسی ایپل جوس لے آیا تھا ایک تیسرے درجے کی نوکرانی کو جوس پیش کرتے ہوئے وہ بہت عجیب سا محسوس کر رہا تھا وہ بھی مالکوں کے سامنے

"یہ ڈرائیور کا کچھ پتا ہے وہ شرف الدین گیا تھا دیکھنے خود بھی غائب ہو گیا اسے گھر پہنچانا ہے طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس کی۔" شاہانہ شمسی سے مخاطب تھیں۔

"اپنے کوارٹر میں پڑا سو رہا ہو گا ایک ہی تو شوق ہے اسے۔" شمسی ہنسا۔

"میرا خیال ہے شرف الدین اسے جگا رہا ہو گا۔"

اسی لمحے شرف الدین لاؤنج میں چلا آیا۔

"وہ ڈرائیور موٹر باہر نکال چکا ہے بیگم صاحب۔"

"تم کیا اس کے ساتھ موٹر کھینچ کر باہر نکال رہے تھے؟" شاہانہ ناراضگی سے بولیں۔

"نہیں جی۔ وہ موٹر کا بنل پانی چیک کر رہا تھا میں پانی والی لا کر دے رہا تھا اسے۔" شرف الدین گھبرا کر بولا۔

"چلو سونل! گاڑی میں بیٹھو اور وقت پر کھانا پی لیا کرو کیوں فاقہ مستی لادی ہوئی ہے خود پر۔ جو ڈاکٹر نے کہا ہے اس پر عمل کر رہی ہو ناں؟"

"جی۔" وہ اٹھتے ہوئے بہت آہستہ سے بولی اور ایک نگاہ مون کی طرف بلا ارادہ کی تھی۔

سفید مکلف شلوار قمیص میں ملبوس اجنبیوں سے زیادہ اجنبی بنا کھڑا تھا۔

"شادی ہو رہی ہے ہونہہ آگ ہی لگے گی انشاءاللہ دیکھتی ہوں دوسروں کو مصیبت میں ڈالنے والوں کے پاس خوشی کتنی دیر کے لیے آتی ہے اللہ سائیں کیا ہمارا نہیں؟" وہ جھٹکے کھاتے انداز میں قدم اٹھاتی لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

"آگ لگ جائے اس ساری دنیا میں غارت ہو جائیں سب کی خوشیاں، موت پڑے سب کو۔" جانے کیوں آنسو ابل

گرا رہے تھے وہ چادر کے پلو سے مسلسل آنکھیں پونچھ رہی تھی۔

☆☆☆

چاند اور اظہار ڈرائنگ روم میں بیٹھے قمر النساء کا انتظار کر رہے تھے۔ ڈرائنگ روم میں سجی ہوئی سب اشیاء قیمتی تھیں۔ سامنے دیوار پر قیمتی فریم میں ایک متوجہ کرتی تصویر بھی تھی جس میں پاشا مردہ شیر پر ایک پاؤں اور رائفل ٹکائے بڑے فخریہ انداز میں کیمرے کی طرف دیکھ رہا تھا خاکی سے کپڑوں اور بھاری بوٹ کے ساتھ گردن میں جھولتا ہوا لال مفلر نہیں تھا اس کی تصویر اسے ایک بہادر جوان کے طور پر متعارف کرا رہی تھی بے انتہا چمکدار آنکھیں نفاست سے ترشے اور سنورے ہوئے گھنے بال، گھنی مونچھیں ...شت سے پر صحت مند مضبوط جسم۔

اظہار نے چاند کو بتا دیا تھا کہ یہی موصوف پاشا ہیں اسی لیے چاند نے تصویر کو بغور دیکھا تھا اور ہر اینگل سے دیکھا تھا۔

تصویر سے تو ایک خوش باش، بے فکرے، قلندر کے نوجوان کا تاثر ذہن کے پردے پر ابھر رہا تھا ولن یا کرپٹ بندے کی تو جھلک بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ ایک دھیان سے باہر آئے قمر النساء ڈرائنگ روم میں آ چکی تھیں چاند سرو قد کھڑے ہو گئے اور اظہار نے بھی ان کی تقلید کی۔

"السلام علیکم آنٹی!" چاند نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا! آپ کھڑے کیوں ہو گئے بیٹھے ناں۔" وہ اپنے مخصوص سادہ انداز میں گویا ہوئیں۔

وہ دونوں فوراً ہی بیٹھ گئے۔

"میں ماہ نور کا بھائی چاند... آج صبح ہی امریکہ سے آیا ہوں اپنے گھر میں ہونے والے اس سنگین حادثے پر خبر ہوئی تو بہت دھچکا لگا دکھ کی تو کوئی انتہا نہیں ہے لیکن اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد اب تو یہ سوچنا ہے کہ ہمارا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے اور میں بس اتنا سمجھ پایا ہوں کہ ہماری بے گناہ بہن جس تکلیف دہ اذیت سے گزر رہی ہے اس وقت اسے سب سے زیادہ ہماری ہمدردی اور قربت کی ضرورت ہے اب ہم اس کے لیے کچھ کر تو نہیں سکتے لیکن اسے نظر تو آ سکتے ہیں اس سے اچھی بات تو کر سکتے ہیں اسی وجہ سے اس سے ملنا چاہتے ہیں میرا خیال ہے آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔"

"بیٹے! اس میں اعتراض والی کون سی بات ہے یہ تو بہت خوشی کی بات ہے آپ کے گھرانے نے تو اس سے ایک دم رابطہ ختم کر دیا تھا آپ کا آنا تو بہت خوشی کی بات ہے مگر۔" قمر النساء آنکھوں پر اپنا سفید دوپٹہ رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"بیٹے! اب وہ ہمارے پاس بھی نہیں ہے سخت نادانی کی ہے اس نے پاشا کو یقین نہیں وہ سمجھتا ہے کہ میرے تعاون سے وہ آپ لوگوں کے پاس واپس پہنچ گئی ہے اور کسی کو کچھ پتا نہیں چل رہا کہ وہ کہاں ہے تمہارے بھائی نے بھی فون پر مجھ سے کئی مرتبہ کچھ اگلوانے کی کوشش کی بیٹے دل میں کچھ ہوتا تو بتاؤں جب مجھے خود ہی نہیں پتا۔" وہ پھر رونے لگیں۔

"پولیس کا اندازہ ہے کہ اسے پاشا نے کہیں دوسرے ٹھکانے پر چھپا دیا ہے۔" چاند گہری نظروں سے قمر النساء کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

"ایمانداری کی بات یہ ہے بیٹے! پاشا اور ماہ نور کا نکاح ہو چکا ہے میری، میری بیٹیوں داماد وں کی موجودگی میں وہ اس گھر کی عزت بن چکی ہے یہ گھر اس کا ہے وہ ہماری ہے اس لیے اب آگے کیوں چھپائیں گے وہ بدر کریں گے میں نے اسے بہت سمجھایا تھا کہ اس کے اپنوں نے اسے چھوڑ دیا ہے اب یہی حل ہے کہ تمہیں اپنا بنا لے ہم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دستخط نہیں کرائے تھے

ہماری بات وہ سمجھ گئی تھی مووی بنی ہوئی ہے تصویریں اتری ہیں آپ لوگ دیکھ لینا بھلا اب ہم اسے کیوں چھپائیں گے آپ میری بات سمجھ رہے ہیں۔

ناں بیٹے۔" قمر النساء کی سادہ مزاجی چاند نے محسوس کی تھی۔

انہوں نے انعجار کی طرف دیکھا ایک الجھن و خلفشار ان کی آنکھوں میں واضح تھا انہیں قمر النساء کی بات پر اعتبار آ چکا تھا۔

"دونو میرے کمرے میں دلہن بنی بیٹھی تھی پاشا کھانے پینے کا کچھ انتظام کرنے نکلا تھا کہ پولیس نے گرفتار کر لیا اس نے یہاں پیغام دیا کہ ماہ نور کو کہیں چھپا دیں چھاپہ پڑنے والا ہے میں نے انکار کر دیا کہ اب ہم اسے کیوں چھپائیں وہ اپنے گھر میں ہے پاشا گرفتار ہو چکا تھا اس لیے میں نے ماہ نور سے کہا کہ وہ کپڑے بدل کر آرام سے اوپر لیٹ جائے میری بیٹی اسے اوپر کے کمرے میں چھوڑ آئی تاکہ پولیس آئے تو ہم اسے ساری حقیقت بتا دیں اور وہ بچی کو خوامخواہ پریشان نہ کرے اب اسے چھپانا تو نہیں کہہ سکتے اوپر کے کمرے بھی گھر ہی کا حصہ ہیں پولیس آئی سارے گھر کی تلاشی لی چھت پر بھی گئی وہ وہاں نہیں تھی میرے تو پاؤں تلے زمین سرک گئی میری بیٹی اسے خود اوپر کے کمرے میں چھوڑ کر آئی تھی پڑوس کی چھت پر ہماری چھت سے آسانی سے جایا جا سکتا ہے یہی خیال آیا کہ وہ ڈر کر پڑوس میں نہ چلی گئی ہو وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ وہ وہاں گئی تو تھی مگر وہاں سے کہیں اور چلی گئی پڑوسن کہنے لگی کہ میرا اندازہ ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے پاس گئی ہے اتنی رات کو اور کہاں جا سکتی ہے؟ مگر آپ لوگوں سے معلوم ہوا کہ وہ وہاں بھی نہیں پہنچی دن رات کی بے چینی ہے نہ نیند ہے نہ بھوک جوان جہان بچی خدانخواستہ کہیں غلط ہاتھوں میں میرے منہ میں خاک۔" ان کی آواز پھر بھرانے لگی۔

چاند دم بخود بیٹھے ایک ایک حرف تول تول کر سن رہے تھے قمر النساء کی شخصیت ایسی نظر آتی تھی۔ جو قابل اعتبار ہوتی ہے ان پر جھوٹ یا غلط بیانی کا شبہ نہیں ہوتا۔

"بہرحال آنٹی یہ تو کنفرم ہوتا ہے کہ آپ کے سمجھانے کے باوجود وہ نکاح پر دل سے رضامند نہیں ہوئی تھی۔"

اس نے مجبوری میں یا ایک فیصلہ کیا تھا جیسے ہی اسے موقع ملا وہ یہاں سے چلی گئی۔

قمر النساء خاموش رہیں۔

"آئی ایم ساری آنٹی! آپ کو زحمت دی۔" چاند شکستہ دلی سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور انعجار کی طرف یوں دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ بہت ہی نقصان ہو گیا انعجار تو دکھ اور صدمے سے یوں گم صم تھا جیسے موجود ہی نہ ہو۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی دراز چوٹی لہراتی نازک سی آپی یہاں وہاں آتی جاتی نظر آ رہی تھی خاموش مگر مطمئن پرسکون اپنی حالت پر شاکر و مگن۔

"بیٹھو بیٹے میں چائے بنا دیتی ہوں اس وقت گھر میں میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔"

"پلیز اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے اب تو کام بہت ہو گیا ہے آپ دعا کریں وہ خیریت سے ہو اور ہمارے پاس جلد آ جائے۔" چاند نے گہرے تفکر کے دوران رسمی مسکراہٹ کی گنجائش نکالی۔

"آمین ثم آمین۔" قمر النساء نے بے ساختہ کہا تھا۔

☆☆☆

گلی کے پہلے ہی گھر کے چبوترے پر چوپال سی لگی تھی دس بارہ آدمی ایک دوسرے کے قریب چارپائیوں پر بیٹھے تھے۔

وہ چبوترے کے نزدیک پہنچی تو سب یکلخت خاموش ہو گئے اور اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"وہ مجھے استانی عائشہ کے گھر جانا ہے۔" اس نے بڑی ہمت کر کے آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا اچھا چل ابا (بیٹا) مہمان کو استانی عائشہ کے گھر لے جا۔" ایک بزرگ نے کسی بچے کو مخاطب کیا تھا۔

☆☆☆

"آپ اکیلے ہو یا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟"

اس شخص نے سوال کیا کہ ڈھلتی ہوئی شام اور ادھڑتی رات کے سنگم پہ کھڑی ایک تنہا نوجوان لڑکی تو بعض اوقات بذات خود سوال ہوتی ہے۔

"میں۔۔۔۔جی۔۔۔۔بس میں اکیلی ہی ہوں۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے نظریں اٹھا کر چوپال میں بیٹھے مردوں کو سرسری دیکھا۔

"جا چل! آدی کو استانی عائشہ کے گھر پر چھوڑ کر آ۔" ایک ادھیڑ عمر مرد نے بڑے مشفقانہ انداز میں تاکید کی۔

لڑکا پہلے ہی اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"آ آدی!" وہ چل پڑا۔ ماہ نور اس کے پیچھے ہو لی۔

چند منٹ کی چلائی کے بعد ایک بے رنگ سے دروازے پر جا کر وہ رک گیا۔ مردم شماری نمبر بھی سب کچھ دروازے پر درج تھا۔

"آدی! یہ ہے استانی عائشہ کا گھر۔ اب میں جاؤں؟" لڑکے نے پوچھا۔

"ہاں تم جاؤ۔" اس نے دروازے پر جھولتی زنجیر سے کھٹ کھٹ دستک دی۔

"کون؟ ٹھہرو کھولتی ہوں۔" استانی عائشہ کی دھیمی اور پرسکون آواز آئی۔

اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ لڑکا جا چکا تھا۔

چند لمحوں بعد دروازہ کھلا۔ اور چادر میں اچھی طرح لپٹی استانی عائشہ سامنے تھیں۔ وہ اسے سامنے دیکھ کر بری طرح چونک پڑی تھیں۔

"السلام علیکم!" ماہ نور کی نظریں کسی گنہگار کی طرح جھکی ہوئی تھیں۔

"وعلیکم السلام۔۔۔۔ اندر آ جاؤ بیٹی۔" وہ اپنے استعجاب پر قابو پا چکی تھی۔

اس نے فوراً قدم اندر کی طرف بڑھا دیے جیسے وہ اسی دعوت کی منتظر تھی۔

استانی عائشہ دروازہ بند کر کے پلٹیں۔ "خیریت تو ہے ناں بیٹی۔ اکیلی آئی ہو؟"

"جی!" اس نے اطراف میں نظریں دوڑائیں ایک کمرے کے چھوٹے سے صحن والا صاف ستھرا سا چھوٹا سا گھر۔ کمرے میں ایک پلنگ ایک بڑی سی چٹائی ایک بڑا اور ایک چھوٹا صندوق جن پر سفید غلاف تھے پلنگ کے ساتھ ایک لکڑی کی میز تھی جس پر سفید جالا کڑھائی سے آراستہ میز پوش تھا ایک طرف دیوار میں لکڑی کی بدرنگ سی الماری بھی نظر آئی گھر کی دیواریں بالکل صاف اور سفید تھیں گویا تازہ تازہ چونا کیا گیا ہو نہایت صاف ستھرا گھر تھا کمرے کے دروازے کے بیچ ایک برقی بلب لٹک رہا تھا اور سارے گھر میں روشنی پھیلانے کا تنہا ذمہ دار تھا۔

"بیٹھو۔ بیٹی! یہاں تک آتے آتے پیاس بہت لگ جاتی ہے میں تمہارے لیے مٹکے کا تازہ ٹھنڈا پانی لاتی ہوں آرام سے بیٹھو۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔"

وہ یہ کہہ کر پانی لینے چل پڑی تھیں جو غالباً مٹکا باہر صحن میں رکھا تھا۔

وہ چادر اتار کر گہرے گہرے سانس لینے لگی ایک ایسے اطمینان کا احساس ہو رہا تھا جو عرصہ دراز سے گم تھا جس کی ڈھونڈ تو نہیں تھی مل گیا تو اچھا لگا استانی عائشہ ایک صاف ستھرے سٹیل کے گلاس میں پانی لے کر فوراً ہی آ گئی تھیں۔

"۔ پانی پیو۔ تھوڑی دیر بعد کھانا گرم کروں گی آج میں نے بھی ابھی تک نہیں کھایا ورنہ مغرب کی نماز کے بعد فوراً ہی کھا لیتی ہوں اب۔ چپاتی تو کھانا ہوتی ہے آج اتفاق سے ساتھ والوں نے بھی پلاؤ بھیجا ہے میں چپاتی بنا چکی تھی سوچ رہی تھی گھر میں اچھا خاصا کوارا رکھا ہے اور کھانے والی میں اکیلی تو...... خیر سے دو ہو گئے سالن تو کبھی کبھی بناتی ہوں کبھی چائے سے کھا لیتی ہوں کبھی چٹنی بارش سے وہی گھر میں جاتی ہوں صبح ناشتے میں چائے کا رول نہیں چاہتا تو لسی سے ناشتہ کر لیتی ہوں آج اتفاق سے شکوچیوں کا سالن بنایا تھا ماشاء اللہ بہت رزق ہے گھر میں۔"

وہ پانی پی رہی تھی اور وہ ایک تواتر سے مگر پرسکون لہجے میں ہمکلام تھیں اور ایک طرح سے یہ اس کی آمد پر بے حساب خوشی کا اظہار تھا۔

"آرام سے پہنچ گئیں؟ راستے میں کوئی مشکل تو نہیں ہوئی۔" اس نے خالی گلاس میز پر رکھا تو فوراً اگلا سوال ہوا۔

"اللہ کا شکر ہے یہاں تک بہت آرام سے پہنچ گئی اس نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"اور... خالہ تو ٹھیک ہیں ناں؟" ایک تجسس جو سمندر کی لہروں کی طرح دماغ میں تھا تھیں بار بار زبان سے جاری ہوا وہ خاموش رہی۔ سر جھکا رہا۔

"خیریت تو ہے ناں بیٹی؟" وہ اس کی خاموشی سے معنی اخذ کرنے لگیں۔

"جی خیریت ہے وہ خالہ جان...... میں بہت تھکی ہوئی ہوں کئی دن سے سوئی نہیں آپ کا یہ صاف ستھرا بستر دیکھ کر جی چاہ رہا ہے کہ تھوڑا سا آرام کر لوں۔" وہ بہت کمزور آواز میں کہہ رہی تھی۔

"ہاں..... ہاں...... بیٹی! ضرور آرام کرو وہ تو تمہاری صورت سے ظاہر ہے کہ تمہاری اندر کی حالت کیا ہے تم آرام کرو اتنی ہوا کافی ہے یا پنکھا تیز کر دوں؟"

انہوں نے چوکی پر دھرے ہوئے چھوٹے سے ٹیبل فین کی طرف اشارہ کیا جو بہت پرانا تو نظر آ رہا تھا مگر ہوا اچھی تھی اور شور بھی نہیں تھا۔ وہ فوراً ہی بستر پر لیٹ گئی تھی اور آنکھیں موند لی تھیں۔

آنکھیں موندتے ہی اسے ایک بے کراں سکون کا احساس ہوا کمرے کی صاف ستھری پرسکون فضا۔ خاموشی فوراً ہی تھکے ہوئے وجود پر نیند غالب آ گئی نیند اور سکون کا وہ کیف آور احساس تھا جس سے لمحہ بھر کے لیے باہر آنے کو جی نہ چاہے۔

استانی عائشہ کی نگاہ میں یا تاثر جتنی گہری سوچ امڈ آئی تھی وہ بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں جیسے کچھ پڑھ رہی ہوں جیسے کچھ سن رہی ہوں۔

☆☆☆

"بھئی ہمارا تو بہت جی چاہ رہا تھا کہ اس ڈنر میں ریما بھی شریک ہو اب تو یہ گھر اس کا اپنا ہے مگر بڑی اماں کے خیال سے اسے خاص طور پر انوائیٹ نہیں کیا کہ پچھلے پشتوں کے لوگ یہ سب پسند نہیں کرتے۔ خیر اب زیادہ دنوں کی بات بھی نہیں اب تو وہ آنے ہی والی ہے چاند میاں! آپ کی آمد کا بے چینی سے انتظار تھا کہ بڑی اماں قطعی طور پر کہہ چکی تھیں کہ چاند کے آنے پر ہی شادی ہو گی خواہ وہ کبھی آئے۔" شاہانہ نے چاند سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ظاہر ہے بیوی (بی بی) آخر سب سے بڑا بھائی ہے اللہ جبار کرے۔" بڑی اماں نے جواباً کہا۔

"کتنے دن قیام رہے گا؟" نفیس خواجہ نے چاند سے پوچھا۔

"یہی کوئی چالیس پچاس دن۔" چاند نے جواب دیا۔

"بھئی اب آپ سوچ لیں ان ہی دنوں میں سب کام کرنا ہے میرا مطلب ہے کہ شادی کی کوئی نزدیکی تاریخ طے کر لیں اور جہیز وغیرہ تو آپ نے بنانا نہیں ہے یہاں جو کچھ ہے ہماری بیٹی ہی کا ہے اور دیگر ضروری تیاریاں مثلاً رسومات وغیرہ سے متعلق جو کچھ کرنا ہے بس وہ آپ لوگ کر لیں اور ہمیں جلدی کی کوئی تاریخ دے دیں کہ کارڈز کی چھپائی و تقسیم کا مرحلہ ہے ہوٹل میں ولیمے کا انتظام یعنی بکنگ وغیرہ کا چکر ہے عموماً اچھے ہوٹل میں بکنگ بھی مسئلہ ہوتی ہے جلدی کی ڈیٹ پر مشکل ہی سے بکنگ ہوتی ہے۔" نفیس خواجہ نے کہا۔

"خواجہ صاحب! ماشاء اللہ اتنا بڑا گھر ہے کیا ولیمے کے مہمان سما نہیں سکتے؟ کیوں یہ ہوٹل کے چکر میں پریشان ہو رہے ہیں۔"

"وہ بڑی اماں! بات اصل میں یہ ہے کہ ڈیڑھ دو ہزار مہمانوں کا انتظام بڑی دردسری ہوتی ہے ہوٹل میں انتظام ہوٹل والوں کو کرنا ہوتا ہے جس کے وہ ہم سے پیسے لیتے ہیں اور پھر اتنے لوگوں کا گھر پر انتظام ذرا مشکل سی بات ہے۔"

"خیر۔ میں نے ایک بات کی تھی آپ لوگ اپنی بہتری دیکھیں۔" بڑی اماں نے بڑے سلیقے سے بات تمام کی۔

"بھئی ہمارے تو دور تک کے عزیز منتظر بیٹھے ہیں کہ ہم کب انویٹیشن بھیجتے ہیں میری بھابھیوں کا تو یہ حال ہے کہ فون کر کر کے پوچھتی رہتی ہیں کہ کب ہو رہی ہے مون کی شادی۔ انہیں مہینہ بھر پہلے بتائیں انہوں نے تیاریاں کرنا ہیں ... بیٹے والوں نے دوسرے شہروں سے آنا ہے۔" شاہانہ بولیں۔

"جی۔ ٹھیک ہے ہم لوگ مشورہ کر کے آپ کو جلد مطلع کر دیں گے۔" مظاہر اتنی دیر میں پہلی مرتبہ گویا ہوئے۔

"اسطرح مطلع نہیں کریں گے باقاعدہ ہم آپ کو دعوت پر بلائیں گے جو ہمارے یہاں کا طریقہ ہے رسم ہے۔ اس کے مطابق آپ کو تاریخ دیں گے انشاء اللہ۔" بڑی اماں نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بڑی اماں! مگر کم از کم آپ ہمیں آئیڈیا تو دیں تھوڑا سا کہ کون سی تاریخ متوقع ہو سکتی ہے۔" نفیس خواجہ نے قدرے بے چینی کا مظاہرہ کیا۔

"ابھی تو میں اندازاً" کچھ نہیں بتا سکتی۔ لڑکی والوں کے کچھ اپنے حساب کتاب ہوتے ہیں۔"

بڑی اماں نے جواب دیا۔ "مگر آپ فکر مند نہ ہوں آپ کی سہولت بھی ہمارے دھیان میں ہے۔" وہ مزید گویا ہوئی تھیں۔

"بہت شکریہ۔" نفیس خواجہ کو بڑی اماں کی بات بہت اچھی لگی اور وہ خاصے مطمئن نظر آئے۔

"یار مظاہر! تم آج کل سیٹ پر نہیں ملتے؟ خیریت تو ہے؟ کس دھندے پر لگا رہا ہے" بڑوں نے" نفیس خواجہ کو اچانک دھیان آیا تھا کہ مظاہر سے کافی وقفے بعد ملاقات ہو رہی ہے۔

"اے ہاں پاکستان کے بادشاہ کے منظور نظر ہیں انہیں بھی بس ہمارا بچہ ہی فالتو دکھائی رہتا ہے جب پوچھو بیٹا! خیریت تو ہے کیوں دیر ہوئی یہی جواب ملتا ہے کہ کام زیادہ ہے دنیا کے بچے نوکریاں کرتے ہیں ہر شام ڈھلے گھروں میں نظر آتے ہیں یہ میرے دونوں پوتے ان کی نوکریاں بھی سرکاری ہیں مگر ان کے بھی آنے جانے کے اوقات مقرر ہیں۔" بڑی اماں کا اشارہ اظہر و ظہیر کی طرف تھا۔

ان کے ساتھ ہی فرحیا سب لوگ بیٹھ چکے تھے شاہانہ نے بڑی اماں کے سامنے پلیٹ کی۔

"بڑی اماں! چاول بھی ہیں روٹی بھی کیا لیں گی پہلے!" شاہانہ ان کے قریب کھڑی پوچھ رہی تھیں۔

"بیٹی ازرا سے چاول ڈال دو رات کو تو بس میں یونہی نام کو کھاتی ہوں اب ہضم بھی نہیں ہوتا۔" وہ بولیں شاہانہ نے چائنیز پلاؤ ان کی پلیٹ میں ڈالنا شروع کیا اسی لمحے شمسی شاہانہ کا موبائل لیے اندر داخل ہوا۔

"بیگم صاحبہ! آپ کا فون ہے کوئی ڈاکٹر فرح ہیں۔" شمسی نے مودبانہ انداز میں کہہ کر موبائل انہیں تھما دیا۔

شاہانہ کے چہرے پر قدرے فکر کا سایہ لہرایا۔

"ہاں..... ہیلو..... بول رہی ہوں ہوں ہوں..... ہاں..... کب؟ ابھی دس منٹ پہلے..... اچھا..... نارمل..... نہیں؟ پھر..... کیسی ہے؟ اچھا ٹھیک ہے ابھی گھر میں مہمان ہیں میں کچھ دیر بعد آپ کو رنگ کروں گی ٹھیک ہے خدا حافظ۔" انہوں نے گہری سوچ کے دوران موبائل آف کر دیا۔

"خیریت؟ کس کا فون تھا؟" نفیس خواجہ کا شاہانہ کے چہرے پر پھیلا فکر نوٹ کیا۔

"دوست کا تھا۔ آپ لوگ پلیز کھانا شروع کریں۔" انہوں نے چہرے پر مسکراہٹ لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا مون بہت غور سے ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا اور وہ جیسے نظر چرا رہی تھیں ڈاکٹر فرح، نارمل کیس بہت سارے سوال جواب کے ساتھ اس کے ذہن میں در آئے تھے۔

اب وہ نظریں جھکا کر اپنے سامنے رکھی خالی پلیٹ کو تک رہا تھا:

جس طوفان کی آمد کے خیال سے ذہن میں شوں شوں کی آوازیں پہنچ گئی تھی کیا وہ آ چکا؟ اس نے چور ی چوری شاہانہ کی سمت دیکھا جو اسے اپنی طرح ہی غیر حاضر دماغ محسوس ہوئیں۔

ایک دم سے بھوک پیاس کا احساس ہوا ہو گیا تھا۔

"کیا بات ہے مون۔ آپ کچھ نہیں لے رہے؟" مظاہر نے اس کی کیفیت نوٹ کی۔

"پلیز..... آپ لوگ لیں۔ میں لیتا ہوں۔" وہ جیسے چونک گیا۔

اس نے پلیٹ میں تھوڑا سالن ڈالا..... اور ڈاکٹر فرح..... نارمل..... سیزر..... کانوں میں کچھ کانچ کے ٹکڑے چبھ گئے تھے گاہے گاہے وہ شاہانہ کا چہرہ دیکھنے لگتا تھا جو خود پر کنٹرول کرتے ہوئے آداب میزبانی نبھا رہی تھیں

"یہ ڈاکٹر فرح کون ہیں شاہانہ۔ پہلی مرتبہ ان کا نام سنا ہے؟" نفیس خواجہ پوچھ رہے تھے۔

"یہ دوست ہیں۔" شاہانہ یوں چونکیں جیسے ان کے چہرے پر کچھ لکھا ہو جو نفیس خواجہ پڑھ رہے ہوں۔

"ظہیر! آپ کچھ نہیں لے رہے کھانے میں تکلف کیسا؟"

"جی..... میں لے رہا ہوں۔" ظہیر نے ڈونگا ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"مظاہر کی پھوپھو بھی تو آپ کے پاس ہوتی ہیں ان کو بھی لے آتے ہیں۔ میں نے فون پر کہا بھی تھا آپ سے۔" شاہانہ بڑی اماں سے مخاطب تھیں۔

"بس اس کا جی کچھ اچھا نہیں تھا۔ میں نے تو کہا تھا۔"

"بہت اداس سی رہتی ہیں۔ بلال میں نے محسوس کیا ہے کوئی پرابلم تو نہیں ہے ان کے ساتھ؟" شاہانہ بولیں۔ مظاہر نے بلال اور چاند کی طرف دیکھا تھا جو نظریں جھکائے ہوئے تھے۔

"ہاں بس اس کا میاں بیمار ہے اس لیے پریشان رہتی ہے۔" بڑی اماں نے بڑے جلتے سے اندر کا کرب چھپا کر بڑے وقار سے جواب دیا۔

"ماشاء اللہ ان کی بچی بھی بہت پیاری ہے دوسری بھی اچھی ہے مگر بڑی والی بہت پیاری ہے ایک ہی مرتبہ اسے دیکھا تھا کتنی بڑی ہو گئی ہو گی اس کی؟" شاہانہ یوں ہی پوچھ رہی تھیں۔

چاروں اور سنانے کے گولے اتر رہے تھے۔ صرف کانٹوں چمچوں کی کھنکھناہٹ تھی۔

"ہاں۔ رشتہ طے ہے۔" بڑی اماں کی آواز بہت دھیمی تھی اور انہیں یوں محسوس ہوا ان کے سب پوتے اور بیٹے ان کا چہرہ دیکھ رہے ہوں کہ بڑی اماں جھوٹ بولتے ہوئے کیسی لگتی ہیں۔

مظاہر نے اسی لمحے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی تھی جیسے انہیں کچھ یاد آ گیا ہو۔

"ساڑھے دس بجے مجھے گاڑی لینے آئے گی دھیان رکھیے گا خواجہ صاحب!" وہ بولے

"میری گاڑی ظہیر بھائی ڈرائیو کر لیں گے اظہر بھائی کی ہائی روف میں تو سب آ جائیں گے چاہیں تو چاند بھائی اور بھابھی میری گاڑی میں چلے جائیں۔"

"بھیا! اب تمہیں کہاں سے گاڑی لینے آئے گی؟" "آپ فکر نہ کریں۔" انہوں نے تسلی دی۔

"کوئی ایمرجنسی ہے؟" خواجہ صاحب نے پوچھا۔

"نہیں۔ بس ایک پرسنل کام ہے۔" انہوں نے دبے دبے لہجے میں جواب دیا سب بھائیوں نے بہت تجسس کے ساتھ ان کا چہرہ دیکھا تھا جو بالکل بلینک قطعی سپاٹ تھا۔

☆☆☆

وہ لباس تبدیل کر کے باتھ روم سے باہر آیا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"ہوں کون؟" وہ کسی گہری سوچ سے باہر آیا تھا۔

"دروازہ کھولو مون!" شاہانہ کی آواز آئی اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ شاہانہ اندر آ گئیں۔

"رات تو بہت ہو گئی ہے تم تھکے ہوئے بھی ہو گے مگر مجھے ضروری جانا بھی ہے۔"

"خیریت ہے ماں جی؟" اس نے نظریں اٹھائے بغیر پوچھا۔

"ہوں۔ وہ مرل کے بچی پیدا ہوئی ہے سیزرین کیس تھا اس کی حالت بہت خراب ہے تم پلیز ذرا دیر کے لیے چلو میں اشرف (ڈرائیور) کو ساتھ لے جانا نہیں چاہ رہی تم سمجھ رہے ہو نا؟" وہ پیشانی میں انگلیاں چٹخا رہی تھیں۔

"بچی! ایک دم چاروں طرف سے لوہے کے تھپیڑے جھلسانے لگے ایک معصوم بچی پھر ایک لڑکی پھر ایک دوشیزہ اور دلہن سنبھالتی ہوئی پھر.....؟ پھر.....؟ پھر.....؟

وہ کاٹن کی شکن آلود شلوار قمیص پہنے ہوئے تھا اندر کے طوفان کو چھپائے وہ سائیڈ ٹیبل کی طرف مڑا۔ دراز کھولی۔ گاڑی کی چابی نکالی۔ "آ جائیں۔"

"تمہارے ڈیڈی کو بتا دیا ہے کہ مون کے ساتھ اپنی دوست کے گھر جا رہی ہوں ضروری کام ہے اتنی رات گئے ڈرائیور کے ساتھ جاتی تو وہ سوال کر کے عاجز کر دیتے مرد کے ساتھ زندگی گزارنا آسان بات نہیں کسی کی تلاش کا ہو بس مردی ہوتا ہے۔ بیٹے کے ساتھ پھر بھی مارجن رہتا ہے یہی دیکھو کہ کانفیڈنشل تمہیں پتا ہے مگر تمہارے باپ کو نہیں۔ بیچارے کو تو صبح چلی جاتی مگر ڈاکٹر نے جو اس

کی حالت نازک ہے خدانخواستہ کچھ بھی ہو سکتا ہے پھر بچی کو کسی ٹھکانے پر پہنچانے کا مسئلہ ہوگا۔" وہ زینہ اترتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

وہ ان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

"ٹھکانے پر؟ میں سمجھا نہیں ممی!" وہ چونک پڑا۔

"بھئی اللہ نہ کرے، خدانخواستہ ماں زندہ نہ رہی تو بچی کی پرورش کا بندوبست بھی تو کرنا ہے انسان کا بچہ ہے بلکہ اپنا بچہ ہے سمندر میں تو پھینکنے سے رہے حالانکہ اس طرح کے کیسز میں عموماً لوگ اسی طرح کرتے ہیں مگر بھئی پتا نہیں کس طرح کر لیتے ہیں اللہ کی پناہ...... ایک جیتا جاگتا...... بے قصور، بے گناہ وجود پھر اپنا لہو۔ اسی دنیا میں لوگ اولاد کے لیے کس طرح ترستے ہیں دین ایمان تک برباد کر لیتے ہیں۔" اس کی ماں کے ساتھ جو کچھ ہوا تب ہی ہوتا ہے جب بچی بے دھیانی میں یہاں وہاں پل رہی ہوتی ہے۔"

مون کے اعصاب جھنجھنانے لگے۔ بچی...... کتنی پیاری نعمت...... کیسا اچھا تحفہ، دیکھنے سے آنکھوں کو ٹھنڈک۔ سوچنے سے خوشی محبت خدمت اور اپنائیت کا کامل سرمایا لیکن اس صورت حال میں؟

اگر وہ زندہ بھی رہی تو کیا اس کی بیٹی وہ پالے گی غربت کے تھپیڑوں سے ہلکان۔ علم و آگہی سے دور جہالت کے اندھیروں میں چکراتی۔ ضمیر و عصمت کے معنوں سے نا آشنا اس کی گود میں آ پائی گا۔۔۔ گناہ کے بعد سزا کا سلسلہ اتنی جلدی شروع ہو چکا

وہ تھکے تھکے انداز میں چلتا ہوا گاڑی تک پہنچا۔ پہلے شاہانہ کو دروازہ کھول کر بٹھایا اور پھر گیٹ کے پٹ وا کیے گاڑی باہر نکالی پھر گاڑی سے باہر آ کر گیٹ بند کیا واپس آ کر شاہانہ سے روٹ کنفرم کیا اور گاڑی روڈ پر ڈال دی رات کا وقت تھا ٹریفک کم تھا اس لیے گاڑی کی اسپیڈ زیادہ تھی۔

"دعا تو یہی ہے کہ اللہ اسے زندگی دے ورنہ بچی کا مسئلہ ہو جائے گا اس کی ماں تو شاید دو تین مہینے میں نہاتی ہے اتنی گندی عورت کے پاس تو بچہ آئے دن بیمار ہی رہے گا پھر ان لوگوں کا کیا بھروسہ بچی کو لے کر کہیں رفو چکر ہو جائیں ذرا سا قد نکالے تو اسے بھی کسی کوٹھی میں چھوڑ آئیں وہ سو تین سو کے لالچ میں جس نے تو میری زندگی عذاب کر کے رکھ دی ہے۔" شاہانہ نے سر تھام لیا۔

مون کا ذہن بہت بے کنار استوں پر گامزن تھا شاہانہ کا ایک ایک لفظ ایک ضرب کی طرح دماغ پر لگتا تھا اس کی اپنی بچی کسی کوٹھی کی چاکر گندے سے جاہل لوگ اس کے رکھیل اذیت کے ان لمحوں میں شدت سے جی چاہا کوئی کہہ دے کہ وہ اس کی بچی نہیں

"اتنی تیز ڈرائیو بھی نہیں کرو۔ ہاسپٹل یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔" اسے اسپیڈ بڑھاتے دیکھ کر شاہانہ نے ٹوکا۔

دس منٹ کی ڈرائیو بھی مشکل سے اس نے گاڑی پارک کی تو شاہانہ بہت تیزی سے گاڑی سے باہر آئیں اور اسی تیزی سے اندر کی طرف قدم بڑھائے

"جسٹ اے منٹ ممی! میں آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔" اس نے گاڑی لاک کرتے ہوئے شاہانہ کو قدرے بلند آواز میں آگے بڑھنے سے روکا۔

شاہانہ رک تو گئیں مگر یوں گویا رکنا شاق گزر رہا ہو وہ گاڑی لاک کر کے تیز تیز قدم بڑھاتا ان کے قریب پہنچا

"وہ مجھے روم وغیرہ تو کنفرم نہیں ہے ناں ہو سکتا ہے کسی میڈیسن وغیرہ کی ضرورت ہو۔"

اس نے ساتھ جانے کے سلسلے میں وضاحت کی جو شاید شاہانہ نے سنی بھی نہیں انہیں بس اندر جانے کی جلدی تھی۔

وہ اندر داخل ہو کر لفٹ کی طرف بڑھی تھیں وہ اس کے ساتھ لفٹ میں داخل ہو گیا اور بٹن کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے شاہانہ کی طرف دیکھا۔

"کون سا فلور ممی؟"

"سیکنڈ فلور پر او۔ٹی (آپریشن تھیٹر) ہے میرا خیال ہے وہ وہیں آئی۔سی۔یو میں ہوگی۔"

اس نے سیکنڈ فلور کے لیے بٹن دبا دیا چند سیکنڈ میں وہ سیکنڈ فلور پر تھے شاہانہ ریسپشن کی طرف بڑھیں ڈاکٹر فرح کے ملنے کی جگہ دریافت کی۔ ریسپشنسٹ نے ایک طرف اشارا کیا۔

شاہانہ اور مون اس طرف بڑھ گئے سامنے آفس ٹائپ کے کمرے میں ڈاکٹر فرح دوسرے ڈیوٹی ڈاکٹرز کے ساتھ موجود تھیں۔ شاہانہ پر نظر پڑتے ہی اپنی چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئیں سلام و خیریت کا تبادلہ ہوا۔

"مول کے ساتھ وہ گندی سی عورت کیا اس کی ماں ہے مسز شاہانہ؟ کوئی لوا اٹینڈنٹ نہیں ہے۔ بڑی مشکل ہوئی بھئی۔ اس عورت کو تو میں نے بچی تھما دی ایک سسٹر کی ڈیوٹی آف ہوئی تو میں نے اسے روک لیا۔ بچی اس کے پاس ہے بلاتی ہوں۔"

وہ کھٹ کھٹ کرتی باہر نکل گئیں۔ شاہانہ اور مون دیوار کے ساتھ لگی کرسیوں پر بیٹھ گئے دونوں اپنی اپنی سوچوں میں محو تھے اتنی گہری سوچوں میں کہ ڈاکٹر کی آواز پر بری طرح چونک پڑے۔

"شہناز! بے بی ان کو دے دو۔"

نرس نے آگے بڑھ کر پنک تولیے میں لپٹی بچی شاہانہ کی طرف بڑھا دی۔

شاہانہ نے بڑی بے تابی سے بچی کو تھاما تھا اور مون نے کن انکھیوں سے بچی کی طرف دیکھا تھا۔

"ہائے گاڈ۔ ماشا، اللہ کتنی پیاری ہے میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ بچہ اتنا خوبصورت ہوگا مون۔۔۔ دیکھو تو۔" شاہانہ یوں بے ساختگی سے بولیں جیسے بڑے ارمانوں کے بعد دادی بنی ہوں۔

مون جیسے کسی اجازت کا منتظر تھا اس نے گردن موڑ کر بہت غور سے بچی کو دیکھنا شروع کر دیا تھا اس کا جی چاہا کہ بچی کو گود میں لے کر ایک بوسہ اس کی پیشانی پر دے انسان اپنی اولاد کو سامنے پا کر کیا کچھ محسوس کر سکتا ہے وہ اس تجربے سے انجانے میں گزر رہا تھا۔

"وہ جو مول کے ساتھ عورت تھی وہ کہاں ہے ڈاکٹر؟" شاہانہ نے بچی پر سے نظریں ہٹائے بغیر ڈاکٹر فرح سے پوچھا

"میرا خیال ہے نیچے لان میں ہوگی وہ بچی کو ساتھ لے جانے کے لیے کہہ رہی تھی مگر میں نے کہہ دیا کہ تمہاری مالکن آ جائیں تو ان سے لے لینا۔ ہمیں اجازت نہیں ہے۔

بریوں جب آپ اسے ایڈمٹ کرا کر گئی تھیں تو میرا اندازہ تھا کہ کیس نارمل ہوگا لیکن ماں میں نہ کوئی ول (will) تھی نہ اسپرٹ اور ماں کے تعاون کے بغیر نارمل کیس آسان نہیں ہوتا مجبوراً ہمیں سیزر کرنا پڑا۔

حالانکہ اس میں ہمیں بہت سی قانونی پیچیدگیوں کا سامنا تھا لیکن آپ کی خاطر ہمیں بہت کچھ کرنا پڑا۔ ورنہ تو شاید ماں اور بچہ دونوں ہی۔۔۔" ڈاکٹر فرح نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"مجھے احساس ہے کہ آپ نے کتنا تعاون میرے ساتھ کیا ہے اس کے لیے لفظ شکریہ بہت تھوڑا بہت چھوٹا ہے۔ مول کی اب کیا حالت ہے؟ خطرے سے باہر ہے؟" شاہانہ نے پوچھا۔

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے حالت تو اس کی سیریس ہی ہے خدا کرے اس بچی کی لک سے وہ بچ جائے جو کیئر بہر حال ایک ماں کر سکتی ہے وہ کوئی دوسری عورت نہیں کر سکتی۔" ڈاکٹر فرح نے جواب دیا۔

"پرابلم کیا ہے؟" شاہانہ نے پوچھا۔

"بلڈ کی بہت کمی ہوگئی ہے بہت سے ہے ہیں دعا کریں۔"

"اصل میں اس کی ایج بھی بہت کم ہے۔ ایسی صورت حال میں کامپلیکیشنز ہو جاتی ہیں بہت کمزور ہے لگتا ہے پریگننسی پیریڈ میں اس نے ڈائٹ وغیرہ بھی پراپر نہیں لی۔
بچی کا سامان کہاں ہے بیگم صاحبہ کو لا کر دو۔
بچی کو جو دودھ دینا ہے وہ میں لکھ دیتی ہوں آپ لے لیں۔ ٹھیک ہے آپ ایک منٹ کے لیے میرے ساتھ آئیں۔"
ڈاکٹر فرح نے شاہانہ سے کہا۔

"مون! بے بی کو لینا میں آتی ہوں انہوں نے بچی مون کی گود میں ڈال دی اور خود ڈاکٹر کے ساتھ باہر نکل گئیں۔
اب مون بغور بچی کا جائزہ لے رہا تھا جو آنکھیں بند کیے جانے کن خوابوں کی وادیوں میں سیر کناں تھی چھوٹی سی ابھرتی ہوئی ناک چھوٹا سا دہانہ سرخ ہونٹ گول چہرہ۔ جانے احساس کے کس لمحے اس نے بچی کی پیشانی کو ہلکے سے چوم لی اور جیسے اپنے وجود پر کہیں بوسہ لیا۔
زندگی میں شاید ہوش میں پہلی بار اس کی آنکھوں سے دو قطرے پھسل کر بچی کے چہرے پر گر پڑے۔
بیٹی تو ذمہ داری کا دوسرا نام ہے۔
کون بنے گا اس کا ذمہ دار کون بن سکتا ہے۔
باپ تحفظ کا نشان ہوتا ہے۔
وہ سائبان کہاں سے لائے؟
کیسا باپ ہے وہ سنگلاخ چٹانوں کے بیچ بیٹی کو سر پھوڑنے کو لا پٹخا ہے جو چور راستوں سے باپ بنتے ہیں وہ باپ ہوتے ہیں یا انسانی پیراہن میں درندے یہی ہے اس کی اصلیت اور یہی اس کا تعارف۔

☆☆☆☆☆

"یہ نہیں ہو سکتا۔ میں اس سیٹ سے دستبردار نہیں کروں گا۔ جس پر ہوتے ہوئے قانون میرے ہی ساتھ مذاق کر رہا ہے۔"
مظاہر برہم ہو کر کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
"ایک اکیلے آپ کے سیٹ چھوڑ دینے سے کیا اس ملک میں قانون کی بالادستی قائم ہو جائے گی ہم نے آپ کو پہلے ہی سمجھایا تھا کہ ہمارے معاملے میں ٹانگ نہ اڑائیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ مگر آپ ہماری بات ہی نہیں سن رہے تھے۔" پشت سے پاشا کی آواز آئی تھی۔
مظاہر اسی برہم انداز میں پلٹے۔ "میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں منہاج حسین پاشا! آپ کو زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔"
"اجی۔ ہم کہاں خوش ہیں ابھی تو ہماری امانت آپ کی کسٹڈی میں ہے آپ اسے حق داروں کو واپس کر دیں تو ہم شہر میں لڈو بانٹیں۔" وہ تمسخرانہ کہہ رہا تھا۔
"ہم پرانی چالیں نہ آزمائیں جس اسکول میں آپ پڑھتے ہیں ہم وہاں پڑھاتے ہیں۔" مظاہر بھنا کر بولے۔
"تو پھر تو آپ کو اپنے شاگردوں کی صلاحیتوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہوگا۔ بڑی خوشی ہوئی اپنے محترم و فاضل استاد سے مل کر۔" پاشا نے پینٹ کی جیب سے ہاتھ نکال کر ان کی طرف بڑھایا جسے مظاہر نے نظر انداز کر دیا۔
"ذرا باہر کی تازہ ہوا کھائیں پھر آپ سے تفصیل سے بات کرتے ہیں آپ نے تو گھٹن میں مروا دیا۔ امید ہے کہ آپ

بہت عزت کے ساتھ ہماری امانت ہمیں لوٹا دیں گے۔" پاشا نے مزید کہا۔
"شٹ اپ۔ کوئی ہوشیاری نہیں چلے گی۔"
"آپ تو ہمیں ڈانٹتے ہی رہتے ہیں حالانکہ برادران لاء کی بہر حال کوئی عزت ہوتی ہے ہمیں دیکھیے۔ کتنی عزت کرتے ہیں آپ کی آپ شاید یہ سمجھتے ہوں گے کہ آپ کی سیٹ کی عزت کرتے ہیں حالانکہ ایسی سیٹ کی کیا عزت کریں جو آپ کے بھی کسی کام کی نہیں۔"
"اتنی جلدی کسی نتیجے پر نہ پہنچیں۔ تھوڑا انتظار کریں۔" مظاہر نے بھی اس کی بات کاٹ کر تمسخرانہ کہا۔
"اب انتظار وغیرہ کے مزے آپ لوٹیں۔ ہمارا کام تو فائنل ہو چکا۔ مسٹر اے ایس پی! ہمیں اجازت ہے؟ آپ ذرا ہمارے بھائی کو سمجھائیں کہ اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں اور بھائی صاحب! آپ سے بھی صبح آپ کے گھر ملاقات ہوگی رخصتی وغیرہ کی تاریخ تو آپ ہی دیں گے۔"
"میرے گھر میں قدم رکھنے کی ضرورت نہیں یہ ڈرامہ یہیں ختم کرو۔ بقول تمہارے تم تو نکاح کر چکے ہو جب ایک سب سے بڑا مرحلہ طے ہو چکا تو اسے چھپانے کا مطلب؟" مظاہر نے پھنکار کر کہا۔
"یہی سوال حضرت سے میرا ہے میری منکوحہ کو حبس بے جا میں رکھنے کا مطلب؟"
"اسٹوپڈ... بیہودہ۔" مظاہر نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر پاشا کی طرف سے مکمل پشت کر لی۔
"خیر کھلی ہوا کے بڑے فوائد ہیں ابھی باہر نکلیں گے تازہ ہوا دماغ کو لگے گی۔ تو بڑی تدبیریں سوجھیں گی آپ بھی تھوڑی سی چہل قدمی کیجیے گا۔" پاشا نے مظاہر کو مشورہ دیا۔
"ویسے اتنے دن ہو گئے اس نے آپ کو تفصیلات نہیں بتائیں آپ نے اس کے ہاتھوں کی مہندی دیکھ کر اس سے کچھ پوچھا نہیں؟ آپ پوچھیں تو سہی وہ بتا دے گی سب آنکھیلی۔"
پاشا نے مسکرا کر کہا جان جلانے والی مسکراہٹ تھی مظاہر کو یوں لگا جیسے ان کے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی اے ایس پی بالکل خاموشی سے ان کے مکالمے سن رہا تھا اسے دونوں کے مابین اپنے بولنے کی گنجائش نظر نہیں آ رہی تھی۔ واقعی مظاہر کی بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جب پاشا اس سے نکاح کر چکا ہے تو اسے کیوں چھپا رہا ہے اور الٹا ان پر الزام کیوں لگا رہا ہے؟
"تو پھر بھائی صاحب! ٹھیک ہے صبح ملاقات ہوگی۔ زیادہ تکلف مت کیجیے گا میری والدہ میرے ساتھ آئیں گی میرے حساب سے آپ بہت سمجھدار بندے ہیں ظاہر ہے اس سیٹ تک اتنی کم عمری میں اپروچ کرنے والا بندہ عام دماغ والا تو نہیں ہو سکتا۔ مینگلس صاحب! آپ نے ہمارا بہت خیال کیا۔ اس لیے ہم بھی آپ کا خیال کریں گے فکر نہ کیجیے گا۔
اس نے مظاہر کے سامنے اے ایس پی کو اچھا خاصا بدحواس کر دیا۔
"میں آپ کے سامنے وارن کر رہا ہوں میرے گھر کے سامنے سے بھی گزرے تو بہت برا ہوگا۔" مظاہر نے خبردار کیا۔
"ابھی سرکار! ہمارا تو جی چاہ رہا ہے آپ کے سامنے والی کوٹھی خرید لیں۔ تاکہ ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہا کریں آخر رشتے داری کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔" اس نے اپنے ریشمی اسکارف کو جھٹکا دے کر دونوں طرف سے برابر کیا۔
"خدا حافظ" زور دار کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا آفس سے باہر نکل گیا۔
"تو یہ خدمات انجام دے رہے ہیں آپ لوگ۔" مظاہر نے اپنا بریف کیس اٹھا کر اے ایس پی سے کہا۔
"بدگمان نہ ہوں سائیں! ہم تو بہت معمولی سے پرزے ہیں ہاتھ بندھے ہوئے ہوتے ہیں ہمارے۔ یہ تو سارا اوپر

والوں کا کھیل ہے ہم نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کہ اس کیس میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے سوچ لیں یہ بندہ ادھر آتا جاتا رہتا ہے۔" ایس پی نے عاجزانہ انداز میں کہا۔

"دیکھ لوں گا او پر والوں کا کھیل۔ خدا حافظ۔ جلد ملیں گے وہ اپنا بریف کیس تھامے باہر چلے گئے۔

اے ایس پی ہونٹوں پر ہاتھ رکھے انہیں جاتا ہوا دیکھ رہا تھا اور کسی سوچ میں گم تھا۔

☆☆☆

گہری نیند جانے کس درمیان میں ٹوٹی تھیں وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کمرے میں نظر دوڑانے لگی جیسے کچھ سمجھ نہ پا رہی ہو چٹائی پر استانی عائشہ رکوع کی حالت میں نظر آ گئیں۔ وہ پلنگ سے نیچے اتر آئی نہایت شدید پیاس لگ رہی تھی اس نے برابر میز پر رکھا شیشے کا گلاس اٹھایا اور پانی کی تلاش میں کمرے سے باہر آ گئی صحن میں ادھر ادھر نظر دوڑائی تو کونے میں گھڑا نظر آ گیا۔ گھڑے پر ململ کا کپڑا پڑا ہوا تھا اس نے کپڑا اٹھایا تو پانی نکالنے والا برتن موجود تھا وہ وہیں اکڑوں بیٹھ گئی اور پانی نکال کر پینے لگی۔ دو گلاس ٹھنڈا پانی پی کر صحن کی ٹھنڈی ہوا کھا کر جیسے حواس گہری نیند سے جاگ گئے۔

"اٹھ گئیں؟ میں نے پہلے سوچا تمہیں کھانا کھانے کے لیے اٹھا دوں مگر تمہاری نیند اتنی گہری تھی کہ ترس آ گیا ایسا لگ رہا تھا جیسے تم کئی رات بعد سوئی ہو بالکل مزدوروں والی نیند تھی میں بھی لیٹ گئی تھی ویسے تو تین بجے اٹھ جاتی ہوں آج میری آنکھ بھی دیر سے کھلی۔ چار بجنے والے ہیں بھوک نہیں لگی؟"۔

عقب سے استانی عائشہ کی آواز آئی وہ چونک پڑی۔

"آپ نے کھانا کھا لیا؟"

"نہیں سوچا تھا کہ شاید تم اٹھ جاؤ تو ساتھ ہی کھا لیں گے میں کھانا گرم کرتی ہوں تم ہاتھ منہ دھو لو سامنے غسل خانہ ہے تولیہ سامنے رسی پر پڑا ہے۔"

وہ یہ کہہ کر کھانا گرم کرنے ایک کونے میں چلی گئیں جو عارضی قسم کا باورچی خانہ نظر آ رہا تھا اور صرف ایک چھوٹا سا چھپر پڑا ہوا تھا ایک پیڑھی ایک اسٹوو۔ لکڑی کی پھٹوں والی ٹوکری پر چند برتن ان پر بھی کپڑا پڑا ہوا تھا وہ غسل خانہ میں چلی گئی پانی کی چھوٹی سی ٹنکی وہاں موجود تھی اس نے صابن تلاش کیا صحن کی روشنی سے غسل خانہ بھی فیض یاب تھا اگرچہ روشنی بہت مدھم تھی صابن دانی اسے ٹنکی پر رکھی نظر آ گئی۔

اس نے اچھی طرح منہ ہاتھ دھویا باہر آ کر منہ پونچھتے ہوئے سامنے نظر گئی تو استانی عائشہ نظر آئیں جا بابو کھانا لے کر کمرے میں جا چکی تھیں۔ اس نے تولیہ واپس رسی پر پھیلایا اور کمرے میں آ گئی۔ استانی عائشہ چٹائی پر چھوٹا سا پلاسٹک کا دسترخوان بچھائے کھانا رکھے اس کی منتظر تھیں۔

وہ چپل اتار کر ان کے مقابل بیٹھ گئی بھوک بہت شدت سے محسوس ہوئی۔ کئی دن سے تو جیسے بھوک کا احساس ہی ختم ہو چکا تھا شاید اس چھوٹے سے گھر میں پھیلے ہوئے سکون و آشتی کا کمال تھا کہ اس کی تمام حسیات جاگ پڑی تھیں اس پر استانی عائشہ کا مشفق و حلیم انداز گفتگو ابھی تک انہوں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا کوئی کھوج نہیں کی تھی۔

"بسم اللہ کرو بیٹی اوا نے والے پر مہربانی ہے یہ تمہارے حصے کا رزق ہے دل سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو جو پتھر میں چھپے ہوئے کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے۔"

اور واقعی اس نے دل سے کھایا۔ یوں کہ سیر ہو گئی۔ ذہن بالکل پرسکون تھا دنیا کی ہر فکر سے آزاد جیسے وہ کسی بہشت میں تھی

چھوٹا سا کچا پکا گھر ایک نعمت خانہ تھا جہاں کوئی بد مزگی اور مایوسی کی بات نہیں تھی۔

غم زمانہ کے تذکرے نہیں تھے نفرتوں کی کہانیاں نہیں تھیں۔ سودے بازی کی چالیں نہیں تھیں۔ معاشی تفکرات کے سائے نہیں تھے۔ سادگی اور محبت کے سہارے آرام تھے۔

"کھانا کھا کر تم اور نیند لے لینا۔ نماز کے لیے تمہیں اٹھا دوں گی استانی عائشہ نے کہا۔

"آپ کہاں سوئیں گی؟" اسے اچانک دھیان آیا کمرے میں تو ایک ہی پلنگ تھا۔

"میں سو چکی۔ اب نہیں سوؤں گی میری صبح ہو چکی۔" وہ سندھی لہجے میں بہت شستہ اردو بولتی تھیں۔

"پھر کیا کریں گی؟" وہ حیران ہوئی۔

"بوجھ اتاروں گی۔ باتیں کروں گی۔ باتیں سنوں گی۔ تھوڑی سی ڈانٹ سنوں گی۔ تھوڑی سی معافی مانگوں گی۔ پاؤں چھوؤں گی۔ پھر وہ مان جائیں گے اور میرے دن بھر کے کام ہلکے ہو جائیں گے۔"

وہ نوالہ توڑتے ہوئے روانی سے کہہ رہی تھیں اور ماہ نور نوالہ ہاتھ میں پکڑے حق دق ان کی صورت دیکھ رہی تھی۔

"کک...... کون مان جائیں گے؟" اسے تو ان کے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہیں آیا ادھر

"کس کی بات کر رہی ہیں خالہ جان۔ میں کچھ نہیں کون مان جائیں گے؟"

"وہی جو میرے سب کچھ ہیں وہی جن کا سب کچھ ہے۔" اسے وہ اس لمحے غیر متوازن دکھائی دیں وہ میرے دھیرے مسکراتی کسی دھیان میں گم اسے تھوڑا سا خوف محسوس ہوا۔ مگر وہ مصلحتاً خاموش رہی۔

"تم میری باتوں سے پریشان نہ ہونا بندہ عرصے سے تنہائی میں ہو تو الگ دنیا بسا لیتا ہے اس دنیا میں بھی رونق ہوتی ہے بلکہ اس دنیا میں رونق ہوتی ہے یہاں بھی بڑے کام ہوتے ہیں بڑی مصروفیات ہوتی ہیں بڑی چہل پہل ہوتی ہے ایک آ رہا ہے جا رہا ہے بڑی اچھی اچھی باتیں ہوتی ہیں ساری سچی باتیں ہوتی ہے یہاں جھوٹ بہانوں کی دوکان نہیں چلتی۔ جھوٹے خریدار آتے ہیں تو سچے دکاندار دوکان بڑھا لیتے ہیں بیٹی! جب آس پاس پرندہ پر مارتا نظر نہ آئے تو غور کرنا چاہیے۔ غور کرتے ہی محفل گرم ہو جاتی ہے تم ٹھیک سے کھاؤ۔ تکلف کرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ جیسے کہیں سے واپس آ گئیں۔

"جی...... جی...... میں کھا رہی ہوں۔" وہ بھی ہڑبڑا کر چونکی اسے لمحے بھر کو استانی عائشہ سے نامعلوم سا خوف محسوس ہوا ان کا عجب پراسرار اور جدا سا انداز تھا۔

"یہ پلاؤ ٹھیک سے گرم نہیں ہوا۔ ٹھہرو میں گرم کر لاتی ہوں۔ وہ پلیٹ اٹھانے لگیں۔

"نہیں بس ٹھیک ہے ٹھنڈا بھی نہیں ہے آپ بیٹھیں۔ اس نے انہیں اٹھنے سے روکا۔

اس کے بعد انہوں نے خاموشی سے کھانا ختم کیا۔

"آپ اپنا کام کر لیجئے۔ میں یہ برتن دھو کر رکھ دیتی ہوں۔" اس نے برتن سمیٹے۔

"ابھی تمہیں کچھ ادھر کا کام کا انداز نہیں۔ درست کی بات ہے تم ہاتھ دھو کر آرام کرو۔" وہ برتن اور دسترخوان لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆☆☆

پچیس تیس جوڑا کپڑا اتو رکھا ہوا ہے۔ ان میں سے دیکھ لو کام کروانے کے لیے دھیان رکھنا۔ عارفہ کے سامنے شادی بیاہ کی باتیں خاص طور پر نہ ہوں۔ ابھی غم تازہ ہے ہمارے اپنے جی کو بھی اچھا تو نہیں لگ رہا مگر یہ بھی فرض ہے ادا تو کرنا ہے کل

کو کسی کا رشتہ طے ہو جاتا تو بیاہ تو ہونا ہی تھا۔ بیٹیاں بٹھانے کے لیے تو نہیں ہوتیں، وقت سے بیاہنا تو پڑے گا۔"

وہ تانیہ سے مخاطب تھیں، سامنے بڑی اماں اور چاند نے سب کچھ بتا دیا تھا۔

"جی بڑی اماں! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ دکھ تو دکھ ہوتا ہے سہنا پڑتا ہے اور بہت سے ضروری کام بھی ساتھ ساتھ کرنا پڑتے ہیں جنہیں وقتی طور پر اگر روک بھی لیا جائے تو دکھ کا احساس پھر بھی مدھم نہیں پڑتا۔"

"اب ذرا حساب کتاب سے ان سے بات کروں گی کہ مہندی وغیرہ پر بلا وجہ کا ہنگامہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک ہی بچی ہے بہت ارمان تھے بھائیوں کو بھی ہوں گے۔ مگر اب جو حالات ہیں وہ انہیں بھی دیکھنا ہے۔" وہ ایک سرد آہ بھر کر بولیں۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بڑی اماں! رشتہ بھی تو بہت قریب کا ہے۔" تانیہ نے کہا۔

"آپ نے اتنے سارے کپڑے کیسے جمع کر لیے؟ کیا شاپنگ وغیرہ پر جاتی رہتی ہیں؟ پچیس تیس جوڑا کپڑا گھر میں ہو معمولی بات تو نہیں۔" تانیہ نے پوچھا۔

"بس۔ یہی کرتی تھی کہ جو چاند نے بھیج دیے اٹھا کر رکھ دیے۔ لڑکے دوسرے شہروں کام سے گئے بہن کے لیے تحفے لے آئے اٹھا کر رکھ دیے۔ یہ تو بہت روتی تھی سلوانے کے لیے۔ جب سمجھا دیتی تھی کہ بلا ضرورت کپڑا سلوانے کا کیا فائدہ تمہارے ہی ہیں اپنے بیاہ پر پہن لینا۔ اس طرح جمع ہو گئے۔ میں بازار وازار کہاں جاتی ہوں۔ نہ فرصت ہے نہ عادت۔"

بڑی اماں نے تفصیل سے بتایا۔

"لونگ سیٹ زیور کے بھی بنے رکھے ہیں۔ دیکھ لینا زیادہ وزن کے تو نہیں۔ ایک بھاری سیٹ اور بنوا لیں گے، بہت رہے گا۔"

"جی۔ پھوپھا ڈیاں بھی تو بلا رہی ہوں گی بڑی اماں۔" تانیہ نے دھیان دلایا۔

"ہاں۔ وہاں ایک ساس سسر اور ایک دیور ہی تو ہے۔ کپڑے وغیرہ ہو جائیں گے۔ ساس کیلئے ایک جوڑی کپڑے خرید لانا وہ ساڑھیاں پہنتی ہیں نہ زیادہ۔ کوئی اچھی قیمتی ساڑھی لے لینا۔ فہرست بنا لو۔ چاند کے ساتھ جا کر لے آنا اور بازار کے کام تو تم ہی کو سنبھالنا ہیں جو یاد آتا رہے لکھتی رہو۔" وہ بولیں۔ اسی آن عارفہ لاؤنج میں داخل ہوئیں۔

"آؤ عارفہ! کہاں تھیں اتنی دیر سے نظر ہی نہیں پڑیں۔" بڑی اماں ایک دم سنبھل کر بولیں۔

"بس۔ کچن میں تھی بڑی اماں۔ "ان" کے لیے سوپ بنا رہی تھی۔" وہ ماں کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"اصل میں اس وقت تو میں آپ سے اجازت لینے آئی ہوں بس آپ ہمیں اب گھر جانے کی اجازت دیں۔

بہت دن ہو گئے اور جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ مر بھر کے ڈر خوف ختم ہو گئے اب تو رہزن کو دعا ہے مر کا ٹا ہے کچھ نہیں رہا بچے کہ چوری کے دھڑ کے سے نیندیں اچاٹ ہوں خوف چلے گئے ہیں صبر بھی آ جائے گا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھیں۔ بڑی اماں نے عارفہ کو گلے سے لگا لیا۔

"گھر تو تمہیں ایک دن جانا ہی ہے اللہ تمہارے گھر کو آباد رکھے۔ وہاں اکیلے میں بیٹھی کچھ سے کچھ سوچتی رہو گی۔ طبیعت پریشان ہو گی۔ یہاں ماشاءاللہ سب ہیں کچھ دن اور رہو۔ تھوڑی طبیعت سنبھل جائے طاہر علی کی چل جاتا۔" انہوں نے محبت سے عارفہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"اب ان کی طبیعت پہلے سے بہتر ہے بچے ان کے علاج معالجے پر بہت توجہ دے رہے ہیں اچھے سے اچھے ڈاکٹر سے علاج کرا رہے ہیں بہت فرق پڑا ہے وہ خود کہتے ہیں کہ اب میں خود کو پہلے سے بہتر محسوس کرتا ہوں اللہ بچوں کے نصیب اچھے کرے انہوں نے برے وقت میں بہت ساتھ دیا آتی محبت سے دلجوئی کی جس کا صلہ نہیں دیا جا سکتا۔" عارفہ نے کہا۔

"آہ۔۔۔ ہا۔۔۔ ایسے میں جب کوئی بچوں کی تعریف کرتا ہے تو ایک خیال آتا ہے اور سینے میں ہوک سی اٹھتی ہے۔"

ان کی آنکھوں میں پانی اترنے لگا۔

"بڑی اماں۔۔۔ بڑی اماں۔۔۔ وہ۔۔۔ آپی والے پاشا آئے ہیں۔" ربا تقریباً دوڑتی ہوئی لاؤنج میں آئی تھیں۔ پھولے سانسوں کے درمیان بے ربط سے انداز میں بولی تھی۔

"اوئی! "بڑی اماں بوکھلا گئیں۔

"پاشا؟" عارفہ مضطرب سی کھڑی ہو گئیں۔

"اب وہ یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟" تانیہ بھی۔ "تمہارے چاند بھائی کہاں ہیں؟"

"چاند بھائی سو رہے ہیں اظہار بھائی چھت پر پانی کی ٹنکی صاف کر رہے ہیں مظہر بھائی گھر میں ہی تھے مگر نظر نہیں آ رہے۔ ابا جان کو فون کروں بڑی اماں؟" ربا نے بہت بدحواس ہو رہی تھی۔

"ارے بابا۔ فون کر کے بھی نہ دینا۔ اللہ ہم پر رحم کرے میں خود دیکھتی ہوں اپنے بھائیوں کو مت آنے دینا۔ ڈرائنگ روم میں کہنا بڑی اماں نے منع کیا ہے۔" بڑی اماں اٹھتے ہوئے بولیں۔ عارفہ بڑی تیزی سے لاؤنج سے باہر نکل گئی تھیں۔ بڑی اماں انہیں روکتی رہ گئیں مگر جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔

"بڑی اماں میں بھی چلوں آپ کے ساتھ؟" تانیہ نے گویا اجازت چاہی۔

"نہیں تم بس لڑکوں کو روکے رکھو۔ میں اسے باہر کر کے ابھی آتی ہوں۔" وہ خود کو سنبھالتی لاؤنج سے باہر نکل گئیں۔

ڈرائنگ روم میں پہنچیں تو عارفہ کو پاشا کے مقابل کھڑا پایا۔

"کہاں چھپا دیا ہے تم نے اس بدنصیب کو اور اب کیا لینے آئے ہو ہمارے پاس؟ کہیں تم نے اسے مار تو نہیں دیا کہ وہ تمہارے قابو میں آنے والی نہیں تھی اور تم انسان کے روپ میں درندے ہو اگر مار دیا ہے تو بتا دو۔ میں ہمیشہ کے لیے اسے رو کر چپ ہو جاؤں گی صبر آ جائے گا مجھے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

پاشا بڑی الجھن میں عارفہ کا لفظ لفظ سن رہا تھا بڑی اماں کو سامنے دیکھ کر یک دم سنبھلا اور سلام کیا جسے بڑی اماں نے غصے میں نظر انداز کر دیا۔

"میں آپ کی بات سمجھنے سے قاصر ہوں میں تو اسے آپ سے لینے آیا ہوں اگر آپ لوگوں کو واقعی اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں تو صرف ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ آپ مظاہر پر دباؤ ڈالیں۔ اگر وہ کہیں نہیں ہے تو پھر اس کی کسٹڈی میں ہے وہ مجھے اور آپ سب کو بے وقوف بنا رہا ہے وہ ڈی آئی اے سینٹر جاتا رہتا ہے کیا اسے بہت سے داؤ پیچ آتے ہوں گے وہ انہیں ہم سب پر آزما رہا ہے مگر آپ اسے سمجھائیے کہ کسی کی منکوحہ کو اپنی حراست میں رکھنا تو خود ایک بڑا جرم ہے اب تو اس پر کیس بن سکتا ہے۔" وہ ترش لہجے میں بہت زور دے کر کہہ رہا تھا۔

"شاباش بچے! یعنی نقصان بھی ہمارے اور سزائیں بھی ہمیں کو۔ شاباش ہے تمہیں ارے کن ماسٹروں سے پڑھا ہے تم نے؟" بڑی اماں بھڑک گئیں۔

"آپ میری بات کو سمجھ لیں۔ ماہ نور کہاں ہے اگر آپ لوگوں کو نہیں معلوم تو پھر صرف مظاہر کو معلوم ہے وہ بزدل سی لڑکی باہر کی دنیا میں نکل کر اپنے لیے کچھ کرنے کے قابل نہیں ہے۔" وہ چنگھاڑا۔

"ہاں وہ کسی قابل تو نہیں ہے مگر وہ عزت کی خاطر اپنی جان دینے کے قابل تو ہے ہو سکتا ہے وہ سب کچھ کر چکی ہو کہ اب

پیٹنے رہیں سب ات۔ "عارفہ سسکیاں نے کررونے لگیں۔ ایک لمحے کو پاشا کے ذہن میں جھٹکا کا ہوا اس طرف تو اس کا دھیان ہی نہیں آیا مگر فوراً ہی اس کا ذہن مظاہر کی طرف چلا گیا۔

اس پر بہت ٹرسٹ کرتی ہے اس نے پہلی فرصت میں مظاہر سے رابطہ کیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے وہ گھر والوں کے سامنے اس لیے نہ آئی ہو کہ میں سب سے پہلے اسی طرف ہی آؤں گا وہ میری قید میں تو مرنے کی کوشش کر سکتی ہے لیکن آزاد حالت میں وہ اپنے لیے راستہ ہی نکالے گی جب کہ مظاہر تک پہنچنے میں اسے کوئی مشکل نہیں ہے۔

اس نے خیالات کی دنیا سے باہر قدم رکھا اور بڑی اماں اور عارفہ کی طرف بہت غور سے دیکھا۔

"اب جبکہ سب کچھ ہو چکا تو تم نے اسے کہاں چھپا رکھا ہے اور کیوں؟" عارفہ نے اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر رفت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"آپ لوگوں کو ابھی یقین نہیں دلا سکتا۔ آپ لوگ مظاہر پر دباؤ ڈال کر پوچھیں۔ وہ شاید آپ کو بتا دے میں تو خیر اپنے طور پر معلوم کر ہی لوں گا۔"

"کیا مظاہر مظاہر کیے جا رہے ہو اور تو خود ڈھونڈتا پھر رہا ہے میرے بچے پر سارا بوجھ ڈال کر اپنی جان بچا رہے ہو تم تو کسی سے نہیں ڈرتے۔ پھر کیوں اسے چھپا رکھا ہے؟" بڑی اماں بگڑ گئیں۔

پاشا نے ایک لمحے کو بڑی اماں کی طرف دیکھا۔

"آپ سے تو بات چیت ہی بے کار ہے۔ جس وقت مظاہر گھر پر ہوگا، میں اس وقت آؤں گا۔"

"کوئی ضرورت نہیں اس گھر میں آئندہ قدم رکھنے کی۔" چاند کی برہم آواز ڈرائنگ روم میں گونجی۔

"آپ؟"

"میں مظاہر کا بڑا ہوتا ہوں۔" چاند اسی انداز میں گویا ہوئے۔

"یعنی آپ ان کے بھی 'بڑے' ہیں بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ کم از کم آپ تو اس نادان دوست کو سمجھا سکتے ہیں۔" وہ پھر دل جلانے کو مسکرایا۔

"ارے بیٹے! تم چھوڑو اس شیطان کے منہ لگنے کی ضرورت نہیں۔" بڑی اماں چاند کو ڈرائنگ روم میں دیکھ کر سہم گئی تھیں۔

"شیطان خود منہ لگ رہا ہو تو کیا کیجیے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اب آپ نے کس سلسلے میں زحمت کی؟"

چاند نے اسی موڈ میں سوال کیا۔

"زحمت تو آپ کے بھائی بہت دے رہے ہیں ہمیں۔ اسی لیے تو آپ سے کہہ رہے ہیں کہ انہیں سمجھائیں۔ سانپ نکل چکا ہے وہ بے کار لکیر پیٹ رہے ہیں اپنا بھی وقت ضائع کر رہے ہیں اور میرا بھی وہ اگر سیدھی طرح میری بیوی کو میرے حوالے نہیں کریں گے تو انہیں کورٹ میں آنا پڑے گا۔"

"زیادہ عقل مند بننے کی ضرورت نہیں اگر وہ تمہاری بیوی بن چکی ہے تو اسے تمہارے پاس ہونا چاہیے کوئی اتنا احمق نہیں کہ دوسرں کی بیوی کو جس بے جا میں رکھ کر اپنے لیے مسائل پیدا کرے، یہاں سب نے اس ایکسیڈنٹ کو قبول کیا اور برداشت کے عمل سے گزر رہے ہیں اب آپ کو کسی قسم کا ڈرامہ کرنے کے لیے یہاں آنے کی ضرورت نہیں ناؤ گیٹ آؤٹ فار ایور۔" چاند نے قدرے بلند آواز سے کہا۔

"جب تک وہ میرے گھر میں نہیں آ جاتی۔ یہ ڈرامہ تو روز ہوگا بڑی اماں! آپ بزرگ ہیں سمجھ دار ہیں انہیں سمجھا ئیے

کچھ ہوا تو پھر آپ مجھے نہ کہیے گا آج تو صرف بات کرنے کا سوڈ بنا کر آیا ہوں مگر آئندہ واقعی شرافت سے بات نہیں ہوگی آپ کے پوتے نے چھ دن ہمیں حوالات میں رکھ کر اپنا دل ٹھنڈا کر لیا حالانکہ ہمیں ہنسی آ رہی تھی بالکل ہی بچے ہیں آپ کے یہ مظاہر صاحب خیر ان کا یہ شوق بھی پورا ہوا۔ مگر اب ہماری باری ہے ہم چاہیں تو آج ہی انہیں اس لاک اپ میں بھجوا دیں جس سے نکل کر آئے ہیں مگر بہر حال لحاظ تو کرنا ہی پڑتا ہے وہ کیا مثل ہے کہ ایک طرف ساری خدائی ایک طرف جورو کا بھائی شاید وہ تو خود کو ہماری جورو کا بھائی نہیں مانتے صرف کزن مانتے ہیں جو کہ "ایکسکیوز" ہو سکتا ہے مگر نکاح کے بعد تو وہ پکے بھائی بند ہیں۔"

"شٹ اپ پلیز۔" چاند انتہائی برہم ہو گئے۔

"خیر۔۔۔ اب ہم چلتے ہیں بڑی اماں! پلیز مظاہر کو سمجھائیے وہ اپنے لیے مشکلات پیدا کر رہا ہے۔ خدا حافظ۔" وہ چاند کے پاس سے قدرے ترچھا ہو کر گزر گیا۔

"لو بتاؤ۔ یہ چھٹا پھر رہا ہے مظاہر تو کہہ رہا تھا کہ حوالات میں ہے۔" بڑی اماں نے قدرے حیرت سے چاند کی طرف دیکھا اس خیال سے کہ شاید حقیقت حال سے وہ واقف ہوں اور کچھ بول ہی پڑیں۔

"بڑی اماں! بہت احتیاط کی ضرورت ہے مجھے تو یہ بلیک میلر بھی لگتا ہے چاند کسی دھیان میں ڈوب کر کہہ رہے تھے۔

"اے میاں! اب کا ہے کی احتیاط۔ لٹ تو چکے اب کیا چھپائیں سالیں (سنبھالیں) وہ آزردگی سے بولیں۔

"میں تو خود الجھ گیا ہوں۔ یہ اور مظاہر ایک دوسرے پر الزام لگا رہے ہیں ایک سا۔ وہ کہتا ہے مظاہر کو ماہ نور کا پتا ہے۔ مظاہر کہہ رہا ہے اس نے ماہ نور کو کہیں انڈر گراؤنڈ کر دیا ہے آخر وہ ہے کہاں؟ جو کچھ اس کی والدہ نے بتایا مجھے اس پر بالکل بھی شک نہیں ہے وہ بہت سادہ سی بلکہ میرے نزدیک مظلوم خاتون ہیں ان کے بقول نکاح ہو چکا تھا اور پولیس ریڈ کے وقت وہ چھت پر سے پڑوسیوں کے ہاں گئی اور وہاں سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئی میں نے تو خاتون کی بات کا یقین کیا مگر مظاہر نہیں مانتا وہ کہہ رہا ہے کہ یہ محض کہانی ہے اتنی رات کو وہ باہر نکل ہی نہیں سکتی اسے پاشا نے کہیں اور ٹھکانے پر پہنچا دیا۔" چاند بہت الجھن میں تھے۔

"ارے جب نکاح ہو گیا تھا تو وہ کیوں نکلے گی گھر سے۔ اسے کیا پتا نہیں کہ وہ باقی سارے ٹھکانے کھو چکی اور وہ اسی کے پاس ہے اور یہ ہمیں پریشان کرنے کے لیے سارا ڈرامہ کر رہا ہے تاکہ ہم چین کا سانس نہ لے سکیں تم سمجھو۔" بڑی اماں نے بھی گویا زچ ہو کر کہا۔

"اماں! میرے دل میں دوسرے وہم آ رہے ہیں کہیں اس نے خودکشی نہ کر لی ہو خدانخواستہ۔ وہ میری بچی ہے اتنی آسانی سے وہ کسی بھیڑیے کو اپنا آپ سونپنے والی نہیں مجھے اتنا ہی پتا چل جائے کہ اب وہ دنیا میں نہیں۔۔۔ اس پر کم از کم دل کو صبر تو آ جائے گا۔"

☆☆☆☆
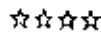
رات دو بجے کے قریب فون کی بیل ہوئی تھی مظاہر جاگ ہی رہے تھے انہوں نے ریسیور اٹھایا۔ کسی نے پہلے بھی ریسیور اٹھا لیا تھا اس لیے فون کرنے والے کی آواز بہت مدھم سنائی دے رہی تھی۔ لیکن یہ سمجھ میں آ گیا کہ کوئی مظاہر کا پوچھ رہا ہے۔

"ہیلو۔ میں فون اٹینڈ کر رہا ہوں آپ ریسیور رکھ دیں۔" انہوں نے نیچے سے ریسیور اٹھانے والے کو مخاطب کیا۔ ریسیور فوراً رکھ دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی فون کرنے والے کی آواز واضح ہو گئی۔

"اب کیا تکلیف ہو گئی جناب کو؟" پاشا کی آواز پہچان کر مظاہر کی پیشانی پر بل گئے۔

"کوئی تکلیف سی تکلیف ہے اور اس تکلیف کا علاج آپ جناب کے پاس ہی ہے وہ یہ سننے میں آیا ہے کہ گھر میں

خوشی کی کوئی تقریب ہونے والی ہے بڑی خوشی ہوئی سن کر آپ کی بہن آخر ہماری بھی بہن ہے ہم یوں بھی خوش ہونے والوں میں سے ہیں۔ لیکن پہلے آپ ہماری خوشی تو پوری کریں دیکھیں ناں یہ دنیا ہے ہی لین دین کا گورکھ دھندہ۔ ماشاءاللہ آپ سمجھدار قسم کے بندے ہیں اب اتنی رات کو کیا لمبی بات کریں۔ آپ کو بھی نیند آ رہی ہوگی۔ بہت محنت کرتے ہیں آپ...... اچھا...... شب بخیر...... ریسیور رکھ دیا گیا۔

مظاہر ایک ٹک سامنے دیوار کو تک رہے تھے۔ ریسیور ہنوز کان سے لگا ہوا تھا۔

نیا مرحلہ......؟ یہی ان کے ذہن میں فوری آیا تھا۔

اور یہ احساس بھی کہ سگی بہن کی باری میں احساسات پہلے مرحلے ہی میں شدید ہیں چھوٹی معصوم سی بہن جس کی زندگی کا اہم موڑ سامنے تھا...... دل کی کیفیت یوں تھی گویا کسی اتھاہ میں ڈوب رہا ہو۔

اگر وہ واقعی کچھ کر بیٹھا۔ تو اس کہانی کی انتہا کچھ اچھی نظر نہیں آ رہی وہ کیا کر سکتا ہے...... مگر وہ کچھ کرے گا کیوں ......اب اس کا کیا انٹرسٹ ہے؟ اب وہ ہم سے کیا چاہے گا...... اور یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ اب جبکہ ماہ نور اس کے پاس ہی ہے تو وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے؟ کیا انتقام کی آگ نے اس کا ذہن ماؤف کر رکھا ہے اتنی رات کو دھمکی دینے کا مطلب؟ نیند اڑ چکی تھی ......بس ایک دھمکی آمیز آواز سماعت کے پردوں سے بار بار ٹکرا رہی تھی۔

☆☆☆☆

"بیگم صاحبہ ہم نمک حرام نہیں ہیں اس کوٹھی میں برسوں گزار دیے کسی رات بھوکے نہیں سوئے کبھی ایسا نہ ہوا کہ موسم کا پھل نہ کھایا ہو آپ بے فکر رہیں اپنے خاوند کو بھی ہوا لگنے نہیں دوں گی یہ بچی روح تو دوسرے انسان کی روزی کا وسیلہ بن کے آئی ہے یقین مانیں میری آپا بہت پریشان ہے کتنی دفعہ بولی میرے لیے بھی اپنی کوٹھی میں کام دیکھ لے اپنی بیگم صاحبہ سے میرے لیے بات کر میں بولی۔ ہماری بیگم صاحبہ کوئی عورت ملازم نہیں رکھتیں ادھر سارے مرد نوکر ہیں پھر بھی کہتی رہی تو بات تو کرکے بتا کہ میں بہت مصیبت میں ہوں فاقے ہو رہے ہیں وہ تو بہت خوش ہوگی ساری عمر آپ کو دعائیں دے گی۔" ڈرائیور اشرف کی بیوی زرینہ نہال ہو رہی تھی۔

"یہ بچی کیا آپ کے قریبی رشتے داروں کی ہے بیگم صاحبہ وہ پوچھ رہی تھی سوال کی طرف تو اس کا ذہن بھی نہیں جا سکتا تھا کہ ایک نوکرانی کی ناجائز اولاد کو وہ کیوں پرورش کرنے لگیں۔

"سوال کوئی نہیں زرینہ جو کہا ہے وہ یاد رکھنا انیکسی میں جو چھت پر اکیلا کمرہ ہے وہاں بچی کا سب سامان پہنچ گیا ہے تیری بہن ادھر ہی رہے گی اسے خود بھی تاکید کر دینا کہ اندر کوٹھی میں پھیرا مارنے کی ضرورت نہیں اور نہ کسی سے بچی کا ذکر کرنے کی ضرورت ہے۔ سمجھ گئی ناں؟" شاہانہ نے تاکیدا کہا۔

"جی جی۔" زرینہ جلدی سے بولی۔

"کھانا پینا سب اس کا وہیں ہوگا سب رکھوا دے وہیں بل جایا کرے گا اس سے کہنا کپڑے صاف ستھرے پہنے اور بچی کا بھی خیال کرے کہ گندگی ذرا سی بھی نظر نہیں آنا چاہیے میں روز دیکھنے آؤں گی۔"

"میں آپا کو سب بتا دوں گی۔" زرینہ بولی۔

"اگر ان کے بچے وغیرہ ہیں تو بھی اسے پہلے ہی بتا دینا کہ انہیں ان کے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اگر اسے یہ سب منظور ہے تو ابھی لے آؤ۔ مجھے بچی کا فوری انتظام کرنا ہے رات بھر جاگی ہوں کبھی اپنے بچوں کے لیے اس طرح نہیں جاگی۔"

شاہانہ تھکے تھکے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"میں بچی سنبھال لیتی ہوں۔ آپ کچھ دیر سو جائیں۔ آپا کو اشرف بلا لائے گا میں اسے کہہ دیتی ہوں۔" زرینہ نے ہمدردی سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں سمجھا دیتی ہوں کہ اس کا دودھ کس طرح تیار کرنا ہے جب روئے تو دے دینا آؤ میرے ساتھ انیکسی میں اس کی سب چیزیں وہیں پہنچا دی ہیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

زرینہ بھی جو کارپٹ پر دھرنے کے انداز میں بیٹھی ہوئی تھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جب تمہاری بہن آ جائے تو مجھے اٹھا دینا۔"

"ٹھیک ہے۔" زرینہ ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے بولی۔

وہ باہر نکلیں تو سامنے سنی کار کی چابی اچھال کر جیسے کھیلتا ہوا آ رہا تھا۔ ماں کو دیکھ کر مسکرایا۔

"ہیلو ممی۔ آپ تو نظر ہی نہیں آتیں۔ ٹھیک تو ہیں نا؟"

"میں کیا تمہیں تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ بہت برائٹ فیوچر نظر آ رہا ہے تمہارا۔" وہ بہت تلخ لہجے میں بولیں۔

"بہت ناراض ہیں لیکن میں آپ سے پیسے تو نہیں مانگ رہا حال چال پوچھ رہا ہوں۔" وہ بہت شریر لہجے میں کہہ رہا تھا شاہانہ نے سلگتی نظروں سے اس کا خوش باش چہرہ دیکھا۔

"ہمارا حال چال بالکل ٹھیک ہے کیئر یور سیلف۔" وہ اسی طرح تلخی سے بولیں۔

"بہت ناراض نظر آ رہی ہیں؟ مگر کس بات پر۔ کالج ریگولر تو جا رہا ہوں اور بہت دنوں سے آپ سے کوئی ڈیمانڈ بھی نہیں کی خیریت تو ہے ناں۔" وہ اسی طرح لاابالی پن سے پوچھ رہا تھا۔

"کس قدر سینس آف ڈیوٹی ہے تم میں۔ خیریت کیوں نہیں ہوگی؟" وہ اسی برہم انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

"ممی ویل آف فیملیز کے بچوں میں بس اسی طرح کا سینس آف ڈیوٹی ہوتا ہے اور مجھ میں تو اچھا خاصا ہے۔" وہ دل کھول کر ہنسا۔ "شٹ اپ۔" شاہانہ جیسے برس پڑیں۔

"جب سے آپ نے مون کو کلوز کیا ہے میں فیل کر رہا ہوں کہ آپ مجھ سے بہت دور ہو گئی ہیں ممی میں آپ کا رئیل گڈ سن ہوں۔ نا سٹیپ۔ نہ سن ان لا۔ غور کریں انسان کا اپنا اپنا ہی ہوتا اسے قریب باور کرتا ہے۔"

"مون کے خلاف آئندہ مجھ سے کچھ نہ کہنا تھینکس گاڈ کہ مون جیسا بیٹا میرے پاس ہے وہ بہت شاندار ہے مجھے افسوس ہے کہ میرا رویہ اس کے ساتھ اچھا نہیں تھا۔" وہ دل گرفتہ انداز میں بولیں۔

"یار مون کے تو مزے آ گئے جاتے جاتے کب کی اسے سپورٹس کار بھی دلا دیں۔" سنی پھر شرارت سے مسکرایا۔

"اسے فضول قسم کے شوق نہیں ہیں وہ اپنے ڈیڈی کی جتنی ہیلپ کرتا ہے اسپورٹس کار خود افورڈ کر سکتا ہے اسے کسی سے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں مگر وہ بہت سمجھداری سے پیسہ استعمال کرتا ہے اس کا اپنا اکاؤنٹ ہے مگر وہ بلا ضرورت کچھ نہیں خریدتا۔ اس لیے ہم اس پر فل ٹرسٹ کرتے ہیں بہرحال وہ تمہارا بھائی ہے تمہیں فالو کرنا چاہیے اور آئندہ اسٹیپ وغیرہ کا ورڈ یوز مت کرنا تمہارے باپ کا نام تمہیں خواجہ ہے اور اس کے باپ کا بھی۔ ایک شخص کی اولاد ہو تم مگر تمہیں ابھی حسب نسب اور نسل کا سینس نہیں ہے اور نہ ہی اس کی امپورٹنس کا احساس ہے جو اچھا اور کلین بیک گراؤنڈ رکھتے ہیں اور انہیں اپنے خاندان اور اپنی نسل کی اہمیت کا شعور ضرور ہونا چاہیے اچھے خاندان کی اولادیں یہاں وہاں بکھری ہوئی نہیں ہوتیں۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھیں جو سنی کے

سر پر سے گزر رہا تھا۔

البتہ پورٹیکو کی طرف بڑھتے ہوئے مون نے بہت کچھ سن لیا تھا ان عنیوں کی نظر اس وقت اس پر پڑی جب وہ اپنی کار کا دروازہ کھول رہا تھا۔ شاہانہ نے اسے مڑ کر جاتے دیکھ لیا تھا اس کے تاثرات مزید بوجھل ہو گئے تھے۔ اور دل شکوؤں سے آباد۔

☆☆☆

وہ فجر کی نماز پڑھ کر پھر سے سو گئی تھی آنکھ کھلی تو چاروں طرف تیز دھوپ پھیل چکی تھی وہ فوراً اٹھ بیٹھی تھی گھر میں ایک شور و چہل پہل کا تاثر تھا وہ کچھ سمجھ نہیں پائی چادر اوڑھ کر باہر آئی تو آنگن میں ڈھیروں بچے قرآن پڑھ رہے تھے۔ کچھ بڑی بچیاں گھر کے کام کاج کر رہی تھیں وہ چار عورتیں استانی عائشہ کے پاس بیٹھی تھیں بہت رونق تھی گھر میں۔

"تو پریشان نہ ہو خدیجہ۔ یہ تیری تقدیر ہے اور پریشان ہونے سے تقدیر نہیں ٹلتی یہ صرف دعا سے ٹلتی ہے تو دعا کا سلیقہ سیکھ بات عرض کرنے کا ڈھنگ لے پوری بندگی بن وہ تیری بات نہیں ٹال سکیں گے انہیں یقین دلا دے کہ وہی تیرے سب کچھ ہیں تیرے گھر کے سب دروازے کھلیں تو پھر راستہ انہی کی طرف جاتا ہے یقین کر وہ تیری بات رکھیں گے تیری شرم رکھیں گے تیری انگلی پکڑ کر تجھے چلائیں گے تو دیکھنا سب اچھا ہو جائے گا تو خوش ہو جائے گی۔" وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر بات کر رہی تھیں۔

"بڑی اور مجھ پر تہمتیں بھی لگاتا ہے میرا دل خون کے آنسو روتا ہے اس کے سوا آج تک مجھے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا اور وہ پتہ نہیں کس کس کو میرے 'یار' بنا چکا ہے میرا دل پھٹتا ہے ان باتوں پر۔" عورت کی آواز رندھ گئی۔

جب تیرے دل کو تسلی ہے تیرا دل گواہ ہے کہ تو نے کبھی خیانت نہیں کی تو تو تسلی رکھ تجھے سب کی فکر چھوڑ کر صرف اتنا کافی ہے کہ تیرا رب تیری اصلیت جانتا ہے تیرے اطمینان کو بس یہ کافی ہونا چاہیے اپنی طرف سے احتیاط رکھ تا کہ کوئی تیرے بارے میں بدگمان نہ ہو باقی تجھے کسی کی بات یا الزام پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

بات کرتے کرتے ان کی نظر ماہ نور پر پڑی جو ان کے قریب پہنچ چکی تھی۔

"نیند ہو گئی بچی؟ سونا چاہو تو اور سو جاؤ۔ پہلے کچھ کھا پی لو۔ تھکی ہوئی بھی تو بہت تھیں اتری کچھ تھکن؟" وہ اس سے مخاطب تھیں۔

"جی اتر گئی۔ اب تو اپنے اندر بہت توانائی محسوس کر رہی ہوں اور بہت کچھ کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔" وہ مسکرائی۔

"ماشاء اللہ۔ اللہ بھلائی کی توفیق دے۔ ویسے کیا کرنے کو جی چاہ رہا ہے؟" وہ بھی بہت شفقت بھرے انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"بتاؤں گی آپ کو۔" اس نے عورتوں پر نظر دوڑا کر معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔

"اچھی بات۔ تمہیں تو ناشتے میں چائے کی عادت ہوگی۔ میں نے بیسن کا حلوہ بنایا ہے پر اٹھا بھی ہے حلوہ گرم کرتی ہوں پھر چائے بناؤں گی تم اتنے میں نہا نا ہے نہا لو۔ ہاتھ منہ دھو لو۔" وہ اٹھتے ہوئے بولیں پھر حیرت سے ماہ نور کو تکتی عورتوں کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"یہ میری بچی ہے بھائی بہن کی بچی بھی تو اپنی بچی ہوتی ہے۔" وہ بولیں تو عورتیں اثبات میں گردن ہلانے لگیں۔

"آپ تو بھلا ہی بولتے ہو استانی۔" ان میں سے ایک عورت بولی۔

"خالہ جان آپ اپنا کام کریں میں اپنے ناشتے کا خود ہی بندوبست کر لوں گی۔ میرا مطلب ہے گرم کر لوں گی چائے بھی بنا لوں گی پلیز۔" اس نے استانی عائشہ کی مصروفیت کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں اٹھنے سے باز رکھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ اس وقت گھر میں بہت لوگ موجود ہیں جو سب کام کر سکتے ہیں مگر میں تمہارے لیے خود کام کرنا چاہتی ہوں اپنے ہاتھ سے مجھے اچھا لگ رہا ہے۔" وہ بہت محبت سے بولیں۔ ان کے اندر کا خالص پن۔ سنہری روشنی کی طرح اس کے دل پر برسا۔ وہ مبہوت ہو گئی۔

عورتیں غور سے اس کی صورت دیکھ رہی تھیں۔

"استانی جی۔ آپ کی بچی بہت پیاری ہے۔" ان میں سے ایک بولی۔

"ماشاء اللہ۔ دعا کرو اس کا نصیب بھی اچھا ہو۔" استانی عائشہ اٹھ گئیں۔

"آپ کراچی شہر سے آئے ہو؟" ایک عورت یوں متاثر ہو کر پوچھ رہی تھی گویا وہ یورپ سے آئی ہو اس نے جواب میں گردن ہلائی۔

"وہ تو بہت بڑا شہر ہے ادھر سب کچھ ملتا ہے۔" ایک عورت دوسری عورت کو بتانے لگی۔

"ادھی موٹر گاڑیاں۔ خوبیہ میں ایک دفعہ گئی تھی تو دن لگے... ہوا تھا لے موٹر یں ایک دوسری پر نہ چڑھ جائیں بڑا شور ہوتا ہے یہاں۔" عورت یوں آنکھوں دیکھا حال بتا رہی تھی جیسے سوئٹزرلینڈ کی سیر کر کے آئی ہو۔ دوسری دو عورتیں اسے اشتیاق سے سن رہی تھیں جنہوں نے کبھی کراچی نہیں دیکھا تھا۔

"ادھر عورتیں فیشن بھی بہت کرتی ہیں۔" عورت مزید بولی۔

"پر یہ استانی عائشہ کی مہمان تو بہت سادہ ہے۔" ایک عورت نے ٹکڑا لگایا۔

"خیر سادی عورتیں بھی ہوتی ہیں۔" عورت نے مزید معلومات کا اظہار کیا۔

"تو سارے کام کر آئی تھی؟" ایک عورت نے موضوع بدلا۔

"سارے تو نہیں۔ ابھی ہانڈی نہیں چڑھائی۔ استانی سے دم کرنے آئی تھی۔ میرا ابا اللہ کا آوارہ گردی بہت کرنے لگا ہے اس کا باپ روز پیٹتا ہے مگر ذرا اثر نہیں۔ ایسا ظالموں کی طرح مارتا ہے اس کا باپ کہ میرا کلیجہ کانپتا ہے کہ کسی دن جان سے ہی نہ مار دے میں بیچ میں بولتی ہوں تو مجھے بھی دو چار پڑ جاتے ہیں کہتا ہے تو نے خراب بنا دیا ہے بتا کوئی ماں اپنی اولاد کیوں خراب کرے گی؟"

"مردوں کی عادت ہوتی ہے اولاد اچھی ہو تو ان کی۔ بے خراب ہو تو ماں کی غلطی۔" ایک عورت نے پہلی مرتبہ حصہ لیا۔

"قبریں ویران ہو گئی ہیں میری تو۔ مگر اس کا باز نہیں آتا۔ بڑی مشکل ہے۔" عورت بے چارگی سے بولی۔

"استانی تجھے ضرور اس مسئلے کا حل بتائے گی وہ ہر بات کا جواب دیتی ہے وہ بہت پڑھی ہوئی ہے بڑا علم والا ہے اسے۔ سائیں نے تو فکر نہ کرو۔" پہلی عورت نے تسلی دی۔

"اسی واسطے تو آئی ہوں۔ ماروی کی ساس نے اس کی زندگی حرام کر رکھی تھی۔ استانی نے اسے جانے کیا ترکیب بتائی کہ پیچھے پھرتی ہے ماروی کا خصم الگ اس کے گن گاتا ہے۔" وہ دوست پھر بولی۔

"اصل میں استانی دعا بھی کرتی ہے اللہ سائیں سنتا ہے اس کی۔"

ماہ نور غسل خانے میں منہ دھوتے ہوئے یہ سب باتیں سن رہی تھی اگر یہ سب ٹھیک کہہ رہی ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ استانی عائشہ میری بھی رہنمائی کر سکتی ہیں میں ان سے کچھ نہیں چھپاؤں گی وہ یقیناً میری پرابلم حل کر سکتی ہیں اس کے اندر ایک امید ابھری۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ انہوں نے ابھی تک مجھ سے کچھ نہیں پوچھا۔ رات کے وقت اکیلی تنہا لڑکی سفر در سفر کے

مرحلے سے گزر کر ان تک پہنچتی ہے تو ان کے ذہن میں بے شمار سوالات پیدا ہو سکتے ہیں مگر وہ تو اس کی خاطر مدارت میں لگی ہوئی تھیں مطمئن پرسکون اور خاموش اور اس کی اس درجہ عزت افزائی کر رہی ہیں جیسے وہ کوئی خاندہ مہمان ہو جسے بہت اصرار سے بلایا گیا ہو کوئی شے اندر چبھنے لگی۔ حالانکہ ان کے بارے میں اس کے ذہن میں بے شمار سوالات اٹھ رہے ہیں روایتی قاعدہ پڑھی لکھی ہیں اس ناخواندہ بستی میں بالکل اکیلی کیوں رہتی ہیں ان کا خاندان کہاں ہے؟ اتنی اچھی اور کار آمد خاتون تو خاندان کی ریڑھ کی ہڈی بن جاتی ہے اس پر انحصار کیا جا سکتا ہے ایک ماہر معمار کی صورت ہوتی ہے وہ ایسی خاتون تو کسی بھی خاندان کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہوتی ہے یعنی کسی خاندان میں ایسی عورت کی موجودگی کسی آسمانی تحفے سے کم نہیں۔

"وہاں کمرے میں رکھ دیا ناشتا۔" اسے استانی عائشہ کی آواز نے خیال کی اتھاہ سے باہر نکالا۔

"آپ نہیں کریں گی ناشتا؟" وہ سنبھل کر بولی۔

"بیٹی۔ اب تھوڑی دیر بعد دوپہر کے کھانے کا وقت ہو جائے گا ابھی چند بچوں کو سبق دینا بھی باقی ہے اور کچھ یہ بھی بہنیں آئی ہوئی ہیں ان سے بھی دو چار باتیں کرنا ہیں کوئی تکلف کی بات نہیں

شاباش چائے ٹھنڈی ہو جائے گی بہت محنت سے توجہ سے چائے بنائی ہے تاکہ تمہیں پسند آ جائے شہر اور دیہات کی چائے میں بھی بہت فرق ہوتا ہے۔" استانی عائشہ موجود خواتین سے ہنس کر بولیں گویا ان کے علم میں اضافہ کیا۔

"اچھا استانی جی!" ایک عورت نے الفاظ کے سہارے اظہار حیرت کیا۔

"وہ کیا فرق ہوتا ہے ادی؟" دوسری نے پوچھا

"بس یہی کہ شہر والے چائے میں دودھ ملا کر پیتے ہیں اور دیہات والے دودھ میں چائے ملاتے ہیں۔"

"اچھا۔" عورتیں ہنس پڑیں۔

"اسی واسطے ادی شہر سورتوں کی آب چھین لیتا ہے۔ کالی چائے جو پیتے ہیں شہر والے۔" ایک عورت اپنی بات کی لطافت پر خود ہی ہنس پڑی۔

"یہ کھانے پینے کا اثر نہیں ہوتا زینب! یہ تو ہماری کالی سوچ ہوتی ہے جو ہمارے چہرے کی آب چھین لیتی ہے کیا شہر کیا گاؤں کیا خشکی کیا تری۔ یہ اصول سب جگہ کا ہے چلو ماہ نور۔ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" وہ اپنی بات کے اختتام پر پھر ماہ نور کی سمت متوجہ ہوئیں۔

ماہ نور کو مزید تاکید بے ادبی محسوس ہوئی وہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"ادی۔ سوچ کیسے کالی ہو جاتی ہے؟" نسبتاً کم عمر اور زیادہ۔ بے وقوف عورت نے بڑی سادگی سے پوچھا۔ صحرائے تھر کی وسعتوں تک محدود تھی۔ اس نے آج تک گاڑی کے نام پر صرف بیل گاڑی دیکھی تھی وہ ایک تنگ نظر شخص کی بیوی تھی جو صرف اسے استانی عائشہ کے گھر جانے کی اجازت دیتا تھا اس کا خیال تھا کہ آس پاس کے مرد کچھ زیادہ ہی "کرپٹ" ہو گئے ہیں اور "بے وقوف" عورتوں کی تاک میں رہتے ہیں۔

"جس سوچ میں صرف اپنے فائدے کی بات ہوتی ہے دوسرے کے نقصان پر دکھ نہیں ہوتا۔ وہ سوچ کالی ہوتی ہے جو چہرے کی آب چھین لیتی ہے دل دھندلا ہو جاتا ہے جس کا دل گدلا دھندلا ہو جائے اس کی صورت بھی میلی ہو جاتی ہے۔"

استانی عائشہ بہت محبت سے وضاحت سے مخاطب کے علم کے حساب سے جواب دے رہی تھیں۔ زینب یوں سر ہلا رہی تھی گویا اچھی طرح سمجھ گئی ہو؟

"ادی۔ میں اپنے لڑکے کا کیا کروں؟" پریشان حال عورت نے پھر سوال کیا۔

"بچے جب بڑے ہونے لگتے ہیں تو اپنے دماغ سے صحیح غلط کے اندازے لگانے لگتے ہیں اور بہت سے ان کے ذہن میں غصہ اور نفرت جاگنے لگتی ہے یہ وہ مرض ہے کہ پھر اس کا علاج صرف دعا ہے یہ نفرتیں اسے رشتوں سے باغی کر دیں گی پھر وہ پورا ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"لیکن میں اپنے مرد کو کیسے سمجھاؤں؟" عورت نے دہائی دی۔

"تو اسے بتا دے کہ استانی کہہ رہی ہیں درخت لگایا ہے تو صبر سے پانی دے پھل پھول ملیں گے آگ بنا رہے گا تو یہ درخت سوکھ جائے گا اس میں کانٹے اگیں گے جو اوروں کو بھی چبھیں گے برائی اچھائی دو راستے ہیں ان کی سمجھ بھی سب کو ہی ہے کوئی جان کر انجان بن جائے وہ دوسری بات ہے جو برا کر رہا ہوتا ہے اس کے اپنے دل کو پتا ہوتا ہے کہ وہ برا کر رہا ہے لیکن بعض دفعہ بندہ اس دھوکے میں آ جاتا ہے کہ برائی کے آسان راستے پر چل کر اسے زیادہ فائدہ ہوگا مگر ایسا ہوتا نہیں گھر میں خوف ڈر لعن طعن کے بدلے اسے محبت و پناہ کا احساس ہوگا تو وہ تمہاری بات پر کان ضرور دھرے گا اسے گھر آنا گھر میں رہنا اچھا لگے گا جب اسے گھر آنے سے پہلے یہ ڈر ہوگا کہ گھر جا کر اس بڈھے باپ کی گالیاں پڑیں گی تو وہ خود ہی خود کوئی اندازہ لگائے گا اپنا بندوبست کرے گا سیدھی بات بھی اسے الٹی لگے گی۔ اس لیے کہ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوگی کہ گھر میں کوئی نا اس کا ہمدرد ہے نا ہی کسی کو اس سے محبت ہے۔ محبت کے یقین سے تو درندے بھی کبوتر مرغیاں بن سکتے ہیں۔"

"میں اپنے مرد کو ایسا ہی بولوں گی۔" عورت نے جیسے سب کچھ سمجھ لیا۔

"یاد رہے گا تجھے؟" استانی عائشہ نے پوچھا۔

"آپ کی بات نہیں بھولتی۔" عورت نے اعتماد سے جواب دیا۔

"مہربانی تیری۔ اللہ تیرا بھلا کرے تجھے اولاد کا سکھ دکھائے آمین۔" استانی نے دعا دی ماہ نور چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے یہ سب سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی یہ روشن مثال عورت کون ہے؟

☆☆☆☆

"بڑی اماں، آپ کا فون ہے۔" ریبا نے تہہ شدہ کپڑے تخت سے اٹھا کر کہا وہ ریسیور کونے میں لٹکا کر بڑی تسلی سے ان کے اترنے کی منتظر تھی۔

"کس کا ہے؟" بڑی اماں نے جلدی سے تخت سے اترتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں بہت آہستہ آواز ہے میں پہچانا نہیں۔" حالانکہ وہ پہچان چکی تھی۔ "کوئی آدمی ہے عورت نہیں ہے البتہ۔"

"البتہ۔" بڑی اماں نے خفگی سے اسے گھورتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو"

"السلام علیکم بزرگوار" دوسری جانب سے پاشا کی آواز ابھری

"اے بچے" بڑی اماں کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"یہ سلام کا جواب فارسی میں ہے یا عبرانی سریانی میں؟ اردو انگریزی میں تو نہیں ہے البتہ۔"

بڑی اماں نے چڑ کر خوامخواہ ریبا کی طرف دیکھا ابھی ابھی اس کے البتہ سے فارغ ہوئی تھیں۔ "بیٹے اب کیا تکلیف ہے آپ کو۔ ارے کیا منہ لے کے جاؤ گے خدا کے پاس۔" وہ سلگیں۔

"انشاء اللہ سبھی لے کر جائیں گے اللہ کا بنا بنایا ہوا بڑا سوہنا مکھڑا ہے اس کی شرارت بھری آواز ایئر پیس میں ابھری۔

"ہاں۔ گدھا بھی کبھی کہے گا کہ میں گدھا ہوں۔" بڑی اماں کے منہ سے غصے میں نکلا۔

"حالانکہ اسے کہنا چاہیے کہ جبکہ وہ بے بھی گدھا۔" دوسری طرف سے منطق شروع ہوئی۔

"شرم کرو تمہیں بزرگوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں؟" بڑی اماں اس کے گستاخانہ مذاق پر برہم ہو گئیں۔

"آنی۔ ایم سوری۔ آپ برا مان گئیں اصل میں مذاق کرنے کے لیے فون نہیں کیا بہت ہی ضروری بات کرنا ہے آپ سے"۔ وہ رک گیا بڑی اماں کا دل زور سے دھڑکا۔

"سنا ہے آپ کی پوتی کی شادی ہونے والی ہے پیشگی مبارکباد۔" وہ بولا۔ "خیر تم سے مطلب۔" بڑی اماں کے ماتھے پر کئی بل پڑنے لگے۔ "مطلب یہ کہ خوشی کی بات ہے مگر وہ بھی کسی کی خوشی چھین کر خوشیاں منانا کوئی اچھی بات نہیں۔ آپ خوشی ضرور منائیں مگر پہلے ہماری خوشی تو پوری کریں۔"

"ہو گئی تمہاری خوشی ہماری زندگی برباد کر کے اب کون سی خوشی کی بات کر رہے ہو؟" بڑی اماں نے برہمی سے کہا۔

"اسی خوشی کی جو آپ کے پوتے نے چھین لی ہے آپ لوگ میری بیوی کو میرے حوالے کر دیں پھر جو چاہے خوشیاں منائیں ورنہ آپ لوگ کوئی خوشی نہیں منا سکیں گے مجھے افسوس کے ساتھ مگر مجبوراً کہنا پڑ رہا ہے۔"

بڑی اماں ایک لمحے کو تو سناٹے میں رہ گئیں انہوں نے پوری حسیات کے ساتھ اس کی دھمکی کو محسوس کیا تھا۔

"تمہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ وہ ہمارے پاس نہیں ہے کہ اور اب تم صرف مظاہر سے بدلا لینے کی خاطر پھر سے ہمیں پریشان کر رہے ہو ارے پہلے کیا کم ظلم کیا ہے ہم پر خدا کے قہر سے ڈرو اور بس کرو۔"

"بڑی اماں۔ آپ کے سر کی قسم وہ میرے پاس نہیں ہے وہ جیسے زچ ہو کر بولا۔

"میرا سر فالتو نہیں ہے زبان کو لگام دو۔" بڑی اماں بگڑیں۔

"چلیں اپنی اماں کے سر کی قسم کھاتا ہے وہ تو میری سگی ماں ہیں اور مجھے ان سے بہت محبت ہے حقیقت ہے میری ماں ہے بھی بہت اچھی اب تو آپ کو یقین آجانا چاہیے وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"مگر تم اچھی ماں کے ساتھ بہت ہی اچھا کر رہے ہو۔" وہ ماں کی قسم کھانے پر شش و پنج میں پڑ گئیں۔

"تو کیا کروں کیسے یقین دلاؤں آپ کو؟" وہ بولا۔

"ارے بچے ہم کون سی قسم کھائیں کہ وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔" وہ الجھن میں پڑ گئی تھی۔

"تو پھر اپنے پوتے سے پوچھیے صرف اسی کو پتہ ہے کہ وہ کہاں ہے جب تک اس کا پتہ نہ چل جائے اس وقت تک آپ کے ہاں کوئی تقریب نہیں ہو گی خواہ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے آپ لوگوں کو میرا اچھی طرح پتہ ہے۔"

وہ بگڑ کر کہہ رہا تھا۔

"ارے تم ہماری دوسری بچی کے پیچھے پڑ گئے اس معصوم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔" بڑی اماں دہل گئیں۔

"مجھے نہیں پتہ بنتے بگڑنے کا آج کا سورج ڈوبنے سے پہلے ماہ نور کا پتہ چل جانا چاہیے ورنہ آپ کی بچی کے سسرال سے رات کو فون آجائے گا پھر مجھے نہ کہیے گا۔" یہ کہہ کر پاشا نے فون بند کر دیا۔

بڑی اماں ہکا بکا رسیور پکڑے کھڑی تھیں۔

"ارے۔ ربا کہاں ہے بچی مجھے ذرا ٹھنڈا پانی تو پلا۔ ہاں ذرا پہلے مجھے سہارا دو بچہ۔ بٹھاؤ تو مجھے۔ ارے میں گری"۔

بڑی اماں واقعی لڑکھڑائیں۔ ربا نے بھاگ کر انہیں سنبھالا۔

"کیا ہوا بڑی اماں؟" وہ انہیں تخت پر لٹا کر ہتھیلیاں سہلانے لگی۔

"ارے یہ تو کسی عذاب کی طرح ہمارے سر پر مسلط ہو گیا ہے پہلے مجھے پانی پلا پھر اپنے اکا کو فون کر کہ بڑی اماں بات کرنا چاہ رہی ہیں اس سے بات نہ ہو تو اس کے دفتر والوں سے کہہ وہ جہاں کہیں بھی ہے گھر فون کرے۔" وہ بری طرح ہانپ رہی تھیں۔

"ہائے اللہ بڑی اماں۔ ہوا کیا ہے مجھے بتایئے تو میں پریشان ہو رہا ہوں۔" ربا نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں تو پریشان "ہو رہا" ہے باز نہ آیا پرائے گھر جانے کو ہو گئی ارے کب چلنے گی تیری زبان۔" اس سنگین صورت حال میں بھی بڑی اماں نے ربا کو ٹوکنے کی مہلت نکال ہی لی۔

"اچھا۔ پریشان ہو رہی ہوں۔" ربا نے حواس باختہ انداز میں ان کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔ اور پانی لینے بھاگ گئی اور چند منٹوں میں پانی لے آئی۔ بڑی اماں کو سہارا دے کر بٹھایا گلاس ان کے منہ سے لگایا۔

"بھائی کو بلا رہی بڑی اماں؟" ربا نے پوچھا۔

"وہ کیا کرے گی اسے کیوں پریشان کریں۔ اللہ ہمارے حال پر رحم کر ہمارے گناہوں کو بخشش دے۔" وہ اللہ سے دعائیں کرنے لگیں۔

"ارے ٹیلی فون تو ملا اپنے اکا کو۔ جلدی کرو میری بچی۔"

"اچھا۔ اچھا۔ ملاتا ہوں میرا مطلب ہے ملاتی ہوں۔" اس نے گھبرا کر خود ہی تصحیح کی۔ بڑی اماں نے اس کے چہرہ طیق روشن کر رکھے تھے وہ دوسرے فون بھی پاشا کا تھا۔ جس سے "بہت کچھ" امید کی جاسکتی تھی۔

اس نے نمبر ڈائل کیا اور کارڈلیس اٹھا کر بڑی اماں کے پاس آگئی۔

"اکا جان آفس میں ہیں ان کا پی اے ابھی بات کراتا ہے آپ کان سے لگا کر دیکھیں۔"

"اس میں سے ٹھیک سے آواز بھی آتی ہے؟ کبھی میں ہیلو ہیلو ہی کرتی رہوں۔" بڑی اماں پہلی مرتبہ کارڈلیس استعمال کر رہی تھیں۔

"ہاں ہاں آپ سنیں تو سہی۔" ربا زچ ہو کر بولی

"اکا جان کیا پتہ لائن پر آ بھی چکے ہوں۔"

"ہاں۔ ہیلو۔ مظاہر۔ بیٹے۔ ہاں ٹھیک ہے جیتے رہو ارے اس نامراد کا ٹیلی فون آیا تھا ابھی ابھی۔ بیٹے یہاں تو نئی کہانی شروع ہو گئی کم از کم اسے ربا کی شادی تک ہی اندر کرا دو۔

"کہتا کیا ہے۔ پھر دھمکیاں شروع ہو گئیں۔ تم نے ماہ نور کو کہاں چھپا دیا ہے؟ بچے اب وہ اس سے نکاح کر چکا ہے"

"ارے بتاؤ۔ فکر کیوں نہ کریں۔ پہلے بھی تمہاری تسلیاں رہیں مگر کیا ہوا لڑکی گئی ہاتھ سے۔ اب میں تمہاری کسی تسلی کے چکر میں نہیں آؤں گی۔ بس تم اسے پھر سے "اندر" کرا دو۔ اس ملک کے بادشاہوں کے ساتھ چائے پیتے ہو۔ اتنا بھی نہیں کرا سکتے؟" رو پڑنے لگیں۔

"کہنا کیا کہ ماہ نور کو اس کے حوالے نہ کیا تو ہماری خیر نہیں۔ ربا کے سسرال فون کرنے کو کہہ رہا تھا۔ کیا سوچیں گے وہ لوگ۔ کچھ کر دیجئے۔ ہاں ہاں سن رہی ہوں مگر صرف سنوں گی باتوں کی ایک نہیں۔ ارے میری۔۔۔۔ بے گناہ بچی۔ کیوں منہ لگ رہے ہو اب بازی تو ہم ہار ہی چکے ہیں۔"

"اس سے بات کرنا کوئی ضروری نہیں۔ بات معقول ہے ظاہر ہے وہ اتفاق ہی کرے گا میں فی الحال نفیس خواجہ سے کومنٹ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" چاند نے اٹھتے ہوئے باری باری بڑی اماں و اظہار کی طرف دیکھا۔

"بتاؤ۔ کیا سوچیں گے وہ کہ پتہ نہیں اور کیا کیا راز نکلیں گے ہمارے۔" بڑی اماں بڑبڑائیں۔

"کچھ نہیں سوچیں گے۔ اور سوچیں تو سوچ لیں۔ حوصلہ تو بہرحال کرنا پڑے گا۔" چاند نے مردوں والے انداز میں قطعی بے خوفی سے جواب دیا۔

☆☆☆☆☆

نفیس خواجہ نے انہیں اپنے آفس ہی میں بلا لیا تھا۔

عامی و رسمی قسم کی بات چیت ہوتی رہی۔ اس دوران نفیس خواجہ نے ان کی ٹھیک ٹھاک خاطر مدارت کی۔ البتہ ان کے چہرے پر لکھا تھا "آمد کی وجہ کیا ہے؟"

"آپ نے کہا مجھے ضروری بات کرنا ہے شام کا انتظار نہیں کر سکتا تو میں کچھ پریشان سا ہو گیا کہ اب تو شادی بھی قریب ہی ہے۔ ہم سے کوئی بھول تو نہیں ہو گئی؟"

کبھی باتیں کرتے ہیں خواجہ صاحب۔ ہو سکتا ہے کوئی غلطی ہم ہی سے ہو گئی ہو۔" انہوں نے بات سے پہلے تمہید باندھی۔ عین اسی لمحے انٹرکام پر خواجہ صاحب کی سیکرٹری نے مظاہر کے آنے کی اطلاع دی۔

"لیجئے مظاہر بھی آ گئے۔ اس کا مطلب ہے کوئی خاص بات ہے۔ ورنہ وہ اس وقت تو کبھی نہیں آئے۔ تو کیا آپ نے ان کو اپنے آنے کی اطلاع دی تھی؟" خواجہ صاحب نے دریافت کیا۔

"نہیں میری ان سے بس صبح ہی بات چیت ہوئی وہ بھی عام سی۔" چاند نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ اسی آن مظاہر اپنے بر خلاف بس مسکراتے خواجہ صاحب کے چیمبر میں داخل ہوئے اور چاند کو دیکھ کر جیسے چونک پڑے۔

"السلام علیکم۔" انہوں نے اپنی حیرت پر قابو پا کر نارمل مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ آؤ بھئی۔ یہ چاند بھی کچھ دیر پہلے آئے ہیں۔ ایک ساتھ دونوں سے ملاقات بہت خوشی کی بات ہے۔ جمعو۔ باقی سب خیریت ہے ناں؟"

"جی۔ خیریت ہے آپ کیسے ہیں؟" مظاہر نے پوچھا۔

"اللہ کا احسان ہے۔" خواجہ صاحب کی نظروں میں ایک سوال کا تاثر بہرحال تھا۔

"تو مظاہر کیا چلے گا۔ ٹھنڈا یا گرم؟"

"تھینکس۔ آپ بس پانی پلا دیں۔ اس وقت بس پانی کی طلب ہے۔" مظاہر نے ایک نظر چاند پر ڈالی خواجہ صاحب نے گھنٹی بجائی اور چپراسی اندر آ گیا۔

"ایک گلاس ٹھنڈا پانی بھر کر لاؤ اور سنو۔"

"خواجہ صاحب۔ پلیز کوئی تکلف نہیں صرف ٹھنڈا پانی۔" مظاہر نے ٹوکا۔

"چلو ٹھیک۔ ہاں بھئی۔ صرف پانی۔" انہوں نے مختصر ہدایت کو روانہ کیا۔ کمرے میں چند منٹ سکوت طاری رہا۔ یونہی پانی جلدی سے لے آیا تھا مظاہر نے بہت سکون سے پانی پیا اور چاند جیسے ان کے پانی ختم ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

"خواجہ صاحب میں ایک کانفیڈنشل کے سلسلے میں حاضر ہوا تھا۔" وہ بولے تو مظاہر چونک پڑے۔

"جی۔ جی۔ فرمایئے۔" نفیس خواجہ نے اپنی اضطراری کیفیت چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"وہ ایسا ہے خواجہ صاحب کے لاسٹ ویک ہمارے ہاں ایک ایکسیڈنٹ ہوا۔" چاند نے بتانا شروع کیا اور سب تفصیل سے بتا رہے تھے اور نفیس خواجہ پوری توجہ سے سن رہے تھے۔ درمیان میں کہیں کہیں مظاہر بھی ٹکڑا لگا دیتے تھے۔

"تو اب یہ مسئلہ ہے ہوں۔" نفیس خواجہ چاند کے خاموش ہونے پر گویا ہوئے ان کی پیشانی کی لکیریں گہری ہو رہی تھیں دونوں بھائی بغور ان کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ تو بہت بڑی ٹریجڈی ہے۔ بہت زیادتی ہوئی بچی کے ساتھ۔ اچھا۔ تو بچی کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں چلا؟"

"نہیں۔ وہ بس یہی کہے جا رہا ہے کہ اسے مظاہر نے چھپا رکھا ہے۔ جبکہ میں سمجھتا ہوں ایسا نہیں ہے۔ کم از کم مظاہر مجھ سے حقیقت نہیں چھپا سکتا۔ اب وہ نئے موڈ میں ہے اسے پتہ چل گیا ہے کہ ہمارے ہاں شادی ہونے والی ہے۔ اب اس کا رخ سے بلیک میل کر رہا ہے آج رات تک وہ آپ کو فون ضرور کرے گا۔" چاند نے کہا۔

"مگر وہ ہمیں فون کیوں کرے گا؟" نفیس خواجہ سمجھے نہیں۔

"سیدھی سی بات ہے۔ وہ آپ کو ہمارے خلاف کرے گا تاکہ آپ لوگ شادی سے انکار کر دیں۔"

"نان سینس۔ اس سارے قصے میں ریا کا کیا قصور نکلتا ہے ہم اسے اپنی بیٹی بنا چکے ہیں۔ وہ ہماری ہے اور پھر آپ لوگ ہمیں پہلے بتا رہے اعتماد میں لے لینے تو ممکن ہے کچھ مورل سپورٹ ہی مل جاتی ہم سے۔ اینی ہاؤ۔ تو آپ لوگ اس لئے پریشان تھے۔" نفیس خواجہ نے کہا۔

"تھینکس خواجہ صاحب۔ مگر آپ اس پوائنٹ کو مس کر رہے ہیں کہ اگر اس صورت حال میں بھی شادی پر رضامند ہیں تو وہ کسی اور طریقے سے شادی رکوانے یا کوئی بدمزگی کرنے کی کوشش کرے گا۔" مظاہر نے کہا۔ "وہ ایک انتہائی قدم اٹھا چکا ہے۔ بااثر ہے۔"

"ہوں۔" نفیس خواجہ سوچ میں پڑ گئے۔

"تو ٹھیک ہے میں آج چار آدمی لے کر آپ کے ہاں آ جاتا ہوں اور سادگی سے نکاح و رخصتی ہو گی آج ہی۔ چند دنوں بعد مقررہ تاریخ یعنی طے شدہ تاریخ کو دھوم دھام سے ولیمہ ہو جائے گا۔"

"جب ہم آپ کے ہاں آئیں گے تو اپنی پرسنل گاڑیاں استعمال نہیں کریں گے تاکہ اس کے جاسوسوں کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ کیا ٹریجڈی ہے اس ملک کی۔ کرپٹ لوگوں نے کتنی دور دور تک اپنی جڑیں پھیلائی ہوئی ہیں آہا۔" نفیس خواجہ نے دکھ کا اظہار کیا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔ مجھے آپ کی تجویز سے اتفاق ہے۔ کیوں مظاہر؟ آخر رسک کیوں لیا جائے جبکہ حل نکل سکتا ہو۔" چاند نے مظاہر سے کہا۔

مظاہر کو اس طرح ڈر چھپ کر "کام" کرنے سے توہین تو بہت محسوس ہو رہی تھی کہ جیسے بالآخر ایک مرتبہ پھر جیت گیا ہو مگر معصوم سی ریا میں بہت قوت تھی۔ ان کی انا ان کے غرور سے بھی زیادہ۔

"جی چاند بھائی۔ ٹھیک ہے۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔

"اچھا تو پھر ہم چلتے ہیں۔ بڑی اماں کو سمجھانے اور قائل کرنے کا کام ایک مرحلہ ہے۔"

"جی یہ تو ہے۔ آپ کہیں تو میں فون پر بات کروں ان سے؟" نفیس خواجہ نے پوچھا۔

"اور۔ فون پر بار بار آپ کو فون پر بات کرتے ہوئے بہت احتیاط کریں اور آج کے پروگرام پر تو کوئی اشاراتی قسم کی بات بھی نہیں ہونا چاہیے۔" مظاہر نے جیسے کسی دھیان سے چونک کر کہا۔

"اچھی بات۔ تو پھر انہیں کیسے پتہ چلے گا کہ بڑی اماں آج کے پروگرام پر راضی ہو گئی ہیں۔"

"میں خود آپ کو شام پانچ بجے تک مطلع کر دوں گا گھر پر۔"

"ہوں۔ کے مجھے بھی گھر چلنا چاہیے کہ شاہانہ دمون کو بھی ریڈی کرنا ہے۔" نفیس خواجہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اجازت؟" دونوں نے نفیس خواجہ سے ہاتھ ملایا۔ چاند نے کار کی چابی اور مظاہر نے اپنا بریف کیس اٹھایا

☆☆☆☆☆

"اے ایک ہی بہن ہے تمہاری۔ نہ ہی عمر کی زیادہ ہے۔ ایسے بیاہ تو راتوں رات بیواؤں کے بھی نہیں ہوتے۔ خوب ترکیب نکالی ہے۔ نفیس خواجہ اتنے بڑے آدمی۔ اے۔" اندر "نہیں کروا سکتے۔ ارے میری پھول سی بچی۔ کیسے اندھیرے میں رخصت کر دوں؟"

"بڑی اماں سب سے زیادہ آپ ہی ڈر رہی ہیں اور جب خطرے سے جان چھڑانے کا راستہ مل گیا ہے تو تعاون نہیں کر رہی ہیں۔"

"تو راستہ تو ڈھنگ کا نکالو۔ بس اسے" اندر "کرا دو دو چار روز کو۔" بڑی اماں نے کہا۔

"اس ملک کی چابی ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ایک بے گناہ پان فروش کو تو شبہے کی بنیاد پر اندر کیا جا سکتا ہے اپنی مرضی سے جب چاہے مگر اسے با اثر مجرم کو آپ آسانی سے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔" مظاہر نے تلخی سے کہا۔

"بڑی اماں آپ خود ہی کہہ رہی تھیں کہ کچھ کرو۔ پہلے بھی نقصان ہو چکا ہے تم لوگ ہوش کے ناخن کب لو گے نفیس خواجہ یہ سوچیں نہ کریں گے۔ اب جبکہ یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا تو آپ پھر مشکل کھڑی کر رہی ہیں۔"

چاند نے رسانیت سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"چار روز تو اندر کرا رہے تو کیا تھا۔ بچی کو مایوں بٹھاتے چند ماں بناتے۔" وہ افسردگی سے بولیں "اے مصیبت نے گھر دیکھ لیا ہے ہمارا۔"

"بڑی اماں آپ بھی جانتی ہیں کہ اب کوئی خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔" چاند نے دو ٹوک اور سنجیدہ انداز میں کہا۔

بڑی اماں ان کے انداز پر کچھ سوچنے لگیں۔ پھر ایک دم بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔

"کوئی ہوئی ہے ہم سے بہت بڑی غلطی۔ اسی لئے خوشی ہمیں راس نہیں آتی۔ استغفر اللہ۔"

"بس بڑی اماں۔ اب یہ فیصلے کی گھڑی ہے انکار نہیں۔ میں بڑے ابا اور وہی دعا کر لے آتا ہوں اور خواجہ صاحب سے کہتا ہوں رات نو بجے تک آ جائیں۔ اظہر و ظہیر کو مظہر بیا کر بتا آئے گا۔"

"تو جا کر بتانے کی کیا ضرورت ہے ٹیلی فون خراب ہے کیا؟" بڑی اماں نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بڑی اماں ایک خاص بات آج آپ کسی سے فون پر بات نہیں کریں گی۔" مظاہر جاتے جاتے پلٹے۔

ان کا انداز بجھا بجھا افسردہ سا تھا۔ لہجے کا مخصوص طمطراق گمشدہ تھا۔

"پلیز بڑی اماں۔ ہم جو کر رہے ہیں اس میں آپ کے لئے بھی اطمینان ہے۔" مظاہر نے کوبا چڑ کر کہا۔ بڑی اماں خاموش ہو رہیں۔

"کچھ کھانے پینے کی تیاری کر لیں۔ ہم گھر والے ہیں اور چھ سات افراد وہاں سے آ جائیں گے۔ میں تازہ پکوا لاتا ہوں

وہ آپ کی سلیپ کرے گی۔ آپ ریا کو ذہنی طور پر تیار کریں۔ کوئی مسئلہ ہو تو مجھے بتائیں۔" چاند نے لاؤنج سے باہر نکلتے ہوئے کہا

"میرا خیال ہے چاند بھائی آپ گھر پر رہیں میں نفیس خواجہ کی طرف چلا جاتا ہوں۔" مظاہر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہوں ٹھیک ہے۔" چاند نے کہا اور لاؤنج سے باہر چلے گئے۔

بڑی اماں اپنے کمرے کی طرف بڑھیں جہاں ریا ان کے بستر پر لیٹے جانے کیا سوچ رہی تھی۔ سبز سفید پرنٹ کے لان کے سوٹ میں وہ بہت کھوئی کھوئی سی تھی۔ لاؤنج سے کمرے میں آواز بخوبی پہنچی تھی۔ وہ سب کچھ سن چکی تھی۔ اس نے نظریں گھما کر بڑی اماں کو اندر آتے ہوئے دیکھا اور آنکھیں موند لیں۔

"کیا سوچ رہی ہے بٹی؟" بڑی اماں اس کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔

"کچھ نہیں بڑی اماں بس ایسے ہی۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"جب گھر کے آنگن میں کھیلتی پھرتی تھی تو کیا کیا سوچتی تھی میں کہ میری بچی کی شادی بہت دھوم سے ہو گی۔ خیر سے چھ بھائیوں کی بہن ہے۔ کتنے ارمانوں والی شادی ہو گی میری ریا کی۔" وہ اس کے بال پیشانی سے سمیٹتے ہوئے رقت بھری آواز میں کہہ رہی تھیں۔

"بیٹی۔ تمہارے بھائیوں نے فیصلہ کیا ہے کہ آج تمہارا نکاح اور رخصتی ہو جائے۔ اس ڈھنڈار نے ہماری زندگی اجیرن کر کے رکھ دی ہے۔ پھر ہماری عزت پہ بات آ رہی ہے۔ شادی تو تمہاری اسی سے ہو رہی ہے جس سے طے ہوئی ہے مگر ذرا انداز بدل گیا ہے۔ اچھی بیٹیوں کی طرح اسی طرح کر جیسے میں اور تمہارے بھائی کہیں۔ اور یہ سوچ لو کہ تمہاری تقدیر میں اسی طرح لکھا تھا۔ جو تقدیر میں لکھا ہوتا ہے وہ ہی ہو کر رہتا ہے۔ اٹھ کر اچھی طرح نہا دھو لو۔ پھر اس کے بعد جا ہو تو آرام کر لو۔ تمہارے سسرال سے کپڑا زیور آئے گا تو تمہاری بھابھی تمہیں دلہن بنا دے گی اللہ کرے یہ کام ساتھ خیریت کے انجام پائے۔ تمہارے بڑے ابا اور ابا آئیں گے شاید نشاط بھی آ جائے۔

چاند کہہ رہا تھا نفیس خواجہ لیبہ بھی دھوم دھام سے کریں گے۔ ہم تمہاری سہیلیوں اور بہنوں کو ولیمے میں لے آئیں گے۔ ٹھیک ہے؟" بڑی اماں کی آواز بہت کمزور محسوس ہو رہی تھی۔ ریا اسی طرح آنکھیں بند کئے خاموش لیٹی رہی۔ البتہ بڑی اماں نے اس کی آنکھوں کے گوشوں سے ڈھلکتے قطرے دیکھ لیے۔ جیسے ان کا دل پھٹ گیا۔ وہ جھک کر ریا سے لپٹ گئیں اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"اللہ میری بچی کا نصیب اچھا کرے۔ بھاگ کھلیں میری بچی کے۔" وہ روتے روتے دعائیں کر رہی تھیں اور ریا اسی طرح ساکت و صامت لیٹی تھی۔ بڑی اماں کافی دیر تک زار و قطار روتی رہیں۔

"بڑی اماں کیا شادی بہت ضروری ہوتی ہے؟" ریا نے خاموشی توڑی اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"ہاں بیٹی۔ اللہ نصیب والوں کا اچھا رکھتا ہے جس کے ساتھ میں بہت خوشیاں لکھی ہیں۔ اللہ کا کرم ہو تو پہ ہے۔ اللہ اسے تیرے نصیب میں بھی اچھا لکھے۔ آمین۔" وہ بولتے بولتے گویا تھیں۔

"اگر شادی نہ ہو تو کیا فرق پڑتا ہے؟" ریا سپاٹ لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"عورت ذات مکمل ہو جاتی ہے جب اللہ اسے اولاد دیتا ہے تو خوشی کی انتہا پاتی ہے۔ اللہ میری بیٹی کے بھاگ جگائے۔ سات بیٹوں کا مقدر ہو۔ بی بی میاں تو گرتا کرتا وہ کوئی نہیں دکھوائی اللہ اور راستوں سے وہ میری بہت ہی خوشیاں دے گا۔ انشاء اللہ۔

تمنی فکر تھی مجھے تیری شادی کی۔ کیا پتہ تھا یوں ہو گی۔" انہوں نے سرد آہ کھینچی۔ ریا نے یوں کروٹ لے لی جیسے سونا چاہتی ہو۔

☆☆☆

گھر میں چہل پہل تو ہوگئی تھی مگر عجیب پراسراری۔ عارفہ، ثانیہ، شمسہ ڈرائنگ روم میں چیزیں ارینج کر رہی تھیں۔ سوائے خواتین کے مرد وہاں پہلے سے موجود تھے۔ پروگرام یہ تھا کہ خواتین حضرات ایک ساتھ ہی بیٹھیں گے۔ لاؤنج بالائی ان دو احتیاطاً استعمال نہیں کیا جا رہا تھے۔ کہیں سے مظاہر کے فون پر بات کرنے کی آواز آ رہی تھی۔

"جی جی... اصل میں میری دادی کی طبیعت ناساز ہے اس لئے عیادت کرنے والوں کا آنا جانا لگا ہوا ہے اس لئے فی الحال... گھر سے باہر نہیں جا سکتا۔ آپ کال پر رکھ لیں۔" تینوں نے تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

بڑی اماں تو کچن میں کھڑی بابا کو ہدایت دے رہی ہیں۔

"یہ بڑی اماں کو بیمار کیوں کر رہے ہیں مظاہر؟" ثانیہ نے عارفہ سے پوچھا۔

"بے چاری بڑی اماں۔" ثانیہ نے تاسف سے کہا۔

"شاید فون پر کسی سے بہانہ بنا رہے ہیں۔ کوئی بلا رہا ہوگا کام سے بلانے جو رہے ہیں اسے لوگ وقت بے وقت۔" عارفہ نے معقول اندازہ لگایا۔

"ہاں یہی بات ہوگی۔" ثانیہ نے اتفاق کیا۔

"لیکن... کہہ رہے تھے آج میرے اور مظاہر کے علاوہ کوئی فون اٹینڈ نہیں کرے گا۔" ثانیہ نے کہا۔

"بڑی بھابھی! ابھی تک نہیں پہنچیں۔" عارفہ نے کہا۔

"حالانکہ بڑی ممانی تو ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر پہنچنا چاہیے تھا۔" شمسہ نے کہا۔

"ہاں بس آتی ہوں گی۔ بتاؤ کیسے انہونی ہوئی ہے صبح سو کر اٹھے تو پتہ تک نہیں تھا کہ آج ریا کی شادی ہے۔ اسے کہتے ہیں قسمت کے کھیل۔"

"ہاں بس دعا کریں ساتھ خیریت کے وہ اپنے گھر پہنچ جائے۔" ثانیہ نے قدرے فکرمندی سے کہا۔

"ہماری وجہ سے دیکھو اس گھر پہ مشکل وقت آیا ہے۔" عارفہ نے آزردگی سے کہا۔

☆☆☆
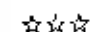
طے یہ پایا تھا کہ نفیس خواجہ کے ہاں سے تین گاڑیاں آئیں گی مگر ایک ساتھ نہیں۔ تینوں گاڑیوں کے پہنچنے میں چالیس چالیس منٹ کا وقفہ ہوگا۔ لہٰذا پہلی گاڑی میں نفیس خواجہ، شاہانہ، موں اور رسی پہنچے۔ باقی دو گاڑیوں میں نفیس خواجہ کے بڑے بھائی اور ان کے اور موں کے دوست آئے تھے۔

شاہانہ نے عروسی جوڑا اور زیورات مظاہر کے ہاتھ بھجوا دیے تھے ان کی آمد سے کچھ پہلے ثانیہ ریا کو دلہن بنا چکی تھی صرف پھول پہنا نا باقی تھے جو شاہانہ نے کہا تھا کہ اپنے ساتھ لائیں گی نکاح جلدی ہو گیا تھا نفیس خواجہ نے مہر میں موں کی طرف سے بنگلہ لکھا تھا، بڑی اماں نے کہا بھی کہ خواجہ صاحب ہم اتنی بڑی بڑی باتیں کرنے والے لوگ نہیں ہیں سیدھے سادے ہیں نفیس خواجہ نے کہا تھا کہ اماں جی۔ میں نے اپنی خوشی سے کام کیا ہے آپ اسے صرف میری خوشی سمجھیں ایک تحفہ باپ کی طرف سے بیٹی کے لیے۔

ریا سرخ غرارہ سوٹ اور ڈھیروں زیورات میں پہچانی نہیں جا رہی تھی جبکہ موں رو سلک کے کرتے اور سفید کاٹن کی شلوار میں ملبوس تھا۔ گھر کے اندر زائد روشنی کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا تاکہ ماحول غیر معمولی محسوس نہ ہو۔ ہر قسم کی حرکات و سکنات میں

خاموشی کا تاثر تھا۔ نکاح کے فوراً بعد کھانا شروع ہو گیا تھا کھانا ڈائننگ ہی میں دو شفٹوں میں لگایا گیا پہلے مردوں نے بعد میں خواتین نے کھایا۔

اس کے بعد فوراً ہی رخصتی کا مرحلہ طے ہوا۔ پہلے ریا، موں اور شاہانہ کو ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیا گیا۔

گھر کی خواتین کو تاکید کر دی گئی تھی کہ رونے دھونے سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے کسی قسم کی آواز گیٹ سے باہر نہیں جانی چاہیے ورنہ ساری محنت اکارت جا سکتی ہے خدانخواستہ حالانکہ ریا نکاح کے بعد سے مسلسل رو رہی تھی گھٹ گھٹ کر اور چاند اسے سمجھا رہے تھے۔

ثانیہ کو اس بات کا قلق تھا کہ اس نے سارے میک اپ کا ستیاناس کر لیا تھا بڑی اماں باتھ روم میں جا جا کر رو رہی تھیں کہ اس بات کا دھڑکا تھا کہ عین وقت پر وہ کوئی ہنگامہ نہ کر دیں یعنی چیخ نہ پڑیں۔

انہوں نے بڑی امی کو کہا کہ وہ بڑی اماں کو ان کے کمرے ہی میں لیے بیٹھی رہیں۔

"بتاؤ یہ شادی ہے جیسے کوئی گناہ کر رہے ہوں وہ بار بار سسکی لیے جا رہی تھیں۔

"بڑی اماں! آپ ریا کو بس یہیں خدا حافظ کہہ دیں۔" چاند ریا کو تھامے بڑی اماں کے سامنے کھڑے تھے۔

"ارے میری پھول سی بچی۔" وہ تڑپ کر بیڈ پر گر گئی تھیں۔

"آپ بڑی اماں کو سنبھالیں۔ میں ریا کو گاڑی میں بٹھا کر آتا ہوں۔" چاند نے کہا۔ شاہانہ پیچھے ہی کھڑی تھیں۔

"ایک منٹ چاند یہ نظر آنے والے زیورات اتار لوں اور دوپٹہ بھی گھر جا کر پہنا دیں گے۔" انہوں نے ریا کی تھ اور انگوٹھیاں اتار کر پرس میں ڈالیں۔ عروسی دوپٹہ اتار کر تہ کیا کریم کلر کی بڑی سی چادر میں اسے اچھی طرح لپیٹ دیا۔ "خواجہ کہہ رہے تھے احتیاط کرنا ہوگی آخر یہ کسی برائی کی کوئی حد نہیں ہوتی۔" انہوں نے دوپٹہ ایک پولی تھین کی تھیلی میں رکھتے ہوئے کہا جو ساتھ لائی تھیں۔

"چادر سے اس طرح چہرہ ڈھانپ لو جیسے چادر سے پردہ کرتے ہوئے خواتین ڈھانپتی ہیں۔" ثانیہ بڑی اماں کو پانی دوائی پلا رہی تھیں۔

"ہمیں اجازت دیں آپ لوگ۔" انہوں نے ریا کی چادر پھر سے درست کی اور بڑی امی کو گلے سے لگا کر اجازت مانگی۔ مظاہر اور چاند فوراً کمرے سے باہر نکل گئے دوسرے سب بھائیوں نے ریا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ریا لڑکھڑائی تو پاس کھڑے لوگوں پر ان کی چیخ نکلی۔

"بیٹے ہمت سے تم اپنے گھر جا رہی ہو۔" شاہانہ نے اسے بازو کے گھیرے میں لے لیا اور سب لوگ ان کے پیچھے چل دیے۔ ثانیہ بہت بڑی اماں کو ہوش میں لانے کی ترکیبیں کر رہی تھی۔

"دیکھو۔ بیاہ رونے کی آواز بالکل نہیں نکلنا چاہیے۔" مظاہر نے اس کے شانوں پر دباؤ ڈال کر سمجھایا۔

"اکا بھائی۔" وہ مظاہر سے لپٹ گئی۔

"بچوں جیسی حرکت۔" سب ہی گھبرا گئے۔

"آپ لوگ بس یہیں ٹھہریں۔" نفیس خواجہ نے گھر کے افراد سے کہا اور ریا کو خود آگے بڑھ کر تھام لیا۔

موں ڈرائیور کے ہمراہ پشت پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا اس کا چہرہ کسی دولہا کے چہرے کی طرح کھلا ہوا نہیں تھا۔ قطعی بے تاثر اور سپاٹ۔ اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ ماں باپ کے درمیان چادر میں لپٹی ریا پر ڈالی تھی ایک نگاہ جو اتفاق سے پڑ جاتا کرتی ہے۔ دروازہ کھلا ہوا گاڑی باہر نکلی پھر تھی۔ خوامخواہ دل دھڑکے۔ ایک بہت بڑا مرحلہ طے ہوا۔ گیٹ بند کر دیا گیا۔ سب لوگ ڈرائنگ روم میں

واپس آگئے باقی افراد کو وقفے سے روانہ ہونا تھا۔ بظاہر بہت پرسکون نظر آرہے تھے ان کے چہرے پر بہت عرصے بعد ایک واضح سکون دکھائی دے رہا تھا۔

اس مرتبہ وہ آرام سے جیت گئے تھے جیت جانے کے احساس سے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔

لیکن ایک کانٹا عمر بھر کا کہیں چبھ گیا تھا جس نے خوشی و سکون کے لمحوں میں ضرور ٹیس کرنا تھا۔ سکون کے اس لمحے میں وہ معصوم وسنا کی چہرہ، پھر ان کے روبرو تھا۔

☆☆☆

"ماشاءاللہ آپ صبح سے لے کر رات تک اسی طرح مصروف رہتی ہیں ہمیشہ سے؟" ماہ نور نے استانی عائشہ سے دریافت کیا۔

"بیٹا! مصروفیت تو ایک نعمت ہے ترس نہیں کھانا چاہیے مصروف انسان پر رشک کرنا چاہیے کام کے بعد آرام کا اپنا مزہ ہے۔" وہ بولیں۔

اس وقت انہوں نے پلنگ آنگن میں نکالا ہوا تھا جس پر دونوں لیٹی ہوئی تھیں ماہ نور کے علم میں لیٹے لیٹے اضافہ ہوا کہ نیلا آسمان یہاں سے وہاں تک ایک سا ہی ہوتا ہے مگر صحرائی علاقوں میں رات کو نظر آنے والا آسمان سب سے خوبصورت ہوتا ہے جیسے سیاہ اوڑھنی میں جھلمل کرتے تارے ٹکے ہوں۔"

وہ کافی دیر مبہوت سی آسمان کی حدوں تک پہنچنے کی کوشش کرتی رہی۔

"آج سے پہلے آسمان کبھی اتنا خوبصورت نہیں لگا۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اس کالے آسمان کو کون دیکھے اگر یہ بے شمار تارے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے دوڑتے نظر نہ آئیں۔"

"اللہ کتنی صحیح بات کی ہے آپ نے خالہ جان۔" وہ کہہ کر یکدم یوں خاموش ہوگئی جیسے کوئی بہت ضروری بات یاد آگئی ہو۔ جب کافی دیر تک وہ کچھ نہ بولی تو استانی عائشہ نے اسے ٹوکا۔

"کیا سوچ رہی ہو ماہ نور؟"

"جی وہ بس یہ کہ آپ نے مجھ سے ابھی تک کچھ نہیں پوچھا۔ کوئی سوال نہ کیا۔"

"بیٹی۔ جس صورت یہ مسافت دشوارت کی دھول ہو پہلے اسے سستانے کو دیتے ہیں۔ سوال جواب تو عمر بھر کی باتیں ہیں میرا خیال ہے کہ تم مجھ پر اعتبار کرو گی تاکہ میں تمہاری مدد کرسکوں۔ اسٹیشن سے لے کر یہاں اس پلنگ تک مجھے افسوس رہا کہ سمجھدار ہوشمند بچی مسلسل جھوٹ کا سہارا کیوں لے رہی ہے؟ حالانکہ جھوٹ سے کوئی سہارے ملتے تب سب سے بڑا سبب جھوٹ کا یہ ہے کہ یہ خود غرض ہے۔ ... کے درمیان آ ٹلی جاتا ہے جو اڑا چھین لیتا ہے حالانکہ سہارا تو دعا کا خوب ہے خیر تم ... تو عمر ہی غلطیوں والی ہے بہرحال مجھے انتظار ہے کہ تم مجھے حقیقت حال ضرور بتاؤ گی۔"

ماہ نور خاموشی سے ان کا حرف حرف سن رہی تھی ایک عجیب سی خجالت اس پر طاری ہونے لگی۔

"ہاں وہ ہم کیا بات کر رہے تھے صحرا میں نظر آنے والے تاروں بھرے آسمان کی اس نظارے کی کوئی مثل نہیں۔"

"ٹھیک ہے خالہ جان۔ آپ مجھ سے آج ہی سن لیں ساری سچائیاں، جھوٹ بول بول کر میرے دل پر بوجھ بڑھتا جا رہا ہے خالہ جان سب سے پہلے میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔"

"... ہے مجھے۔" استانی عائشہ نے جواب دیا۔

"آپ کو کیسے پتہ؟" اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"تمہارے چہرے پر لکھا ہے وہ پراسرار انداز میں مسکرائیں۔

"ہاں بعض انسانوں کو چہرے پڑھنے کا ملکہ ہوتا ہے سنا ہے میں نے مگر مجھے چہرے پڑھنا نہیں آئے بہت آسانی سے دھوکا کھا لیتی ہوں۔" ماہ نور کے لہجے میں عجیب سا کرب تھا۔

"کوئی بات نہیں بعض اوقات علم بڑی مشقتوں کے بعد ملتا ہے مگر پھر یہ علم مستند ہوتا ہے وہ آسمان کی بیکراں وسعتوں پر نظریں جمائے کہہ رہی تھیں۔ ماہ نور خاموش رہی۔

"کتنے بہن بھائی ہو تم لوگ۔" استانی پوچھنے لگیں۔

"صرف دو بہنیں ہیں ہم بھائی کوئی نہیں۔ ہماری مردانہ سپورٹ بہت کمزور ہے کہ ہمارے والد بھی طویل عرصے سے بیمار ہیں ہماری کمزوریاں ہمارے لیے عذاب بن گئی ہیں۔" ماہ نور کی آواز بھرا گئی۔

"یہ سوچ صحیح نہیں ہے سپورٹ صرف اللہ کی ہوتی ہے باقی سب تو حیلے وسیلے ہیں بعض بچے دنیا میں اس طرح آتے ہیں کہ نہ ان کی ماں ہوتی ہے نہ باپ۔ اس کے باوجود قدرت ان کو پروان چڑھاتی ہے ان سے بڑے بڑے کام لیتی ہے تو یہ غلط سوچ تم اپنے ذہن سے نکال دو۔ اس طرح تمہیں آرام آجائے گا خیر گزر بسر کا ذریعہ کیا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"ابو کی پنشن آتی ہے امی اور چھوٹی بہن گھر میں ٹیوشن پڑھاتی ہیں میں ایک اسکول میں ملازمت کر رہی تھی سترہ سو روپے تنخواہ ملتی تھی۔ چھٹی نہ کرنے پر پچیس روپے اضافی مل جاتے تھے۔"

"تو یہ ملازمت کیوں چھوڑی۔ کیا مجبوری تھی؟" استانی عائشہ کو سترہ سو پچیس روپے خاصے معقول محسوس ہوئے۔

"چھوڑی نہیں اسکول والوں نے نکال دیا معذرت کے ساتھ بس اب آپ اسی جگہ رک جائیں۔ مزید کوئی سوال نہ کریں میں آپ کو بتاتی ہوں کہ مجھے کیا کچھ پیش آیا خالہ جان میرا نکاح ہو چکا ہے لاکھوں روپے مہر پر لیکن جس سے میرا نکاح ہوا ہے میں اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔"

"تو پھر نکاح سے پہلے انکار کر دیتیں۔ استانی عائشہ کو تعجب لاحق ہوا۔

"کر دیا تھا۔ سو بار کر دیا تھا۔" وہ بولی۔

"پھر زبردستی کس نے کی تمہارے ساتھ؟"

"جس سے میرا نکاح ہوا ہے اس نے بقول اس کے وہ مجھ سے عشق کرتا ہے۔" وہ تلخی سے مسکرائی۔

"مگر تمہیں وہ پسند نہیں کیوں؟" استانی نے پوچھا۔

"اس میں ایسی کوئی بات نہیں کہ اسے پسند کیا جائے۔" اس نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"شکل اچھی نہیں ہے؟"

"بہت خوبصورت ہے۔" اس نے فوراً ٹکڑا لگایا۔

"ارے پیسے والا تو وہ ہے جب ہی تو لاکھوں کا مہر باندھا ہے پھر برائی کیا ہے؟" انہوں نے رسانیت سے پوچھا۔

"برائی یہ ہے کہ اس میں اچھائی کوئی نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"ناممکن سی بات ہے کوئی بندہ بشر ایسا نہیں ہو سکتا۔ جس میں صرف ایک ہی بات ہو یا تو اچھائی یا برائی اللہ نے ہر شے کو دو رخوں میں تخلیق کیا ہے اچھائی کا دوسرا رخ برائی اور برائی کا دوسرا رخ اچھائی ہے ہوتا یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ کسی انسان کا برائی

والا رخ دیکھ لیتے ہیں تو اپنے طور پر فیصلہ کر کے فارغ ہو جاتے ہیں کہ بس یہ برا ہے۔"

"خالہ جان وہ وحشی بردہ ہے بہت بڑا بلیک میلر اور اسمگلر اس کے پاس بے تحاشا دولت ہے جس کی وجہ سے اس کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے" اس نے استانی کی بات کاٹ کر جلا فت کہا۔

"اگر اس کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہوتا تو وہ تم سے عشق کا دعویٰ ہرگز نہ کرتا اس نے ایک بہت عمدہ لڑکی کا انتخاب کیا ہے میرا خیال ہے خوبصورت عورتیں اس کے آس پاس بہت ہوں گی اتنا خوبصورت دولت مند آدمی تو راجہ اندر بنا رہتا ہے میں نہیں سمجھتی اس نے خوبصورتی کی وجہ سے تمہارا انتخاب کیا ہے۔" استانی عائشہ نے بڑے مرتب انداز میں بات مکمل کی اس نے گردن موڑ کر استانی عائشہ کو ایک ٹک دیکھا۔

"اس شخص کی وجہ سے ہمارے خاندان آگ لگ گئی ہے آپ اس کی فیور نہ کریں۔ ابھی آپ کو حقیقت نہیں پتہ۔" اس کی آواز پر آنسو غالب آ گئے۔

"ہاں میں حقیقت تم سے ضرور سنوں گی۔ مگر ایک بات ہے وہ بگڑا ہوا تو سنور سکتا تھا تمہاری خاطر تم شاید اس سے تو کسی نے بات بھی نہیں کی ہوگی۔" ماہ نور نے بڑے دل گرفتہ انداز میں استانی کی طرف دیکھا۔

"وہ اتنا برا ہے کہ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ آپ اس کی حمایت کر رہی ہیں بات یہ ہے کہ آپ اسے جانتی نہیں۔ آپ کبھی اس سے ملی نہیں۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے تم نے بتایا وہ بہت برا آدمی ہے اتنا تعارف کافی ہے۔" اپنے خاص غائب دماغی والے انداز میں وہ مخاطب ہوئی تھیں۔

"بہر حال۔ وہ برا شخص اب تمہارا میاں ہے اور میاں بیوی کا رشتہ سب سے کمزور رشتہ اور سب سے مضبوط رشتہ تم بھاگ کر قطبین میں پہنچ جاؤ بہر صورت اس سے ایک واضح رشتہ تو قائم ہے۔" ماہ نور سنسندی اٹھ کر بیٹھ گئی شہر پناہ کی دیواریں جیسے ڈھے رہی تھیں۔

وہ بالکل گم صم ہو گئی تھی اور سینے پر ہاتھ دھرے سامنے دیکھ رہی تھی۔

استانی عائشہ نے اس کا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

"میری باتوں سے پریشان ہو گئیں بیٹی! گھبرانے کی بات نہیں میں تمہیں اپنے گھر سے جانے کا نہیں کہہ رہی ہوں حق بات کہہ رہی ہوں تمہارے بھلے کی بات کہہ رہی ہوں انسان کو اصل میں پتا نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ بھلائی ہو رہی ہے یا برائی۔ یہ اس کی حکمت کے راز ہیں بس وہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی بات میں اپنی بھلائی دیکھتا ہے مگر اس میں اس کے لیے بھلائی نہیں ہوتی بعض اوقات کوئی بات اسے اپنے خلاف محسوس ہوتی ہے مگر اس میں اس کی بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ اللہ سے اچھی امید رکھنا چاہیے خود اللہ فرماتا ہے میں تمہارے ساتھ ویسا ہی ہوں جیسا تم میرے بارے میں گمان رکھتے ہو۔"

وہ دھیرے دھیرے اسے سمجھاتے ہوئے کہہ رہی تھیں اور اس کی جان میں جان آئی تھی وہ قدرے پرسکون سی ہو کر ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"اور بیٹی اب بھی ہے کہ بعض مرتبہ کسی بھلے آدمی کے ساتھ عورت کی شادی ہوتی ہے مگر وہ شادی کے بعد معاذ اللہ گمراہ ہو جاتا ہے کسی پیشہ ور عورت کے دام میں الجھ جاتا ہے نشہ کرنے لگتا ہے دولت برباد کرنے لگتا ہے بھلی عورت ایسے مرد کے ساتھ بھی

نباہتی ہے قسمت کا لکھا سمجھ کر حالانکہ ان حالات میں اس کی زندگی ویران ہو چکی ہوتی ہے تو صبر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عزت بہر حال اسی میں ہے کہ عورت جس کے نکاح میں ہو اسی کے ساتھ رہے اللہ سے اچھی امید رکھ کر کوشش کرتی رہے کہ اس کا شوہر راہ راست پر آ جائے۔ نیکی دریا میں بھی پڑی ہوئی تو ضائع نہیں ہے نیکی رہتی ہے قدرت کا ہاتھ اس نیکی کو یوں محفوظ کر لیتا ہے جیسے سیپی بلور کر بھی نکالتے ہیں تیرتا ہوا کھن ہتھیلی پر اٹھا لیتے ہیں۔"

استانی عائشہ کے لہجے کی شبنم قطرہ قطرہ اس کے قلب پر ٹپکنے لگی۔

"ابھی طاقت تمہارے پاس ہے تم اس طاقت کو استعمال کر کے اس کی زندگی بدل سکتی ہو وہ تمہارے حق میں موم ہے جو بنانا چاہو بنا سکتی ہو۔ سب کچھ تمہارے حق میں ہو سکتا ہے مالک نے تمہیں بہت کچھ دے دیا ہے میری بات سمجھ رہی ہو ناں؟"

وہ بولتے بولتے پوچھنے لگیں اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"ہم کسی کو مجبور کرنے کا حق نہیں رکھتے مگر اسے روشنی کا رستہ تو دکھا سکتے ہیں آگے اس کی مرضی چلے نہ چلے۔" وہ بولیں۔

"جب ہم کسی کو برا کہہ رہے ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ خود کو اس سے بہتر کہہ رہے ہوتے ہیں مگر یہ درست نہیں ہے احساس برتری کی ایک شکل ہے ہمیں کیا خبر ہماری کون سی بھول چوک ہماری نیکیاں برباد کر چکی ہوتی ہے اور ہمیں پتا بھی نہیں چلتا کہ مالک کی نظر میں ہماری کیا وقعت ہے اگر نیکوں، بدوں کا فیصلہ اسی دنیا میں اتنی آسانی سے ہو جاتا تو روز جزا و سزا کا دن مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ حاکم عدالت کا دن مقرر کیوں کرتا؟"

اگر آواز خلق نقارہ خدا ہے تو آواز خلق کے حساب سے برا اچھا بھی بن سکتا ہے نہ اچھائی کی حد ہے نہ برائی کی سب سے زیادہ برا تو وہ ہے جس کے قلب میں تختی ہے اس پر کسی بھلائی نیکی کا اثر نہیں ہوتا۔ یہ محبت ناآشنا دل ہوتا ہے محروم و بدنصیب مگر وہ تو تم سے محبت کرتا ہے اس کا دل برا کیسے ہو سکتا ہے؟"

استانی عائشہ کہہ رہی تھیں۔

"لیکن ہمارے گھرانے کو عمر بھر کا روگ دے کر اپنا مطلب حاصل کرنے والا محبت کے معنی کیسے جان سکتا ہے یہ تو زی خود غرضی و سفاکی ہے۔" وہ خاصی دیر بعد گویا ہوئی۔

"کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گی کہ شروعات کیا تھیں؟" استانی عائشہ نے پوچھا۔

وہ اپنی انگلیاں دیکھ کر سوچنے لگی کہ کہاں سے بتانا شروع کرے۔

☆☆☆☆

قصر خواجہ میں خاصی گہما گہمی تھی۔ سب نوکر ملازم صاف ستھرے کپڑے پہنے دلہن کے سواگت کو تیار تھے نفیس خواجہ شاہانہ کے بہت قریبی رشتہ دار وہ دوست سہیلیاں بھی گھر میں موجود تھیں۔ جنہیں بتا دیا گیا تھا کہ بارات میں محدود مہمان بلائے گئے ہیں یہ سب لوگ اپنی مرضی سے ان کی خوشی شیئر کرنے آئے تھے جیسے ہی دلہن کی گاڑی کی آمد کی اطلاع ہوئی سب لوگ گیٹ پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ کوٹھی پر نفیس خواجہ کی ہدایت کے مطابق چراغاں کا اہتمام ہو چکا تھا یہاں واقعی لگتا تھا کہ شادی کا گھر ہے۔

شاہانہ نے ریبا کو تھام کر گاڑی سے باہر نکالا تو ان کی دوستوں نے فوراً آ گئیں بڑھ کر تھام لیا وہ شاہانہ کو مبارک باد دے رہی تھیں سون کو پیار سے گلے لگا رہی تھیں۔ مختلف قسم کی آوازیں ریبا کے کانوں میں آ رہی تھیں مگر مشکل سے جملہ کوئی پلے پڑتا تھا اس طرف کے مقابلے میں یہاں ڈھیک خوشیوں کی چہکار تھی۔

"بھئی سون! تمہاری حقیقی بہنیں تو ہیں نہیں تم ایسا کرو" ہماری بچیوں کو راستہ رکوائی دے دو یہ بھی تمہاری بہنیں ہیں

اور منافع کے وقت بھینس بیچتے ہیں میں کوئی حرج بھی نہیں۔" شاہانہ کی ایک دوست کے جملے پر زبردست قہقہہ پڑا۔

"ہمارا راستہ روکو آئی بھی لے لیں گے پہلے دلہن دکھا ئیے سچ بڑی بے چینی ہے۔ دیکھیں تو سہی مون بھائی نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے اتنی لمبی کیو میں سے کسی کو باہر نکالا ہے۔" ایک شوخ و شنگ آواز ریا کے کانوں سے ٹکرائی۔

"بھئی اندر تو چلو جی بھر کر معائنہ کر لینا دلہن کا۔ کوئی نشانی دینا چاہو تو وہ بھی دے دینا مون کو۔" شاہانہ کی دوست نے بات کے اختتام پر قہقہہ بھی لگایا۔

"یعنی آپ یہ بتانا چاہ رہی ہیں کہ دلہن بہت اچھی ہے اب کمرے تک کیسے چلا جائے گا۔" وہ لڑکی بولی۔

"بتاؤ ذرا حد ہے بے تابی کی ذرا مون کی طرف دیکھو کتنے صبر سے کھڑا ہے لگتا ہے ان لمینڈ تا تم اسی طرح کھڑا رہ سکتا ہے تم نے ایسا سنگ مرمر کا دولہا کبھی دیکھا ہے؟" اس لڑکی کی والدہ گویا ہوئیں۔

مون جیسے سٹپٹا کر ماحول میں واپس آ گیا اور ایک بڑی زبردستی کی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں تک لایا۔

"ایسا لگتا ہے کہ گن پوائنٹ پر نکاح پڑھوایا ہے تم نے بیٹے کا۔" شاہانہ کی ایک اور دوست نے مون کی طرف نشانہ باندھا مون خود کو موضوع بنتا دیکھ کر جیسے سنبھل گیا۔

"ارے نہیں بھئی میرے بیٹے نے دل و جان سے ریا کو قبول کیا ہے کیوں تنگ کر رہی ہو؟ یہ تو ہمیشہ سے ہی ایسا ہے بہت کم بولتا ہے۔" شاہانہ نے بہت محبت سے کہا نفیس خواجہ نے بہت شکر گزار نظروں سے بیوی کی سمت دیکھا۔

"بھئی تم نے اپنی ماں کو کس طریقے سے بتایا تھا کہ تم نے ریا کو دل و جان سے قبول کیا قاضی کے سامنے تو بس "قبول کیا بولتے سنا ہے دل و جان سے قبول کیا تو آج تک نہیں سنا۔" شاہانہ کی دوست نے اپنی بات کے اختتام پر پھر قہقہہ لگایا۔

"چلو لڑکیوں، ڈیمانڈ کرو آج سے یہ تمہارے پکے بھائی ہیں وقت ضائع نہیں کرو جو مانگنا ہے بلا تکلف مانگو اور ہاں نئے نوٹ لینا۔" وہ مزید بولیں۔

"آنٹی! آپ تو ایک دم مخالف پارٹی کی لگنے لگی ہیں۔" دوسری گاڑی بھی پہنچ گئی تھی سنی جھمکھٹا دیکھ کر تیزی سے ان کی طرف آ گیا تھا۔

"اچھا ہوا یار! تم آ گئے میں تو پریشان ہو گیا ہوں۔" مون نے مسکرا کر حصہ لیا۔

"یار ابھی سے پریشان ہو گئے ابھی تو بیگم کمرے تک نہیں پہنچیں۔" نفیس خواجہ کے ایک دوست نے برجستہ کہا جس پر قہقہوں کا طوفان امڈ پڑا۔

"جی دلہن تک اپروچ کرنا ہے تو "کچھ" ٹکٹ کا "قدم آگے بڑھائیے۔" ایک لڑکی بولی۔

"پچیس ہزار سے ایک پائی کم نہیں ہوگی۔" دوسری لڑکی آگے بڑھی۔

"مائی گاڈ! آپ ایسے کریں دلہن کو اپنے ساتھ لے جائیے۔ میں کبھی کبھی ملنے آ جایا کروں گا۔ مون نے بے ساختہ کہا تھا

"دو لاکھ کا دلہن اس وقت زیور پہنے ہوئے کچھ ہوش کرو۔" نفیس خواجہ کی بھاوج نے مون کو اس کی حماقت کا احساس دلایا۔

"اچھا مجھے علم نہیں تھا۔ چلیں پھر مجھے ساتھ لے چلیں۔ یہ مجھ سے ملنے آ جایا کریں گی۔ ٹھیک؟"

"آپ پچیس ہزار کے ہیں؟" کہیں سے آواز ابھری

"میرا بیٹا پچیس کروڑ کا بھی نہیں۔" شاہانہ نے آگے بڑھ کر مون کو گلے سے لگایا۔

"ممی! آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ یہ سب بھی ہوگا؟" مون نے کہا۔

"یہ تو ہوتا ہے بیٹا! یہ خوشیوں کے رنگ ہیں اللہ کرے تمہیں یہ خوشیاں مبارک ہوں یہ خوشی راس آئے لڑکیوں مون کو پتا نہیں تھا کہ رسمیں بھی ہوں گی وہ اتنے پیسے جیب میں رکھ کر نہیں گیا تھا میں جو دے رہی ہوں ابھی بچیوں کی طرح رکھ لو۔ دلہن کھڑے کھڑے تھک ہو گئی ہوگی۔"

شاہانہ نے معاملہ نپٹانے کی کوشش کی اور کچھ نوٹ پرس میں سے نکال کر ایک لڑکی کی طرف بڑھائے

"یہ رکھ لو آپس میں بانٹ لینا۔ اب آنٹی سے بحث نہیں شاباش۔"

"کتنے ہیں آنٹی؟" لڑکی نے ہاتھ یوں پیچھے کیے گویا وہ زبردستی اس کی مٹھی میں دبا دیں گی۔

"بہت سارے ہیں مجھے تو دور ہی سے نظر آ رہے ہیں کوئی ایسی رسم نہیں ہوتی جس میں دولہا کے بھائی بند کو بھی کچھ ملتا ہو میرا مطلب ہے اتنا سارا ناقابل واپسی وہ آوٹ کا ٹوشنگ۔ سنی کی رال ٹپکنے لگی۔

"تم اپنی بھابھی کو تنگ کرنا اندر جا کر گھٹنا پکڑ لینا ان کا۔ جب تک مطالبہ پورا نہ کریں چھوڑنا نہیں۔" شاہانہ کی ایک دوست نے سنی کو خوش کر دیا۔

"اگر روز تنگ کروں گا تو کیا روز ملیں گے؟" اس نے شریر انداز میں پوچھا۔

"سبحان اللہ بالکل تجسس کے اندر ہی آ گئے اونٹ کی طرح شادی ایک مرتبہ ہوتی ہے اور رسمیں بھی۔" ایک لڑکی نے سنی کی طبیعت صاف کی۔

"دو دفعہ بھی ہوتی ہے کیوں ڈیڈی؟" سنی نے پھر شرارت بھرے انداز میں باپ کو دیکھ کر کہا۔

"تیسری دفعہ بھی ہو سکتی تھی مگر تمہاری امی کو یہ دنیا اتنی پسند آئی کہ انہوں نے جنت میں بھی جانا پسند نہیں کیا۔" نفیس خواجہ کی اس بات پر قہقہے بلند ہونے لگے۔

"پتا نہیں تایا آنٹی یہ کتنے ہیں؟" لڑکی پھر شاہانہ کی سمت متوجہ ہوئی۔

"سنی ٹھیک کہہ رہا ہے بہت سارے ہیں تم آپس میں بانٹ لینا۔" انہوں نے کہا۔

"رکھ لو بیٹے! اب دلہن کو اندر جانے دو۔"

"اتنی بے صبری ہو کیسے پری اڑ گئیں۔ دلہن کو اس کے بیڈ روم کے دروازے تک تو پہنچنے دیں۔" نفیس خواجہ کی بھاوج بولیں۔

"ان کا کیا بھروسا ماشاء اللہ فل آف اسٹیمنا ہمیں ادھر ادھر دھکیل کر دلہن کا ہاتھ پکڑ اندر گھس کر لاک لگا دیے تو ہم بس دروازہ پیٹتے ہی رہ جائے۔" لڑکی نے توضیح پیش کی۔

سب اندر بڑھے۔ مرد حضرات ڈرائنگ روم کی طرف اور خواتین و لڑکیاں دلہن کے ہمراہ اوپر بیڈ روم کی طرف مون بھی مرد حضرات کے ساتھ چل پڑا تھا۔

"ارے تم ادھر جا رہے ہو مووی بن رہی ہے دلہن کے ساتھ ساتھ رہو۔" شاہانہ نے اسے متوجہ کر کے کہا۔

وہ آہستہ قدموں سے دوبارہ ان کی طرف چلا آیا۔

ایک لڑکی جو سب سے زیادہ بے تاب و بے چین نظر آ رہی تھی ریا کے گھونگھٹ میں ہی جیسے منہ دے بیٹھی۔

"واو مون۔ تمہاری دلہن تو بہت پیاری ہے جیسے اطالوی گڑیا میری باربی جیسی لگ۔ اکس کریم پارلر والی باربی ہے نہیں ہی۔"

"توبہ ہے۔" سب اس کی تشنگی سے محظوظ ہوئے۔

"مجھے کیا بتا رہی ہو، رکھا ہوا ہے میں نے۔" سون نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"دلہن بنا ہوا تو نہیں دیکھا؟ بابا جس جگہ دلہن بن رہی تھیں، وہیں دھرنا مارے بیٹھے تھے؟" لڑکی بولی۔

"ہاں سنا ہے دلہن بننے کے بعد شکل بدل جاتی ہے۔" وہ جواباً برجستہ بولا۔

"کمرے میں چلو پھر پتا چلے کتنی بدلی ہے شکل۔" لڑکی بھلا باز آنے والی تھی۔ (شاہانہ کی بہت ہی قریبی دوست کی بیٹی تھی)

"تمہیں کیوں بتاؤں گا جس کی شکل ہے، اس کو بتاؤں گا۔" سون کا اتنا کہنا تھا کہ لڑکیوں نے ہاؤ ہکار مچا دی۔ خواتین بھی محظوظ ہو رہی تھیں۔

"ہوں آنٹی کہتی ہیں سون کو تو بولنا ہی نہیں آتا۔" لڑکی نے ریڈ بے نجانے

"ممی یہ نہیں بول سکتیں۔ گونگا ہوتا تو ریبا کے گھر والے اس کی شادی میرے ساتھ کیسے کر دیتے؟ آخر یہ اکلوتی ہے قربانی کے بکرے کی طرح چیک کیا ہوگا۔ مجھے نظروں ہی نظروں میں۔" وہ اس لڑکی کو گویا زچ کرنے کی ٹھان چکا تھا۔

"مگر دانت تو نہیں ہی گنے ہوں گے کیونکہ عقل داڑھ تو ابھی نکلنا باقی ہے پھر فٹ نس سرٹیفکیٹ کیسے حاصل کیا؟ کرپشن تو نہیں ہے بیچ میں۔ آئی مین ان ہونی۔"

"تمہیں انہیں اندازہ تھا شادی تک نکل آئے گی مگر آپ ہلکان نہ ہوں۔ اب یہ ریبا کا ہیڈک ہے جانے گزارا کرتا ہے۔" اس کی مسکراہٹ ہونٹوں پر کم آنکھوں میں زیادہ تھی۔

"ٹھیک تو کہہ رہا ہے سون گزارا تو اب ریبا نے کرنا ہے تم اتنی فکرمند کیوں ہو جب تمہاری ہونے لگے تو بتیس گن کر رہی کرنا۔" ایک خاتون نے معاملہ رفع دفع کیا۔

سب دلہن کے ساتھ سون کے بیڈ روم میں داخل ہو گئیں مووی کیمرہ مسلسل آن تھا لوگ جھونک بھی ریکارڈ ہو رہی تھی ہنسی و قہقہے بھی۔

شاہانہ نے ریبا کو بہت پیار سے بیڈ پر بٹھایا۔ اس کا گھونگھٹ اونچا کر کے پیشانی پر بوسہ دیا۔

"میرے گھر میں بہار بن کے آئی ہو اللہ میرے گھر کو ہرا بھرا رکھے۔"

"آمین!" دوسری حاضر خواتین نے مشترکہ صدا بلند کی۔

ایک لڑکی نے ریبا کا لباس درست کیا۔ اسے مووی میکر کے مطلوبہ زاویے سے بٹھایا۔

"آؤ سون! تم بھی برابر میں بیٹھو۔ یہ مووی تو یادگار ہونی ہے۔" شاہانہ نے کہا گھونگھٹ اونچا کرنے سے اب ریبا کا چہرہ واضح نظر آ رہا تھا۔

"بس ممی بہت بن گئی مووی مجھے ذرا کام ہے بیچ۔" اچانک ہی جیسے اس کا موڈ تبدیل ہو گیا اور شاہانہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا۔

شاہانہ ایک لمحے چپ سی ہو گئی تھیں۔

"ماشاء اللہ شاہانہ! تمہاری بہو بہت کیوٹ ہے ہمیں بہت پسند آئی۔" ان کی دوست بولیں تو وہ ماحول میں فوراً لوٹ آئیں۔

"تھینکس۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تھا۔

"تمہارے ہاں آرسی مصحف کی رسم نہیں ہوتی شاہانہ! یہ سون کیوں چلا گیا؟" اسی دوست نے پوچھا

"یہ آج کے بچے کہاں مانتے ہیں ان رسموں کو۔"

شاہانہ نے بات بنائی سون کا سرد رُخ خشک انداز وہ بھی اپنی شادی کے موقع پر، شاہانہ کو بھی بہت محسوس ہو رہا تھا خود کو یہ سوچ کر تسلی دینے کی کوشش کی تھی کہ اس کا تو انداز ہی یہی ہے یا شاید شرم و جھجک ہے اس موقع پر۔

"ریبا! بیٹے! آرام سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاؤ۔ یہ تمہارا کمرہ ہے بلکہ یہ گھر تمہارا گھر ہے اجنبیت دور کرو۔" انہوں نے گاؤ تکیہ اس کی پشت سے لگاتے ہوئے کہا۔

معاً ریبا کی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ ٹپکنے لگے شاہانہ کی نظر فوراً ہی پڑ گئی تھی۔

"کیا بات ہے میری جان! بالکل رونا نہیں ہے یہاں بھی تمہارے ماں باپ بھائی موجود ہیں ان شاء اللہ تم بہت اچھا محسوس کرو گی سون بہت کیئرنگ ہے وہ تمہارا بہت خیال رکھے گا اس کی عادات بہت اچھی ہیں وہ اپنے والدین کی آنکھوں کا تارا ہے سب ہی اس سے پیار کرتے ہیں تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی ان شاء اللہ۔"

وہ انگلی کی پور سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بہت محبت سے اسے تسلی دے رہی تھیں۔

"اور پھر جب بڑی اماں بھائیوں سے ملنے کو جی چاہے جا سکتی ہو جتنے دن رہنا چاہو رہ سکتی ہو سون تمہیں کبھی منع نہیں کرے گا۔" وہ مزید تسلی کے ضمن میں بولیں۔

"آنٹی! ریبا آپ کا سلیکشن ہے یا سون؟" ایک لڑکی نے پوچھا

"یہ فرسٹ سلیکشن تو تمہارے نعیم انکل کا ہے پھر ہم سب نے او کے کیا۔"

"بہت اچھا سلیکشن ہے آپ کی وقت میں بھی انکل کی پرفارمنس اچھی تھی اور اب بھی۔" لڑکی شرارتاً بولی سب خواتین ہنس دیں۔

"اس کا مطلب ہے ... بہت اہمیت بنتا ہے وہ آج کل تو بچوں میں خود سلیکٹ کرنے بلکہ لو میرج کرنے کا رجحان ہے۔"

ریبا ان کی باتیں برابر سن رہی تھی اب تک اس نے سون کے بارے میں کوئی غور و خوض نہیں کیا تھا اس کے ذہن میں یہ تھا جس طرح ساری دنیا میں لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں اس کی بھی ہو رہی ہے۔

مسلسل سون کا ذکر ہوا تو فطری طور پر اس کا ذہن اپنے ہم سفر کی طرف چلا گیا جذبات میں لطیف سی ہلچل ہوئی تا نیہ کا سکھایا سمجھایا ذہن میں گردش کرنے لگا تو دل کے دھڑکنے کا انداز تبدیل ہو گیا۔

جس وقت دلہن بن رہی تھی کہ تو بس ایک افسردہ سی کیفیت تھی کہ وہ بڑی اماں اور بھائیوں سے دور جا رہی ہے جدائی کے احساس سے ہی ذہن ماؤف تھا مگر اب اسے سون کے خیالات آنے لگے تھے عجیب سی گھبراہٹ بھی طاری ہونے لگی تانیہ کے کچھ چاکیدی جملے یاد آئے تو ہتھیلیوں میں پسینہ آنے لگا۔

"چلو بھئی لڑکیوں اب دلہن کا پیچھا چھوڑ دو اسے آرام کرنے دو۔ کھانا لگوانی ہوں ہم لوگ تو کھا کر آئے ہیں مگر یہاں کا انتظام کر کے گئی تھی مجھے پتا تھا تم لوگ مجھے بخشو گی نہیں بریسٹ اور مٹن کڑاہی اسپیشلی بنوایا ہے۔

تم لوگوں کے لیے بریانی بھی ہے کیونکہ چاول کی ڈش کے بغیر دعوت بغیر دولہا کی دلہن لگتی ہے۔"

شاہانہ آج پورے موڈ میں تھیں ان کی بات پر ہلکا سا قہقہہ لگا۔

"ٹھیک ہے آنٹی دیر ہے۔ میں پتا تھا کہ کھانا اچھا ہی ملے گا ہم جب آئے گا۔ اچھا کھانا کھا کر ہی جاتے ہیں ان کی

دوست کی بیٹی نے کہا۔

"خوب ٹھمکے لگاؤ۔ یہ آنند کا بندوبست ہے۔" لڑکی کی ماں نے جملہ فٹ کیا۔

"ہمارے ہاں تو ہوٹلنگ زیادہ ہوتی ہے ٹھمکے تو لگانا پڑے گا گھر میں تیار کھانے کا نو منبٹ ہی دوسرا ہوتا ہے۔" روز کی بڑی بولی۔

پھر سب ربیا کو خدا حافظ کر کے اس کے رخسار چوم کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

شاہانہ نے اسے آرام کرنے کا مشورہ دیا سائیڈ میں رکھے پانی کا بتایا۔ دودھ بھجوانے اور ضرور پینے کی تاکید کی اور باہر نکلتے ہوئے دروازہ بند کر گئیں۔

ربیا نے ایک گہرا سانس لیا اور پاؤں پھیلا دیے اور کمرے میں نظر دوڑانے لگی سامنے ہی دیوار پر مون کی بڑی سی رنگین تصویر تھی بلیک تھری پیس سوٹ اور سرخ ٹائی میں جس پر بلیک ڈاٹس پڑے ہوئے تھے ہونٹوں پر بڑی مبہم سی مسکراہٹ تھی بالوں کا اسٹائل بہت دلکش تھا آنکھوں میں بلا کی چمک تھی وہ بہت غور سے تصویر دیکھنے لگی احساسات میں خوشگوار سی تبدیلی ہونے لگی۔

اس کی بھاری اور دبی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔

کچھ دیر قبل وہ لڑکیوں کی شوخیوں کا جواب دے رہا تھا۔

چند لمحوں کے بعد اس نے تصویر سے نظریں ہٹا کر بائیں پہلو میں پڑے دوسرے تکیے کی طرف دیکھا کچھ دیر بعد وہ یہاں ہوگا میرے خدا پھر عجیب سی گھبراہٹ شروع ہوگئی اس نے آنکھیں موند لیں یا اللہ میں اتنا بولنے والی ان سے کیسے بات کر پاؤں گی؟ اسے نئی الجھن درپیش ہوئی کہیں میں بے ہوش نہ ہو جاؤں، یہ اور تماشا ہوگا اسے نت نئی سوچوں نے گھیر لیا۔ جانے کب تک وہ سوچتی رہی معاً دروازے کا ہینڈل گھوما وہ پاؤں سمیٹ کر یکدم سنبھل گئی دروازہ کھلا اور ربیا کی جگہ نئی رکھی گئی ملازمہ دودھ کا گلاس لیے اندر آگئی۔

"السلام علیکم چھوٹی بیگم! مبارک ہو آپ کو۔ ہم سب نوکر آپ کے آنے سے بہت خوش ہیں۔" وہ گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بہت خوشامدانہ انداز میں گویا ہوئی۔ ربیا کیا کہتی۔ خاموش رہی۔

"بڑا اچھا گھر ملا ہے۔ آپ کو بڑے دیالو والے لوگ ہیں ہمارے مالک بڑا پیسہ ہے ان کے پاس۔ ایسے ہی خرچ بھی کرتے ہیں جو یہاں نوکر ہو جاتا ہے اس کا کہیں اور جانے کو دل نہیں کرتا سارے نوکر ادھر ہی کھانا کھاتے ہیں فارغ وقت میں ٹیلی وژن دیکھتے ہیں مالک لوگ تو دوپہر تک گھر سے چلے جاتے ہیں اکیلا گھر ہوتا ہے اور نوکر اب تو خیر آپ آگئی ہیں ہم ہر وقت خدمت کو حاضر ہیں۔" وہ ایک تواتر سے بولتی جا رہی تھی۔

"آپ کا دولہا بھی ماشاءاللہ بہت اچھا ہے قسمت والیوں کو ایسا بر ملتا ہے اللہ آپ کا نصیب یونہی چمکتا رکھے۔" وہ مزید بولی۔

"صبح کو سب سے پہلے آپ کی نظر اتاروں گی ماشاءاللہ بڑا روپ آیا ہے سارے بیگم صاحبہ کو کہہ رہے ہیں، دلہن بہت اچھی ہے عمر بھی بہت کم ہے خیر میں چلتی ہوں بیگم صاحبہ نے کہا ہے دودھ ضرور پی لیجئے گا۔"

کھانا بھی بھجواؤں گی بھوک لگے تو مون صاحب کے ساتھ کھا لیجئے گا۔

ٹھیک ہے۔"

وہ پلنگ کی چادر درست کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا میں جاتی ہوں صبح کو آپ سے ملاقات ہوگی۔" اس نے جاتے جاتے کارپٹ سے پھولوں کی پتیاں بھی چنیں۔

اس کے جانے کے بعد ربیا سوچنے لگی یہ تو بہت بولتی ہے مجھ سے بھی زیادہ اس نے پھر آنکھیں موند لیں۔ ذہن گھر کی طرف چلا گیا۔ کیا کر رہے ہوں گے وہ سب بڑی اماں تو ابھی تک رو رہی ہوں گی بڑی اماں کا خیال آتے ہی یکدم اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بری طرح رو رہی تھی اسے پتا بھی نہ چلا کہ مون کس وقت کمرے میں آ گیا۔

"السلام علیکم میرا خیال ہے بس کریں۔" اتنے قریب سے اس کی آواز آئی کہ ربیا بری طرح ہڑبڑا کر سیدھی ہوگئی دل یوں دھڑکنے لگا گویا راستہ ملے تو نکل بھاگے وہ جیسے دم سادھ کر بیٹھ گئی۔

اس کی جھکی نظریں مون کے بلیک چمکتے شوز تک محدود تھیں۔ وہ اس کے بیٹھنے کی منتظر تھی مگر اس کے قدم ڈریسنگ روم کی طرف اٹھے تھے۔

"آپ کو اس گھر میں ویلکم کہتا ہوں۔" وہ ہیئر برش اٹھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اس روز اخبار سے ہوٹل میں ملنے والی معصوم و سادہ سی لڑکی میری ہم سفر میری شریک حیات ہوگی میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں تو اس لڑکی کو بچوں کی طرح ٹریٹ کر رہا تھا انجوائے کر رہا تھا مگر میرے پیرنٹس نے بتایا۔ وہ بچی نہیں "بڑی" ہے ہماری بہو بننے کے قابل میں نے سوچا کہ تجربہ کار لوگ ہیں صحیح کہہ رہے ہوں گے۔

ایکچوئلی شادی جو ہے اپنی سلیکشن ہو شادی سے پہلے محبت ہو تب بھی کوئی گارنٹی نہیں جیت جانے کی میری نالج میں ایسے بہت سے کیسز ہیں اس لیے میں نے شادی سے پہلے کوئی منصوبہ بندی کوئی پلاننگ نہیں کی محبت کرنے کا بھی تجربہ نہیں ہے اتفاق سے مجھے یہ بھی نہیں ہوئی۔ اس پر مجھے بھی حیرت ہے حالانکہ عمر محبت والی ہے اگرچہ عمر میں آپ سے خاصا بڑا ہوں مگر بہرحال ینگ ہوں۔"

وہ ٹہلتے ہوئے کہہ رہا تھا ربیا کو الجھن تھی کہ یہ بیٹھتے کیوں نہیں اس کا چہرہ تک نہیں دیکھا۔

"اب مجھے نہیں پتا ہے آپ آئیڈیل وغیرہ کی کتنی قائل ہیں اور میں آپ کے آئیڈیل سے کتنا قریب یا کتنا دور ہوں خیر مجھے اس کی جستجو بھی نہیں ہے اس لیے کہ شادی تو ہو چکی۔ اب یہ سوچنا ہے کہ ساتھ رہنا ہے تو کس طرح کن اصولوں کے ساتھ آپ زندگی میں مجھ سے کسی قسم کا تعاون بھی چاہیں گی تو ان شاءاللہ مایوسی نہیں ہوگی اور مجھے جب آپ کے کسی قسم کے تعاون کی ضرورت ہوگی اور آپ معذرت بھی کر لیں گی تو بھی میں برا نہیں مانوں گا میری فطرت میں جبر و زبردستی نہیں ہے میں اپنی ذات سے کوشش کروں گا کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ دوں میں شروع ہی سے کم گو ہوں بعض اوقات تو بہت ہی کم بات کرتا ہوں اس لیے بتا رہا ہوں کہ آپ اداس رہیں کچھ محسوس نہ کریں بلکہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں میں خود ٹھیک ہو جاتا ہے کسی کو منہ پھیر کرنے کی ضرورت نہیں اب جیسے میں آج کے دن شادی کے لیے پہلے سے ذہنی طور پر تیار نہیں تھا ڈیڈی نے ٹینشن بنائی تو بہت مشکل سے مائنڈ میک اپ کیا۔

او سوری۔ وہ آپ کی رونمائی کی بات والی تو رہ گئی اب کیونکہ میں ذہنی طور پر تیار نہیں تھا اتنی امرجنسی کی شادی کے لیے اس لیے آپ کے لیے ابھی کچھ لیا بھی نہیں تھا۔ ممی نے یہ کنگن دیے تھے کہ دلہن کو رونمائی میں دے دینا۔"

وہ ان کے مقابل بیٹھ گیا اور اس کی تھوڑی انگلی سے چھو کر چہرہ اونچا کیا۔

"آپ بیوٹی فل ہیں بہت پیاری مگر شادی خوب صورتی اور رنگت سے مشروط نہیں ہوتی۔ کچھ قربانیاں، کچھ سمجھوتے آپس میں خلوص ہو تو پھر محبت بھی ہو جاتی ہے اگر شادی حسن و جمال سے مشروط ہوتی تو دنیا میں کسی خوب صورت و حسین عورت کو طلاق نہ ہوتی خوب صورت عورتوں کی دوبارہ شادیاں نہ ہوتیں۔

"کسی خوب صورت عورت کا شوہر پہلی خوب صورت بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی نہ کرتا۔"

اف یہ کیسا پتھر یار دولہا تھا خوش فہمی کی حد تک حقیقت پسند پہلی رات اپنی نئی نویلی دلہن کی خوب صورتی سے متاثر ہونے کے بجائے صاف سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ اس کی خوب صورتی سے قطعی متاثر نہیں ہوا۔

"حالانکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ عورت کا سلیکشن عام طور پر خوب صورتی کی وجہ سے ہی ہوتا ہے بہر حال مجھے آپ کی مستقل مزاجی اور خلوص کی زیادہ ضرورت ہوگی آپ چینج کر لیں۔ ممی نے بتایا تھا کہ آپ کا نائٹ ڈریس وارڈ روب میں موجود ہے اور ہاں ایک منٹ یہ کنگن میں آپ کو پہنا دوں۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر کنگن پہنانے لگا کنگن پہنا کر اس نے ربیا کے ہاتھ کی پشت پر ایک بوسہ دیا بد ربیا ساری جان سے کانپ کر رہ گئی ابھی وہ سنبھل بھی نہیں تھی کہ مون کا چہرہ اس کے چہرے سے قریب ہوا اور اس نے ایک مرتبہ پھر اپنا استحقاق استعمال کیا۔ ربیا کی حالت اس سے بہتر مزید غیر ہوئی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"پلیز ربیا! آپ چینج کر کے ایزی ہو جائیں اور سونا چاہیں تو سو جائیں ابھی عمر پڑی ہے باتیں کرنے کے لیے آپ بھی اس وقت تھکی ہیں میں بھی تھکا ہوا ہوں اور اس طرح ارینجڈ شادی کے لیے بڑی بھاگ دوڑ کرنا پڑتی ہے" وہ یہ کہہ کر وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکالنے لگا۔

تابہ بھابھی نے جو کچھ بتایا تھا ویسا کچھ بھی نہیں ہوا کوئی خوب صورت بات تک نہیں ہوئی وہ جو سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی قدرے ایزی ہو گئی رانی تھکے ہوئے ہوں گے اس نے گہرا سانس لے کر دوپٹے کی پنیں نکالنا شروع کیں مون باتھ روم میں جا چکا تھا اور شاور کھلنے کی آواز آنا شروع ہو گئی تھی۔

اس نے دوپٹہ اتار کر آرام سے تہہ کیا پھر بیڈ سے نیچے اتر آئی اور وہ بڑی سی وارڈ روب میں اپنا نائٹ ڈریس دیکھنے لگی جو تھوڑی سی تلاش کے بعد نظر آ گیا پنک کلر کی نیٹ کی نائٹی تھی جس کے نیچے کاٹن کی ٹائٹ تھی مگر اس کا گلا خاصا گہرا تھا وہ کھڑی سوچتی رہی پھر ترکیب ذہن میں آ گئی گلے میں سیفٹی پن لگا کر اسے تنگ کیا جا سکتا ہے ابھی وہ دوپٹے سے ڈھیروں سیفٹی پن نکالی تھیں وہ نائٹی ہاتھ میں لے کر بیڈ پر بیٹھ کر مون کے باتھ روم سے آنے کا انتظار کرنے لگی اور پھر کچھ سوچنے لگی چند منٹوں کے بعد مون باتھ روم سے باہر آ گیا اور ہاتھ میں پکڑے تولیے سے سر رگڑ کر خشک کرنے لگا۔

"ڈرائی روم کے ساتھ ڈریسنگ بھی ہے آپ اس طرف چینج کر سکتی ہیں" وہ اسے اٹھتے دیکھ کر بولا۔

ربیا نے اٹھتے ہوئے دو سیفٹی پن اٹھا لیں اور نظریں جھکائے آگے بڑھ گئی پہلے خوف و پریشانی تھی اب اسے مون سے حیا آ رہی تھی اس کی دو مرتبہ کی غیر متوقع حرکت کی وجہ سے

وہ چینج کر کے گلے میں بھوڑے پنا سے سیفٹی پن لگا کر باہر آئی تو مون کمرے میں نہیں تھا اس نے آزادی کا لطف لیتے ہوئے گلاس بھر پانی پیا اور وہ اسی طرح رکھا تھا اس سے گلاس اٹھایا نہیں گیا اور مون نے اسے کہا نہیں۔

کمرے میں دو ٹیوب روشن تھیں جس کی وجہ سے روشنی بہت تھی کمرے کی ہر شے واضح تھی اور کمرے میں لٹکے کریم کلر کے پردوں میں پڑے مہندی رنگ کے چھوٹے چھوٹے پھول تک......

وہ خاصی دیر بیڈ سے پاؤں لٹکائے بیٹھی رہی سوچتی رہی اپنی عجیب سی شادی اور خاص قسم کے دولہا پر غور کرتی رہی جانے کس وقت مون دوبارہ آ گیا تو اس کا دھیان کمرے کے ماحول میں پلٹا۔

"ارے آپ سوئیں نہیں؟ لائٹ بند کر کے سو جائیے نا۔"

وہ بولا اور سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا مگر رک گیا پھر آہستگی سے چلتے ہوئے ربیا کے قریب آیا

"یہ آپ نے نائٹی کا نیا ڈیزائن بنا رہا ہے" سیفٹی پنیں اوپر ہی چمک رہی تھیں۔

مون نے ہاتھ بڑھا کر دونوں پنیں نکال دیں ربیا کی ٹانگیں کانپنے لگیں

اچھا اسکا گلا بڑا ہے اس لیے ہنسنے لگی تھیں مگر مجھ سے شرمانے کی کوئی وجہ نہیں آپ سر سے پاؤں تک میری ہیں اور آپ نے سنا نہیں کہ میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں آپ خاصی کم عمر سہی مگر بچہ تو ہیں پڑھی لکھی ہیں فلمیں ڈرامے دیکھتی ہیں ہو سکتا ہے کہ میاں بیوی کی ریلیشن شپ کے بارے میں آپ کو کچھ سمجھایا بھی گیا ہو"

ربیا نائٹی کا گلا ہاتھ سے دبوچے بیٹھی تھی مون نے اس کے ہاتھ سے گلا چھڑا لیا اور بڑی لاپروائی سے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھا کر لائٹس آف کر کے نائٹ بلب جلا دیا

"آپ بالکل ایزی ہو جائیں اور آرام سے سو جائیں۔"

وہ بیڈ پر دراز ہو گیا ربیا اسی طرح بیٹھی رہی

"ربیا ایک اگریمنٹ نے مجھے قبول کر رہا ہے اگر ایسے میں میرا ساتھ دو مجھ سے محبت کرو گی میرا بھرم رکھو گی تو یقیناً میں اپنی کھوئی ہوئی دولت واپس لے لوں گا بہت جلد میاں بیوی عمر بھر کے ساتھی ہوتے ہیں ایک دوسرے کے دکھ درد خوشی کے ساتھی ان کی ریلیشن شپ کا صرف ایک ہی مقصد نہیں ہوتا یہ محبت اور خلوص سے معتبر ہو جاتے ہیں تمہیں تھوڑا انتظار کرنا ہوگا۔

ہو سکتا ہے ابھی تمہیں میری باتیں سمجھ میں نہ آئیں لیکن چند روز بعد خود بخود سمجھ میں آ جائیں گی جو کہا ہے بس اسے یاد رکھنا ہے اب آرام کرو گڈ نائٹ

وہ دوسری طرف کروٹ لے کر سو گیا

اور ربیا ہلکی نیلی روشنی میں اس کے الفاظ تول تول کر یادداشت میں سنبھالنے لگی رافعی اسے کچھ جملوں کے معنی سمجھ میں نہیں آئے تھے اس لیے بہت الجھن تھی اس نے گردن موڑ کر مون کی پشت دیکھی اور آہستگی سے اٹھ کر کھڑکی میں سے باہر جھانکنے لگی جہاں سے لان اور اس کی دیوار سے پرے امر کی سیاہ چمکدار سنسان سڑک نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆
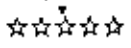
ولیمہ ایک ہفتے بعد تھا ربیا کی اماں چاہتی تھیں کہ ربیا پانچ چھ دن میکے میں گزارے مگر مظاہر نے منع کر دیا کہ جب تک ولیمہ نہیں ہو جاتا ربیا کو یہاں نہ ٹھہرائیں۔

ربیا دوپہر کے کھانے سے قبل ہی میکے واپس آ گئی تھیں شاہانہ نے کہا تھا مون رات کو اسے لے آئے گا گھر آئی تو بڑی امی اور نشاط وغیرہ ابھی موجود تھیں۔

تابہ اور نشاط نے سب سے پہلے رونمائی میں ملنے والے تحفے کے بارے میں پوچھا تھا اور کنگن دیکھ کر کہا تھا "ہاں بھئی ہمیں پتا تھا کہ کوئی بھاری بھرکم چیز ہی ملی ہوگی ویسے ہمارا خیال زرا اس سے بھی اونچا تھا کہ شاید ڈائمنڈ کی کوئی چیز ہوگی"۔

"اگر وہ خود کوئی چیز لیتے تو شاید ڈائمنڈ لیتے کیا یہ تو ان کی امی نے دیے تھے انہیں" وہ بڑی سادگی سے بولی تو تابہ و نشاط کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"ارادتاً خاص چیز بھی امی نے دلوائی دیکھا تو تھا ان کی ممی ان کا منہ تو نہیں دکھلا نہیں ابھی تک؟" نشاط ہنسی۔ "وہ کہہ رہے تھے کہ شادی ارینجڈ میں ہوئی کہ موقع ہی نہیں ملا کچھ خریدنے کا" وہ اسی انداز میں گویا ہوئی۔

واقعی ابھی جیسی تو ہوئی خیر ہم رات بھر زور زور سے ہنستے رہے کہ دونوں طرف ''مذاکرانہ'' بات چیت ہو رہی ہو گی سون کہہ رہا ہو گا ریبا فکر نہ کرو، میں تمہارا خیال رکھوں گا اور ریبا کہہ رہی ہو گی کہ میں آپ سے زیادہ خیال رکھوں گا

اور کہہ رہا ہوں گا میں ہر قدم پر آپ کا ساتھ دوں گا، ریبا نے کہا ہو گا کہ میں بھی اسی طرح آپ کے ساتھ چلوں گا''

میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی'' قدرے خجل ہو کر بولی

''اچھا اب یہ ہمیں چلا رہے گی'' نشاط نے ہنکارا بھرا صبح کتنے بجے سوئی تھیں؟ اس نے سونے کا ٹائم دریافت کیا

''صبح؟ نہیں تو میں تو رات کو ہی سو گیا تھا اور میرا مطلب ہے سو گئی تھی'' وہ فوراً سنبھلی اور صیغہ درست کیا'' ہائیں کیا مطلب؟

رات کو اور سون؟'' تانیہ نے بڑی فکر مندی سے ریبا کا چہرہ دیکھا۔ جس پر ریبا اندر ہی اندر بری طرح سہم گئی'' ہم تھک از رانگ Some thing is wrong سون کے چند الفاظ اس کے ذہن کے گنبد میں گونجنے لگے۔

''میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔ اس نے صیغہ درست رکھنے کی شعوری کوشش کی۔

''صبح چار بجے سوئی تھی۔ اس نے نارمل لہجے اور دھیمی آواز میں کہا۔

تانیہ، نشاط نے سر پیٹ لیا۔

''شش۔ بے وقوف بالکل ہی بھائی ہے اس طرح کی باتیں اتنی زور سے نہیں کرتے'' ریبا نے بے بسی سے دونوں کی شکل دیکھی مگر خاموش رہی۔

''کیا کہا اس نے؟ پسند آئیں تم۔ تعریف کی تمہاری؟ نشاط نے شرارت سے پوچھا۔

''نہیں تو تعریف و عریف تو نہیں کی کہنے لگے خوب صورتی اور بولنے تو لگے پھر رک گئی وہ بھلا تعریف کرتے ہوں گے تب ہی تو آپ پوچھ رہی ہیں۔

''جی جی۔ اور میں بھول گئی کہ کبھی تعریف کیا تھی۔''

''تو ماشاء اللہ یہ تو چند گھنٹوں میں بھول بھی گئی یہ باتیں تو سو سال کی بڑھیا کے بھی حافظے میں سے ابھی نہیں نکلتیں نشاط نے گویا پھر سر پیٹا'' عالم نزع میں کوئی پوچھ لے بڑی بی سے کہ میاں نے پہلی بار کیا تعریف کی تھی؟ فرشتوں سے مہلت لے کر ضرور بتانے کی مجرب ہے'' تانیہ نے نشاط سے اتفاق کیا

تو پھر پوچھی تو ہونے دیں'' ریبا نے شرارت سے کہا۔

''اوں دیکھو کتنی خوش ہے کیا پٹر پٹر زبان چل رہی ہے اچھا اہم بات تو یہ ہے کہ سون تمہیں کیسے لگے'' تانیہ نے پوچھا

''میں نے انہیں پہلے بھی دیکھا ہوا تھا، ابھی بھی ویسے ہی ہیں'' ریبا سادگی و معصومیت سے بولی۔ تانیہ، نشاط کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''احمق! ارے یہ بتاؤ کیسے لگے تمہیں؟ جس طرح انہوں نے تمہیں پیار کیا ہو تمہیں کیسا لگا''۔ مانیہ نے وضاحت کی۔

ریبا اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت بغور دیکھنے لگی جیسے وہاں کچھ نظر آ رہا ہو ایک گداز سا دل میں پیدا ہونے لگا ابھری سی سہاگن تھی مگر پھر بھی خوش تھی سون کا لہجہ بہت شائستہ الفاظ مناسب انداز فطری و سادہ تھا اور اس نے ریبا کو مستقبل کے حوالے سے مایوس نہیں کیا تھا صاف صاف باتیں کی تھیں مگر باتوں میں اپنا پن تھی وہ احساس کہ جیسے وہ کسی محرم راز سے باتیں کر رہا ہو کسی اپنے سے اسے پیار تھا۔

''اب چھوڑیں بھی جب آپ کی شادیاں ہوئی تھیں تو کیا میں نے آپ سے اس طرح کی باتیں کی تھیں؟ تو پھر آپ کیوں مجھ سے یہ باتیں کر رہی ہیں'' اس نے تکیہ درست کیا اور لیٹ گئی۔

''وار بھائی! یہ تو ایک رات میں عقل مند ہو کر واپس آئی ہیں جب ہماری شادی ہوئی تو تم کتنی چھوٹی تھیں اور جب چاند بھائی کی شادی ہوئی تو اس وقت تمہاری عمر کیا تھی ان میر لڑکیوں کو سوٹ نہیں کرتیں اس طرح کی باتیں ہم تو بال بچوں والے ہیں بھئی'' نشاط بری طرح ہنس رہی تھی۔

''بال بچوں پر یاد آیا میرے دونوں بیٹوں نے اپنی دادی کو خوب ایکسرسائز کرائی ہو گی خود ہی کہتی ہیں دلہن بچوں کو یہیں چھوڑ جاؤ اکیلے میں میرا جی گھبراتا ہے ایک منٹ بھابی میں ذرا فون کر کے پتا کروں ذرا ماں کی خیر خیریت۔'' نشاط کو بچوں کا دھیان ہوا تو فوراً اٹھ گئی۔

''ریبا! ماشاء اللہ ٹھیک سے کیا تھا ہاں؟ بھوک تو نہیں لگ رہی؟ کچھ لے آؤں کھانے کے لیے'' مانیہ نے پوچھا۔ ''اف بھائی! میں کون سا مہمان ہوں بھوک لگے گی تو کھا لوں گا ور کھا لوں گی۔''

''اب تو تم اس گھر میں مہمان ہی ہوا کرو گی یہ ہمارا اور تمہاری دوسری ہونے والی بھابیوں کا گھر ہے ہم تمہارے میزبان ہوا کریں گے تمہارے گھر یعنی قصر خوبصورت میں مہمان بن کر آیا کریں گے تم ہماری اچھی سی خاطر مدارت کیا کرنا گرمیوں میں آئیں تو پہلے کولڈ ڈرنک پلانا پھر خانساماں سے وہ ٹین اچھی سی ڈشز بنوانا پھر ہم تھوڑا آرام کریں گے اس کے بعد کیک سموسوں کے ساتھ چائے پئیں گے ٹھیک ہے؟''

تانیہ نے اپنی خاطر مدارت کی تفصیل سمجھائی تو ریبا ہنس پڑی

''فکر نہ کریں بھابی! میں اس سے زیادہ ہی کیا کروں گا آئی مین کروں گی'' اس نے ہنستے ہوئے کہا

تانیہ نے اس کا ہنستا ہوا چہرہ دیکھا تو مطمئن سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اچھا تم رات بھر کی جاگی ہوئی ہو اب آرام کرو اللہ سے دعا ہے کہ ہمیشہ خوش رہو۔''

وہ دعا دیتی باہر چلی گئیں۔

ریبا پھر کچھ سوچنے لگی کیا رات بھر جاگتا تھا؟ مگر مواح بھی سو گئے تھے اور میں بھی

☆☆☆☆☆
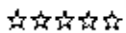
وہ معمول کے انداز میں صبح اٹھی تھی نماز پڑھی ماشاء اللہ کیا اور پھر سو گئی استانی ماشاء اللہ تسبیح و وظائف میں مصروف تھیں پھر وہ کیا کرتی لیٹی تو آنکھ لگ گئی پھر پڑھنے والے بچوں اور خواتین کی آوازوں سے ہی آنکھ کھلی اٹھی پنکھا بند کیا اور باہر آ گئی بچے وہی کل والے تھے البتہ خواتین بدل گئی تھیں آج عمر رسیدہ خواتین زیادہ تھیں اور بہت بول رہی تھیں آج وہ سامنے مل کر آئی تھیں جن کی بہوؤں سے وہ نالاں بن رہی تھیں بہوؤں کے وہ نقائص گنوائے جا رہے تھے جو ماؤں کے علم میں بھی پہلی مرتبہ آ رہے تھے۔ ہمارا انہوں کی ''بہو'' افسانہ بھی ہوتی ہیں انسانوں میں۔

''استانی جی! میں تو اپنے بیٹے کی اس کے ساتھ شادی پر رضامندی نہیں تھی وہ تو میری بھاوج نے بہت زور دیا کہ جنم ہے سر پر ذمہ۔ کھدوا اللہ بڑھاپے کا سہارا بنیں تو نیکی کر کے پچھتا گئی اتنی زبان دراز، میں کوئی اس کے برابر کی ہوں ایک بڑی بی شروع تھیں۔

''کیا کہتی ہے؟'' استانی نے پرسکون انداز میں سوال کیا''۔

''کہتی ہے یہ گھر میرا نہیں ہے بھاگ کر نہیں آئی ہوں بیٹھ کرو ورنہ کرو اپنے آرڈر نہیں چلیں گے''۔

''تو اماں! آپ اسے کیا آرڈر دیتی ہو؟'' استانی نے پوچھا

''میں تو اسے گرہستی کرنا سکھاتی ہوں کہ تیرے مرد کو انی آمدنی نہیں ہے کہ مہینے قرضہ چڑھ جاتا ہے ہفتے میں ایک مرتبہ

پکا لیا کرو گوشت نمبر... روز پکانے کی کیا ضرورت ہے گھی کم ڈالا کرو بس یہ باتیں اسے بری لگتی ہیں کیا غلط کہتی ہوں۔ کہتی ہے ہمارے ماموں کے گھر روز گوشت پکتا تھا اور ماموں نے پالا تھا ماں اسے لوگ اپنے باپ پر اتراتے ہیں یہ ماموں کا رعب جماتی ہے بھئی تیرے ماموں کے پاس ہوگا روکڑا ہمارے پاس نہیں ہے اتنا"۔

بڑی بی کے الفاظ تک آنچ دے رہے تھے اتنا سلگ کر بولی تھیں۔

"بیٹے سے علیحدہ ایک کی دس دس لگاتی ہے" بڑی بی مزید گویا ہوئیں

"خیر وہ تمہارا بیٹا ہے اسے بتانے کی کیا ضرورت ہے کہ اولاد ماں باپ کو اور ماں باپ اولاد کو جانتے ہیں"۔

"استانی جی! اچھی عورت گھر میں لاتے ہی سب بھول جاتے ہیں مرد تو ویسے بھی کانوں کا کچا ہوتا ہے"۔

"یہ مسئلہ تو صدیوں پرانا ہے اتنا پرانا جتنا مرد و عورت کا رشتہ سوچنے کی بات ہے بیٹے کی شادی کرنے سے پہلے ماں ہر وقت یہی بات سوچتی ہے کہ کوئی دن آئے اور وہ بیٹے کی بارات لے کر جائے گھر میں بہو لائے جیسے جیسے گھر میں بہو آنے کے دن قریب آتے ہیں ماں کا چہرہ خوشی سے کھلتا جاتا ہے۔ خوشی ہنسی اس کی سانسوں میں بس جاتی ہے اس کا بس نہیں چلتا کہ ساری دنیا کو اس میں شریک کرے جتنی اس کی حیثیت ہوتی ہے اس سے بڑھ کر بہو کے لیے تیاریاں کرتی ہے۔ جس روز بہو گھر میں قدم رکھتی ہے اس دن تو جیسے خوشی کی انتہا ہو جاتی ہے اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا پھر پتا نہیں کیا ہوتا ہے کہ یہی خوشی منانے والی عورت ہر وقت پچھتاتی اور شکوے کرتی نظر آتی ہے۔ بہو سے اتنی شکایتیں کہ خدا کو یا شکرے کا فر سے نہ ہوں گی یہی حال بہو کا اس کی ساس تو لگتا ہے دنیا میں ساس سے زیادہ ظالم کوئی انسان نہیں سوچنے کی بات ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ایک شخص جو خوشی کی انتہا پر قائم ہوتا ہے وہ نفرتوں کی آگ میں کیوں جھلسنے لگتا ہے۔

اور یہ بات صرف اتنی ہے کہ دونوں طرف دل تنگ ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو رعایت دینے پر تیار نہیں ہوتا حالانکہ کیا سگی ماں سے بیٹیوں کی اختلاف نہیں ہوتا جہاں دو ذہن ہوتے ہیں وہاں دو باتیں ہوتی ہیں بیٹھ کر بات کرنے اور مسئلہ حل کرنے کی نوبت ہو تو عالمی جنگ ٹل جاتی ہے یہ تو پھر ایک گھر کی بات ہوتی ہے ساس بہو تجھ سے مجھ سے شکایتیں کریں گی عیب گنوائیں گی کیڑے نکالیں گی ایک سانس میں ہزار برائیاں کریں گی مگر کبھی ایک دوسرے کے ساتھ اکیلے میں بیٹھ کر سکون سے ایک دوسرے کا مسئلہ نہیں پوچھیں گی جھگڑے کی بنیاد کبھی کوئی کھلی بات اور زیادہ تر بدگمانی و غلط فہمی ہوتی ہے آپس میں بات چیت کر کے مسئلہ حل کرنے کی عادت ہو تو گھر کا جھگڑا کبھی باہر کے لوگ نہ سنیں۔

بھلا باہر کے لوگوں کو اپنے جھگڑے دکھڑے سنانے سے کیا گھر کے حالات ٹھیک ہو جاتے ہیں؟

گھر میں کوئی روٹھا ناراض نظر آئے تو اس سے اکیلے میں بٹھا کر ناراضگی کی وجہ ضرور پوچھنا چاہیے بات وہیں ختم ہو جاتی ہے کوئی غلط فہمی ہو تو فوراً دور ہو جاتی ہے۔

تم بہو کو پاس بٹھا کر پوچھو تو سہی کہ اسے تم سے کیا شکایت ہے؟ ہمیں ایک گھر میں رہنا ہے منہ موڑ کر کب تک رہ سکتے ہیں؟ اگر وہ تمہاری کسی ایسی عادت کا ذکر کرتی ہے جو اسے بری لگتی ہے لیکن تمہاری نظر میں وہ بری نہیں تو ضد نہ کرو، غصے میں نہ آنا غصہ آئے تو برداشت کرنا اور اس سے کہنا میں اکیلے میں غور کروں گی پھر تمہیں سمجھاؤں گی اس کو یقین دلانے کی کوشش کرتی رہو کہ تم اسے بیٹی سمجھتی ہو اور اسی وجہ سے اچھا برا بتانے کی کوشش کرتی ہو اور اسے یہ یقین دلاؤ کہ تم اس کی برائیاں باہر نہیں کرتیں بعض اوقات جب کسی کو پتا چلتا ہے کہ اسے باہر پیٹھ پیچھے برا کہا جاتا ہے تو اس میں اور زیادہ ضد اور غصہ پیدا ہو جاتا ہے اور پھر کسی کی سیدھی بات سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا۔ اب آپ نے مسئلے کا حل پوچھا ہے تو اس پر عمل بھی کرنا اور کسی روز بہانے سے بہو کو میرے پاس لے کر

آنا انشاء اللہ تمہارے گھر سے جھگڑا جائے گا اور سکون آئے گا بس اب تک ضد بحث جہاں تک آ گئی ہے اسی جگہ روک دو اور سکون کے لیے سچی نیت سے کوشش کرو نیت سے مراد والی بات تو آپ نے سنی ہی ہوگی۔"

"میرا مسئلہ اور قسم کا ہے مگر مجھے اپنی ساس سے شکایت ہے استانی"۔

استانی عائشہ کے خاموش ہوتے ہی ایک نوجوان لڑکی شروع ہو گئی جو دیر سے ٹکر ٹکر گود کے بچے کو خاموش کرا رہی تھی۔

استانی اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"استانی جی! کیا میکے جانا بری بات ہوتی ہے"۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہوتی ہے جن کے میکے آباد ہوتے ہیں وہ نصیب والیاں میکے جاتی ہیں۔" استانی جی نے بڑے خلوص و دلسوزی سے کہا۔

"میری ساس میرے میکے جانے پر بہت ناراض ہوتی ہے میکے سے واپس آؤں تو دو دو دن سیدھے منہ بات نہیں کرتی بڑا ہی جلتا ہے میکے جاؤں تو یہی خیال رہتا ہے واپس جاؤں گی تو اماں کا منہ بنا ہوگا ٹھیک سے ہنس بول بھی نہیں پاتی" لڑکی نے تفصیل بتائی۔

"میکے جانا اگرچہ بری بات نہیں مگر تم یہ پتا کرنے کی کوشش کرو تمہاری ساس کو تمہارے میکے جانے پر کیوں اعتراض ہے؟ ایسا تو نہیں تمہارے جانے کے بعد اسے بہت سارا کام کرنا پڑتا ہو؟ اب اس کی عمر کا بھی تقاضا ہے کہ وہ زیادہ کام نہیں سنبھال پاتی ہوگی اگر یہ بات ہے تو تم میکے جانے سے پہلے بہت سے ضروری کام نپٹا لیا کرو جیسے کپڑے دھو کر رکھ دو جس دن جاؤ اس دن شام تک کا انتظام کر دو ہانڈی بنا کر رکھ دو اور یہ بھی دھیان میں رہے کہ جلدی جلدی میکے نہ جاؤ شادی کے بعد بیٹی میکے میں مہمان ہوتی ہے آئے روز مہمان بننے سے کسی کی وہ عزت نہیں ہوتی جو مہمان کی ہونی چاہیے کام دھندے چھوڑ کر آئے روز میکے کا چکر لگانے سے لڑکی کی نہ میکے میں وہ عزت ہوتی ہے جو اس کا حق ہے اور نہ سسرال میں"۔

استانی عائشہ کا جواب سن کر لڑکی کچھ سوچنے لگی پھر گہری سانس لے کر بولی

"آپ اچھا بولے"

کافی دیر تک اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں ساتھ ساتھ استانی دوپہر کے کھانے کا انتظام بھی کرتی رہیں ڈیڑھ بجے کے قریب گھر خالی ہو گیا تب وہ ان کے قریب آ بیٹھی

"تو آج "ساس بہو پیریڈ" تھا" اس نے مسکرا کر استانی جی کی طرف دیکھا

"ہاں بس کوئی اپنا مسئلہ کہتی ہے تو دوسروں کو بھی اپنے اپنے مسائل یاد آ جاتے ہیں بھلی بات بھی صدقہ ہوتی ہے یہاں بہت زیادہ اندھیرا ہے علم کی کمی ہے جو عزت یہ لوگ مجھے دیتے ہیں وہ عزت کی طاقت میں انہیں کی بھلائی پر استعمال کرنے کی کوشش کرتی ہوں اس لیے کہ یہ لوگ میری بات پر توجہ دیتے ہیں ان کے گھروں میں خوشی اترتی ہے تو میرے بوجھ اترتے ہیں شکرانہ پڑھ لیتی ہوں احسان ہے مالک کا"۔

"آپ تو ان اندھیروں میں روشنی ہیں۔" ماہ نور نے کہا

"اس میں میرا کیا حصہ مالک نے ان کے لیے ایسا سوچا ہوگا، کام لینے والا ہے ہم کام کرنے والے۔ ہم چھوٹے لوگ" وہ کسی دھیان میں کھو گئیں۔

"بھوک لگ رہی ہو تو کھانا لگاؤں؟ پھر ظہر پڑھنے چلیں گے"۔

"آپ بیٹھیں۔ میں نکال لیتی ہوں کھانا" وہ اٹھی

"ارے نہیں بیٹی! میں نکال لینی ہوں کیا سوچو گی خالہ سے تین دن بھی مہمان نہ بنا پایا"۔

"میں ایسا کچھ نہیں سوچوں گی آپ فکرمند نہ ہوں" وہ مسکرائی۔

"نہیں تم بجھو۔ انہوں نے اصرار کر کے اسے بٹھا دیا کیوں میری بچی خراب کرنی ہو کل کر تمہیں اپنے گھر بھی جانا ہے بھلے سے باشا کے پاس اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے خوشیاں رہے دین دنیا کی سلامتی کے ساتھ"۔

اس نے قدرے ہراساں ہو کر استانی جی کی شکل دیکھی

وہ بے اختیار مسکرا دیں

"بے فکر رہو میں تمہیں کبھی جانے کو نہیں کہوں گی تم خود جاؤ گی اپنی مرضی سے خوشی سے بغیر ڈرے جھجکے کب؟ یہ میں نہیں جانتی ذلک جانتا ہے"۔

"راضی استانی عائشہ کی خوش امیدی کی کرنی تھا نہیں حالانکہ حرف حرف بتا چکی ہوں پھر بھی 'بھلے سے باشا' کہہ رہی ہیں اس قاتل لعین آدمی کو جو انسانیت کے لغوی معنی تک نہیں جانتا شیطان کے چیلے مشہور سارے تو سب اس پر فٹ آتے ہیں۔

جل کر خاک ہو گیا ہمارا گھرانہ بے گناہ اور بے قصور، استانی جی کو کیا ہمارے نقصان کا اندازہ نہیں ہو سکتا اتنا بڑا نقصان برداشت کرنے کے لیے سینے میں پیغمبرانہ دل ہونا چاہیے عام انسان کے تو بس کی بات نہیں۔

"بھلے سے باشا" ہونہہ جس میں ڈھونڈے سے کوئی بھلائی نہیں۔"

موحد نے فون پر بتا دیا تھا کہ وہ رات آٹھ بجے تک ریبا کو لینے آئے گا بڑی اماں کی دلی خوشی کا اظہار دسترخوان سے ہو سکتا تھا ریبا کا نیا نویلا اور پہلا شادی کے بعد پہلی بار سسرال آ رہا تھا وہ سب ہی۔ سب دکن میں بابا کے ساتھ لگی ہوئی تھیں عارفہ اور شمسہ نے مدد کی بہت کوشش کی مگر آج "اسپرٹ" اختیار پر تھی۔

خوبانی کا میٹھا خود بنا رہی تھیں بقول ان کے کسٹرڈ ذرا سا بھی زیادہ گاڑھا ہو جائے تو ماں کی ہو جاتا ہے اس لیے بڑے نے تکلف انداز میں وہ اپنی پسند بدو ڈش بنا رہی تھیں اکثر کچن میں یہ سین چلتا تھا اور وہ ایک جگہ ایستادہ ہو جاتی ہے تھیں اور رہا انہیں وہیں مطلوبہ اشیاء فراہم کرتے رہتے تھے فی الحال گھر میں ابھی کسی کو پتا نہیں تھا کہ شام کا "مینو" کیا ہے سوائے خوبانی کے میٹھے کے بقول اظہار بڑی اماں جب دکن میں کسی دعوت کی تیاری کے لیے ہدایت کر چلی جاتی ہیں اس روز رات بہت دیر سے ہوتی ہے حالانکہ عام دنوں میں دن بڑی جلدی ڈھل جاتا ہے۔ تانیہ نے ریبا کو شام ہی سے تیار کر دیا تھا فیروزی کے کنٹراسٹ اور گلے کے بھاری کام سے مدا حیدرآبادی کرتا پائجامہ، کمن کر جیولری و میک اپ کیا تھا، ریبا بالکل مختلف لگ رہی تھی۔

"ریبا! تمہیں اپنا گھر کیسا لگا؟" نشاط نے پوچھا

"ابھی تو میں نے نہیں دیکھا۔ میرا بیڈروم اچھا ہے واش روم بھی بہت بڑا ہے اس کے ساتھ ڈریسنگ، بس ابھی تو بس یکبار دیکھا ہے" وہ سوچتے ہوئے بتا رہی تھی۔

"ارے بہت شاندار کوٹھی ہے ڈبل اسٹوری اس کی تو انگیسی تک سپر لگژری ہے تم اپنے سسر کی لائبریری دیکھنا کیا زبردست ہے دنیا جہاں کی کتابیں ملحق چھوٹا سا کچن واش روم جائے نماز تسبیح سب کچھ موجود ہے۔" تانیہ نے بتایا۔

"خواجہ صاحب تو گھر بزرگوں کے پیروکار لگتے ہیں۔ کیا نماز پڑھتے ہیں؟" نشاط نے تانیہ سے پوچھا۔

"مذہب تو انسان کا انتہائی پرسنل معاملہ ہوتا ہے دلوں کی حالت تو صرف اللہ ہی بہتر جانتا ہے پڑھتے ہی ہوں گے جب ہی تو ایسی جگہ رکھی ہے کہ استعمال میں سہولت ہو۔" تانیہ نے بتایا۔

"بہت ہی بڑا گھر ہے تمہاری سسرال۔ ذرا ان کی آخرت سنوارنے کی کوشش بھی کرتی رہنا" نشاط ہنسی

"پہلے اپنی تو سنوار لوں" ریبا نے برجستہ کہا۔

"بھئی تم امام بن جانا انہیں پیچھے لگا لینا اتنی مختصری زندگی میں اتنی گنجائش کہاں کہ مرحلوں میں وقت ضائع کیا جائے" نشاط جواباً بولی"۔

"جی بہتر" وہ شرارتاً بڑی سعادت مندی سے بولی

"ویسے تم وہاں وقت کیسے گزارو گی؟ ایک سال تو بڑی بوریت ہو گی کام نہ کاج ہر کام کے لیے ملازم موجود"۔ نشاط بولی

"ایک سال کے لیے کیوں؟" ریبا نے حیرت سے پوچھا

"بھئی ایک سال بعد تو بچوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا" نشاط ہنسی تو ریبا جھینپ گئی۔

اسی دوران فون کی بیل رنگ ہوئی ریبا بڑی تیزی سے اٹھی تھی

"دیکھو کیا پھرتی ہے سوچتی ہو گی موحد کا فون آیا ہو گا" تانیہ نے چھیڑا۔

ریبا نے مسکراتے ہوئے ریسیور کان سے لگا لیا

"جی السلام علیکم۔ ریبا بات کر رہی ہوں" وہ کہہ رہی تھی

"نہیں یہاں تو نہیں آئے یہاں تو انہوں نے رات آٹھ بجے آنے کو کہا تھا نہیں فون بھی نہیں آیا آفس میں نہیں ہیں؟ اچھا ٹھیک ہے آ گئے تو کہہ دوں گی ٹھیک ہے خدا حافظ" اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"کس کا فون تھا ریبا؟" تانیہ نے پوچھا

"ڈیڈی کا تھا ان کا پوچھ رہے تھے کہ یہاں تو نہیں ہیں میں نے کہا نہیں تو کہنے لگے اگر ادھر آ گئیں تو کہہ دوں ڈیڈی کو فون کر لیں" اس نے مکمل بات کی۔

پھر وہ تینوں لاؤنج میں آ گئیں عارفہ شمسہ اور بڑی اماں موجود تھیں۔

بڑی اماں عارفہ سے جانے کیا باتیں کر رہی تھیں چپکے چپکے

بڑی امی سہ پہر سے قبل چھٹی گئی تھیں رات کو آنے کا کہہ کر خاصی دیر باتوں میں ہو گئی۔

اس دوران فون کی بیل کئی مرتبہ ہوئی زیادہ فون اظہار کے اور ایک مظاہر کا تھا

بڑی اماں ہر مرتبہ فون کی بیل پر پریشان ہو جاتی تھیں بقول ان کے کہ بچیا گمان ہوتا ہے کہ اس شیطان کا فون نہ آ گیا ہو بڑی اماں سمیت گھر بھر کو یہی حیرت تھی کہ برسوں سے اب تک اس کا فون نہیں آیا تھا کام خیریت کے ساتھ ہونے کا اطمینان اپنی جگہ مگر بہت دھڑکے اپنی جگہ تھے۔

آٹھ تو لاؤنج میں باتیں کرتے کرتے ہی بج گئے تھے سب ہی موحد کا شدت سے انتظار کر رہے تھے اور ریبا کو تنگ بھی کر رہے تھے کہ اسے تو پونے آٹھ بجے آ جانا چاہیے تھا کیسا نیا نکور دولہا ہے آٹھ بجا کر بھی نہیں آیا نفیس خواجہ اور رشنا ہاتھ بھی الگ الگ فون کر کے پوچھ چکے تھے کہ آٹھ بجے تک وہ پہنچا یا نہیں۔

پھر نو بھی بج گئے موحد نہیں آیا مظاہر نے بھی فون کر کے معلوم کیا تھا کہ فون آ گیا یا نہیں

جب دس بجے تو انتظار کی کیفیت تشویش میں بدل گئی اظہار نے نفیس خواجہ کے ہاں فون کر کے پتا کیا تو جواب ملا وہ تو

خود فون کر کے پوچھنے والے تھے کہ مون ریا کو لینے پہنچ گیا یا نہیں اب تو سب ہی فکر مند ہو گئے بڑی اماں اپنی تسبیح جائے نماز سنبھال کر بیٹھ گئیں۔ اس طرف فکر کسی اور طرح کی تھی اور اس طرف تشویش کی نوعیت دوسری تھی کام خیر خیریت سے ہو گیا تھا مگر اندازہ تو تھا کہ بالآخر اسے بھی پتا چل جائے گا اور پتہ چلنے کے بعد وہ ردعمل ضرور ظاہر کرے گا اس خیال سے بڑی اماں کی پریشانی سب سے زیادہ تھی۔

جبکہ خواجہ صاحب اس وجہ سے فکر مند تھے کہ وہ کہیں جانے سے پہلے انہیں مطلع کر دیتا ہے کہ اس کو ٹھکانہ نمبر پر "دستیاب" ہو گا اور ریا اس کی بچپن سے عادت تھی کہ وہ باپ کو مطلع کیے بغیر دور نزدیک کہیں نہیں جاتا۔

چاند کسی دوست سے ملنے ہائی روڈ بلوچستان گئے تھے اور واپس آ کر تھک کر سو رہے تھے دس بجے بڑی اماں نے جا کر انہیں اٹھا دیا ظہیر اور مظہر تو پہلے ہی مون کے استقبال کی نیت سے نیچے لاؤنج میں موجود تھے اظہار چھت پر واک مین لگائے بیٹھا تھا مظہر کمپیوٹر کی کلاس اٹینڈ کرنے گیا ہوا تھا مظاہر حسب روایت ابھی تک گھر سے باہر تھے۔

"اے چاند مون ابھی تک نہیں آیا اٹھو تو بیٹا"۔

"آپ کے سامنے تو لیٹا ہوا ہوں بڑی اماں!" چاند نے گہری نیند سے قدرے جاگ کر کہا اور پھر سو گئے

"بیٹا!" "میں مون کی بات کر رہی ہوں" بڑی اماں کو گمان ہوا کہ اس نے ٹھیک سے سنا نہیں

"بڑی اماں! انگریزی میں چاند کو مون کہتے ہیں" چاند نے بمشکل جواب دیا بالکل تھکن سے چور ہو رہے تھے اس لیے نیند بہت گہری تھی۔

"ہیں! سب مسلمان تو ہیں ناں؟ یہ انگریزی نام رکھنے کی کیا ضرورت تھی" وہ تو پہلی بار ہی سن کر کھٹکی تھیں کہ یہ کیا نام ہوا آگے کبھی سنا تو نہیں وہ تو مظاہر نے بتایا تھا کہ اصل نام عبدالباسط ہے" بھلا اصل ہو یا نقل، نام تو اسلامی ہی ہونا چاہیے" وہ اپنی رو میں بہنے لگیں

"بڑی اماں! عربی میں چاند کو ماہ و ہلال وغیرہ کہتے ہیں آپ مجھے چاند کیوں کہتی ہیں یہ ہندو بولتے ہیں چاند چندا چندر ماں چندر وغیرہ وغیرہ"۔

"بھلے بولتے ہوں انگریزی تو نہیں ہے ناں ہندوستان میں ساری مائیں اپنے بچوں کو بولتی ہیں" بڑی اماں نے غصہ کرتے کہا

مگر ہم تو پاکستان میں پیدا ہوئے ہیں" چاند اٹھ کر بیٹھ گئے تھے انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ بڑی اماں نے جو ان کو سوتے سے جگایا ہے تو کوئی ضروری کام ہی ہو گا

"اے بھلا وہ عادت پڑی ہوئی ہے ہندوستان کہنے کی" وہ زچ ہو گئیں۔

"کیوں بیٹے کو خوش کر رہی ہیں وہ تو پہلے ہی شرافت سے کشمیر نہیں دے رہا"۔

"اے ہمیں کیا ہمارا تو اس وقت اپنا مسئلہ ہی کافی ہے" وہ جھلا گئیں

"اب کیا ہو گیا" چاند نے بڑی تشویش و فکر مندی سے بڑی اماں کی طرف دیکھا

"بتایا تو ہے مون ابھی تک نہیں پہنچا۔

"تو کیا ہوا یہ کراچی ہے یہاں بارہ ایک بجے بھی مہمان آ سکتے ہیں"۔

"لیکن اس کے باپ کو بھی تو فکر ہے کہ اس کا کچھ پتا نہیں وہ باپ کو بتا کر جاتا ہے آج انہیں بھی کوئی اطلاع نہیں"۔

چاند کی بڑی اور گہری آنکھوں کی چمک پر فکر مندی کی سرخی غالب آنے لگی

"خواجہ صاحب آئے ہوئے ہیں؟" چاند نے پاؤں سلیپر میں پھنساتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ تو نہیں آئے مگر ان کے کئی فون آ چکے ہیں"۔

چاند اٹھ کھڑے ہوئے "کبھی کبھی انسان بھول بھی سکتا ہے آپ فکر مند نہ ہوں کہیں دیر ہو گئی ہو گی آتا ہی ہو گا"۔

انہوں نے خود پر قابو پا کر بڑی اماں کو تسلی دی اور ان کو ساتھ لیے نیچے آ گئے۔

"تابی! ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلانا" سامنے تابی نظر آئی تو اسے کام سے لگایا۔

ریا دلہاپے کی تیاری میں ریموٹ ہاتھ میں لیے بظاہر ٹی وی کی طرف متوجہ تھی مگر ذہن ادھر ہی تھا جہاں سب کا تھا۔

چاند نے پانی پیتے ہی سب سے پہلے خواجہ صاحب کو رنگ کیا کہ شاید مون پہلے وہاں پہنچ گیا ہو مگر وہ ابھی تک وہاں بھی نہیں پہنچا تھا۔

ایک خاموشی سی گھر پر طاری ہو گئی۔

"بیٹے! مظاہر کو فون کر کے بتاؤ" بڑی اماں نے چاند سے کہا۔

"اسے پریشان کرنے کا کیا فائدہ۔ وہ آنے ہی والا ہو گا اور آپ پریشان نہ ہوں مون بھی آتا ہو گا ہو سکتا ہے مصروفیت زیادہ ہو تو وہ بھول گیا ہو فون کرنا"۔

"اے اتنی رات کو کون سی مصروفیت نکل سکتی ہے دن بھر کام کو تھوڑا ہوتا ہے اللہ کرے بچہ خیریت سے ہو" وہ پھر اپنی تسبیح لے کر بیٹھ گئیں۔

دس پندرہ منٹ گزرے تو مظاہر بھی آ گئے گھر میں داخل ہوتے ہی غیر معمولی خاموشی کو انہوں نے محسوس کر لیا تھا اور سب کے چہروں پر کچھ لکھا تھا۔

انہوں نے ریا کی طرف دیکھا

"مون نہیں آیا ابھی"۔

"اسی کا انتظار کر رہے تھے" چاند نے جواب دیا

"خیریت؟ فون کیا تھا؟ لیٹ ہو گیا؟" وہ اوپر کی طرف جانے والے زینے کی طرف بڑھتے رک گئے۔

"ہوں۔" چاند نے مختصراً کہا۔

"بھئی کھانا لگوائیں بھوک لگ رہی ہے۔ مون آتا ہی ہو گا۔ وہ ڈھب سے بولے۔

"تمہیں اس نے فون کیا تھا؟" بڑی اماں نے مظاہر سے پوچھا۔ ان کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

"نہیں فون تو نہیں کیا مگر جب اس نے آنے کو کہا ہے کہ تو وہ ضرور آئے گا کسی وجہ سے لیٹ ہو گیا ہو گا" وہ بے نیازی سے کہتے ہوئے زینہ چڑھ گئے۔

"یہ کون سی نئی بات ہے سب ہی کہہ رہے ہیں"۔ بڑی اماں نے مایوسی سے کہا۔

"تو آپ کیا سوچ رہی تھیں۔ اچھا سوچیں بڑی اماں" وہ زینہ چڑھتے ہوئے بولے

"ہاں بیٹے! سوچنا تو اچھا ہی چاہیے مگر اس نامراد سے دھڑکے جو لگے رہتے ہیں وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں۔

بھوک پیاس تو انتظار کی شدت نے اڑا دی تھی بس سب ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے مون کا انتظار کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر گزری تو شاہانہ اور نفیس خواجہ بھی پہنچ گئے نفیس خواجہ کے چہرے پر پریشانی صاف پڑھی جاتی تھی۔

بڑی اماں ان سے یوں بات کر رہی تھیں جیسے مون کے قصے میں ان کا کوئی قصور ہو۔

"فکر تو ہمیں بھی ہے خواجہ صاحب! اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے آج کل کے بچے اتنے ذمہ دار نہیں ہیں ہمارے

پاس بھی روز کبھی کوئی وہ سے آرہا ہے کبھی کوئی ارے بچوں کون سے محاذ کھلے ہوئے ہیں کون سے نرالے کام ہو رہے ہیں اب جو نہیں ہونے تھے مظاہر کا تو خیر کوئی وقت ہی نہیں عجیب حال ہے آج کل بچوں کا؟"

خواجہ صاحب خاموشی سے سنتے رہے۔

اسی دوران فون کی بیل ہوئی فون چاند نے اٹینڈ کیا۔

"مظاہر تو خیر گھر پر ہی ہیں آپ مجھ سے بات کر سکتے ہیں ایک ہی بات ہے" چاند کہہ رہے تھے

"ہاں تو کیا ہوا کیا تم نے بہنوں شاہ وہاں نہیں کہیں؟" چاند یکدم آپ سے تم پر آ گئے "اپنی حد پہچان کر بات کرو تمہارے باپ کا نہیں کھاتے ہیں" وہ برہم ہوئے۔

"تم ہماری ماؤں بہنوں تک پہنچ جاؤ ہم باپ تک نہ پہنچیں؟ پابندی ہے کوئی؟"

"اے چاند! دھیما بولو! اس کی سن لو کچھ تو سہی وہ کیا کہہ رہا ہے؟" بڑی اماں نے مداخلت کی وہ فطری ہمہ تن گوش تھیں اور چاند کے پاس ہی کھڑی تھیں۔

"شکر کرو تمہاری سب بہنیں اپنے اپنے گھر کی ہیں ورنہ ایک آدھ کو تو میں بھی بھگا لاتا تمہارے سر پر سینگ ہیں کیا کہ تم ہی اس کے کام کر سکتے ہو۔"

چاند غصے سے آؤٹ ہو رہے تھے جانے اس نے کیا کہا تھا

"تم نے سنا ہوگا سو دن چور کے ایک دن شاہ کا خیر مناؤ کب تک دھونس دھاندلی کی حکومت ہوگی نہیں آئے گا فون پر وہ ہمارے بڑے تو اسے مرد و نصور کر چکے اور یہ گل تمہارے ہی سر ہے اور ہم اسے چھپا کر کیا کریں گے اور جب چھپانے کا وقت تھا تب تو چھپا نہیں سکے۔

لے جاؤ! اگر وہ ہمارے پاس ہے تو برآمد کر لو۔ بڑی اپروچ ہے تمہاری"۔ چاند طنزیہ بولے

"اے بچے! اس کی تو سن لو کیوں فون کیا ہے اس نے؟" بڑی اماں پھر تڑپ کر بولیں

وہ کچھ کہہ رہا تھا چاند سن رہے تھے انہوں نے ایک نظر تجسس خواجہ پر بھی ڈالی جو ان کے ساتھ لاؤنج ہی میں بیٹھے تھے۔

پھر بنا کچھ بولے ریسیور رکھ دیا

"کیا کہہ رہا ہے؟" بڑی اماں نے بے تابی سے پوچھا باقی سب بھی چاند کی صورت دیکھ رہے تھے ریا سمیت جو وہیں سامنے بیٹھی تھی۔

"کہہ رہا ہے آپ ہمارا سامان واپس کر کے اپنا سامان مجھ سے لے لیں" انہوں نے ایک شکستہ سی نظر ڈال کر جواب دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

"سامان.....؟" بڑی اماں نے تعجب سے چاند کی صورت دیکھی

خواجہ صاحب نے بھی سوالیہ نظروں سے چاند کی سمت دیکھا تھا...... ریا تو اتنے دنوں سے ان سب کو دیکھ رہی تھی ...کہ بس کچھ نہ سمجھنے کے باوجود دل ڈوب سا گیا۔

ایک بہت محسوس کی جانے والی خاموشی کانٹے کی طرح سب کو چبھنے لگی کوئی ہولناکی سی تھی کہ دل بیٹھے جاتے تھے

"میاں.....! کچھ بولتے کیوں نہیں کون سا سامان دھرا ہے یہاں اس کا؟" بڑی اماں فکرمندی کی انتہا پر کھڑی پوچھ رہی تھیں

"اس کی اپنی ڈکشنری میرا مطلب ہے لغت ہے...... اس نے زور کیا زندہ انسان کسی سامان کے برابر ہے۔ سومن کی بات کر رہا تھا وہ۔"

چاند نے دل کڑا کر کے بڑی اماں سے کہہ ہی دیا پہلے تو کشمکش میں پڑ گئے تھے کہ بتائیں یا چھپائیں پھر سوچا یہ بات بھی بھلا چھپنے والی ہے یہ تو ایک دھماکہ ہے جس کی آواز دور دور تک جا سکتی ہے اور بڑی اماں کے تو گھر کی بات ہے۔

"ارے میری مینا......! بڑی اماں نے تو دل پکڑ لیا

"ارے ..... ذرا یہ تکیہ ادھر کھسکانا..... بیٹھا نہیں جاتا مجھ سے......" انہوں نے تانیہ سے کہا۔ تانیہ نے فوراً تکیہ درست کیا اور بڑی اماں کو تھام کر لٹا دیا "چاند بیٹے اب نہیں سنبھلتے (سنبھلتے) کی میں ارے یہ لڑکا میری جان کا دشمن ہے بس کچھ میں [illegible] وہ بہت آہستہ و نحیف آواز میں کہہ رہی تھیں اور جیسے نیند کی سی کیفیت میں ان کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

"ذرا ریا کو میرے پاس بٹھاؤ..... اللہ میری معصوم بچی پر رحم کرے آمین" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں

"بڑی اماں! میں کے پاس ہی ہوں" ریا کی آواز بھرا رہی تھی۔

"آپ حوصلہ کریں بڑی اماں..... انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا اس طرح کے لوگ بس دھمکیوں کی زبان میں ہی بات کرتے ہیں ہم لوگ کیا آرام سے بیٹھ جائیں گے؟"

"اسی بات سے تو ہول آتے ہیں بڑے دکھ اٹھا کر پالا ہے میں نے تم بچوں کو عمر بھر کی محنت ہے ہمارے وہ بہت خطرناک نہیں ہے بہت کمزور ہوتے ہیں ایسے لوگ" چاند نے ان کے ہاتھ بہت محبت سے دباتے ہوئے کہا۔

"ارے سمدھیانہ کیا سوچتا ہوگا کہتے ہیں کہ ہوں گے خواجہ صاحب کہ ہم لوگوں کی وجہ سے وہ کس مشکل میں پھنس گئے۔"

"آپ اس طرح نہ سوچیں تسلی رکھیں انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا" خواجہ صاحب اٹھ کر ان کے تخت کے قریب آ کھڑے ہوئے تھے اگرچہ اندر سے بہت پریشان تھے مگر بڑی اماں کو تسلی دے رہے تھے۔

"سومن بھی ہمارا بیٹا ہے۔ یقین جانئے اس سارے قصے میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے" بڑی اماں رقت سے کہہ رہی تھیں۔

خواجہ صاحب نے جھک کر بڑی اماں کا ہاتھ تھام لیا

"آپ یقین کر لیں کہ ہم بھی آپ سب کو بالکل بے قصور سمجھتے ہیں آپ حوصلہ رکھیں اور اللہ سے اچھی امید رکھیں" وہ اپنی پریشانی پر قابو پا کر بڑی اماں کو حتی الامکان پرسکون کرنے کی کوشش کر رہے تھے "ہمیں آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے آپ دعا کریں انشاء اللہ اس مشکل سے نجات مل جائے گی"۔

"ریا..... ادھر آؤ بیٹے!" خواجہ صاحب نے رم جھم سی ریا کو اپنے قریب بلایا

ریا خاموشی سے اٹھ کر ان کے قریب چلی آئی خواجہ صاحب نے اسے شانوں سے تھام لیا

"تم تو بہت حوصلے والی بچی ہو ہمت سے کام لینا اور اپنی بڑی اماں کا بھی خیال کرنا انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا میں تمہیں اس لئے ساتھ گھر نہیں لے جا رہا کہ اس وقت بڑی اماں کے پاس رہ کر ان کا خیال رکھو ان کو حوصلہ دو اور اللہ سے دعا کرو مشکل گھڑیاں انسانوں پر ہی آتی ہیں ان کا مقابلہ کرنا چاہئے [illegible] امید ہے تم مجھے مایوس نہیں کرو گی"۔

وہ پلٹے تو مظاہر بالکل ان کی پشت کے پیچھے کھڑے تھے۔

"آپ ابھی کہاں رہیں خواجہ صاحب! میں کوشش کرتا ہوں اس کے سومن صبح سے پہلے گھر آ جائے" چاند ان کو اوپر جا کر سب تفصیل بتا چکے تھے مظاہر بہت آہستہ آواز میں کہہ رہے تھے۔

بڑی اماں کوشش کے باوجود نہ پا سکیں

"ارے خواجہ صاحب...... پہلی فرصت میں پرچہ لگوائیں صبح سے پہلے منہ دکھائیں مجھے بیٹا۔"

بڑی اماں خواجہ صاحب کو جاتا دیکھ کر یوں بولیں جیسے کوئی بچہ گھر سے نکلتے باپ سے کوئی پرزور فرمائش کرتا ہے۔

"انشاءاللہ! خواجہ صاحب نے کہا

"یہ مظاہر کہاں جا رہا ہے؟"

"ابھی آتا ہوں بڑی اماں! بازار دور نہیں جا رہا۔" مظاہر نے لمبے پھر کو رک کر جواب دیا۔

"جانتی ہوں تمہاری" ابھی کو وہ بڑبڑائیں

دیبا بڑی کے پہلو میں بیٹھی جیسے ماحول سے بے نیاز اپنی ہتھیلیاں دیکھتی ہوئی کسی گہری سوچ میں تھی

☆☆☆☆☆
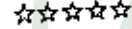
"اچھا...... اس کی ماں بہت اچھی عورت ہے؟ بہت خوب، اس کا مطلب بے بنیاد سے خراب نہیں ہے اصل میں بیٹی گمراہی و ہدایت اللہ کی مرضی سے ہے کلام پاک میں صاف لکھا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے"

"یہی بات تو مجھے الجھا رہی ہے خالہ جان کہ جب گمراہی بھی اس کی طرف سے ہے تو گمراہ کے لیے دردناک عذاب کیوں؟" وہ اور دھارے میں بہنے لگی۔

"بیٹی! نیت تو اعتبار میں ہے ایک حج ہوتا ہے ایک حج مقبول ہوتا ہے دونوں حج ہی ہیں طریقہ ادائیگی بھی ایک ہے حرکات و اعمال بھی یکساں پھر ہر حج مقبول کیوں نہیں ہوتا؟ ایک توبہ ہوتی ہے ایک سچی توبہ ہوتی ہے آخر یہ نیت کی سمجھ" عائشہ نے چہرہ موڑ کر ایسے لیٹی ماں اور سے پوچھا۔

"آسان ترین الفاظ میں لطیف ترین احساس کا نام نیت ہے افراد و آمادگی کی گہری ستھری آواز...... جو انسان کی روح کی گہرائی سے ابھرتی ہے اس آواز کا راستہ ہموار ہوتا ہے اس میں تذبذب و الجھن کے پیچ و خم نہیں ہوتے۔ "مگر" کی کھائیاں نہیں ہوتیں یہ ضمیر کی اجلی و پاٹ دار آواز ہوتی ہے یہ اصل میں بڑا استفسار ہے کبھی یہ آواز تعجب ہوتی ہے کبھی "اوکے" کہتی ہے جب ہم کچھ کرنے کی نیت کر رہے ہوتے ہیں تو یہ پی ٹی ماسٹر کی طرح ہماری ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوتی ہے ہاں یہ سماعت بھی ہے بصارت بھی شامہ بھی اور لامسہ بھی اس آواز کا پورا وجود ہے جو روح اس آواز کی طرف ہمہ تن گوش رہتی ہے اسی روح کو نظری بالیدگی حاصل ہوتی ہے اسی روح کو نسبت جانچنے والی ذات کا عرفان ہوتا ہے اور خشیت کا بھی۔

اسی روح کو تقویٰ کا شعور ہے اور محسنین اس کے محبوب بندے ہیں تو کیا سمجھیں ہم اس نیت کی کارگزاری اصل میں جب کام شروع کیا جاتا ہے تو ذہن میں بیک وقت دو متضاد سوچیں پیدا ہوتی ہیں اس لیے کہ خالق کائنات نے ہر شے کو دو رخوں پر پیدا کیا ہے یہ دو متضاد سوچیں یا خیالات خیر و شر کے دو رخ ہوتے ہیں اب کام کرنے والا کس میں زیادہ کشش محسوس کرتا ہے وہی اس کی نیت ہے وہ انتخاب کر لیتا ہے اور جو راستہ اسے اچھا اور آسان محسوس ہوتا ہے وہ اس کے لیے کھول دیا جاتا ہے اور اس راستے پر چلنے کی تدابیر اس کے ذہن میں ڈال دی جاتی ہے اسی مناسبت سے اس کا کام پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔

اب رہی انتخاب کی بات تو یہ زرخیز و بنجر مٹی کی بحث ہے اسی کا نام توفیق ہے یہی ہدایت و گمراہی کی وضاحت ہے"

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں جیسے کچھ سوچنے لگی ہوں۔

"لیکن بنجر زمین کے لیے تو تدبیر بھی کی جاتی ہے کیا آدم کی مٹی تبدیل ہو سکتی ہے اس دنیا میں سب کچھ ہو سکتا ہے" اس

کے ذہن میں ایک نیا جھماکہ ہوا۔

"ہاں...... دین حنیف آنے سے پہلے آدم بنجر ہو رہا تھا اسے اللہ نے زرخیزی کی تدابیر سے آشنا کیا بنجر زرخیز ہو سکتا ہے اگر اس میں خیر کی پہچان کی ایک رمق بھی ہو۔ وہ جو کہا ہے ناں کہ سب سے بدنصیب قلب وہ ہے جس پر نیکی کا اثر نہیں ہوتا یعنی اس میں خیر کو پہچاننے کی صلاحیت قطعی خوابیدہ ہو گئی ہے مری ہوئی نہیں اس لیے کہ روح متحرک اور زندہ ہے اس کی تاروبنت میں کوئی لہر مردہ نہیں اب میں تمہیں آسان سی مثال دوں اسلام ابھی نیا تھا اور کفار میں دو عمر اپنی طاقت و جوانمردی وصف سے نام رکھتے تھے ایک عمر بن خطاب اور ایک عمر بن ہشام ان کی وجہ سے طاقت کا توازن کفار کی جانب محسوس ہوتا تھا آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ ان دونوں عمر میں سے کسی ایک سے اسلام کو زینت دے اللہ نے عمر بن خطاب کو اسلام کے لیے منتخب کیا یعنی آپ ﷺ کی دعا قبول ہوئی اور آنے والے وقت نے عمر بن خطاب کی مٹی کی زرخیزی ثابت کی یہ کوئی مبہم باریک چھپی بات نہیں۔

علی بچپن میں اسلام کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں آگے چل کر باب العلم کہلاتے ہیں اور باپ پوری شعوری پختگی و بلوغت کے باوجود اسلام سے دور ہیں بیج زرخیز مٹی ہی میں بویا جاتا ہے"۔

"تو پھر مٹی کی زرخیزی و بنجر پن بھی تو قدرت کی طرف سے ہے؟" اس نے بے ساختہ سوال کیا۔

"بالکل...... قطعی...... مگر مٹی کی زرخیزی کے پیچھے کئی نسلوں کی محنتوں کی کہانی ہوتی ہے بیٹی! انہوں نے دھندلے آئینے چمکانے کی کوشش کی یا آئینوں پر مٹی پڑی رہنے دی" وہ بولتے بولتے کھو سی گئیں۔

"دھندلے آئینے؟" اس نے پھر سوال کیا۔

"ہر انسان کا دل ایک آئینہ ہی تو ہے دین حق کے ظہور سے پہلے اکثر آئینے دھندلے تھے دین حق نے آئینے چمکانے اجالنے کا ہنر دیا"

"آئینہ اجالنے کی آسان ترین ترکیب......؟" شاید وہ استانی کے علم کو آج ہی جانچ لینا چاہتی تھی۔

"اس دل کو وسواس کی دھند سے پرے رکھنا اور خالق کائنات کو ایک یونٹ ایک اکائی تسلیم کرنا اور اس پر بغیر لڑکھڑاہٹ قائم ہو جانا۔ میرا مطلب علم الیقین...... یقین کا پہلا زینہ یقین ایک ہمہ وقتی خوشی ہے دنیا کی بلکہ کائنات کی سب سے عظیم لذت ہے بے کراں سکون ہے استقامت ہے ٹھہراؤ ہے جیسے ہی کسی انسان میں ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے اس کے خیالات کنسنٹریٹ (مرتکز) ہونا شروع ہوتے ہیں وہ فطرت سے قریب قریب تر ہونے لگتا ہے۔ فطرت سے قربت کا احساس ہی دل سے دھند و گرد کو ہٹانا شروع کر دیتا ہے آئینہ لمحہ لمحہ چمکتا جاتا ہے ٹھہراؤ و یقین کی کیفیت میں اگر مدامت تک کوئی نشیب و فراز نہ آئے تو بہت ہی چمک جاتا ہے۔

اگلے وقتوں میں وسائل محدود تھے اس کے باوجود سچا علم موجود تھا اس کی سادہ سی وجہ بس اتنی ہے کہ نہ آسائش کا کوئی بھی کھلا یا چور راستہ نہیں تھا اور مشینوں کی دوڑ جو آج کا جنون ہے نہیں تھی جسے آج کل بہت فخر سے ٹیکنالوجی کا دور کہا جاتا ہے جنون کا مطلب انتشار انتشار کا مطلب بکھرے ہوئے غیر مطمئن خیالات اور بکھرے ہوئے خیالات کا مطلب فطرت سے دوری اور فطرت سے دوری کے سبب سے متعین بے سکونی پریشان حالی...... خود ہی کو نہیں معلوم کس طرف چلیں کہاں ٹھہریں بیٹی انسان کی عادت ہی کچھ اس ڈھب کی ہے۔ وہ آسان زندگی کو پسند کرتا ہے۔ مشکل سے گھبراتا ہے۔ اسی سبب اس کے ذہن نے اسے زیادہ سہولت سے آراستہ زندگی کی طرف مائل کیا اس نے مشینیں ایجاد کیں تاکہ وقت بھی بچے اور مشقت سے بھی جان چھوٹے لیکن اس وجہ سے تو آسائش کا احساس خود غرضی کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ زیادہ تعیش و آسائش انسان کو صد درجہ خود غرض بنا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں تعیشات و سہولتیں زیادہ ہیں وہاں اسی نسبت سے خود غرضی بھی زیادہ ہے اتنی زیادہ کہ انہیں اپنے بوڑھے والدین کی

خدمت بھی بوجھ محسوس ہوتی ہے اسی خودغرضی نے اولڈ ہاؤس بنوائے دعاؤں کی برکتوں سے محروم ہی مل جل کر مسائل شیئر کرنے کے جذبے کا خاتمہ اس کا انجام...... انسان تنہا ہو گیا۔

اور تنہائی کے لمحوں میں انسان پر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ جب وہ بے بسی کے احساس سے دوچار ہوتا ہے اور ایسے میں کسی اپنے کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے کہ جو بڑی اذیت ناک ہوتی ہے کہ اس کے نتیجے میں انسان بری طرح بے سکون ہو جاتا ہے کہ تب وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ تمام تر آسائشات کے باوجود اس کے پاس سکون کیوں نہیں؟

جو لوگ بے غرضی سے خدمت کرتے ہیں کہ اس میں اپنے پرائے کی تخصیص نہیں تم دیکھو گی کہ وہ لوگ بہت خوش رہتے ہیں اور وہ ہی احترام سے نوازے جاتے ہیں تم نے شاید وہ حدیث سنی ہو گی تم اس وقت تک ایمان کی لذت نہیں پا سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیز راہ خدا میں قربان نہ کر دو۔

بات سمجھنے کی یہ ہے کہ قربانی خودغرضی کا خاتمہ ہے اس لیے کہ پسندیدہ چیز کسی کو دینے کے عمل میں انسان ایک عظیم اندرونی جنگ سے نپٹتا ہے یہ جنگ اس کے ذہن کے لاکھوں کروڑوں اربوں خلیے جارح کر دیتی ہے اور جب وہ قربانی کے عمل سے گزر جاتا ہے تو چاروں طرف سے ایک عجیب سی سرخوشی اس کو گھیر لیتی ہے اس سرخوشی میں وہ لذت ہے جو دنیا کے سب ذائقوں پر حاوی ہے یہ دینے کا بڑا دلنشین ولذت بخش اور پر سرور راستہ ہے اس میں خودغرضی کی جونک سے چھٹکارا ملتا ہے جو انسانیت کا خون چوستی ہے اس کی اخلاقیات تباہ کرتی ہے اس کی روح سے تو اچھائی کا سارا عرق نچوڑ لیتی ہے پھر اس کی تباہ حالی اس کے ذہن کو منتشر کر دیتی ہے یہی انتشار اسے فطرت یا اللہ سے دور کر دیتا ہے اور یہ دوری بدنصیبی کی آخری حد ہے اس لیے کہ اس میں وقتی آرام بھی نہیں مسکراہٹ مصنوعی اور قہقہہ کھوکھلا ہو جاتا ہے دعا میں اثر نہیں ہوتا ہے جو انسان کا آخری سہارا ہوتی ہے۔

سات گناہ کبیرہ کا تم بغور جائزہ لو تو تمہیں پتا چل جائے گا کہ ان گناہوں کی بنیاد خوشنما کے خودغرضی ہے پھر کسی وقت میں وضاحت کروں گی وکیل کے ساتھ آج بہت دیر بولی ہوں تھک گئی ہوں"۔

وہ یہ کہہ کر خاموش ہوئیں تو وہ بھی جیسے چونک کر ایک خاص کیفیت سے باہر آئی۔

"ایسا لگتا ہے کہ آپ نے کسی خاص استاد سے تعلیم حاصل کی ہے اس لیے کہ تعلیم حاصل کرنا کوئی بھی مشکل کام نہیں جتنا کہ حاصل کو دوسری جانب منتقل کرنا" ماہ نور نے بہت احترام کے ساتھ ان کا چہرہ دیکھا

جواباً وہ بہت خوبصورت انداز میں مسکرائیں اور بنا کچھ بولے آسمان کی جانب تکنے لگیں ستاروں کی جھلملاہٹ ان کی آنکھوں میں اتر آئی تھیں۔

"تو استانی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بنیاد خراب نہیں لیکن صرف ماں سے تو مکمل انداز نہیں ہو سکتا باپ دادا کی بھی اپنی اہمیت ہے اب کیا معلوم ان کی بنیادیں کیسی تھی؟

یقیناً استانی عائشہ مجھے یہ سمجھانا چاہتی ہیں کہ میں اسے شوہر کی حیثیت سے قبول کر لوں اچھا برا جیسا بھی ہے اور اس کی تابعداری کرتے عمر گزار دوں جس نے ہمارے خاندان کو ہمیشہ کی شرمساری سے دوچار کر دیا ہے میں اس کی اصلاح کروں؟ جو کام اس کی ماں نہ کر سکی وہ میں کروں......؟

اس نے پھر کچھ سوالات کرنا چاہے کہ مگر خود کو روک لیا کہ ابھی استانی نے کہا تھا کہ وہ تھک گئی ہیں اس نے گہری سانس لے کر دونوں ہاتھ سینے پر اس طرح رکھ لیے جیسے نماز پڑھتے ہوئے رکھے جاتے ہیں اب وہ بھی چپ لیٹی استانی کی طرح آسمان کو تک رہی تھی بے شمار ستاروں سے سجا آسمان فطرت کی زبان میں گویا محو کلام تھا۔ ایک ذرا کان لگانے کی دیر تھی۔

☆☆☆☆☆

"ڈیئر کچھ مصروفیت اس قسم کی رہی کہ میں تمہیں کسی نمبر پر دستیاب نہ ہو سکا اور موبائل آج کل میں استعمال نہیں کر رہا بلکہ یوں سمجھو کہ اس کنکشن ختم ہی ہے"۔

"ارے نہیں میری جان یوں نہ سوچا کرو"۔

"یار! تمہاری یہ کمبخت ایک روز میری جان لے لے گی سمجھا کرو میری جان۔ تمہارے بغیر میرا گزارا ہے...؟ ہر لمحے بس تمہاری تصویر آنکھوں کے سامنے رہتی ہے بار! وہ حمزا کی پارٹی میں تم نے جو غضب کی ڈریسنگ کی تھی کیا قیامت لگ رہی تھیں۔ سب تمہارے آگے پیچھے پھر رہے تھے اور میں بہت جیلس ہو رہا تھا میں تو چاہتا ہوں اپنی جان کو بس میں ہی۔ کمبخت تمہارے سر کی قسم کہنا کیا حکم کرو میری جان یہ بندہ بے دام سر سے پاؤں تک تمہارا ہے صرف تمہارا۔ میری جان چھوٹی چھوٹی باتوں پر دل چھوٹا نہ کیا کرو ٹھنک نہ کیا کرو میری زندگی تمہارے نام ہے اپنی پیاری سی کتنی کے لیے سنہری سی یہ تتلی تو میری جان ہے۔

یقین کرو جب تم ناراض ہو کر فون بند کر دیتی ہو اس رات نیند نہیں آتی کروٹیں بدلتے بدلتے صبح ہو جاتی ہے صبح کو اٹھتے ہی تمہاری طرف بھاگتا ہوں جب تمہارے چہرے پر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے تب کہیں جان میں جان آتی ہے سوچتا ہوں جلدی یہ فاصلے قربتوں میں بدل جائیں اور ہمارے بھی دن پھر جائیں تمہاری سنہری زلفوں کا تصور ایک آگ لگائے رکھتا ہے کسی کام میں دل ہی نہیں لگتا جی چاہتا ہے میں کوئی کام کروں بس نظروں کے سامنے تم رہو کتنی میری جان کب ختم ہو گی یہ جدائی......؟ کب تمہارا یہ ریشمی بدن"۔

قمر النساء نے دھڑ سے پورا دروازہ کھول دیا کوئی بھی ماں بیٹے کے منہ سے اتنی بے حیائی برداشت نہیں کر سکتی۔

"تف ہے تم پر پورے ایک خاندان کو آگ لگا کر اب کسی اور گھرانے میں آنچ دینے لگے ہو تم اس معصوم کے قاتل ہی کب تھے اسے تلاش کرنے کے بجائے نئی جگہ قسمت آزمانے لگے ہو تو رشتہ مانگنے جانا ہی نہیں چاہتی تھی کس منہ سے جانے کا سوچتی۔ اتنا ہنرمند بیٹا جو باپ کی پگ میں ستارے موتی ٹانک رہا ہے؟ چندے نے لٹکا رہا ہے......؟ ڈوب مرو کہیں چلو بھر پانی میں آ لگے گی ہمارے سر اس مظلوم کی جسے تم نے در بدر کر دیا ہے ہائے پاشا! خدا کے قہر کو مت آواز دو اس کی لاٹھی بے آواز ہے لعنت ہے میری زندگی پر جسے تم جیسے بیٹے کے کارنامے دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ روز مرتے ہیں اس دنیا میں ایک میں بے غیرت زندہ ہوں کہاں مر گئی میرے حصے کی موت دن رات بچی کی صورت آنکھوں میں پھرتی رہتی ہے کہ جانے کس حال میں ہے؟

بس یہ چار دن کا عشق تھا؟ اتر گیا بھوت؟"

"بس...... بس...... میری سوتی ماں...... اتنا نہ تاؤ کہ کہیں سچ مچ میں توبہ کر کے مومن ہی بن جاؤں پیاری ماں یہ تو کمرشل قسم کا عشق ہے کمرشل قسم کی لڑکی ہے آپ نہ جانے کیا سمجھ رہی ہیں؟ اصلی عشق تو اسی سے ہوا ہے تن من دھن کی بازی لگا رکھی ہے مجھے تو خود پر رحم آپ کی بہو کا خیال رہتا ہے کہ وہ بے وقوف جانے کس کونے میں چھپی بیٹھی ہے اس نے تو میرے سارے دھندے چوپٹ کرا دیے ہیں بس دن رات اسی کی تو کھوج ہے مل جائے ایک بار اتنا ماروں گا ایسی پٹائی کروں کہ عمر بھر یاد رہے۔ مجھے کی اتنا غصہ آتا ہے اس ناقدری و ناشکری پر کہ بتا نہیں سکتا"۔

اس نے پیچھے سے اٹھ کر ماں کو شانوں سے تھام لیا اور ایک چکر دے کر بیڈ پر بٹھا دیا۔

"تم ہاتھ تو لگا کر دیکھو سمجھ لوں گی تم سے ہمارے ہاں مرد عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے بڑی بے غیرتی کی بات سمجھی جاتی ہے یہ کوئی مردانگی نہیں ہوتی عورت کو تو اللہ نے یوں بھی مرد کے مقابلے میں کمزور پیدا کیا ہے لاؤ"۔

"اسے کہتے ہیں سوت نہ کپاس کولی سے لٹھم لٹھا ماں ابھی سے ملے تو وہ دو تو دانت بن کر دینے والوں میں لگتی ہیں اسے بھلا

کون مار سکتا ہے" پاشا نے مسکرا کر ماں کو ٹھنڈا کیا۔

"پھر بھی تمہیں پرائی بچیوں سے اس قسم کی باتیں کرتے شرم آنا چاہیے توبہ استغفار" حیا کا عکس قمرالنساء کے چہرے پر پھیلنے لگا (توبہ...... اس طرح کی باتیں کرتے ہیں یہ آج کل کے لڑکے...... لاحول ولاقوۃ......)

"کمال ہے اگر آپ ان 'پرائی بچیوں' کی باتیں سنیں تو آپ کو پتا چلے شرمیلا کسے کہتے ہیں۔ کسی دن سنواؤں۔" اس نے چٹکی لی۔

"اللہ توبہ...... میری اتنی ہمت نہیں۔ ہم نے تو کبھی بہنوں سے کھل کر باتیں کیں اپنے مرد کی نظر سے نظر نہیں ملائی ہماری اتنی ہمت نہیں آخر حیا نصف ایمان ہے" وہ دھیمی آواز میں نظریں جھکا کر کہہ رہی تھیں۔

"نصف ایمان حیا ہے نصف صفائی میری ماں کی تو ابھی سے جنت کی گارنٹی ہے" وہ وجہ سے ہنس دیا

"جنت دوزخ کا شعور ہے پھر بھی باز نہیں آتے اپنی اصلاح نہیں کرتے؟" وہ آزردگی سے کہہ رہی تھیں اور میں جنت کے قابل کہاں تمہارے جیسی اولاد روز حشر سوائے شرمندگی اور ذلت کے کیا دے گی......؟ آگے اس رحیم و کریم کی مرضی جس کے رحم و کرم پہ ہوں"۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"ایک تو اماں! آپ مجھے اموشنل بلیک میل کرنا چھوڑ دیں یہ بندہ اس دانے پر گرنے والا نہیں۔ سب نے اپنی اپنی قبر میں جانا ہے آپ میری فکر نہ کیا کریں"۔

"تمہاری فکر نہ کروں تو کالے چور کی کروں اولاد ہو تم میری۔ جواب دہ ہوں میں اللہ کے سامنے" وہ اس کی بات مکمل ہوتے ہی فوراً بولیں۔

"تو کہہ دیجئے گا یہ تو تھا ہی نکما۔ میں نے بہت کوشش کی"۔ وہ ہنس دیا

"استغفراللہ...... ہائے میری لگ گئی ہے دل پہ...... کیا یہ دکھ مجھے کھانے کو کافی نہیں؟" وہ پھر رونے لگیں

"نکاح ہو گیا تھا تو میں یہ سوچ کر خوش ہو بیٹھی کہ شاید وہ تمہیں بدل دے تم راہ راست پر آ جاؤ مگر میرے نصیب" وہ آنکھیں پونچھنے لگیں۔

"ولایت کی گوری پر بیٹھی ہے وہ گرا ہوں کو سیدھا راستہ دکھانے کے لیے؟ یا میری داستانی بنانے کا ارادہ تھا؟ خیر استاد تو اسے ہم مانتے ہیں کہ ہم جیسے آزاد پنچھی پہ کیا جال ڈالا ہے کام سے ہی کھٹو یا اب پتا چلا کہ چچا نوشہ عشق میں کس طرح نکمے ہوئے تھے" وہ پھر ہنسا۔

"یہ کون تھے؟" قمرالنساء نے حیران ہو کر پوچھا

"تھے کوئی ہمارے بھی بڑے"

"کیا انھوں نے بھی کسی سے زبردستی نکاح کیا تھا؟" وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھیں

پاشا نے زبردست قہقہہ لگایا تھا آج دو عرصے بعد کھل کر ہنسا تھا ورنہ ہر وقت چہرے پر تناؤ کی کیفیت ہی نظر آتی تھی۔

ان کا بھی نکاح ہو جاتا تو آتی کہاں سے کی شاعری کہاں لکھتی اردو ادب کو؟"

"توبہ ہے میری" قمرالنساء اپنی لاعلمی پر جھینپ گئیں (یہ تو کسی شاعری کی بات کر رہا ہے۔)

اسی لمحے فون کی بیل بجی۔ پاشا نے فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا تھا۔

"ہاں...... بول رہا ہوں"

"خیر ہے...... ابھی آ گیا تھا اس کا فون...... ہاں یار! بری طرح گلے پڑ رہی ہے حالانکہ ہم تو ان لوگوں میں سے ہیں جن کے لیے کہا گیا ہے کہ

میں جسے پیار کا انداز سمجھ بیٹھا ہوں

وہ تبسم وہ تکلم تیری عادت ہی نہ ہو

بھئی اپنی عادت ہی ایسی ہے کیا کریں کسی کا دل نہیں توڑا جاتا کسی کو خالی لوٹانا مایوس کرنا اپنی عادت نہیں" اس نے بات کے اختتام پر قہقہہ لگایا

"چھوڑو یار...... چھ سات اور بھی رکھی ہوئی ہیں میرا مطلب ہے پالی ہوئی ہیں بعض اوقات تو ان کے آگے پیچھے اکٹھے فون آ جاتے ہیں سوچ رہا ہوں کہ ایک کیسٹ بھر کے رکھ لوں فون آئے تو ریکارڈ پلیئر آن کر دوں اور خود اپنا کوئی ضروری کام نپٹا لوں۔ ہے ناں عمدہ آئیڈیا؟" وہ پھر ہنسا

"تمہیں کوئی نئی ایڈوائز نہیں بس مہمان کا خاص خیال رکھنا۔ وی آئی پی ہیں۔ اسے ہی ٹھیک چل رہا ہے ہوں؟...... کھانا ناشتہ بہت اچھا ہونا چاہیے وہ میں نے دو نائٹ سوٹ اور دو تین کرتا شلوار بھجوا دیے تھے خرید کر پہنچا دیے مہمان کو ہاں سلیپر دیا تھا روم سلیپر دونوں ہیں اسی بیگ میں ہاں بڑی تسلی کرا دو میری جان تا کہ وہ اپنے گھر کی طرح فیل کرے ہاں کے" اس نے ریسیور کریڈل پہ ڈال دیا۔

"تمہاری باتیں سن کر تو محسوس ہوتا ہے جیسے تمہیں اب کا دھیان ہی نہیں" قمرالنساء نے افسردہ نظریں پاشا کے چہرے پر جما دیں۔

"پیاری ماں بس اسی کا دھیان ہے جانتا ہے ہیں انشاء اللہ کہتے تو دلی ہو جاتے۔ آہ پھر چچا نوشہ یاد آ گئے"۔

تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

"یہ نوشہ تمہارے چچا کہاں سے ہو گئے؟" قمرالنساء چڑ گئیں۔

"یہ سب کے چچا ہیں اماں آپ زیادہ فکر مند نہ ہوں۔ چند دنوں میں وہ آپ کے ساتھ ہو گی اس گھر میں۔ تسلی رکھیں"۔

قمرالنساء چونک پڑیں۔

"تم اتنے یقین سے کیسے کہہ رہے ہو؟" وہ الجھیں۔

"بس کہہ رہے ہیں وہ مجبور ہو کر خود چھوڑ کر جائیں گے" وہ اطمینان سے بولا

"ان کے پاس ہو گی تو چھوڑ کر جائیں گے" وہ جل کر بولیں اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ میرا اندازہ ان بچوں کے لیے غلط نہیں ہو سکتا وہ جھوٹ نہیں بول رہے یہ دونوں احمق ہیں کہ نکاح کے بعد اسے چھپا کر رکھیں گے چھپانا تھا تو پہلے چھپا لیتے تمہاری عقل پر تو پتھر پڑ گئے ہیں" انھوں نے اس کی کم عقلی کا ماتم کیا اور کمرے سے باہر جانے لگیں۔

"بھولی ماں...... یہ دنیا بھی چالاک ہے آپ کو اس عیار دنیا کی کیا خبر آپ کن سادہ لوگوں میں زیادہ الجھتی ہیں جیسی خود ہیں ویسا دنیا کو سمجھتی ہیں۔"

"اب ایسی بھی نادان نہیں اسی دنیا میں رہ کر سر سفید کیا ہے" وہ ناراضگی سے گویا ہوئیں اور باہر نکل گئیں۔

"ارے میری ماں...... چلا گئے آپ کو وہ۔ بیچنے" وہ مسکرایا بڑی زہریلی مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆☆☆

ساما نہ دریا کو صبح ہی جا کر لے آئی تھیں یہ کہہ کر گھر میں پریشانی ہے اور میں اکیلی ہوں یہ میرے پاس ہو گی تو تھوڑا جی بہل جائے گا خواجہ صاحب اور مظاہر نے تو یقین دلایا ہے کہ سوں شام تک آ جائے گا یہ دن اس کا استقبال کرے گی پھر منت پوری کرنا ہو گی کھانا تقسیم ہو گا اب اس کے بغیر یہ اہم کام نہیں ہو گا یہ اپنے ہاتھ سے خیرات دے گی"۔

بڑی اماں کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا جب وہ اتنی چاہ سے کہہ رہی تھیں۔

ریبا سسرال واپس آئی تو شاہانہ و نفیس خواجہ کے قریبی ملنے جلنے والوں کا آنا جانا لگا رہا شاہانہ نے تو صرف ایک دوست کو بتایا تھا انہوں نے ہی جنگل کی آگ کی طرح پھیلا رکھا تھا اس خبر کو۔

وہ رات گئے تک پر تکلف انداز میں بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی مہمانوں کے جانے کے بعد شاہانہ اپنے کمرے میں گئیں تو وہ یونہی ادھر ادھر ٹہلنے لگی ٹہلتے ٹہلتے باہر برآمدے میں آ کھڑی ہوئی لان میں ملازمین کے بچے کھیل رہے تھے وہ ایک ٹک انہیں دیکھنے لگی ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا بہت سے اندیشے اسے بے سہارا کیے ہوئے تھے جس سے ذہنی حالت بہت ابتر تھی۔

معاً اس نے دیکھا کہ گیٹ کھلا ہوا...... چوکیدار کی جھلک دکھائی دی اور ایک لڑکی چادر اوڑھے لپیٹے اندر آ گئی۔

بچوں نے اسے دیکھتے شور مچا دیا۔

"سول آ گئی۔ سول آ گئی اب یہ ہمارے ساتھ کھیلے گی۔" بچے خوشی سے چلانے لگے

"سول اکیلی آئی ہے۔ باجی نہیں آئی؟" بچے اس کے قریب پہنچ کر مختلف سوال کر رہے تھے

اس نے کیا جواب دیا ریبا سن نہیں سکی

"سول کھیل رہی ہو؟" ایک بچے نے بے صبری سے پوچھا

لڑکی نے نفی میں گردن ہلا دی بچے اصرار کرنے لگے۔ ریبا کو بڑی حیرت ہو رہی تھی چادر میں لپٹی لڑکی تھی تو کوئی کھیلنے کودنے والی بچی تو نہیں تھی مگر بچوں کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اس کے ساتھ کھیلنے کے عادی ہوں۔

"شاید کسی ملازم کی لڑکی ہو گی۔" اس نے قیاس کیا۔

معاً بچوں کی نظر ریبا پر پڑی۔ انہوں نے چپکے سے سول سے کچھ کہا۔ سول چونک کر مڑی اور ریبا کی طرف دیکھنے لگی

ریبا سمجھ گئی کہ بچوں نے اسے بتایا ہو گا کہ وہ ان کے سون صاحب کی دلہن ہے۔

سول نے بچوں سے کچھ کہا اور ریبا کی طرف چلی آئی

"سلام جی!" وہ ریبا کے قریب آ کر بولی

ریبا نے باقاعدہ سلام کا جواب دیا۔

"یہاں کوارٹر میں رہتی ہو......؟" اس نے یونہی پوچھ لیا

"رہتی تھی .... اب تو بیگم صاحبہ نے فلیٹ دیا ہوا ہے جس میں سب طرف قالین لگا ہے گرم ٹھنڈے پانی والے باتھ روم ہیں کمرے ہو کر پکانے والا باورچی خانہ ہے جیسے آپ لوگ تو کچن بولتے ہو ناں"۔

"تم نے کوئی خاص خدمت کی ہو گی جب ہی تم پر یہ مہربانی کی ہے کسی نے" ریبا زبردستی مسکرائی

"میں نے جی...... بہت بڑی خدمت کی ہے ان کی" وہ بڑی کھلی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی

"اچھا مجھے بھی بتاؤ پھر تو کسی بڑی قدردان قسم کی خاتون ہیں۔ تم تو اس فلیٹ میں جا کر بہت خوش ہوئی ہو گی۔ جیسے لاٹری نکل آئی تمہاری تو"۔ ریبا نے کہا۔

"پھر بتاؤں گی آپ کو بہت ساری باتیں ابھی وقت نہیں ہے ابھی تو کام سے آئی ہوں بیگم صاحبہ ہیں گھر پر......؟" وہ پوچھ رہی تھی اور ریبا اسے سر سے پاؤں تک جانچ بھی رہی تھی۔

"اچھی قسمت ہے سون صاحب کی" یک دم اس کی آواز ابھر آئی۔

"ارے ارے...... تم تو رونے لگیں تمہاری بھی قسمت اچھی ہو گی ابھی فلیٹ ملا ہے۔ جانے اور کیا کیا مل جائے"۔

ریبا نے بڑی معصومیت سے کہا اپنی دانست میں تسلی دی۔

"جن کو فلیٹ ملتا ہے ان کی قسمت اچھی ہوتی ہے؟ بھلے سے اس فلیٹ میں بیٹھ کر روتے رہیں"۔ وہ روندھی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"بھئی کیوں روتی ہو تم کیا اکیلی رہتی ہو وہاں؟" ریبا کو تعجب ہوا۔

"نہیں میرے ماں باپ اور چھوٹی بہن ہوتی ہے ادھر......؟" بولی

"پھر کیا دکھ ہے؟ کیوں روتی ہو پھر؟" ریبا ہنوز حیران تھی۔

"آپ نے بس دکھ کا نام سنا ہے...... دکھ کا پتا نہیں...... یہ بلا ہوتی ہے...... خون چوستی رہتی ہے بندے کا...... نہ مرنے دیتی ہے نہ جینے...... آپ کو میری سمجھ نہیں آ سکتی...... بیگم صاحبہ گھر پر ہیں؟" وہ اپنی رو میں بہتے بہتے چونک پڑی۔

"گھر پر تو ہیں مگر سو رہی ہیں تمہارے سون صاحب پتا نہیں کہاں چلے گئے ہیں سب پریشان ہیں کچھ پتا نہیں چل رہا۔" ریبا افسردگی سے بولی۔

سول چونک پڑی۔

"کہاں چلے گئے...... اتنا سکھ اور نئی دلہن چھوڑ کر؟"

ریبا خاموشی سے اپنے پیروں کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپ نے ڈھونڈا نہیں۔" وہ فکرمندی سے پوچھنے لگی۔

"ڈھونڈ رہے ہیں۔" ریبا نے کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا۔

"وہ بھی کھو گئے میں تو اپنا بچہ پتا کرنے آئی تھی مجھے تو ابھی نہیں پتا وہ کاکا ہے یا کاکی؟" اس کی آواز رندھ گئی۔

"بچہ......" ریبا اسے غور سے دیکھنے لگی یہ "بچے" والی اتنی چھوٹی سی تو ہے۔

"تم شادی شدہ ہو کیا کرتا ہے تمہارا میاں؟ تم تو کہہ رہی تھیں کہ فلیٹ میں تم اپنے ماں باپ اور بہن کے ساتھ رہتی ہو میاں کے گھر میں کیوں نہیں رہتیں؟" ریبا پر پھر حیرت کا دورہ پڑا۔ "کیا بچپن میں ہو گئی تھی تمہاری شادی؟"

"شادی......؟!! یہ آپ لوگوں کی ہوتی ہے ہم لوگ تو وڈیروں کے بھاؤ بند رہتے ہیں یا ان کے منہ چڑھے نوکروں کے جن سے وہ کھیلتے ہیں۔ ہاں ہماری بھی تھی ایک دن۔"

ریبا نے آنکھیں پھاڑ کر "منہ زوری" بچی کو دیکھا

"اگر ان سے بچ کر شہر آ جائیں تو ادھر کوٹ پتلون والے وڈیرے بیٹھے ہوتے ہیں ہماری قسمت میں ہی ایسا لکھا ہے"

"مگر تم تو اتفاق سے بہت اچھے لوگوں کے پاس آئی ہو جنہوں نے تمہیں رہنے کے لیے بہت اچھا گھر بھی دیا ہے۔ اور کیا چاہیے اور اب تو شاید تم کوٹھی میں کام بھی نہیں کرتی ہو" ریبا کی حیرت بدستور تھی

"ہاں...... بہت اچھے لوگ ہیں پہلے دن کا ماس (کھول کا) تماشا کرتے ہیں پھر پہننے کو کپڑا دیتے ہیں"۔

وہ جلانے کے انداز میں بولی

"ہیں......؟" ریبا کو جیسے دھچکا لگا۔

"ویسے ہی بولی۔ یہ لوگ تو خیر اچھا ہے سون صاحب تو بہت ہی اچھا ہے" سول ایک دم سنبھل کر بولی۔

ایک تلخ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلنے لگی تھی۔

ربا سیاں کی تعریف سن کر بہت خوش ہوئی گویا سول نے "کیریکٹر سرٹیفکیٹ" ایشو کیا تھا مگر اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

"تم نے نہیں بتایا تمہارا شوہر کہاں ہوتا ہے؟ کدھر کام کرتا ہے؟" ربا نے ایک دم ذہن پھر اس کی طرف موڑ دیا۔

"بولی تو..... شادی تو آپ لوگوں کی ہوتی ہے۔ جب شادی نہیں تو شوہر کدھر" تلخ لہجے میں کہہ رہی تھی

"تو پھر بچہ؟" ربا از سر نو حیرت سے ادھ موئی ہونے لگی

"بچے کا کیا ہے۔ وہ عورت پیدا کرتی ہی ہے" اندھا سا جواب ملا۔

(بغیر شادی بغیر ماں روئے زمین پر ابھی تک صرف ایک مثال ہے..... وہ بھی پیغمبری)

"میری سمجھ میں تو بالکل بھی کچھ نہیں آیا ایک تو تمہاری اردو بھی بہت کلاسیکل ہے۔

ایسی تو کل مشکل بات نہیں بولی میں" سول چاروں طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے کچھ تلاش کر رہی ہو۔

"آپ سون صاحب کا بچہ پیدا کرو گی تو پتا لگ جائے گا بچہ کیسے ہوتا ہے جیسے ساری عورتوں کو ہوتا ہے اور پتہ لگ جاتا ہے اب آپ آگے کچھ نہ بولنا میں نہیں بولوں گی پہلے سے پوچھیں پہلے سے خفا ہوں"۔

ربا تو اتنی لڑکی کے منہ سے اماں دادو والی بات سن کر گویا حیا سے مرنے ہی لگی تھی۔

"نہیں بابا..... میں کچھ نہیں پوچھ رہی میری توبہ..... میرے باپ کی توبہ..... ربا نے گھبرا کر کانوں کو ہاتھ لگایا اس کے عہد میں کون جوان لڑکی لڑکا ہوں گے جن کی سمجھ میں سول کی بات نہ آ سکتی ہو ربا کے تو چھکے چھوٹ گئے تھے..... "زی سینما" پر اس کی طرح کی بے شمار فلمیں وہ دیکھ چکی تھی۔ اگرچہ ابھی وہ "زچہ" کے تجربے سے نہیں گزری تھی کہ بہرحال سننے دیکھنے اور تجربے سے گزرنے میں بہت فرق ہوتا ہے تجربے کی اتنی اہمیت نہ ہوتی تو "دانائی" ایک ڈھکی کی ہوتی۔

"آپ کو تو بہت غم ہوگا..... سون صاحب کا..... نئی نئی تو شادی ہے آپ کی" وہ ربا کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے بولی

"اللہ نہ کرے غم ہو" ہاں پریشانی تو ہے..... مائی گاڈ..... تمہاری اردو لیکن انشاءاللہ آ جائیں گے وہ" وہ تو یوں بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولتے ہیں اور اس باعث ہمیشہ کے خوش فہم و خوش امید ہوتے ہیں اب تو اس بانی ذاتی سسر کی تسلی اور بارسوخ بھائی کا دلاسا اس کے ساتھ تھا اللہ سائیں نے آپ کی قسمت تیز لکھی ہے آپ ٹھیک بولتی ہو وہ ضرور آ گئیں گے اتنا بڑا گھر ملا ہے آپ کو بڑی بڑی موٹریں ہیں ادھر سسر بھی انگریزی کپڑے پہنتا ہے آپ کا مرد بھی اور اس کا بھائی بھی۔۔ ساس بھی بہم ہے..... روٹی کپڑا بھی بہت ہے خود کم کھاتے ہیں نوکروں کو مہمانوں (مہمانوں) کو زیادہ کھلاتے ہیں آپ کو بھی شادی پر بہت سامان [illegible] دیا ہوگا آپ تو بڑی قسمت کی تیز ہو ضرور آ جائیں گے آپ کے ساتھ ہنسیں گے بولیں گے" وہ پھر کھو سی گئی۔

"آپ نے ادھر کوئی بہت چھوٹا سا بچہ تو نہیں دیکھا.....؟" اس نے ربا کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا

"نہیں بھئی میں نے کوئی بچہ نہیں دیکھا تو تمہارا کوئی ادھر کیوں لائے گا" وہ جھنجھلا گئی

"آپ کو نہیں پتا بعض لوگ اندر سے بہت ظالم ہوتے ہیں" اس کی آواز رندھ گئی۔ "پیٹ کٹا ہوا ہے میرا۔ بہت تکلیف ہے مرنے کو۔ پھر بھی اپنا بچہ ڈھونڈنے آئی ہوں" وہ آنسو صاف کرنے لگی۔

"تمہیں کس نے کہا ہے کہ تمہارا بچہ ادھر ہے؟" ربا الجھ گئی۔

"ادھر ہی ہوگا نہیں تو ادھر ہی سے پتا لگے گا کہ کدھر ہے" وہ دور کھڑے بچوں پر نظر ڈال کر بولی جو ابھی تک اس کے

پلٹنے کا انتظار کر رہے تھے کہ ابھی وہ دوپٹہ پھینک کر شلوار اڑس کر ان کے ساتھ بھاگے دوڑے گی۔

"کس سے پتا لگے گا؟" ربا نے پوچھا۔

"میں کاکو کی ماں کے پاس بیٹھی ہوں جب بیگم صاحب سو کر اٹھ جائیں گی تو ان کو بولوں گی..... آپ اللہ سائیں سے اپنے سون صاحب کے لیے دعا کرو" اس نے ربا کا سوال سن کر نظر انداز کر دیا۔ "میں بھی شاہ سائیں کے مزار پر منت چڑھاؤں گی..... آپ کی طرح مجھے بھی فکر ہے"

وہ خلا میں گھورتے ہوئے بولی پھر یکدم چونک کر قدم کوارٹروں کی طرف بڑھا دیے ربا اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی مگر اس کی سوچیں بکھری ہوئی تھیں۔

"پیٹ کٹا ہوا ہے" اچانک اس کے کانوں میں سول کی آواز گونجی "آپریشن ہوا ہے بے چاری کا..... کیوں.....؟ وہ اپنا بچہ تلاش کرنے یہاں کیوں آئی کہہ رہی تھی بہت چھوٹا بچہ ہے کوئی کسی کا اتنا چھوٹا بچہ یہاں کیوں لائے گا؟"

وہ سوچتی ہوئی تھکے تھکے قدموں سے اندر پلٹ گئی بچے اب پھر سول کو گھیرے کھڑے تھے۔

☆☆☆☆☆

"ربا جان! اس طرح کیوں بیٹھی ہو کپڑے بدلو اچھی طرح تیار ہو کر نیچے آ جاؤ دونوں چائے نکلیں گے۔ انشاءاللہ وہ آ جائے گا ٹھیک ٹھاک کر اتنا خراب حلیہ ہو رہا ہے تمہارا چلو اٹھو شاباش۔ تم دیکھ ہی رہی ہو آنے جانے والوں کا بھی سلسلہ لگا ہوا ہے"۔

شاہانہ تاکید کر کے پلٹنے لگیں۔

"ممی..... ! بات سنیں۔"

"ہوں۔" وہ رک گئیں۔

"وہ ایک لڑکی آئی تھی آپ سے ملنے آپ سو رہی تھیں۔" ربا نے کہا۔

"مجھ سے ملنے کہاں سے آئی؟؟ کیا نام ہے؟" شاہانہ بری طرح چونکی تھیں۔

"نام تو میں نے نہیں پوچھا۔ کہہ رہی تھی اپنے بچے کا پتا کرنے آئی ہوں" ربا نے بتایا

"بچے کا پتا کرنے؟" شاہانہ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"جی..... یہی کہہ رہی تھی..... ممی..... وہ بہت دکھی لگ رہی تھیں چھوٹی سی تو ہے بے چاری۔ ممی..... اس کا بچہ یہاں کون لائے گا بتا رہی تھی آپ نے اسے اور اس کے ماں باپ کو رہنے کے لیے ایک فلیٹ دیا ہوا ہے۔"

"ہاں۔ ہاں اور بھی کچھ کہہ رہی تھی؟" شاہانہ نے گھبرا کر ربا کی شکل دیکھی۔

"نہیں بس..... بچہ بچہ کیے جا رہی تھیں میری تو کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا شاید بے چاری کا آپریشن بھی ہوا ہے کہہ رہی تھی کہ پیٹ کٹا ہوا ہے مجھے پتا نہیں وہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ پتا نہیں کیا الٹے سیدھے جواب دے رہی تھی پہلے شاید یہ ادھر ہی کام کرتی ہوگی اور ہاں ممی اس کی ایک چھوٹی بہن بھی ہے۔"

"اچھا اچھا ہو گی کوئی۔ ضرورت ہوگی تو پھر آ جائے گی تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں بس تم تیار ہو جاؤ انشاءاللہ سون آج آ جائے گا اور تمہارے ڈیڈی کا لاڈلا بیٹا ہے اغوا کرنے والے جو مانگیں گے دے دیں گے" وہ تسلی دینے کے انداز میں گویا ہوئیں۔

"لیکن انہیں اغوا کرنے والے تو وہاں والے لے کر نہیں گئے..... وہ تو" وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہوگئی۔

"تو پھر سون کو اٹھانے کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے ہماری تو کسی سے دشمنی نہیں چل رہی مائنڈ مت کرنا اگر پیسوں کا لالچ ہوتا تو تمہارے کسی بھی بھائی کو لے جاتا تنگ کرنے کی غرض سے ظاہر ہے اس کے پاس حرام کی دولت ہے اس نے ان ہی طریقوں سے کمائی ہوگی اس نے کھوج لگائی ہوگی کہ سون کا باپ کیا کچھ دے سکے گا بس اس نے کام دکھا دیا کہ تنگ کرنے کا شوق بھی پورا ہو جائے گا اور دولت بھی ہاتھ لگے گی۔"

لیکن خواجہ اور مظاہر اتنی آسانی سے اس کا کوئی مطالبہ پورا نہیں کریں گے چلائیں گے کوئی نہ کوئی چکر ہماری تو گاڑھے پسینے کی کمائی ہے حرام کی تھوڑا ہی ہے جب میری شادی ہوئی تو تمہارے ڈیڈی کے پاس صرف ایک پرزہ ساز فیکٹری تھی میرے والد کی کپڑے کی دو ملیں تھیں جو میرے باپ نے خون پسینہ بہا کر بنائی تھیں اور نہ کبھی نکلی چوروں کی اور نہ ٹیکس...... نہ کبھی اپنے مل ورکرز کا خون نچوڑا...... سو سے زیادہ فیسلٹیز حاصل ہوتی ہیں ہمارے ورکرز کو۔ ہمارے مل میں کام حاصل کرنے کے لیے سفارش ڈھونڈا کرتے تھے مگر میرے والد رشوت سفارش مارکٹنگ کے قائل نہیں تھے انہوں نے اتنی محنت کی چالیس سال کی عمر میں ان کا سر سفید ہو گیا تھا بعد میں یہ ملیں مجھے مل گئیں پھر خواجہ نے بھی محنت کی اور میں نے بھی ان سے جو منافع کمایا اس سے ایک فیڈ فیکٹری اور کنسٹرکشن کمپنی قائم کی بہت محنت کا پیسہ ہے ہمارا"۔

لگے ہاتھوں شاہانہ نے اپنی ملکیت دولت اثاثوں کی تفصیل بھی ریحا کے "گوش گزار" کر دی۔

اثاثوں کی تفصیل نے تو ریحا کے ہوش اڑا دیے اف اس قدر دولت جب ہی تو نوکرانی کو پورا لقب دے دیا شادی سے پہلے تو گھر میں کبھی ذکر نہیں ہوا کہ یہ اتنے دولت مند ہیں میں تو سمجھ رہی تھی یہاں بس نارمل کھاتے پیتے لوگ ہیں مگر ساس صاحبہ نے گویا جتا بھی دیا کہ یہ ساری دولت ڈیڈی کی نہیں بلکہ ان کے باپ کا زیادہ حصہ ہے۔

"وہ...... ہاں...... سنی تو نظر نہیں آیا...... ؟ بہت فیئرز سے کہا تھا ہے کہا بھی تھا کہ آج فیکٹری چلے جانا تمہارے ڈیڈی آؤٹ ڈور ہیں بہت مصروف رہیں گے"۔ وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئیں "کم از کم بھائی کی فکر تو ہونا چاہیے"۔

"اچھا تو پھر وہ لڑکی واپس چلی گئی تھی......" وہ جاتے جاتے پھر رک گئیں۔

"نہیں، شاید وہ تو شاید نوکروں کے کوارٹروں کی طرف گئی تھی" ریحا نے بتایا۔

"شیور...... ؟" شاہانہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا

"جی...... وہ اسی طرف جا رہی تھی" ریحا نے جواب دیا

شاہانہ...... اسے تیار ہونے کی تاکید کر کے واپس پیچھے چلی گئیں۔

☆☆☆☆☆

"آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے سر؟"

سون ایک میگزین میں مگن تھا چونک پڑا

سامنے بلیک جینز بلیک ٹی شرٹ اور ریڈ اسکارف میں بڑا ہینڈسم سا بندہ سینے پر بازو لپیٹے کھڑا تھا۔

"جی نہیں۔ تھینکس۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں مجھ پر یہ مہربانیاں کس سلسلے میں؟" وہ میگزین بند کر کے سیدھا ہو گیا۔

"بھئی! آپ ہمارے سسرالیوں کے خاص بندے ہیں اتنا تو حق ہے آپ کا۔ خواہش کریں تو سوئٹزرلینڈ کا ریٹرن ٹکٹ دے کر وہاں سیر کو بھی بھیج دیں"۔

"بڑی عنایت...... بہت مہربانی...... لیکن سیر و تفریح تو میں خود بھی افورڈ کر سکتا ہوں"۔ سون نے قدرے روکھے لہجے میں جواب دیا۔

"یقیناً اور وہاں آپ اپنی نئی نویلی دلہن کو ساتھ لے جانے کے خواہش مند ہوں گے میرا ابھی دل چاہتا ہے کہ اپنی بیگم کو لے کر ورلڈ ٹور پر نکل جاؤں"۔ وہ مسکرایا۔

"تو نکل جائیں۔ کوئی روکتا ہے آپ کو" سون نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"آپ کے سسرال والے نہیں مانتے۔"

"آپ کی بیگم کا میرے سسرال سے کیا تعلق؟" سون کو تعجب ہوا۔

"او...... ہاں...... ان ہی سے تو سارے تعلقات ہیں آپ نے "ہیر" پڑھی ہے؟ اس میں ایک کردار "کیدو" کا ہے ہیر رانجھا کی محبت کا ازلی دشمن آپ کے اور میرے سالے سب کے "کیدو" ہیں۔

ویسے بھی جہاں سچا عاشق ہوتا ہے وہاں ظالم سماج لازمی ہوتا ہے پتا نہیں آپ نے کبھی عشق کیا یا نہیں اگر نہیں کیا تو بہت بڑی لذت سے محروم ہیں عورت کو بستر تک لے جانا مرد کے لیے کوئی مشکل بات نہیں عورت کا آسانی سے مل جانا بھی کوئی ناممکن نہیں مگر وہ عورت جس سے عشق ہوتا ہے اس میں سچے موتیوں کی سی جھلملاہٹ ہوتی ہے اس میں سے ستاروں کی سی روشنیاں پھوٹتی ہیں اسی لیے وہ باقی عورتوں سے جدا نظر آتی ہے بغیر عشق کے تو ہر عورت ایک ہی جیسی نظر آتی ہے جیسے قصاب کے گلے کی ساری بکریاں"۔

اپنی دلچسپ مثال پر پاشا نے خود ہی ایک قہقہہ بھی لگا دیا تھا۔

"لاحول ولا قوۃ کہاں عورت کہاں بکریاں۔ عشق کی بات کرتا ہے عشق کی نزاکت کا شعور نہیں"۔ سون نے لاحول پڑھی۔

"جس عورت سے مرد عشق کرتا ہے وہ دنیا کی سب سے حسین عورت ہوتی ہے اس لیے اس کے سامنے دوسری سب عورتیں ماند پڑ جاتی ہیں اصل میں عاشق کی روح میں کوئی رنگ پھیکا ہوتا ہے اور جس عورت سے اسے عشق ہو جاتا ہے اس عورت میں وہ رنگ بہت تیز ہوتا ہے بس اس کو اپنے اندر اتارنے کی خواہش عشق ہے اسے اپنی روح میں جذب کرنے کی تمنا کا نام عشق ہے اصل میں میں نے اپنے کیس میں بہت غور کیا ہے میری زندگی میں عورت ال مفت کی طرح ہے دائیں بائیں آگے پیچھے۔ ہر طرف نئی نئی خوشبوؤں میں بسی عورت کھڑی ہے جانی ڈھیر سر سمٹنے والی عورتوں میں گھر کر بھی اسی کو سوچتا ہوں کسی عورت کی سیکس اپیل مجھ پر کام نہیں کرتی میرے اندر کے پرجوش مرد کو بیدار نہیں کر پاتی عشق نے مجھے پارسا کر دیا ہے تب میں سوچتا ہوں عورت اگر صرف مرد کی خواہشات کی تسکین کے لیے ہے تو یہ عورتیں کیا بری ہیں مگر جب اندر کا مرد سرد ہی رہتا ہے تو کھلتا ہے کہ عشق کیا ہوتا ہے وصال کی تڑپ کیا ہوتی ہے ان گنت انسانوں کے ہجوم میں کوئی خاص کیوں ہو جاتا ہے۔

پاشا صاحب! عشق بڑی خواری تھی ایک حقیقت ہے اسی عشق کی کارفرمائی ہے کہ آپ ہمارے معزز مہمان ہیں"۔

وہ ایک کرسی پر بیٹھ چکا تھا سون ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہا تھا عشق کی وضاحت وہ بھی اتنی روانی سے وہ تو ابھی تک اسے اغوا برائے تاوان کے گروہ کا سرغنہ سمجھ رہا تھا۔

"آپ کے اس افلاطونی عشق سے میرا کیا تعلق؟" اب وہ ساری صورت حال سمجھ گیا تھا کہ ان ہی موصوف کی "مہربانیوں" کے سبب اس کی ایمرجنسی "شادی" ہوئی تھی اور جس قسم کے ری ایکشن کا سب کو خطرہ تھا وہ ہو چکا ہے یعنی اس کا اغوا اسی سلسلے کی کڑی ہے اس نے پھر بھی انجان بن کر سوال کیا تھا۔

"یہ ساری اسی عشق کی کارفرمائیاں ہیں۔ میرے ہم زلف، بلکہ میری جان، وہ ہماری معشوقہ محبوبہ منکوحہ کو اغوا کیے ہوئے ہیں اور ہماری دلی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں بہت محبت و شرافت سے بات کی نہیں سمجھتے پھر تو اسی طرح کا عمل رہ جاتا ہے"۔

وہ آگے کی سمت جھکا اور سینٹر ٹیبل پر رکھا سگریٹ کیس کھولا ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبائی جیب ٹٹولی کر لائٹر

تلاش کرنے لگا۔

"مگر یہ تو گدھے کے کان اینٹھنے والی بات ہے" مون نے بہت رسانیت سے کہا۔

"خدانخواستہ آپ گدھے ہوں۔ ہم نے آپ کی عزت افزائی میں کوئی کمی کی ہے؟" وہ لائٹر جلا کر سگریٹ سلگانے لگا۔ مون کو اسکی حاضر جوابی کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہوا۔

"مگر فیڈ میں پڑا انسان تو خود کو گدھا ہی سمجھتا ہے" مون نے نرمی پر نرمی جواب دیا۔

"آپ خود کو فیدی نہ سمجھیں ہمارا فرض ہی رشتے دار سمجھیں اور اپنے رشتے داروں کو بھی سمجھائیں کہ ظالم سماج کتنا ہی ظالم ہو مگر ہار جاتا ہے وہ کام جو آخر کل ہونا ہے وہ آج کیوں نہ ہو اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ان کے اس غریب کی زندگی علیحدہ تنگ کی ہوئی ہے ہمارے پاس ہوئی تو لائف انجوائے کر رہی ہوتی دن عید رات شب برات ہوتی ہمارے گھر میں ملکہ بنی ہوتی روز سیر کرتی شاپنگ کرتی ہماری محبت کا عملی ذائقہ چکھ کر نکھر گئی ہوتی اس بے چاری کا بھی ستیاناس کر دیا ہے ایک تو ویسے ہی دھان پان سی ہے"۔

"قصہ مختصر آپ قطعی بے گناہ ہیں باقی سب خطا کار ہیں اس بے چاری کا ستیاناس اصل میں اس کے اپنوں نے کیا ہے آپ کا کوئی قصور نہیں" مون نے طنزیہ کہا۔

"قطعی...... بالکل...... عشق تو سنوارتا ہے بڑی کوشش کی سنوارنے کی مگر بگاڑنے والے باز نہیں آ رہے۔ ایک بار وہ کافر ہمیں سونپ کر تو دیکھیں کیا بناتے ہیں اس کو دنیا دیکھ لے گی"۔

"مگر جہاں تک میری اطلاع کا تعلق ہے آپ کی منکوحہ ان لوگوں کے پاس نہیں جن پر آپ کو شک ہے"۔

مون نے قطعی انداز میں کہا۔

"آپ بھی تو ان ہی لوگوں میں سے ہیں آپ کی اطلاع پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے" وہ استہزائیہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"آپ کی مرضی...... ہم یقین کرنے کے لیے اصرار نہیں کریں گے" مون نے بے نیازی سے کہہ کر میگزین دوبارہ اٹھا لیا۔

"ویسے یار......! آپ کے والد صاحب تو شہر کے نامی گرامی رئیسوں میں شمار ہوتے ہیں پھر آپ کی شادی ایک اپر مڈل کلاس میں کیسے ہوئی کوئی دل ول کا معاملہ تو نہیں تھا؟ یعنی ہماری طرح کا"۔ وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے تو پتا نہیں یہ عشق ہے کس چڑیا کا نام...... میرے خیال میں خالی اور فارغ ذہنی مصروفیت ہے یہ"۔

مون نے بھی طنزیہ انداز میں جواب دیا۔

"ہاں جو بھی چیچوں کی ملیاں" نہ گیا ہوا سے کیا پتا بگاڑوں ہے موضوع باقصہ...... پھر عشق کی توہین پر کیا برا منائیں خفا کرے ہو جائے آپ کو بھی ...۔ ویسے اتنی پارسا جوانی آج کے دور میں نایاب ہی ہے کس گدی نشین سے کسب فرماتے ہیں جناب......؟" وہ منہ سے ڈھیر سا دھواں نکال کر گویا ہوا۔

مون خاموش رہا اور میگزین کے ورق الٹتا رہا البتہ سوئی کی نوک سی کہیں چبھی تھی۔

"پاسط صاحب! ایک لیٹر لکھ دیجیے مسٹر مظاہر کے نام اس لیے کہ میں فون استعمال کرنا نہیں چاہتا"۔

مون نے سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

"انہیں پیار سے کہیے کہ ہماری بیگم ہمارے حوالے کر دیں ورنہ آئندہ ویٹنگ تک آپ میں سے بہت سے "زیارت" پر ہوں گے بلیک وارنٹ نکلیں گے۔ میں تو ماموں کی وجہ سے رشتے داری کا لحاظ کر رہا ہوں اس لیے چاہتا ہوں یہ مسئلہ آپس ہی میں طے ہو جائے"۔

"مسٹر مظاہر قانون کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں ان کی جاب ہی ایسی ہے کہ ان کا دن رات سابقہ قانون والوں سے

پڑتا ہے وہ واقعی بچکانہ حرکت کر ہی نہیں سکتے کہ کسی کی قانونی بیوی کو بغیر بے جا میں رکھیں اس لئے یہ بہتر ہے اپنے دماغ سے نکال دیجیے تاکہ آپ کو آرام آ جائے اور آپ پر سکون ہو کر اس کے علاوہ بھی کچھ سوچ سکیں"۔ مون کا لہجہ خاصا بدلحاظ و بے مروت تھا۔

"اسی طرح ڈھول بجھ گئے ہیں بجھ وارہ سکے پڑھے لوگ انہی لوگوں کو ماسٹر مائنڈ کہلوانے کا بہت شوق ہوتا ہے اس لیے کہ انہوں نے ترقی کر کے بہت آگے جانا ہوتا ہے جتنے کریڈٹ ملیں گے اتنی ترقیاں آیا کچھ عقل شریف میں؟"

"ہماری عقل میں بغیر دلیل کوئی بات نہیں سماتی۔ بہتر ہے آپ ہی کی تسلی کر دیں" مون نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"چلیں ہم بے وقوف سہی ہم بھی لڑکی نہیں سے برآمد کرائیں گے آپ میڈل ہوا کر ابھی سے رکھ لیں ہمارے لیے" اس نے گہرا کش لگایا پھر دھوئیں کے مرغولوں سے کھیلنے لگا۔

"میں نہیں سمجھتا اتنے بڑے ماسٹر کو میرے میڈل کی ضرورت ہوگی" مون نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"آپ اپنی کوششیں جاری رکھیں میں لیٹر لکھ دیتا ہوں مسٹر مظاہر کے نام" مون نے قصہ کوتاہ کیا۔ "مگر تو آپ ہی ڈلیور کرائیں گے؟"

"شیور...... مگر ان شارٹ آپ اپنے الفاظ میں لکھیے گا یہ ضرور بتائیے گا کہ آپ کو یہاں بہت ٹارچر کیا جا رہا ہے رات بھر جاگنے پر مجبور کیا جاتا ہے ایک کوٹھڑی ہے جس میں کوئی ہول نہیں پنکھا جھلنے کے لیے ایک اخبار دیا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ کوشش کیجیے کہ خط پڑھتے ہوئے ان کے آنسو نکل پڑیں آپ سمجھ رہے ہیں ناں آپ جتنا درد بھرا خط لکھیں گے اتنی جلدی مسئلہ حل ہونے کا امکان ہے آپ بھی جلد از جلد اپنی دلہن کے پاس پہنچیں گے جس سے واقعی مجھے دلی ہمدردی ہے ویسے بہت یاد آ رہی ہوگی ناں......؟"

وہ شریر انداز میں مسکرایا اور ناک سے دھواں نکالتے ہوئے جھک کر سگریٹ کا بجھا ہوا ٹکڑا ایش ٹرے میں مسل دیا۔

مون کی نظریں ایک ماڈل کی تصویر پر جمی ہوئی تھیں جو یکدم ریبا لگنے لگی۔

"دلہن...... بے چاری کو کیا دیا ہے میں نے فی الحال ایک سونے کا پنجرہ ایسی زندگی سے بھرپور لڑکی جانے کیا کیا سوچا ہوگا جب دلہن بنی ہوگی"۔

کاش مجھے اس سے محبت ہو جائے وہ ابھی تک "ایک لڑکی" ہے بیوی کیوں محسوس نہیں ہو رہی ہے...۔؟ بہت زیادتی ہوگی اس کے ساتھ..... او...... زیادتی کا شکار دوسری لڑکی دونوں کے ساتھ زیادتی کی شکل الگ الگ...... ایک کے ساتھ وہ ہوا جو ہونا نہیں چاہیے تھا دوسری کے ساتھ وہ نہیں ہوا جو ہونا چاہیے تھا...... آئم...... سوری۔ ریبا مجھے...... تم سے ہی عشق ہو جائے...... اس منہاج حسین پاشا کی ہی دعا قبول ہو جائے عشق کی گرمی ہی مجھے بحر منجمد کی تہہ سے باہر کھینچ نکالے ورنہ اس بے چاری کا کیا ہوگا۔

"آپ تو بالکل ہی اپنی دلہن کے تصور میں کھو گئے خیر نئی نئی شادی ہے دلہن چیز ہی ایسی ہے۔ آہ...... بے چاری ہماری دلہن۔" پاشا نے آہ سرد بھری۔

مون نے ایک بے معنی سی نظر پاشا کے چہرے پر ڈالی۔

"اس بے چارے کی دلہن بھی" بے چاری ہے"۔

"غم غلط کرنے کے اس دنیا میں بہت سے طریقے ہیں۔ آپ کوئی شوق رکھتے ہیں "ریڈ لیبل" بھی مل سکتی ہے اور بلیک لیبل بھی...۔ امپورٹڈ اعلیٰ کوالٹی۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"آئم...... سوری...... مجھے خود کو دھوکا دینے کا کوئی شوق نہیں یہ کمزور لوگوں کے وقتی سہارے ہیں اور وہ سہارا ہی کیا جو وقتی ہو ہم پائیدار، کوالٹی کے ساتھ کے قائل ہیں" مون نے شاہانہ بے نیازی کے ساتھ جواب دیا۔

"بہت خوشی ہوئی آپ کے قیمتی خیالات جان کر۔ اصل میں آپ جس کلاس سے تعلق رکھتے ہیں وہاں تو یہ گنگا کی طرح

بجتی ہے ہر دوسرا شخص اس میں نہا کر پاک صاف ہوتا رہتا ہے اس لیے پوچھ لیا تھا"۔ پاشا نے وضاحت کی۔

"خیر اب ایسا بھی نہیں ......" مون نے تسلیم کرنے سے انکار کیا۔

"ہم اس سے بھی اوپر والوں کی بات کر رہے تھے یہ بھولیں"۔ پاشا نے کہا

"اچھا ...... اچھا ...... آپ کا مطلب وطن دشمن اسمگلر طبقہ۔ ہاں یہ کلاس سب سے زیادہ عیاش ہوتی ہے"۔

مون استہزائیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"ظاہر ہے حرام کی کمائی لٹانے میں کوئی دکھ تھوڑا ہی ہوتا ہے مگر میرا تعلق چور اور عیاش کلاس سے ہرگز نہیں ہے ہم ملکی خزانے میں پورا ٹیکس جمع کراتے ہیں کل کو یہاں سخت مارشل لا بھی آیا ہم دوسرے ملک نہیں بھاگیں گے آپ کی طرح۔ ہماری فائلیں ہمیشہ مکمل ہوتی ہیں"۔

"اف کس قدر مغرور ہیں آپ" پاشا نے بے ساختہ قہقہہ لگایا"۔

"ویسے پاشا صاحب! آپ اتنے پارسا کیوں ہیں؟ آپ کو کیا پرابلم ہے تھوڑا تھوڑا تو سب بندے بشر گناہگار ہوتے ہی ہیں آپ اتنے ہینڈسم ہو پارسا کیسے بن گئے کسی نے بھی نہیں چھیڑا آپ کو اصولاً تو عابد زاہد بھی پارساؤں کے زمرے میں نہیں آتے بقول شاعر۔

ابھی سے نگاہ حوروں پہ

کون زاہد کو پارسا جانے

آپ تو انہیں بھی پھلانگ گئے پھر تو آپ کو کسی اور سیارے کی مخلوق سمجھنا چاہیے" پاشا بہت موڈ میں تھا

"میں نے ہرگز اپنے آپ کو پارسا نہیں کہا آپ بہت غلط سمجھے" مون کی آواز لہجے میں عجیب سا دکھ تھا" زعم پارسائی تو بدترین تکبر ہے بعض اوقات اس تکبر کی سزا بہت سخت ملتی ہے شاید اس کا سلسلہ قبر تک جاتا ہے لا یئے کاغذ قلم ...... میں لیٹر لکھ دیتا ہے مظاہر کے نام ...... فقرہ یا سب ہی لوگ میری وجہ سے بہت ڈسٹرب ہوں گے (اور وہ معصوم سی لڑکی؟)

پاشا نے حیرت سے لمحے بھر میں انداز بدل جانے پر مون کو بغور دیکھا تھا وہ بلا ارادہ کہ پاشا سے تعاون کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

"تو بیٹی ......! ابھی تم کون سا کوئی کنبہ لیے بیٹھی ہو روز لطیف آباد جانا آنا کوئی مذاق بات نہیں دو وقت کی روٹی کا انتظام تو اللہ کر رہا ہے یہاں آج وہ صبح کی نماز کے بعد دوبارہ سوئی نہیں بلکہ استانی کا پہنا ہوا سوٹ اتار کر اپنا پہنا اور استانی سے لطیف آباد جانے کی اجازت چاہی" اتنی دور جانا آنا تم مذاق سمجھ لیا"۔

"لیکن خالہ جان! زندہ رہنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا بہت دور تک کا سوچنا ہے کوئی چار دن تو نہیں ......

یوں تو پل کا بھروسہ نہیں ہوتا مگر انسان بہت آگے تک کا سوچتا ہی ہے فی الحال تو میرے پاس کچھ زیور ہے ایک دو کمرے ہوتا کرایک چھوٹا سا اسکول تو میں یہاں بھی کھول سکتی ہوں لیکن یہ فوراً تو نہیں ہو سکے گا میں آپ پر بار بن کر رہنا نہیں چاہتی مجھے امید ہی ہے کہ وہ مجھے اچھے اسکول میں موقع دے دیں گے آپ مجھے تسلی کے لیے جانے کی اجازت دے دیجئے۔ بس میں پرنسپل سے بات کر کے فوراً واپس آ جاؤں گی"۔

"فوراً ...... استانی مسکرا پڑیں۔" گھنٹوں کا سفر ہے بیٹی! تمہاری آدھی تنخواہ کرائے میں ہی خرچ ہو جایا کرے گی"۔

"آدھی تو بچے گی ناں ......؟ دو ہم دونوں کے لیے کافی ہو گی نہ ہم نے ٹیلی فون بجلی پانی کے بل بھرنا ہیں نہ گھر کا کرایہ دینا ہے۔ نہ ٹی وی فرج، قالین خریدنا ہیں بس ایک پلنگ اور خریدنا ہے"۔

"خوب یاد دلایا تم نے پلنگ کے لیے کہا ہوا ہے میں نے اللہ بچایو بن رہا ہے شاید آج بالکل صبح پہنچا دے گا اور بتاؤ کچھ اور تو نہیں چاہیے؟" ان کے ہونٹوں پر بہت حسین مسکراہٹ کھیل رہی تھی جیسے کہہ رہی ہوں پلنگ کے لیے نوکری کرنا چاہ رہی تھیں؟ کھانے پینے کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔

"خالہ جان ...... معروفیت بھی تو نعمت ہے آپ یوں سمجھیں کہ میں معروف ہونا چاہتی ہوں"۔ وہ زچ ہو کر بولی" چار پانچ گھنٹے اسکول میں چند گھنٹے آنے اور جانے کے"۔

ہاں بس کہو میں تو دوری کی وجہ سے الجھ رہی ہوں ورنہ تو کوئی بات نہیں خیر اللہ مالک ہے جاؤ تم ابھی تو تم پتا کرو گی ناں ......؟"

"جی یہ تو خیر کر لیا تھا اور یہاں کا پوسٹل ایڈریس بھی دے آئی تھی ہو سکتا ہے انہوں نے کوئی لیٹر بھیجا ہو اور مجھے نہ ملا ہو بس اپنی تسلی کے لیے ایک مرتبہ ملنا چاہتی ہوں (صرف دو وقت کی روٹی کا مسئلہ ہی تو نہیں ہوتا ...... زندگی میں دس مسئلے اور بھی ہو سکتے ہیں)

"چلو ٹھیک ہے خیال سے آنا جانا چادر ٹھیک سے اوڑھ لینا لیپٹ لینا تنہا عورت کو احتیاط کرنا چاہیے شکل صورت اچھی ہو تو اور زیادہ مشکل چیز عورت کے چہرے کی کشش ہی ہے جو مرد کے اندر کے سوئے ہوئے مرد کو جگاتی ہے یہیں سے فتنہ جاگتا ہے بعض اوقات شہر میں ہوتی ہوں تو سوچتی ہوں عجیب صورت حال ہے جو چہرہ جتنا زیادہ دلکش ہے وہ اتنا ہی خوبنمائی کی وحشت کا شکار ہے جو عام سی صورت ہے اس پر نقاب ہے خیر تم اللہ کا نام لے کر جاؤ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو کرائے کے لیے یہ رکھ لو" استانی نے کارنس پر بچے کپ پرچ میں سے ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"پیسے ہیں میرے پاس یہ دیکھیں" اس نے پرس کھول کر ان کے سامنے کیا تاکہ انہیں یقین آ جائے۔

"ہیں۔ یہ اصلی زیور ہیں؟" استانی نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔

"جی ...... نکاح کے روز پہنے تھے میں نے ...... جلدی میں اسی طرح نکل آئی تھی چوڑی کے نہیں ہیں ان لوگوں نے مجھے خود پہنائے تھے یقین کریں وہ خجل سی ہو کر وضاحت کر رہی تھی۔

"لاحول ولا قوۃ میرا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ چوری کے ہیں مقصد یہ کہ تم اتنے قیمتی زیورات اٹھائے اٹھائے پھر رہی ہو لٹنے کے ساتھ فتنہ سا باعث ہے یہ پاشا کے چڑھائے زیورات ہیں یہ عام زیور نہیں ہو سکتا" بیٹے اللہ پر بھروسا اچھی خوبی ہے لیکن اونٹ باندھ کر توکل کا حکم ہے"۔ انہوں نے ایک ململ کا دوپٹہ صندوق سے نکالا اور اسے تہہ کیا "لو اس میں باندھو یہ سب کھوپائی ہوا، انہیں کہیں"۔

اسے تو گویا ایک عذاب سے نجات ملی اور اس نے جھٹ دو پٹے پر پرس الٹ دیا۔

"اچھا تو یہ ہیں وہ زیورات جنہیں بیچ کر تم یہاں اسکول بناؤ گی؟" ان کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ اس نے چونک کر ان صورت دیکھی بہت معنی خیز اور ہلکی مسکراہٹ سے چہرہ روشن تھا۔

"یعنی وہ فون نہیں اس کے خلاف فضول ہیں؟" وہ خود مسکرا رہی تھیں۔

وہ مارے شرمندگی کے نظریں نہ اٹھا سکی۔

"خیر ابھی تو تم جاؤ بعد میں بات کریں گے اس موضوع پر"۔ انہوں نے اپنے مخصوص پر وقار انداز میں ہچکچاہٹ کنٹرول کی۔

☆☆☆☆☆

اسکول میں اسے بمشکل آدھا گھنٹہ ہی لگا تھا۔

پرنسپل نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا کہ ہم نے کل ہی آپ کے دیئے ہوئے ایڈریس پر لیٹر بھیجا ہے آپ کام کر سکتی ہے

بشرطیکہ اپنے ڈاکومنٹس مع ایکسپیرینس سرٹیفکیٹ پندرہ دن کے اندر یہاں جمع کروائیں۔

ڈاکومنٹس کی فوٹو کاپی بھی چل جائے گی البتہ سرٹیفکیٹ اوریجنل ہی چاہیے۔

اس کے ذہن میں یہ تھا کہ وہ اس کام کے لیے صبا کو کہہ دے گی فون پر بحیثیت دوست اس پر بھروسہ کر سکتی تھی۔

اب جب کہ اتنا بڑا قدم اٹھا ہی لیا تھا تو اس کے لوازمات بھی پورا کرنا تھے رسک بھی لینا تھا جتنی بھی الجھنا کرتا تھیں۔

وہ بہت مطمئن ہو کر اسکول کی عمارت سے باہر آئی تھی چادر میں لپٹی ہوئی تھی مگر چہرہ کھلا ہوا تھا اس لیے کہ عادت نہیں تھی۔

وہ بس اپ کی طرف بڑھی تھی جس میں بیٹھ کر اس نے مطلوبہ بس تک پہنچنا تھا اسے سڑک پہلے کراس کرنا تھی وہ مڑ کر ٹریفک کو تکنے لگی معاً ایک لمبی سی تو چمکتی ہوئی کار بالکل اس کے قریب رکی تھی انجانے خوف سے اس کی ٹانگیں بے جان ہونے لگیں۔ بمشکل اس نے نظریں اٹھائیں اگلی جانب صرف فل یونیفارم شوفر نظر آیا پچھلی جانب نظر گئی تو اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔

مظاہر کسی صوبائی منسٹر کے ساتھ بیٹھے عجیب انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

احساسات: خوف کی انتہا پر پہنچ کر یک لخت منجمد ہو گئے ایک سکتے کی سی کیفیت تھی نہ وہ بھاگنے کے قابل تھی نہ منہ سے آواز نکالنے کے ایک ٹک مظاہر کی صورت دیکھ رہی تھی۔

مظاہر بہت سکون و اطمینان سے دروازہ کھول کر باہر نکلے اور جھک کر چند لمحوں کے لیے منسٹر سے بات کی پھر اس کی طرف پلٹے منسٹر صاحب دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اتر کر کھڑے ہو گئے تھے۔

مظاہر نے آگے بڑھ کر اسے گاڑی میں بیٹھنے کے لیے کہا وہ بس ان کی صورت دیکھتی رہی جب اس کی وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی تب انہوں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما اور گاڑی کی طرف بڑھے اور وہ یوں کھنچی گئی جیسے کسی بے روح وجود کو کوئی گھسیٹ رہا ہو مظاہر نے اسے گاڑی میں بٹھایا اور پھر خود بیٹھ گئے منسٹر صاحب گھوم کر آئے اور مظاہر کے برابر میں بیٹھ گئے۔

"میری کزن ہوتی ہیں دماغی توازن درست نہیں ہے گھر سے نکل کھڑی ہوئی ہوں گی خدا معلوم کہاں پہنچتیں" وہ وضاحت کر رہے تھے۔

"اوہو..." منسٹر صاحب کی آواز میں تاسف تھا "مائی گاڈ! یہ تو بالکل ٹھیک ہیں گھر والوں کو ان کا دھیان رکھنا چاہیے" وہ سنجیدگی لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"ہاں بس بعض اوقات غفلت ہو جاتی ہے" مظاہر گویا ہوئے اور اس کا چہرہ بغور دیکھنے لگے جو بالکل سپاٹ اور تمنی سے عاری تھا۔

"یہ ادھر حیدرآباد ہی میں ہوتے ہیں؟" منسٹر صاحب نے پوچھا۔ مظاہر کے ذہن نے برق رفتاری سے کام کیا۔

"جی، ہاں۔"

"اور ادھر گھر میں تو کافی پریشانی ہو گی۔" انہوں نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں ماہ نور کے صبیح چہرے پر بڑی توجہ سے ٹکائیں۔

مظاہر کا ذہن کھٹکا اور تعاون کرنے منسٹر صاحب کے دیکھنے کے انداز پر ناگواری تو ضرور محسوس ہوئی۔

"میں آپ کو آفس ڈراپ کر دیتا ہوں لنچ پھر کسی دن ہو جائے گا" مظاہر گویا جلد سے جلد منسٹر سے پیچھا چھڑا لینا چاہتے تھے۔

"خیر ہے یار زندہ صحت باقی آپ کو بھی جلدی ہو گی کہ جلد از جلد کزن کو گھر پہنچائیں واقعی بے چارے بہت پریشان ہوں گے اب دیکھیں ناں آخر..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے یقیناً پھر اس کی ہری بھری جوانی کا خیال آ گیا ہو گا۔

"جی جی امید ہے آپ خیال نہیں کریں گے" مظاہر نے فارملٹی پوری کی۔

"نہیں نہیں آپ ایزی فیل کریں۔ آپ کا مسئلہ تو سیریس ہے ہاں بس آپ مجھے آفس اتار دیں۔

نو پرابلم" وہ بہت کو آپریٹو ہو رہے تھے۔

"باقی باتیں آپ سے فون پر ہوں گی"۔ مظاہر نے کہا

"جی جی بالکل آپ اپنی کزن کا پراپر علاج کرائیں آخر عمر پڑی ہے دماغ ٹھیک ہو جائے گا تو بے چاری کی شادی وادی بھی ہو جائے گی آخر" وہ پھر بولتے بولتے رک گئے۔

مظاہر خاموش رہے۔

"اچھا بات بالکل نہیں کرتے؟" منسٹر صاحب پوچھنے لگے۔

"کرتی ہے مگر بہت کم" مظاہر نے جواب دیا۔

"کرتی بھی ہو گی تو کیا فائدہ ایک زمین کی کہی ہوگی ایک آسمان کی بے چاری مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے" مسٹر مظاہر اور سخت حالت افسوس میں تھے۔

"جی اللہ کی مرضی۔ بندہ کیا کر سکتا ہے ہر انسان کی اپنی اپنی تقدیر ہے" مظاہر کو نہ چاہتے ہوئے بھی جواب دینا تھا۔

اس طرح کی بے معنی لاحاصل گفتگو کے دوران منسٹر صاحب کا آفس آ گیا۔

وہ ہنوز پتھرائی ہوئی حالت میں بیٹھی تھی

منسٹر صاحب کی حیثیت کو مدنظر رکھنا تھا مظاہر نے کار سے اتر کر انہیں خدا حافظ کہا گرم جوشی سے ہاتھ ملایا جب تک وہ عمارت میں داخل نہیں ہو گئے وہ اسی طرح کھڑے دیکھتے رہے منسٹر صاحب نے عمارت میں غائب ہونے سے قبل مڑ کر مظاہر کی طرف دیکھا اور انگریزوں کے انداز میں الوداعی ہاتھ فضا میں لہرایا ان کے غائب ہوتے ہی مظاہر نے ایک گہرا سانس لیا اور بیٹھ گئے۔ بے چارہ شوفر بھی حالت انتظار میں تھا اس نے کار کے دروازے بند کیے دو مرتبہ کی زوردار کھٹاک پر بھی ماہ نور کے انداز نشست میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی اور نہ وہ چونکی۔

مظاہر نے چند لمحوں کے بعد اس کا چہرہ بغور دیکھا۔

قریب آ تجھے دیکھ لوں تو وہی ہے یا کوئی اور ہے

ایسے لمحے میں جانے کب کی پڑھی سنی غزل کا ایک مصرعہ ذہن میں گردش کرنے لگا۔

"واقعی ذہنی توازن تو نہیں بگڑ گیا ہے پہچان تو لیا ہے ناں مجھ احمق کو" مظاہر کو جانے کیا کیا ہوا۔ آنے لگا تو لہجے میں خود بخود غصہ جھلکنے لگا۔

"اتنا تماشا تو اس الو کے پٹھے نے نہیں بنایا تھا جتنا تم نے بنا دیا ہے بہت بہادری دکھانے کا شوق پیدا ہو گیا تھا؟ انسان کسی کا تو خیال کر لے اتنی بے حس ہو گئی ہو کہ کسی تعلق، رشتے کا بھی احساس نہیں کر پاتیں حد ہو گئی ہم سمجھ رہے ہیں کہ وہ ہم سے ڈرامہ کر رہا ہے حکومت کے ایوانوں میں دہائیاں دیتے پھر رہے ہیں یہ میڈم لطیف آباد کی سڑکوں پر ٹہل رہی ہیں یعنی اس وقت اپنے آپ کو عظیم ترین چغد محسوس کر رہا ہوں۔

کئی مرتبہ خیال تو آتا تھا کہ وہ "ہیں" آخر پریشان کیوں کر رہا ہے جبکہ وہ اپنا مقصد حاصل کر چکا ہے؟ پھر خیال آتا کہ شاید پرانے بدلے بھی ساتھ ساتھ چکانے کا موڈ ہے جب اقرار کیا تھا پورا کرتیں اتنا الو کیوں کیا تھا؟ حد ہوتی ہے یار۔ بے وقوفی کی"۔

وہ جھلا کر بولے جا رہے تھے وہ اسی طرح ساکت و صامت بنی جیسے ہمہ تن گوش تھی حالانکہ ہم حقیقتوں میں صرف الفاظ

کا شور تھا معنی سمجھ سے بالاتر تھے۔

اس کی طرف سے کوئی رسپانس نہ پا کر مظاہر نے بھی جیسے اسے مزید لعن طعن کرنے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔ لگژری کار جس میں پیٹ میں پڑا پانی نہ ہلے سبک رفتاری سے آگے بڑھتی رہی خاصی دیر تک کار کی اندرونی فضا میں مکمل سکوت طاری رہا مظاہر کے چہرے سے لگتا تھا وہ زبردست ذہنی خلفشار کا شکار ہیں پھر انہوں نے شوفر کو مخاطب کیا۔

"خادم حسین! کراچی میں ابھی گھر نہیں جاؤ پہلے پی سی (پرل کانٹی نینٹل ہوٹل) چلنا ہے پی سی میں تقریباً ایک گھنٹہ رکوں گا۔ مرضی ہے تمہاری۔ ویٹ کر لیا اپنا کوئی کام کر کے گھنٹے بعد واپس آ جانا۔ ٹھیک ہے؟"

"جی سر۔"

"ایک گھنٹہ کا مطلب ایک گھنٹہ ہوتا ہے خادم حسین۔" انہوں نے مزید تاکید کی۔

"جی سر۔" خادم حسین نے پھر کہا۔

مظاہر نے گردن موڑ کر اس کی جانب نظر کی معاً ان کی آنکھوں میں تشویش کی لہر جھلکنے لگی۔

انہوں نے اس کی کلائی پر اپنی انگلیاں رکھیں مگر کچھ محسوس ہی نہیں ہوا یہ سراسیمگی کا اثر غالب تھا کہ کچھ محسوس ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

انہوں نے پھر اس کا چہرہ دیکھا۔

"ماہ نور! میری آواز سن رہی ہو؟"

ماہ نور کی پتلیوں میں حرکت ہوئی بغیر کسی جنبش کے اس نے مظاہر کی جانب دیکھا تھا۔

"جب حوصلہ نہیں ہے تو اتنے بڑے بڑے قدم کیوں اٹھا رہی ہو؟" ان کے لہجے میں غصہ اور تفکر، جھنجھلاہٹ واضح تھی۔

ماہ نور ایک ٹک بغیر پلک جھپکائے بس ان کی طرف دیکھتی رہی۔

"تمہاری پے در پے کی حماقتوں نے سب کی زندگی عذاب کر کے رکھ دی۔" وہ مزید گویا ہوئے۔

"تو نکل تو آئی ہوں سب کی زندگیوں سے؟" آخرکار چپ ختم ہوئی۔

"ہاں جیسے نکل آنے کے بعد سب نے اپنی اپنی زندگی ہنستے کھیلتے پھر شروع کر دی جو کچھ ہوا وہ پانی پر نقش تھا لہر آئی اور مٹ گیا خاندان کے ایک ایک فرد کا سکون حرام ہو چکا ہے روگی ہوئے ہیں سب۔" مظاہر کی برہمی انتہا کو چھونے لگی۔

"مگر میں ان مصیبتوں کی اکیلی ذمہ دار نہیں ہوں۔" وہ بہت دھیمی آواز میں بولی۔

"ہاں ہم سب تمہارے مجرم ہیں تمہیں کسی گہرے غار میں کیوں نہیں چھپایا۔" وہ چڑ کر بولے وہ خاموش رہی۔

"آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟" وہ خاصی دیر بعد گویا ہوئی۔

"تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے تم اپنی سی کر چکیں، بس اب خاموش رہو اور جو ہم کر رہے ہیں کرنے دو۔"

"میں کہیں نہیں جاؤں گی مجھے تو کوٹ ہر صورت پہنچنا ہے۔" اس نے قطعی انداز میں کہا۔

"کیوں وہاں کیا کسی مزار پر بیٹھی ہو؟" مظاہر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہاں میرا انتظار ہو رہا ہوگا۔" اس نے جواباً اسی طرح دھیمی آواز میں کہا۔

"وہاں کون ہے؟" مظاہر کے ذہن میں اندیشے سر سرائے (پاشا؟)

"بس وہیں ہے میرا سب کچھ اور مجھے اب کسی کے ساتھ نہیں رہنا بلکہ میری یادداشت ختم ہو چکی ہے مجھے نہیں پتا میری زندگی پہلے کیا تھی کون میرا تھا کون غیر میں کسی کی بیٹی ہوں یا کون میرا رشتہ دار ہے بلکہ تھا مجھے کچھ یاد نہیں اور میں آپ کو بھی نہیں جانتی۔"

وہ سپاٹ لہجے میں کہتی رہی۔

"پاشا کو بھی نہیں جانتیں؟" ایک تمسخرانہ مسکراہٹ کی لہر نے ان کے ہونٹوں کو چھوا

"کون پاشا؟" وہ اتنا کہہ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی

"ایک خوفناک قسم کا درندہ ہوتا ہے بھٹک کر جنگل سے شہر آ گیا ہے شہر میں خاصی پریشانی ہے۔" وہ طنز و تمسخر سے کہہ کر خود بھی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے پھر خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد کراچی کے آثار نظر آنے لگے وہ چونکی اور مڑ کر مظاہر کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں آپ کو بتا چکی ہوں مجھے کوٹ جانا ہے۔ استانی پریشان ہو رہی ہوں گی۔" وہ بولی۔

"کون استانی۔" مظاہر نے حیرت سے پوچھا

"ہیں کوئی خضر صورت اور اب میرا سب کچھ۔"

وہ فکرمند لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "تم ان کے پاس رہ رہی ہو؟" مظاہر نے پوچھا۔

"ہوں اور ان ہی کے پاس رہوں گی اب کوئی بھی مجھ پر جبر نہیں کر سکتا اس لیے کہ ساری دنیا میں بس اب ان ہی سے تعلق ہے وہ میری دوست ماں، رہنما سب کچھ ہیں میرے سارے رشتے اب ان ہی سے ہیں میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"پہلے کیوں نہیں بتایا اب تو ہم کراچی پہنچ چکے ہیں۔" مظاہر سوچ میں پڑ گئے تھے۔

"مجھے کیا پتا میں تو خود کو حیدرآباد میں سمجھ رہی تھی ان کی طبیعت خراب ہو جائے گی آپ مجھے حیدرآباد والی بس میں بیٹھا دیں بس وہ میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"ان کی طبیعت کی اتنی فکر ہے اور جو تمہارے ماں باپ۔"

"کہہ تو دیا کہ کوئی نہیں ہے میرا مجھے پچھلا کچھ یاد نہیں۔" اس نے تیزی سے مظاہر کی بات کاٹ دی۔

"یہ استانی کہاں سے 'دریافت' ہوئی ہیں؟" مظاہر کا انداز ہنوز تمسخرانہ تھا۔

"احترام سے ذکر کیجیے ان کا وہ کوئی عام یا معمولی خاتون نہیں ہیں۔" اس نے بھی تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"یعنی قصہ مختصر کہ ان کے ساتھ زندگی گزارنے کا مختصر مقصد قرار پا چکی ہیں اور دیا ہے ان کے رخصت ہونے کے بعد ان کی گدی سنبھالنے کا اگلا پروگرام ہے واہ بڑا اچھا خیال ہے بہت عمدہ پروگرام ہے اور وہ اس قدر روحانی شعور رکھنے والی، فاصلہ ہونے کے باوجود ایک کم عمر لڑکی کے غلط اقدام کی حوصلہ افزائی کر رہی ہیں۔"

"کوئی غلط قدم نہیں اٹھایا میں نے اس دنیا میں سب رشتے جھوٹا ہیں اپنے حصے کی دھوپ میں ننگے سر ننگے پاؤں تنہا ہی جانا ہوتا ہے تو پھر 'بھیڑ' میں کیوں چلیں؟ اکیلے کیوں نہ چلیں خوامخواہ رشتوں کے احسان کیوں اپنی جان پر رکھیں؟" وہ زہر بھرے لہجے میں پھنکار رہی تھی۔

"تو پھر کسی جزیرے میں خیمہ لگا کر بیٹھ گئی ہوتیں استانی سے بھی تو بہرحال انسانیت کا رشتہ ہے اس رشتے کا بھی تو کچھ بوجھ ہوگا ان کے پاس کیوں ہو چھوڑو انہیں بھی۔" مظاہر نے بدستور لہجہ برہم رکھا

"انہیں بھی چھوڑ دوں گی ان سے جنگل میں بھیڑیوں سے بچ رہنے کا ہنر سیکھ رہی ہوں۔"

مظاہر کی ایک ابرو قدرے اونچی ہوئی آنکھیں پوری کھلیں اور اس کے چہرے پر ٹک گئیں انہوں نے کچھ سوچا اور معنی خاموشی اختیار کی۔

دونوں جانب گہری خاموشی تھی۔

کچھ وقت گزرا ہوتے دو گھنٹے کا سفر تمام ہوا گاڑی پرل کانٹی نینٹل ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں داخل ہوگئی۔

"آپ کو یہاں کوئی کام ہے؟" اس نے پوچھا۔ خفگی کا تاثر ہنوز تھا۔

"ہوں۔" مظاہر نے صرف ہنکارا بھرا البتہ اوسان بحال ہو چکے تھے۔

"اترو۔" شوفر مظاہر کی طرف کا دروازہ پہلے کھول چکا تھا اور اب اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اس کے اترنے کا منتظر تھا اسے پتھر کی طرح جما ہوا دیکھ کر مظاہر نے اس سے اترنے کو کہا تھا۔

"آپ اپنا کام کر کے آجائیں میں کہیں نہیں جا رہی۔" وہ بگڑ کر کہہ رہی تھی۔

"یہ گاڑی لے کر جا رہا ہے گھنٹے بعد واپس آئے گا۔" مظاہر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

اس وقت ان کے مزاج میں برہمی کے ساتھ ساتھ حیرت کا عنصر بھی غالب تھا یہ ماہ نور نہیں تھی جسے وہ اس کے بچپن سے جانتے تھے وہ یکسر بدل چکی تھی خود اعتمادی اور فیصلہ کن فطرت اس کی شخصیت کا حصہ محسوس ہو رہی تھی سب سے بڑھ کر اس کا اجنبی سا رویہ جس میں شناسائی کی کوئی رمق نہ تھی۔

ماہ نور بادل ناخواستہ گاڑی سے نیچے اتر آئی اور ان کے ہم قدم ہو کر آگے بڑھنے لگی۔

(الیسی ایسی جگہوں پر آنا جانا رہتا ہے کہ حکومتی عہدیداران کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں جب ہی تو مزاج کا یہ حال ہے کہ ساتویں آسمان پر پہنچا رہتا ہے ہونہہ) اتنے ہوٹل کے چہار اطراف نظریں دوڑاتے ہوئے سوچا تھا مظاہر ریسپشن پر آئے سیلولیس شرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس خوب صورت چمکتے چہرے والی ریسپشنسٹ سے جھک کر آہستگی سے کچھ کہنے لگے ماہ نور ادھر ادھر نظریں گھما رہی تھی مظاہر کیا بات کر رہے تھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

ریسپشنسٹ نے ایک رجسٹر کھولا اور اندراج کرنے لگی پھر پلٹ کر ایک چابی اتاری اور مظاہر کو تھما دی اور رجسٹر مظاہر کے سامنے کر دیا مظاہر نے تیزی سے دستخط کیے اور سیدھے ہو کر مسکرا کر جانے کیا کہا پھر اس کی طرف چلے اور اشارے سے اپنے ساتھ آنے کو کہا۔

وہ قدرے الجھی ہوئی سخت بیزاری کے انداز میں ان کے پیچھے چل پڑی۔

وہ اسے لے کر لفٹ میں آ گئے لفٹ میں ان کے علاوہ تین حضرات اور بھی تھے وہ خواہش کے باوجود مظاہر سے کچھ کہہ نہ سکی۔

لفٹ رکی مظاہر کے ہمراہ وہ اور ان تینوں میں سے ایک صاحب لفٹ سے باہر آئے مظاہر بغیر رکے ایک طرف چل پڑے وہ ایک کمرے کے سامنے رک گئے جس کے دروازے پر دو سو تیرہ نمبر پڑا ہوا تھا۔

انہوں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے وہ ان کے پیچھے چل پڑی اور مظاہر نے سوئچ دبایا کمرے میں بڑی خوابناک سی روشنی پھیل گئی نہایت صاف ستھرا کمرہ جس میں ضرورت کی ہر شے نظر آئی سونے کے لیے خوب صورت ڈبل بیڈ ملاقات کے لیے آنے والوں کے لیے الگ نشست کارنر چھوٹا سا فریج ریموٹ کے ساتھ ٹی وی ٹیلی فون بہت خوبصورت چھوٹی سی دنیا" یہی خیال آیا تھا اس کے ذہن میں۔

"بیٹھو۔" انہوں نے پلٹ کر اسے کہا

اور وہ جیسے ایک دم ہوش میں آ گئی۔

"آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟ میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ نوکوٹ میں میرا انتظار ہو رہا ہوگا وہ پریشان ہو جائیں

گی۔" وہ بہت غصے سے کہہ رہی تھیں۔

"تم مجھے وہاں کا ایڈریس بتا دو میں ابھی فون کرتا ہوں حیدرآباد ہمارے آدمی جا کر میسج دے آئے گا کوئی مسئلہ نہیں ہے تم آرام سے بیٹھو مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے" انہوں نے دروازہ بند کر دیا اور اس سے خاصے فاصلے پر بیٹھ گئے۔

"مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنا۔ میری سب سے بات چیت ختم ہو چکی میرا کسی سے نہ کوئی تعلق ہے نہ رشتہ نہ مجھے کسی سے کچھ لینا ہے نہ دینا نہ مجھے مدد کی ضرورت ہے نہ تحفظ کی بس آپ مجھے حیدرآباد جانے والی بس یا ٹرین تک پہنچا دیں مجھے اب دنیا میں صرف ان ہی خاتون سے دلچسپی ہے جو میری سب کچھ ہیں ماں، باپ، بہن، بھائی استاد رہنما۔"

"میں ابھی فون کر دیتا ہوں مجھے ایڈریس بتاؤ ہمارا آدمی ایک ڈیڑھ گھنٹے تک وہاں پہنچ کر میسج دے دے گا میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں تم بھی ہماری بات سمجھنے کی کوشش کرو انسان درختوں پر نہیں اگتے کہ پتوں کی طرح ٹوٹ کر ادھر ادھر بکھر جائیں کچے سے رشتے ختم نہیں ہو جاتے تمہیں اندازہ ہے کہ تمہاری اس "بہادری" سے ہم سب لوگ کس عذاب میں گھر چکے ہیں؟ میرا تو خیال تھا کہ شاید تم "اقدام خودکشی" سے گزر چکی ہو۔ آج لطیف آباد میں تمہیں سڑک کے کنارے کھڑا دیکھا تو پہلا دھیان یہی آیا کہ تمہاری روح بھٹکتی پھر رہی ہے کیونکہ حقیقت میں، میں تم سے اتنی بہادری کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔"

"ہاں تو بس آپ یہی سمجھ لیں کہ میں خودکشی کر کے مر چکی ہوں جب کہیں مجھے دیکھیں تو یہی فرض کریں کہ میری بھٹکتی ہوئی روح ہے۔" اس نے مظاہر کی بات کاٹ کر نہایت بے مروتی سے کہا۔

"کھانا کھاتے ہیں ہم فرض کر لیں۔" مظاہر کو بھی غصہ آ گیا پھر خود پر قابو پا کر قدرے پرسکون لہجے میں پوچھنے لگے۔

"ناشتہ کیا تھا صبح؟"

"اللہ کا شکر ہے۔ ناشتہ کھانا سب ملتا ہے۔" وہ رکھائی سے بولی۔

مظاہر نے نظریں اٹھا کر اس کا چہرہ بغور دیکھا پھر اس کے لب و لہجے کی تبدیلی کو بڑی گہرائی سے محسوس کیا۔

"ٹھیک ہے نہ تعلق رکھو تم سب سے میں تمہیں نوکوٹ پہنچا دوں گا مگر پہلے تم میرے چند سوالات کا جواب دو۔"

ماہ نور خاموش رہی گویا سوالات کرنے کی اجازت دی۔

"سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا پاشا سے تمہارا نکاح ہو چکا ہے"۔

ماہ نور کا یکدم دل بھر آیا (پھر پاشا) اف یہ میری روح کا ناسور۔ اس نے مظاہر کی جانب دیکھا اور فوراً ہی نظریں جھکا لیں (کیا واقعی وہ نکاح ہوا تھا)

"جی کچھ اسی طرح کا کام ہوا تو ہے۔" اس نے جیسے بہت دکھ سے کہا۔

مظاہر کو یوں محسوس ہوا دل کہیں نیچے پاتال میں اتر گیا ہو۔

"واضح جواب دو۔ کیا نکاح کے کاغذات پر دستخط کیے تھے تم نے؟" مظاہر کی آواز بہت آہستہ تھی

"جی!" ماہ نور نے بلا جھجک جواب دیا

مظاہر نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر چند لمحے کچھ سوچا۔

"اس نے نکاح کے لیے تم پر ہر طرح کا حربہ آزمایا ہوگا۔ دستخط کرانے کے لیے اس نے تمہیں یقیناً کوئی دھمکی دی ہوگی کیا تھی وہ دھمکی؟"

ماہ نور خاموش رہی۔

"میں کیا پوچھ رہا ہوں؟" مظاہر اس کی خاموشی سے چڑ گئے۔

"اس نے مجھے کوئی دھمکی نہیں دی۔" وہ بہت پرسکون انداز میں بولی

"ریوالور دکھایا ہوگا؟" مظاہر نے پھر سوال کیا۔

"جی نہیں۔" اس نے فوراً انکار کیا۔

مظاہر نے تعجب سے اسے دیکھا

"نکاح کے وقت کتنے لوگ موجود تھے؟ مظاہر نے پوچھا

"بہت لوگ تھے" اس نے پھر بڑی رسانیت سے جواب دیا

"مہمان یا گھر کے افراد؟" مظاہر کے غبارے کی اچھی خاصی ہوا نکل چکی تھی

"مہمان بہت تھے۔ گھر کے افراد سے زیادہ۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

مظاہر نے گہرا سانس لے کر چیئر کی پشت سے ٹیک لگالی اور آنکھیں بند کر لیں۔

تم نے زبردستی کے نکاح پر کس قسم کا احتجاج کیا تھا؟" وہ خاصی دیر سوچنے کے بعد بولے۔

"کوئی احتجاج نہیں کیا۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

مظاہر نے یوں اس کا چہرہ دیکھا جیسے انہیں اس کی دماغی صحت پر شک ہو۔

"یعنی تم نے مکمل رضامندی سے یہ نکاح پڑھوایا ہے۔" ان کے لہجے میں پھر تپش جھلکنے لگی

بالکل مکمل رضامندی سے۔" وہ جیسے ان کی جان جلانے کا تہیہ کر چکی تھی۔

"تو اتنا لمبا ڈرامہ رچانے کی کیا ضرورت تھی جب اس کا پرپوزل آیا تھا اس وقت ضد کر کے کیوں بیٹھ گئی تھیں اس وقت کیوں نہیں بولیں۔ ہم خود تمہیں عزت کے ساتھ رخصت کر دیتے اتنی ذلتوں سے نہ گزرتے اور جن عذابوں میں گھرے ہوئے ہیں وہ ہم پر نہ آتے۔" وہ شدید برہم ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

ماہ نور پر ان کی برہمی کا مطلق اثر نہ ہوا بیٹھی پاؤں سے کارپٹ مسلتی رہی۔

"جب اتنی خوشی سے اسے قبول کر لیا تھا تو پھر اسے چھوڑ کر ادھر ادھر منہ چھپاتی کیوں پھر رہی ہو؟" وہ اس کے نزدیک آ کھڑے ہوئے۔

"مرضی ہے میری، آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے؟" وہ بے خوفی سے کہہ رہی تھی مظاہر کو یوں محسوس ہوا کہ قوت برداشت ان کا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔

"ہم پوچھنے والے احمق ہیں ہماری حماقت ہمارا تعارف ہے اور ہم احمق اس لیے پوچھ رہے ہیں کہ آپ کا مہربان دوست اس نے ہماری زندگی اجیرن کی ہوئی ہے اس کا خیال ہے ہم نے آپ کو کہیں چھپا رکھا ہے خاندان کا ایک ایک فرد سکون کے سانس کو ترس گیا ہے سب لوگوں کو کام سے کھو دیا ہے آپ نے بس مجھے ان ہی سوالات کے جواب چاہیے تھے کیونکہ تم نے اعتراف کیا ہے کہ تمہارا نکاح تمہاری رضامندی سے ہوا ہے لہٰذا ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم تمہیں اس کے گھر میں بسنے سے روکے رکھیں میں ابھی اسے مطلع کرتا ہوں کہ وہ اپنی امانت [illegible] لے جائے آکر۔"

مظاہر کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔

"آپ پلیز مجھے حیدرآباد جانے دیں میں ان تمام خدمات کے لیے آپ کی شکر گزار ہوں مزید ان کی مسافت سے قبل

یاب ہونے کی ہمت ہے نہ اہلیت مجھے معاف کر دیجئے اور پلیز مجھے جانے دیجئے۔"

مظاہر نے اسے یوں دیکھا جیسے خون کے گھونٹ پی رہے ہوں۔

"ابھی کسی کو بھیجتا ہوں۔ تمہیں حیدرآباد۔ واقعی تمہیں سیدھا پاگل خانے پہنچانا چاہیے وہاں بہت مشہور پاگل خانہ موجود ہے۔"

وہ فون کی طرف بڑھے اور کوئی نمبر ڈائل کر کے بڑی روانی سے انگریزی میں بات کرنے لگے نہ اس نے توجہ دی نہ کچھ سمجھ میں آیا دوسرے ان کی آواز بھی بہت دھیمی تھی۔

وہ ریسیور رکھ کر مڑے وہ ان کی پشت کی طرف بے دھیانی میں دیکھ رہی تھی۔ وہ پلٹے تو اس نے ناراض انداز میں نظریں دیوار پر لگی خوب صورت پینٹنگ پر جما دیں۔

مظاہر بیڈ پر دراز ہو گئے۔

"میں بہت تھکا ہوا ہوں اور ایک کال کا انتظار ہے اس کے بعد تمہارا بندوبست کرتا ہوں زندگی عذاب بنا کر رکھ دی ہے۔" وہ آنکھوں پر بازو رکھے بڑبڑا رہے تھے۔

"جب نکل گئی ہوں تو آپ سب کی زندگیوں سے تو کیوں گھسیٹ رہے ہیں پھر؟" وہ بری طرح بگڑ کر بولی

"اچھا تمیز سے بات کرو اور آرام سے بیٹھو۔" انہوں نے جواباً جھاڑ پلائی

"پتہ نہیں کون سی استانی کے پاس پہنچی ہیں جنہوں نے بات کرنے کا سلیقہ تمیز سب کچھ بھلا دیا ہے۔" وہ پھر بڑبڑا رہے تھے

"میں خود ایسی ہوگئی ہوں وہ کسی کو غلط بات نہیں سکھاتیں۔" اس نے فوراً استانی کی حمایت میں کہا

مظاہر خاموش رہے اور اسی طرح لیٹے رہے کہ دیکھنے والا سمجھتا سو رہے ہیں۔

وہ خاصی دیر خود سے الجھتی رہی اپنے نصیب کو کوستی رہی کہ کون سی گھڑی وہ سڑک پر آگئی تھی۔

"ہونہہ پہنچا دوں انہیں یہ میسج دیں گے تاکہ وہ اکلوتا ٹھکانہ بھی کھو دوں۔" وہ مظاہر کی طرف دیکھ دیکھ کر سوچتی رہی۔

"ابھی انہوں نے فون کہاں کیا تھا؟ کہیں امی اور ابا جان کو تو نہیں بلوا لیا بھلا منہ ہے میرا کہ ان کا سامنا کر سکوں میں تو فرض کر چکی ہوں کہ میں ان کے لیے مر چکی ہوں خیر وہ آ بھی گئے تو میں ان کے ساتھ تو نہیں جاؤں گی۔"

جب اعتماد و یقین کے رشتے نہیں تو بے معنی ہیں خون کے رشتے؟

اور پھر یہ وہ منہ تو نہیں جو کسی کی طرف کر کے عزت و وقار سے بات کی جائے وہ مری تو کیا جس پر خاندانی چادر کا آنچل تھا۔

استانی نے مجھے تاکید بھی کی تھی کہ چہرہ ڈھانپنا چاہیے مجھ سے اتنی بڑی غلطی کیسے ہو گئی دوسرے شہر میں ہونے سے اتنا لوگوں کو کیا فرق پڑتا ہے جو کشتی کی طرح پلین میں بیٹھتے ہیں چند گھنٹوں کے سفر سے ملک بدل جاتے ہیں یہ تو محض دوسرا شہر ہے

اف اگر ان کی جگہ رو داشہ (پاشا) ٹکرا جاتا مائی گاڈ اسے یوں جھرجھری آئی جیسے کسی ڈراؤنے خواب اور دھمکی کا خیال کر لیا ہو۔

"مظاہر بھائی! پلیز میری بات سنیں مجھے ہر صورت استانی کے پاس پہنچنا ہے وہ بہت فکر مند ہو جائیں گی یہ تو طے ہے کہ اب گھر میں نہ پاشا کے پاؤں جاؤں گی نہ والدین کے گھر اب وہی میرا ٹھکانا ہے اور استانی عائشہ ہی میرے سارے رشتے ناتے ہیں۔"

"خود ہی طے کر لیا خود ہی فرض کر لیا اب میرا احترام یہ کچھ ہے کہ سوائے منہ بند رکھنا میں پتا پوچھ رہا ہوں بے وقوف لڑکی اگر آ ساتھ بھی چکی ہو اپنی دانست میں [illegible] رکھ دی دو کوڑی [illegible] ہو جائے حد ہو گئی بے وقوفی کی تم سے پہلے [illegible]

ہے تمہاری پریشانی اُس استانی کی پریشانی۔"

سر پر ہاتھ دھرے گم صم بیٹھی رہ گئی یا اللہ عقل کی تقسیم کے وقت کیا میں سو رہی تھی کہ ایمرجنسی میں بھی نہیں آسکتی تھی اس نے تو ڈھونڈنا ... مت کرنا شروع کر دیا۔

تقریباً چالیس پینتالیس منٹ تو گزر چکے تھے دونوں کو واپس کرتے ہیں۔

اسی دوران دروازے پر بہت آہستگی سے دستک ہوئی۔

مظاہر یوں اٹھے جیسے کسی کی آمد کے شدت سے منتظر تھے۔

دروازہ کھول کر باہر جھانکا آنے والے سے مختصر بات کی ... دروازہ بند کر کے ان کی طرف دیکھا۔

"میں جا رہا ہوں میرے آنے تک تمہیں یہیں رکنا ہے ... تمہاری جائی ہوئی کسی بات کا اعتبار نہیں اس کے باوجود اتنی خیالی بات پر تھوڑا سا یقین کر رہا ہوں جو سمجھا رہا ہوں تمہیں مل جائے گا۔"

"مگر نہیں رکوں گی۔" اس کا خون کھول اٹھا قید کے احساس سے۔

"باہر گارڈ کھڑا ہے اور ہوٹل والے بغیر ٹکٹ دیکھے تمہیں جانے نہیں دیں گے ہاں تو کیا ایڈریس ہے استانی کا ...؟"

ماہ نور آنکھیں پھاڑ کر ان کی طرف دیکھتی رہ گئی ... پھر جال ... پھر قید؟

"وہ خاص کوئٹہ میں ہیں یا آس پاس کی کسی اور چھوٹی آبادی میں ... میرا مطلب ہے گوٹھ وغیرہ؟"

ماہ نور یکدم دھیان سے باہر نکلی اور ان کی طرف پشت کر کے بھرائی آواز میں استانی کو پتا بتانے لگی۔ وہ خود کو مجبور محسوس کر رہی تھی۔ اسے واقعی استانی کا بہت خیال تھا اتنا کہ چند روز میں؟ اسے خود حیرت ہوئی کیسی جادوئی شخصیت ہے کتنا سکون ہے اس قرب میں جیسے کوئی دکھیارا ساری دنیا سے مایوس ہو کر کسی معبد میں پہنچے سکون و قرار کی تلاش میں۔ مظاہر پتا نوٹ کر کے ... باہر نکل گئے۔

وہ کچھ دیر اسی طرح کھڑی رہی کچھ سوچتی رہی پھر یقین کرنے کی غرض سے تھوڑا دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ واقعی وہاں ایک بندہ کھڑا تھا اس نے دروازہ بند کر دیا اور آنکھیں بھی اعصاب بری طرح ٹوٹنے لگے تھے چند لمحوں میں اس نے خود کو بہت زیادہ ناتواں محسوس کیا۔

☆☆☆☆☆

"یہ نسخہ بھجوایا ہے بادشاہ سلامت نے تمہارے نام۔ تم تو کہتے تھے کہ وہ رات تک واپس آجائے گا۔"

وہ بہت ضروری کام سے تھوڑی دیر کے لیے گھر آئے تھے اور آتے ہی بڑی اماں نے ایک براؤن لفافہ انہیں تھما دیا قرآن کے بعد سے پریشانی ... کی کوشش کی تھی ... کھول کر ... پڑھی جا سکتی تھی ... لفافہ بند ... پہنچنے والے کا نام درج تھا ایک لمحے کو مظاہر کی پیشانی پر بھی بل پڑ گئے تھے انہوں نے بنا خیر اللہ ... وہ مون کی تحریر تھی وہ جھوٹی ... سطور پر نظر دوڑانے لگے۔

"اچھا کم ظرف۔" انہوں نے دانت پیستے ہوئے پرچہ کر کے براؤن لفافے میں واپس رکھ دیا اور لفافہ اپنی پینٹ کی جیب میں رکھ لیا۔

"کوئی فکر کی بات نہیں بڑی اماں! مون کا خط ہے وہ خیریت سے ہے اور اس نے لکھا ہے اسے یہاں کوئی پرابلم نہیں ہے بس وہ اسے اس وقت تک اپنے پاس رکھے گا جب تک ہم ماہ نور اس کے حوالے نہ کر دیں۔"

"ارے تو تم حلف کیوں نہیں اٹھا لیتے کہ وہ ہمارے پاس نہیں ہے کیا اس میں اتنا بھی ایمان نہیں کہ حلف کا اعتبار کر لے؟ بتاؤ بچے نے کنوئیں میں بانس تو ڈالا دیے ہیں رزق روزی داؤ پر لگا کے ڈھونڈتا پھر رہا ہے ارے پاشا خدا تجھے سمجھے۔"

"ہمارا دماغ خراب نہیں جو اسے یقین دلانے کے لیے حلف اٹھاتے پھریں ہم اس کے بغیر بھی اس کا دماغ ٹھکانے لگا سکتے ہیں آپ اطمینان رکھیں مون ہماری پہنچ سے دور نہیں وہ کسی بھی وقت گھر پہنچ جائے گا انشاء اللہ اور مجھے رات کو دیر ہو جائے گی آپ سو جایئے گا۔"

"بڑی نئی بات لوئے تم۔ سبحان اللہ جیسے روز تو دونوں وقت ملتے ہی گھر پہ ہوتے ہو۔"

"بڑی اماں میں غلط صحبت میں نہیں بیٹھتا نہ ہی آوارہ گردی کرتا ہوں" وہ گلت بھرے انداز میں بڑی اماں کو یقین دلانے لگے۔

"بڑی اماں قربان جائے اپنے لال پر۔ بیٹے میں یہ کب کہتی ہوں شہر کے حالات کی وجہ سے فکر رہتی ہے۔"

بڑی اماں نے مظاہر کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر پیشانی چوم لی۔ اللہ میرے بچے کو نظر بد سے بچائے۔

دوسرے اس نامراد کی طرف سے بھی عجیب عجیب وہم ستاتے رہتے ہیں مجھے اپنے بچوں پر پورا اعتماد ہے ایسی بات کبھی دل میں نہ لانا۔"

مظاہر کے اندر رنا معلوم قسم کے کچھ الاؤ دہک رہے تھے بڑی اماں کی محبتوں کی پھوار نے کچھ آنچ کم کر دی تو ذہنی تناؤ بھی کم ہونے لگا۔

"بڑی اماں! میں پوری کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ مون آج رات تک گھر آجائے مجھے سب سے زیادہ ریا کی فکر ہے اس کی عمر بہت کم ہے اور اس کے پاس اتنی سمجھ بھی نہیں کہ وہ خود کو سمجھا سکے بہلا سکے مجھے عمر بھر افسوس رہے گا کہ اس کی شادی روایتی طریقے سے نہ ہو سکی یقیناً اس نے بہت کچھ محسوس کیا ہوگا بہر حال مون بہت اچھا ہے وہ ریا کا بہت خیال رکھے گا شاید وہ سب جو ریا کے ساتھ ہوا بھلا دے، ریا کو اتنی خوشیاں ملیں کہ اسے کوئی ناگوار یاد ہی نہ رہے وہ ہماری بہت پیاری سی گڑیا ہے ہم اس کی خوشیوں کی خاطر جان بھی دے سکتے ہیں اس لیے کہ ہماری بہن بہت مظلوم ہے وہ تو ہم پر بہت حق رکھتی ہے بڑی اماں! میں اس کی ہنسی کے لیے بڑی سے بڑی قیمت دینے کو تیار ہوں۔"

مظاہر نے بولتے بولتے شدت جذب سے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔

بڑی اماں نے بے اختیار اپنا سر مظاہر کے سینے پر رکھ دیا اور اپنے بازوؤں میں ان کا وجود سمیٹ لیا پھر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ مظاہر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

"تم ٹھیک کہتے ہو مگر مظلوم تو تم سب ہو بیٹے! جو تمہارے ساتھ ہوا دشمن کے ساتھ نہ ہو مگر اسے تقدیر کا لکھا کہیں گے میرے بچے۔" وہ بلک بلک کر کہہ رہی تھیں مظاہر کی آنکھوں میں سرخی آگئی پھر نمی بھی آگئی۔

"میں جاتا ہوں بڑی اماں! آپ یہاں بیٹھ کر کامیابی کے لئے دعا کیجیے۔"

"ہاں بیٹے اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔" وہ آنکھیں پونچھنے لگیں۔

"چاند بھائی گھر پر ہیں؟" انہوں نے چلتے چلتے پوچھا۔

"نہیں، چاند اور دلہن ریا کے پاس گئے ہیں۔"

"اچھا ہوا وہ ریا کے پاس چلے گئے مظہر اور اظہار کو بھی بھیج دیجیے اس نے کبھی اتنی بڑی پریشانی دیکھی نہیں اکیلے میں گھبرا رہی ہوگی تو اسے سسرال بھیجنے کے حق میں نہیں تھا مگر شاہانہ آنٹی کا اصرار دیکھ کر منع نہیں کر سکا چاند بھائی بھی ٹھیک ہیں مگر آپ

مظہر اور اظہار کو بھیج دیجئے وہ ان کی موجودگی میں زیادہ اچھا محسوس کرتی ہے وہ اسے بہلا لیں گے۔ ٹھیک؟"

"ٹھیک ہے بھیج دوں گی۔ تم جاؤ اور خیر کی خبر لاؤ۔ یا اللہ ہم کہاں ہیں اس ذات کو آزمانے جا رہے ہیں ہمارے حال پر رحم کرے۔"

مظاہر بنا کچھ کہے آگے بڑھ گئے بڑی اماں تخت پر بیٹھ گئیں اور اپنی دودھیا تسبیح اٹھالی۔

☆☆☆☆☆

شاہانہ ڈرائنگ روم میں ہمدردوں کے جم غفیر میں گھری بیٹھی تھیں چاند اور تانیہ ابھی ابھی واپس ہوئے تھے دل بہت پریشان و بے قرار سا تھا اور موں کیساتھ گزری شب ایک خواب سا محسوس ہو رہی تھیں پھر اس کی صورت ہی نہیں دیکھی دل کو عجیب سا دکھ تھا وہ مہمانوں سے آنکھ بچا کر باہر آ گئی لان میں برقی روشنیاں بہت ہلکی تھیں وہ چپل اتار کر گھاس پر ٹہلنے لگی وسیع رقبے پر لان کیا ایک باغ تھا پھولوں پھلوں سے آراستہ اور ہلکی سی روشنیوں میں تو بہت ہی خوب صورت لگ رہا تھا وہ ٹہلتے ٹہلتے کوٹھی کا اوپری حصہ دیکھنے لگی پھر بائیں جانب بنی انیکسی پر نظر پڑ گئی جو کوٹھی سے الگ حصہ دکھائی دے رہی تھی۔

وہ غور کرنے لگی کہ یہ حصہ گھر میں شامل ہے یا باہر والوں کا ہے آج صبح سے لے کر شام تک وہ اوپر نیچے پوری کوٹھی گھوم چکی تھی۔

اس پورشن کے لیے راستہ کدھر سے ہے؟ اس پر غور کرنے لگی زیادہ دیر نہیں لگی تلاش میں لوہے کا خوب صورت سفید پالش والا زینہ نظر آ گیا انیکسی کے بیرونی حصے میں صرف ایک ٹیوب روشن تھی اور نظر آنے والی ساری کھڑکیاں بند تھیں۔ وہ ٹہلتی ہوئی زینے کی طرف بڑھی۔

اور بہت دبے پاؤں زینہ طے کیا۔

اوپر آئی تو دروازے بھی سب بند تھے۔

ایک کھڑکی کے شیشے روشن تھے عجیب سا تجسس پیدا ہو گیا تھا کیا کوٹھی کا یہ حصہ آباد ہے نوکروں کے کوارٹروں تک کے مرحلے تو وہ طے کر چکی تھی۔

اسے روشن شیشوں والی کھڑکی سے برابر والا دروازہ بجا دیا انگوٹھی سے

"کون" ایک عورت کی آواز آئی۔

"دروازہ کھولیے۔"

دروازہ فوراً کھل گیا تھا اور نج چکن کا سوٹ پہنے ایک پکے رنگ کی موٹی سی عورت سامنے تھی۔

"سلام جی۔" عورت نے ریبا کے سراپے پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے سلام کیا۔ ریبا نے گردن کو ہلکا سا خم دیا اور اندر کمرے میں داخل ہو گئی۔

"آپ کون ہیں بی بی؟ میں پہچانی نہیں آپ کو۔" عورت نے دروازہ بند کرتے ہوئے الجھن بھرے انداز میں کہا۔

میں خواجہ صاحب کی بہو ہوں۔" ریبا کمرے میں ہر طرف نظر دوڑاتے ہوئے بولی

"اچھا اچھا بیگم صاحبہ کی بہو، ابھی شادی ہوئی ہے ناں ان کے بیٹے کی۔ بہت بہت مبارک ہو جی آپ کو۔ آئیں بیٹھیں۔" عورت نے فدویانہ انداز میں نشست پیش کی۔

"نہیں بس ٹھیک ہے۔ وہ بس ایسے ہی ادھر آ گئی میرا مطلب ہے آ گئی تھی آپ رینٹ پر ہوتی ہیں ادھر؟"

اس نے دلچسپی کے اظہار سے رخ موڑ کر سوال کیا۔

"جی کیا مطلب؟" وہ الجھی۔

"میرا مطلب ہے کرائے پر ہوتی ہیں۔" ریبا نے وضاحت کی

"نہیں جی۔ ہمارے کو تو ادھر کام کرنے کی تنخواہ ملتی ہے۔"

"اچھا اچھا کام کرتی ہو۔ تمہیں کوٹھی میں دیکھا نہیں اصل میں۔" ریبا زبردستی مسکرائی

"میں کوٹھی میں کام نہیں کرتی ادھر ہی کام کرتی ہوں۔" عورت نے جواب دیا۔

"ادھر کیا کام ہوتا ہے کہ کوئی رہتا ہے ادھر؟" ریبا کو تعجب ہوا۔ عورت چند ثانیے خاموش رہی۔

"آپ تو بیگم صاحبہ کی بہو ہو آپ سے کیا چھپانا ادھر میں ایک بچے کی دیکھ بھال کرتی ہوں۔"

"بچے کی؟ کس کا بچہ ہے؟" ریبا حیران ہوئی۔

"آپ کسی کو بولنا نہیں۔ میری بہن نے سختی سے منع کیا ہے یہ بچہ بیگم صاحبہ کی نوکرانی کو ہوا ہے بڑے آپریشن سے۔"

"تو تم کیوں پال رہی ہیں اسے اس کی ماں کیوں نہیں رکھتی۔" ریبا جانے بھول کر تفصیل پوچھنے لگی۔ ایک نوخیز سی لڑکی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی جو اس کوٹھی میں اپنا بچہ پوچھتی آئی تھی ریبا کی نگاہوں میں الجھن کا تاثر تھا۔

"اس بچے کے باپ کا نہیں پتا۔ ناجائز ہے۔"

"تو تم کو کیا؟ اس کی ماں تو ہے اس بے چاری سے بچہ کیوں لے لیا۔" ریبا اپنے مخصوص اکھڑ لہجے میں بولی "کسی ماں سے اس کا بچہ تو نہیں لینا چاہیے۔" ریبا اداس ہو گئی اور پھر یہ لے چار دو بچہ اسکا تو باپ بھی نہیں ہے۔" ریبا کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

"باپ تو خیر ہے دلہن بیگم! پر خبر نہیں کون ہے کدھر ہے پتا نہیں ایسے لوگوں کو دل کیسا ہوتا ہے اپنی اولاد کی ان کو کبھی پرواہ نہیں ستاتی ہم چھ بہنیں ہیں دلہن بیگم! ایک ہی بھائی ہے مگر ہمارے بابو جی ہم اپنے والد کو بابو جی بولتے ہیں۔" عورت نے رک کر وضاحت کی۔

"ہمارے بابو جی اپنی بیٹیوں سے اتنا پیار کرتے تھے کہ اتنا اکلوتے بیٹے کو نہیں کرتے تھے۔ ڈاک خانے میں کام کرتے تھے بڑی مشکل سے گزارا ہوتا تھا مگر مجال ہے جو کبھی بیٹیوں کو بوجھ سمجھا ہو زیادہ آمدنی کے لیے شام کو کسی کی دوکان پر بھی بیٹھتے تھے رات کو دس گیارہ بجے گھر آتے اور جب تک ہم سب بہنوں کو پاس بٹھا کر دو چار باتیں نہ کر لیتے سوتے نہیں تھے ہمیں دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے ایک غریب آدمی جس نے چھ بیٹیاں بیاہنا تھیں کبھی بیٹیوں کو بوجھ نہیں سمجھا ہمیشہ سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی بہت پیار دیا انہوں نے ہمیں پتہ نہیں اس طرح کے بچوں کے باپ کیا الگ قسم کی مٹی سے بنتے ہیں کیسے دل ہوتے ہیں آخر بندہ جب غلط کام کرتا ہے تو اب ہم کبھی پچھتاتا ہے۔"

"تو اس بے چارے بچے کی ماں تو تڑپ رہی ہے تو اس سے کیوں چھین رہے ہیں؟" ریبا عورت کی تفصیل سے اکتا کر بولی۔

"یہ بچہ نہیں ہے بچی ہے بچی ہے دلہن بیگم۔" عورت نے بتایا

"اوہ!" ریبا کو یہ جان کر مزید دکھ ہوا۔

"بچے ماں کے بغیر اداس ہوتے ہیں وہ کبھی سچ مچ خوش نہیں ہوتے ہر خاص خوشی کے موقع پر تو ماں بہت یاد آتی ہے چاہے اسے دیکھا بھی نہ ہو وہ بچے کے ہوش میں آنے سے پہلے ہی مر گئی ہو۔" ریبا کا لہجہ بھیگ گیا۔

"اور جب کوئی دکھ ملتا ہے تو اور زیادہ یاد آتی ہے جب اس کی ماں ہے تو اسے بچے سے دور رکھنا بہت زیادتی ہے تم بھی کہوں گی میں سے نہ تم بھی کہنا۔ یقین کرو دونوں کو بہت ثواب ملے گا۔"

بچی کہاں ہے۔ میں اسے دیکھ لوں۔" اس نے یکدم اشتیاق ظاہر کیا۔

"کیوں نہیں۔ آئیے ابھی دودھ پلا کر سلایا ہے برابر والے کمرے میں۔" عورت اسے لے کر کمرے سے باہر آئی۔

"اف اتنی سی بچی کو تم نے اکیلا لٹایا ہوا ہے؟ اگر وہ ڈر کر رو پڑی تو تمہیں کیسے پتا چلے گا؟" ریبا نے ناگواری سے کہا۔

"آواز آجاتی ہے، یہ دروازہ کھلا ہوا ہے ناں۔" عورت چور سی ہو کر کہنے لگی

"کہاں کھلا ہوتا ہے؟ جب میں آئی تو بند تھا۔" ریبا نے اس کا جھوٹ پکڑا۔

"میں ادھر ہی ہوتی ہوں دلہن بیگم! نماز پڑھنے آجاتی ہوں ادھر۔"

"وہیں پڑھ لیا کرو نماز۔ اتنی چھوٹی سی تو ہے ابھی۔" ریبا نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

عورت سے کوئی جواب نہ بن پڑا وہ خاموشی سے ریبا کو لیے ساتھ والے کمرے میں آگئی گرین نائٹ بلب کی روشنی میں سامنے ہی کاٹ میں لیٹی بچی نظر آگئی۔

ریبا بڑے اشتیاق سے آگے بڑھی

چھوٹی سی نازک سے تیکھے نقش والی بچی گہری نیند سو رہی تھی۔

"ماشاءاللہ کتنی کیوٹ ہے۔" ریبا کے چہرے پر الوہی خوشی نے جیسے اجالا سا کر دیا۔ "اس کی ممی کو بس اس کے پاس رہنا چاہیے۔ اللہ کرے یہ کبھی نہ روئے منے میاں اسے اس کا باپ بھی مل جائے سویٹ لکی ہوتے ہیں وہ بچے جو اپنے پیرنٹس کے ساتھ ہوتے ہیں۔"

ریبا نے بچی کے رخسار چھوئے

"دلہن بیگم! حد کرتی ہیں آپ اس کا باپ بھلا کیسے آ سکتا ہے وہ تو چھوڑ گیا ہے ہاں اگر اللہ اس کے دل میں نیکی ڈال دے اور وہ اس بچی کی ماں سے نکاح کر لے تو واقعی اس بچی کو ماں اور باپ دونوں مل سکتے ہیں۔"

"تو تم اس بچی کی ماں سے پوچھتی کیوں نہیں کہ اس کا باپ کہاں ہے اگر تم پتا کر لو تو میں اکا جان کو بھیج دوں گی اس کے پاس وہ تو سیدھا کر دیں گے اچھی طرح کہ اپنے بچوں کو اس طرح چھوڑتے ہیں کیا؟"

عورت نے گویا اپنا سر پیٹ لیا۔

"یہ اکا جان کون ہیں؟" عورت نے پوچھا۔

"میرے بڑے بھائی ہیں۔" ریبا نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"پولیس والے ہیں؟" عورت بڑی متاثر نظر آئی۔

"پولیس تو خود ان کے پاس حاضری لگاتی ہے۔" ریبا نے بڑے مغرورانہ سٹائل میں جواب دیا۔

"اچھا کیا وزیر ہیں۔" پولیس کی حاضری پر عورت یہیں تک پہنچ سکی تھی۔

"خیر وزیر تو نہیں ہیں اس لیے کہ انہیں الیکشن لڑنے کا کوئی شوق نہیں ہے وزیروں سے اپنے کام کرا لیتے ہیں۔" ریبا نے پھر بے نیازی سے جواب دیا۔

"آپ بڑے لوگ ہیں۔ بیگم صاحبہ ایسے ویسے گھر کی لڑکی کو تو بہو نہیں بنا سکتی تھیں۔" عورت بے پناہ متاثر ہو کر بولی۔

"میرے ماموں کا بھی ایک مسئلہ ہے۔" عورت کو اپنے مسائل یاد آنے لگے۔

"ابھی ماموں واموں کو چھوڑو ابھی اس بچی کا مسئلہ حل کرنا ہے تمہارا کام بعد میں بتانا۔" ریبا نے جھک کر بچی کے رخسار چھو کر کہا۔

"دلہن بیگم! آپ برا نہ (مت) منانا ایسے مسئلے کبھی حل ہوئے ہیں ابھی آپ کی عمر تھوڑی ہے اور ہم عمر گزار بیٹھے ہیں۔"

"کیوں حل نہیں ہوتے ایسے مسئلے؟ مسئلہ کوئی بھی ہو محنت کرنے سے حل ہو سکتا ہے۔" ریبا نے ناک چڑھا کر جواب دیا "میں اکا جان سے ضرور بات کروں گی۔"

"بیگم صاحبہ بھی خفا ہوں گی وہ نہیں چاہتیں اس بچی کا کسی کو پتا لگے۔" عورت قدرے خوفزدہ نظر آئی۔

"یہ کیا بات ہوئی اگر یہ بچی اپنے پیرنٹس کے پاس رہے تو ممی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ انہیں تو خوش ہونا چاہیے۔" ریبا نے الجھن بھری نظروں سے عورت کو دیکھا عورت اپنی حد محسوس کر کے خاموش ہو رہی۔

"تم بتاؤ کیا یہ خوشی کی بات نہیں؟" ریبا نے اپنی بات سے اتفاق چاہا۔

"شاید تم سوچ رہی ہو گی اس طرح تمہاری نوکری ختم ہو جائے گی مگر فکر نہیں کرو میں تمہارے لیے کہیں اور کوشش کروں گی۔" ریبا نے گویا اس کو مستقبل کی ضمانت مہیا کی۔

"یہ بات نہیں ہے دلہن بیگم! رزق روزی تو اللہ کے ہاتھ ہے اب میں آتی ہی اس کی بہت تنگی تھی رات کو نیند نہیں آتی تھی پورا کنبہ ہے تین وقت نہیں تو دو وقت تو کھانے کو چاہیے بہت رونا آتا تھا بس میری بہن نے یہاں تک پہنچ کی بولی بیگم صاحبہ کو ایک عورت کی ضرورت ہے ایک چھوٹی بچی کی دیکھ بھال کرنی ہے میں تو بھاگی آئی گھر میں راشن ڈلوا دیا۔ بچوں نے پیٹ بھر روٹی کھائی دل سے دعا نکلی یہ دن بھی اللہ نے دکھایا تو آگے بھی اللہ مالک ہے آپ کی سوچ بہت اچھی ہے دلہن بیگم مگر اس دنیا میں ایسا ہوتا نہیں ہے اولاد کو ترستے ہیں پیروں فقیروں کے آستانے پر حاضریاں دیتے ہیں تعویذ گنڈوں کے چکر لگاتے ہیں مزاروں پر راتیں گزارتے ہیں دین ایمان داؤ پر لگا دیتے ہیں اس اولاد کی خاطر پھر بھی جھولی خالی اور اس طرح کے بچے جیسے کھیل تماشوں کی طرح بٹ جاتے ہیں۔ ماں دنیا کے خوف سے دل پتھر کر لیتی ہے باپ تو جانتے ہی نہیں ناجائز ہوتا ہے ناجائز بچے کی ماں سے صاف کہہ دیتا ہے کیا پتا کس کا ہے۔"

"چھی چھی اتنے گندے۔ یہ ذہن کے ہوتے ہیں مرد۔" ریبا نے کراہیت سے کہا۔

"سب نہیں دلہن بیگم! چار مرد جو اندھیارے میں ہاتھ صاف کرتے ہیں اسی دنیا میں ایسے مرد بھی ہوتے ہیں جن کی بیوی مر جاتی ہے تو اولاد کی خاطر دوسری عورت گھر میں نہیں لاتے کہ بچوں کی ماں بن سکے یا نہیں ان پہ بھی جوانی ہوتی ہے مگر اولاد کی خاطر قربانی دیتے ہیں اس دنیا میں ہر رنگ کا بندہ ہے اب آپ کے میاں کی زبیدہ بہت تعریف کرتی ہے کہ پیسہ اس گھر میں پانی کی طرح بہتا ہے مگر کسی غلط راستے پر نہیں ہیں باپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں کسی سے فالتو بات نہیں کرتے نوکروں کے ساتھ ہمدرد ہیں اور بھی جانے کیا کیا کہتی ہے کہ اب یہ آپ کی قسمت ہے اتنے اونچے گھر کا نیک شریف بندہ آپ کو ملا ہے اللہ جوڑی سلامت رکھے آپ سکھ کی بہاریں دیکھیں جی۔"

ریبا جانے کس دھیان میں کھو گئی تھی شاید اب وہ اپنے بیڈروم میں جائے تو مومن وہاں بیٹھا ہو اس کا تصور کر کے اس کا دل دھڑک اٹھا۔

اکا جان اور ڈیڈی تو یہی کہہ رہے تھے کہ وہ آج رات تک انشاءاللہ گھر آجائیں گے اس نے ایک مرتبہ پھر بچی کو پیار کیا اور بولی۔

"کتنی پیاری ہے اگر یہ اپنے پیرنٹس کے پاس ہوتی تو وہ اس سے کھیلتے اور خوش ہوتے۔"

عورت نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

☆☆☆☆☆

"اسے بتا دینا اگر آئندہ کوٹھی میں قدم رکھا تو اچھا نہیں ہو گا اس کی اتنی ہمت کیسے ہوئی بڑی آئی بچے والی بے غیرت کو شرم نہیں آئی مگر ان لوگوں کے پاس غیرت ہوتی کہاں ہے کمانے کے لیے بچے جنتے ہیں اتنی ہمت اس کی کہ مجھ سے بچے کا

پوچھنے آئی کہ دنیا آخر اسکا لے منہ کے ساتھ ادھر کا رخ نہ کرنا اچھا مگر اچھا کھانے پہننے کو ملا تو برابری ہی کرنے لگی ہے دیا۔"

زرینہ خاموشی سے سنتی رہی۔

"اور کیا بک رہی تھی؟" وہ جانے جانے پھر پلٹیں۔

"کہتی تھی میں خود پال لوں گی کہ چھپ جاؤں گی لے کر۔" زرینہ نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

"ہوں بڑی نکاح پڑھوا کر ماں بنی ہے۔ اس کی بچی تھی ماہ نور برس کی ہے پر یاد نہیں بارہ تیرہ برس کی بچی کی تھیا؟"

جاہلیت سو سال کے ہو جاتے ہیں اور تیسرے بچے رہتے ہیں عمروں کا حساب رکھتے ہیں ولادتوں بلوغتوں فصلوں اور حکمرانوں کے ناموں سے کرتے رہتے ہیں ماں بنی ہے ہونہہ بے حیا بے غیرت اس کی ماں کو تو ابھی تک "ماں" کا مطلب نہیں معلوم۔ ہر سو روپے لے کر بچیاں سب اسرا کر کے چلتی بنی ان لوگوں کو کیا پتا کہ ماں کیا ہوتی ہے کہاں کی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں۔ یہ بارہ تیرہ برس کی "منی" آئی بچہ لینے آئندہ نظر نہ آئے کوٹھی میں ورنہ میں تجھے بھی پوچھوں گی۔"

"اس کے مرزا کو پتا چل گیا تو چار چوٹ کی زور سے مارے گا پہلے بیگم صاحبہ کی کارروائی تو بعد کی بات ہوگی۔"

"آپ فکر نہ کریں میں اسے سمجھا دوں گی نہیں آئے گی وہ یہاں۔" زرینہ نے تسلی دی۔

"اور اس کی ماں سے کہنا ابھی تک فلیٹ میں پڑا کس خوشی میں ڈالا ہوا ہے جب کہہ دیا تھا کہ وہاں کے انداز اٹھا کے گاؤں واپس چلی جاؤ بس بہت عیش ہو گئے بلکہ حرام خوری۔ اب اپنے گھر کا رستہ دیکھو۔ بتاؤ میری بہو کو جانے کیا کیا کہہ گئی کیا سوچتی ہوگی وہ۔ آئی تھی زبان بن کر ہونہہ بے لے پانچ سو روپے اس کی ماں کو دے دینا اور کہہ دینا بھول جائیں اب اس گھر کو۔"

وہ اپنی ساڑھی کا آنچل درست کرتی کوارٹر سے باہر چلی گئیں۔

☆☆☆☆☆

مظاہر نے دروازے پر دستک دی۔

"کون؟" ماہ نور کی تھکی تھکی آواز آئی۔

"مظاہر۔" مظاہر نے مختصراً کہا۔

دروازہ ذرا سا کھل گیا۔ سامنے ماہ نور الجھے بالوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ مظاہر اندر آ گئے اور دروازہ بند کر دیا۔

"آپ کی منافی کو سیج پہنچ گیا ہوگا اب آپ کو بے فکر ہو جانا چاہیے۔"

ماہ نور نے چونک کر ان کی صورت دیکھی۔ آپ! (رجھکے کھا کر بہت معتبر ہو گئے کیا؟)

"شکریہ مگر یہاں مجھے رکھ کر کیا فائدہ پہنچے گا آپ کو" مجھے ایک پرسکون ٹھکانا مل چکا ہے میں یہاں مطمئن ہوں کسی کو میرے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"ہاں پرسکون ہو یہاں سب الگ تھلگ سا رہتے ہیں اتنا آسان سمجھا ہوا ہے رشتے ختم کرنا۔"

"رشتوں کی بات نہ کریں میں نہیں مانتی ان ڈیکوریشن پیس ٹائپ کے رشتوں کو۔" اس نے رکھائی سے جواب دیا۔

"والد بن بھی ڈیکوریشن پیس ہوتے ہیں؟" مظاہر نے تلخی سے پوچھا۔

"پتا نہیں سب، تھے ہی اعتبار کھو چکے ہیں۔" اس نے بھی تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"احمق ہو تم۔ تمہاری مسلسل حماقتوں نے سب کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے خود تم بھی کون سی پرسکون ہو کر رہ رہی ہو ابھی تک بھی نہیں ہوا اور اس کی خوشیاں بھی داؤ پر لگ گئی ہیں سب کا سکون برباد کر کے رکھ دیا ہے تم نے کیا سمجھ رہی ہو تم کونے لے کر بیٹھ گئی ہو

سب کچھ واپس اپنی پرانی حالت پر آ گیا ہے؟" مظاہر کے لہجے میں کوئی رعایت اپنائیت نہیں تھی۔

"ربیا کا ولیمہ؟" اس نے حیرت سے مظاہر کو دیکھا "شادی ہو گئی ربیا کی؟ اگر ہو بھی گئی تو میرا اس کی خوشیوں سے کیا تعلق؟ کیوں داؤ پر لگ گئی ہیں اس کی خوشیاں؟"

"وہ سمجھ رہا ہے میں نے تمہیں کہیں چھپا رکھا ہے سمجھ ہی نہیں رہا اسے یقین ہے کہ اس نے ربیا کے ہزبینڈ کو اغوا کر لیا ہے قتل کی دھمکی دی ہے اگر ہم نے تمہیں اس کے حوالے نہ کیا۔"

ماہ نور گھبرا کر رہ گئی۔

"ہم سب کی مصیبتوں کی ذمہ دار ہو تم پھر بھی میں تم سے تسلی سے بات کر رہا ہوں۔ چاہتا تو پہلی فرصت میں تمہیں اس کے گھر پہنچا دیتا کہ میری معصوم بہن کو بھی مشکل سے نجات ملے مگر تم سے بھی بہت قریب کا رشتہ ہے اس لیے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ تمہارا اس سے نکاح اگر جبر یا زور کے تحت ہوا ہے تو تمہیں قانونی تحفظ دے کر اس سے نجات دلائی جائے اس سے ہماری بھی جان چھوٹے یہ ظاہر ہے کہ نکاح زبردستی ہی ہوا ہے اگر زبردستی نہ ہوتا تو تم اس کے گھر سے نہ نکلتیں اور کسی استانی کے آستانے پر نہ پہنچتیں میرے پاس سب انتظامات مکمل ہیں تمہیں صرف یہ بیان دینا ہوگا کہ تمہیں پہلے اغوا کیا گیا پھر زبردستی نکاح ہوا۔"

"مگر میں یہ بیان کیوں دوں؟ جب میرے گھر والے یہ تاکید کر چکے کہ وہ جیسا بھی ہے اسے نبھاؤ اسی کے ساتھ زندگی گزارو ایسے وقت میں مجھے انہوں نے یہ مشورہ ملا ہے جب مجھے سب سے زیادہ اپنوں کی قربت دلاسا کی ضرورت تھی مجھے کسی قسم کی مدد نہیں لینا آپ لوگوں سے نہ اس کے ساتھ رہنا ہے نہ تمام عمر تمہارا اپنوں کے ساتھ۔"

ماہ نور نے ان کی بات کاٹ کر زہر بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"میں مانتا ہوں اس مقام پر اپنی تم بہت ہوئی ہو۔ میں ازالہ کرنے کو تیار ہوں۔" مظاہر نے اس مرتبہ بہت نرمی سے کہا۔

"وہ کس طرح؟" ماہ نور الجھ گئی۔

"تم کورٹ کے ذریعے اس سے نجات حاصل کر لو میں تمہارے ساتھ عمر گزارنے کے لیے تیار ہوں، اگر تمہاری وجہ سے بہت سے لوگ مجھ سے بھی ملنا چھوڑ دیں تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔"

ماہ نور آنکھیں پھاڑ کر چند ثانیے ان کی طرف دیکھتی رہی۔

پھر ایک دم انتہائی حقارت سے ڈوبنے لگا راستے میں چھپنے والے کانٹے پھر منہ کرنے لگے زخموں سے کھر نداز کیا نے لگا ہوئی وہ بنت مہربان آتے آنسے۔

ایک ایک منظر نگاہوں کے سامنے تانوں میں گھوم گیا۔

اصل میں ہم زمین پر رینگنے والے کیڑوں جیسے لوگ تب ہی خاص ہو سکتے ہیں جب خاص لوگوں کو خاص نقصان کا اندیشہ ہو۔

اپنی بگڑی بہن کی بابت ہے سب کچھ کر سکتے ہیں۔

"اب سوچنے کا وقت نہیں ہے ماہ نور! چند گھنٹوں کے اندر اندر کچھ کرنا ہے۔ ربیا کچھ نہیں ہے وہ بہت پریشان ہے تمہارا بھی مسئلہ حل ہو رہا ہے اور ربیا کا بھی۔"

"اگر میں آپ سے اتفاق کرنے سے انکار کر دوں؟" ماہ نور نے پتھر پھوڑے۔

"تو پھر تمہیں آستانے کے بجائے پاشا کے گھر جانا ہوگا۔" مظاہر نے فوراً جواب دیا۔

"کون مجبور کر سکتا ہے مجھے؟ کوئی میرا ہو تو مجبور ہو جاؤں۔"

"میں تمہیں ہر صورت سپورٹ کر رہا ہوں۔"

"میری خاطر نہیں، بہن کی خاطر۔" وہ تیزی سے ان کی بات کاٹ کر بولی

"ہاں چلو یہی سہی کسی کی خاطر بھی سہی۔ ریلیف تو تمہیں مل رہا ہے ناں؟" مظاہر نے بھی گویا صاف دلی سے جواب دیا۔

"یا تو میں اس قابل نہیں کہ میرا ایسا فائی قسم کا کزن مجھے دھکوں ٹھوکروں سے تحفظ دے سکے یا اب یہ حال کہ سب میری شرائط ماننے کو تیار ہیں یا میری بدقسمتی میں درد ہے سفر سے اتنا تماشا بنا ہے کہ جیسے کسی تپتی دھوپ میں بڑے رنگوں کی طرح اڑ گئے ہیں بس کریں مظاہر بھائی بس کریں مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔"

"اب نہیں چھوڑ سکتے تمہیں ان کے پاس جانا ہوگا بلکہ میں اسے فون کر رہا ہوں وہ خود لے کر جائے گا تمہیں تاکہ رات بارہ بجے سے پہلے رباکا ہزبینڈ ریاکے پاس پہنچ جائے۔" وہ فون کی طرف بڑھے۔

☆☆☆☆☆

ماہ نور تیر کی طرح فون سیٹ کی طرف بڑھی اور دونوں ہاتھ فون پر رکھ دیے۔

"میں نے کہا ناں میرے معاملے میں کسی بھی قسم کی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں، بہت بہت شکریہ۔" وہ بے کلی کی انتہا پر پہنچ کر مظاہر سے ہمکلام تھی۔

"یہ اب آپ کا معاملہ نہیں ہے محترمہ! میری معصوم بہن کی خوشیاں اس وقت داؤ پر لگی ہیں" انہوں نے اس کے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی۔

"کچی بھی تو وہ بچ ہیں جو رشتوں کی منافقتوں میں چھپے رہتے ہیں احمقوں کی اکثریت رشتوں کے فریب کھاتے عمر گزار دیتی ہے اس چھل فریب جیسی دنیا کے فریب رہتے جاتے۔۔۔۔۔۔ بہن معصوم ہے ہم نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا تھا۔" وہ زہر زہر ہو رہی تھی۔

مظاہر کو اس کے الفاظ تیزے کی انی کی طرح چبھ رہے تھے اف وقت انسان کو کیا سے کیا بنا دیتا ہے یہ ماہ نور ہے؟ وہ تعجب خود سے پوچھ رہے تھے۔

"جب حق شناس ہو ہی گئی ہو تو یہ بھی برداشت کرنا بھی سیکھو۔ مجھے ربا کی خوشیوں کا ہر قیمت پر تحفظ کرنا ہے میں کوئی غیر قانونی غیر شرعی عمل نہیں کر رہا۔ ایک شخص کو اس کی جائز مگر منفرد بیوی سپرد کر رہا ہوں کوئی مجھے کسی قسم کا الزام نہیں دے سکتا۔ ایک طرح سے کارِ خیر انجام ہو رہا ہوں تم اعتراف کر چکی ہو کہ تم نے پورے ہوش و حواس ایجاب و قبول کا مرحلہ طے کیا ہے پھر تمہیں کیا تکلیف ہے؟ اگر تم نفسیاتی مریضہ بن گئی ہو تو بچ ذو واتی حیثیت کا مالک ہے کہ تمہارا علاج فارن میں کرا سکے۔"

"ہاں پہلے میں غریب اور احمق تھی اب پاگل ہو چکی ہوں۔" وہ تڑخ کر بولی

"کوئی شک نہیں۔" مظاہر نے جملے پر والا لگایا اور فون سیٹ پر ہاتھ دھرے ہوئے زہریلی سی ماہ نور کو دیکھا پھر کچھ سوچا اور اس سے دور ہٹ گئے۔

"ٹھیک ہے تم اسی طرح کھڑی رہو میں پانچ منٹ میں آتا ہوں فون اسی طرح دبوچ کر رکھنا کہیں ایسا نہ ہو میں آئے بغیر ہی اسے رنگ کر بیٹھوں ان کے لہجے میں کیا تھا ماہ نور سمجھ نہیں سکی۔

مظاہر باہر نکل گئے ماہ نور واقعی اپنی جگہ سے نہیں ہل جانے کس دھیان میں بھی مظاہر کو پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ وہ واپس آ کر صوفے پر بیٹھ گئے اور ٹیبل سے اخبار اٹھا کر پڑھنے لگے ان کا چہرہ اخبار کی اوٹ میں ہو گیا تھا ماہ نور چند

ثانیے الجھن بھری نظروں سے انہیں مطالعہ کرتے دیکھتی رہی پھر فون سیٹ کے پاس سے ہٹ کر بیڈ پر بیٹھ گئی جیسے وہ منتظر تھی کہ مظاہر کچھ نہ کچھ کہنے والے ہیں مگر مظاہر اخبار کے صفحات الٹ پلٹ کرتے رہے کچھ بولے نہیں (یہ مطمئن بند کر کے اس طرح کیوں بیٹھ گئے ہیں؟) وہ تعجب سے سوچنے لگی۔

"میں آپ سے کیا کہہ رہی ہوں مظاہر بھائی؟" اس نے مظاہر کو متوجہ کیا۔

"جی فرمایئے۔ میں کان کھلے رکھتا ہوں۔ آواز آ رہی ہے۔" وہ اسی طرح اخبار کی اوٹ میں چھپے ہوئے جواب دے رہے تھے۔

"جب میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ نہ مجھے آپ لوگوں سے تعلق رکھنا ہے نہ ہی اس سے تو پھر مجھے آپ کیوں زبردستی قید کر رہے ہیں؟ کس نے حق دیا ہے آپ کو؟" وہ پھنکاری۔

"زیادہ حق شناسی کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں یہ امریکہ یا یورپ نہیں ہے پولیس کو بھنک بھی پڑ گئی کہ پی سی کے روم نمبر نو دن تھری میں کوئی حق شناس قسم کی محترمہ قیام پذیر ہیں تو وہ آپ کو ایسے ایسے حقوق و فرائض کے معنی یاد کرائے گی کہ آپ زندگی کا مطلب بھول جائیں گی۔

ماہ نور نے دھوکا کھی سہا یہی مگر پھر بھی چھایا ہوتے ہیں کڑی سے کڑی مل رہی ہے تو ہماری زنجیر چھوٹی نظر آتی ہے اسی لیے تو ہمارے مذہب میں قطع رحمی کی مذمت ہے مگر شاید ابھی تمہاری اسٹڈی اس سبق تک نہیں پہنچیں۔ کوئی بات نہیں۔ ہم نے پڑھ سبق کر دیا ہے۔

"ہونہہ! قطع رحمی حیرت ہے۔ آپ کو یہ لفظ اور اس کے معنی آتے ہیں جب علی آپ سب بھائی ہمارے ہاں بہت آنے جاتے تھے۔" ماہ نور نے طنز کیا۔

"ہم اپنی پھوپھو سے ناراض نہیں تھے کسی تنازعے کی وجہ سے تمہارے ہاں جانے سے نہیں کتراتے تھے پہلے دھیان ہاں پھر جانیں صرف تمہارے ہاں کی بات نہیں۔ تم بڑے ماموں سے پوچھ سکتی ہو ان کے ہاں ہم کتنا آتے جاتے رہے ہیں کبھی کبھی تمہارے ہاں جاتے تو پھوپھو اتنی زیادہ خاطر مدارت کرتیں کہ شرمندگی ہوتی کہ وہ اپنے محدود بجٹ میں یہ سب کرتی ہیں بعد میں ان کو کتنی مشکل ہوتی ہوگی۔"

مظاہر نے بہت وضاحت سے جواب دیا وہ شاید اتنی بدگمانی کی توقع نہیں کرتے تھے۔

"لیکن غریب لوگ تو یہی سمجھتے ہیں کہ ان کے خوشحال رشتہ داران کی غربت کی وجہ سے آنے ہوئے کتراتے ہیں انہیں بہرحال دکھ ہوتا ہے۔" ماہ نور نے کہا۔

"اپنی اپنی سوچ ہے ہمارے ذہن میں کبھی اس طرح کی بات نہیں آئی۔" مظاہر نے پھر رسانیت سے جواب دیا۔

"چلو ہم تمہارے ہاں نہیں آتے تھے تو تم لوگ کیوں نہیں آتے تھے۔ پھوپھو اور مسز تو پھر بھی آ جاتی تھیں مگر تم اور پھوپھا جان تو سالوں نہیں آئے۔"

"ظاہر ہے ہم اسی لیے جانے کتراتے تھے کہ شاید آپ لوگوں کو غریب رشتے داروں سے ملنے شرم آتی ہے۔"

ماہ نور نے صاف جواب دیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" مظاہر نے لاحول پڑھی۔

"حد ہو گئی بڑی بیمار سوچ ہے بڑا کامپلیکس۔ غربت شرمندگی نہیں ہوتی اپنا کما کر کھانے والے وہ بھی حق حلال کی بڑے لوگ ہوتے ہیں مرسیڈیز، لینڈ کروزر میں گھومنے والوں سے اگر امپریس ہوئی ہو تو بھی حماقت ہے جانے کس کس کا حق مارا ہوا ہوتا ہے گورنمنٹ کا کتنا قرض اٹھایا ہوا ہوتا ہے پھر اس چکر میں کہ کس طرح قرضہ معاف کرائیں اس کلاس سے متاثر ہوئی ہو یہ تم

کھائے جاتا ہے کہ ہم ان کی طرح زندگی کیوں نہیں گزارتے یا گزار سکتے؟

تمہیں پتا ہے دولت کتنی بڑی آزمائش ہے انسان کی دولت مند انسان کی دولت میں کتنے انسانوں کا حق حصہ ہوتا ہے ان کو نہ دیا جائے تو دولت لطف کے بجائے اللہ کا قہر بن جاتا ہے ایسے میں دولت سے لطف اندوز ہونے کا پروگرام بنانے والے دنیا سے اٹھ جاتے ہیں بنگلوں میں کھاتے بھرے کے بھرے رہ جاتے ہیں مجھے بھی بہت شوق ہے کہ میں کسی کا دست نگر بن کر نہ رہوں اپنی تمام ضروریات وخواہشات اپنے عمل پر پوری کروں بہت محنت کرتا ہوں اس کے باوجود حق داروں کو ان کا حق دے کر گورنمنٹ کو ٹیکس دے کر میرے پاس اتنا نہیں بچتا کہ میں اپنی خواہش کے باوجود شوروم سے اپنی پسند کی کار خرید سکوں اگر کار خرید بھی لوں تو دوسرے ضروری کام دھرے رہ جائیں گے اپنی قیمتی توانائی بھی دوسطرح سے بھی اس طرح سے سوچ کر ضائع کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔

خود انحصاری وخوشحالی بے شک اللہ کا انعام ہے اس کے لیے وہی تمام صلاحیتیں و وسائل استعمال کرنا چاہئیں لیکن خوشحالوں و دولت مندوں کو دیکھ کر کڑھنا پرلے درجے کی حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

کس قدر خود کو ضائع کیا ہے تم نے اپنی قیمتی صلاحیتوں کو تم چاہتیں تو کوچنگ کر سکتی تھیں مرحلہ وار سٹرینتھ بڑھ جاتی تو وہ کمرے کرائے پر لے کر اپنا کام بڑھا لیتیں۔ شمسہ کو ساتھ لگائیں اور وہ ٹیچر رکھتیں۔ ریپوٹیشن کے لیے محنت کرتیں تو پتا نہیں آج کہاں سے کہاں ہوتیں۔"

اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں وہ اس پر بھرپور تنقید کر کے خاموش ہو گئے اور شرٹ کی آستین اوپر کر کے ٹائم دیکھنے لگے۔

ماہ نور سر جھکائے جیسے سانس روکے ان کے سنے نئے الفاظ گن رہی تھی یوں بھی ہوتا ہے کہ جب ثابت ہو جاتا ہے ہم نے بدگمانی کی حد کی تو عجیب سی شرمندگی وملامت جیسے ذہن پر طاری ہو جاتی ہے ایسے میں ذہن بالکل خالی سا ہو جاتا ہے وہ بھی خالی الذہن سی ٹکٹکی باندھے اپنی ہتھیلیاں دیکھ رہی تھی۔

"بہرحال اب جو زندگی کے چیلنجز درپیش ہیں ان کا ہمت سے سامنا کرو جو ہو چکا اس پر رونا فضول ہے بلکہ غلطیوں سے سبق سیکھ کر کوشش کرو کہ دوبارہ ایسی غلطیاں سرزد نہ ہوں جن کی تلافی نہ ہو سکے۔ جو لوگ باہمت ہو کر زندگی کے چیلنجز کا سامنا کرتے ہیں ان کے وہ معتوب نہیں ہوتے ایک ہی ہوتا ہے جس سے وہ پار کا مرحلہ لیتے ہیں مشکلات تمام انسانوں کی زندگی میں آتی ہیں بس ان کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔"

وہ ان کی طرف دیکھنے لگی (کس طرح سامنا کروں۔ کیا حل ہے؟)

"رونے دھونے سے نقصان ہے نہ ان کے مسائل حل ہوتے ہیں میں اب بھی تمہارے ساتھ ہوں جہاں جس جگہ میری مدد یا تعاون کی ضرورت محسوس ہو، بلا جھجک مجھے کال کر سکتی ہو۔ تمہیں کوئی قبول نہیں کر رہا کوئی بات نہیں جس نے زندگی بھر تمہیں ساتھ رکھنے کا عہد کیا ہے وہ تمہیں قبول کر چکا ہے اور تم اسے۔۔۔ تم اس کے ساتھ رہو۔ یہیں سے تمہاری مشکلات کا خاتمہ شروع ہے اس کی ماں بہنیں تمہارے ساتھ ہیں تم سے خوش ہیں تمہیں اپنا فیملی ممبر تسلیم کر چکی ہیں۔"

"پھر وہی۔" ماہ نور نے جھکے سر ان کی طرف دیکھا وہ جس نے مجھے اتنا نقصان پہنچایا ہے اس کے ساتھ؟ استغفراللہ مظاہر دوبارہ اخبار الٹ پلٹ کرنے لگے۔

ماہ نور اندر ہی اندر کھولتی رہی شدید اختلاف کرنے کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈتی رہی۔

آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی مظاہر اخبار پھینک کر یوں اٹھے گویا انتظار ختم ہوا اور بہت تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

"السلام علیکم زبیر بھیا۔" پاشا کی زندگی سے بھرپور آواز ماہ نور کی سماعت سے ٹکرائی تو گویا حواس ہی گم ہو گئے اسے یوں لگا گویا وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو۔

پاشا نے بہت گرم جوشی سے ہاتھ آگے بڑھایا مگر مظاہر نے اپنے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے لیے تھے پاشا نے مسکرا کر اپنا بڑھا ہوا ہاتھ دیکھا اور پینٹ کی جیب میں پھنسا لیا۔

"کوئی بات نہیں فائدہ بڑا ہو تو چھوٹے نقصان کی کون پروا کرتا ہے۔" اس نے اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے نارمل لہجے میں بات کی اور مظاہر کی موجودگی کی وجہ سے بڑے محتاط انداز میں ماہ نور کی طرف دیکھا۔

"تو پھر مسٹر مظاہر! ہمارا انداز سو فیصد درست نکلا نا، مانتے ہیں؟" وہ بہت اطمینان سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"جی نہیں۔ صرف میرا اندازہ آپ کے بارے میں درست ہے اور وہ یہ کہ نرے احمق ہیں آپ۔" مظاہر نے جھلا کر جواب دیا۔

"مزید یہ کہ تفصیلات آپ کو مسز بتائیں گی جو حماقت میں بہرحال آپ پر سبقت رکھتی ہیں۔" مظاہر کے لہجے میں محسوس کی جانے والی تلخی تھی۔

"اس وقت تو ہم گدھے الو احمق بوہم سب کچھ کہلوانے کو تیار ہیں کاش آپ نے بھی کبھی یہ حسین حماقتیں کی ہوتیں۔ آپ کے منہ سے لفظ 'مسز' سن کر تو جی چاہتا ہے آپ کو ترقی دلوا کر کم از کم ہوم منسٹر تو بنوا ہی دیں کہہ دیں گے فلاں فلاں سیٹ پر انجمن تو کر تصور رہے ہیں کاغذ پر کوئی طنز شو کر کا کون سا مشکل کام ہے کہہ دیں گے۔ یار دوست کے پاس تھوڑا سا لگے ہاتھ پر پڑتا ہے بلا مقابلہ منتخب ہوئے ہیں۔"

وہ پھر ماہ نور پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر بڑی ترنگ میں بولا۔

"آپ کا کام ہو چکا مجھے آپ کے مزید ارشادات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ دعا کرتا ہوں میرا آپ کا کبھی زندگی میں سامنا نہ ہو یہ ہماری آخری ملاقات ہے ذہن نشین کر لیجیے۔ اپنی امانت وقت ضائع کیے بغیر لے جائیے میری طرف سے اجازت ہے۔"

مظاہر نے کھردرے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"مظاہر بھائی! ماہ نور جیسے سوتے سے جاگ پڑی کانپ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"اتنا ظلم تو اس ظالم نے بھی نہیں کیا آپ نے تو حد کر دی۔"

ماہ نور مظاہر کے پہلو میں یوں آ کھڑی ہوئی جیسے بچہ خوفزدہ ہو کر ماں سے چپکنے کی کوشش کرتا ہے

"یہ ظلم نہیں ہے کہ ہاں ظلم کا اپنی انتہا پر پہنچ کر خاتمہ ہے آج کے بعد بے گناہ و بے قصور ذرا سکون کا سانس لیں گے فرعون کے ساتھ بی بی آسیہ کا ذکر ملتا ہے معاذ اللہ میں تمہیں ان کے برابر نہیں کر رہا۔ وہ کنفرم بڑی ہستی ہیں تمہیں حوصلہ دینے کو ایک مثال دے رہا ہوں بہرحال اللہ نے مثالیں انسانوں کے لیے ہی بنائی ہیں۔"

"آج فرعون نمرود شداد تو دوران سب سنیں گے خدا بھی خوش نہیں آنے کا خوشی کی بڑی ہے۔" پاشا کا قہقہہ بہت جاندار تھا۔

"مظاہر بھائی! مجھے شوٹ کر دیجیے مگر پلیز۔" ماہ نور بلک بلک کر رونے لگی۔

"ماہ نور! میرے لیے یہ خوشی کا مقام ہرگز نہیں ہے مگر بعض اوقات حقائق قبول کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں رہتا۔"

مظاہر کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"مظاہر بھائی!" ماہ نور نے مزید بلکنا شروع کر دیا۔

"پاشا! اس کا خیال رکھنا اس سے زیادہ مظلوم ہونے جانے والوں میں کوئی [illegible]

بغیر نکاح نامے پر دستخط کیے ہیں میں اس کی بات کا یقین کرتے ہوئے یہ قدم اٹھا رہا ہوں۔ ماہ نور! میں نے تمہیں حل دیا تھا تم نے قبول نہیں کیا خدا حافظ۔"

"مظاہر بھائی!" ماہ نور ان کے پیچھے لپکی

"پاشا! اسے سنبھالو۔ مظاہر بغیر مڑے گویا ہوئے

"مظاہر بھائی!" ماہ نور نے پیچھے سے مظاہر کی شرٹ دبوچ لی۔

"ماہ نور! ختم کرو یہ جذباتیت کا سلسلہ۔ جی لینے دو ہم لوگوں کو چند سانسیں۔" مظاہر کے لہجے میں بلا کی تھکن تھی۔

پاشا نے آگے بڑھ کر ماہ نور کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیا سمجھ کر تمہیں ہوش میں لاؤں یار۔ کاش اس وقت میرے لیے پاس کیوڈ سنگھی ہوتی۔ وہ اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں سمیٹ کر بیڈ تک جاتے ہوئے شوخ انداز میں بڑبڑا رہا تھا۔

"مرکش گائے کی طرح بار بار کھونٹے سے اکھڑی جاتی ہو کیوڈ سنگھی کی واقعی اس وقت شدید ضرورت ہے۔"

اس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر عجیب سی روشنی تھی وہ پلک جھپکائے بغیر اس کا چہرہ جی بھر کر دیکھ رہا تھا۔

"اب کوئی مارجن نہیں بنتا۔ اسی کمرے میں اتنی سون کا آغاز ہوگا میری بانی چڑیا تھینک یو سر مظاہر آپ کی بڑی بادلی معاف کرتے ہیں۔"

وہ ماہ نور کا رخسار تھپتھپاتے ہوئے کہہ رہا تھا بچ تو آپ سے۔

☆☆☆☆☆

ربا بیڈ پر بیٹھی اپنی چوڑیوں سے کھیل رہی تھی چہرے پر یاسیت کی زردی گھنڈی ہوئی تھی اور عجیب سی ویرانی تھی کمرے کے ماحول میں لگا ہے گا ہے وہ نظر اٹھا کر دیوار پر آویزاں سون کی تصویر دیکھ لیتی تھی۔

بچے کی ہنوز ہمدردوں اور غم گساروں میں گھری بیٹھی تھیں وہ تصنع و چاپلوسی سے اٹے جملوں سے بیزار آچکی تھی کہ خواہش کے باوجود وہ ان کی دوستوں کے پاس بیٹھنے کی "ہمت" نہ کر سکی۔

کل کی رات کتنی لمبی تھی اور اتنی لمبی رات اس کی زندگی میں پہلے کبھی نہ آئی تھی خصوصاً نفیس خولہ کے چہرے پر کھنچی تفکر کی گہری لکیروں نے تو جیسے اسے ہلکان کر دیا تھا بڑی اماں کے بتائے ہوئے وظائف وہ صبح فجر تک پڑھتی رہی تھی اسے اپنے سسرال میں یہ بات بہت کھٹکی تھی کہ اتنے نازک موقع پر گھر کا کوئی فرد جائے نماز پر نظر نہیں آیا اور پھر ٹپ اپروچ کرنے کے چکر میں نیچے کر "بہت اوپر" تک اپروچ کرنے کا کسی کو شعور نہیں تھا بڑی اماں متواتر فون کر رہی تھیں پڑھنے کے لیے ورد بتا رہی تھیں اسے حوصلہ بھی دے رہی تھیں کہ جہاں انسانی عقل ساتھ چھوڑ دیتی ہے وہاں غیبی مدد کا راستہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔

"رو کر لی رہو اچھی خبر سنو گی انشاء اللہ۔ وہ اگر یہ نعین پر معاذ اللہ خدا بنا پھر رہا ہے تو اس کے ہوش ٹھکانے لگانے والا حقیقی خدا اس پر نگراں ہے۔"

دعاؤں طفل تسلیوں سے رات تو کٹ گئی تھی اور پھر ایک بوجھل دن کا سامنا تھا وصل میں تو جیسے ابھی تک وہ خود بھی سمجھ نہیں پائی تھی کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے؟ وہ جو ایک رشتہ قائم ہوا ہے اس رشتے کی کوئی خصوصیت اس کے تجربے میں نہیں آئی تھی بس ہتھیلی کی پشت پر ایک بوسہ اور چھیڑنے والی باتیں تھی۔

نہ ہی حسین وعدے نہ مستقبل کے حوالے سے خوب صورت باتیں۔

نہ وجود کا لمس نہ قربت کی خوشبو وہ ربا کے دو کناروں سا تعلق مگر پھر بھی کسی کے ہونے اور اس ہونے کی وجہ سے کا احساس۔

جی چاہتا تھا کوئی گھڑی گزرے کہ وہ آ جائے۔

تو یہ بعض اوقات ایک رہا ایک تعلق دنیا میں اپنے ہونے کا جواز بن جاتا ہے۔

کتنا بدصورت ہے یہ گل "اس" کے بغیر

وہ سر جھکائے جانے کب تک سوچوں میں غلطاں رہی۔

اچانک دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ وا ہوا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر پلکیں جھپکنا بھول گئی سامنے بلیک جینز اور اسکائی بلیو شرٹ میں ملبوس سون کھڑا تھا۔

چند لمحے تو بصارت کا دھوکا لگا وہ اسی طرح بیٹھی گھورتی رہی۔

سون نے دروازہ بند کیا پھر لاک کر دیا اور آہستہ قدموں سے بیڈ کی طرف آیا اور پائنتی کی طرف چند لمحے بیٹھا پھر جیسے خود کو بیڈ پر گرا دیا اور سینے پر دونوں ہاتھ باندھ کر آنکھیں موند لیں۔

ربا کے انداز نشست میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

چند منٹ یونہی گزر گئے۔

"کیسی ہو ربا؟" اچانک سون نے اسے مخاطب کیا وہ تالاب میں جیسے کنکر گرا وہ گویا ہوش میں آگئی۔

"آ... آپ" بس وہ اتنا ہی بول سکی۔

"ہاں یہ میرا بھوت نہیں ہے کہ میں خود ہی ہوں زندہ موجود۔" وہ اب آنکھیں کھول کر اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

ربا کی نظریں جھک گئیں۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ؟" ربا کی آواز بھرا گئی۔

"ہم کہاں گئے تھے کچھ مہرباں لے گئے تھے بہت شوق ہو رہا تھا انہیں ہماری خدمت کا اور واقعی بہت خدمت کی کہ ہر ہر لمحے اپنے وی وی آئی پی ہونے کا شک ہو رہا۔" وہ دھیرے سے ہنس پڑا۔

ربا نے بے یقینی سے اس کی صورت دیکھی۔

"ابھی میرے آنے سے پہلے کیا سوچ رہی تھیں بڑی گہری سوچ میں گم تھیں؟"

سون بہت مطمئن اور فریش نظر آ رہا تھا اور جس پر ربا کو حیرت تھی کہ "اغوا شدہ لوگوں کا تو حلیہ بگڑ جاتا ہے (ڈراموں فلموں میں تو یہی دکھاتے ہیں)

"کچھ نہیں۔ بس یونہی۔ وہ جھینپ کر بولی

"یہی کہ پتا نہیں میں زندہ واپس آؤں گا یا نہیں۔" وہ بولا۔ ربا دہل کر رہ گئی۔

"خیر اب تو میں نے نہیں سوچا تھا انسان کو اپنی دعاؤں پر بھی بھروسا ہونا چاہیے۔" وہ معصومیت سے جواب دے رہی تھی۔

"تو تم نے دعائیں کی تھیں؟" سون اس کی معصومیت بہت بھائی۔

"تو کیا نہیں کرنا چاہیے دعا۔" وہ تھوڑا ناراض نظر آئی۔

"بالکل کرنا چاہیے بہت خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جن کے لیے دعائیں کی جاتی ہیں۔"

"اچھا! دعا کی تھی؟" وہ شرارتی کی بات سے بہت مختلف دکھائی دے رہا تھا بہت موڈ میں تھا۔

"آپ اغوا ہوئے تھے یا یونہی خود ہی کہیں چلے گئے تھے؟" ریبا کو اس کے شریر انداز شک میں مبتلا کرنے لگے

"آپ کو پاشا نے کیا تھا ورنہ تو بہت ظالم ہے۔ بس یہی پریشانی تھی کہ پتا نہیں وہ آپ کو کتنا ٹارچر کرے" وہ پھر بولی۔

"اچھا تو تم ٹارچر کے نشان دیکھنا چاہتی ہو؟" وہ اسی موڈ میں پوچھنے لگا ریبا نے سہم کر اس کی شکل دیکھی۔

"بھئی وہ تمہارے پاشا صاحب بہت مہربان بندے ہیں کہنے لگے آپ کی نئی نئی شادی ہوئی ہے ہم آپ کی خاطر مدارات کرنا چاہتے ہیں آپ کے سسرال والے تو موقع نہیں دیں گے اس لیے ہم خود ہی آپ کو یہاں لے آئے ہیں واقعی انہوں نے مہمانداری کا حق ادا کر دیا میرا تو جی ہی نہیں چاہتا تھا کہ واپس گھر جاؤں بس تمہارا خیال آ گیا کہ پریشان ہو رہی ہو گی۔"

ریبا بڑی الجھن میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی آخری جملہ سن کر اس نے نظریں جھکا لیں۔

"سب ہی پریشان ہو رہے تھے صرف میں اکیلی تو نہیں۔" وہ آہستگی سے بولی

"ویسے کچھ پتا چلا کہ تمہاری کزن موصوفہ ماہ نور صاحبہ کہاں سے بازیاب ہوئی ہیں؟ ویسے مظاہر نے یہ غلط حرکت کی اسے ماہ نور کو چھپانا نہیں چاہیے تھا جبکہ وہ اس کی بیوی بن چکی ہے میرا مطلب ہے پاشا کی میری ابھی تک مظاہر سے ملاقات نہیں ہوئی ان سے پوچھوں گا ضرور ورنہ تو قانون کی پاسداری کرنے والوں میں سے ہیں۔"

"جی نہیں ماما جان نے انہیں کہیں نہیں چھپایا تھا ہمیں پتا ہے وہ تو خود اسے ڈھونڈنے پریشان تھے سب کو ڈھونڈنے پھر رہے تھے۔" ریبا نے برا مان کر کہا۔

"پھر میرے اغوا ہوتے ہی فوراً کیسے مل گئیں؟" مون نے سوال کیا۔

"وہ ایسے ہی ڈرامہ کر رہا ہو گا اس کی تو دشمنی ہے ہم سے۔" ریبا نے کہا۔

"اس کی دشمنی تو ماہ نور کے پیرنٹس سے ہونا چاہیے تم لوگوں سے کیوں؟"

مون نے ریبا کی طرف کروٹ لے کر اس کا چہرہ بغور دیکھا۔

"تو وہ ہمارے گھر میں جو رہ رہی تھیں۔" ریبا نے سادگی سے جواب دیا۔

"تمہارے گھر میں کیوں رہ رہی تھیں؟" مون نے برجستہ سوال کیا۔

"وہ پھوپھو وغیرہ کو پریشان جو کرتا رہتا تھا۔"

"آپ لوگوں نے حمایت کی تو آپ بھی دشمنوں میں شامل ہو گئے ہوں گے ویسے بے چارہ بندہ اتنا برا تو نہیں بڑا اچھا بولڈ ہے ہینڈسم ہے ریل آف بے لڑکیاں چاہیے ہوتا ہے کسی لڑکی کو اور تو اور اتنا مصروف بندہ پھر بھی اس نے عشق کرنے کی فرصت نکال لی۔" وہ مدھرے سے مسکرا دیا۔

"تو کیا عشق فرصت میں کرتے ہیں؟" بے ساختہ سوال ریبا کے منہ سے نکل گیا جس پر وہ محظوظ ہی ہو گیا۔

"ظاہر ہے بے فرصتے کے کھیل ہیں مجھے تو کبھی فرصت ہی نہیں ملی ورنہ میں بھی ٹرائی کرتا سنا ہے بڑا مزہ آتا ہے اس کھیل میں۔" وہ شریر انداز میں کہہ رہا تھا۔

"پتا نہیں ہم نے صرف پکچرز ہی میں دیکھا ہے۔" ریبا نے بہت بھولپنے سے کہا۔

"کاش ہم اس قابل ہوتے کہ آپ کو ہم سے عشق ہو جاتا۔" مون نے عجیب سے لہجے میں کہا اور جیسے کسی خیال میں کھو گیا۔

ریبا چند ثانیے خاموش رہی۔

"وہ اتنا اچھا نہیں ہے جتنا نظر آتا ہے شاید لڑکیوں کو ستا کر اسے مزہ آتا ہے آپی کے علاوہ اسے آج تک کوئی لڑکی ہی

نہیں ملی؟ اس کے رشتے داروں میں کیا لڑکیاں نہیں ہوں گی۔"

"مگر عشق سوچ سمجھ کر کہاں ہوتا ہے کتابوں میں تو یہی پڑھا ہے۔" مون نے کہا۔

"جو انسان محبت کرنے والا ہوتا ہے وہ تو بہت اچھا ہوتا ہے وہ کسی کو دکھ دینا کبھی بھی پسند نہیں کرے گا اور پاشا نے تو ہم سب کی زندگی مصیبت بنا دی ہے میں کبھی بھی یقین نہیں کر سکتی کہ انہیں محبت کا مطلب بھی پتا ہے۔"

"تمہیں پتا ہے؟" مون نے فوراً سوال جڑا۔ بہت غور سے وہ اس کی بات سن رہا تھا۔

"پتا ہے محبت کرنے والے سب کا خیال کرتے ہیں کسی کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتے جیسے ہماری بڑی اماں میرے سب بھائی سب سے زیادہ چندا بھائی وہ تو میری آنکھ میں آنسو دیکھ ہی نہیں سکتے"

"تمہارے خیال میں میں کس قسم کا انسان ہوں کیا میں انسانوں سے محبت کرتا ہوں؟" مون کے لہجے میں اس مرتبہ بہت سنجیدگی تھی۔

ریبا نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور پھر کچھ سوچنے لگی۔

"آپ کو ماما جان پسند کرتے ہیں اس کا مطلب ہے آپ صحیح ہوں گے۔" وہ بہت جھجکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں نے تمہارا خیال پوچھا ہے تمہارے ذہن میں میرا کیسا امیج آتا ہے؟ افسوس کا مقام تو یہی ہے کہ سب لوگ مجھے "صحیح" کہتے ہیں۔" وہ عجیب گم صم سے انداز میں گویا ہوا۔

"میں نے تو ابھی آپ کے ساتھ پورے چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزارے آپ اچھے ہی ہوں گے جب ہی تو ہمارے گھر والوں نے۔" ریبا بولتے بولتے ایک دم چپ ہو گئی۔

"تمہارے ساتھ میری شادی کی ہے یہی کہنا چاہ رہی تھیں؟" مون مسکرا دیا "کتنی الوصف ہو تم اپنے جذبات سے بھی اتنی جھجک ہے ورنہ آج کل تو تمہاری عمر کی لڑکیاں شادی سے پہلے افیئر چلاتی ہیں اور اتنی کھل کر باتیں کرتی ہیں کہ ہمیں شرم آ سکتی ہے۔ میں تم جیسے سچے موتی کے کہاں قابل تھا کوشش کروں گا میری ذات سے تمہیں کبھی دکھ نہ پہنچے ویسے ایک بات بتا دوں۔ تمہاری ذہنی کے لیے بہت مشہور کہاوت ہے کہ انسان اور قیمتی پتھر کی شناخت بہت مشکل کام ہے۔"

ریبا نے الجھ کر اس کی سمت دیکھا۔

"ویسے ریبا تم مجھے اچانک سامنے دیکھ کر اتنی حیران نہیں ہوئیں جتنا کہ ہونا چاہیے تھا۔" مون نے خود ہی حیران ہو کر پوچھا۔

"وہ تو ماما جان کہہ ہی چکے تھے کہ آپ چند گھنٹوں بعد پہنچ جائیں گے ظاہر ہے انہیں کچھ پتا ہو گا تب ہی تو کہا تھا۔" وہ سادگی سے جواب دے رہی تھی۔

"کیا یقین ہے تمہارا اور کتنا اعتبار ہے تم میں فرض کرو میں آج بھی نہ آتا؟"

"تو کل آ جاتے۔" وہ اعتماد سے بولی۔

"ہاں جہاں اتنا مضبوط یقین ہو وہاں کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے پھر تو واپس آ جاتا۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر ریبا کا ہاتھ تھام لیا۔ ریبا کے وجود میں سنسناہٹ دوڑنے لگی۔

"نوبی کو پتا ہے آپ گھر آ گئے ہیں؟" اس نے بوکھلا کر ماحول کا تاثر بدلنا چاہا۔

"سب کو پتا ہے انہوں نے ہی کہا تھا تم ریبا کے پاس جاؤ وہ بہت پریشان ہے تم بہت اچھی ہو ریبا! لگتا ہے تمہیں مجھ سے محبت ہو ہی جائے گی ریبا! میرے ساتھ رہ کر بہت مشکل ہے کہاں تک سمجھو گی؟" وہ کسی خیال میں گم ہو چکا تھا۔

"تو آپ زیادہ کام نہ کیا کریں۔ اتنی زیادہ محنت کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے کس چیز کی کمی ہے آپ کے پاس۔" وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔

"کچھ بھی نہیں ہے میرے پاس۔" وہ یکلخت شکستہ سا دکھائی دینے لگا۔

ریبا نے تعجب سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"ہاں ریبا! میں سچ کہہ رہا ہوں کچھ بھی نہیں ہے میرے پاس۔" اس آہستگی سے ریبا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆☆

سون تو باتیں کرتے کرتے یوں سو گیا تھا جیسے بچے ہنستے کھیلتے یا روتے روتے اچانک سو جاتے ہیں ثنایاہ سے گھر سے وہ جب رخصت ہوئی ریبا اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی جیسے خواہ سے یہاں نیند آئی تھی جیسے میں تو اس پر گئی ہے نیند کے دورے پڑتے ہیں اور کبھی لاؤنج میں کشن سر کے نیچے رکھ کر سو جاتی تھی کبھی ڈرائنگ روم میں صوفے پر کوئی میگزین دیکھتے دیکھتے مگر یہاں اگرچہ چند راتوں کا ہی تجربہ تھا مگر نیند جیسی نیند نہیں ہوئی تھی دوسری اہم بات یہ کہ سون کے اغوا کا واقعہ بھی فوراً ہی پیش آ گیا۔ اس وجہ سے بھی اسے اس گھر میں اچھی اور فطری نیند کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔

وہ آہستگی سے بیڈ سے اتری۔ دوپٹہ درست کیا اور نیچے لاؤنج میں چلی آئی نیچے سناٹا طاری تھا آئے ہوئے مہمان جا چکے تھے۔

"ممی کہاں ہیں؟" اس نے منشی سے پوچھا جو صوفے میں دھنسا اخبار دیکھ رہا تھا۔

"وہ اپنے بیڈ روم میں ہیں۔" منشی ایک دم مودبانہ کھڑا ہو گیا اور جواب دیا۔

"کیا ڈیڈی بھی ہیں؟" اسنے کچھ سوچتے ہوئے دریافت کیا۔

"جی نہیں۔ وہ آفس جا چکے ہیں۔"

"آئی ایم سوری میں آپ کو مبارکباد دینا بھول گیا۔" منشی کو صاحب دھیان آیا۔

"تھینک یو" وہ ثنایانہ کے بیڈ روم کی طرف بڑھتے ہوئے گویا ہوئی۔

اس نے بیڈ روم کے دروازے کے سامنے پہنچ کر کچھ دیر سوچا پھر آہستگی سے دستک دی۔

"کون؟" ثنایانہ کی آواز آئی۔

"میں ہوں ممی۔"

ہاں ہاں ریبا آ جاؤ۔ ثنایانہ کا انداز خاصا گرم جوش محسوس ہوا۔

وہ دروازہ دھکیل کر اندر چلی آئی اور دروازہ پھر بند کر دیا۔

پردے گرے ہوئے تھے اور بہت مدھم روشنی تھی ثنایانہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ہوئی غالباً مساج کر رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے... سون کیا کر رہا؟" وہ آئینے میں اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"سو... رہے ہیں۔" اسنے جواب دیا اور ان کے نزدیک رکھی چیئر پر بیٹھ گئی۔

"تھینکس گاڈ یہ بڑا اہم دن ہوا مگر یہ پھر بھی معلوم نہیں ہو سکا وہ تمہاری کزن چھپی ہوئی کہاں تھی۔ اور اس بندے کو بھی سمجھ نہیں پائی سون بتا رہا تھا کہ اس کا لیونگ اسٹینڈرڈ بہت ہائی ہے اور وہ یوں ظاہر ہوا جیسے وہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہو بہرحال حیرت کیا ہم کس قدر پریشان ہوتے رہے کہ جانے سون کے ساتھ وہ کیا سلوک کر رہا ہے لگتا ہے۔ بس اس نے ڈائننگ

کے طور پر یہ ڈرامہ رچایا تھا مگر ڈرامہ تھا تو خطرناک ہارٹ فیل بھی ہو جاتے ہیں ان کیسز میں مجھے تو خوب پی فکر تھی ان کو ایک ہو چکا ہے اس ایک لڑکی کی وجہ سے کتنے لوگوں کی جان کو خطرہ تھا ہم تو خیر خواہ تھے وہ اس معاملے میں گھسیٹے گئے۔"

ریبا نے مجرموں کی طرح نگاہ جھکا لی۔

"ویسے ریبا! مظاہر کا تو کوئی انٹرسٹ نہیں تھا اس لڑکی میں؟" انہوں نے ریبا سے پوچھا وہ چہرہ پالش کرنے میں مشغول سے معروف تھیں۔

"نہیں ممی! ایسی تو کوئی بات نہیں حالانکہ ہم سب گھر والے چاہتے تھے کہ وہ آپی سے شادی کر لیں سب سے زیادہ تو میں ہی چاہتا میرا مطلب ہے چاہتی تھی۔" ریبا اپنی بھول پر گھبرا گئی۔

"شکر ہے کا جان کسی بھی قیمت رضامند نہیں ہوئے۔"

"تو کیا کہیں کمیٹڈ ہے؟ ورنہ وہ لڑکی کوئی میں دیکھ چکی ہوں بہت کیوٹ ہے۔" ثنایانہ نے تعجب سے کہا

"اور کیا مجھے تو آپی بہت پسند ہیں ہمیشہ سے پتا نہیں کا جان کیوں نہیں مانے کمیٹڈ تو وہ نہیں ہیں، بڑی اماں نے پوچھا تھا۔" ریبا نے جواب دیا۔

"اس لڑکی کی کوالیفکیشن کیا ہے"۔

"اف یہ لڑکی وہ لڑکی۔ اس لڑکی۔ اس لڑکی۔" ریبا کا دفعتاً سے برا حال ہو گیا (نام بھول گئی ہیں تو پوچھ سکتی ہیں)

"جی ماہ نور آپی نے گریجویشن کیا ہے" ریبا نے ماہ نور پر زور دے کر کہا۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے پڑھی لکھی بھی ہے ماشاءاللہ تمہارے چھ بھائیوں میں سے کسی کے ساتھ بھی ہو سکتی تھی خیر یہ قسمت کی بات ہوتی ہے۔"

"مظہر بھائی اور اظہار بھائی تو آپی سے چھوٹے ہیں۔" ریبا نے ان کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"ہوں یہ پتا نہیں چلا کہ کہاں تھی؟ ابھی بھی بہت احتیاط کی ضرورت ہے ایسے بندے کا کوئی بھروسہ نہیں ابھی کچھ روز تک تم بھی دھیان رکھنا میکے آنے جانے کا سلسلہ کچھ عرصے کے لیے بند پہلے اندازہ ہو جائے کہ پچویشن کیا ہے ابھی ولیمہ بھی ہونا ہے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بڑی اماں اور تمہارے بھائی تم سے روز ملنے کے لیے یہاں آ سکتے ہیں۔"

ثنایانہ نے پابندی کے ساتھ ساتھ تسلی کا بھی اہتمام کیا۔

"ویسے کنفرم ہو گیا کہ نکاح ہو چکا ہے؟" ثنایانہ نے پوچھا

"پتا نہیں۔" ریبا نے افسردگی سے گردن ڈال کر جواب دیا۔

"ہاں خیر یہ بات تو ظاہر تھا سے معلوم ہو گی۔" ثنایانہ نے خود ہی کہا اور ٹشو پیپر سے چہرہ پونچھنے لگیں۔

"یہ سون تو زیادہ سوشل نہیں ہے لیکن تم اگر شوق رکھتی ہو مل جل کا گھومنے پھرنے کا تو ادھر کوئی مسئلہ نہیں ہے میں ہوں نا، تم میرے ساتھ رہو گی کہ سوسائٹی موو کرنا کتنا دلچسپ ہے بے شمار ایکٹیویٹیز ہوتی ہیں ابھی تو ولیمے کے انتظامات باقی ہیں اس کے بعد میں تمہیں اپنے سرکل میں لے جاؤں گی مجھے یقین ہے تم بہت انجوائے کرو گی۔

اب دیکھو نا گھر میں تو کوئی خاص کام نہیں ہوتے گھریلو ایکٹیویٹیز تو سرے ہی سے نہیں ہیں بس ناشتہ ہی اس گھر میں ریگولر ہوتا ہے۔ پچھلے تم میں کوئی بھی نہیں ہوتا تو زیادہ تر سون اکیلا ہی ہوتا ہے خیر اب تو تم آ گئی ہو تو جب گھر میں آتا ہے کہتا ہے کہ میں کھانا کھا چکا ہوں۔

"گھر میں بند ہوتے ہیں تو کام بھی ہوتے ہیں مطلب یہ ہے" میر اشاہانہ نے آئینے میں بغور اس کا چہرہ دیکھا
"مگر ہم جن کاموں میں مصروف ہوتے ہیں وہ بہت انٹرسٹنگ ہوتے ہیں تم فلی انجوائے کرو گی اور ہاں سنو میں اپائنٹمنٹ لے چکی ہوں ٹھیک پانچ بجے بیوٹی کلینک پہنچنا ہے آج سے ریلیکس کی باقاعدہ شروع اس بیوٹیشن سے ایک ڈیڑھ مہینے پہلے اپائنٹمنٹ لینا ہوتی ہے مگر میرے ٹرمز بہت پرانے ہیں میں ان کے پاس ان کے شروع عرفت سے جاتی ہوں۔"
"ٹھیک ہے؟" زر بولی
"نئی، کاٹن کے کپڑے پہن لوں گی، میرا مطلب ہے وہاں جانے کے لیے۔" زریا نے اٹھتے ہوئے پوچھا
"ہاں، ہاں جو تمہاری مرضی ہو پہن لینا میں نے چکن و ویجیٹیبل سوپ بنوایا ہے کہو تمہیں بھجوا دوں؟ اگر بھوک لگ رہی ہو تو ساتھ میں کچھ کھا بھی لینا۔ اپنی ڈائٹ کا اسپیشلی خیال رکھو جوس وغیرہ زیادہ استعمال کرو تا کہ زیادہ سے زیادہ فریش نظر آؤ دلہن بن کر بہت اچھی لگو بے تحاشا لوگ تمہیں ریلیکس کے روز پہلی بار دیکھیں گے۔"
وہ بنا کچھ کہے کمرے سے باہر آ گئی وہ تو یہ سوچ کر ان کے پاس آئی تھی کہ ان سے بڑی اماں کے پاس جانے کے لیے کہے گی مگر انہوں نے شام کا دوسرا ہی پروگرام بنا رکھا تھا۔

☆☆☆☆☆

وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے سامنے دیوار کو تک رہی تھی پاشا بیڈ پر بیٹھا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔
"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کسی کو بھی کچھ نہیں کہوں گا بس اتنا بتا دو مظاہر نے تمہیں چھپایا ہوا کہاں تھا؟ میں نے تو اس کے تعاقب میں بندے چھوڑے ہوئے تھے مگر وہ دفتر اور گھر کے علاوہ کہیں آتا جاتا نظر ہی نہیں آیا زمین سے نہ خانے میں اتری ہوئی تھیں؟"
ماہ نور کی آنکھوں کی پتلیاں ذرا کی ذرا متحرک ہوئیں پھر کسی ماورائی نقطے پر ٹھہر گئیں۔
"ڈر ہے بڑی ہیلپ کر رہا ہے تمہارا یہ کزن کوئی انٹرسٹ تو ہوگا؟ بندہ تو ٹھیک ٹھاک ہے تمہارا بھی ہو سکتا تھا لیکن اب کیا ہو سکتا ہے اب تو تم میری منکوحہ بن چکی ہو میرا خیال ہے ہماری زندگی میں تمہارے اس کزن کی مداخلت یہ آخری مرتبہ تھی یہ بات ذہن میں بٹھا کے لیے! ورلو کہ تمہارا یہ کزن تمہارے ہونے والے بچوں کا ماموں جان ہے شاید تم نے سنا ہو گا صاحب عاشق ابا جان ناکام عاشق ماموں جان۔ تم نے میری نو ماہ کی عبادت بہت ضائع کیا ہے۔ کیسی لڑکی ہو تم؟ تمہیں زندگی سے در کیا چاہیے؟ کیا نہیں ہے تمہارے پاس؟ وہ سب جس کی تمنا ہر عورت کرتی ہے بعض عورتوں کے پاس دولت بھی بہت ہوتی ہے عزت بھی مگر جیون ساتھی کی سچی محبت نہیں ہوتی ان کا ساتھی ان کا حق ادھر ادھر لٹاتا پھرتا ہے اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ تمہارے پاس تو سب کچھ ہے دولت بھی محبت بھی۔"
"تم ایک مغرور اپاہج انسان ہو اندھے بہرے دل کی بدبختی سے محروم۔ محض ایک سرخ و سفید مٹی کا بت۔" زر جیسے پھٹ پڑی۔
"کسی بت کے ساتھ زندگی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ پتھر کی رفاقت میں تو انسان خود بھی پتھرا جاتا ہے خواہ مجبور کے زخم ہیں تمہیں سیدار وقت کسی ایسی جگہ کرتی جہاں تمہارے پاس موجود سونے چاندی کی اہمیت ہوتی تمہاری دولت کی پوجا کی جاتی تم نے مجھے طاقت دولت کے بل پر حاصل کر لیا مگر بعض سے تمہارا خیال ہے جسم مطیع ہوتے ہیں روح غلام نہیں بن سکتی بڑے بڑے ... جن کے تاج و تخت کو آگ لگا کر غلام جسموں مگر آزاد روحوں نے تم بے فکر رہو پاشا! میں جب تک تمہیں ... زندگی کی آخری سانس تک تم سے قریب رہوں گی مگر تم عمر بھر مجھے ڈھونڈتے پھرو گے۔" زر اتنا کہہ کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا ... بلک بلک کر رونے لگی۔

"میں نے تمہیں غلام نہیں بنایا بلکہ اپنے دل کی ملکہ بنایا ہے ماہ نور! میں نے تم سے محبت نہیں عشق کیا ہے مجھے ذرا پروا نہیں کہ تم مجھے بدلے میں کیا دیتی ہو میں تمہیں چھوکر عشق کی معراج سے گزرنا چاہتا ہوں ایک تم نہ ہونے والی خوشی کا سرور چاہتا ہوں۔
میں نے پہاڑ کاٹے ہیں تو تمہیں پایا ہے۔
"بس میں تمہیں ایک بار چھو لوں پھر تمہیں اپنے گھر میں کسی سنہرے پنجرے میں سجا دوں تمہیں دیکھوں اور کامیابی کے نشے میں مدہوش ہو جاؤں۔"
"بہتر ہے کہ تم اپنی خواہش کو پورا کر کے مجھے اپنے گھر کے کسی کونے میں سفید کفن پہنا کر دفنا دو سنگ مرمر کی قبر پر سونے کی تحریر میں ایک بڑا کتبہ سرہانے سجا دو اس پر ہیرے جواہرات کے نقش رنگا رنگ ہوں دولت اور کامیابی کا عظیم الشان نشان۔" آنکھ پھر کا مستقل نشہ۔" زہر چنگار رہی تھی اور پھنکار میں گویا دوزخ کی آگ کی لپٹیں تھیں۔
"کتنا بہادر بنا دیا ہے میں نے تمہیں کتنی مغرور ہو گئی ہو تم ورنہ تو ہو تم جو نظر اٹھاتے ہوئے ڈرتی تھیں واہ کیا تبدیلی ہے"
وہ شرارت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔
"جب انسان زندگی کے لالچ سے آزاد ہو جاتا ہے تو بہادر ہو جاتا ہے اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں ہے" وہ سابقہ انداز پر قائم تھی۔
"اتنی محبت تو ہم نے دولت حاصل کرنے کے لیے نہیں کی جتنی تمہیں حاصل کرنے کے لیے کی ہے تمہارے لیے تو ایک محل بنوائیں گے پھر اس میں تمہیں سجائیں گے مریں تمہارے دشمن اور ہمارے بھی میں جانتا ہوں ماہ نور! ابھی تمہیں میری محبت کا یقین نہیں مگر ایک روز سچ ضرور جیتے گا۔ مجھے یقین ہے۔"
"مت کرو سچ و یقین کی باتیں۔ تم درندوں کو اس کا کیا شعور۔" وہ چیخ پڑی۔
"اف اب تو چیخنے بھی لگی ہو لگتا ہے ہم آئیڈیل میاں بیوی بنیں گے جھگڑنے والے ہماری جنگوں سے بہت محظوظ ہوا کریں گے اور دیسے میں سوچتا تھا ماہ نور کی تو آواز ہی نہیں نکلتی ہم لڑیں گے کیسے؟" اپنی بات کے اختتام پر اس نے ایک قہقہہ لگایا۔
"اچھا سنو ای کہ رہے میں ہنی مون کا آغاز کرنا ہے یا گھر چلیں؟ مگر یہ تمہارا حلیہ کیا ہو رہا ہے؟ چلو تمہیں شاپنگ کرا دیتے ہیں۔"
"میرا حلیہ ٹھیک ہے قیدیوں کا ایسا ہی حلیہ ہوتا ہے" وہ پھر پھاڑ کھانے کو دوڑی
"مگر ہمارے ہاتھ میں خرچ کرائی کھجلی ہو رہی ہے جی چاہتا ہے آج تم پر دل کھول کر لٹا دیں۔"
"حرام کی دولت لٹائی ہی جاتی ہے" وہ غرائی۔
"دولت حرام کی ہو یا حلال کی لٹانے کے لیے دل چاہیے ہوتا ہے دل تو آپ پر لٹا چکے اب دولت لٹائیں گے" وہ تھوڑا آگے کھسکا۔
"بس میری جان! بڑی انگارے بعد میں چبا لینا اس نے ماہ نور کا ہاتھ تھام لیا۔
ماہ نور نے حیرت انگیز طور پر کوئی مزاحمت نہیں کی۔
"کتنا برف ہو رہا ہے تمہارا ہاتھ۔ حالانکہ منہ سے تو آگ نکل رہی ہے بلکہ آتش فشاں ابل رہا ہے"
ماہ نور منہ بھینچے بیٹھی رہی۔
"ویسے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے اچھی باتیں بھی کر لینا چاہیں کوئی مضائقہ نہیں اور سناؤ کیسی ہوتی ہے غاروں کی زندگی؟ جنگل کیسا تھا کرائی جانوروں سے تو خاصی دوستی ہو گئی ہو گی جب آ رہی ہو گی تو بہت اداس ہوں گے جنگل کے باہر تک آئے ہوں گے الوداع کہنے پوچھتے ہوں گے کہ پھر کب آئیں گی؟"

پاشا کی خوشی سرمستی میں بدل رہی تھی۔

"چھ بار کبوتر بھون کر کھائے تھے یا کچے ہی چبا لیے تھے" وہ اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ دبا رہا تھا اس کے ہاتھوں کی گرمی ماہ نور کے وجود کو پگھلانے کے لیے کافی نہیں تھی۔

"چلو ماہ! بازار شاپنگ کو چلتے ہیں آج شہر میں تمہیں لے کر آزادی سے گھومیں گے پتا نہیں کتنی بار خود کو یقین دلائیں گے کہ تم ہمارے ساتھ ہو یہ خواب نہیں حقیقت ہے ماہ نور! میں تمہارا اپنا ہوں شوہر۔"

ماہ نور نے آہستگی سے پلکیں اٹھا کر پاشا کی صورت دیکھی جسے خوشی کی جھلملاہٹ نے سنہرا کر دیا تھا۔

"لفظ "اپنا" بہت اجنبی ہے میرے لیے پاشا! میں تمہاری احسان مند ہوں تم نے مجھے پتھریلی حقیقتوں سے روشناس کرایا ہے چار حرفوں سے بنا یہ لفظ کس احمق کی اختراع ہے ہر رشتہ مشکوک دور بے معنی ہے میرا تمہارا رشتہ ظالم و مظلوم کا رشتہ ہے میں اسی رشتے کے حوالے سے تمہارے پاس ہوں اس تعلق کو قبول کرتی ہوں بس یہی سنگین رشتہ دنیا میں سچا رشتہ ہے ظلم اور نفرت جیسی سچائیاں ہیں اٹوٹ رشتے ہیں میں نے ان سچے رشتے کو پسند کر لیا ہے چلو کہاں لے کر جا رہے ہو مجھے" اس نے بیڈ سے پاؤں لٹکا کر چپلیں ٹٹولیں۔

"عشق مصلحتوں سے دور اور بے خوف ہوتا ہے ایک روز تمہیں یہ جذبہ تم سے منوا دے گا۔"

پاشا جو بہت توجہ سے اس کے الفاظ سن رہا تھا یکدم دھیان سے باہر آ کر گویا ہوا اور خود بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اب ہم نے کچھ نہیں جاننا کچھ نہیں سیکھنا کتاب بند کر دی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور چادر ٹھیک سے اوڑھنے لگی۔

"ابھی تو آپ پریپ کلاس اٹینڈ کر رہی ہیں ان شاء اللہ اسکالر بنا دیں گے اپنی کمپنی میں۔" پاشا پر اس کے زیر و زبر لہجے کا مطلق اثر نہ تھا۔

وہ تو اس وقت ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔

پاشا اٹھ کر فون تک گیا۔ ماہ نور دروازے پر رک کر اس کا انتظار کرنے لگی۔

"جی اماں میں پاشا جی...... جی۔"

"وہ میں ماہ نور کو لے کر دو تین گھنٹے بعد گھر پہنچوں گا اچھا سا کھانا بنا لیجیے گا سب ساتھ کھائیں گے جی جی۔"

"بس بس اماں! باقی تفصیل گھر پر ہو گی" اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"بوڑھی ماں کو تو بخش دیا کرو کب تک کھانے بناتی رہیں گی۔" وہ ناگواری سے بولی تھی۔

☆☆☆☆☆
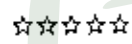
جس وقت وہ گھر میں داخل ہوئے قمر النساء سارے گھر میں روشنیاں کر کے بڑی بے تابی سے انتظار کر رہی تھیں۔

ماہ نور کے ہاتھ میں زوردار شاپنگ کی نشانی ایک بہت خوب صورت و قیمتی ہینڈ بیگ تھا۔ باقی سامان پاشا نے اٹھایا ہوا تھا۔

اس وقت تو پاشا پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی جب ایک شاپ کے سامنے ماہ نور نے رک کر پاشا سے کہا۔

"میں ایک بڑا ہینڈ بیگ لینا چاہتی ہوں۔" پاشا کا بس نہیں چلا کہ پوری دکان خرید لیتا دس بارہ رنگین سوٹ کاسمیٹکس شوز چپل باتھ وال انڈر گارمنٹس کی شاپ میں داخل ہوتے ہوئے ماہ نور کے پسینے چھوٹ گئے تھے اس نے کبھی خواب میں بھی اس قسم کی شاپنگ کا نہیں سوچا تھا۔ وہ بھی پاشا کے ساتھ مارے حیا کے وہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکی مجھے یہاں کیوں لائے۔ ہمارے ہاں لڑکیاں اس قسم کی شاپنگ نہیں کرتیں محلے میں ایک عورت آتی ہے گٹھڑی لے کر امی ہمیشہ اسی سے ہی "ضروری اشیاء" لے لیتی ہیں۔

پاشا اس کی کیفیت سمجھ گیا تھا اور اس نے اپنے طور پر تمام چیزیں "ضروری اشیاء" لے لی تھیں ماہ نور تو بس تعجب سے ان خواتین کو دیکھتی رہی جو باقاعدہ اچھی طرح "چیک" کر کے ضروری اشیاء لے رہی تھیں جتنی دیر شاپ پر رہی اتنی دیر ٹانگیں ہولے ہولے لرزتی رہیں۔

قمر النساء گیٹ کے نزدیک ہی ٹہل رہی تھیں جو پہلے تو جیسے انہیں اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا اس کے شانے پکڑے صورت دیکھتی رہیں پھر زور سے سینے سے لگا کر بھینچ لیا وہ آہستہ آہستہ سسک رہی تھیں۔

"کسی کا نہیں کم از کم میرا خیال ہی کر لیتیں کہاں چلی گئی تھیں۔"

"اماں! اندر تو چلیں" پاشا سامان اٹھائے ہوئے تھا اس لیے کلاوت متاثر ہوئی قمر النساء اسے تھام کر لاؤنج میں لے آئیں۔

پھر دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر روشنی میں بغور اور محبت کے ساتھ دیکھا۔

"اچھی طرح چیک کر لیں اماں! وہی ہے یا کسی اور کو پکڑ لایا ہوں۔" پاشا نے ساری شاپنگ صوفے پر پھینک دی اور خود بھی ایک طرف گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

"کسی اور کو گھر میں لا کر تو دکھا کیا کروں گی پھر تمہارے ساتھ۔" قمر النساء نے اسے گلے سے لگایا

"جب سے تم گئی ہو بچی! اللہ گواہ ہے نہ پیٹ بھر روٹی کھائی نہ نیند بھر سوئی راتوں کو مصلے بچھا کر بس دعائیں کیں بس دعاؤں کا آسرا تھا اور اسی وجہ سے یقین کہ تم ضرور لوٹو گی۔ اللہ نے دعا قبول کی شکرانہ۔ یہ اپنی سوتی چادر اتار دو وہ پسینہ تو ہو گا۔" وہ اس کی چادر اتارنے لگیں۔

"وہ چادر...... یہ ڈھیر خرید کر لائے ہیں اسے استعمال کرائیے اور اپنی بہو سے کہیے کہ نہا دھو لیں رنگت تو بتا رہی ہے کہ مدت سے نہیں نہائیں ویسے جنگل میں نہانے کا تو کوئی رواج ہوتا نہیں ہے سنا ہے نمبر وار ہوتے ہیں نہ دھلواتے ہیں جب بادشاہ کا یہ حال۔ ہے تو رعایا کو کیا پڑی ہے؟" پاشا نے ڈبے کھولنا شروع کیے۔

"محترمہ! اچھی طرح غسل کیجیے باڈی اسپرے کلون ذرا اسی طرح استعمال کیجیے۔ ٹالکم پاؤڈر چھڑکیے اتنی محنت کیجیے کہ پتا نہ چل سکے کہ آپ جنگل میں رہ کر آئی ہیں۔"

پاشا کی خوشی بے پایاں تھی وہ بہت خوش تھا گھر بے ربط تھا یا اچانک ملنے والی خوشی سے اس کا نروس سسٹم متاثر تھا اس کے ملنے کی خوشی پھر ان کے ہمراہ آمادگی اور سکون کے ساتھ سفر و شاپنگ اسے تو یہ سب ایک حسین خواب محسوس ہو رہا تھا۔

"ہاں ٹھیک تو ہے پتا نہیں کہاں کہاں کی تھکن اٹھائے پھر رہی ہو نہا دھو کر کھانا کھا کر آرام کر لو۔ کل کروں گی تم سے باتیں اس سے تو اپنا قصور پوچھتی رہتی ہوں تم سے بھی پوچھوں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم یہ سوٹ پہنو" پاشا نے لائٹ گرین اور ڈارک گرین کے کنٹراسٹ والا ایک خوب صورت کاٹن کا سوٹ اس کے سامنے کیا۔

"جی ٹھیک ہے یہی پہن لیتی ہوں۔" ماہ نور نے سوئی سوئی سی آواز میں جس تابعداری کا مظاہرہ کیا وہ دیکھ کر تو جیسے قمر النساء پر غشی طاری ہونے لگی نہ کوئی جھجک نہ ہچکچاہٹ یوں جیسے پتا نہیں کتنے عرصے سے ساتھ رہ رہی ہو۔

"اور یہ بھی خوشبوؤں کا استعمال دل کھول کر کرنا مجھے خوشبو بہت پسند ہے۔" اس نے ایک بڑا سا شاپنگ بیگ اس کی طرف بڑھایا۔

"جی!" ماہ نور نے جی کہہ کر وہ بیگ بھی تھام لیا۔

قمرالنساء نے معاً کسی دھیان سے خوفزدہ ہو کر ماہ نور کی صورت دیکھی تھی اس کے ذہن کو تو کچھ نہیں ہو گیا عموماً غیر معمولی حالات و حادثات سے انسان کا ذہنی توازن بھی بگڑ جاتا ہے۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے ناں اس کی؟" قمرالنساء نے مخبری خیز انداز میں بیٹے سے پوچھا

"ایک دم فرسٹ کلاس اتنی اچھی طبیعت تو شاید پہلے کبھی نہیں ہوئی ہو گی۔" پاشا کے انداز میں عجیب سی وارفتگی تھی۔

قمرالنساء پاشا کے جواب سے مطمئن نہیں ہوتی تھیں مگر مصلحتاً خاموش ہو گئیں ماہ نور اپنی ضرورت کی چیزیں اٹھا کر قمر النساء کے بیڈ روم کی طرف بڑھی۔

"اماں! اسے اس کا کمرہ دکھا دیجئے" پاشا نے ماں سے کہا۔

"ہاں بیٹی! اس طرف آؤ یہ ہے تمہارا کمرہ انہوں نے اس کا بازو تھام کر نشاندہی کی۔

ماہ نور ان کی امراہی میں آگے بڑھی

قمرانساء اسے پاشا کے کمرے میں چھوڑ کر بڑی بے تابی کیساتھ پاشا کے قریب آئیں۔

"بیٹے! کہاں تھی یہ؟ اپنوں ہی کے پاس تھی۔ ماں۔ محفوظ جگہ تھی۔"

"ظاہر ہے اب اتنی طرم خان تو نہیں ہیں کہ اپنے طور پر نکل جاتیں ابھی میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی اس کے کزن مظاہر نے چندا اور کیا ہے ہو گی ان ہی کے پاس تب ہی تو یہ نوبت آئی ورنہ کیا ایمرجنسی میں خود کھڑا تے؟ فکر نہ کریں خود بتا دے گی سب بتا دے گی۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"لیکن یہ کیا بات ہوئی جب خود ہی حوالے کر دیا تو چھپایا کیوں تھا؟" قمرانساء کے تو خاک پلے نہیں پڑا۔

"اماں! اس دنیا میں ہر وقت ہر جگہ "تم" ہو رہا ہے کارڈ استعمال کر آ ما چاہیے۔" اس کے انداز میں جیتنے والوں کا سا فخر تھا۔

"تو کیا تمہیں بلا کر تمہارے ساتھ بھیجی۔" قمرانساء جیسی سادہ مزاج عورت الجھ کر رہ گئی تھی۔

"فون کیا تھا اس کے کزن نے کہ آ کر لے جاؤ۔" پاشا نے کہا۔

"اچھا؟" قمرانساء اظہار تعجب کے بعد پھر سوچ میں پڑ گئیں۔

"جب یہ تمہارے ساتھ آئی تو کون کون تھا وہاں؟ وہ پھر سوال کر بیٹھیں

"کوئی نہیں بس ایک اکیلا تھا اور بے چارہ سا کزن جس پر اسے سب سے زیادہ گمان رہا ہے۔" پاشا نے تمسخرانہ کہا۔

"اچھا اور کوئی نہیں تھا؟" وہ خود کلامی کرنے لگیں۔

"بس اماں! اب چھوڑیں بھی۔ آ گئی ہے تو بتا بھی دے گی سب کچھ آہستہ آہستہ فی الحال تو خوش ہو لینے دیں جیت کا نشہ چڑھنے دیں اس نشے کا جواب نہیں۔"

قمرانساء نے ایک آہ سرد کھینچی اور بہت دکھ سے اس کی طرف دیکھا

"تم اس ہیرے کے لائق نہیں تھے پاشا! تمہیں جیت کا نشہ ہے اور مجھے ہار کا غم ہے میں حق کا ساتھ نہیں دے سکی اور کسی بے بس کو دلاسا نہ دے سکی کسی ڈوبتے ہوئے کی مدد نہ کر سکی۔"

"اب بھی اس کی بدنصیبی۔ خوش نصیبی میں بدل سکتی ہے نیت تو کر لو کیا پتہ ہدایت مل ہی جائے۔"

"اماں! بس سوچ لینا چاہیے کہ آپ کا چھوکرا ہوں گا نیت بس صبح تک گمراہی کی اجازت اور دے دو۔"

"استغفراللہ...... اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ قمرانساء کا سیدھا سچا قلب جیسے آندھی کی زد میں آ گیا۔ پاشا! قلب اتنا

اندھا ہو چکا ہے بلند آواز سے گمراہی مانگتا ہے؟" ان کی آواز بھرا گئی۔

"تو پھر نہ کیا کریں مجھ سے اس قسم کی باتیں۔ سارا مزہ خراب کر دیتی ہیں۔" اس نے جھلا کر کہا اپنے کہے پر کسی قسم کی شرمندگی نہیں تھی۔

"اچھا یہ بتائیں کہ کھانے میں کیا ہے؟" اس نے خود ہی "ٹریک" چینج کر دیا۔

"بکرے کے گوشت کا پلاؤ اور مرغی کا سالن بنایا ہے۔ یہی سمجھ میں آیا تھا تم نے کسی خاص چیز کا نام تو لیا نہیں تھا ٹھا تو بنا ہی رہتا ہے۔ ہفتے بھر سے کس چیز کا چکر نہیں لگا میٹھے کا حلوہ، مونگ کی دال کا حلوہ، سوجی بیسن کا حلوہ کھیر فریج میں دھرے ہیں کوئی کھانے والا نہیں اسی وجہ سے بنا رکھتی ہوں جانے کس وقت کوئی بچی آ جائے بچوں کو لے کر تمہاری بہنیں آتے ہی پہلے فریج میں جھانکتی ہیں اور چھوٹے بچوں کی طرح خوشی سے چلاتی ہیں کہتی ہیں اماں اپنے ہاتھ سے بنا کر کھانے میں مزہ نہیں آتا آپ کے ہاتھ کا کچھ بھی بنا مل جائے بہت مزے کا لگتا ہے تم بھی دو دن بعد گھر آئے گھر میں اکیلی کروں بھی کیا؟ کھانے پینے کی چیزیں ہی تیار کرتی رہتی ہوں اور ساتھ سوچ کر خوش ہوتی ہوں کہ میرے بچے کھائیں گے۔"

پاشا خاموشی سے سنتا رہا۔

"میرا خیال ہے اماں! آپ کھانا گرم کرنا شروع کر دیں وہ تیار ہو گئی ہو گی زیادہ چار منٹ بعد ہو جائے گی میں دیکھتا ہوں۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اندر داخل ہوا تو ملی جلی بیاں فرا خوشبوؤں نے اس کا استقبال کیا وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے ناخنوں پر کیوٹکس لگا رہی تھی گیلے بالوں سے وجود تقریباً چھپا ہوا تھا آئینے میں اس کا چہرہ دھلا نکھرا سا بہت بھلا لگا۔ پاشا نے شرارت کے انداز میں کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

"نیل پالش لگا رہی ہوں ویسے نیل پالش لگا کر وضو نہیں ہوتا ناں مگر میں پہلے وضو کر چکی ہوں صبح ظہر سے صاف کر دوں گی بہت دل چاہ رہا ہے نیل پالش لگانے کو میں پہلے نہیں لگاتی تھی کسی شادی یا عید پر بھی نہیں۔"

"بہت سے کام پہلے نہیں کرتی تھیں جواب کر دو گی۔" اس قدر بے تکلفی واپنائیت کے اظہار پر تو پاشا کے حواس ہی معطل ہو گئے وہ والہانہ اس کی طرف بڑھا اور جھک کر اس کے شانے تھام لیے۔

"ماہ نور! میری جان!" اس کی بے ساختگی پر بھی وہ اتنے سکون سے بیٹھی رہی جیسے یہ کوئی روٹین کی بات ہو البتہ اس نے نظر نہیں ملائی۔

"ماہ نور! میری بازی پر کہیں کٹ لگ جائے مجھے بالکل یقین نہیں آ رہا کہ تم میرے اس قدر قریب ہو۔ میری اپنی جیسے میں چھو رہا ہوں دیکھ رہا ہوں کتنے خوب صورت بال ہیں تمہارے۔ ایسی گھنی چھاؤں تو مقدر سے ملتی ہے قسمت کا تو خیر ہمیشہ سے دھنی ہوں اس میں تو کوئی شک ہی نہیں تم جیسی نفیس پارٹنر تو ویسے ہی میرے لکی ہونے کی گواہی ہے میرے پورے وجود نے دعا بن کر تمہاری طلب کی ہے ماہ نور! مجھے خود بھی نہیں پتا کہ تمہاری تمنا کیوں ہے صرف تمہیں دیکھ کر ہی مجھے ایسی خوشی کا احساس ہوتا ہے جو میرے لیے بہت انوکھی مگر سرور بخش ہے۔

ماہ نور! تمہیں تو مجھ سے بہت نفرت ہے پھر یہ ایک دم کیا ہوا؟" ایک خیال جو بے چین کر رہا تھا لفظوں میں ڈھل گیا۔

"میری قسمت میں یہ عنایت ہے پاشا! مجھے اس تلخ حقیقت کو قبول کر لینا چاہیے تم مجھے اٹھو بیٹھ بھی بنا سکتے ہو اور ڈیکوریشن

چاہے بھی مجھے اتنا روند ڈالو کہ میرا چہرہ مسخ ہو جائے اگر میرے وجود سے تمہیں خوشی ملتی ہے تو یہ اللہ کا تو احسان ہے مجھ جیسی بدنصیب گنہگار اللہ کے قہر و غضب کا شکار بھی کسی کی خوشی کا باعث بن سکتی ہے۔

تم بے خوف ہو جاؤ اب میری طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوگی نہ میں کہیں جاؤں گی۔

تم مجھے گھاس پھونس کی طرح بکھیر دو میں کچھ نہیں کہوں گی بلکہ تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تمہاری وجہ سے مجھے دنیا کی پہچان ہوئی میرے شعور میں راتوں رات پختگی آ گئی تم میرے محسن ہو میں کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں۔

وہ جو میرے ساتھ انسانیت کے ناتے سب سے زیادہ ہمدرد تھا اپنی سگی بہن کی خاطر کتنے آرام سے تمہارے حوالے کر گیا ہے۔

میں نے مان لیا کہ دنیا میں صرف اور صرف تم میرے ہو۔ تم سچے ہو۔ باقی سب جھوٹے ہیں۔

تم کھرے ہو۔ باقی سب کھوٹے ہیں۔

تم حقیقت ہو۔ سب دھوکے ہیں۔"

وہ اسٹول سے اٹھ کر پاشا کے شانے پر دونوں ہاتھ اور ہاتھوں پر پیشانی ٹکا کر جذباتی انداز میں کہے جا رہی تھی۔

☆☆☆☆

"اس وقت تمہاری چند باتیں ایسی ہیں جو بہت چبھ رہی تھیں مگر آج میں خود کو ہر طرح سے دھوکا دیتے کے سوا میں ہوں آج میں صرف خوش ہونا چاہتا ہوں میں بہت عرصے سے خوش نہیں ہوا ابھی تو میں کچھ عرصہ خود کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ تم میرے پاس ہو اتنے قریب کہ میں تمہیں جب چاہے چھو سکتا ہوں ابھی تو میں تمہیں ڈھیروں پیار کرنا چاہتا ہوں اور بس....."

پاشا نے اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں قید کر لیا۔

"ماہ نور! میری جان! مجھے ہمیشہ سے یقین رہا ہے ایک سوا ایک فیصد کہ میں بہت لکی ہوں مجھے خوشی ہے کہ یہ محض غلط فہمی نہیں ہے۔

چلو اب کھانا کھاتے ہیں پھر ساری رات باتیں کریں گے جشن منائیں گے اس رات کا پل پل میں تمہارے ساتھ جاگ کر گزارنا چاہتا ہوں کل میری بہنوں کو پتہ چل جائے گا کہ تم آ گئی ہو وہ بوریا بستر سمیت دھاوا بول دیں گی پھر میں تم سے بات کرنے کو ترس جاؤں گا۔"

ماہ نور کا خوشبوؤں میں بسا وجود اپنے وجود میں سمیٹے وہ ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔

اسی آن قمر النساء نے دروازے پر دستک دی۔

"کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

ماہ نور فوراً پاشا سے الگ ہو گئی اور بیڈ پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر قرینے سے اوڑھ لیا۔

پاشا نے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور خود فین کو سوئچ آف کرنے لگا۔

دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم تک آئے۔

قمر النساء نے ان کی طرف دیکھا چہرے پر روشنی سی پھیل گئی۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہے میری بیٹی! اللہ میری خوشی کو نظر سے بچائے میں تو فون کرنے لگی تھی بچیوں کو پھر سوچا وہ سنتے ہی دوڑی آئیں گی ابھی تم آرام کر لو پیٹ بھر کے کھانا کھاؤ میں نے بہت دل سے خاص طور پر تمہارے لیے تیار کیا ہے تم شوق سے کھاؤ گی تو میری محنت وصول ہو جائے گی مجھے کپڑے سینا اور کاڑھنا بھی آتے ہیں۔ گڑیا کی طرح رکھوں گی تمہیں اپنے ہاتھ سے

گرمیوں کے کپڑے سی کر کاڑھ کر پہناؤں گی پھر سردیاں آ جائیں گی تو اچھے اچھے ڈیزائن والے سویٹر بن کر پہناؤں گی بہت اکیلا پن کاٹا ہے گڑیا بنا کر کھیلوں گی تمہیں۔"

وہ اس کے آگے ڈشز رکھتے ہوئے بہت شوق و محبت سے کہہ رہی تھیں۔

ماہ نور کا دل بھر آیا۔

اس نے قمر النساء کا ہاتھ تھام کر بوسہ ثبت کر دیا ان کے ہاتھ کی پشت پر۔

"میں مہربانی کے قابل کہاں خالہ جان.....!" دو آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔

"میں خالہ نہیں ہوں تمہاری ماں ہوں وہ سب پرائے دھن تھیں۔ تم ہو میری حقیقی بیٹی۔"

قمر النساء نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پیشانی چوم لی۔ ماہ نور کا جی چاہا بلک بلک کر رو پڑے مگر اس نے ضبط سے کام لیا۔

"باتیں تو تم سے بہت سی کرنی ہیں مگر آج تم آرام کرو کھانا ٹھیک سے کھانا۔"

"آپ تو کھائیں۔" ماہ نور نے ان کو چپاتی بھر کر دیکھا۔

"ہاں میں بھی کھا رہی ہوں اکیلے تو کھانا بھی نہیں کھایا جاتا مجھ سے بھوک لگی تو کبھی لسی بنا کر پی لی۔ کبھی ایک کپ گرم دودھ لے لیا اور سوچتی ہوں اب ایک روٹی کے لیے کیا تو ا گرم کروں۔" وہ اپنی پلیٹ میں پلاؤ نکالتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"اللہ کا دیا اس گھر میں بہت ہے پاشا کے باپ نے بڑی دور تک کا سوچا تھا زمینوں باغوں کی آمدنی ہی آتی ہے ماشاء اللہ چار بیٹے بھی ہوتے تو اتنا کما کر نہ لاتے مگر کھانے والے نہیں اللہ مجھے تم سے خوشیاں دکھائے پوتے پوتیوں سے میرا گھر بھر جائے سب مجھے کہتے ہیں کہ آپ مستقل قسم کا کوئی ملازم کیوں نہیں رکھ لیتیں۔ اس عمر میں کام کرتی ہیں اب بتاؤ اگر کام میں مصروف نہ رکھوں خود کو تو پاگل ہو جاؤں بچیاں گھر میں تھیں تو جان بوجھ کر نوکر نہیں رکھے کہ جانے ان کے نصیب میں کیا ہے۔ ان کو گھر کے کام کاج کی عادت ہونا چاہیے آگے ان کا مقدر کہ وہیں جا کر رل جائیں۔ بچیوں کو کام کاج کی عادت ہو تو ہر طرح کا وقت نباہ جاتی ہیں۔"

"چھوڑیں اماں! مجھے تو بہت ترس آتا تھا کہ کولہو کے بیل بنا کر رکھا ہوا تھا آپ نے بے چاریوں کو ہر وقت کام کی فکر میں رہتی تھیں جیسے پتا نہیں کتنی مجبور ہوں۔" پاشا نے ٹکڑا لگایا۔

"ہاں تو دیکھو۔ کام کاج میں ماہر ہیں تو اپنے اپنے سسرال میں اپنی عزت کرا رہی ہیں۔" قمر النساء نے جواب دیا۔

"اماں! باپ کے مال پر انہیں عیش تو کرنے دیتیں آگے ڈیوٹیں بھگتا ہی تھیں میرا تو دل چاہتا ہے ایک ایک نوکر خرید کر انہیں گفٹ کر دوں۔" پاشا نے سالن کی قاب ماں کے آگے کھسکائی۔

"بس سب کچھ خرید کر دینا خود اپنی جان سے کوئی خوشی نہ دینا جو وہ چاہتی ہیں۔" قمر النساء نے دکھ سے کہا۔

"ایک جان ہے اماں! اس سے کس کس کو خوش کروں کس پر واروں؟" اس نے ماں سے آنکھ بچا کر شرارت سے ماہ نور کی طرف دیکھا اور ٹیبل کے نیچے اپنے پاؤں سے اس کا پاؤں دبا دیا۔

"اللہ سے دعا ہے یہ بچی تمہارے حق میں خوش بخت ہو اللہ ہمارے حال پر رحم کرے تمہیں دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہو۔"

"آمین ثم آمین یقین کریں اماں! اب تو شاید میرا گھر سے باہر جانے کو بھی جی نہ چاہے گا۔"

اس نے پھر ماہ نور کا پاؤں اپنے پاؤں سے دبایا۔

"خیر میں یہ تو نہیں چاہتی کہ تم خدانخواستہ گھر میں پڑے رہو۔ باہر ضرور جاؤ کسب کرو۔ رزق حلال کیلئے مشقت کرو۔"

"خیر کھانا تو حلال ہی کی ہوں لیکن ابھی تک کھاتا تو باپ ہی کا ہوں۔"

"کوئی کسی کا نہیں کھاتا سب اپنے اپنے نصیب کا اللہ کا دیا کھاتے ہیں۔" قمر النساء نے فوراً کہا "بس یہیں تو آ کر عقل خبط ہو جاتی ہے کہ انسان جب آسائشات کی زندگی گزارنے لگتا ہے تو اس کی خواہشات اس کی آقا بن جاتی ہیں ورنہ تمہیں کس شے کی ہے جو تم الٹے سیدھے کاموں میں اپنی جان خطرے میں ڈالتے ہو۔"

قمر النساء نے اس کا چہرہ دیکھا کہ شاید قائل ہو گیا ہو۔

"ہاں! خطرات میں کام کرنے کا اپنا مزہ ہے خطرے سے نکل کر جو خوشی ہوتی ہے اس کا نشہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

قمر النساء ہمیشہ کی طرح جیسے ہار مان کر خاموش ہو رہیں۔

اور ماہ نور کو کھانے کی تاکید کرنے لگیں۔

"بہت دبلی ہو رہی ہو ٹھیک سے کھانا کھایا کرو غم فکروں میں تو ویسے ہی بھوک مر جاتی ہے مگر اب اپنے اصلی ٹھکانے پر ہو انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا دو وقت دودھ ضرور لیا کرو، دودھ قسمت سے بہت اچھا آتا ہے یہاں تو کوئی پینے والا ہی نہیں تھا میں ایک ہی کپ پیتی ہوں باقی کوئی سویٹ ڈش بن جاتی ہے۔"

وہ بول رہی تھیں اور ماہ نور بے تاثر چہرے کے ساتھ سن رہی تھی۔

کھانے کے بعد پاشا اپنے بیڈ روم میں جا چکا تھا اس نے قمر النساء کے ہمراہ عشاء کی نماز ادا کی کافی دیر تک لا الہ الا اللہ کی تسبیح کرتی رہی استانی عائشہ نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ یہ تسبیح ضرور پڑھا کرے یہ ورد گناہ مٹاتا ہے بوجھ بٹاتا ہے یہ اذکار کا جوہر ہے، کائنات کا مقصود ہے اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اس نے خود پر ظلم کو حرام کر لیا ہے انسان خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے ظالمین میں سے ہے اسے اپنے اچھے برے کا شعور نہیں قسمت کو مورد الزام ٹھہراتا ہے ہم سے دانستگی میں دن بھر میں بھول چوک ہوتی رہتی ہے ہم اپنے جس غلط عمل کو معمولی سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ کے اعتبار سے بہت بڑا بھی ہو سکتا ہے جس کے باعث وبال پڑتا ہے اس لیے دکھ و آزمائش کے دور میں خصوصی طور پر توبہ استغفار کی تاکید کی گئی ہے۔"

جس رات استانی نے تاکید کی تھی اسی رات سے اس نے معمول بنا لیا تھا۔

قمر النساء اسے نماز و تسبیح میں مصروف پا کر خوشی سے پھولی نہ سماتی تھیں یہی تو ان کی آئیڈیل بہو تھی خوبصورت، سلیقہ شعار، پابند صوم و صلوٰۃ جاتے جاتے کئی بار اس کی سمت دیکھ کر انہوں نے ماشاء اللہ کہا تھا۔

تسبیح سے فارغ ہو کر وہ جائے نماز تہہ کر رہی تھی کہ وہ اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئیں۔

"رات کافی ہو چکی ہے اب تم آرام کرو کل انشاء اللہ پاشا سے بات کر کے ولیمے کا انتظام شروع کروں گی۔"

وہ اس کا شانہ دبا کر اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئیں پہلے اس لیے کہ شاید وہ ان کے سامنے پاشا کے پاس جاتے ہوئے جھجک رہی ہو۔

اس نے ان کے جانے کے بعد چاروں طرف نظریں دوڑائیں کمرے لاؤنج ٹیرس پرانے ڈیزائن کا مگر خوبصورت بنا ہوا گھر تھا دریچوں، بالکونیوں، برآمدہ میں بھاری بھاری گرل سے ظاہر تھا کہ کتنے شوق، توجہ اور دور اندیشی کے ساتھ یہ گھر تعمیر کیا گیا یقیناً تعمیر کروانے والے نے یہ گھر اپنے وارث کے لیے تیار کرایا ہوگا۔

جس انسان کو اتنا سب کچھ مل جاتا ہے پھر وہ تعمیری سوچ کا حامل شکر گزار بندہ کیوں نہیں بنتا کون سی کمی اسے ناشکری پر

مجبور کرتی ہے؟

وہ اپنے حقیقی انجام سے غافل کیوں ہو جاتا ہے؟

اگر وہ موروثی لحاظ سے ایک واضح عقیدے کا مالک ہے تو اس عقیدے کے خصوصیات و ترجیحات کی شرائط اس کے ذہن سے کیوں نکل جاتی ہیں؟

اگر وہ اللہ احد تسلیم کرتا ہے تو عمل سے ثابت کیوں نہیں کرتا، کبھی انسان کی پرستش میں مبتلا ہو جاتا ہے کبھی ڈالر کے پتھرے کی پوجا کرنے لگتا ہے، کبھی مزید خوشحالی کے لیے اپنے ہی جیسے انسان کے پاؤں دبانے لگتا ہے دونوں ہاتھ جوڑ کر رکوع میں سلام کرنے لگتا ہے۔

وہ کافی دیر ادھر ادھر ٹہلتی رہی اس کے کمرے میں جاتے ہوئے خوف ابھی نہیں تھا مگر آمادگی بھی نہیں تھی۔

ایک پل میں کسی سمت جانے کا سوچتی تو دوسرے پل کسی نجات کی امید کی جھلک لگنے لگتی۔

وہ صحن کے کنارے بنی ایک کیاری کی منڈیر پہ بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

جانے کب تک بے خبری کی کیفیت طاری رہی پھر ایک ہاتھ نے اس کا شانہ دبا دیا۔

"میں تو یہ سوچ کر صبر سے تکیہ دبا کر لیٹا تھا کہ تم اداس ہو گزشتہ شادی ہوئی ہوں چلو سانس، بیوی کے تعلقات میں مزید نکھار آنے دو چلو یہاں تو مزا آپ ہوا ہے اب کیا سوچنا ماہ نور! اب تو بس ساتھ چلنا ہے تمہاری جیسی لڑکی دل کو بھاتی اسی لیے ہے کہ اس قسم کی لڑکی سے بے وفائی کا خطرہ نہیں ہوتا اور شاید تمہیں پتا ہو جب کوئی عورت کسی مرد سے بے وفائی کرتی ہے تو مرد کی سب سے بڑی توہین کرتی ہے اس کی بے وفائی اس بات کا اعلان ہوتی ہے کہ اس مرد میں کوئی کمی تھی جو اس نے کسی دوسرے میں ڈھونڈنا چاہی اور میں تو یہ توہین افورڈ ہی نہیں کر سکتا کیا کمی ہے مجھ میں مرا بچہ ہوں، خوبصورت ہوں، دولت مند ہوں تم نے میرا اپنا گھر تو دیکھا ہے ناں؟
آج سے آٹھ سال پہلے اس کی مالیت پینتیس لاکھ تھی میرے باپ کی دولت علیحدہ اور میری علیحدہ۔ میرے باپ کی دولت میں تو میری پانچ بہنوں کا حصہ بھی ہے لیکن میری دولت میری اور تمہاری ہے میرے وارثوں کی ہے جو مجھے تم سے ملیں گے ہم جن عورتوں سے رات دن ملتے ہیں ان میں سب کچھ ہوتا ہے وفا نہیں ہوتی۔
کاغذ کے پھول ہیں ساری جس نے جتنا قیمتی تحفہ دیا اس کی ہو گئیں جدھر دیکھا تو اپنی رات ادھر گالی ساری رات۔"

اپنی بات کے اختتام پر اس نے ہلکا قہقہہ لگایا۔

"چھوڑو ویسے بھی کہرا بہت ہے، تم نازک سی ہو، نزلہ زکام ہو جائے گا، ابھی تمہاری فٹ نس کی سخت ضرورت ہے۔"

اس نے ماہ نور کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور جانے کیوں اس کا جی چاہا کہ ماں کو پکار پکار کر جی بھر کے روئے

وہ بڑے ضبط کے ساتھ پاشا کے ہمراہ چل پڑی

کمرے میں داخل ہو کر پاشا نے دروازہ لاک کر دیا کمرے میں نائٹ بلب روشن تھا جو نام نہاد بلب کے مقابلے میں بہت کم روشنی دے رہا تھا ایک کھڑکی کی شکل میں روشنی دروازہ میں پیوست تھا اتنی کم روشنی کہ کمرے میں دور تک نہیں جا سکتی تھی۔

ماہ نور کو شدید اختلاج ہونے لگا۔

اس نے آنکھیں موند کر اللہ کا تصور کیا۔

کہاں کی ولایت پیغمبری ملتا ہے پھر اتنی بڑی آزمائش؟ دو موتی اس کے رخساروں پر ڈھلک آئے خود انتقالی کا لاشعوری تقاضا رکھا اور چپت دے کے سمندر کی تہہ میں اترنے لگا۔

پاشا نے اس کے آنسو دیکھ لیے تھے۔

"ماہ نور! اب آنسوؤں کو الوداع کہہ دو۔ میں تمہارے ناز اٹھا سکتا ہوں جتنے کوئی بادشاہ اپنی ملکہ کے اٹھاتا ہوگا سب کچھ تمہارا ہے کچھ نہ رہنے دوں...؟"

وہ اسے بازوؤں کے حلقے میں لے کر بیڈ تک آیا اور دونوں شانے تھام کر بٹھا دیا۔

"میرے ساتھ اسی طرح ابدی قفل کر دو جیسے راستے بھر گاڑی میں رہی ہو اپنی ایٹ کے ساتھ شاپنگ کی پھر یہاں آ کر تیار ہو گئی میری گستاخی پر خاموش، جب اس وقت کتنی پیاری تصویر تھی ایک مشرقی عورت کی...... اوہ..... میری جان شادی ہی وہ ہوتی جب ایک دوسرے کی وفا پر اندھا بھروسا ہو۔

مجھے تم سے شادی سے پہلے یہ یقین تھا کہ تم ایک بار میری ہو گئیں تو پھر مجھے جاودانی کی سپردگی تشنگی بن ہوا شہد ہے جو کسی مرد کو عمر بھر مسرور رکھنے کے لیے کافی ہے مجھے سو فیصد یقین تھا میں تمہیں کسی راستے سے حاصل کروں بس ایک بار تم میری ہو جاؤ اس کے بعد بے فکری ہی بے فکری ہے حتیٰ کہ میری منکوحہ کی حیثیت سے غائب ہو گئیں۔ اس کے باوجود میں تمہارے امین ہونے کی قسم کھا سکتا ہوں۔ ماہ نور! عمر زیادہ نہیں ہے۔ مگر گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے ہم نے۔ عورت پاس سے گزر جائے تو اس کا شجرہ نسب بتا دیں۔"

ماہ نور آنکھیں پھاڑ کر چہرہ اونچا کر کے اس کی صورت تکنے لگی۔

اتنی معتبر ذات ہے میری

ایسا اندھا اعتماد اس کا میرا واسطہ کتنے دن کا ہے؟"

یا اللہ یہ کیا شے ہے۔

ایسی بے مایہ ذات ہے میری کیا ہوں میں؟

یہ بڑا آدمی اتنا پر یقین...؟

"بس ماہ نور! آنسو اب ختم۔ تم میری راجدھانی کی رانی ہو سب کچھ تمہارے حوالے مع محبت۔" اس نے ماہ نور کے آنسو اپنے ہونٹوں میں جذب کر لیے۔

"ماہ نور! آج میں محبت کے نشے میں بے خود ہوں اس لیے تمہیں پی کر تم سے غافل نہ ہو جاؤں...؟"

دھک..... ماہ نور کا کلیجہ کانپا "یہ" بھی ہے...؟

"ہاں ٹھیک ہے مجھ میں ہوں گی ہی اس قابل" آنسو اس مرتبہ دل پر گرے

"ماہ نور! میں تمہیں بتاؤں کتنا عزیز ہوں! اگر میرے بچے بھی تمہیں مجھ سے غافل کریں گے تو میں ان سے بھی جیلسی فیل کروں گا۔" وہ سرگوشی میں بولا۔

ماہ نور کے اندر قیامت کی مزاحمت تھی مگر باہر سے وہ گم صم تھی۔

پاشا بری طرح سے بھینچنے لگا اس کے ہونٹوں پر بڑا قفل بندھ گیا۔

رات بھیگتی رہی۔

روح سسکتی رہی۔

آخر پاشا نے تھک کر کروٹ لی اور چند لمحے بعد نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

ماہ نور نے بستر کی سلوٹیں درست کیں پھر اپنے گھٹنوں میں منہ دے لیا اور کھلے بالوں میں اس کا سارا وجود چھپ گیا۔

اب وہ گھٹ گھٹ کر سسک رہی تھی۔

بے بہرہ باطنی لوگ، روحانی روحوں کے دشمن

سارے نشست بیکار،

ایک حاصل کرب پامالی

تشنگی، تھکن، ندامت و شرمندگی

روحانیت کے یہ نتائج ظاہر ہو جایا کریں تو لوگ ریاضت چھوڑ دیں

خدائی ریاضت والا خدا کو ڈھونڈے

نیکی کرنے کی توفیق ڈھونڈنے لگیں

گھور اندھیروں میں ایک جگنو بھی غنیمت

وہ اپنے نصیب کے جگنوؤں کی تلاش میں پر تولنے لگی۔

لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین عموماً اعتراف ظلم کی اوٹ میں کوئی جگنو دمکتا ہے۔

وہ منتشر توانائیاں اکٹھی کرنے لگی۔

چند منٹوں بعد گھٹنوں سے سر اٹھایا ہتھیلیوں سے آنسو صاف کیے پھر وال کلاک کی سمت دیکھا صبح کے چار بج رہے تھے رات گزر جانے کے احساس سے بدن ٹوٹنے لگا آنکھوں میں نیند اترنے لگی صبح ساڑھے پانچ بجے سے اٹھی ہوئی تھی اس نے باتھ روم جانے کے لیے پاؤں میں سلیپر پھنسائے اور بالوں کو سمیٹ کر جوڑا بنایا اور اٹھ کھڑی ہوئی یونہی جانے کسی دھیان کے تحت اس نے پلٹ کر پاشا کی طرف دیکھا کیسی مست نیند تھی نائٹ سوٹ کے ڈھیلے والے ٹراؤزر اور شرٹ سے آزاد وجود پوری آزادی سے جہازی سائز بیڈ پر بکھرا ہوا تھا۔

اس نے بغور پاشا کا چہرہ دیکھا سرخ ہونٹ اور گلابی جھلکتے رخسار، دل والا چہرہ گہری نیند کا سرور، کامیابی کا نشہ گوہر مقصود کی من چاہی قربت نے اس کے چہرے پر دو دو شعاعیں بکھیر رکھی تھیں جو حسن کے مفہوم سے کہیں اوپر کی بات ہوتی ہے۔

کاش اس کی روح بھی اس کے چہرے جیسی ہو جاتی رکھ کے کانٹوں کی چبھن کچھ تو کم ہوتی حالانکہ کچھ دیر پہلے وہ اس کے بہت قریب تھی مگر اس کی حسیات اتنی برف تھیں کہ اسے اس کی قربت کی گرمی اس کے بازوؤں کے حلقے کی سختی اور انا بخش کی سرور بخش نرمی محسوس ہی نہیں ہوئی تھی۔

اب کھڑی دیکھتی تھی تو دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔

کتنا شاندار..... مگر.....

میرے لیے کچھ نہیں جب لوگ مجھے کہیں گے "پاشا کی بیوی" تو یوں لگے گا انگلیاں اٹھا رہے ہوں۔"

یہ پاشا کو کہاں سے مل گئی؟

اسے "اٹھا" کر لایا تھا

ساری زندگی تہمت بن کر رہ گئی ہے

وہ پھر اس کے سحر سے نکل آئی ایک ہوک سینے سے اٹھی تھی

اس نے سوئچ آن کر کے بہت آہستگی سے واش روم کا دروازہ کھولا تا کہ کم سے کم چرچراہٹ ہو اسی آن بیڈ روم کے

دروازے پر دستک ہوئی۔

اماں ہی ہو سکتی ہیں اور بھلا کون ہوگا وہ باتھ روم کا ادھ کھلا دروازہ چھوڑ کر آگے بڑھی دستک دوبارہ ہوئی۔

اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا سامنے قمر النساء کھڑی تھیں اور بے تاثر چہرے کے ساتھ

"وہ پاشا سے کوئی ملنے آیا ہے" انہوں نے دھیمی اور پرسکون آواز میں کہا اور واپس پلٹ گئیں۔

"اس وقت ......؟ اس وقت بھلا کیا ملنا ... یہ کوئی ملاقاتوں کا وقت ہے؟" وہ سوچتی ہوئی بیڈ کی طرف بڑھی۔

دھیرے سے پاشا کا شانہ ہلایا۔

مگر نیند بہت گہری تھی کوئی فرق نہیں پڑا

اف کیسی ڈھیٹ نیند ہے۔ اس نے دوبارہ قدرے زور سے ہلایا۔ پاشا نے فوراً آنکھیں کھولیں پھر فوراً ہی دوبارہ موند لیں۔ اس نے پھر شانہ ہلایا بلکہ اس مرتبہ جھنجھوڑ دیا پاشا نے اس مرتبہ قدرے جاگ کر اس کی سمت دیکھا۔

"اماں کہہ رہی ہیں کہ کوئی آپ سے ملنے آیا ہے۔"

"اماں .....؟ کہاں ہیں اماں۔" اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"توبہ ... اماں بتانے آئی تھیں بتا کر چلی گئیں انہیں بھی جا کر ملیں اس ملنے والے سے۔" ماہ نور چڑ گئی۔

"اس وقت کون (گالی) آ گیا؟" وہ کسلمندی سے اٹھ بیٹھا اور شرٹ پہننے لگا۔

ماہ نور کچھ سوچتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی۔

پانچ منٹ بعد واپس آئی تو پاشا کمرے میں موجود تھا اور گھڑی سائیڈ ٹیبل سے اٹھا رہا تھا باتھ روم کا دروازہ بند ہونے کی آواز پر لمحے بھر کو پلٹ کر دیکھا تھا۔

"خیریت ......؟" اس نے تعجب سے اس کی روانگی کا انداز دیکھا۔

"ہاں خیریت ہے سرکاری مہمان آئے ہیں جسے آپ کی زبان میں پولیس کہا جاتا ہے۔" اس نے پرسکون انداز میں بتایا۔

"جی .....؟" ماہ نور نے ہونق سی ہو کر اس کی صورت دیکھی۔

"جی ... ہوں ... کرنا چھوڑ دو ..... یہ ہماری زندگی کے معمولات میں سے ہے .... عادی ہو جاؤ گی۔"

"ان کی پکڑوں میں؟" اس نے پژمردہ انداز میں پوچھا۔

"شکر کرو پکڑوں میں .... اتنا ٹائم نہیں دیتے ... ہمیں تو اتنا بھی دے دیا ہے کہ پرس اور گھڑی اٹھا لیں، لو دیکھ لو بیٹھ کر انتظار کر رہے ہیں اچھا..... خدا حافظ ... گھبراؤ نہیں آرام سے سو جاؤ۔ کوئی پریشانی کی بات نہیں اس طرح تو ہوتا ہے کہ اس طرح کے کاموں میں۔"

اس نے حیران پریشان سی ماہ نور کا رخسار اپنی انگلیوں سے چھوا اور تیزی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔ ماہ نور بھی پیچھے پیچھے چلی پڑی مگر راہداری میں رک گئی وہاں سے لاؤنج کا اندرونی منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

پاشا لاؤنج میں داخل ہوا تو پولیس کے وردی پوش سپاہی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تالا چابی نہیں لائے؟" اس کی پراعتماد اور نڈر آواز ماہ نور کی سماعت سے ٹکرائی

غالباً اس کا اشارہ ہتھکڑی کی جانب تھا۔

جواب کیا ملا ماہ نور سن نہیں پائی

پھر وہ لوگ لاؤنج کے بیرونی دروازے سے باہر نکل گئے

بھاری بوٹوں کی چاپ ختم ہوئی تو ماہ نور آگے بڑھی اس نے دیکھا قمر النساء گیٹ بند کرنے جا رہی تھیں وہ بیچ میں رک کر ان کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگی۔

قمر النساء خاصی دیر کھلے گیٹ سے باہر جھانکتی رہیں۔

پھر گیٹ بند کر کے تالا لگا دیا۔ وہ لاؤنج میں واپس آئیں تو ماہ نور منتظر ملی۔

"جاؤ..... سو جاؤ میں پہلے یہ نظارے میں تنہا دیکھتی تھی۔ اب میرے ساتھ تم بھی ہو۔" وہ افسردگی سے گویا ہوئیں۔

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہو سکتا ہے صبح سات آٹھ بجے تک واپس آ جائے تم سو جاؤ میں پھر دعا کرتی ہوں۔"

ان کی آواز آہستہ، لہجے میں تھکن تھی۔

"اس طرح جاتے ہیں تو جلدی آ جاتے ہیں؟" اس نے شاید مثبت احساس بیدار کرنا چاہا۔

"ان شاء اللہ۔" قمر النساء نے بھی گویا حوصلہ دیا۔

☆☆☆☆☆

ولیمہ بہت شاندار ہوا دو دو چکن برگر سے تواضع کی گئی بے شمار قیمتی تحائف اور دلہن کی تعریف، ریا کو تو سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا کئی مہمان خواتین نے تو قیمتی انگوٹھیاں بطور گفٹ اپنے ہاتھ سے پہنائی تھیں۔

پیرٹ گرین و گولڈن کے کنٹراسٹ کا بہت خوبصورت شرارہ سوٹ تھا جو گوٹے کے کام سے بوجھل تھا زمردی بندیا سمیت نازک سا سیٹ اور بہت لائٹ سا میک اپ البتہ لپ اسٹک کا رنگ چمکتا ہوا اور تیز سرخ تھا ریا تو پہچانی نہیں جا رہی تھی۔

"بولتی تو تھی ہی توتی کی طرح آج حلیہ بھی توتوں والا ہے لال چونچ سمیت۔" فوٹو سیشن کے دوران اظہار کو اس کے پہلو میں بیٹھنے کا موقع ملا تو اس نے یہ موقع ضائع نہیں کیا۔

"اللہ نظر بد سے بچائے بہت روپ آیا ہے میری بچی پر۔" بڑی اماں کیمروں سے بے نیاز اپنا بٹوا کھول کر چٹکی میں تمباکو لے کر منہ میں رکھ رہی تھیں۔

"بڑی اماں! تمباکو کی تصویر بنوانا اتنا ضروری بھی نہیں تھا" مظہر نے جیسے جل کر کہا تھا حاضر مہمانوں میں سے بہت سے یہ منظر بہت دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

مظہر کے جملے پر سون بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

ریا نے پہلی بار اس کی ہنسی کی آواز سنی تھی بھاری، مدھم مگر تاثر بہت اچھا تھا۔

(اتنا اچھا تو ہنستے ہیں ... پتا نہیں۔ اتنا کم کیوں ہنستے ہیں)

"اے کیا تمباکو کی فوٹو بھی بن جاتی ہے۔" وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھنے لگی تھیں بلا کی سادگی تھی۔

"اور نہیں تو کیا۔ تصویر میں آپ کی چٹکی میں کچھ کالا کالا سا چمکے گا لوگ ہم سے پوچھیں گے کہ بڑی اماں کی چٹکی میں کیا ہے تو ہمیں بتانا پڑے گا۔" مظہر نے بھی بناوٹی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ہم تصویر کے نیچے لکھ کر لگا دیں گے کہ بڑی اماں کی چٹکی میں تمباکو ہے تم پریشان مت ہو۔" اظہار نے تسلی دی۔

"یہاں لوگوں کی ناک کے نیچے سے اونٹ نکل جاتا ہے تو پتا نہیں چلتا۔ میری چٹکی دیکھیں گے لوگ۔" بڑی اماں نے ہونٹ کی دوریاں کھینچتے ہوئے بڑبڑا کر کہا۔ آس پاس کھڑے لوگ مسکرانے لگے۔

تقریب سے رات گئے واپسی ہوئی ریا کی تو بیٹھے بیٹھے کمر اکڑ گئی تھی پہلے پارلر میں پھر تقریب میں وہ تو کمرے میں آتے ہی بیڈ پر ٹوٹی شاخ کی طرح گر گئی۔

موحد اپنی آف وہائٹ شیروانی کے بٹن کھول رہا تھا اس نے آنکھیں موندے لیٹی ریا پر ایک نظر ڈالی

"بہت اچھی لگ رہی ہو؟"

ریا نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں جیسے جملہ غیر متوقع ہو۔

"اس کا جی چاہا وہ بھی کہہ دے کہ آپ بھی بہت اچھے لگ رہے ہیں مگر ایک عجیب سی جھجک آڑے آ گئی۔

"میرا خیال ہے تم چینج کر لو ایزی ہو جاؤ گی۔ ریلیکس تو ہو گا اس کا؟" موحد کا اشارہ اس کے شرارہ سوٹ کی جانب تھا۔

"ہوں۔ کر رہی ہوں چینج..... مجھے خود بہت الجھن ہو رہی ہے۔" وہ کسلمندی سے بولی

"فنکشن اچھا رہا ہے۔ تھینکس گاڈ..... یہ ہنگامہ بھی ختم ہوا....." وہ شیروانی اتارتے ہوئے بولا

"آپ اس قسم کی تقریبات کو ہنگامہ سمجھتے ہیں لگتا ہے کہ سمجھتے ہوں گے آپ کا اسٹار کیا ہے؟" اس کے انداز میں بڑی بے ساختگی تھی۔

موحد شیروانی ہینگ کر رہا تھا اور بے ساختہ مسکرا دیا۔

"پہلے تم بتاؤ تمہارا اسٹار کیا ہے؟"

"میرا تو قوس ہے۔"

"ویری گڈ ---- یہ تو خوش رہنے والوں کا اسٹار ہے جیسے میرے اسٹار سے کم ہی بنتی ہے قوس کی خیر امید اچھی رکھنا چاہیے۔"

"تو کون سا اسٹار ہے آپ کا؟" ریا مارے اشتیاق کے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اسکارپیو، تمہیں نومبر کو ہوتی ہے میری برتھ ڈے مجھے امید ہے تمہاری جانب سے مجھے کوئی اچھا سا گفٹ ملے گا۔"

ریا کی سج دھج قدرتی اٹھان اور بے ساختگی نے موحد کے مزاج میں ایک وقتی تغیر پیدا کر دیا تھا جو عین فطری عمل ہے ایک دلکش لڑکی جس پر پورا اختیار بھی ہو اسے نظر انداز کرتے رہنا اتنا بھی آسان نہیں ہوتا۔

"اف اسکارپیو ہے، یہ لوگ تو سنا ہے بہت خطرناک ہوتے ہیں" ریا نے پھر بے ساختہ کہا

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے خاصا خطرناک ہوں تم احتیاط کرنا۔" اس نے وارڈروب کے پٹ بند کرتے ہوئے مسکرا کر کہا

"میں نے پڑھا ہے یہ ہنستے مسکراتے بھی کم ہیں سنجیدہ بہت ہوتے ہیں۔ ریا نے مزید معلومات بہم پہنچائیں۔

"اچھا اور کیا خصوصیات ہوتی ہیں؟ بھئی تمہاری تو اچھی خاصی معلومات ہیں اسٹارز کے بارے میں" وہ کرتے کے بٹن کھولتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"بہت خطرناک دشمن ہوتے ہیں اگر کسی کے ہو جائیں۔" وہ بولی

"تم بچ کر رہنا لڑائی وڑائی ہو تو جلد ہی منا کر رکھنا اور دشمنی کی نوبت نہ آنے دینا ٹھیک۔" وہ اس کا چہرہ بغور دیکھنے لگا۔

"لڑائی..... ؟ آپ سے کس بات پر لڑائی ہو گی آپ تو بولتے ہی کم ہیں۔" وہ سادگی سے گویا ہوئی۔

"بھئی یہ رشتہ ہی ایسا ہے کہ کسی نہ کسی دن خود بخود لڑائی ہو ہی جاتی ہے۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے..... جب آپ کو غصہ آیا کرے گا میں بڑی اماں کے پاس چلی جایا کروں گی۔" وہ سنجیدگی اور معصومیت سے بولی۔

"مائی گاڈ!" دل میں اتر گیا تھا اس کا یہ معصوم انداز۔ وہ بے اختیار اس کے چہرے پر جھک گیا تھا۔

وہ بری طرح سراسیمہ نظر آنے لگی نظریں جھک گئی تھیں سارا اعتماد ہوا ہو گیا تھا کچھ سمجھ میں نہ آیا تو دوپٹے سے پنیں نکالنے لگی۔

"بہت خالص ہو تم لگتا ہے مجھے تم سے محبت ہو ہی جائے گی اس کی نظروں کی چمک بڑھنے لگی اور لہجے کی گمبھیرتا بھی۔

ریا کی مسکارے سے بوجھل پلکیں جھکی ہوئی تھیں اٹھانا محال تھا عین اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟" موحد اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں ہوں زرینہ۔ موحد صاحب! بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں دلہن بیگم سے کہیں وہ کپڑے بدل کر نیچے آ جائیں کھانے پر انتظار ہو رہا ہے۔"

"اف کھانا....." ریا تو بس اب ہر صورت آرام کرنا چاہ رہی تھی۔

"مجھے تو بالکل بھی بھوک نہیں۔" اس نے موحد کی طرف لجاجت سے دیکھ کر کہا۔

موحد نے دروازہ کھولا۔

"ممی سے کہو ریا کو بھوک نہیں ہے اور مجھے بھی کوئی خواہش نہیں۔ شمسی کے ہاتھ دو گلاس دودھ بھجوا دیجئے گا بس۔"

"ریا..... سادہ دودھ لو گی یا مالٹو کے ساتھ؟" اس نے پلٹ کر ریا سے پوچھا۔

ریا کو اگرچہ دودھ کی بھی خواہش نہیں تھی مگر مالٹو کا سن کر اس کا ذہن آدھا ہو گیا سادہ دودھ تو اس سے پیا ہی نہیں جاتا تھا مالٹو یا اوولٹین ہی وہ دودھ میں استعمال کرتی تھی۔ اطہر بھائی بڑی اماں کے لیے بڑی باقاعدگی سے اوولٹین لاتے تھے ان سے زیادہ باقاعدگی سے ریا استعمال کرتی تھی۔

اس نے تشکرانہ انداز میں موحد کی طرف دیکھا۔

"سادہ دودھ تو میں پیتی بھی نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے دودھ میں مالٹو ملانے کا کہہ دینا" یہ کہہ کر موحد نے دروازہ بند کر دیا اور کپڑے تبدیل کرنے چلا گیا۔

ریا نے بھاری دوپٹہ بڑی محنت کے بعد جوڑے سے الگ کیا پھر ساتھ ہی تہہ کر دیا

اٹھ کر شب خوابی کا لباس وارڈروب سے نکالا سرخ سلک اور نیٹ کی خوبصورت نائٹی صوفے پر ڈال کر چہرے سے میک اپ صاف کرنے لگی۔

موحد شاور لے رہا تھا واش روم سے آواز آ رہی تھی۔

وہ بہت آرام سے اپنا کام کرنے لگی

ایک خیال آیا اور چہرہ گلابی ہو گیا

اسکارپیو ان لوگوں کا موڈ بھی بہت جلدی بگڑ جاتا ہے جیسے اکا جان اور ظہیر بھائی اف مجھے تو کسی کے بھی خراب موڈ سے بہت ٹینشن ہوتا ہے سب لوگوں کو بس جمنی یا سنگی ٹیریس ہونا چاہیے اظہار بھائی اور میری طرح ہنسنے بولنے والے لوگ خوش باش۔

تو بابا انہوں نے تو مجھے ڈرا کر رکھ دیا ہے خیر علامہ اقبال کا بھی تو یہی تھا اس نے خود کو تسلی دی۔

اور مجھے ان کے اسٹار کی خصوصیات زیادہ پتا بھی نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ اسٹار کی بہت سی اچھی خصوصیات مجھے پتا ہی نہ ہوں ظہیر بھائی اکا جان مجھے تو بہت اچھے لگتے ہیں ہو سکتا ہے اسی وجہ سے کہ میرے نہ چچا بھائی ہیں ویسے لوگ بھی بہت اچھے ہوتے ہیں جیسے چچا نہ ہونے سے سارا خاندان ہی چاند بھائی کو پسند کرتا ہے خیر مجھے تو چچا سب بھائی ہی اچھے لگتے ہیں ماشاءاللہ سے بڑی اماں کہتی ہیں ماشاءاللہ ضرور کہا کرو اور بھائیوں کو منع کرتی ہیں۔

کہ کوئی عورت مہمان آئے تو اس کے سامنے نہ آ، کیونکہ بعض عورتوں کی نظر بہت تیز ہوتی ہے لگ جاتی ہے مومن ہاتھ دم سے باہر آیا تو خیالات کا سلسلہ بھی رک گیا۔

وہ اسٹول دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ہانڈی اٹھا کر ڈرائنگ روم چلی گئی

واپس آئی تو کمرے میں نائٹ بلب کی مدھم روشنی تھی۔ اور مومن دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔

آہٹ پر نظر کا زاویہ بدلا۔

"اف یہ کیا" ریڈ کراس "بن گئی ہو مگر نہیں تم کراس نہیں بلکہ (✓) ہو کر اس ہوتیں تو اس کمرے میں نہ ہوتیں میرے جسم میں خون کے بجائے پانی دوڑتا ہے وہ بھی سرد...... اور سنا ہے رگوں میں پانی نہیں خون دوڑنا چاہیے تم کوشش کرو شاید خون دوڑنے لگے۔"

ریحا نے بالوں کی پونی کھول کر سر جھٹک کر بال برابر کیے۔

"کوئی انسان خون کے بغیر ہوتا ہی نہیں۔" اس نے لمحہ بھر کے لئے جواب دیا اور بالوں میں انگلیاں چلائیں

"اچھا ادھر آؤ دس فٹ کے فاصلے پر کھڑے ہو کر فلسفہ جھاڑنے کی ضرورت نہیں۔" ریڈ کراس میں نیا نقص ڈھونڈا جا رہا تھا۔

ریحا اس کے لہجے کے معاملے میں بہت حساس ہو چکی تھی ہونٹ دبائے نظریں جھکائے چپ چاپ بیڈ پر ٹک گئی۔

مومن نے تھوڑی سی کوشش کر کے اسے اپنے بازو پر لٹا لیا۔

"ہاں اب بولو کیا کہہ رہی تھیں۔"

"کچھ نہیں آپ کی بات کا جواب دے رہی تھی۔ ایسا کیسے ممکن ہے کہ کوئی انسان بغیر خون کے ہو۔" اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا مگر اس نے خود پر کنٹرول کر لیا۔

"صرف انسان؟"

"میرا مطلب ہے جاندار۔" وہ گھبرا کر بولی۔

"ہوں۔"

"ویسے بعض لوگ تو جونکوں سے بھی پرے ہوتے ہیں مگر پھر بھی خون تو سب کی رگوں میں دوڑتا ہے۔" وہ مارے گھبراہٹ کے آئیں بائیں شائیں کرنے لگی۔

مومن کے بازو کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی

"وہ کون لوگ ہوتے ہیں؟"

"بہت لوگ ہوتے ہیں ایک تو "پی آئی اے" پاشائی ہے جنہیں صرف اپنی تراوش پوری کرنے سے غرض ہوتی ہے۔ (ایک ایکسیڈنٹ کے کردار ان کو نظر موجود ہیں) میرا خیال ہے مجھے بھی ان سے "یہ والی بات نہیں کرنی چاہیے)

اس نے جیسے خود کو روکنا ابھی گوارا کی تھی اور جھجک فطری تھی

"تھوڑی؟ غلط کی تھی آج پھر وہ غلطی کر گئی ہے میرا خیال ہے کہ تم آج بہت تھک گئی ہو تمہیں سونا چاہیے تو مجھے بھی تھکن کی وجہ سے نیند آ رہی ہے۔"

اس نے اپنے بازو کی گرفت سے ریحا کو آزاد کیا۔

دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون؟" مومن نے کروٹ لیتے ہوئے پوچھا

"سر...... دودھ۔" بخشی کی آواز آئی۔

"رکھ جاؤ یار...... میری تو ہمت نہیں ہے اٹھنے کی۔"

☆☆☆☆☆

اسے خود معلوم نہیں کہ کس وقت آنکھ لگی تھی۔ رات دیر تک چھت پر ٹہلتی رہی تھی۔

فخر النساء نے جب اسے جگایا دوپہر کا ایک بج رہا تھا

"بیٹی نہا دھو کر کھانا کھالو۔ پھر نماز پڑھ کر سو جانا۔" انہوں نے بہت پیار سے جگایا تھا۔

اتنی گہری نیند تو لی تھی کہ وہ پہلے تو سمجھ ہی نہ پائی کہ وہ ہے کہاں چند ثانیے فخر النساء کی مہربان سی صورت دیکھی اور جیسے ذہن میں آ گئی آنکھ کھلنے سے پہلے کیا پیش آیا تھا سب یاد آ گیا۔

اس نے اب کی بار فخر النساء کو تولتی نظروں سے دیکھا تھا۔

اس کا جی چاہا پوچھے کہ "آ گئے؟" (آپ تو کہہ رہی تھیں کہ سات آٹھ بجے تک آ جائے گا)

"غسل کر کے باہر آجاؤ میں ناشتہ پر تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔" وہ اس سے نظر چرا کر کھڑی ہو گئیں۔ "ناشتہ کا سودا نہیں تو کھانا بھی تیار ہے"

"اماں! میں مہمان تو نہیں ہوں آپ فکر نہ کریں" اس نے اپنے بکھرے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے کہا اور بیڈ سے اتر گئی۔

فخر النساء کے چہرے پر سکون سا نظر آیا اس جملے میں ان کے لیے سارے اطمینان تھے

"تم تو اس گھر کی اصل مالکن ہو مہمان کیوں سمجھوں گی بس اپنے بچوں کے چھوٹے چھوٹے کام کر کے خوشی سی محسوس ہوتی ہے" وہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولیں۔

ماہ نور وارڈ روب کھول کر کپڑے دیکھنے لگی۔

پتا نہیں کس وقت فخر النساء نے اس کے سارے کپڑے ہینگر کر کے کل کی ساری شاپنگ وارڈ روب اور ڈریسنگ ٹیبل پر سیٹ ہو چکی تھی۔

اس نے فیروزے رنگ کا ایک سوٹ نکال لیا۔

اب اس کے سارے حواس جاگ چکے تھے ذہن پھر بھی بھائیں بھائیں کرنے لگا سوچ اور پاپا کی آواز کے ساتھ کمرے میں دوڑنے لگے۔

یعنی اب یوں ہوگی زندگی۔ ایک نوحہ سا مسکراہٹ کی صورت اس کے ہونٹوں نے پڑھا کپڑے تیار کیے۔

غسل کیا۔

ظہر کی نماز فجر کی قضا کے ساتھ ادا کی ابھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ فخر النساء کمرے میں چلی آئیں اس نے خصوصی دعا کو انداز میں بدل کر ختم کی اور جائے نماز تہہ کرنے لگی جو فخر النساء نے جانے کب سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

"بیٹی...... وہ کوئی تمہارے کزن آئے ہیں ملنے کا انتظار کر رہے ہیں بتا دیا تھا میں نے کہ تم نماز پڑھ رہی ہو۔"

"کزن!؟" وہ ٹھٹھک گئی کون آسکتا ہے؟ چاند بھائی...... مظہر...... یا اظہار؟ بہر حال جنگل بیابان میں کسی اپنے کی

آمد کی اطلاع تھی وقتی طور پر اندر کی جنگ ختم گئی کتنا آسان ہے سوچنا اور کتنا مشکل ہے عمل پیرا ہونا ہر دم ہماری روح منتظر تو ہوتی ہے کسی نہ کسی کی۔ اس نے سوچا۔

وہ جیسے دوڑتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی تھی۔

"کنا" ایک کٹیلا سا خنجر روح کو کسی نازک مقام سے چھو گیا تھا۔

"السلام علیکم" اس کا لہجہ برف ہو گیا۔

"وعلیکم السلام ٹھیک ہو" مظاہر بہت پرسکون انداز میں پوچھ رہے تھے۔

(ہم نے آپ کا کیا چھین لیا مظاہر بھائی۔)

"یہ آپ کو پتا ہو؛ چاہیے کہ میں ٹھیک ہوں یا غلط" اس نے عجیب سا جواب دیا۔

"اب چھوڑو ... پیچھے کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں ... ماضی بھیانک ہو یا خوشگوار، ماضی ماضی ہی ہے اگلے قدم کے بعد اس سے اگلا قدم ہوتا ہے یہ تمہارا گھر ہے ٹھکانہ ہے آگے کا سوچو شکر کرو کہ بہت برا ہوا تھا مگر اتنا خسارہ بھی نہیں تمہاری ساس بہت اچھی خاتون ہیں دو اچھے مزاج کی خواتین ایک جگہ اکٹھی ہوں تو وقت بہت اچھا گزر سکتا ہے۔"

انہوں نے پر پلپ پر حفظ کرتے شلوار کھلے کھلے بالوں والی ماہ نور کو سرسری سا دیکھا۔

"دو..... ؟" ماہ نور کا انداز استہزائیہ تھا۔

"میرے خیال میں۔" مظاہر یہ کہہ کر سامنے لگی پینٹنگ دیکھنے لگے۔

"آپ کیوں آئے ہیں غلط لوگوں کے گھر؟ اگر کسی نے دیکھ لیا؟" اس کا انداز ہنوز چبھتا ہوا تھا۔

"میں صرف تم سے ملنے آیا ہوں تمہارے گھر....." مظاہر نے بڑے پروقار لہجے میں جواب دیا

"میرے خیال میں اب میں کسی "رسمی کارروائی" کی محتاج بھی نہیں ہوں آپ نے ناحق زحمت کی" اس کا انداز بلا کا زہریلا تھا۔

"میں اپنی مرضی سے کام کرتا ہوں کوئی فورس نہیں کرتا مجھے آپ افسوس نہ کریں۔" مظاہر نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔

اسی دوران قمر النساء ٹرے سمیت ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔

"یہ آپ نے تکلف کیا میں جلدی میں ہوں ماہ نور کی خیریت معلوم کرنے کے خیال سے آیا ہوں واپس آفس جا رہا ہوں۔" مظاہر نے ٹرے کی طرف دیکھ کر کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹھے! دو منٹ تو بیٹھو، کچھ تو لو میں تو یہ کباب تل رہی تھی اس لیے تھوڑی دیر ہو گئی ماہ نور نے بھی ناشتہ نہیں کیا اس خیال سے اور ....."

"ناشتہ ..... ؟ ....." مظاہر کی نظریں بے ساختہ کلاک کی سمت اٹھ گئیں۔

"رات کو شاید دیر سے سوئی ہوگی میں نے جان بوجھ کر بھی نہیں اٹھایا کہ جانے کب سے پوری نیند نہیں سوئی۔"

وہ اپنے مخصوص انداز میں جھکی نظروں سے کہہ رہی تھیں جملہ بہت معنی خیز تھا۔

"پاشا کہاں ہے؟" لیٹ اٹھنے اور لیٹ ناشتے کی بات پر ان کی سوچ پاشا کی طرف مڑی ماہ نور نے تو خاموش رہنا ہی تھا قمر النساء کے گلابی ہونٹ ہولے سے کانپ کر ایک دوسرے میں ایسا پیوست ہو گئے گویا اب کھولنا ہی نہیں۔

مظاہر کو ان کی خاموشی سے کیا لینا تھا کہ چہرے بول رہے تھے وہ کچھ خبریں تو سن رہے تھے مگر پاشا سے متعلق ان کے پاس مصدقہ خبر بہرحال نہیں تھی لیکن بیوروکریسی کی بے چینی اپنے اندر بہت بھید رکھتی ہے غیر معمولی حالات میں پاشا کی طرف ان

کے ذہن کی رسائی ایک فطری سی بات تھی۔

"بیٹھے یہ گرم کباب ہیں ایک تو لو" قمر النساء کے اصرار میں بہت کشش تھی۔

"یہ پاشا کی اسمگلنگ کی کمائی کا کھانا نہیں ہے میرا مطلب ہے ناشتا نہیں ہے اماں بتاتی رہیں کہ میرے سسر نے بڑی محنت مشقت سے جائیداد بنائی تھی اس کی آمدنی سے اس گھر کا چولہا جلتا ہے آپ اطمینان سے کھا سکتے ہیں۔"

ماہ نور لاشعوری طور پر زہریلی ہو جاتی تھی۔

مظاہر قمر النساء کے سامنے قدرے بے چین سے ہو گئے۔

"میں ضرور کھاتا بیٹا۔ ایکچولی میں لیٹ ہو چکا ہوں پھر کسی میرے آفس کے نمبر ہیں تمہارے پاس؟" وہ عجلت کے انداز میں یوں کھڑے ہوئے کہ واقعی کچھ کھانا نہ پڑ جائے۔

"اب مجھے کیا ضرورت نہ نمبر کی نہ نمبر والوں کی۔" پھر تڑاتو جواب ملا۔

"یہ محض وقتی کیفیت ہے، کچھ دنوں بعد طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔"

"بہرحال اماں تمہارے پاس ہیں میں اچھا محسوس کر رہا ہوں گڈ لک۔" وہ یہ کہہ کر قمر النساء کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اچھا... اللہ حافظ خیال نہ کیجئے گا میں پھر آؤں گا۔" اتنا کہا اور چلے گئے۔

"گڈ لک.... ہونہہ.... یہ وائیٹ کالر منافق لوگ اب دھری ہے گڈ لک پہلی بات تو یہ کہ آئے کیوں؟ یہ دیکھنے کہ تلخ تجربے سے مکمل گزر جانے کے بعد انسان کی صورت کیسی ہو جاتی ہے؟"

"ماہ نور اتم کچھ لے لو .... چائے بھی ہے بناؤں کیا؟" قمر النساء نے اسے متوجہ کیا۔

"میں بنا لوں گی اماں۔"

"اچھا ٹھیک ہے ویسے بھی امیر بخش میرا انتظار کر رہا ہے تم اکیلے ڈر و گی تو نہیں؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"امیر بخش؟"

"ڈرائیور.... یہ ہمارا بہت پرانا ملازم ہے تمہارے سسر کے زمانے سے ہماری گاڑی چلاتا ہے" انہوں نے جواب دیا۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟" کہیں جانا کوئی نرالی بات تو نہیں تھی مگر پاشا کے حوالے سے ذہن میں کوئی نہ کوئی وہم آ جاتا تھا۔

"کھانا لے کر جا رہی ہوں پاشا کو .... چھوٹی۔"

"کہاں ہیں وہ...... ؟ آپ تو کہہ رہی تھیں چند گھنٹوں میں آ جائیں گے؟" ماہ نور نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کبھی کبھی دن بھی لگ جاتے ہیں اللہ کا شکر ہے ماں کا اتنا خیال کر لیتا ہے جہاں ہوتا ہے بتا رہتا ہے کہ کہاں ہے۔"

"چلتی ہو تو چلو ...!" انہوں نے بھی نظریں جھکا کر پوچھا

"میں کیا کروں گی جا کر ... آپ ہو آئیں ہاں اگر آپ کو ٹینشن ہو کہیں پھر نہ چلی جاؤں تو آپ کی تسلی کے لیے چلی چلتی ہوں۔" اس نے چائے تیز کرنا شروع کر دی۔

"مجھے پتا ہے اب تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" ان کے لہجے میں عجیب سا دکھ تھا۔

"اچھا تم گیٹ بند کر لو میں چادر اوڑھ لوں"۔

ماہ نور کپ لے کر ان کے پیچھے چل دی

"کیوں آئے تھے مظاہر بھائی؟ جو پاشا سے ہاتھ ملانا بھی پسند نہیں کرتے مجھے پتا ہے انہیں کوئی جلدی نہیں تھی وہ پاشا

کے گھر میں کبھی چائے نہیں پئیں گے خواہ اماں جیسی عورت کا دل سو بار ٹوٹے۔"

"اگر پاشا گھر میں ہو؟ انہیں کیا پتا کہ وہ گھر میں ہے یا نہیں؟"

"کیوں آئے تھے؟ ان کے یہاں آنے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔"

وہ کباب اور نگٹس کھاتے ہوئے ساتھ چائے سے گھونٹ بھرتے ہوئے مسلسل سوچ رہی تھی کہ فون کی بیل رنگ ہوئی وہ کپ سمیت لاؤنج میں آ گئی۔

"ہیلو!"

"ہاں ماہ نور اماں چلی گئیں یا نکل گئیں؟" دوسری طرف پاشا تھا۔

"وہ ابھی نکلی ہیں۔۔۔" اس کی آواز میں تو عجیب سی کیفیت ہوگئی۔

"اوہ۔۔۔ خیر۔ اور تم ٹھیک ہو؟ مجھے تو تم بہت یاد آرہی ہو یہ پولیس والے میرے جانی دشمن ہیں یار۔۔۔ کچھ کھانا پینا کر لینا یہ ہم پر آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا سن رہی ہو؟" اس کی ترنگ کا انداز وہی تھا۔

"ہوں۔"

"اور سنو یہ ہمارے ڈپٹی کمشنر صاحب مسٹر مظاہر غریب خانے پر کس سلسلے میں تشریف لائے تھے؟"۔

ماہ نور دھک سے رہ گئی۔ چند روز ہوئے ہوں گے مظاہر کو لکھے اور پانچ منٹ اماں کو۔۔۔ ایسا کیا چوک یہ بیٹھا ہے یہ شخص۔

"کسی سلسلے میں نہیں، شاید میری خیریت معلوم کرنے آئے ہوں گے۔" اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"شاید؟۔۔۔ تو کیا خیریت پوچھی نہیں۔"

"اس وقت تو واقعی مجھے یاد نہیں کہ مجھ سے انہوں نے کیا پوچھا کیا بات کی وہ زیادہ دیر نہیں بیٹھے ہو سکتا ہے اماں سے باتیں کی ہوں میں تو سو رہی تھی اماں سے پوچھ لیجئے گا کہ کیا باتیں کیں؟" اس نے صاف جواب دیا۔

"اماں پہنچ گئیں کیا؟ آپ کو کیسے پتا چلا کہ مظاہر بھائی آئے تھے؟" سوال کیے بنا رہ نہ سکی۔

"اماں میرے پاس ہوتیں تو میں تم سے کنفرم کرتا کہ اماں ہیں یا نکل گئیں؟"

"اچھا۔۔۔ اوکے پھر بات ہوگی۔" فون بند ہوگیا۔

"جب ہمارے گھر کی سب خبر رکھتی تھی تو یہ تو پھر اپنا گھر ہے۔" ایک بے بس سی مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیلی اور اس نے آہستہ آہستہ چائے ختم کی۔

آخری گھونٹ بھرتے ہوئے اس کی نظریں اس تصویر پر جا ٹھہریں جس میں پاشا ایک پاؤں مردہ شیر پر رکھے بندوق کے ہاتھ میں دھنسائے بہت فخر سے مسکرا رہا تھا۔

"جیت کی خوشی تمہیں ضرور ملتی ہے پاشا! بقول تمہارے تم 'مرد' ہو۔" وہ بڑے تفاخر سے مسکرائی۔

پھر ڈرائنگ روم میں نظریں دوڑانے لگی۔

اتنا بڑا ڈرائنگ روم اس کی اماں کے پورے گھر سے بڑا تھا! انتہائی پرشکوہ جدید و قدیم کا شاندار منظر پیش کرتا تھا کچھ ڈیکوریشن پیسز تو نوادرات میں شمار ہوتے تھے ان کی چکاچوند ان کی قیمت بتاتی تھی خاص طور پر سیاہ صندل کا وہ گھوڑا جس پر جلاد قسم کا ایک سوار تھا وہ سنہرے دستے کی تلوار سونتے ہوئے تھا۔

"تمہیں لوگ اپنے کوارٹر میں ہیں۔ شمسی ٹی وی دیکھ رہا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں اوپر ہوں گی تم فکر نہ کرو خیریت تو ہے ناں؟ آج بڑی احتیاط کر رہی ہوں؟" ریا کو حیرت ہوئی۔

"جی وہ بیگم صبیحہ پوچھ رہی تھیں کوئی ادھر آیا تو نہیں۔ میں ڈر گئی کہ شاید انہیں پتا چل گیا ہے مجھے آزما رہی ہیں پھر بھی جی مضبوط کر کے کہہ دیا کہ نہیں کوئی نہیں بیگم صبیحہ کہہ رہی تھیں کہ مجھے کہیں اور گھر دلا دیں گی تاکہ میں اپنے بال بچوں کو بھی وہاں بلا سکوں یہاں تو وہ شور کریں گے سب کو پتا چل جائے گا۔ ادھر کوئی رہتا ہے۔ کہہ رہی تھیں صاحب پوچھ رہے تھے کہ انیکسی کے ایک کمرے کی لائٹ کیوں جلتی رہتی ہے۔ فالتو بجلی کا خرچہ ہوتا ہے بیگم صبیحہ بولیں میں نے کہہ دیا کہ وہ بھی گھر ہی کا حصہ ہے ایک دم اندھیرا اچھا نہیں ہوتا آسیبی جگہ ہو جاتی ہے مگر صاحب ان باتوں پر یقین نہیں کرتے۔"

عورت بولتے بولتے اور آہستہ ہوگئی۔ ریا کی طرف جھک کر سرگوشی میں بولنے لگی۔

"کہہ رہی تھیں میری بہو بھی اس طرف آ سکتی ہے میں تو زیادہ تر گھر سے باہر رہتی ہوں۔"

"ہاں اس لیے میں نے ان سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی فی الحال تم کسی مشکل میں نہ آ جاؤ۔ اس وقت تمہیں نوکری کی بہت ضرورت ہے یہ کھولو پلیٹ خالی کر دو اور یہ بھی رکھ لو میری سلامی میں بہت کیش آیا ہے۔"

ایک لفافہ کھولا تو یہ ہزار کا نوٹ نکلا۔ سردیاں آ رہی ہیں۔ بچوں کے لیے لحاف وغیرہ بنوا لینا ہے ویسے تو میرے پاس اتنے پیسے ہوتے نہیں ہیں کہ ہزار روپے بچا سکوں سنا ہے شوہر بیوی کو پیسے وغیرہ دیتے ہیں مگر مون نے تو مجھے ابھی تک نہیں دیے اگر دیں گے تو میں تمہیں اور دے دوں گی اب سلامی کے لفافوں سے نکالتے بھی ڈر لگتا ہے بڑی اماں کہہ رہی تھی کہ سب لفافے اپنی ساس کو دینا اب ایک لفافہ ادھر ادھر ہو گیا تو ان کو کیا پتا چلے گا لفافہ پھاڑ کر میں نے ڈسٹ بن میں ڈال دیا تھا بے بی کیا سو رہی ہے؟"

وہ بولتے بولتے یکدم طائرانہ نظر ڈالنے لگی۔

"جی اس ٹائم وہ سو جاتی ہے عورت کا بس نہیں چلتا تھا ریا کے پاؤں چھو لے کیا سادہ سچا انداز گفتگو تھا اگر دیں گے تو میں اور دے دوں گی اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

"کیسا اچھا دل بنایا ہے اللہ نے آپ کا۔ اللہ آپ کی بہار سلامت رکھے آپ کبھی دکھ نہ دیکھیں۔ یہ بہت ہیں بہت بہت شکریہ آپ کا۔"

"ارے نہیں شکریہ کی کیا بات اگر ضرورت سے زیادہ پاس پڑا ہو تو کسی ضرورت مند کو دے دینا چاہیے اب میرے پاس تین امپورٹڈ بلینکٹ ہیں اوڑھوں گی میں ایک ہی کپڑے اتنے ہیں کہ گنتی نہیں ڈھیروں جوتے جیولری اب اگر مون مجھے دو ہزار روپے دیں تو میں کیا کروں گی۔۔۔؟ میں تو سوچ میں پڑ جاؤں گی کہ ان کا کیا کروں؟ بڑی اماں کی طرف بھی میرے پاس ڈھیروں چیزیں تھیں، پیسے بھی بہت جمع ہو جاتے تھے کبھی ابا جان مہینے میں پانچ سو دے دیتے کبھی ظہیر بھائی دو سو تین سو اسی طرح اظہر بھائی۔ کالج میں اتنے پیسے خرچ نہیں ہوتے تھے جو بچ جاتے تھے بڑی اماں کو دے دیتی تھی یا اپنی ماسی کو۔"

عورت کو ریا کی سادگی پر جیسے پیار آ گیا۔

"پیسہ تو بہت سے لوگوں کے پاس ہوتا ہے دلہن بیگم! مگر دل کسی کسی کا ہوتا ہے دینے کا آپ کسی کے سامنے اس طرح باتیں نہ کیا کریں لالچی لوگ! ایسے ہمدردوں کو بہت بے وقوف بناتے ہیں میرے گھر میں واقعی لحاف کی ضرورت ہے یہ ہزار روپے غیبی مدد ہے یہ میرے لیے لاکھ برابر ہیں میری نوکری لگی رہے یہ دعا کریں کہ میں اپنے بچوں کو حق حلال کی کھلاؤں مجھے اس بات کی تمنا نہیں کہ آپ مجھے دیتی رہیں میں محنت کی چٹنی روٹی میں خوش ہوں لیکن یہ سچ ہے اس وقت میں واقعی ضرورت مند ہوں اس لیے

کے گھر میں کبھی چائے نہیں پئیں گے خواہ اس جیسی عورت کا دل سو بار ٹوٹے۔"

"اگر پاشا گھر میں ہوتا؟ انہیں کیا پتا کہ وہ گھر میں ہے یا نہیں؟"

"کیوں آئے تھے؟ ان کے یہاں آنے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔"

وہ کباب اور کٹلس کھاتے ہوئے ساتھ چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے مسلسل سوچ رہی تھی کہ فون کی بیل رنگ ہوئی وہ کپ سمیت لاؤنج میں آگئی۔

"ہیلو!"

"ہاں ماہ نور! اماں جی باہر نکل گئیں؟" دوسری طرف پاشا تھا۔

"وہ ابھی نکلی ہیں۔۔۔" اس کی آواز میں تو عجیب سی کیفیت ہوگی۔

"اوہ... خیر... اور تم ٹھیک ہو؟ مجھے تو تم بہت یاد آ رہی ہو یہ پولیس والے میرے ساتھ سوتن کے دشمن ہیں یار... کچھ کھانا پینا کر لیتا یہ ہم پر آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا سن رہی ہو؟" اس کی ترنگ کا انداز روشن تھا۔

"ہوں۔"

"اور سنو یہ ہمارے نئے باپ ہمارے وزیر بڑے ہی نیس مسٹر مظاہر غریب خانے پر کس سلسلے میں تشریف لائے تھے؟"

ماہ نور دھک سے رہ گئی۔ چند روز منٹ ہوئے ہوں۔ گھر مظاہر کو نکلے اور پانچ منٹ اماں کو۔۔۔ ایسا کیا چوک پہ بیٹھا ہے یہ شخص۔

"کسی سلسلے میں نہیں، شاید میری خیریت معلوم کرنے آئے ہوں گے۔" اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"شاید... ؟ ... تو کیا خیریت پوچھی نہیں۔"

"اس وقت تو واقعی مجھے پتہ نہیں کہ مجھ سے انہوں نے کیا پوچھا کیا بات کی وہ زیادہ دیر نہیں بیٹھے ہو سکتا ہے اماں سے باتیں کی ہوں میں تو سو رہی تھی اماں سے پوچھیے گا کہ کیا باتیں کیں؟" اس نے صاف جواب دیا۔

"اماں پہنچ گئیں کیا؟ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ مظاہر بھائی آئے تھے؟" سوال کیے بنا رہ نہ سکی۔

"اماں میرے پاس ہوتیں تو میں تم سے کنفرم کرتا کہ اماں جی باہر نکل گئیں؟"

"اچھا۔ اوکے پھر بات ہوگی۔" فون بند ہوگیا۔

"جب ہمارے گھر کی سب خبر رہتی تھی تو یہ تو پھر اپنا گھر ہے۔" ایک بے بسی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیلی اور اس نے آہستہ آہستہ چائے ختم کی۔

آخری گھونٹ بھرتے ہوئے اس کی نظریں اس تصویر پر ٹکیں جس میں پاشا ایک پاؤں مردہ شیر پر رکھے سینے میں دھنسائے بہت فخر سے مسکرا رہا تھا۔

"جیت کی خوشی تمہیں مغرور کرتی ہے پاشا! بقول تمہارے تم 'مرد' ہو" وہ بڑے تفاخر سے مسکرائی۔

پھر ڈرائنگ روم میں نظریں دوڑانے لگی۔

تنہا ڈرائنگ روم اس کی اماں کے پورے گھر سے قیمتی تھا۔ جو پرشکوہ و جدید وضع کا شاندار منظر پیش کرتا تھا کچھ ڈیکوریشن پیس تو نوادرات میں شمار ہوتے تھے ان کی چکاچوند ان کی عمر بتاتی تھی خاص طور پر سیاہ سنگ مرمر کا وہ گھوڑا جس پر جلاد قسم کا نائٹ سوار تھا اور سنہرے رنگ کی تلوار سونتے ہوئے تھا۔

ایک بلی کا سوئی مجسمہ کہ زندہ بلی کا گمان ہوتا تھا جو جست لگانے کو تیار بیٹھی ہو۔ فانوس اور چھت پر لگے پنکھوں سے بھی گھر کی تعمیر کا زمانہ پتا چل سکتا تھا البتہ فرنیچر تمام جدید ڈیزائن کا تھا۔

سب کچھ ہے اس گھر میں مگر کچھ بھی نہیں ہے۔

تا حد نظر دھوکا فریب

وہ ٹرے اٹھا کر ڈرائنگ روم سے باہر آگئی اتنے بڑے گھر میں ہو کا عالم طاری تھا۔

اس سناٹے میں کال بیل کی آواز دس گنا زیادہ محسوس ہوئی تھی۔

اس نے ٹرے کچن میں رکھی اور پھر گیٹ کی طرف بڑھی۔

"کون.....؟"

"میں ہوں ملیحہ!"

کھٹاک اس نے بڑی بے تابی سے گیٹ کھول دیا جیسے مدتوں سے انسانوں کو ترس رہی ہو۔

سامنے دھوپ کی تمازت سے سرخ چہرہ لیے ملیحہ کھڑی تھی گود میں بچہ تھا کاندھے پر بیگ، سیاہ گلاسز اتارتے ہوئے وہ بازو پھیلا کر آگے بڑھی۔

"ہم تو تم سے گلے شکوے بھی نہیں کر سکتے البتہ شکر گزار بہت ہیں کہ تم آگئیں۔ یہ تم نے سب پر احسان کیا ہے ہمیں اماں کی بہت فکر تھی اور دکھ کی بات ہے تو خیر سب ہی کے لیے تھی۔"

ماہ نور نے خاموشی سے گیٹ بند کیا پھر دونوں آگے پیچھے چلتی ہوئی لاؤنج میں آگئیں۔

بچے کا ریسٹ پر لٹکایا بیگ ایک طرف اچھالا اور چادر دوسری طرف۔

"تمہارے بیڈ روم کا اے سی تو آن ہوگا تو پتہ ہے کتنی تیز دھوپ ہے مائی گاڈ! اماں تو کہہ بھی رہی تھیں کہ دھوپ ڈھل جائے تو چلی جانا گاڑی بھی کوئی نہ تھی ظاہر ہے سب لوگ اپنے اپنے دھندوں پر تھے لیکن میں آئی ہوں حلیے سے صاف ظاہر ہے مگر تم تو سگی بھابی ہو اور اماں نے پتا نہیں کیوں اتنی دیر بعد اطلاع دی؟ تم تو اندازہ نہیں کر سکتیں کہ میری بلکہ سب کی کیا حالت ہے اماں کیا نماز پڑھ رہی ہیں۔؟"

ایک تسلسل سے بولتے بولتے ملیحہ نے اسٹاپ کیا۔

"اماں گھر پر نہیں ہیں" اس نے بتایا۔

"پھر کہاں ہیں۔" ملیحہ کا ماتھا ٹھنکا (وہ تو اس وقت کہیں نہیں جاتیں)

"آپ کے بھائی کے لیے کھانا لے کر گئی ہیں۔" اس نے رسانیت سے کہہ کر ملیحہ کی چادر تہہ کرنا شروع کر دی۔

اور ملیحہ صوفے پر بھربھری مٹی کی طرح ڈھے گئی۔

"کب گیا تھا پاشا؟" اس کے لہجے میں بلا کی تھکاوٹ تھی۔

"سوال یہ ہونا چاہیے کب لے گئے تھے؟ سرکاری مہمان بننے خود سے کون جاتا ہے۔" وہ یوں مسکرائی کہ ملیحہ اس کی مسکراہٹ کا مفہوم اخذ کرنے سے قاصر رہی۔

"جس روز میں آئی تھی اسی رات بلکہ اس رات کی صبح چار بجے۔"

"اوہ....." ملیحہ نے اس کے سراپے پر نظر دوڑائی

تھی...... زنجیریں پہن لیں آخر اس نے ہو گئی ساری بھاگ دوڑ ختم ٹوٹ گیا سارا غرور ...... بے چاری عورت ملیحہ کی آنکھوں میں نمی سے تیرنے لگی اس نے آگے بڑھ کر ماؤ نور کو گلے سے لگایا۔

''اللہ سے دعا ہے سب کچھ تمہارے حق میں ہو جائے تمہارے وسیلے سے سبھی ہم سب کو سکون مل جائے آمین۔''

''کھانا کھائیں گی آپ؟'' وہ ملیحہ سے الگ ہو کر بولی۔

''نہیں کھانا وانا کھا کر آئی ہوں تم کھا چکیں؟''

''جی۔''

''مدیحہ و غیرہ نہیں آئیں؟''

''نہیں......'' اس نے مختصراً کہا

''ہو سکتا ہے، شام تک آ جائیں''

''اماں ڈرائیور کے ساتھ گئی تھیں؟''

''جی!''

''بابا کا فون ... ... آیا تھا؟''

''ہاں... ابھی کچھ دیر پہلے۔'' ''کب تک آئے گا؟''

''یہ تو نہیں بتایا کہ اماں کو پوچھ رہے تھے۔''

''ہوں میں اماں کے کمرے میں جاتی ہوں تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو شام کو باتیں کریں گے اماں کہہ رہی تھیں۔ ویسے کیا بیماری ہے بھی رہتا ہیں۔'' ملیحہ نے کہا

''ہونہہ... ویسے...'' اس نے آنکھیں موند لیں۔

ملیحہ نے ایک نظر ڈالی اور بچہ اٹھا کر لاؤنج سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆☆☆

''اے چاند! امریکہ میں زیادہ کھانے کو ملتا ہے یہاں کوئی کمی ہے؟'' بڑی اماں کافی دیر سے چاند اور ثانیہ کو پینگ کرتا دیکھ رہی تھیں۔

''جی بڑی اماں! وہاں کھانے کو بھی بہت ہے اور پھینکنے کو بھی۔ ہر سال ٹنوں گندم وہ لوگ سمندر میں بہا دیتے ہیں چاند نے بڑے مصروف انداز میں جواب دیا۔

''اور بڑی اماں! وہاں ایٹم بم بھی بہت ہیں ساری امریکی قوم ایک ایک ایٹم بم کے ساتھ فوٹو کھنچوا سکتی ہے۔''

اظہار نے معلوماتی قسم کا جواب دیا۔

''یعنی جینے کو بھی بہت اور مرنے کو بھی بہت۔'' مظہر نے اضافہ کیا۔

''اپنی تو عقل حیران ہے باؤلے ہوئے جا رہے ہیں لوگ جسے دیکھو امریکہ بھاگ رہا ہے بھیا کیا بٹ رہا ہے وہاں تم بتاؤ کہ بھلا مجھے تمہارا امریکہ میں رہنا بالکل پسند نہیں۔'' بڑی اماں نے چاند سے کہا۔

''اتنی مشکل اٹھا کر بچے پالو...... وہ جا کر امریکہ بیٹھ جائیں بیٹھے رہو صورتوں کو سعودی عرب جائیں تو کوئی بات ہے کم از کم حج عمرے کی تو سہولت ہو۔''

''اب سمجھ میں آیا بڑی اماں پھر سے حج پر جانا چاہتی ہیں۔'' اظہار نے ''اصل وجہ'' دریافت کر لی۔

''خیر وہ تو میں جا سکتی ہوں میں تو کہہ رہی ہوں اگر بڑوں کی صورتیں دیکھنے سے تو بہتر ہے کہ انسان صبح و شام مکہ و مدینہ دیکھے ایمان بھی تازہ ہو آخرت سنوارنے کا شوق بھی پیدا ہو۔''

بڑی اماں! کوئی عورت آئی ہے کہتی ہے کہ اس گھر کی بڑی عورت سے ملنا ہے بہت غریب معلوم دیتی ہے بابا نے بحث کے دوران مداخلت کی تھی۔

''اے میاں دیکھ بھال کے اندر لایا کرو آج کل کا بھروسا نہیں کون آ گئی اسے باہر ورانڈے (برآمدے) میں ہی روکو، آئی ہوں ارے کس کو آ گئی میری باد اس بھری دوپہر میں کہ ماتو چیل انڈا چھوڑ بھاگی پھرتی ہے۔

''سلام بڑی بی!''

''وعلیکم السلام۔ ہوئی تمیز نہیں سکھائی تمہیں کسی نے بات کرنے کی دو تو مجھے بھی چاہیے کہ میں ''بڑی بی'' ہوں ننھی نہیں ہوں۔'' بڑی اماں نے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''معاف کر دو بیر سے میری بولی ٹھیک سے نہ اوے میں بڑی مجبور عورت ہوں آپ کے پاس مدد کے واسطے آئی ہوں ہمارے گوٹھ میں بڑی غریبی ہے ہم سب کام کے واسطے آئے تھے مگر ہمارا ساتھ بڑی ہو گئی مکدر (مقدر) جو گھر اب ہے میری وہ چھوکری ادھر کام کرتی تھی ادھر ہی میرے کو کسی نے بتایا آپ کے گھر میں کوئی کام والی نہیں شاید آپ کو نوکرانی کی جرورت (ضرورت) ہو۔''

''ارے کس نے دکھا دیا تمہیں اس گھر کا راستہ ہمیں نہیں ضرورت کسی نوکرانی کی۔ بتاؤ...... منہ اٹھائے چلے آتے ہیں ہم نے کیا اخبار میں چھپوایا ہے کہ ہمیں نوکر چاہیے؟'' بڑی اماں کو تا خواندہ آمد پر غصہ آ گیا۔

''ہمیں جیادہ تنکھا (تنخواہ) نہیں چاہیے دو وقت کی روٹی مل جائے بہت ہے'' عورت نے خوشامد کی۔

''بیوی...... یہاں سب کام ہو رہے ہیں تمہیں کیا دال چاول ملا کر دیں کہ بیٹھی لگ کرتی رہو اتنی بھری دوپہر میں تمہیں خوب سوجھی اس گھر کی۔''

''جرینہ (زرینہ) کہہ رہی تھی کہ آپ بڑے اچھے لوگ ہوں کچھ نہ کچھ تو مدد کرو گے عورت نے پھر خوشامد کی

''اوئی یہ جرینہ کون ہے...؟ ہم نہیں جانتے کسی جرینہ ورینہ کو بیوی دماغ کھانے کی ضرورت نہیں میرا آپ جی اچھا نہیں ہاں یہ ہے اس وقت میں تمہیں کچھ نہ کچھ دے دوں گی تسلی رکھو'' بڑی اماں نے اندر کی طرف قدم بڑھائے۔

''ہم بھکاری نہیں ہیں کام کر کے روٹی کھانا چاہتے ہیں خیرات کے پیسوں سے کے روز روٹی کھائیں گے؟ آپ کہیں ہمارے واسطے کام دیکھ دو بڑی مہربانی ہو گی۔''

''اچھا ٹھیک ہے میں بچوں سے پوچھ لوں گی''

''گیٹ کھولنے سے پہلے پوچھ تو لینا چاہیے کون ہے کس سے ملنا ہے؟ بھروسے کا وقت نہیں ہے۔''

''کیا ہوا بڑی اماں؟'' چاند نے بڑی اماں کی بڑبڑاہٹ سن لی۔

''کچھ نہیں وقت کی ستائی کوئی عورت آئی ہے کہ زرینہ نے بھیجا ہے نوکری کے لیے اب اللہ معلوم یہ زرینہ کون ہے باجی کدھر تھی پہنچ گئی ادھر ماری ماری پڑی جا رہی ہے کہ نوکر رکھ لو اب ہماری ضرورت کے لیے نوکر ہیں تو ہم کا ہے کو نوکر رکھ لیں بابا سے کہو اسے کچھ کھانے پینے کو دے دیں۔''

''آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ آئی کدھر سے ہے؟'' ثانیہ نے پوچھا۔

ارے جب نہیں معلوم کہ یہ نیک بخت زرینہ کون ہے تو کیا پوچھوں میری طرف سے اگلے وطن سے آئی ہو۔"

"بیٹھی ہے؟" تانیہ نے سوال کیا

"ارے کہہ رہی ہوں کچھ کھانے پینے کو دے کر رخصت کرو۔"

"میں دیکھتی ہوں۔" تانیہ لاؤنج سے باہر چلی گئی۔

"اب کتنے برس بعد لوٹو گے؟" بڑی اماں تانیہ کے جانے کے بعد پرسکون ہو کر چاند سے باتیں کرنے لگیں۔

"جلدی آؤں گا آپ فکر نہ کریں۔"

"ارے میں قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوں گھڑی کی خبر نہیں۔"

"میں جلدی چکر لگاؤں گا اب تو آپ ہلکی ہوگئی ہیں بس خوش رہا کریں ہمارے لیے دعا کیا کریں۔" چاند کام چھوڑ کر ان کی دل جوئی کرنے لگے۔

"کدھر سے ہلکی ایک ہی بہو آئی ظہیر کو سمجھا جاؤ اگر لڑکی گھر کی ذمہ داریاں اٹھانے کی وجہ سے ابھی شادی پر راضی نہیں تو کوئی بات نہیں وہ شادی کے بعد انہیں رکھتی رہے ہمیں اعتراض نہیں ہمارا لونڈے کی عمر نکلی جارہی ہے۔"

"ٹھیک ہے میں بات کرتا ہوں ظہیر سے۔"

"ارے میرے جیتے جی اپنے اپنے گھر بار والے ہو جائیں سکون ہو جائے گا اللہ نے ڈال دی ہے مجھ پر ماں بھی مجھ ہی کو بنا رہا اور باپ بھی تمہارے اپنے ماں باپ تو اللہ انہیں خوش رکھے کون سے پتھر کے کلیجے بھوا کر آئے تھے اچھے جینے میں ریا اپنے گھر کی ہو رہی کی پانچ پورے قد کے بھائی کھڑے اسے رخصت کر رہے تھے زندہ ماں باپ"۔

"آپ دیکھیں ناں ہم سب کس قدر خوش رہتے ہیں ہمارے پاس سب کچھ ہے آپ سمیت۔" انہوں نے آنکھ میں آئے ہوئے پانی کو بڑی اماں سے چھپایا۔

"اللہ شاد و آباد رکھے بیٹا تو ہے اپنی کوکھ سے تو پیدا کیا ہے اس کی توتلی باتوں سے لے کر اس کی گرجتی برستی آواز تک کانوں میں آتی ہے ایسا تو کہیں نہ دیکھا نہ سنا؟ اللہ کسی کو ایسی آزمائش نہ کرے۔"

"بڑی اماں! ہم تو سب کچھ بھول چکے ہیں آپ بھی بھول جائیں کوئی فائدہ نہیں۔" بڑی اماں خاموش ہوگئیں۔

"لوگ ارمان کرتے ہیں نیک بیٹے کا یہاں ایک نہیں اللہ نظر بد سے بچائے چھ بیٹے ہونہار قابل، نیک اور نصیب دیکھو ان کے ماں باپ کا۔"

"کس کے ماں باپ کا۔" تانیہ واپس آگئی تھی۔

"ایسے ہی کسی کی بات کر رہے تھے۔" بڑی اماں نے ٹالا

"بڑی اماں! وہ تو ریا کے گھر سے آئی ہے کہتی ہے زرینہ کا میاں آپ کی بیٹی کے گھر میں ڈرائیور ہے ریا نے زرینہ سے کہا تھا کہ بے چاری بہت ضرورت مند ہے بڑی اماں سے کہو تو رکھ لیں گی۔

"یہ بتاؤ دور جیٹھی تو کر رکھوا رہی ہے ارے جب نہیں ضرورت ہمیں اس گھر میں تو نوکروں کی فوج ہے وہیں رکھ لتی سو کوس دور بھیج رہی ہے بھری دوپہر میں اب وہاں جا کر یہ کام کرے گی پوچھتی ہوں اسے ٹیلی فون کر کے کرخنا (کارخانہ) کھولا ہے ہم نے بھرتی ہو رہی ہے بڑی اماں کو تو غصہ آگیا۔

وہیں ملاؤ ذرا ریا کو ٹیلی فون۔

☆☆☆☆

رہنے دو ایسی ہی ہے بڑی اماں! ایک وہی کیا تو رہ گئی تھی باقی سب غریب و نادار سے رخصت ہو جائیں باللہ میاں سب کو گھر ٹی وی، فریج، واشنگ مشین دے رہے ہوئے۔" چاند نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اے ہاں بس پاگل ہوگئی ہو نیں ہی ہیں اس کی... ذرا ملا تو ٹیلی فون آج اسے بھیج رہا جانے کل کسے بھیج دے ...ہم بس بیٹھے ہیں ان کی الٹی سیدھی جھیلنے کو۔"

تانیہ! ملا دو ورنہ بڑی اماں صبح تک ناراض ہی ہوتی رہیں گی۔" چاند نے کہا۔

تانیہ نے اٹھ کر نمبر ملا دیا۔

"ہاں وہ آپ کی ریا بی بی ہیں؟" تانیہ پوچھ رہی تھی۔

"ہاں......ہاں......ریا! میں تانیہ بات کر رہی ہوں یہ بڑی اماں تم سے بات کرنا چاہ رہی ہیں تانیہ نے ریسیور بڑی اماں کی طرف بڑھا دیا۔

"ہاں......وعلیکم السلام

"یہ کس کو ادھر کا رستہ دکھایا تھا؟ ہم نے کہا تھا کہ تمہیں کہ ہمیں نوکر کی ضرورت ہے؟" بڑی اماں فوراً ہی شروع ہوگئیں۔

"ہو بی وی...... ہمدردی اپنے بل بوتے پر کرنا چاہیے ہمارے ہاں نوکر عیاشی کے لیے نہیں ضرورت کے لیے رکھے جاتے ہیں اور دور ہمارے پاس ہیں آج کل کوئی ٹھکانہ ہے بھروسے کا وقت نہیں ہے کہ اس طرح گھر میں انجان لوگوں کو گھسانے پھریں۔"

"ارے میں بوڑھی ہو چکی ہوں تو کیا کنویں سے پانی کھینچتی ہوں جواب کھینچا نہیں جا رہا؟ ہمارے سب کام ہو رہے ہیں ہمیں نہیں ضرورت خبردار جو آئندہ کسی کو ادھر کا رستہ دکھایا تمہارے گھر نوکروں کی فوج دھری ہے وہیں کیا پلوا سے بھی اگر زیادہ ہمدردی ہے اور دیکھ بھال کے ہمدردی کیا کرو ہم بھی ظالم نہیں ہیں ہمیں بھی اللہ کو منہ دکھانا ہے..... قبر کے اندھیرے میں رہنا ہے لیکن کیا کریں رقت ہی ایسا ہے چوریں تک ڈاکے مار رہی ہیں اور یہ زرینہ نیک بخت کون ہے؟"

"بھری ارے بھئی ہمیں ضرورت نہیں تو کا ہے کو رکھ لیں۔" بڑی اماں پھر برہم ہوگئیں۔

"ارے تم پیسے دے دو گی؟ تو پھر تم ہی کیوں نہیں رکھ لیتیں۔"

"خوشامد یں کر رہی ہے؟ تو ہی کہہ رہی ہوں وہیں رکھ لو...... اب ہم تمہارے پیسے سے اپنے گھر نوکر رکھیں گے؟ چا ہے تمہیں بہت پیسے والی ہوگئی ہو سوچ سمجھ کر بات کرنا بھی سیکھ لو بن رہی ہو؟"

"ہاں ہاں۔ میں تو سن رہی ہوں...... سناؤ۔

"اوئی رہنے دو اب تمہاری بھی ہم ایک نہیں رکھ رہے تم دو اور منہ سے لگیں دماغ تو ٹھکانے ہے بچی!"

"ایک اماں دو بیٹیاں۔" بڑی اماں نے مڑ کر بہو کو بھی مطلع کرنا ضروری سمجھا۔

"آ کر کیا بتاؤ گی ابھی بتا دو چوری کیا ہے کوئی گناہ کر رہی ہو تو کر دکھنے کو کہہ رہی ہو بار ہمدردی سے اور صوئی بورکھا ہو۔ بس اب کچھ نہیں سن رہی میں مت بولو...... کا جان سے بات کرو گی؟ ہاں تو کر بولنا کہیں کنکلو کمشنر رکھوا دو۔ بڑا نام ہے تمہارے بھیجے کا خدا حافظ میری طرف سے انہوں نے ریسیور پٹخ دیا۔

"کہہ رہی ہے کہ بڑی اماں بہت دکھی عورت ہے اس کی دو بچیاں بھی ہیں جو ماں کا ہاتھ بٹایا کریں گی پیسے میں دے دیا کروں گی آپ بچیوں کو رکھ لیں ماسی تو ٹھیک سے صفائی نہیں کرتی آپ انہیں رہنے دیں رکھ لیں چھت پر ایک کمرہ ویسے بھی بیکار پڑا

ہے ساتھ غسل خانہ اور اسٹور بھی ہے اسٹور میں ایک چولہا رکھوا دیجئے گا جو میں کھانے وہیں رہیں گی تو آپ کو آرام رہے گا رات کو ہاتھ پاؤں بھی دبوا لیجئے گا سن رہے ہو چاند؟"

وہ پوتے کی طرف پلٹیں

"ٹھیک تو کہہ رہی ہیں بڑی اماں، ساتھ میں گلا بھی دبا دیا تو پھر؟" چاند نے بڑی سنجیدہ صورت بنا کر تانیہ سے کہا۔

"کوئی بعید نہیں۔" بڑی اماں نے جل کر کہا تھا۔

"بتاؤ گھر میں ٹھکانہ بھی ڈھونڈ بیٹھی اوپر سے کہہ رہی ہے کہ میں اکا جان سے بات کر کے دیکھوں گی وہ گھر میں رہتا ہے اسے تو بیوی کی ضرورت نہیں نوکرانیاں کیا اس کے سر کے بال گنیں گی؟" بڑی اماں سخت برافروختہ تھیں۔

"پھر بولی اچھا میں آکر آپ کو سمجھاؤں گی یو لو اللہ کی شان اب یہ بھی سمجھانے لائق ہوگئی بچہ گود میں آگیا تو زمانے بھر سے کہے گی مجھے بڑی اماں بولو۔"

چاند اور تانیہ کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"ارے چاند نہیں بڑی اماں کہلوانے کے لیے لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں تب جا کر کہیں راانت گرنا شروع ہوتے ہیں اور یوں بڑی اماں بنتے ہیں۔" چاند نے ہنس کر کہا۔

"ہاں تمہیں تو ہنسی سوجھتی ہے اس کی باتوں پر۔ دلہن! بچے کے کپڑے چھت پر سوکھ رہے تھے سوکھ گئے ہوں گے دونوں وقت ملنے سے پہلے اتار لیا کرو بڑوں کا کہنا ہے اللہ معلوم کیا بھید ہے یوں بھی سورج ڈھلنے کے بعد سوکھے کپڑے ٹھنڈے گیلے سے لگنے لگتے ہیں۔"

بڑی اماں نے اپنا ذہن ادھر ادھر دوڑایا۔

"جی ٹھیک ہے۔۔۔ ویسے تو میں مغرب سے پہلے اتار لیتی ہوں۔"

"چاند بیٹے! گاجر کا حلوہ بنا لوں ساتھ لے جانے کے لیے؟"

"امریکہ؟" چاند نے تعجب سے پوچھا بڑی اماں، وہاں گاجر ملتی ہے۔"

"تو میں نے یہ کب بولی کہ ادھر گاجر نہیں ہوتی اپنی اپنی بنائی ہوتی ہے میں تو اپنے بچوں کو اپنے ہاتھ کا بنا کر کھلاتی ہوں تو خوشی سے عمر بڑھ جاتی ہے۔"

"تم نے دیکھا لمبی عمر میں گاجر کے حلوے کا کنٹری بیوشن؟" چاند نے مسکرا کر تانیہ کی طرف دیکھا

"مذاق کرتے ہو میرے سفید چونڈے سے خوشی بچی خوشی عمر بڑھاتی ہے غم غصہ عمر کو کم کرتا ہے گرہ میں باندھ لو بڑوں کی کہاوت ہے۔" بڑی اماں برا مان گئیں

"تو بڑی اماں! میں کب اختلاف کر رہا ہوں بلکہ دعا کرتا ہوں اللہ آپ کو بہت لمبی عمر دے آپ کا سایہ آپ کی دعائیں ہمیں حاصل رہیں کون کرے گا آپ کے سوا یہ دعائیں ہمارے لیے۔" چاند اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے نزدیک آ بیٹھے۔

بڑی اماں جیسے سب کچھ بھول بھال گئیں۔

چاند کا سر اپنے کاندھے سے لگایا "جیتے رہو میرے بچے! اللہ سہاگ جگائے رکھے۔"

☆☆☆☆☆

قمر النسا گھر میں داخل ہوئیں تو بڑی شکستہ دل برداشتہ نظر آ رہی تھیں۔

ماہ نور پودوں کو پانی دے رہی تھی اسی دوران اس نے گیٹ کھولا تھا پائپ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

قمر النسا نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی دوپٹہ گلے میں لٹکائے شلوار اڑسے ایک ہاتھ سے اڑتے بال سمیٹے

"کیا کر رہی تھیں؟" ان کی آواز میں گویا بلا کی تھکن تھی۔

"کچھ نہیں۔۔۔ پودوں کو پانی دے رہی تھی یہ بھی جاندار ہیں بھوک پیاس بھی لگتی ہے انہیں اور یہ باتیں بھی کرتے ہیں سوچ رہی تھی ان سے باتیں کروں شاید خاموشی کا پردہ چاک ہو اتنے میں آپ آگئیں۔" وہ جیسے جبر سے مسکرائی ایک افسردہ کھوکھلی مسکراہٹ۔

"میں بھی یہی کرتی ہوں میرا مطلب ہے کرتی رہی ہوں ایک وقت تھا اس گھر میں چڑیاں چہچہاتی تھیں تو میں کہا کرتی تھی کم بولا کرو اور آج اس گھر میں کوئی بولتا نہیں خیر اب تو تم آگئی ہو شکر ہے مالک کا۔" وہ بولتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں ماہ نور پائپ پھینک کر پیچھے پیچھے چل پڑی تھیں۔

دونوں آگے پیچھے چلتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئیں۔

قمر النسا نے بھاری چادر اتار کر صوفے پر ڈالی لنچ باکس ٹیبل پر رکھ دیا تھا پھر گلے میں پڑا دوپٹہ قرینے سے سر پر جمایا اور صوفے پر بیٹھنے سے پیشتر ایک نگاہ ماہ نور کے چہرے پر ڈالی جو شلوار ٹھیک کر رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ بیٹی۔"

ماہ نور بیٹھ گئی۔

"خیریت ہے ناں اماں؟ آپ کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں۔" ماہ نور نے گویا ان کا چہرہ پڑھ لیا۔

"کوئی بات نہیں ہے بیٹی! ہاں تمہارے لیے نئی ہے پنجاب سے پولیس پارٹی آئی ہوئی ہے پاشا کو لینے وہ وہاں کسی کیس میں مطلوب ہے رات نو بجے وہ کراچی سے چلا جائے گا ایک سپاہی بتا رہا تھا کہ اسے اڈیالہ لے جائیں گے بہت مشہور جیل ہے پنجاب کی خطرناک مجرم وہاں پہنچائے جاتے ہیں۔" قمر النسا کی آواز بھرا گئی۔

"جب سے سنا ہے دل بیٹھا جا رہا ہے اس عاقبت نا اندیش کو دیکھو۔ کوئی فکر نہیں میں رونے لگی تو شعر سنانے لگا۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں
وہ طفل کیا کرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

اپنے حساب میں شہسوار بنا بیٹھا ہے بے خبر۔" قمر النسا سسکنے لگیں۔

ماہ نور ان کے قریب جا بیٹھی اور ان کے شانے پر دھیرے سے ہاتھ رکھ دیا۔

"کہہ رہا تھا کہ سات بجے تک ماہ نور کو لے آنا۔۔۔ خیر نہیں پھر کب ملاقات ہو۔" ماہ نور سر جھکائے سنتی رہی۔

"اماں! علیحہ آپی آئی ہوئی ہیں بچہ تنگ کر رہا تھا شاید اسے سلاتے سلاتے خود بھی سو گئیں۔"

"اچھا!" قمر النسا کے چہرے پر خوشی کی ایک جھلک لمحے بھر کو نظر آئی۔

"اسے مت بتانا اڈیالہ والی خبر کے ساتھ چلنے کو اصرار کرے گی اور میں اب بیاہی بچیوں کو تھانے جیلوں میں لے جانا نہیں چاہتی۔ سسرال میں باتیں بنتی ہیں میری بچیوں کو بھائی سے ملانے کیا ہے۔" وہ پھر سسکنے لگیں۔

"جیل؟ وہ تو ہو گئی۔ اس کا مطلب ریمانڈ پر ہے۔" چاروں اور جیسے گرم ہوائیں چلنے لگیں۔

"مدیحہ بھی آئی جو ہم ابھی کر و تیار ہو جاؤ یہ دونوں بہنیں ادھر رک جائیں گی کوئی بہانہ کرتی ہوں ہاں یہ کہہ دوں گی بیوی

اور ماں کے علاوہ کسی سے ملاقات کی اجازت نہیں ہے۔" وہ سرگوشی میں بولیں۔

وہ چپ چاپ اٹھ گئی قمرالنساء اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اس نے لنچ باکس اٹھالیا اور کچن میں چلی آئی۔

"جو کچھ ہو رہا ہے وہ پہلے بھی تو ہو سکتا تھا کہ اس گھر میں آنے سے پہلے مظاہر کے کو شیئر کرنے سے پہلے مظاہر ڈھونڈتے اور وہ اقبال میں ہوتا۔

سب کچھ اس کا ہے خدا سبب

اس کے رخساروں پر قطرے پھسل رہے تھے

اس نے لان میں کھلنے والی کھڑکی کے پٹ وا کیے اور لنچ باکس دھونے لگی سنک میں کچھ اور برتن بھی پڑے ہوئے تھے اس نے وہ بھی دھو ڈالے۔

"ارے ابھی تو ولیمہ بھی نہیں ہوا اور تم نے گھر کا کام بھی شروع کر دیا؟ ملیحہ کی آواز آئی اور وہ کچن میں داخل ہو گئی۔

"ولیمہ؟" زہر خند اس کے ہونٹوں پر پھیلنے لگی۔" اپنا کوئی کام پورا پر چیٹل نہیں ہوا ولیمہ بھی جیل میں ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے افسران سپاہی پہرے دار رجسٹرار سب مل کر چنگی دال کا ولیمہ کھائیں اور دولہا نمبر والی شرٹ میں پیرنگ کے اندر دلہن ...... دلہن کی موجودگی کوئی ضروری نہیں۔"

"کس سوچ میں گم ہو تم سے کہہ رہی ہوں۔" ملیحہ نے اسے ٹہوکا دیا۔

"جی...... وہ بس اماں لنچ باکس لے آئیں تو میں نے سوچا دھو کر ہی رکھ دوں۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی۔

"تم فکر مند نہ ہو اماں کہہ رہی ہے ایک دو روز میں آ جائے گا یہ تو اس کے معمولات میں شامل ہے کوئی نئی بات نہیں۔

"اماں کہہ رہی ہے کہ اس نے تمہیں بلوایا ہے میں تو اماں سے کہہ رہی ہوں ایسا ضروری بھی نہیں۔۔۔ آ تو جائے گا ایک دو روز میں مگر وہ کہہ رہی ہیں کہ اس نے بہت اصرار کیا ہے میں سوچ رہی ہوں اماں تھک گئی ہوں گی تم چلی جاتی ہوں تمہارے ساتھ۔" ان کو فون کر کے کہہ دیتی ہوں کہ بازار جا رہی ہوں ماہ نور کو لے کر لیکن اماں کہتی ہیں شوہر سے غلط بیانی نہیں کرنا چاہیے ایک بار اعتبار بگڑ جائے تو عمر بھر نہیں بنتا"۔

"تو پھر تم تیار ہو جاؤ دو بجے بھی آتی ہو گی ہم دونوں ہیں گھر پر کچھ کھانے کی چیزیں بنا لیں گے اماں صبح پہنچا دیں گی پاشا کو رات کے لیے کچھ کباب اور پراٹھے رکھ دیتی ہوں تم اپنے تیار ہو میں وہ پراٹھے ڈال دیتی ہوں۔"

"رہنے دو۔ رات کے لیے اس نے منع کر رہا تھا۔" قمرالنساء ماہ نور کی تلاش میں کچن تک آ گئی تھیں۔

"کیوں رات کو کھانا نہیں کھائے گا۔۔۔ اسے تو ذرا سی بھوک برداشت نہیں ہوتی۔" ملیحہ نے تعجب کے انداز میں ماں کا چہرہ دیکھا۔

"شاید اس کا دوست دوست لے کر آئے گا۔" وہ بیٹی سے نظریں چرا کر گویا ہوئیں۔

"اوہ۔۔۔ پھر تو کچھ زیادہ ہی اچھا کھانا آئے گا اچھا ہوا بتا دیا میں خوامخواہ ہی پراٹھے بنا کر رکھ دیتی۔"

"شروع ہی سے اچھا کھانا کھانے کی عادت ہے دال سبزی سے تو جیسے چڑ تھی۔ ہاں اماں کے ہاتھ کی مسور کی دال اور چاول بہت شوق سے کھاتا ہے تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ اب یہ شعبہ تمہارا ہو گا۔"

دونوں آگے پیچھے چلتی ہوئی کچن سے باہر آ گئیں۔

"اماں کپڑے ٹھیک تو ہیں ہم کون سا۔" وہ بولتے بولتے رک گئی۔

"ہاں چلو ٹھیک ہے" قمرالنساء نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔۔۔ "چادر اوڑھ لو اس طرح اوڑھنا کہ چہرہ چھپ جائے اس کے عجیب و غریب دوست بھی وہاں ہوتے ہیں خونی قسم کے نظر باز حیا سے عاری بہت مجبور ہو کر تمہیں لے جا رہی ہوں اگر اسے شہر سے باہر نہ جانا ہوتا تو کبھی بھی تمہیں لے کر نہیں جاتی۔"

ملیحہ بچے کی طرف متوجہ تھی اور وہ بہت آہستگی سے کہہ رہی تھیں۔

"ڈرائیور آتا ہو گا تم چادر اوڑھ لو۔" وہ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے تاکید کرنے لگیں۔

ماہ نور بیڈ روم میں آ کر چادر اوڑھنے لگی ہدایت کے مطابق اس نے چہرہ اچھی طرح ڈھانپ لیا تھا صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں...... بڑی بڑی مگر افسردہ۔

وہ باہر آئی تو قمرالنساء منتظر تھیں۔

"ڈرائیور آ چکا ہے بس اب چلو۔۔۔ راستہ بھی لمبا ہے۔۔۔ اچھا ملیحہ بیٹی گیٹ اچھی طرح بند کر لو۔" وہ ماہ نور اور ملیحہ سے ایک ساتھ مخاطب ہوئیں۔

ماہ نور پہلی مرتبہ کسی پولیس اسٹیشن میں داخل ہوئی تھی اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور دل بہت تیز دھڑک رہا تھا۔

قمرالنساء پہلے ایک کمرے میں داخل ہوئیں چند سپاہیوں کے نرغے میں ایک پولیس آفیسر بیٹھا ٹیلی فون پر بہت مودبانہ انداز میں بات کر رہا تھا۔

قمرالنساء پر نظر پڑتے ہی اس نے ہاتھ کے اشارے سے کرسی پر بیٹھنے کو کہا اور پھر نظریں ماہ نور کے چھپے ہوئے چہرے پر یوں جما ئیں گویا نظروں کی طاقت سے پردہ چاک کر دے گا۔

وہ دونوں بیٹھ گئیں۔

آفیسر نے بات مکمل کی اور ریسیور رکھ دیا۔

"تو بھی طوتے ہیں آپ کو اماں جی ابھی پاشا کے پاس کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں یہ آپ کی صاحبزادی۔"

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"بہو ہے میری...... پاشا کی بیوی......" قمرالنساء نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"اوہ......" اسے جیسے پاشا کی پردہ داری بیوی پر کچھ تعجب تھا۔

"اس مرتبہ پاشا لمبا ہی پھنسا ہے اماں جی دعا کریں۔ اصل میں اس مرتبہ اس کے کام میں اتفاقی شامل تھی بہر حال دعا کریں۔"

"بچے کتنے ہیں پاشا کے......؟" اس کی نظریں پھر ماہ نور کے سراپے پر دوڑنے لگیں۔

"ابھی بچے نہیں ہیں" قمرالنساء نے بہت آہستگی سے جواب دیا۔

"آپ کو دیکھتا ہوں تو بہت افسوس ہوتا ہے اور اس عمر میں آپ کو کیا کیا دیکھنا پڑ رہا ہے...... ہمیں خیال ہے...... حالانکہ وہ آپ کا اپنا بیٹا ہے ایک بندے کی وجہ سے سارے گھر والے ہی پریشان رہتے ہوں گے۔"

آفیسر بات تو قمرالنساء سے کر رہا تھا مگر نظریں ماہ نور کے سراپے کا ہی طواف کر رہی تھیں قمرالنساء کے پاس بھلا ان باتوں کا کیا جواب ہو سکتا تھا ان کے لیے تو یہی بہت تھا کہ آفیسر ان سے اظہار ہمدردی کر رہا تھا۔

"صفدر حسین! دیکھو انہیں پاشا کے پاس لے جانا ہے دیکھنا وہ لوگ چلے گئے یا نہیں؟" آفیسر نے ایک سپاہی کو مخاطب کیا۔

"ٹھیک سر!" سپاہی سیلوٹ کر کے باہر نکل گیا۔

"کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے؟" قمر النساء نے سہمے ہوئے انداز میں آفیسر سے پوچھا

"اماں جی! خطرے سے تو اس نے شادی کی ہے خطرہ تو اس کے ساتھ رہتا ہے۔"

آفیسر نے مسکرا کر ماہ نور کی طرف دیکھا۔

قمر النساء کے چہرے پر دکھ کے سائے گہرے ہونے لگے۔

چند لمحوں بعد ہی صفدر حسین اندر واپس آ گیا تھا۔

"سر! وہ لوگ چلے گئے ہیں۔"

"اماں جی! آپ چلی جائیں پاشا کے پاس۔" آفیسر نے گویا اجازت دی۔

قمر النساء کی تقلید میں ماہ نور بھی فوراً کھڑی ہو گئی۔

"آپ کو پتا ہے ناں۔ کس طرف جانا ہے یا سپاہی کو ساتھ بھیجوں۔" آفیسر نے پوچھا

"مجھے پتا ہے۔" قمر النساء نے آہستگی سے جواب دیا اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

ماہ نور قمر النساء کے پیچھے چل پڑی تھی۔

وہ اس سمت پہنچ گئیں جہاں لاک اپ تھے

پاشا سلاخوں کے پیچھے کھڑا جیسے انتظار ہی کر رہا تھا ماں کو دیکھ کر جیسے اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔۔ ماں کے پیچھے ماہ نور کو بھی اس نے دیکھ لیا تھا۔

"کیسے ہو؟" قمر النساء نے سلاخیں تھام کر بڑی آزردگی سے پوچھا۔

"فرسٹ کلاس آپ فکر مند نہ ہوں یہ سب تو چلتا ہے مجھے باہر نکلنے دیں ایک ایک دن اس پر الٹا دوں گا جس کی وجہ سے آج یہاں کھڑا ہوں۔" اس نے قدرے برہم لہجے میں کہا۔

"ہاں بس یہی کرتے رہنا عمر بھر بھی وہ تمہیں یہاں کھڑا کرے گا کبھی تم اسے یہاں پہنچاؤ گے...... ہم جیسے جب ماں تماشا بنتا یہ سب دیکھنے کے لیے۔" قمر النساء نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اماں! اب تو مجبوری ہے اس جنگل میں پہنچنے کے بعد باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا۔" اس نے ماہ نور کی نظریں اپنی طرف کرنے کی کوشش کی یعنی اس کی طرف بغور دیکھا۔

"یہ مجبوری تم نے مول خریدی ہے وراثت میں نہیں ملی تھی تمہیں۔"

"اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔" پاشا نے لاپروائی سے کہا۔

"ہاں اب تو یہی کہہ سکتے ہو کوئی جواب جو نہیں ہے تمہارے پاس کسی کے سمجھانے کا تم پر اثر ہوا ہوتا تو اس جگہ کیوں کھڑے ہوتے...... جب انسان غلط کو صحیح کہنا شروع کر دے تو سارے غلط نتائج اس کی تقدیر بن جاتے ہیں۔"

قمر النساء بہت دل گرفتہ لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"یہ باتیں سنتے سنتے یہاں تک آ گئے ہیں کوئی نئی بات کریں اماں۔" پاشا نے بے نیازی سے کہا پھر ماہ نور کی طرف متوجہ ہوا۔

"ماہ نور! غور سے پیار سے دیکھ لو اب سفر ان ہی راستوں کا ہے گھبراؤ گی تو مر جاؤ گی۔ زندہ رہنا ہے تو حوصلہ رکھنا ہے بہر حال خسارے میں نہیں ہو اگر میں مر بھی جاؤں تو اتنا کچھ ہے کہ تمہیں زندگی بھر کے لیے کافی ہو گا اس لیے بھی مجھے دلی غم نہیں ہے

تمہیں پیٹ کے چکر میں الجھا کر نہیں جاؤں گا وارڈروب کے اوپر ہاتھ پھیر کر دیکھنا ایک چابی ہو گی وہ سیف کی ہے اس میں لاکھ کیش اور تقریباً سوا لاکھ کے قریب پرائز بانڈ ہیں۔ وہ تمہارے اختیار میں ہیں جیسے چاہے خرچ کرنا میں تم سے زندگی میں کبھی حساب نہیں لوں گا۔"

"خوامخواہ تم نے اتنی محنت کی اس بے چاری کو در بدر کیا گھر سے بے گھر کیا رسوائی دی رہنے ختم کیے اعمال نامہ سیاہ کیا ساڑھے آٹھ لاکھ کیش تم اس کے بچپن سے ہی جمع کرکے اس کی ماں کے گھر میں اور خود ڈالا چلے جاتے آخر تمہیں اپنے لاکھوں حماقتیں ہی تو کرنا تھی۔" قمر النساء نے تلخی سے کہا۔

"اماں دنوں میں تو ناراض نہ ہو کیا پتا مجھے پھانسی ہی ہو جائے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

قمر النساء نے دہل کر اس کے سلاخوں پر دھرے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔ "میں تو اسی لیے مرجانا چاہتی ہوں کہ اسے جوان بیٹے کا دکھ نہ دیکھنا پڑے۔"

ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے

"اتنے دکھ دیے بچے ہیں ماں کو کبھی تو رعایت کر دیا کریں نانی جان کے سب باہر گئے ہوتے پوتے جب تک گھر واپس جائیں چاہے کتنی رات ہو جائے وہ سوتی نہیں ہیں جب میں اماں کی طرف دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں وہ اپنی ساری زندگی میں کتنا ہوں گی۔ جس کا اکلوتا بیٹا راتوں کو گھر نہ لوٹے اس ماں کو نیند کیسے آتی ہو گی اتنے جان لیوا مذاق نہ کیا کریں اماں سے۔"

ماہ نور ساس کے قطار در قطار بہتے آنسو دیکھ کر گویا تڑپ کر رہ گئی اور اتنی دیر میں پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

"ساری زیادتیوں کی تلافی تو کر دی ہے اتنی اچھی بہو لا کر دی ہے اگر میں کسی سے بیعت ہو کر تہجد گزار ہو جاتا تب بھی بہو نہ ملتی۔"

اس پہ مطلق اثر نہ تھا۔ ہنوز مذاق کے انداز میں بات کر رہا تھا۔

"ہاں...... یہ پھندا تم ضرور اپنے تاج میں لگا رہے ہو بہت ٹھیک طرح بننے سے تم نے مجھے یہ خوشی دی ہے دل کھلا دیا ہے سب" وہ آزردگی سے ماہ نور کی طرف دیکھنے لگیں۔

آپ کو تو خسارہ نہیں ہے ابھی بھول گئی شکرانے پڑھیں یہ سوچیں اگر ایسی بہو نہ ملتی تو آپ کیا کر لیتیں۔"

"ہاں...... شکرانہ تو پڑھتی ہوں یہ تو زندگی بچانے والی دوا بن کر آئی ہے اللہ مجھے توفیق دے کہ میں اسے خوش رکھ سکوں اس کے نصیب سے ہی تمہیں ہدایت بخش دے جانے کیوں میں اب بھی پرامید ہوں۔" وہ بولیں۔

"ہدایت ملنے کے بعد کوئی خاص تبدیلی نہیں ہو گی بس اتنا فرق ہو گا پہلے گمراہ جیل بھرا کرتے رہے پھر ہدایت یافتہ کی سیر کو جایا کریں گے پہلے ملزم بن کر اٹھوائے جاتے تھے بعد میں مومن کے وارنٹ نکلا کریں گے۔ ریمانڈ لے جائیں گے" کاغذ ہی اتنے ہیں ہمارے نام کے کہ عمر تھوڑی ہے" کاغذ بہت ہیں۔" وہ ہنس رہا تھا ماہ نور کا دل کسی اعتماد میں اترنے لگا۔

"میں ذرا پانی پی کر آتی ہوں...... بہت پیاس لگ رہی ہے گھر سے نکلتے وقت جلدی میں دھیان نہیں رہا۔"

قمر النساء بولیں اور ایک راہداری کی طرف بڑھ گئیں۔

پاشا نے نچلا ہونٹ دبا کر ماں کی سمت دیکھا اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ کا تاثر تھا "کتنی اچھی ہے میری ماں دیکھے تم نے اچھا کیا کہ چہرہ چھپا کر آتی ہیں اسی طرح سب سے اپنے آپ کو چھپا کر رکھنا ہے میں نہیں چاہتا یہ موہنی صورت میرے علاوہ کوئی

دیکھنے خود کو کوئی تمہارا ڈیئر کزن ہی کیوں نہ ہو۔"

"ماہ نور مجھے تم سے کسی وعدے، یقین دہانی کی ضرورت نہیں تھی تمہیں پا کر بہت ہلکا پھلکا ہو۔۔۔ دل۔۔ ولو۔۔ تنہائی کاٹ لو۔ ہم پھر ساتھ ہوں گے میں تمہیں لے کر یورپ چلا جاؤں گا یہ لوگ انٹرپول کے تھرو گرفتار کرنے کی۔۔۔ تو سب بہ ہیں مگر یہ صرف دھمکی ہے ہوتا کچھ بھی نہیں بہ طالبہ کے ایک چھوٹے سے جزیرے میں میرا ایک چھوٹا سا گھر ہے گو بہت صورت ہم رہیں۔۔ ہمارے جب تم سے عشق ہوا تو میں نے بہت دور تک کی پلاننگ کر ڈالی تھی۔

تم تسلی رکھنا تمہارے سب دکھ دور ہو جائیں گے تمہارے لیے یہ خوشی کافی نہیں کہ کوئی تم سے ٹوٹ کر محبت ہے جینے پھر جاگتا ہے صرف تمہیں سوچتا ہے بہت خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں اس طرح چاہا جاتا ہے بس تھوڑا سا۔"

وہ بہت آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔

"جو کچھ تم سے چھن چکا ہے تمہیں اس سے زیادہ مل جائے گا تم خود دیکھ لو گی۔۔۔ ماہ نور! کوئی بات کرو میں تمہاری سننا چاہتا ہوں اس مرتبہ بڑی سختی ہے ہو سکتا ہے کہ جب میں گھر واپس آؤں تو تمہیں کئی روز تک میرے زخموں پر مرہم لگانا پڑے پڑے ہاسپٹل میں خدمت کرنا پڑے میری واپسی تک جتنا سو سکتی ہو سو جاؤ پھر بہت دنوں تک جاگنا پڑے گا۔

یہ لوگ مجھ سے جو کچھ معلوم کرنے کے لیے اٹھا کر لائے ہیں وہ تو انہیں معلوم نہیں ہو سکے گا ظاہر ہے کچھ پھوٹ "تو ہو سکتی ہے ہم ایسی ٹوٹ پھوٹ کی پروا نہیں کرتے بس ہمارا دل نہ ٹوٹنے۔"

ماہ نور مشتعل نظروں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"جب انسان کو پیدا ہوتے ہی ہر طرح کا سکھ ملنے لگے تو پھر ان سہولتوں کو ٹھکرانے کا مطلب؟" وہ کانپتی آواز میں بولی۔

"اپنا پتا لگتا ہے اپنی قوت ہمت کا اندازہ ہوتا ہے جری ہونے کا اپنا نشہ ہے جیسے جواری کو جوئے کا ہوتا ہے۔"

"ان راستوں سے اپنا پتا لگتا ہے؟ آپ کو تو کچھ پتا نہیں پاشا! اپنی پہچان کی انتہا کیا صرف بہادری ہے بہادری جس کا معیار آپ نے فرض کیا ہے؟"

"یہ کیا بہادری ہے کہ بہت کچھ ملیا میٹ کر کے سمندر پار منہ چھپا کر بیٹھ جائیں؟ آپ کو تو بہادری کے معنی معلوم۔۔۔ اس بہادری کا حاصل کیا ہے؟ کسی عظیم مقصد کی خاطر جان کی بازی کھیلنا سمجھ میں آنے والی بات ہے یہ کیا ہوئی کہ اپنا وطن ہی غیر ہو جائے۔"

اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی ظاہر تھی۔

"مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم اپنے اسکول کی بہت اچھی ٹیچر ہوتی ہو گی۔" پاشا مسکرایا۔

"یہ بہادری نہیں ہے اصل مزہ بے کی نفس پرستی ہے بہترین دل پسند غذا، من چاہا لباس، معاش کی مسلسل محنت سے فکر، بستر گرم رکھنے کی سہولت، بٹن دبانے سے ہر ضرورت کی تکمیل جہاں آپ کا اپنے آرڈر لگے ہوں وہاں ضمیر کی آواز سننے والی کہاں جاننے کی کون تکلیف۔۔۔ یہ کا بھی خود کو پہچانے کی بات کرتے ہیں آپ اڑایا جا رہا ہے تب وہاں بہت تنہائی ہوتی غور و فکر کرنے کو چاہیے ہو گا ایک شعر ہے "شاید ٹ کرنے کی کوشش کیجیے گا۔ معلوم ہو جائیں مجھے بھی بتا دیجئے گا کہ مجھے بھی معلوم نہیں تب تھا۔

اے طاہر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

کم سے کم طاہر لاہوتی کے بے کراں معنی کی مجھے تلاش ہے ہاں تمہیں پہلی مرتبہ میں آپ سے کچھ مانگ رہی ہوں۔

پہلی خواہش۔"

وہ خاموش ہو گئی۔

"اوہ بال بچ کر بندے کو شعر یاد نہیں آتے بلکہ وہ ضمانت کے امائونٹ کا چیک سوئس کا تعلقات کی اپروچ کا عرفیہ سوچ رہا ہوتا ہے۔ ڈارلنگ! پھر بھی میں تمہاری فرمائش پوری کرنے کی کوشش کروں گا مگر پہلے تم مجھے یہ بستر گرم کی سہولت دو؟"

اس کا لہجہ سرد تھا اور لاک اپ کے اندر کھڑے ہو کر بھی اس کا انداز مستقل تھا۔

ماہ نور جو کچھ روانی میں کہہ گئی تھی اس پر شاید خود اس نے بھی غور نہیں کیا تھا پاشا کی نشان دہی پر نگاہیں جھک کر رہ گئیں۔

اس آن قمر النسا واپس آ گئیں۔ ماہ نور کی جان میں جان آ گئی۔

"اماں جی! بس اب آپ لوگ گھر ادھر سے ہٹ جائیں۔" ایک سپاہی نے آ کر کہا۔

"اچھا۔۔۔۔۔ بیٹے اللہ کی امان۔ جو بھی صورت حال ہو اطلاع ضرور دینا بلوا لیں گے تو وہاں بھی آ جاؤں گی" قمر النسا دیکھنے لگی۔

"ٹھیک ہے اماں! وہاں جیل دال کھانے ہوئے آپ بہت یاد آئیں گی۔ جنٹن پلاز تندوری مرغی پائے۔ مسور کی دال پنجیر میں جہاں کہیں بھی ہوں گا آپ کو اطلاع ملتی رہے گی ضمانت کی رقم کا ابھی پتا نہیں لیکن جتنی بھی ہو گی" زینی" علی قیم صرف ریلی ہی کور بھیجے گا اللہ حافظ۔ ماہ نور اپنا خیال رکھنا ہم افغانی گیروں کے لیے جنہوں نے بڑے کالے پانی عبور کر پایا ہے" وہ سرگوشی کے انداز میں گویا ہوا۔

ماہ نور تو اتنا گھبرا گئی کہ قمر النسا کی طرف دیکھنے کی بھی ہمت نہیں ہوئی۔

☆☆☆☆☆

"لو ویسے تو شاید بڑی اماں مسلسل اصرار کرنے پر مان بھی جائیں مگر اس پچویشن میں تو روبی کبھی نہیں مانیں گی ماں بیٹی کی گود میں بیٹی جس کا باپ...... اب جی...... ذکر بھی نہ کر بیٹھنا۔ بڑی اماں کے سامنے۔ ایسی بے چاری سنو گی کہ ہمدردی ہی یادداشت سے نکل جائے گا۔"

تانیہ نے بے اختیار اسے ٹوک دیا تھا وہ چاند کے ساتھ دریا سے ملنے آ گئی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی بھابھی ان بے چاروں کا کیا قصور؟ یعنی رب محنت کر کے روٹی بھی نہ کمائیں فرشتے ان کو کھانا کریں گے بے کار بھوکے مریں گنا وگار جو ہیں ورنہ تاتے پھریں۔ یعنی حد ہے زبردستی کی۔" ریا بڑبڑانے لگی۔

"تمہیں کیسے پتا کہ وہ بے گناہ ہیں؟" تانیہ نے پوچھا۔

"بھابھی! مجھے زرینہ نے بتایا ہے جوان لوگوں کو اچھی طرح جانتی ہے سترہ سال سے اس کوٹھی میں ہے وہ بتا رہی تھی کہ بہت کم عمر اور بے وقوف ہیں اور ان کے پیرنٹس ان سے بھی گئے گزرے۔" ریا نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"زرینہ کی گڈ ول کا کیا اسٹینڈ ہے؟ زرینہ کو تم کتنا جانتی ہو۔ بے وقوف تو تم ہو" تانیہ نے لتے لیے۔

"بھابھی! بات چیت سے بھی کسی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔"

"بس اپنے پاس رکھو اپنے اندازے۔ بڑی اماں تمہارے ساتھ ساتھ زرینہ کے بھی نٹ بچ کس دیں گی سوچنے کی ہے جن کی اتنے عرصے سے خدمت کر رہی تھیں ورنہ تو ایک لمحہ ان کو برداشت کرنے کو تیار نہیں تو کوئی بات ہی ہو گی ہم بہ مفت

کا عذاب اٹھا کر اپنے گھر لے جائیں ہمارے گھر میں تو ویسے بھی مردانہ سا دور اکثریت ہے۔ بڑی اماں بھی کبھی لڑکی ور ذی ملازم نہیں رکھیں گی بلکہ آج کے دور میں تو کوئی بھی لڑکی کو گھریلو ملازمہ نہیں رکھے گا اب بھی ویکھو لو وو گلے میں "ہار" ڈالے پھر رہی ہے یا نہیں؟"

"بھابھی! اگر دوسرے انسانیت چھوڑ دیں تو کیا ہم بھی ان جیسے ہو جائیں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"انسانیت دکھانے کے ایسے ایسے نتیجے سامنے آئیں تو واقعی لوگ ڈر کے مارے انسانیت چھوڑ دیتے۔ آپ تمہاری ساس نے انسانیت دکھائی تھی جس کا یہ نتیجہ نکلا جیجی کا نون کو ہاتھ لگائی ہوں گی ٹھیک سے دہشت تو اسی گھر میں لٹکا ما ہو بس اب ختم کرو یہ قصہ۔"

"بھابھی! وہ بچی ان کے ساتھ نہیں ہوگی تو بڑی اماں کو کیا پتا چلے گا۔" ریبا نے آہستہ آواز میں کہا۔

"بچی کا کیا مسئلہ ہے؟" ثانیہ چونک پڑی۔

"دونوں نے بہیں رکھی ہوئی ہے۔" وہ رازدارانہ انداز میں بولی۔

"یہیں! کیا مطلب؟" ثانیہ کے حواس پلے نہیں پڑا۔

"انیکسی میں ہے ایک ملازمہ رکھی ہوئی ہے اس کے لیے۔" ریبا نے سابقہ انداز میں بتایا۔

"مگر کیوں؟" ثانیہ کا ماتھا ٹھنکا "انہوں نے یہ ڈھول کس خوشی میں اپنے گلے میں ڈالا ہے جب پلے پلائے انسانوں سے ہمدردی نہیں تو چار دن کی بچی کا اتنا خیال کیوں؟ بے وقوف لڑکی! یہ تو صاف گڑبڑ ہے اپنے تو حلق سے نیچے نہیں اترتی یہ بات" ثانیہ نے صاف گوئی سے کہا۔

"گڑبڑ کیا ہو سکتی ہے ظاہر ہے بہت چھوٹی سی بچی ہے اس لیے ممی نے خیال کر لیا ہوگا۔" ریبا نے سادگی سے جواب دیا۔

"تم نے موحد سے ذکر کیا؟" ثانیہ کی آنکھوں میں سوچ اتر آئی تھی۔

"بھابھی میں "یہ" باتیں ان سے کیسے کر سکتی ہوں؟" ریبا کے چہرے پر حیا کی سرخی چھا گئی۔

"اسی سے تو کر سکتی ہو۔ شوہر ہے وہ تمہارا۔" ثانیہ نے گویا سر پیٹ لیا۔

"اب وہ اتنے تھکے ہوئے تو آتے ہیں، آتے ہی سو جاتے ہیں۔" ریبا نے بات بنانے کی کوشش کی۔

"آتے ہی سو جاتے ہیں؟" ثانیہ کو پھر جھٹکا ہوا۔ اس نے ریبا کی شکل بغور دیکھی۔

"کچھ تو بات چیت ہوتی ہوگی۔۔۔؟" ثانیہ کو ٹوہ ہوئی۔

"ہاں۔۔۔ بس۔۔۔ مگر کوئی خاص نہیں۔" ریبا کا لہجہ بہت پھیکا سا لگا تھا ثانیہ کو

"کیا مطلب خاص نہیں یعنی تمہاری نئی نئی شادی ہوئی ہے دن بھر مصروف رہتا ہے رات کو تو ٹائم دیتا ہوگا۔" ثانیہ پریشان ہو گئی تھی۔

"وہ کام زیادہ ہوتا ہے ناں تو بہت تھک کر آتے ہیں کبھی کبھی تو کھانا بھی نہیں کھاتے۔" ریبا نے صفائی پیش کی۔

"باہر کھا لیتا ہوگا۔ تم کون سا اس کے ساتھ ہوتی ہو؟" ثانیہ کا چہرہ پھیکا پڑا ہوا تھا۔ "ریبا جان! تمہیں بڑی اماں کی قسم ہے میں تم سے ایک بات پوچھتی ہوں ٹھیک سے جواب دینا۔" وہ ریبا کے قریب ہو کر سرگوشی کرنے لگی۔

"ریبا چپ چاپ ہتھیلیاں مسلتی رہی۔

"دیکھو میں نے تمہیں قسم دی ہے وہ بھی بڑی اماں کی۔" ثانیہ نے پتہ پھینکا

ریبا کچھ سوچتی رہی پھر نفی میں گردن ہلا دی۔

ثانیہ نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا

"نانی کاٹ" اتنے بڑے محل میں پتھر کے بت رہتے ہیں پھر آنٹی اس بے نام و نشان بچی کی پرورش کیوں کر رہی ہیں۔ انکل۔۔۔؟ انہیں نہیں۔ اگر شوق بھی کریں گے تو کسی ہائی لیول کی "کمرشل" تک اپروچ کر سکتے ہیں وہ تمہارا ریو کیا کرتا ہے؟" معا اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

کالج جاتا ہے گھر پہ ہوتا ہے تو کمرہ بند کر کے پڑا رہتا ہے زیادہ نظر نہیں آتا گھر میں۔"

ریبا جو ثانیہ کے سوالوں سے ڈر گئی تھی بہت دھیمی آواز میں بولی۔

"ہوں۔" ثانیہ نے ہنکارا بھرا۔

"میں امریکہ پہنچ کر تمہیں فون کروں گی اگر تمہارے شوہر کی خاموشی کا یہی سلسلہ برقرار رہا تو میں بڑی اماں کو فون کر کے کہہ دوں گی کہ وہ تمہیں یہاں سے لے جائیں ہم نے بیٹی جاگتی گڑیا ضرور دی ہے ان لوگوں کو مگر! کٹھ پتلی نہیں بنانے کے لیے نہیں اور دیکھو میرا فون آنے سے پہلے موحد سے یہ ضرور پوچھ رکھنا کہ کیا اس کی شادی زبردستی ہوئی ہے؟ وہ کہیں اور کرنا چاہتا تھا۔؟ وہ صاف صاف تمہیں بتا دے ورنہ تم سب کچھ بڑی اماں کو بتا دو گی وہ تمہاری ساس سے بات کر کے تمہیں ہمیشہ کے لیے یہاں سے لے جائیں گی ہم جھوٹے بھرم کی خاطر جیتے جاگتے انسان کو کسی ظالم کے حوالے نہیں کریں گے۔ اس میں اگرچہ رسوائی ہے مگر اس ظلم سے زیادہ نہیں۔"

"ہمیشہ کے لیے یہاں سے لے جائیں گے ہمیشہ کے لیے۔ اتنے اچھے تو ہیں یہ سب کیا ظلم کر رہے ہیں؟ میں نے تو آج تک کسی کو ایک گلاس پانی نہیں پلایا۔"

ریبا نے تعجب سے بھابھی کو دیکھا۔

"ہاں ابھی تمہیں نہیں معلوم۔ زبردستی معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے تمہیں خود بخود پتا چل جائے گا کل کو جب دل چاہے گا کہ نند آیا کرے بھابھی کی طرح میرا بھی کوئی پیارا سا بچہ ہو بھابھی تو یہ گھر آسیب زدہ لگنے لگا ہے مجھے ہر قیمت پر تمہاری خوشی چاہیے ایسے محلوں کے جھانسے میں آنے والے نہیں ہیں ہم لوگ میں تمہیں فون کروں گی، ہوں گی تسلی مجھے جواب دینا۔۔ سن رہی ہو ناں؟"

ثانیہ نے ہنستی ریبا کو ٹہوکا دیا۔

اس گھر سے ہمیشہ کے لیے جانے کا تصور تو وہ کر بھی نہیں سکتی تھی۔ ساتھ ساتھ موحد سے دوری۔ (زیب النساء جیسی میں تو شادی کی گئی تھی اس کی۔ ایسے نتیجے کے لیے کیا گیا تھا یہ سب کچھ شادی تو یوں ہوئی کہ ذرا تاخیر ہوتی تو سب "اندر" ہو جاتے گے بھابھی کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے ٹھیک ہے میرا بھی دل چاہتا ہے کہ موحد گھر جلدی آئیں ہم ڈھیروں باتیں کریں مگر وہ بے چارے مصروف ہی اتنا رہتے ہیں۔)

"اور سنو وہ لڑکی آئی ہے تمہارے یہاں؟"

"کون لڑکی۔؟" ریبا غائب دماغی کی کیفیت میں بولی

"وہی جس کی بچی کی پرورش ہو رہی ہے یہاں۔" ثانیہ جھلائی۔

"اچھا وہ نہیں وہ تو بس ایک بار ہی آ گئی تھی وہ تو میں ڈرائیور کے پاس چلی گئی تھی واک کرتی ہوئی گھر میں کوئی بھی نہیں تھا وہاں اس کی ماں بیٹھی ہوئی تھی زریند ڈرائیور کی بیوی ہے ناں۔ کوٹھی میں بھی آتی جاتی رہتی ہے وہ عورت بہت رو رہی تھی کہ بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ واپس گوٹھ جاؤ وہاں تو ایک وقت کی روٹی کا آسرا نہیں ہے اسی لیے تو شہر آئے تھے مجھے ترس آ گیا میں نے سوچا

بڑی اماں اکیلی رہتی ہیں ان ماں بیٹیوں کی وجہ سے ان کا دل بھی بہلا رہے گا۔ گھر کے کام کاج کے لیے فل ٹائم ملازمہ بھی جانے کی سب بھائی تو زیادہ تر گھر سے باہر ہی ہوتے ہیں۔ بڑی اماں اکیلی رہتی ہیں۔" ریا نے تفصیل سے جواب دیا۔

"ہاں سوچا تو تم نے اچھا تھا مگر یہ مناسب نہیں ہے۔ بڑی اماں کی طرح میں بھی ان لڑکیوں کے وہاں کام کرنے کے حق میں نہیں ہوں بڑی اماں کا کیا پتا یہی ٹھیک ہے تم بھی ٹھیک ہو پر اسٹاپ ہو جاؤ بس۔" تانیہ نے دو ٹوک کہا۔

"پتا نہیں بھابھی کو کیا ہو گیا ہے یہ گھر آسیب زدہ نظر آ رہا ہے لڑکیاں ملازم نہیں رکھیں گے۔" وہ الجھنے لگی۔

"ریا! زیادہ بے وقوف بننے کی ضرورت نہیں میں تمہاری بھابھی ہوں دشمن نہیں ہوں ہم سب تم سے بہت محبت کرتے ہیں تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں میرا یقین کرو اور میری باتوں پر توجہ دو اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو اس کا حق نہیں دے سکتا تو اسے شادی نہیں کرنا چاہیے یہ بہت گناہ بھی ہے اخلاقی جرم بھی چاہو تو اسے آج ہی بتا دینا کہ بھابھی یہ باتیں کر کے گئی ہیں۔" تانیہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بہت رسانیت سے کہا۔

(مائی گاڈ یہ باتیں کروں گی ان سے۔؟ حد ہے بھابھی سے بھی۔)

"یقین کرو میں بہت پریشان ہو گئی ہوں اس وقت مجھے تو بیٹھے دو پہر لگ رہا ہے تمہارے چاند بھائی پندرہ منٹ میں آنے کا کہہ گئے تھے ابھی تک نہیں آئے دیکھتی ہوں نیچے نہ بیٹھے ہوں۔" تانیہ کے چہرے پر بشاشت کے بجائے فکرمندی جھلکنے لگی تھی۔

دو گھنٹے کا ہے، ریا پر نظر ڈالتی جس کی نظر میں ایک پریشان کن سوچ کا عکس ابھرتا تھا۔

"آؤ ریا! نیچے چلتے ہیں شاید چاند نیچے آنٹی سے بات کر رہے ہوں۔" وہ آتے وقت جتنی چاق و چوبند نظر آئی تھی اٹھتے وقت بہت تھکی تھکی محسوس ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆

ریا اکیلے بیٹھے بیٹھے اکتا گئی تھی نفیس خواجہ اور شاہانہ شمسی بزنس ڈنر میں گئے ہوئے تھے منی اپنے کمرے میں بند تھا شمسی کیبل کے کسی چینل پر انڈین فلم دیکھ رہا تھا اس کا اندازہ تھا کہ مون گیارہ بجے سے پہلے نہیں آئے گا اس نے ٹائم دیکھا رات کے پونے دس ہو رہے تھے وہ کچھ سوچتی ہوئی نیچے آئی۔

پھر سیدھی کچن کی سمت بڑھ گئی فریج کھول کر جھانکا جو انواع اقسام کی نعمتوں سے بھرا ہوا تھا اس نے ایک بڑی سی پلیٹ میں فریش کریم کی چار پیسٹریز، روسٹ دو عدد سیب، ایک انار رکھ کر پلیٹ کو دوسری پلیٹ سے ڈھانپا اور کچن کی لائٹ آف کر کے باہر آئی پلیٹ کو اس طرح آڑ میں لیا کہ لاؤنج میں کارپٹ پر دراز شمسی کی نظر نہ پڑے اور انیکسی کی طرف بڑھ گئی۔

ساری انیکسی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی صرف ایک کمرے کی کھڑکی کے شیشے روشن تھے۔

اس نے دھیمے انداز میں دستک دی۔

"کون؟" عورت کی آواز آئی۔

"میں ہوں ریا نجم صاحب کی بہو۔" اس نے آہستہ آواز میں کہا۔

عورت نے جھٹ دروازہ کھول دیا۔

"آپ کو ادھر آتے کسی نے دیکھا تو نہیں؟" عورت نے ڈرے ڈرے انداز میں پوچھا

"نہیں گھر پر کوئی نہیں ہے۔" وہ فوراً اسے دھکیلتی اندر گھس گئی۔

"میرا مطلب ہے کسی نوکر نے؟"

"نہیں نوکر اپنے کوارٹرز میں ہیں۔ شمسی ٹی وی دیکھ رہا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں اوپر ہوں گی تم فکر نہ کرو خیریت تو ہے ناں؟ آج بڑی احتیاط کر رہی ہوں؟" ریا کو حیرت ہوئی۔

"جی وہ بیگم صبیحہ پوچھ رہی تھیں کوئی ادھر آیا تو نہیں۔ میں ڈر گئی کہ شاید انہیں پتا چل گیا ہے مجھے آزما رہی ہیں پھر بھی جی مضبوط کر کے کہہ دیا کہ نہیں کوئی نہیں بیگم صبیحہ کہہ رہی تھی کہ مجھے کہیں اور گھر دلا دیں گی تاکہ میں اپنے بل بچوں کو بھی وہاں بلا سکوں یہاں تو وہ دستور کر دیں گے سب کو پتا چل جائے گا ادھر کوئی رہتا ہے۔ کہہ رہی تھیں صاحب پوچھ رہے تھے کہ انیکسی کے ایک کمرے کی لائٹ کیوں جلتی رہتی ہے۔ فالتو بجلی کا خرچ ہوتا ہے بیگم صبیحہ بولیں میں نے کہہ دیا کہ وہ بھی گھر ہی کا حصہ ہے ایک دم اندھیرا اچھا نہیں ہوتا آسیبی جگہ ہو جاتی ہے مگر صاحب ان باتوں پر یقین نہیں کرتے۔"

عورت بولتے بولتے ذرا آہستہ ہو گئی۔ ریا کی طرف جھک کر سرگوشی میں بولنے لگی۔

"کہہ رہی تھیں میری بہو بھی اس طرف آ سکتی ہے میں تو زیادہ تر گھر سے باہر رہتی ہوں۔"

"ہاں اس لیے میں نے ان سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی فی الحال تم کسی مشکل میں نہ آ جاؤ۔ اس وقت تمہیں نوکری کی بہت ضرورت ہے یہ رکھ لو، پلیٹ خالی کر دو اور یہ بھی رکھ لو میری سلامی میں بہت کیش آیا ہے۔"

ایک لفافہ کھولا تو یہ ہزار کا نوٹ نکلا۔ سردیاں آ رہی ہیں۔ بچوں کے لیے لحاف وغیرہ بنوا لینا ہے دیسے تو میرے پاس اتنے پیسے ہوتے نہیں ہیں کہ ہزار روپے بچا سکوں سنا ہے شوہر بیوی کو پیسے وغیرہ دیتے ہیں مگر مون نے تو مجھے ابھی تک نہیں دیے! اگر دیں گے تو میں تمہیں اور دوں گی اب سلامی کے لفافوں سے نکالے بھی ڈر لگتا ہے بڑی اماں کہہ رہی تھی کہ سب لفافے اپنی ساس کو دینا اب ایک لفافہ ادھر ادھر ہو گیا تو ان کو کیا پتا چلے گا لفافہ پھاڑ کر میں نے ڈسٹ بن میں ڈال دیا تھا بے بی کیا سو رہی ہے؟"

وہ بولتے بولتے یکدم طائرانہ نظر ڈالنے لگی۔

"جی اس ٹائم وہ سو جاتی ہے عورت کا بس نہیں چلتا تھا ریا کے پاؤں چھو لے کیا سادہ و سچا انداز گفتگو تھا اگر دیں گے تو میں اور دوں گی اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

"کیسا اچھا دل بنایا ہے اللہ نے آپ کا۔ اللہ آپ کی بہار سلامت رکھے آپ کبھی دکھ نہ دیکھیں۔ یہ بہت ہیں بہت بہت شکریہ آپ کا۔"

"ارے نہیں شکریہ کی کیا بات اگر ضرورت سے زیادہ ہاتھ میں ہو تو کسی ضرورت مند کو دے دینا چاہیے اب میرے پاس نئی امپورٹڈ بلینکٹ ہیں اوڑھوں گی میں ایک ہی کپڑے اتنے ہیں کہ گنتی نہیں ڈھیروں جوتے جیولری اب اگر مون مجھے دو ہزار روپے دیں تو میں کیا کروں گی۔؟ میں تو سوچ میں پڑ جاؤں گی کہ ان کا کیا کروں؟ بڑی اماں کی طرف بھی میرے پاس ڈھیروں چیزیں تھیں پیسے بھی بہت جمع ہو جاتے تھے۔ کبھی اکا جان پیسے میں پانچ سو دے دیتے کبھی ظہیر بھائی دو سو تین سو اسی طرح اظہر بھائی۔ کالج میں اتنے پیسے خرچ نہیں ہوتے تھے جو بچ جاتے تھے بڑی اماں کو دے دیتی تھی بالکل ماسی کو دے۔"

عورت کو ریا کی سادگی پر جیسے پیار آ گیا۔

"پیسہ تو بہت سے لوگوں کے پاس ہوتا ہے دلہن بیگم! مگر دل کسی کسی کا ہوتا ہے دینے کا آپ کسی کے سامنے اس طرح باتیں نہ کیا کریں لالچی لوگ ایسے ہمدردوں کو بہت بے وقوف بناتے ہیں میرے گھر میں واقعی لحاف کی ضرورت ہے یہ ہزار روپے غیبی مدد ہے یہ میرے لیے لاکھ برابر ہیں میری نوکری لگی رہے یہ دعا کریں کہ میں اپنے بچوں کو رزق حلال کی کھلاؤں مجھے اس بات کی تمنا نہیں کہ آپ مجھے دیتی رہیں میں محنت کی چٹنی روٹی میں خوش ہوں لیکن یہ سچ ہے اس وقت میں واقعی ضرورت مند ہوں اس لیے

رکھ رہی ہوں مجھے آئندہ ضرورت ہوئی تو میں آپ سے ادھار لے لوں گی تنخواہ ملتے پر واپس کردوں گی مگر انشاءاللہ آپ کو جھوٹے سچے قصے سنا کر یہ نہیں لوں گی آپ کا مزاج دیکھ کر تو میں دنگ رہ گئی اللہ آپ کو اپنی امان میں رکھے۔"

ریبا دوستانہ سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر کاٹ کی طرف بڑھ گئی۔ "ماشاءاللہ سوتی ہوئی کتنی کیوٹ لگتی ہے یہ اپنی مدر جیسی تو نہیں لگتی۔" اس نے جھک کر بچی کا رخسار چھوا۔

"پھر کیسی لگتی ہے؟" عورت کے لہجے میں کھوج، اشتیاق مہرائی بہت کچھ تھا کہ شاید یہ سیدھی سچی لڑکی وہ کہہ دے جو وہ بھی نہ کہہ پائیں گے۔

"ابھی میں نے اس کے باپ کو دیکھا ہوتا تو پہچان کر چھوڑ دیتی؟ ہاتھ پاؤں باندھ کر یہاں لا کر بٹھا دیتا میرا مطلب ہے کر بٹھا دیتی۔" اس نے جلدی سے صیغہ درست کیا احتیاط کے باوجود کبھی نہ کبھی چوک ہو ہی جاتی تھی۔

"لیکن یہ تو اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کرپٹ آدمی شکل صورت کا اچھا ہوگا اس کی مدر تو ایسی کوئی خاص نہیں ہے۔"

اتنے بڑے سے اکیلے گھر میں جب تنہا گھومتی ہوں تو اس بچی کا دھیان آتا ہے سوچتی ہوں اسے میں ہی پال لوں مصروف ہو جاؤں گی۔" وہ ہنس کر سیدھی ہو گئی۔

"اللہ آپ کو اپنا بچہ دے گا۔ جلد گود ہری ہو آپ کی۔" عورت تو اس کے بھولپن پر قربان گئی۔

"اپنا بچہ...؟!"

"کل کو تمہارا بھی جی چاہے گا کہ نشاط آپا، ثانیہ بھابھی کی طرح میرے پاس بھی اپنا بچہ ہو۔" اسے ثانیہ کی کہی بات یاد آئی۔

"تو یہ سب کو بچے کی پڑ گئی ہے۔"

"ابھی بھی میں اکیلی ہی بیٹھی تھی تو سوچا اس گڑیا ہی سے مل کر آ جاؤں۔" اس نے محبت آمیز لہجے میں کہہ کر پھر بچی کا چہرہ دیکھا۔

"اصل میں میں گھر میں سب سے چھوٹی ہوں اور مجھے بچے شروع ہی سے بہت پسند ہیں میں جب باہر کھیلا کرتی تھی تو چھوٹے بچوں کو گھر لے آتی تھی بڑی اماں بہت ناراض ہوتی تھیں کہ دنیا جہاں کا بچہ چھت پر جمع کر لیتی ہے پیچھے ہم بیٹھے کڑھتے ہیں اتنا ادھم مار چھت سر پر اٹھا لیتی ہے۔" وہ ماضی یاد کر کے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"بڑی اماں آپ دادی کو بولتی ہوں گی دلہن بیگم؟" عورت نے پوچھا۔

"ہوں۔" ریبا بچی کی طرف متوجہ تھی بس ہنکارے کی صورت میں جواب دے پائی۔

"آپ کی والدہ۔"

"میں نے اپنی مدر کو نہیں دیکھا میری پیدائش کے وقت ان کی ڈیتھ ہو گئی تھی اس نے لاپروا انداز میں جواب دیا۔

"اوہ... چچ... یعنی آپ کو خود بھی ماں کا پیار نہیں ملا۔" عورت نے تاسف کیا۔

"نہ ماں کا نہ باپ کا مگر افسوس کی کوئی بات نہیں بڑی اماں اور میرے بھائی مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں مجھے کبھی بھی محبت کی کمی کا احساس نہیں ہوا جب کمی ملی ہی نہیں اللہ کا احسان ہے اس نے مجھے سب کچھ دیا، جب مجھے ہوش بھی نہیں آیا تھا اس وقت بھی میرے پاس ہیرا، پکھراج، زمرد، سونا چاندی سب کچھ تھا بڑی اماں کہتی ہیں شکر کیا کرو اللہ کا احسان مانا کرو اس نے تمہیں سب کچھ دیا اب تم یہ سوچ کر کڑھتی رہو کہ ان کی ماں ہے میری نہیں فلاں کا باپ ہے۔ میرا نہیں یہ دیکھو یہ کچھ لاکھوں کروڑوں کے پاس نہیں جو تمہارے پاس ہے ماشاءاللہ چھ بھائی جو سب کے سب تمہیں اتنا پیار کرتے ہیں کہ تمہاری آنکھ کا ایک آنسو ان پر بوجھ بن جاتا ہے۔

"ماشاءاللہ دلہن بیگم! آپ واقعی نصیبوں والی ہیں شوہر بھی آپ کو چاہنے والے موتی جیسا ملا ہے اللہ نظر بد سے بچائے زرینہ بہت تعریف کرتی ہے آپ کے شوہر کی کہتی ہے سولہ سترہ سال سے دیکھ رہی ہوں تب سے جب اسکول پڑھتے تھے آپ ذکر مت کیجیے گا کسی سے پہلے آپ کی ساس کا سلوک ان سے بہت خراب تھا پھر پتا نہیں اچانک کیا ہوا وہ خود حیران ہے کہتی ہے سامنے کی بات نہیں ہے پیٹھ پیچھے بھی مون صاحب کا خیال کرنے کی تاکید کرتی ہیں نوکروں کو آپ کی شادی سے پہلے بہت بدل گئی تھیں زرینہ کہہ رہی تھی پہلے نوکروں کے ساتھ بھی بہت سخت تھیں اب تو بہت دھیمی ہو گئی ہیں اب یہ آپ کے نصیب ہوئے اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ تو جھگڑا ہی رہتا ہے وہ شاید کوئی نشہ کرتا ہے پڑھائی میں بھی کچھ اچھا نہیں اس کے بگڑنے میں بھی بیگم صاحبہ کا ہاتھ ہے اتنے پیسے اس کی جیب میں رہتے تھے ظاہر ہے آرام سے بیٹھے بیٹھے اتنا پیسہ ملے گا تو انسان کو بھٹکتے کیا دیر لگتی ہے گھر میں بھی چلتا پھرتا کم نظر آتا ہے کمرا بند کیے لیٹا رہتا ہے نہ کسی سے میل جول نہ ملاقات" عورت سرگوشی میں ریبا کو اس گھر کے رازوں سے آگاہ کر رہی تھی۔

ریبا جیسے سناٹے میں رہ گئی تھی (ہاں یہ تو ہے یہ بھی گھر میں کم ہی دکھائی دیتا ہے۔")

"آج کل تو علاج ہو جاتا ہے اس کا علاج کیوں نہیں کرواتیں، میں مون سے بات کروں گی۔" فطری ہمدردی کے ہاتھوں مجبور ہو کر ریبا بول پڑی تھی۔

"نہ نہ دلہن بیگم! ابھی آپ کچھ نہ کہیے چھوٹے صاحب سے جب تک وہ خود آنکھوں سے نہ دیکھ لیں خواہ مخواہ کی برائی آ جائے گی آپ پر۔" عورت نے فوراً اسے ٹوک دیا۔

"یعنی ایک انسان کو بس ضائع ہونے دیں اس کے لیے کچھ نہ کریں۔" وہ چڑ کر بولی

"ضرور کریں۔ مگر اس وقت جب آپ ثبوت کے ساتھ دیکھ لیں۔ آپ بہو ہیں۔ اس لیے احتیاط کریں آپ کی اچھائی کی وجہ سے ہی آپ کو بھلا مشورہ دے رہی ہوں تاکہ آپ کو کوئی مشکل نہ ہو۔" عورت نے سمجھایا۔

"تم فکر نہ کرو تمہارا نام نہیں آئے گا تسلی رکھو" ریبا نے اسے مطمئن کیا۔

"یہ بات نہیں ہے مجھے زیادہ آپ کا خیال ہے رتبہ آپ کا بڑا ہے عمر میری زیادہ ہے آپ بہت کم عمر ہیں دوسرے ابھی سیدھا پن بھی بہت ہے اس لیے کہہ رہی ہوں۔"

"سسرال میں بہت احتیاط کرنا پڑتی ہے ظاہر ہے بچے کا نشہ کرنا کوئی عزت کی بات تو نہیں۔ وہ ویسے کہہ دیں گے آپ جھوٹ بول رہی ہیں ایسی کوئی بات نہیں وہ ایسے ہی کچھ بیمار ہو گیا ہے سمجھ رہی ہیں ناں آپ میری بات۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ سمجھ گئی ہوں بہرحال موقع دیکھ کر میں مون سے اس بچی کی بات تو ضرور کروں گی خواہ کچھ ہو بلکہ کہوں گی وہ اس کی مدد کی ہیلپ کریں اس بچی کا باپ تلاش کریں، ظاہر ہے وہ یہیں کہیں رہتا ہوگا اس بچی کو خوار نہیں ہونے دوں گی ماں باپ کے ہوتے ہوئے بچہ دنیا کی ٹھوکروں میں ہو کتنے دکھ کی بات ہے تم اس سلسلے میں مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش نہ کرنا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتی جب میں کسی کام کا ارادہ کر لیتی ہوں۔" اس نے عورت کو قطعی صاف گوئی سے کہہ دیا۔

"اماں یہ اطمینان رکھو تمہارا نام کسی صورت میں نہیں آئے گا انیکسی گھر ہی کا حصہ ہے میں گھر میں رہتی ہوں اس طرف بھی آ سکتی ہوں مجھے کافی دیر ہو گئی ہے چلتی ہوں کہیں مون نہ آ گئے ہوں او کے بے بی! میں تم سے ملنے پھر آؤں گی۔" اس نے جھک کر بچی کے رخسار پر پیار کیا۔

"ارے ہاں اس کا نام کیا رکھا ہے؟" وہ ایک دم چونک کر پوچھنے لگی۔

"بیگم صاحبہ کہہ رہی تھیں۔ رکھ دیں گے ابھی جلدی کیا ہے۔"

آ منہ دکرائے پر رہنے کا سوچیں گی بھی نہیں کون پانچ دس ہزار کے پیچھے اپنا لاکھوں کا خون جلائے اگر وہاں کوئی آتا میرے علم میں ضرور ہوتا۔ ریا! مجھ سے صاف صاف بات کرو۔" مون واقعی ڈسٹرب ہو گیا تھا۔

"صاف صاف ہی تو بات کر رہی ہوں اصل میں گھر میں کسی کو بھی نہیں پتا کہ انیکسی میں ایک عورت ایک معصوم سی بچی کی پرورش کر رہی ہے اس عورت کو ممی نے رکھا ہے اس بچی کے لیے ساؤنڈ پروف کمرے سے بچی کے رونے کی آواز باہر نہیں آسکتی اگر آپ کو ابھی بھی یقین نہیں تو نیچے لان میں جا کر دیکھئے شاید ابھی وہاں کھڑکی کے شیشے روشن نظر آ رہے ہوں۔" وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔

"وہ تو میں کئی بار دیکھ چکا ہوں۔" اس مرتبہ مون کی اپنی آواز بہت دھیمی اور تھکی تھکی سی تھی۔

خاصی دیر خاموشی چھائی رہی۔ مون کے بازو کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ اس کا ہاتھ سیدھا پھیلا ہوا تھا۔ اور ریا کے بال اس پر بکھرے ہوئے تھے بالوں سے اٹھتی بھینی بھینی مہک دھواں بن کر سانسوں میں حلول ہونے لگی۔

"تم وہاں کیوں گئی، کیا ممی نے کہا تھا؟" وہ ہر لحاظ سے قطعی منتشر ہو چکا تھا۔

"ممی کیوں کہیں گی؟ انہیں تو پتا بھی نہیں کہ میں وہاں جاتی ہوں پلیز آپ بھی انہیں مت بتائیے گا وہ ناراض ہوں گی۔"

"تم وہاں کیوں جاتی ہو؟" مون چاروں طرف سے شعلوں میں گھر گیا بہت بڑھ مردہ اور شکستہ سا انداز تھا اگرچہ سوال تھا مگر انداز احمقانہ کا تھا۔

"مجھے وہ بچی بہت اچھی لگتی ہے بلکہ مجھے اس پر بہت ترس آتا ہے۔" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"کیوں ترس کیوں آتا ہے؟" وہ چوری آواز میں بولا۔

"اب دیکھیں ناں۔ کسی بچے کے باپ کی ڈیتھ ہو جائے تو یہ اللہ کی مرضی لیکن باپ زندہ ہو پھر بھی باپ کے پیار سے محروم ہو یہ کیا ترس آنے والی بات نہیں؟" ریا نے الٹا سوال کر دیا۔

"تمہیں کیا پتا لگا ہے کہ اس بچی کا باپ زندہ ہے؟" مون نے پوچھا۔ انداز وہی تھا چور سا مقدمے ہارا ہوا۔

"ہوں۔" ریا ہنکارا بھر کے خاموش ہو گئی گویا کچھ سوچ رہی ہو۔

"کیا تمہیں پتا ہے کہ اس بچی کا باپ زندہ ہونے کے باوجود بچی کے پاس کیوں نہیں؟" مون نے ہلکی روشنی میں ریا کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔

ریا نے فوری کوئی جواب نہیں دیا بلکہ جیسے سوچ میں پڑ گئی۔

"تم نے جواب نہیں دیا؟" مون نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"جو بچے اس طرح دنیا میں آتے ہیں ان کے باپ ان کے ساتھ نہیں رہتے۔" ریا نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔ مون کی طرف سے پشت کر لی اور آہستگی سے اس کا بازو اپنے سر کے نیچے سے ہٹا دیا۔

"کس طرح سے؟" مون اس مرتبہ قدرے اعتماد سے پوچھ رہا تھا۔

ریا پھر سوچ میں پڑ گئی اور مناسب الفاظ ڈھونڈنے لگی۔

"بھئی مجھ سے کیا جھجک میں تمہارا ہزبینڈ ہوں۔" اس نے ریا کو اپنی جانب موڑنے کی کوشش کی۔

"یہ ایکسیڈنٹ کیسے ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد بے بی آ جاتا ہے؟ پتا ہوتا ہے ناں یہ غلط ہے پھر بھی لوگ اندھے ہو جاتے جب ان پر ان کی نظر نہیں ہوتی۔" مون ریا کو اپنی جانب موڑنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

ریا کے وجود پر کپکپی سی طاری ہو گئی حلق میں کانٹے سے پڑ گئے۔

"تم نے کبھی غور کیا کہ ایسا کیوں ہو جاتا ہے؟"

ریا ہولے ہولے لرزتی رہی کچھ بولنے کے قابل ہی کب تھی۔

"میں تمہیں اصل بات بتاؤں مجھے بھی نہیں معلوم کہ ایسا کیوں ہو جاتا ہے یہ انسانی زندگی کا کمزور ترین لمحہ ہوتا ہے جب وہ خود غرضی کے ایسے مقام پر کھڑا ہوتا ہے جہاں سوچ اتنی فریز ہو جاتی ہے کہ وہ سے انسان کی بنیاد رکھ رہا ہوتا ہے اور اس کے افسردہ بشر مندہ مستقبل کی طرف اس کی سوچ نہیں جاتی۔ یہ دنیا کا سب سے حقیر، معمولی آدمی ہوتا ہے اس کے لیے لفظ انسان استعمال کرنا انسانیت کی توہین ہے میرے نزدیک مشرک، شرابی، جواری، منافق سے بھی بڑا گناہ گار وہ قاتل۔"

"پھر اس کے لیے پھانسی کی سزا ہونا چاہیے۔" ریا جذباتی سی ہو کر بے اختیار بول پڑی۔

"اسی لیے تو اسلام میں اس گناہ کی سب سے اذیت ناک سزا ہے یعنی سنگساری صرف اس وجہ سے کہ دوسروں کو عبرت ہو ایسی خوفناک سزا کے خوف سے لوگوں کی ہمت نہ ہو یہ گناہ کرنے کی۔" معاً مون بستر سے کھڑا ہو گیا۔

"کاش کہ یہ سزا اپلائی بھی ہو میں جب اس بچی کو دیکھتی ہوں تو دل چاہتا ہے خوب روؤں۔" ریا اپنی دھن میں تھی مون کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

"ریا۔!"

"جی۔" اس نے مون کا سرخ تمتماتا ہوا چہرہ بس ایک نظر دیکھا۔

"پلیز تم کسی اور کمرے میں چلی جاؤ آج رات کے لیے۔ میں تم سے ریکوسٹ کر رہا ہوں، پلیز ریا۔" وہ کھڑکی کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔

ریا ہکا بکا اس کی صورت دیکھنے لگی۔

"پ..... پانی دوں آپ کو۔" وہ فوراً بستر سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔

"ریا پلیز اس کمرے کی ساری لائٹس آن کر دو پھر فانوس بھی۔ پلیز روشنی کر دو۔"

ریا سوئچ بورڈ کی طرف دوڑی کھٹ کھٹ سارے ہی سوئچ آن کر دیے۔ کمرہ روشنی سے جگمگانے لگا۔

"پانی دو پلیز۔"

ریا پھر بدحواس فریج کی طرف دوڑی ایک بوتل نکالی گلاس میں پانی انڈیلا۔ جلدی میں اچھا خاصا پانی کارپٹ پر گر گیا۔ اس نے مون کو پانی کا گلاس تھمایا اور بدحواس ہی بغور اس کی صورت دیکھنے لگی مون نے ایک سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

"تھینک یو مائی انوسنٹ ہارٹ۔" مون نے گلاس اسے تھما کر سر جھکا لیا۔

ریا کی قدرے جان میں جان آئی۔

"میں نیچے گیسٹ روم میں چلی جاتی ہوں آپ آرام کریں۔" ریا نے لاشعوری طور پر اپنا ہاتھ مون کے شانے پر رکھ دیا۔ اس کے انداز میں فطری ہمدردی تھی۔

"تھینکس اے لاٹ مائی ڈیئر۔" وہ بستر پر بیٹھ گیا۔ "دروازہ بند کر دینا مگر لائٹس جلی رہنے دو۔"

ریا نے تعمیل کی اور خاموشی سے دروازہ بند کر کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆☆☆

"تمہیں دفتر میں فون تو نہیں کر بیٹھی تھی کہیں۔" سب ناشتہ کر رہے تھے بڑی اماں نے مظاہر کو مخاطب کیا۔

"کون۔۔؟" مظاہر جانے کس دھیان میں تھے، چونک پڑے۔

"ارے تمہاری بھابھی اور کون۔۔؟" بڑی اماں نے آف موڈ میں جواب دیا۔

"کیوں خیریت۔۔؟" مظاہر نے حیران ہو کر سب بھائیوں کے چہرے پڑھنے کی کوشش کی۔

"ارے خیریت سے کدھر رہتی ہے" بڑی اماں نے سنگ کر کہا۔ باقی سب بھی قدرے تشویش سے بڑی اماں کو دیکھنے لگے۔

"کوئی کل فون نہیں کیا اس نے تمہیں۔۔؟" بڑی اماں نے مظاہر سے پوچھا۔

"نہیں۔" "اوہ" وہ قدرے پریشان ہوئے۔

"ایک عورت کو بھیجا تھا اس نے ادھر کہ ہم اسے نوکر رکھ لیں بڑی ضرورت مند ہے مجھے تو صورت سے بھائی نہیں دوسرے جب ہمیں ضرورت نہیں تو کیوں فالتو پیسہ خرچ کریں ضد کر رہی ہے نہیں ضرور رکھو بہت مصیبت کی ماری ہے دو بیٹیاں بھی ساتھ ہیں کسی کی جوان جہاں بچیاں ہم اپنے گھر ٹھہرائیں وقت کا کوئی بھروسہ ہے؟ دل میں اک جان ہے کہاں کی منع کر دیا تو بی بی۔ آکر سمجھاؤں گی اب بتاؤ اب ہمیں سمجھانے لائق ہو گی تم ذرا اسے ڈھنگ سے سمجھاؤ کہ اس طرح کی ہمدردیاں گلے پڑ جاتی ہیں۔"

"اوہ!" سب نے اطمینان کا سانس لیا۔

"دیکھ لیں بڑی اماں! کیا حرج ہے آپ کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔" ظہیر نے کہا۔

"لو تم بھی بولے یعنی حد ہو گئی اس کی سمجھ میں میری بات نہیں آئی تم تو سمجھنے کی کوشش کرو پہلے دس دن سسرال ہی میں نوکر تھی، سوچنے کی بات ہے کہ وہ لوگ کیوں نہیں رکھ رہے ہیں کام والی ہوتی تو رابیا کی ساس نہ رکھ لیتیں۔ جنہیں جوتی سیدھی کرنے کے لیے بھی نوکر چاہیے۔ ذرا غور کرو۔"

"ان کے ہاں پہلے ہی نوکر بہت ہیں اس لیے ہو سکتا ہے وہ مزید نوکر ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں اس لیے نکال دیا ہو۔" ظہیر نے بھی کوئی نکتہ پکڑنے کی کوشش کی۔

"ضرورت نہ ہوتی تو پہلے کیوں رکھتے اب تم بھی اس کے ساتھ ہو جاؤ۔ میں تو بڑی ہو کر بیٹھی نہ کہیں وہ منہ بنا کر فون کر کے بول نہ کروا دے پھر سے بولے کہ بڑی اماں اب تو میں اسے کہہ چکا آپ غور کر لیں جیسے تم لینے لگے اس کی ......"

"میں آپ کی منظوری کے بغیر کیسے ہاں کہہ سکتا ہوں بڑی اماں۔۔؟" مظاہر نے تسلی دی۔

"وہ والی ہاں تو کوئی کروا نہیں سکا تو" یہ "والی ہاں کیسے کہہ سکتے ہیں۔" چاند مسکرائے۔

"ارے یہ کیا 'ہاں' بولے۔ پہلے جوان سے بڑے بیٹھے ہیں وہ تو ہاں کہہ دیں۔" بڑی اماں کو پھر موقع ہاتھ لگا۔

"یہ اظہر تو مجنوں کے ساتھ فوٹو بنوائے گا حشر کے دن ارے خاک دھول ڈالو اس قصے پر دو بال بچوں والی ہوتی ایک سے ایک بچی موجود ہے سلیقہ شعار، خوبصورت خاندانی کوئی کمی ہے نقصان اپنا زندگی کی خوشیوں کا کر رہے ہو کسی کا ذرہ برابر ہے۔؟" وہ پھر سمجھانے لگیں۔

"کوئی نقصان نہیں بڑی اماں! میں بہت مطمئن و پرسکون زندگی گزار رہا ہوں آپ کی دعاؤں کے ساتھ خوب، بھلا دل کا سکون کیا کافی نہیں۔" اظہر نے ہمیشہ کی طرح بڑے سلیقے سے بڑی اماں کو ٹالا۔

"اے مولی بے زنوں کی کب بچتی ہے اس عمر میں تو انسان اپنے بال بچوں کے ساتھ اچھا لگتا ہے۔"

"مولی۔۔۔؟!" مظہر نے جیسے بہت سٹپٹا کر اظہر کی طرف دیکھا۔

"اصل میں مولا ہوتا نہیں۔" اظہار نے معلومات میں اضافہ کیا۔

"ملا ہوتا ہے مگر ساتھ ملائی بھی ہوتی ہے ان کے سر سے بچتے ہی نہیں ہوتے۔ ریئس پرابلم۔"

"ویسے آج یہ بھی معلوم ہوا کہ حشر کے دن فوٹو بھی بنیں گے۔" مظہر بولا۔

"ہاں بس اب شروع ہو جاؤ سب کے سب تمہارا ہے جو ڈھنگ کی بات پوری ہونے دیں۔" بڑی اماں ناراض ہو گئیں۔

"بری بات بعد میں پوائنٹ آف آرڈر اٹھاتا ہی ایوان اسپیکر کو ضابطے کی کارروائی مکمل کرنے دیں اظہر بھائی کے بعد ظہیر بھائی کا نمبر لگے گا اس سے پہلے کوئی نہ بولے۔" چاند نے شرارتاً دونوں بھائیوں کے ساتھ 'بھائی' کا لاحقہ استعمال کیا۔

"تو اور کیا۔ یہ ظہیر تو مجھے گھلا گھلا کر قبر میں ہی اتار دے گا۔" چاند نے بڑی اماں کو خوب یاد دلایا قہقہے بے ساختہ تھے ظہیر جو بڑے انہماک سے اظہر کا 'کیس' سماعت کر رہے تھے بری طرح سٹپٹا گئے۔

"چاند بھائی! چھوٹوں کے سامنے تو ذرا سی بتا دیا کریں۔" وہ جھینپ کر بولے۔

"یار ہم تمہاری پوری بتانے کے چکر میں ہیں تم 'ذرا سی' کی بات کرنے لگے۔ چاند نے تائید طلب نظروں سے بڑی اماں کی طرف دیکھا۔

"اور نہیں تو۔" بڑی اماں نے ناراض انداز میں بڑی سادگی سے کہا سب نے بمشکل اپنی ہنسی کنٹرول کی۔

"بڑی اماں! ہم تو شاید وہ ربیا سے متعلق کوئی بات کر رہے تھے۔" ظہیر نے بڑی مہارت سے بات کا رخ موڑنے کی کوشش کی۔

"وہ بھی ہو لی رہے گی تم بتاؤ چاند کے سامنے کے برس تمہیں گے اس بچی کو اور کوئی دودھ پیتا بھائی بہن تو نہیں جس کے جوان ہونے کے بعد شادی کرے گی۔۔؟" وہ جل کر پوچھنے لگیں۔

"یہ چاند بھائی نے ما بیٹے کیا مطلب؟ ہمیں کیا ظہیر بھائی کی شادی کا ارمان نہیں ہے؟" مظہر نے بڑے دل گرفتہ انداز میں کہا۔

"اب یہ چاہے کر امراء کے سامنے طے ہونا چاہیے کہ ان دونوں بیٹیوں کی شادیاں کب تک ہونا چاہئیں تاکہ حساب سے یہاں آنے والے کے بھی تو روزی روزگار کا معاملہ ہے اب یہ تو نہیں جب مرضی بلا بھیجیں۔ اتنا خرچ کر کے گیا ہے آخر۔" انہوں نے وضاحت کی۔

"ٹھیک تو کہتی ہیں بڑی اماں۔ کیوں وقت گنواتے ہو کرو شادی آخر کرنا تو ہے۔" چاند نے ظہیر و اظہر کو ایک ساتھ مخاطب کیا۔

"پہلے سے پیچھے دیکھتی رہے اپنے بہن بھیوں کو ہمیں کوئی اعتراض نہیں اگر وہاں نوکری کر کے خرچا اٹھاتی ہے تو شادی کے بعد بھی کرتی رہے نوکری۔ اس زمانے میں تو سب ہی کر رہی ہیں مجھے پسند تو نہیں پر اپنے بچے کی ضد سے مجبور ہیں۔"

"یہ بات اس سے کر کے تو دیکھو۔ اس بہانے سے ہمیں ملوا تو دیا! ہیں کیا محترمہ جن کی اتنی کڑی شرائط پیارے بھائی کو منظور ہیں۔" چاند نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ ظہیر کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"چلیں آج ہو سکا کے بعد۔" ظہیر نے خلاف توقع جواب دیا۔

"کیا عورتوں کی جماعت اسلامی ہیں؟ یہ اضافی خوبی ہوئی بڑی اماں۔" چاند پھر ہنس پڑے۔

"ناصیہ! تمہارے نمبر کٹ رہے ہیں۔ تم تو نماز باقاعدہ نہیں پڑھتیں۔" وہ پھر بولے۔

"پہلے سے کٹ جائیں نمبر اپنے علاوہ کوئی دوسری تو نظر آئے گھر میں۔" وہ لاپرواہی سے شانے اچکا کر بولی۔

"اے کیا واقعی ...؟" بڑی اماں کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ "شکر خدا کا۔ کچھ بولا تو ...."

"سب چلیں گے اماں۔۔؟" اظہار کی بے تابی قابل دید تھی۔

"نہیں بڑی اماں، چاند بھائی اور بھابھی۔" ظہیر نے جواب دیا۔

"اے تو سب چلتے ہیں کوئی حرج ہے۔؟" بڑی اماں کو ظہیر کے جواب پر حیرت ہوئی۔

"ایک دم سے سب کا جانا اچھا نہیں لگے گا وہ بھی تھکی ہوئی آئی ہو گی۔ اس کے والد کی طبیعت بھی آج کل زیادہ خراب ہے۔" ظہیر نے وضاحت سے جواب دیا۔

"تو ہم کون سا کوئی کھانا پینا کریں گے کھڑے کھڑے ہو آئیں گے مروت کا یہ تقاضا بھی اچھا ہے۔"

بڑی اماں اس وقت زبردست جوش میں آ چکی تھی۔ آخر "ملے شدہ" مگر معنوی بہو کو دیکھنے کا غیر متوقع موقع فراہم ہوا تھا۔

"تکلیف کیا ہے بے چارے کو بیٹے۔؟" بڑی اماں کے لہجے میں تاسف در آیا۔

"پرانا دمہ ہے سردیوں میں تکلیف بڑھ جاتی ہے۔" ظہیر نے جواب دیا۔

"ارے اللہ معاف کرے بہت موذی مرض ہے اللہ شفا دے آمین کے بہن بھائی ہیں بچی کے۔؟"

بڑی اماں تو متوقع سمدھیانے میں گم ہو چکی تھیں اللہ اللہ کر کے تو یہ دن آیا تھا کہ ظہیر نے زبان کھولی تھی۔

"بچے! تم خود ہی بول پڑے تو کیا بات تھی بتاؤ ہم تمہاری خاموشی سے جانے کیا جانیں کر سالوں چپ رہنے تو کیا ہم سالوں نہ بولتے ہاں بتاؤ نہیں تم نے کہ بھائی بہن ہیں۔؟"

بڑی اماں خود ہی سوال کے بعد سوال کر بیٹھی تھیں اب لگا تھا کہ جواب فوری نہیں آئے۔

"صغیر انکل کی تین بیٹیں دو بھائی عفیر سب سے بڑی ہے ایک بہن کی شادی کر چکی ہے باقی پڑھ رہے ہیں ایک بھائی ایم بی بی ایس کے فائنل ایئر میں ہے اس کی پڑھائی ختم ہونے ہی کا انتظار تھا۔" ظہیر نے چاند کی طرف متوجہ ہو کر جواب دیا۔

"یہ ایم بی بی ایس کیا ہوتا ہے بچے سنا تو کئی مرتبہ ہے پر دھیان نہیں۔" بڑی اماں بولیں

"میاں، بیوی، بچے سب اظہار نے گرہ لگائی کافی دیر سے زبان پھڑک رہی تھی۔

"اے تو بچ۔" بڑی اماں نے ناراض ہو کر اظہار کو عینک کے عدسوں سے خوب گھورا۔

"ڈاکٹری پڑھ رہا ہے بڑی اماں۔" اظہر کے چہرے پر بھائی کے مذاق کے سبب مسکراہٹ کا تاثر تھا۔

"ماشاء اللہ۔ واقعی پھر تو بچی نے بہت محنت کی۔ بہن کی شادی کی بھائی کو ڈاکٹری پڑھائی۔ پھر اور بہن بھائی بھی پڑھ رہے ہوں گے تو پر سے باپ بیمار۔ ماں تو ٹھیک ہیں ناں۔؟" بڑی اماں بہت متاثر نظر آئیں محنت کرنے والے بچے، بچیوں تو ان کی آئیڈیل تھے۔

"والدہ حیات نہیں ہیں۔" ظہیر نے جواب دیا۔

"چچ... چچ...... بے ماں کی بچی۔" بڑی اماں کو مزید رنج کا سامنا تھا۔

"تم تو بہت ہوگی محنت جوانی کر لی ہے۔" بڑی اماں کو ہونے والی کے سراپے کا دھیان آیا۔

"بڑی اماں! یہاں سے حدود اربعہ پر آ گئی ہیں محترمہ۔" مظہر نے نعرہ بلند کیا۔

"کمزور سی ہوتی ہے آنکھیں بنگالی ہیں، چینی جاپانی ہیں، رنگت تو ہیں، ہونٹ......"

"چپ کر بچے! ابھی بہت ہوا ہے آج کل کے بچوں کا۔ سب بڑے بیٹھے ہیں لحاظ نہیں ویدوں میں۔" بڑی اماں سخت ناراض ہو گئیں۔

"ظہیر اظہر کے سامنے دیکھ رہے تھے چاند کو دیکھ کر تو تیر ہو جاتے ہیں کیا کریں سب سے بڑا ہی ننھا سا منا ہوا ہے۔" چاند کی بھی ساتھ میں شامت آ گئی۔

"بڑی اماں! میں بھابھی کے لیے ہی خوش ہوں۔" چاند نے برجستہ کہا۔

"بتاؤ پھر لے کے جانے کو عمر جیسی بھی ہے ہمارے بچے کو پسند ہے۔ بہت ہے۔ ٹھیک ہے عشاء کے بعد چلیں گے کھڑے کھڑے ہو آتے ہیں مگر صفا کہہ دیتی ہوں اگلی مرتبہ میں اس کے باپ سے شادی طے کرنے ہی جاؤں گی بھلے سے کچھ بولو۔"

بڑی اماں نے فیصلہ سنا دیا۔

اسی دوران فون کی گھنٹی بج اٹھی اظہار نے فون اٹینڈ کیا پھر اگلے ہی لمحے وہ خوشی سے چہکنے لگا۔

"نونی! آج ہم بہت خوش ہیں ظہیر بھائی کی دلہن دیکھنے جا رہے ہیں نیر اول بھی چادر رہا ہو گا افسوس شادی کے بعد تھکی مجبور ہو گئی ہے ایک دم دونوں لگا کر آ نہیں سکتی۔ خیر بارات میں تو ہم تجھے لے کر جائیں گے۔

پرامس۔"

"سچ بچ بالکل جھوٹ نہیں۔"

"میں پوچھ لیتا بڑی اماں سے۔"

"ابا جان... ہاں، ہیں۔ ناشتہ کر رہے ہیں۔"

"مجھے پتا ہے تو کیا بات کرے گی بڑی اماں ان سے کر چکی ہیں۔ بے وقوف ابا جان کی سورس سے گورنمنٹ جاب میں بھرتی ہو سکتی ہے گھر میں نہیں... اب اگر جونیئر کلرک بھرتی کراتا ہے تو دوسری بات ہے۔"

"کوالیفیکیشن کیا ہے۔ پہلا سکول باہر سے دیکھا ہے؟ کبھی کالا ہو گا وہ بھی دیکھا ہو گا یہ بہت بائی کوالیفیکیشن ہے افسر بھی لگ سکتی ہے۔

"اور جہاز سنا ہے بڑی اماں کی؟ ایک روٹی زیادہ نہیں کھا سکتی؟ دس منٹ اور لگیں گے ٹیبل پر مگر جہاز پوچھو تو گھنٹہ بھر کی ہو گی۔"

"بلاتا ہوں رونے کی ضرورت نہیں۔ تو بیا مٹا الٹی بحث تو کمیشن ایجنٹ بھی نہیں ہونے والی سے پہلے تماشا کرتے ہوں گے۔

اظہار بے حساب بول کر پلٹا

"آپ کو بلا رہی ہے ابا جان ------ دیا ہے۔"

"دیکھا آ گیا تیلی فون۔ مارینیڈ ہیں اڑی ہوئی ہیں زیادہ لمبی بات کی ضرورت نہیں انہیں نوکر رکھنا ہی نہیں ہے بات ختم۔" مظاہر نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا تو تاکید ہوئی۔

"وعلیکم السلام ٹھیک ہو۔؟"

"اچھا ہوں سن رہا ہوں۔ ویسے بڑی اماں نے بتایا مجھے، چونکہ ڈپارٹمنٹ میرا ہے ہی نہیں میں کیا کہہ کر زور ڈالوں۔؟" مظاہر اپنے مخصوص انداز میں پوچھ رہے تھے۔ آواز اتنی آہستہ تھی کہ بڑی اماں کو ان کی یہ بات سمجھ نہیں آ سکی تھی۔

"دیکھو بچی، اس شہر میں اس سے بھی زیادہ برے حالوں میں لوگ رہتے ہیں۔ ہم کس کس کے روزگار کا بندوبست کر سکتے ہیں وہ کوشش کر لی۔ بے کہیں نہ کہیں کام بن ہی جائے گا میرے ملنے والوں نے ذکر کیا تو میں تمہیں بتا دوں گا۔"

"کہہ تو رہا ہوں ان کے بعد کوئی ان سے بھی زیادہ پریشان حال تمہارے پاس پہنچ جائے گا پھر اس کے لیے تم کیا کرو گی۔؟ تم اپنے طور پر اگر مدد کر سکتی ہو کچھ دے سکتی ہو تو ضرور دو۔ اس کا اجر ملے گا تمہیں۔"

"جی...... بڑی اماں یوں ہی انکار نہیں کر رہی ہیں واقعی یہاں نوکر کی گنجائش نہیں ہے ماسی سارا گھر صاف کر جاتی ہے ہفتے میں دو بار مشین لگا کر کپڑے دھو لیتی ہے بچوں کو مدت سے بابا بہت اچھی طرح سنبھال رہے ہیں دلی آ جاتا ہے ہفتے میں دو تین مرتبہ

درخت پودوں کی دیکھ بھال کر لیتا ہے پودوں کو پانی بڑی اماں ہمیشہ سے بڑی باقاعدگی سے دیتی ہیں۔"

"پانی دینے کے لیے۔؟" مظاہر کا قہقہہ ہلکا سا مگر بھرپور تھا۔ "یہی بڑی اماں کی سب سے پسندیدہ مصروفیت ہے استری سب کر لیتے ہیں۔ چلو خیر تمہاری یہ بات مان لیں تو کیا تمہیں خواتین صرف استری کریں گی۔؟"

"ماسی ٹھیک سے کام نہیں کرتی بڑی اماں کہتی ہیں۔ لیکن ان کی کیا گارنٹی ہے کہ یہ ٹھیک سے کام کریں گی۔؟"

"ٹھکانے والا گھر چاہیے؟ ہوں ۔۔۔ اچھا ٹھیک ہے میں آفس میں بات کر کے دیکھتا ہوں۔ ویسے تمہاری اتنی زیادہ ہمدردی قابل غور ہے اور کے موقع لگے تو آ جانا۔ ٹھیک اللہ حافظ۔

"بڑی اماں کہہ رہی ہیں تو بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں اسے تخت نمبر بچہ ہے ہمدردی کا ۔۔۔ یہاں تک کہہ دیا ہے میری خاطر رکھ لیں۔ کوئی پوچھ بیٹھے تمہاری خاطر کیوں۔ تمہیں کیا فرق پڑ رہا ہے؟" مظاہر رعب سے ہنس دیے۔

ہو سکتا ہے کوئی اور مسئلہ بھی ہو ان کے ساتھ جو انہوں نے ربیا کو بتایا ہو مگر ہمیں نہیں بتا رہی ورنہ اس نے کبھی اس طرح کچھ کہا تو نہیں۔" اظہر کی سوچ گہری تھی۔

"پہلے سے سوکی ایک بات جب ہمیں ضرورت ہی نہیں۔" بڑی اماں یوں بولیں۔ کہیں ربیا کے ساتھ اظہر بھی داؤ نہ لائے تگیں۔

"ویسے بڑی اماں رکھ لینے میں کیا حرج ہے فل ٹائم ملازم کی بات ہی دوسری ہوتی ہے بہت سہولت رہتی ہے گھر بیٹھ تو بہت سے کام نکلتے ہی رہتے ہیں۔" چاند نے کہہ دیا اور بڑی اماں تو جیسے بری طرح تڑپ کر رہ گئیں۔۔۔

"آ گئے تم بھی اس کی باتوں میں ان منتوں سے کہا تھا اپنی بیٹیاں لائیں ادھر نوکرانیوں کا ڈھیر لگانے کی ضرورت نہیں۔"

"بیچ ۔۔۔ بیچ ۔۔۔ بے چاری بیٹیاں، مستقبل کی نوکرانیاں۔" مظہر کے منہ سے بلا ارادہ ہی نکل گیا اس نے تاسیہ کی طرف بڑے ہی تاسف بھرے انداز میں دیکھا تھا۔

"میں یہ کب کہہ رہی ہوں خدانخواستہ کہ بہوؤں کو نوکرانی بنا کر لانے ہیں پر اپنے شوہر کا کام نہ سائیں گی جو دیکھ بھال شوہر کی بیوی کر سکتی ہے وہ نوکرانی کر سکتی ہے بھلا۔ بن چکے نے کوئی رعیت ہوتا ہے۔ لڑکا۔" بڑی اماں نے مظہر کو ڈانٹ دیا۔

"ہو سکتا ہے اظہر بھائی کا خیال ٹھیک ہی ہو ان کے ساتھ کوئی دوسرا مسئلہ بھی ہو سکتا ہے ورنہ ربیا اتنی ذمہ دار اور سنجیدہ نہیں ہے کہ اتنی اترالو ہو جائے اس گھر میں ایک نوکر بھی نہ ہوتا تب بھی ربیا سے خیال نہ آتا کہ نوکر ہونا چاہیے اگر مجھے موقع ملا تو آفس سے آتے ہوئے اس سے ملتا آؤں گا۔" مظاہر نے بڑے بھائیوں کے چہرے بھی ساتھ ساتھ پڑھے۔

"اگر مسئلہ ہو بھی تو ہمیں کیا۔ جب ضرورت ہی نہیں۔" بڑی اماں پھر تڑپ کر رہ گئیں۔

چاند نے مظاہر کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا ساتھ میں اس بات کا بھی ہاں ہو کیے لینا۔

"ایک نہیں، دو نہیں تین تین نوکرانیاں۔ غضب خدا کا کس قدر بے وقوف لڑکی ہے۔" بڑی اماں بڑبڑانے لگیں۔

"غضب نہیں بڑی اماں۔" بڑا میں فضل رہا۔ لوگ ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور ملازم نہیں ملتے۔" چاند نے ٹکڑا لگایا۔

"ٹھیک تو کہہ رہے ہیں چاند بھائی۔" اظہار نے تائید کی۔

"تم سب ٹھیک ہی تو کہتے ہو غلط تو ہم ہیں بابا۔ اب ختم کرو قصہ۔ آج کوئی فارغ ہے تو مجھے عارفہ کے ہاں چھوڑ آئے کے روز ہو گئے بچی کی خیر خبر بھی معلوم نہیں کی۔ ہاں مگر آج تو ظہیر کی سسرال جانا ہے۔" انہیں فوراً دھیان آ گیا۔ "خیر کل صبح چلی جاؤں گی طاہر علی بھی بیمار رہتے ہیں فکر ہی رہتی ہے اوپر سے اب پہاڑ جیسا صدمہ۔"

"ٹھیک ہے بڑی اماں! میں کل آفس جاتے ہوئے ڈراپ کر دوں گا۔" مظاہر نے کہا

"چلی تو میں اظہار کے ساتھ بھی جاؤں مگر وہ پہیوں پر بیٹھا نکل جاتا مجھ سے۔" انہوں نے وضاحت کی۔

"کوئی بات نہیں بڑی اماں۔ گاڑی کی سہولت جب ہے تو کیا ضرورت ہے تکلیف اٹھانے کی۔"

"جیتے رہو۔" انہوں نے مظاہر کو دعا دی۔

"کوئی خیر خبر بھی رہتی ہے اس تُتی کی۔" انہوں نے قدرے جھجکتے ہوئے مظاہر سے سوال کیا۔

"ضرورت کیا ہے خیر خبر رکھنے کی۔ بے کار موضوع گزرے دنوں کی بات۔" وہ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کرسی کھسکا کر کھڑے ہو گئے پھر کپ ٹیبل پر رکھ کر فوراً ڈائننگ روم سے باہر چلے گئے۔

بہت گہرا سکوت طاری رہا۔

"ناراض ہے اس لیے کہ کچھ نہیں ہے اب اس بچی کے نصیب پہلے کہتے تھے۔ کہ اس سے بیاہ کر لے تو کہتا تھا بے کار ڈرتے ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا ارے ہم کیا خوش ہیں؟ کلیجہ پھٹ کر کرنا کوئی مذاق ہے۔" وہ خود کلامی کر رہی تھیں۔

سب یکدم خاموش ہو کر رہ گئے۔ صرف برتنوں اور چمچوں کی آوازیں ماحول پر حاوی تھیں۔

☆☆☆☆☆

سب لوگ تو نہیں البتہ چاند، تانیہ بڑی اماں، ظہیر اور ربیا ظہیر کی متوقع سسرال آئے تھے۔

ربیا سن کر بھلا صبر کر سکتی تھی اس نے تو فوراً ہی سمن سے کہہ رکھا تھا کہ وہ بھی جائے گی بھائی کی دلہن دیکھنے جانا ہے وہ تو یہ بھی بھول بھال گئی کہ صبح تک سمن اس سے وہ روٹھا تھا صبح ہمت کر کے وہ خود ہی کمرے میں چلی گئی تھی سمن خبر ہو رہا تھا وہ بھی چپ چاپ اس کے پہلو میں سو گئی تھی رات کو تو ویسے بھی ٹھیک سے سو نہیں سکی تھی دیر تک سوچوں میں الجھی رہی تھی اس کے باوجود سمن کے اٹھنے پر اس کی آنکھ کھل گئی تھی وہ معمول کی تیاری میں لگ گیا تھا اور وہ ڈیلی فون تھمنے نے بیٹھ گئی تھی یوں بھی رات اسے سکیہ بہت یاد آ رہا تھا۔

دوپہر کے کھانے سے پہلے ڈرائیور اسے چھوڑ گیا تھا۔

بڑی اماں نے اسے دیکھ کر سر پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ "چین ہے تجھے بچی کس گل۔؟"

"بڑی اماں! میں تو سن کر خوشی سے بے ہوش ہونے لگی۔ ظہیر بھائی کی دلہن دیکھنے جا رہے ہیں لگی گاؤں۔" اس نے بے ساختہ کہا تھا۔

سامنے بیٹھے ظہیر کے کان کھانی رہی تھی شادی کب کریں گے؟ اگلے ہفتے کر لیں۔ کوئی مسئلہ نہیں۔ میں اور بھابھی بوتیک سے ابھی اکیس جوڑے خرید لائیں گے ایک ایک سیٹ جیولری کا بڑی اماں نے سب کا بنوا کر رکھا ہوا ہے دولہن بنانے لے آئیں گے وہ گنگن سے لیں گے تین چار دن میں تیاری کر لیں گے۔" ظہیر چپ چاپ مسکراتے رہے۔

انہیں چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا تھا لڑکی کے والد اور ایک بھائی ایک بہن سامنے آئے تھے عفیرہ اکائی رہی تک دکھائی نہ دی تو بڑی اماں صبر نہ کر سکیں، بول پڑیں۔

"بچی کو تو بلوائیں میاں۔؟"

ربیا جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ "میں لے کر آتی ہوں۔"

"چائے تیار ہو گی آپ چلی جائیں اس کے پاس بیٹا۔" عفیرہ کے والد نے کہا۔ ربیا تو فوراً بھاگ کھڑی ہوئی۔ چھوٹے سے گھر کا کچن تلاش کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ اس نے فوراً ڈھونڈ لیا ایک دراز قامت لڑکی دروازے کی طرف پشت کیے کام میں مصروف تھی۔

"السلام علیکم عفیرہ ابھا بھی۔؟"

عفیرہ اپنے کس دھیان میں تھی بڑی طرح چونک پڑی اور اپنے چونکنے پر خود ہی جھینپ گئی۔ وہ پلٹ چکی تھی ربیا نے

بہت دلچسپی سے اسے دیکھا۔

گندمی رنگ، بڑی بڑی آنکھیں، ابھرے ہوئے تراشیدہ ہونٹ شانوں تک جھولتے چمکدار بال، وجود سے اٹھتی بلغریب مہک، زرد اور وائٹ پھولوں والا کاٹن کا سوٹ پہنے ہوئے تھی زرد دوپٹہ شانوں پر پھیلا ہوا تھا چہرے میں بلا کی جاذبیت تھی۔

سخت حالات میں پھوٹنے والی نرمی نے چہرے کو عجیب سا نکھار دیا تھا۔

''واہ، آپ تو ماشاء اللہ سے بہت پیاری ہیں۔'' ربیا اس سے بچوں کی طرح لپٹ گئی۔

''ظہیر بھائی بھی بس یوں ہی ہیں پہلے ملوادو بے نواب تک بہت پکی دوستی ہو چکی ہوتی اور میں ذرا سمجھدار ہو جاتی..... یہ آپ..... ملیں کہاں تھیں ظہیر بھائی کو۔؟'' وہ حسب عادت بے تکان بولتی چلی گئی۔

عفیرا نے ایک لطیف مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بہت دلچسپی سے ربیا کو دیکھا۔

''ویسی ہی ہو، جیسا ظہیر نے بتایا تھا۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''اچھا! ظہیر بھائی نے بتایا تھا میرا۔؟'' ربیا یوں خوش ہوئی جیسے کوئی غیر متوقع اچھی بات سن لی ہو۔

''آپ ہی کو تو باتیں کرتے ہیں زیادہ۔'' عفیرا مسکرائی۔

''ہوں۔'' ربیا نے ہنکارا بھرا پھر شرارت سے اس کی طرف جھک کر بولی

''کہاں کرتے ہیں۔؟''

عفیرا کی نظریں جھک کر رہ گئیں۔

''بڑے چھپے رستم ہیں یہ ظہیر بھائی۔ یہ چائے وائے چھوڑیں۔ بڑی اماں بہت بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ ظہیر بھائی بھی آئے ہیں۔ سفید کاٹن کے سوٹ میں ماشاء اللہ زبردست لگ رہے ہیں کہیں آپ کی نظر نہ لگ جائے انہیں۔'' ربیا کا انداز ہنوز شریر تھا۔

''تم چلو میں پانچ منٹ میں آتی ہوں۔'' عفیرا کے لبوں پر لطیف سی مسکراہٹ کا تاثر تھا۔

عفیرا ٹرے ٹیبل پر رکھ کر سیدھی ہوئی۔ ربیا واپس ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ تابندہ اور بڑی اماں نے ربیا کی صورت دیکھ کر کچھ اندازہ لگانا چاہا۔ ''خوش ہو جائیں گی بڑی اماں۔ آفت جوڑی ہے۔'' اس نے تابندہ کے کان میں سرگوشی کی۔ چند منٹوں بعد عفیرا ٹرے اٹھائے اندر آ گئی۔ ''یہ عفیرا ہے۔'' عفیرا کے والد بڑی اماں سے مخاطب ہوئے۔ بڑی اماں کھڑی ہو گئیں۔ تو بڑی اماں نے اسے سینے سے لگایا۔

''تو بہ ظہیر نے تو تمہیں معمہ بنا کر رکھ دیا تھا۔ میں پہلے ملوادو کم از کم اپنی بچی سے ملا تو دیتا۔ ماشاء اللہ نظر بد سے بچائے بڑی ہمت والی بچی ہے ظہیر سب کچھ بتا چکا ہے۔ بہت خوشی ہوئی مجھے۔ اصل میں تو انسان ہی وہی ہے جو مشکل وقت میں ہمت باندھے رہے کیا ذرا سی عمر ہے بچی کی اور کتنی بھاری ذمہ داریاں لیکن میاں! آپ فکر نہ کریں ہمارے گھر میں بچی کو بہت سکھ ملے گا۔ ہم نے اپنے بچوں کی تربیت ہی ایسی کی ہے کہ عورت کی دل سے عزت کرتے ہیں خوش رہے گی انشاء اللہ آپ مجھے سوچا ہیں پھر با قاعدہ رشتہ لے کر آؤں گی بھجو بیٹی۔''

بڑی اماں نے اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ تابندہ جھک کر اس سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگی۔

ربیا نے چاند کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔ بھنویں کیسی لگیں۔

چاند جواب میں ظہیر کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے۔

''اصل میں یہ ہمارا بچہ ہے ناں چاند امریکہ میں رہتا ہے بہن کی شادی کرنے آیا ہوا تھا اب جا رہا ہے اس لیے آپ سے ملاقات کا بہانا بن گیا ورنہ ظہیر تو پتا نہیں اور کتنے دن آپ کو چھپائے رکھتا پہلے ملواتا تو کم از کم ربیا کی شادی میں تو آپ کو بلواتے

خیر گئی بات کا ذکر بے معنی ہے ماشاء اللہ اب آنے جانے رہیں گے تو تفصیل سے باتیں ہوں گی۔''

''آپ بزرگ ہیں، آپ کی عزت افزائی ہماری خوش نصیبی ہے غریب خانہ آپ کے لیے ہر وقت کھلا ہے۔'' عفیرا کے والد بڑی اماں سے مل کر بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔

''جیتے رہو۔''

''ظہیر نے شاید آپ کو بتایا ہو کہ اس گھر میں ظہیر پہلی بار میری وجہ سے آیا تھا۔'' انہوں نے کہا

''نہیں یہ تو نہیں بتایا۔'' سب ہی کو اچنبھا ہوا۔

''اصل میں اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد اے جی پی آر کے دفتر کے چکر لگا رہا تھا گریجویٹی وغیرہ کا مسئلہ تھا وہاں مجھ سے رشوت مانگی گئی میرے پاس تو کچھ نہیں تھا میں بہت پریشان تھا ایک روز دفتر کے احاطے میں بیٹھا کوئی حل سوچ رہا تھا کہ ظہیر دو ہیں ایک گاڑی سے اترتے دکھائی دیے بس مجھے یوں ہی خیال ہوا کہ شاید یہاں کے کوئی افسر ہیں ان سے بات کر کے دیکھنا چاہیے میں نے سلام کر کے ان کو اپنے یہاں آنے اور مسلسل دھکے کھانے کی وجہ بتائی تو بولے میں یہاں ملازمت نہیں کرتا اپنے کسی کام سے آیا ہوں البتہ میں آپ کا کام کرا سکتا ہوں میرا بھائی اس طرح کی ڈیلنگ آسانی سے نمٹا سکتا ہے اس سے بات کر کے آپ کو بتا دوں گا آپ اپنا ایڈریس اور کونٹیکٹ نمبر دے دیجئے پھر اس کے بعد یہ اپنے بھائی کے ساتھ ہمارے گھر آئے۔

''کون سے بھائی۔؟'' سب نے سوالیہ نظریں ظہیر کے چہرے پر جما دیں۔

''مظاہر کے ساتھ۔'' ظہیر ایک دم ہنس کر بولے۔

''دیکھا آپ نے بڑی اماں ان کا جان کو۔؟'' ربیا نے بڑی اماں پر کچھ جتایا۔

''وہ صرف یہاں ایک مرتبہ میرے ساتھ آیا تھا بس اتنا قصور وار ہے۔'' ظہیر نے چاند کے سامنے وضاحت پیش کی۔

وہ اس وقت عفیرا کے بہن بھائی سے بہت انوالو ہو کر باتیں کر رہے تھے۔

''اچھا کیا بتا دیا۔'' چاند نے مسکرا کر تابندہ کی طرف دیکھا جو مظاہر کے ''تعاون'' پر ان کی خبر لینے کا پروگرام بنانے لگی تھی۔

''بس ہم تو آج تک دعائیں دیتے ہیں ان بچوں کو۔'' عفیرا کے والد ہنوز بڑی اماں سے مخاطب تھے۔

''بس میرے بچوں کو دعائیں ہی چاہئیں۔'' بڑی اماں تو پوتوں کی ''کارزوگی'' پر نہال ہو گئیں۔ عجیب سا فخر ان کے چہرے سے مترشح تھا۔

''یہی سکھایا ہے میں نے۔ بہت محنت کے بعد آج یہ دن دیکھے ہیں میں نے میاں۔ اللہ کا احسان ہے لاج رکھتا ہے میری۔'' وہ آبدیدہ ہو گئیں۔

''نیک اولاد بہت بڑا انعام ہوتی ہے اللہ کا میرے لیے تو آپ کی آمد بہت عزت افزائی ہے۔'' عفیرا کے والد نے کہا۔

عفیرا سب کے سامنے چائے رکھ چکی تھی۔ بڑی اماں اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''کے جماعتیں پڑھی ہیں بیٹی۔؟'' انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''میں نے بی ایس سی کیا ہے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''اچھا چودہ پڑھی ہو ہمارا تمہارا بھی یہی پڑھ رہا ہے۔'' انہوں نے عفیرا کے والد کو مطلع کیا۔

''ظہیر نے بتایا تھا کہ آپ اپنی ایک بچی بیاہ چکے ہیں۔ وہ کدھر ہوتی ہے۔؟''

''یہیں قریب ہی شریف آباد میں۔'' جواب ملا۔

"کیا کرتا ہے آپ کا داماد؟"

"اپنا فوٹو اسٹوڈیو ہے اس کا۔ پڑھا لکھا ہے۔"

"اللہ نصیب اچھا کرے۔"

"میں دوبارہ جلدی آؤں گی اپنی بچی کے پاس۔ آپ آرام کیجیے۔ اور ہمیں اجازت دیجیے۔" چائے ختم ہونے کے بعد بڑی اماں نے اجازت چاہی۔

☆☆☆☆☆

"بھابھی! اب میں اکا جان کے سامنے تو کھل کر ساری باتیں نہیں کر سکتی۔ آپ تو کر سکتی ہیں کیا پتہ ہے۔ میں اس بچی کی وجہ سے اتنی کانسیئس ہو رہی ہوں...... اب پتا نہیں انہیں کہیں اور نوکری ملے نہ ملے تو واپس گوٹھ جانا پڑے...... جب تک بے بی کے باپ کا پتا نہیں چلتا کم از کم ماں تو اس کے قریب رہے...... کتنے دکھ کی بات ہے کہ بچہ ماں باپ کے ہوتے ہوئے ان کی محبت سے محروم ہو۔" ریبا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"تمہاری سوچ بہت پوزیٹو ہے ریبا! مگر میری جان یہ بہت مشکل ہے ایسے بچے ایسی ہی تقدیر لے کر آتے ہیں...... ابھی تم قطعی ناتجربہ کار اور کم عمر ہو...... پتہ نہیں اس دنیا میں تو روز کیا کچھ ہوتا ہے" اس نے ریبا کا شانہ تھپتھپایا۔

"چھوڑیں بھابی تقدیر انسان خود بناتا ہے ہمت اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ علامہ اقبال کا شعر نہیں سنا آپ نے کہ:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

اتنے بڑے مفکر نے یونہی تو نہیں کہہ دیا۔ دو صفحات کی تشریح لکھوائی تھی ہماری میڈم نے اس شعر کی اور کہا تھا کہ یہ سب سے مختصر تشریح ہے اس شعر کی۔"

اس نے اتنی سادگی سے کہا کہ تابندہ نے بے ساختہ اس کا رخسار چوم لیا۔

"یعنی تم نے اس بے بی کا باپ دریافت کرنے کی قسم کھائی ہے۔ مشن تو بہت اچھا ہے مگر تم اکیلی ہو کوئی تمہارا ساتھ نہیں دے پھر مسئلہ کیا ہے تمہاری ساس بہت اچھے طریقے سے اس کی پرورش کر رہی ہیں اسے سب کچھ میسر ہے۔"

"اسے پیرنٹس میسر نہیں ہیں...... اس لیے اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔" اس نے تابندہ کی بات کاٹ کر کہا۔

"فرض کرو اگر تم اس کا باپ ڈھونڈ نکالو تو کیا اس کو مجبور کر سکتی ہو کہ وہ بے بی کی ماں سے شادی کرے؟ تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے کہ وہی اس بے بی کا باپ ہے؟ وہ کیوں اپنے جرم کا اقرار کرے گا جبکہ اسے جرم کرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔ لڑکی کو وہ بہت آرام سے صاف کہہ دے گا کہ جھوٹ بول رہی ہے الزام لگا رہی ہے بعض مرد اتنے گھٹیا ہو جاتے ہیں غصے میں کہ اپنی جائز اولاد کو own نہیں کرتے بیوی سے کہتے ہیں پتا نہیں کس کا ہے...... تم یہ سب چھوڑو آرام سے بیٹھو...... ابھی تم نے کچھ نہیں دیکھا۔ بس آج کے بعد اس قصے کو مت چھیڑنا...... میں تمہیں بالکل حقیقت پسندی کے ساتھ سمجھا رہی ہوں...... بس تم فی الحال اپنا مسئلہ سوچو اس کا حل ڈھونڈو۔" تابندہ نے بہت سنجیدگی کے ساتھ اسے سمجھایا۔

"میرا مسئلہ؟ میرا تو کوئی مسئلہ نہیں مجھے کیا ہوا ہے؟" وہ حیران ہوئی۔

"اللہ کرے تمہیں کچھ ہو۔ مون کی سناؤ اس نے تم سے کیا کیا باتیں کیں؟" تابندہ نے بغور اس کی صورت دیکھی۔

"وہ کل...... ہاں...... اف بھابی! رات تو ان کی طبیعت بہت گڑبڑ ہوئی مجھے تو بہت ڈر لگا پتا نہیں کیسے عجیب سے ہو رہے

تھے گم صم پسینے پسینے مجھ سے کہنے لگے تم نیچے کسی کمرے میں جا کر سو جاؤ پلیز میں تو بھاگ کر نیچے گیسٹ روم میں چلی گئی اف توبہ۔"

"ڈرنک ورنک تو نہیں کرتا؟ سچ سچ بتانا۔" تابندہ نے پھر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"نہیں بھابی! توبہ استغفار پہلے تو بالکل نارمل باتیں کر رہے تھے بس باتیں کرتے کرتے پتا نہیں کیا ہو گیا ایک دم سے یقین کریں کوئی غلط کام نہیں کرتے۔" ریبا نے یقین دلایا۔

"ہوں اپنی تو سمجھ سے باہر ہے یہ کیس۔" تابندہ خود ہی الجھ گئی۔

"کون سا کیس بھابی؟" مظاہر فیملی کی آسٹیٹیں فولڈ کرتے ہوئے چائے کے بیڈ روم میں داخل ہوئے چونکہ دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا اس لیے دستک کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"کوئی کیس ہے تو بتائیے آپ کی ہیلپ کرنے کی کوشش کریں گے...... وہ چاند بھائی کہاں ہیں...؟ کسی بندے کا کوئی مسئلہ ہے انہوں نے بات کرنے کو تو کہا تھا مگر میں بھول گیا پھر کانٹیکٹ نمبر بھی مس پلیس ہو گیا۔"

"وہ تو اظہار کے ساتھ باہر گئے ہیں۔ جگنو بھی ضد کر رہا تھا اسے لے گئے ہیں کہیں گئے ہیں ناشتے وغیرہ کا سامان لینے ابھی آ جائیں گے...... بیٹھو۔"

"ہاں بھابی ریبا...... تمہارا ابھی تو کوئی مسئلہ تھا...... بڑی اماں بہت خوش ہو کر بتا رہی تھیں۔" مظاہر نے مسکرا کر تابندہ کی طرف دیکھا۔

ریبا نے سٹپٹا کر تابندہ کی صورت دیکھی۔

"ختم ہو گیا بھئی وہ پرابلم۔ اب چھوڑو اس بات کو۔" تابندہ نے ٹالا۔

اکا جان سامنے بیٹھے تھے راہ راست مسئلہ پوچھ رہے تھے ریبا پر تو نئے سرے سے جوش سوار ہو گیا اس نے تابندہ کو کہنی ماری۔

"ختم تو نہیں ہوا بھابی گر سب چاہتے ہیں پوچھ لیں ان سے۔" وہ یہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

مظاہر تو الجھن میں پڑ گئے انہوں نے ریبا کو کہنی مارتے دیکھ لیا تھا۔

"آپ بتائیں تو سہی کوئی چھپانے والی بات ہے کیا؟" وہ کچھ مشکوک سے نظر آئے۔

"ارے نہیں۔ یہ بچی باتیں تو بہت ہی بچپنا ہے گلی گلی پھرتی ہیں یہ لڑکی کوئی انوکھی بات نہیں۔" تابندہ نے بے دلی سا جواب دیا۔

"کون سی پرابلم؟" مظاہر نے تابندہ کی عدم دلچسپی کے باعث یونہی سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"یہی ان لیگل منسم کے بچوں کی۔" تابندہ نے یوں کہا کہ گویا کوئی خاص بات نہ ہو۔

"آپ کا مطلب جسے یہ ملازمہ رکھنے کے لیے کہہ رہی ہے بانی وہ ان لیگل ہے؟" مظاہر کے بھگا بچے پڑا۔

"لاحول ولاقوۃ...... ارے نہیں بھئی اس کی بیٹی کے ہاں بے بی ہوا ہے؟" تابندہ کو مجبوراً جواب دینا پڑا۔

"ریبا کیسے جانتی ہے انہیں؟" وہ تشویش میں مبتلا ہو گئے۔

"بھئی یہ لڑکی پہلے خواجہ صاحب کے ہاں ملازمہ تھی ناں......؟" تابندہ جھلا گئی

مظاہر نے آڑے ترچھے سوال کر کے تابندہ سے بہت کچھ اگلوا لیا تھا اور تابندہ کو یا سر پیٹ رہی تھی اپنا۔

"او تو اس وقت کہاں ہے وہ اور اس کا بے بی دہ رہا ہے؟"

تابندہ نے گہرا سانس لیا "صرف بے بی ہے وہاں"۔

"وہ کس کے پاس ہے؟" وہ متعجب ہوئے۔

"ملازمہ کے پاس اس کے لیے ملازمہ رکھی ہے ریا کی ساس نے۔" ثانیہ نے سوچا اپنے آپ کو معمہ بنانے سے بہتر ہے جب اتنا بتا دیا ہے باقی بھی بتا دیا جائے...... کچھ اپنے "عورت پن" کے ہاتھوں بھی مجبور تھیں ایسی باتیں عورتوں کے پیٹ میں بہت درد کرتی ہیں...... اب جبکہ مظاہر نے خود ہی پوچھ لیا تو وہ زیادہ دیر خود پر ضبط نہ کر پائیں۔

"اوہ...... یعنی ماں بیٹی کو نکال دیا۔ بے بی رکھ لیا۔"

"ہوں۔" وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے...... ثانیہ خاموش رہی۔

"ریا کیا چاہتی ہے اس کی ماں کو یہاں ملازم رکھا جائے یا اس کی بیٹی کو آئی مین بے بی کو ماں کو؟" مظاہر نے کسی خیال کے دوران پوچھا۔

"تینوں کو...... ماں جو یہاں آئی تھی اور اس کی وہ بیٹی جس کا بے بی ہے اور اس کی ایک اور چھوٹی بیٹی۔"

"اس سے پہلے کیا تینوں ریا کے ہاں رہتی تھیں؟" مظاہر کا انداز بہت سنجیدہ تھا۔

"یہ تو میں نے نہیں پوچھا۔" ثانیہ نے جواب دیا۔

"ریا کیوں اتنی انٹرسٹڈ ہے ایک نیا سوال ان کے دماغ میں پیدا ہوا۔

"مارے ہمدردی کے تاکہ بہانے سے ماں کو بے بی سے ملاتی رہے ایک اور مشن بھی ہے کہ اس کا باپ کہیں سے دریافت کر کے بے بی کی ماں سے باقاعدہ اس کا نکاح پڑھوائے گی تاکہ بے بی اپنے پیرنٹس کے پاس رہے اب اگر آپ کو ہلپ کرنی ہو تو انہیں لینے میں کوئی حرج نہیں۔" ثانیہ نے جیسے جل کر کہا تھا۔

"مشن تو بہت نیک ہے جیسے صدر مملکت کا وزیراعظم کا پہلا دل نشین خطاب جس کو خطاب نہیں خواب کہنا چاہیے جو وہ عوام کو دکھاتے ہیں یا جیسے اقوام متحدہ کی حسین منظور شدہ قراردادیں...... جیسے سینٹ اور نیشنل اسمبلی میں عوام کی فلاح بہبود کے لیے پاس کیا ہوا کوئی بل...... میرے ساتھ آپ بھی ہنس سکتی ہیں۔"

مظاہر کے اندر گرچہ ایک گہری سوچ کی ضرب تھی بظاہر مسکرا رہے تھے۔

ثانیہ واقعی مسکرا دی۔

"بہت سمجھایا ہے میں نے اس بے وقوف کو......" ثانیہ نے اپنی پرفارمنس سے مطلع کرنا ضروری سمجھا مگر وہ جو کہا ہے نا کہ عقلمند کو نصیحت کی ضرورت نہیں بے وقوف پر نصیحت کا اثر نہیں ہوتا۔"

مظاہر ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ریا آج رکے گی یا سونے آئے گی؟" وہ باہر نکلتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"پتا نہیں ریا نے کچھ بتایا تو نہیں۔ وہ ظہیر کے چکر میں دوسری کوئی بات نہیں ہو پائی اب تک۔" ثانیہ نے جواب دیا۔

"ہاں...... وہ...... آپ نے بتایا نہیں کیسا رہا غیر سرکاری دورہ، بڑی اماں کے تاثرات کیا ہیں؟" مظاہر کو دھیان آیا۔

"بڑی اماں تو بہت خوش ہیں کہہ تو نہیں رہیں لیکن اب سب کچھ طے ہے تو میں انگوٹھی ہی لے آئی بچی کو کے ہاتھوں پہنا دی۔"

"یعنی اتنی پسند آ گئیں ہماری ہونے والی بھابی...... ویری نائس ظہیر بھائی...... مطلب یہ کہ کانگریچولیشن؟"

"ویری گڈ...... واقعی عقیرا پہلی نظر میں سب کو اچھی لگی...... اچھی سیریس بیلنس پرسنالٹی ہے بہت اچھی جوڑی ہے...... ماشاءاللہ۔" ثانیہ نے کہا۔

"آپ کی اور چاند بھائی جیسی۔" مظاہر ثانیہ سے کبھی کبھار ہی مذاق کرتے تھے۔

"نیک اطلاع ہے کہ ہماری جوڑی اچھی ہے۔" ثانیہ کھلکھلائی "تھینک یو ویسے اچھی جوڑی بنانے کا تم نے زبردست چانس مس کیا ہے...... بہت خوبصورت ہے ماہ نور اور سوبر بھی۔" ثانیہ نے یونہی کہہ دیا۔

"آپ کہہ رہی تھیں۔ چاند بھائی تھوڑی دیر میں آ جائیں گے...... اب تو خاصی دیر ہو گئی ہے۔" مظاہر نے یوں کہا گویا انہوں نے ثانیہ کا جملہ سنا ہی نہیں۔

"پتا نہیں کہاں رہ گئے......" ثانیہ خود بھی "دیر" کا سبب سوچنے لگی...... کہ کیا ہو سکتا ہے؟

☆☆☆☆☆

"یہ لفافہ ہے ماہ نور دیکھنا تمہارے نام ہے، ہاں نام تو تمہارا ہی لکھا ہے۔"

قمر النساء نے ظہر کی نماز کے دوران ایک لفافہ اسے تھمایا۔

"میرے نام خط؟" "کہاں سے آ سکتا ہے" وہ الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی...... اوہ......

راولپنڈی جنرل پوسٹ آفس کی اسٹیمپ لگی ہوئی تھی...... وہ سمجھ گئی کہ کہاں سے آیا ہے۔

ابھی دو نفل باقی تھے مگر خط شے ہی ایسی ہے، کھولے بغیر رہا نہیں جاتا۔

اس نے لفافہ چاک کیا...... وہ پہلی بار پاشا کی اردو رائٹنگ دیکھ رہی تھی۔

میری جان ماہ نور!

السلام علیکم

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے......

ابھی تک تو خاصی سہولت ہے...... تکلیف ہو بھی تو تمہارے خیال سے سہولت رہے گی اس مرتبہ ذرا چکر لمبا پڑ گیا ہے...... مگر فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہر سزا کی انتہا موت ہی پر تو ختم ہوتی ہے...... پھر موت سے کیا گھبرانا جب سیارہ بدل کر بھی اس سے پیچھا چھڑانا ممکن نہیں میری جان اپنی مرضی کا بھی کر مرنے کی بات ہی اور ہے دنیا میں بے شمار ایسے لوگ ہیں جو تابعداری کرتے کرتے مر جاتے ہیں...... اگرچہ انہیں مرنا ہی ہوتا ہے مگر کتنی پیاسی زندگی گزار کر مرتے ہیں...... میں بہت خوش ہوں اپنی مرضی اور پسند سے زندگی گزار رہا ہوں...... ایک شاندار، خوب صورت، پیار بھرا ساتھیوں ساتھی کی موجودگی کا نشہ اور احساس اس دنیا میں انسان کو اور کیا چاہیے۔

تم نے بھی چلتے وقت مجھے ایک ایسا شعر غور کرنے کو دیا جس میں موت سے دلچسپی و محبت کا احساس ہے۔ میں بھی موت سے کبھی نہیں ڈرا تم بھی نہ ڈرنا۔ میں اگر مر جاؤں بس میری جان تمہارے قرب کا نشہ ابھی تک اتر کر نہیں دیا...... من پسند عورت اور وہ بھی جیتی ہوئی کیا زبردست نشہ ہے۔

حالانکہ مجھے یقین ہے کہ اگر مجھے پھانسی کی سزا ہو جائے تو تم کبھی میری زندگی خدا سے مانگنے کے لیے "آیت کریمہ" سوا لاکھ مرتبہ نہیں پڑھواؤ گی ہو سکتا ہے پھانسی کے بعد دو رکعت نفل شکرانہ ادا کرو...... مگر میں نے تم سے سودے بازی کب کی ہے میں تو دل، تم ہم ہو۔ عشق اندھا ہوتا ہے سر درد کی سفید چھڑی ہاتھ میں لیے ہوئے...... بے ربط لڑکھڑاتے قدموں والا عشق جس میں لطف بڑی ترتیب سے ہوتا ہے کوئی یکسانیت نہیں ہوتا ہے عشق میں جذبہ کا تسلسل ہی تو قوت ہے۔

میں تم سے دل و جان سے پیار کرتا ہوں اتنا کہ تم کبھی اندازہ کر ہی نہیں سکتیں۔ تمہاری خاطر گرم بستر سے نکل کر آوارہ لونڈوں کی طرح تمہارا پیچھا کیا...... مٹی کی جھلستی دوپہروں میں تمہارا دیدار کرنے کے لیے انتظار کیا ہے۔

جانے کیا کچھ کر کے آج تم پر کلی اختیار حاصل کیا ہے نہ تم میرے ہاتھ روک سکتی نہ زبان ایسا کرو گی بھی تو تمہیں گناہ

ملے گا تم تو پکی مسلمان ہو تم پر اعتبار حاصل کرنے کی خوشی بھی مجھے بہرطور خوش رکھتی ہے اب دیکھو اگر میں مر گیا تو دنیا کے ان گنے چنے لوگوں میں ہوں گا جو موت کے وقت بہت خوش تھے۔

ایک بات بتاؤں ماہ نور! میں غلط بندہ ضرور رہوں مگر میں نے آج تک کسی انسان کو قتل نہیں کیا جبکہ میری لائن کا بندہ اس فعل سے بچ ہی نہیں پاتا...... یہ تمہاری ساس کی دعاؤں کا اعجاز ہے۔

ایک مرتبہ اقدام قتل کا ارتکاب کیا تھا مگر وہ بندہ بچ گیا تھا۔ تھینکس گاڈ۔ اصل میں ان دنوں مجھ پر شدید غصے کے دورے پڑا کرتے تھے تم جو منظر سے غائب ہو گئی تھیں اب مجھے غصہ نہیں آتا کیونکہ میں تو تمہاری وجہ سے بہت ابنارمل کرتا تھا جب سے تم قریب ہوئی ہو کوئی بات ہی بری نہیں لگتی۔

صبح کے چار بج رہے ہیں تمہیں خط لکھ رہا ہوں...... مچھر بہت ہیں مگر ان کے ڈنک ایسے لگ رہے جیسے پیار کر رہے ہوں...... اور کہہ رہے ہوں ماہ نور کو ہمارا بھی سلام لکھنا اور ہاں...... وہ تمہارا ویر کزن تو نہیں آباد بارہ اس سے میری طرف سے کہنا میں اسے روز فائیو اسٹار ہوٹل میں کھانا کھلانے کو تیار ہوں بس وہ تمہارے پاس نہ آیا کرے...... تمہارے سامنے نہ بیٹھا کرے...... تمہیں دیکھا نہ کرے...... اس جذبے میں شدت کے احساس سے ہی اندر آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تمہاری کوئی دلچسپی ہے...... جنہیں سب چاہتے ہوں وہ کم ہی کسی کو چاہتے ہیں مگر بس اور سنا و کیسی گزر رہی ہے ہمارے بغیر تمہاری اور تمہاری ساس کی؟ اماں کے نام بھی لفافے میں علیحدہ خط ہے انہیں دے دینا۔

امید تو نہیں کہ جواب لکھو گی، اگر لکھ بیٹھو گی تو کہیں ہارٹ اٹیک نہ ہو جائے خوشی سے۔

پاشا

ماہ نور نے خط تمام کر کے گہرا سانس لیا...... کیسا مذاق ہے اس کی نظر میں موت، سوچ اس سے آگے نہیں جاتی کہ موت کے بعد بھی کچھ ہے...... اس کی تیاری بھی ہے یا نہیں۔

اس نے خط ایک طرف رکھ کر نفل کی نیت باندھ لی۔

☆☆☆☆☆

مون ربیا کو لینے آیا پورے چار روز بعد۔

تانیہ کا کلس کلس کا برا حال ہو گیا تھا دن رات میں کئی بار پوچھ لیتی تھی...... "فون آیا اس کا؟" ربیا کا جواب نفی میں ہوتا اور تانیہ سنجیدہ سرے سے کھولنے لگتی۔

"یہ شادی کے شروع دنوں میں حال ہے آٹھ دس سال ہو گئے تو جانے کیا ہو گا۔"

"بھئی بہت ہی ذمہ دار انسان ہیں آپ...... صبح دوپہر شام فون کر کے ربیا کی خیریت معلوم کرنے جتنے تو تھے، ربیا کی قسمت پر رشک آتا تھا، ماشاء اللہ کتنا خیال رکھتا ہے اس کا بزنس مین...... "سلام کا جواب دے کر تانیہ نے مون کی باقاعدہ کھنچائی کروائی۔

"بھئی ربیا کی تو اسی رات کہہ رہی تھیں جا کر لے آؤ میں نے سوچا یہاں دن بھر اکیلی بور ہو جاتی ہے چلو کچھ دن بھائیوں کے...... ساتھ آپ کے ساتھ انجوائے کر لے گی۔" مون نے بوکھلا کر صفائی پیش کی۔

"ممی نے کہا تھا بیٹے آپ بہت تابعدار بیٹے ہیں اپنی ممی کے۔ ممی نے کہا یہ کر لیا۔ ممی نے کہا وہ کر لیا حتیٰ کہ ممی نے کہا شادی کر لو...... آپ نے سر جھکا کر کہا...... او کے ممی۔" تانیہ نے ہلکی پھلکی میں گہرا طنز کیا۔

مون کو اس کے انداز سے کچھ محسوس تو ہوا مگر وہ طرح دے گیا۔

"ایسی بات نہیں بھابھی! اتنا بڑا کام ممی کے کہنے پر تو نہیں کیا جا سکتا" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

"شکر ہے آپ کو یہ تو احساس ہے کہ یہ اتنا بڑا کام ہے...... کوئی معمولی واقعہ نہیں۔"

اظہر اور مظہر بہت الجھن میں تانیہ کو دیکھ رہے تھے کہ کیا سوا گت کا انداز ہے؟

بڑی اماں تسبیح میں مشغول تھیں مون سے ملنے اس لیے نہیں آئی تھیں۔

گھر میں اس وقت اظہر مظہر تانیہ ربیا جگنو اور بڑی اماں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

"ہم تو عنقریب واپس جا رہے ہیں اس لیے تاکید سمجھ لیں یا درخواست ربیا کا خاص رکھیے گا یہ چھ بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے ہر طرف سے اسے سب نے خوب ناز پیار ملا ہے، کوئی تکلیف وہ عادت نہیں ہے جلد Obey کر لیتی ہے...... کم عمری کی وجہ سے تھوڑی نادان ہے مگر آپ کی سمجھداری سے اچھی توقع ہے۔"

"آپ کو مجھ سے کوئی خطرہ محسوس ہو رہا ہے جو آتے ہی آپ نے ایڈوائز کی......؟" مون نے حیرت چھپا کر عام سے انداز میں سوال کیا۔

"یہ تو آپ اپنے آپ سے پوچھیے......" تانیہ نے قہقہہ لگا کر بھاری بات کا وزن ہلکا کیا۔

مون کی نظر میں ایک گہری سوچ کا عکس اتر آیا...... غنیمت ہوا کہ بڑی اماں آ گئیں ورنہ تانیہ کا تو بس نہ چلتا تھا کہ پھٹ پڑے۔

مون نے کھڑے ہو کر بڑی اماں کو سلام کیا۔

"جیتے رہو...... ماں تو ٹھیک ہیں نا تمہاری؟"

"جی...... اللہ کا شکر ہے...... سب خیریت ہے آپ کو سلام کہا ہے۔" مون نے کہا

"وعلیکم السلام...... فون وون کر لیا کرو بیٹے...... ویسے تو تم کرتے نہیں ہو ربیا آئی ہو تو ہی کر لیا کرو۔" بڑی اماں نے بھی گویا محسوس کیا تھا۔

"جی...... آپ نے درست کہا...... دراصل میں تین چار دن سے سائٹ پر تھا...... وہاں اتنی مصروفیت ہوتی ہے کہ فون کرنے کا موقع نہیں ملتا، مستری، مزدور، ٹھیکیدار، انجینئرز...... پتا نہیں کس کس کے ساتھ سر کھپانا پڑتا ہے۔ اسی لیے میں ربیا کو لے کر بھی نہیں گیا کہ میں رات کو گھر بہت لیٹ پہنچ رہا تھا سو چارہ فیل کرے گی سارا دن بھی اکیلی رہتی ہے دو چار روز آپ لوگوں کے ساتھ رہ لے گی...... یہاں تو ماشاء اللہ بہت رونق ہوتی ہے۔"

اس نے سوبر انداز میں بڑی اماں کو جواب دیا۔

بڑی اماں تو وضاحت سن کر سب بھول بھال گئیں۔ "ارے میرے چندا! یہ مجھے پتہ ہو بھی تو نہیں مل جاتا ربیا کو سمجھاتی ہوں کہ اب گھر یار والی ہو گئی ہو۔ عقل سمجھ سے کام لینا سیکھو، اپنے شوہر کے مشورے سے ہر کام کیا کرو...... ابھی جوان ہیں بچپنا بہت ہے...... تم خیال نہ کرنا۔ خود ہی سب سمجھ میں آنے لگے گا۔

تمہاری کوئی نوکرانی وغیرہ ہوتی ہے...... یا جان کھارکی ہے کہ اسے یہاں رکھ لوں...... بیٹے آپ لوگوں نے کیوں نکال رہا ہے...... ؟ کام ٹھیک سے نہیں کرتی ہو گی؟"

"کس نوکرانی کی بات کر رہی ہیں...... ہم نے کبھی تو ملازمہ رکھی ہی نہیں۔" مون سمجھ نہیں پایا۔

"وہی لڑکی سندھی گئی ہے...... وہ بیمار بھی ہیں...... ارے بیٹے! ہم ہمیشہ گھر میں نوکر ضرور رکھتے ہیں مگر صرف مدد کے

لیے ہر وقت کی چاکری کی ہمیں ضرورت ہی نہیں اللہ ہاتھ پاؤں سلامت رکھے..... بھلا ہم تین تین نوکرانیوں کا کیا کریں گے..... سر ہوئی جاتی ہے اور پھر کسی کی جوان جہان بچیاں گھر ٹھہراتے ڈر لگتا ہے وقت کا کوئی بھروسا نہیں حالانکہ منع کر چکی ہوں پر کبھی اس بھائی سے سفارش کراتی ہے کبھی اس بھائی سے ہاں تو میں پوچھ رہی تھی کیوں نکال دیا تھا تمہاری ماں نے۔" بڑی اماں اپنی دھن میں بولے جا رہی تھیں۔

"کچھ ہی کو پتا ہوگا۔" مون نے نظریں جھکا کر کہا۔ تانیہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"ویسے ایک بات بتاؤں بڑی اماں! وہ نوکرانیاں بہت ایماندار ہیں، کبھی کوئی چوری کی بات نہیں سنی۔ کام بھی بہت محنت سے کرتی ہیں..... یہ تو میں نے خود دیکھا ہے ہو سکتا ہے ممی نے "ڈاؤن سائزنگ" کے اینگل سے فارغ کیا ہو؟" مون نے اظہر کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"ایسی نوکرانیاں کم ہی ہوتی ہیں میرا خیال ہے ریہ ان کی شکل دیکھتے ہوئے آپ سے اصرار کر رہی ہو گی آپ مائنڈ نہ کریں تو میں بھی کہوں گا..... کہ آپ اس عمر میں بھی ماشاءاللہ بہت کام کرتی ہیں میرا خیال ہے باہر بھی "لوڈ" زیادہ ہے آپ رکھ کر ٹرائی کر لیں۔ تنخواہ زیادہ نہیں مانگتی ہیں اصل میں وہ کم تنخواہ پر اس لیے راضی ہوتی ہیں کہ شہر میں انہیں۔ رہائش کا مسئلہ نہ ہو رہائش کے ساتھ کم تنخواہ بلکہ جو آپ دیں گی قبول کر لیں گی۔"

مون..... سفارش کر رہا تھا..... بڑی اماں تو اس سے ذکر کر کے مشکل میں پڑ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆

"ویسے تو ابھی کم عمر ہیں۔ مگر شریف ہیں گھر سے باہر نکل کر گھومنے پھرنے کا شوق نہیں ہے اصل میں کام تو یہ دونوں بہنیں ہی کرتی ہیں ان کی ماں کام وام نہیں کرتی۔ وہ تو بس پیسے لینے آتی ہے کوٹھ سے۔"

مون بہت پرسکون انداز میں بڑی اماں کو کنونس کر رہا تھا جبکہ تانیہ بغور اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔

"شریف ہیں۔" کیا یہاں نہ..... ظاہر ہے حال سے بے حال لڑکی کیا ایک مرتبہ بھی اس کے سامنے نہ آئی ہو گی؟

"تمہارے خیال اپنی جگہ ایجو..... گھر بیٹھے پرائی بچیوں کی ذمہ داری بھی بہت ہوتی ہے تمہاری بات رکھ لیتی ہوں مگر پھر بچوں کی شادی بیاہ کی تیاریاں ہوا کریں گی..... کام تو خیر بڑھے گا۔ لیکن بھی نہیں ہوں گی ریہا اپنے گھر کی ہو چکی ہے مگر بیٹا! بس انہیں سمجھا دینا کہ ہیتی ہمارے گلے نہ ڈال دینا۔"

بڑی اماں اگرچہ مون کی بات رکھ رہی تھیں مگر ڈر ابھی تو ان کے حواس پر طاری تھا۔

"بہت بہت شکریہ بڑی اماں کہ آپ نے میری بات رکھ لی۔ ورنہ میں آپ کو مجبور تو بہر حال نہیں کر سکتا، یہ آپ کی بڑائی اور محبت ہے۔"

ریہا کے چہرے پر ان گنت روشنیاں بکھر گئیں اس نے تشکرانہ مون کی طرف دیکھا گویا اس نے کوئی بہت بڑا احسان کیا ہو۔

"بڑی اماں! آج کل سرو بال ہیں ان کے لیے کوئی لیاقت نکلوا دیجیے گا۔" اس نے فوراً کہا۔

"اچھا بس۔ خبر ہے ہمیں سب۔ جب بکری باندھیں گے تو غم بھی کریں گے۔" انہوں نے تنکا سا جواب دیا۔

بڑی اماں کی محاوراتی اردو پر موجود افراد کے چہروں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ نے لگی۔

"چلو ریہا تمہاری فکر تو دور ہوئی تو یہ جا ہوئی جا رہی تھی۔" تانیہ نے جیسے مبارک باد دی۔

"ارے اس کا کیا ہے کل اور کوئی فکر اٹھا لائے گی۔ قاضی جی شہر کے اندیشے میں دبلے ہوئے جاتے ہیں۔"

بڑی اماں نے سنک کر کہا۔

"چلیں مون! ابھی لے آتے ہیں ان لوگوں کو۔" ریہا نے پر جوش انداز میں مون سے کہا۔

"بیوی! تمہارے ہاں صبح نہیں ہوتی؟" بڑی اماں کو اس کی عجلت پر غصہ آ گیا۔ ریہا دبک کر بیٹھ گئی۔

"چلو ریہا کافی رات ہو گئی ہے۔" مون نے ریسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا۔

"بڑی اماں جاؤں؟" ریہا نے بڑی بے وقوفی سے سوال کیا۔

"ساتھ خیریت کے۔ ظاہر ہے لینے آیا ہے تمہیں۔"

"ایک منٹ میں بیگ لے کر آتی ہوں۔" وہ بڑی اماں کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"تھوڑی نا سمجھ ہے۔" بڑی اماں نے پھر پوتی کی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کی۔

"میرے ساتھ بہت کو آپریٹو ہے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بڑی اماں! آپ فکر نہ کیا کریں۔ ہم خوش ہیں آپ کی دعا ہے۔" مون نے ان کو اطمینان دلایا۔

بڑی اماں کے چہرے پر واقعی اطمینان نظر آنے لگا۔

بڑی اماں باقاعدہ گاڑی تک خدا حافظ کہنے آئیں۔

"آپ کا یہ جملہ کہ "ہم خوش ہیں" بہت اچھا لگا۔ خدا کرے ایسا ہی ہو آمین۔" تانیہ اپنی ذہنی خلفشار ظاہر کیے بنا رہ نہ سکی۔

مون نے ایک گہری نظر تانیہ کے چہرے پر ڈالی اور دوسری ریہا کے چہرے پر ایک سوچ کا عکس اس کے چہرے پر بھی نظر آتا تھا۔

"تانیہ بھابھی سے پرسنل بھی ڈسکس ہوتی ہے؟" گاڑی روڈ پر ڈالتے ہوئے مون نے ریہا کے کچھ کھنچے چہرے پر کچھ لکھا دیکھنے کی کوشش کی۔

"ظاہر ہے بڑی بھابھی ہیں، باتیں تو کرتی ہیں۔" ریہا نے الجھ کر مون کی طرف دیکھا۔

"مثلاً کس قسم کی باتیں ہوتی ہیں آپ کے درمیان؟" مون تانیہ کے انداز سے خاصا ڈسٹرب ہو چکا تھا۔

"کوئی خاص نہیں۔ عام گھریلو باتیں۔" ریہا نے گویا ٹال دیا۔

"میرے اور تمہارے ٹرمز کے بارے میں کچھ بات ہوئی تھی؟" مون نے سوال کیا۔

ریہا خاموش رہی مگر دل بہت تیزی سے دھڑکا۔

"میں کیا پوچھ رہا ہوں؟" مون کے انداز میں اصرار تھا۔

"ہوں شاید۔ یوں ہی سرسری سی۔" ریہا عجیب مشکل میں پڑ گئی تھی۔

"میرا خیال ہے سرسری نہیں بہت تفصیل سے ہوئی ہے۔" مون کے لہجے میں یقین تھا۔

ریہا پھر خاموش ہو کر رہ گئی۔

"ریہا! ہمارا عمر بھر کا ساتھ ہے دو چار گھڑی یا دنوں کا نہیں۔ بہت ساری باتیں، بہت سارے کام ضروری نہیں فوراً ہو جائیں بعض اوقات کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں جو انسان کو وقتی طور پر اپ سیٹ کر دیتے ہیں لیکن ایسا صرف وقتی ہوتا ہے تمہیں اچھی امید رکھنا چاہیے مجھے تمہارے حقوق اور اپنے فرائض کا پوری طرح شعور ہے میں تمہارے ساتھ مکمل طور پر مخلص ہوں میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اگر میں خدانخواستہ تمہیں کچھ نہ دے سکا تو کوئی اور بھی مجھ سے کچھ نہیں لے سکے گا۔ میں! میری پوری ذات تمہاری امانت ہے جیسے کہ تم میری امانت ہو جس طرح تم پر اعتماد کرتا ہوں تمہیں بھی مجھ پر اعتماد کرنا چاہیے۔

تواضع نہ ہو۔"

"خالہ جان! آپ نے تو تواضع کا حق ادا کیا تھا مجھے ہی جانے کی جلدی تھی ایسی کوئی بات نہیں میں نے آداب میزبانی میں یہاں کوئی کمی نہیں پائی مجھے افسوس ہے مجھے آج بھی جلدی ہے مگر میں اس مرتبہ یہ چائے پی لیتا ہوں ورنہ پھر کہیں احترام ملازمت کا فلسفہ شروع ہو جائے حالانکہ میں آپ جیسی شفیق و محترم خاتون کا دل سے احترام کرتا ہوں۔"

مظاہر نے ٹرے سے چائے کا کپ اٹھا کر انسان دوست لہجے میں قمر النساء کی تشفی کی۔

"یہ تمہاری سعادت مندی ہے میرے لیے تو تم اس لیے اہم ہو کہ تم ماہ نور کے قرابت دار ہو بھائی بند ہو پھر تمہاری پیشانی پر اقبال کی روشنی پھوٹتی محسوس ہوتی ہے اللہ نظر بد سے بچائے ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ۔۔۔"

قمر النساء کے لہجے میں فطری محبت کا عکس واضح تھا۔

"اللہ تمہارے ماں باپ کا کلیجہ ٹھنڈا رکھے آمین۔"

"ان کے والدین حیات نہیں ہیں اماں۔" ماہ نور نے مطلع کرنا ضروری سمجھا۔

"اوہ۔۔۔معاف کرنا بیٹے۔"

مظاہر نے ماہ نور کی سمت دیکھا۔ اس وقت وہ مظاہر سے بہت دور اور قمر النساء سے قریب نظر آئی۔

وہ خاموشی سے چائے پینے لگے۔

"حیدرآباد جا رہے ہیں۔ استانی عائشہ کے لیے خط پیغام کا پوچھنے آئے ہیں۔ آپ کو بتایا تھا کہ جن کے پاس میں ٹھہری ہوئی تھی۔؟"

ماہ نور نے اس کے سامنے مظاہر کی آمد کی توجیہہ بیان کی۔

"اچھا اچھا! تم ان تک ضرور جاؤ اور ہمارا بہت بہت سلام کہنا جی تو میرا بھی چاہتا ہے کہ ان سے ملوں۔ ماہ نور نے جو کچھ بتایا ہے کہ اس سے تو لگتا ہے گویا کوئی ولی عورت ہے۔"

"اگر آپ لوگ چلنا چاہیں تو چلیں۔ میں شام چار بجے کے قریب کراچی سے چلوں گا۔ ڈرائیور ساتھ ہوگا، وہ مجھے حیدرآباد چھوڑ کر آپ لوگوں کو آگے لے جائے گا۔"

ماہ نور کا دل یکدم تیز تیز دھڑکنے لگا ایک دم سے تاروں بھری اوڑھنی اوڑھے استانی سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ حیا آمیز تاثرات کے ساتھ نیچی نظریں کیے ہوئے۔

وہ آنکھ پھر بھی سوچا کرتی تھی کہ شاید اب وہ کبھی استانی سے نہیں مل پائے گی اسے اب کون جانے دے گا استانی اس کے بارے میں کیا کچھ سوچتی ہوں گی؟ پتہ نہیں ان کا بھی تو جی چاہتا ہوگا مجھ سے ملنے کو جیسے اچانک ملے تھے ایسے ہی اچانک جدا ہو گئے۔

استانی تک رسائی اتنی آسان ہے۔ وہ ان سے اس قدر قریب ہے چند گھنٹوں کے فاصلے پر صرف میرے خدا وہ سارا وہ چونک کر بے یقینی سے مظاہر کی طرف دیکھنے لگی۔ سب کچھ ذہن سے محو ہونے لگا۔ سامنے بس استانی کے وجود کی رنگین روشنیاں تھیں۔

"اماں! چلیں استانی سے ملنے۔" اس کا انداز جوش میں بچکانہ سا ہو گیا۔

"تمہارا جی چاہتا ہے تو چلی چلتی ہوں بیٹے! انہیں صبح واپس بھجوانے کا بندوبست کر رکھو تو میں چلی چلتی ہوں ماہ نور کے ساتھ مجھے بھی ان محترم خاتون سے ملنے کا بہت خیال ہے۔ جنہوں نے ہماری بچی کو اندھیرے وقتوں میں اپنا سایہ دیے رکھا

کا احسان تو ہم کبھی اتار ہی نہیں سکتے۔"

مظاہر ماہ نور کا موڈ بدلنے میں کامیاب ہو چکے تھے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کا عکس ان کے چہرے پر تھا۔

"تو آپ لوگ ساڑھے تین بجے تک بالکل تیار رہیے گا، میں پک کر لوں گا۔" وہ چائے کا کپ رکھتے ہوئے اٹھنے لگے۔

"ایک منٹ بیٹھیے اور بیٹھو۔ میں ابھی آئی۔" قمر النساء نے کہا اور بہت تیزی سے اٹھ کر باہر چلی گئیں۔

"آپ ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔ استانی کا تو شکریہ ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسے وقت مجھے ملیں جب رشتوں کی حقیقت کھل چکی تھی۔ لفظ "اپنا" ایک بے معنی سا حروف کا مجموعہ بن چکا تھا۔"

زبان لاشعوری طور پر پھر سوئی کی نوک بن گئی۔

مظاہر کی نگاہ پھر گہرائیوں کا پتہ دینے لگی۔

"بہت کچھ ہو چکنے کے بعد پلٹ پلٹ کر پیچھے دیکھنا کبھی عقل کی بات نہیں سمجھی گئی۔ ورنہ انسان ختم سے پہلے ختم ہے اس دنیا میں روز اتنا کچھ ہو جاتا ہے کہ اپنے ساتھ ہونے والا واقعہ غیر اہم بات محسوس ہونے لگتی ہے اس ملک میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں پینے کا پانی تک میسر نہیں ہے کس قدر ناقابل یقین بات ہے تین وقت کا کھانا تو خواب کی بات ہوئی ایک وقت کھانے کو نہیں ملتا اسی دنیا میں ہر رات بے شمار لوگ کھلے آسمان تلے راتیں گزارتے ہیں۔ کہیں زلزلے کی وجہ سے کہیں سیلاب کی وجہ کہیں جنگ و بدامنی کی وجہ سے بے شمار مائیں ایسی ہیں جو راتوں کو سو نہیں پاتیں۔ حالانکہ بستروں پر ہوتی ہیں۔ یہ معصوم اغوا شدہ بچوں کی مائیں ہیں۔ انسانیت کے رشتے کے علاوہ سب رشتے مصلحتیں اور سراب ہیں، یہ ایک بے رحم حقیقت ہے۔ حقیقت پسندی کے ساتھ زندہ رہنا سیکھو ماہ نور! زندگی آسان ہو جائے گی۔"

مظاہر کا لہجہ ماہ نور سے زیادہ سنگین ہو گیا۔

"تم بہت صحیح بولے بیٹے خود کو دھوکا دے کر جینے میں واقعی بہت اذیت ہے۔" قمر النساء پر مظاہر کی بات کا گہرا اثر تھا۔

"اسی لیے مجھے ان خاتون سے دلچسپی پیدا ہوئی کہ ایک پسماندہ بستی میں رہنے والی خاتون جنہوں نے ماہ نور کو ٹھکانا دیا اور مستقل ٹھکانے کا شعور بھی کون ہیں کہاں کی رہنے والی ہیں؟ ان کی کوئی نہ کوئی خاص بات مجھے ماہ نور ضرور بتاتی ہے یہ انسان دوست لوگ ہی تو سب سے زیادہ حقیقت شناس ہوتے ہیں اپنی ذات کا انکار کر دیتے ہیں اور ایک ذات میں نکل دیکھنے لگتے ہیں ایسے لوگوں سے مل کر وقتی تو روحی سکون ملتا ہے میں بھی دل کے مستقل سکون کے کئی منتر ان سے پوچھوں گی۔ کوئی ایسی دعا جو میرے بیٹے کا قلب بول دے مجھے نرینہ اولاد ایک نعمت محسوس ہو۔ رات کے پچھلے پہر انگارے کی طرح دہکتا ہے میرا دل۔"

قمر النساء پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں مظاہر اور ماہ نور گم صم سے ہو گئے۔ کمرے کی دیواریں قمر النساء کے درد کا رنگ بتانے لگیں۔

"حوصلہ قائم رکھیں۔ دعاؤں میں تاثیر آ ہی جائے گی انشاء اللہ۔" مظاہر نے کہا اور اٹھ گئے۔

"ساڑھے تین بجے یاد رکھیے گا۔ ابھی سوا گھنٹہ ہے آپ کے پاس تیاری کے لیے مجھے بھی ضروری تیاری کرنا ہے ٹھیک ہے ماہ نور؟" ان کا انداز وہی تھا جو ماہ نور بچپن سے دیکھتی آ رہی تھی گویا درمیان میں کچھ بھی نہ ہوا تھا۔

قمر النساء آنکھیں پونچھتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "ٹھیک ہے بیٹے۔"

اور مظاہر کو چھوڑنے گیٹ تک آ گئیں۔

ماہ نور اپنے کمرے میں آ گئی ایسے حالات کے بعد جب وہ کسی فطری خوشی کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتی تھی ہمہ وقت ایک روحانی یادگار خوشی ہمیشہ کے لیے چھن جانے کا اذیت ناک احساس روح کو چھلنی کرتا رہتا تھا۔ استانی عائشہ سے ملنے کا تصور ایسا تھ

گویا خوشی لوٹ کر بری ہو۔

بر منفی احساس وقتی طور پر کسی مدفن میں مدفون ہو گیا تھا۔ اسے دھیان ہوا کہ استانی کے لیے کوئی تحفہ لے جانا چاہیے محبت دخوشی اور ممنونیت کے اظہار کے طور پر۔

اب اتنا وقت تو نہیں تھا کہ کچھ خریدا جا سکتا وہ سوچنے لگی اس کے پاس کوئی ایسی نئی چیز ہے جو انہیں دی جا سکتی ہو۔

"کیا سوچنے کھڑی ہو گئیں؟ وقت کم ہے۔" فرد القسا ہمنا نے اسے جلد تیاری کی تاکید کرنے آ گئی تھی۔

"وہ۔۔۔اماں! میں سوچ رہی تھی استانی کے لیے کیا تحفہ لے کر جاؤں۔ ایسی کوئی چیز نہیں ہے میرے پاس جو ان کے لیے ٹھیک لگے اور خریدنے کا وقت نہیں ہے۔" نادنور نے سوچنے کی وجہ بیان کی۔

"بہاولپور سے چادر پر آئی ہوئی تھی میرے لیے ہاتھ کی نفیس کڑھائی ہے مدیحہ اپنی نند کے ہاں کی تھی تو لائی تھی ایک میرے لیے ایک اقرب کے لیے کہ کوئی جا رہا ہو تو پشاور بھجوا دوں ان میں سے جو تمہیں اچھی لگے، لے لو تم تیار ہو جاؤ میں نکالی ہوں مظاہر کو ہزار روپے دیے ہیں کہ اپنے ڈرائیور سے پانچ کلو مٹھائی اور پھلوں کا ٹوکرا منگوا لیں استانی ہماری طرف سے اپنے محلے میں بانٹ دیں گی۔ ٹھیک ہے؟ تم تیار ہو جاؤ۔"

وہ کہہ کر باہر چلی گئیں۔

یقیناً استانی مجھے اچانک سامنے دیکھ کر بہت خوش ہوں گی وہ یوں خوش ہو رہی تھی جیسے بچے چاند رات کو عید کے انتظار میں سو نہیں پاتے اس کے بھی ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے کہ بس جلدی سے فاصلے سمٹ جائیں اور وہ استانی کے پاس ہو۔ اس نے بہت ہلکے رنگ کے سادہ سے کپڑوں کا انتخاب کیا تھا اور ایک سوٹ احتیاطاً چھوٹے سفری بیگ میں رکھ لیا تھا۔

اس وقت اس کے ذہن میں کچھ نہیں تھا سوائے استانی عائشہ سے ملاقات کے خوش کن تصور کے ڈوبتے تک پہنچانے والی گزرگاہیں استانی عائشہ کی گلی، لکڑی کا بدرنگ دروازہ چھوٹے سے آنگن اور ایک کمرے والا صاف ستھرا گھر۔ سینے کو چھپاتے ہوئے برتن شام ہوتے ہی روشن ہونے والا جھولتا ہوا اکلوتا بلب اف کس قدر سکون ہے اس ماحول میں نہ معاشی ناہمواری کی باتیں نہ رشتے داروں کے گلے شکوے نہ توقعات ٹوٹنے پر جذباتی گفتگو کھونے کے خوف نہ پانے کی لگن اس مکان کی مکین کو بس ایک دھن کہ دو پیار کیا ہے؟

دنیا کی امیر ترین عورت کہ حاضر موجود پر راضی برضا سر سے پاؤں تک خوش۔ جو کہتی ہے لکھنے والے نے بے حساب رزق لکھ دیا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ استعمال کس طرح کروں۔ وہ تیاری کے دوران بس یہی کچھ سوچتی رہی۔

استانی کہتی ہیں خوشی بھی رزق میں شامل ہے اور نعمتوں کی طرح ازلی ہے اور آس پاس ہی آئی جاتی رہتی ہے چند گھڑی ٹھہر کے ہو کر محسوس کر لو تو موجود ہی ملتی ہے اسکے لیے منصوبے بنا کر انتظار کرنے والے ایسے ہوتے ہیں جو اسٹیشن پہنچیں اور پتا چلے کہ ٹرین چھوٹ گئی۔

واقعی میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آج کی تاریخ میں، میں بھی خوش ہوں گی۔

☆☆☆☆☆

"بڑی اماں! آپ کو علیزا کیسی لگی مطلب آپ نے ظہیر کے لحاظ سے جس قسم کی لڑکی کا تصور باندھا تھا اس طرح کی یا کچھ کم زیادہ؟" تانیہ نے تیزی سے چنگ کرتے ہوئے بڑی اماں سے سوال کیا۔

"مجھے تو سب سے اچھی بات یہ لگی کہ بچی محنتی ہے اللہ کا شکر ہے صورت شکل بھی اچھی ہے ایک عورت میں اور کیا ڈھونڈتے ہیں مرد کو خوش رکھنے کے لیے یہ بھی۔ ۔ ۔ ذمہ داری مرد تو بہت سکون دیتی ہے اور ۔ ۔ ۔ صرف اپنے بچوں ۔ ۔ ۔

بڑی اماں نے بڑا اپنا جواب دیا۔

"کیا ہی اچھا ہوتا اگر ظہیر کی منگنی ہمارے یہاں ہونے ہوتے ہو جاتی۔"

"بات کروں گی ظہیر سے وکھ بیماری تو زندگی کے ساتھ ساتھ ہے ہو سکتا ہے دو چار روز میں عفیر کے والد کی طبیعت سنبھل جائے۔" "پھر دیکھیے آپ لوگ کچھ نہ کریں بس ہم گھر گھر کے لوگ انگوٹھی پہنانے آ جائیں گے۔ کیوں؟" تانیہ نے کام کو آسان بنانے کی تجویز پیش کی۔

"ہاں اور کیا۔ حالانکہ میرا تو ارمان ہے اپنے جس بچے کو خوشی کروں سات دن پہلے سے ڈھولکی رکھوا دوں۔ میرے بچوں نے دیکھا ہی کیا ہے۔" وہ افسردگی سے بولی تھیں۔

تانیہ چند لمحے خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

"بڑی بیگم! وہی عورت آئی ہے جو اس روز دوپہر میں آئی تھی کام مانگنے۔" بابا نے آ کر خاموش فضا میں تلاطم پیدا کیا۔

"آ گئیں خیر سے تمہاری ریا بی بی کی رات بھی جنے کیسے کٹی ہو گی؟ بس نہ چلا ہو گا کہ نور کے ذمے بھیج دیتی۔ مارا دھ موئی ہو جاتی ہے ہمدردی میں ارے اب اس گھر میں کام شروع ہو گا۔ سارے کام رکے ہوئے تھے ان نوکرانیوں کے انتظار میں داماد کی بات رکھ لی ہے دال چاول ملا کر دے دیا کروں گی کہ تم بھی الگ کرتی رہو۔"

بڑی اماں بڑی اچھی گفتگو کے دوران بے مزہ ہوئی تھیں۔ بڑبڑاتی جا رہی تھی۔

"بیوی! کہیں آنے جانے کے لیے بہت ٹھیک وقت نکلی ہو۔ یہ صبح سے جاگے ہوؤں کے سستانے کا وقت ہوتا ہے خیر سے۔" دھوپ کی وجہ سے بڑی اماں ہاتھوں کا چھجا بنا کر آنے والوں کو بغور دیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"سلام۔" اس مرتبہ موٹی کے ماں نے "بڑی بی" کہنے سے عین وقت پر خود کو روک لیا۔ پچھلی مرتبہ کی جھاڑ یاد آ گئی تھی۔

"وعلیکم السلام، اچھا تو یہ ہیں کہ تمہاری بیٹیاں؟" بڑی اماں لڑکیوں کا جائزہ لینے لگیں۔

"ہاں جی، یہ بڑی سول ہے اور یہ چھوٹی باگی۔" عورت نے نام بتائے۔

"اچھا خیر۔ یہ باگی چھیلی کیا کچھ کر لیتی ہے یہ تو بہت چھوٹی ہے تم اپنے ہاتھ پیر کیوں نہیں ہلاتیں؟" بڑی اماں نے عورت کی گرفت کی۔

"میری کمر میں درد ہوئے اس مارے۔" عورت نے وجہ بتائی۔

"ہاں تو عادت ڈالنی۔ لیٹی بیٹھی رہو گی تو کمر دکھے گی۔" بڑی اماں نے بے زاری سے کہا۔ "دیکھو بیوی! سب سے اوپر ایک کمرہ ہے اسے جھاڑ پونچھ کر اپنے رہنے کا ٹھکانہ کر لو پہلے کام بعد میں بتاؤں گی اور ہاں تم بچیوں کے ساتھ رہو گی تو یہاں کام ہو جائیں گی ورنہ کیلی پرانی بچیوں کی ذمہ داری نہیں لوں گی اللہ کا شکر ہے تمہاری دو روٹی بھی نکل آئے گی تنخواہ تمہارا کام دیکھ کر سوچوں گی۔ میرے داماد نے کہا تو اس کی بات مجبور کو رہی ہوں ورنہ مجھے ضرورت نہیں نوکرانیوں کی۔ ہماری کام والی چھٹیاں بہت کرتی ہے اس لیے ریا کو تم سے زیادہ ہمدردی ہو گئی۔ خیر یہاں آنے سے پہلے کہاں رہ رہی تھیں؟"

"بیگم صاحبہ نے گھر دیا ہوا تھا اب رودان کا ذکر آ جاتا ہے کہ خالی کرو گوٹھ واپس جاؤ۔ گوٹھ میں روزگار ملتا تو سہر (شہر) دھکے کھانے کیوں آتے؟ دو پیر دو کام بہت لیوے اور اوپر استاد بولے کہ گزارا نہیں ہووے آپ نے مہربانی کی ساری عمر دعا دیں گے۔" عورت ہاتھ جوڑ کر بولی تو بڑی اماں موم کی طرح پگھل گئیں۔

"خیر سب اپنے نصیب کا کھاتے ہیں ہم کوئی سرمایہ دار لوگ نہیں ہیں میرے بچے بہت محنت کی روزی لاتے ہیں گھر

میں تمہیں قدرت نے ادھر کا رستہ دکھایا ہے تو تمہارے نصیب کی روزی اس در پہ لکھی ہوگی کھانا دو وقت تو پکتا ہی ہے اور بچتا بھی ہے انسان کے بچوں کا پیٹ ٹھنڈا ہو جائے اچھی بات ہے مگر دھیان رکھنا اپنی ذمہ داری پر ان بچیوں کی دیکھ بھال رکھنا میری بوڑھی جان میرے اپنے ساتھ سو جھمیلے ہیں گھر کی کوئی چیز ادھر ادھر نہیں ہونا چاہیے کبھی ایسا ہوا تو وہ دن اس گھر میں تمہارا آخری دن ہوگا۔ سمجھ لو۔ کیا نام بتایا تم نے چھوٹی کا؟" بڑی اماں حافظے پر زور ڈالنے لگیں۔

"بانگی۔" عورت نے جواب دیا۔

"ہاں اسے جوتنے کی ضرورت نہیں بس پھول پودوں میں پانی ڈال دیا کرے گی بتاؤ بچی کے کھیلنے کودنے کے دن ہیں اس کی کمائی کرنے کی عمر ہے؟ سن لیا بانگی چھلی۔ بس میرے پاس قاعدہ پڑھا کر اور پودوں کو پانی ڈال دیا کر بس۔"

"میں بہو کو بھیجتی ہوں وہ اوپر لے جائے گی کمرہ صاف کر لو پہلے کھانا کھا لو اگر کھانا ہے۔" وہ جاتے جاتے پلٹیں۔

"نہیں جی مہربانی روٹی ہم کھا کر آئے ہیں۔" عورت گھگھیا کر بولی

بڑی اماں واپس لاؤنج میں آ گئیں۔

"دلہن! وہ تمہاری دادی نند کے بھیجے ہوئے مہمان آ گئے ہیں اوپر لے جاؤ کمرہ صاف کرا دو پہلے کام وام بعد میں سمجھاؤں گی ابھی تو میری سمجھ میں خود بھی نہیں آ رہا انہیں کون سے ہار موتی پرونے کو کہوں؟"

ثانیہ سمجھ گئی کہ کون سے مہمان آ گئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چھت پر جو پلنگ پڑے ہوئے ہیں وہ ڈلوا دوں کمرے میں؟"

"ہاں ٹھنڈا کا موسم ہے نیچے کہاں سوئیں گی۔" بڑی اماں نے جواب دیا۔

"سامان وامان بھی ساتھ لائی ہیں؟" ثانیہ نے پوچھا۔

"کیا سامان ہوگا بے چاریوں کے پاس ہوں گے دو چار جوڑے کپڑے لتے۔ میں نے تو کچھ دیکھا نہیں ہو سکتا ہے باہر دھرا ہو۔" وہ سوچتے ہوئے بولیں۔

☆☆☆☆☆

"ویسے مجھے بہت خوشی ہوئی جب آپ نے بڑی اماں کو کنونس کیا یقین کریں آپ کی وجہ سے مان بھی گئیں ورنہ مجھے تو بہت ڈانٹ پڑ رہی تھی اور یہ بہت ثواب کا کام ہے اب دنیا میں یوں تو کروڑوں لوگ پریشان حال ہوں گے ہم ان کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے مگر جو ہمارے نوٹس میں آ جائیں ان کے لیے تو کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے اگر کر سکتے ہوں۔" ریا لوشن بازوؤں پر ملتے ہوئے ایک ترنگ سے بولی۔

مون کو ایک انسان دوست کا چہرہ بغور دیکھنا بہت اچھا لگا۔

"میں سوچ رہا ہوں اگر میں اپنا اکاؤنٹ تمہیں ٹرانسفر کر دوں تو تمہیں تقسیم کرنے کے لیے کتنی مدت درکار ہوگی؟"

"خیر اب ایسا بھی نہیں ہے آپ سے پوچھے بغیر تو میں کسی کو نہیں دوں گی۔" وہ بے ساختگی سے گویا ہوئی۔

"اب ان بے چاریوں کو میں نے کیا دیا ہے بڑی اماں سے ملازم رکھنے کی سفارش تو کی ہے حالانکہ میرا دل چاہ رہا ہے کہ انہیں کچھ نہ کچھ دینا چاہیے وہاں تو ممی نے سب ارینج کیا ہوا تھا اب تو ان کو بہت سی چیزوں کی ضرورت پڑے گی۔ وہ سوچتے ہوئے بولی۔

مون نے کسی دھیان میں اس کی طرف دیکھا پھر سائیڈ ٹیبل سے اپنا پرس اٹھا کر کچھ نوٹ نکالے۔

"یہ دو ہزار ہیں مولی کو دے دینا اس کی ماں کو مت دینا۔ بہت سیلفش ہے پتا نہیں اپنی بیٹیوں کو اپنی مرضی سے استعمال بھی کرنے دے یا نہیں۔"

ریا کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں اس نے مون کی طرف یوں تشکرانہ دیکھا جیسے وہ براہ راست اس پر احسان کر رہا تھا۔

"تھینکس اے لاٹ۔" وہ بولی۔ "شکر ہے آپ بھی ایسے لوگوں کے لیے سوفٹ کارنر رکھتے ہیں ورنہ بعض لوگ تو بہت کنجوس ہوتے ہیں اف کس قدر خوش ہوگی مولی ویسے تو اس کا فیس بہت اداس ہے۔ حالانکہ عمر کم ہے مگر بولتی بہت میچور ہے۔ حیرت ہوتی ہے کم از کم مجھ سے زیادہ اچھی باتیں کر لیتی ہے۔"

"اچھا! مجھے کبھی اتفاق نہیں ہوا اس کی باتیں سننے کا۔" مون نے سرسری انداز میں یوں جواب دیا کہ گویا وہ کوئی بہت غیر اہم بات کر رہی ہو۔

"اور یہ تم کیوں میرا شکریہ ادا کر رہی ہو میں نے تمہیں یاد تو نہیں دیے؟" وہ شریر انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے میرے پاس سب کچھ ہے جو کچھ آپ کے پاس ہے میرا ہی تو ہے۔" یہ کہہ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

مون اس بے ساختگی پر مبہوت سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

"ایک تو تمہیں یہ بڑی بیماری ہے اچھی بات بہت فاصلے سے کرتی ہو۔"

بیوی شوہر کے لہجے کے معاملے میں بہت حساس ہوتی ہے اس کا دل دھڑکنے لگا کسی اور ردھم میں۔

"ادھر آؤ یار! ایک تو تمہیں باقاعدہ دعوت دینا پڑتی ہے۔" مون نے اپنا دایاں بازو پھیلا کر اپنا عندیہ سمجھایا۔

ریا جھجکتی ہوئی قریب آ گئی وہ کنواری تھی ابھی تک اس نے شوہر کا مکمل وہ بھرپور روپ ابھی نہیں دیکھا تھا؛ گر شادی کی پہلی رات روایتی رات نہ ہو تو لڑکی دلہاپے کے روپ میں دوشیزہ ہی ہوتی ہے۔

ابھی تو مون کی "شوہرانہ" باتوں ہی سے اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔

مون نے اپنے پہلو میں لے لیا اور آہستگی سے اپنی شہادت کی انگلی سے اس کے ہونٹوں کو چھوا۔

"تو بے ما تمہیں پکا یقین کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ تمہارا ہی ہے۔"

ریا خاموش رہی۔

"فاصلے سے تو تمہاری زبان بہت کام کرتی ہے۔ قریب آتے ہی تمہارے سارے فیوز اڑ جاتے ہیں۔ یار! میں تمہارا لائف پارٹنر ہوں جو مرضی بات کیا کرو۔ تم تو بہت دلچسپ باتیں کرتی ہو۔ میرا تو سب سے اچھا وقت ہوتا ہے جب تم مجھ سے باتیں کر رہی ہوتی ہو سادہ اور سچی سچی باتیں اس وقت مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میری رگوں میں بھی خون دوڑ رہا ہے ورنہ تو بس خود پر ایک مشین ہی کا گمان ہوتا ہے۔"

اس کے ہاتھ کی گرفت سے ریا کے خون کی گردش تیز ہونے لگی۔

"ریا! انسان آنسٹی از دی بیسٹ پالیسی پر عمل پیرا ہو تو مشکل دنوں میں بھی ریلیکس ہوتا ہے اور جب سب کچھ مرضی و خواہش کے مطابق ہو پھر بھی انسان ڈسٹرب ہو بے سکون ہو تو اس کا مطلب ہے سم تھنگ از رانگ۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے میں بہت ریلیکس بندہ تھا میری آنکھ کھلتی صبح کو میں خود کو بہت فریش محسوس کرتا بہت چوائس سے ڈریس نکالتا ناشتہ باقاعدہ انجوائے کرتا میں ڈیڈی کی وجہ سے ہمیشہ ایزی فیل کرتا رہا ہوں وہ مجھ سے جتنی محبت کرتے ہیں اس سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں انہوں نے مجھے ارلی ایج میں بزنس میں فری ہینڈ دے دیا تھا انسان کو شعور سنبھالتے ہی وہ سب کچھ مل جائے جس کے لیے پیٹ کے نام پر لوگ بھاگ دوڑ کرتے ہیں مرضی کا سونا جاگنا مرضی کا کھانا مرضی کی اشیائے ضرورت سپر لگژری لائف یعنی آپ صحیح معنوں میں زندگی کا لطف اٹھا رہے ہوں ایک بہت خوبصورت کیفیت آپ کے وجود کا حصہ بن چکی ہو ایسے میں آپ سے کوئی ایسی مسٹیک ہو جائے جو آپ کے

ذہن کو اس قدر الجھا دے کہ حاضر موجود میسر نعمتیں آپ بھول بیٹھیں ایک پن کی نوک آپ کے دل کے سب سے حساس حصے میں ہر وقت چبھتی رہے تو کیا انسان خلف کے مرحلے طے کر سکے گا کوئی غلطی ایسی ہوتی ہے کہ سوری کہہ دیا اور بات آئی گئی ہو گئی۔

کوئی غلطی ایسی ہوتی ہے کہ فائن یا تاوان ادا کر دیا تو چھٹکارا مل گیا۔

لیکن کبھی کبھی ایسی غلطی ہوتی ہے کہ سوری یا فائن اس کی ریکوری نہیں کر سکتے۔"

موحد ایک جذب کی کیفیت سے کہہ رہا تھا ربیا انہائی انہماک سے ایک ایک حرف تول رہی تھی۔

"پھر ہر غلطی کا کوئی حل تو ہوتا ہوگا ورنہ کیا انسان خودکشی کر لے یا رڈالے خود کو؟" موحد نے جواب کی سی کیفیت میں جواب دیا۔

ربیا کا دل دھک سے رہ گیا اس نے پوری آنکھیں کھول کر موحد کا چہرہ دیکھا۔

"خودکشی حرام ہے جناب زندگی اللہ کی امانت ہے ایسی بات بھی نہیں نکالنا چاہیے منہ سے مسلمان کو غلطی انسان سے ہو سکتی ہے ہو جاتی ہے کسی سے بھی ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لینا چاہیے اس سے بھی بہت سکون ملتا ہے آپ نے یہ نہیں بتایا کہ غلطی کیا ہوئی؟" ربیا نے بڑے بزرگانہ انداز میں سمجھانے کے بعد سوال کیا۔

"کوئی اپنی غلطی خود نہ بتائے تو پوچھتے نہیں ہیں اصل میں اپنے ڈسٹرب ہونے کی ریزن بتا رہا تھا پھر تمہارا ذہن اندازوں یا وہموں میں الجھا نہ رہے ساتھ ہی تمہیں یہ بتا دوں زخم نیا نیا ہو تو بہت محسوس ہوتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نارمل ہو جاؤں گا تمہاری مورل سپورٹ ساتھ رہی تو بہت جلد میرا یقین کرو ربیا! میں شادی سے پہلے بالکل نارمل اور فٹ لائف گزار رہا تھا اس لیے مجھے امید ہے میں ایک بار پھر نارمل لائف گزاروں گا اور تمہارے ساتھ بس مجھے جنگل میں راستہ ڈھونڈنے دو تم اچھی ساتھی ہو کر تمہاری خاطر مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا ان فیکٹ میں تمہیں ہر قیمت پر خوش رکھنا چاہتا ہوں کھونا نہیں چاہتا بس ان مشکل رتوں میں تم پارٹنر شپ کا حق ادا کرو میرا تمام تر خلوص تمہارے لیے ہے۔"

اس نے ربیا کے چہرے پر جھک کر اپنے استحقاق کی ایک مہر ثبت کی۔

"مجھے شعر و شاعری سے کوئی خاص دلچسپی تو نہیں ہے مگر کبھی ایک شعر سنا تھا آج کل بہت یاد آتا ہے۔

عمر بڑی ہے جینے کے لیے
بس یہی دو چار روز مرنے کے ہیں

کیا میں تمہارے تعاون کی امید رکھوں؟"

"آپ میری طرف سے بالکل فکرمند نہ ہوں۔ میں نے ابھی تک آپ میں ایسی کوئی برائی نہیں دیکھی جو میرا خراب کرے میں آپ سے مایوس ہو جاؤں، آپ جو کچھ کہتے ہیں میں اس کا یقین کرتی ہوں آپ ایزی رہیں۔" ربیا کی ہمدردانہ فطرت اپنے شوہر کے لیے مزید نکھر گئی۔

"مجھے پتا تھا تمہارا جواب یہی ہوگا تھینک یو میری جان موحد نے ایک مرتبہ پھر شوہرانہ استحقاق استعمال کیا ایسے میں ربیا کی جان پر بن جاتی تھی عجیب قسم کا خوف طاری ہو جاتا تھا مزاحمت کرنے کی قوت بھی منتشر ہو جاتی تھی۔

"آپ مجھے ایک بات کی اجازت دیں گے۔" اس نے ذرا سے ڈر سے موحد کی طرف ذرا سا چہرہ موڑا۔

"ہوں..... بولو......"

"وہ جب بھی کبھی لیے پروگرام پر جایا کریں گی تو میں بچی کو سوئل سے ملانے گھر لے جایا کروں گی میں سوئل کو وہاں کام

دلانے کے لیے ضد بھی اسی وجہ سے کر رہی تھیں۔ آخر آل رہ مدد ہے اس کا منحوس باپ کیسا بھی ہو ماں تو ماں ہوتی ہے میں نے ہوش سنبھالا تو میری مدد نہیں تھیں۔ اسکول میں اکثر مدد اپنے بچوں کو چھٹی میں لینے خود آتی تھیں اچھے اچھے کپڑے پہنے سن گلاسز لگائے کوئی ڈرائیور کے ساتھ کوئی خود ڈرائیو کرتی ہوئی بچے بھاگ کر اپنی ماؤں سے لپٹ جاتے تھے وہ انہیں پیار کرتیں ایک شولڈر پر ان کے بیگ لٹکا کر انہیں گود میں اٹھا لیتیں۔ میں کسی نہ کسی بھائی کے انتظار میں کھڑی یہ سین بہت دلچسپی سے دیکھا کرتی میرا دل چاہتا اس وقت میری ماں بھی موجود ہوتی تو میں کتنا خوش ہوتی ایک بات بتاؤں آپ کو کسی انسان کو سب کچھ مل جائے لیکن ماں کی شفقت و محبت نہ ملے تو اس کے اندر ہمیشہ کچھ کم کم سا محسوس ہوتا ہے حالانکہ میرے بھائیوں نے مجھے بے انداز پیار دیا ہے بڑی اماں نے ایک بال کی طرف مجھے تنگ آ کر کہا ہے یہ بھی رکھیں مجھے کبھی باپ کی کمی کا اتنا احساس نہیں ہوا مگر ماں کو نظریں ہمیشہ ڈھونڈتی رہیں۔" بولتے بولتے ربیا کی آواز بھرا گئی۔

"جب میں نے یہ کیوٹ سی بے بی دیکھی اور پتا چلا کہ اس کے پیرنٹس موجود نہیں میرا دل دھک سے رہ گیا یہ بھی میری طرح کی بے بی پیرنٹس کے بغیر مانی گاڈ کم سے کم میں اس کو اس کی مدد سے تو ملوا سکتی ہوں اس کے باپ کا پتا چل جائے ایک مرتبہ پھر تو میں جو کر سکی کروں گی آپ مجھے روکیے گا نہیں یہ بہت نیکی کا کام ہوگا کیا ٹریجڈی نہیں ہے کہ پیرنٹس کے ہوتے ہوئے بچہ ان سے محروم ہو۔"

وہ آنسو صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اتنا انوالو نہیں ہوتے ربیا! اس دنیا میں تو جانے کیا کچھ ہو جاتا ہے بہ دنیا ہے اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کرو بعض اوقات اس طرح کی انوالومنٹ بہت مہنگی پڑتی ہے۔"

موحد نے یہ کہتے ہوئے اس کی طرف سے پشت کر لی عجیب تھکا تھکا سا لہجہ تھا۔

"انوالومنٹ کی کیا بات کوئی اچھا کام ہماری دسترس میں ہے ہم کر سکتے ہیں تو کیوں نہ کریں۔" وہ اپنے مخصوص خوبصورت اور بے دھڑک انداز میں بولی۔

"اب تم شادی شدہ ہو ہر معاملے میں مجھے مطلع کرنے اور اجازت لینے کی پابند ہو کوئی کام مجھے بے خبر رکھ کر کرو گی تو ہماری پارٹنر شپ ویک ہو سکتی ہے۔ پارٹنر شپ کو صرف ایک بات اسٹرانگ رکھتی ہے اور وہ ہے ایک دوسرے پر مکمل اعتبار ایک دوسرے سے کوئی چوری نہیں کچھ چھپا نہیں اگر کسی پارٹنر شپ میں یہ سب موجود ہے تو اس شادی کو اگر کسی سے خطرہ ہے تو وہ ہے موت ایسی پارٹنر شپ کو صرف اور صرف موت ہی توڑ سکتی ہے مجھے امید ہے تم شادی شدہ زندگی کی ذمہ داریاں اور نزاکتیں جلد ہی سمجھ لوگی۔"

موحد یہ کہہ کر اس طرح خاموش ہو گیا جیسے اب مزید کچھ بولنے کا ارادہ نہ ہو۔

"تو اچھے کاموں میں آپ کو میری ہیلپ کرنا چاہیے اور ابھی تک میں نے آپ سے کچھ نہیں چھپایا نہ آئندہ کے لیے ایسا کچھ سوچا ہے۔"

"کچھ دیکھتا ہے تم میں سب ہی یہ سب کہا ہے تم سے اس لیے کہ میں اپنی ازدواجی ایک اچھی شادی بنانا چاہتا ہوں تمہیں بھی ایزی رکھنا چاہتا؛ دل خود بھی ایزی رہنا چاہتا ہوں۔" موحد نے ہنوز اس کی طرف سے کروٹ لی ہوئی تھی۔

"میں تو آپ سے لڑائی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی اگر لڑوں گی بھی تو ایک بات پر۔" ربیا نے بھی اس کی طرف کروٹ لے لی اور موحد کی پشت پر اپنا بھرا بھرا خوبصورت ہاتھ رکھ دیا۔

"ربیا...... ابھی تمہارا ایکسپیرینس نہ ہونے کے برابر ہے تم ابھی تک بڑی اماں کے کھینچے ہوئے دائرے میں سفر کر رہی ہو کچھ ایسا خاص اسٹڈی بھی نہیں کیا جو لڑکیاں پر اپر چینل مائیں نہیں ملتیں یعنی ایکسیڈنٹلی ایسا ہو جاتا ہے ان کی جو فیلنگز ہوتی ہیں وہ

بھی پڑا پڑا پھر اداز نہیں ہوئیں خوف برے انجام کا احساس معاشرتی لعنت ملامت کی تو قع فطری طریقے سے کچھ پانے سے مایوسی و ناامیدی ان کی پوزیٹو فیلنگز دبا دیتی ہے فطرت کا بنایا ہوا ایک قانون توڑنے کے بعد ان کا بہت سا فطری پن خوف کے ہول میں فلو (Flow) ہو کر بہتا ہے یعنی ریسٹ ہو جاتا ہے اس لیے میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تم اپنا ٹائم ویسٹ نہ کرو۔ بلکہ ہم جنس انرجی تم اسے تنزل کر رکھو اسے بچی سے ملنے دو اسے پیار کرنے دو کوئی دلچسپی نہیں ہوگی ہو سکتا ہے اگر اسے تھوڑی سی سمجھ آگئی ہو تو وہ تمہیں بچی کا ذکر کرنے سے ہی منع کرے۔"

"جی نہیں وہ اپنی بچی کو پوچھنے آئی تھی اور تب ہی تو مجھے سب کچھ پتا چلا تھا۔" ریا نے اس کی بات کاٹ کر گویا اتفاق کرنے سے انکار کر دیا۔

"یعنی ابھی جہالت اور ناسمجھی سے اس کی جان نہیں چھوٹی۔ مون کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

"بے وقوف تھی تب ہی تو بیوقوف دکھتی ہیں۔" ریا نے منتشر ذہن سے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"او ہم تو اس سے زیادہ بے وقوفی کر رہی ہو اسے کیسے کوئی جج کرنے کی اب بھی نہیں کر رہی۔ مون کا انداز قدرے تلخ تھا بس زیادہ "عاصمہ جہانگیر" بننے کی ضرورت نہیں۔"

"میں تو آپ کو بہت سوفٹ ہارٹڈ سمجھتی تھی اس وقت مجھے آپ کی باتیں سن کر بہت دکھ ہو رہا ہے۔" ریا کے لہجے میں خفگی کا عنصر تھا۔

"ایکسپیرینس بڑھے گا تو رویہ زیادہ کرنا بھی آ جائے گا اب سو جاؤ۔" مون خود اندر سے کانچ کی طرح بکھرا ہوا تھا۔

"مرد ہونے کی اسٹیکس اور سیلفش ہیں۔" ریا نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"زیادہ مرد کے فلسفے میں الجھنے کی ضرورت نہیں تم چھ بھائیوں کا تجربہ رکھتی ہو اور شوہر کا کچھ اور۔۔۔ ابھی تو شوہر بھی آزاد پر ہی ہے میں اکسپیرینس کیا ہے مسز م۔۔۔ مون کا لہجہ تکلف وہ ماحول میں بھی ہنسی آ گئی اس کے فلسفے پر اس کے منہ سے بہت عجیب سا لگا تھا۔

"میرا مقصد تو تمہیں الجھنوں اور بے کار مصروفیتوں سے بچانے کی کوشش ہے تمہیں ہونا چاہیے کہ میں تم سے صفت پرست سمجھتا ہوں۔" اس نے ریا کا ہاتھ آنکھوں پر سے ہٹاتے ہوئے لیا۔

"اصل میں مجھے اس بات کی خوشی ضرور ہے کہ میرا شوہر باذوق بہت اچھی صفات کا مالک ہے جب امیروں کے لیے اتنا اچھا ہے تو میرے ساتھ کتنا اچھا ہوگا۔"

مون نے ماحول کا تاثر بدلنے کی کوشش کی۔ بس ٹھیک ہے یہ بات تو تھی۔

☆☆☆☆☆☆

استانی عائشہ کے ہاں پہنچتے پہنچتے انہیں رات ہو گئی۔ ماہ نور اسے گھر کے لیے اپنے ہوش کھو بیٹھی تھی پھر انہیں لے کر لوٹ کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔

لوکوٹ پہنچ کر وہ انہیں دروازے پر ہی چھوڑ گئے تھے یہ کہہ کر کل آ کر لینے آئیں گے تو استانی سے ملاقات کریں گا ابھی کچھ کام ہے اس لیے جلدی ہے۔

ماہ نور تو گویا خوشی سے کانپ رہی تھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایک مرتبہ پھر استانی کے گھر کے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے اس نے دروازے پر انگلی سے دستک دی تھوڑی دیر بعد دروازے کے پیچھے سے استانی کی آواز آئی۔

"کون ہے؟"

"کھولیے.... میں۔۔۔ ماہ نور....." اس نے بھی آہستگی سے جواب دیا۔

دروازہ فوراً کھل گیا۔ سامنے آسمانی چکن کی چادر میں استانی بہت خوشی اور حیرت کے ساتھ ماہ نور کو دیکھ رہی تھیں۔

السلام علیکم۔ ماہ نور کے ساتھ فخر النساء نے سلام کیا تھا۔

وعلیکم السلام تشریف لائیے۔ استانی فخر النساء کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں دونوں اندر آئیں تو استانی نے دونوں کو باری باری گلے سے لگایا۔

یہ ہاں جی میری اور پاشا کی اماں۔ ماہ نور نے تعارف کرایا۔

اچھا۔۔۔ استانی عائشہ کا چہرہ مزید دمکنے لگا۔ ماں جی تمہاری ماشاء اللہ بڑے نصیب کہ آپ میرے گھر میں آئیں۔ بہت تعریف کی تھی ماہ نور نے آپ کی۔

استانی نے فخر النساء کے ہاتھ تھام کر بہت محبت سے کہا اور انہیں کمرے میں لے گئیں۔ نیچے فرش پر دری اور سفید چاندنی بچھی تھی۔

وہ ماہ نور باہر دروازے پر کچھ چیزیں رکھی ہیں۔ تو بہ خوشی میں دھیان ہی نہیں رہا۔

آپ بیٹھیں اماں میں لے آتی ہوں۔ اس نے فخر النساء کو اٹھنے سے روکا اور خود کمرے سے باہر نکل گئی۔

آپ دونوں کے ساتھ کوئی اور تو نہیں ہے؟ استانی کو رات کا وقت محسوس ہوا تو خیال آیا کہ رات کے وقت دونوں آئی ہیں۔ کہیں پاشا بھی ساتھ نہ ہو۔

وہ ماہ نور کے ماموں کا بیٹا چھوڑ گیا ہے یہاں تک اللہ اس بچے کو خوشیاں دکھائے بڑی تکلیف سے بچانے بہت نیک بچہ ہے۔ آپ کو تو ماہ نور کے بارے میں سب پتا ہی ہے آ جاتا ہے اس کی خیر خبر لینے ورنہ تو بچی اکیلی ہو کر رہ گئی ہے میں تو سرے پاؤں تک شرمندہ ہوں اس بچی سے۔ بولتے بولتے فخر النساء کی آواز بھرا گئی۔

اللہ مالک ہے اس پر بھروسہ رکھیں۔ ہر مشکل اس وقت تک مشکل ہے جب تک اللہ اسے آسان نہ کر دے آسانی مانگا کریں کوئی کمی نہیں ہے۔ جو نے کب بے نیاز کر دے۔ انہوں نے اپنے آنچل سے فخر النساء کی آنکھیں پونچھیں۔

ماہ نور واپس کمرے میں آ گئی تھی۔ اماں! وہ میں نے سب چیزیں باورچی خانے میں رکھ دی ہیں اور یہ بیگ۔ اس نے بیگ فخر النساء کے سامنے رکھ دیا۔

کیا رکھ دیا ہے باورچی خانے میں؟ استانی نے پوچھا۔

ایسے ہی چھوٹا سا ہدیہ ہے۔ جیسے اقراء وہیں رہنے دو۔ مٹھائی یہاں لے آؤ استانی کے ہاتھ میں دو۔

ناحق آپ نے تکلف کیا۔

یہ تو خوشی اور محبت کے اظہار کے طور طریقے ہیں۔ فخر النساء بولیں ماہ نور مٹھائی کا بڑا سا خوبصورت پیکنگ والا ڈبہ اٹھائے اندر آ گئی اور فخر النساء کے ہاتھ میں تھما دیا۔

یہ تو بہت زیادہ ہے بہت شکریہ ویسے بھی مجھے بڑوں میں مٹھائی تو بانٹنا ہی چاہیے۔ میری بیٹی اپنی ساس کے ساتھ رہتی ہے۔ اللہ سے آباد رکھے سہاگن رکھے۔ آمین۔ پاشا خیریت سے ہیں؟ استانی کو سہاگن ماہ نور کے ساتھ پاشا کا دھیان آیا ایک فطری امر تھا۔

ہر دم کی دعا ہے کہ خیریت سے ہو۔ فخر النساء نے بہت دکھ بھرے انداز میں جواب دیا۔

گھر کے اور تھوڑے کام ہوتے تھے۔ زمانے بھر کی مہمان داری ساتھ کھنچے رہتے تھے۔ صبح اس کے مہمان شام اس کے مہمان بنتے سو بہانے۔ دوستانے چولہے ٹھنڈے ہی نہیں ہوتے تھے اتفاق بھی بہت تھا۔ میری تمیز نہیں تھی کہ پاس کے مہمان ہیں تو وہی کرے دو زمانے بھر کا کھانا پکا جانا چاہیے۔ ٹھنڈا بھی نہیں کہ دادی ماں لڑکیوں سے بہا کر دالی تھیں۔ خیال بھی بہت رکھتی تھیں بہو بیٹے کے بیٹے نہاری ڈیوڑھی میں بٹھاتیں۔ سب بیٹیوں، بہوؤں کو چوڑیاں پہناتیں۔ موسم بدلتا تو بزاز بلواتیں۔ مرضی کا کپڑا دلواتیں۔ خود کاتنیں لڑکیوں سے سلواتیں۔ دو دن جیتے تو توشکی جانے کی اجازت بھی دے دیا کرتیں۔ پچھواڑے دو بھینسیں بندھی تھیں۔ بیٹیوں بہوؤں کو صبح رات دودھ پینے کی تاکید کرتیں کہ انہیں بچوں کی پرورش کے لیے صحت مند ہونا چاہیے۔

بڑی اماں! کتنا مزہ آتا ہوگا۔ رونق لگنا ہوگا گھر میں کوئی ٹینشن نہ ہے۔ شادی وغیرہ پر کیسا لگتا ہوگا پھر؟ تانیہ بڑی اماں کے ماضی میں بہت دلچسپی لے رہی تھی۔

گھر میں ہر وقت ہی کسی نہ کسی کی منگنی شادی کی تیاری ہوتی رہتی تھی۔ دادی ماں کی نگرانی میں جہیز بری کی تیاریاں ہوتی تھیں۔ خود بھی دادی ماں کے ریشم سوتی کا اتنا عمدہ کام کرتی تھیں کہ کوئی یقین نہیں کر پاتا تھا کہ یہ گھر کا بنا کام ہے۔ ان کے سگھڑاپے کی وجہ سے ہزاروں روپے کی بچت ہوتی تھی شادیوں میں۔ بہوؤں، بیٹیوں پوتیوں، نواسیوں کو بھی ساتھ لگا کر رکھتی تھیں۔ جن دنوں کام کا زیادہ زور ہوتا تھا۔ کام کرنے والیوں کا بہت خیال کرتی تھیں ان کی پسند کا کھانا بنواتیں۔ ہر گھنٹے بعد چائے ملتی۔ دستر خوان سجا رہتا سب کھا پی لیتیں پھر کام بنانے بیٹھ جاتیں اے ہے خواب سی لگتی ہیں یہ۔ جس دو جوڑے ریبا نے چھٹی پر پشواز پہنی تھی۔ اس پر موتی ستارے کا کام میں نے خود دیکھا ہے۔ ریبا پانچویں جماعت میں پڑھتی تھی نہ دادی کی میں نے۔ ہر تہوار پر ضد کرتی تھی کہ بڑی اماں میں وہ پشواز پہنوں گی۔ میں کہتی پہلے اپنا قد تو درست کر لے۔ پہننے کا یہ طور۔ ایک ساڑھی بھی ہے اس کے پاس طاؤسی رنگ کی۔ اس پر سرخ ریشم اور کالی پوت کا کام ہے۔ وہ بھی میرے ہاتھوں کا کام ہے۔ اے بیٹے اب تو نظریں جواب دے گئیں اب تو بس تسبیح پڑھنے لائق رہ گئی۔ یہ ظہیر تو بہت چڑتا تھا کہ اتنا باریک کام کیوں کرتی ہیں۔ سر میں درد ہونے لگے گا۔ میں نے کہا۔ کچھ ہنر اپنی بچی کے لیے بھی سہی کیا یاد کرے گی اپنی دادی کو۔

بڑی اماں اتنا کہہ کر جیسے تھک گئیں اور گاؤ تکیہ درست کر کے تخت پر دراز ہو گئیں۔

ہم تو بہت ہی نکمے ہیں بڑی اماں! جو کچھ آپ نے کیا وہ بھی نہیں کر پائے۔ تانیہ کو شرم آنے لگی۔

آپ کو محسوس تو نہیں ہوتا کہ بہو بہت پھوہڑ آئی ہے؟ وہ ہنس کر پوچھنے لگی۔

اپنے اپنے وقت اور ماحول کی بات ہوتی ہے بیٹی! اب یاد طرح کا وقت ہے اب تو بس تیزی بہت ہے۔ ہر چیز بازار میں تیار پڑی ہے۔ بھئی ہم اتنا پڑھے نہیں جتنا تم پڑھ لیں۔ پڑھائی میں بچوں کا تھوڑا نیل نکلتا ہے۔ اب تم انگریزوں میں پہنچ گئیں۔ اپنی پڑھائی کی وجہ سے کھپ گئیں۔ ازدواجی دنیا بھی کرلینی ہوگی اور بازار سے بھاؤ تاؤ بھی۔ اب اگر ہم جیسے ان میں بیٹھ جائیں تو ایک گلاس پانی مانگنے کے لیے بھی گونگوں کی طرف اشارے کریں گے۔ انگریزی سے۔ پار سال جب میری کمر کا درد کسی دوا سے ٹھیک نہیں ہو رہا تھا تو چاند بولا۔ بڑی اماں آپ کو یہاں بلوا لیتا ہوں علاج کے لیے۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی کہ بیچ میں ادھر اسپتال میں کمر دبانے کو بول بیٹھی تو وہاں کی نرسیں تاکتیں رہ جانے نہ بیٹھ جائیں۔ جانے کیا مجھے اشارے سے اب یہاں ڈاکٹر کو بتا دیتی ہوں کہ رات درد زیادہ تھا۔ اب کم ہے۔ وہاں کیا چھوٹے بڑے بچے لے کر بیٹھوں گی کہ دانت کو بدے کے برابر تھا اب چھوٹے بچے کی طرح ہے اسے ہاں خوب ہی ہنسا چاند تو۔

تانیہ تو خود ہنس ہنس کر دوہری ہو گئی۔ واہ بڑی اماں۔

تو کہنے کا مقصد یہ کہ نئے زمانے کے تقاضے کے مطابق تم نے پڑھائی کی اور وقت نبا کے نکلیں یہ تمہاری ہنر مندی اور محنت ہے۔ بڑی اماں بولیں۔

تانیہ بغور ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ کیا فراست ہے کتنا قریب کر لیتی ہیں انسان کو۔

آپ شروع ہی سے بہت ذہین ہوں گی۔ تانیہ نے سراہا۔

ایسی چار چوٹ کی پڑے چہار طرف سے تو اچھے اچھوں کو عقل سمجھ آجاتی ہے۔ لیکن وہ مسکرا رہی تھیں۔

کیوں آپ کے ساتھ کیا ہوا؟ میری معلومات کے مطابق تو آپ نے بہت اچھی زندگی گزاری ہے۔ تانیہ کو الجھا سا ہوا۔

بڑی اماں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی تھیں۔

شاید آپ اس دور کی بات کر رہی ہوں گی جب چاند کے دادا کی ڈیتھ ہو گئی ہو گی۔ ایسی صورت میں تو واقعی عورت پہ بہت سخت وقت آجاتا ہے۔ تانیہ نے انہیں سوچوں میں گم دیکھ کر خود ہی بات کی۔

ان کے جانے کے بعد روپے پیسے کی تنگی تو نہیں تھی تین دکانیں اور ایک مکان تھا۔ وہاں سے معقول کرایہ مل جاتا تھا۔ اچھی طرح گزر بسر ہو جاتی تھی۔ چاروں بچوں کو لکھایا پڑھایا بھی اور رکھایا پہنایا بھی اچھا تمہارے سسر نے بہت پڑھنا چاہا تھا تو ناصر حسین نے دو دکانیں بیچ دی تھیں۔ ان دنوں ناصر حسین ملازم ہو چکے تھے مگر مطمئن نہیں تھے۔ کاروبار کرنا چاہ رہے تھے۔ انہوں نے بچی کھچی دکان اور مکان بیچ کر کاروبار شروع کیا۔ اللہ کا کرم و فضل ہو گیا ماشاء اللہ جلدی جم گئے۔ ساجد اور عارف کی شادیوں کا سارا خرچ ناصر حسین نے ہی اٹھایا۔ دونوں بھائیوں کی شادیاں میں نے کم عمری میں ہی کر دی تھیں۔ ساتھ ہی رہتے تھے سب ان دنوں۔ محمد علی سوسائٹی میں بنایا تھا پہلے پہل گھر اپنے باپ کی آخری نشانی بیچ کر جس میں ہم نے بیاہ کے بچے پالے تھے تمہارے سسر جنم کے بعد تو زیادہ باہر وطن ہی میں رہے تھے یہ پہلے چار بچے تو وہیں ہوئے تھے۔

بعد میں یہ بنا بنایا بنگلہ تمہارے سسر نے خریدا تھا۔ اب تم سے کیا چھپانا تمہاری تائی ساس کی اور تمہاری ساس کی ذرا نہیں بنتی تھی۔ دونوں ہی میں ایثار برداشت کی بہت کمی تھی۔ خیر اپنا اپنا مجاز (مزاج) ہوتا ہے سب کا۔

تمہارے سسر باہر وطن کی خاک چھان کر پڑھائی میں رمانی کھپا کر گھر لوٹے مہینوں میں تو یہاں ایک الگ ہی عشق آنے دن کی ہا نا کل کل ما بچہ تنگ پڑ جاتا۔ کہتا وہاں ولایت میں تو لوگ ضروری بات بھی چھوٹی کر کے بولتے ہیں یہاں کتنا وقت ہے لوگوں کے پاس گنوانے کو۔ آخر یہی حل نکالا کہ الگ گھر لے لیا جائے تو باپ سکے۔

گھر الگ ہو گئے تو کیا تعلقات بھی درست ہو گئے تھے؟ تانیہ کو ناصر حسین کی بیگم کا رویہ یاد آیا۔

ایک دو مرتبہ سے زیادہ آنا جانا نہیں ہوا دونوں دیورانی جٹھانیوں کا۔ ناصر حسین تو فقیر بولی کو پہلے لائے۔ دو تین میں نکل کر مگر چاند کی ماں کا مجاز (مزاج) اور طرح کا تھا وہ منہ موڑتے ہی صفحہ پھاڑ رہتی تھی۔ اللہ نے حسن بہت دیا تھا۔ بہت دماغ تھا اسے اپنے حسن پہ۔ بڑی اماں پھر چپ ہو کر سوچنے لگیں۔

ارے دیکھنا بیٹی! ابھی تک اس سوال کے برتن نہیں دھل چکے۔ کہتی تھی آکے آپ کے پاؤں دباتی ہوں۔ رو بیٹی لے گیا تھا۔ روز سونے سے پہلے بڑی اماں کے پاؤں دباتا۔ بھلے سے وہ منع کرتی رہیں۔

اچھا میں دیکھتی ہوں۔ مگر ابھی آپ سوئیے گا نہیں۔ چاند کی امی کی باتیں سننا ہیں آپ سے۔ بڑا مزہ آرہا ہے چاند تو کبھی بھول کر بھی اپنے بچپن کی باتیں نہیں کرتے۔ تانیہ اٹھتے ہوئے بولی۔

بڑی اماں نے بھیگی آنکھ بچا کر اپنی آنکھوں کے گوشے صاف کیے۔

تانیہ ایک منٹ بعد ہی واپس آگئی تھی۔

آرہی ہے بڑی اماں پوچھا لگا رہی تھی کچن میں۔

ہیں یہ کون سا وقت (وقت) ہے پوچھا لگانے کا مغرب کے بعد گھر کا فرش گیلے کپڑے سے نہیں پونچھنا چاہیے برکت اٹھتی ہے گھر سے۔ بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے اسے بولو اتنی کارکردگی دکھانے کی ضرورت نہیں ہم ترقی دے کر تجھے یہاں افسری نہیں دیں گے۔ جو وقت جس کام کا ہے اسے نمٹاؤ۔ بڑی اماں سنک کر کہہ رہی تھیں۔

پوچھا تو وہ لگا چکی۔ ہاتھ دھو رہی تھی پیچھے وہ آگئی۔ تانیہ کی بات کے دوران سول لاؤنج میں داخل ہوئی۔

بیوی اتنا بھی اپنے آپ کو ہلکان نہ کرو۔ خیر سے نیک بختوں کا گھر ہے یہ بیگار کیمپ نہیں سنا؟ فالتو وقت میں وہ دونوں بچیاں یہاں میرے پاس بٹھا کرو۔ کاغذ قلم لے کر۔ کچھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لو۔ داخلے کھلیں گے تو تیری ماں سے کہوں گی۔ چھوٹی کو اسکول داخل کرا دے۔ بھتیری بھرتی ہوتی ہے سرکاری اسکول میں اب تو تو پوری جوان ہو گئی۔ وہاں دوسری میں بیٹھی کیا اچھی لگے گی۔ بس اتنا پڑھ لے کہ اخبار سیدھا پکڑنا آجائے یہ بھی بہت ہے۔

میرے کو تو بڑا شوق تھا اسکول پڑھنے کا مگر ہمارے گوٹھ میں وڈیرا اسکول کھلنے نہیں دیتا۔ کہتا ہے تم اسکول پڑھ گئے تو ہماری زمینیں کون آباد کرے گا۔ سول نے بڑی اماں کی پنڈلیوں پر ہاتھ جما کر بہت دھیمی آواز میں بتایا۔

ارے خدا کی مار ایسوں پر علم سیکھنا تو سب کا حق ہے حق مارتے ہیں جب ہی تو اتنی چھینا جھپٹی ہوتی ہے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی قتل خون کی کہانیاں چلتی ہیں۔ باقی تمہارا سارا خاندان اسی گوٹھ میں رہتا ہے؟ بڑی اماں نے پوچھا۔

خاندان؟ سول ذرا ٹھہر کر بڑی اماں کو تکنے لگی۔

بھئی تمہارے چاچے مامے، نانا دادا۔

یہ تو نہیں ہیں۔ سول نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

ارے تو کیا سیدھے آسمان سے گرے تھے تمہارے ما باوا؟ بڑی اماں کو اس کے جواب سے بڑی حیرت و کوفت ہوئی۔ دوسرے گوٹھوں میں رہتے ہوں گے؟۔

پتا نہیں اماں سے پوچھ لینا۔ میرے کو تو خبر نہیں۔ وہ پھر سادگی سے بولی۔

ہاں چاچے مامے ہونا یہ بھی خبر ہونی ہے۔ اخبار میں لگتی ہے۔ بڑی اماں کی جان جل گئی اس کی نستعلیق اردو سن کر تانیہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

ویسے ایک بات ہے بڑی اماں! ان لوگوں کے آنے سے گھر میں رونق ہو گئی ہے۔ اب آپ بور نہیں ہوں گی تنہائی میں۔

ہاں بھئی تمہاری نند کی مہربانی ہے۔ بڑی اماں بھی مسکرانے لگیں۔

ماں تو سو گئی ہو گی تمہاری؟ بڑی اماں نے پوچھا

ہاں جی۔

بہت ڈھیٹ ہے اسے سونے کا۔ بچیاں اپنے گھر کی ہو گئیں تو کیا بنے گا اس کا؟ دلہن! ایک بات کھٹکتی ہے مجھے یہ عورت تو عاصمی عمر دار ہے اور یہ بالی تو نو دس سال کی ہے تو یہ بچیاں بڑھاپے میں پیدا ہوئی تھیں۔ جوانی میں کوئی بچہ نہ ہوا اس کے۔

تم دونوں سے پہلے بھی بہن بھائی ہیں تمہارے؟ بڑی اماں سول سے پوچھنے لگیں۔

نہیں۔ بس ہم دو بہنیں ہیں۔ سول نے جواب دیا۔

یہ تو اس کی ماں سے پوچھیے گا اسے کیا پتا بعض لوگوں کے ہاں اولاد دیر سے بھی ہوتی ہے۔ تانیہ نے کہا۔

ویسے آپ نے نکتہ خوب اٹھایا واقعی اس عمر کی تو ان کی دادی کے برابر ہوتی۔

ہاں مگر یہ بھی ہے کہ بے وقت انسان کا سارا رنگ روپ چوس لیتا ہے۔ پھر پیٹ بھر روٹی نہ ملے تو انسان سو بوڑھوں کا بوڑھا۔

آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ تانیہ نے اتفاق کیا۔

اب بتاؤ اتنی بڑی بچی کو اپنے رشتے داروں کا پتا نہیں کیسے کیسے لوگ ہیں کسی کے زیادہ ہوتے تو ہیں مگر وہ بات گھر میں کھانے کو ہو تو رشتہ دار ہاں بھی نظر آتی ہیں۔ اب بھی دیکھ لو سارا کے گھر جانے والے مہینے ڈیڑھ مہینے میں جاتے ضرور رہیں۔ اسے مہمان داری کا شوق بھی ہے اور گھر میں اللہ کا فضل بھی ہے۔ وہ کون سا جا کر اہتمام کرتی ہے۔ مہمانوں کے ایک بس اچھا کھانا پینا اور خوش وقتی میں باتیں گھر میں موٹر ڈرائیور تیار۔ کسی کو چھوڑنے جا رہے ہیں۔ کسی کو لینے عارف کیا مہمانوں کی کم عزت کرتی ہو گی مگر کتنا کم جاتے ہیں جانے والے ظاہر علی عرصے سے بیمار ان کی عیادت کے بہانے ہی چلے جائیں یہ بھی ایک رنگ ہے اس دنیا کا بیوی۔ بڑی اماں نے ایک آہ بھری۔

ناصر حسین کی بچیاں جوان ہو گئیں جسے دیکھو۔ پیام دیے پہنچ رہا ہے۔ عارف کی بچیاں زیادہ خوبصورت ہیں۔ مگر باغیچے والے بنگلے میں نہیں رہتی تھیں۔ کسی کو کیا کہوں جب میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکی۔ وہ پھر خاموش ہو کر سوچنے لگیں۔

شاید یہی وجہ ہو کہ اس بچی کو اپنے رشتے داروں کا نہیں پتا۔ آہا۔

مجھ سے ملتی ہے اک لڑکی روزانہ
وہ میری دیوانی میں اس کا دیوانہ

اظہار سیٹی کی دھن کے ساتھ گنگناتا لاؤنج میں داخل ہوا مگر فوراً ہی قدم بھی رک گئے اور گنگناہٹ بھی۔

یہ کیا ہے؟ اس نے سول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تانیہ سے پوچھا۔

بدتمیز۔ تانیہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

اس ٹیلی وژن نے تو آداب حجاب ختم کر دیے ہیں۔ یہ بھلا کوئی گانا ہوا نری بے حجابی۔ بڑی اماں کو گانا سخت ناپسند ہوا۔

آپ کو تو منڈوا اور رتن کے زمانے کے گانے پسند آتے ہوں گے بڑی اماں! میں نے ایک مرتبہ دیکھا تھا۔ ہیروئن بہن بھائی کی طرح فاصلے پر کھڑے ہو کر گا رہے تھے۔

تو میرا چاند میں تیری چاندنی

ہو او او

ویسے بھابھی! آپ کو پسند آئے گا۔ اس میں چاند کا ذکر ہے جو بھلے سے ایک ہزار سال پرانا ہو جائے گا!۔

اظہار اپنی بات پر خود ہی حلق پھاڑ کر ہنسا۔

ہاں بہت ہنسنے والی بات ہے۔ مار سر دکھنے لگا اونٹ کی سی ہنسی سن کر۔ جاؤ جا کر سو رہو۔ بڑی اماں نے جھاڑ پلائی اظہار نے پھر اشارے سے پوچھا کہ کون ہے؟۔

ربیا نے تحفہ بھجوایا ہے بڑی اماں کے لیے۔ تانیہ نے بھی کنائے میں جواب دیا۔

بڑی اماں کے تو مزے آگئے۔ اظہار نے بغور سول کو دیکھا۔

ہوش سمجھ کی عمر میں آگئے ہو۔ کچھ عقل سیکھو بے موقع مشغلے اچھے نہیں ہوتے۔ صبح سے اب ہوش آیا ہے گھر کا ہوٹل سمجھ رکھا ہے۔ سارا دن آوائی توائی پھرتے رہے۔ رات کو سونے آگئے۔

بڑی ماں! کوچنگ کلاسز چل رہی ہیں نائٹ میں گھر آ کر دوبارہ جانے میں بہت پٹرول خرچ ہوتا ہے۔ پیچھے بچارا ہوں آپ کے۔

ہاں بہت بچت ہو رہی ہے کھانا کھاؤ تانیہ! اسے کھانا گرم کر دو اور سمجھا دینا کس سے کس طرح بات کرنا چاہیے۔

انہوں نے تانیہ اور اظہار کی طرف پشت کر لی۔

مولی! بڑی اماں اپنے کمرے میں چلی جائیں تو تم بھی جا کر سو جانا۔ تانیہ نے مولی سے کہا اور اظہار کے پیچھے باہر کا رخ کیا۔

یہ کیا شے ہے بھابی؟ یعنی یہاں سویا بھی کرے گی؟ اظہار کی حیرت بجا تھی۔ اس نے تو ابھی تک ذکر بھی نہیں سنا تھا شاید۔

بہت ضرورت مند تھیں۔ بڑی اماں نے مولی کے کہنے پر رکھ لیا ہے۔ ایک نہیں یہ تین بہنیں ہیں۔ تانیہ ہنسی وہ بیٹیاں ایک اماں۔

ماشاءاللہ انسانوں کی ریل پیل ہو رہی ہے گویا۔ اظہار نے برجستہ کہا۔

ہاں اللہ نظر سے بچائے۔ تانیہ کھلکھلا کر ہنسی۔

سامنے ہی حواس باختہ بانگی آ رہی تھی۔ ساڑھے تین فٹ قد اور دو میٹر کی اوڑھنی سر پر جمی اور کانوں کے پیچھے اڑسی ہوئی۔ اظہار کو سامنے پا کر پیشانی تک ہاتھ لے جا کر خاموش سلام کیا اور چشم چشم دوڑ دی۔

واہ ماشاءاللہ بہت دلچسپ اضافہ ہے اپنی ست رنگی چنریا کے ساتھ۔

تانیہ تو جیسے ہنس ہنس کر لوٹ گئی۔

ارے بانگی! ادھر آؤ۔ تانیہ نے بلایا۔

واقعی بانکپن تو بہت ہے، نام رکھنے والے کا کیا وجدان تھا۔ اظہار مسکرایا۔

بانگی ڈری ڈری گھبرائی سی ان کے قریب چلی آئی۔

جی چھوٹی بیگم! وہ اٹک اٹک کر بولی تھی۔

بیٹا! ڈرو نہیں۔ یہ بھی تمہارے صاحبوں میں سے ایک صاحب ہیں۔ اظہار نام ہے ان کا۔ کسی لڑکی کا فون آیا کرے تو تم صرف ان کو بلا لیا کرو چاہے لڑکی اپنا نام تک نہ بتائے فون ان ہی کا ہوگا۔ باقی تمہیں ان کی اور کوئی خدمت نہیں کرنا ہوگا؟ بیٹا یہ بھاگتے دوڑتے نمٹا لیتے ہیں۔

لڑکی کا ٹیلی فون روز آئے گا؟ بانگی نے تانیہ کے کلام کی روانی روک دی۔

بیٹے! لڑکیوں کا، لڑکی کا نہیں۔ تانیہ نے وضاحت کی۔

ایک لڑکی تو ... کی بھین (بہن) ہے ناں؟ جس کی شادی ہماری مالکن کے لڑکے سے ہوئی ہے؟ بانگی کا لہجہ گھبراہٹ کا عکاس تھا۔

صرف وہی ایک لڑکی ان کی بہن ہے۔ اظہار کا قہقہہ بے ساختہ تھا، جو بانگی پر پہاڑ کی طرح ٹوٹا۔ بے چاری بچی بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

یہ چھوکری ساڑھی دوپٹے کی طرح اوڑھنے کا حکم اسے بڑی اماں نے دیا ہے؟ اظہار نے برائے معلومات عامہ سوال کیا۔

یہ ان کا کلچر ہے۔

کیسا اذیت ناک کلچر ہے۔ یہ کھیل کود کے دن ہیں بے چاری کے اور اسے دوپٹہ سنبھالنے پر لگا دیا ہے۔ اظہار نے

بڑے سنجیدگی سے کہتے ہوئے بانگی کا سر شفقت سے تھپتھپایا۔

بھابھی! اب بہت چھوٹی ہے۔ اس سے کام دام مت کرائیے گا۔ ہادی، دیبا تو اس ایج میں ہاف پینٹ پہن کر کرکٹ ہاکی کھیلتی تھی۔

یہ تو خیر بڑی اماں نے بھی کہا ہے کہ بہت چھوٹی بچی ہے۔ اس سے محنت نہ لے کوئی۔ تانیہ نے جواب دیا۔

یہ کچھ دیکھ کر دنیا ایکدم سے ڈارک اور بدصورت لگنے لگتی ہے۔

اظہار نے جیب میں ہاتھ ڈال کر جو ٹیلی چاکلیٹ کا پیکٹ اسے تھمایا۔ جگنو کے لیے تھے ایک نہا دے تھام سکا۔

بانگی کے چہرے پر خوشی اور اطمینان و احترام کے رنگ ایک ساتھ ابھرے۔

جگنو تو سو رہا ہوگا بھابی۔

ہاں آج جلدی سو گیا تھا۔ جب ہی تو میں بڑی اماں سے اطمینان سے باتیں کر رہی تھی۔ تانیہ نے جواب دیا۔

اور جگنو کے والد محترم؟ اظہار نے پوچھا۔

وہ تو شام سے ہی اپنے کسی کام کے سلسلے میں گئے ہوئے ہیں۔ کہہ کر گئے تھے کہ دیر ہو جائے گی پرسوں رات کی فلائٹ ہے ہادی۔ کل ہی کا دن ہے بس یہاں صبح امی وغیرہ بھی آئیں گی نشاط کے ہاں کل سب کی دعوت ہے۔ دیبا لوگ بھی مدعو ہیں بڑا مزہ آئے گا۔ سب ہی لوگ اکٹھے ہوں گے کل وہاں بس مظاہر ہی نہیں ہوں گے۔

ہوں حیدر آباد گئے ہیں۔ ہم لوگوں کو تو خدا حافظ کہہ گئے ہیں۔ پرسوں تک شاید وہ آ نہیں سکیں گے۔ تانیہ نے بتایا۔

آکا جان ہمیشہ اہم موقع پر منظر سے غائب ہوتے ہیں۔ اپنی شادی کے موقع پر کہیں اپنی تصویر بھجوا دیں کہ یہ ڈال کر اسٹیج پر رکھ دیں، وہ کسی ایمرجنسی کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتے معذرت خواہ ہیں۔ اظہار نے کہا تو تانیہ مسکرا دی۔

اصل میں وہ وہاں جگہ مصروف ہوتے ہیں۔ جاب بھی نہایت حساس اور ذمہ داری کی ہے پھر بزنس بھی ایکسپورٹ کوالٹی والا کیا کریں بے چارے۔ سبق سیکھو ان سے بیٹھے فون پر لڑکیوں کو بے وقوف بنانے رہتے ہو۔ تانیہ نے لگے ہاتھوں جھاڑ پونچھ کی۔

آپ نے کبھی دیکھا کہ میں نے خود کسی لڑکی کو رنگ کیا ہو۔ وہ خود رنگ کرتی ہیں تو اپنا اخلاقی فرض ادا کر دیتا ہوں۔ وہ معصوم سی شکل بنا کر کہنے لگا۔

تانیہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف اور اظہار واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆

رات کو تو نماز سے فارغ ہوتے ہوتے خاصی دیر ہو گئی تھی۔ پھر تھکن بھی بہت تھی۔ دوسرے خود فرح اقصاء نے بھی زیادہ کھوج لگانے والی باتیں کرنا پسند نہیں کیا حالانکہ ان کے ذہن میں تجسس اپنی انتہا پر تھا کہ صاحب اولاد ہونے کے باوجود وہ اتنی تنہا کیوں ہیں۔ ان کی اولاد اپنی بہترین نیک خواہاں کے سائے سے کیوں دور ہے؟ اتنی اچھی ماں تو نصیب ہونے کی نشانی ہے۔ ان تو خیر ماں ہوتی ہے، پھر اتنی سائبان ماں جس کی محبت سے سیرابی کی کیفیت ہر وقت چھلکتی ہے۔ اولاد سے دور ہو کر کوئی ماں اتنا شاد مطمئن پرسکون ہو سکتی ہے؟

وہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد تسبیح پڑھتے ہوئے استانی کو دیکھتے ہوئے سوچتی بھی جاتی تھیں جو قرآن پڑھنے میں محو تھیں۔ کالا چلین کرتا، سفید شلوار اور ململ کا بڑا سا دوپٹہ۔ دوپٹے کے ہالے میں ان کا روشن چہرہ۔ استانی کے نقوش کس غضب کے ہیں۔ یقیناً جوانی میں بہت حسین ہوں گی۔ اتنی خوب صورت با کردار نیک سیرت

عورت اور اتنی تنہا حیرت انگیز انکشاف کہ صاحب اولاد بھی۔

کیسی ہے وہ اولاد جو اتنی اچھی ماں سے ملنے کی خواہش مند نہیں، ایسی ماں ملنا تو بہت بڑی خوش قسمتی ہے۔ میٹھا بولنے والی دعا دینے والی کہ ماں ہو تو ایسی مثالی اور آئیڈیل۔ ماہ نور دیکھتی رہی سوچتی رہی۔

رات تم دونوں ساس بہو کی آنکھوں میں بہت تھکاوٹ اور نیند تھی۔ اس لیے تم لوگوں سے بات کرنے کی خواہش کے باوجود بات نہ ہو سکی۔ اچھا ہوا تمہاری نیند پوری ہو گئی۔

استانی نے قرآن جزدان میں لپیٹتے ہوئے کہا۔ وہ اس کا دیکھنا بہت محسوس کر رہی تھیں۔

جی اچھا خاصہ راستہ ہے۔ آپ تک پہنچنے کی خوشی میں مگر پتا ہی نہ چلا۔ وہ مسکرا دی۔

مجھے بھی تمہیں اچانک سامنے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تھی۔ ہر وقت ذہن میں تمہارا ہی خیال رہتا تھا کہ پتا نہیں تم کس حال میں ہو، کہاں ہو، بہر حال یہ بہت اچھا ہوا کہ تم اپنے اصل ٹھکانے پر ہو۔ اس لیے کہ مایوسی کو تو خود اللہ نے کفر کہا ہے۔ اس سے ہمیشہ بہتری کی امید رکھنا چاہیے۔

پاشا نے تو اپنی خوشی کا محور مرکز تمہیں بنالیا ہے۔ تمہیں خوش رکھنے کے لئے وہ تمہارا پسندیدہ رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ تم اسے ہمیشہ کی رفاقت کا اعتماد و یقین دے دو۔ پاشا کی ماں کو دیکھ کر یونہی خیال آتا ہے کہ قدرت نے ان میں گنجائش ضرور رکھی ہوگی۔

اکثر نیک امید بھی مقبول دعا بن جاتی ہے ایک تڑپ ایک لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم یہ مت دیکھو کہ اس نے تمہیں کس طرح حاصل کیا۔ اس کا کردار کیا ہے۔ وہ تمہارا شوہر ہے۔ تم نے غم غصے ضد میں اسے بحیثیت شوہر قبول کیا ہے۔ تم اپنا اخلاقی و شرعی کردار دیانت داری سے ادا کرتی رہو۔ جانے کب قدرت سب کچھ تمہارے حق میں کر دے۔ اس لیے خوش رہنا سیکھو۔ تمہاری ہر وقت کی کڑھن نظامِ قدرت میں تبدیلی نہیں کر سکتی نہ لوحِ محفوظ پہ لکھا مٹا سکتی ہے ہر وقت ایک تاسف کی کیفیت قدرت کے فیصلوں پہ اعتراض کی نشانی ہے۔ میں تم کون ہوتے ہیں اس کے فیصلوں پہ اعتراض کرنے والے یہ کیفیت دماغ میں ہیجان برپا کر سکتی ہے۔ منتشر ذہن کی روحانی توانائی ضائع ہوتی رہتی ہے۔ روحانی توانائی کے ضیاع کا مطلب ہے۔ فطرت سے دوری اور فطرت سے دوری کا مطلب ہے دُکھ۔ دعا ایک دعا ہی تو ہے جس کا سہارا اندھیرے میں کرن بنتا ہے۔ ہم اپنی خواہش پر فطرت کو رضامند کر سکتے ہیں کہ وہ ہماری مراد پوری کر دے۔ تم دعا کو اوڑھنا بچھونا بنالو۔ زندگی بہت آسان لگنے لگتی ہے۔

عقیدے کی مضبوطی موجود ہو تو دعا کا نفسیاتی اثر بہت خوشگوار ہوتا ہے۔ انسان اپنے اندر بہت توانائی محسوس کرتا ہے اور یہ محض نفسیاتی سہارا نہیں ہے بلکہ اس کی روحانی حقیقت مسلم ہے۔ دعاؤں کے ذریعے معجزے رونما ہوتے ہیں پاشا وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ اپنا من دھن تم پر وارنے کو تیار ہے۔ اپنے ماحول کے اثر کے تحت اس نے ایک اچھے کام کو برے طریقے پر انجام تک پہنچایا۔ وہ اپنے علم کے مطابق یہی راستہ پسند کر سکتا تھا اس کے نزدیک یہ جوانمردی ٹھہری وہ اپنے علم و شعور کے مطابق ایک راہ پر گامزن ہے۔ تم اپنی راہ پکڑی رہو جو حق ہوگا۔ وہی غالب ہوگا۔

میری دعا ہے۔ تم اس کے من میں نیک بختی کی دلیل بن جاؤ۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بڑے بڑے گمراہوں کو جب اللہ نے ہدایت بخشی تو وہ ولی کے درجات تک پہنچے جیسے حبیب عجمی اتنے بڑے سود خور تھے کہ سود کی وصولی میں کوئی رو رعایت نہیں برتتے تھے۔ سود کی وصولی میں رکاوٹ یا تاخیر ہوتی تو غریب لوگوں کے گھر کی عام ضرورت کی اشیاء تک اٹھا لاتے تھے۔ لوگ ان کی وصولی کے طریقہ کار کی وجہ سے اتنے خوفزدہ رہتے تھے کہ ان کو دیکھتے ہی خوف سے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیتے تھے لیکن جب حق نے

ان کو ہدایت بخشی تو وہ اوصاف ابھار کر سامنے کیے جن کی وجہ سے انہیں جلیل القدر ولی کا مرتبہ حاصل ہوا۔

تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ چاہنے والے کو جوابی تحفہ دو۔ خلوص نیک خواہشات وفا اور دعا کا تحفہ کیا عجب قدرت اسے تمہارے نصیب سے خوش بختوں کی فہرست میں لکھ دے۔

استانی بہت دھیمی آواز میں بہت روانی و سلاست سے مخاطب تھیں۔ انہیں قمر النساء کے قریب آنے کا پتا نہیں چلا۔

قمر النساء نے انہیں لپٹا لیا اور ہچکیوں سے رو پڑی تھیں۔

آج تک میں نے اپنے بیٹے کی کوئی تعریف نہیں سنی سوائے اس کے کہ وہ بہت خوب صورت ہے اور اس کی روحانی بد صورتی پر میں یوں روتی رہی ہوں جیسے مرگ پہ روتے ہیں۔ پوری مایوسی کے ساتھ کہ جو چلا گیا ہے اب لوٹ کر نہیں آ سکتا مگر آپ نے ابھی جس طرح میرے بیٹے کا ذکر کیا۔ اس سے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی بات ہی نہیں ہے۔ کوئی عیب ہی نہیں اتنی اچھی امید اتنے اعتماد کے ساتھ کاش یہ کچھ میرے اندر بھی اتر جائے میرے کرب کو تو وہی ماں سمجھ سکتی ہے جس کا بیٹا ہتھیاروں سے کھیلتا ہو جس کے دشمنوں کی قطار بندھی ہو۔ میں اسی لیے آئی ہوں کہ آپ دعا کریں ندامتوں کے ساتھ زندگی بوجھ بن کر رہ گئی ہے۔

وہ ہچکیاں لے لے کر بولتی جا رہی تھیں۔

استانی عائشہ کے آنسو رخساروں سے ڈھلک کر گریبان میں کہیں گم ہو گئے۔ انہوں نے قمر النساء کی پشت محبت سے سہلائی۔

بعض اوقات آزمائش بہت کڑی ہوتی ہے اس میں کوئی شک نہیں مگر غیر متزلزل ایمان ہو تو صلہ بہت عمدہ ہوتا ہے۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے اچھی امید رکھیے۔ اچھی ماں کے ساتھ ساتھ اب اس کے پاس اچھی بیوی بھی ہے اس میں تبدیلی کے امکان روشن ہیں وہ اپنی چادر سے قمر النساء کے آنسو پونچھنے لگیں۔

قمر النساء کے آنسو تھم گئے تھے مگر وہ ہنوز ہچکیاں لے رہی تھیں۔

خالہ جان! جو داغ مجھے لگ گیا ہے اس کا ازالہ تو ممکن نہیں ہے۔ ماہ نور دوپٹہ درست کرتی ہوئی کھڑی ہو گئی تھی وہ بہت کرب سے کہہ رہی تھی۔

بس ایک داغ سے عورت کو اللہ بچائے کہ شوہر کے ہوتے ہوئے وہ کسی نامحرم کے ساتھ بے عزت ہو جائے۔ شوہر کی امانت میں کسی چوک کے سبب خیانت کر بیٹھے۔ یہ داغ بہت پکا ہوتا ہے۔ عورت کے ساتھ قبر میں اتر جاتا ہے۔ تمہارے ضمیر کے اطمینان کے لیے یہ کافی ہے کہ تمہیں چھونے والا۔ تم پر اپنا اختیار استعمال کرنے والا تمہارا قانونی و شرعی شوہر ہے۔ دنیا کی آوازوں پر توجہ نہ دو صرف اپنے ضمیر کی آواز سنو تمہارا وجود ایک مرد کی امانت ہونا چاہیے تمہارے جسم کے رازوں کا امین صرف تمہارے شوہر کو ہونا چاہیے اگر ایسا ہے تو تمہارا ضمیر مطمئن ہے اور ضمیر کا اطمینان ہی سب سے بڑا سکون ہے۔

دوسری طرف اطمینان یہ ہونا چاہیے کہ تمہارا شوہر تمہاری حق تلفی نہیں کرتا۔ وہ تم سے شادی کے بعد کسی اور بستر پہ نہیں سوتا۔ تمہاری آنکھوں میں دھول نہیں جھونکتا۔ اس دنیا میں بے شمار عورتیں ایسی ہیں جنہیں شوہر کا خلوص و وفا میسر نہیں۔ ان کے شوہر اپنی بیوی کا حق کہیں اور لٹا کر آتے ہیں۔ بازاری عورتوں کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ بیوی بھی بستر پر اکیلی کروٹ بدل بدل کر تھک کر سو جاتی ہے۔ وہ اس کا حق کہیں اور لٹا رہے ہوتے ہیں۔

میں ایک ایسی خاتون کو جانتی ہوں جو اس وقت زندہ ہیں۔ پچھتر سال کی ہو چکی ہیں۔ وہ مجھے بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر شادی سے پہلے ہی پینے پلانے اور بازارِ حسن کے رسیا تھے۔ شادی بہت روایتی انداز اور دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ زمیندار قسم کے پیسے والے لوگ تھے لوگ خاتون کی قسمت پر رشک کر رہے تھے کہ وہ ایک خوب صورت پڑھے لکھے دولت مند آدمی سے بیاہی جا رہی

تھی۔ کہتی ہیں مجھے خود اپنی قسمت پر رشک آ رہا تھا۔ میں خود تو ایک مڈل ہیڈ ماسٹر کی بیٹی تھی جو سات افراد کی کفالت کا تنہا ذمہ دار تھا۔ مجھے ایک محفل میلاد میں میری ساس نے پسند کیا تھا۔ مجھے میلاد پڑھنے کا شوق تھا۔ اللہ نے اچھی آواز سے نوازا تھا۔ بس وہیں انہوں نے مجھے اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ شادی کے بعد انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کے بیٹے میں چند اخلاقی برائیاں ہیں۔ مجھے بہو بنانے کا فیصلہ انہوں نے یہ سوچ کر کیا کہ ایک اچھے کردار و مزاج کی بیوی اپنے شوہر میں تبدیلی پیدا کر سکتی ہے۔ دولت مند لڑکیاں اکثر سمجھوتے نہیں کر پاتیں۔ ان میں عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کی عادت ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان میں صبر و برداشت کا جذبہ کم ہوتا ہے۔ تمہیں دیکھا تو خیال آیا کہ تم میرے بیٹے کے لیے بہت مناسب رہو گی ہر طرح کا وقت نباہ لو گی۔ بس ساس کے اعتماد نے میرے کندھے پر بہت بھاری بوجھ ڈال دیا۔ کچھ ماں کے گھر کی تربیت ساری رات کروٹیں بدلتے گزر جاتی تھی فجر سے کچھ پہلے ڈیوڑھی کے دروازے پر تھاپ پڑتی تھی، وہاں میں پہلے ہی موجود ہوتی تھی۔ آہستگی سے زنجیر گراتی اور پٹ کھول دیتی سامنے حال سے بے حال وہ ہوتے دونوں ہاتھوں سے سوغات کی طرح سنبھالتی اور کمرے تک لاتی۔ بستر پر لٹاتی جوتے موزے اتارتی پتلون کی بیلٹ کھول دیتی کہ کسی ہوئی کمر کو آرام مل جائے گا۔

میرے سسر کو کبھی پتا نہیں چلا کہ بیٹے کتنے بجے گھر آتے ہیں۔ پہلے میری ساس کی وجہ سے پھر میری وجہ سے ڈیوڑھی کے دروازوں میں چرچراہٹ بہت ہوتی تھی۔ پہلی فرصت میں میں نے قبضوں میں تیل ڈالا میرے سسر کا مزاج بہت گرم تھا۔ میری ساس ڈرتی تھیں کہ کہیں وہ اکلوتے بیٹے کو عاق نہ کر دیں جتنا ہوتا تھا ان کی سرگرمیاں چھپانے کی کوشش کرتی تھیں۔ پہلے ان کی ڈیوٹی تھی دروازہ کھولنے کی پھر میری ہو گئی۔

تو بیٹی! اس طرح بھی عورت زندگی گزارتی ہے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنا حق لٹتا دیکھتی ہے اور برداشت کرتی ہے۔ ہرجائی شوہر کی جوتیاں سیدھی کرتی ہے۔ اس کی انا دیوان چڑھ جاتی ہے۔ کوئی اس پر رحم ترس کھاتا ہے کوئی دکھ کا اظہار کرتا ہے مگر وہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی معزز نہیں ہوتی اس عورت کی شان ہی اور ہوتی ہے جو شوہر کے دل چڑھی ہوتی ہے۔ شوہر اسے چاہتا ہے اس کے ناز اٹھاتا ہے وہ اپنے شوہر کے گھر میں رانی ہوتی ہے۔ خاندان میں اس کی اہمیت اور دھاک ہوتی ہے۔ ہر جگہ اس کا اچھا استقبال ہوتا ہے۔ اکثر عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب مل بیٹھتی ہیں۔ اپنے شوہروں کی برائیاں کرتی ہیں تنقید کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں وہ ایک دوسری سے دل کی باتیں راز کی باتیں کر رہی ہیں مگر حقیقت میں وہ اپنے شوہر کو دوسروں کی نگاہوں میں گرا رہی ہوتی ہیں شوہر کو دوسروں کی نظر میں گرانے کا مطلب یہ کہ بیوی اپنی حیثیت کم کر رہی ہے شادی کے بعد عورت کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو اس کے شوہر کی ہوتی ہے چاہے عورت کنوار پنے میں بادشاہ زادی رہی ہو کہ نواب زادی۔ امید ہے میری سمجھائی سمجھ میں آ گئی ہو گی۔

استانی نے ماہ نور کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

یہ تو بڑی حیثیت والی تھی۔ میرے بیٹے نے اس کی حیثیت کھو دی۔ قمر النساء نے بھرائی آواز میں کہا۔

مایوس نہ ہو۔ عزت ذلت کے فیصلے خدا کا قلم طے کرتا ہے۔ آپ کی بہو ہے یہی اس کی حیثیت ہے کہ یہ قمر النسا کی اکلوتی اور دل پسند بہو ہے۔ استانی عائشہ نے بہت جذب کی کیفیت میں سمجھایا۔

آپ سے کون جیتے اچھے رخ سامنے رکھتی ہیں کیا حسن نظر ہے۔ قمر النساء نے عقیدت سے کہا۔

نظر نواز کی نظر کرم ہے، بہت خوش ہوں اس توجہ پر۔ استانی عائشہ نے ممنونیت سے کہا اور حجاب آلود مسکراہٹ کے ساتھ سر پر آنچل درست کرنے لگیں۔

کوئی ایسا عمل بتایئے ہم ساس بہو کہ پاشا کو عقل آ جائے اللہ اسے ہدایت بخش دے۔ بہت بڑی نیکی ہو گی۔

قمر النساء نے التجا آمیز انداز میں کہتے ہوئے دونوں ہاتھ ان کے گھٹنوں پر رکھ دیے۔

اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے آپ نے تو قرآن میں پڑھا ہی ہوگا اس کے فیصلے کی حکمت غیب کا علم ہے۔ اس دنیا میں بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی اور بعض کو بعض کے ذریعے آزمایا جاتا ہے۔ آپ اسے اپنی آزمائش سمجھ لیں۔ آپ کے ایمان و عقیدے کی آزمائش بغیر گلے شکوے کے اچھی امید رکھیے اچھی امید کا ہر صورت فائدہ ہے۔

آزمائش کی گھڑی قابل برداشت ہو جاتی ہے۔ ذہن کا اندھیرا دور ہوتا ہے سب سے بڑھ کر رب کی رضا حاصل ہوتی ہے اور یہی انسان کی زندگی کا حاصل ہے۔ آپ کو یا مجھے علم ہے کہ آنے والے وقت میں ہم سے انجانے میں کوئی بھول چوک نہیں ہو گی؟

یا اپنی دانست میں ہم اپنے بنائے ہوئے معیار کے مطابق جو زندگی گزارتے آئے ہیں۔ اس میں ہم نے کوئی غلطی نہیں کی؟

یا جس غلطی کو ہم معمولی سمجھتے رہے وہ نتیجے کے اعتبار سے خدا کی نظر میں بہت بڑی ہے کیا ہمیں علم ہے؟

اس کی راہوں سے پتھر گننا چھوڑ دیجیے۔ اس کے لیے آپ صرف دعا کر سکتی ہیں یہ رابطہ منقطع مت کیجیے۔ صبح دوپہر شام رات حالت ذکر میں رہیے۔ ہونٹ چاہے نہ ہلیں دل کو ذکر سے معروف رکھیے۔ رابطہ مستقل ہو تو جواب آنا شروع ہو ہی جاتے ہیں۔ پھر انشاء اللہ جو اس کے حق میں بہتر ہو گا وہی ہو گا۔ سورہ کہف ترجمے کے ساتھ پڑھا کیجیے۔ بصیرت میں اضافہ بھی ہو گا اور راضی برضا رہنے کی ہمت بھی عطا ہو جائے گی اور شب جمعہ یعنی جمعرات کی رات خاص طور پر ضرور پڑھیے۔ انشاء اللہ دل و ذہن کشادہ ہو جائیں گے۔ بیٹے کو منشا کے مطابق دیکھنے کے چکر میں اس مہلت کو ضائع مت کیجیے۔ جو اچھے اعمال کے لیے آپ کو دی گئی ہے۔ موت سے پہلے کا سارا وقت مہلت ہے بہن! سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

استانی عائشہ نے بہت محبت سے قمر النساء کے ہاتھ تھام لیے جو دم بخود بیٹھی استانی عائشہ کا حرف حرف سن رہی تھیں۔

چلیں ناشتہ کرتے ہیں۔ آپ لوگ جانے کس طرح کا ناشتہ کرتے ہوں گے۔ میں نے دیسی گھی کے پراٹھے اور آملیٹ کا ناشتہ تیار ہے۔ پراٹھے بنا چکی ہوں۔ آملیٹ کا آمیزہ تیار کر کے رکھ دیا تھا کہ وقت پر گرما گرم اچھا لگے گا۔

کیوں شرمندہ کر رہی ہیں۔ یہ ماہ نور بنا لیتی ناشتہ آپ کس وقت اٹھ گئی تھیں۔ ہم تو جب سے اٹھے ہیں۔ آپ کو مصلے پر ہی دیکھ رہے ہیں۔ قمر النساء نے تعجب سے کہا۔

استانی عائشہ نظریں جھکا کر مسکرا دیں۔

ماشاء اللہ۔ ماہ نور نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ استانی اکیلی ہوتی ہیں پھر بھی عجیب سی رونق محسوس ہوتی ہے۔ بے آواز گھر میں سناٹا کھانے کو نہیں آتا اور صبح تو اس گھر میں ہوتی ہے جیسے۔

اماں! ابھی تو اس گھر میں آمد و رفت شروع ہو گی پھر دیکھیے گا۔ آپ کا دل ہی نہیں چاہے گا یہاں سے جانے کو۔ ماہ نور نے اضافہ کیا۔

محبت ہے آپ لوگوں کی۔ لیکن یہ سچ ہے میرے گھر میں کبھی سناٹا نہیں ہوتا۔

وہ بڑی طمانیت بھری مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئیں۔ عجیب بے خود انداز تھا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک سمت کو بڑھیں، جہاں صندوق وغیرہ رکھے تھے۔ ایک صندوق کا تالا کھولا اور ڈھکن اٹھا کر کچھ ٹٹولنے لگیں۔ دونوں ساس بہو ان کی طرف متوجہ تھیں۔ بالآخر وہ کچھ نکالنے میں کامیاب ہو گئیں۔

ماہ نور! تمہاری امانت اور تو کچھ دھرے کے نہیں تھے۔ بس یہی تھا کہ ایسا نہ ہو تم سے پہلے موت ملنے آ جائے۔ اللہ کا شکر ہے کہ جس کی امانت ہے اسی کو واپس کر رہی ہوں۔ اب اسے سنبھالو۔ ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں۔

انہوں نے پوٹلی ماہ نور کو تھما دی۔

کیا ہے؟ فخر النساء سمجھ نہ سکیں۔

زیور جو اس کے جو یہ پہنے ہوئے تھی۔ جس دن لطیف آباد جانے لگی تو میں نے اتروا لیے تھے کہ اکیلی بچی ہے اور ہزار لاکھ کا زیور۔ وقت پوچھ کر نہیں آتا پھر اسکول میں ٹیچروں کا بھی زیور وغیرہ پہن کر جانا عجیب سا لگتا ہے۔

اچھا! فخر النساء نے گہری سانس لی۔ انہیں تو آج تک اس کے زیورات کا دھیان تک نہ آیا تھا۔

آپ نے نہیں پوچھا تھا ماہ نور سے کہ زیور کہاں ٹھکانے لگایا؟ استانی مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھیں اور صندوق میں تالا ڈال رہی تھیں۔

سچ مانیں۔ میں تو ماہ نور کو دیکھ کر سب کچھ بھول گئی تھی۔ ذرا سا جو دھیان آیا ہو۔ یقین کریں۔ فخر النساء نے کہا۔

ماہ نور نے پوٹلی ساس کو تھما دی۔

پاشا نے تو پوچھا ہوگا؟ استانی نے ماہ نور سے پوچھا۔

ماہ نور نے نفی میں سر ہلایا۔

انہیں یقین ہوگا کہ میں نے غصے میں کہیں پھینک دیے ہوں گے ماہ نور کے ہونٹوں پر ایک پُرحجاب مسکراہٹ تھی۔

فخر النساء نے پہلی مرتبہ ماہ نور کے منہ سے پاشا کا ذکر اچھے انداز میں سنا تھا۔ انہیں عجیب سی مسرت ہوئی۔

وہ کہاں دھیان کرتا ہے۔ اسے تو اپنے چکروں سے فرصت نہیں۔ فخر النساء نے ہنس کر کہا۔

ویسے بہن! آپ کا بہت شکریہ۔ دونوں امانتوں کی حفاظت بخیر و خوبی کرنے کا۔ فخر النساء نے شکریہ ادا کیا۔

ویسے ماہ نور زیور پہن کر تو دکھاؤ۔ بہت اچھی لگ رہی ہوگی جب پہنے ہوں گے۔ استانی عائشہ نے کہا۔

ان کپڑوں پر اتنی بھاری جیولری۔ ماہ نور دھیرے سے ہنس پڑی۔

ابھی تو ولیمے کی تقریب باقی ہے بہن! آپ کو کارڈ دینے خود آؤں گی۔ آپ کو آنا ہوگا۔ اس دن دیکھ لیجئے گا اسے زیور پہنے۔ فخر النساء نے کہا۔

اچھا۔ ابھی تک ولیمہ نہیں ہوا؟ استانی حیران ہوئیں پھر ہنس پڑیں۔ کیا آپ کا پوتا بھی ولیمے میں شرکت کرے گا۔ کب کریں گی۔

دولہا تو شہر واپس آجائے ساتھ خیریت کے۔ فخر النساء نے قدرے افسردگی سے جواب دیا۔ انشاء اللہ وہ جلد ہی آ جائے گا۔ چلیں آئیں ناشتہ کرلیں پھر بچے آجائیں گے تو شور ہو جائے گا۔ استانی نے کہا اور کمرے سے نکل گئیں۔

☆☆☆☆☆

دیبا بڑی حواس باختہ سی گھر میں داخل ہوئی تھی۔ بڑی عجلت میں تانیہ کو سلام کیا۔

بھابھی! بڑی اماں کہاں ہیں؟ اس نے خالی لاؤنج میں نظر گھمائی۔

شاید کچن میں ہیں۔ تانیہ نے اندازہ لگایا۔

چھت پر تو نہیں گئیں نا؟ دیبا نے یقین کرنا چاہا۔

نہیں چھت پر کیا کرنے جائیں گی۔ ان کے تو گھٹنوں میں ویسے بھی درد رہتا ہے۔ زینہ چڑھتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے۔"

اور سول کہاں ہے؟ اس نے دوسرا سوال کیا۔

وہ اوپر کمروں کی جھاڑ پونچھ کر رہی ہے۔ خیریت تو ہے بڑا پراسرار سا اسٹائل ہے اس وقت۔ تانیہ شبے سے دیکھنے لگی۔

سول کی بچی کو لائی ہوں۔ گاڑی میں ہے پاپا کے ساتھ میں اندر لا رہی ہوں۔ خدارا کچھ کہیے گا۔ وہ کہہ کر تیزی سے پلٹ گئی۔

تانیہ نے گویا سر پیٹ لیا۔ یہ بے وقوف کچھ نہ کچھ کر کے رہے گی۔ بڑی اماں [illegible] شاید زیادہ [illegible] ہو گئے۔ بے چاریوں کو یہاں سے بھی نکلوا دے گی۔

وہ پریشان ہوتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد دیبا اس کی آپا کے ساتھ اندر آتی دکھائی دی اور پھر بیرونی زینے کی طرف بڑھ گئی۔ تانیہ بھی چل پڑی۔

تینوں آگے پیچھے اوپر پہنچیں۔ سول گیلری میں رکھی آؤٹ ڈور کرسیاں جھاڑنے میں بہت تندہی سے مصروف تھی۔ اپنی دھن میں مگن کہ اسے تینوں کی آمد کا احساس تک نہ ہو سکا۔

سول! دیبا نے یوں پکارا جیسے کسی کو شرارتاً چونکانے ڈرانے کی کوشش کی جاتی ہے اور سول واقعی ڈر کی طرح چونک پڑی پھر خجل سی ہو کر سلام کرنے لگی۔

شاید اس نے آپا کو پہلی بار دیکھا تھا۔ اس لیے اس نے کوئی خاص تاثر نہیں دیا اور کام روک کر اپنی جگہ کھڑی ہو گئی تھی۔

دیکھو سول! کون آیا ہے۔ سول نے بچی آپا کی گود سے لے لی اور سول کے قریب چلی آئی۔

اب سول ٹھٹکی اور بچی کی طرف دیکھنے کے بجائے آپا اور تانیہ کی طرف دیکھنے لگی۔

ادھر کیا دیکھ رہی ہو؟ ادھر دیکھو۔ بتاؤ کون ہے؟ دیبا نے بچی اس کی طرف بڑھائی۔

سول نے بہت ڈرے سہمے انداز میں بچی کی طرف دیکھا تھا۔ وہ پنک اور بلیک ڈیزائن کی فراک اور بڑے فرل والی ٹوپی میں گڑیا سی بچی بے خبر سو رہی تھی۔ بچی کے بالوں کی گہری سیاہی اور گھنی پلکیں اس کی نمایاں خصوصیات میں سے تھیں۔

گود میں لے لو تمہاری بچی ہے۔ دیبا نے کہا۔

سول نظریں جھکا کر انگلیاں چٹخانے لگی۔

دیبا! تم یہاں رکو۔ ہم نیچے بیٹھے ہیں۔ ٹھیک ہے؟ تانیہ سمجھ گئی کہ وہ ان کی وجہ سے بہت نروس ہو رہی ہے۔ کم عمری ناتجربہ کاری ہچکچاہٹ خوف نیز شرمندگی و احساس گناہ کے اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

تانیہ آپا کو لے کر چلی گئی۔

سول! دیکھو تمہاری بچی ہے۔ تمہارا دل نہیں چاہ رہا کہ اسے پیار کرو۔ [illegible] خاموش رہی۔

گود میں لو۔ میں تو اسے تمہارے لیے خطرہ مول لے کر لائی ہوں۔ دیکھو کتنی پیاری ہے۔

سول نے نظریں اٹھائیں نہ خاموشی توڑی۔

ارے بھئی یہاں کسی کا ڈر تو نہیں ہے۔ کوئی نہیں دیکھ رہا۔

دیبا کو اس کی سرد مہری و بے حسی پر بہت تعجب ہو رہا تھا۔ اس کا خیال تھا سول بڑے ذوق و شوق سے بچی کو گود میں لے گی۔ ڈھیروں پیار کرے گی اور شاید روئے گی بھی مگر وہ تو جیسے کوئی مٹی کا بت کھڑا تھا۔

توبہ! کتنی ڈھیٹ ہوتی ہے۔ کچھ بھی نہیں ہوا تمہیں اسے دیکھ کر۔ دیبا کو اپنی محنت اکارت جاتی نظر آئی تو غصہ آگیا۔

میں ماں کہاں ہوں بی بی! میں تو اکیلی ہوں۔ اپنی ماں بہن کے ساتھ رہتی ہوں۔ وہ اتنا کہہ کر جھاڑن درست کرنے لگی۔

زیادہ فلاسفی جھاڑنے کی ضرورت نہیں اچھا! دیبا جھلائی۔

بی بی جی میں سمجھی نہیں کہ آپ بھی میرے کو کیا بولیں۔ سول دیبا کی خفگی سے ڈر گئی۔ میں نے اماں سے ایک مرتبہ پوچھا تو وہ بولی۔

زبان کاٹ دوں گی اب جو بولی۔ اس کو تو! منہ تو دیکھ رہی تھی۔ وہ بولتی ہے۔ گود میں لیتی ہیں آپ اسے یہاں سے لے جائیں۔ کہ میں بھی رہ لیا اگر بھولے سے کبھی دیکھا تیری کی برات (بارات) آئی تھی۔ جن کی برات آتی ہے وہ بچہ۔ اماں چھت پر ہے۔ کہیں دیکھ نہ لے میں ہوں ناں۔ کیا کہیں گی؟ کچھ نہیں بولیں گی۔ لے لو گود میں۔

موٹی نے دھیرے سے نظریں اٹھائیں لحظہ بھر بچی کو دیکھا مگر اس کے سپاٹ چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا۔ ریحا کو سخت مایوسی ہوئی۔

تمہیں یاد نہیں آتی ہے؟ اس دن تو تم بہت تڑپتی ہوئی آئی تھیں۔ ریحا چڑ کر کہہ رہی تھی۔

بی بی! یہ میرے پیٹ میں گھومتی تھی تو میں سوچتی تھی۔ پتا نہیں بچہ کیسا ہوگا جو میرے اندر ہے پھر میں خالی بھی ہو گئی۔ میں نے دیکھا بھی نہیں۔ اس لیے چلی گئی تھی اسے دیکھنے۔ میں نے دیکھ لیا ہے۔ اب آپ اسے لے جائیں۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ اماں بہت ماریں گی۔

ارے واہ! ایسے ہی ماریں گی۔ اگر کچھ کہے تو مجھے کہنا۔ میں سمجھا دوں گی۔ اف کس قدر بے وقوف اور ڈرپوک ہو تم اب اکرم نے کبھی کہا تب بھی نہیں دکھاؤں گی۔ آج ہی صبح کی فلائٹ سے ڈیڈی کے ساتھ اسلام آباد چلی گئی تھیں۔ میں نے سوچا موقع اچھا ہے تم دیکھ سکتی ہو مگر بھئی۔ چھا خیر تم اپنا کام کرو۔

ریحا کا سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ چہرے سے کوفت صاف ظاہر تھی۔ وہ بچی کو لیے پیچھے چلی آئی۔

بڑی اماں جو کہ برآمدے کر پلٹ رہی تھیں۔ انہوں نے تعجب سے زینہ اترتی ریحا کو دیکھا۔

ارے یہ کس کا بچہ اٹھائے پھر رہی ہے؟ جانتی نہیں ہے۔ یہ تو بہت چھوٹا بچہ کھائی دیتا ہے۔ ان کی چال میں یکلخت تیزی آ گئی۔

ارے ریحا! بیوی یہ کس کی سوغات ہے گود میں؟ وہ قریب آ کر بولیں۔

اسلام و علیکم بڑی اماں! ریحا پہلے تو تھوڑا سا گھبرائی پھر فوراً ہی سنبھل گئی۔

یہ ہمارے ہاں جو عورت کام کرتی ہے ناں اس کا بچہ ہے۔ لڑکی ہے بڑی اماں۔ اسے بے دلی ہو کر جواب دیا۔

مارکیا شوق رہے جاتے ہیں۔ ماں کہاں ہے اس کی جو تو اٹھائے پھرتی ہے۔ شادی ہو گئی ہے خیر سے عقل و دانش کے ناخن لو۔ میاں سسر کیا سوچیں گے کہ نوکروں کے بچے کھلاتی پھرتی ہے۔ ہم لوگ تو برا نہیں مانتے کہ نوکروں کے ہی بچے ہیں مگر تمہاری سسرال کا مزاج ذرا دوسرا ہے۔ تم اسی طرح رہو جس طرح ان کا رہن سہن ہے۔ سمجھیں؟ تو کیا نئی ماں اوپر ہے؟ اوپر کیا کر رہی ہے؟ چھوڑو بھئی چھپکلی کی دل سے ملتی ہوئی اوپر، انہوں نے فوری اندازہ کر لیا۔

اور گھر میں تو خیر خیریت ہے۔ ٹھیک ہیں تمہارے ساس سسر۔ سوں تو دفتر گیا ہوگا بتا کر آئی ہو ناں؟

جی بڑی اماں! امی نے صبح ہی بتا دیا تھا کہ میں گھر جاؤں گی اور دوپہر تک واپس آ جاؤں گی۔

ٹھیک ہے۔ دوپہر کا کھانا کھا کر چلی جانا۔ کہاں بیٹھی ہیں تمہاری مہمان خواتین۔

دوپہر کا کھانا تو خیر میں گھر ہی کھاؤں گی بن رہا ہے وہاں۔ چائے والے بنوا بھیجئے۔ مہمان میرا خیال ہے لاؤنج ہی میں تینا یا بھابھی کے کمرے میں ہوں گی۔

دل ہی دل میں ریحا شکر ادا کر رہی تھی کہ مناسب جواب بروقت سوجھ گیا۔ اب آپ کے ماتھے پر تو نہیں لکھا کہ یہ آپ کی بچی نہیں ہے۔

آپ چائے کے لیے کہیں۔ میں دیکھتی ہوں کدھر بیٹھی ہیں وہ لوگ۔

پھر وہ اسے تانیہ کے کمرے میں مل گئیں۔

میں نے اپنی بڑی اماں کو بتایا ہے کہ تمہاری بیٹی ہے۔ یہی بتانا تھیں۔ اس نے آپا کو سمجھایا۔

تو آپا خرم نے ماں بیٹی کی ملاقات کروا کے ہی دم لیا۔ یقیناً پیٹ میں جو گول گول گولا گھوم رہا تھا۔ وہ اب بیٹھ گیا ہوگا۔ تانیہ ہلکی سی۔ ایسا کچھ ہوا ہے مگر جس کی خاطر گولے کا گول گول گھومنا برداشت کر رہے تھے۔ اس نے تو نوٹس ہی نہیں لیا۔ پوائنٹ کیا ہے۔

کیوں کیا ہوا؟ تانیہ کو فطری تجسس ہوا اس کا فلسفیانہ انداز تو وہ خود بھی دیکھ چکی تھی۔ جو کچھ ہوا تھا جو وہ اسے سمجھا چکی تھی۔

مطلب یہ کہ نیئر سلطانہ نے جذباتی سی چیخ مار کر بیٹی کو گود میں نہیں لیا نہ جدائی میں جو حال دل ہوا وہ نہیں سنایا۔ عین وقت پر تصویر ساکت ہو گئی۔ تانیہ نے اس کی پشت پر دھپ لگایا۔ ریحا کھسیانی سی ہو گئی۔

بھابھی! مدرا ایسی تو نہیں ہوتی۔ اب اسے ناکامی پر کچھ تو کہنا تھا۔

ذی طرح تجربات ہوتے ہیں زندگی کے۔ اسی طرح سیکھتا ہے انسان۔ میں تمہیں کچھ کم پتا نہیں رہی۔

آپ ٹھیک بولیں بیگم صاحب! میں دلہن کو یہی سمجھانا چاہتی تھی مگر ان کا جذبہ دیکھا اور یہ بھی سوچا۔ کہیں بدنام نہ کریں۔ آپا نے بھی اضافہ کیا۔

بھابھی! وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ ان قیامت وہ اس کی مدد ہے۔ اس دن جب وہ ہمارے ہاں آئی تو اس سے ٹھیک سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا اور بچی سے ملنے کے لیے مری جا رہی تھی۔ لوٹی ایک مدر کے ایکسپریشن تھے مگر آج تو وہ بالکل ہی چینج تھی۔ ہو سکتا ہے اس کی مدر نے اسے کچھ زیادہ پیٹ ڈالا ہو۔ ریحا نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

چلو خیر جو ہوا سو ہوا۔ تمہاری تسلی تو ہو گئی تمہارے تجربے میں اضافہ ہوا۔ تمہارے اندر کچھ بزرگی کے جراثیم داخل ہوئے۔ تانیہ نے آگے بڑھ کر بچی کے رخسار پر بوسہ دیا۔

دیکھیں۔ آپ نے بھی پیار کر لیا مگر اس پر کوئی اثر نہیں۔

اچھا اب چھوڑ بھی۔ ہو گیا تمہارا شوق پورا بس۔

مجھے تو اس پر بہت ترس آ رہا ہے۔ بے گناہ بے قصور بے بی۔ دل چاہ رہا ہے میں اسے خود ہی رکھ لوں اور اس کی اتنی کیئر کروں کہ اسے اور کسی کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔

اچھا بس خود کو سیکس روک لو۔ بہت ہو گیا۔ تمہارے اپنے بچے ہو جائیں گے تو بھوت اتر جائے گا۔ تانیہ نے جھاڑ تو آپا بھی مسکرانے لگی۔

☆☆☆☆☆
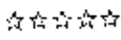
خالہ جان! آپ کراچی کس کے پاس گئی تھیں؟ جب میں پچھلی بار آپ سے ملی تھی تو آپ کراچی سے حیدرآباد واپس آ رہی تھیں۔ میں اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ کیا کراچی میں آپ کے کچھ رشتے دار رہتے ہیں؟ ماہ نور نے پوچھا۔

سارے نند کے بندوبست رشتے داری ہے بیٹی، کوئی خصوصی رشتہ دار نہیں ہے۔ کراچی تو میں اسپتال گئی تھی۔ مجھے ہر دوسرے مہینے چیک اپ کرانا ہوتا ہے۔ استانی نے جواب دیا۔

کیسا چیک اپ؟ ماہ نور کے ساتھ ساتھ قرۃ العین بھی چونک پڑیں۔

میری ریڑھ کی ہڈی کا آپریشن ہوا تھا۔

مائی گاڈ۔ آپ کی دیکھ بھال کس نے کی۔ اتنا سیریس آپریشن ہوتا ہے یہ تو۔ ماہ نور نے افسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

اللہ نے دیکھ بھال کی۔ اس سے اچھی دیکھ بھال کون کر سکتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ تجھ پر وہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا جو تو اٹھا نہ سکے۔ تکلیف کے وقت یہ احساس کہ وہ تکلیف نہیں دیتا۔ ہم اپنی تکلیف کا بندوبست خود کرتے ہیں۔ یہ اعتراف روح کو ہلکا کر دیتا ہے اور تکلیف برداشت کرنے کی ہمت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ بڑھیں پر یہی کہتی تھی کہ آپ نے ٹھیک کیا۔ میں اسی لائق ہوں گی۔ آپ پاک بیٹا ہر شک ہر الزام سے۔ میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔ آپ سے زیادہ نفیس اور پیارا دختر کون لکھ سکتا ہے۔ یہ خیال قائم ہوا تو اس نے قوت دے دی رحم کر دیا تھپک دیا معاف کر دیا آنسو پونچھ دیئے پھر تو تکلیف ہی ختم ہو گئی جیسے آسمان ہو گیا پھیلانا۔

استانی نے آنکھوں کے گوشے انگلی کی پور سے صاف کیے۔

ماحول میں ایک کشش کے اثر سے گویائی کم ہو گئی۔ گفتگو کا تاثر ہر شے سے جھلک رہا تھا۔ الفاظ تھے شور و آواز نہیں تھی۔ کسی یکتا کی لاجانی گویائی نے ہر شے پر غلبہ پا لیا تھا۔ دل کیسے بولتا ہے۔ گویائی کا کمال کیا ہوتا ہے۔ بڑا لاثانی علم ہے۔ جس کے دل پر نازل ہونے لگے۔ اس پر سرور کا ایک نیا جہاں منکشف ہوتا ہے۔

تو ٹھیک ہے اب آپ آئیں گی کراچی تو میرے گھر بھی مہمان ہوں گی۔ قمر النساء نے فوراً عود کر لیا۔ ان کے دل پر ابھی تک رقت طاری تھی۔

اگر میں یہ کہوں کہ میں آپ کی خدمت کر کے بہت بڑی خوشی حاصل کروں گی تو کیا آپ مجھے اس کا موقع نہیں دیں گی؟ ماہ نور نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

انشاء اللہ اب کراچی کا چکر لگا تو آپ کے ہاں حاضری لگے گی۔ محبت کرنے والوں کے درمیان بیٹھ کر کون خوش نہیں ہوتا۔ استانی نے جواب دیا۔

مظاہر کا دیا ہوا وقت ہو چکا تھا۔ انہوں نے سہ پہر تک پہنچنے کا کہا تھا اور یہ بھی کہ وہ استانی سے خصوصی طور پر مل کر شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ذرا جلدی آئیں گے تاکہ ان سے کچھ دیر بات چیت بھی ہو سکے۔

بہت نیک بچہ ہے۔ آپ بھی مل کر خوش ہوں گی۔ اب یہ دیکھیے سب لوگ بدنامی و رسوائی کے خوف سے اسے چھوڑ بیٹھے مگر وہ برابر اس کی خیر خیریت کی خبر رکھتا ہے۔ اتنا بڑا افسر ہے جانے اسے کہاں فرصت ملتی ہوگی۔ بہت پیار آتا ہے اس کے چہرے پر۔ کہنے لگا۔ میں ان خاتون سے ملنا چاہتا ہوں۔ جنہوں نے اس بے وقوف لڑکی کی بروقت مدد کی۔ جانے غلط ہاتھ میں پہنچ جاتی خدانخواستہ۔ قمر النساء بتانے لگیں۔

تمہارے ماموں کا بیٹا ہے ناں ماہ نور؟ قمر النساء نے اپنے علم کی تصدیق چاہی۔

جی اماں! ماہ نور نے جواب دیا۔

بہت خوشی سے آئیں۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے مگر ایک درخواست ہے آپ سے کہ میں چونکہ شرعی پردہ کرتی ہوں تو بس اس کا خیال رکھیے گا۔ عمر دار عورت ہوں مگر اکیلی رہتی ہوں بہت احتیاط اس لیے بھی کرتی ہوں۔ وہ میری اولاد کی طرح ہے۔ میں سمجھتی ہوں ماہ نور کا بھائی ہے تو میرا ہی بچہ ہے۔

ٹھیک ہے آپ جو پسند کریں۔ اصل بات تو صرف اتنی ہے کہ وہ سلام کرنا چاہتا ہے۔

بالکل سر آنکھوں پر۔

اسی دوران ایک بچی اوڑھنی سنبھالتی استانی کے گھر میں داخل ہوئی۔

باہر کالی موٹر آئی ہے۔ آپ کو پوچھتے ہیں۔ بچی نے سندھی لہجے میں استانی سے کہا۔

☆☆☆☆☆

مظاہر بھائی ہوں گے۔ ماہ نور بولی۔ استانی نے چادر سنبھالی اور اچھی طرح لپیٹ کر چہرہ چھپا لیا۔

آپ مہمان کو اندر بلائیں۔ وہ قمر النساء سے مخاطب تھیں۔

اچھی بات۔ قمر النساء بیرونی دروازے کی سمت بڑھیں اور ایک پٹ وا کر کے باہر جھانکا۔

وعلیکم السلام۔ ہاں آجاؤ تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ قمر النساء خوشی سے مغلوب ہو کر بے ساختہ آپ سے تم پر آگئیں۔

ماہ نور بھی ان کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ مظاہر کی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے نظریں جھکائے گھر میں داخل ہو گئے۔

ہاں ادھر کمرے میں آجاؤ۔ قمر النساء نے ان کی رہنمائی کی۔ تینوں آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے استانی نیچے چٹائی پر دروازے کی طرف سے پشت کیے منتظر بیٹھی تھی۔

السلام علیکم۔ مظاہر کی آہستہ اور گمبھیر آواز نے چھوٹے سے کمرے میں ارتعاش پیدا کیا۔

وعلیکم السلام۔ استانی نے جواب دیا۔ آواز بے حد آہستہ تھی۔ مظاہر مؤدبانہ کھڑے ہوئے تھے۔

بیٹا! آپ پلنگ پر تشریف رکھیے۔ وہ پھر دھیمی آواز میں مخاطب ہوئیں۔

آپ ادھر چٹائی پر بیٹھی ہیں تو مجھے پلنگ پر کیوں بٹھا رہی ہیں۔ میرے خیال ہم سب اس چٹائی پر بیٹھ سکتے ہیں۔ مظاہر نے ماہ نور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ماہ نور نے جیسے تائید کی اور تینوں چٹائی پر بیٹھ گئے۔

ماہ نور نے جس انداز میں آپ کا ذکر کیا تو خواہش ہوئی کہ آپ کو سلام کریں۔ آپ سے دعائیں اور آپ کا شکریہ بھی ادا کریں کہ اس کی جذباتیت نے اسے خطرات سے پر راستے پر ڈال دیا تھا۔ اللہ نے آپ کے ذریعے اسے یقینی تحفظ فراہم کیا اور یہ خیریت کے ساتھ اپنے فطری ٹھکانے پر پہنچ گئی۔ میں سمجھتا ہوں لفظ شکریہ آپ کے احسان کے مقابلے میں بہت حقیر سا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیے۔ آپ کے لیے میں ہر وقت حاضر اور تیار ہوں۔ مظاہر اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔ لیے دیئے سے مظاہر کا یہ انداز ماہ نور کے لیے قطعی اجنبی تھا۔

ماشاء اللہ بیٹے! میں نے آپ لوگوں پر کوئی احسان نہیں کیا۔ میں شکریے کی مستحق نہیں ہوں۔ قدرت نے اسے میرے سامنے لا کھڑا کیا۔ میں کیسے نظر بچاتی۔ بیٹے! روحانیت کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ کام کرتے نہیں ہیں کام لیا جاتا ہے۔ بہرحال آپ نے میرے لیے اچھا محسوس کیا۔ آپ نے مجھ پر احسان کیا یعنی آپ مجھ سے خوش ہوئے تو اللہ بھی مجھ سے خوش ہوا۔ قربت مزید بڑھ گئی۔ آپ سب لوگ میرے حق میں سعید ہوئے۔ دل و جان سے آپ سب کے لیے دعا گو ہوں۔ بیٹے! آپ مجھے کوئی پیرانی اللہ والی نہ سمجھیں۔ میں ایک عام سی عورت ہوں۔ کیونکہ تنہا رہتی ہوں اس لیے اپنے علم کے مطابق مصروفیات پال رکھی ہیں۔ رہی عزت وغیرہ تو میرے بیٹے! چھوٹے برتن میں دودھ کون ڈالتا ہے۔ قلب پر گاڑھ زنگ رگڑتی رہتی ہوں۔ کیا عجب کہ اللہ کی نگاہ میں آپ لوگ مجھ سے بڑے ہوں۔ آپ کی عمر مجھ سے چھوٹی ہے تو گناہ بھی مجھ سے کم ہیں۔ میں آپ کا بہت احترام کرتی ہوں۔ آپ تشریف لائے میرا اکرام کیا۔ میں تہہ دل سے آپ کی ممنون ہوں۔ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

آپ کے پاس لوگ خود کھنچ کر آتے ہیں۔ آپ کی یہ مقناطیسیت بے معنی نہیں ہو سکتی۔ یہ آپ کی انکساری ہے کہ آپ ہمارا احترام کر رہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ عام عورت نہیں ہیں۔ یہ مقناطیسیت تو بڑی محنت کے بعد انعام ہوا کرتی ہے۔ میں آپ کی دعاؤں کی خواہش ہے۔ مقبول دعائیں تو بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔ محترم خاتون ہمارے پاس مادی دنیا کے حوالے سے بہت کچھ

ہے۔ آرام دہ گھر، بہترین لباس، روپیہ پیسہ، چاہنے والے رشتے پھر بھی خوشی کا وہ احساس کہ فنکار شاہکار کے بعد قلم توڑ دے اور ابدی
مسرت کے احساس سے جھومنے لگے۔ کس طرح ملے۔ یہ وہ تڑپ کا پہاڑ ہے۔ جو مقدر سے ہاتھ لگتا ہے۔ اس تک رسائی کے لیے کیا
کرنا ہوتا ہے؟ مظاہر بہت جذب کی کیفیت میں سوال کر رہے تھے۔ جیسے انہیں یقین تھا کہ یہ تڑپ کا پہاڑ استانی کے پاس ہے۔ کمرے
میں سکوت طاری ہو گیا۔ قمر النساء اور ماہ نور مظاہر کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ یہ دنیا دار نوجوان اتنی گہرائی میں ڈوب چکا ہے؟

قربانی صرف اور صرف قربانی۔ دست برداری۔ آپ انسانی تاریخ پر نظر دوڑائیں۔ جس نسل میں قربانی کی بنیاد بھائی
دیتی ہے وہی سب سے معزز ہے۔ حدیث ہے کہ تم ایمان کی لذت نہیں پا سکتے جب تک اپنی پسندیدہ ترین شے راہ خدا میں قربان نہ کر دو۔
یہ ابدی مسرت کا راز ہے۔ اپنی مرضی سے کسی دباؤ کے بغیر اپنی ذاتی شے کسی کو دے دینا یہ قربانی ہے۔ قربانی کے عمل
سے گزرتے ہوئے انسان اپنے اندر خیر و شر کے عظیم معرکے سے دوچار ہوتا ہے پھر جب اس عمل سے گزر جاتا ہے تو روح کی لطافت
کی انتہا کو محسوس کرتا ہے۔ جو مادی زنجیروں میں جکڑ بندیوں سے نجات کا احساس دیتی ہے نجات کا یہی احساس دائمی مسرت ہے

واہ! مظاہر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ کتنی آسان وضاحت اور کتنا مشکل کام۔

"بے شک ہر کام مشکل ہے جب تک اللہ آسان نہ کرے۔ آپ نے دائمی مسرت کا راستہ پوچھا تھا۔ میں نے اپنے علم
کے مطابق بتا دیا۔ آپ اللہ سے توفیق مانگیے۔ میں دعا کرتی ہوں میرے بیٹے۔ استانی نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔

مظاہر سر جھکائے دوزانو بیٹھے تھے۔ بالکل خاموش ہو کر رہ گئے۔

انسان کی زندگی میں بعض اوقات کوئی کمی سی ہوتی ہے جو ہمیشہ پن کی طرح چبھتی رہتی ہے۔ اس چبھن سے کیسے چھٹکارا
مل سکتا ہے؟ حالانکہ بظاہر دیکھنے والوں کو اندازہ نہیں ہو پاتا کہ اس شخص کی زندگی میں کوئی کمی ہے۔ بلکہ اس کے آس پاس موجود بہت
سے لوگ اس کی زندگی پر رشک کر رہے ہوتے ہیں اور اس جیسی زندگی خدا سے مانگ رہے ہوتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف اس پن کی
چبھن کیا تھوڑ زندگی بہت بوجھل محسوس ہو رہی ہوتی ہے۔ مظاہر دو منٹ کے بعد ایک تسلسل کے ساتھ گویا ہوئے۔

بیٹے! ایک سوال کا جواب مجھے تم بھی دو پھر میں تمہیں جواب دوں گی۔ استانی نے کہا۔

فرمایئے۔ مظاہر ہمہ تن گوش ہو گئے۔

بیٹے! یہ میری تمہاری پہلی ملاقات ہے۔ تم نے مجھ سے بات چیت کیے بغیر بڑے دقیق سوال کر ڈالے۔ تمہیں یہ اندازہ
کیسے ہوا کہ میرے پاس تمہارے سوالات کے جوابات ہو سکتے ہیں۔ میں کوئی ڈاکٹر پروفیسر قسم کی پڑھی لکھی عورت تو نہیں ہوں۔ چھوٹی سی
پس ماندہ بستی میں بچوں کو قرآن پڑھانے والی ایک عام سی استانی ہوں۔ ان کی آواز اتنی آہستہ تھی کہ مظاہر کو بہت غور سے سننا پڑ رہا تھا۔

اس سوال کا جواب تو یقین کریں میرے پاس نہیں۔ بس اس گھر میں داخل ہوتے ہی یہ احساس ہوا تھا کہ یہ عام
گھر نہیں ہے۔ بہت عجیب سا تاثر پڑتا ہے۔ ایسا شاید مکین کی وجہ سے ہے۔ ورنہ گھر تو بس گھر ہوتے ہیں۔ کہیں صرف ضرورت
کے ساتھ اور کہیں تعیشات کے ساتھ۔

پھر ماہ نور کا تعارف کرانے کا انداز۔ جیسے وہ کسی استانی کا نہیں کسی روحانی ہستی کا ذکر کر رہی ہو۔ اسی باعث آپ سے
ملاقات کا اشتیاق بھی پیدا ہوا۔ خاص طور پر جب ماہ نور نے کہا کہ وہ تنہا ہیں اس کے باوجود میں نے آج تک کسی انسان کو اتنا مطمئن
اور خوش نہیں دیکھا۔ وہ اتنی خوش رہتی ہیں کہ جو ان کے پاس بیٹھتا ہے۔ اپنے دکھ بھول جاتا ہے۔ نہ وہ لطیفے سناتی ہیں نہ ہی مذاق کرتی
ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے۔ ماہ نور نے مجھ سے براہ راست نہیں کہا۔ یہ بات مجھے پاشا کی والدہ کے ذریعے معلوم ہوئی۔ ایک روز جب
میں ماہ نور کی خیریت معلوم کرنے گیا تو خالہ جان سے کچھ دیر بات چیت ہوئی تھی۔ مظاہر نے قمر النساء کی طرف یوں دیکھتے ہوئے

جواب دیا گویا کہہ رہے ہوں کہ کہا تھا نا آپ نے؟ قمر النساء مسکرا دیں۔

"جب میرے ذہن میں یہ نکتہ آیا تھا کہ آج کے دور میں انسانوں کے پاس سب کچھ ہے۔ علاوہ طمانیت قلب اور خوشی
کے، اور اگر یہ کسی کے پاس ہے تو اس کے پاس ضرور کوئی مخفی راز ہے اور وہ علمی لحاظ سے عام انسان نہیں ہے۔ میرے پاس تو
آپ کے سوال کا بس یہی جواب ہے۔" مظاہر اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

بیٹے! انتہائی شوق مطالعہ فطرت میں تجسس قرآن میں تفکر اور باعمل استاد۔ یہ تعلیمی لوازمات پورے ہوں تو قدرت تو
فیض دے ہی دیتی ہے۔ ورنہ علم کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ ہزاروں سال کی عمر ہو اور ہر لمحہ حصول علم میں صرف ہو تب بھی انسان علم کی
پہنائیوں کو نہیں ناپ سکتا۔ البتہ اگر اتنا علم مالک دے دے کہ زندگی آسان ہو جائے۔ یہ بھی بہت ہے۔ علم و دانائی کی مختصر ترین تشریح
یہ ہے کہ آپ اپنے دین دنیا کے ذکر سے اس طرح حاصل کریں کہ کسی کا نقصان نہ ہو حق تلفی نہ ہو۔ اتنا علم بھی بہت ہے۔

آپ نے درست فرمایا۔ آپ کی بات سے ایک سوال میرے ذہن میں یہ پیدا ہوا کہ آپ کا کوئی استاد بھی ہے؟
مظاہر نے پوچھا۔

جی بیٹے! بغیر استاد کے سینہ کہاں فراخ ہوتا ہے۔ استانی نے مختصر جواب دیا۔

وہ کہاں ہوتے ہیں؟ مظاہر جیسے چونک پڑے۔

کراچی ناظم آباد پٹرول پمپ کے قریب ہی ان کی رہائش ہے۔ استانی نے کہا۔

کیا عمر ہوگی ان کی؟ کراچی میں سن کر تو مظاہر کے اندر ایک نیا جوش پیدا ہوا۔

تقریباً ایک سو تین سال۔ بہت سکون سے جواب دیا گیا۔

تینوں کے تینوں بری طرح چونک پڑے۔ ایک سو تین سال؟

جی۔ حکمت فرماتے ہیں یہ ان کا آبائی پیشہ ہے۔ اتنی عمر کے باوجود نہ ان کی کمر میں خم ہے۔ نہ وہ دور یا نزدیک کی نظر کی
عینک استعمال کرتے ہیں۔ اکثر روزے سے ہوتے ہیں مگر دیکھنے والوں کو ہر دم تازہ دم دکھائی دیتے ہیں۔

آپ کتنا عرصہ ان کے قریب رہیں؟ مظاہر نے ان کی بات مکمل ہوتے ہی اگلا سوال کیا۔ بہت عرصہ سالوں مہینوں کا
اندازہ نہیں۔ بس یوں سمجھیے کالا سر لے کر ان کے آستانے پر گئی تھی۔ جب وہاں سے نکلی تو سر میں چاندی کے تار چمک رہے تھے۔
استانی نے پھر آہستگی سے جواب دیا۔

پھر تو آپ نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہوگا۔ ماہ نور نے بے ساختہ کہا۔

کوشش کی تھی۔ استانی کی آواز ہنوز آہستہ تھی۔

کیا وہ بیعت کرتے ہیں؟ یا ان سے ویسے بھی ملاقات کی جا سکتی ہے؟ مظاہر نے پوچھا۔

نہیں وہ کوئی سلسلہ نہیں چلا رہے۔ بس لوگ ان کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ کمال کا حافظہ ہے ان کا۔ کوئی ایک
بار ان سے ملاقات کر لے تو بھولتے نہیں ہیں۔ سڑک پر بھی ملے گا تو پہچان لیں گے۔ استانی نے بتایا۔

آپ نے ان سے کس طرح سیکھا؟ مظاہر کے اندر عجیب سی جستجو جاگ رہی تھی۔

بس ان کی خدمت کرتے ہوئے۔ لوگ ان کے پاس آتے جاتے باتیں کرتے۔ میں سنتی رہتی تھی۔

آپ ان کے پاس کیا کام کرتی تھیں؟

مجھے ان کی ذاتی خدمت کی سعادت حاصل رہی۔ آپ مجھے ان کی خادمہ تصور کریں۔ استانی نے مبہم سا جواب دیا۔

آپ سے ملاقات تو بہت بڑی خوش بختی ہوئی کہ آج کے دور کے نابغہ روزگار شخصیت بلکہ آپ سمیت شخصیات سے ملاقات و تعارف کے سلسلے ہوئے۔ کتنی آسودگی ہوتی ہے ان صحبتوں میں جہاں بیٹھ کر انسان حقیقی سکون کی مسرت سے ہمکنار ہوتا ہے آپ کے ملک کی نامی گرامی شخصیات ان کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوتی ہیں۔ جن لوگوں کو سب نے صرف اخباروں میں دیکھا پڑھا ہے۔ میں ان کے تجربوں سے واقف ہوں۔ اس ملک کی بڑی شخصیات میں صرف بدعنوان لوگ ہی نہیں ہیں۔ ایسے بھی لوگ ہیں جن کی دعائے نیم شبی سے شب فروزاں ہوتی ہے اور آہ سحر گاہی سے سحر کی آنکھوں میں کرب کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

واہ سبحان اللہ۔

پھر ان کی صحبت چھوڑ کر یہاں تنہائی میں کیوں چلی آئیں؟ مظاہر کو تعجب تھا۔

ان کے حکم پر۔ آپ فرماتے ہیں۔ بخیل ہے اور بدبخت ہے جس کے سینے میں ایسا علم ہے جو لوگوں کی فلاح کے کام آسکتا ہے۔ جس سے نقص امن کا خطرہ ٹل سکتا ہے۔ وہ اسے لوگوں تک منتقل نہ کرے اور ساتھ قبر میں لے جائے۔ آپ فرماتے ہیں امارے جلائے ہوئے چراغ لے کر بستیوں میں جاؤ جہاں اندھیرا زیادہ ہے۔ زندگی مقصد کے ساتھ گزارو۔ بے مقصد سانسیں پوری کرنا کوئی خوبی نہیں۔ کام تو چوپائے بھی کر رہے ہیں۔ آدم کی ساری اولاد اشرف المخلوقات نہیں ہے۔ جو خدا سے قریب ہیں۔ اس کے بندوں کے خیر خواہ ہیں۔ مقصد کے ساتھ زندہ ہیں وہی اشرف ہیں۔

صبح اٹھنا کھانا پینا باتیں ملنا پھر کھانا سونا پھر اٹھنا۔ چائے پینا ٹی وی دیکھنا ٹیلی فون پر تیری میری برائیاں کرنا فلموں ڈراموں فیشن پر تبصرے پھر سونا گھر کے کام بھی بیچ بیچ میں مگر وقت کا زیاں زیادہ۔ کسی طرح کہیں بھی تو اشرفیت کا پہلو نہیں نکل رہا۔ بچوں کو مہنگے اسکولوں میں پڑھانے سے تربیت کا حق ادا نہیں ہو جاتا۔ بچوں کو ان کی بے ہودگیوں پر یہ کہنا کہ ذاتی خود مختاری ہے ان کے ساتھ بہت زیادتی ہے۔ اس نرم مٹی کی مناسب دیکھ بھال بھی زندگی کا بہت بڑا مقصد ہے۔ بس اسی طرح کی تاکید و تلقین کرتے ہیں۔ بس یوں سمجھیں وہاں اخلاقیات پر بہت زور ہے۔ فرماتے ہیں جس کے اخلاق سنور جائیں اس کے لیے مذہب آسان ہو جاتا ہے۔

واہ سبحان اللہ۔ قمر النساء کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی بستیوں میں آپ جیسی شخصیت واقعی اندھیرے میں چراغ کی مثال ہے۔ مظاہر نے کہا۔

کوشش ہے بیٹے! اللہ قبول کرے اور میرے اعمال نامے کے بائیں پلڑے کا وزن ہلکا ہو۔ استانی کی آواز آخری لفظ تک پہنچتے پہنچتے بالکل معدوم ہوگئی۔

بیٹے! ابھی تو آپ کی عمر کچھ بھی نہیں۔ ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے؟ یہ کیا جستجو جاگ پڑی ہے ناصر۔ اللہ نے آپ کو خوب نوازا ہے۔ حسب نسب ہے شکل صورت ہے۔ رزق کشادہ ہے عزت کی روزی ہے ایک روز اچھا جیون ساتھی بھی مل جائے گا "ان شاء اللہ"۔ کیا محسوس کرتے ہیں آپ؟ استانی کے ذہن سے مظاہر کا سوال محو نہیں ہوا تھا۔ مظاہر نے نگاہ اٹھا کر قمر النساء و ماہ نور کی طرف دیکھا پھر نگاہ جھکالی۔

آپ کے خیال میں ایک نعمت یافتہ انسان کیا کمی محسوس کر سکتا ہے۔ آپ کے علم و اندازے کے مطابق اس میں کیا کمی ہو سکتی ہے۔؟ مظاہر نے الٹا سوال کر دیا۔ چند ثانیے ماحول پر خاموشی طاری رہی۔

"انسانی فطرت ہے کہ وہ فطری اصول کے ہمراہ چلے تو قلبی طمانیت حاصل رہتی ہے۔ کہیں کچھ فطرت سے ہٹ جائے دور ہو جائے تو انسان کے باطن میں کوئی دھونڈی پڑ جاتی ہے۔ کھلبلی سی مچ جاتی ہے۔ بے کلی کا دور دورہ ہونے لگتا ہے۔ فطرت کے سینے سے لگ کر تھپکی ملتی رہے تو فطرت قطرہ قطرہ پیمانہ بھرتی رہتی ہے۔ پیالہ بھرنے کی ٹپ ٹپ آواز آتی رہے تو بندہ پرسکون رہتا ہے۔ ٹپ ٹپ کی آواز اچانک رک جائے تو کیا ہوا؟ کیوں ہوا کی بے چینی لاحق ہو جاتی ہے بس اسی کو کمی کہتے ہیں۔"

"تو کیا یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کی زندگی میں ٹپ ٹپ ٹپکنے والا قطرہ کسی مقام پر ٹپکنا بند ہوا۔ آپ کے کسی فطری تقاضے کی تشفی نہیں ہوئی۔"

"ہوس بھی تقاضا ہے مگر یہ شر کی شکل ہے۔ جائز فطری تقاضا توازن اور خیر کی علامت ہے۔ میں آپ کے علم کی قدر کرتا ہوں۔ میں نے آپ کا بہت قیمتی وقت لیا مگر ایک بار آپ کے پاس پھر آؤں گا۔ مجھے اس کے لیے آپ کی اجازت چاہیے۔ مظاہر نے کھڑے ہونے کے لیے زاویہ بدلا۔

آپ میرے اپنے بچے ہیں۔ آپ کو کسی قسم کی اجازت کی ضرورت نہیں مگر کوشش کیجیے کہ آپ کے ہمراہ کوئی خاتون بھی ہوں۔ شریعت کہتی ہے اپنی بابت کسی کو غلط فہمی میں مبتلا مت کیجیے۔ ابھی اس بستی کے لوگوں نے علم سیکھنا شروع کیا ہے۔ اس اگر آپ تنہائی میں مجھ سے کوئی بات کرنا چاہیں تو میری طرف سے ہر وقت کے لیے اجازت ہے۔ بس اس گھر میں کسی خاتون کے ہمراہ داخل ہونا شرط ہے۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا، اس بستی کے لوگ مجھ پر بھروسا کریں گے تب ہی میری بات پر توجہ دیں گے۔

بہتر میں آپ کی تاکید یاد رکھوں گا۔ اب ہمیں اجازت دیجیے۔ بہت ضروری کام ابھی باقی ہیں۔ آپ کو کافی زحمت دی مگر دوبارہ کا خواستگار ہوں۔ معذرت خواہ نہیں ہوں۔ مظاہر سو دبانہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

بیٹے! آپ اتنی دور سے تشریف لائے کچھ چائے ٹھنڈا ورنہ مجھے ندامت رہے گی۔ استانی عائشہ نے انھیں اگلا قدم اٹھانے سے روکا۔

کسی قسم کی زحمت و تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ سے مل کر جو خوشی ہوئی اس کا کوئی بدل نہیں پھر بھی۔ آپ صرف ٹھنڈا صراحی مٹکے کا پانی پلا دیں تو یہ بھی ہمارے لیے عزت کی بات ہے۔ مظاہر کو ان کی پردے کی حاجت کا بھی احساس تھا۔

نہیں بیٹے! مہمان کا احترام کرنا تو فرض ہے۔ پانی ضرور پئیں مگر میں چائے بھی بناتی ہوں۔ وہ اس انداز میں چادر سنبھال کر اٹھیں کہ انھیں باز رکھنا مشکل ہوا۔ ماہ نور بھی ان کے پیچھے چل پڑی۔ کمرے میں مظاہر و قمر النساء اپنی اپنی جگہ خاموش تھے۔

پاشا کی اطلاع ہے؟ تھوڑی دیر بعد مظاہر نے قمر النساء سے سوال کیا۔

ابھی تو کوئی اطلاع نہیں ہے۔ اس کا دوست ریڈی پیسے لینے آیا تھا۔ شاید ایک دو روز میں ضمانت ہو جائے۔ وہ گہری سوچ کے دوران گویا ہوئیں۔

خط وغیرہ آتا ہوگا۔

جی بیٹا! بس ایک ہی دفعہ آیا تھا خط۔ باقی خیر خیریت اس کے دوست ٹیلی فون پر بتا دیتے ہیں۔ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

ایک بات ہے بیٹا! تمھیں دیکھ کر مجھے یہ کہ ماہ نور کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے۔ نفلی نیک شریف اور ہمدرد بچی ہے۔ کسی بات کی کمی نہیں چھوڑی قدرت نے۔ بہت اکیلی ہوگئی ہے۔ تم نے جس ہمت و حوصلے کے ساتھ اب تک کام لیا بڑا ہے پکڑے رکھنا۔ ہمارے گھر کے دروازے تمھارے لیے ہمیشہ کھلے ہیں۔ تم سے ماہ نور کو بھی بہت حوصلہ رہتا ہوگا۔ منہ سے نہیں کہتی مگر اپنا سمجھتا ہے۔ وہ بھی ان حالات میں جب اپنوں نے دور کر اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ جلدی جلدی چکر لگا لیا کرو۔ کاش ایسا میرا بیٹا میرے پیٹ سے پیدا ہوتا۔

میں آپ ہی کا بیٹا ہوں۔ جو توقعات کوئی ماں اپنے بیٹے سے کر سکتی ہے آپ مجھ سے کر سکتی ہیں۔ نیت صاف منزل آسان۔ میری نیت میں خلوص ہوگا تو آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔ مظاہر نے ان کا حوصلہ بڑھایا۔

جیتے رہو۔ اللہ دین دنیا کی بھلائی سے نوازے۔ آمین۔ انہوں نے ایک گہری سانس لے کر خاموشی اختیار کر لی۔ مظاہر نے بھی خاموش ہو رہے۔ کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ مظاہر رسٹ واچ پر نظر دوڑانے لگے۔

عین اسی وقت ماہ نور چائے کی ٹرے کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

ابو کچھ تو منع کیے لیے نہیں تھا جو آپ کو پسند آتا۔ دودھ پتی کی چائے بنا دی ہے۔ امید ہے آپ کو پسند آئے گی۔

آپ نے تکلف کیا۔ اس گھر کا پانی پینا بھی ہمارے لیے تو سعادت ہے۔ مظاہر نے مؤدبانہ کہا۔

تو آپ کا وعدہ ہے نا۔ آپ جب بھی کراچی آئیں گی تو ہمارے غریب خانے پر تشریف لائیں گی۔ قمر نے یاد دہانی کرائی۔

انشاء اللہ۔ استانی نے انہیں مطمئن کیا۔

آپ نے بتایا تھا کہ آپ چیک اپ کی غرض سے کراچی جاتی رہتی ہیں۔ جب آپ کراچی جاتی ہوں گی تو اپنے مرشد سے ملنے بھی تو جاتی ہوں گی؟ قمر النساء نے پوچھا۔

جی سلام کرنے جاتی ہوں۔ اس کی اپنی ایک خوشی ہے۔ استانی عائشہ نے جواب دیا۔

تو اس مرتبہ ہم بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔ ہم تو دعاؤں کے بھکاری بن گئے ہیں۔ قمر النساء نے گلوگیر آواز میں کہا۔

دعا میں لینا تو نیک شگون ہے۔ یہ بھی مقدر سے ملتی ہیں۔

بیٹا! آپ کے ذرائع کو چونے بھجوا دی تھی۔ کبھی آپ خیال کرتے ہوں۔ استانی نے قمر النساء اور مظاہر سے باری باری کہا۔

جی شکریہ اس توجہ پر۔ اسی دوران چائے تمام ہوئی اور انہوں نے اجازت چاہی۔

☆☆☆☆☆
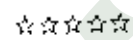
کروٹیں بدل بدل کر وہ تھک گئی۔ آج صبح دیر تک پڑی سوتی رہی تھی تو دو پہر کو نیند کہاں آتی۔ اس نے گھڑی کی سمت دیکھا چار بجنے والے تھے۔ شام ہی ہو چلی تھی ایک طرح سے۔ اس نے سرہانے پڑا دوپٹہ اٹھایا اور نیچے چلی آئی۔ سامنے صوفے پر منی بے سدھ سو رہا تھا۔ گھر میں پر ہول سناٹا طاری تھا۔ اس پر عجیب سی بوریت طاری ہو گئی۔ اس نے کچن میں جھانکا۔ کچن سمٹا ہوا تھا۔ چم چم کر رہا تھا۔ ہانڈیاں اوون پر دھری تھیں مگر اس طرح سے گویا ابھی تک انہیں کھولا ہی نہ گیا ہو۔ اس نے ناشتہ بہت لیٹ کیا تھا اس لیے دو پہر کو صرف فیک پی کر لیٹ گئی تھی۔ وہ ہانڈیوں کے نزدیک آئی اور ڈھکن اٹھا اٹھا کر دیکھنا شروع کیا۔ ایک میں قیمہ دوسری میں مٹر پلاؤ اور تیسری میں کوئی سبزی تھی۔

پکتا رگولر ہے مگر رگولر کھایا نہیں جاتا۔ ایسا لگتا ہے نوکر نوکروں کے لیے پکاتے ہیں۔ اس نے سوچا اور فریج کھول کر جنس کریم کا پیک نکالا پھر ایک باؤل میں نکال کر وہیں کھڑی ہو کر کھانے لگی۔ کہیں کھانا تو کھانے والے نہیں کہیں کھانے والے ہیں تو کھانا پورا نہیں۔ بڑی ناں تو بہت حساب کتاب سے بناتی ہیں۔

اتنے ہی گھر میں ہیں تو اتنے چار نہ اتنا گوشت سب باہر ہیں تو فریج میں پڑے سالنوں سے ایک نئی ڈش تیار۔ اب تو نمیرہ ولی وغیرہ کھا لیتی ہوں گی۔

مون کا دھیان آتے ہی اس کا ذہن انیکسی کی طرف چلا گیا۔ چلو وہیں ... ٹائم پاس کریں۔ کیوٹ سی بے بی کے ... سامنے آئس کریم کا پیک واپس رکھا اور باؤل میں پڑی آئس کریم جلدی جلدی تمام کی اور انیکسی کی طرف چل پڑی۔

انیکسی کی طرف قدم بڑھاتے ہی اس کی نظر پورچ میں پڑی ... کی طرح چونک پڑی۔ مون کی گاڑی کھڑی تھی۔

ہیں یہ کب آئے۔ گاڑی کی آواز تو نہیں آئی کچن میں۔ وہ اوپر دوڑی مگر بیڈ روم خالی تھا۔ اس نے باتھ روم کا دروازہ پہلے چیچپایا پھر ہینڈل گھما کر دھکیلا۔ اندر کسی قسم کی آواز نہیں تھی۔ اس نے سر اندر کر کے تانک جھانک کی پھر دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔ ممی ڈیڈی تو اسلام آباد میں ہیں ان کے کمرے میں ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر کہاں گئے؟ منی بھی گھر میں نہیں ہے۔

اف۔ میرا خیال ہے ان کی گاڑی خراب ہے۔ شاید وہ منی کے ساتھ گئے ہوں گے۔ ممی ڈیڈی کی گاڑیاں بھی کھڑی ہوئی ہیں۔ وہ گہری سانس لے کر دوبارہ نیچے آ گئی اور انیکسی کا رخ کیا۔ اس نے دروازے پر دستک دی تو ذرا دیر لگی دروازہ کھلنے میں۔ آیا نے سر باہر نکالا اور اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ جوریا کی سمجھ میں تو نہیں آیا ورنہ تو عورت اسے دیکھتے ہی بڑی خوشی سے مسکراتی تھی۔

بی بی آپ! یوں محسوس ہوا جیسے وہ مہلت لے رہی ہو۔ اس نے گردن موڑ کر اندر بھی دیکھا تھا۔

اس دوران میں ریا نے خود ہی دروازہ دھکیل دیا تھا اور اندر داخل ہو گئی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے ایک حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ مون بچی کو کاٹ میں لٹا رہا تھا۔

آ۔ آپ؟ ریا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ایک لمحے کو تو جیسے مون بھی گڑبڑا گیا۔

ہاں وہ ڈیڈی نے کہا تھا انیکسی میں وائٹ واش کرانا ہے تو ایسے ہی وقت ملا تو سروے کرنے آ گیا کہ کتنا کام ہے مگر میں دیکھ رہا تھا کہ کافی کام ہے کریک وغیرہ کا رنگ تو بالکل ختم ہے زنگ آ گیا ہے۔ اس نے بہت سنبھل کر آمد کا جواز پیش کیا۔

ریا کو تو یقین آ ہی جاتا تھا۔ وہ گردن ہلا کر کاٹ کی طرف بڑھ گئی۔

کیا سو رہی ہے؟ ریا نے اس کے رخسار چھوئے۔

نہیں۔ اس کی نیند ہی بہار ہی ہوں۔ دودھ پی کر سوئے گی۔

روتی تو نہیں ہے زیادہ؟ ریا سیدھی کھڑی ہو کر پوچھنے لگی۔

نہیں۔ بلکہ مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ اتنی سی بچی میں بلا کا صبر ہے۔ ٹائم سے دودھ دیتی ہوں۔ ذرا آگے پیچھے ہو جاؤں تب بھی چپ چاپ پڑی رہتی ہے۔ پھر بڑا ترس سا آتا ہے۔

ہاں بھئی۔ خیال رکھا کرو۔ ویسے بھی بے چاری ہی ہے۔ نہ ماں نہ باپ۔ چچ چچ۔ کیوں مون؟ دیکھا کتنی کیوٹ ہے۔ آپ سروے کرنے آئے مگر بڑا کام بھول گئے ہیں پیار کرنے لگے۔ تب ہی تو کہتی ہوں اسے کوٹھی میں لے چلتے ہیں۔ بے کار تو رہتی ہوں۔ اس میں مصروف ہو جاؤں گی۔ ریا نے بچی کی طرف پیار سے دیکھا۔

اللہ جلد آپ کی گود ہری کرے۔ اب کچھ دنوں بعد آپ اپنی اولاد کو کھلائیں گی انشاء اللہ۔ یہ بے چاری بھی پل ہی جائے گی۔ بظاہر تو نصیب میں تختی دکھتی ہے مگر اس مالک کی بڑی شان ہے۔ اس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ جانے کب کسی کی تختی کوڑی میں بدل دے۔

جب اس کے ساتھ کھیلتی ہوں یہ ہنستی ہے تو بس یہی خیال آتا ہے کہ جوان ہوگی تو جانے کن ہاتھوں میں جائے گی۔ اللہ بیگم صاحبہ کو لمبی عمر دے۔ جب تک وہ زندہ ہیں۔ سمجھو اس کے سر پر سائبان ہے۔ آگے کے لیے بس دعا نکلتی ہے۔

تم اتنا نیگیٹو نہ سوچا کرو۔ ہم اس کا خیال رکھیں گے ہے نا مون؟ اس کو بہترین اسکول میں داخل کرائیں گے۔ میں اچھی ہوگی تو ہو سکتا ہے۔ کیریئر وومن بن جائے پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ ایک پڑھی لکھی کیریئر والی عورت خود کو بہت اچھی طرح سنبھالنا سیکھ جاتی ہے۔ اس کی عزت بھی بہت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ڈپنڈنٹ نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ہے نا مون؟ اس نے پھر مون کی تائید چاہی۔

میں تو خود ڈاکٹر بننا چاہتا۔ میرا مطلب ہے چاہتی تھی۔ وہ بولتے بولتے گڑبڑائی۔

مگر بڑی اماں کو ہر وقت میری شادی کی فکر رہتی تھی۔ ارے جیتے جی اس کے ہاتھ پیلے کردوں۔ اس نے بڑی اماں کی نقل اتاری تو آپا مسکرا پڑی۔ مون بس خاموش تھا۔

خدا کرے ایسا ہی ہو، اللہ اس کے نصیب اچھے کرے۔ آمین۔ آپا نے دعا دی۔

بس اسے پتا نہیں چلنا چاہیے کہ وہ ملا چاختم کی ہے۔ اس سے یہ پزل ہو جائے گی پھر اپنا کیریئر نہیں بنا سکے گی۔ بے چاری خوامخواہ گلٹی فیل کرے گی۔ حالانکہ اس کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ کیوں مون؟ وہ پھر مون کی طرف متوجہ ہوئی۔

ہوں۔ وہ کھوئے کھوئے انداز میں ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

پیسوں وغیرہ کا تو کوئی مسئلہ نہیں؟ مون نے بچی کی طرف دیکھتے ہوئے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال دیے۔

نہیں جی بیگم صاحبہ ضرورت کی ہر چیز تیار رکھتی ہیں۔ کپڑے وغیرہ بھی لاتی رہتی ہیں۔ ابھی تو صرف یہ دودھ پیتی ہے۔ بیگم صاحبہ اکٹھے ڈبے دے جاتی ہیں۔

اور یہ مون نے دل ہی دل میں ماں کو سراہا (مگر شاید یہ اس لیے کہ وہ اسے کسی کی اولاد سمجھے ہوئے ہیں۔ ورنہ شاید صورت حال کچھ اور ہوتی) بعض انسان کی انا اور نسل پرستی کہاں کہاں کمپرومائز پر مجبور کر دیتی ہے۔ اس نے سوچتے ہوئے ربیا کی طرف دیکھا۔

چل رہی ہو یا ابھی بے بی سے کھیلو گی۔

آپ کیا آفس جائیں گے واپس؟ ربیا جاتے جاتے پوچھا۔

نہیں بس آفس سے تو آج جلدی آ گیا تھا۔ سائٹ پر بہت کام تھا۔ تھک گیا۔ اب آفس میں بیٹھنے کا موڈ نہیں بنے گا۔ ریسٹ کروں گا۔

کھانا کھایا آپ نے؟ ربیا کو یکدم دھیان آیا۔

نہیں۔ کیا بنا ہے گھر میں؟ وہاں سائٹ پر تو ہوٹل کا کھانا تھا تیز مرچوں والا۔ اس لیے نہیں کھایا۔

گھر پر تو کھانا بالکل تیار ہے۔ چلیں میں نکال لاتی ہوں۔ ربیا اس سے پہلے دروازے کی سمت بڑھی۔ مون کی چال خاصی سست تھی۔

☆☆☆☆☆

اے بچی لا میں تیری اوڑھنیوں کو ٹھیک کروں۔ مارتھان لپیٹے پھرتی ہے۔ کتنی اوڑھنیاں ہیں تیرے پاس؟ بڑی اماں باگی سے مخاطب تھیں جو فرش پر آلتی پالتی مارے گٹے کھیلنے میں مگن تھی۔

اوڑھنی؟ اس نے الجھ کر بڑی اماں کی طرف دیکھا۔

اے دوپٹا کو بول رہی ہوں۔

دوپٹا۔ وہ سمجھ گئی کہ دوپٹے کا پوچھ رہی ہیں۔

لے کر آ دو تو۔ جھوٹا پیارا یہی جا کیا ان میں سے۔ روز بدلا کر دھو کر ڈال دیا کرتا؟ جا لے کر آ۔ اماں تیری کیا کر رہی ہے۔ آٹھ دس گھنٹوں میں گھر سیٹ تو ہو جاتی ہوگی اور کیا۔ اسے بول مہینے کا سودا رکھا ہے۔ بیسن چھان کر رکھ دے ڈبے میں۔

باگی اوپر دوڑ گئی۔ لڑکی ذات کا بھلا کیا کام دوڑ لگانے کا۔ پر کسی کی تربیت ہو تو بات ہے۔ جو تربیت سے ... سردار

ہیں وہ بھی بے استاد رہے عمر بھر۔ بڑی اماں تاسف سے بڑبڑا رہی تھیں۔ تھوڑی دیر باگی اپنی ماں کے ساتھ نیچے چلی آئی۔

بیوی صدقہ دینے والوں کو ثواب ملا کرتا ہے۔ کھانے والوں کو نہیں سنا۔ لقمہ حلال کرنے کا خود سے بھی سوچ لیا کرو۔ عرش پر چڑھی بیٹھی رہتی ہو۔ نیچے آ کر بھی جھانک لیا کرو کہ خبر نہیں کوئی کام دھرا ہو۔ بڑی اماں نے آڑے ہاتھوں لیا۔

بس میں اترنے ہی والی تھی۔

ہاں بس سامنا پڑ گیا تو صاحب اچھے تو ہیں؟ والا حساب ہو گیا۔

ساگ تو میں نے کاٹ لیا تھا۔ بڑے میاں سے پوچھا۔ بولے نہیں اور کچھ نہیں۔ میں اوپر چلی گئی۔ موتی کی ماں نے گھگھیا کر وضاحت کی۔

کچن میں مہینے کا سودا دھرا ہے۔ اس میں بیسن بھی ہے۔ سارا چھان کر بیسن کے ڈبے میں بھر دو۔ ڈبہ بابا سے لے لینا۔

بڑے میاں تو وہ ہیں اللہ کے۔ مگر سب انہیں بابا کہتے ہیں۔ گود کھلائے ہیں ہمارے سب بچے کوئی انہیں نوکر کی طرح مخاطب نہیں کرتا۔ گرہ میں باندھ لو۔ لگتا ہے ساری عمر سونے میں گنوادی۔ ادھر ادھر بھی دیکھ لیا ہوتا تو گزارے لائق عقل تیز آ ہی جاتی۔ دالیں سب والوں کے ڈبے میں بھر لینا پھر روز ایک دال صاف کرنا۔ ہم دالیں صاف کر کے رکھتے ہیں۔ دھونے والی شے دھو کر رکھتے ہیں۔ فریج میں سہولت رہتی ہے۔ جو جو کام کرو ساتھ دماغ میں بٹھا لیا کرو۔ بار بار بولنے کی ضرورت نہ پڑے۔ فائدہ کیا نوکر چاکر کا جب اپنا دماغ ہی خالی ہو جائے۔ بہت پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹے کان۔ اے ہاں سمجھ گئیں۔

جی مالکن۔ عورت نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

وہ مون کدھر ہے۔ چھت پر کپڑے سوکھ گئے ہوں گے اتار لائے اور تہہ بنوائے میرے ساتھ۔

وہ بول رہی تھی باغ میں جھاڑو لگانے جا رہی ہوں۔ سوکھے پتے بہت پڑے ہیں۔ آتی ہوگی۔

انگنائی کی بھی جھاڑ دینا نا ہوگی؟ بہت دھول اڑی ہے آج دن بھر۔ موتی کی ماں نے پوچھا۔

اب دھری ہیں انگنائیاں۔ بس یہ لاؤنج اور برآمدے۔ شاید تو برآمدے کو انگنائی بولی۔ اب تو آرام طلبوں کی سہولت کے لیے گھر بنتے ہیں۔ ہر کمرے کے ساتھ غسل خانہ، کپڑے کی الماری، کپڑے بدلنے کی جگہ مارو اور سنگھار ڈریسنگ ہو گئی۔ گھر آؤ بڑے قفل میں گھس جاؤ۔ حاجت پڑے تو چھوٹے قفل میں۔ کوئی آ گیا تو سجی ہوئی بیٹھک میں بیٹھ گئے۔ کھانے کا وقت ہوا تو میز کرسی کی سزا ملے گی۔ زیادہ ہی ٹھنڈی ہوا کھانے کا شوق چرایا تو باغ میں کرسیاں ڈال کر بیٹھ گئے مگر وہاں بھی چین نہیں۔ گھڑی گھڑی کے ٹیلی فون مارا ٹھپ شروع۔ یہ ہے نیا زمانہ۔ کہاں دھری ہیں اور ٹھنڈی پانی چھڑکی انگنائیاں۔ پھولوں کی کیاریوں اور ٹھنڈے پانی کے مٹکوں والی۔ اے ہے۔

ہمارے گوٹھ میں تو ابھی بھی ہوویں۔ بڑی بی بولی۔

ہاں گاؤں گوٹھوں میں تو پھر بھی قدرتی رنگ ابھی موجود ہے مگر کے دن کا۔ جدھر دیکھو پہنچ گیا ادھر خرابی شروع۔

سچ بولیں آپ۔ وہ ادھر ریاض بابا کے گھر ان کا نوکر لگتا تو نہیں ہے نوکر سوٹ بوٹ پہن کر رکھتا ہے۔ قسمی بولیں اسے۔ بھری دوپہر میں ٹی وی لگا کر لیٹ جاتا ہے۔ توبہ توبہ عورت کے پاس تو کپڑا ہی نہیں۔ میں تو چھوکریوں کو بولتی تھی خبردار ٹی وی کے آگے بیٹھیں۔

کپڑے پر یاد آیا کہ اس کی اوڑھنیاں چھوٹی کر رہی ہوں۔ بچی کپڑے ہی میں الجھی رہتی ہے۔ مارکون سے پھول بوٹے لگے ہیں ابھی۔ سال دو سال بعد دے دیجیو بڑی اوڑھنی۔

آپ مائی باپ ہیں مالکن۔ عورت نے ہاتھ جوڑ کر کہا اور اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔ چند لمحوں بعد موتی داخل ہوئی۔

اس ہاتھی چھیلی کی اوڑھنی کی عمر نہیں۔ تجھے ابھی تک اوڑھنی کا سلیقہ نہیں، لگائی سب طرف کی جھاڑو۔

سب تو لگ گئی بڑی اماں! گیٹ سے باہر بہت کچرا جمع ہو گیا ہے۔ پوچھنے آئی ہوں گیٹ سے باہر جھاڑو لگا لوں۔ آندھی تیز ہوا چل رہی تھی ناں سب جگہ کا اڑا اڑ کر ہمارے گھر کے سامنے جمع ہو گیا۔

گیٹ سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ بابا کی نظر پڑے گی تو لگا لیں گے اور یہ چلتی کس طرح سے ہے جیسے ٹوٹی ہوئی شاخ ٹل رہی ہوں۔ قدم جما کر چلا کر۔ ماریوں چلتی آتی ہے۔ جیسے کوئی کشتی جھومتا چلا آ رہا ہے۔

بڑی اماں! جھومتا ہوا کشتی کہاں دیکھا تھا؟ اظہار دالان میں آ کر کرسی پر بیٹھ چکا تھا اور شوشا تار رہا تھا۔

"ارے میاں نہیں کیے بار اتیں تو دیکھی ہیں۔ اندازہ تو ہے اور بیگم آج دن کی روشنی میں کیسے؟"

آج کو چنگ نہیں ہو۔ مزے کریں گے گھر میں۔ وہ آرام سے پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔

بھابھی اور بچوں سے رونق رہتی تھی گھر میں۔ اس نے چاروں اور نظریں گھمائیں۔

ارے سب سے زیادہ رونق تو میرے چاند کی ہوتی ہے۔ ماشاء اللہ ہنستا ہنساتا رہتا ہے۔ جاتے جاتے بولا۔ بڑی اماں دالان میں جھولا ڈلوالیں اور ایک بانسری منگوا لیں۔ اب تو گھر میں کئی نوکر ہیں۔ آپ جھولیں اور بانسری بجائیں چین کی۔ میں بولی چل ہٹ۔ گھر میں ہزار نوکر ہوں دیکھا بھال تو کرنا پڑتی ہے اور اب میرا ابھی کیا بھروسا۔ سوچ رہی ہوں ظہیر کا معاملہ جلدی نمٹا لوں۔ ظہیر کی دلہن آ جائے تو بے فکری ہوئی۔ پر سوال سچ ہے ظہیر کی چھٹی ہوتی ہے۔ چلی چلوں گی اور بات ٹھہرا کر ہی آؤں گی۔ انشاء اللہ اب تم ریا کے کان میں مت پھونک دینا۔ پھر کوئی رو ڈی چلی آئے گی۔ میں اکیلے میں کچھ سمجھانا چاہتی ہوں۔ لونڈیا نے مردوں کی طرح گھر بار سنبھال رکھا ہے۔ کچھ تو وہ بھی سوچتے ہوں گے۔ نہیں اعتماد میں لینا ہوگا۔ ان بے چاروں کی بھی مجبوری ہے ورنہ کون بیٹیوں کی کمائی خوشی سے کھاتا ہے۔

میرا خیال ہے اب تو ان لوگوں کی بھی کوئی خاص مجبوری نہیں۔ ان کے لڑکے گھر چلانے کے قابل ہو گئے ہیں۔ اظہار نے کہا۔

نو بہ دلہن کلستی چلی گئیں۔ ان کے سامنے کوئی رسم ہو جاتی تو خوش ہو جاتیں۔ ریا کی شادی میں نگلی ہی آپ دھولی پڑ گئی تھی۔ میں سوچتی تھی ہفتے بھر ڈھولکی بجے گی۔ دلی والی ساری رسمیں ہوں گی۔ ہاں تو اتنا حساب پڑ گیا۔ انگریزوں کی طرح کھڑے پیر شادی نمٹائی۔ ارے اللہ بھلا کرے تیرا بادشاہ اپنی ٹیک ہے تیرے بس اب تو یہی کہنا پڑے گا اے بیٹے۔ انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

چھوڑیں بڑی اماں! بس شادی ہی تو ہو رہی ہیں۔ آپ لوگ تو اللہ کی ساری مخلوق کو تو او کر لیتے ہیں۔ شادی کسی کی ہوئی ہے۔ سارے خاندان میں آفت مچی ہوئی ہے۔ میں تو بارات کے لیے غرارہ بنوا رہی ہوں۔ تم کیا پہنو گی؟ انہوں دا سر پر کر کے دوسری انعام کر جواب دیتی ہے۔ ای کہہ رہی تھیں تم نے عید پر بہت اچھا سوٹ بنایا تھا۔ ویسے میں وہی پہن لیتا۔ مہندی میں تو حید رآبادی سوٹ بہت اچھا لگتا ہے۔ بھولی آپا نے صلاح الدین ماموں کی مہندی میں پہنا تھا۔ سب لوگ تعریف کر رہے تھے۔ ان کی تو مانت بھی کم ہے۔ میری مانت تو اچھی ہے۔ مجھ پر تو اور زیادہ اچھا لگے گا۔ اظہار نے لڑکیوں کی نقل اتاری۔

توبہ ہے اظہار! کیا لونڈیوں میں بیٹھک رہتی ہے جو ساری باتیں پتا ہیں؟ بڑی اماں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

سارے خاندان میں کھلبلی مچی ہوتی ہے۔ پتا ہی نہیں چلتا اصل شادی والا کون سا گھر ہے۔ جدھر جاؤ شادی کی تیاری۔ کس قدر فالتو وقت ہے لوگوں کے پاس میاں۔ جب ہی تو یہ مثل مشہور ہوئی کے بے گانی شادی میں عبداللہ دیوانہ۔ حالانکہ عبداللہ کا

پورا خاندان دیوانہ ہوتا ہے۔

اچھا بس۔ انہی رشتوں رسموں کے بہانے لوگ ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔ انہیں نکال دو تو رہ ہی کیا جاتا ہے۔ تعلق داری کا دور تک فائدہ ہے۔ جہاں ان سے ہٹ کر بات ہوتی ہے۔ انوکھی ہوتی ہے۔ اب ماہ نور کا بھی یاد ہوا ہے۔ بغیر نکاح کے تو نہیں بس مگر معاشرے کے رواجوں سے ہٹ کر کام ہوا تو دار سے بچھڑی کونج بن کر رہ گئی۔ اب جو بھی اس سے تعلق کرے وہی ملعون۔ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی مجرم۔ حالانکہ دنیا کو پتا ہے کہ عزت دار گھر کی شریف بچی ہے مگر شریں پھیلانے والے کہتے ہیں کہ شرافت کیا ماتھے پر لکھی ہوتی ہے۔ اب اسکی کیا ہے اب ہر پارسا عورت پیغمبر کی بیوی تو نہیں کہ آسمان سے سند اترے۔

جہالت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اپنے گھڑے ہوئے قانون جن کا مذہب سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ بھاگی ہوئی اغوا کی ہوئی ایک برابر یہ کہاں کا انصاف ہے۔ میں تو ماہ نور آپی سے ملنے ضرور جاؤں گا۔

خبردار امام بھی زبان پر نہ لانا۔ بڑی اماں نے ڈپٹ کر کہا۔ عزت دار گھرانوں میں ایسی مظلوم لڑکی پر ناتھ پڑھ لی جاتی ہے۔ ہم نے بھی سینے پر پتھر رکھا ہے۔ آسان نہیں ہے یہ کچھ جھیلنا۔ مگر جھیلنا پڑتا ہے۔ وہ یہ ہم ہوئی۔

فرض کریں ہم معاشرے کے اس گندے قانون کو توڑ دیتے ہیں۔ تو لوگ ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ ہمارا رزق معطل ہو جائے گا۔ ہمیں نوکریاں نہیں ملیں گی؟ اظہار نے لاابالی پن سے پوچھا۔

"یہ کچھ نہیں ہوگا مگر کل کو جب گھر آتی بہو کی تو پیچھا کریں گی آوازیں عزت دار لوگ رشتے دیتے کرتے گھبرائیں گے کہ ان کے خاندان میں یہ بھی ہوا ہے۔ پتا نہیں اور کیا کیا ہوا ہوگا۔ آج کی باتیں نہیں ہیں سوچنے کی۔ آنے والے وقت کا سوچنا ہوتا ہے۔ جو ابھی دنیا میں نہیں آئے ان کا سوچنا ہوتا ہے۔ ان بے گناہوں اور معصوموں کا جن سے نسل آگے بڑھے گی۔ پرکھوں کی کمائی آنے والوں کے لیے ہوتی ہے۔ جن کو حسب نسب ہوتا ہے۔ وہ یہ باتیں سوچتے ہیں۔ جن کا آگے پیچھے نہیں ہوتا انہیں دھیان نہیں ہوتا ان باتوں کا۔ آئی کچھ عقل میں۔ عمر بھر بے سمجھے نٹ بنے رہو گے۔ میرے منہ میں خاک کل کو خاندان نہیں ملا (سنبھالا)"

بڑی اماں نے کلاس لی۔

"خاندان؟" ماں گاڑ وقیلی کو تو ڈکیا مختصر سا پڑتا ہے۔ خاندان تو ایسا لگتا ہے۔ ایک موگیا روہندوں پر مشتمل قبیلہ اور اس کی سرداری ہماری۔ بڑی اماں فیملی کہہ کر بات کیا کریں۔ خاندان سن کر تو دن بیٹھنے لگتا ہے۔" جیسے ہاتھی کا پاؤں سینے پر آ گیا ہو۔

اے ہاں بس طومار باندھ دیا کرو۔ کیا دوائی تو آئی بالکتے گے۔ کدھر کی بات کدھر پہنچتی ہے اللہ کی پناہ ان بچوں سے تو یہ تو ابھی تک جھاڑو تھامے ہمارے سر پر کھڑی ہے۔ صورتوں پہ جھاڑو پھیرے گی کام سنبھال نہ پایا۔ بڑی اماں نے موتی کو بھی آڑے ہاتھوں لیا جو حیرت سے اظہار کو ایک سانس میں بولتا دیکھ رہی تھی۔

بیٹے نمونے بیچے ہیں تمہاری بہانے۔ بانو دوبارہ سے بچے پیدا کر کے پال رہے ہیں اب وہ ہاں کھڑی ہمارے قصے سننے لگی۔ بس ایسے رہی جیسے پتا نہیں کتنا مجبور رہی ہو اور جو پوچھو کیا بجھی تو کھڑی وہ کا پہاڑ بنائے گی۔ اللہ نصیب اچھا کرے میری خدمت تو بہت اچھی طرح کرتی ہے۔ رات کو جب تک سو نہ جاؤں پاؤں دباتی رہتی ہے۔ بہتیرا کہتی ہوں جا کے سو جا۔ صبح نور کے تڑکے اٹھنا ہوتا ہے۔ مگر ماہ نو بہری بن جاتی ہے۔ دل سے دعا ہی نکلتی ہے۔ اتنا کام کرتی ہے۔ روٹی پوری بھی نہیں کھاتی ایک وقت میں۔ تنگ نہیں ہے۔ آگے دھری رہے چیز آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتی۔ خبر نہیں اسے دیکھ کر دل کو دکھ سا کیوں ہوتا ہے۔ پڑھی بھی ہے میرے پاس بیٹھ کر۔ میں نے کہا اردو پڑھنا تو سیکھ لے مجھے اخبار ہی سنا دیا کرنا۔ میرے پوتوں کو دم کی فرصت نہیں۔ ایک ریا بھی وہ تو خود ہی خبر بنی رہتی تھی۔ وہ کیا خبریں سناتی۔ خبریں بتاتی تھی ماہ پھونکنی کی طرح سارے محلے کی خبر رہتی تھی۔ ہر کسی سے

صاحب سلامت۔

اظہار بڑی اماں کی ایک نوامز سے نثر ہوئی گفتگو پر دلچسپی سے مسکرایا اور گردن موڑ کر جاتی ہوئی مومل کو دیکھا۔

بڑی اماں! جب سے اتنی محنتی ہے تو اس کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھا کریں۔ خدانخواستہ کہیں نظر نہ لگے ہم لوگوں کو۔

جیتا رہے میرا بچہ! اسے کہتے ہیں انسانیت۔ اے ہاں مجھے خود خیال رہتا ہے۔ چھوٹی کھانے پینے میں بہت تیز ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں میں ہاتھ کی صفائی بھی دکھا جاتی ہے۔ میں بھی دیکھ کر انجان بن جاتی ہوں۔ کرن سا کھا پی جاتا ہے کسی کے کھانے سے تمہارے ملنے جلنے والوں میں کوئی غریب محنتی نوکر ہو کسی کا تو نظر رکھنا۔ اس کی دن تاریخ جتنی پکا ہو جائے گا۔

مائی گاڈ! ایک اور شادی۔ ایک اور مارکیٹ۔ بڑی اماں۔

اے بے گھروں کی پہچان ہیں۔ حج کا ثواب ملتا ہے کسی کی شادی کرانے سے بچے۔

حد ہے بڑی اماں! سات حج تو آپ کے اسی گھر میں ہو جائیں گے۔ اتنا بھی کیا لالچ جنت کا۔ آدھی سے زیادہ جگہ تو جنت میں آپ الاٹ کرالیں گی۔ باقی کیا دوسروں پر ہیں گے؟ اظہار نے منہ اٹھا کر مسکراتے اور لاؤنج سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

زبان ہے کہ قینچی! ہاتھ کا ڈنڈا۔ بڑی اماں مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بڑبڑانے لگیں۔

ابھی تک بے عقلے ہیں۔ ڈیلی کے ہاں جانے گا آہ۔ ہاں اب جیسے بھی گئی ہے میری بچی! اللہ اسے سکھ دے۔ بنی! ام سر مسعود بھی ہیں اور مجبور بھی۔ انہیں اظہار کی باتوں کا پھر سے دھیان آیا تو افسردہ ہو کر سوچنے لگیں۔

بڑی اماں! پانچ بج گئے میں کھیلنے کو جاؤں باہر۔ معاذ کی چھوٹی کونی آگئی۔

پتا نہیں کرن سے دلہن سے ملی ہوئی ہے تیری گھڑی۔ ابھی سے پانچ بھی بج گئے۔ ابھی نہیں ہوا پانچ کا وقت۔ جاؤ وعدو لے آ۔ آموختہ سنا مجھے۔ انہوں نے ڈپٹ کر کہا۔ باقی منہ لٹکا کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

کراچی واپس پہنچتے پہنچتے تقریباً سات ہی بج گئے تھے۔ مظاہر ماہ نور اور قمرالنساء کو خود ڈراپ کرنے آئے تھے۔ گیٹ اب تک بند تھیں۔ یعنی مدیحہ ملیحہ میکے سے نہیں آئی ہے گھر میں۔ قمرالنساء کے دل میں بیٹیوں کی محبت نے جوش مارا۔ کار کا پچھلا دروازہ کھلتے ہی گھر کے گیٹ کا ذیلی دروازہ بھی وا ہوا۔ تینوں کی نگاہ ایک ساتھ گیٹ پر پڑی تھی۔

سامنے پاشا پانی کا ٹب ہاتھ میں لیے پیچھے چڑھا ہے بہت تعجب سے ان تینوں کی سمت دیکھ رہا تھا۔ مظاہر نے تو تو بیا نظر پڑ لی تھی۔ او وہ کہاں بیٹھے گئے۔

ارے بیٹا! گھر کے اندر تو چلو۔ کچھ ٹھنڈا تو پی لو۔ اب کس طرح تمہارا شکریہ ادا کریں۔ بہت اچھی بہتی ملاقات رہی۔ طبیعت میں ابھی تک سرور ہے۔

تکلف و شکریہ سے مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میں پھر حاضر ہوں گا۔ اچھا خدا حافظ۔ وہ وہیں سے گاڑی لے اڑے۔

قمرالنساء تو پاشا کو سامنے پاکر ویسے ہی خوشی سے بے حال تھیں۔ آگے بڑھنے کا انداز والہانہ تھا مگر نہ جانے کیوں ماہ نور کے قدم من من بھر کے ہو گئے تھے۔ کیا وقت تھا کہ اسے کوئی خوف نہیں تھا اس شخص سے آج نگاہ ملانے میں جھجک تھی۔ جیسے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہو۔

قمرالنساء پاشا کا بازو پکڑ کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ جب ماہ نور گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو انہوں نے پاشا کا سر اپنے سینے سے لگایا ہوا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔

اماں بھرونے کی کیا بات ہے۔ زندہ واپس آیا ہوں۔ ڈیڈی باڈی تو نہیں ہے۔ وہ ماں کو اپنے بے عجب انداز میں چپ کرا رہا تھا۔

اللہ نہ کرے۔ میں ابھی مایوس تو نہیں ہوں۔ جانے کب اللہ تجھے ہدایت کے راستے پر ڈال دے۔

حد ہے خوش فہمی کی۔ جس بندے کی فوٹو سارے ملک کے تھانوں میں لگی ہو اس کی ماں کو اتنا بھی خوش فہم نہیں ہونا چاہیے۔ وہ ماں سے مخاطب تھا مگر نظریں ماہ نور پر تھیں۔

لیکن مایوس تو کافر ہوتے ہیں جو اللہ کی قدرت پر یقین نہیں رکھتے۔ ہم تیری باتوں میں آنے والے نہیں۔ انہوں نے اس کی پشت پر دھپ مارا۔ ایک ماں زندہ سلامت اولاد کو سامنے پاکر کتنی مطمئن ہوتی ہے۔ یہ ماں کی فطرت ہے۔ خواہ اولاد کا کردار کیسا ہی ہو۔ وہ اس وقت بہت مسرور تھیں۔ ہزاروں بار زندگی میں یہ لمحات آئے تھے۔ اس کا جانا پھر دھڑکے اندیشے خوف وہم پھر اس کی اچانک آمد پر دل کھلا دینے والی خوشی۔ جانے کب سے دھوپ چھاؤں کا کھیل جاری تھا۔

کہاں تفریح ہو رہی ہے ہماری والدہ محترمہ اور ڈیئر کزن کے ساتھ؟ پاشا چلتے ہوئے اس کے پہلو میں آگیا۔ قمرالنساء آگے تھیں۔ ماہ نور کو پاشا کا لہجہ عجیب سا محسوس ہوا۔

اماں سے پوچھ لیجیے۔ وہ سادہ انداز میں گویا ہوئی۔ ساری تفریح میں وہ ساتھ ساتھ تھیں۔

اگر آپ بتا دیں گی تو کیا بات کا رنگ بدل جائے گا۔ وہ اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ہو سکتا ہے۔ ماہ نور اب سنبھل چکی تھی۔ لہجہ تیکھا ہو گیا تھا۔ پھر وہ بیڈروم میں داخل ہو گئے۔

سوچا تھا گھر جاؤں گا اماں کو سلام کروں گا پھر بیڈروم کا دروازہ بند کر کے تمہاری خوب باتیں بتا دوں گا۔ مگر وحشت تیرے کی۔ یہ ڈیئر کزن کہاں سے آ ٹپکے۔ اماں کو تبسم آرا کی نانی بنا کر ساتھ لے گئے۔ واہ کیا سمجھدار بندہ ہے۔ آخر ہے ناں بیوروکریٹ۔

اماں خود گئی تھیں اپنی مرضی سے۔

ورنہ وہ صرف تمہیں لیے جا رہے تھے۔ آئی سی۔ پاشا نے اس کی بات کاٹ دی۔

جی نہیں۔ اماں جا رہی تھیں اور میں ان کے ساتھ گئی تھی۔ ماہ نور کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا۔

ویسے سارے خاندان کو زمانے کی پروا ہے مگر یہ بندہ جذباتی سرو ہے۔ یہ جذبہ ہی ایسا دل ہے ہر طرح کے خوف مٹا دیتا ہے یار! سارا موڈ ہی خراب ہو گیا۔ اس وقت تو تمہیں چھونے کا بھی دل نہیں چاہ رہا۔ ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ تا کہ کچھ تو جی سنبھلے۔

ماہ نور چند ثانیے کچھ سوچتی رہی پھر پانی لینے باہر چلی گئی۔ اس کا ذہن الجھ رہا تھا۔ کتنا مشکل ہوگا اس کا ساتھ۔

تھوڑی دیر بعد پانی کے ساتھ واپس آئی تو وہ صوفے پر بیٹھا پتلون کے پائنچے نیچے کر رہا تھا۔ وہ گلاس تھام کر اس کے مقابل کھڑی ہو گئی۔

اور کیا تسلی تشفی رہی ڈیئر کزن نے۔ شاید مجھے پھانسی ہو جائے۔ اس قسم کا اظہار خیال ہوگا۔ چلو خس کم جہاں پاک۔ اس نے گلاس ماہ نور کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔

یار تم چیز ہی ایسی ہو۔ پردہ اسکرین پر آجاؤ تو لوگ مارلن منرو کو یاد کرنا چھوڑ دیں۔

لاحول ولا قوۃ۔ اپنی بیوی کو مارلن منرو سے مثال پاشا ہی دے سکتا تھا۔ ماہ نور کی جان جل کر رہ گئی۔

وہاں جیل میں سب باتیں کرتے تھے یار! ہماری بیوی بہت اداس ہوگی۔ کوئی کہتا میری بیوی کو تو میرے بغیر چین ہی نہیں آتا۔ میکے تک جا کر نہیں رہتی۔ کہتی ہے اپنے بستر کے علاوہ کہیں نیند ہی نہیں آتی۔ یعنی مطلب سمجھ رہی ہو نا۔ تم سے شادی

شدہ ہو؟ ماہ نور نگاہ چرا کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔

ہم نے کہا۔ بھئی انتہائی قسم کی مجبوری ہے کہ ہم اپنی بیوی کے عاشق زار ہیں مگر صرف ہم ہماری بیوی تو یوم نجات منا رہی ہوگی۔ پھانسی کی منت تو نہیں مانی تھی؟

اللہ نہ کرے۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا مگر بہت آہستہ۔

پاشا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تا۔ بجلی سی تعجب آمیز مسکراہٹ کا تاثر تھا۔

کیوں بھئی اللہ کیوں نہ کرے۔ بڑی روشن راہیں ہیں سامنے۔ وہ پھر تحیر انداز میں گویا ہوا۔

ہمارے لیے نہیں ہیں سامنے ہمارے لیے اندھیرے پسند ہیں تو ہمیں بھی منظور ہے۔ بولتے بولتے اس کی آواز رندھ گئی۔

ڈیئر کزن نے۔ وہ خراب نہ کیا ہوتا تو اس وقت تمہیں اپنے گلے سے لگا لیتے مگر اس سے زیادہ اور اللہ والی نہ ہو جانا۔ سنا ہے اللہ، اللہ والوں کا ساتھ بہت دیتا ہے۔ پھر تو سمجھو پھانسی یا گولی۔ کچھ تو ہو ہی جائے گا تمہاری خوشی کے لیے۔

ہمیں اب کسی خوشی کی طلب نہیں آپ مطمئن ہو جائیں۔ وہ آنکھوں کے گوشے انگلیوں کی پوروں سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

بڑی حیران کن تبدیلی ہے۔ ڈیکشن تو نہیں ہے؟ پاشا اٹھ کر اپنی وارڈروب کھولنے لگا۔

سنا ہے بدگمانی کا کوئی علاج نہیں۔ آپ کی کیا خدمت کی جائے۔ چاہیے ٹھنڈا کھانا۔ وہ پرسکون لہجے میں پوچھنے لگی۔

کہیں کوئی ایسی برف ملتی ہے جو معدے میں بھڑکی آگ کو بجھا دے۔ وہ پلٹ کر پوچھنے لگا۔

نہیں۔ وہ کورا جواب دے کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

کیا خاندان والوں سے دوستی ہو گئی۔ پتا لگا ہوگا میری اماں حضور نے۔ انہیں بہو کے ساتھ پورا خاندان چاہیے۔ وہ تلخی سے مسکرایا۔

بوا ابن ہو کے خاندے تو اول روز سے پیچھے پیچھے ہیں۔ ہو گئی ہو گی کوئی خارجی کارروائی۔ مجھے خاندانی لوگوں کے ملاپ پر کوئی افسوس نہیں ہوگا مگر مسئلہ یہ ہے کہ ڈیئر کزن۔۔۔

خدا کے لیے خاموش ہو جائیے۔ دنیا میں میں واحد نہیں ہوں جس کے کزن بھی ہیں۔ خاندانی لوگوں کے دسیوں کزن ہوتے ہیں۔ وہ جیسے عاجز آ کر بولی۔

ہاں بھئی بہت لگی ہیں ہم۔ سسرال تو ہمیں خاندانی ملا ہے۔ دلی اجڑی تھی سارے خاندان تو نہیں۔ وہ قہقہہ لگا کر بولا۔

میری جان کھانے کی ضرورت نہیں۔ میں اماں کو بلاتی ہوں۔ جو پوچھنا ہے۔ پوچھ لیں ان سے۔ وہ تیزی سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد فخر النساء کے ساتھ واپس آ گئی۔

جا بیٹے اماں! ہم کہاں گئے تھے سیر و تفریح کرنے؟ وہ بگڑے بگڑے انداز میں کہہ کر پھر کونے میں دبک گئی۔

خاک دھول سیر و تفریح پر۔ کیا رکھی ہیں سیر و تفریحیں۔ ہم جن سے مل کر آ رہے ہیں ہم ایک بار ان سے مل لو تو ہمارے دن پھر جائیں۔ ایسی پیاری اور پرہیزگار خاتون! ان کے پاس بیٹھو تو سارے غم ہی بھول جائیں۔

اللہ اللہ۔ بس یہ کمی رہ گئی تھی۔ سبحان اللہ۔ ہر رنگ کا جھنڈا ابھی لگا ہوگا ان کے گھر کی کسی دیوار یا چھت پر۔ ایک گلا بھی رکھا ہوگا جو آئے وہ حسب توفیق چندہ ڈال کر جائے ورنہ مراد پوری ہونے میں شک ہے۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ وہ بات کے اختتام پر جی کھول کر ہنسا۔

لاعلمی سے بڑی خوش فہمی کیا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ ماہ نور حیدرآباد میں جن کے گھر ٹھہری تھی ان کی بات کر رہی ہوں۔ وہ کوئی پیرانی قسم کی خاتون نہیں ہیں۔ اپنی گرہ سے خاطر مدارت ہی کرتی ہیں۔ روپیہ پیسہ کسی سے لینا حرام سمجھتی ہیں۔ محنت سے روزی کماتی ہیں اور لوگوں کو مفت تعلیم دیتی ہیں۔ ان کی دعا میں بہت اثر ہے مگر وہ خود کو کسی پر ظاہر کرنا پسند نہیں کرتیں۔ وہ جن لوگوں کے درمیان رہتی ہیں ان لاعلموں کو تو خبر ہی نہیں کہ اللہ نے انہیں کیا نعمت دی ہوئی ہے۔ سب انہیں پڑھی لکھی استانی سے زیادہ نہیں سمجھتے مگر میرا دل کہتا ہے۔ وہ ولی میں قرب ہو گیا ہے۔ سبحان اللہ کیا نصیب ہیں۔

چلیں جی یہ سب ٹھیک۔ تو ماہ نور کے کزن ان کے پاس کیا دعا کرانے گئے تھے کہ ماہ نور کو مجھ سے خلاصی مل جائے۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ وہ بہت شریف اور نیک مزاج بچہ ہے۔ خبردار اس کے متعلق کوئی الٹی سیدھی بات نہ سنوں سنا؟ فخر النسا کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

ہمارے علاوہ تو پاکستان کے سارے جوان ولایت کے راستوں پر ہیں۔ سوائے میری ماں کے اکلوتے بیٹے کے۔ کتنی سادہ ہے میری ماں۔

ذرا جو کہیں سے سرا پکڑ میں آ رہا ہو۔ آپ دونوں ساس بہو ڈیئر کزن کے ہاتھ کیسے لگیں۔ یا جب آپ دونوں حیدرآباد پہنچیں تو وہاں پہلے سے موجود استانی صاحبہ کے پانی کے مٹکے بھر رہے تھے؟ اس قسم کے استادوں کی تو یہی خدمت ہوتی ہے، جوتیاں سیدھی کی جاتی ہیں، مٹکے بھرے جاتے ہیں، پاؤں دبائے جاتے ہیں۔ وہ پھر ہنسا۔

وہ حیدرآباد جا رہا تھا۔ استانی سے مل کر ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ ماہ نور نے ان کی بہت تعریف کی تھی۔ اپنے کام سے تو در جاتا ہی رہتا ہے۔ ماہ نور کی خیر خیریت معلوم کرنے آیا تو ہم سے بھی پوچھ لیا چلنے کو۔ مجھے خود استانی سے ملنے کا اشتیاق ہو گیا تھا۔ دوسرے ماہ نور جب کراچی واپس آئی تو ان سے مل کر نہیں آئی تھی۔ اصولاً تو یہ غلط بات تھی۔ آخر انہوں نے اس کا خیال رکھا تھا تحفظ دیا تھا۔ اس لیے بھی ملاقات ضروری تھی۔ بس یہ بہانا ہو گیا حیدرآباد جانے کا۔

آ رہے بہانے اور یہ بہانے باز لوگ۔ میں تو قربان ہو رہا ہوں اپنی ماں کی سادگی پر۔

اماں! چند دنوں بعد وہ آپ کو سنگی کے کسی بزرگ کے مزار پر بالخصوص لے کر جائے گا کہ خالہ جان فلاں مزار پر منت مان کر آئیں کہ آپ کا بیمار راہ راست پر آ جائے مگر ماہ نور کو بھی ساتھ لے جانا شرط ہے۔ صاحب مزار ساس بہو کو ایک ساتھ دیکھنا پسند کرتے ہیں۔

پھر کسی روز وہ پاکستان کے نامور ماہر نفسیات کا پتا بتائے گا۔ جو یورپ سے چند دنوں کے لیے وطن آتا ہے اور ایسی برین واشنگ کرتا ہے کہ اس کے ڈارک روم سے نکل کر بندہ سیدھا مسجد کا رخ کرتا ہے مگر ایک شرط وہاں بھی ہوگی کہ کیس ہسٹری مریض کے بجائے ماں اور بیوی بتائیں۔ کیونکہ یہ قریب ترین رشتے ہوتے ہیں۔ شاید ایک روز وہ گیدڑ سنگھی ملنے کی جگہ بھی بتائے۔ جہاں گیدڑ سنگھیوں کا ڈھیر لگا ہوگا مگر ماں کے ساتھ بیوی کو بھی جانا ہوگا اور اپنی پسند سے اٹھانا ہوگی۔ ماں الگ سنگھائے گی بیوی الگ۔

ارے بس چپ۔ سر پر ہی سوار کر لیا ہے۔ بیٹے کو ساری دنیا بری ہی نظر آتی ہے۔ فخر النساء نے ڈانٹ دیا۔

تو بابا! یہ اچھے بڑوں کے لفافے میں کیوں آ رہے ہیں۔ کیا غرض ہے انہیں ہم سے؟ وہ جھلا کر بولا۔

بس یہی سیکھا ہے اس دنیا سے کہ غرض کے علاوہ زندگی کا اور کوئی دوسرا مقصد نہیں۔ ماہ نور بھی جل کر بولی۔

یعنی آپ ہمیں سبق پڑھا رہی ہیں اور کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ وہ اکھڑ انداز میں ماہ نور سے پوچھنے لگا۔

اتنی پرانی بات بھی نہیں ہے کہ تو ذہن سے نکل گئی ہو۔ آپ کو خود ہوٹل بلا کر مجھے آپ کے حوالے کیا تھا۔ میرے سے پہلے تو

حیرت در کھ کا عجیب مقام تھا۔ میں ان کی دسترس میں تھی اور انہوں نے اپنے ہاتھوں مجھے آپ کے سپرد کیا تھا۔ میں نے آج تک انہیں معاف نہیں کیا۔ ماہ نور کے ذہن میں غبار تھا جو منٹ میں آیا کہتی چلی گئی۔

قانونی بندہ ہے۔ قانون کے دائرے میں تارگٹ اچیو کرے گا۔ خیر چلو اس بہانے یہ انکشاف بھی ہوا کہ تم نے انہیں معاف نہیں کیا۔ پاشا کی آنکھوں میں سرخی اتر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

قدرتی سی بات ہے۔ نہ میری اونچ میرج ہے نہ لو میرج۔ شوق کی اس کہانی کے آپ واحد کردار ہیں اور تین شو۔ ور میرے کزن ہیں کہ جنہیں ہوش سنبھالتے ہی دیکھا تھا۔ ان سے کوئی اچھی امید رکھنا فطری سی بات تھی۔ اس پر آپ کو ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ حقیقت پسندی سے کام لیں گے تو غصہ نہیں آئے گا۔

ماہ نور نے بڑی صاف گوئی سے کہتے ہوئے اسے غصے سے باز رکھنے کی کوشش بھی کی۔

مثلاً آپ کو ان سے اچھی امید کیا رہی؟ پاشا کے لب سیدھے نہیں ہوئے تھے۔

ظاہر ہے ذلت کی زندگی سامنے نظر آ رہی ہو تو انسان کوئی راستہ ڈھونڈتا ہی ہے جو اسے ایسی زندگی سے بچا لے۔ ماہ نور نے بستر پر پڑے کپڑے اٹھانا شروع کر دیے۔

یہ ذلت کی زندگی ہے؟ اور سبحان اللہ۔ بہت عزت تھی آپ لوگوں کی سوسائٹی میں۔ ساری جیولری آپ کے سویٹ ہوم کا طواف کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ میری کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر سے بھی چھوٹا گھر۔ جو کچھ آپ کو ملا ہے لڑکیاں خواب دیکھتی ہیں ایسی زندگی کے۔ کوئی ہے ایسی نہیں کہ جو ریچ سے باہر ہو۔ قوت خرید سے باہر ہو۔ اپنی ٹائم۔ یہاں نوکراماں کی وجہ سے تمہیں یہ ہاتھیں مصروف رہنا اچھا لگتا ہے۔ تم میری کوٹھی میں رہو گی تو زندگی کا اصل لطف پتا چلے گا۔ صبح سو کر اٹھو گی تو چائے تیار ملے گی۔ جن کاموں کا نام مقرر کر دو گی ور کام اسی رفت انجام پائیں گے۔ ناشتہ آٹھ بجے مانگو گی تو آٹھ بجے کر دو منٹ پر نہیں ملے گا۔ ٹھیک آٹھ بجے ہی ملے گا۔ یہ ذلت کی زندگی ہے؟ جس میں گاڑی کا دروازہ تک خود نہیں کھولنا۔ مہینہ ختم ہونے سے پہلے تنخواہ ختم ہونے کا خوف نہیں۔ یہ دنیا تو ہی مجبور خوفزدہ لوگوں کے بنائے ہوئے معیار ہیں ماہ نور! کون سی ذلت ہے اس زندگی میں؟ میرے نزدیک ذلت کی زندگی عورت کی تب ہی ہے جب وہ جسم فروشی سے ضرورت پوری کر رہی ہو یا عیاشی کر رہی ہو۔ تمہیں تو مالکن بننا ہے۔ بے شمار لوگوں کی بیگم صاحبہ۔

جولڑکی اغوا ہوتی ہے۔ اس کی کوئی عزت حیثیت نہیں ہوتی۔ ماہ نور کی آواز بھر آئی۔

یہ سب فرسودہ معیار ہیں۔ آج کل جس کے پاس قوت خرید ہوتی ہے، اسی کی عزت ہوتی ہے۔ تم کسی دن باوردی ڈرائیور کے ساتھ بازار جا کر دیکھنا۔ دکاندار تمہیں کھڑے ہو کر آوازیں دیں گے۔ ان کے ملازم تمہاری گاڑی میں خود سامان رکھ کر آئیں گے۔ چائے کولڈ ڈرنک سے تمہاری تواضع کریں گے۔

بیگم صاحب! پیسے کی قوت کو مانیں۔ یہ قدرت نے آپ کو دے دی ہے۔ لائف انجوائے کیجیے۔ چھوڑیے یہ رونا دھونا۔ آپ اپنے اور میرے خاندان میں سب سے زیادہ باحیثیت ہیں۔ خواتین کے منہ میں پانی آتا ہوگا آپ کو دیکھ کر۔ اگر میری بات پر شک ہے تو خاندان میں آنا جانا کر کے دیکھیے پتا چل جائے گا۔ اکثر بہت غریب لوگ بہت عزت دار ہوتے ہیں مگر پھر بھی ان کے رشتے دار ان کیہاں جاتے ہوئے کتراتے ہیں بلکہ شرماتے ہیں۔ ذلت کی زندگی۔ ہونہہ لوگ ایسی زندگی کا انتظار کرتے قبروں میں اتر جاتے ہیں۔ جو تم سے ملنا نہیں چاہتے نہ ملیں۔ تمہیں اس گھر میں سب کچھ میسر ہے۔ کسی کے بائیکاٹ سے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے؟ تمہاری کسی چیز میں کوئی کمی آ رہی ہے؟ جائیں سب جہنم میں تم اپنی جنت سے مزے کا در کھو۔ اب سر پکڑ کر روتی رہو گی تو کیا حالات بدل

جائیں گے۔ میں نے تمہیں داشتہ نہیں بیوی بنایا ہے۔ اب کسی طرح بھی تم رجسٹرڈ و باقاعدہ بیوی ہو۔ ہماری عزت کے لیے یہ کافی ہے۔ اکیسویں صدی میں داخل ہو رہے ہیں دو ہزار سال کے فرسودہ خیالات کا بوجھ اٹھا کر۔ تھوڑی سی عقل پکڑیں بیگم صاحب۔

ہاں اگر آپ نے میری بیوی بننے سے پہلے مستقبل کا کچھ اور پروگرام طے کیا ہوا تھا تو آپ کا رونا دھونا بجا ہے۔ ظاہر ہے دل ٹوٹنے کے بعد غمگین دل اس کیت در جاتے ہیں قسمت میں۔ آہ۔

اک دل کا لگانا باقی تھا سو دل بھی لگا کے دیکھ لیا

تقدیر کا رونا کم نہ ہوا آنسو بھی بہا کے دیکھ لیا

وہ صوفے پر دراز ہو کر گنگنانے لگا۔

مجھے آپ سے کوئی لمبی چوڑی گفتگو نہیں کرنا۔ مختصراً یہ بتا دیجیے کہ آپ کے ساتھ اسی قسم کے طعنوں تشنوں کو سہہ کر زندگی گزارنا ہو گی؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو ٹھیک ہے۔ میں اپنا مائنڈ میک اپ کر لوں گی۔ اب تک سب کچھ مرضی کے مطابق نہیں ہوا تو آئندہ کے لیے کیوں امیدیں باندھوں۔ یہ کیوں نہ طے کر لوں کہ مجھے زندگی کا ایک ایک لمحہ سزا کی طرح گزارنا ہے۔ آپ کو جیت کا سرور چاہیے تھا سو وہ آپ نے پا لیا۔ آپ کی ساری زندگی اب تک آپ کی مرضی کے مطابق گزری ہے۔ آپ کے مزاج میں تو تلخی نہیں ہونا چاہیے۔ تلخ تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو ناموافق حالات میں زندگی گزارنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ رہا سوال مستقبل کے پروگرام طے کرنے کا۔ تو ہمارے ہاں ابھی لڑکیوں کو اتنی آزادی نہیں دی گئی کہ وہ اپنے مستقبل کے پروگرام خود ترتیب دیں۔ ایک ناقابل عمل خیال پر اپنی توانائی ضائع کروں۔ اتنی بھی بے وقوف نہیں ہوں۔

یہ تو خیر میں جانتا ہوں کہ تم سر پھٹا ٹائپ قسم کی پارسا ہو۔ مگر جوش رقابت کے بارے میں بھی کبھی پوچھنا ہوگا۔ میرا مسئلہ کب ہے کہ میں ایک تارگٹ پورا کر کے دوسرا تارگٹ پکڑ لیتا ہوں۔ پہلے مسئلہ یہ تھا کہ تمہیں کس طرح حاصل کیا جائے۔ اب یہ کہ تمہارا دل کیسے جیتا جائے۔ پاشا بہت غور سے اس کی بات سننے کے بعد نارمل موڈ میں گویا ہوا۔

ماہ نور نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔

پورے وجود تو جیت چکے ہیں اب اس بے چارے دل کے پیچھے مت پڑ جئے۔ آپ کو فرق بھی کیا پڑتا ہے۔ ماہ نور تلخی سے مسکرائی۔

یاران دوست ابھی تو سب سے بڑا معرکہ ہے کہ ماہ نور کو مجھ سے سچی محبت ہو جائے۔ اب یہ شوق ہے کہ من پسند عورت سچائی سے اظہار محبت کرتی ہے تو کیسی لگتی ہے۔ پارسا سی عورت کا دل و جسم جب کسی ایک بندے کے بس میں آ جاتا ہے تو اس بندے کی فیلنگ کیا ہوتی ہیں۔ خوشی کا کون سا انوکھا ذائقہ ہوتا ہے؟

یہ سب خواہش سے کب ملتا ہے۔ قسمت سے ملتا ہے۔ اسی جگہ پر انسان کو اپنی قوت حیثیت کا ٹھیک اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔ میں کمٹ منٹ کی پاس داری کا عادی کرتی ہوں۔ مطمئن رہیے اب میں کہیں نہیں جانے والی۔ میرے سارے تالے چابی اب آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ برے کسی ڈیئر کزن سے خوفزدہ نہ ہوں ہمارے ہاں خواہشات سے زیادہ عزت نفس اہمیت دی جاتی ہے۔

ماہ نور نے بے خوف اور دھیمے لہجے میں کہا اور باہر کی جانب قدم بڑھائے۔

چلیں کدھر؟ ابھی بات پوری کہاں ہوئی۔ بھئی میں آپ کے ڈیئر کزن سے خوفزدہ کیوں ہونے لگا۔ خوفزدہ ہونے والے ہوتا تو آپ یہاں ہوتیں؟ اچھا چھوڑو اب اس قصے کو۔ ادھر آؤ۔ یہ کمٹ منٹ والی بات دل کو چھو رہی ہے۔ ہم جیسے شکر گزار بندے تو اسے بھی آدھا اظہار محبت کہتے ہیں۔

ماہ نور کی جان پہ بن گئی۔ اس سے بہتر تو جھگڑا ہی ہے اور شاید جھگڑا تو رہے۔ یہ بھی اپنی جگہ شاید ٹھیک ہی ہے۔ اب ضرورت بھی کیا ہے یہاں آنے کی۔ ان کے آنے سے کون سا میرا کوئی مسئلہ حل ہو جاتا ہے؟ بڑا ماحول خوشگوار ہو جاتا ہے۔ اگر یہ جیت چکا ہے تو اتنا برا ماننے کی کیا بات ہے۔ پورا خاندان تو لگا ہے اسے وزیر بنانے میں۔ اب بیٹھ جائیں چین سے۔ کیوں اس بے چارے کی جیت کا مزہ خراب کر رہے ہیں۔

آپ کے کھانے پینے کا انتظام کرنے جا رہی ہوں۔ آپ اپنی ریڈ بیسٹ کریں۔ اس نے بہانہ بنا کر باہر نکلنا چاہا۔

ہم تو ہمیشہ ہی کھائے پیے ہوتے ہیں ہمارا غم نہ کیجیے۔ اس وقت ہمیں جس کی ضرورت ہے وہ شاید آپ کو پتا ہے۔

بہت خوب نا چلایا ہے ڈیئر کزن نے۔ اب تھوڑا سا بیلنس کیجیے۔ ہاں دروازہ ذرا لاک کرتی آنا۔

ماہ نور نے بے بسی سے لاک کی طرف دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆

دو چار کپڑے اڑ کر پڑوس کی چھت پر گر گئے تھے۔ مارہوا بھی تو بہت تیز چل رہی ہے۔ بتاؤ کپڑے اٹھانے گئی تھی وال چاول بننے بیٹھ گئی یا لوٹ کر دھونا سکھانا شروع کر دیا۔ کدھر رہ گئی تیری بہنا؟ بڑی اماں باجی سے مخاطب تھیں۔

خبر نہیں۔ باجی نے بچگانہ لاپروائی سے جواب دیا۔

اے ہاں۔ تم ایسے بے خبروں کے لیے تو یہ جنت بنی ہے۔ بیٹھی سور بیگم جلتی رہو۔ بڑی اماں جل کر بولیں۔

اظہار نے تو کمال ہی کر دیا۔ اتنی جلدی رشتہ بھی ڈھونڈ لیا۔ گھنٹے بعد وہ لوگ بھی آتے ہوں گے۔ لڑکی کی کوئی خبر نہیں بھاگ کر جا دیکھ کیا کر رہی ہے وہ پڑوس میں۔

بڑی اماں! سوہل بولتی تھی اماں سے کہو میں بیاہ وباہ نہیں کروں گی۔ تم بڑی اماں سے بول دینا۔ باجی نے مطلع کیا اور اچھلتی کودتی باہر بھاگ گئی۔

ہائیں۔ بیاہ نہیں کرے گی تو کنوارا کو بٹھا رہے گی۔ اتنا اچھا رشتہ۔ اتنے بڑے آدمی کی موٹر چلاتا ہے لڑکا۔ رہنے کا ٹھکانا بھی اور اچھا کھانا پینا بھی۔ چار کام کوٹھی میں خود کرے گی تو کمائی بھی۔ آنے تو پوچھتی ہوں۔ کیا سوچ بیٹھی ہے؟

بڑی اماں بڑبڑانے لگیں۔ اپنے پان کے بٹوے میں کتھا لگا رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد سوہل اور باجی آگے پیچھے چلتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئیں۔

بھیا! کون سی کتھا میں پھنس بیٹھی تھی۔ کب کی گئی ہوئی تھی۔

وہ ان کے زینے کی جالی میں تالا پڑا تھا بچوں کی وجہ سے اور چابی ان کی بہو کے پاس تھی جو بازار گئی ہوئی تھی۔ سوہل نے کپڑے تخت پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

تمہارے چاچا بھی ساتھ بازار میں لیے پھرتی ہیں۔ وجہ معلوم ہوتے ہی بڑی اماں کا مزاج بھی تبدیل ہو گیا۔ اچھا ان کی تہہ بنا کے رکھ دے۔ پھر تجھ سے بات کرنی ہوں۔ او باجی چھپکلی! تو باہر جا کے اپنے گڈے کھیل۔

بڑی اماں! باہر دھوپ ہے۔ چھت پہ جاؤں؟ باجی نے اجازت چاہی۔

ہاں چلی جا! اپنی ماں کے پاس بیٹھ کر کھیل۔ شاید تب تک بخت جاگ جائے۔ وہ بولیں۔ باجی نے تخت کے نیچے پڑے اپنے گڈے اٹھائے اور باہر نکل گئی۔

کیا بولی تو اپنی ماں سے؟ بیاہ نہیں کرے گی؟ باجی کے باہر نکلتے ہی اماں سوہل سے مخاطب ہوئیں۔

سوہل خاموشی سے کپڑوں کی تہہ بناتی رہی۔

بہری ہے کیا؟ کیا پوچھ رہی ہوں؟ بڑی اماں اس کی بے نیازی پر برہم ہو گئیں۔

میرا دل نہیں کرتا بڑی اماں! آپ بس یہیں رہنے دو۔ آپ کی بہت مہربانی۔ سوہل نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

ہار کی نہیں تو اپنا گھر بن جائے گا تو پھر سب گھروں سے اچھا ہی لگے گا۔ بچیاں اپنے گھروں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔ لڑکا بہت اچھا ہے سیدھا سادہ اظہار بتا رہا تھا۔ انشاءاللہ خوش رکھے گا۔ تین ہزار تنخواہ اٹھا رہا ہے۔ کھانا پینا زیادہ کوٹھی میں ہی رہتا ہے۔ بہت بڑے کاروباری لوگ ہیں اس کے مالک۔ کوٹھی میں ہی کوارٹر ملا ہوا ہے۔ پنکھے وکھے سب لگے ہوئے ہیں اور تجھے کیا چاہیے۔ تجھے بھی اندر کام مل گیا تو ہزار بارہ سو روپے تجھے بھی دے دیا کریں گے۔ گزارہ ہو جائے گا۔ کب تک ماں کے ساتھ در بدر پھرے گی؟ بری بات ہوتی ہے۔ بچیاں اپنی شادی بیاہ کے معاملات میں نہیں بولا کرتیں۔ چپکی بیٹھ۔ آج آئیں گے لڑکے والے اظہار کے ساتھ۔ تو ان کی سمجھ میں آگئی تو تاریخ بھی طے کر لیں گے۔ جو تیری قسمت کا ہوگا مل جائے گا۔ اے ہاں کون کسی کو دیتا ہے۔ اب تو جا نہا دھو کر کوئی اچھا کپڑا لتا پہن لے اور جب تک لڑکے والے آئیں آرام کر۔ تھکا ستا چہرہ لے کر مت آنا ان کے سامنے۔ چل شاباش۔

بڑی اماں کے لہجے میں بلا کی حلاوت و شفقت تھی۔

سوہل جیسے بادل نخواستہ وہاں سے اٹھی۔

وہ بڑی اماں اور بیا بی بی کب آئیں گی ادھر؟ وہ جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگی۔

اس کے کون دن وقت ہیں۔ جب جی چاہا ڈرائیور کو لے کر چل پڑے گی۔ تجھے کوئی کام ہے؟

سوہل نے کوئی جواب نہ دیا۔ چپ چاپ باہر چلی گئی۔

مظہر کتابیں اٹھائے لاؤنج میں داخل ہوا۔

السلام علیکم بڑی اماں۔

جیتے رہو۔ آج تو بڑے وقت پہ آگئے۔ باہر تو آگ برس رہی ہے۔ تم کھانا وانا کھا کر آرام کرو۔ گیند بلا اٹھا کر باہر مت نکل جانا۔ اظہار بھی آتا ہوگا۔ بھوک لگ رہی ہو تو کھانا نکلوائے دیتی ہوں ورنہ انتظار کر لو بھیا کا۔ اسے تو کھانا کھا کر پھر باہر نکلنا ہوگا۔

اب تو ان کی کوچنگ کی کلاسز نہیں ہو رہیں۔ باہر کیا کرنے جائیں گے؟ مظہر شوز اتارتے ہوئے پوچھنے لگا۔

مہمانوں کو لینے جائے گا۔ مہمان تو خیر خود بھی آ جاتے۔ اصل میں اس کے دوست کی والدہ بھی آئیں گی۔ بس ان کی عزت کو سمجھو۔ بڑی اماں بولیں۔

ان کے علاوہ مہمان کدھر سے آ رہے ہیں؟ مظہر نے کرسی سے ٹیک لگائی اور نظریں اٹھا کر چھت کے پنکھے کو دیکھنے لگا۔

لگتا تھا آج اس میں سے ہوا ہی نہیں آ رہی تھی۔

اس کے دوست کے ملازم کی اماں بہنیں ہیں۔ سوہل کے لیے آ رہے ہیں۔ پچھلے مہینے اظہار کو لگایا تھا اس کام پر کہ اپنے دوستوں سے بات کر۔ دیکھو۔ اس بچی کو اپنے گھر کا کرنا ہے۔ اس پیچھے پڑ کر رہا ہوگا تو بس سلسلہ چل پڑا۔

ہائی گاڈ! مظہر نے گویا اپنا سر پیٹا۔ بڑی اماں! آپ کو کس شوق ہے ہیلیک پالنے کا اور یہ سوہل اتنی چھوٹی تو ہے۔ بھاگی جا رہی ہے کہیں۔ چند دن اپنی خدمت تو کرا لیں۔ کمال ہے۔ اظہار بھائی نے تو بڑی اسپیشلٹی دکھائی۔ رشتہ تک ڈھونڈ لائے۔ آپ دونوں ایسا کریں میرج بیورو کھول لیں۔ سنا ہے بڑی اچھی آمدنی ہوتی ہے۔ مظہر تو جیسے جھلا ہی گیا تھا۔ لوجی بن جائے گا اظہار بھائی کا۔

تو تمہیں کیا تکلیف ہو رہی ہے میاں! کسی غریب کا گھر بس جائے تو کوئی برائی ہے اس میں؟ بڑی اماں کو اس کا

انداز زرا نہ بھایا۔

آپ تو غریب امیر سب ہی کے گھر بسانے کی فکر میں رہتی ہیں۔ اگر سب غریب امیر ہو جائیں تو کیا آپ رشتے کرانا چھوڑ دیں گی؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ آپ تو زبردستی ایک ایک کے سر چار چار بیویاں لگا دیں گی۔ کہ ایک ایک سے چار کا بھلا ہو تو زیادہ اچھا ہے۔ ویسے بھی آپ کو شکایت رہتی ہے کہ لڑکیوں کو آج کل اچھے رشتوں کی کمی ہے۔ ایک اچھا رشتہ مل گیا تو فل اسٹروک بال باؤنڈری وال سے باہر۔ اگر مجھ کو اجازت ہوتی تو بال پویلین سے باہر ہوتی۔

کھانا لگوائیں بڑی اماں! اظہار بھائی تو ثواب سے پیٹ بھر لیں گے۔ ہم سے نہیں ہو رہا کسی کا انتظار۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

ہاں تو چلو، منہ ہاتھ تو دھو۔ لگواتی ہوں کھانا۔ بڑی اماں نے بھی تخت سے پاؤں نیچے لٹکا کر اپنی گرگابیاں ٹٹولیں۔

جو نیا ٹارگٹ بھی ریا نے دیا ہو گا آپ کو۔ آپ تو سرے سے اس خاندان کو ملازمت دینے کے حق میں ہی نہیں تھیں۔

وہ باہر نکلنے بولنے سے باز نہ آیا۔

اب ڈھول گلے پڑ گیا ہے تو بجائیں گے بھی۔ تمہیں کاہے کی تکلیف ہو رہی ہے؟ بڑی اماں اس کے تبصرے پر نالاں نظر آئیں۔

اسی وقت فون کی بیل رنگ ہوئی۔

ارے دیکھنا بیٹے! کس کا ٹیلی فون ہے۔ کس کو کام یاد آ گیا اس جلتی دوپہر میں۔ انہوں نے آگے چلتے ہوئے مظہر کو ٹوکا جو ان کے بولنے سے پہلے ہی فون سیٹ کی طرف بڑھنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ آگے بڑھا۔ چند قدم پر اسٹینڈ پر فون سیٹ رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔

ہیلو۔ ہاں میں ہی بول رہا ہوں۔ سوچتا بہت ہوں کہ آخر کیوں مظہر ہوا چھپا کیوں نہ رہا؟ اب تم اپنے ٹھنڈے کمرے میں بیٹھ کر ہم گرمی کے ماروں کو تنگ کرو۔ یہیں ہیں بڑی اماں اور کہاں ہوں گی؟

کون ہے؟ ریا؟ بڑی اماں نے مظہر کے انداز سے سمجھیں۔

وہی ہے شیطان کی پلاٹون کی سربراہ۔ لو بڑی اماں سے بات کرو۔ خالی پیٹ ہم سے لمبی بات نہیں ہوتی۔ اس نے ریسیور بڑی اماں کی طرف بڑھا دیا۔

ہاں وعلیکم۔ جیتی رہو۔

بتا دیا اظہار نے۔ مجھے نے اطلاع نہ پہنچائی ہوتی تو اپھارہ ہو جاتا۔ ارے بیٹی! ابھی تو آ رہے ہیں۔ پہلے لڑکی نہیں ملے گی۔ اتنا مچلنے کی ضرورت نہیں۔ کوئی بات چلی تو بتا دیں گے تمہیں۔

کیوں نہ چلاؤں ابھی بات۔ ارے اچھا ہے بچی ٹھکانے لگے گی۔ تمہارا کیا حرج ہو رہا ہے۔ بس اب دو رہ گئے ہیں کوئی نئی بات نہیں۔

جم جم آؤ۔ کس نے روکا ہے تمہیں؟ مگر بنے کام خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے لیے کوئی عرش سے شہزادہ نہیں اترے گا۔ اس کے حساب سے رشتہ بہت ہی اچھا ہے۔ تیرے میرے در پڑنے سے اچھا ہے اپنے گھر کی ہو کر رہے۔ ہم کے دن جوان بچی کی دیکھ بھال کریں گے۔ اب ٹھیک ہے داماد کی بات رکھ لی تھی۔ سر پر وزن تو دھرا ہے۔ بلکہ رکھا جائے تو تمہاری وجہ سے جو ذمہ داری سر پڑی ہے۔ اللہ مالک ہے۔ اس کے حکم کے بغیر تو پتا بھی نہیں ہلتا۔

ارے تو کیوں؟ دماغ تو ٹھکانے ہے۔ بچی گھر بار کی ہو جائے تمہیں کیا تکلیف ہے۔ ہمیں خدمتوں کا لالچ نہیں۔ دن رات اللہ سے دعا ہے کہ چلتے ہاتھ پیر اٹھائے۔

اور تو اور لڑکا آٹھ جماعت پڑھا ہوا بھی ہے۔ بچی کے بھاگ کھل جائیں گے۔ کدھر ملے گا اسے ایسا رشتہ؟ بس اب تم چپ کر جاؤ۔ جو ہم کر رہے ہیں کرنے دو۔ ہمارے سر پڑ گئی ہے ہم نمٹ لیں گے۔ تمہیں آنا ہے شوق سے آؤ۔ جم جم آؤ مگر کام بگاڑنے نہیں۔ گھر بار والی ہو گئی ہو۔ عقل سے کام لینا سیکھو۔ بڑوں کی بات پہ کان دھرنا سیکھو۔ خدا حافظ میری طرف سے۔

بڑی اماں نے بہت خراب موڈ میں ریسیور رکھ دیا اور کچھ بڑبڑاتی ہوئی ڈائننگ روم میں آ گئیں۔ مظہر کھانا شروع کر چکا تھا۔ بابا کچھ فریج میں سے نکال کر لا رہے تھے۔

جانے کب عقل آئے گی اس کو۔ کہہ رہی ہے ابھی مول کا رشتہ نہ کریں۔ کچھ دن ٹھہر جائیں۔ کچھ دن بعد کیا سورج مغرب سے نکلنے لگے گا۔ ارے بھئی تجھے کاہے کی تکلیف ہے۔ کسی غریب کا گھر بس رہا ہے۔ بڑی اماں ڈونگے کا ڈھکنا اٹھا کر چیکنگ کرنے لگیں۔

ہو سکتا ہے اس نے بھی کوئی رشتہ دیکھا ہوا ہو جب ہی کچھ دن رکنے کو کہہ رہی ہو۔ اس کے گھر میں بھی تو نوکروں کا رش لگا ہوا ہے۔ ایک سے ایک ڈیزائن کا نوکر۔ ساول (چاول) سبی (مچھی) والا، ساگ لسی والا، اچرک والا، سونڈ بونڈ، موٹر بالشت سے ناپ کر قیمت طے کرنے والا لالہ شیشے کی گیٹ والی ٹوپی پہننے والا مکران کا گھنگھریالے بالوں والا پورے برصغیر کی نمائندگی ہو رہی ہے اس گھر میں۔

مظہر نے پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے لاابالی پن سے جواب دیا۔

تو بات نکالنی چاہیے تھی منہ سے۔ ویسے تو زبان قینچی کی طرح چلتی رہتی ہے۔ ارے یونہی بولتی ہو گی۔ اس کی عادت ہے اٹ پٹنے کی۔ وہ تو بچے بڑے سمجھ والا ہے۔ ورنہ ہر کسی کے بس کی نہیں تھی۔ اے ہاں۔ آ رہی ہے پوچھ لینا۔ کون سے رشتے دیکھے بیٹھی ہے۔ تم آرام سے کھانا کھاؤ میں اپنا بٹوا پورا کر لوں۔ تمیر کی سسرال جاؤں گی نیا بٹوا لے کر۔

بڑی اماں سنبھل کر چلتی ہوئی ڈائننگ روم سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆☆☆

ریا کو دیکھ کر مول کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

سلام ریا باجی!

وعلیکم السلام۔ وہ تمہارے مہمان آ گئے کیا؟ بات سنو زیادہ اچھے کپڑے پہن کر ان کے سامنے جانے کی ضرورت نہیں۔ جیسے میں کہوں گی تم ویسا ہی کرنا۔ باقی میں کہہ دوں گی کہ لڑکی کچھ کھسکی ہوئی ہے۔ میں چاہتی ہوں تمہاری شادی تمہاری بچی کے باپ سے ہو۔ وہ بچی کو بھی قبول کرے اور تم سے معافی بھی مانگے۔ سمجھیں؟

مجھے کسی سے بیاہ نہیں کرنا بی بی! نہ اس سے نہ اس سے۔ بس آپ بڑی اماں کو سمجھا دیں۔ آپ کی بہت مہربانی ہو گی۔

مول نے سپاٹ اور دھیمے لہجے میں کہا۔

کیوں؟ پھر کیا کرو گی؟ تم تو پڑھی لکھی بھی نہیں ہو کہ کہیں ڈھنگ کی نوکری کر لو۔ وہ موغن مو کا کر زندگی بھر گزارا کر لو گی۔ ریا نے جارحانہ انداز میں کہا۔

مول خاموش رہی۔

دیکھو! اگر تم مجھ پر بھروسا کر کے بتا دو کہ وہ کون ہے کہاں رہتا ہے تو میں آج اسے تمہارے سامنے لا کر کھڑا کر دوں۔ تم بولو تو سہی۔ میرا وعدہ ہے میں کسی سے ذکر نہیں کروں گی۔

چھوڑیں ریبا بی بی! آپ یہ بات نہ کیا کریں مجھ سے۔ کوئی فائدہ نہیں۔ اس نے بددلی سے ریبا کی بات کاٹ کر کہا۔

اچھا زیادہ دادی اماں کی طرح باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ آج کا مسئلہ نمٹ جائے پھر میں تم سے بات کروں گی۔ نہیں تم اتنا کیوں ڈر رہی ہو۔ ڈرنا تو اسے چاہیے جو کرپٹ ہے۔ میں باتوں باتوں میں آج مہمان کو بتا دوں گی کہ اس لڑکی کا دماغ ذرا کچھ کھسکا ہوا ہے۔ اتنا دل ہے۔ وہ اگر تم سے کچھ پوچھیں تو بس تم سر کھجاتی رہنا۔ کچھ بولنا مت۔ سمجھیں اور۔۔۔

آ گئیں خیر سے۔ جگن ہے بڑی کو؟ بڑی اماں کی نظر ریبا پر پڑ گئی تھی۔

السلام علیکم بڑی اماں! میرا یہاں آنا کوئی مسئلہ تھوڑا ہی ہے۔ آپ کے ڈر سے زیادہ آتی نہیں ہوں ورنہ صبح شام ڈیلی اٹینڈنس لگواؤں۔

اس نے کھلکھلا کر بڑی اماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

کیا لگواؤں؟ بڑی اماں نے اسے سینے سے لگایا ماتھے کے بل خود بخود سیدھے ہو گئے۔

چھوڑیں۔ آپ کا جی چاہے تو مجھے جوتے لگوائیں۔ کہا جو نہیں مانتی ہوں آپ کا۔ وہ بڑی اماں سے لپٹ کر بولی۔

لگواؤں کیوں۔ خود نہ لگاؤں۔ بیٹی! اب تھوڑی سی بردباری پیدا کر دو اپنے اندر۔ اتنے بڑے گھر کی بڑی بہو ہو۔ ہم تو اس غریب کا بھلا ہی چاہ رہے ہیں۔ اب اس گھر میں سب ہی کو ترس آتا ہے۔ اس کی صورت پر۔ اظہار بھلا کسی کی بات پر کان دھرتا ہے؟ صرف ایک مرتبہ اس سے ذکر کیا اور پھر وہ کھوج میں لگ گیا۔ ڈھونڈ لایا یہ رشتہ۔ یہ تو اس کے نصیب ہیں کہ اتنا اچھا رشتہ مل رہا ہے۔ تم کیوں منع کرنے لگیں۔ تمہاری کرو سے کیا جاتا ہے؟ کیا یہ اچھا نہیں کہ عزت سے گھر بار والی ہو جائے۔ یہ تو بہت ثواب کا کام ہے بیٹا۔

بڑی اماں نے بڑے تحمل سے ریبا کے دماغ میں بات اتارنے کی کوشش کی۔

ٹھیک ہے بڑی اماں! وہ تو میں اس لیے کہہ رہی تھی کہ ابھی تو اس کی کوئی خاص عمر نہیں۔ ہو جائے گی شادی دو تین سال بعد۔ آپ کی مرضی۔ میں کچھ نہیں کہہ رہی۔

ریبا نے بڑی تابعداری سے کہا۔ بڑی اماں نے خوش ہو کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

مہمان کتنے بجے تک پہنچیں گے؟ ریبا نے پوچھا۔

شام تک ہی آ گئیں گے۔ اظہار جائے گا لینے۔ اصل میں اس کے دوست کی والدہ آ رہی ہیں۔ بہت سمجھی ہیں اچھے دل کی۔ بہت دنوں سے اس کا بیاہ کرانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔ اظہار سے ذکر کیا ہوگا۔ کہ کہیں کوئی غریب سلیقہ مند بچی ہو تو بتانا۔ جب انہوں نے اظہار سے سول کے بیاہ کا تذکرہ کیا تو جھٹ اس نے اپنی آنٹی سے کہہ دیا اور یوں بات بن گئی۔

تو ابھی کہاں۔۔۔ ٹھیک ہے بڑی اماں! اچھا میں ذرا اوپر ہوں۔ تھوڑا ریسٹ کر لوں۔ اس نے سول کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

سول نے ایک نظر بڑی اماں کو دیکھا اور ریبا کے پیچھے چل پڑی۔

ریبا چاند کے کمرے میں آ گئی اور پنکھے چلا دیے۔

سول! دروازہ بند کر کے ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو۔ وہ بستر پر دراز ہو گئی۔

سول نے دروازہ بند کیا اور اس کے پائنتی آ کر بیٹھ گئی۔

آپ کے پاؤں دباؤں بی بی؟ اس نے ریبا کی ٹانگوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

ارے نہیں بھئی۔ مجھے ایسے کوئی شوق نہیں ہیں۔ اس نے ٹانگیں کھینچ لیں۔ تم بس میری الجھن دور کر دو۔ مجھے اس بندے کا پتا بتا دو جس نے تمہارے ساتھ اتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ پھر دیکھنا تمہارے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔

بی بی! آپ مجھ سے یہ والی بات نہ کیا کریں۔ سول نے نظریں جھکا کر کہا۔

کیوں والی بات تو بس تم سے کی جا سکتی ہے۔ اب کیا میں انٹرنیشنل ریلیشنز پر تم سے باتیں کروں؟ ریبا نے چڑ کر کہا۔

سول خاموش رہی۔

سول کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ وہ شخص اپنے کیے کو بھگتے۔ دیکھو سچی بات یہ ہے کہ مجھے تم سے ایسی کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ مجھے تو وہ تمہاری پیاری سی بے بی ہر طرف دکھائی دیتی ہے۔ اس کا کیا ہوگا؟ اب ضروری تو نہیں کہ ممی عمر بھر اس کو لک آفٹر کریں۔ آخر تم ایک برے انسان کو کیوں بچانا چاہتی ہو؟ یہ اس کا ہینڈیکیپ ہے اصل میں۔ تم بھی مزے سے ایک طرف پڑی ہو، وہ بھی آزاد گھوم رہا ہے۔ اس بے چاری سی بے بی کا کیا قصور ہے۔ جسے تم دونوں نے لاوارث چھوڑ دیا ہے۔ مجھے تم دونوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ تم دونوں خود غرض اور رانگ ہو۔ مجھے صرف بے بی سے ہمدردی ہے۔ جو اس ساری کہانی میں بالکل بے گناہ ہے مگر سارے دکھ اسی کی جھولی میں گرتے دکھائی دے رہے ہیں۔ بڑی اماں کہتی ہیں۔ میں بالکل عقل سے پیدل ہوں۔ ٹھیک ہے میرے پاس عقل نہیں ہے دل تو ہے۔ مجھے پتا ہے اس دنیا میں ایسے لوگ واقعی احمق سمجھے جاتے ہیں جو کسی کے مسئلے کو اپنا مسئلہ سمجھ کر ڈیل کریں۔ مگر مجھے اس کی پروا بھی نہیں ہے۔ میں نے بھی سوچ لیا ہے۔ میں اس بے بی کے لیے کچھ نہ کچھ کر کے ہی رہوں گی۔ چاہے بہت سارے لوگ ناراض ہو جائیں۔

تم بس اس کا اتا پتا بتا دو اس کے بعد تمہیں کچھ نہیں کرنا۔ یقین کرو میں تم پر کوئی بات نہیں آنے دوں گی۔ بلکہ تمہارے بہت سارے مسئلے بھی حل ہو جائیں گے۔ کون ہے وہ کہاں رہتا ہے تم اس کا نام کیوں نہیں بتاتیں۔ آخر اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی آلتی پالتی مار کر۔

مجھے اچھا نہیں لگتا۔ وہ دیکھنے تو بہت اچھے ہیں اور پتا نہیں مجھے ڈر بھی لگتا ہے۔

سول اپنے سے کچھ بڑی ریبا کے سامنے جیسے کھلنے لگی۔ ہم عمری کا اپنا ایک اثر ہوتا ہے۔

واہ بڑی تمیز سے تذکرہ کر رہی ہو۔ ریبا کے سارے اونگھتے حواس جاگ پڑے۔

کون ہیں بھئی وہ آپ جناب؟

آپ مجھ سے یہ بات نہ کریں باقی جو مرضی کر لیں۔ بیگم صبیحہ کو بھی نہیں بتا رہی تھی میں مگر جب انہوں نے بہت مارا تو۔

ہیں! امی کو بتا دیا تھا تم نے۔ ممی کو پتا بھی چل گیا پھر بھی کچھ نہیں کہا انہوں نے اسے۔ کمال ہے بھئی۔ پٹائی تو اس کی لگنا چاہیے تھی۔ تمہاری خواہ مخواہ لگی۔ ریبا نے بڑے جوش میں اس کی بات کاٹ دی تھی۔

میں نے بیگم صبیحہ کو بس (صحیح) تھوڑی بتایا تھا۔ کسی اور کا نام بتا دیا تھا۔ وہ بڑی سادگی اور آرام سے کہہ رہی تھی۔

ہائی گاڈ! ریبا نے گویا سر پیٹ لیا۔ تم نے کسی بے گناہ کو ان کی نظروں میں گرا دیا۔ بہت سخت گناہ ملے گا تمہیں۔ یہ تو تم نے بہت زیادتی کی۔ پھر ممی نے کیا کہا۔ اسے پکڑا یا کہ؟ ریبا کا جوش و خروش بڑھتا جا رہا تھا۔

میرے کو پتا نہیں۔ صاف جواب آیا۔

لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ تم نے غلط کیوں بتایا۔ جو قصوروار ہے۔ اس کا نام کیوں نہیں بتایا؟ کیا اس نے تمہیں

کوئی دھمکی دی تھی۔ یعنی ڈرایا تھا؟ ریبا کی حیرت بجا تھی۔

سول خاموش رہی۔

بھئی کیا پوچھ رہی ہوں میں؟ اس نے سول کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلایا۔

سول پھر خاموش رہی۔

نہیں بتاؤ گی تو میں ممی سے ڈبل مار لگواؤں گی اور بتا دوں گی کہ اس نے آپ کو غلط بتایا تھا۔ بندہ کوئی اور ہے۔ آپ اس سے دوبارہ سے پوچھیے۔

سول نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں۔

وہ میں ڈر گئی تھی۔ وہ بمشکل گویا ہوئی۔

کس سے؟ ریبا کے خاک پلے نہیں پڑا۔

بیگم صبیحہ ان کو اچھا نہیں کہتی تھی۔ ہر وقت انہیں برا بولتی تھیں۔ ان کے سامنے بھی اور جب وہ نہیں ہوتے تھے تب بھی۔ میرے کو ڈر لگا کہ وہ ان پر بہت غصہ کریں گی۔ اس لیے میں بولی نہیں اور سنی صاحب کا نام بولی۔

سول نے اپنی عقل کے مطابق جواب دے رہی تھی۔

ریبا کے وجود میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔

کس کو برا بولتی تھیں ممی۔ میرے سامنے تو انہوں نے گھر کے کسی فرد یا نوکر کو برا نہیں کہا۔ ویسے ہی کسی سے غلط کام ہو جاتا ہے تو ڈانٹ دیتی ہیں اور کون ہے گھر میں ایسا جس کو وہ برا بولتی ہیں۔ ریبا ذہن پر زور ڈالنے لگی۔

اب نہیں بولتیں۔ پہلے بولتی تھیں۔ سول نے اسے مزید سر کھپانے سے بچا لیا۔

اچھا پہلے کس کو برا بولتی تھیں؟ ریبا نے بغیر وقفے کے پھر سوال کیا۔ یوں جیسے کورٹ میں وکیل مہلت دیے بغیر سوال کیے جاتے ہیں۔ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ سول اس وقت ٹریپ ہو رہی ہے۔

موحد صاحب کو۔ وہ سول نے اتنا کہہ کر گھبرا کر منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ ان کے ساتھ تو آپ کی شادی ہوئی ہے۔ سول کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

اور ریبا کو تو یوں لگا زمین بہت تیزی سے گول گول گھوم رہی ہے۔ مگر اس کا وجود ساکت ہو گیا ہے۔ اس کا منہ کھلا اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ دونوں ہاتھ اوپر تلے سینے پر یوں رکھے تھے گویا پھڑکتے دل کو قابو میں کر رہے ہوں۔

ایسی اندوہناکی پر گویائی سلب ہو جانا عین فطرت ہے۔ گفتگو کے لیے تو سارا نروس سسٹم نارمل ہونا ضروری ہے۔ سول نے ایک لحظہ اس کی جانب دیکھا۔ بلکہ اس کی ہیئت کذائی ملاحظہ کی اور کسی مجرم کی طرح گردن جھکا لی۔ میں پہلے بولی تھی۔ آپ مجھ سے نہیں پوچھیں۔ آپ بھی سوچ رہی ہوں گی وہ برے تو دکھتے ہی نہیں ہیں۔

ریبا کی تمام حسیات منجمد ہو چکی تھیں۔ وہ بس ایک ٹک دیوار کو گھور رہی تھی۔

بی بی! کیا ہوا؟ آپ بولی نہیں۔ اور کچھ پوچھیں۔ آپ اس طرح کیوں بیٹھی ہیں؟ سول اس کے ساکت وجود کو ہلانے لگی تو ریبا گویا ہوش میں آ گئی۔

کاش تم کچھ نہ بتاتیں اور مجھ سے جھوٹ بولتیں۔ ٹھیک تو کہتی ہو تم کہ وہ ایسے دکھتے تو نہیں تھا۔ وہ یوں بولی جیسے کسی گڑھے سے اس کی آواز آ رہی ہو۔

دیکھیں میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ آپ ان سے کچھ نہ بولنا۔ پتا نہیں میرے کو اچھا نہیں لگتا۔ بس ڈر سا لگتا ہے۔ آپ ان کو بتائیں گی تو نہیں۔ سول اس کا ہاتھ ہلاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

اتنا سوفٹ اتنا ہمدرد اتنا پولائٹ۔ مجھی بھی۔ یہ لڑکی جو ہفتہ ہفتہ نہاتی نہیں ہے۔ ہر وقت پسینے کی بو اٹھتی رہتی ہے۔ جو اتنی خوبصورت بھی نہیں ہے۔ اس کے تو بال بھی کیسے خشک روکھے ہیں اسے تو۔ ریبا کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔

سول! مجھے ایک گلاس بہت ٹھنڈا پانی پلاؤ پلیز۔

سول پانی لینے چلی گئی تھی۔

مائی گاڈ۔ ایک بچی کا باپ۔ جس نے ابھی تک قانونی و شرعی بیوی کو اس کا حق نہیں دیا۔ تانیہ بھابھی کو کتنا دکھ ہوا تھا یہ جان کر۔ صبح شام لباس بدلنے والا۔ رات کو سونے کا لباس الگ سونے سے پہلے باڈی اسپرے کمرے میں ایئر فریشنر کا اسپرے خوشبوؤں میں بسا ہوا نفیس صاف ستھرا بندہ اندر سے۔ توبہ توبہ اتنا بڑا فراڈ۔ نڈھال کر دینے والی سوچیں اسے ایک پل کی مہلت نہیں دے رہی تھیں۔ سول پانی لے کر آ گئی تھی۔

بے خبر و احمق سی لڑکی جسے احساس تک نہیں ہوا کہ اس نے کیا قیامت برپا کر دی ہے۔ کسی کی ہستی کے پرخچے اڑا دیے ہیں۔ اتنی انسان دوست لڑکی اور انسانیت کا تماشا اسی کے گھر میں۔ دوسروں کی آنکھ میں ایک آنسو دیکھ کر بلک بلک کر رو دینے والی اتنی نرم دل لڑکی۔ شقاوت و بے دردی کی قیامت اس کی نظر کے سامنے۔

اس نے سول سے پانی کا گلاس لے کر ایک سانس میں خالی کر دیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا۔ گویا دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔

اس دن سر درد کے بہانے وہ ٹیکسی کر گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے جاتا رہتا ہوگا۔ آپا نے مجھ سے چھپایا ہوا گا۔ ظاہر ہے موحد ہی نے تاکید کی ہوگی۔

بزدل چور لٹیرا ظالم۔ اتنے دولت مند تو آرام سے خوشبوؤں میں بسی لڑکیوں کو دوست بنا سکتے ہیں۔ پھر قسمت کے ماروں کے ساتھ کیوں زیادتی کرتے ہیں؟ بے چاری خدمت ہی کر رہی تھی کچھ چھین تو نہیں رہی تھی۔ بہت اچھا صلہ دیا ہے خدمت کا۔ آخر اسے ٹریپ کس طرح کیا ہوگا؟ کیا کہا ہوگا اس سے؟ شادی کا جھانسہ دیا ہوگا؟

کیا کہا تھا موحد صاحب نے کہ وہ تم سے شادی کریں گے۔ تمہارے عشق میں پاگل ہو رہے ہیں؟ ریبا نے جھلاتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

سول نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔ ایسے تو نہیں بولے وہ۔ میرے سے تو کچھ بھی نہیں بولے تھے۔ سنی صاحب کی طرح کام بھی نہیں بولتے تھے۔ سنی صاحب بھی اچھے نہیں ہیں مگر میں موحد صاحب کو اچھا بولتی تھی۔ سول نے سادہ سے انداز میں جواب دیا۔

سنی بھی اچھا نہیں ہے؟ کیا کرتا ہے وہ؟ ریبا یکدم ہی الجھن ہو گئی۔

وہ کبھی میرا دوپٹہ کھینچتے تھے کبھی میرے کو پکڑتے تھے۔ وہ معصومیت سے گویا ہوئی۔

مائی گاڈ۔ خوف سے ریبا کو جھرجھری آ گئی۔ یہ تو پوری فیملی ہی کرپٹ ہے۔ غالباً اس کا جی چاہا بھاگ کر نیچے جائے اور بڑی اماں کو صاف کہہ دے کہ اب وہ موحد کے ساتھ نہیں جائے گی۔ چاہے کوئی کچھ کہے۔

اس سجے سجائے محل میں اب کوئی اٹریکشن نہیں ہے۔ اب اگر وہ وہاں گئی تو یوں لگے گا۔ گویا جیل کی اے کلاس مل گئی ہو۔ اس گھر میں دل لگانے کا ایک بہانہ تھا وہ بھی ختم ہوا۔ اس گھر میں ہے کیا۔ بے شمار قیمتی آرائشی اشیا اور مہر بہ لب ملازمین۔

کوئی دھمکی دی تھی۔ یعنی ڈرایا تھا؟ ریبا کی حیرت بجا تھی۔

سوہل خاموش رہی۔

بھئی کیا پوچھ رہی ہوں میں؟ اس نے سوہل کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلایا۔

سوہل پھر خاموش رہی۔

نہیں بتاؤ گی تو میں ممی سے ڈبل مار لگواؤں گی اور بتادوں گی کہ اس نے آپ کو غلط بتایا تھا۔ بندہ کوئی اور ہے۔ آپ اس سے دوبارہ سے پوچھیے۔

سوہل نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں۔

وہ میں ڈر گئی تھی۔ وہ بمشکل گویا ہوئی۔

کس سے؟ ریبا کے خاک پلے نہیں پڑا۔

بیگم حسیبہ ان کو اچھا نہیں کہتی تھیں۔ ہر وقت انہیں برا بولتی تھیں۔ ان کے سامنے بھی اور جب وہ نہیں ہوتے تھے تب بھی۔ میرے کو ڈر تھا کہ وہ ان پر بہت غصہ کریں گی۔ اس لیے میں بولی نہیں اور سنی صاحب کا نام بولی۔

سوہل نے اپنی عقل کے مطابق جواب دے رہی تھی۔

ریبا کے وجود میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔

کس کو برا بولتی تھیں ممی۔ میرے سامنے تو انہوں نے گھر کے کسی فرد یا نوکر کو برا نہیں کہا۔ ویسے ہی کسی سے غلط کام ہو جاتا ہے تو ڈانٹ دیتی ہیں اور کون ہے گھر میں ایسا جس کو وہ برا بولتی ہیں۔ ریبا ذہن پر زور ڈالنے لگی۔

اب نہیں بولتیں۔ پہلے بولتی تھیں۔ سوہل نے اسے مزید سر کھانے سے بچالیا۔

اچھا پہلے کس کو برا بولتی تھیں؟ ریبا نے بغیر وقفے کے پھر سوال کیا۔ یوں جیسے کورٹ میں وکیل مہلت دیے بغیر سوال کیے جاتے ہیں۔ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ سوہل اس وقت ٹریپ ہو رہی ہے۔

مون صاحب کو۔ وہ سوہل نے اتنا کہہ کر گھبرا کر منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ ان کے ساتھ تو آپ کی شادی ہوئی ہے۔ سوہل کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

اور ریبا کو تو یوں لگا زمین بہت تیزی سے گول گول گھوم رہی ہے۔ مگر اس کا وجود ساکت ہو گیا ہے۔ اس کا منہ کھلا اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ دونوں ہاتھ اوپر تلے سینے پر یوں رکھے تھے گویا پھڑکتے دل کو قابو میں کر رہے ہوں۔

ایسی اندوہناک خبر پر گویائی سلب ہونا عین فطرت ہے۔ گفتگو کے لیے تو سارا نروس سسٹم نارمل ہونا ضروری ہے۔ سوہل نے ایک لحظہ اس کی جانب دیکھا۔ بلکہ اس کی بہت کڑائی ملاحظہ کی اور کسی مجرم کی طرح گردن جھکالی۔ میں پہلے بولتی تھی۔ آپ مجھ سے نہیں پوچھیں۔ آپ بھی سوچ رہی ہوں گی اور بے تو دیکھتے ہی نہیں ہیں۔"

ریبا کی تمام حسیات منجمد ہو چکی تھیں۔ وہ بس ایک ٹک دیوار کو گھور رہی تھی۔

بی بی! کیا ہوا؟ آپ بولتی نہیں۔ اور کچھ پوچھیں نا۔ آپ اس طرح کیوں بیٹھی ہیں؟ سوہل اس کے ساکت وجود کو ہلانے لگی تو ریبا گویا ہوش میں آ گئی۔

کاش تم کسی کو بتا دیتیں اور مجھ سے جھوٹ بولتیں۔ ٹھیک تو کہتی ہو تم کہ وہ اپنے دکھتے تو نہیں ہیں۔ وہ یوں بولی جیسے کسی گڑھے سے اس کی آواز آ رہی ہو۔

دیکھیں میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ آپ ان سے کچھ نہ بولنا۔ جانے کیوں میرے کو اچھا نہیں لگتا۔ بس ڈر سا لگتا ہے۔ آپ ان کو بتائیں گی تو نہیں۔ سوہل اس کا ہاتھ ہلاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

افسوس اتنا ہمدرد اتنا پولائٹ۔ چھی چھی۔ یہ لڑکی جو ہفتہ ہفتہ نہاتی نہیں ہے۔ ہر وقت پسینے کی بو اٹھتی رہتی ہے۔ جو اتنی خوبصورت بھی نہیں ہے۔ اس کے تو بال بھی کیسے خشک رف ہیں اسے تو۔ ریبا کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔

سوہل! مجھے ایک گلاس بہت ٹھنڈا پانی پلا دو پلیز۔

سوہل پانی لینے چلی گئی تھی۔

مائی گاڈ۔ ایک بچی کا باپ۔ جس نے ابھی تک قانونی وشرعی بیوی کو اس کا حق نہیں دیا۔ تانیہ بھابھی کو کتنا دکھ ہوا تھا یہ جان کر۔ صبح شام لباس بدلنے والا۔ رات کو سونے کا لباس الگ سونے سے پہلے باڈی اسپرے کمرے میں ایئر فریشنر کا اسپرے خوشبوؤں میں بسا ہوا جس صاف ستھرا بندہ اندر سے۔ توبہ توبہ یا خدا یہ افراد۔ نڈھال کر دینے والی سوچیں اسے ایک پل کی مہلت نہیں دے رہی تھیں۔ سوہل پانی لے کر آ گئی تھی۔

بے خبر احمق سی لڑکی جسے احساس تک نہیں ہوا کہ اس نے کیا قیامت برپا کر دی ہے۔ کسی کی ہستی کے پرخچے اڑا دیے ہیں۔ اتنی انسان دوست لڑکی اور انسانیت کا تماشا اسی کے گھر میں۔ دوسروں کی آنکھ میں ایک آنسو دیکھ کر بلک بلک کر رو دینے والی اتنی نرم دل لڑکی۔ شقاوت وبے دردی کی قیامت اس کی نظر کے سامنے۔

اس نے سوہل سے پانی کا گلاس لے کر ایک سانس میں خالی کر دیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا۔ گویا دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔

اس دن سردرد کے بہانے وہ جو تیسی گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے جانتا رہتا ہوگا۔ آپا نے مجھ سے چھپایا ہوگا۔ ظاہر ہے مون ہی نے تاکید کی ہوگی۔

بزدل چور لٹیرا ظالم۔ اتنے دولت مند تو آرام سے خوشبوؤں میں بسی لڑکیوں کو دوست بنا سکتے ہیں۔ پھر قسمت کے ماروں کے ساتھ کیوں زیادتی کرتے ہیں؟ بے چاری خدمت ہی کر رہی تھی کچھ چھین تو نہیں رہی تھی۔ بہت اچھا صلہ دیا ہے خدمت کا۔ آخر اسے ٹریپ کس طرح کیا ہوگا؟ کیا کہا ہوگا اس سے؟ شادی کا جھانسہ دیا ہوگا؟

کیا کہا تھا مون صاحب نے کہ وہ تم سے شادی کریں گے۔ تمہارے عشق میں پاگل ہو رہے ہیں؟ ریبا نے جھلتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

سوہل نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔ ایسے تو نہیں بولے۔ وہ میرے سے تو کچھ بھی نہیں بولتے تھے۔ سنی صاحب کی طرح کام بھی نہیں بولتے تھے۔ سنی صاحب بھی اچھے نہیں ہیں مگر میں مون صاحب کو اچھا بولتی تھی۔ سوہل نے سادہ سے انداز میں جواب دیا۔

سنی بھی اچھا نہیں ہے؟ کیا کرتا ہے وہ؟ ریبا یکدم ہائپر ٹینشن ہو گئی۔

وہ بھی میرا دوپٹہ کھینچتے تھے کبھی میرے کو پکڑتے تھے۔ وہ معصومیت سے گویا ہوئی۔

مائی گاڈ! خوف سے ریبا کو جھرجھری آ گئی۔ یہ تو پوری فیملی ہی کرپٹ ہے۔ غالباً اس کا جی چاہا بھاگ کر نیچے جائے اور بڑی اماں کو صاف کہہ دے کہ اب وہ مون کے ساتھ نہیں جائے گی۔ چاہے کوئی کچھ کہے۔

اس سجے سجائے محل میں اب کوئی اٹریکشن نہیں ہے۔ اب اگر وہ وہاں گئی تو یوں لگے گا۔ گویا جنگل کی اے کلاس مل ہو۔

اس گھر میں دل لگانے کا ایک بہانہ تھا وہ بھی ختم ہوا۔ اس گھر میں ہے کیا۔ بےشمار قیمتی آرائشی اشیا اور بے مہر بے لب ملازمین۔

انسانیت سے عاری شخص کے ساتھ زندگی گزارنے سے بہتر تو یہ ہے کہ انسان تنہا رہ کر پاگل ہو جائے۔ میرے خدا کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی اچانک بدصورت بھی ہو سکتی ہے۔ اپنے وجود پر شرمندگی ہو سکتی ہے۔

اف جب ایسا چہرہ بھی دھوکا ہے تو زندگی میں سچ کا معیار کیا ہے؟

جب معزز ایسے ہیں تو رذیل کون ہیں؟ اور جب یہ ہیں تو پست کون ہیں!

اس کے دماغ میں شائیں شائیں ہونے لگی۔

بی بی! پانی اور لاؤں؟ موتی اس کی کیفیت سے پریشان سی ہو گئی۔

نہیں بس رہنے دو۔ اب یہ آگ پانی سے نہیں بجھنے والی۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

پھر آپ ایسی کیوں ہو رہی ہیں۔ مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے۔ آپ تو چپ ہو گئیں اور کچھ بولیں مجھ سے۔ میں سب بتا دوں گی۔

موتی! تم جاؤ یہاں سے۔ جیسے بڑی اماں کہیں ویسے کرو۔ جو میں نے کہا تھا مت کرنا۔ پلیز اب تم یہاں سے چلی جاؤ۔ کسی کو اس کمرے میں مت آنے دینا۔ چاہے مہمان آئیں یا مون۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میرا دل چاہے گا تو خود ہی نیچے آ جاؤں گی۔ اب تم جاؤ۔

موتی چپ چاپ باہر نکل گئی۔

ربا نے سر کے پیچھے تکیہ ڈالا اور سر پر رکھ کر اوندھی لیٹ گئی۔ بات یہ نہیں کہ اس نے مجھے وہ سب کیوں نہیں دیا جو کسی کو زبردستی دیا گیا۔ بات ہے ظلم کی شقاوت کی غیر انسانی سلوک کی دھوکے کی فراڈ کی ڈھیٹ پن کی۔

آن کی آن میں اس کی سوچ بوڑھی ہو گئی۔ دھوکا کھانے کا انکشاف ایسا عمل ہے کہ انسان پل کے پل دکھ کی اس انتہا کو چھو لیتا ہے جو عام حالات میں صدیوں کا سفر ہوتی ہے۔

ابھی آنسو کے مرحلے بہت دور تھے۔

جب پورا اعصابی نظام بحال ہو جاتا ہے۔ دکھ خود بخود پگھل کر آنسو بن کر بہنے لگتے ہیں۔ ابھی اس کا پورا اعصابی نظام مفلوج تھا۔ اتنا کہ جیسے خون کی گردش تک رکی ہوئی تھی۔

اسے مون کا چہرہ ڈریکولا کا چہرہ لگ رہا تھا۔ جس کے دانتوں سے خون ٹپک رہا تھا اور آنکھوں سے بھی۔ جس کے بڑھے ہوئے ناخن اس کے دل کو کھرچ رہے تھے۔ کھسوٹ رہے تھے۔ اتنی سخت پڑی تھی تاب مشکل تھی۔

اس نے دوسری طرف کروٹ لی۔ جیسے کروٹ بدلنے سے سوچوں کا سلسلہ بند ہو جائے گا مگر اذیت ناک سوچیں اعصاب سے چمٹی جاتی تھیں۔

کیسا ناقابل تذکرہ حادثہ ہے۔ کسی سے کیا بیان کیا جائے۔ کوئی پوچھے کہ دکھ کیا ہے؟ تو ہونٹ سل جائیں۔ آنکھ میں آنسو آئیں۔ یہ کہا جائے کہ کچھ پڑ گیا ہے۔

زندگی آناً فاناً لوہے کے زنداں میں قید ہو گئی۔ زنداں بھی وہ جس کی دیواریں آگ سے تپا دی گئی ہوں اور زمین پر کانٹے بچھا دیے گئے ہوں۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے مگر آنسو اندر کی آگ سے سوکھتے جاتے تھے۔

اگر مون سے پوچھے تو کیا پوچھے۔ یہ کہ تم اتنے گندے کیوں ہو؟ یا یہ کہ عیاشی اپنے معیار کی لڑکی سے کیوں نہ کی؟ ایک پیٹ کا دوزخ بھر نہیں پاتا تھا۔ تم نے دوسرا خالی پیٹ تھما دیا۔

اس لڑکی میں کیا بات تھی کہ تم نے کنٹرول کھو دیا؟

پھر تم ڈس ایبل ہو یا بن رہے ہو۔ تو تم نے شادی کا ڈھونگ کیوں رچایا؟ ایک بے قصور لڑکی کو آگ کا گھر کیوں دیا؟ تمہیں اس سے کیا حاصل ہوا؟

پہلی رات سے آج کے دن تک دھوکا۔

اف اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔

غربت و بیماری میں وہ درد تو ہے نہیں جو دھوکا کھانے میں ہے۔ شیشے کی کرچیوں میں وہ چبھن نہیں جو اعتماد کا شیشہ ٹوٹنے کی کرچیوں میں ہے۔

اف۔۔۔ کہیں میرا دماغ دھماکے سے پھٹ نہ جائے۔ اس نے تکیہ ہٹا کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

☆☆☆☆☆

ربا بیٹی! ارے یہ کیا نیند ہوئی اندھیرا ہو گیا۔ موتی بولی کہ بی بی نے اٹھانے سے منع کر دیا تھا طبیعت ٹھیک نہیں مگر بیٹی اب اٹھ جاؤ مغرب کی اذان کے وقت لیٹنا اچھی بات نہیں ہوتی۔ مہمان بھی چلے گئے۔ مون بھی آیا بیٹھا ہے لینے کے لیے۔ چلو اٹھو شاباش۔ بڑی اماں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

بڑی اماں! میرے سر میں بہت درد ہے۔ آپ مون کو واپس بھیج دیں۔ میرا جانے کا موڈ نہیں ہے۔ اس نے کسلمندی سے کہا۔

تب اس سے مل تو لو۔ خود کہہ دو کہ میں آج رکی ہوئی ہوں کل چلی جاؤں گی۔ بڑی اماں نے حیرت سے کہا۔

بس نہیں! میرا کسی سے بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا۔ بس آپ خود ہی کہہ دیں۔ اس نے ضدی انداز میں کہا اور اوندھی ہو گئی۔

ارے وہ کسی نہیں ہے تمہارا گھر والا ہے۔ یہ کوئی طریقہ ہے۔ یہی چھوٹی چھوٹی باتیں گھر خراب کرتی ہیں۔ بھیجتی ہوں اسے۔ وہ یہ کہہ کر رکی نہیں فوراً کمرے سے باہر چلی گئیں۔

تھوڑی دیر بعد غالباً مون کمرے میں داخل ہوا۔ ربا نے دروازہ لاک ہونے کی آواز سنی۔

ربا! کیسی طبیعت ہے۔ یہ اچانک طبیعت کیسے خراب ہو گئی؟ وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

تو کیا طبیعت بتا کر خراب ہوتی ہے؟ وہ اوندھی پڑی رہی سیدھی نہیں ہوئی۔

مون کو اس کا انداز بڑا اجنبی سا لگا۔

ہوا کیا ہے؟ وہ سنبھل کر پوچھنے لگا۔

اب جو بھی ہو گیا بس کافی نہیں کہ طبیعت ٹھیک نہیں۔ بس گھر جائیں میرا دل چاہے گا تو آ جاؤں گی ورنہ۔۔۔

ورنہ کیا؟ یعنی دل نہیں چاہے گا تو نہیں آؤ گی۔ یہ کیا بات ہوئی؟ کوئی بات ہوئی ہے یا ابھی سے مایوس ہو گئی ہو اور یار ذرا سیدھی ہو کر چہرہ تو کراؤ۔ کچھ چہرے سے بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ مون نے اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی۔

کچھ اندازہ نہیں ہو گا۔ پھیکا و بے رونق ہے اس وقت چہرے پر۔ اس نے پھر ترخ کر جواب دیا مگر سیدھی نہیں ہوئی۔

یار! ناراض ہو مجھ سے تو ناراضی کی وجہ تو بتاؤ۔ میں منانے کی کوشش کروں گا۔ پوری پوری کوشش۔ اس نے ربا کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔

کوئی ضرورت نہیں مجھے ٹچ کرنے کی۔ وہ بدک کر آگے ہو گئی۔

بھئی اب تو یقیناً کوئی بات ہے ورنہ یہ ڈیزائن آج پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔ کچھ کہو تو میری جان۔

(کبھی کبھی اتنی گندی باتیں گندے لوگوں کے منہ سے کتنی گندی لگتی ہیں) اسے اتنے دلار سے گھن محسوس ہوئی۔

ڈاکٹر کو دکھانے چلیں۔

میں آپ سے کہہ رہی ہوں مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ سنتے کیوں نہیں ہیں۔ مجھے زہر لگ رہی ہے آپ کی آواز۔ میں بے وقوف ضرور ہوں۔ بے حس نہیں ہوں اور آپ مجھے لینے مت آیئے گا۔ مجھے جانا ہوگا تو میں خود چلی جاؤں گی۔

ریبا! ریبا! مون حیران پریشان بس ریبا ریبا کر کے رہ گیا۔

جانے جاتے کیوں نہیں۔ وہ ہسٹریائی انداز میں چلائی۔ مون بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں ریلائز کر سکتا ہوں کہ میں نے اب تک وہ سب کچھ نہیں دیا جو تمہارا رائٹ ہے مگر تم سے مہلت تو مانگی تھی۔

جو لینے بھاڑ میں جائیں رائٹ۔ بس آپ چلے جائیں یہاں سے۔ وہ چلائی۔ اپنے مخصوص بچکانہ اور لاابالی انداز میں۔

وہ کیسے چلے جائیں صبح سے صورت نہیں دیکھی۔ مون دوبارہ بیٹھ گیا اور اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی۔ ریبا اس کی مردانہ قوت کے سامنے فطری طور پر بے بس تھی مگر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ گویا آنکھیں کہانیاں نہ سنا دیں۔

مون نے جھک کر اپنا حق استعمال کیا۔

ریبا تو اچھل کر بیڈ کے دوسرے کونے پر پہنچ گئی۔

مجھے یہ سب باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کہہ رہی ہوں ناں۔ مجھے کیوں تنگ کر رہے ہیں۔ اگر آپ نہیں جا رہے تو میں چلی جاتی ہوں اس کمرے سے۔ وہ دوپٹہ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

ہاں ٹھیک ہے۔ میں مانتا ہوں میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ میں Deserve کرتا ہوں اس کے۔ میں تمہارے ریلیکس ہونے کا انتظار کروں گا۔

وہ بجھے بجھے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ جاتے جاتے ریبا کی طرف دیکھا پھر دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔

ریبا دوبارہ سے اوندھی ہو کر لیٹ گئی۔

☆☆☆☆☆

اب اتنے دنوں بعد ولیمہ کتنا عجیب لگ رہا ہے۔

ارے چھوڑو ماں! لوگ سال میں دو دو مرتبہ سالگرہ منا لیتے ہیں تو عجیب نہیں لگتا۔ اب سب سے کہہ کر کارڈ میں دیں گے کہ کیونکہ سرکار نے مہمان بنایا ہوا تھا۔ اس لیے ولیمہ تاخیر سے ہو رہا ہے معذرت خواہ ہیں۔ حالانکہ معذرت تو اللہ میاں سے کرنا چاہیے۔ وہ ہنسا اور ریوالور کے چیمبر سے گولیاں نکالنے لگا۔

میرے سامنے ان ہتھیاروں سے نہ کھیلا کرو۔ میرا دل ہولنے لگتا ہے۔ قمر النساء نے ناگواری سے ریوالور کی طرف دیکھا۔

اماں! نکال رہا ہوں ڈال تو نہیں رہا۔ اب خالی ہو کر تو یہ بچوں کا کھلونا ہے۔ بھلے باہر پھینک دیں اٹھا کر۔ اس نے ریوالور ہوا میں اچھال کر پکڑا۔

ہاں تو آپ کہہ رہی تھیں اتنے دنوں بعد ولیمہ عجیب لگے گا۔ آپ عجیب غریب کے چکروں کو چھوڑیں۔ جو دل کہا کرے وہ کیا کریں۔ ہم مراعات یافتہ طبقے کے لوگ ہیں۔ جو کریں فیشن میں کاؤنٹ ہوتا ہے۔ وہ بڑے مغرورانہ انداز میں گویا ہوا۔ میں نے کارڈ چھپنے کو دے دیے ہیں۔ ماہ نور کا ڈریس تو تیار رہی ہے۔ تھوڑی بہت جیولری اس کی پسند کی اور دلا دوں گا۔

ماہ نور! اس نے ماہ نور کو آواز دی۔ جو کافی دیر سے جائے نماز پر بیٹھی تھی۔

ماہ نور جائے نماز کا کونہ پلٹ کر اٹھی اور چپ چاپ آ کر کھڑی ہو گئی۔

چلو تمہیں کچھ شاپنگ کروا کر لائیں۔ ولیمے کے لیے کوئی نئے ڈیزائن کی جیولری وغیرہ۔

بہت جیولری ہے اور میرا دل بھی نہیں چاہ رہا کہیں جانے کو۔ اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

ارے بازار میں پہنچ کر تو اچھے اچھوں کا دل چاہنے لگتا ہے تم تیار ہو جاؤ بس۔ اس نے گویا حکم دیا۔

ماہ نور نے بے بسی سے قمر النساء کی طرف دیکھا پھر خاموشی سے پلٹ گئی۔

عجیب لڑکی ہے۔ جیولری کا شوق نہیں۔ کمال ہے۔ پاشا نے ماں سے کہا۔

اسے اب کسی چیز کا بھی شوق نہیں ہوگا۔ غریب زندہ ماں باپ سے دور ہے۔ یہ کیا کم ستم ہے۔ قمر النساء نے سرد آہ بھری۔

تو چلی جائے کر آئے اپنے ماں باپ کے پاس۔ کسی نے روکا ہے۔؟ پاشا نے لاابالی پن سے کہا۔

قمر النساء نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور گویا سر پیٹ لیا۔

شاباش ہے بیٹے شاباش ہے۔ تمہارے کارناموں نے اسے منہ دکھانے کے قابل چھوڑا ہے؟ اس کے ماں باپ تو تم چھین لیے اس سے۔ وہ دکھ سے بولیں۔

اگر میں ملانے لے جاؤں تو کیا وہ مجھے مار کر نکال دیں گے؟ پاشا نے لاپرواہی سے سوال کیا۔

ہاں نکال دیں گے۔ اگر سیدھے سے نہیں نکلو گے تو محلے والوں کے ذریعے نکلوا دیں گے اور یہ دکھانے کے لیے تو ضرور ایسا کریں گے تاکہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ وہ اپنی بیٹی سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ قمر النساء کی آواز بہت دھیمی تھی۔

کیوں کیوں بھئی۔ وہ محلے والوں سے اتنا کیوں ڈرتے ہیں۔ کیا وہ ان کے گھر میں راشن پہنچاتے ہیں؟ وہ چھوڑ دیں تو بھوکے مر جائیں گے؟ پاشا کے نتھنے پھول گئے۔

عزت دار لوگوں کا مسئلہ صرف روٹی نہیں ہوتا۔ دوسروں کی نظروں سے گر جانا بھوکے رہنے سے زیادہ اذیت ناک ہے۔ نا سمجھ انسان۔ قمر النساء زچ ہو کر بولیں۔

پھر تو آپ اس کے سارے محلے میں ولیمے کے کارڈ دیں۔ تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ماہ نور کتنی معزز کلاس سے تعلق رکھتی ہے۔ اس ولیمے میں سارے شہر کی کریم موجود ہوگی۔ وہ چہرے بھی ہوں گے جنہیں یہ لوگ اسکرین پر بڑے شوق سے دیکھا کرتے ہیں اور ان سے ملنے کی تمنائیں رکھتے ہیں اور ہم ان سے پانی منگوا کر پیتے ہیں۔ ہاہاہا۔

ہاں تم کارڈ دو گے تو وہ بھی آ جائیں گے۔ قمر النساء زہرخند سے گویا ہوئیں اور نڈھال سے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ہمیشہ کی طرح دعا ہے کہ اللہ تمہیں عقل سلیم عطا فرمائے۔ آمین۔

مجھے عقل سلیم کلیم تعمیر کی ضرورت نہیں اماں! عقل پاشا کافی ہے باقی ضرورت کی ہر شے رب نے دی ہوئی ہے۔ اس نے پھر قہقہہ لگایا۔

کرب سے قمر النساء کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

وہ آف وائٹ بڑی سی بوسکی کی چادر لپیٹ کر آ گئی تھی۔

جی تو چاہتا ہے تمہیں چہرہ چھپانے کو کہوں۔ جو تمہاری آنکھیں ہیں ماہ نور چاہتوں کو اٹریکٹ کرتی ہیں۔ اوپر سے یہ تمہاری جھپکتی ہوئی پلکیں اتنی گھنی کہ گالوں پر سایہ پڑنے لگتا ہے۔ واہ۔

دل تو یہی چاہتا ہے کہ تمہیں میرے سوا کوئی نہ سراہے۔ خزانے کی طرح چھپانے کو جی چاہتا ہے۔ یار! وہ میری براؤن چپل پر ذرا برش مارنا۔ یہ کام نوکر کریں تو مزہ نہیں آتا۔ بیوی کرے تو اور زیادہ اچھی لگتی ہے۔"

پاشا نے اٹھ کر اپنی قمیص کی شکنیں درست کیں۔ اس وقت وہ گہرے سیاہ شلوار سوٹ میں ملبوس تھا۔ وارڈ روب کھول کر اس نے اپنا بڑا اسکارف نکالا اور شانوں پر لٹکا لیا۔

منٹوں میں وہ چپل صاف کر کے لے آئی۔

وہ کھڑا تھا۔ ماہ نور جھک کر اس کے پیروں کے قریب چپل رکھ رہی تھی۔

کیسے کیسے آگے کے دور عبور کیے ہیں ان حسین منظروں کو دیکھنے کے لیے۔ وہی تو لڑکی ہو تم جو میری آوارہ ہنستا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ پاشا چپل پاؤں میں ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ لہجے میں جیت کا نشہ تھا۔

چھوڑیں اب وہ باتیں۔ اب تو سب کچھ پسند ہے۔ وہ سرد آہ بھرتے ہوئے بولی۔

خدا کرے تمہیں یقین آ جائے۔ اس نے سائیڈ ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے دعا کی۔

آمین۔ ماہ نور نے بھی جوابی کارروائی کی۔

وہ اسے شاہراہ عراق پر لے آیا تھا۔ جہاں پارکنگ ایک مسئلہ ہوتی ہے۔ بمشکل گاڑی کھڑی کی۔ ٹھنڈی گاڑی سے باہر آ کر شام کی ٹھنڈی ہوا بھی گرم لگی۔

ہائے پاشا! جیولر شاپ کی طرف بڑھتے قدم ایک کھنکتی آواز نے روک لیے۔ ماہ نور نے آواز کی سمت دیکھا۔ ایک سرخ سفید اسمارٹ سی لڑکی پاشا کا بازو تھامے ڈٹی کر رہی تھی۔ سرخ ٹی شرٹ، نیلی جینز، ربڑش براؤن ڈائی کیے باب کٹ سرخ ہیئر بینڈ نما پٹکا جو ماتھے سے چپکا ہوا بالوں کو کنٹرول کر رہا تھا۔ پاؤں میں سرخ ہائی ہیل سینڈل کلائی میں سرخ اسٹریپ والی رسٹ واچ گلے میں بھاری سی جھلمل کرتی چین۔ ماہ نور نے ایک نظر میں بہت کچھ دیکھ لیا۔ پاشا بھی اس کے شانے پر ہاتھ دھرے بہت خوشی سے مسکرا رہا تھا۔ گویا دونوں اچانک مل کر بہت خوش ہوئے ہوں۔

یار! تم نے حد کر دی۔ کوئی خیر خبر ہی نہیں اس لیے پوز وچتے ہو اں کہ پتا ہے لوگ تمہیں پوچھتے پھرتے ہیں۔ بے ایمان کہیں کا۔ لڑکی نے پھر پاشا کی پشت پر دھپ مارا۔

ایسی بات نہیں ہے۔ تمہیں تو پتا ہی ہے کبھی اندر کبھی باہر۔ یار! اس مرتبہ تو بہت برے پھنسے تھے۔ تھکس گاڈ۔ ہمالیہ آ گیا بنکاک سے۔ بڑی بھاگ دوڑ کی ان نے۔ بڑے کام کا بندہ ہے جی چاہتا ہے شیشے کے باکس میں بند کر کے کمرے میں سجا دوں۔ پاشا کی بات پر لڑکی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

پاشا! اس یہ تمہاری باتیں ہی تو بہت یاد آتی ہیں۔ لڑکی کا انداز بے باکی کی انتہا پر تھا۔

اوہ سوری۔ بھئی ان سے ملو ہماری بیگم صاحبہ کہلاتی ہیں۔ تم نے تو اتنا شور کیا میں تعارف کرانا ہی بھول گیا۔

او سرپرائز یو مسٹر۔ تم نے کب سے یہ عادتیں پسند کرنا شروع کیں؟

لڑکی نے ماہ نور کی سمت مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور بہت دلچسپی سے ماہ نور کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اتنی اچھی سی لڑکی پاشا کی بیوی۔

یو چوائس۔ یار یہ؟ وہ تعجب سے پوچھ رہی تھی۔

مائی لو انوشہ! میری محبت میرا عشق۔ پاشا نے مخصوص انداز میں جواب دیا۔

اونو۔ وہ پہلی محبتیں پہلے عشق۔ انوشہ نے چھیڑا۔

دھوپ کے رستوں میں چھاؤں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ضرور تمہیں محبتیں تھیں۔ مائی ڈیئر۔

تیرے ہجراں میں جس جس سے ملے وہ لوگ
آتے جاتے ہوئے موسم تھے زمانہ تو تھا

داد۔ ہاں تمہارے شعر بھی بہت یاد آتے تھے۔ کیا مجبوری ہے۔ پتا نہیں کیا کیا یاد کر لیتے ہو۔ ویسے دل پھینک لوگوں کو بہت سپورٹ کر رہا ہے یہ شعر۔ انوشہ کھلکھلائی۔

بھئی ہمیں بھی دل پھینک ہی سمجھو۔ اب تم اتنی سج رہی ہو کہ منہ میں پانی آ رہا ہے۔ ڈونٹ وری ماؤ ڈیر! کیونکہ تا اپنی چھتری پر ہے۔ اس نے ماہ نور کا شانہ تھپکا۔

ویسے تم پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہو انوشہ۔

تھینک یو۔ اصل میں اب میرا بزنس سیٹ ہو گیا ہے۔ ہو کے میں اس لیے ریلیکس ہو گئی ہوں۔ شاید اسی لیے زیادہ فریش نظر آ رہی ہوں۔

اکیلے ہی سیٹ کیا ہے یا پارٹنرشپ ہے؟ پاشا نے سوال کیا۔

ارے کیا بیکل کھڑے کھڑے سب کچھ پوچھ لو گے گھر نہیں بلاؤ گے۔ ٹریٹ ڈیو ہے تم پر۔ انوشہ نے جھاڑ پلائی۔

ایسی زبردست ٹریٹ دیں گے کہ یاد کرو گی۔ ابھی ولیمہ کہاں ہوا ہے۔ بس اسی کی تیاری ہو رہی ہے۔

ہیں ارے۔ کب کرو گے ولیمہ۔ لگتا ہے شادی کو تو کافی دن ہو گئے۔ یہ دلہن تو بہت سادہ سی ہے۔ مہندی تک نہیں ہے ہاتھوں میں۔ انوشہ نے اس مرتبہ ماہ نور کا زیادہ تفصیلی جائزہ لیا۔

ولیمہ تو واقعی لیٹ ہو رہا ہے مگر ہو ضرور رہا ہے۔ پاشا ہنسا۔

اس معاملے میں تو واقعی تم پکے مسلمان نکلے۔ گڈ انوشہ بھی ہنسی۔

تمہارا نمبر وہی ہے نا؟ پاشا نے پوچھا۔

"ہوں۔ سب کونٹیکٹ نمبر وہی ہیں۔ ٹھیک پاشا پھر ملیں گے۔ بلکہ ملتے رہیں گے۔ ابھی تو میں یہیں ہوں۔ او کے ڈیئر۔ تم سے بات چیت سیٹنگ میں ہو گی۔" اس نے ماہ نور کے رخسار چھو کر کہا۔

"بائے پاشا!" وہ کی رنگ جھلاتی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

"ہمارے سرکل میں ایسے ہی ٹھاٹھ بولتے ہیں۔ کلاسی شے ہے۔ خوگی تو پتا چلے گا"۔ پاشا اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

"بتاؤں گا اس کے بارے میں تفصیل سے۔" وہ شاپ کے دروازے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ اور نے الیکٹرک لاک کھولنے کے لیے بٹن پش کیا۔

پاشا نے اسے پہلے داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ جیولر شاپ کی تو بات ہی نرالی ہے اور یہ بہت اسٹینڈرڈ قسم کی شاپ تھی۔ وسیع عربش ڈیکوریٹڈ۔ جگمگ جگمگ۔

"یہ آتی ہائی فائی قسم کی لڑکیاں اس کے سرکل میں تھیں پھر مجھ میں اسے کیا خاص بات دکھائی دی کہ بیاہ فرض کر کے رکھ دیا۔" وہ سوچتی ہوئی انوشہ ابھی تک ماہ نور کے اعصاب پر چھائی ہوئی تھی۔

سیلز مین کھٹاک کھٹاک ڈبے کھول کر سامنے رکھ رہے تھے مگر وہ انوشہ کو سوچ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

دیسے تو یہ بھی تمہارا گھر ہے خوشی سے جب تک جی چاہے رہو مگر مجھے حیرت اس بات پر ہے۔ اپنے سکون سے تو تم ابھی تک گئی نہیں تھیں۔ خیر تو ہے ناں؟ سسرال میں کوئی بات تو نہیں ہوئی؟"

بڑی اماں نے نمبر سے وہ بھی جب اس کے جانے کے آثار نہ دیکھے تو فطری طور پر تشویش ہوئی۔ اس کی حماقتوں سے ویسے بھی اندیشے ہی آتے رہتے تھے۔

"سسرال؟ ہونہہ کیا بڑے سارے خالی گھر کا نام سسرال ہوتا ہے؟" وہ تنک کر بولی۔ "اس بھوت بنگلے کا نام ویسے شاہانہ پیلس" ہے۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ اپنی قمیص کا تو ہوا بٹن لگانے لگی۔

"اوئی توبہ۔ اللہ نہ کرے وہ بھوت بنگلہ ہو" بڑی اماں جیسے اچھل ہی پڑیں۔ اسی اوائی توبولی سے ڈر لگتا ہے تمہاری مار زبان کے آگے خندق ہے۔ بولتے ہوئے کچھ نہیں سوچتا۔"

"ہاں نہیں تو اور کیا۔ بسسر ہروقت موبائل ساس کی اپنی اَڈٹ ڈوا نکشنیز۔ دیور پتا نہیں کب آتا ہے کب جاتا ہے۔ کیا ہے اس گھر میں ماسی کی قینچی کی طرح چلتی زبان۔ اللہ بار کی خوشامدیں۔ شمسی امارت کا کلف اندر باہر لگا ہے۔"

"ارے بس۔ بستا ہوا گھر ہے بھوت بنگلہ کیوں بولی۔ خبردار سوچ سمجھ کر بات کرنا سیکھو۔ بڑی بہو بن کر گئی ہو وہاں۔" بڑی اماں نے گھر کا۔

"بڑی بہو۔ گیارہ نندیں پانچ دیور اٹھارہ دیورانیاں۔ ہر وقت بڑی بھابھی بڑی بھابھی کہہ کہہ کر کان کھائی رہتی ہیں" اس نے دھاگہ دانتوں سے کاٹ کر قمیص جھٹکی۔

"تبا او ندی سیدھی بولے جاتی ہے۔ کل میں دیکھ رہی تھی تو نے تیلی فون پر بھی سیدھی طرح بات نہیں کی۔ کوئی بات ہے تو کہو۔ دل میں رکھ کر جان جلانے سے حاصل؟" بڑی اماں نے پھر جھاڑ پلائی۔

"بعض دفعہ جان جلانا پڑتی ہے مجبوراً۔ میرا دل چاہ رہا ہے بڑی امی کے گھر جانے کو۔ آپ اظہار بھائی سے کہیں۔ مجھے چھوڑ آئیں۔" اس نے موضوع یکسر بدل دیا۔

"موان کو بتا دیا کہ تایا کے گھر جا رہی ہوں؟" بڑی اماں نے پوچھا۔

"کوئی ضروری ہے؟ اپنے تایا کے گھر جا رہی ہوں ملک سے باہر تو نہیں جا رہی؟" اس نے پھر اوندھا جواب دیا۔

"اب بیاہتا ہو۔ زیادہ ذمہ داری سے زندگی گزارنا ہو گی۔ شوہر سسرال والے عموماً پسند نہیں کرتے کہ لڑکی میکے جائے پھر وہاں سے ادھر ادھر بغیر اطلاع گھومنے ملنے چلی جائے۔ بات بھی ٹھیک ہے۔ جو اصلی گھر ہے وہاں تو پتا رہنا چاہیے کہ گھر کا کوئی فرد کس وخت (وقت) کہاں ہے؟ دفتر فون کر کے اسے بتا دو پھر جانا رہو۔ کوئی منع تو نہیں کرتا۔"

"پتا نہیں وہ اس وقت کون سے آفس میں ہوں۔ میں کہاں ڈھونڈتی پھروں۔ فون آئے تو بتا دیجیے گا۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں اسے اطلاع دیے بغیر کہیں جانے کی۔ لاکھ تایا کا گھر ہو۔ سنا؟ الہ گیا وہ وخت (وقت) بے تحاشا نکل نئی پھرتی تھیں۔ چلو ملا دو اس کا نمبر میں بھی ساتھ چلی چلوں گی۔ بہت دن ہو گئے ناصر سے ملاقات ہوئی نہ بات ہوئی۔ اللہ میرے بچے کو خیر خیریت سے رکھے۔

"لے لو وہ موان خود ہی آ گیا۔" بڑی اماں کے منہ سے نکلا اور ربیا چونک کر مڑی۔

☆☆☆☆☆

السلام علیکم! موان ربیا کا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ جیتے رہو آؤ بیٹھو۔ ماشاءاللہ بڑی عمر ہے۔ ابھی تمہارا ذکر ہو رہا تھا۔" بڑی اماں کا چہرہ دلی خوشی کا عکاس تھا۔

"کن معنوں میں ذکر ہو رہا تھا؟ اچھے الفاظ سے یاد کیے جانے کا تو کوئی امکان نظر نہیں آ رہا۔" اس نے ربیا کا چہرہ دیکھتے ہوئے مذاقاً کہا۔

"اللہ نہ کرے بیٹے! کہ یہ وقت آئے۔ تم میرے اپنے بچے ہو۔ ہماری عزت تم سے اور تمہاری ہم سے ہے۔ دن رات تمہاری خوشیوں کیلیے دعا گو ہیں۔" بڑی اماں نے آگے بڑھ کر موان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

"ربیا تایا گھر جانے کو کہہ رہی تھی۔ تو میں اسے بولی کہ موان کو ٹیلی فون کر کے بتا دو۔ کہنے لگی پتا نہیں کون سے دفتر ہوں گے۔ اب کہاں کہاں فون ملاتی پھروں۔ تو میں اسے سمجھا رہی تھی کہ بیاہتا عورت کے طور طریقے کیا ہونے چاہئیں شوہر کی اجازت سے گھر سے باہر جانا چاہیے۔ چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے گھر بگڑ جاتے ہیں۔ یہ اپنی کہے جا رہی تھی کہ تایا کے گھر ہی تو جا رہی ہوں وغیرہ وغیرہ مگر میں نے سختی سے کہہ دیا ہر لاکھ تایا کا گھر ہو شوہر کو پتا ہونا چاہیے کہ اس کی بیوی کس وقت کہاں ہے۔ یہ نازک رشتہ ہے احتیاط سے مضبوط ہوتا ہے۔"

بڑی اماں نے ذکر کی تفصیلات داماد کے گوش گزار کیں۔ اپنی دانست میں اسے خوش بھی کیا۔ ربیا کی حماقتوں کے ممکنہ نتائج کی پیش بندی بھی تھی غالباً۔

"آپ نے بہت اچھی بات کی بڑی اماں! لیکن یہ یہاں آ کر صرف آپ کی اجازت سے بھی کہیں جاتی ہیں تو مجھے کسی قسم کا اعتراض نہ ہو گا اور آپ کی اجازت کے بعد میری اجازت کی کوئی حیثیت نہیں آپ میری بزرگ ہیں" موان نے جواب دیا۔

"جیتے رہو بیٹا سعادت مند اور بزرگوں کا احترام خوش بختی کی نشانی ہے۔ بیٹھو چائے تو تم کم ہی پیتے ہو پہلے کچھ ٹھنڈا لو گرمی بہت ہو رہی ہے۔ چائے کا ذکر ہی فضول ہے کھانا بھی تیار ہے نہ کھایا ہو تو کھانا لگوا دیتی ہوں"۔ بڑی اماں داماد کی آؤ بھگت کرنے لگیں۔

"کھانا تو میں کھا چکا ہوں بس ٹھنڈا چلے گا پھر چلتے ہیں میں آپ کو اور ربیا کو ڈراپ کر دیتا ہوں"

بڑی اماں کی خوشی سوا ہو گئی۔ ایک تو کنوینس پرابلم حل ہوئی دوسرے داماد کا ساتھ۔

"ربیا! ابھی تک کھڑی منہ تک رہی ہو۔ جاؤ ٹھنڈا لاؤ۔ بیٹا ذرا بیٹھنا ابھی تیار کیے دیتی ہوں۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں۔

"اچھا بیٹے! میں ذرا کپڑے بدل لوں۔" وہ ربیا کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے قطعی بے خبر تھیں۔ اس وقت تو بس انہیں یہ خوشی بہت تھی کہ وہ داماد آیا ہے۔ فوراً ہی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ انہیں جلد ہی جلدی تیاری کرنا تھی۔ کپڑے بدلنا تھے۔ پان کا بٹوا تیار کرنا تھا۔ بابا کو ضروری تاکید یں کرنا تھیں۔ مولی کو ہدایات دینا تھیں ضروری چیزوں پر تالے لگانا تھے۔ اس وقت وہ ماحول سے قطعی بے نیاز ہو چکی تھیں۔

"تم نے کپڑے وغیرہ چینج نہیں کرنے؟" موان نے ربیا کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ رکھائی سے گویا ہوئی۔

"میں یہ تو نہیں کہہ رہا کہ غلط ہو۔ میرے خیال میں تم کپڑے لائی بھی نہیں ہو۔ تم تو اچانک رک گئی تھیں یہاں؟" وہ بولا۔

ریا ہنوز سون کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ابھی وہ بہت کم عمر تھی۔ گہرے سمندروں کا تجربہ گرہ میں نہیں تھا۔ اسے بھلا کیا خاک نظر آتا سون کے چہرے پر۔

"اے بچی! یہ چیزیں سمیٹ رہا ہمارے جانے کے بعد پندان میرے کمرے میں رکھ دینا اور تیری بہن چھالیہ نکال کر چبانی ہے۔ اتنی چھالیہ کھانا ٹھیک نہیں ہوتا تو بھی ٹوک دیا کر۔ اور چھت کی جھاڑ ضرور لگا لینا۔ بہت دھول اڑی ہے آج۔ سنا؟"

"جی!" سول کی آواز میں ذرا رس نہیں تھا۔

"میں جا رہی ہوں۔ واپسی رات ہی کو ہوگی۔ گھر کا دھیان رکھنا گیٹ بند رکھنا۔ بہنا کبھی بولیو کھڑی میں رہے۔ باہر کے بچے احمد بلانے کی ضرورت نہیں۔ گھر اندر تالا کر کے چلے جائیں گے باہر باغ میں پڑنی ڈالنا مت بھولنا۔"

"چلو بیٹا ہم تو تیار ہیں" بڑی اماں نے پان کے بٹوے کی ڈوریاں کسیں۔

"جی چلیں گاڑی تو گیٹ سے باہر ہی ہے۔" سون چابیاں جیب سے نکالتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور ریا کو چلنے کا اشارہ کیا۔

ریا دوپٹہ سنبھال کر چل پڑی۔ اظہار بھی انہیں چھوڑنے گیٹ تک آیا۔

"اکیلا گھر ہے دھیان سے رہنا۔" بڑی اماں نے لگے ہاتھوں اظہار کو بھی تاکید کی۔

"ماشاءاللہ بابا سول سول کی ماں بہن اور میں پھر بھی گھر اکیلا؟" اظہار نے گویا سر پیٹ کر کہا۔

"یعنی صرف بڑی اماں کے نہ ہونے سے گھر اکیلا ہو جاتا ہے یا سارے وجود بڑی اماں کی غیر حاضری میں عدم ہو جاتے ہیں۔" اس نے مزید کہا۔

"گھر میں کوئی ذمہ دار نہ ہو تو گھر اکیلا ہی سمجھا جاتا ہے۔ بابا کام سے فارغ ہو کر صبح کا باسی اخبار لے کر کرسی ڈالنے میں جا بیٹھیں گے سول کی ماں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور یہ دونوں بچیاں ہیں۔" بڑی اماں نے وضاحت کی۔

"پھر بھی میں تو بچا ہوں ابھی۔" اظہار تڑپ کر بولا بڑی اماں تو سلیٹ ہی صاف کر رہی تھیں۔

"اے ہاں بھلی چلائی موا ٹیلی فون پکڑ کر بیٹھ گئے تو آگ بجانے والی گاڑی کا ہارن بھی چونکا نے کا نہیں۔" وہ جل کر بولیں اور گاڑی کے کھلے دروازے میں داخل ہونے لگیں جو سون کھول چکا تھا۔

☆☆☆☆☆

ولیمے میں انوشا تو گویا سج دھج کے ساتھ شریک ہوئی تھی۔ ساری محفل میں سب سے منفرد دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن سے زیادہ پاشا کے قریب دکھائی دے رہی تھی۔ ماہ نور کو جانے کیوں بہت عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے سارے تعلق دار ... کے قریب تھیں اس پر قربان ہو رہی تھیں مگر اس کا ذہن پاشا کی سیدھا ہی میں اٹکا ہوا تھا۔

بے شمار تحائف اسٹیج پر رکھے تھے۔ تصویریں بن رہی تھیں۔ رنگ و نور کا سیلاب امڈا ہوا تھا۔ فلمی دنیا کے اسٹارز پاس آ آ کر مبارکباد دے رہے تھے۔ جن کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے لوگ بے قرار رہتے ہیں مگر اس کی توجہ انوشہ سے نہیں ہٹ رہی تھی۔ سیاہ جھلملاتا ٹانگ ڈریس میں ہیرے جواہرات سے لدی پھندی انوشہ پاشا کے یوں قریب تھی گویا وہی تقریب کی دلہن ہو۔

"اماں! آپ لوگ گھر چلی جائیے گا۔ مجھے تھوڑی دیر ہو جائے گی۔ ضروری کام سے جانا ہے۔ ٹھیک ہے ماہ نور؟" اچانک پاشا اسٹیج پر آ کر مخاطب ہوا۔

"آج بھی کام ہے تمہیں؟" قمر النساء نے ناگواری سے کہا۔

"اماں! کام تو روز ہی ہونے ہیں۔ مرتے مرتے بھی کچھ کر ہی رہا ہوں گا۔ بڑی مصروفیت لکھی ہے اللہ نے قسمت

میں۔ باہر گاڑی اور ڈرائیور موجود ہے۔ مہمان تو جانا شروع ہو گئے ہیں۔ آدھ گھنٹے بعد آپ لوگ چلے جائیے گا۔

ماہ نور! میرے آنے تک تم بھی ریسٹ کر لینا" اس نے آنکھ بچا کر شریر مسکراہٹ کے ساتھ اسے دل پذیر اشارہ کیا ماہ نور نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔

"ہمارے دل کافی مضبوط ہو چکے ہیں۔ اگر کوئی گڑبڑ ہے تو صاف صاف بتا دو" ملیحہ نے کہا۔

"نہیں بھئی کوئی بات نہیں ہے بس واقعی ایک کام ہے۔ جو شک کرے وہ گناہ گار۔"

سیاہ ڈنر سوٹ جو ٹائی کے بجائے ریڈ اسکارف سے مزین تھا میں ملبوس پاشا آج واقعی غضب ڈھا رہا تھا۔ وائٹ شرٹ کے کفوں میں ڈائمنڈ جگمگا رہے تھے اور ان سے زیادہ اس کی سیاہ گھور آنکھیں اعتماد آسودگی من چاہی خوشیوں کا نشہ کامیابیاں وہ سنہرا رسوخ بہشت پہلو ذات تھی ان سیاہ پتلیوں کی پھر کیوں نہ جگمگا کرتیں۔

"یہ کام ہے جو دو گھنٹے سے آپ کے ساتھ سایہ بنا پھر رہا ہے بھائی؟" افزیہ نے کہا جو ولیمے میں شرکت کے لیے بطور خاص پشاور سے آئی تھی۔ بڑا اترایا ہوا انداز تھا۔

"ارے نہیں گڑیا یہ تو بڑا اہم سا کام ہے۔ مجھے تو ایک خاص کام ہے" پاشا نے افزیہ کے سر پر ہلکے سے چپت لگائی۔

"اچھا اماں! چلیں آپ لوگ آتا ہوں میں۔" وہ رسٹ واچ پر نظر دوڑاتے ہوئے بولا اور آگے بڑھ گیا۔

"آتا ہوں۔ مجھے پتا ہے اس آتا ہوں کا مطلب۔" قمر النساء سلگ کر بولیں۔

"چھوڑیں اماں! کیوں جان جلاتی ہیں۔ اتنی اچھی بہو تو لا کر دے دی ہے بھائی نے آپ کو" فریحہ ماں کے قریب بیٹھی تھی۔ ماں کے شانے سے سر ٹکا کر بولی۔

"ہاں یہ کہہ رہا تھا اماں کی وجہ سے تو گلشن والی کوٹھی میں نہیں رکھا ماہ نور کو۔ اماں تو اس کوٹھی میں جانے کو تیار نہیں لہٰذا مجبوراً ماہ نور کو ہی ان کے پاس رکھنا پڑ رہا ہے۔"

"یہ بلیک اینڈ وائٹ بلا کون ہے؟ تو یہ تقریب کے سارے سر ہی اس کی طرف دیکھنے رہے سپر گلوری آئٹم۔" مدیحہ نے بہنوں سے کہا تو سب کی سب ہنس پڑیں۔

ماہ نور کے چہرے پر مسکراہٹ تک نہیں آئی۔

"تم کیوں اداس بیٹھی ہو چاہنے لگی ہو ہمارے بھائی کو؟ کہیں نہیں جاتا۔ بہت ہوشیار ہے پتا نہیں اس کے کارپٹ کے نیچے کیا کتنا کچرا ہوگا۔ ان ہی میں سے کسی سے شادی کرنا ہوتی تو کر لیتا۔ اسے کون روکتا؟" ملیحہ نے ماہ نور کا ستا ہوا چہرہ پڑھ لیا تھا۔ قدرے ہنسی تھی۔ جھک کر ماہ نور کا رخسار چوم لیا۔

"بہت خوش قسمت ہو ایسی قربان ہونے والی نندیں ملی ہیں اس لیے کہ بے چاریوں کی لاٹری نکل ہے۔" مدیحہ نے کہا۔ اور سب کی سب کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ قمر النساء بھی مسکرا پڑیں۔

☆☆☆☆☆

سب کی سب اس کے ہمراہ گھر آئی تھیں۔ پہلے تو آتے ہی اپنے اپنے بچوں کو لٹایا سلایا۔ کپڑے تبدیل کر کے پھر ماہ نور کی مدد کی۔ کسی نے آرام دہ کپڑے نکال کر دیے۔ کسی نے اس کی جیولری سنبھالی۔ کسی نے میک اپ تکنیک سے صاف کیا افزیہ فریحہ چونکہ پہلی بار ملی تھیں اس لیے ان کی حیرت آمیز خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ شاید اوروں کی طرح ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ انہیں اتنی اچھی بھاوج مل جائے گی۔ کافی دیر اس کے کمرے میں رونق رہی قمر النساء کی کئی بار کی تاکید کے بعد وہ سونے کے لیے گئیں۔

ماہ نور نے وال کلاک کی سمت دیکھا رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ صبح کاذب کے پر پھیلنے کو تھے۔

آج وہ اس کی آمد کی منتظر تھی جس کی آمد کے احساس ہی سے وہ زیر ہونے لگی تھی۔ سارے اہم رشتے ختم کرنے کے برابر کھڑا ہوا ہے تو خیال رکھے۔ بس۔ ہم جو کریں ٹھیک ہے اسے تو وہ کرنا چاہیے کہ ہر گھڑی تاوان ادا ہوتا محسوس ہو۔ پل پل ہمارا خیال رکھنا چاہیے۔ ہم کتنا ہی ادھر بھاگیں اسے ہم سے بندھا ہونا چاہیے۔

وہ رنگ برنگی تتلی اپنے ماریچی عشق پر گھڑی میں جھاڑو پھیر گئی۔ ماہ نور نے کھولتے ہوئے دروازہ بند کیا۔ کھڑکیوں کے پردے درست کیے۔ نائٹ بلب جلایا بالوں کو ہیئر بینڈ سے آزاد کیا اور دوسرے تکیے پر ڈال کر بستر پر دراز ہوگئی۔ آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"عمر بھر کے نقصان کھاتے میں ڈال کر اس کمرے تک لایا ہے زیادہ سے زیادہ میرا وہ تن کے اعضا ہی تو خرچ کر دوں گی۔ ویسے بھی اب میں خود کو اجاڑ دل ہی تسلی کرتی ہوں ابھی تک اس مجبوری کے ساتھ ہے۔ یہ بچی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کر رہی ہوگی۔ بے حیا۔ پتا نہیں عورتیں اتنی بے حیا ہو کیسے جاتی ہیں جب اپنے اہم موقع پر اس نے پاشا کو نہیں چھوڑا تو عام دنوں میں حالات کیا ہوں گے۔" وہ کروٹیں بدل بدل کر آخر کار اونگھنے لگی۔

جانے وہ کب کمرے میں آیا تھا وہ یوں چونک کر جاگی کہ پہلو میں لیٹا اس کا شانہ ہلاتے ہوئے ٹھنڈا پانی مانگ رہا تھا کمرے میں عجیب سی نامانوس سی بو پھیلی ہوئی تھی جو اعصاب پر بوجھ ڈال رہی تھی جیسے کیمسٹری لیب میں اسپرٹ لیمپ سے آتی تھی اسی سے ملتی جلتی۔

"ماہ نور! ایک گلاس ٹھنڈا پانی۔" وہ آنکھیں موندے کہہ رہا تھا۔

ماہ نور کے تو سارے حواس جاگ چکے تھے۔ وہ بستر سے نیچے اتر آئی۔ پاشا کا سیاہ کوٹ نیچے کارپٹ پر پڑا تھا۔ ریڈ راسکارف دروازے کے نزدیک نظر آیا۔ ایک جوتا صوفے پر دوسرا ٹیبل پر تھا۔ گویا اچھال کر اتارے پھینکے گئے تھے خود وائٹ شرٹ بلیک پینٹ موزوں سمیت بیڈ پر دراز تھا۔ ماہ نور کو ہلکی روشنی میں بھی اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے نظر آگئے کمرے میں اے سی چل رہا تھا پھر پسینہ کیا معنی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ وسوسوں نے سرسرا کر بل سے باہر سر نکالے اور میرے خدا اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا غصے میں۔ وہ بھاگ کر پاشا کے قریب آئی۔

اس نے پاشا کی پیشانی پر ہاتھ رکھا وہ چونک پڑی وہ اسے ٹھنڈی محسوس ہوئی۔ اس نے گھبرا کر اس کی گردن کو چھوا وہاں بھی ٹھنڈک تھی۔

"پاشا! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"ہوں میں ٹھیک ہوں۔ سنو پانی رہنے دو دیکھنا فریج میں کوک ہے تو کھول کر دو مجھے" وہ عجیب نامانوس سی آواز میں بولا۔ آنکھیں ہنوز بند تھیں۔

"جی؟ یہ کیسی طبیعت خراب ہے پانی کے بجائے کوک کی طلب ہے۔" وہ الجھ گئی پھر سوچتی ہوئی بیڈ روم فریج کی طرف بڑھی۔ جو کولڈ ڈرنک سے بھرا ہی نظر آتا تھا۔

اس نے فریج کھول کر نظر دوڑائی۔ کوک نظر آگئی اس نے نکال کر اس کی سیل کھولی اور بھاگ کر پاشا کے قریب آئی۔

"یہ لیجیے" اس نے پاشا کا شانہ ہلایا پاشا نے آنکھیں کھول دیں۔ چند ثانیے اس کی طرف دیکھا۔

"آج تم بہت حسین لگ رہی تھیں مگر اس کمبخت نے موقع ہی نہیں دیا کہ جی بھر کے تمہیں دیکھتے آج پرہیز توڑا ہے تم پریشان مت ہو صبح تک ٹھیک ہو جاؤں گا۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اسی عجیب سی بو نے ماہ نور کے اعصاب پھر جکڑ لیے۔

"یہ کمرے میں عجیب سی بو آ رہی ہے جیسے اسپرٹ کی بوتل لڑھک گئی ہو۔ آپ کو بھی آ رہی ہے؟" اس نے بے ساختہ

گیا تو بول ہی پڑی۔

"اس حسین خوشبو سے دوستی کر لو ماہ نور! ہماری بھی اس سے بہت پکی دوستی ہے" لہجہ نامانوس اور الفاظ بے ترتیب جیسے لڑھک رہے تھے۔

اصل میں الکوحل پانی ہو تو اس سے بندہ بچ ہی نہیں سکتا۔

آج کی رات تو اسپیشل تھی۔ تمہارا حق بھی تھا مگر مجبوری۔ اصل میں الکوحل سے بھی بہت پرانے تعلقات ہیں۔ اب دیکھو ناں دوستی کی لاج بھی رکھنا پڑتی ہے۔ تم فکر مند نہ ہو۔ تم سے پکا رشتہ باندھا ہے سر بہزاد تو شاید ہی بھی نہیں تو دیکھیں۔ جسم سب کے ایک جیسے ہوتے ہیں مگر روحیں تو الگ الگ ہوتی ہیں اب جیسے تمہاری روح پاکیزہ ہلکی خوشبو مانند بھی تو نشہ چڑھنے لگتا ہے۔ یقین کرو میں نے اس سے کہا بھی تھا کہ ماہ نور میرا انتظار کر رہی ہوگی مگر وہ سالی بہت تم گھبرانا نہیں میں بے وفا نہیں ہوں بس کبھی کبھی ادھر دل رکھ لیتا ہوں۔ اس نے بولتے بولتے کوک منہ سے لگالی۔

ماہ نور آنکھیں پھاڑے دم بخود اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

ویسے میں گلٹی فیل تو کرتا ہوں۔ اللہ سے ہاتھ جوڑ کر معافی بھی مانگتا رہتا ہوں۔ اس نے کوک سائیڈ میں رکھ کر باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر ماہ نور کو دکھائے میں اپنے یاروں کو کہتا ہوں تو وہ ہنستے ہیں کہ اللہ سے اتنا ڈر لگتا ہے تو اس لائن میں کیوں پڑا ہے؟ میں کہتا ہوں وہ بڑا غفور الرحیم ہے معاف کر دیتا ہے تو سالے غالب کا شعر پڑھ کر مذاق اڑاتے ہیں کہ

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

ہاں ماہ نور مجھے اللہ سے بہت ڈر لگتا ہے مگر کسی کو یقین ہی نہیں آتا۔ تم تو خیر قیامت تک بھی یقین نہیں کرو گی کرلو ماں یار چلو خیر اماں کی قمیض پیچھے سے پکڑ کر جنت میں گھس جائیں گے آنکھ بچا کر آتی بھیڑ ہوگی کام بن ہی جائے گا انشاء اللہ۔

نعوذ باللہ! ماہ نور کی صدمے سے زبان گنگ تھی مگر ذہن تو جاگ رہا تھا۔

اگر کوئی فرشتہ روکے گا تو کہہ دیں گے حضرت! آپ کو پتا ہے اپنی اماں کے ساتھ آئے ہیں۔

خاموش ہو جائیں ورنہ میں رو پڑے آپ کا منہ باندھ دوں گی۔ وہ بولتے بولتے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

یار موڈ ٹھیک ہے پتا نہیں کیا کیا بول رہا ہوں۔ مجھے گناہ ملے گا ناں ماہ نور؟ وہ چت لیٹ گیا۔

ماہ نور زار و قطار بلک بلک کر رونے لگی۔

رو رہی ہو۔ روتی ہوئی تم بہت حسین لگتی ہو۔ جی چاہتا ہے بس عمر بھر تمہیں روتا ہوا دیکھتا رہوں جن عورتوں کے درمیان ہمارے دن رات کٹتے ہیں وہ سالیاں تو روتی ہی نہیں ہیں۔ مردوں کی طرح اونچے اونچے قہقہے لگاتی رہتی ہیں۔ شاباش روتی رہو تمہیں بہت ثواب ملے گا گندی باتیں سن کر نیک لوگ روتے ہی ہیں۔ اماں بھی روتی ہیں۔ تم دونوں ساس بہو ساتھ بیٹھ کر رویا کرو کتنی اچھی لگو گی مجھے بھی رونا آئے گا تو میں بھی جوائن کر لوں گا۔

یار کیا غضب کی شے ہے یہ الکوحل سارے روگ بھلا دیتی ہے مگر میں اس سے عشق نہیں کرتا بھی ایسی عورت سے کون عشق کرے گا جو ایسی کتاب کی طرح ہو جس کا ورق روز بدلتا ہو۔ عشق تو بس مجھے ماہ نور سے ہے۔ ماہ نور میری جان کسی صحیفے کی طرح پاکیزہ اس کی تو اوپننگ ہی میرے ہاتھوں ہوئی ہے۔ مجھے اپنی بیوی پر فخر ہے۔ یہ میری بیوی نہیں ہے معشوقہ ہے اس کی وجہ سے مجھے ولی خوشی ملی ہے۔ میں اس کا کیا کروں سونے کی چڑیا بنا کر ڈرائنگ روم میں سجاؤں۔

بولتے بولتے اس کی آواز غم میں ڈوب گئی۔ ماہ نور زار و قطار روئے جا رہی تھی۔ پاشا کے خاموش ہوتے ہی اس نے پاشا کی طرف دیکھا۔ آنسوؤں کے دھند میں وہ اسے بہت دور محسوس ہوا۔ ماہ نور نے دوپٹہ سے آنکھیں صاف کیں اور کچھ دیر سسکیاں بھرتے ہوئے سوچتی رہی پھر آگے بڑھ کر پاشا کے پیروں سے موزے کھینچنے لگی پھر جوتے اٹھائے۔ ان میں موزے جھنسائے اور ایک طرف رکھ دیئے اور آہستگی سے چلتی ہوئی بیڈ تک آئی اور کنارے پر ٹک گئی۔ پاشا پاؤں پسارے بے سدھ سو رہا تھا۔

اف یہ آزمائش ہے یا انجانے میں کیے گئے کسی گناہ کی سزا؟ دو مختلف ذہن کے افراد کیسے زندگی گزارا کرتے ہیں؟

کیا میرا اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنا گناہ نہیں جو میری نظر کے سامنے قطعی بےدین حالت میں بے سات گناہ کبیرہ میں سے یہ کس کس میں ملوث ہے؟ کیا کوئی مسلمان عورت ایسے مرد کے ساتھ اسی طرح نکاح نبھانے کی پابند ہے جس طرح کسی پرہیز گار شخص کے ساتھ نباہنا چاہیے۔ کہاں سے ملے گا اس کا جواب؟ استانی عائشہ سے پوچھوں۔

دوسر تھام کر سوچنے لگی۔ یا اللہ سنا ہے غم سے عمر کم ہوتی ہے۔ غم تو لگ چکے ہیں اب اس خاکی پنجرے سے نجات کب ملے گی۔ اس وجود پر تو اب شرمندگی ہونے لگی ہے۔ لگتا ہے پیدا ہوتے ہی گناہ کرنا شروع کر دیے تھے اب اس عمر میں آ کر سزا کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ کاش پتا تو چل جائے کہ وہ کون سے گناہ ہیں جن کی پاداش ہے تاکہ بے کلی ختم ہو جائے۔ تسلی ہو جائے کہ ہم مستحق ہیں ہمارے ساتھ ٹھیک ہی ہو رہا ہے۔

”نعوذ باللہ رحمان و رحیم معاف کرنا تو پاک ہے تیرا لکھا درست ہے چلو اس بات پر رو لیں کہ ہمیں اس قابل بنایا گیا۔

وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر رونے لگی پر اس طرح روئی کہ گویا ماتم سرا ہو۔ معاً اسے محسوس ہوا کوئی دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ پہلے تو وہ اپنا وہم سمجھی مگر دستک مسلسل ہو رہی تھی اس کے آنسو تھم گئے اور دستک کی طرف متوجہ ہو گئی پھر یقین کر لینے کے بعد آنسو پونچھتی دروازے تک آئی اور دروازہ کھول دیا۔ قمر النساء کو سامنے دیکھ کر اسے تعجب سا ہوا ابھی تک جاگ رہی ہیں؟ قمر النساء نے اسے اشارے سے دروازہ بند کرنے اور باہر آنے کو کہا۔

ماہ نور دروازہ بند کر کے ان کے پیچھے چل پڑی۔ وہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی تھیں جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو انہوں نے دروازہ لاک کر دیا۔

تہجد کے لیے اٹھتی ہوں اس وقت۔ گرمیوں میں چھت پر ہی پڑھتی ہوں۔ اوپر چڑھ رہی تھی تو تمہارے رونے کی آواز کانوں میں پڑی۔ سارے جسم کی جیسے جان ہی نکل گئی۔ جاگ رہا ہے؟ قمر النساء کی آواز دھیمی و لرزاں تھی۔

ماہ نور نے نفی میں گردن ہلا دی۔

کیوں رو رہی تھی؟ کچھ کہا ہے اس نے؟ انہوں نے افسردگی سے سوال کیا۔

ماہ نور خاموش رہی۔

کب آیا تھا؟ انہوں نے دوسرا سوال کیا۔

آپ کو نہیں پتا؟ گیٹ کس نے کھولا تھا؟ اس نے الجھن سی محسوس کی۔

ایک چابی ہوتی ہے اس کے پاس آٹو میٹک لاک کی۔ قمر النساء نے جواب دیا۔

میں نے دھیان تو نہیں دیکھا مگر زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ اس نے بتایا۔

رو کیوں رہی تھیں؟ قمر النساء کے کانوں میں ابھی تک اس کی ہچکیاں گونج رہی تھیں۔

چھپنے کی گنجائش ہی کہاں ہے اس پورے قصے میں۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

یہ بھی ٹھیک ہے لیکن کوئی بات تو ہو گی؟ قمر النساء نے اگرچہ اتفاق کیا مگر سوال اپنی جگہ موجود تھا۔

پتا نہیں کیسی عجیب سی باتیں کر رہے تھے ایک زمین کی ایک آسمان کی۔ سارے کمرے میں عجیب سی بو پھیلی ہوئی ہے بس میں پریشان ہو گئی۔ ماہ نور نے بتایا اور آنکھیں صاف کرنے لگی۔

ہاں تمہارے لیے شاید آج یہ نئی بات تھی۔ میں تو خوش ہو رہی تھی کہ شاید تمہارے آنے سے اس کے اندر کچھ تبدیلیاں آ گئی ہیں ہوش و حواس میں رہنے لگا ہے مگر جن شیطانوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے۔ وہ اپنے کام میں شاید بہت مضبوط ہیں ماہ نور! تم اس کے لیے بہت اہم ہو۔ تم بھلائی میں مضبوط ہو کر ان شیطانوں کا مقابلہ کرو میرے ساتھ مل کر شاید ہم جلدی کامیاب ہو جائیں۔ استانی بھی تو یہی سمجھا رہی تھیں کہ جب بدی ہار ماننے کو تیار نہیں تو نیکی ہار کیوں مانے مایوسی کفر ہے پہلے صدمہ ملتا ہے پھر آنسو بہتے ہیں اور آنسوؤں کے بعد کچھ کرنا ہوتا ہے دکھ بھی اٹھا لیا بدی بھی چکی ہوا اب یہ سوچ کرنا کیا ہے۔ وہ پرسکون لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

ہم اتنے سارے لوگوں کے اثر سے انہیں باہر کیسے نکال سکتے ہیں؟ ماہ نور نے افسوسناک لہجے میں جواب دیا۔

سچ ایک دفعہ کا بھی ہزار جھوٹ پر بھاری ہے صرف افسوس کرنے سے حالات تو نہیں بدلیں گے مجھے دیکھو آج بھی دعا کرتے ہوئے تازہ دم ہوں اگرچہ دن رات میں سو بار ٹوٹتی ہوں مگر پھر اللہ سے امید کرنے لگتی ہوں۔ دیکھو اس ضد کے سامنے اپنی ضد نہ رکھو ورنہ بگاڑ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا۔ بہت مرتبہ جان کر بھی انجان بننا پڑے گا۔ وہ اسے سمجھانے لگیں۔

اماں! کیا ایسے انسان کے ساتھ رہنے اور زندگی گزارنے پر مجھے اور آپ کو گناہ نہیں ملے گا۔ وہ معصومیت سے پوچھنے لگی۔

بیٹے جب تک بچہ چھوٹا اور بے شعور ہوتا ہے۔ اس کے ماں باپ اس کو اچھائی برائی میں تمیز کرانے کے پابند ہوتے ہیں لیکن عقل و شعور آ جانے کے بعد انسان پیغمبر کی بھی ذمہ داری نہیں۔ وہ بھی صرف اللہ کا پیغام ہدایت پہنچانے کے ذمہ دار تھے۔ کس نے قبول کیا کس نے انکار کیا اب یہ ذاتی فعل جس کا ہر شخص خود جواب دہ ہو گا۔ حضرت نوح کا بیٹا گمراہ تھا وہ بھی طوفان نوح کی نذر ہوا باپ نبی تھے مگر بیٹے کا فعل ذاتی تھا۔ ہم تو یہی کر سکتے ہیں کہ خود ہدایت کے راستے پر چلنے کی کوشش کرتے رہیں اور اپنی آل اولاد کو تاکید کرتے رہیں۔ سمجھاتے رہیں۔

لیکن کتنی اذیت ناک زندگی ہے یہ۔ اپنے ذہن سے قطعی مختلف دوسرے ذہن کے ساتھ چلنا۔ ماہ نور نے کرب سے کہا۔

اس میں تو کوئی شک نہیں۔ قمر النساء نے تائید کی۔

بیٹی! بس اب اپنا ذہن بنا لو میری طرح اپنی طرف سے اچھائی کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا۔ ہمارا فعل ہمارے ساتھ دوسرے کا اس کے ساتھ ہمارے بس میں کچھ بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ سے بھلائی کی قوت مانگتے رہیں۔ اتنا مت رو دل کلیجہ کٹتا ہے میرا۔ انہوں نے ماہ نور کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

اماں! جن باتوں کو کہیں پڑھ کر بھی کراہیت محسوس ہوتی تھی ان کا عملاً سامنا بہت بڑا دکھ ہے۔ ماہ نور کی آواز رقت سے بھاری ہو گئی۔

تم بالکل ٹھیک کہتی ہو بیٹی! اب اتنا کچھ ہو گزرا ہے تو تھوڑا حوصلہ پکڑو۔ پتا نہیں اس کی قدرت آنے والے وقت میں کیا دکھائے۔

اماں آپ خود سے میری اذیت کا مقابلہ نہ کریں۔ آپ اس گھر میں بہت عزت سے آئی ہوں گی بہت خوشی سے اپنے والدین سے ملنے جاتی ہوں گی آپ کی طرف کے رشتے دار آپ سے ملنے گھر آتے ہوں گے آپ کو اپنے ہاں بلاتے ہوں گے اور شاید پاشا کے والد پاشا کی طرح بھی نہیں ہوں گے۔ آپ کی بیٹیاں اپنے اپنے گھروں میں سکھی ہیں آپ کو صرف ایک غم ہے اور میرا

ے پاس صرف غم ہی غم ہیں کوئی خوشی نہیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

فرانسا جیسے دکھ سے نڈھال ہو گئیں ان کی آنکھوں سے خاموشی سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ بہت شفقت سے ماہ نور کے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگیں۔

میں تمہاری بھی تو ماں ہوں۔ وہ بیٹیاں تو پرایا دھن تھیں جن کی امانتیں تھیں وہ لے گئے۔ اصل بیٹی تو میری تم ہی ہو جیون اتنا کچھ سہہ لیا ہے تھوڑی ہمت اور کرو۔ اللہ تمہیں صاحب اولاد کرے۔ میں تم ملکر ان بچوں کی تربیت کریں گے۔ انشاءاللہ تمہیں اولاد سے خوشی ضرور ملے گی۔ تم صرف بوجھ ڈھونے کے لیے دنیا میں نہیں آئی ہو۔ اللہ سے دعا کرو کہ وہ ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ آمین میری اچھی بیٹی بس اب چپ ہو جاؤ ورنہ دکھ سے میرا دل بند ہو جائے گا۔ وہ اس کی پیشانی چوم کر بولیں۔

اب تم جاؤ سو جاؤ۔ وہ بھی دوپہر تک ہی سو کر اٹھے گا۔ اب کوئی فون وغیرہ آئے تو اسے اٹھانا نہیں جاؤ شاباش آج صبح کی اٹھی ہوئی ہو تم بھی۔ وہ مزید بولیں۔

ماہ نور آنکھیں پونچھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆☆☆

بڑی اماں اور ریبا ناصر حسین کے ہاں رک گئی تھیں۔ موحد انہیں چھوڑ کر جلدی ہی واپس ہو گیا تھا۔ اگلے دن پہلے اس نے ناصر حسین کے ہاں فون کیا۔ پتا چلا وہ ان کے ذرا شوہر کے ساتھ گھر چلی گئی ہیں۔ اس نے ادھر فون کیا تو ریبا نے بات نہیں کی۔ موحد کے لئے اس کا انداز نہایت اذیت ناک ہو گیا تھا۔ وہ اپنا روٹین کا کام بھی نہ کر سکا اور اٹھ کر بڑی اماں کی طرف آ گیا۔ ریبا ان ہی میں مل گئی نہ سلام نہ دعا اس کی طرف دیکھا اور پھر بائی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

چلو بھئی بہت دن رہ چکی ہو۔ موحد کا انداز قطعی تھا۔

بہت دن کہاں دو تین دن تو ہوئے ہیں۔ میں کون سا وہاں کھانا پکا کر کھلاتی ہوں کہ لوگ بھوکے بیٹھے ہیں۔ وہ سرد مہری سے بولی۔

اچھا اس زیادہ تقریر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بڑی اماں کو بتا کر گاڑی میں بیٹھو۔ موحد کا انداز بدستور تھا۔

ابھی میرا موڈ نہیں ہے جانے کا۔ زبردستی کوئی بھی میرے ساتھ نہیں کر سکتا۔ وہ یہ کہہ کر اندر کی طرف چل پڑی۔

موحد کے لیے اس کا انداز بہت نیا اور چونکانے والا تھا۔ بہرحال وہ اسکی بیوی تھی اور وہ مشرقی مرد جو بیویوں کی بدتمیزی کو انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ پھر بھی اس نے ضبط کیا اور اس کے پیچھے چل دیا۔

بڑی اماں کچن کے دروازے سے باہر آ رہی تھیں۔ موحد کو دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھیں۔

السلام علیکم! موحد نے سلام کیا۔

جیتے رہو۔ آؤ بیٹھو۔

بس بیٹھوں گا نہیں بڑی اماں! شام کو ایک تقریب میں جانا ہے۔ اس لیے ریبا کو لینے آ گیا تھا۔

ہاں تو ٹھیک ہے چلے جانا۔ پانچ دس منٹ تو بیٹھو۔ بڑی اماں نے اصرار کیا۔

دوبس آپ اجازت دیجئے۔ ریبا کو گھر چھوڑ کر آفس بھی جانا ہے۔ وہ واقعی بہت جلدی میں نظر آ رہا تھا۔

میں نہیں جا رہی آپ کے گھر نہ آپکی کسی تقریب میں۔ ریبا نے بڑک کر کہا۔

آپ کے گھر؟ موحد نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

یہ کیا بدتمیزی ہے۔ کوئی طریقہ ہے بات کرنے کا شوہر ہے تمہارا۔ بڑی اماں تو شرمندگی سے گڑ گئیں۔ جیسے ریبا کی بدتمیزی میں ان کا کوئی قصور ہو۔ موحد علیحدہ عجیب سی خجالت محسوس کر رہا تھا۔

جس میں نہیں جا رہی۔ وہ یہ کہتی ہوئی بڑی اماں کے کمرے میں گھس گئی۔

کوئی بات تو نہیں ہوئی بیٹا؟ بڑی اماں آہستگی سے بولیں۔

نہیں گھر سے بالکل ٹھیک آئی تھی۔ وہ جیسے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بولا۔

پھر اس طرح کیوں کر رہی ہے۔ تمہاری تو ماں بھی گھر پہ نہیں ہیں کہ ساس بہو کی کوئی بات ہو گئی ہو خیر میں پوچھتی ہوں تم آرام سے بیٹھو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

ریبا ان کے بیڈ پر اوندھی لیٹی تھی۔

ماں باپ کے گھر ہر طرح کی بات نبھ جاتی ہے۔ شادی کے بعد یہ طور طریقے کوئی برداشت نہیں کرتا نا۔ کیوں پریشان کر رہی ہو ہم سب کو۔ بڑی اماں ڈانٹنے لگیں۔

میں کیا پریشان کر رہی ہوں۔ بس میرا دل نہیں چاہ رہا جانے کا تو نہیں جا رہی۔ وہ اسی طرح اوندھی پڑے پڑے بولی۔

تو ٹھیک طرح سے بھی بات کی جا سکتی ہے۔ کہ ابھی میں یہاں کچھ دن رہنا چاہتی ہوں۔ بعد کو چلی جاؤں گی یہ کیا طریقہ ہے شوہر سے بات کرنے کا؟ بڑی اماں نے پھر ڈانٹا۔

کچھ دن نہیں ہمیشہ یہیں رہنا چاہتی ہوں۔ اس پر بڑی اماں کی ڈانٹ کا مطلق اثر نہ ہوا۔

تمہارے منہ میں خاک بچپنے کی کوئی حد ہوتی ہے جو دوبارہ یہ بات منہ سے نکالی ٹھیک ہے یہ بھی تمہارا گھر ہے خوشی خوشی آ کر رہو مگر یہ سوچ کر تو اپنے گھر ہی چلو اٹھو پھر آ جانا ابھی وہ تمہیں لینے آیا ہے شام کو کہیں لے کر جائے گا۔ بتا رہا تھا۔ اٹھو کپڑے وغیرہ بدلو آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا نقصان اٹھاؤ گی۔ وہ کوئی سا بھائی نہیں ہے تمہارا جو تھوڑی دیر بعد سب کچھ بھول بھال جائے گا۔ شوہر کے دل میں کوئی بات بیٹھ جائے تو پھر نکلتی نہیں ہے جتنا مضبوط رشتہ ہے اتنا ہی نازک بھی ہے۔ یہی چھوٹی چھوٹی حماقتیں گھر خراب کرتی ہیں۔ چلو اب اٹھو بھی جاؤ وہ انتظار کر رہا ہے۔ بڑی اماں نے وہ عبرج سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

ریبا! حد ہوتی ہے حماقت کی مجھ میں اب اتنا دم نہیں ہے جو تمہاری الٹی سیدھی سہہ جاؤں دادی ہوں تمہاری۔ تمہارے باپ کی بھی ماں۔ اتنا سر نہیں چڑھایا تھا تمہیں کہ ناک چوٹی کو آ جاؤ کبھی ایسی ہنسی کھیل بھی نہیں ہوتی زندگی۔ بڑی بات ہے بیٹا کوئی بات ہے تو اس سے کہو بیٹھو آپس میں بات کرنے سے بھی سو طرح کے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔ بڑی اماں نے رسانیت سے کام نکالنے کی کوشش کی۔

اچھا ٹھیک ہے۔ آپ انہیں اندر بھیج دیں میں بات کر لیتی ہوں ان سے۔ بڑی اماں بغیر کچھ کہے کمرے سے باہر چلی گئی ان کے جاتے ہی موحد اندر آ گیا۔

میرا تمہارا ایج ڈفرنس ٹھیک ہے۔ انڈراسٹینڈنگ ہوتے ہوتے ہی ہو گی۔ میں کچھ بھی مائنڈ نہیں کر رہا۔ بس پلیز مجھے ریزن بتا دو۔ ہو سکتا ہے کچھ مس انڈراسٹینڈنگ ہو گئی ہو۔ بات کلیئر ہو جائے تو تم بھی ایزی ہو جاؤ گی اور میں بھی اس طرح منہ پھلانے غصہ کرنے سے کچھ حاصل ہو گا؟ وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

کچھ مس نہیں ہے سب او کے ہے۔ سیدھی سی بات ہے مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔

ٹھیک ہے۔ کوئی بھی تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کرے گا۔ مگر وجہ تو بہرحال تمہیں بتانا ہوگی۔ سب ہی پوچھیں گے۔

میں نے تم سے انتظار کرنے کو کہا تھا مگر عمر بھر کرنے کو نہیں کہا تھا۔ میں ایسے ظلم کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہانی۔ بہ خدا بالکل فٹ ہوں مجھے کبھی کوئی پرابلم نہیں ہوئی۔ یہ ایک وقتی سائیکی پرابلم ہے بلکہ میں خود کو پہلے سے بہتر محسوس کر رہا ہوں اگر میں میڈیکلی ان فٹ ہوتا تو کسی قیمت پر بھی شادی نہیں کرتا۔

اُف وہ پتا نہیں کون سا قصہ لے کر بیٹھ گئے۔ مسئلہ یہ نہیں ہے میرا دل کہتا ہے آپ اچھے آدمی نہیں ہیں بس اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔ اس نے اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں کہا۔

یہ اچانک کیسے پتا چلا کہ میں اچھا آدمی نہیں ہوں؟ مون کا ذہن کہیں دور خطرے کی گھنٹیاں سننے لگا۔ اس کے جسم کا روواں روواں انجانے سے سگنل وصول کرنے لگا۔

جو سچ ہوتا ہے کبھی چھپتا ہے۔ وہ اسی طرح چیخ کر بولی۔

نہیں سچ کبھی نہیں چھپتا۔ یہ ٹھیک ہے میرا خیال ہے گھر چل کر بات کرتے ہیں۔ ان نے بڑی بردباری سے اسے ہینڈل کرنے کی کوشش کی۔

نہیں میں اب وہاں نہیں جاؤں گی۔ ریا کی حالت اڑیل گھوڑے جیسی تھی۔

ٹھیک ہے مت رہنا تم وہاں مگر بات تو کرتے ہیں پہلے یہ میرا وعدہ ہے۔ تمہاری ساری باتیں سن کر تمہیں اپنی منا کر خود تمہیں یہاں چھوڑ کر جاؤں گا۔ پلیز ریا! چلو آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ اٹھو شاباش۔ میں تمہیں آج کی ڈیٹ میں یہاں چھوڑ کر جاؤں گا۔ اس نے ریا کی کمر پر ہاتھ رکھا۔

مجھے ہاتھ مت لگائیں۔ وہ بدکی۔

سوری ٹھیک ہے مجھے یہ بھی منظور ہے کہ تمہیں تو کہہ رہا ہوں ناں چھوڑ جاؤں گا اگر نہ چھوڑوں تو تم اتنی کمزور بھی نہیں ہو کہ خود دوبارہ یہاں نہ آسکو۔ کسی کی بات نہ سنو جو فیصلہ کرنا چاہو کرو میں تمہیں اس کی آزادی دوں گا۔ پرامس مگر ایک مرتبہ مجھ سے صاف صاف کھل کر بات کرو۔ بات نہیں کرو گی تو خود ہی کنفیوز رہو گی اور اس کا حاصل کچھ بھی نہ ہوگا چلو شاباش۔

ریا اس کی بات سنتی رہی۔ اسے اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ بڑی اماں اسے مون کے ساتھ بھیج کر ہی دم لیں گی۔ وہ سیدھی ہوئی پھر اٹھ بیٹھی۔

ٹھیک ہے میں چلتی ہوں مگر جیتے جی میں کہوں گی آپ مجھے یہاں چھوڑ جائیں گے۔ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

پرامس۔ مون نے اس کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلایا جو ریا نے نظرانداز کر دیا۔ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے لاؤنج میں آ

بڑی اماں میں جا رہی ہوں مگر آ جاؤں گی۔ اس نے بے تکا سا جملہ کہا۔

خیر سے آؤ خوشی خوشی۔ مگر اپنے مرد کی اجازت سے۔ بڑی اماں کے سر سے جیسے کوئی بوجھ اتر گیا۔

میں اپنا بیگ لے کر آتی ہوں۔ وہ زینے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆
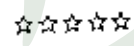
وہ اپنی ساس نندوں کے ساتھ دوپہر تک مختلف کاموں اور باتوں میں مصروف رہی۔ پاشا گہری نیند سو رہا تھا جس پر فریحہ نے اس سے پوچھا بھی تھا کہ بھائی نیند کی گولی کھا کر سونے لگے ہیں؟

وہ پانچویں مرتبہ اسے دیکھنے آئی تھی صبح سے وہ جاگ چکا تھا۔ دوپہر کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔

آیئے جناب! دوپہر بخیر۔ کہاں غائب ہیں؟ وہ دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنا کر سر ٹکائے مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

نہا کر ناشتہ کریں گے یا لنچ؟ وہ سرد مہری سے پوچھنے لگی۔

آرمی بیرکوں میں چلی گئی یا ابھی لینڈ میں ہے؟ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پینٹ کی بیلٹ اتارنے لگا۔

ماہ نور نے الجھ کر اس کی سمت دیکھا آرمی؟

بھئی ہماری بہنیں اور ان کے عیال کسی آرمی سے کم ہیں۔ اس پر ہماری والدہ جیسا کمانڈر ضیاء الحق کی سوئٹ۔ بس نہیں چلتا سڑکوں پر جائے نمازیں لگوا کر فرض کے علاوہ نفل نمازوں میں لگا کر رکھیں۔ وہ ہنسا۔

رات کیا وقت تھا ماہ نور! جب میں گھر آیا تھا؟ وہ وارڈ روب کھولتے ہوئے پوچھنے لگا۔

میرا خیال ہے رات ختم ہو چکی تھی صبح ہونے والی تھی۔ وہ چیخ کر بولی۔

بارا پڑا ہوا شلوار میں کمر بند تو ڈالو۔ کلف کی شلوار میں یہ بڑا مشکل کام ہے۔ مگر اماں! مجھے کلف لگے شلوار قمیص میں دیکھ کر بہت خوش ہوتی ہیں۔ انہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں مسجد سے آ رہا ہوں۔

پاشا نے لائٹ براؤن کاٹن کا سوٹ اس کے سامنے جھٹکتے ہوئے کہا۔

کبھی بے چاری کو حقیقت میں بھی خوش کر دیں کب تک دھوکے کی خوشی دیں گے۔ وہ زہر بھرے لہجے میں کہنے لگی۔

سنا ہے دھوکے بہت حسین ہوتے ہیں۔ رات میں نے تمہیں دھوکا دیا۔ وہ البتہ بہت بدصورت تھا مگر یہ سب وقتی ہوتا ہے۔ تم اس پر زیادہ غور نہ کرنا۔ وہ دھلا ہوا تولیہ وارڈروب سے نکالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

میرا خیال ہے۔ ہماری سوچ تک یہ چیز واقف ہوتی ہے میں تو اس بات پر بھی دل سے راضی ہوں کہ آپ خود کو ان کرپٹ خواتین تک ہی محدود رکھیں اور مجھے قطعی ہاتھ نہ لگائیں۔ میں آپ کی بڑی بڑی مہربانی سمجھوں گی اور یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گی میں ہر بات برداشت کر لوں گی۔ سوائے اس کے کہ میرے پاس مزن آئے ایک ناجائز تعلق ہونے کے باوجود میری طرف سے آپ کو کبھی کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ مجھے ایسے مردوں سے بے حد ہی کراہت محسوس ہوتی ہے۔ میں اس شرمناک اور اذیت ناک فعل سے شدید نفرت کرتی ہوں بس جب آپ کا کام چل رہا ہے تو آپ مجھے اذیت نہ دیں میں دوسرے کاموں کی طرح کرتی رہوں گی جس طرح ایک بیوی کو کرنا چاہیے۔

ماہ نور اتنا کھل کر بولی تھی کہ پاشا آنکھیں پھاڑے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

میں تمہیں بہن بنا کر نہیں بیوی بنا کر لایا ہوں۔ وہ پرسکون انداز میں گویا ہوا تھا۔

بیوی بنا کر لائے نہیں تھے بلکہ یہاں لا کر بیوی بنایا ہے۔ صحیح کر لیں۔ وہ تلخ لہجے میں بولی۔

ہمارا ماحول ہی ایسا ہے کہ بندہ ایسی چھوٹی موٹی کرپشن سے بچ نہیں پاتا۔ تمہیں اپنا ذہن بنانا ہوگا آخر تمہیں اب میرے ساتھ رہنا ہے۔ اس نے کہا۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ جب آپ کے سب کام ہو رہے تھے تو اس جوکھم میں پڑنے میری اور میرے خاندان کی عزت خاک میں ملانے کی کیا ضرورت تھی ہماری آپ سے کوئی خاندانی دشمنی چل رہی تھی۔ جائداد کے تنازعے تھے؟ وہ اس کے کلف شدہ کپڑے کھولتے ہوئے زہریلے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

انسان خواہ کیسا ہو اسے زندگی میں ایک مخلص وفادار ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم ان لالی پاپ عورتوں سے میل جول ضرور رکھتے ہیں مگر ہمیں ان سے کبھی روحانی و حقیقی خوشی نہیں ملتی بلکہ ان سے ملنے کے بعد ہمیں یاد بھی نہیں رہتا کہ ان سے واقف ہیں۔ [illegible] جن حالتوں میں ملتے ہیں وہ بات کہ تم نے دیکھی یا بند کے اپنا ہوش نہیں ہوتا۔ ان سے ملاقات کا تاثر کیا خاک یاد رہے گا۔ تم [illegible]

ہوں اس کا لا الفہ حافظے سے نہیں جاتا۔ برزخ ہے جہنم میں لٹی ہوئی ان عورتوں میں۔ پاشا نے اس کے قریب آ کر اسے شانوں سے تھام لیا۔

میں اتنی بھی احمق نہیں ہوں کہ آپ کی ان باتوں سے بے وقوف بن جاؤں بہرحال میری معذرت قبول کریں ایسا مرد ہر صورت میرے لیے ناقابل برداشت و ناقابل قبول ہے خواہ مجھ سے اسے کتنا زبردست عشق کیوں نہ ہو۔ خواہ وہ کسی ریاست کا حکمراں ہی کیوں نہ ہو آپ ابھی تک اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں اب میرے ٹیلنٹ کو بھی دیکھیے گا۔ جرات کو آپ نے میرے ساتھ بدزبانی کی ہے۔ اس کا مزہ آپ کو ضرور چکھنا پڑے گا۔ وہ ناگن کی طرح پھنکارتے ہوئے بولی۔

"ایسا جذبۂ رقابت تو تب پیدا ہوتا ہے جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے۔ کیا واقعی محبت ہو گئی ہے مجھ سے؟" پاشا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے ماہ نور کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا تھا اور ماہ نور نے تڑپ کر بازو کا حلقہ توڑا تھا۔

"نہیں بات کنٹریکٹ کے بعد کی ہے۔ وہ کنٹریکٹ جسے ہمارے مذہب میں نکاح کہتے ہیں۔ اتنی گئی گزری نہیں ہوں کہ بازاری عورتوں کے بعد میری طرف دیکھا جائے" اس نے شلوار میں کمربند ڈالنا شروع کیا وہ اتنا کلف کی وجہ سے خاصی محنت کرنا پڑ رہی تھی۔

"گئی گزری ہوتیں تو اتنی محنت نہ کرنا حاصل کرتے؟ بہرحال یہ طے ہے۔ کچھ ہو جائے ہونے کا اقرار نہیں کرو گی؟ مگر میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں انتظار کروں گا"۔ وہ مسکرایا۔

"آپ انوشہ سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ وہ بھی آزاد و خود مختار اور آپ کو بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہے پھر گناہ کی زندگی اپنانے کا مطلب؟" ماہ نور کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"ارے تم جس نے اپنے شوہر کے ساتھ جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں گزارے۔ اسے دوسری شادی کی اجازت دے رہی ہو"۔ پاشا نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

"ایسے عادتاً شوہر کو پانی کا بلبلہ کہا جاتا ہے جس کی جڑیں نہیں ہوتیں۔ میری طرف سے آپ انوشہ سمیت تین شادیاں کر لیں مجھے کیا ہے۔ میرے پاس ٹھکانا ہے۔ ماں ہے بہنیں ہیں میں اس پر ہی بہت مطمئن ہوں البتہ ایک انسان جس کا کوئی کردار اصول قانون نہیں اس کا مجھے ہاتھ لگانا ہی باعث اذیت ہے میرے لیے۔ خدا کرے میری بات سمجھ میں آ جائے آپ کو۔ آپ کو مالی مسئلہ تو نہیں ہے آپ آرام سے تین چار گھر افورڈ کر سکتے ہیں پھر گناہ کا راستہ اپنانے کا کیا جواز ہے؟" وہ بڑے تحمل انداز میں سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میرے لیے ایک اماں کافی ہیں۔ بتا تو رہا ہوں۔ وہ بے خبری کے ساتھی ہیں۔ ہوش و حواس میں مجھے صرف تمہاری خواہش ہے۔"

"مگر مجھے آپ کے ساتھ رتی بھر خواہش نہیں۔ آپ کی بیوی ہونے کے باوجود یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔ گھن آ رہی ہے مجھے آپ کے وجود سے۔ استغفراللہ"۔

وہ شلوار میں کمربند ڈال چکی تھی اتنا کہا شلوار بیڈ پر پھینکی اور باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆

"ارے میرا بچہ جمال کہیں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی؟" بڑی اماں اچانک جمال کو سامنے دیکھ کر جیسے خوشی سے بے حواس ہونے لگیں۔ یہ جمال کے سلام کا جواب تھا۔

"جی نہیں دادی جان! آپ سچ مچ ہمیں ہی دیکھ رہی ہیں۔ زندہ سلامت حاضر موجود۔ بس سوچا آپ کو سرپرائز دیتے ہیں۔

"ارے تو بیٹا! کوئی اطلاع تو دی ہوتی۔ ایک ٹیلی فون ہی کر دیتے" بڑی اماں ابھی تک جمال کو لپٹائے کھڑی تھیں۔ "سرپرائز ورپرائز میری سمجھ میں نہیں آتے ہاں۔۔۔۔ ارے اظہار او دیکھو تو کون آیا ہے۔"

وہ اظہار کو آوازیں دینے لگیں جو کچھ دیر پہلے کمرے ہی میں نظر آ رہا تھا۔

"سلام صاحب!" بابا نے آ کر سلام کیا۔ "بڑی بیگم! اظہار میاں نہا رہے ہیں"۔ بابا نے بتایا۔

"اور بابا آپ خیریت سے ہیں۔؟" جمال نے بابا کی خیر خیریت دریافت کی۔

"الحمد للہ۔" بابا نے خادمانہ انکساری سے کہا۔

"آپ اچانک ہی تشریف لے آئے کوئی اطلاع نہ فون بہرحال آپ کو اچانک سامنے پا کر بہت خوشی ہے۔ اللہ عمر دراز کرے خوشیاں دکھائے آمین"۔

"جی اصل میں ہم لڑکی دیکھنے ہی آئے ہیں۔" جمال نے بڑی سادگی سے بتایا۔

وہ یوں کہہ رہا تھا گویا لڑکی دیکھنا خوشی دیکھنا ایک ہی بات ہو۔ بابا بھی منہ چھپا کر مسکرا رہے۔

"اے یہاں کس نے لڑکی بتا دی تمہیں؟" بڑی اماں کو اچنبھا سا ہوا۔

"وہ اماں کی کوئی ملنے والی انڈیا گئی تھیں۔ انہوں نے ہی بتائی ہے اکلوتی لڑکی ہے۔ ایک کوٹھی ہے گلشن میں پٹرول پمپ ہے اور شاید پلاٹ وغیرہ بھی ہیں۔" جمال اپنے مخصوص انداز میں بتا رہا تھا۔

"بھلا! اتنا اچھا ہے تو ابھی تک کیوں بیٹھی ہے؟" بڑی اماں کو تشویش ہوئی۔

"ایسی لڑکی کو اپنے وطن میں کیا کمی جو پرانے دیس میں رشتہ ڈھونڈتے پھریں تمہاری اماں ساتھ کیوں نہ آئیں؟ ۔۔۔ اتنا اہم معاملہ تھا۔" بڑی اماں جمال کو اپنے ساتھ تخت پر لے کر بیٹھ چکی تھیں۔

"اماں کہنے لگیں۔ تم لڑکی دیکھ لو اگر پسند آ گئی تو بتا دینا۔ میں بعد میں آؤں گی۔ اچھا خاصا خرچا ہو جاتا ہے۔ ۔۔۔ آنے میں ٹرین سے تو اماں نہیں آ سکتیں ان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور لمبا سفر وہ کر نہیں پائیں گی" جمال نے وضاحت کی۔

"میرے حلق سے تو نہیں اتر رہی یہ بات لڑکی کے پاس اتنا کچھ ہے تو اسے ڈھنگ کا بر یہاں کیوں نہیں مل رہا۔۔۔ اکیلے مت جانا میں چلی چلوں گی تمہارے ساتھ۔ بڑی نوسربازی ہے ہر جگہ ہمارا بچہ تو ویسے ہی سیدھا سادا ہے"۔ وہ کچھ سوچ ۔۔۔ بڑبڑا رہی تھیں۔

"جی اماں نے بھی کہا تھا کہ دادی جان کو ساتھ لے کر مت جانا" جمال نے کہا۔

"آ۔۔۔۔۔ ہا جمال بھائی!" اظہار گیلے بالوں ۔۔۔ سمیت لاؤنج میں داخل ہوا۔ اسے بابا نے باتھ روم کا دروازہ ۔۔۔ کے بتا دیا تھا۔ بڑی اماں کی طرح اسے بھی یقین نہیں آیا تھا۔

جمال بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں بغلگیر ہوئے

"اچانک ہی کیسے؟" اظہار پوچھنے لگا۔

"لڑکی دیکھنے آئے ہیں۔" جمال نے لگی لپٹی رکھے بغیر آمد کی وجہ بتا دی کیا معصوم انداز تھا۔

"کیا ہندوستان میں لڑکیاں نہیں ہوتیں یا وہاں لڑکیاں سلیمانی ٹوپی پہنتی ہیں۔ جو دکھائی نہیں دیتیں؟" اظہار نے بڑی حیرت سے سوال کیا۔ جمال کیا آگے تھا اس کے تو بیچھے ۔۔۔ آگے تھے۔

"تم تو ہر وقت ہی مذاق کرتے ہو۔ لڑکی دیکھنے کا مطلب نہیں پتا تمہیں؟" جمال نے شرماتے ہوئے نیچی نظروں کے

ساتھ جواب دیا۔

"بڑا ہے تم سے مذاق کی بھی حد ہوتی ہے"۔ بڑی اماں نے اظہار کو گھرکا۔

"کوئی بات نہیں دادی جان! ہماری دوستی بھی ہے۔ ریحانہ تو ہم سے بہت مذاق کرتی تھی اب اپنے میاں سے بھی کرتی ہوگی۔ اس کے بغیر گھر کتنا سونا سونا سا ہے۔ وہ اپنے گھر میں سیٹ ہے ناں؟" جمال کو یکدم ریحانہ کا دھیان آیا۔

"اللہ کا شکر ہے عادت سے مجبور ہے۔ بے وقوفیاں تو کرتی رہتی ہے۔ وہ بے چارہ داماد ہی بہت بھلا مانس ہے۔ ہماری لڑکی میں کیا ہنر ہے۔ ایک اللہ نے شکل اچھی بنائی ہے۔ باقی تو بس کتر کتر کرتی زبان ہے جس کے آگے خندق ہے اللہ نصیب اچھا کرے۔ نہادھو کر کھانا کھاؤ پھر آرام کرنا۔ شام کو چکر لگانا ریحانہ کی طرف۔ اظہار اور مظہر میں سے کوئی نہ کوئی تو ہوگا ہی گھر پر۔ میں بھی چلی چلوں گی۔"

"کپڑے وغیرہ استری کرانا ہیں تو سوہل کو دے دوں۔" بڑی اماں نے کہا۔

"سوہل بڑا پرپیٹی سا نام ہے۔ کون ہے بھائی یہ؟" جمال کے ذہن میں بھی آیا کہ شاید چاند کے بعد کسی اور لڑکے کی شادی بھی ہوگئی ایسے کام اچانک بھی ہو جایا کرتے ہیں۔

"بچی ہے کام کرتی ہے یہاں۔ تمہاری ریحانہ بیگم کی مہربانی ہے۔ اپنے گھر کے نوکر ادھر چھوڑ دیے ہیں۔" بڑی اماں نے وضاحت کی۔

"جی سنا ہے۔ وہ لوگ بہت پیسے والے ہیں۔" جمال جیسے بڑا متاثر سا تھا۔

"تو جی پیسے والے ہیں تو اپنے گھر کے۔ ہم ان کے پیسے سے اپنے گھر میں نوکر کیوں رکھنے لگے جیسے اس نے ہیں خرچا تو ہم ہی اٹھاتے ہیں۔" بڑی اماں نے پھر صراحت سے بیان دیا۔

"شکریہ دادی جان کپڑے تو سب استری ہیں بس میں نہا کر آتا ہوں"۔ جمال اپنی جگہ سے اٹھ کر سوٹ کیس کھولنے لگا۔

☆☆☆☆☆

"اچانک ہی کچھ ہوا ہے تمہیں۔ گھر سے تو بہت اچھے انداز میں فون کرکے نکلی تھیں اور یہ بھی کہا تھا میں رات کو تمہیں لینا آؤں۔

کسی نے کچھ سمجھا دیا ہے۔ تمہیں فی الحال یہ میرا ویک پوائنٹ ہے۔ میرا ذہن ادھر ہی جا سکتا ہے۔" مون نے ریحا سے کہا جو کارپٹ پر کشن سر کے پیچھے رکھے دراز تھی۔

"ضروری نہیں کہ انسان کا صرف ایک ہی ویک پوائنٹ ہو۔" ریحا کا انداز جھنجھوڑ رہا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اگر تمہاری تاریخ میں میرا کوئی اور بھی ویک پوائنٹ ہے تو بتاؤ۔ میں ہر طرح کی بات سننے کو تیار ہوں"۔ مون کا انداز دوستانہ مصالحانہ تھا۔

ریحا نے آنکھوں پر دھرا بازو ہٹا کر ایک بڑی چبھتی ہوئی نظر اس پر ڈالی۔

☆☆☆☆☆

"اس دن آپ ٹیکسی میں کیا کر رہے تھے؟" ریحا نے یہ کہہ کر آنکھیں موند لیں۔

"کس دن... اچھا...... بتایا تو تھا کہ وائٹ ہاؤس کے سلسلے میں کام کا اور میٹریل کا اندازہ کرنے گیا تھا۔"

"جھوٹ...... سفید جھوٹ...... آپ صبا بی کے پاس گئے تھے۔ یہ آپ کو پتا ہے کہ کیوں گئے تھے...... بس...... مجھے

اس سے زیادہ آپ سے کچھ نہیں کہنا...... میرا دل چاہتا ہے کبھی آپ کی صورت نہ دیکھوں"۔ وہ اتنا کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مون چند ثانیے کے لیے سناٹے میں رہ گیا۔

"کبھی کے تار چ پر بھی زبان پر نہ لانے والی نے اسے کیسے بتا دیا......؟ اگر اس نے نہیں بتایا تو پھر کس نے بتایا......؟ یہ تو وہ راز ہے جو اس کے سوہل کے علاوہ صرف اللہ کو پتا ہے۔"

نفس امارہ نے کسی پرندے کی طرح پھڑپھڑانا لیا۔

میری کیا شکل پر لکھا ہے...... کہہ دیتا ہوں۔ جس نے بھی کہا ہے جھوٹ کہا ہے۔ یہ خانہ بدوش سی لڑکیاں جانے کہاں کہاں پھرتی ہیں......؟ کہاں ہم لوگ...... کہاں وہ...... کبھی کسی نے رذالت کے بعد اشتہار لگوایا ہے......؟ پھر میں کیوں نرالا کام کروں......؟

تو کیا الزام تسلیم کرنے سے انکار کردوں...... کیا اس کا شک دور ہو جائے گا۔ یہ مطمئن ہو جائے گی......؟ مان لے گی......؟

لیکن یہ ایک کسک جو کیل کی طرح وجود میں گڑی ہے اعتراف چاہتی ہے۔ اعتراف کسی کے سامنے تو ہونا چاہیے...... تو پھر اس کے سامنے کیوں نہیں جس کے شک و یقین کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ وہ جس کی ہاں ناں پر مجرم کا انحصار ہے۔ وہ جس کی خفگی خوشی زندگی میں معنی رکھتی ہے۔

اور ہاں مائی گاڈ! دھیان آیا اس کے سامنے تو یہ اعتراف ذلت سے زیادہ ہمیشہ کی سرخروئی ہے کہ میں ایک بچی کا باپ ہوں۔ مردانہ غرور رعایت کرنے کا یہ موقع کیوں کھو دیا جائے......؟ مون مسلسل خیالات کی روانی میں بہہ رہا تھا۔

ریحا یہ سمجھ رہی تھی کہ تمہیں من پارسی جھولے سے:

کر لیتا ہوں اس کے سامنے اعتراف...... نتیجہ خواہ کچھ ہو...... یہ سادہ سی لڑکی بھی کسی اور کو بتانے کی ہمت شاید کبھی نہ کرسکے...... مگر یہ گڑی کیل نکلنے سے مجھے افاقہ ضرور ہوگا۔

"ریحا......! دراصل یہ ہے کہ میں نے زندگی بہت احتیاط سے گزاری۔ کو ایجوکیشن میں پڑھا ہوں مگر کبھی ایسی بھول چوک نہیں ہوئی کہ احساس جرم سے زندگی عذاب بن جاتی۔ پتا نہیں وہ کمزور لمحہ میری زندگی میں کیسے آ گیا۔ یقین کرو۔ میں نے تو کبھی ٹھیک سی اس لڑکی کو غور سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہی سے خوفزدہ ہو کر میرے کمرے میں سو رہی تھی میں نے ہمدردی میں اجازت دی تھی ممی ڈیڈی بھی گھر پر نہیں تھے۔

تم میری بیوی ہو۔ ایسے میں تم سے بالکل کھل کر بات کر رہا ہوں۔ رات بلکہ فجر سے کچھ پہلے خود بخود یونہی میری آنکھ کھل گئی۔ وہ دروازے کے قریب کارپٹ پر بے خبر سو رہی تھی۔ بس یونہی ایک دم ایک ضرورت کا احساس لیے پھر میں بیدار ہوا۔ ضرورت میں شدت کی آگ بھڑک اٹھی اور میں ضرورت پوری کرکے ہمیشہ کے لیے اپنی نظروں میں گر گیا۔ کسی کی کمزوری ومجبوری نے میرے اندر چھپی ابلیسیت کو اتنا دھر کر دیا جو ابلیس کی مرغوب غذا ہے۔ جب یہ سب کچھ تمہیں سچ سچ بتا رہا ہوں تو اس سچ پر یقین کرو اس بات سے پہلے میں نے اسے ایک نظر کے قابل بھی نہ گردانا تھا۔ نہ ہی میں نے اس کے جسمانی نشیب وفراز پر دھیان دیا تھا۔

بس یہی کچھ ہوا نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔ نہ میں اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے معصوم و بے گناہ سمجھو یا مجھ سے ہمدردی محسوس کرو۔ میں کسی ہمدردی کے قابل نہیں سمجھتا خود کو۔ ظاہر ہے ایک بیدار جاگتے انسان یک ذمہ داری مجھ پر بنتی ہے... اسے اگرچہ بہت کچھ مل بھی رہا ہے۔ مگر بہت ساری فطری محرومیاں جو اس کی جھولی میں ہیں۔ ان کا ذمہ دار میں ہوں۔ بس اسی احساس جرم نے زندگی کی ساری لذتوں سے محروم کر دیا ہے بعض جرم ہوتے ہیں جن کا تاوان ادا نہیں ہو سکتا۔ شادی اس لیے کی تھی کہ شاید تبدیلی اندر سنبھالا دے دے۔ پاگل کر دینے والی سوچوں سے نجات مل جائے مگر خود کو بدکار سے کر

بھی دیکھ لیا ہے۔ بلکہ احساس جرم میں شدت آ گئی ہے۔ اب تمہاری ذات سے بھاری پتھر کی چوٹ بن کر لگتی رہتی ہے سوچتا ہوں یہ کیا کر بیٹھا ہوں۔ میں بالکل ٹھیک تھا تب ہی ایک بچی کا ذمہ دار ہوں یا مجھیں احساس جرم ان سب نے مل کر مجھے ہلکان کر دیا ہے۔" وہ بولتے بولتے جیسے شل ہو گیا۔

ریبا بہت غور سے اس کا حرف حرف سن رہی تھی۔ سچائی کی اپنی قوت ہے۔ اعتراف ہو تو ضرب کی طرح محسوس ہوتی ہے اسے یوں محسوس ہوا گویا اندر کا طوفان تھم گیا۔ ذہن کی کسی طنابیں ڈھیلی پڑ گئی ہوں۔ اس نے نظریں اٹھا کر مومن کی طرف دیکھا۔ مومن کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ چہرے پر صرف تاسف تھا۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا سوائے اس کے کہ آپ نے ظلم کیا ہے۔" وہ سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"بہت بڑا ظلم۔ جب ہی تو ہمارے مذہب میں اس گناہ کی سزا بہت عبرتناک ہے۔ ہر انسان ہی کو اس دنیا میں وجود ملا خدا کی نظر میں اہم ہے۔ میں تو خود تمہیں بتا رہا ہوں کہ میں نے جرم کیا ہے۔" مومن کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"آپ اس بچی کو یہاں لے آئیں۔ ہم اسے پالیں گے۔" ریبا کے لب و لہجے میں بہت بڑی تبدیلی آ گئی۔

"یہ ناممکن سا ہے۔ ممی ڈیڈی اس پر رضامند نہیں ہوں گے۔ پھر ہماری شادی کا اتنا عرصہ نہیں ہوا کہ ہم بچہ اڈاپٹ کریں تو کسی کو حیرت نہ ہو۔ پھر بھی میں ممی سے بات کر کے دیکھوں گا۔ ابھی نہیں کچھ دن بعد۔ ابھی تو انہیں یہ بتانا ہے کہ ہمیں کیسے علم ہوا ایجنسی میں کوئی بچہ پل رہا ہے۔ پھر تمہاری طرف سے پوچھوں گا کہ ریبا کہہ رہی ہے کہ گھر میں تنہائی محسوس ہوتی ہے یہ بچی ہم لے لیتے ہیں۔"

مومن ریبا کے انداز میں تبدیلی پر قدرے پرسکون نظر آیا۔ گویا دل ہی دل میں شکر بھی ادا کیا واقعی یہ بہت سادہ سی لڑکی ہے۔

"اور مول......؟" ریبا کا انداز بڑا بے دھڑک و بے رحم تھا۔ مومن تو چند ثانیے تاب ہی نہ لا سکا۔

"اس کا کیا مسئلہ ہے۔ بچی اس کے ساتھ تو نہیں ہے جو اسے کوئی خوف ہو۔ اس کی کہیں شادی ہو سکتی ہے۔" اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"ممی نے تو بہت بڑی بڑی ہانکی تھیں کہ بچوں کو پیرنٹس کا مشترکہ پیار ملنا چاہیے۔ پیرنٹس کے ہوتے ہوئے بچے کہیں اور کیوں پلیں وغیرہ وغیرہ اور ہاں یہ بھی کہ تم اس بچی کے باپ کا نام بتا دو میں تمہاری اس سے شادی کرا دوں گی۔ نہیں مانے گا تو ابا جان سے کہہ کر زبردستی کرا دوں گی۔ بس تم اس کا نام بتا دو۔ اوہ میرے خدا۔" ریبا نے بولتے بولتے سر تھام لیا۔

مومن کو تو چکر سے آ گئے۔

"شادی......؟ وہ بھی مول سے مائی گاڈ! کیسا مار ڈالنے والا خیال ہے۔"

"بلکہ کل ادھر گھر میں ممی شدید غصے میں یہی سوچ رہی تھیں کہ مول کو لے کر یہاں آؤں اور آپ سے نکاح پڑھوا دوں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔" وہ اپنے خاص لاابالی غیر ذمہ دارانہ انداز گفتگو پر قائم تھی۔

"کل سوچ رہی تھیں۔ اب کیا سوچ رہی ہو؟" مومن نے خوفزدہ ہو کر اس کی صورت دیکھی۔

"اب۔ دل تو ہمدردی پر قائم ہے۔ مگر وہ تو بالکل گنوار ہے۔ ان ہائی جینک لائف اسٹائل۔" وہ بیوقوفوں کی طرح با آواز بلند سوچ رہی تھی۔ جس سے مومن کو خاصی تقویت پہنچ رہی تھی۔

"یعنی اگر کوئی پڑھی لکھی سمجھدار ضرورت مند کا مسئلہ ہوا تو تم اپنے شوہر کی شادی کرا سکتی ہو؟" مومن نے ظرافت سے ماحول کا تناؤ زائل کرنے کی کوشش کی۔

ریبا نے قدرے چونک کر اس کی صورت دیکھی ورنہ جو اچانک ہی دل سے نکل گیا تھا۔ اعتراف جرم و احساس ندامت کے اظہار کے بعد قریب کھڑا تھا۔ اس نے چشم تصور سے مومن کے پہلو میں کسی اور لڑکی کو کھڑا دیکھا جو جب چاہے مومن کے شانے پر ہاتھ یا سر رکھ سکتی تھی۔ اس کا ہاتھ تھام سکتی تھی۔ سب سے بڑھ کر وہ بیڈ روم میں مومن کے پہلو میں ایک بیڈ پر سو رہی تھی اور مومن اس کے ساتھ وہ سب شرارتیں کر رہا تھا جو وہ ریبا کے ساتھ کرتا رہا تھا۔ اس کا دل جیسے کسی اتھاہ میں ڈوبنے لگا۔

اتنا خوب صورت شوہر بڑی روشن چمک دار آنکھیں۔ گلابی رنگ۔ اونچا پورا خوش لباس۔ مہکتا ہوا آفٹر شیو۔ اس نے خوف سے جھرجھری لی۔

"کیا سوچنے لگیں؟" مومن کو تو اب اس کی ہر سوچ سے ہی خطرے کی بو آنے لگی تھی۔

"کچھ نہیں...... مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں سونا چاہتی ہوں۔ کئی روز سے سوئی نہیں شاید اس لیے۔"

وہ لوندی ہو کر بوجھل لہجے میں بولی تھی۔

☆☆☆☆☆
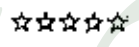
"ارے بچے! کوئی فوٹو وغیرہ بھی دیکھا تھا؟"

"جی نہیں۔" جمال کو بہت شرم آئی کیسے سوال کر رہی ہیں دادی جان ڈائریکٹ۔

"مارا ماری کوہ قاف کو چلے آئے۔ کم از کم اس مشقت سے پہلے فوٹو وغیرہ دیکھ لیتے۔ خیر آگے سر آنکھوں پر مکمل ملاقات کا آنا اور ہونا ہے ختم پشتم کرتے پڑے۔ تم اپنے اس کام پیچھے چھوڑ کر آنا الگ بات......"

"نہیں وہ اماں کی سہیلی نے پورا نقشہ بتا دیا تھا۔" جمال نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"گلوب ہے یا سب کا ئی نقشہ؟" اظہار کی زبان پھڑکی۔

"مذاق نہیں...... دادی جان سیریس بات کر رہی ہیں۔" جمال کی اپنی دلچسپی کی بات تھی۔ اظہار کی مداخلت سے سکون نہیں "متاثر ہوا۔

"بیٹے! اتنا دور ہوا۔ خیر اب آ گئے ہو تو دیکھ لیتے ہیں...... بتاؤں اتنے پیسے والے لوگ۔ ہمارا نوکر پیشہ بچہ۔ کیا گن نظر آ گئے اس میں دور بیٹھے جو ہمیں دکھائی نہیں پڑتے۔" بڑی اماں بڑبڑائیں۔

"پہل تو اسی رشتے والی مٹھائی لے آؤ۔ ابھی دکان کی لانا۔ پانچ کلو بہت رہے گا۔ ابھی لڑکی دیکھنے ہی جا رہے ہیں۔ تم بھی نہا دھو کر اچھی طرح تیار ہو جاؤ کپڑے ذرا اچھے پہننا لڑکی کسی ڈھنگ کی ہوئی تو ظاہر ہے ہم خود چاہیں گے کہ رشتہ ہو جائے۔"

"دادی جان! وہ ڈھنگ کی ہے اماں کی سہیلی۔"

"ارے بتاؤ اماں کی سہیلی نہ ہوئیں۔ غیب کا فرشتہ ہو گئیں جو بتا رہا ہے ٹھیک بتا رہا ہے۔" بڑی اماں نے چڑ کر جمال کی بات کاٹ دی۔

"تو پھر جمال بھائی! آپ بہت امیر ہونے جا رہے ہیں؟" اظہار نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ اماں کہہ رہی تھیں قسمت بن جائے گی۔" وہ شرماتے ہوئے بولا۔

"کبھی آپ بھی کچھ کہہ لیا کریں۔ کبھی اماں کہتی ہیں کبھی اماں کی سہیلی۔" اظہار نے کوبا سر پیٹا۔

"خیر قسمت و دست تو آپ کی اسی بے گی۔ آپ اتنے اوپر نظر آئیں گے نیچے دیکھ کر کہیں گے۔ یہ نقطہ سا کون ہے اوہ اچھا اظہار ہے۔"

"خیر ہم غرور تو کبھی نہیں کریں گے۔" جمال ن سادگی سے مستقبل کا پروگرام بتا دیا۔

"غرور کرتا کون ہے یہ تو خود بخود آ جاتا ہے۔ فل اے سی نئے ماڈل کی نئی کار میں جب آپ شوفر کے پیچھے بیٹھ کر ہمارے ہاں آیا کریں گے میرے تو پسینے چھوٹ جایا کریں گے میں تو کہیں چھپ جایا کروں گا خوامخواہ احساس کمتری ہو گا مجھے اتنا امیر آدمی میں برداشت نہیں کر سکتا۔" اظہار نے صاف گوئی سے کہا۔

"نہیں بھائی! غرور کرنے والوں پر خدا کا غضب ہے۔ مصیبت آتی ہے۔ انشاء اللہ ہم ایسا نہیں کریں گے۔"

"تم کیوں احساس کمتری کا شکار ہونے لگے۔ تم کیا غریب ہو؟" جمال نے اظہار کی دلجوئی کی۔

"فی الحال تو بھائیوں کی محنت پر ہاتھ صاف کر رہے ہیں۔ غریب ہی لگتے بڑی اماں پٹرول کے پیسے دیتی ہیں تو ساتھ ہی بے بھاؤ کی بھی سناتی ہیں۔ بڑی دل دکھتا ہے۔ سوچتے ہیں۔ کاش ہم بھی امیر ہوتے۔ ایک پٹرول پمپ خرید لیتے جب دل چاہتا اپنی بائیک میں ڈال لیتے۔" اظہار نے بڑی غمزدہ سی صورت بنا کر کہا۔

"آپ پٹرول پمپ کے مالک ہوتے تو آپ کے پاس بائیک تھوڑا ہی ہوتی۔ کوئی اچھی سی گاڑی ہوتی۔" جمال نے بہت حاضر دماغی دکھائی۔

"ہاں..... وہی..... وہی اصل میں بائیک استعمال کرتا ہوں ناں تو بس زبان پر خود بخود آ جاتا ہے۔ خیر ماشاء اللہ سے آپ تو پٹرول پمپ کے مالک بننے والے ہیں۔ پیشگی مبارک ہو۔"

"اب دیکھیے۔" جمال نے پانی دلی مسرت چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

"دیکھنے کیا۔ اشرباسے بندہ اپروچ کر لیا ہے۔ ماشاء اللہ بنی بھیں پھر آپ کی اماں کی ہتھیلی کی گاڑی ہے۔"

"وہ تو ہے۔" جمال نے فوراً اتفاق کیا۔

"بس پھر کیا اندیشہ۔ آپ کا کام بن جائے تو ہمارے لیے بھی کوئی ایسا شارٹ کٹ دیکھئے گا۔ دعائیں دیں گے عمر بھر۔" اظہار نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے بلند کیے۔

"ہم تو خود چاہتے ہیں سب لڑکوں کو ایسے رشتے مل جائیں۔"

"ہاں ایسے رشتے مل جائیں کہ پڑے سسرال میں روٹیاں توڑتے رہیں۔" بڑی اماں برہم ہوتیں" کیسا وقت آ گیا ہے خدا نخواستہ کیا معذور محتاج ہیں لڑکے۔ اللہ نے ایک نظام بنایا ہے۔ صبح سویرے مرد محنت مزدوری کرنے نکلیں عورتیں گھر بار سنبھالیں۔ بچوں کی ڈھنگ سے پرورش کریں۔ یہ کیا بات ہوئی کہ ایسی عورتیں ڈھونڈیں جوان کو پالیں۔ مرد کی برتری اسی وجہ سے ہے کہ محنت مشقت اس کا ذمہ ہے۔ تم اتنی دور سے آئے ہو تو ساتھ چل رہی ہوں۔ ورنہ مجھے پتا ہے عورت کے مال پر عیش کرنا آسان نہیں ہوتا۔ گھر داماد کو تو ویسے بھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔" بڑی اماں مزید بولیں۔

"دادی جان! یہ آفر تو ان کی طرف سے تھی۔ ہم ایسی خاتون کو تلاش نہیں کر رہے تھے۔ اب یہ ہماری قسمت۔" جمال نے وضاحت کی۔

"میرے بچے! میں یہ کب کہہ رہی ہوں کہ تم ایسی بیوی ڈھونڈ رہے تھے جو مال دار ہو پہلے سے سیٹل ہو۔ یہ کام لڑکے ہی نے کرنا ہوتا ہے۔ اللہ مالک ہے معاملات کچھ یہاں سے پچھ سسرال میں نہیں رہے گا۔ ٹھیک ہے سہارا کا دو گھر کا سہارا کرے گا۔ ہاں بھیا اپنی محنت سے بچوں کو پالو پڑھاؤ پھر ان سیٹھوں کے حوالے کر دو۔ تمہاری ماں کا تم پر سب سے زیادہ حق ہے جس نے تمہاری خاطر تمہاری خوشیوں کی خاطر جانے کیسے کلیجے پر پتھر رکھا ہو گا۔"

"وہ لوگ اماں کو بھی یہیں بلوا لیں گے۔" جمال نے بڑی اماں کو مطمئن کرنا چاہا۔

"بھیا! مجھے تو ہول آنے لگے ہیں۔ کون لوگ اتر آئے ہیں زمین پر۔ چلو چل کر دیکھتے ہیں۔" بڑی اماں اپنے جیسی پاندان کی تیاری کرنے لگیں۔

☆☆☆☆☆

بہت پرتپاک سواگت کیا گیا بڑی اماں کو جیسے ہاتھوں میں لیا گیا پھر وسیع عریض شاندار سے ڈرائنگ روم میں انہیں بٹھا دیا گیا ڈرائنگ روم کی آرائشی اشیاء سے ان کے مال دولت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا ویسے تو کوٹھی کی بیرونی حالت ہی مکینوں کے استغناء کی مظہر تھی۔

سب سے پہلے کولڈ ڈرنکس پیش کیے گئے۔ جو گھر کی خواتین نے بڑی انکساری و خاکساری کے انداز میں پیش کیے تھے دو تین بھابیاں بہنیں جمال کو گھیر کر بیٹھ گئی تھیں۔ لڑکی کی ماں نے بڑی اماں پر قبضہ جما لیا تھا۔ اظہار اور اظہر کے ساتھ لڑکی کا ایک بھائی جیٹا اپنے وسیع و عریض بزنس کی تفصیلات بتا رہا تھا۔

کافی دیر بعد بڑی اماں کو بے چینی لاحق ہونا شروع ہوئی لڑکی کہاں ہے؟" بالآخر وہ بول ہی پڑیں۔

"بچی کہاں ہے آپ یہاں بلائیں گی؟" انہوں نے لڑکی کی ماں سے پوچھا۔

"یہاں تو وہ شاید مشکل ہی سے آئے شرمیلی بہت ہے۔ میں آپ کو اس کے کمرے میں لیے چلتی ہوں۔" والدہ گویا ہوئیں۔

"چلیے اسے بھی دعا پیار دیتے ہیں۔ باقی تو قسمت کے کھیل ہیں۔" بڑی اماں فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

لڑکی کی ماں نے اپنی بہو بیٹیوں کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ بیٹھو۔ میں جمال کی دادی کو عصبہ سے ملوا لاؤں۔" یہ کہہ کر بڑی اماں کو لے کر ڈرائنگ روم سے باہر چلی آئیں۔ اب سامنے ایرانی قالینوں سے سجی طویل راہداری تھی۔ وہ لڑکی کی ماں کی تقلید میں چلتی جا رہی تھیں جو چلتے چلتے بالآخر ایک کمرے کے دروازے کے سامنے ٹھہر گئیں اور بڑی اماں کی طرف دیکھتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

"عصبہ بیٹے! دیکھو تم سے ملنے مہمان آئے ہیں۔ تم نے چینج کر لیا ناں" بڑی اماں کی نظر اب عصبہ پر پڑی تھی۔

"جی امی! بھابی نے ہمیں بتا دیا تھا کہ تمہارے سسرال والے آ رہے ہیں۔ اس لیے ہم نے بھابی کے دیے ہوئے دوپٹے اوڑھ لیا ہے۔"

بڑی اماں نے آواز کے تعاقب میں نظریں دوڑائیں۔ اچھی خاصی بھیم شحیم سانولے رنگ کی لڑکی فیروزی دیکھے کے چنری کا ساکا دوپٹہ اوڑھے دلہن کا پوز دیے ہوئی تھی۔

بڑی اماں تو فقط سسرال والے پر ہی جز بز ہو رہی تھیں کہ لڑکا صرف رشتہ ڈالا نہیں اور سسرال والے بارہ من کی دھوبن کو دیکھ کر کیا بھڑک رہی ہے۔

"ہوئی کیا ہم انگوٹھی پہنانے آئے ہیں؟ اس شیر جوان کو۔"

بڑی اماں نے بڑی ناز کیں خوب صورت لڑکیاں بہو بیاہی تھیں۔ پہلے ان کی نظر لڑکی پر پڑی تھی۔ بعد کو وہ اس کے گھر چلی جاتی تھیں۔ ان کے خاندان کی بہن کے سلیقہ کا بڑا اچھا کلیکشن تھا۔ وہ گویا سنانے میں رہ گئیں ایک ہاتھ دائیں گال پر تھا اور آنکھیں پھٹی پھٹی ہو گئی تھی۔

"آپ تشریف رکھیے۔ ہم تو بہت دیر سے آپ لوگوں کا انتظار کر رہے تھے۔ امی نے بتایا تھا کہ تمہاری شادی ہونے

دلی ہے۔ سب کی شادی ہوتی رہی تھی۔ بس ہماری نہیں ہوئی تھی۔ ہمیں بہت رونا آتا تھا۔ ہمارا دل چاہتا تھا کہ ہم بھی بار بار جا کر دلہن بنیں ہماری بھی ڈولی سجے"۔

"حفصہ! حفصہ! بیٹے بری بات۔ آپ کو سمجھایا تھا ناں۔" حفصہ کی ماں کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ بڑی اماں کو غشی پڑنے والی تھی۔

"اماں! آپ ادھر تشریف رکھیے اصل میں یہ تھوڑی سی سادی سی بچی ہے۔"

"اے کیا ہے؟" انہیں کچھ گڑ بڑ ہونے کا قریب قریب احساس ہوا۔ بری طرح چونکیں۔

"میرا مطلب ہے تھوڑا سا نفسیاتی پرابلم ہے۔ اس کے فزیشن بتاتے ہیں کہ یہ شادی کے بعد بالکل نارمل ہو جائے گی۔ یہ پیدائشی ایسی نہیں ہے جب یہ چھٹی کلاس میں تھی ہماری کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ میرا ہاتھ فریکچر ہوا تھا اور اس کے سر میں چوٹ آئی تھی۔ یہ تقریباً ایک ماہ کومے میں رہی تھی۔ کسی کو اس کے زندہ بچنے کی امید نہیں تھی مگر وہ بہت قدرت والا ہے بجھتے میں بھی جان ڈال دیتا ہے"۔

حفصہ کی والدہ کو وہ مالیہ کی ہسٹری بتا رہی تھیں۔ بڑی اماں دم بخود سن رہی تھیں۔ "ویسے کام وغیرہ سب کر لیتی ہے۔ ہر بات سمجھتی ہے"۔

"اے ہاں سمجھتی تو ہے جب ہی تو رشتہ مانگنے سے پہلے دلہن بنی بیٹھی ہے۔" بڑی اماں نے کافی دیر بعد گہرا سانس لیا اور اوسان بحال کرنے کی کوشش کی۔ آگے بڑھ کر حفصہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"جوڑے تو آسمان پر بنتے ہیں وہی ہوتا ہے جو اس نے لکھ دیا۔ ہماری آپ کی تو بس کوشش ہی ہوتی ہے۔ اللہ بچی کو انعام دے نصیب اچھا کرے آمین"۔

"انہوں نے بڑی وضع داری سے بات تمام کی اور ساتھ ساتھ حفصہ کی تفصیلی جائزہ لیا۔ اس کا سراپا ان عورتوں کی طرح تھا جو چار پانچ بچے پیدا کرتے کرتے پھیل جاتی ہیں اور بچوں کو بیاہ دودھ پلاتی ہیں۔ تنگ پیشانی غیر واضح تھوڑی چھوٹی سی ناقابل تذکرہ ناک تنگ دہانہ باریک ہونٹ بڑی اماں کے سینے میں نئے سرے سے دھوکا لگا۔ بہت غور سے حفصہ کا جائزہ لیا۔

"چلیے وہیں بیٹھتے ہیں۔ اچھا بچی اللہ حافظ۔" بڑی اماں نے بڑے سبھاؤ سے دروازے کا رخ کیا حفصہ کی ماں ان کے چہرے سے کوئی اندازہ لگانے میں ناکام رہیں۔

بڑی اماں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں تو جمال اظہر اور اظہار نے بہت توجہ سے ان کا چہرہ دیکھا جو بہت پرسکون تھا ہر قسم کے تاثر سے عاری۔

☆☆☆☆☆

"وہ تو مجھے پہلے ہی دھڑکا تھا کہ اللہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جانے دیاں۔ ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں ہمارے بچے میں نہ دیکھا نہ بھالا مرے مٹے جا رہے ہیں۔ ایک کہاوت سنی تھی کہ کسی سے کہ بادام سے لدا درخت راہ میں لگا ہے تو تھیلا بادام کر دے رہے ہیں۔ مانا یک مٹی کا ڈھیر پڑا ہے۔ صورت شکل اللہ کی بنائی ہوئی ہے بے عیب اس کی ذات۔ تا ذا ایسے کون سے ارمان مارے جا رہے ہیں۔ جسم پاگل بچی۔ حاصل وصول یہ کہ اپنا در سر کسی اور کے سر ڈالنا تا کہ خود سکون سے رہیں۔ لیکن بنی بیٹھی ہے جیسے ہم رخصت کرانے پہنچے ہوں۔

بولیں ڈاکٹر کہتے ہیں شادی کے بعد ٹھیک ہو جائے گی۔ شادی سارے مسئلوں کا حل ہے تو طلاقیں کیوں ہوتی ہیں۔ تو بہ توبہ بچے کو اتنی دور سے بلا بھیجا۔"

بڑی اماں مظاہر اور ظہیر کو دورے کے تاثرات سے آگاہ کر رہی تھیں۔ ظاہر ہے سب ہی کو تجسس تھا۔

"آپ نے پوچھا نہیں کہ اسے تو شادی نہ ہونے کا غم ہے اور غم سے تو انسان دبلا ہوتا ہے۔ یہ اتنی موٹی کس خوشی سے ہوئی؟" مظہر نے کن انکھیوں سے حیران پریشان جمال کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اے بیٹا! جس راہ چلنا نہیں اس کے کوس کیا گننا۔" بڑی اماں چڑ کر بولیں۔

"دادی جان لڑکیاں موٹی بھی ہوتی ہیں۔" جمال نے جھینپتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"بیٹے! پاگل بھی ہے وہ۔ کسی روز پٹرول پمپ کو ماچس کی تیلی بھی دکھا سکتی ہے۔ سارا خزانہ بھسم کر سکتی ہے۔" بی اماں کو اس کے دل میں چھپے سوفٹ کارنر بری طرح تاڑ آیا۔

"اللہ ہاتھ پاؤں سلامت رکھے۔ اللہ عزت کی کمانے کو تو دے رہا ہے۔ پاکستان ہی شادی کی ٹھان لی ہے تو بولو...... بہت اچھی لڑکیاں ہیں۔ جیتے عورت سکھ کے لیے لاتے ہیں۔ ہوش مند گھر بار کو سمجھنے والی۔" بڑی اماں نے سمجھایا۔

"جمال بھائی! وہ اماں کی سہیلی نے جو نقشہ بتایا تھا وہ ایسا ہی تھا جو بڑی اماں بتا رہی ہیں؟" اظہار نے مسکراہٹ چھپا کر سوال کیا۔

"جی وہ کہہ رہی تھیں۔ لڑکی ذرا صحت مند ہے۔" جمال نے کہا۔

"دماغی صحت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔" اس نے پھر پوچھا۔

"شاید ان کو خود پتا نہیں ہوگا۔" جمال نے سادگی سے جواب دیا۔

"حد ہو گئی غیر ذمہ داری کی۔ ایسے کاموں میں تب پڑنا چاہیے جب ساری معلومات پلے میں ہوں ورنہ عمر بھر کی بددعا کا سامنا ہے۔" بڑی اماں بولیں۔

"چھوڑیں جمال بھائی دل چھوٹا نہ کریں۔ اس سنڈے کے اخبار میں ضرورت رشتہ کے اشتہارات میں کوئی اور پٹرول پمپ والی دیکھتے ہیں۔ اس شہر میں اتنے پٹرول پمپ نہیں ہیں جتنے پٹرول پمپ والوں کے رشتے ہیں۔" مظہر نے تسلی دی۔

جمال نے بے یقینی کے انداز میں مظہر کی طرف دیکھا۔

"پتا نہیں کیا ہو گیا ہے لوگوں کو کیسے مردہ ضمیر ہیں۔ اپنے مفاد کے لیے پوری پوری انسانی زندگی استعمال کر لیتے ہیں اور کچھ محسوس نہیں کرتے۔" ظہیر نے تاسف سے کہا۔

"چلو بھیا! اسی پر بس ہوئی بعض دفعہ تو دھوکا کھا کر اس وقت پتا چلتا ہے۔ جب اچھا خاصا نقصان ہو چکا ہوتا ہے۔" بڑی اماں نے شکر کیا۔

"بیٹے! اس وقت تو اظہر کے علاوہ سب ہی گھر پر ہیں۔ ریا کی طرف چکر لگا لو جمال کی ابھی تک اس سے ملاقات نہیں ہوئی" بڑی اماں نے موضوع تبدیل کر دیا۔

جمال کی افسوس ناک صورت دیکھ کر انہیں بھی افسوس ہو رہا تھا۔ بے چارہ بچہ کس ذوق و شوق سے پاکستان آیا تھا بڑی اماں ظہیر سے مخاطب ہوئیں۔

"ہاں کچھ دیر پہلے میری مون سے بات ہوئی تھی۔ فون پر بتا رہا تھا۔ ریا کچھ دن رہنے آپ کی طرف آ رہی ہے۔ تیاری کر رہی ہے۔" مظاہر نے بتایا۔

"مون ساتھ آ رہا ہے؟" بڑی اماں نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

"جی اصل میں مجھے اس کے ساتھ کسی سے ملنے جانا ہے۔ اسی لیے اسے فون کیا تھا۔" مظاہر نے کہا اور گھڑی پر نظر ڈال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆☆☆

"ماہنور! یار وہ میں تمہارے لیے ایک ریڈ کاٹن کا بہت خوب صورت سوٹ لایا تھا وہ تم نے ابھی تک نہیں پہنا آج میں گھر پر ہی ہوں۔ کوئی پروگرام شیڈول نہیں ہے۔ تم وہ سوٹ پہن کر میرے آگے پیچھے پھرو۔"

"جی...... ا" ماہنور نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔ "یہ کیسی عجیب و غریب فرمائش ہے؟"

"وہ میرا مطلب ہے۔ میری نظروں کے سامنے رہو شام کو پھر میں تمہیں اپنی کلفٹن والی کوٹھی دکھانے لے چلوں گا۔ تم وہاں جا تو چکی ہو مگر پوری کوٹھی نہیں دیکھی تم نے رات وہیں رکیں گے۔ سامان کو بتا دینا۔"

"میں وہاں جا چکی ہوں؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"ہم نے تمہیں ریج کر کے وہاں بسایا تھا۔ البتہ فتح کا جھنڈا یہیں گاڑا ہے" وہ بھرپور قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

"وہاں کیوں جاؤں میں۔ یہیں ٹھیک ہوں۔ مجھے بڑی سی کوٹھی میں رہنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"پتا ہے مجھے۔ تم قطعی بے شوق ہو مگر اطلاعاً عرض ہے تمہارا اصلی گھر وہی ہے۔ یہ گھر تو میرے باپ کا ہے جس میں پانچ بہنوں کا ترکہ بھی ہے۔" اس نے کہا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے جب تک مجھے نخرے نہیں ہوتے تب تک تو یہی ٹھکانا ہے۔"

اس نے نروٹھے پن سے کورا تو جواب دیا۔ سامنے صوفے پر بیٹھی تازہ اخبار دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا نام ماہنور کے بجائے انکار ہونا چاہیے۔ ہر بات میں ناں پہ دائیں بائیں گردن ہلاتے ہلاتے تمہاری گردن کے مہرے لوز نہیں ہوئے؟" پاشا نہایت خوشگوار موڈ میں نظر آ رہا تھا۔

ماہنور اس مرتبہ خاموش رہی۔

"اچھا چلو اٹھو۔ وہ ریڈ سوٹ پہنو، ریڈ لپ اسٹک لگاؤ۔ شیڈ 22 سے ٹرائی کرنا۔ مجھے ڈریس پر ٹاپ کرنا سب سے زیادہ پسند ہے۔ پھر میرے پاس آؤ۔ آج تمہیں فرصت سے دیکھوں گا۔" وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ "چلو اٹھو چھوڑو اس اخبار کا پیچھا کیا ہے حکمرانوں کے قیامت تک کے یہ سیاستدانوں کے بیان سال بھر کے بیانات۔ چلو اٹھو جلدی سے ریڈ کلر پہن کر دکھاؤ شاباش۔" پاشا نے اصرار کیا۔

وہ با دل نخواستہ اٹھی اور وارڈ روب سے کپڑے نکالنے لگی۔

"میچنگ کی جیولری بھی پہننا۔" پاشا نے تاکید کی۔

اس نے کپڑے نکالے جیولری تلاش کی۔ تیار کر تو بیٹھی ہوئی تھی۔ کپڑے پہننے میں بمشکل پانچ منٹ لگے کپڑے بدل کر اس نے ہلکا سا میک اپ کیا۔ سرخ چوڑیاں اور لپ اسٹک لگائی۔ سرخ نگینوں کی نازک سی جیولری پہنی وہ پرفیوم اسپرے کر رہی تھی۔ پاشا آئینے میں اس کا عکس دیکھ کر مبہوت سا رہ گیا۔ لمبے سیاہ کھلے بالوں میں وہ جانے کیا لگ رہی تھی۔

"کتنی حسین ہو تم۔ اندر سے بھی باہر سے بھی۔ کیا لگ رہی ہو میری۔ ذرا ادھر آؤ۔ تمہیں قریب سے دیکھوں۔ میری دور کی نظر کمزور ہے۔"

وہ جھجک سے اٹھی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آئی۔

پاشا نے ہاتھ بڑھا کر ایک جھٹکے سے اپنے قریب کر لیا۔ "کبھی کبھی یہ سب خواب سا لگتا ہے یہ ماہنور ہے۔ میرے قریب بیٹھی ہے۔" پاشا کہہ رہا تھا اس کی آنکھوں سے وہ آنچ کر رہی تھی کہ ماہنور کا چہرہ تپنے لگا اس کا نازک سا ہاتھ پاشا کے ہاتھ میں تھا جسے وہ دھیرے دھیرے سہلا رہا تھا۔ ماہنور کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔

"چاہ غالب کیسے قناعت پسند بندے تھے۔" فرمایا تھا۔

بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

بھئی ہم تو پوری کی پوری جاناں کو لیے بیٹھے ہیں۔ تب ہی مزے میں ہیں۔ خیالی تصور تو بے حد درجہ کی سستی کاہلی ہے۔ کہاں صرف تصور کہاں پوری پوری جاناں حقیقت یہ ہے کہ ثابت سالم حاضر موجود جاناں کے ساتھ بیٹھنا آسان نہیں۔

اس کام میں پڑتی ہے محنت زیادہ

"ٹھیک ہے ناں میری جان! ہماری محبت پہ شک کر سکتی ہو محنت پہ نہیں کیوں؟"

پاشا کہہ رہا تھا اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی۔ ساتھ ہی قمر النساء کی آواز آئی۔

"پاشا! وہ تمہاری سہیلی آئی ہے اندر نہیں آ رہی باہر کار میں بیٹھی ہے۔ کہہ رہی ہے پاشا کو باہر بھیج دیں ضروری کام سے آئی ہوں۔"

آناً فاناً پاشا کچھ اور ہی ہو گیا۔ فوراً ماہنور کا ہاتھ چھوڑ کر ایک چھلانگ میں بیڈ سے اتر آیا اور سرہانے پڑی شرٹ پہننے لگا۔

"کون انوشہ ہے؟" ماہنور کا چہرہ پھیکا سا پڑ گیا۔

"ہاں ہاں وہی ہو گی۔" پاشا نے جلدی جلدی پاؤں میں سلیپر ڈالے اور دروازہ کھول کر بڑی تیزی سے نکل گیا۔

ماہنور سر جھکا کر اپنی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔ ذہن بالکل خالی تھا۔ تبدیلی کا عمل اس قدر تیز تھا کہ جیسے کوئی برقی رو گزر گئی تھی۔ قیام آب و گل کی دنیا سے پہلے کا کوئی سناٹا تھا دل و دماغ میں...... ایسی نقصان دہ زندگی میں پاشا کی فطری شوخیاں یونہی زندگی سے قربت کا احساس دیتی تھیں۔ ایک وحشی اثر سے کوئی سنبھالا سا ملتا تھا۔ مگر اب لگتا تھا کہ نقصان دھوکے کا کوئی نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جس پر اسے اکتفا کر کے اذیت ناک زندگی کو خوشی گلے لگا لینا چاہیے۔ کسی سنبھالے کسی سہولت کی آس کو گناہ سمجھتے ہوئے۔

وہ جانے کتنی دیر اسی انداز سے بیٹھی رہی کہ دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور پاشا اندر داخل ہوا۔

"میری بلیک جینز تو ڈریسنگ میں ہے ناں ماہنور......؟" وہ وارڈ روب سے بلیک ٹی شرٹ اور ایک رف نکال رہا اور "ہاں بلیک شوز بھی۔" وہ بولتا ہوا ڈریسنگ میں گھس گیا۔

ماہنور ایک گہرا سانس لے کر اٹھی اور اس کی مطلوبہ چیزیں نکال کر ایک جگہ رکھ دیں۔ وہ بیلٹ کستا ہوا باہر آیا شرٹ پہنتے ٹی شرٹ کھینچ کھانچ کر پھنسائی۔ اپنا والٹ پینٹ کی جیب میں ٹھونسا۔ ریسٹ واچ باندھنے کا ٹائم نہیں تھا اٹھا کر ٹی شرٹ کی جیب میں ڈالی اور جلدی جلدی موزے پہن کے شوز میں پاؤں پھنسائے......

"ہائے ماہنور! ہو سکتا ہے میں آج رات گھر نہ آ سکوں۔" اس نے ماہنور کی طرف دیکھے بغیر باہر نکلتے ہوئے کہا۔

سب کچھ اتنی سرعت سے ہوا کہ اسے ایک لفظ منہ سے نکالنے کا موقع بھی نہ ملا وہ دروازہ کھلا چھوڑ گیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بند کر دیا پھر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر رک گئی۔

اس وجود میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جو اسے زنجیر کر کے مقابلہ جیت سکے۔

ایمرجنسی میں۔ نازک حالات میں اس بے دریغ استعمال شدہ بلا میں کون سی خاص بات ہے؟ وہ ایک بات جس کی وجہ سے بدکردار سے بدکردار مرد بھی عورت کو عورت مانتا ہے۔ اس کا احترام کرتا ہے وہ ہے عورت کی عفیفہ حیثیت۔ کوئی کمرشل عورت حسن کے عالمگیر ریکارڈ بھی توڑ ڈالے تب بھی وہ ایک پارسا عام سی شکل کی عورت کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتی"۔

پھر یہاں یہ معیار کیوں اپنی حیثیت نہیں رکھتا؟ یہاں تو وہ جیت رہی ہے جو تقدیر سے ہاری ہوئی ہے۔

ماہ نور آئینے میں اپنے سراپے پر نظر دوڑاتے ہوئے سوچتی جا رہی تھی۔

"تم یہ پارسائی کا غرور بالکل نہیں بجا ماہ نور! اس عورت کو حقارت سے سوچ رہی ہو۔ اپنی طرف تو دیکھو تمہاری پارسائی کا اعتراف بھی صرف ایک مرد ہی کر رہا ہے۔ ایک اغوا شدہ لڑکی۔" کوئی جیسے اس کے اندر سے بولا اور سینے سے ایک ہوک سی اٹھی۔

"پھر بھی میری اپنی نظر میں تو اپنی وقعت ہے میرا ضمیر تو مطمئن ہے کہ میں نے اپنی دوشیزگی کی پوری ذمہ داری سے حفاظت کی فطرت و مذہب نے جو قوانین بنائے۔ انہیں توڑنے یا نظر انداز کرنے کا کبھی سوچا نہیں۔ معاذ اللہ پھر جس کے بس میں ہوں وہ تو میری اصلیت سے آگاہ ہے اس آگہی کی وجہ سے اس کی نظر میں میری اہمیت ہونا چاہیے۔

جب اس نے مجھے بہت عذاب اٹھا کر حاصل کیا ہے تو میری اور اس کی تنہائی کسی تیسرے وجود کی وجہ سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔

پاشا نے اس کی ذات کو عشق کے غرور سے آشنا کیا تھا۔ اس کا نظر انداز کرنا ایسا ہی تھا جیسے مرغزار سے کوئی آنا فانا تپتے صحرا میں آ کھڑا ہو۔

سرخ لباس میچنگ جیولری کھلے سلجھے ہوئے لانبے سیاہ ریشمی بال پشت سے نیچے تک بکھرے ہوئے۔ ترشے ہوئے نقوش سے مزین کھلا کھلا چہرہ شاید آج سے پہلے تو اس نے خود کو اتنی توجہ سے نہیں دیکھا تھا نہا دھو کر اکثر منہ ہاتھ دھو کر جلدی جلدی بال سلجھائے اور چوٹی باندھ لی۔ کبھی کسی تقریب میں جاتے ہوئے آنکھوں میں کاجل ڈال لیا۔ لائٹ شیڈ کی کوئی لپ اسٹک لگا کر چہرے پر نظر دوڑائی اور بس ہمیشہ ہی دوسروں سے اپنی خوب صورتی کی تعریف سنی تھی جس سے مزاج میں ایک عجیب سی بے نیازی گھر کر چکی تھی۔

عورت کے مقابل عورت کا ہونا شاید بہت سنگین حادثہ ہوتا ہے۔ دماغ کے مردہ خلیے تک دوبارہ زندہ و متحرک ہو جاتے ہیں۔ وہ وہاں وہاں سوچ جاتی ہے جہاں تک امکان کا دائرہ پھیلتا ہے۔

اگرچہ پاشا نے اسے اس کی اہمیت کا احساس اور حیثیت کا یقین دلایا تھا۔ لیکن مرد کسی اور عورت کے قریب کھڑا ہو تو ساری یقین دہانیاں بے اثر ہو جاتی ہیں۔

وہ عورت تو شدید احساس توہین سے پاگل بھی ہو سکتی ہے جسے ٹوٹ کر چاہا گیا ہو پھر اس سے منہ پھیر لیا گیا ہو۔

حالانکہ یہاں ایسا کچھ نہیں تھا وہ عورت ہونے کے ناطے اپنی تمام تر حسیات سے سوچ سکتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ قطعا مخلص ہے وہ جب گھر میں ہوتا ہے اس کو قریب بٹھائے رکھتا ہے اس کا آنکھ سے اوجھل ہونا پسند نہیں کرتا۔

یہی تو اصل چبھن ہے کہ "اس" چڑیل میں کیا بات ہے جو اس کے سارے اثرات ہی زائل نہیں کر دیتی بلکہ اسے سارے ماحول سے کاٹ کر ہر شے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

"یہ مجھے قیامت تک کے نقصان پہنچنے کے بعد ملا ہے۔ زندہ رہنے تک کا صرف ایک سہارا۔ اگر کسی نے یہ چیز بھی لوٹنے کی کوشش کی تو میں دونوں کو شوٹ کر دوں گی۔ اس کی نظروں کے سامنے پاشا کا ریوالور ناچنے لگا۔" یہ دولت ہے میرے پاس"۔

وہ پرسکون سی ہو کر وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکالنے لگی تاکہ فارغ وقت میں استری کر کے لٹکا دے۔

☆☆☆☆☆

"ہائے اللہ بڑی اماں! جمال بھائی! آپ سوئی کو دیکھ کر بھی آ گئیں۔ مجھے کسی نے کچھ بتایا تک نہیں۔ کم از کم آپ مجھے وہاں ساتھ تو لے جاتیں۔ آپ لوگ تو مروت میں چپ چاپ سب کچھ دیکھ کر واپس آ گئے۔ میں تو انہیں اچھی طرح سناتی۔ جمال بھائی کا اتنا سا آنے اور جانے کا کرایہ وصول کرتی"۔ ریپا کے لیے تو یہ سب ایک سرپرائز تھا۔

"اور وہ دے دیتے؟" بڑی اماں جل کر بولیں۔

"ان کے تو اچھے خان بھی دیتے۔ ایسی انسلٹ کرتی کہ یاد کرتے اف کہاں ہمارے بھولے بھالے جمال بھائی کہاں وہ موئی۔ بے چارے نخر سی موئی کی ایک ذات بھی نہیں سہ سکتے۔"

"بری بات ہے ریپا! ایسے نہیں کہتے۔ سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔" جمال نے ٹوک دیا۔

"ہوں یعنی سوفٹ کارنر موجود ہے۔ بڑی اماں جمال بھائی کو وہ ہر حالت میں قبول ہیں۔ آپ بسم اللہ کریں۔" افتخار نے کہا۔

"اس سے زیادہ دماغ خراب تو پھر اس کا ہو، فرح اتنی کشش ہے دولت میں کہ لوگ پاگل ہونے کو تیار ہیں۔" بڑی اماں کا پارہ ہائی ہو گیا۔

"نہیں نہیں دادی جان! ہمارا مطلب تو یہ ہے کہ کسی کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے اللہ ناراض ہوتا ہے۔" جمال تو بڑی اماں کا بگڑا موڈ دیکھ کر گھبرا گیا۔

"اور ریپا تم خوش ہو ناں؟" اس نے جلدی سے بات کا رخ بدلا۔

"ایسی ویسی مارے خوشی کے لوٹ پوٹ ہوئی رہتی ہوں۔" اس نے صوفے پر خاموش بیٹھے سون کی طرف دیکھ کر عجیب سے لہجے میں بظاہر مذاق کیا۔

"ہم نے تمہاری شادی پر آنے کی کوشش بہت کی مگر چھٹی نہیں ملی۔" جمال نے وجہ بتائی۔

"سوئی کو دیکھنے کے لیے فوراً چھٹی منظور ہو گئی؟ خیر اچھا ہی ہوا آپ نہیں آئے۔ وہ شادی سے زیادہ کسی ایمرجنسی کے نفاذ کا سین تھا رات ساڑھے چار بجے فوجی جرنیل قوم سے خطاب کرتے ہوئے مارشل لا لگانے کی وجوہات بتا رہا تھا ایسے ہوئی تھی شادی جیسے پرائم منسٹر ہاؤس کو فوجیوں نے گھیر لیا ہو۔ تمام راستوں کی ناکہ بندی ہو گئی ہو۔ ایئر پورٹ پر پروازیں معطل ہو گئی ہوں"۔

"اوئی میرے اللہ۔ کیوں میرے بچے کو ڈرا رہی ہے؟" بڑی اماں نے گھر کا۔

"اب تو سب کچھ ہو چکا۔ اب ڈرنے سے فائدہ۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ بچ اگر آپ اس موقع پر آ جاتے آپ کو تو پہلی فرصت میں محفوظ مقام پر پہنچانا پڑتا۔"

"پھر بولی۔" بڑی اماں نے عینک کے عدسوں کے اوپر سے گھورا "آتی دور سے بچہ آیا ہے اچھی باتیں کرو۔"

"چلیں ٹھیک ہے۔ جمال بھائی آپ بتائیں پاکستان میں شادی کرنا چاہتے ہیں تو ہم کوئی اچھی سی لڑکی ڈھونڈیں۔ یہ بھی بڑی اچھی مصروفیت ہے۔" ریپا نے کہا۔

"ہم تو خیر پاکستان ہی میں شادی کرنا چاہتے تھے۔ ہمیشہ سے۔" بڑے سیدھے پن سے جواب ملا۔

"ہمیشہ سے۔ یعنی جب سے آپ پیدا ہوئے تب سے۔" ریپا نے تعجب سے پوچھا۔

"نہیں خیر۔ چھوڑو اس قصے کو۔ انسان جو سوچتا ہے وہی تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ جو قسمت میں لکھا ہے وہی ہوتا ہے"۔

جمال نے بڑی ہوا ہی سے فلسفہ بگھارا اور ایک نگاہ غلط سون پر ڈالی۔

"مون بھائی! آپ کیوں خاموش بیٹھے ہیں۔ یہ ریا تو آپ کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیتی ہوگی؟" جمال اٹھ کر مون کے قریب جا بیٹھا۔

"میں خود ہی کم بولتا ہوں۔ لیکن جب بولنا چاہتا ہوں تو یہ موقع دے دیتی ہیں۔ خاموش ہو جاتی ہیں۔ ویسے مجھے ریا کا باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔" مون نے مسکرا کر جواب دیا۔

"جی۔ یہ بہت مزیدار باتیں کرتی ہیں۔ ہمیں ہندوستان میں بھی بہت یاد آتی رہیں۔" جمال نے فطری سادگی سے جواب دیا۔

"مجھے تو خود آپ بہت یاد آتے ہیں۔ اتنا اچھا وقت گزرا آپ کے ساتھ۔ اب پھر گزاریں گے۔ اظہار بھائی! شام کا کوئی پروگرام بنائیں۔ سی سائیڈ چلتے ہیں کیوں جمال بھائی؟" ریا نے پوچھا۔

"مون بھائی سے تو پوچھ لو۔ شام کو فارغ بھی ہیں یا نہیں؟" اظہار نے ٹوکا۔

"یہ تو فارغ نہیں ہوں گے۔ پتا ہے مجھے۔ میں تو جمال بھائی کی کمپنی انجوائے کرنا چاہتی ہوں۔ ان کو تو شاید ویسے بھی سیر و تفریح کا شوق نہیں ہے۔" ریا نے عجیب بے ڈھنگے پن سے جواب دیا۔

"یعنی بس نوٹ بنانے والی مشین ہیں۔" جمال نے ٹکڑا لگایا۔

"ایگزیکٹ"۔ ریا نے اتفاق کیا۔ بڑی اماں اور اظہار کافی جز بز ہو رہے تھے۔

"اپنے شوہر سے پہلے پوچھو، اجازت لو۔ یہ کیا طریقہ ہے بیٹھے بیٹھے پروگرام بنا کر۔" بڑی اماں نے مون کا چہرہ دیکھتے ہوئے جیسے اسے جھاڑ پلائی۔ بڑی شرمندہ سی نظر آ رہی تھیں۔

"ان سے اجازت لینا کوئی مسئلہ نہیں۔ ہمارے سسرال کا ماٹو ہے۔" جو دل چاہے کرو"

ریا نے ایک دل جلانے والا قہقہہ لگایا لاشعوری طور پر۔

"پھر تو تم بہت خوش قسمت ہو ورنہ لڑکیاں تو سسرال کی پابندیوں کی شکایت ہی کرتی نظر آتی ہیں۔" جمال کو جیسے ریا کی قسمت پر رشک آیا۔

"ہاں خیر قسمت تو ہماری بہت اچھی ہے۔" ریا عجیب سے انداز میں کہہ کر یکلخت چپ سی ہو گئی۔

"بڑی اماں! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آپ کی اجازت سے ریا جہاں جانا چاہے جا سکتی ہے۔" مون نے نا[illegible] میں کہا۔

"تو بیٹا! تم بھی ساتھ چلے چلو۔ کام تو زندگی کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔" بڑی اماں تو ویسے ہی مون کی سعادت مندی پر صدقے قربان ہوتی رہتی تھیں۔ جو ان کی بے لگام گھوڑی کو قابو میں کیے ہوئے تھا۔

"میں ضرور چلتا۔ مگر مجھے ایک ضروری ملاقات کرنا ہے۔" مون نے معذرت کی۔ "مظاہر بھی وہاں آئیں گے"۔ مون نے مزید کہا۔

"مجھے اچھا محسوس ہوتا اگر چلتے"۔ بڑی اماں کو افسوس سا ہو رہا تھا۔

"سوری بڑی اماں۔ مجھے بھی اچھا محسوس نہیں ہو رہا انکار کر کے۔ مگر مجبوری ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ ریا تو ابھی کچھ دن رکے گی۔ تب تک روزانہ ایک چکر تو ادھر کا لگے گا۔"

"اچھی بات۔ اللہ نصیب اچھا کرے۔ تمہاری ماں کا ٹیلی فون آئے تو ہماری طرف سے سلام کہنا۔"

بڑی اماں نے کہا۔ "کب تک آئیں گی؟"

"جی بہتر۔ وہ چار روز میں آنے والی ہیں۔ اچھا جمال خدا حافظ ہم انشاء اللہ کسی روز ڈنر پر بلائیں گے۔ کبھی آ جائیں ادھر ہوں گی تو اچھا لگے گا۔"

"ارے نہیں۔ کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ ہم ویسے ہی چکر لگا لیں گے۔" جمال نے انکساری کا مظاہرہ کیا۔

☆☆☆☆☆

ریا اور چاند کے کمرے میں تیار ہو رہی تھی کہ بڑی اماں دروازہ کھول کر اندر چلی آئیں۔

"آخر تم نے اپنے آپ کو سمجھا کیا ہے۔ لاکھوں میں فائق پڑھا لکھا جیسے ولا مرد ہے۔ اسے رشتوں کی کمی نہیں رہی ہوگی۔ اس نے تمہیں اپنے گھر کی مالکن بنایا۔ خود مختاری دی کوئی روک ٹوک نہیں کرتا۔ تمہاری ہر ادائی تو آئی سہہ لیتا ہے۔ کون سے ہیرے جڑے ہیں تم میں......؟ زمانے بھر کی بے ڈھنگی...... نوکر چاکر والا گھر نہ ملتا تو دنیا کو پتہ چل جاتا تمہارا سلیقہ۔ اپنے مرد کے سامنے رشتے کے بھائیوں سے اتنی بے تکلفی جتانا بدعقلی کی حد ہے۔ کوئی مرد یہ بات پسند نہیں کرتا۔ کوئی ظاہر کرتا ہے کوئی نہیں۔ بنا میاں کو ساتھ لے جانے سے منع کر رہی ہے۔ پہلے پوچھ تو لیتی۔ میاں کے ساتھ نہیں جائے گی۔ رشتے داروں کے ساتھ جائے گی۔ احمق! تیرے دولہاپے کے دن تو بنا تجھے ہر جگہ اس کے ساتھ جانا چاہیے۔"

"خیر تو گزر رہی تب آپ۔ انہیں ایسی باتوں کی پروا بھی نہیں ہوتی۔" اس نے بالوں میں کلپ لگاتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔

"بڑا آگے جا کر پتا چلتا ہے۔ کسی کی برداشت کو آزمانا نہیں چاہیے۔ بس یہ اب رہا نہیں ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔ دولت ان کے گھر کی باندی مگر کوئی تکبر نہیں کوئی بری عادت نہیں ہزاروں لوگوں کی روزی لگائی اللہ نے ان کی روزی سے۔ مگر مزاج تو دیکھو کتنا سادہ ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ نصیب سے ملتا ہے کسی کسی کو ایسا۔ ہم شکر کرتے ہیں۔ شکر کو عمل سے ظاہر کرتے ہیں۔ ناشکری کی ناقدری ہو تو نعمت ٹکتی نہیں ہے۔ میرے منہ میں خاک۔ سمجھنے کو کہہ رہی ہوں تاکہ سمجھ آ جائے ٹھیک ہے۔ سمجھیں؟"

بڑی اماں آگ بگولہ ہو رہی تھیں۔

"آئندہ اس کے بغیر کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ وہ منع کر دے تو تم بھی رک جاؤ۔ گھر خراب ہوتے ہیں ایسی باتوں سے۔ ایسی عورت کی کوئی عزت نہیں ہوتی جو اتنی ہٹ دھرم ہو کہ اپنے مرد کی نہ سنتی ہو۔"

"بڑی اماں! وہ ہر طرح کے سرد ہیں۔ آپ یونہی ٹینس ہو رہی ہیں۔ میں کبھی جا کر واپس آؤں گی تو وہ پوچھیں گے بھی نہیں کہ کہاں گئی تھیں؟"

☆☆☆☆☆

"آپ؟" قمر النساء پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ "میں خواب تو نہیں دیکھ رہی" وہ گھبرا کر کے جیسے بت بن گئی تھیں۔

"نہیں بہن......! میں ہی ہوں عائشہ آپ کی بہن۔ ایک منٹ۔ ذرا ڈرائیور کو بتا دوں کہ کب لینے آئے۔" وہ پلٹنے لگیں۔

"ارے! لینے ویسے نہیں آئے گا۔ بس آپ آ گئی ہیں۔" قمر النساء نے ان کا بازو تھام لیا۔

"بیا باجی کے بیٹے کی گاڑی ہے۔ ناظم آباد والے بیا باجی۔ آپ نے جن کا ذکر کیا تھا۔"

"خان محمد آپ جائیں! باجی سے کہیے گا میں خیریت سے پہنچ گئی فون کر دوں گی۔" وہ یہ کہہ کر قمر النساء کے ہمراہ اندر چلی آئیں۔

"ہائے اللہ، دیکھو تو کون آیا ہے۔" قمر النساء نے بے اختیار آواز دی۔ بدر نور چھت سے دھلے کپڑے اٹھا کر نیچے تک آ چکی

تھی۔ دل دھک سے رہ گیا۔ قمر النساء کی آواز میں خوشی کی لہریں صاف محسوس ہو رہی تھیں۔

"کون آیا ہوگا...... امی!! خوشی تو ایسی ہے اماں کی آواز میں۔" وہ کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے لرزتے قدموں سے آواز کی سمت بڑھی اور جیسے پلک جھپکنا بھول گئی ہو۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ معاً اس نے کارپٹ پر کپڑے پھینکے اور دوڑ کر استانی سے لپٹ گئی۔

"اف یقین نہیں آ رہا آپ ہمارے گھر آئی ہیں۔" اس نے بے ربط سی ہو کر کہا۔

"مجھے بھی خوشی، شاید تمہیں مجھے یہاں دیکھ کر نہیں ہوئی ہو گی جتنی مجھے تمہارے منہ سے "ہمارے گھر" سن کر ہوئی ہے۔ اللہ تمہیں ڈھیروں خوشیاں دکھائے۔ آمین۔"

"آپ یہاں آسانی سے تو پہنچ گئیں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟" اس نے پوچھا۔ خوشی سے واقعی اس کی بری حالت تھی۔

"نہیں۔ ایڈریس ڈرائیور کو بتایا تو وہ جلد ہی سمجھ گیا تھا۔"

"آپ تشریف رکھیے۔ ماہ نور! پہلے کوئی جوس وغیرہ لے آؤ۔" قمر النساء نے ان کا ہاتھ تھام کر صوفے پر بٹھایا۔

"نہیں کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ آپ بیٹھیں۔ میں ابا جی کے ہاں سے چائے پی کر چلی تھی۔ کھانے کے وقت جو کچھ ہوگا کھائیں گے۔ آپ آرام سے بیٹھیں۔ کھانا پینا تو صبح دوپہر رات کا۔ مرضی کی محفلیں کہاں ملتی ہیں۔ تم سناؤ ماہ نور! کیا کوئی روٹین ہو۔ مشکل زندگی کو آسان بنانے کے لیے؟"

"ہمت کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہوں۔ اماں بھی ہمت بندھاتی رہتی ہیں۔ گاڑی چل ہی رہی ہے کسی نہ کسی طرح۔" وہ نظریں جھکا کر جواب دے رہی تھی۔

"گاڑی کو چلانا نہیں ہے۔ دوڑانا ہے۔ ہمت طاقت دینے والی ذات اللہ کی ہے۔ تم خلوص کے ساتھ نیت بنائے رکھو۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"مجھے یونہی خوش فہمی سی تھی کہ آپ پاشا کے ولیمے میں ضرور شرکت کریں گی۔ میری وجہ سے نہیں تو ماہ نور کی وجہ سے۔ مگر بس انتظار ہی رہا۔" قمر النساء نے شکوہ سا کیا۔

"میں ابھی آپ سے یہی بات کرنے والی تھی۔ اصل میں ضروری کام سے مجھے حیدرآباد جانا پڑا۔ چند گھنٹوں کے لیے۔ گھر میں تالا تھا پوسٹ مین وہ کارڈ پڑوس میں دے گیا۔ ماشاء اللہ کافی بچے ہیں۔ ان کے ہاتھ لگ گیا اور ادھر ادھر ہو گیا۔ مجھے پڑوسن نے بتایا کہ استانی جی آپ کی چٹھی آئی ہے بچوں نے ادھر ادھر کر دی۔ میں ڈھونڈ رہی ہوں۔ دھیان ماہ نور اور ابا جی کی طرف ہی گیا تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کی ہوگی اور کون مجھے چٹھیاں بھیجے گا۔ وہ چار روز بعد صبح سویرے پڑوسن نے کارڈ لا کر دیا۔ پتا چلا ولیمہ کل ہو چکا۔ خیر ملال یہ ہوا کہ شرکت نہ کر سکی۔ خوشی اس بات کی کہ چلو ایک اچھا کام انجام پذیر ہوا۔ وہ دور تو خیر یہ ڈھارس ہوئی ہو گی کہ بہت سارے لوگوں کے علم میں آ گیا کہ تمہاری باقاعدہ شادی ہوئی ہے۔ اچھا برا جیسا بھی ہے تم اس کی منکوحہ ہو۔ ہمارے معاشرے میں یہ بات بھی بہت ہوتی ہے عورت کی ساکھ کے لیے۔ اللہ سے تمہاری خوشیوں کے لیے دعا ہے۔" انہوں نے شفقت سے ماہ نور کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"اور باقی تو خیریت ہے ناں۔ مظاہر سے ملاقات تو ہوئی ہو گی۔ ٹھیک ہے وہ بچہ۔ ماشاء اللہ بہت ہونہار ہے۔"

"نہیں اس کے بعد اس کا آنا نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے مصروف ہوگا۔ ظاہر ہے اتنا بڑا افسر ہے کہاں فرصت

ہوتی ہو گی۔

"میرے تو دل سے اس کے لیے دعائیں ہی نکلتی ہیں۔ اس کے وسیلے سے اللہ نے آپ سے ملایا۔ ابھی تک طبیعت شاد ہے۔" قمر النساء نے استانی عائشہ کے ہاتھ بہت محبت سے تھام لیے۔

"پاشا کیسا ہے۔ کوئی تبدیلی آئی ماہ نور کی صحبت میں؟" استانی عائشہ نے ایک نظر ماہ نور پر ڈال کر سوال قمر النساء سے کیا۔

قمر النساء نے گہری سانس لی اور یوں ہونٹ سی لیے گویا کہہ رہی ہوں۔ میرے پاس کوئی نئی اطلاع نہیں۔ استانی عائشہ بھی چند ثانیے خاموش رہیں۔

"کوئی بات نہیں۔ ہر تبدیلی وقت مانگتی ہے۔" انہوں نے دلاسا دیا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ بری تبدیلیاں البتہ بڑی جلدی جلدی ہوتی ہیں۔ انقلاب آتے ہیں۔ خون خرابہ تو فوت ہوتا ہے۔ بحالی بار ریلیف میں پچیس پچاس سال لگ جاتے ہیں پھر بھی پتا چلتا ہے بحالی نہیں ہوئی ہنوز بے حالی ہے۔" ماہ نور کے لہجے میں تلخی اتر آئی۔

"اچھی امید کے ساتھ اچھا عمل جاری رہنا چاہیے۔ کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہی ہے۔ پھل ملے ہے اور کچھ نہیں تو قلبی سکون کا تحفہ تو ضرور ملتا ہے جو اس دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ ویسے کب تک آ جاتا ہے گھر؟"

"اس کا گھر آنے کا کوئی ٹائم نہیں۔ البتہ باہر جانے کے لیے ہر وقت نظر گھڑی پر رہتی ہے۔ کسی نہ کسی ضروری کام کا وقت ہو رہا ہوتا ہے۔" قمر النساء نے جل کر جواب دیا۔

"اماں! خالہ جان کے لیے کھانے میں کیا خاص ڈش بنائی جائے؟" گھڑی کے تذکرے پر ماہ نور نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

"ارے بچی! جو گھر میں ہے وہی میں بھی کھا لوں گی۔ میرے لیے خود کو ہلکان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں پتا تو ہے۔ میں کتنا کھانے والی ہوں۔ تم اپنے دوسرے ضروری کاموں سے فارغ ہو جاؤ جو کر رہی تھیں۔ عشاء کی نماز کے بعد پھر آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" انہوں نے ماہ نور کو بہت سجاؤ سے اٹھنے سے روکا۔

"لاؤ ماہ نور! یہ کپڑے اٹھا کر مجھے دے دو۔ میں بیٹھے بیٹھے تہہ کر دیتی ہوں۔ تم ایسا کرو وہ مسالہ لگی چانپیں تل لینا۔ استانی کو پسند آئیں گی۔ یخنی تیار ہے۔ پلاؤ دم دے لو تقریباً بہت کچھ تیار ہی ہے۔ کچن میں زیادہ ٹائم نہیں لگے گا۔"

"یہ آپ کے معمول کا کھانا ہے تو بسم اللہ۔ میرے لیے تکلف نہ کیجیے۔" استانی عائشہ نے کہا۔

"بس یہ معمول کا کھانا ہی سمجھیے۔ پاشا کی وجہ سے اس کی مرضی کی کوئی نہ کوئی چیز تیار رکھتی ہوں۔ اس کے باپ بھی کھانا اچھا مانگتے تھے۔ ان ہی کی طرح یہ بھی ہے۔ میں تو خیر دال سبزی زیادہ پسند کرتی ہوں۔ آئے دن کھانے بنانے کی وجہ سے میری نیت تو ویسے ہی سیر ہو جاتی ہے۔" قمر النساء نے بتایا۔

"جب اللہ کا فضل ہے تو نعمت سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔" استانی نے مسکرا کر کہا۔

"اس مالک کا احسان ہے۔ ان کی زندگی میں بھی رزق کشادہ تھا اور ان کے بعد بھی۔ بہت کچھ انتظام کر گئے۔ شکر ہے مالک کا کہ صرف اس کی محتاج ہوں۔ بیٹے کی کمائی کی طرف تو کبھی دھیان بھی نہیں دیا۔ اسی سے سنا ہے کہ بے حساب کماتا ہے۔ کس طرح؟ نہیں پتا۔" وہ بولتے بولتے افسردہ سی نظر آئیں۔

ماہ نور نے کپڑے اٹھا کر قمر النساء کے سامنے ڈال دیے اور خود کچن میں چلی آئی۔

ممکن میں ابھی اس کا آدھا گھنٹہ ہی گزرا ہو گا کہ پاشا کی آواز آئی۔

"اماں! سلام کرنے کے لیے عمر پڑی ہے۔ میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔ وہ کمرشل آئٹم باہر گاڑی میں میرا انتظار کر رہی ہے۔ میری مجبوری ہے اماں۔ اف مجھے اشارے وغیرہ مت کرو۔ میں تقریروں سے نصیحتوں سے تنگ دار نہیں ہوا تو کیا اشاروں سے ہو جاؤں گا۔ فی الحال تو ہم جس کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں وہ ڈیش تو باہر ہمارے انتظار میں مر رہی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی شاید اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

احساس ندامت سے قمر النساء جیسے گونگی تھیں۔ اتنی معتبر باوقار ہستی نے ان کے گھر کو عزت بخشی تھی۔ یہ بے حیثیت سا انسان اس نے سلام تک نہیں کیا۔ یوں تو خیر ان کو اندیشہ تھا کہ اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔

ماہ نور چولہا دھیما کر کے اپنے بیڈ روم میں چلی آئی۔ وہ لاکر کھولے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں ڈالرز کی تھی گڈی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

"اس پر لٹا نہیں رہا ہوں۔ کچھ ڈیوز ہیں۔"

"مجھے ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو صرف یہ کہنے آئی ہوں۔ استانی عائشہ ہماری معزز مہمان ہیں۔ آپ کو ان کا احترام کرنا ہو گا یا پھر اس وقت جس حالت میں آئے ہیں جب تک وہ یہاں ہیں اس حالت میں گھر مت آئیے۔ اور پھر آپ کو گھر آنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ یہ حرام کا مال اپنی کلفٹن والی کوٹھی ہی میں کیوں نہیں رکھ لیتے۔ ویسے بھی اس کی وجہ سے ہمارے گھر میں نحوست ہی رہتی ہو گی۔"

"بس آپ اپنی اس کمرشل کے ساتھ ہی رہیے۔ اس گھر میں آنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ میں پولیس کو فون کر دوں گی کہ اس گھر میں غیر قانونی ڈالرز اور پونڈز رکھے ہیں۔" اس نے دھمکی دی۔

"تم تو ہو ہی دغا باز آستین کا سانپ۔ تم سے تو اچھی سانپ روپے۔ مشکلوں میں ساتھ دیتی ہے بند ہو جاؤ تم تو نگرانی ہے اپنے اکاؤنٹ سے ضمانت کے چیک کاٹتی ہے۔ کوئی اونچا ہو لے تو میرے لیے لڑتی ہے۔"

"تو نکاح کیوں نہیں پڑھوا لیتے اس سے؟ گالیاں کیوں دے رہے تھے اسے۔ شرم کرنا چاہیے وہ بزرگ خواتین کے سامنے منہ سے گالیاں نکالتے ہوئے۔ معزز لوگوں کے ساتھ رہنے کا سلیقہ نہیں تو آتے کیوں ہیں ان لوگوں کے درمیان؟ کوئی لینے جاتا ہے؟ یہاں سے یہ سارا مال متاع لے جائیے اور یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی اس گھر سے باہر آپ کی سب ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔"

اس نے لاکر سے ڈالر پونڈز اور نوٹوں کے بنڈل نکال نکال کر بستر پر پھینکنا شروع کیے۔

"اٹھائیے انہیں۔ بلکہ ان سانپ بچھوؤں کو۔"

"ارے کیا کر رہی ہو۔ دماغ تو خراب نہیں ہے تمہارا؟ کیوں اور کس بات پر اتنا اکڑ رہی ہو۔ مجھے میرے گھر سے نکلنے کا کہہ رہی ہو۔" پاشا کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو گئیں۔

"اٹھائیے انہیں پھر بے کسی جھگڑے میں۔" وہ جیسے بول سمجھ رہی تھی کہ اس نے استانی عائشہ کی توہین کی ہے۔

"اس وقت میں جلدی میں ہوں۔ انہیں اٹھا کر واپس لاکر میں رکھو۔ واپس آؤں گا تو بات کریں گے۔ میں تمہیں یہاں رکھنا ہی نہیں چاہتا۔ چند دنوں بعد تو تم میری مکمل اماں بن جاؤ گی۔ اماں کی صحبت میں۔" وہ جلدی جلدی اپنا بریف کیس بند کرتے ہوئے بولا۔

"میں نہیں رہنا چاہتی آپ کے ساتھ۔ سمجھے آپ۔ یہ دیکھ رہے ہیں؟" اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر ریوالور نکالا

"میں اسے چلا سکتی ہوں۔ کسی انجام کی اس لیے فکر نہیں ہے کہ میرے لیے اس دنیا میں نجات کا کوئی گھر نہیں ہے۔ دونوں کو شوٹ کر دوں گی۔ آپ کو بھی اور اس لال بندریا کو بھی۔ جو نہ عورت ہے نہ انسان۔"

"ارے!" پاشا کا تو مارا نشہ ہرن ہونے لگا۔ "ادھر لاؤ یہ کوئی مذاق میں کھیلنے والا کھلونا نہیں ہے۔"

"میری پوری زندگی مذاق بنا کر رکھ دی۔ بتاتی ہوں میں کہ مذاق کیا ہوتا ہے۔" وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

"اسے چلانا کوئی مشکل تو نہیں ہے۔ قریب سے تو نشانہ خطا نہیں ہو سکتا۔ یہ دیکھیے۔" اس نے بائیں بلب کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔

"لا ئیں گے ناں اسے میرے سامنے؟" اس نے فاتحانہ انداز میں ریوالور لہرایا۔

"ارے میرے باپ کی توبہ۔ میری جان! غصے کی اتنی آگ ہے اس نازک سے وجود میں مجھے کیا پتا تھا۔ لاؤ پلیز مجھے دے دو یہ۔" پاشا اسے پچکار رہا تھا اور وہ پیچھے ہٹتی جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆
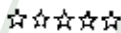
"آپ ڈریں نہیں میں آپ پر گولی نہیں چلا رہی بتا رہی ہوں کہ میں یہ کھلونا استعمال کر سکتی ہوں۔ یہ میرے پاس رہے گا۔ اگر یہ مجھ سے چھیننے کی کوشش کی تو میں واقعی چلا دوں گی۔ اس وقت میرا دماغ خراب ہو رہا ہے آپ اپنا مال دولت اٹھا کر بس اس گھر سے چلے جائیں۔"

دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی۔ "ماہ نور..... پاشا....." قمر النساء کی گھبرائی ہوئی آواز بھی دستک کے ساتھ ساتھ تھی۔

"دیکھو! اماں نے گولی چلنے کی آواز پہچان لی۔ وہ پریشان ہو رہی ہیں۔ پلیز یہ مجھے دے دو اور دروازہ کھول دو۔" پاشا نے مسلسل اسے بہلانے کی کوششیں کر رہا تھا۔

"آپ کھولیں دروازہ..... میں منع تو نہیں کر رہی۔ اماں کو آنے دیں مگر ہمارے مہربانی اپنا یہ خزانہ یہاں سے فوراً اٹھائیں۔" وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

پاشا نے سوچ کر کہ شاید قمر النساء کی مداخلت سے وہ رام ہو جائے دروازہ کھول دیا۔

قمر النساء اندر داخل ہوئیں۔ پسینے پسینے حواس باختہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی جیسے ہی ان کی نظر ماہ نور کے ہاتھ میں جھومتے لہراتے ریوالور پر پڑی ان کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

"بیٹا.....؟" "ماہ نور بیٹی! یہ کیا کر رہی ہو؟" وہ اس کی طرف تیزی سے بڑھیں۔

"جو مجھے کرنا چاہیے۔ آگے کنواں پیچھے کھائی میں سب کچھ کر سکتی ہوں آپ ان سے کہیے یہ غلاظت اٹھا کر فوراً اس گھر سے نکل جائیں۔" وہ قمر النساء کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی۔ ریوالور سے ڈالرز کی طرف البتہ اشارہ کر رہی تھی۔

"ہاں! ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تم یہ اٹھا کر بس یہاں سے چلے جاؤ۔" قمر النساء اسی طرح حواس باختہ انداز میں پاشا کی طرف پلٹیں۔

"میں جا رہا ہوں۔ اماں! مگر اسے کہیں یہ پستول مجھے دے دے۔ میں اسے سمندر میں پھینک کر ضائع کر دوں گا۔ اس پر اس کی انگلیوں کے نشان چھپے ہوں گے۔ کل کو اگر کبھی آپ لوگ بھی میرے ساتھ شامل تفتیش ہوئے تو مسئلہ ہو جائے گا۔" پاشا نے نارمل انداز میں ان سے بات کی۔

"مگر قمر النساء تو یہ سن کر اور بھی بدحواس ہو گئیں۔

"ارے بیٹی! تمہیں کیا ضرورت تھی اس منحوس پستول کو ہاتھ میں لینے کی۔ تم یہ دے دو اسے۔ میرا وعدہ ہے میں اسے اس گھر سے ابھی بھیج دوں گی" وہ گویا ماہ نور کی خوشامد کر رہی تھیں۔

"یہ تو میں نہیں دوں گی۔ آپ انہیں بس یہاں سے روانہ کریں۔" وہ اڑیل پن سے بولی۔

"اگر یہ نہیں گئے تو وہ جو باہر بیٹھا ہے میں اسے گولی مار دوں گی۔" وہ غرائی۔

"تم چلے جاؤ یہاں سے میں اس سے لے لوں گی۔" وہ پاشا کے قریب آ کر لجاجت سے بولیں۔

"ٹھیک ہے۔ مگر کسی کپڑے سے پکڑیے گا اور اسی میں لپیٹ کر رکھ دیجیے گا۔"

پاشا نے اس پر نگاہ ڈالی مسکرا اور الجھی ہوئی اور آگے بڑھ کر ڈالرز اور دوسری کرنسی بریف کیس میں بھرنے لگا۔ ماہ نور اس کی ایک ایک حرکت بغور دیکھنے لگی۔

"لاکر میں اور بھی رکھے ہوں گے۔" وہ تختی سے کہہ رہی تھی۔

"بعد میں لے جاؤں گا۔" وہ بہت رسانیت سے بولا۔

"نہیں..... ابھی..." وہ اسی انداز میں بولی۔

"بیٹی! بعد میں لے جائے گا۔" فرقانسا اماں تھیں۔ پاشا کی رسانیت سے پگھلنے لگیں۔

"نہیں اماں! پتا نہیں ان کا بعد کب آئے گا۔ بس ابھی نکالیں۔" وہ ضد سے بولی۔ بڑا اعتماد اور سرد مہری تھی اس کے لہجے میں۔

"اچھا۔ اچھا نکال لیتا ہوں۔ کیوں پریشان ہو رہی ہو۔ راستے سے تو ہٹو۔ لاکر کے سامنے" گن مین "بنی کھڑی ہو۔" وہ اسی طرح پرسکون انداز میں بولا اور سیدھا ہو گیا۔

ماہ نور راستہ دینے کے خیال سے تھوڑی غافل ہوئی اور ایک طرف ہوئی۔ پاشا نے اس کی کلائی پھرتی سے تھام لی تھی اور اس کا ہاتھ سر سے اونچا کر دیا تھا۔

"اماں! پلیز تھوڑی دیر کے لیے آپ کمرے سے چلی جائیں اور دروازہ بند کر دیں..... پلیز۔"

فرقانسا نہ چاہتے ہوئے بھی کمرے سے باہر جانے پر مجبور تھیں۔ خاموشی سے باہر نکل گئیں اور دروازہ بھی بند کر دیا۔

ماہ نور کی کلائی اس کی مضبوط گرفت میں تھی۔ وہ اس کی "گوریلا وار" کا کیا مقابلہ کر سکتی تھی۔

"ارے میری جان! عرف وعان پان۔ بھئی تم تو بڑے غضب کی شے ہو۔ مان گئے یار! واقعی محبت ہو گئی ہے مجھ سے؟ اتنا حسد اس بندہ پا سے؟ یقین نہیں آ رہا۔ ایک بار کہو تو کہ پاشا مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ کان ترس رہے ہیں۔ بیوی بن چکی ہو مگر لگتا یوں ہے چوری کا مال اڑا رہے تھا۔" وہ اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

"بھئی میں اس سے عشق نہیں لڑا رہا۔ پیشہ ورانہ کیپرو ماتر تک بھی ہوتی ہے۔ سمجھو یار! اس بندہ پا سے کوئی آج کی ملاقات ہے۔ اس وقت سے وہ میرے ساتھ ہے جب مجھے مشین گن اور لانچر چلانا بھی نہیں آتی تھی۔ بڑے بڑے سورما اس کے آگے گھٹنے ٹیکتے تھا۔ ایسی عورت سے کوئی شادی کرتا ہے جو پابندیوں کی زندگی سے نفرت کی وجہ سے دور ہوئی ہے؟" وہ اسے بہت چاپلوس انداز میں سمجھا رہا تھا۔

"تو آپ کو پابند زندگی پسند ہے نا۔ آزادی کے اس لامحدود دائرے میں سب کچھ تو تھا آپ دونوں کے پاس۔ پھر مجھے میرے والدین سے محروم کیوں کیا۔ عزت کی زندگی مجھ پر حرام کیوں کی؟"

وہ پھنکاری۔ پاشا ریوالور اس کی گرفت سے نکال چکا تھا۔ یہ شکست اور جھلاہٹ کا باعث تھی۔

"آخر ہوں تو اماں کا بیٹا۔ ان ہی عورتوں نے تو کلاسک عورت کی پہچان اور طلب دی ہے۔ دلی سکون تو تم جیسی لڑکی کی قربت ہی میں مل سکتا ہے۔ تم تو میری حوا ہو۔ جنت میں سب کچھ تھا۔ حوا نہیں تھی۔ سوری یار! وہ تمہاری استانی کی شان میں گستاخی ہو گئی۔ اصل میں میں ہوش میں نہیں تھا۔ میں ان سے معذرت کر لوں گا تم فکر مت کرو"۔ وہ بولا۔

"اچھا چھوڑیں مجھے۔ اتنی بری بو آ رہی ہے دل چاہ رہا ہے موت آ جائے"۔ وہ اس کے بازوؤں کی گرفت میں پھڑپھڑائی۔

"اس سے دوستی کرنا ہو گی۔ مری بنہارے دشمن"۔ اس نے مزید شرارت کی۔

"نفرت کروں گی آپ پر..... نہیں ہو گی میری اس سے دوستی چاہے آپ میرے پکے دشمن بن جائیں۔" وہ پھر مچل کر بولی۔

"یہ پکے پکے دشمن کیسے ہوتے ہیں؟" وہ اسے خود سے الگ کرتے ہوئے شریر لہجے میں پوچھنے لگا۔

"جن سے قیامت تک دوستی کا امکان نہیں ہوتا"۔ وہ اپنی قمیص کی سلوٹیں ٹھیک کرتے ہوئے زہریلے لہجے میں بولی۔

"جیسے ہندوستان پاکستان کی دشمنی" وہ لاکر سے کرنسی نکال کر بریف کیس میں منہ جاتے ہوئے شوخی سے پوچھے۔

"اس دشمنی میں تو منافقت کے مقام بھی آتے رہتے ہیں۔ یہ پائیدار دشمنی بھی نہیں کہلاتی۔ دشمنی تو بس وہ دشمنی ہوتی ہے جیسے محبت بس صرف محبت ہوتی ہے۔" وہ لاکر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آیا خالی ہوا یا نہیں۔

"سب نکال رہا ہوں اب تو اندر کی ٹرے لاؤ کرو۔ ابڑی ہو جاؤ۔" وہ اس کی نگاہ پڑھ گیا تھا۔

"یہ تو سب ان میں لے جا رہا ہوں۔ اب تو اس گھر میں آنے کی اجازت ہو گی؟" پاشا نے ماہ نور کا یہ دلچسپ روپ دیکھا تو اسے مسلسل گدگدی ہو رہی تھی۔

"جی نہیں! اور بہت سی پابندیاں ہیں۔ منظور ہو تو آئیں ورنہ ہم پر اپنی آمد سے احسان نہ فرمائیں۔" وہ بڑی تمرد لی اور خود سے استغنا کے انداز میں بولی۔

"ذرا اپنی اس اکڑ اس غرور کو کسی پیمانے سے ناپیں اور غور فرمائیں کہ ہمارے عشق نے آپ کو کیا بنا دیا ہے۔ معشوق تو کسی ریاست کے حاکم سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے۔ مان گئے۔" وہ اس کی طرف والہانہ بڑھا۔

"بس..... بس دور سے بات کریں اور بے کار کی باتیں نہ کریں مجھ سے۔ گھر میں معزز مہمان ہیں۔ آپ جائیں انہیں سلام کریں اور کچھ بات چیت بھی۔" ماہ نور کا ذہن ایک مرتبہ پھر استانی عائشہ کی ذات میں جا اٹکا۔

"اچھا..... اچھا..... ذرا انہوں نے پوچھ لیا کہ اندر گولی چلی تھی تو کیا بتاؤ گی؟" وہ پھر شریر ہوا۔

"آپ کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں خود بتا دوں گی۔ میں ان سے ہر بات کر سکتی ہوں۔" اس نے اس اعتماد اور شان استغنا سے جواب دیا جو پاشا کے لیے بڑا دلچسپ اور نیا پن تھا۔

دنیا کو نچانے گھمانے والا بندہ اس وقت عالم محکومیت میں پہچان نہیں پڑ رہا تھا۔

"مجھے تو ان کے سامنے جاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔ کہیں پھونک مار کر مجھے صوفی نہ بنا دیں اور میں اگلے ہفتے لوگوں کو شرعی داڑھی میں اس دنیا پر لعنت بھیجتا نظر آؤں" ۔ وہ پھر شوخی سے بولا۔

"اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھی بات ہے۔ اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔" وہ بولی۔

"صوفی بن کر تو شاید تم سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ ستار لطیف نے زوجہ بچے چھوڑ کر جنگلے پر قیام فرمایا تھا۔ گوتم بدھ، رات کے سناٹے میں محل چھوڑ کر جنگل کو نکل دیے۔ خیر اللہ مالک ہے۔ ویسے تو آج کل مقدمات میں مطلوب ہوں کہ ساتھ جج کے بعد بھی جج کے سامنے کھڑا کیا جاؤں گا۔ لوگ کہیں گے صوفی کو کیا ہو گیا ہے۔ تنہا دھر کا رہوں گا نہ ادھر کا۔ چلو پھر سلام کرنے چلتے ہیں۔ تم آگے ہو۔"

وہ ایکٹنگ کر رہا تھا۔ جھجکنے ڈرنے کی۔ ریوالور ہنوز اس کے ہاتھ میں تھا جو اس نے اپنی جینز کی جیب میں ٹھونس لیا تھا۔

ماہ نور واقعی آگے ہو لی تھی۔

دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے لاؤنج میں آئے۔

قمر النساء نے دونوں کے چہرے بغور دیکھے۔ استانی چادر اچھی طرح لپیٹے چہرہ چھپائے سر جھکا کر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"بہن! یہ میرا بیٹا ہے۔ منہاج حسین پاشا۔" قمر النساء آہستہ سے بولیں۔

"السلام علیکم۔" پاشا نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ اللہ نصیب اچھا کرے۔ جیتے رہو۔" استانی کی شفیق آواز ابھری۔

"آپ خیریت سے تو ہیں نا بیٹے؟" انہوں نے پاشا کی خیریت دریافت کی۔

"جی بس آپ کی دعا ہے۔" اس نے ماں کی طرف دیکھا پھر یکدم نظر چرا لی۔

"اچھا اماں! میں چلتا ہوں۔ ویسے ہی لیٹ ہو گیا ہوں۔ خدا حافظ۔" اس نے بریف کیس سنبھالا۔

"ہو سکتا ہے دو تین دن یہاں نہ آ سکوں۔" وہ باہر نکلتے ہوئے بولا۔

"شہر سے باہر جا رہے ہو؟" قمر النساء نے پوچھا۔

"جو سمجھ لیں۔" اوندھا جواب آیا۔ قمر النسا نظریں جھکا کر رہ گئیں۔

ماہ نور انگلیاں مروڑتی جانے کیا سوچ رہی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو بیٹی؟" وہ جیسے چونکی۔

"کراچی کے اس علاقے میں بھی شاید ٹینشن ہے۔ میں ابھی باتھ روم میں تھی تو گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ ایسا لگا جیسے گھر ہی میں چلی ہو۔ گولی چلتی ہے تو یوں ہی لگتا ہے جیسے سر پہ چلی ہو۔ اللہ اپنا رحم کرے، ہم لوگوں پہ۔ جیو اور جینے دو کا فلسفہ تو انسان بھول ہی گیا ہے۔ پتا نہیں کیا واقعہ ہوا۔ ہو سکتا ہے صبح اخبار میں خبر ہو۔" استانی تاسف کا اظہار کر رہی تھیں اور دونوں [illegible] سر جھکائے بیٹھی تھیں۔

☆☆☆☆☆

"ہم نے سنا ہے جن کے گھر میں جوان اور کنوارے لڑکے ہوتے ہیں ان کے بڑے مزے ہوتے ہیں۔ آئے روز لڑکی دیکھنے جاتے ہیں۔ لڑکی کے گھر والے کے نمونے میز پر سجتے ہیں یعنی مزے مزے کی ڈشز ہوتے ضرور چکھنے۔ بے شک وزن بھی بڑھتا ہے اس وجہ سے بھی جوتے گھس جاتے ہوں گے۔ بڑی پاپولر ایکٹیویٹی ہے یہ سوسائٹی کی۔ ہمارے ہاں تو ماشاء اللہ اب جمال بھائی کو ملا کر پانچ لڑکے ہیں۔ یعنی ہفتے میں پانچ گھر تو ہمیں بھی جھانکنا چاہئیں۔ ہفتہ اتوار تو ویسے بھی سرکاری چھٹی ہوتی ہے۔ ہم بھی وہ دن ریسٹ کیا کریں گے۔" ربیا کی زبان کتر کتر چل رہی تھی۔ بڑی اماں کا سر دھنا بھی بار مان رہا تھا۔

"ہمیں پسند نہیں یہ تماشے کہ بارات بنا کر لڑکی دیکھنے جائیں اور کھا پی کر واپس آ جائیں خواہ مخواہ لڑکی والوں کو پریشان

کرنا۔ بے چاروں کا اچھا خاصا خرچا اٹھ جاتا ہے۔ لوگوں کو چاہیے اپنے طور طریقے بدلیں۔ بھئی لڑکی ہی دیکھنا ہے تو کسی بہانے سے ایک دو چلے جائیں سب ظاہر کیوں کریں کہ لڑکی دیکھنے آئے ہیں۔ رشتہ نہ ہونے کی صورت میں لڑکی کو بھی دکھ ہوتا ہوگا اور گھر والوں کو بھی خواہ مخواہ کے خرچے پہ افسوس ہوتا ہوگا۔ آج کی مہنگائی تم جانو۔ پتا نہیں لوگ کس طرح گزارا کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو سزا کے طور پہ اللہ ایسی بہو بیاہ دیتا ہے جو ہوش ٹھکانے لگا دیتی ہیں۔ ناحق کسی کو ستائیں گے تو ایسا ہی ہوگا۔ بھئی اللہ کا احسان ہے اور اسی کی توفیق ہم نہیں پھرے در بدر لڑکیوں کا تماشا بنانے۔ اللہ کا شکر ہے بہوئیں اچھی ملیں۔ عزت کرنے اور کرانے والی۔

ہم تو دعا کرتے ہیں اللہ ہمیں اسی روپ لے جا، جو ہمارے بچے کا نصیب ہے۔ ہمارے ہاتھوں کسی بچی کا تماشا نہ بنے۔"

بڑی اماں نے ہاتھ اٹھا کر اپنی دعا دہرائی۔

"دادی جان صحیح کہہ رہی ہیں۔ اب دیکھو انہوں نے ایک دفعہ بھی اسے صوفی نہیں کہا اور تم گنتی بھی نہیں اسے صوفی کہہ رہی ہو۔" جمال نے کہا۔

"آپ کو صوفی کہنے سے دکھ ہوا تو میں آپ سے سوری کرتی ہوں۔" ربیا نے بے حد افسردہ دل گرفتہ انداز میں کہا۔ "مجھے کیا پتا تھا آپ کی فیلنگ اس کے لیے اتنی خصوصی ہو چکی ہیں ورنہ میں کبھی اس صوفی کو صوفی نہ کہتی پہلوان کہہ رہتی۔ پہلوان کہنے سے تو لوگ خوش ہوتے ہیں نا جمال بھائی؟" ذرا معصوم انداز میں ذرا بن کر مزید گویا ہوئی۔

"بے وقوف! عورتیں پہلوان کہاں ہوتی ہیں۔ اگر ہوتیں تو سب سے آگے تم کھڑی اپنی پہلوانی کا شوق پورا کر رہی ہوتیں۔" مظہر نے ربیا کو ٹیچر کی طرح سمجھایا۔

"جذبات تو خیر پہلوانوں جیسے ہی ہیں۔" اظہار نے اضافہ کیا۔

"جمال بھائی! آپ سچ سچ بتائیں کیا واقعی آپ کسی دولت مند لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟" ربیا نے دونوں بھائیوں کو گھورتے ہوئے جمال سے سوال کیا۔

"خیر ہم نے کبھی ایسا سوچا تو نہیں تھا۔" جمال نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

"تو اب سوچ لیں۔ ویسے بھی انسان ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا ہی رہتا ہے۔ جسم غلام بن سکتے ہیں۔ سوچ تو آزاد ہوتی ہے۔" ربیا نے اپنی دانست میں بڑی ارفع بات کی۔

"ارے! مجھے اس فلاسفر کی بات کا یقین ہو گیا جس نے کہا تھا کہ شادی ضرور کیجئے۔ شادی اچھی رہی تو ہمیشہ کی خوشی دوسری صورت میں آپ فلاسفر تو بن ہی جائیں گے۔ مگر ابھی تم فلاسفر کیوں بن رہی ہو؟ تمہاری شادی تو اچھی شادی ہے۔ بہت نائس [illegible] ون بھائی۔ کیوں جمال بھائی؟" اظہار بولا۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اب خیر ہم بھی خوش ہیں کہ ربیا کو اچھا ساتھی ملا ہے۔" جمال نے اپنے فطری سادہ انداز میں جواب دیا۔

"ہیں؟ اب کیا مطلب پہلے خوشی نہیں ہوئی تھی آپ کو ربیا کی شادی کی؟" مظہر بے ڈھنگے پن سے گویا ہوا۔

جمال لمحے بھر کے لیے تو چکرا سا گیا۔

"نہیں ارے ہمارا مطلب ہے مل کر زیادہ خوشی ہوگی۔" آخر اسے جواب سوجھ گیا خود اس نے بھی اطمینان کا سانس لیا جواب دے کر۔

بڑی اماں الگ جز بز ہو رہی تھیں۔

"۔۔۔ ہیلو ایوری باڈی!" مومن کی آواز نے سب ہی کو چونکا دیا۔

"ارے آپ کب آئے؟ کال بیل کا سوئچ آف ہے کیا؟" مظہر نے کھڑے ہو کر سب سے پہلے مومن سے مصافحہ کیا۔

"اکچوئلی...... میری گاڑی گیٹ تک پہنچی تو بابا گیٹ کھول کر باہر آ رہے تھے۔ انہوں نے گاڑی کے لیے گیٹ کھول دیا مگر مجھے ذرا جلدی ہے اس لیے گاڑی باہر ہی کھڑی کر دی" اس نے باری باری سب سے مصافحہ کیا۔

"بیٹھو بیٹا! ادھر میرے پاس۔" بڑی اماں نے ہاتھ کے اشارے سے نشست سمجھائی۔

"باتیں ہو رہی ہیں! اظہار، مظہر، جمال بھائی تینوں ایک ساتھ۔ مطلب ہے کہ بہت مزیدار گفتگو ہو رہی ہے"۔

"ارے جوش میں آتا ہے بولے چلے جاتے ہیں اور کیا گفتگو کریں گے؟" بڑی اماں نے جل کر کہا اور سروتا تیز تیز چلانے لگیں۔

"نہیں نہیں ہم۔ بڑی معلوماتی گفتگو کر رہے تھے۔ لڑکیاں دیکھنے کے ٹاپک پر۔" مظہر نے بتایا۔

"واہ! واقعی بڑا معلوماتی ٹاپک ہے۔ اس لیے کہ عورت کا معمہ ابھی تک کوئی آدم نہیں سمجھ پایا۔ اس موضوع پر جتنی بھی گفتگو کی جائے معلومات میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔"

مومن نے شوخی سنجیدگی کے پردے میں ظاہر کی۔ اظہار مظہر قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔ جمال البتہ تھوڑا غور کرنے کے بعد ہنسا۔ اس کے سینس آف ہیومر کا ولیج ذرا کم ہی ہوتا تھا۔

"دیسے لڑکیاں دیکھنا اور لڑکیوں سے ڈیل کرنا دو مختلف کام ہیں" مومن نے کہا۔

"حد ہو گئی مومن بھائی لڑکی دیکھنے کے بعد ہی تو ڈیلنگ کی نوبت آتی ہے۔" اظہار نے نکتہ رسی میں کمال دکھایا۔

"آپ نے بھی تو ریا سے پہلے کافی لڑکیاں دیکھی ہوں گی۔" جمال نے اپنی دانست میں بہت اہم سوال اٹھایا۔

"ہم تو بعد میں بھی دیکھتے رہے ہیں بلکہ دیکھتے رہتے ہیں۔" مومن نے اس طرح کہا کہ بڑی اماں نے ان باتوں جو بہت انہماک سے اپنے پاندان میں جھانک کر جانے کیا ڈھونڈ رہی تھیں۔

"ہیں...... ! کیا مطلب؟ ہمارے سامنے اتنی جوانمردی کا مظاہرہ۔ سگے بھائی ہیں ہم ریا کے۔" اظہار نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"حقیقت تو یہ ہے کہ ریا کو میرے والد صاحب نے میرے لیے پسند کیا تھا۔ اس سے پہلے انہوں نے بھی میرے لیے شاید کوئی لڑکی پسند نہیں کی۔ اگر کرتے تو یقیناً مجھ سے ذکر ضرور کرتے۔ انہوں نے ریا کو دیکھا اور اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ لڑکیاں دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔" مومن نے جمال کو بڑی وضاحت سے جواب دیا۔

"یہ آپ کی لک ہے کہ آپ کو دھکے کھانے نہیں پڑے۔" جمال نے فورا رشک ظاہر کیا۔

"تو کیا آپ دھکے کھا رہے ہیں؟" مظہر نے حیرت سے پوچھا۔

"تو اور نہیں تو کیا۔" بڑے معصوم انداز اور صاف گوئی سے بولا۔

"چچ...... چچ...... بڑی اماں جمال بھائی دھکے کھا رہے ہیں۔ ان کے لیے کچھ کریں۔" اظہار نے ہمدردی سے کہا۔

"اللہ نہ کرے میرا بچہ دھکے کھائے۔ انشاء اللہ اسے چاند سی دلہن ملے گی۔" بڑی اماں نے بہت دلار سے کہا۔

"انہیں چاند نہیں پیٹرول پمپ والی دلہن چاہیے۔" مظہر نے وضاحت کی۔

"تو کسی پیٹرول پمپ سے نکاح پڑھوا لے۔ عورت ذات کی کیا ضرورت؟" وہ چڑ کر بولیں۔

"کاش ایسا ہو سکتا۔" اظہار نے کہا۔ "پھر تو پاکستان کی سب لڑکیاں کنواری ہوتیں۔ پیٹرول پمپ پر پیٹرول ڈالوانے والوں سے زیادہ نکاح کرنے والوں کی قطار لگی ہوتی۔"

"نہیں دادی جان! یہ مذاق کر رہا ہے۔ ہماری ایسی کوئی خواہش نہیں۔ اب ہمارا کوئی آئیڈیل نہیں"۔ جمال بڑے اداس لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"ارے...... آپ کا کوئی آئیڈیل بھی تھا؟" مظہر نے تعجب سے پوچھا۔ وہ واقعی حیران تھا۔

جمال نے پہلے بڑی اماں کی طرف پھر ریا کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا۔ مومن بڑی دلچسپی سے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسی آن اس کے قلب پر کچھ نازل ہوا تھا۔

وہ ایک دم ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

"کدھر...... ابھی تو آپ آئے ہیں؟" مظہر نے پوچھا۔

"وہ میں نے بتایا تھا ناں کہ جلدی ہے۔ پھر آؤں گا"۔

"ریا! چلتا ہوں میں۔ تمہارا کیا پروگرام ہے؟" وہ ریا کی طرف متوجہ ہوا۔

"میرا پروگرام کیا ہو سکتا ہے۔ آپ کو اندازہ کر لینا چاہیے۔" وہ رکھائی سے بولی۔

"ارے بیٹا! کوئی گھڑی تو بیٹھو۔ چائے ٹھنڈا کچھ تو لو۔ اچھا نہیں لگتا اس طرح جانا" بڑی اماں نے اسے ٹوکا۔

"بس! اب مجھے اجازت دیجئے۔ کل سنڈے ہے۔ میں یہاں لنچ یا ڈنر کروں گا۔ فون کر کے بتا دوں گا۔" مومن نے بڑی اماں کو مطمئن کیا۔

"ایسا گھوڑے پر سوار مت آیا کرو۔ ہم تو جب تک گھر آنے والے کی خاطر تواضع نہ کریں چین نہیں پڑتا۔ کوئی بہت ہی جلدی میں آتا ہے تو پان ہی پیش کر دیتے ہیں۔ مگر تم تو پان بھی نہیں کھاتے۔" بڑی اماں نے اپنی عادت بتا کر مومن کو آئندہ کے لیے پابند کیا۔

"جی اماں! آئندہ خیال رکھوں گا۔" مومن نے کہا۔

"پتا نہیں دوبارہ آئندہ دیکھا ہو" ریا نے طنزیہ کہا۔ "مولہا...... ادھر کچن پر برتن پڑے ہیں لے جاؤ۔" وہ مولہ کو آواز دینے لگی۔

مومن کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے جان بوجھ کر مولہ کو آواز دی ہو۔ وہ آہستگی سے خدا حافظ کہہ کر لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆

دادی عائشہ قمر النساء سے پہلے تہجد کے لیے اٹھ گئی تھیں۔ انہوں نے اپنا بستر لاؤنج ہی میں لگوایا تھا۔ ڈرائنگ روم سے باہر آ کر چادر لپیٹنے لگیں تو پشت سے پاشا کے سلام کرنے کی آواز آئی۔ انہوں نے چادر سے چہرہ نکالا اور سلام کا جواب دے کر پلٹیں۔

"آپ ابھی تک سوئے نہیں بیٹے؟" انہیں خیال ہوا شاید وہ رات کو کسی وقت گھر آیا ہو گا حالانکہ وہ ابھی ابھی گھر میں داخل ہوا تھا۔

"جی..... سونے کے لیے ہی آیا ہوں۔ شاید آپ کو بھی نئی جگہ نیند نہیں آئی۔" وہ بہت مروت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"یہ بات نہیں بیٹے! میری نیند بس اتنی ہی ہوتی ہے۔ روزانہ میں اسی وقت اٹھتی ہوں۔" وہ بولیں۔

"اچھا آپ تہجد کے لیے اٹھی ہوں گی؟" پاشا نے فوراً اندازہ لگایا۔

استانی عائشہ خاموش رہیں۔

"آپ کیا لوگوں کا روحانی علاج کرتی ہیں؟ ویسے اس شعبے میں مرد ہی زیادہ ان ہیں۔" پاشا کا انداز سطحی تھا۔

"نہیں۔ بیٹے! میں کسی پیری فقیری کے سلسلے میں نہیں ہوں۔ ہمارے علاقے میں جہاں میں رہتی ہوں تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے۔ لوگوں کا نصیبی بیک گراؤنڈ بھی لاعلمی پر مشتمل ہے۔ اس لیے شعوری سطح بھی بہت کم ہے۔ وہ اتنے ذہن بھی نہیں ہیں کہ اپنے مسئلوں کا حل ہی سوچ لیں۔ بس یوں سمجھیے وہاں تعلیم کرتی ہوں ان کی شعوری سطح بڑھ جانے کی کوشش کرتی ہوں۔ بس اتنا ہی کردار ہے میرا۔ اگر اس علم سے روحوں کا علاج ہو جائے تو میری خوش بختی ہے۔" وہ وضاحت سے بتا کر خاموش ہو گئیں۔

"اچھا اچھا..... وہ اماں اور ماہ نور نے تو آپ کا اب نقشہ کھینچا تھا جیسے آپ کوئی پیرانی ہوں اور آپ کی دعائیں فوراً قبول ہو جاتی ہیں۔" پاشا نے لاابالی پن سے کہا۔

"دعا کی قبولیت کے لیے پیر ہونا شرط نہیں۔ اللہ کی نگاہ میں بندہ حق پر ہو اور وہ اللہ کی ذات موجود ہونے اور اس کے رحیم و کریم ہونے پر غیر متزلزل یقین رکھتا ہو تو اس کی دعا کو قبول ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

ہم مسلمان اللہ پر یقین کو ظاہر تو کرتے ہیں مگر عمل سے خود کو منافق ہی ظاہر کرتے ہیں۔ اگر اللہ کے موجود و حاضر ہونے کا یقین ہے تو ہر گھڑی ہر آن اسے اپنے ساتھ محسوس کرنا چاہیے۔ جب ہم کسی پر الزام لگا رہے ہوتے ہیں اس کی غیر موجودگی میں کسی پر بہتان یا تہمت باندھ رہے ہوتے ہیں۔ نفرت و دشمنی کے سبب کسی کا وہ عیب ظاہر کر رہے ہوتے ہیں جو اس میں نہیں ہے تو کیا اس وقت ہمیں احساس ہوتا ہے۔ کہ اللہ دیکھ بھی رہا ہے اور سن بھی رہا ہے۔ ہم قرآن پڑھتے ہیں جس میں لکھا ہے اللہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔ کیا ہمیں اس پر یقین ہے؟ اگر یقین ہے تو اس کے ناپسندیدہ کام اتنی دیدہ دلیری سے کیسے کر لیتے ہیں؟

کبھی اتفاق سے ہم کوئی بھلائی کا کام کر بیٹھیں تو خوشی سے ہمارا نفس پھولنے لگتا ہے ہمیں یقین ہوتا ہے اب اللہ ہمیں اس بھلائی کا اجر ضرور دے گا۔ نعوذ باللہ اسے دینا چاہیے اس لیے کہ اس نے کہا ہے......

لیکن نفس کی پیروی کرتے ہوئے جب ہم وہ کام کرتے ہیں جو اس کو سخت ناپسند ہیں تو ہم اس کی موجودگی کو جان بوجھ کر نظر انداز نہیں کرتے؟ وہ اس وقت بھی تو اپنا کانٹا درست کر کے ہمیں تول رہا ہوتا ہے۔ جس طرح اس نے اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے اسی طرح بداعمالیوں کی سزا بھی تو تجویز کرتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جب انسان خود فریبی کی انتہا کو چھو رہا ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم خود کسی طرح کی پابندی پسند نہیں کرتے جو ہمارے نفس کو پھلنے پھولنے سے روکے اور دعا قبول کرانے کے لیے ہم دوسرے بندے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ اپنی سمت درست کر لیں تو اپنا ہر ذاتی کام خود ہی کر سکتے ہیں۔

دوسروں کے لیے دعا کرنے سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ بس اس غرض کو دعائیں کر دیتی ہوں۔"

پاشا اپنے کمرے میں جانے کے لیے چونکہ جلدی میں تھا اس لیے تقریباً وہ آدھا مڑا کھڑا تھا۔ اس نے قدرے چہرہ موڑ کر ایک نگاہ استانی کے سراپے پر ڈالی جس پر بڑی سی چادر پڑی تھی اور کچھ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ جسم دبلا موٹا کیسا ہے؟ کپڑے کس قسم کے ہیں۔

"میں اسی لیے دین دار لوگوں سے ملتے ہوئے گھبراتا ہوں کہ یہ لوگ اپنے ذہن سے سوچنے کی صلاحیت چھین لیتے ہیں۔" وہ اپنی اندرونی کیفیت سے قدرے خوفزدہ ہو کر بڑے بے مروت انداز میں بولا۔

"بیٹے! صرف اللہ کا نام لینے سے دین دار ہونے کا سرٹیفکیٹ تو نہیں ملتا۔ ہمیں تو خود نہیں پتا ہم اس کی نگاہ میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے ایک بات کہی میں نے اس کا جواب دیا تھا۔ جائیے آپ آرام کیجیے جانے کب سے بے آرام ہیں۔" وہ بڑے وقار سے کہہ کر خاموش ہو گئیں جیسے اس کے جانے کا انتظار کر رہی ہوں۔

"نہیں..... نہیں..... آپ برا مت مانیے۔ اصل میں میرا مطلب یہ تھا کہ اماں نے آپ کا کچھ اس طرح کا نقشہ کھینچا تھا جیسے ہمارے ہاں پیر وغیرہ ہوتے ہیں۔ لوگ ان کے پاس دعا کرانے جاتے ہیں تاکہ ان کی مرادیں جلدی پوری ہوں۔" پاشا ان کے زیر اثر نظر آیا۔ وہ جیسے صفائی پیش کر رہا تھا۔

"یہ سوچ ہی غلط ہے۔ ہمارے ہاں لوگ مرشد کے پاس دعا مانگنے جاتے ہیں۔ وقتی اور ناپائیدار خوشیاں۔ مرشد کا کام تو یہ ہے کہ وہ علم دے سینہ کشادہ کر دے تاکہ خدا کے قوانین پر عمل کرتے ہوئے دنیاوی کام آسان لگیں۔ انسان خود کو ہلکا محسوس کرے۔ اس کی ذات خوف و غم سے دور ہو جائے۔ دنیا مانگنا تو جیسے خود کو دھوکا دینا ہے۔ جتنی زیادہ دنیا ہاتھ آتی ہے اتنا زیادہ انسان خوف و غم کا شکار ہو جاتا ہے۔

دنیا سے محبت کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان دنیا کے عشق میں اندھا ہو جاتا ہے۔ وہ امر ہونے کے منصوبے بنانے لگتا ہے تاکہ ہاتھ آئی دنیا کبھی اس کے ہاتھ سے نہ نکلے۔ چونکہ یہ سب فطرت کے قوانین کے خلاف ہے اس لیے ایسی مشکلات میں پھنس جاتا ہے جن کا حل اس کے مادی دماغ میں نہیں آ سکتا۔ پھر سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ اتنا منتشر و بے سکون ہو جاتا ہے کہ پھر ایسے پیر و مرشد کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے جو اسے پرسکون ہونے کا وظیفہ بھی بتائے اور دنیاداری کے لطف بھی اس کے پاس رہنے دے اور یوں وہ جعلی پیروں فقیروں کے پاس جا کر اپنی دولت برباد کرنے لگتا ہے۔

اس طرح دو قسم کے لوگ ہوئے جو پیروں کو ڈھونڈتے ہیں۔ ایک تو وہ جو دنیاوی چیزوں کی خاطر پیروں کے پاس جاتے ہیں دوسرے وہ جو دنیا ہاتھ میں ہوتے ہوئے بھی پریشان ہیں اور سکون کے وظیفے پوچھنے پیروں کے پاس جانا چاہتے ہیں۔ میرا شمار ایسے پیروں فقیروں میں نہ کیجیے۔

"میں تو بس دنیاوی مسئلوں کے علاج و حل دنیاوی عقل سے بتاتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کوشش کرتی ہوں لوگ صحیح راہ پکڑیں۔ اس طرح ان کے مسئلے ویسے بھی حل ہونے لگتے ہیں۔ امید ہے میرے بارے میں اب آپ کے ذہن میں کوئی خلش نہیں ہو گی؟"

استانی نے اپنی جائے نماز کھولتے ہوئے یوں ظاہر کیا کہ وہ مکمل جواب دے چکیں اب نماز پڑھیں گی۔

"اماں بھی آپ کے پاس مسئلے کا حل لینے گئی ہوں گی۔ ان کے مسئلے کا حل ہے آپ کے پاس؟" پاشا نے قدم آگے بڑھائے مگر فوراً ہی رک کر اگلا سوال کر رہا تھا۔

"نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ تو شاید ماہ نور کی وجہ سے آنا چاہ رہی تھیں۔ کریم النفس خاتون ہیں۔ شکریہ ادا کرنا چاہتی تھیں۔" استانی نے بڑے وقار سے جواب دیا۔

"میرے بارے میں بھی تو آپ سے باتیں کی ہوں گی؟" پاشا کو یقین نہ آیا۔

"ہاں کہہ رہی تھیں کہ میرا ایک بیٹا ہے۔ من موجی قسم کا۔ ابھی تک مزاج میں بچپنا ہے۔ بہنوں اور باپ نے لاڈ پیار بہت

کہا ہے۔ کہہ دی تھیں میں چاہتی ہوں کہ سنجیدہ اور ذمہ دار ہو جائے۔ پھر اب تو شادی بھی ہو گئی ہے اور کیا کہیں گی بے چاری......؟"
استانی جی نے بڑے وقار اور اعتماد سے جواب دیا۔

"آپ کی والدہ بہت اچھی فطرت کی ہیں۔ ہو سکے تو انہیں خوش رکھنے کی کوشش کیجئے۔ ان کی دعائیں لیجئے۔ ماں باپ کا منظورِ نظر ہونا خوش بختی کی نشانی ہے۔" استانی عائشہ نے بڑی دل سوزی سے کہا۔

"خیر...... دعائیں تو ہمیں اماں ویسے ہی دیتی رہتی ہیں۔ ہاری نہیں ہیں دعائیں کرتے کرتے۔" وہ اب آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"اللہ نہ کرے کہ کوئی دعائیں کرتے کرتے ہارے۔ ایک دعا ہی تو اندھیرے میں اجالا ہوتی ہے۔" استانی نے کہا۔

"آپ آرام کیجئے۔ میں نے آپ کا بہت وقت لیا"۔

"کوئی بات نہیں بیٹے...... اور ہمارے پاس دینے کو ہے بھی کیا دنیاوی لحاظ سے۔ اللہ آپ کو نیک بخت بنائے...... آمین" وہ باہر جا چکا تھا استانی جائے نماز درست کرنے لگیں۔

☆☆☆☆☆

"لو بھئی مبارک ہو تمہیں...... تمہاری یہ گونگی سول لڑکے والوں کو بھا گئی۔ خیر سے لڑکے والوں سے زیادہ اظہار کے دوست کی ماں ریجھ گئیں اس پر۔ شام کو بات پکی کرنے آ رہے ہیں لڑکے والے۔"

بڑی اماں نے ریبا کو مطلع کیا جو شاور لے کر گیلے بال تولیے میں لپیٹے قدرے ٹھٹک کر بڑی اماں کی صورت دیکھ رہی تھی۔

"انگوٹھی پہنائیں گے یا بس ایسے ہی رسم کریں گے؟" وہ پوچھنے لگی۔

"نوکر ذات ہے۔ اللہ انی ہستی ہے بھی کہ نہیں...... بیگم نے اس طرح کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ اتنا بولیں لڑکی ہمیں پسند ہے۔ شام کو رسم کے لیے آنا چاہتے ہیں۔ آپ کی اجازت ہے۔

ارے میں نے کہا سر آنکھوں پر...... بسم اللہ...... اللہ بچی کا نصیب اچھا کرے۔ بڑی خدمت گزار بچی ہے۔ شہد کی مکھی کی طرح چپ چاپ اپنے کاموں میں لگی رہتی ہے۔ تمہارا کوئی ڈھنگ کا جوڑا ہو تو اسے دے ڈالو۔ شام کو پہن لے گی۔"

بڑی اماں کا ذہن تیزی سے پروگرام ترتیب دینے لگا تھا۔

"یہاں تو ایسا کوئی خاص جوڑا نہیں ہے۔ سون کو فون کر کے منگوا لیتی ہوں" وہ سوچ کے انداز میں گویا ہوئی۔

"وقت سے آ جائے تو اچھا ورنہ یاد ہے پچھلے ہفتے اس والا معاملہ نہ ہو۔ معروف بہت رہتا ہے وہ۔ ابھی بات کر لو۔" بڑی اماں پر عجلت طاری ہو گئی۔

"شام کے لیے چائے پانی کا انتظام بھی کرنا ہے۔ اے ہے وہاں دلی میں بھی جب ڈیوڑھی کے کسی نوکر کی شادی ہوتی تھی بس یونہی ایک آفت مچ جاتی تھی۔ سب اس کی خوشی میں حصہ لیتے تھے۔ نوکرانی کا اچھا خاصا جہیز تیار ہو جاتا تھا۔ کسی نے پلنگ کر دیا کسی نے میز کرسی کسی نے پنکھا۔ کسی نے بکس۔ بس بارہ جوڑے کپڑوں کے ہو جاتے تھے۔ کوئی کھانا کر دیتا تھا۔ گانے بجانے کو نوکرانیاں مغلانیاں بہت۔ اب دیکھو اس بچی کے نصیب میں جو ہو گا مل جائے گا۔ تم سون کو ٹیلی فون کر کے کپڑوں کا کہہ دو اور یہ کہہ دینا کہ اگر اسے آتے دیر لگے تو ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دے۔"

ریبا نے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا بس خاموشی سے فون کی طرف بڑھ گئی تھی۔
اس نے کھڑے ہو کر جیسے یادداشت سے اس کا نمبر نکالا پھر ڈائل کرنے لگی۔

"ہاں...... نون...... یوسفی صاحب؟ باسط صاحب سیٹ پر ہیں۔ نہیں۔ اچھا ٹھیک۔ میں موبائل پر دیکھتی ہوں...... جی...... جی...... ہاں...... ان کی مسز بات کر رہی ہوں۔ تھینکس"۔ اس نے لائن کاٹ کر دوسرا نمبر ڈائل کیا۔

"جی...... ریبا بات کر رہی ہوں خیریت ہے۔ وہ اصل میں بڑی اماں نے کہا تھا فون کرنے کے لیے"۔

"توبہ ہے" بڑی اماں نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ "یہ بتانا بھی ضروری تھا۔"

"وہ سول کی منگنی ہو رہی ہے شام کو۔ اس کے لیے میری وارڈروب سے کوئی اچھا سا سوٹ لے آئیں۔ ایسا کریں وہ ایک مانٹنگ پنک سوٹ ہے۔ اس پر ہلکا سا ریڈ کلر کا دبکے کا کام بنا ہوا ہے۔ تلے دبکے کے کام والے کپڑے تو میں ویسے بھی نہیں پہنتی۔ وہی ٹھیک ہے۔ جی...... بس نہیں مجھے کوئی اور بات نہیں کرنا۔ اللہ حافظ"۔ اس کا لہجہ ہر قسم کے تاثر سے عاری تھا۔ وہ ریسیور رکھ کر پلٹی۔

"اور کیا کرنا ہو گا بڑی اماں؟" اس نے بال تولیے سے نکالے اور خشک کرنے لگی۔

"بس کیا کیا کرنا ہو گا۔ چائے پانی کا انتظام کرنا ہے۔ بابا کو بتاتی ہوں۔ وہ مٹھائی وغیرہ لے آئیں گے۔ اور ہاں...... سول کی ماں کو میرے پاس بھیجو اور سول کو بتا دو کہ شام کو وقت سے تیار ہو جائے۔ باجی کو بھی بولو۔ کوئی اجلا دھلا جوڑا پہن لے۔"

ریبا بال جھٹکتی سول کی تلاش میں نکلی...... سامنے ہی باجی نظر آئی۔ پیر پھیلا کر جھجی اکیلی گٹے کھیل رہی تھی۔

"باجی...... سول کدھر ہے؟" ریبا نے پوچھا۔

"میرے کو تو پتا نہیں...... بڑی اماں کا کوئی کام کر رہی ہو گی۔" اس نے شانے اچکا کر بے نیازی سے جواب دیا۔

"اچھا ذرا جا کر دیکھو کہاں ہے۔ اسے کہنا ریبا بی بی بلا رہی ہیں اور تم بھی نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن لو۔ شام کو سول کی منگنی ہے۔" ریبا ایک مشین کی طرح بولی۔ سپاٹ بے تاثر لہجہ۔

باجی منہ کھولے آنکھیں پھاڑ ریبا کی شکل دیکھنے لگی۔

"انگوٹھی پہنے گی وہ......؟" وہ خوشی سے اچھل کر بولی۔

"اب یہ تو نہیں پتا۔" ریبا نے بیزار کن انداز میں کہا۔ "بس تم جاؤ صاف کپڑے پہنو اور سول کو میرے پاس بھیج دو۔ میں اوپر چاند بھائی کے کمرے میں ہوں اور ہاں یہ تولیہ گیلا ہے یہ اوپر دھوپ میں ڈال دو۔" ریبا نے اسے جاتے ہوئے ٹوکا اور تولیہ تھمایا۔

"بی بی! سول کیا دلہن بنے گی؟" باجی نے پرشوق انداز میں پوچھا۔

"ہاں! اب تم جاؤ...... جلدی...... شاباش" وہ کہہ کر اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں چلاتی ہوئی زینے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆

کپڑے لے کر سون نہیں آیا تھا بلکہ اس نے ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دیے تھے۔ بڑی اماں نے سول کو سب بات سمجھا کر نہانے کے لیے بھیج دیا تھا۔ ریبا لان میں کرسیاں لگوا رہی تھی۔ اظہار اور منظہر بھی آ چکے تھے۔ گھر میں تقریب سے پہلے کی بھاگ دوڑ شروع ہو چکی تھی۔

سوئل کی ماں جھولی پھیلائے دعائیں دے رہی تھی۔

"ارے اللہ کی بندی جگہ چھوڑ کچھ ہاتھ پاؤں ہلالے۔ یوں بیٹھی دعائیں کیے جا رہی ہے جیسے ہم نے اسے اس کام کے لیے الگ سے رکھا ہے۔" بڑی اماں نے جھاڑ پلائی۔

اظہار اور مظہر ہنس پڑے۔

"بڑی اماں کا اقتدار کسی مدح سرائی کا محتاج نہیں اللہ کی دین ہے۔ ویسے بڑی اماں ہمارے ہاں بھی سرکار کی خوشامد خانہ ہوتا ہے۔ بہت سے درباری اس میں تیار ہوتے ہیں۔ وہ اخبار میں سربراہ وقت کی شان میں منظوم قصیدے لکھتے ہیں۔ بہت پیسے ملتے ہیں اور ساتھ بنگلے گاڑیاں۔ آپ اس کو کیا تحفہ دیں گی؟" مظہر نے بڑی بی بی کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے پوچھا جو بڑی اماں کی جھاڑ سن کر بوکھلا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"ارے تحفے تو خود ہمارے لیے تحفہ ہے۔ تمہاری بہنا کی طرف سے۔ مار غریب پوری نہیں ہوتی۔ ارے مرنے کے بعد بس پھر سونا ہی سونا ہے۔ بتا دینی کی خوشی ہے۔ یہ نہیں کہ کوئی کام ہو دیکھے۔ بیٹی چاپلوسی کر رہی ہے۔" بڑی کا ماں بڑبڑاتی ہوئی واپس چل پڑیں۔

ریبا باہر کے انتظار پر نظر ڈال کر سوئل کو دیکھنے چلی گئی آ بارہ نہانے سے فارغ ہوئی با ہتیں۔ زینہ طے کر کے وہ سیکنڈ فلور پر پہنچی تو سوئل کو سامنے پایا۔ وہ وہاں کی چارپائی پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

"ارے یہ بال خشک کرو۔ مہمان آتے ہوں گے۔ کیا آرام سے بیٹھی ہو۔" اس نے سوئل کا جائزہ لیا جو ریبا کا قمیض سوٹ پہنے بیزار بیزاری بیٹھی تھی۔

"جاؤ بھی بال بناؤ۔ پھر میں تمہارا ہلکا سا میک اپ کر دوں گی۔ چلو اٹھو شاباش۔ اللہ کا شکر کرو کہ مستقل ٹھکانا دے رہا ہے۔ یہ روتی صورت بنانے کی ضرورت نہیں۔" ریبا نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر جلدی کی تاکید کی۔

"بی بی! جس سے آپ میری شادی کر رہی ہیں اگر اسے یہ پتا لگ گیا کہ میرے بچہ پیدا ہوا ہے تو کیا وہ پھر بھی مجھے اپنے گھر میں رکھے گا۔ ماں کہہ رہی تھی کہ تیرے نصیب اچھے ہیں کسی کو پتا نہیں چلا تیرے بچے کا۔ ورنہ کوئی بھی نہ بسانا تجھے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ یہ کیا وقت ہے ان باتوں کا۔ خبردار جو بچے سے متعلق ایک لفظ بھی منہ سے کبھی نکالا۔ تو بتانے کی نوبت اسے پتا لگے گا۔ تیرے پیٹ میں کیا درد ہو رہا ہے؟" ریبا نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ ساتھ ساتھ جھاڑ پلائی۔

"کہہ دیا ہے کہ ہمیشہ کے لیے منہ سی لے اپنا۔ دادی اماں نہیں تو۔ کوئی ضرورت نہیں اپنی اماں کے اقوال زریں مجھے سنانے کی۔ ان باتوں سے عورت ہی کی نہیں مرد کی بھی عزت نہیں رہتی۔ سمجھیں نو۔"

ریبا جھلا کر نیچے واپس آئی۔ سامنے ہی موان کھڑا نظر آیا۔ وہ فون پر کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ اسے یہ دیکھ کر قدرے حیرت ہوئی کہ مظاہر بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔

"السلام علیکم ابا جان۔ آج آپ جلدی آ گئے۔ اچھا ہوا۔ آج گھر میں ایک تقریب ہے۔ بڑی اماں نے بتایا ہوگا۔ سوئل کی منگنی ہے۔" اس نے مظاہر کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں مجھے تو خیر کسی نے نہیں بتایا البتہ اگر منگنی ہو رہی ہے تو خوشی کی بات ہے۔ ویسے بڑی اماں سے ابھی میری ملاقات نہیں ہوئی۔ باہر کرسیاں وغیرہ دیکھ کر میں یہی سمجھا کہ مظہر یا اظہار کے دوست دوست آئے ہوں گے۔" مظاہر نے ریبا سے کہا اور اپنی گھڑی پر نظر ڈالنے لگے۔

موان ریسیور رکھ کر ان کے قریب آ چکا تھا۔

"ارے بھئی...... ہمیں پتا ہی نہیں گھر میں اتنی اہم تقریب ہو رہی ہے۔" مظاہر نے موان کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"ان کو تو بتایا تھا میں نے فون پر۔" ریبا نے موان کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں کہا۔

"اصل میں خبر بہت اہم تھی اس لیے تمہیں بتانا بھول گیا۔" موان نے جواباً مظاہر کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"اس طرح بھی غریبوں کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے۔ یہ لوگ بھی انسان ہوتے ہیں۔" ریبا نے برا مان کر کہا۔

"بعض اوقات یہی غیر اہم لوگ بہت اہم بن جاتے ہیں۔" ریبا نے طنزیہ کہا۔

ایک سادہ سی لاابالی لڑکی جسے ایسا حادثہ درپیش آیا کہ چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ نصیب میں آگہی کے دکھ ہوں تو آگہی سے گزرنا ہوتا ہی ہے۔

آگہی کی روشنی عمر کی نہیں تجربے کی محتاج ہوتی ہے۔ ہزاروں لاکھوں لوگ ایک عمر گزار کر قبر میں اتر جاتے ہیں۔ سطحی اور لاابالی سا جی کر۔

اور کہیں بے حال کر دو مکتب میں نیا سبق۔ پھر آگہی کے ستارے کیسے نہ چمکیں۔

کٹھن راہیں۔

ہر امر خواہش کے برعکس۔

حالات کی ضد

دل کا اک چبھتا ہوا ہر دم۔

[illegible] اور لطیف تر ہوتا جاتا ہے۔ ... وہ دل جن نگاہ کی روشنی گہرے اندھیروں میں دریافت ہوتی ہے۔

ایک سانحہ ہوتا ہے۔

پوجلی تمنا کر بیک جاتی ہے۔ حیرت کا بسیرا ہوتا ہے۔ خاموشی ہوتی ہے۔ سناٹے کے راج میں۔ پھر آگہی کی بانسری سے سر پھوٹتے ہیں۔

سوچ بولتی ہے...... فصیح و بلیغ زبان۔ نئی نعمت ترجیب پاتی ہے۔ اپنا اپنا حادثہ۔

اپنی اپنی الجھن...... پھر اپنا اپنا علم

وہ اتنی بڑی ہو گئی تھی کہ ٹھہراؤ آ رہا تھا۔

ایک لاابالی... مجنونوں میں قلقاریاں کی نیند سونے والی۔ راتوں رات عالم فاضل ہو گئی تھی۔

چہرہ وہی تھا۔ [illegible] بدل گیا تھا۔

[illegible] پر اگندہ تھے۔

موان نا [illegible] ہو کر رہ گیا تھا۔

"بڑی اماں کہاں تو گھر میں رکھنے کو تیار نہیں تھیں کہاں باقاعدہ تن من دھن سے لگ کر شادی کرا رہی ہیں۔" موان نے سنبھل کر خود کو سنبھالتے ہوئے بات شروع کی۔

"ابھی بھی کہاں رکھنے کو تیار ہیں۔ نکال تو رہی ہیں ایک ایک کر کے موان بھائی۔" اظہار نے اندر آتے ہی بات اچک

لی تھی۔

"اظہار بھائی آپ کا آدھا حج تو آج ہو جائے گا۔" مظہر اس کے پیچھے پیچھے آتے ہوئے بولا۔

"انشاء اللہ۔" اظہار ہنسا۔

"آکا جان! آپ کو تو پتہ ہے یہ کارنامہ بلکہ سہرا اظہار بھائی کے سر ہے۔" مظہر نے پوچھا۔

"ان کے دوست کا ڈرائیور ہے لڑکا۔ ابھی تو لڑکا ہی بولیں گے ناں؟ دولہا تو شادی پر بولنے ہی والا ہے۔" اس نے ریبا
سے پوچھا جیسے وہ شادی سے متعلق معلومات پا رہا ہو۔ ریبا نے صرف گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

اس کا ذہن سون میں اٹکا ہوا تھا۔

"بتاؤ۔ کتنا اچھا ہوا ہے جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہ ہو اور میں آسانی کے ساتھ بوجھ بھی محسوس کر رہی ہوں۔
شاید اس لیے کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اندر عجیب سی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ کیا یہ دھوکا نہیں ہے؟ اگر اسے یہ
پتہ چل جائے کہ سول ایک بچے کی ماں بن چکی ہے تو کیا وہ پھر بھی سول سے شادی کرے گا؟"

"لیکن اس میں سول کا کیا قصور ہے؟ شاید ہم سب مل کر انجانے میں ایک گناہ کر رہے ہیں۔ بلکہ میں تو جان بوجھ کر
کسی کو دھوکا دے رہی ہوں۔" سیدھی کھری سچی بے ریا بے دھڑک لڑکی کو ایک احساس جرم نے گھیر لیا تھا۔ خوشی پھیکی پڑتی جا رہی تھی۔

وہ بددلی سے ایک نظر سون پر ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی جو مظہر سے باتوں میں مصروف ہو چکا تھا۔

"ریبا..... کہاں ہو بیٹی؟ مہمان آ گئے ہیں۔" بڑی اماں کی آواز آئی۔

"آ رہی ہوں بڑی اماں۔" وہ تیزی سے باہر نکل آئی۔

سامنے ہی سول کے سسرال والے ایک چھوٹا سا سوٹ کیس مٹھائی اور پھل کے ٹوکرے لیے نظر آئے۔

انہوں نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ انہیں نشستوں پر بٹھایا۔ مشروبات سے ان کی تواضع کی۔ پھر سول کی ہونے والی
ساس نے وہ سوٹ کیس جو ساتھ لائی تھیں کھولا اور دو کامدار فینسی سوٹ سینڈل کچھ میک اپ کی چیزیں چوڑیاں مہندی اور میچنگ
جیولری پرس رومال پراندے نکال کر بڑی اماں کے حوالے کیے۔

"اتنا کچھ کرنے کی کیا ضرورت تھی بہو؟ بچی کو اپنے گھر لے جا کر اوڑھاؤ پہناؤ۔ جو چاہے خوشی کرو۔" بڑی اماں نے
تکلفاً کہا۔

"بہت ارمان تھا ہمیں اپنے بچے کی خوشی کرنے کا..... اللہ اس بچی کے نصیب سے اسے گھر کا سکھ دے۔" لڑکے کی
پھوپھی نے کہا۔

"تھوڑی دیر بعد سول کو یہاں لے آنا ریبا رسم کے لیے۔" بڑی اماں جوڑے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولیں۔

"جی اچھا۔" وہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وہ بابا کا کام بھی دیکھ لینا۔" انہوں نے مزید تاکید کی۔

ریبا اندر آئی تو لاؤنج خالی تھا۔ سون شاید اوپر آکا جان کے ساتھ ہوں گے۔ یہ اظہار بھائی اور مظہر بھائی کدھر چلے
گئے؟ یونہی خیال آیا اور وہ سول کو لینے سیکنڈ فلور پر آ گئی۔

"بہت بے وقوف لڑکی ہو۔ اس لیے کہہ رہا ہوں شادی کے بعد کبھی سوچنا بھی نہیں کہ کچھ ہوا تھا۔ اپنا ریبا بی بی کو بتا

چکی ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی نے ذرا نرمی سے اچھا برتاؤ کیا اسی سے اپنی کہانی کہنے بیٹھ جاؤ گی۔ ویسے تو خیر یہ تمہاری اپنی بے
عزتی کی بات ہے مگر ہم لوگوں میں تو یہ سوچ ہی نہیں ہوتی۔

"اگر تمہارا شوہر تم سے کچھ کریدنے کی کوشش بھی کرے تو زبان بند رکھنا۔ بھیج دے گا تمہیں پھر ماں کے پاس۔ میرا
خیال ہے مستقل چھت اور دو وقت کی روٹی تمہیں بہت ہے۔"

ریبا لرزتی سن رہی تھی۔

جرم و گناہ میں وضاحتیں پیش بندیاں حفاظتی اقدامات کتنے ہوتے ہیں۔

کتنے خوف کتنے اندیشے۔

غیر فطری اصولوں کے ساتھ زندگی بوجھل اور کتنی مشکل ہو جاتی ہے۔

اف یہ انا کے بلند و بالا سومنات۔ ستر منزلوں سے بھی اونچے دکھائی دیں اوپر سونے کی پتریاں اندر سے کھوکھلے۔

نکاح کا بندھن ہی ایسا ہے کہ دو افراد شدت کی آخری سرحد سے ایک دوسرے کو سوچنے لگتے ہیں یوں جیسے وابستگی کے
ادراک کے در کھلنے لگتے ہیں۔ دو افراد تعلق کے معنی کی جڑ تک پہنچتے ہیں۔

ابھی تو تعلق کی مراحل کا آغاز تھا مگر۔

سون کا اتنا الجھا الجھا رویہ دیکھ کر۔ اس کے چاروں طرف کوئی دوزخ سی دہکا گیا۔

حالانکہ وہ کوئی ایسی باتیں نہیں کر رہا تھا جن میں سوز نظر آ رہے ہوں مگر اس کا جی چاہا وہ تھپڑ لگا کر سول کو نیچے بھیج دے اور
سون کو کوئی ایسی مار مارے کہ اس کی روح پریشان پڑ جائیں۔ وہ سرعت سے آخری زینہ طے کر کے اوپر چڑھی۔

"چلو سول! نیچے بڑی اماں بلا رہی ہیں۔ جلدی آؤ..... میں تمہاری نوکر نہیں ہوں جو بار بار تمہیں بلانے آؤں گی۔" وہ
یہ کہہ کر واپس پلٹ گئی۔

سول اس کے پیچھے دوڑ پڑی تھی۔ جیسے وہ وہاں سے بھاگنے کا بہانا ڈھونڈ رہی تھی۔

"وہ پتہ سرے اور ڈھونگ ہے۔" اس نے پشت پر آتی سول کو محسوس کر کے کہا۔

"بی بی! آپ نے سون صاحب کو ادھر کیوں بھیجا تھا؟" وہ حواس باختہ سی بولی۔

"ہاں..... میں انہیں بھیجتی رہتی ہوں اور وہ جاتے رہتے ہیں۔ میری انگلی کے اشارے پر ناچتے ہیں۔" وہ تیزی سے
زینہ اترتے ہوئے بہت تلخ بولی۔

دونوں آگے پیچھے نیچے اتریں۔

ریبا نے چور نگاہوں سے پیچھے دیکھنے کی کوشش کی۔ سون اوپر ہی تھا۔

اس نے سول کا جائزہ لیا۔ وہ دوپٹہ اچھی طرح لپیٹ چکی تھی۔ چہرہ بالکل سادہ تھا۔ آنکھوں میں کاجل کی لکیر تک نہیں
تھی۔

"تمہارے پاس کاجل بھی نہیں ہے؟ غریب سے غریب لڑکی کے پاس یہ تو ضرور ہوتا ہے۔"

"میں لگاتی نہیں ہوں میرے کو شوق ہی نہیں ہے۔" وہ سادہ انداز میں بولی۔

"اچھا ادھر آؤ۔"

وہ بڑی اماں کے کمرے کی طرف مڑ گئی جہاں اس کا ہینڈ بیگ رکھا ہوا تھا۔

اس نے پرس سے لپ اسٹک نکالی۔

"یہ لو...... ادھر آئینے میں دیکھ کر لگالو۔" وہ بے دلی سے سب کچھ کر رہی تھی۔ ذہن پھر سیکنڈ فلور پر پہنچا ہوا تھا۔

سومل نے اس کے ہاتھ سے لپ اسٹک لے لی۔ انداز میں خاصا ذوق تھا۔ پھر دوری سے آئینہ دیکھ کر (جو بڑی اماں کی الماری میں فٹ تھا) ہونٹوں پر رگڑ لی۔ ریبا نے گویا سر پیٹ لیا پھر خود پر قابو پا کر اس کا دوپٹہ ٹھیک کیا اور اپنے ساتھ لے کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

سامنے مون کھڑا اپنے پرس سے جانے کیا کھنگال رہا تھا۔

"ذرا سی لپ اسٹک لگا کر یہ تو ابھی خاصی خوبصورت لگنے لگی ہے...... ہے نا؟" ریبا نے عجب سے لہجے میں مون کو متوجہ کیا تھا اور مون نے سومل کی طرف دیکھنے کی بجائے ریبا کی طرف دیکھا تھا اور ایک کرسی پر بیٹھ کر کوئی ویڈنگ کارڈ دیکھنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆

"یار مجھے تو کمرے سے باہر نکلتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔ دیکھنا اسانی کیا کر رہی تھی؟" پاشا نیوی بلیو شلوار سوٹ اور ریڈ اسکارف میں کہیں جانے کے لئے بالکل تیار تھا۔ خوشبو اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

"کیوں جھوٹ بولتے ہیں۔ آپ ڈرتے ہیں بھی کسی سے؟" وہ بے چاری کیا کہتی ہیں۔ وہ اب چلے جائیں۔" وہ کترا تو رہی تھی۔

"ارے نہیں بھئی رات بڑا ڈر لگا مجھے۔ بار بار بڑی طاقتور ہیں۔ مجھے ایسے لوگوں سے بڑی گھبراہٹ ہوتی ہے جو ڈائریکٹ دل پر حملہ کرتے ہیں۔ تمہارا کیسا دوسرا تھا؟"

"پاشا! مہمان آئے ہیں تمہارے۔" قمر النساء کی آواز آئی۔

ماہ نور نے گھور کر پاشا کی طرف دیکھا۔ اتنی دیر میں بڑی رسک کے بعد انوشہ اندر آ گئی تھی۔

"ہائے اپوری باڈی...... آج مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ سوچا ماہ نور سے ملوا دے کر لی چلوں ارے نہیں ذرا افٹ اور سینج بھی اے ڈالی ہے، بیٹھے کے لیے۔"

"ارے! شکل نہار کھو رہے ہو۔ بیٹھنے تو نہیں کہو گے؟" اس نے جھپٹ کر کہا۔

"ارے...... بیٹھو...... بیٹھو۔ یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔" پاشا کسی ارمان سے چونکا۔

"بھئی یہ تمہاری بیوی کا سرکاری گھر ہے۔ یہاں تو میز سے کام لینا ہی پڑے گا۔ یار میری سگریٹ ختم ہو گئی راستے میں۔ تم تو شاید گولڈ لیف پیتے ہو۔ چلو اب کام تو چلا دیتا ہے۔ اتنی لانگ ڈرائیو سے سر میں درد ہو جاتا ہے مجھے۔" وہ جھجک کر بیٹھ کر انگلیوں سے پیشانی دبانے لگی۔

"سگریٹ تو تمہیں مل جائے گی۔ پہلے کچھ ٹھنڈا ونڈا یا کچھ اور لے لو۔" پاشا اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"اف...... ڈرنک کے ساتھ گولڈ لیف کا سن کر طبیعت بے مزہ ہو جاتی ہے۔" اس نے معنی خیز انداز میں قہقہہ لگایا۔

"منگواؤ بھئی جلدی سے کولڈ ڈرنک بھی پلواؤ۔ ایسا لگ رہا ہے گاڑی کھینچ کر لائی ہوں۔ آج گرمی بھی غضب کی پڑ رہی ہے۔ تمہارا بیڈروم اے سی نہیں ہے؟" وہ تعجب سے کہہ کر گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اے سی جلدی ہی نظر میں آ گیا تھا۔

"اف کیوں کیا ہوا ہے؟ تمہارے گھر کون سا بجلی کا بل آتا ہوگا۔" اس نے پھر شوخ قہقہہ لگایا۔

"ارے ایسا نہ کہو۔ اس گھر میں بڑی ایماندار ساس بہو رہتی ہیں۔ حلال پیسوں سے ڈیو ڈیٹ سے پہلے بجلی کا بل جمع کرائی ہیں۔" اس نے معنی خیز انداز میں ماہ نور کی طرف دیکھا جو ماؤف ذہن کے ساتھ کھڑی ایک بت نظر آ رہی تھی۔

"ماہ نور! اسے بھی آن کر دو اور کولڈ ڈرنک لے آؤ۔" اس نے ماہ نور کو مخاطب کیا۔

"ڈرائنگ روم میں بھی اے سی ہے۔ آپ انہیں وہاں لے کر بیٹھئے۔ میرے بیڈروم میں دھرنا مارنے کی ضرورت نہیں اور مجھ سے اس قسم کی خواتین کی خدمت کرانے کی بھی ضرورت نہیں۔"

ماہ نور خلاف توقع پھٹ پڑی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی چپ چاپ بامروت اور بزدل سی لڑکی اس کے کسی مہمان کے سامنے بد تہذیبی بھی دکھا سکتی ہے۔ چلو اس کی بات تو دوسری ہے میاں بیوی کا رشتہ ہی ایسا ہے۔ گھر میں دشمن کھڑی تھی بدست۔

"ماہ نور! یہ میری مہمان ہے۔" اس نے جیسے خون کا گھونٹ پی کر انوشہ کی طرف دیکھا۔

"میں نے آپ سے کہا ہے! جن مہمانوں کا تعلق صرف آپ سے ہے انہیں یہاں بلانے کی ضرورت نہیں۔ میں اماں کے پاس بیٹھی ہوں مجھ سے نہیں ہوں گی اس قسم کے مہمانوں کی میزبانیاں۔" وہ غرا رہی تھی۔ انتہائی ناگوار رویہ تھا پاشا کے لیے۔

"سوری انوشہ۔" پاشا نے فی الفور بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"ڈونٹ مائنڈ پاشا...... ہم بیویوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے...... سامنے تو یہ بہت بے چاری سی مخلوق ہوتی ہے۔ ہم اس پوری قوم سے ہمدردی فیل کرتے ہیں۔" انوشہ کے قہقہے میں خفیف جھینپ کے بجائے ڈھٹائی تھی۔

"تم بھی اس پر ناراض نہ ہوا کرو، ویسے ہی صورت سے بے چاری لگتی ہے۔ ماہ نور جسٹ اے منٹ ڈارلنگ۔" انوشہ نے ماہ نور کو متوجہ کیا جس کے دماغ کی شریانوں میں طوفان برپا تھا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا شانہ چھوا۔

"مائی ڈیئر! زندگی اتنی فالتو بے کار نہیں کہ کبھی اس بات پر خون جلائیں۔ بھلا اتنی ذرا سی باتوں کے پیچھے لائف انجوائے کرنا چھوڑ دیں؟ نان سینس۔ بھئی تم سرٹیفائیڈ پارٹنر ہو۔ کیوں کامپلیکس کا شکار ہوتی ہو۔ ادھر ادھر لائف انجوائے کر کے آئے گا ادھر ہی۔ جب بھی ہاتھ آئے لگام کھینچنا کھونٹے سے باندھنا۔ تھوڑی دیر تم بھی خوش ہو لینا اس کے ساتھ۔ ہمیں بھی خوش ہونے دو اور خود بھی خوش رہو۔ اس طرح مل بانٹ کر خوش رہنے میں کوئی حرج ہے کیا؟

اب شاندار میاں ہے تمہارا جو جو اس کے ساتھ خوش ہونا چاہے اسے خوش ہو لینے دو۔ ذرا دل بڑا کرو۔ آئے گا تو تمہارے پاس۔"

اس نے پھر ماہ نور کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"ماہ نور واقعی غصہ بھول کر آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔ اس کی معلومات اس قسم کی خواتین کے بارے میں قطعی ناقص نہیں۔

بے حیائی بے باکی بے لگامی مائی گاڈ...... عورت قیمتی چیزوں اور لوازمات کے ساتھ اتنی مفلس بھی ہوتی ہے۔ پھر اتنی مفلس عورت کے پاس ہوتا ہی کیا ہے۔ اس انداز سے لائف انجوائے کرنے کے لیے نفس کا پھول کے کیا ہونا ضروری ہے۔ دل کی تاریکی یا دوئی روشنی سے لطف اندوز ہونے کے لیے بہت ضروری ہے۔

دل آہنی قلعے میں ڈھل جائے تو ضمیر کی آواز اندر سر ٹکرا ٹکرا کر آخر کار خاموش ہو جاتی ہے۔ اف کتنی ضروری ہے یہ عورت کا عورت پن...... عورت کی متاع عورت کا سنگھار۔

یہ مجھ سے ہمدردی کر رہی ہے حالانکہ یہ تو خود قابلِ رحم ہے۔

"آپ غلط سمجھیں۔ یہ شخص میری محبت کا مستحق نہیں۔ میرے بیچ پا ہونے کی وجہ تو بس اتنی ہے کہ اس کے ہرجائی پن نے ایک عزت دار خاندان کو ہمیشہ کے لیے نڈھال کر دیا ہے۔ بلاوجہ بے قصور۔

آپ ایسا کریں۔ اسے لے جائیں ہمیشہ کے لیے۔ میں بخشتی ہوں آپ کو۔ بس آپ یا آپ کی طرح کی دوستوں پہ ہاتھ صاف کرتے ہوئے یہ مجھ تک نہ پہنچے۔ گھن آتی ہے مجھے دھوکے اور منافقت سے۔ ہمیں نہیں چاہیے ایسا تعلق۔ کسی کو سائی کسی کو بے حیائی میں آپ کو سچ کہہ رہی ہوں۔ آپ اسے جتنا مجھ سے دور لے جائیں گی میری ذات پر آپ کا انتہائی بڑا احسان ہوگا۔" ماہ نور کے لہجے میں بلا کا زہر غضب کی کڑواہٹ تھی۔

"اس نے عشق کے نام پر مجھے میری نظروں میں گرا دیا ہے۔ یہی عذاب مجھے طاقت بخش رہا ہے۔"

"دولت کا پجاری تکبر کا مینار خود فریب اسے ہارنے کی عادت نہیں اس لیے مجھے جیت کر لایا ہے۔ سمجھ چکی ہوں اس کا سارا عشق۔"

پاشا دم بخود اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

ماہ نور کا "اس" "اس" زخموں جیسا تھا جس میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ "اس نے مجھے گرا کر ٹھکرا دیا ہے ہرانے مجھے..... آخری حد یہ کہ مجھے جان سے مار سکتا ہے ایک انا پرست آدمی کے غصے کی انتہا اور کیا ہو سکتی ہے؟

"لے لو ہم سے جان بھی۔ مگر یہ بتاؤ اس کے بعد کیا لو گے ہم سے؟ چلے جاؤ تم دونوں یہاں سے۔ لائف انجوائے!" وہ شاید ذہنی توازن کھو بیٹھی تھی۔

"ماہ نور!" قمر النساء کی آواز آئی۔

ماہ نور نے فوراً خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔ "جی اماں!"

"بیٹی! مظاہر آئے ہیں۔ پاشا کو بھی ساتھ لے آؤ۔"

قمر النساء نے اس کے کمرے سے نکلنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ وہیں سے مزید تاکید کے ضمن میں کہا۔ شاید انوشہ کی وجہ سے وہ بھی ذہنی منتشر ہوں گی۔ چاہ رہی ہوں گی وہ جلد سے جلد اس گھر سے چلی جائے۔

❖☆❖

"آ رہی ہوں اماں!" اس نے خونخوار نظروں سے انوشا کی طرف دیکھا پھر اپنا دوپٹہ درست کرنے لگی۔

"اب تو موڈ ٹھیک ہو جائے گا ڈیئر کزن آ گئے ہیں۔" پاشا نے بھی اپنی شرٹ ہاتھوں سے جھاڑتے ہوئے یوں کہا جیسے شرٹ پر کچھ چپک گیا ہو۔

"ویسے تمہاری بیوی بڑی بریو اینڈ بولڈ ہے۔ دیکھنے میں سیدھی سادی لگتی ہے۔" انوشا نے کھسیانی مسکراہٹ کے ساتھ پاشا کی طرف دیکھا۔ "ویسے یہ ڈیئر کزن کون ہیں؟"

"اندازہ نہیں ہوا آپ کو صرف کزن نہیں ہیں ڈیئر بھی ہیں۔" وہ پھنکاری اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

انوشا نے شانے اچکا دیے اور عجیب سا منہ بنایا۔ پاشا بیڈ پر بیٹھ گیا اور سائیڈ ٹیبل کی دراز سے کچھ نکالنے لگا۔

ماہ نور لاؤنج میں آئی تو سامنے ہی مظاہر پر نظر پڑی۔ لائٹ گرے پینٹ شرٹ اور ڈارک گرے ٹائی باندھے وہ بہت فریش نظر آئے۔ اس نے نظر جھکا کر سلام کیا۔

قمر النساء نے سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ ٹٹولا۔ وہ نظر چرا گئی۔ قمر النساء کے بالکل برابر میں استانی عائشہ بیٹھی تھیں اچھی طرح چادر لپیٹے ہوئے۔

"کیسی ہو ماہ نور؟" مظاہر نے پوچھا۔

"اچھی ہوں فل پروٹیکشن ہے اللہ کی۔" اس نے بے ساختہ انداز میں جواب دیا اور قمر النساء کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"پاشا گھر میں ہے؟" مظاہر نے سوچتی نظروں سے ماہ نور کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"جی!" وہ آہستگی سے بولی۔

"جی ہم گھر ہی میں ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔" پاشا انوشا کے ساتھ لاؤنج میں آ کر بولا۔

مظاہر نے چونک کر انوشا کی طرف دیکھا تھا جو پاشا کے پہلو میں اس طرح کھڑی تھی جیسے پاشا سے اس کا کوئی قریبی تعلق ہو۔

انتہائی الٹرا ماڈرن لڑکی جو ماحول میں بہت اجنبی محسوس ہو رہی تھی جس نے اپنی نسوانیت کے نقش اور خدوخال کو پوری طرح اجاگر کیا ہوا تھا۔ قمر النساء اور استانی عائشہ نے تو فوراً ہی نظریں جھکا لی تھیں البتہ مظاہر نے بڑی دلچسپی سے انوشا کا جائزہ لیا تھا۔

"یہ ہیں مسٹر مظاہر..... ہمارے بڑے ماموں اور..... اور ہماری مسز کے ڈیئر کزن۔ اعلیٰ افسر ہیں۔ بہ وقت افسر ہونے ہیں اس لیے ہم ان کے سامنے ہمیشہ باادب رہتے ہیں۔" پاشا کا انداز دل جلانے والا تھا۔

"اسے فقط ایسا ویسا افسر ہیں کہ کسی بھی وقت وزیر داخلہ بنائے جا سکتے ہیں حالانکہ خاندان میں بہت افواہ رہتے ہیں اس لیے تم ذرا ادب سے پہلو بچائے کرنا۔ غصہ آ گیا تو اگریمنٹ کنٹرول لسٹ میں نام لکھوا سکتے ہیں تمہارا۔" اپنی بات کے اختتام پر پاشا نے بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔

مظاہر نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر نظریں ماہ نور کے چہرے پر دوڑائیں۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے یوں بیٹھی تھی گویا کچھ سنا ہی نہیں۔

"یہ آپ کی کوئی آنٹی ہیں عائشہ؟" انوشا نے استانی عائشہ کی طرف دیکھا جو مکمل پردے میں بیٹھی تھیں اور اپنی انفرادیت کے باعث انوشا کی توجہ کا مرکز بنی تھیں۔

"یہی سمجھ لو۔ ہماری بہت معزز محترم مہمان ہیں۔" پاشا کا لہجہ خود بخود بدل گیا۔ وہ بہت مختلف انداز میں بولا تھا ساتھ ساتھ ماں کا چہرہ بھی دیکھ رہا تھا جو اندر ہی اندر جیسے تل بھن چکی تھیں۔

"ویسے میرا خیال تھا کہ آپ تو عمر بھر میری شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گے مگر میرا خیال غلط نکلا۔ آپ کو تو ہماری شکل بہت پسند آئی ہے۔ ویسے میرے علاوہ بھی اس گھر میں اچھی شکلوں والے لوگ رہتے ہیں۔" اس نے عادت سے مجبور ہو کر کچھ نہ کچھ کہنا ہی تھا۔

"آپ تشریف رکھیے۔" استانی عائشہ نے انوشا کو متوجہ کیا۔

"نو تھینکس..... بس اب ہم چلیں گے۔ ویسے بھی ہم لوگ آپ کی محفلوں میں بیٹھے سوٹ نہیں کرتے۔" اس نے بے ڈھنگے انداز میں مردانہ وار قہقہہ لگایا۔

"نہیں بیٹی! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ آپ ہماری بیٹی ہو۔ اپنا اپنا رہن سہن ہوتا ہے۔ ہر انسان اپنے اپنے علم کے مطابق

"میں بہت خوبصورت و صحت مند بچی تھی مگر مجھ میں نہ قوت تھی نہ کشش۔ میرے پیرنٹس پر میرا کوئی اثر نہ تھا۔ وہ بھی ذہنی ذوق۔ مگر زندہ ہوں۔" انوشا نے صاف گوئی سے کہا۔

"یقیناً آپ۔ دیر ہو رہی ہے۔" پاشا کے لہجے میں اکتاہٹ کا تاثر تھا۔

"ہو گئی" انوشا فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہت ونڈرفل۔ ہو سکتا ہے بائی چانس پھر آپ سے ملیں۔ میں نے آپ کا چہرہ نہیں دیکھا مگر مجھے آپ سے مل کر اچھا لگا ہوا..... او کے ڈیئر کزن"۔ وہ مظاہر کی طرف پلٹی۔

"میرا نام مظاہر امین تیموری ہے۔" مظاہر کا لہجہ قطعی سپاٹ تھا۔

"بہت مشکل نام ہے مگر امپیکٹ اچھا ہے۔ ویل۔ آل دی بیسٹ ڈیئر مسٹر مظاہر بائے انٹیلیجنس کو پاشا"۔ وہ چہکتا سا بہت خوبصورت ہرنی جلالی باہر نکل گئی۔ پاشا نے باہر نکلنے سے پہلے مظاہر کی طرف دیکھا۔

"آپ کا ادھر آنا میرے لیے باعث مسرت نہیں باعث حیرت ہوتا تھا۔ اب وہ بھی نہیں۔ فرصت ملی تو غور کروں گا۔ فی الحال خوش رہیں۔" وہ بھی انوشا کے پیچھے چل دیا تھا۔

"شکر کر رہی تھی کہ یہ عذاب بہت ٹلا۔ مدت سے نظر نہیں آئی تھی مگر پھر نازل ہو گئی۔ اللہ معلوم کہ عبرت..." قمر النساء بیزار کن لہجے میں گویا ہوئیں۔

"اللہ سے دعا کریں اس کے لیے۔ اس کے پاس ہر چیز کے لیے وقت ہے۔ ہر امر برحق ہے۔" استانی عائشہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا: "اس کا باپ بھلا مانس ہے وراثت دو چکی ہے۔ مجھے بہت رحم آیا اس بچی پر۔" وہ مزید گویا ہوئیں۔

"کیا اس قسم کے لوگ قابل رحم ہوتے ہیں جو انسانوں کے جذبات سے کھیلتے ہیں بلکہ زندگیوں سے"۔ ماہ نور نے تلخی سے کہا۔

مظاہر کوئی گتھی سی سلجھانے میں مصروف تھے چونک کر ماہ نور کی صورت دیکھنے لگے۔

"بہت قابل رحم ہوتے ہیں بچی! بہت ہی قابل رحم۔ اپنے ہاتھوں نجات کا ایک ایک دروازہ بند کرنے والے۔ یہ بھی خلوص و وفا و احترام سے محروم لوگ اور اگر توفیق نصیب نہ ہو تو آخرت میں بھی۔ مجھے بتاؤ کیا ہے اس بچی کے پاس؟ ماں باپ کی شفقت و محبت سے محروم خاندانی رشتوں سے تعلق کی فطری خوشی سے محروم گھر بار، بال بچوں سے محروم۔ ایک مہرے کی طرف استعمال ہونے والی زندگی جسے صرف فائدہ اٹھانے والی شے کی حیثیت حاصل ہے۔ کیا قابل رحم نہیں؟" وہ الٹا ماہ نور سے سوال کرنے لگیں۔

"آپ مجھ سے زیادہ جانتی ہیں میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ بے قصور انسانوں کی زندگی جو پہلے ہی بوجھل ہوا سے اور بوجھل بنا دینے والے لوگ کس طرح قابل رحم ہوتے ہیں؟" اس کے لہجے میں غیر شعوری طور پر زہر سا اتر آیا۔

"اللہ نے صرف اور صرف عبادات سے اپنی رضامندی یا جنت کو مشروط نہیں کیا۔ عبادات و فرائض کے ساتھ ساتھ دو بھی ذمے داریاں ہیں جن کو نبھائے بغیر اس کی رضامندی حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ تو صاف کہتا ہے۔ "جو کچھ تم اپنے دلوں میں چھپائے پھرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔ پھر وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا۔"

"یعنی آپ کے دل کے حال پر اس کی رضامندی مشروط ہے۔ ہو سکتا ہے ہم جو جانتے ہیں اس کی حقیقت کچھ اور ہو اور صرف اللہ کی معلومات میں سے ہو۔ یہ اپنے ماحول کے پروردہ ہیں۔ اپنے حساب سے جی رہے ہیں۔ یہ کسی منصوبے کے تحت انسانوں کے دل نہیں دکھا رہے۔"

ماہ نور نے سر پیٹ لیا۔ استانی کے حساب سے تو اس دنیا میں کوئی برا ہی نہیں ہے۔ حد ہو گئی۔

"آپ کے حساب سے تو خالہ جان سب جنت میں جا رہے ہیں۔ دوزخ تو بالکل خالی نظر آ رہی ہے۔" وہ خود کو روک نہ سکی بول ہی پڑی۔

استانی عائشہ مسکرا پڑیں۔ "ہمارے پاس جنتی دوزخی کا وہ معلوم معیار نہیں جو صرف اللہ کے علم میں ہے۔ تو ہم کیوں حکم لگائیں۔ آپ بہتری کر سکتے ہیں تو کیجیے۔ بہتری اصرار دوسروں سے نہ کریں۔ وہ اپنا کیا اپنا الگ رکھتے ہیں آپ الگ۔ یہ تو بہت ہی مظلوم بچی ہے جسے اس کا کوئی بھی فطری حق نہیں ملا۔ رہی سہی کسر وہ خود پوری کر رہی ہے خود پر ظلم کے عمل ہی سے تو گزر رہی ہے۔" ان کا اشارہ انوشا کی طرف تھا۔

"کسی کا شوہر ہتھیائے پھر رہی ہے۔ واقعی بہت مظلوم ہے۔ خالہ جان!" ماہ نور نے جل کر کہا۔ استانی عائشہ اس کی بے ساختگی پر مسکرا پڑیں۔

"چلو اس بہانے پتہ تو چلا۔ وہ ہوا کہ پاشا واقعی تم سے جیت چکا ہے۔ یعنی خود کو ہار کر جیت چکا ہے۔"

ان کے لطیف انداز پر ماہ نور ایک دم حواسوں میں آ کر خجل سی ہو گئی۔ مظاہر اپنا سوال کھول کر دوبارہ تکنے لگے۔ قمر النساء اپنی دھیان میں تھیں کہ انہوں نے کچھ سنا نہیں۔ پیشانی انگوٹھے سے دباتے ہوئے جانے کیا سوچ رہی تھیں۔

"بیٹی! ٹھنڈے دماغ سے یہ سوچنے کی بات ہے کہ پاشا جس انداز کی زندگی گزارنے کا عادی ہے یہ سب باتیں اس کی زندگی کا لازمہ ہیں۔ اسے کسی کے ساتھ بندھنے کی ضرورت ہوتی تو بندھ چکا ہوتا۔ آخر وہ اپنی مرضی سے ایک آزاد ... گزارنے کا عادی ہے تو اسے کون روک سکتا؟ تمہیں تو ان واقعات پر حیران ہونے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کے علاوہ بھی ... کی جو وہ اپنے کام کا حصہ سمجھتا ہوگا۔ تمہارے ساتھ نکاح کرنے کے لیے اس نے خود کو مشقت میں ڈالا۔ جبکہ ان میں سے جس سے چاہتا بہت آسانی سے بیاہ کر لیتا۔ ابھی بہن قمر النساء نے بتایا ہاں کہ یہ تو اس کی بہت پرانی ساتھی ہے۔ اسے ساتھی ہی سمجھو۔ اس نے تمہیں اپنی بیوی بنایا ہے۔ قانونی شرعی حیثیت دی ہے۔ تمہاری ساس نندیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہاری قدر کرتی ہیں اور اللہ ذات سے کچھ بعید نہیں۔ کب بند گرہیں کھول دے۔ تمہارے عزیز تم سے ملنے لگیں۔ تمہارے رشتے داروں کے دل میں تمہاری بے گناہی کا خیال آنے لگے۔

یہ تو بے چارے سب سمجھ ہوتے ہوئے بے گھر ہے ماشاءاللہ تم تو گھر بار والی ہو۔ تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ مظاہر پڑھے لکھے ہیں سمجھدار ہیں۔ انہیں اپنے علم کے حساب سے تمہاری بے گناہی کا اعتراف ہے۔ وہ کھلے بندوں تم سے ملتے تمہاری خیر خیریت پوچھنے آ جاتے ہیں کہ نہیں؟ اسی کو انسانی حقوق کا شعور کہتے ہیں۔ اسی طرح جیسے جیسے سمجھ آتی جائے گی وہ تمہارے قریب ہوتے جائیں گے۔ تم جس گھر میں بس رہی ہو اس میں خوش رہنا سیکھو اور اللہ پر بھروسا رکھو۔"

"استانی ٹھیک کہہ رہی ہیں ماہ نو۔ اپنی زندگی خراب لائف سٹائل سے ڈسٹرب نہ کرو۔ ایزی رہو"۔ مظاہر نے بھی گہری سوچوں کے گرداب سے خود کو نکالا۔

ماہ نور اندر ہی اندر غم بھر رہی تھی۔

"سب اچھا ہے۔ کچھ برا ہی نہیں۔ دن دہاڑے میرے حقوق پر ڈاکے پڑ رہے ہیں۔ وہ اس بھتنی کے ساتھ تماشا لگوائے کر رہا ہے۔ میں خاں ماں گیری کر رہی ہوں۔ یہ صلہ ملا ہے اتنے عذاب اٹھانے کا۔" وہ ہولے سے بڑبڑاتے ہوئے اٹھ گئی۔

☆☆☆

"آپ لوگوں نے مجھے فون ہی کر دیا ہوتا تو میں آ جاتا۔ بہت ہی افسوس ہوا تقریب مس ہو گئی۔" جمال اظہار سے اظہارِ تاسف کر رہا تھا۔

"میاں! کدھر کی تقریب..... بے تحاشا بے چارے سے خدمت گار ہیں۔ یونہی بس بچی کی خوشی کر دی حالانکہ سعد تو منع کر رہی تھی کہ کیا ضرورت ہے خرچ کرنے کی کرسیوں پر بٹھانے کی بات کر رہے تھے اور بارات کی تاریخ دے دیتے۔ اللہ کی بڑی لگتی ہے اسے بڑی بڑی ذہنی۔ اسلامی طریقے سے لازم رکھنا آج کے انسانوں کی اتنی توفیق کہاں۔ اس عمر میں بچوں کے جذبات ہوتے ہیں کیا امیر کیا غریب۔ اظہار کے دوست کی والدہ مجھے بہت بھائی ہیں۔ ایسے آ ئمیں جیسے وہ ان کا ڈرائیور نہ ہو رشتہ دار ہو۔ اچھے بڑے تا سب بہت پیسے والے لوگ ہیں۔ سات پشتوں سے کاروباری مگر عورت کے مزاج میں بہت سادگی ہے۔ اللہ انہیں جزا دے۔ وقت رلنے رہتے ہیں۔ کوئی پتا نہیں ہوتا کب کس کے لیے تخت کب کس کے لیے تختہ۔ سو دوسروں کی کھانے پینے کی چیز بنا گئیں۔ اس نے بادہ کا تو سوا سب بچے ناحق پٹرول پھونک دیتے ہیں۔"

بڑی امی نے جمال کو مفصل جواب دیا۔

"بڑی لکی ہے یہ لڑکی۔ اس کو بہت اچھا رشتہ مل گیا۔ تنخواہ دار ہے۔ مرد بڑی کا بے دول ہندوستان میں ؛ پڑھی پا اعلم ہے تجھے بھی نہیں ملتے۔" جمال نے کہا۔

"آپ بھی وہاں ایک مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔ مگر وہاں پٹرول پمپ والی کے غالباً اشتہار ہی نہیں آتے۔" اظہار نے بڑا۔

"سیدھی سی بات ہم نے تمہیں ڈھونڈ دیا تھا وہ تو اماں کی سہیلی"

"اے ہٹاؤ۔ پھر وہی اماں کی سہیلی۔ میری طرف سے کہہ دینا ماں کو کہ دادی جان کہہ رہی تھیں۔ تو اسیلا پا ختم کر نہ اس ہلی سے۔ ہٹاؤ۔ اتنا بڑا کام اور حد ہو گئی غیر ذمہ داری کی۔ پھنسوا دیا تھا ہمارے بچے کو۔ دوسری طرف ایسے پٹرول پمپ والوں کی بے بری اپنے فائدے کے لیے ایک جیتی جاگتی جان استعمال کرنے کی کوشش۔ ہر انسان اپنے سارے حق لے کر اس دنیا میں آتا ہے۔ کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کسی کو جھاڑن کی طرح استعمال کرنے کا۔ خواہ امیر ہو خواہ غریب۔ اللہ نے ہر ایک کے حق کو ماپ دیا ہے اس دنیا میں۔ دولت کی طاقت سے بنیادی حق مارنا تو جہالت بھی ہے اور ذلت بھی۔"

بڑی اماں کو نئے سرے سے غصہ آ گیا۔ (توبہ..... اگر بچہ پھنس گیا ہوتا.....؟)

"ٹھیک کہہ رہی ہیں بڑی اماں آپ۔" ریبا جو اب تک خاموش بیٹھی تھی بے اختیار بولی۔

"اچھا آپ بھی کیا ہیں۔ خیر۔ بہت تو ہے۔ بڑی چپ چپ ہیں۔" جمال نے ریبا پر ایک کیا۔

"اب تو یہ چپ چپ ہی رہنے لگی ہیں۔ شاید مون بھائی کی صحبت کا اثر ہے۔" جمال نے اپنی دانست میں پتے کی بات کہی۔

اسی دوران فون کی گھنٹی بجی۔ اظہار نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔

"السلام علیکم..... خیریت سے ہیں ابھی ابھی آپ کا ذکر ہوا..... ریبا..... ہاں یہی بیٹھی۔ ریبا..... مون بھائی....."
اس نے ریبا کو متوجہ کیا۔

ریبا یوں اٹھی جیسے ٹھٹا دو پہر ہو۔

"ہیلو..... ہیلو..... السلام علیکم۔" وہ جیسے بہت تھکی ہوئی ہو یوں بات کر رہی تھی۔

"جی ٹھیک ہوں۔ نہیں ابھی تو میرا کوئی ارادہ نہیں..... بھی آ گئی ہیں کیا؟" اسی لہجے میں پوچھنے لگی۔

"نہیں خیر ضروری تو نہیں..... نہیں ابھی میرا کوئی پروگرام نہیں اور آپ اس توقع سے مجھے فون بھی نہ کیا کریں۔"

"لیکن میرا بالکل موڈ نہیں باہر کھانا کھانے کا..... تو آپ کھا لیں۔ آپ کی سیکرٹری بہت خوبصورت ہے اسے ساتھ لے جائیں۔ یہ لوگ ایسی باتوں سے بہت خوش ہوتی ہیں۔"

وہ اپنے احمقانہ انداز میں مشورہ دے رہی تھی۔ بڑی اماں نے اپنی پیشانی پر زور سے ہاتھ مارا تھا اور جمال ہونق سا ہو کر اظہار کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے میں آپ کو آنے سے روک تو نہیں سکتی۔ مگر مجھ سے توقع مت رکھیے میرا بالکل بھی موڈ نہیں..... او کے..... اللہ حافظ۔" اس نے مرے مرے انداز میں ریسیور رکھ دیا۔

"ارے بیٹا! کب عقل آئے گی تجھے۔ پرائی عورت میاں کے ساتھ کر رہی ہے۔ مرد کا کیا بھروسا جب تم موجود ہو تو وہ کیوں غیر کی میری عورت لیے پھرے۔ حد ہو گئی۔"

"ابھی وہ کسی کی نہیں ہے۔ ان میرڈ ہے۔" ادھر سے پھر اودھا جواب دیا۔

"تو آپ اس کی میرج کا چانس بنا رہی ہیں؟" جمال کا سوال اس سے بھی زیادہ اودھا تھا۔

"اف وہ..... کیا ساتھ کھانے سے میرج کے چانس بنتے ہیں؟" ریبا نے تنک کر پوچھا۔

"ایسا ہو جاتا ہے۔" جمال نے سادگی سے کہا۔

"ارے کیا اوندھی سیدھی باتیں کرنے لگے۔ خدانخواستہ کسی بیاہتا کی ایسی آزمائش ہو۔ اگر وہ لینے آئے تو چلی جانا زیادہ افلاطون بننے کی ضرورت نہیں۔ یوں تو لونڈوں سے ضدیں کرتی ہو باہر جانے کی۔ کوئی جھوٹ سے جاتا کہے تو جھٹ تیار۔ اس کے ساتھ نخرے دکھاتی ہو۔ سیدھا سادہ جو مل گیا ہے۔ جاؤ جا کر اپنے کپڑے وغیرہ تیار کرو۔"

کتنے کل ہوتے ہیں ایسے لوگ سب کچھ کر کے بھی سیدھے سادے..... ہونہہ.....

ہر انسان زندگی کے متعلق اپنا ذاتی فلسفہ لے کر چل رہا ہوتا ہے۔ اس کی زندگی کا فلسفہ تھا سچائی بے خوفی حق و انصاف..... اپنے قریب ترین بندے کی کرپشن کسی طرح ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ بیٹھے بٹھائے جان کو روگ سا لگ گیا تھا۔ کچھ روز پہلے سوچ رہی تھی۔ اچھا ہوا مونل کی شادی ہو رہی ہے۔ کسی کو کیا پتا کہ مسندل کو گھن لگا ہوا ہے۔ اب منگنی ہو گئی تو یہ سوچ پڑ گئی تھی کہ جس کے ساتھ منگنی ہوئی ہے اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ اگرچہ مونل بے قصور ہے پھر بھی اس کے منگیتر کو اس ایکسیڈنٹ کا پتا چل جائے تو کیا وہ ایسی لڑکی سے شادی کرنا پسند کرے گا جو شادی سے پہلے ماں بن چکی ہے؟

اگر اسے بتا دیا جائے اور اس پر ثابت کر دیا جائے کہ مونل قطعی بے گناہ ہے۔ یہ سب جاننے کے بعد وہ اگر شادی پر تیار ہو جاتا ہے تو یہ زیادہ اچھی بات ہے۔ کم از کم ضمیر کسی کو دھوکا دینے پر ملامت نہیں کرے گا۔

بلکہ مون خود اس کو ساری حقیقت بتائے تو اس پر زیادہ اثر ہو سکتا ہے۔

ہاں یہ ٹھیک ہے..... میں بات کرتی ہوں مون سے۔ دیسے وہ ماجرا پتا نہیں ہے۔ نمود و سما پر بشرائز کروں گی تو مان جائے گا۔ دیسے بھی میرے یہاں رہنے سے تنجنس ہے۔ میری بات سنجیدگی سے غور کر سکتا ہے۔

"ٹھیک ہے بڑی اماں! میں چلی جاؤں گی۔" (بانو وہ میری بات مانیں گے نہیں تو پھر میں ہمیشہ کے لیے یہاں آ جاؤں گی)

بڑی اماں نے سکون کا گہرا سانس لیا۔ خلافِ معمول وہ زیادہ دیر الجھی نہیں۔

"بڑی اماں! پھر میں ان کے ساتھ ہی گھر چلی جاؤں گی۔ کل پرسوں پھر آ جاؤں گی۔ بس دو دن اکیلے میں دل بہت گھبراتا ہے۔"

"جم جم آؤ...... مگر اس دھیان سے کہ تمہارے میاں اور ساس سسر کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ وہ خوشی خوشی اگر اجازت دیں تب تو سر آنکھوں پر...... مگر ان سے بگاڑ کر یہاں پڑاؤ ڈالنے کی ضرورت نہیں۔"

"آو...... گویا یہ قیام گاہ تھی اب یہاں پڑاؤ ہوتے ہیں" اظہار نے شرارت سے کہا اور ساتھ ہی کن انکھیوں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"یہ ابھی بھی میری قیام گاہ ہے۔ میں جب چاہے اس قیام گاہ میں مستقل آ سکتی ہوں۔ یہ میرے باپ کا گھر ہے۔ سمجھے جناب" ریبا نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ بے دھڑک بے نیاز درست بات کہنے کا انداز۔

"باپ کا گھر" بڑی اماں سارا زور ٹوٹ گیا۔

"بس...... اچھی باتیں منہ سے نکالنے سے گرد سے بچھو جاتا ہے۔ ادھر میرے پاس آ ریبا" ریبا نے بڑی اماں کے لہجے کی نرمی کو نیا پن محسوس کیا اور بڑی شرافت سے ان کے قریب بیٹھ گئی۔ بڑی اماں نے بہت شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"تو تو میری بہت دلاری بچی ہے۔ بڑی اماں واری صدقے جائے۔ بھولی سی بچی پر۔ بیٹے! اچھی اچھی باتیں کرنے سے انسان بے کار کی مشکلوں سے بچا رہتا ہے۔ بڑی "سہولت" رہتی ہے دل و دماغ پرسکون رہتے ہیں۔ کبھی بھی بنی بنائی کو بگاڑنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے۔ اسے شر کہتے ہیں۔ کوشش یہ ہونا چاہیے جو بنا ہے اسے اور سنواریں اور جو بگڑ رہا ہے اسے سنبھالنے کی کوشش کریں۔ تو ہوائی ہوائی بول جاتی ہے اور میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ اللہ سدا سہاگن رکھے میری بچی کو۔ اس کے سارے شوق ارمان پورے ہوں۔"

بڑی اماں کی آنکھوں سے چند آنسو ٹپک کر چہرے کی سلوٹوں میں گم ہو گئے۔

"بڑی اماں! مجھ سے بن بن کر دکھاوے کی باتیں نہیں ہوتیں اور نہ میں غلط کو صحیح کہہ سکتی ہوں۔ میں تو جب تک صاف صاف بات نہ کروں میرے پیٹ میں گولے اٹھتے رہتے ہیں۔ آخر سب لوگ صحیح سے کیوں نہیں رہتے۔ کیوں الٹا سیدھا کر... سیدھی سیدھی زندگی کیوں نہیں گزارتے۔ پلاننگ سازش جھوٹ چغلی بس اس طرح کے کاموں میں اسپری شیٹ کرتے رہو...... خوش و نا...... مجھے تو یہ سب بزدلی لگتی ہے۔ جن میں ہمت ہوتی ہے وہی صاف صاف بات کرتے ہیں۔"

"تو بچی تو نے کون سا فوج میں نوکری لینا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ اس طرح رہیں کہ خود بھی آرام سے ہوں دوسروں کو بھی چین ہو۔ سچی بات کا فائدہ جس کے بعد شر فساد شروع ہو جائے۔ اللہ کا شکر ہے میاں اچھا ہے۔ ساس سسر ارمانوں سے ساتھ لے کر گئے ہیں۔ گھر میں ہر طرح سے فضل ہے اور تجھے کیا چاہیے۔ اللہ نظر بد سے بچائے رکھے۔" بڑی اماں محبت سے اس کی پشت سہلانے لگیں۔

"وہ تو (صحیح) ہے بڑی اماں۔ بعض سچ ایسے ہوتے ہیں اگر نہ بولے جائیں تو کسی کے ساتھ بڑی زیادتی ہو جاتی ہے اور ضمیر بھی لعن طعن کرتا رہتا ہے۔ اپنے فائدے کی خاطر کسی کو نقصان بھی تو نہیں پہنچانا چاہیے"۔ بڑی اماں کی شفقت بھری سہلاہٹ اس کے موڈ پر اثر انداز ہو چکی تھی۔ اظہار نے بہت محبت سے اپنی بے وقوف بہن کو دیکھا تھا۔ (کتنی اچھی لگ رہی ہے انسانیت کے

جا سکیں۔)

"تمہاری بات غلط نہیں ہے۔ بعض اوقات کڑوے گھونٹ بھرنے پڑ جاتے ہیں بچی! اللہ معاف کرے۔ بس تم اپنے گھر میں خوش رہنے کی کوشش کرتی رہو۔ اللہ اچھا کرے گا۔ دن رات تمہارے سکھ چین کے لیے دعا کرتی ہوں۔"

"میری بچی! کڑی آزمائشیں تجھ پر بے خبری کے زمانوں میں گزر گئیں۔ یہ بھی اچھا ہوا جو ہونا تھا وہ تو ہونا ہی تھا۔ بس اب میری بچی کا باغ ہرا بھرا ہو۔ میری پونجی یہی ہے۔" بڑی اماں کا لہجہ بھرا گیا۔ انہوں نے ریبا کو اپنے شانے سے لگا کر اس کی پیشانی چوم لی۔

اظہار نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"خیر اللہ کا شکر ہے میں تو پھر بھی اچھی ہوں۔ ماہ نور آپی تو ماں باپ کے ہوتے ہوئے ان سے محروم ہو گئی ہیں۔ آپ میری فکر نہ کیا کریں۔ بڑی اماں خوش رہا کریں۔ آپی کو کتنا دکھ ہوگا۔ میرے پیچھے تو خیر اللہ کے پاس"۔

بڑی اماں نے ریبا کے شانے سے سر ٹکا کر بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔ بجائے اس کے کہ اظہار بڑی اماں کو چپ کرانے کی کوشش کرتا چور کی طرح اٹھ کر لاؤنج سے باہر چلا گیا۔ جمال ہونقوں کی طرح بڑی اماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بڑی اماں! کیوں رو رہی ہیں؟ آپی یاد آ رہی ہیں؟ دکھ تو سب ہی کو ہے مگر ان کی تو شادی ہو چکی ہے۔ یوں سمجھ لیں وہ شادی کے بعد لندن یا امریکہ چلی گئی ہیں۔ اب ہو بھی کیا سکتا ہے۔ پلیز مت روئیں۔ رونے سے تو اچھا ہے آپ مجھے ڈانٹ لیں۔ میں آپ کی ڈانٹ کا برا تو نہیں مانتی۔ پلیز بڑی اماں"۔

ریبا انہیں گلے سے لگا کر چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اپنی ہتھیلی سے ان کے آنسو پونچھ رہی تھی۔

"بچی جب دل پہ بہت بوجھ بڑھ جاتا ہے تو آنسو آ ہی جاتے ہیں۔ تو پریشان نہ ہو۔ ایسے ہی رونا آ گیا ہے۔ اچھا ہے جی ہلکا ہو جائے گا۔" وہ روتے روتے کہہ رہی تھیں۔

"جی دادی جان! ریبا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ انسان کو بھی فیوچر پر نظر رکھنا چاہیے۔" اس نے بھی اسی سال کی بڑی اماں کو فیوچر کی طرف رغبت دلانے کی کوشش کی۔

"ارے جمال! جان کو روگ لگے ہوں تو کہاں کے "فیوچر"۔" وہ گویا جل کر بولی تھیں۔

"یہ بات بھی ٹھیک ہے دادی جان" جمال نے بے بسی سے کہا۔

"جاؤ بچی...... شام کے لیے اپنے کپڑے وغیرہ رکھ لو۔ مومن کے آنے سے پہلے تیار ہو جانا۔ جاؤ شاباش۔ اللہ نصیب اچھا کرے۔" بڑی اماں خود پر خاصی حد تک قابو پا چکی تھیں۔

☆☆☆☆☆

ریبا خاصے عرصے بعد بہت موڈ میں تیار ہوئی۔ واش روم میں بھی خاصی دیر لگائی جیسے خود کو خوب مانجھا رگڑا ہو۔ بالوں میں انڈے کی زردی اور دہی لگا کر گھنٹہ بھر پھری تھی اس لیے شیمپو کرنے کے بعد بالوں پر عجیب سا نکھار اور چمک تھی۔ کسی ماسک کسی اسکن تھراپی کی تو اسے ضرورت ہی نہیں تھی۔ ابھی جس عمر میں تھی وہ تازگی کے لیے کسی بیرونی عمل کی محتاج نہیں ہوتی۔ اچھی طرح نہا دھو لینے ہی سے انگ انگ چمک اٹھا تھا۔ وائٹ کشیدہ کاری سے سجا میرون جوڑا ساٹن کا کرتا۔ میرون دو پاٹ شیفون کا ملٹی دوپٹہ سفید شلوار پہن کر جب وہ بڑی اماں کے سامنے آئی تو وہ نظر چرا گئیں۔ مبادا ان کی نظر لگ جائے اور دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہا۔

"کاجل سرخی بھی لگا لو خیر سے بیاہتا ہو"۔ انہوں نے ٹوکا۔

"کاجل مجھے اچھا نہیں لگتا بڑی اماں"۔ اس نے منہ بنایا۔

"آنکھیں سج جاتی ہیں۔ کانوں میں بھی کچھ ڈال لو۔" مزید ہدایات جاری ہوئیں۔

ریما کو بڑا عجیب سا لگا۔ شادی سے پہلے تو بڑی اماں اس کے میک اپ کرنے پر ناراض ہو جاتی تھیں کہ کنواری بچیاں اتنی ٹھوپا ٹھاپی کر یں تو چہرے پکے ہو جاتے ہیں۔ خراب لگتی ہیں۔ اور کون دیکھ رہا ہے ان کا پہننا اوڑھنا سجنا سنورنا۔"

شاید سون نے ساتھ باہر جانے کی خوشی نہیں تھی۔ شاید طویل ڈپریشن سے چھٹکارا پانے کی لاشعوری کوشش کی تھی۔

بہر حال اس نے بڑی اماں کی بات مان لی۔ کاجل کی لکیر بھی آنکھوں میں کھینچ لی اور تیز میرون لپ اسٹک بھی لگا لی۔ کانوں میں ڈائمنڈ کے چمکتے نگینے لڑی دار آویزے بھی ڈال لیے۔

جس وقت سون گھر میں داخل ہوا وہ مکمل طور پر تیار تھی۔ لطیف خوشبوؤں کے حصار میں گھری سون کو اس پر نگاہ ڈال کر حیرت آمیز خوشی ہوئی تھی۔ یقیناً نہیں آیا تھا کہ اتنے اہتمام سے تیار ہو کر اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"آر یو ریڈی ریما؟" وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔ بے یقین لہجے میں مبادا آگے سے یہ جواب نہ مل جائے کہ میں اپنی کسی دوست کے ہاں فلاں سیریمنی میں انوائٹڈ ہوں۔

"لیس..... آف کورس..... میں بالکل تیار ہوں مگر میرے پاس وہائٹ پارٹی ویئر نہیں ہے۔ براؤن ہے وہی لے لاؤں؟" وہ یوں پوچھ رہی تھی گویا ان کے مابین تعلقات میں کبھی کوئی اونچ نیچ نہ آئی ہو۔

"ابھی راستے میں کہیں سے لے لیتے ہیں۔ تم دیکھ لو اور کون کون سے کلر کے پارٹی ویئر نہیں ہیں تمہارے پاس۔ سب لے لینا۔"

"بڑی اماں کدھر ہیں؟ انہیں سلام تو کر لوں۔"

"اپنے کمرے میں ہیں۔" ریما نے جواب دیا۔

"آپ کچھ نہیں لیں گے؟" ریما نے آگے بڑھتے ہوئے سون کو ٹوکا۔

"نہیں باہر جا رہے ہیں ناں کھانے پینے بس ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلا دو۔ بڑی خواہش ہے بیوی کے ہاتھ سے پانی پینے کی۔ اب تک خود ہی جا کر گلاس بھر کر پیتا ہوں۔" سون مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"جی نہیں..... ایک مرتبہ رات کو جب آپ کی طبیعت خراب تھی تب میں نے پلایا تھا پانی۔" ریما نے یاد دلایا۔

"اچھا جی..... ہو گی..... مجھے یاد رکھنا چاہیے تھا۔" وہ شریر انداز میں بولا اور آگے بڑھ گیا۔ ریما پانی لینے چلی گئی۔

دس پندرہ منٹ بڑی اماں سے باتیں ہوئیں۔ کچھ دیر حال احوال، خیر خیریت ہوئی پھر وہ ریما کو لے کر باہر آ گیا۔

لگژری اے سی کار..... خوبصورت خوش لباس جیون ساتھی۔ دونوں کے لباسوں سے اٹھنے والی ملی جلی خوشبوئیں۔ ریما نے یہ سب بھرپور طریقے سے محسوس کیا۔

"ریما! آج کوئی ٹینشن والی بات نہیں ہو گی۔ صرف اچھی اور رومانی باتیں ہوں گی۔ مجھے محسوس ہوتا ہے اگر میں نے اس ڈپریشن سے چھٹکارا حاصل نہ کیا تو میرے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔ میرے فزیشن نے مشورہ دیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت اپنی خوبصورت بیوی کے ساتھ گزارو۔ صرف پیار محبت کی باتیں کرو۔"

اس نے شرارت بھری نگاہ ریما کے چہرے پر ڈالی۔ ریما کے چہرے پر حیا کے رنگ اترنے لگے۔

"ویسے میں زیادہ انگریزی گانے سنتا ہوں۔ آج تمہاری کمپنی انجوائے کرنے کے لیے یہ کیسٹ خریدی ہے۔" سون نے ایک کیسٹ اٹھا کر اسے دکھائی اور ٹیپ ریکارڈر میں لگا کر ٹیپ آن کر دیا۔

میری زندگی کے مالک میرے دل پہ ہاتھ رکھ دے
تیرے آنے کی خوشی میں میرا دم نکل نہ جائے

گانا شروع ہوا تو ریما پر حیا کا دورہ نئے سرے سے یوں پڑا گویا سون اس کے لیے خود گا رہا ہو۔

"میری لائف ابھی تک وداؤٹ رومانس رہی ہے لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ بیوی سے رومانس کرنا زیادہ انجوائے فل ہے۔ نہ کوئی جھجک نہ ڈر کا وٹ نہ زمانے کا خوف نہ کسی نتیجے کی گھبراہٹ کیا خیال ہے؟ بلیک شیشوں کی گاڑی میں تو کچھ اور بھی کیا جا سکتا ہے۔" وہ واقعی آج بہت موڈ میں تھا۔

ریما کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ وہ اپنی ہتھیلیاں مسلنے لگی۔ دھیمے سروں میں بجتا گیت ماحول کو مکمل طور پر رومانی بنا رہا تھا۔

کچھ دیر کے لیے ذہن سے وہ سب نکل گیا جس کی بنا پر وہ اس سے ہمیشہ کے لیے دور رہ جانے کا فیصلہ کر رہی تھی۔ حالانکہ اس کا یہ اہتمام وہ فقط اطمینان حاصل کرنے کے لیے تھا۔ جو حادثے کی دھند میں گم ہو رہا تھا۔ وہ بہت اچھے طریقے سے اس سے کچھ منوانا چاہتی تھی۔ قائل کرنا چاہ رہی تھی۔

سون اسے ولیج لے آیا تھا منفرد ماحول میں لطف اندوز ہونے کے لیے۔

اس کے باوجود کہ آس پاس اچھے ہوٹلز موجود تھے۔

ولیج کا ماحول ولیج جیسا ہی تھا۔ بس مرتب شیلٹر کی خصوصیت علاوہ تھی۔ مدھم چراغوں کی روشنی۔ ایک گلوکار سامنے ہی سازوں کے ساتھ پیار کے انڈین گیت گا رہا تھا۔ بہت پرسوز اور جاندار آواز تھی۔ جس سے سارا ماحول متاثر ہو رہا تھا۔ ذرا کا گیت مردانہ آواز میں نیا پن تھا۔

ہم نے دیکھی ہے ان آنکھوں کی مہکتی خوشبو
ہاتھ سے چھو کر اسے رشتوں کا الزام نہ دو
صرف احساس ہے یہ روح سے محسوس کرو
پیار کو پیار ہی رہنے دو کوئی نام نہ دو
پیار کوئی بول نہیں پیار آواز نہیں
ایک خوشبو ہے کہ سانسوں میں رچی رہتی ہے
نہ یہ رکتی ہے نہ چلتی ہے نہ ٹھہری ہے کہیں
نور کی بوند ہے صدیوں سے بہا کرتی ہے
صرف احساس ہے یہ روح سے محسوس کرو
پیار کو پیار ہی رہنے دو کوئی نام نہ دو

"کتنے لکی ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں ایسی خالص بھرپور محبت کے احساس سے خوشی ملتی ہے۔ کہاں ہوتے ہوں گے یہ چاہنے والے۔ کیا روپ ہوتا ہو گا۔ کس لہجے میں بولا کرتے ہوں گے؟" سون نے اس کی طرف جھکتے ہوئے بڑے پیارے لہجے میں کہا

آپ نے یہ مشہور زمانہ شعر نہیں سنا۔

دل تو کیا ہم روح میں اترے ہوئے
تم نے چاہا ہی نہیں چاہنے والوں کی طرح

"یہ تو بارگیننگ ہے۔ میں تو اس گیت میں چھپے خیال کو ڈسکس کر رہا ہوں۔ محبت میں لو اور رد کے پیمانوں کی کنڈیشنز کب ہوتی ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ محبت زبردستی تخلیق نہیں ہو سکتی۔ یہ تو خدا کی مہربانی سے دل میں اترتی ہے اور پاؤں جماتی ہے۔ کسی انسان کے لیے یہ خدا کا عظیم ترین گفٹ جو جانے اس کی کس کوالٹی کے صلے میں عطا ہوتا ہے" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اتنی مشکل باتیں ایسی ثقیل فلاسفی۔ میرے تو سر سے گزر جاتی ہے" ریبا نے اپنا سر تھام کر کہا جیسے سن کر ہی تھک گئی ہو۔

"تم کسی فلسفے کے نتیجے میں مجھ سے محبت نہیں کرو گی۔ میرے مقدر میں ہو گی تو یونہی مل جائے گی۔ ایسے سچی بات ہے کہ پیاس بڑی ہے۔ میں نے تمہیں اتنا تو پا لیا ہے کہ ایک خالص سچی اور بہت نازک سی میرے حصے میں آئی ہے جو ایک صاف سلیٹ جیسا دل رکھتی ہے۔ یہ میری لک ہے اس لیے میں تمہیں اپنا لانا ہی سمجھتا ہوں۔"

وہ بہت واضح اور صاف بات کر رہا تھا۔ اردگرد چکراتے دھوئیں کے بادل اس کی بے ساختگی نے اڑا دیے تھے۔ اس وقت اس کی تصویر بہت صاف تھی۔

ریبا کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ جو کہنا چاہ رہی تھی اس کے لیے اسے سرا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے پکڑے۔ بات کا آغاز کس طرح کرے۔ دماغ میں سارے نکات گڈمڈ ہو رہے تھے۔

ویٹر بغل سے چپک کر کھڑا ہو چکا تھا۔ مون ریبا سے پوچھنے لگا۔ ریبا مینو کارڈ سرسری سے انداز میں دیکھ رہی تھی۔

"جو دل چاہے منگا لیں۔ میرے لیے کوئی سی بھی رائس کی ڈش کھانے کے بعد آئس کریم۔ بس" اس نے جواب دیا۔

"بس.....؟ پرانز پسند ہیں تمہیں؟" اس نے ریبا سے پوچھا۔

"ار..... نہیں..... پلیز..... پرانز دیکھ کر تو میرے جسم پر پرانز رینگنے لگتے ہیں۔" اس نے جھرجھری لی۔

مون بے ساختہ ہنس دیا۔ "مائی گاڈ فنی۔ لوگ تو مرے جاتے ہیں پرانز کے لیے اور شاید سب سے مہنگی ڈش بھی یہی ہوتی ہے۔"

"اپنی اپنی پسند ہے" ریبا نے شانے اچکائے۔

"اور فش.....؟"

"فش کھا لیتی ہوں مگر اس وقت موڈ نہیں۔"

"فش کے لیے بھی موڈ کی ضرورت ہوتی ہے؟ او گاڈ" وہ پھر ہنسا۔

مون نمبر بولنے لگا۔ یعنی کہ اب اس سے مزید کچھ پوچھنا بے کار تھا۔ ٹیبل بھر جائے گی تو کچھ نہ کچھ کھا ہی لے گی۔

ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا۔ اب انتظار کے مرحلے سے گزر رہا تھا۔ گلوکار لتا کا ایک اور بار کا سدابہار گیت چھیڑ چکا تھا۔

ہوا میں اڑتا جائے مورا لال دوپٹہ ململ کا

مورا لال دوپٹہ ململ کا ہو جی ہو جی

خالص دیہاتی گیت مردانہ آواز میں بہت ہی دلچسپ لگ رہا تھا۔ ریبا سب کچھ بھول بھال کر اس طرف متوجہ ہو گئی۔

"تم نے کبھی گایا ہے؟ کسی نے تمہاری آواز سن کر کہا کہ آواز اچھی ہے؟" مون نے اپنی جانب متوجہ کیا۔

"توبہ..... میری آواز..... پھٹا بانس..... ایک مرتبہ گا کر گنگنا رہی تھی تو اظہار بھائی بولے۔ ابا تمہارے [illegible] بیگم کا گلا خراب ہو گیا ہے۔ ایسا دل ٹوٹا کہ کبھی گنگنانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔"

مون نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ "گڈ!"

"بہت خوفناک حد تک سچ بولتی ہو۔ کبھی جھوٹ بولا؟" مون خوشگوار موڈ میں پوچھ رہا تھا۔

"جھوٹ نہیں بولا جاتا مجھ سے۔ اس لیے کہ مجھے سچ بولتے ہوئے ڈر نہیں لگتا۔ اسی لیے سب سے زیادہ ڈانٹ بڑی اماں سے میں نے کھائی ہے۔ اظہار بھائی مظہر بھائی جب بھی بڑی اماں سے جھوٹ بولتے تب پھنسوا دیتی۔ سچی بات ہے سچ بولتے ہوئے بہت انجوائے کرتی ہوں اسی لیے جب سے مون....."

"پلیز ریبا.....! آج کچھ نہیں ہم صرف اپنی باتیں کریں گے۔ ٹینس کر دینے والی بات نہیں۔ ریبا آج مجھے اپنی کمپنی انجوائے کرنے دو۔ پلیز"

"ہٹ تیرے کی۔ یہاں تو سارا پروگرام ہی کلپٹ ہو گیا۔ ان پر تو آج کوئی نیا ہی دورہ پڑا ہے۔ مجھ سے اب خاک کھانا کھایا جائے گا" اس کا سارا موڈ خراب ہو گیا۔

"اصل میں جھوٹ کا مطلب کوئی نقصان ہے۔ یعنی سوچ سمجھ کر حقیقت چھپانے کا گناہ۔ ایک پی سی تو چھپ جاتی ہے کہیں۔ کبھی بچپن میں بڑی اماں مجھے کیری کھانے سے منع [illegible] تمہارا گلا خراب ہو جاتا ہے کھانسی ہوتی ہے تو میں بھی [illegible] کہ میں کیری نہیں کھاؤں گی۔ بڑی اماں کا کہنا [illegible] کر جب اسکول میں کوئی [illegible] کیری کھاتے تو میرا بھی دل چاہتا کھانے کو۔ مجھے خیال آتا [illegible] بڑی اماں [illegible] کیری تو نہیں کھائی تو میں [illegible] نہیں۔ اس نے ساتھ [illegible] ایک سے [illegible] ہو جاتی۔ تنگ [illegible] فیصلہ کرتی [illegible] بڑی اماں کی [illegible] بڑی توجہ [illegible] کے ساتھ ہی دل اندر کی بے چینی ختم ہو جاتی۔ ڈانٹ ہی تو پڑے گی جان سے تو نہیں ماریں گی بڑی اماں۔ اسی جھوٹ سچ کے [illegible] مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔ آپ مجھے مت روکیں۔"

ریبا بولتے بولتے پھر اپنے مشن پر واپس آ گئی۔

"آج نہیں۔ آج کوئی پیچھے تنگ کرنے والی بات نہیں۔ آج مجھے تم سے صرف خوشی چاہیے۔"

"تو پھر آپ مجھے کھانا کھلا کر واپس بڑی اماں کے پاس چھوڑ دیجئے گا۔" اس کا موڈ خراب ہو گیا۔

"پہلے کھانا کھا لیں پھر سوچیں گے۔" وہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا جہاں سے ویٹر کی آمد متوقع تھی۔

گلوکار نے اگلا گیت شروع کر دیا تھا۔ کسی طرف سے فرمائشی چٹ آئی تھی۔

تو نے..... ہائے میرے زخم جگر کو چھو لیا

"مائی گاڈ..... یہ گیت تو واقعی جگر کے زخم کو چھو لیتا ہے۔" مون نے بے ساختہ کہا۔

"اف انگلش میڈیم کا اردو گیتوں پر تبصرہ۔" ریبا نے سر تھام لیا۔ مون ہنس دیا۔

"ویسے تم بہت تھوڑے عرصے میں بڑی میچیور سی لگنے لگی ہو۔ بہت احتیاط سے بات کرتی ہو۔ سوچ سمجھ کر جواب دیتی ہو۔ بہت کُول ہوتا ہے یہ چینج۔ حالانکہ ابھی تو پھول بن کر کھلی بھی نہیں ہو۔" وہ شریر ہوا۔

"پہلے کچھ پتا ہی نہیں تھا۔ کھانا سونا لڑنا جھگڑنا...... اس کے علاوہ زندگی میں کوئی کام نہیں ہی تھا۔ پہلے آپی والا ایکسیڈنٹ پھر"۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔

"اگر انسان کی زندگی میں حادثے نہ ہوں تو شاید وہ ساری زندگی بے خبری سے گزار دے۔ کسی پالتو جانور کی طرح۔ کبھی کھانے کبھی کھڑا کبھی بیٹھا کبھی سویا۔ میں نے تو گزرے چند دنوں میں اتنا سوچا ہے کہ ساری عمر میں اتنا نہیں سوچا۔ اتنا غور و فکر کہ دماغ جیسے چٹخنے لگا۔ اپنی عمر کے تیس چالیس سال چند گھنٹوں میں پار کر لیے۔ پہلے تو جیسے زندگی کا مطلب یہ تھا کہ گھر والوں کی بہت سی محبتیں گھر میں ضرورت کی ہر چیز موجود نیند آئی سو گئے۔ میری تو نیند بھی ایسی تھی کہ جدھر آ جاتی وہیں پڑ کے سو جاتی۔ بڑی اماں ناراض ہوتیں کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کر سکتیں۔ کم سے کم ڈھنگ سے سو تو جایا کرو۔ اب تو بستر پر لیٹ کر بھی دیر تک نیند نہیں آتی"۔ وہ بہت سنجیدہ نظر آئی۔

"تو پرابلم...... ایک وقتی بات تھی۔ اب ان شاء اللہ پہلے کی طرح سویا کرو گی۔" مون نے معنی خیز لہجے میں تسلی دی۔

"کہاں کی نیند...... ہر وقت تو اندر ایک جنگ سی چھڑی رہتی ہے۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اب بہت سی سنجیدہ اور بور باتیں آخر دو پر اٹھا رکھو۔ ہو سکتا ہے اب یہ باتیں کرنے کی نوبت ہی نہ آئے"۔ مون کا انداز و لہجہ ہنوز وہی تھا۔

"اچھا!!" ریبا بے دلی سے ہنس پڑی۔

"تو پھر آپ مجھے واپسی میں بڑی اماں کے پاس چھوڑ دیں گے ناں؟" اس نے تسلی خاطر کے لیے پھر پوچھا۔

"ابھی کھانا کھاتے ہیں پھر نیکسٹ پلان کرتے ہیں۔"

وہ داخلی گیٹ کی طرف دیکھنے لگا جہاں کافی افراد گروپ کی شکل میں داخل ہوتے نظر آئے۔ عجیب غریب کٹ کے بالوں والی لڑکیاں ٹی شرٹس اور جینز میں ملبوس۔ اپنی دانست میں بڑے منفرد ہیئر اسٹائل بنائے ہوئے چار پانچ لڑکے جن میں سے ایک کی جین اتنی ٹائٹ تھی جیسے تلوار پر غلاف چڑھا ہو۔ دبلے پتلے لڑکے کی سوکھی سوکھی ٹانگیں دیکھ کر ہنسی آ رہی تھی جیسے دو بانسوں پر دھڑ رکھا ہوا ہو۔

"تم اچھی خاصی سلم ہو مگر تمہاری ٹانگیں اس ماڈ لڑکے سے تو موٹی ہوں گی۔" مون نے بہت آہستہ آواز میں ریبا سے مذاق کیا۔

"پتا نہیں بے چارہ اتنی تکلیف کس خوشی میں اٹھا رہا ہے۔" ریبا کو بھی گدگدی ہو رہی تھی۔

اب وہ گروپ ادھر ادھر نظر دوڑا کر کوئی بڑی ٹیبل تلاش کر رہا تھا۔ ان کی آمد سے ماحول میں تیز خوشبوؤں کا ایک طوفان امڈ آیا تھا۔ پہلے سے موجود لوگ خود بخود ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"اف اتنی دیر کھانے میں۔ کیا بازار سے سودا لا کر پکا رہا ہے کک۔" ریبا طویل انتظار سے اکتا گئی۔

"اتنا ٹائم تو لگ جاتا ہے۔ اظہار وغیرہ کے ساتھ باہر کھانا کھاتی تو ہو گی شادی سے پہلے"۔

"نہیں...... بس آئس کریم یا فالودہ کھانے کی اجازت تھی۔ بڑی اماں ہوٹل میں کھانا کھانا پسند نہیں کرتیں۔ کہتی ہیں کھانوں میں ذائقہ بھی نہیں ہوتا۔ دوسرے اتنا مہنگا پڑتا ہے کہ اتنے پیسوں میں گھر بھر دونوں کھانا کھا لے گھر میں پکا ہوا۔" ریبا نے

بغیر ہچکچاہٹ جواب دیا۔

ریبا کے خاموش ہوتے ہی ویٹر ٹرے لے کر آ گیا۔ مگر ابھی صرف خالی برتن آئے تھے۔ وہ ٹیبل پر پلیٹیں کانٹے چمچ سیٹ کرنے لگا۔

ریبا کے دماغ کو کچھ سکون ہوا۔ دل کو تقویت ہوئی۔

"کسی دن آپ کو جنگلی ہوٹل لے کر جائیں گے سرسوں کے ساگ کا سیزن آ جائے۔ ساگ روٹی کھانے۔"

"نو بپ... جنگلی ہوٹل۔ وہاں وہ ٹرک ڈرائیور مزدور وغیرہ کھانا کھا رہے ہوتے ہیں۔ ان کے بیچ بیٹھی ہوئی کتنی عجیب لگوں گی اور پھر ایسی کیا مصیبت آئی ہے کہ میں جنگلی ہوٹل میں کھانا کھانے جاؤں؟" ریبا نے منہ بنا کر صاف انکار کر دیا۔

"ابھی جنگلی ہوٹل میں کھانا کھانا! ابھی جینٹری میں فیشن ہے۔ موٹرز کے لوگ تک آتے ہیں۔ بڑی انجوائے منٹ رہتی ہے وہاں...... چلو گی تو دیکھنا"۔

اب ویٹر کھانا لے آیا تھا۔ مختلف ڈشز سلاد رائتہ اور پھر کھانوں کی خوبصورت ڈریسنگ ریبا کو ایک دم سے بھوک کا احساس ہوا۔

"رات کا کھانا ہم باہر ہی کھایا کریں گے ریبا! تم واقعی دن بھر اتنے بڑے گھر میں اکیلی بور ہو جاتی ہو گی۔" مون نے ایک نوالہ اٹھا کر اس کے سامنے کیا۔

ریبا کی زبان میں پھر کھجلی تو ہوئی مگر کھانے کی وجہ سے اس نے موخر کر دیا۔

"ظاہر ہے بے کاری تنہائی بور ہی تو ہوتی ہے۔" بہر حال وہ بولے بنا نہ رہ سکی۔

"کوئی بات نہیں کچھ دنوں کی بات ہے۔ ہم تمہیں مصروف کر دیں گے۔"

مون کا لہجہ معنی خیز تھا۔ ریبا نے اس کے لہجے کی خاص تبدیلی پر چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر نظریں جھکا لیں کیونکہ وہ اس کے چہرے کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

فرزانہ کی عادت تھی کھانا کھانے کے بعد فوراً عشاء کی نماز کے لیے کھڑی ہو جاتی تھی۔

ماہ نور کھانے کے برتن دھو کر استانی عائشہ کے پاس آ گئی۔ مظاہر تو استانی سے سلام دعا کر کے اور یہ وعدہ کر کے سلام کو چلے گئے تھے کہ کل وہ انہیں ساتھ لے کر راجی کے پاس ناظم آباد جائیں گے۔ ماہ نور اور فرزانہ بھی ساتھ چلیں گی۔

"آؤ ماہ نور! میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ تم آج مجھے بہت گم صم نظر آ رہی ہو۔ فکر مندی۔ کیا سوچ ہے بیٹی؟" وہ پوچھنے لگیں۔

"آپ کو اندازہ تو ہو گا کہ کیا سوچ رہی ہے۔ رونے کا تو دکھ ہی پہاڑ ہے جو اٹھایا نہ جائے۔" وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

"یہ محض تمہاری سوچ ہے۔ کوئی رونے کا نہیں ہے۔ وہ تو ایسی زندگی کا عادی ہے۔ کھلم کھلا سب کچھ کرتا ہے کرتا رہا ہے۔"

"لیکن مجھے تو اندازہ نہیں تھا کہ مجھے ایسی باتوں کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ اتنی ڈھٹائی سے میرے سامنے عورتوں سے دوستیاں نبھائے گا۔ میں اتنا کچھ برداشت کر چکی ہوں اب کچھ برداشت نہیں کروں گی۔ اس کے مزاج ٹھکانے لگا دوں گی۔ چھوڑ

دل کی نہیں؟"۔

"اعوذ باللہ...... استغفر اللہ...... یہ کفریہ جملے ہیں۔ پناہ مانگو اللہ سے۔ مہلت دی ہوئی ہے اس نے اپنی برابری کرنے کے لیے نہیں توبہ کرنے کے لیے۔ سامنے لمبے پروگرام بنا رہی ہو۔ پل کی خبر ہے؟" استانی نے جیسے دہل کر اسے ٹوکا۔

"دکھ کی گھڑیوں میں توبہ استغفار کی جاتی ہے۔ کردہ ناکردہ گناہوں کی بخشش مانگی جاتی ہے۔ انجانے میں کیے گئے شرک سے پناہ مانگی جاتی ہے۔ جب جان پہ بن پڑتی ہے۔ کیا عجب اسے توفیق دے دی جائے اور اس کا شمار تم سے بہتر لوگوں میں ہونے لگے۔ دفتر میں اس کا نام بخش دیے جانے والے بندوں میں لکھ دیا جائے۔"

"وہ اپنے معمول کی زندگی گزار رہا ہے۔ دھوکا تو تب ہے جب تم سے چھپ کر وہ یہ سب کرے۔ اپنے علم و حساب سے تو اس نے تم سے وفاداری کی حد کر دی۔ تمہیں قانونی جائز وجہ بنا رہا ہے۔ شادی سے پہلے تم سے زیادتی نہیں کی۔ تم پر اعتماد ثابت کیا ورنہ اگر کوئی عورت چند راتیں گھر سے باہر تنہا گزار دے۔ عمر بھر کا اعتبار کھو دیتی ہے۔ جلتی آگ پر بھی بیٹھ جائے تو بھی اپنی اس بھول کو زائل نہیں کر سکتی۔ اس نے تمہیں کچھ نہیں کہا۔ کوئی شک ظاہر نہیں کیا یا کیا ہے؟" وہ رک کر ماہ نور سے پوچھنے لگیں۔

ماہ نور نے ہچکچاتے ہوئے نفی میں گردن ہلا دی۔

"بڑی بات ہے۔ ضروری نہیں کہ تنہا گھر سے چلی جانے والی عورت اپنی نفسانی خواہش سے مغلوب ہو کر کچھ کرے۔ عورت خوبصورت ہو جوان ہو تنہا ہو تو کوئی بھی بری نیت سے اس پر غالب آ سکتا ہے اور مرد کی فطرت یہ ہے کہ عورت خود سے بھول کر جا... یا کوئی اس کے ساتھ زیادتی کرے معاف نہیں کرتا۔ روئے زمین پر ایسے حادثات کے بعد قتل و غارت گری ہو جاتی ہیں۔"

"نہ کسی نے تم پر بہتان لگایا نہ تمہارے شوہر کی دل کی آزمائش ہوئی۔ اسے احساس تھا وہ تمہارے ساتھ زبردستی کر رہا ... رہی ہو۔"

"...نہ کا رابطہ قائم رکھو۔ وہ تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا"۔ انہوں نے اسے تسلی دی۔

"وہ تو ٹھیک ہے خالہ جان! مگر اس طرح کی عورت کو جب وہ مجھ پر ترجیح دیتا ہے تو مجھے اپنی ہتک محسوس ہوتی ہے۔ کم ... عورت کی اذیت نہیں سمجھ سکتی"۔ ماہ نور نے صاف گوئی سے کہا۔

"تم غلط نہیں ہو مگر وہ سب تمہارے ساتھ انتقاماً تو نہیں کر رہا؟ اپنی دانست میں تو اس کے نزدیک یہ بہادری ہے کہ وہ کچھ تم سے چھپا کر نہیں کر رہا۔ تم اس نے بگڑنے کے بجائے اچھے وقتوں میں پاس بیٹھ کر سہولت سے اسے سمجھانے کی کوشش کرو کہ تمہیں دوسری عورت کو اس کے ساتھ دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے"۔

"اس طرح تو وہ سمجھے گا کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں"۔ وہ ... بولی۔

"اگر محبت نہیں ہے تو پرواہ کیوں کرتی ہو۔ تمہاری بلا سے وہ کسی کے بھی ساتھ رہے کہیں رہے"۔ استانی بے ساختہ مسکرانے لگی تھیں۔

"اس نے جو کچھ ظاہر کیا تھا اسے اس پر قائم نظر آنا چاہیے۔ میں نے تو کبھی اس کا کبھی ... نہیں کیا"۔

"وہ اس پر قائم ہے۔ خدانخواستہ دوسری شادی کا پروگرام تو نہیں بتا رہا؟" ... طرح مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"اس کو ایسے انسان کو شادی کی کیا ضرورت۔ اب آپ کا اس سے ... ہو تو اسے سمجھا دیجئے اگر وہ اس کے ساتھ آئندہ میرے سامنے آئی تو میں اپنے طور پر عدالت سے خلع کی ڈگری لے لوں گی"۔

"بری بات بچی بس کرو اب"۔ استانی نے اس کا بازو کھینچ کر اپنے پہلو سے لگا لیا۔

"ایسی بات پھر کبھی منہ سے نہ نکالنا۔ بہت دربدری کے عذاب اٹھا لیے۔ قمرالنساء جیسی ماں کا سایہ تمہارے سر پہ ہے۔ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ کل ابا جی کے پاس جائیں گے ان سے بھی دعا کے لیے کہیں گے"۔

وہ اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔ اسی لمحے کال بیل بج اٹھی۔ ماہ نور گیٹ کھولنے کے لیے اٹھی۔ "ایک منٹ ابھی آتی ہوں"۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ رات کا وقت ہے۔ پاشا کی وجہ سے کچھ نہ کچھ ہونے کی توقع رہتی ہے بیٹا کوشش کیا کرو کہ رات کے وقت گیٹ تم نہ کھولو۔ اس لائن میں دشمنیاں بھی بہت خطرناک ہوتی ہیں۔ احتیاط ایمان کا تقاضا ہے بچی"۔

وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولیں۔ دونوں گیٹ کے قریب آ گئیں۔

"جی کون؟" ماہ نور نے پوچھا۔

"مہمان سمجھئے۔ پاشا گھر پر ہیں؟" نسوانی کھنک دار آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔

ماہ نور نے فوراً گیٹ کھول دیا۔ سامنے پنڈلیوں سے اونچی جینز اور وائٹ ٹی شرٹ میں ایک آرٹیفیشل حسن کا نمونہ نظر آیا۔ روپ میں جگمگاہٹ اور آنکھوں میں بجلیاں تھیں۔

"جی...... اندر تشریف لائیے"۔ ماہ نور نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

"تھینکس...... مجھے جلدی ہے۔ پاشا نہیں ہے کیا" لڑکی نے اندر آنے سے معذرت کی۔

"نہیں وہ تو گھر پر نہیں ہیں"۔ ماہ نور بولی۔

"اسے بتا دیجئے گا۔ ثریا شہیدی آئی تھی۔ وہ گلشن والی کوٹھی پر بھی نہیں ہے۔ دیکھ کر آ رہی ہوں"

"آپ...... ؟" ماہ نور پر اس کی شعاعیں پوری پڑ رہی تھیں۔

"میں ثریا ہوں۔ پاشا کی بیوی"۔

زوردار دھماکے ہوئے اور ملبہ اوپر آنے لگا۔

ثریا شہیدی اپنی کار میں بیٹھ رہی تھی اور ماہ نور گویا پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی۔ منہ کھلا ہوا تھا استانی عائشہ نے گیٹ بند کر دیا اور ماہ نور کو بہت محبت سے اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

"حوصلہ رکھو بچی...... یہ سب اس کی تکلیف ہے۔ تمہارے پاؤں کے نیچے زمین ہے جم کر کھڑی ہو۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہے۔ تم پر پڑنے والی آزمائشیں بتاتی ہیں تم عام روح نہیں ہو۔ عمل کے بے شمار دروازے تمہاری دستک کے منتظر ہیں۔ میری پیاری بچی"۔ استانی عائشہ نے اس کی پیشانی چوم لی۔

ماہ نور کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

استانی اسے تھام کر اندر کی طرف چل پڑیں۔

ماہ نور اپنے ارادے سے چل تو رہی تھی مگر لب بستہ سوچ کی کسی اتھاہ میں اتری ہوئی تھی۔

"کون تھا؟" قمرالنساء نماز سے فارغ ہو چکی تھیں۔ کال بیل بجنے کی آواز انہوں نے بھی سنی تھی۔

"پاشا کی کوئی ملنے والی تھی"۔ استانی نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"تو آپ نے اسے کیوں خفا ہوا ہے۔" قمر النساء کا دل بیٹھ رہا تھا۔

"ویسے ہی اسے چکر سا آ گیا تھا۔" استانی عائشہ نے ماہ نور کو اپنے بازو کے گھیرے سے آزاد کر دیا۔

"آپ مجھ سے کچھ نہ چھپائیں میری محترم بہن! میں روز نت نئی خبر سننے کی عادی ہوں۔ بے خبری کا کوئی دن گزرے تو نرالی بات لگتی ہے۔" وہ دل گرفتہ انداز میں گویا ہوئیں۔

"کون تھی؟ انوشہ؟"

"نہیں، رُبا مشہدی۔" استانی نے بہت آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"اچھا! اکیلی تھی یا ماں کے ساتھ تھی؟" قمر النساء نے پرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"اکیلی تھی...... آپ جانتی ہیں اسے؟" استانی قدرے چونکیں۔

"منہاج حسین پاشا کی ماں ہوں بہن۔" زرد پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئیں۔

"کچھ کہہ رہی تھی؟" انہوں نے پھر ماہ نور کی طرف دیکھا۔

"نہیں پاشا کا پوچھ رہی تھی۔ ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔" استانی عائشہ نے جواب دیا۔

"اگر باہر ہی سے ٹل جائے تو کون سا چھپتا پھرتا ہے کسی سے۔" قمر النساء نے آگے بڑھ کر ماہ نور کا بازو تھام لیا۔

"بیٹی! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہاں سے لے کر وہاں تک ماہ نور کی حیثیت جتنی کوئی اور نہیں ہے۔ نہ میرے نزدیک اور نہ پاشا کے۔ جانے کون کون آتی رہی گی۔ تم بس اپنے آپ کو کبھی ان کے برابر کھڑی ہو کر نہ دیکھنا۔"

"اماں! اس کے علاوہ اور کتنی بیویاں ہیں پاشا کی۔ اسی طرح تھوڑے تھوڑے وقفے سے کسی نہ کسی عورت پر دل ہار جاتا ہے۔ کن پوائنٹ پر نکاح پڑھوا تا رہتا ہے؟" ماہ نور نے چبھتی ہوئی نظریں قمر النساء کے چہرے پر گاڑ دیں۔

☆☆☆☆☆

"قمر النساء نے نظریں چرانے کی بجائے ماہ نور کی آنکھوں میں دیکھا اور آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"ایسی کوئی بات نہیں بیٹی! اس کی بیوی شرعی قانونی صرف تم ہوں۔ رُبا مشہدی کا ذکر اس سے کر دیکھنا وہ سارا قصہ خود تمہیں سنا دے گا۔"

"اتنے حوصلے سے تو کوئی عورت خود کو کسی کی بیوی نہیں بتاتی۔" ماہ نور نے قمر النساء کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا۔

"ابھی آپ نے خود ہی پوچھا تھا کہ اکیلی آئی تھی یا ماں بھی ساتھ تھی۔" اس نے استانی عائشہ کی طرف دیکھتے ہوئے دلیل سے ثابت کرنے کی کوشش کی۔

"آرام سے بیٹھو بیٹی! سب کچھ سمجھا دوں گی۔ پاشا کا جو کردار ہے وہ ڈھکا چھپا نہیں قانون کا، جتنا احترام کرتا ہے وہ بھی تمہیں پتا ہے۔ یہ عورت... بڑی بزنس میکر ہے پاشا کی اس سے ملاقات تہران میں ہوئی تھی اس وقت پتا نہیں کم عمر تھا۔ یہ بہت مفلس گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ شاید مفلسی سے تنگ آ کر ہی اس نے "متعہ" کی زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پہلے پہل تو دور اسی زندگی میں مگن تھی مگر دولت کی چاٹ لگی تو دوسرے کھیل بھی کھیلنے لگی۔ اسمگلنگ چور بازاری وغیرہ۔ اس نے یہاں پاکستان میں مختلف پاشا کے سر لگا دینے تھے۔ یہ تو اللہ جانتا ہے کہ اس نے پاشا کو کس طرح پھنسایا تھا۔ پھر ایک بچہ بھی گود میں لے کر آ گئی تھی کہ یہ پاشا کا بیٹا ہے جب کہ پاشا نے مجھے قسم کھا کر یقین دلایا کہ اس نے کبھی اس طرح کی کوشش نہیں کی کہ اپنی اولاد یہاں وہاں دربدر ہونے کے لیے چھوڑ دے۔ اس نے پاشا کو بہت تنگ کیا پاشا اس کو اتنی دولت دے چکا ہے کہ ساری عمر بیٹھ کر کھا سکتی ہے مگر ہوس کا

کوئی کنارا نہیں بس اسی طرح وقفے وقفے سے کچھ نہ کچھ بٹورنے آ جاتی ہے اس کے علاوہ اس کی اور کوئی حیثیت نہیں پیسوں کی ضرورت پڑ گئی ہوگی۔ اس لیے آئی ہوگی۔ پیسے مل جائیں گے چپ چاپ چلی جائے گی تم اپنا ذہن الجھانے کی کوشش نہ کرو۔ ان لوگوں سے در گزر خود نمٹتا ہے۔ یہ عورت بہت ہوشیار بنتی ہے اپنے کسی پھندے میں ایک دن خود ہی پھنس جائے گی۔" قمر النساء بہت محبت سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

"آپ نے ٹھیک کہا بہن! ہوس کا کوئی کنارہ نہیں۔ یہ تو حدیث سے ثابت ہے کہ مال اس امت کا فتنہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا اگر آدم کے بیٹے کو دو میدان خزانوں سے بھرے ہوئے دے دیے جائیں تو یہ تیسرے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوگا۔ مال کی ہوس ایسے نقصان سے بھی دو چار کر دیتی ہے رہنا آخر میں اس کی تلافی ممکن نہیں۔" استانی عائشہ کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ وہ چپ ہو کر خود پر قابو پانے لگیں۔

تھوڑی دیر کے لیے ایک گہری خاموشی نے ماحول پر قبضہ کر لیا۔

"خدانخواستہ اگر کبھی پاشا نے اس عورت کی ڈیمانڈ پوری نہیں کی تو یہ عورت تو اسے بہت بری طرح پھنسا سکتی ہے۔" ماہ نور نے اندیشہ مند ہو کر پوچھا۔

"خدانخواستہ......" قمر النساء کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

ماہ نور کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

اسے قمر النساء کی کسی بات پر شک و شبہ نہیں تھا وہ زندگی میں آنے والے مسائل کا اندازہ کر کے شاید اپنی توانائیاں سمیٹ کر ایک جگہ اکٹھی کر رہی تھی۔

اس نے تو غالباً یہ سوچ لیا تھا کہ حادثے جو گزر رہے ہیں طوفان تھم گیا ہے۔ اب اس گھر میں کھا کر سو کر زندگی گزارنا ہے زیادہ سے زیادہ بے خبری ہوا کرے گی تو یہ کہ وہ چند دنوں کے لیے اندر چلا گیا ہے اور کچھ دن گزرنے کے بعد وہ اچانک مسکراتا ہوا گھر میں نظر آ جایا کرے گا مگر یہاں تو روز ایک کہانی سامنے آ جاتی ہے۔

"بات یہ ہے کہ بیشتر انسان پیدائشی طور پر ایسا ذہن لے کر آتے ہیں جو انہیں دوسروں سے برتر ہونے کے زعم میں مبتلا کرتا ہے دولت کی قوت کے بارے میں یہ خیال ہے کہ اس قوت کے ساتھ انسان دوسروں کے دائرہ اثر سے باہر ہو جاتا ہے اور من پسند فیصلے بے خوف ہو کر کر سکتا ہے۔ کسی کے اعتراض یا پابندیات سے اس کی زندگی کی سہولت و لطف پر کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ دوسرا انسانی معاشرے کا یہ مزاج ہے کہ دولت مند کا خصوصی احترام کیا جاتا ہے، بہت عزت و آؤ بھگت ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے دولت سے محروم ہر شخص کے اندر دولت مند بننے کی تمنا جاگ پڑتی ہے۔ تاکہ اسے بھی معاشرے میں عزت احترام کی یہی قدر حاصل ہو۔ اسی چکر میں لوگ جائز ناجائز، ہر قسم کے ذرائع میں دلچسپی لینے لگتے ہیں جو انہیں جلد از جلد دولت مند بنا سکیں۔

اسی بھول میں انسان فطرت سے دوری کے عذاب میں گرفتار ہوتا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ انسان!! ایک سماجی نقاب ہے۔ یہ ہمیشہ کی قوت نہیں ہے، بس اتنی ہی دیر تک یہ قوت قائم ہے جب تک یہ سماجی نقاب وجود کا حصہ ہے دولت، حیثیت مرتبہ خطاب، اقتدار، عہدہ یہ سب مادی نقاب ہیں جو ہمیں اسی وقت تک لطف دیتے ہیں جب تک ہمارے پاس رہتے ہیں۔ یہ چلے جائیں تو ان سے منسوب خوشیاں بھی رخصت ہو جاتی ہیں۔ یہ دائمی الوہی یا غیر فانی مسرت کی ضمانت نہیں اس کے باوجود ہم انسان ان کے فریب میں مبتلا رہتے ہیں ان کے مل جانے میں وہ مسرتیں نہیں البتہ چھن جانے میں بلا کی اذیتیں ہیں۔ پھر یوں ہوتا ہے ہم ان ہی اذیتوں کے ساتھ اپنے ابدی ٹھکانے کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ خالی ہاتھ خالی دامن دائمی مسرتوں کی حسرتوں کے

ساتھ"۔

ستانی عائشہ اتنا کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

فخر النساء اور ماہ نور جیسے ٹرانس میں چلی گئی تھیں۔ استانی کی سسکیوں پر چونک پڑیں۔

"آپ بالکل ٹھیک بولیں ایک دم حق" فخر النساء نے استانی عائشہ کو گلے سے لگا لیا۔

"بعض نقصان اتنے عظیم ہوتے ہیں کہ روحانی مسرت کی تلاش کا جذبہ بھی قدم قدم پر لڑکھڑاتا ہے۔" وہ سسکیاں لیتے ہوئے گویا ہوئیں۔

فخر النساء کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔

ماہ نور پانی لینے چلی گئی۔ پانی لے کر واپس آئی تو استانی عائشہ ہنوز رو رہی تھیں اور فخر النساء مسلسل اشک شوئی کر رہی تھیں اس نے قریب آ کر گلاس استانی کے ہاتھ میں تھما دیا۔

استانی نے دو تین گھونٹ پانی پیا۔

"مظاہر کل کتنے بجے کا کہہ گئے ہیں؟" وہ بھرائی آواز میں ماہ نور سے پوچھنے لگیں۔

"مجھے دھیان نہیں رہا...... میرا خیال ہے شام تک ہی آئیں گے اس لیے کہ کل کوئی چھٹی کا دن تو نہیں ہے۔"

"خدا کرے شام جلدی ہو اب تو ان سے ملنے کو دل تڑپ رہا ہے۔ آپ دیکھیے گا کیا کمال کے بندے ہیں۔ اللہ ان کی طرح کا اطمینان قلب ہمیں بھی عطا فرمائے۔ آمین"۔

"اللہ کرے مظاہر کو ان کا صاحب اس آ جائے۔ نصیب چمک اٹھے گا اس کا۔" وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئیں۔

"صرف مظاہر کے لیے دعا مہ سانس ہو بھی تو خواہش مندوں میں ہیں۔" فخر النساء منا کی ہوئیں۔

استانی خاموش رہیں البتہ دھیرے سے مسکرا دیں۔

☆☆☆☆☆

ریا کپڑے تبدیل کر کے باہر آئی تو بیڈ روم کی روشنیاں گل ہو چکی تھیں۔ باتھ روم کی لائٹ بند ہوتے ہی کمرہ یکدم تاریک لگنے لگا۔

"یہ آپ نے نائٹ بلب کیوں نہیں جلایا؟ ابھی تک ویلیج کا اثر ہے؟"

"ہاں اندھیرا اچھا لگ رہا ہے۔ بعض اوقات بیرونی تاریکی میں اندر کی روشنی بہت بڑھ جاتی ہے۔" وہ بڑے اجنبی لہجے میں گویا ہوا۔ ریا قدرے چونکی۔

"بہت نام سنا ہے اندر کی روشنی کا بہت اشتیاق ہے اس روشنی کو دیکھنے کا۔" وہ قدرے طنزیہ بولی۔

"ابھی تو تم اندر باہر سے خود روشنی ہو ایک مقام آتا ہے انسانوں کی زندگی میں جب وہ اس کی جستجو میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ دو قسم کے لوگ ہو سکتے ہیں۔ نمبر ایک وہ جنہیں نعمت بافراط ہوں کہ آسانی سے اپنی بڑی سے بڑی خواہش پوری کر لیں۔ زندگی میں کسی شے کی کمی کا احساس نہ ہو۔ دولت شہرت عزت اولاد دوست قوت اقتدار صحت سب ہی کچھ ہو۔ گویا کرنے کو کوئی کام ہی نہ رہا ہو۔ جنت کی طرح ہر شے موجود۔ ایسے میں سکھ کی زیادتی اتنی بوریت پیدا کر دیتی ہے کہ بندہ ایک رات نروان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔ اسے بیرونی روشنیوں کی چکاچوند نابینا کر دیتی ہے۔ پھر بینائی کے لیے وہ اندر کی روشنی کے لیے پیاسا ہو جاتا ہے۔

گوتم بدھ واحد مثال نہیں آج کے عہد میں بھی بے شمار لوگ مل جائیں گے۔ شاید تمہیں یاد ہو کلفٹن میں دو فرلانگ بنگلے کی

ہے عبدالستار ایدھی کو دیکھ بے شے بالکل مکمل اور پرآسائش۔ نام ظاہر نہ کرنے کی شرط کے ساتھ۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو نا آسودگی کی حدود کو چھو رہے ہوتے ہیں۔ ایک کمی ایک بے کلی ہر وقت انہیں منتشر رکھتی ہے اور وہ سکون کے لیے کچھ بھی کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اس باطنی سکون کی طلب انہیں در بدر پھراتی ہے جو ان کی سوچ کو روز بروز گہرا کر رہی ہے۔ وہ فکر سوچ کی گہرائیوں میں اترے رہتے ہیں۔ کبھی نفسیاتی معالجین کے پاس جاتے ہیں کبھی مزاروں پر بھٹکتے ہیں۔ کبھی پیر و مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ فکر کی گہرائیاں انہیں اپنے اندر اترنے پر مجبور کر دیتی ہیں یہ وہ مقام ہے جب اندر کی روشنی سے تعارف حاصل ہوتے ہے۔

"آپ کا شمار کن لوگوں میں ہوتا ہے؟" ریا جو بہت توجہ سے اس کا حرف حرف سن رہی تھی۔ مون کے خاموش ہوتے ہی بول پڑی۔

"میرا شمار دونوں قسم کے لوگوں میں آ جاتا ہے۔ آسودگی کی انتہا سے بھی آشنائی ہے اور نا آسودگی کی حدوں کو بھی چھو لیا ہے۔ بعض اوقات اپنا آپ کھو کر بھی انسان خود کو پاتا ہے۔ اسے اپنی صلاحیت حیثیت اوقات کا اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"خیر...... اتنے دنوں بعد اس بیڈ روم میں آئی ہو۔ فلسفہ بہت ہو چکا۔ آؤ کچھ اپنی باتیں کریں۔" مون نے یکدم پینترا بدلا۔

"نائٹ بلب جلا دوں؟" ریا اس کے بدلے ہوئے انداز پر قدرے سٹپٹا گئی۔

"رہنے دو۔ آج یوں بھی ہر طرف روشنی سی محسوس ہو رہی ہے۔" مون کا لہجہ مخمور سا تھا۔

ریا اتنی دیر میں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہو چکی تھی۔

"آؤ یار! کیا سوچ رہی ہو۔" مون اسے پھر خیال کی دنیا سے باہر لایا۔

"اتنے دن ہو گئے ہیں ہماری شادی کو مگر کتنا تکلف ہے ابھی تک۔ اتنے دنوں میں تو میاں بیوی آنے والے مہمان کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔"

"آپ کو برا تو لگے گا۔ مگر سچ یہ ہے کہ مجھے شادی کی کوئی خوشی تو نہیں ہے۔ اب جیسی بھی گزر رہی ہے۔ میں خوش ہوں۔" وہ مون کی گرفت سے آزاد ہو کر تکیے پر سر رکھ کر ٹھیک سے لیٹ گئی۔

"تم کیا سمجھتی ہو مجھے اندازہ نہیں تمہیں شوہر سے ملا ہی کیا ہے؟ یہ تو تمہارا ظرف ہے کہ تم نے یہ سب برداشت کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ مگر اب فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم ایک نارمل لائف گزاریں گے۔ تمہیں سب کچھ اچھا لگنے لگے گا انشاء اللہ۔"

ریا کو عجیب سی گھبراہٹ نے گھیر لیا اس کا جی چاہا دونوں ہاتھوں سے مون کو پرے دھکیل دے۔ مگر سانس روکے لیٹی رہی۔

"ہم۔ میں اس لیے آپ کے ساتھ آئی تھی کہ مجھے بہت ضروری باتیں آپ سے کرنا تھیں۔" آخر کار اس نے ہمت کر کے منہ سے آواز نکالی۔

"جب سے شادی ہوئی ہے ہمارے درمیان بس ضروری باتیں ہی ہو رہی ہیں مگر جو ضروری بات آج مجھے تم سے کرنی ہے وہ بہت پہلے ہو جانا چاہیے تھی۔" مون پر اس کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے واپسی کا ہر راستہ بند کر کے ریا کو گھیرا۔

"مگر میں بہت ڈسٹرب ہوں۔ ہر وقت گلٹی فیل کرتی ہوں۔" اس نے گویا چڑ کر کہا۔

"ہم عام انسان ہیں پیغمبر نہیں ہیں کہیں نہ کہیں کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ ہم کچھ نہ کچھ گلٹی فیل کرتے ہیں مگر اس وقت کوئی بات نہیں اس ہنڈروم کے در و دیوار کو بھی خوشی کے نظارے دیکھنے دو۔" مون بے اختیار سے انداز میں بولا۔

"جب اندر کوئی گھٹ رہا ہو تو سچی خوشی کہاں ملتی ہے۔" ریبا نے عاجز آ کر کہا۔

"خوشی ملتی کہاں ہے کچھ کرنا پڑتی ہے" مون نے سابقہ کیفیت میں کہا۔

ریبا بے بس ہو کر کسی سوچ میں غرق ہو گئی۔

"ریبا! ایک گھنٹے کے اندر اندر تیار ہو کر ہم بھی ساحل پر جائیں گے بس تم نکاح نامہ پرس میں رکھ لینا...... ورنہ پولیس پکڑ لیتی ہے۔" وہ شرارتیں کرتے ہوئے سرگوشی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"آدھی رات کو سی سائیڈ پر ......؟ آپ کے فرسٹیشن کا منصوبہ ہے؟" ریبا نے تعجب سے کہا۔

"ایسی کی تیسی فرسٹیشن کی۔ میرے دل کا منصوبہ ہے۔" مون نے پھر شرارت کی۔

"مگر میرا کوئی دماغ خراب نہیں کہ رات کے وقت سمندر کے کنارے بیٹھوں۔" ریبا نے مزاحمت کرتے ہوئے قطعی انکار کیا۔

"ارے کوئی اچھی سی۔۔۔ دعا مانگ لینا سمندر کے کنارے رات کے وقت خاص طور پر سمندر انسان کی سوچ کو کنسنٹریشن دیتا ہے۔ یہی دعا کی قبولیت کی شرائط ہیں کہ دل و دماغ ایک پوائنٹ پر کنسنٹریٹ ہوں۔"

"اوہ...... ایسے ماڈرن مذہب سے عملاً دور نظر آنے والے کہہ رہے ہیں۔ دعا و مقبول دعا کی باتیں" ریبا کو مون کی بات پر تعجب ہوا۔

"آپ کو خیال آتا ہے دعا مانگنے کا؟ کیا مانگیں گے دعا میں؟ آپ کے پاس تو سب کچھ ہے۔"

"جن کے پاس بہت کچھ ہو اور انہیں دعا کی عادت رہی ہو فرصت جب ہی تو وہ کام سے لگا دیتا ہے۔ بندوں کو اور اس طرح سے کہ بس کاموں سے چھڑا کر دعا کے کام میں لگا دیتا ہے" مون نے اس کی بات کاٹ کر بے ساختہ جواب دیا۔

"بہت اچھا فرسٹیشن ہے آپ کا۔ آپ میں کافی چینج آیا ہے۔" ریبا کو اس کی باتیں نئی نئی لگیں۔

"ایک مرتبہ پھر ایسی کی تیسی فرسٹیشن کی۔" مون نے شرارت کی انتہا کی۔

"فرسٹیشن دعا کے قرینے سکھانے لگیں تو لگ سکھت فرائیڈ کی کتابیں جلا دیں۔ تمہیں پتا ہے اللہ کو آنسو کے دو قطرے بہت پسند ہیں ایک وہ جو گناہ کے بعد ندامت کے احساس سے ٹپک جائے دوسرا وہ جو اس کی کبریائی کو محسوس کر کے خوف سے نکل پڑے۔ یہ دو قطرے ٹپک جائیں تو بہت سے بوجھ سرک جاتے ہیں۔"

ریبا کو اس کے منہ سے اللہ کی باتیں بہت انوکھی مگر اچھی لگیں۔ دل کی کیفیت بہت خوب ہونے لگی۔ اندر کسی ضد کا زور ٹوٹا تو مزاج میں گداز پیدا ہوا۔ کسی کے سننے کی گنجائش پیدا ہوئی۔

اللہ کے دو پسندیدہ قطرے سن کر تو اس کی کیفیت ہی بدل گئی۔ جب خدا نے معافی کے معیار مقرر کر دیے ہیں تو ہم سزا کے لیے اصرار کرنے والے کون۔

"کیا سوچنے لگیں؟" مون نے اس کے سوچنے کو محسوس کیا۔

"میں آپ سے بہت ضروری باتیں کرنے آئی تھی مگر۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں ناں کہ آج سب ضروری باتیں ملتوی کروں گا۔ اور آئی تھی۔ کیا مطلب یہ تمہارا گھر ہے۔" مون نے تصحیح کرنے کی کوشش کی۔

"اصل میں بات یہ ہے مون!"

"کوئی بات نہیں ہے ریبا۔ میں بہت خوب صورت طریقے سے تمہیں کچھ دینا چاہتا ہوں ایک آگ دہک رہی ہے میرے اندر مجھے پھر برف کا آدمی نہ بنا دینا بس آج خاموش رہو۔ پلیز ریبا۔ پلیز۔" مون کا انداز ملتجی تھا۔

ریبا اس کے انداز پر قدرے دم بخود ہوئی۔

"سب تاوان ادا کریں گے ریبا! پورا جرمانہ بھریں گے۔ قصاص و دیت کا قانون شکنجے میں لے رہا ہو یا سر عام دُرّے لگائے جائیں سب مانیں گے۔ بس آج کی رات ایک ندامت کی زنجیر کاٹنے دو۔ میں تمہارا یہ احسان عمر بھر نہیں بھولوں گا۔ ریبا میری جان۔" مون جیسے اپنے آپ میں نہیں تھا۔

ریبا جیسے شل ہو گئی۔

"میرے۔ خدایا میں کیا کروں"۔

☆☆☆☆☆

"اے بیٹا! اسارا کی سہیلی ہے اس کی بیٹی ہے۔ سارا خود بولی ہے مجھے لڑکی کی عمر زیادہ ہے شادی کے حساب سے مگر تمہارے برابر ہی ہو گی"۔ بڑی اماں جمال سے مخاطب تھیں۔

"بس دادی جان! اب تو کسی سہیلی پر اعتبار نہیں رہا۔ آپ نے سنا ہی ہو گا کہ مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔" جمال نے بڑی اداسی سے مدلل بات کی۔

"یہ دوسرا سوراخ میرا مطلب ہے دوسری سہیلی ہیں۔" اظہار نے ہمت بندھانے کی کوشش کی۔

"ارے بیٹے اسارا کو تمہارے پاکستان آنے کا مرا قلق رہا ہے۔ وہ غیر ذمہ داری سے کم از کم اپنی ماں سے بات نہیں کر سکتی۔ مجھے اس کا پتا ہے۔" بڑی اماں نے اپنی دانست میں تسلی دی۔

"یہ بات نہیں ہے دادی جان! بس اب کسی پر اعتبار کرنے کو جی نہیں چاہتا" جمال نے اداسی سے کہا۔

"ارے بچے! یہ دنیا ہے۔ یہاں کے نت نئے نرالے کھیل۔ ہم تمہیں لڑکی دکھا دیں گے۔ تمہاری سمجھ میں آ جائے تو بات بڑھا دیں گے ورنہ جیسا تم کہو گے ویسا ہی کریں گے۔"

"بس دادی جان! کافی عرصہ پہلے ہی شادی سے دل ہٹ گیا تھا۔ سوچا تھا۔ یونہی زندگی گزار دیں گے۔ اماں کی خدمت کرتے ہوئے مگر جب اماں کی سہیلی نے روشن مستقبل کے خواب دکھائے تو سوچا دنیا میں اچھی طرح سے ہم بھی جی کر دیکھ لیں۔" جمال پر یاسیت کا دورہ پڑا ہوا تھا۔

"یعنی اگر دو پیٹرول پمپ والے زندگی میں داخل ہو جائیں تو فری فیول سے زندگی کی گاڑی نان اسٹاپ چلنے کے چانسز پیدا ہو جاتے ہیں۔" اظہار نے دریافت کیا۔

"سنا ہے خوش حالی سے بھی بہت زخم بھر جاتے ہیں"۔ جمال اسی سابقہ ٹون میں بولا۔

"خدانخواستہ تجھے کون سے زخم لگے ہیں بیٹے؟" بڑی اماں تڑپ کر بولیں۔

"بس کچھ حادثے ہو ہی جاتے ہیں زندگی میں"۔ جمال نے گویا آہ بھری۔

"تم تو ماشاءاللہ جتنے بولتے بچے ہو، آگے پیچھے تو تم نے کبھی حادثوں کا ذکر نہیں کیا۔" بڑی اماں فکرمند سی نظر آئیں۔

"چھوڑیں دادی جان! ویسے ہی کہہ رہا تھا۔" جمال نے کسی دھیان سے چونک کر بات بدلنے کی کوشش کی۔

"بچے! صرف دولت ہی نہیں اچھا ساتھی بھی زندگی میں خوشیاں لاتا ہے۔ ایک وفادار نیک چلن بیوی بھی بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔ تم لڑکی دیکھ لو باقی بات بعد میں کرنا۔"

"بس دادی جان! اب تو آپ ہمیں واپس ہندوستان جانے دیں۔ اب لڑکی کا کوئی شوق نہیں۔" جمال اپنے موقف سے ہٹتا دکھائی نہیں دیا۔

"بڑی اماں! جمال بھائی کا دل بہت بری طرح ٹوٹا ہے۔ جب دل اس طرح ٹوٹ جاتے ہیں تو کانچ بکھرا ہوا مجھے جسے سمیٹ کر دوبارہ شیشہ نہیں بنایا جا سکتا۔" اظہار نے دقیق فلسفے سے بڑی اماں کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

"ارے خدا نہ کرے میرے بچے کا دل ٹوٹے۔ اچھی جگہ شادی ہو جائے گی۔ دو چار بچے ہو جائیں گے۔ سب کچھ اچھا لگنے لگے گا۔ بس اب کوئی بدفال منہ سے نکالنے کی ضرورت نہیں۔ میرے کہنے سے یہ لڑکی تو تجھے دیکھنا پڑے گی۔" بڑی اماں نے قطعی انداز میں کہا۔

"بہت خوش نصیب ہیں آپ بڑی اماں! اصرار کر کے لڑکی دکھا رہی ہیں۔ ورنہ لڑکیوں کو دیکھنے پر تو بزرگ عموماً برا مانتے ہیں۔" اظہار نے مذاق کیا۔

"اچھے خوش حال لوگ ہیں۔ کاروباری ہو سکتا ہے بیٹی وطن میں رکھنے کی خاطر تمہیں کاروبار ہی کرا دیں۔ ایسا کچھ کہا تو نہیں ہے۔ تمہیں خوش حال لوگوں میں شادی کا خیال ہے۔ اس لیے اس طرح سوچ رہی ہوں ورنہ سچ پوچھو تو میرا خیال تو عارفہ کی بیٹی شمسہ کی طرف تھا۔ ایسی چپ ہو کر رہ گئی ہے کہ دل کٹتا ہے۔ اللہ نے جو آزمائش ڈالی ہے وہی پار لگانے والا ہے۔ لڑکی صورت شکل کی بھی اچھی ہے گھر گرہستی کرنے کی بھی صلاحیت ہے نماز روزے بھی کرتی ہے۔ گھر کرنے والی عورت میں یہی باتیں ہونا چاہئیں۔ ماہ نور کے غم نے طاہر علی کو پہلے سے زیادہ بیمار کر دیا ہے تو عارفہ بھی برسوں کی مریضہ لگنے لگی ہے۔" بڑی اماں دکھ سے کہہ رہی تھیں۔

"ویسے بڑی اماں! آئیڈیا برا نہیں۔ شمسہ کی شادی سے پھوپھی جان اور طاہر پھوپھا دونوں کو بہت اچھا لگا ہو گا۔" اظہار نے بڑی اماں کے آئیڈیا پر چونک کر اتفاق ظاہر کیا۔

"اس دنیا کا مزاج تم جانتے ہو۔ مشکل ہی سے کوئی شمسہ کی طرف دیکھے گا۔ بہن پر ظلم ہوا اٹھا لی گئی مگر سزا سب اٹھائیں گے۔ یہ غم دونوں میاں بیوی کو کیا کم ہو گا۔ یہ بچی ساتھ عزت کے اپنے گھر کی ہو جائے تو بھی کچھ غم ہلکا ہو گا۔ عارفہ تو مارے شرمندگی کے اب گھر سے ہی نہیں نکلتی۔ میں ہی چکر لگا لیتی ہوں ہفتہ پندرہ دن میں۔ بچے بچیاں شمسہ کے پاس ٹیوشن پڑھنے آنے لگے تھے۔ لوگوں نے بھیجنا چھوڑ دیا۔ طاہر علی بے روزگار صرف پنشن سے گھر کیسے چلے۔ ذکر مناسب تو نہیں مگر اللہ میرے بچوں کو جیتا رکھے۔ اظہر ظہیر اور مظاہر مجھے تین ہزار مہینہ دیتے ہیں عارفہ کے لیے۔ پہلے پہل تو وہ انکار کرتی رہی۔ میں بولی بیٹی پیٹ نہیں پلتا ہاں سو روپے میں۔ پھر شمسہ پڑھ بھی رہی ہے۔ پڑھائی کا بھی خرچا ہوتا ہے چاہے کالج سرکاری ہی ہو۔ تم اس طرف دیکھو تو نیکی ہی ہو گی۔ معصوم بچی کا تو کوئی قصور نہیں مگر سزا بھگت رہی ہے۔ تمہارے خیالات اونچے ہیں ورنہ میرے دل کی بات تو یہی ہے۔ شمسہ سے شادی کا یہ فائدہ بھی ہے کہ اگر تم پاکستان میں رہنا چاہو تو عارفہ بیٹی کو خوشی سے ہندوستان بھیج دے گی۔ یہاں کی آوازوں سے تو بچی کی جان چھوٹے گی عزت دار گھر میں بہو بن کر رہے گی تو سب غم بھول جائے گی۔"

بڑی اماں نے بڑے سلیقے سے پرپوزل دیا۔

جمال بہت غور سے ان کا حرف حرف تول رہا تھا۔

"دادی جان! یہ کنفرم ہے کہ ماہ نور اغوا ہوئی تھی؟ ایسا تو نہیں وہ اپنی مرضی سے گئی ہو؟" جمال نے بہت سوچتے ہوئے پوچھا۔

"شاباش بچے! جب گھر والوں کی سوچ یہ ہے تو ہم غیروں سے کیوں آس لگائیں۔ وہ تو بالکل ہی بے قصور ہوئے۔ ارے میں اتنی عمر کی بڑھیا بچوں سے جھوٹ بات کروں گی۔" بڑی اماں غصے کے بجائے دکھ سے بولیں۔

"اتنی نیک شریف خاموش طبیعت بچی۔ اللہ بہتر جانتا ہے کیوں آزمائی گئی۔ تمہاری بات سے بیٹے میرے دل پر تو اور بوجھ آ پڑا۔" بڑی اماں آبدیدہ ہو گئیں۔

"دادی سوری! میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ میں نے سوچا عارفہ پھوپھو غریب سی لگتی ہیں اور ماہ نور کی جس سے شادی ہو گی جس طرح بھی وہ بہت امیر ہے۔ شاید ماہ نور نے غربت سے جان چھڑانا چاہی ہو۔" جمال ہونق سا ہو کر وضاحت کرنے لگا۔

"ارے ان لوگوں کی تو اپنی عزت بہت پیاری رہی ہے۔ کبھی بچیوں کو کچھ دینا بھی چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ عید تہوار پر ہزار دو ہزار بھجوائی تو ماہ نور کہتی۔ "بڑی جان! اس طرح نہ کیا کریں ہمیں بہت شرم آتی ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے۔ ہم اسی میں بہت خوش رہتے ہیں۔" ایسی ہیرے جیسی بیٹیاں ہیں عارفہ کی۔" بڑی اماں آہ بھر کر گویا ہوئیں۔

"اصل میں تو دادی جان میں نے ابھی شادی کے بارے میں سیریس ہو کر سوچا ہی نہیں تھا۔ وہ تو اماں کے اصرار پر۔ خیر۔ اگر آپ میرے لیے اچھا سمجھتی ہیں تو اماں سے فون پر بات کر لیں۔ میں دولت کا بھوکا نہیں ہوں۔ وہ تو ایک چانس ملا تھا۔" جمال نے بڑی سادگی سے بولتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

بڑی اماں کو تو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ معاً اپنی جگہ سے اٹھیں اور جمال کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

"میرا لال..... میرا بچہ..... دادی صدقے جائے تجھ پر اللہ تیری ہر مراد پوری کرے۔" وہ ہچکیوں سے رونے لگیں۔

"تجھے کیا پتا اس وقت تو نے مجھے کیسی سچی خوشی دی ہے۔ میرے روئیں روئیں سے تیرے لیے دعا نکل رہی ہے۔"

"ارے اظہار! ذرا دادی فون ملا۔ میں ابھی جمال کی ماں سے بات کرتی ہوں۔"

وہ آنکھیں پونچھتی جمال سے الگ ہو گئیں۔ "میری عارفہ کتنی خوش ہو گی۔ ترس گئی ہے میری بچی خوشی کے لیے۔ اے میرے اللہ! شکر ہے تیرا۔ تو نے اندھیروں میں چراغ جلایا۔"

"ہمیں پتا ہوتا کہ آپ اتنا خوش ہوں گی تو ہم خود ہی آپ سے۔ مگر نہیں شمسہ کے لیے تو ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ وہ تو ہم سے کافی چھوٹی ہے۔" جمال عجب تذبذب میں مبتلا ہو کر خود کلامی کر رہا تھا۔

"ارینج میرج ایسی ہی ہوتی ہے۔ جمال بھائی! انسان سوچتا بھی نہیں ہے اور اس کی شادی ہو جاتی ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" اظہار نے تسلی دی۔

"اچھا دیر مت کرو۔ جمال کی ماں سے میری بات کراؤ۔ میں چاہتی ہوں کہ عارفہ کو کوئی خوشی مل جائے۔" بڑی اماں سچی مسرت کے احساس سے کانپ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆

"تمہاری چچی کو تو کوئی اعتراض نہیں اور تمہاری بھاوج تو سو جان سے راضی ہیں۔ ٹیلی فون پر ہی ان کی خوشی کا اندازہ ہو رہا تھا۔ بولیں مجھے تو اپنے بچے کے لیے نیک ساتھی کی تمنا ہے۔ وہ پٹرول پمپ والوں کا قصہ تو میں انہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں شکر

تو پڑھ رہی تھیں کہ بچہ ان کے جال میں پھنسنے سے بچ گیا۔ اب تو جا تو بس اچھی بہو کے لیے بے تاب ہیں۔ بہت سیدھا بچہ ہے انشاء اللہ شمسہ خوش رہے گی۔" بڑی اماں ایک تواتر سے بول کر خاموش ہو گئیں۔

"انشاء اللہ۔" عارفہ کے پُر مرور چہرے پر قدرے رونق نمودار ہوئی۔

"اور اماں! یہ تو ایک طرح سے ہم گنہگاروں کی غیبی مدد ہے۔ اس کا احسان ہے۔ میں تو یہ سوچتی تھی۔ پتا نہیں شمسہ کے لیے اس گھر میں کبھی ڈھولک بھی بجے گی یا نہیں۔ کچھ ماہ نور کے لیے تیاری کی ہوئی تھی۔ میرے پاس اور کچھ نہیں ہے چند جوڑوں اور رنگوں کے علاوہ۔ ہاں میں اپنی بچی کے ارمان ضرور پورے کروں گی۔ میری ایک ہی تو بچی ہے پہلا جوڑا پہناؤں گی۔ ڈھولک بجواؤں گی۔ سات دن درجہ جلیبی کھلاؤں گی۔ اماں! میری ایک ہی تو بچی ہے۔ اماں! ٹھیک ہے ناں؟ میری ایک ہی تو بچی ہے۔"

عارفہ بڑی اماں کی گود میں سر رکھ کر تڑپ تڑپ کر رو رہی تھیں۔

"میری بچی!" بڑی اماں خود پر قابو نہ رکھ سکیں۔ عارفہ کے سر پر ٹھوڑی ٹکا کر خود بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ مظہر بڑی اماں کو لے آیا تھا۔ اندر کمرے میں شمسہ کے ساتھ ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ رونے کی آواز کمرے میں پہنچی تو دونوں گھبرا کر برآمدے میں نکل آئے۔ طاہر علی ابھی مغرب کی نماز پڑھ کر نہیں لوٹے تھے۔

"کیا ہوا پھوپھو؟" مظہر گھبراہٹ میں پوچھ رہا تھا۔ شمسہ الگ وحشت زدہ دکھائی دی۔

"کچھ نہیں بیٹے! اپنی جوان بچی کی موت یاد آ گئی تھی۔ دل بھر آیا تھا۔" ذرا سنبھل کر پھر بلک بلک کر رونے لگیں

"یوں نہ بول بچی! کلیجہ پھٹتا ہے۔ مرنے والوں کا تو صبر آ جاتا ہے۔ ہمیں صبر کہاں؟" بڑی اماں روتے ہوئے بولیں۔

"تو کیوں غم کرتی ہے دان دہیز کا۔ شمسہ کے اتنے بھائی ہیں۔ انشاء اللہ اپنے نصیب کا سب کچھ لے کر جائے گی۔ اللہ کا شکر کر بچی! وہی سبب بناتا ہے۔ افتخار اور مظہر تو ابھی اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہوئے ورنہ میں ان میں سے کسی کے لیے شمسہ کو مانگ لیتی۔ میں تو اس لیے شمسہ کی شادی جلد سے جلد چاہتی ہوں کہ تمہیں اور طاہر علی کو کچھ تو سکون کا احساس ہو۔ جمال بہت نیک بچہ ہے۔ محنتی ہے صحت مند ہے۔ کوئی لت نہیں ہے۔"

"او......!" مظہر اور شمسہ کو اصل صورت حال کا اندازہ ہوا۔

"شمسہ......! دو گلاس پانی لاؤ۔"

"چھوڑیں بڑی اماں! اللہ خوشی دے رہا ہے تو دکھ یاد کر کے کیوں عذاب کر رہی ہیں۔ خوشی کا وقت ہے تو خوش ہوں۔" وہ عارفہ اور بڑی اماں کو الگ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ایسے ہی راستوں میں تو دکھ ستانے آتے ہیں۔ زخم ہرے ہو جاتے ہیں میرے بچے۔" بڑی اماں آنکھیں پونچھتے ہوئے بولیں۔

اتنی دیر میں شمسہ دو گلاس پانی لے آئی تھی۔ مظہر نے ایک گلاس بڑی اماں کو تھمایا اور دوسرا عارفہ کو اور خود ان کے قریب بیٹھ گیا۔

"بڑی اماں! حادثے اپنا نشان ضرور چھوڑ جاتے ہیں مگر عمر بھر ان نشانوں پر پاؤں رکھ کر چلتے رہیں؟ آپا کے ساتھ اچھا نہیں ہوا مگر اب وہ کسی کی بیوی بن کر اپنے گھر میں رہ رہی ہیں۔ شادی تو ان کی ہونا ہی تھی۔ ٹھیک ہے وہ پیار پر طریقے سے کسی کی بیوی نہیں بنیں مگر اب تو کسی کے گھر میں آباد ہیں۔ یہاں آئیں گی بھی نہیں۔ اب ہم سب نے جینے کے راستے تلاش کرنا ہیں۔ خودکشی

کر کے مرنے سے تو رہے۔" مظہر از حد سنجیدگی سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اللہ کا شکر ادا کریں کہ شمسہ کی شادی ہو جائے گی اور پھوپھو کو قدرتی طور پر سکون ملے گا۔ بس اب کسی کو رونے کی ضرورت نہیں۔"

"تم ٹھیک بولے بیٹے! مگر مرنے والے یاد تو آتے ہیں۔" عارفہ بھرائی آواز میں بولیں۔

"کوئی نہیں مرا اور ا...... الحمد للہ آپی زندہ ہیں۔ اپنے شوہر اور اس کے خاندان کے ساتھ زندگی گزار رہی ہیں ٹھیک تو کہتے ہیں ابا جان آپ دنیا سے میل جول رکھنے کی خاطر اپنی سگی بیٹی کو زندہ مار رہی ہیں۔ آپ کو کسی نے منع کیا ہے کہ آپ ان سے نہ ملیں یا ان کو یہاں آنے نہ دیں۔ جو آپ کو ایسا کرنے کو کہے آپ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔ بیٹی سے زیادہ تو کوئی رشتہ اہم نہیں ہے آپ جائیں ان سے ملیں انہیں بلائیں۔ اگر آپ کو اللہ نے منع کیا ہے تو بے شک نہ ملیں۔" مظہر قدرے ناراضگی سے بولا۔

"بیٹے! یہ بہت بے عزتی کی بات ہوتی ہے۔ ابھی تم بچے ہو۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" بڑی اماں بولیں

"خودکشی کر کے مرنا بہت عزت کی بات ہے۔ گھٹ گھٹ کے جبر کی زندگی گزارنا خوشی ہی تو ہے۔" مظہر نے سابقہ موڈ میں جواب دیا۔

"خود ساختہ قانون خود ساختہ پابندیاں۔ جب ہمارا کوئی قصور نہیں تو ہم مجرموں کی طرح زندگی کیوں گزاریں؟ اپنے بدخواہوں کی خواہش کیوں پوری کریں۔ جو ہمیں افسردہ تا کام دیکھنا چاہتے تھے۔ ابھی چلیں آپ میرے ساتھ آپا کے گھر۔ دیکھتا ہوں کون سے آسمان ٹوٹیں گے۔ چلیں انہیں اللہ کا بنایا ہوا کوئی قانون اہم نہیں۔ مرضی ہے عمل کریں مرضی ہے عمل نہ کریں۔ ہاں محلے وار اور رشتے داروں کے بنائے ہوئے قانون بہت اہم ہیں روداش بالی جو سپلائی کرتے تھے۔"

"چلیں انہیں آپی کے ہاں چلتے ہیں دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔" مظہر کے لہجے میں ضد تھی۔

"بیٹے یہ اتنا آسان نہیں۔ گھر بار کا بوجھ اٹھاؤ گے تو ہماری بات سمجھ میں آ جائے گی۔ اچھا اب نہیں روئیں گے۔ ہم تم اپنا موڈ اچھا رکھو۔"

"اچھا عارفہ! اب میں چلوں تمہاری بھاوج کو ٹیلی فون کر کے تمہارا عندیہ بھی بتا دوں اور ان سے پوچھ لوں کہ کب تک آ سکتی ہیں تا کہ شادی کی تاریخ طے کریں۔ تمہیں کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے ہوتے بچی اپنے گھر کی ہو جائے گی تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا انشاء اللہ۔ سارہ اور ناصر حسین سے میری بات ہوئی تھی۔ کہہ رہے تھے کہ اماں پچیس پچیس ہزار ہم دونوں بہن بھائی دے دیں گے۔ پچاس ہزار میرے پاس ہیں حج کے لیے جمع کیے ہوئے تھے۔ چالیس پچاس ہزار کالڑ کے انتظار کر دیں گے۔ سامان تو خریدنا نہیں ہے بچی اٹھایا جائے گی۔ جتنا بھی ہو سکا نقد دے دیں گے جمال کو وہ اپنی مرضی سے ضرورت کی چیزیں خود لیں گے۔ بچے چھوٹے لڑکی چار چوڑیاں بھی ہیں میرے پاس۔ اللہ کا احسان ہے بہت کچھ ہے۔ بچی کو ساتھ عزت کے رخصت کرنے کو اب تم بالکل بے فکر ہو جاؤ اور جتنا شکرانہ پڑھ سکتی ہو پڑھو نفل۔"

"اماں! کھانا کھا کر چلی جائیے گا۔" عارفہ نے ماں کو پیار دلار سے رکنے کو کہا۔

"ابھی تو بھوک بھی نہیں ہے بچی! یہاں تم بیٹھی ہو ادھر گھر میں تیار پڑا ہو گا۔ طاہر علی ابھی تک نہیں آئے؟" بڑی اماں کو دھیان ہوا۔

"ہاں..... شاید لائبریری چلے گئے ہوں گے۔ پہلے تو سید صاحب کی بیٹھک میں چلے جاتے تھے۔ جب سے ماہ نور

اس گھر سے ہمیشہ کے لیے نکلی ہے۔ اب کسی کے ساتھ نہیں بیٹھنے مارے غیرت و شرمندگی کے۔ کہنے ہیں مسجد میں راستے میں کوئی مل جاتا ہے تو بڑی ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔ محسوس یوں ہوتا ہے جیسے پتھر مار رہا ہو اس کے ساتھ کھڑے لوگ یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے پتھر مارنے والے کہ پتھر اٹھا اٹھا کر تھما رہے ہوں۔" عارفہ شکستگی سے گویا ہوئیں۔

"یہ ہمارے ذاتی احساسات بھی ہو سکتا ہے لوگ واقعی سچائی سے ہمدردی کر رہے ہوں مگر کیونکہ ہم نے طے کر لیا ہے کہ زمانہ ہم سے اچھا سلوک نہیں کرے گا۔ اس لیے ہم ایسا محسوس کرتے ہیں۔" مظہر چڑ کر بولا۔

"اچھا۔ بس۔ یہ آنے کے افلاطون بچے۔ چائے بے پانی؟ گاڑی دھیان سے چلانا نئی نئی سیکھی ہوئی ہے۔ ابھی ہاتھ صاف کہاں ہوا ہوگا۔" بڑی اماں بڑبڑانے کے انداز میں گویا ہوئیں۔

"ابھی یہی اناڑی پن کلو مبجر گاڑی چلا کر لایا ہے۔ گاڑی کے آگے بندھ کر کھینچ کر نہیں لایا۔" مظہر سے گاڑی کا طعنہ ہضم نہیں ہوا۔

"اے ہاں سارے راستے آ بیٹھی جھک رہی ہوں۔"

"دیکھ لیں ہمارے ساتھ سفر کرنے والے کتنا ثواب کماتے ہیں۔ مفت میں بیٹھے بٹھائے۔" مظہر نے شمسہ کی طرف دیکھ کر کر داد لینے کی کوشش کی۔ شمسہ بھی بے اختیار مسکرا پڑی۔

"اچھا بھئی! چلتی ہوں اپنا دھیان رکھنا طاہر علی سے سلام دعا کہنا۔" بڑی اماں نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"خدا حافظ پھوپھو۔" مظہر نے کہا اور شمسہ کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور بڑی اماں کے پیچھے چل دیا۔ عارفہ اور شمسہ دروازے تک رخصت کرنے آئیں۔

☆☆☆☆☆

"آپ کی نہایت حسین و جمیل بیگم آئی تھیں۔ آپ سے ملنے افسوس آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔" وہ صبح پانچ بجے گھر آیا تھا۔ اگرچہ کمرے میں اس کی آمد سے ماہ نور کی آنکھ کھل گئی تھی مگر وہ سوتی بن گئی۔

اب دن چڑھے اٹھا تھا اور اٹھتے ہی ماہ نور کو آواز دے کر ایک پیالی چائے کی فرمائش کی تھی۔ ماہ نور نے لاوا نکالنے کے لیے کافی انتظار کیا تھا۔ آرڈر سنتے ہی بھڑک اٹھی۔ ادھر ادھر بیویاں رکھی ہوئی ہیں ان سے کرائیں خدمتیں۔

"ماہ نور! چائے دے دو۔ فلاں جینٹ استری کر دو۔ جوتے پالش کر دو۔ یہ اٹھا دو وہ رکھ دو۔ ہونہہ۔"

"اچھا وہ ڈرامہ ہو گی پتا نہیں کتنوں کی بیگم ہو ارے بار! صبح صبح موڈ خراب مت کرو۔ کوئی اچھی بات کرو۔ اس سے بھی زیادہ حسین و جمیل ہم جیب میں رکھ کر پھرتے ہیں۔" وہ لا پروائی سے بولا۔

"مجھ سے برداشت نہیں ہوتے یہ ڈرامے۔" وہ چھنکاری۔

"تو کون کہہ رہا ہے برداشت کرو۔ مت کرو۔"

"اماں تو سیدھی سادی ہیں۔ انہیں الٹی سیدھی کہانیاں سنا کر مطمئن کر دیتے ہیں مگر مجھے آپ پر ذرہ برابر اعتماد نہیں ایسے ہی کوئی عورت اپنے دھڑنے سے خود کو کسی کی بیوی ظاہر نہیں کرتی مسز منہاج حسین پاشا۔ میں کشتیاں جلا کر اس ساحل پر کھڑی ہوں۔ میں آپ کے ان ڈراموں کے جواب میں اگر کچھ کروں تو برداشت کر لیجیے گا۔ میں نے اپنے ساتھ آپ کو مخلص سمجھا تھا۔ اس لیے بہت کچھ برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کر لیا تھا مگر جب ایسا کچھ نہیں ہے تو میں مفت میں اپنی توانائی ضائع نہیں کروں گی۔ سمجھے آپ۔" وہ بد لحاظی سے گویا ہوئی۔

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں تمہارے ساتھ مخلص نہیں ہوں؟" پاشا نے بڑے سکون سے سوال کیا۔

"روز ایک ثبوت آتا ہے اس دروازے پر۔" وہ اسی انداز میں بولی۔

"اور اس بات کی کیا ضمانت ہے وہ درست ثبوت ہیں سچ ہے جھوٹ نہیں۔" وہ پوچھنے لگا۔

"مجھے زیادہ گھمانے کی چالاکی کی ضرورت نہیں۔ میں اماں نہیں ہوں۔" وہ بھنائی۔

"اللہ کا شکر ہے تم میری معشوقہ ہو۔ محبوبہ ہو۔ نصف بہتر ہو۔ اماں نہیں ہو۔ اگر تم میری اماں ہوتیں تو مجھے بہت مشکل ہو جاتی۔" وہ بالکل بھی سیریس نہیں تھا۔

"چائے پلا رہی ہو یا نہیں؟"

"نہیں...... میرا دل نہیں چاہ رہا چائے بنانے کے لیے۔ اس گھر میں بھی اپنے ذاتی کاموں کے لیے کوئی نوکر رکھ لیجیے۔"

"ذاتی کام بیوی کرے تو اچھا لگتا ہے۔" وہ جیسے اسے جلا رہا تھا۔

"تو پھر میرے علاوہ جتنی بیویاں ہیں ان کے ذمے لگا دیں اپنے ذاتی کام بلکہ ان کے درمیان کام بانٹ دیں۔" وہ سیخ پا ہو کر کہہ رہی تھی۔

"دنیا کی نظر میں تو میری ایک بیوی ہے۔ جس کا ولیمہ کھایا ہے احباب نے۔" وہ شوخی سے بولا۔

"کیوں کہہ رہی تھی وہ خود کو آپ کی بیوی؟" وہ غضب ناک ہوئی۔

"منع کر دوں گا آئندہ نہیں کہے گی۔" پاشا کا انداز وہی تھا۔

"تو پھر ایک بات غور سے سن لیں۔ میں نرسنگ میں ٹریننگ کے لیے جا رہی ہوں۔ مجھے روک سکتے ہیں تو روک کر دکھائیے۔ اب میں بھی آپ کی طرح من مانی کر کے اپنی مرضی کی زندگی گزاروں گی۔ میں کسی کی پابند نہیں ہوں۔ آپ اپنی پسند کی زندگی گزاریں اپنی داشتاؤں اور بیویوں کے ساتھ۔"

"میری زندگی میں تو تم اپنی من مانی کر کے زندگی نہیں گزار سکتیں۔ میری بیوی ہو۔ تمہیں بیوی کی حیثیت سے سب رائٹس ملے ہوئے ہیں۔ پہلے بھی کہا تھا۔ اب بھی کہہ رہا ہوں۔ میری کوٹھی میں ہو۔ وہاں تو تمہیں مل کر پانی نہیں پینے دیں گے۔"

"کیا میں معذوروں کی طرح زندگی گزاروں؟ جب اللہ نے ہاتھ پاؤں دیے ہیں۔ بہر حال میں کرپشن کی مختلف شکلوں کے ساتھ آپ کو کسی حد تک قبول کر چکی تھی بلکہ آپ کے دکھاوے کے اندر کے عشق نے گنجائش پیدا کر دی تھی مگر ایک کرپٹ جعل ساز مجرم ملزم ہرجائی انسان کے لیے میں کوئی قربانی نہیں دوں گی۔ آج ہی اس گھر سے چلی جاؤں گی ایک ہی صورت ہے مجھے روکنے کی کہ جب جانے لگوں تو پیچھے سے گولی مار دیں۔" اس نے قطعی اور قطعی انداز میں کہا اور نکلنے کے لیے قدم بڑھا دیے۔

"ایسی کی تیسی تمہاری نرسنگ کی۔ ہم بھی تو تمہارے بیمار ہیں۔ ہمیں بھی ایک نرس کی ضرورت ہے۔" پاشا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ آگے تم کے ذرا مجبور کیے ہیں تمہیں پانے کے لیے فالتوں کچھ تو قدر کرو۔" وہ اس پر جھکتے ہوئے بولا۔

"تمہارے آنے کے بعد تو خوشی کے معنی پتا چلے ہیں پہلے تو خود کو فریب دیتے تھے۔ اب کتنے ہی معروف ہوں ایک خیال تو وہم رکھتا ہے کہ گھر میں ماہ نور موجود ہے۔ یہ ذرا تھوڑا ٹیکنیکل ہیں ہے کسی وقت تمہیں تفصیل سے بتاؤں گا اگر تم جلد بازی میں کچھ کر دوگی ذہبت برا کر دوگی۔ تھوڑا سا صبر کر دو تمہیں سب پتا چل جائے گا۔"

"میں مزید بے وقوف نہیں بن سکتی۔ آپ مجھے کچھ بھی کرنے سے نہیں روک سکتے۔" وہ کسی طرح بھی قابو میں نہ آئی۔

"مجھے پتا ہے تم کس کے بل بوتے پر اپنی بہادری دکھا رہی ہو۔" پاشا کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

"مجھے اندازہ ہے ڈیئر کزن بلا سبب یہاں نہیں آئے تھے وہ اپنی شکست کا بدلہ لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔" پاشا کا موڈ بالکل چینج ہو گیا۔

"ہو سکتا ہے۔ آپ کا اندازہ بالکل درست ہو۔" ماہ نور کا لہجہ سلگانے والا اور بے لچک تھا۔

"نکاح تو وہ تم سے کر نہیں سکتا۔"

"کر سکتے ہیں خلع لینے کے بعد۔" ماہ نور اپنے حواس کھو چکی تھی۔

"ماہ نور!" پاشا نے دم بخود ہو کر اس کی صورت دیکھی۔

"تمہارا سارا حسن ہی تمہاری بے داغ جوانی' پارسائی' وفاداری ہے۔ اگر میرا اندازہ غلط تھا تو تم میں یہ خوبیاں نہیں ہیں تو تم اس دنیا کی بدصورت ترین عورتوں میں سے ایک ہو۔ تم مجھ سے خلع لینے کی کوشش کرو میں تمہیں بے کس بلی و یکتا ہوں۔ میں تمہیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ تم کورٹ سے رجوع کرو۔ مرد بدلنے کی شوقین عورتیں نوٹیں جیب میں لیے پھرتا ہوں۔ آج کے بعد میری نظر میں تمہارے کوئی حیثیت نہیں۔ عورت کی جس قسم کی نسبت کی تھی۔ تم بھی وہ نہیں ہو۔ کتنی گندی ہوتی ہے وہ عورت جو جسم کی گندی ہو اور ذہن کی بھی۔ اسی عورت کو بازاری یا کمرشل کہتے ہیں جو روح کی سچائی کے ساتھ کسی ایک کی نہیں ہوتی۔ مرد آزاد پنچھی ہوتا ہے مگر عورت شیشے کی طرح ہوتی ہے۔ ذرا سا بال شیشے میں عیب ڈال دیتا ہے۔ مرد کی آزادی کی طرح آزادی مانگنے والی عورت مرد کی برابری کی والی عورت اپنا عورت پن کھو دیتی ہے پھر اس عورت میں مرد کو کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ میں ان عورتوں کو اپنے بیڈ تک لا سکتا ہوں تم صرف ایک نگاہ غلط سے بھی شوہر کے علاوہ کسی کو دیکھو گی تو بے حیثیت و بے قیمت ہو جاؤ گی۔

میرے پاس عورتوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں ایک خاص مقام پر تمہیں رکھا تھا۔ تمہاری عفت و پاکیزگی نے تمہیں انمول بنایا تھا۔ امتیاز دیا تھا۔ مجھے دکھ رونے کی عادت نہیں ہے نہ میں نقصان گننا پسند کرتا ہوں۔ یہاں سے نکلوں گا۔ ہزاروں بہلاوے میرے استقبال کو کھڑے ہوں گے۔ البتہ مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔ عورت اپنا عورت پن کھو دے تو کتنی قابل رحم ہو جاتی ہے تم ذرا اپنی سرگزشت لکھنا تو شروع کرو۔

"ایک اغوا شدہ بدنام لڑکی اغوا کرنے والے سے ڈنکے کی چوٹ پر اس سے شادی کی پھر اس لڑکی نے دوسرا مسٹیک کیا۔ سیدھا سا مطلب یہ ہوا لڑکی بھی کرپٹ ہے۔ وہ پہلی مرتبہ بھی اغوا نہیں ہوئی تھی بلکہ اپنی مرضی سے۔" پاشا نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا۔

ماہ نور نے جواباً اس کا چہرہ دیکھا۔

"تمہاری زندگی آسان ہونے کے بجائے مشکل ہو جائے گی۔ شاید میں نے زندگی میں پہلی بار کوئی اندازہ لگانے میں غلطی کی ہے تمہیں آزاد چھوڑ کر جا رہا ہوں مجھ سے آزادی لینے کے لیے جو کر سکتی ہو کرو۔"

وہ وارڈ روب کھول کر اپنے کپڑے نکالنے لگا۔

☆☆☆☆☆

مظاہر شام چھ بجے تک ہی پہنچ پائے تھے ان کے آنے سے پہلے ہی دونوں تیار بیٹھی ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ مظاہر نے گیٹ پر ہی پوچھ لیا تھا کہ اگر وہ تیار ہیں تو باہر آ جائیں۔ قمر النساء نے جلدی جلدی گھر مقفل کیا اور دونوں مظاہر کی کار کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئیں۔

"آپ مجھے ایک مرتبہ ایڈریس سمجھا دیجئے۔ اس طرح ڈرائیو کرنا آسان ہو جائے گا۔" انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے استانی سے کہا۔

استانی نے مکان نمبر کے ساتھ پتا سمجھا دیا۔

"آپ تو جاتی رہتی ہوں گی...... اس لیے راستہ تو پہچان لیتی ہوں گی۔؟" مظاہر نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"جاتی! کیا بیٹے میری تو عمر گزر رہی ہے اس گھر میں وہاں سودا سلف وغیرہ!! ابھی میری ذمہ داری تھی۔" استانی نے اختصار سے جواب دے کر خاموشی اختیار کر لی۔

"آپ کا تعارف کیسے ہوا تھا ان سے......؟" ایک فطری سوال مظاہر کے ذہن میں ابھرا۔

"بہت گھپ اندھیروں میں یہ چراغ ملا تھا۔" استانی کی آواز بہت آہستہ تھی۔

"اب مجھ سے کچھ نہ پوچھنا بیٹے! موقع ملے تو انہی سے میرے متعلق سب کچھ پوچھ لینا۔ میں ان سے کہہ دوں گی کہ وہ آپ کو میرے متعلق سب کچھ بتا دیں...... پھر اس کے بعد آپ لوگ مجھ سے کچھ نہ پوچھیے گا...... میں نہایت ناقابل ذکر قسم کی عورت ہوں میرے متعلق جستجو نہ کیجئے۔ بس اللہ کا شکر ادا کیجئے کہ وہ میرے وسیلے سے آپ کو ایک ایسی شخصیت سے ملا رہا ہے جو زندگی کے اندھیروں میں چراغ جلانے کا ہنر جانتی ہے۔ بغیر غم زندگی آسان ہو جائے۔ میں نے محسوس کیا بیٹے! اگر آپ کے اندر ایک طوفان برپا ہے۔ میرے اندر جیت نے مجھ سے تقاضا کیا کہ آپ کے باطنی سکون کے لیے کوشش و دعا کروں...... اللہ مجھے اپنے مقصد میں کامیاب کرے آمین۔"

استانی کا پھوار جیسا لہجہ دونوں کے قلب میں اتر گیا۔

"بیٹے! اللہ نے تو آپ کو ہر نعمت سے نوازا ہے۔ پھر کیا بے قراری ہے۔ کیوں بے سکون ہیں آپ؟"

"قمر النساء کو تعجب تھا۔ ان کے حساب سے اگر انسان معزز و خوشحال ہے تو اسے کسی شے کی کمی کا احساس کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ دو نعمتیں کسی بھی انسان کے خوش رہنے کے لیے کافی ہیں۔

"بعض اوقات کبھی بھول سے کوئی اپنا بوجھ کسی دروازے پر چھوڑ جاتا ہے...... دروازے سے رکاوٹ ہٹانے کے لیے یہ بوجھ کسی اور کو سرکانا پڑ جاتا ہے۔ خالہ جان۔" مظاہر کا لہجہ سپاٹ اور آواز دھیمی تھی۔

استانی نے دائیں ہاتھ کی انگلیاں اپنی آنکھوں پر رکھ لیں۔

"بہت اچھا کیا بیٹے آپ نے۔"

ماہ نور بھی مظاہر کے الفاظ پر غور کر رہی تھی۔

گاڑی میں ایک گہری خاموشی کا اثر تھا...... اے سی کی سن سن بہت نمایاں سنائی دے رہی تھی۔

پٹرول پمپ سے استانی نے رہنمائی شروع کی۔ پانچ سات منٹ بعد ایک بڑے رقبے پر بنے ہوئے سنگل اسٹوری مکان کے قریب کار رک گئی۔

کار سے اتر کر استانی کا اشتیاق ان کی رفتار سے آشکار تھا...... بڑی بے تابی سے انہوں نے کال بیل کا بٹن دبایا تھا۔ گیٹ ایک نوعمر لڑکے نے کھولا تھا استانی پر نگاہ پڑتے ہی اس نے بہت مؤدبانہ سلام کیا تھا اور ایک طرف ہو کر گویا آنے والوں کو رستہ دیا۔

"فضل میرے ساتھ مہمان گاڑی میں بیٹھے ہیں۔ ان کو بٹھاؤ میں اندر۔ اباجی تو گھر پر ہی ہیں ناں؟" معاً انہیں دھیان ہوا۔

"جی جی۔" دونوں خواتین اندر داخل ہوئیں اور فضل میر مظاہر کو لینے گاڑی تک گیا۔

"یہ اباجی کا پوتا ہے۔" استانی عائشہ نے قدرے رخ موڑ کر قمر النساء اور ماہ نور کو بتایا۔

"ماشاء اللہ۔" قمر النساء نے بے ساختہ کہا۔

"آپ اس طرف آئیں۔" استانی عائشہ میں ایک جوش و خروش پیدا ہو چکا تھا۔ وہ یوں رہنمائی کر رہی تھیں گویا اپنے

گھر میں مہمانوں کا استقبال کر رہی ہوں۔ ایک لابی کا دروازہ وا کر کے انہیں وہ لے کر اندر داخل ہوئیں اور ایک کمرے کے دروازے پر رک کر دستک دی جو پہلے ہی نیم وا تھا۔

"بھوں کون.....؟" ایک نسوانی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

"السلام علیکم.....نور آپا! عائشہ" استانی اتنا کہہ کر کمرے میں داخل ہو گئیں قمر النساء اور ماہ نور نے بھی ان کی تقلید کی۔

"ارے عائشہ!" ایک ادھیڑ عمر چھریرے بدن والی خاتون بیڈ سے بازو وا کرتی اٹھیں۔

"کیسی ہو؟ اس مرتبہ تو کافی دن لگا دیے۔"

"بس کچھ مصروفیت ہی ایسی رہی' آپ سنائیں۔"

"الحمدللہ..... بہت خیریت ہے..... ابا جی بہت یاد کر رہے تھے۔ آیئے تشریف رکھیے۔" نور آپا قمر النساء اور ماہ نور کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"یہ میری بہنا ہیں قمر النساء اور یہ ان کی بہو میری بچی ماہ نور۔" استانی نے تعارف کرایا۔

"اور یہ فضل میر کی ماں ہیں نور العین۔" استانی نے تعارف کرایا۔

"فضل میر سے ملاقات ہو گئی؟" نور آپا نے پوچھا کیونکہ تعارف فضل میر کے حوالے سے ہوا تھا۔

"جی..... گیٹ اسی نے کھولا تھا۔"

"ابا جی اکیلے ہیں یا کوئی بیٹھا ہوا ہے..... یہ دونوں خاص طور پر ابا جی سے ملنے آئی ہیں بلکہ ہمارا ایک بچہ بھی ساتھ ہے وہی یہاں تک ہمیں لایا ہے....." استانی نے کہا۔

"انہیں بٹھا دیا ہے۔" نور آپا نے پوچھا

"جی فضل میر نے بٹھا دیا ہوگا اگر ابا جی اکیلے ہیں تو ان ہی کے پاس لے کر گیا ہوگا۔" استانی عائشہ بولیں۔

"ابا جی اس وقت اکیلے ہی تھے مغرب کی نماز پڑھ کر آئے تو کوئی ملاقاتی آیا تھا مگر فضل میر بتا رہا تھا کہ وہ جا چکا ہے شاید کوئی دوا لینے آیا تھا آیئے چلیں میرا خیال ہے آپ ابو جی سے ملاقات کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ عشاء کی تیاری شروع کر دیں گے۔" نور آپا نے استانی عائشہ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"جی بالکل..... عشاء کے بعد تو پھر ابا جی بہت مصروف ہو جاتے ہیں اپنے کمرے میں۔" استانی نے کہا اور قمر النساء اور ماہ نور کو چلنے کا اشارہ کیا جو بڑی گم صم سی نظر آ رہی تھیں۔

نور آپا ان کے ہمراہ تھیں انہوں نے ایک بڑی سی چادر اچھی طرح اوڑھ لی تھی۔ چاروں چلتی ہوئی ایک آخری سرے پر بنے ہوئے کمرے تک آ گئیں نور العین نے دستک دی۔

"آ جاؤ بیٹی! ہم انتظار کر رہے تھے۔" ایک تازہ دم بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔

استانی عائشہ خوشی سے نہال سب سے پہلے کمرے میں داخل ہوئیں..... وہاں مظاہر پہلے سے موجود تھے۔

"السلام وعلیکم!" استانی عائشہ کے سلام میں شوق کی وارفتگی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ خوش رہو۔" استانی عائشہ نے قریب جا کر سر جھکا دیا تھا۔ ابا جی نے ان کے سر پر دست شفقت رکھا۔

قمر النساء اور ماہ نور نے بھی مؤدبانہ سلام کیا اور دو عالی..... وہ جھجکتے ہوئے ابا جی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ سفید بال سر پر کم کم اور چھوٹے چھوٹے۔ سفید ریش' سفید بھنویں' نگاہ جھکی ہوئی چہرے پر تازگی اور چمک گلابی پن کے ساتھ۔

"یہ میری بہن قمر النساء ابا جی! اور یہ ان کی بہو ماہ نور۔ بہت شوق سے سلام عرض کرنے آئی ہیں۔" استانی عائشہ نے کہا۔

"اور یہ بچہ بھی آپ کا بیٹا ہے عائشہ! ابھی اس نیک نوجوان سے باتیں کر کے بہت دلی مسرت کا احساس ہوا۔"

"آپ تشریف رکھیے۔" ابا جی نے چاروں سرو قد کھڑی خواتین کو فرشی نشست پر بیٹھنے کا اشارا کیا۔ خود وہ مجھوری کی جائے نماز پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"آپ کی رہائش کہاں ہے بیٹی؟" ابا جی نے قمر النساء سے پوچھا۔

"یہیں کراچی میں شریف آباد میں۔" قمر النساء مؤدبانہ گویا ہوئیں۔

"اللہ نے آپ کو دنیا بہت دی ہے..... اس لیے آپ پریشان ہیں..... یہاں کا کھیل بھی نرالا ہے بیٹی! یہاں جس کو دنیا کم ملے وہ بھی پریشان جس کو زیادہ ملے وہ بھی پریشان۔" وہ مظاہر کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

"یہ اکلوتے بیٹے کی ماں ہیں ابا جی! بیٹے جیسی نعمت سے روگ لگا بیٹھی ہیں۔" استانی عائشہ نے بہت دھیمی آواز میں کلام کیا۔

"وہ نعمت ہی نہیں جس کا حاصل روگ ہو..... جب اللہ کا حکم نظر انداز کر کے اولاد کی پرورش کی جاتی ہے تو وہ اولاد نعمت کے بجائے زحمت بن جاتی ہے۔ پودا پھل پھول کر درخت بن جاتا ہے۔ تو زمین میں مضبوط ہو جاتا ہے..... بندہ ڈنڈی مارتا ہے تو ڈنڈے پڑتے ہیں ہمیں آپ کے غم پر افسوس ہوا..... مگر باران رحمت کا انتظار کرنے کو کہتے ہیں آپ سے۔"

"میں اس کے انجام سے خوفزدہ ہوں..... بس یہی بے سکونی ہے۔" قمر النساء آبدیدہ ہو گئیں

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی!

ابا جی نے مسکرا کر شعر پڑھا۔ "صبح سے شام تک کھانا پڑے تو دوکان بڑھا دیجے کو دل چاہتا ہے بیٹی..... خوشی چاہیے..... خوف و غم سے آزادی حاصل کریں..... اتنا مال جمع کیا ہے..... بیٹے کے علاوہ دوسروں کے بیٹے بھی دیکھیے..... ان کے پڑھنے لکھنے میں مدد کیجیے' غریب بچیوں کی شادی میں مدد کیجیے..... گھر سے نکل کر مستحقین ڈھونڈیے..... جمع کرتی رہیں گی تو سب کچھ جامد ہو جائے گا..... دینا شروع کیجیے..... معاشرے کی رگوں میں تعاون کا خون دوڑایئے۔ خون رکتا ہے تو تھکا ہوا بن جاتا ہے۔ پھر اس میں سے بدبو آنا شروع ہو جاتی ہے سارے روگ' سارے غم..... بدبودار تحفے ہیں وہ ظلم جو آپ نے اپنے ہاتھوں سے خود پر کیے۔

جب بھی ہم ڈنڈی مارتے ہیں اندر ایک گھنٹی بجتی ہے۔ اسی وقت کانٹا درست کر لیا جائے تو بڑی بچت ہو جاتی ہے۔ کسی کا ایک بیٹا وہ پریشان۔ کسی کے سات ہونہار بیٹے وہ پریشان۔"

وہ بولتے بولتے یکلخت خاموش ہو گئے۔

"آپ کسی رونا سے ہم سے ملانے لائی ہیں۔" وہ کچھ دیر بعد سوچتے ہوئے گویا ہوئے۔

"وہ کہاں آئے گا..... راستی کا رستہ تو دیکھتا بھی نہیں۔" قمر النساء نے نڈھال لہجے میں کہا۔

"اچھا.....! کوئی فکر کی بات نہیں۔ ہم اسے بلائیں گے تو وہ آ جائے گا۔"

نور العین کے اور استانی عائشہ کے علاوہ تینوں نے چونک کر ابا جی کا چہرہ دیکھا۔

"ساری کائنات ایک ڈور سے بندھی ہے۔ کوئی کسی سے دور نہیں' آپ کیوں حیران ہوئے؟" ابا جی مسکرائے پھر بہو کی طرف متوجہ ہوئے۔

"بیٹی نور العین! مہمانوں کے کھانے پینے کا بندوبست کرو۔"

"آپ زحمت نہ کریں..... دوپہر کا کھانا دیر سے کھایا تھا..... رات کا وہاں گھر پر تیار پڑا ہے۔" قمر النساء نے قدرے

سرشار سے انداز میں نورالعین سے براہ راست کہا۔

"تو پھر چائے تو بناؤ۔" انہوں نے بیوی کی طرف دیکھے بغیر بہت مہربان لہجے میں کہا۔

"عائشہ! خوش تو ہوا؟ کام ٹھیک ہے؟" نورالعین کے باہر جانے تک وہ استانی عائشہ سے مخاطب ہوئے۔

"آپ کی دعاؤں کی چھاپ ہے۔" وہ انکساری سے بولیں۔

"ساری بات دل و دماغ کے میل کی ہے..... دل و دماغ ایک ہوا..... جو دل میں وہ زبان پر..... یہی شرف ہے انسان کا..... جہاں قدرت ہر طرح کے تعاون کے لئے منتظر ہے۔ یہی وہ مقام شرف ہے۔"

"دیکھو بیٹی اگر دنیا مانگنے آئی ہو تو ہم دنیا نہیں بانٹتے..... قلم لکھ کر خشک ہو چکا۔ اس سے دو دن کے بعد میکو سوال کرنے سے خود ہی شرمانے لگو گی..... مگر تمہارا سوال کسی کی ہدایت کے لئے ہے اس لیے اسے سوال نہیں کہا جاسکتا۔ یہ کام ہے ہم جیسے منتر جنتر نہیں جانتے۔ قدرت والے کی قدرت مانتے ہیں اپنی حیثیت پہچانتے ہیں..... جو اس کو خوش کرنے کا طریقہ جانتے آتا ہے۔ اس سے خوش ہوتے ہیں..... ہمارے پاس ایسے بھی لوگ آتے ہیں کہتے ہیں فیکٹری خسارے میں جا رہی ہے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے بابا، لاکھوں کا قرضہ منظور ہو جائے۔

کوئی کہتا ہے بیٹی کی شادی ہے۔ عزت کی بات ہے۔ وہ فلاں لاکھ کہیں سے مل جائیں کوئی ایسی دعا بتا دیجئے۔

صرف باسولاکھ فلاں لاکھ ملنے تک اس پر رابطہ مانگتے ہیں۔ ہم ایسے ظالموں کی آمد سے بہت غم اٹھاتے ہیں۔ پہلی ملاقات میں وضاحت اس لیے کر دی ہے کہ اگلی ملاقات میں سہولت رہے۔ یہ بچہ تو بھلا ہے جدائی میں جستجو ہے..... کوئی جمن ہے کچھ داغ لیے پھرتا ہے داغ دھبے تو مٹ جاتے ہیں۔ گھبرانے کی بات نہیں۔ مگر جس کی شان ہے اس کی کبریائی مانتے رہو۔ کریڈٹ کے حقدار کے سوا کسی کو کریڈٹ دو گے تو سب داغ دھبے دھلتے جائیں گے ایک نظر واب اور 'میں' میں کٹنی لیس اس طرف احتیاط کرو۔

ادھر آؤ میرے قریب؟" اباجی نے مظاہر سے کہا۔

مظاہر آہستگی سے اٹھ کر اباجی کے قریب آگئے۔

"عائشہ! یہ ہوتی ہیں نعمتیں۔ ہاتھ سے نکلی ہوئی نعمتیں۔" انہوں نے مظاہر کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔

☆☆☆☆☆

یہ وہ نعمتیں ہیں جن کو حاصل کرنے کی تمنائیں کی جاتی ہیں دعاؤں میں مانگے جاتے ہیں۔ ایسے پیارے بچے کہ جس گھر میں ہوں وہ گھر سج جائے۔ باپ کے پہلو میں کھڑے ہوں تو باپ کے لہو میں گرمی دوڑنے لگے۔ ماں کے سامنے سر جھکائے بات کرتے ہوں تو حوا کی بیٹی شرف کی منزلیں طے کرنے لگے۔ اللہ آپ کا نگہبان ہو۔"

اباجی کی آواز میں محبت و شفقت کا کمال محسوس ہوتا تھا۔

"اوہ! عائشہ بہن!" فرالنساء کی گھبرائی ہوئی آواز پر اباجی اور مظاہر متوجہ ہوئے۔ استانی عائشہ فرالنساء کے زانوں میں بے ہوش نظر آئیں۔

"گھبرانے کی بات نہیں ہے بیٹی! ابھی اس کی طبیعت بحال ہو جائے گی۔ اللہ نے اسے مضبوط کر دیا ہے۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گی جیسے بچے گر کر کپڑے جھاڑ کے اٹھ کھڑا ہوتا ہے انشا اللہ۔

فرالنساء اور مظاہر تو بس حیران و پریشان بیٹھے تھے جیسے کچھ سمجھ میں نہ آرہا ہو۔

☆☆☆☆☆

"اماں! میرا دل تو کھچڑی پودینے والی کی چٹنی کے ساتھ کھانے کو چاہ رہا ہے۔ آج گوشت کا سالن رہنے دیں۔ وہ

چکن یخنی بھی کافی رکھی ہے۔" ماہ نور دھلے کپڑے تہہ کرتے ہوئے عام سے مگر مصروف انداز میں کہہ رہی تھی۔

"پاشا کے لئے تو کچھ بنانا ہوگا۔ وہ تو تازہ پکا ہوا مانگتا ہے۔" فرالنساء نے ماہ نور کو بغور دیکھا۔

"چھوڑیں اماں! ایک سے ایک کھانا کھاتے ہیں باہر۔ آپ کو ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔

"گھر کا کھانا گھر کا ہوتا ہے! بعض اوقات تو وہ گھر صرف کھانا کھانے آتا ہے۔"

"ہاں اماں! آپ کی یہی کمزوریاں تو وہ پکڑے ہوئے ہیں۔ ماں کو ایک گھڑی سکھ کا سانس لینے نہیں دیا۔ کھانے تو اکر کھانے ہیں رعب سے۔ کوئی ضرورت نہیں ان کے کھانے پینے کے لئے خود کو پریشان کرنے کی۔"

"نہیں خیر..... میں اب تو فکر نہیں کرتی..... ماشاء اللہ تم جوان ہو گئی ہو۔" فرالنساء اپنی فطری سادگی کے ساتھ کہہ رہی تھیں۔

"تم بنا لینا کھچڑی میں بھی شوق سے کھالی ہوں۔ لاؤ یہ کپڑے میری طرف سرکا دو اور کھانا پکا کر لو۔ سونف کی دال کا حلوا بھیجا تھا دیکھئے وہ بھی گرم کر لینا دیسی گھی میں بنا ہوا ہے۔ تم ایسی چیزیں کھایا پیا کرو۔ کمزور ہو رہی ہو۔" وہ محبت بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"تھوڑے سے رہ گئے ہیں اماں! میں کرلیتی ہوں۔ آپ کو سامنے والوں کے ہاں تعزیت کے لئے جانا تھا ان کی بہن کی ڈیتھ ہوگئی ہے چنڈی میں۔"

"ہاں! اچھا! وہ اماں تم نے ٹھیک ہوا اپنی ہوں وہیں پچیدہ، منت کو۔ آوے جاری جوان جہان تھی۔ ہر سال چھٹیوں میں آتی تھی بھائی کے پاس بچے بھی کافی چھوٹے ہیں ابھی تو۔"

فرالنساء متاسف انداز میں کہتے ہوئے چادر اوڑھنے لگیں جو کرسی کی بیک پر پڑی ہوئی تھی۔

"گیٹ بند کر لینا اندر سے۔"

"جی!" ماہ نور نے تہہ شدہ کپڑے ٹھکانے لگائے پھر کچن میں چلی آئی۔ گیٹ اندر سے بند کرنا وہ بھول گئی تھی۔ اس نے چاول نکالے اور وہیں کھڑی ہو کر صاف کرنے لگی۔

"اماں کہاں ہیں؟" پاشا کی آواز پر وہ تقریباً اچھل ہی پڑی جیسے کوئی انہونی ہوئی ہو۔

"پڑوس میں گئی ہیں تعزیت کرنے۔" اس نے بے تاثر لہجے میں بغیر مڑے جواب دیا۔

"دل خوش نصیب تھا؟ کس کی جان چھوٹی؟" پاشا دونوں ہاتھ چوکھٹ پر جمائے پوچھ رہا تھا۔

"سامنے والوں کی بہن تھی چنڈی میں۔" ماہ نور نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔

"اوہ..... وہ تو بالکل ینگ تھی۔ خیر..... وہ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ تمہارے والد کی طبیعت بہت خراب ہے تمہاری والدہ چاہتی ہیں تم ان سے مل لو۔"

ماہ نور بری طرح چونک کر پلٹی۔ میرے والد کا اس گھر میں ذکر؟ اور ہاں ابی سے کہاں ملاقات حال احوال بتا رہا ہے۔ اگر وہ بن قسم کے بیمار ہیں بھی تو وہ مجھے کیوں بلانے لگے۔ وہ تو میرا جنازہ رو چکے۔ اس کا دل بھر بھر آیا۔

"ابی سے آپ کی بات کہاں ہوئی؟" اس نے مشکوک نظروں سے پاشا کا جائزہ لیا۔

"ایسے ہی راستے میں میں ایک اسٹور سے باہر آ رہا تھا وہ اندر آ رہی تھیں۔"

"کس اسٹور سے؟" ماہ نور کو قطعی اعتبار نہیں آ رہا تھا۔

"آپ کیا کر رہے تھے میڈیکل اسٹور میں۔" ماہ نور شدید شک میں جتلا جرح کر رہی تھی۔

"ڈاکہ ڈال رہا تھا وہاں۔" وہ جھلایا۔ "جلدی میں اپنا موبائل بھول گیا تھا۔ ایک ضروری فون کرنا تھا۔ بھئی اتنا شک

بے نور ہے وہ... تمہاری ماں کا میسج تمہیں دے دیا۔ مرضی ہے تمہاری... تمہیں کوئی مجبور تو نہیں کر رہا جانے کے لئے۔ اچھا ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ۔"

پاشا نے چونک کر ہاتھ ہٹا لیے اور پلٹ گیا۔ ماہ نور تو جیسے عجیب الجھن میں پڑ گئی تھی۔ "آخر امی نے ان سے بات کس طرح کر لی۔ وہ تو ان کی صورت دیکھنے کی روادار نہیں ہو سکتیں! خدانخواستہ کہیں ابا جان کی حالت..." سوچ یہاں تک آئی تو دل کا دل بیٹھنے لگا۔ غم کیا تھوڑا ہو گا۔ طبیعت تو ان کی پہلے ہی ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ وہ سوچتے ہوئے گلاس میں پانی بھرنے لگی۔

"یہ نہیں بتایا امی نے کہ ابا جان ہیں کہاں؟" وہ پانی کا گلاس تھماتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"سینٹ تھامس ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں۔" پاشا نے گلاس ہونٹوں تک لے جانے سے پہلے جواب دیا۔ "میرے خدا... یہ تو بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے پہلے بھی ابا جان وہیں ایڈمٹ ہوئے تھے۔" ماہ نور آنکھیں پھاڑ کر پاشا کی صورت دیکھنے لگی۔

"لیکن وہ لوگ مجھ سے کیوں ملنا چاہیں گے؟ وہ تو مجھ پر فاتحہ پڑھ چکے ہیں۔" وہ دل گرفتہ سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے والد صاحب کی حالت زیادہ ہی خراب ہو۔ کچھ بھی سہی تم فرد اولاد تو ہو ان کی۔ ایسی حالت میں تو انسان سب کچھ بھول بھال جاتا ہے۔"

"ایسی حالت میں؟ کیسی حالت میں؟" ماہ نور متوحش نظروں سے پاشا کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ اس سے نظریں چرا کر پانی پینے لگا۔

"اف... اس طرح کی گنجائش پہلے کیوں نہیں نکلی؟ میرا قصور کیا تھا جو میرے اپنوں نے مجھ سے منہ موڑ لیا تھا۔ اب کیوں یاد آئی ہوں ان کو... اسے پہلے عدل کے ترازو کس نے اتار کر رکھ دیے تھے۔ نہیں نہیں... میں نہیں جاؤں گی جب وہ مجھے مرا ہوا فرض کر چکے ہیں تو کیوں زندہ کیے ہوئے ہیں۔ کیوں آواز دے رہے ہیں؟" اس کا جی چاہ رہا تھا چیخیں مار مار کر رو دے۔ وہ کھڑی ضبط کرتی رہی۔

"کوئی تمہیں مجبور نہیں کر سکتا۔ تمہاری مرضی ہے۔ جانا چاہو تو میں لے چلنے کو تیار ہوں نہ جانا چاہو تو کوئی زبردستی نہیں۔ میں اپنے کمرے میں ہوں جو پروگرام ہو بتا دینا۔ آرام کر رہا ہوں۔ ساری رات بہت مصروفیت رہی... بہت ممکن ہے۔" وہ بولتے بولتے رکا۔ تھوڑا سا مسکرایا۔ "یہ میری "آرام گاہ" ہے ساری دنیا میں گھوم کر دیکھ لیا۔ سونے کا مزہ "اپنے گھر" میں آتا ہے۔"

وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ گلاس اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ دھیرے سے اس کے رخسار کو چھوا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ بت بنی اسی طرح کھڑی رہی۔

باپ کے بہت سے روپ اس کی نظروں کے سامنے تھے۔ ایسا باپ جس نے کبھی اس سے سخت لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ کبھی کسی بھول چوک پر لعن طعن نہیں کی تھی۔ پتا نہیں کیسی طبیعت ہے اور کس وجہ خراب ہے۔ اگر بات سیریس نہ ہوتی تو ممکن ہی نہیں اس کے لئے کوئی پیغام آتا۔

وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ وہ جبر کے طوق جو خود کو پہنا رکھے تھے اتار ڈالے۔ سب گلے بھول گئی۔ آخر بابا تو ابا ہیں۔ پہل تو کی ہے... معاشرے سے خوفزدہ لوگوں نے کچھ ہمت تو کی ہے۔

وہ گلاس وہیں ٹیبل پر رکھ کر تیزی سے خوابگاہ میں آئی۔

"اگر چلنا ہے تو پھر ابھی چلیں۔" وہ اندر داخل ہوتے ہی بولی۔ پاشا وارڈ روب کا پٹ کھولے کھڑا تھا۔

"اماں کو تو آنے دو۔" وہ بغیر پلٹے مصروف انداز میں بولا۔

"تو بلا لائیں اماں کو... پتا نہیں انہیں کتنی دیر ہو جائے۔ ایسا کریں اماں کو بھی ساتھ لے لیں۔" اس نے کہا۔ "اماں کو رہنے دو۔ پہلے سفارتی تعلقات بحال ہونے دو پھر اپنی ساس نندوں کا جلوس لے کر جانا عیادت کے لیے۔" اس نے وارڈ روب کا پٹ بند کرتے ہوئے کہا۔

"تم تیار ہو جاؤ۔ ہو سکتا ہے اتنی دیر میں اماں آ جائیں۔" اس نے ماہ نور کے سراپے پر ایک نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک تو ہیں کپڑے۔ اسپتال ہی تو جا رہے ہیں، شادی میں تو نہیں جا رہے۔" وہ چڑتے ہوئے انداز میں بولی۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے... اب تو کاٹ کھانے لگی ہو۔ بہادروں کے ساتھ رہو گی تو اچھا اثر ہو گا صحبت کا۔" وہ بڑے صلح جو انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"ہونہہ... بہادر..." وہ بھڑکتی ہوئی اپنی چادر تلاش کرنے لگی۔

پاشا نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی۔

"جائیں ناں... اماں کو بلا لائیں۔" وہ آخر لہجے میں جھلائی۔

"یار تمہارا یہ ڈانٹ ڈپٹ 'جھاڑ جھپاڑ' کا اپنا مزہ ہے۔ ہم نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی کوئی نازک سی لڑکی ہم پر حکومت کرے گی۔ ہم بے بس پاشا پر۔"

"مزید بے وقوف بننے کا موڈ نہیں ہے۔ بہت پھر رہی ہیں سڑکوں پر۔ وہاں ضائع کریں اپنے قیمتی جملے۔" وہ پھر پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

پاشا جلدی سے یوں باہر کی طرف بڑھا جیسے ڈر گیا ہو۔

ماہ نور نے جلدی جلدی چادر لپیٹی۔ اپنا ہینڈ بیگ نکالا اور باہر آ گئی۔ لاؤنج میں بیٹھنے کے بجائے گیٹ کی طرف نکل آئی اور ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔

امی اور شمسہ بھی یقیناً اسپتال ہی میں ہوں گی۔ پتا نہیں کس انداز میں ملیں گی؟ وہ تو ویسے ہی پریشان ہوں گی ابا جان کی وجہ سے۔ وہ ٹہل ٹہل کر سوچ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد پاشا گیٹ کھول کر اندر آیا۔ پیچھے پیچھے حواس باختہ سی قمر النساء آ رہی تھیں۔

"میں بھی چلوں؟" وہ ماہ نور سے پوچھنے لگیں۔

"ابھی آپ رہنے دیں۔ دیکھتے ہیں کیا صورت حال بنتی ہے۔ بعد میں لے جاؤں گا۔" پاشا نے واضح طور پر منع کر دیا۔

"تم ایک منٹ ٹھہرو، میں چابی لے کر آتا ہوں۔" پاشا تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گیا۔

"ہمت قائم رکھو۔ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ دکھ بیماری بھی زندہ انسان کے ساتھ ہے۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ انہوں نے تمہیں یاد کیا۔ بھلا ناخن سے ماس جدا ہو سکتا ہے۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی۔" قمر النساء دلاسہ دینے لگیں۔

"جی اماں! بس دعا کریں کہ ابا جان ٹھیک ہو جائیں تاکہ ان سے مکمل ملاقات کی خوشی حاصل ہو۔ بات چیت ہو۔" بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی۔

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔" قمر النساء نے اس کی پیشانی چوم لی۔

"چلو ماہ نور... گاڑی باہر ہی ہے۔" پاشا واپس آ کر عجلت بھرے انداز میں بولا۔

"اچھا اماں... خدا حافظ... دعا کیجیے گا اور وہاں فون کر کے استانی سے بھی دعا کے لئے کہیے گا۔"

"ہاں ہاں ضرور... فون تو ویسے بھی مجھے کرنا تھا۔" وہ ان کے پیچھے آتے ہوئے بولیں۔

پاشا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ ماہ نور ماؤف ذہن کے ساتھ مشینی انداز میں بیٹھ گئی۔ دروازہ بند کیا اور سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

پاشا نے خود بھی اسے مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی۔

ماہ نور نے جب محسوس کیا کہ گاڑی چلتے ہوئے کافی دیر ہو گئی ہے تو اس نے آنکھیں کھول کر شیشے سے باہر دیکھا۔ بڑا نامانوس سا راستہ لگا۔

نہ جانے کس راستے سے سیونتھ روڈ سے جا رہے ہیں اس نے سوچا مگر خاموش رہی۔ اور دوبارہ آنکھیں موند لیں۔ پندرہ سات منٹ گاڑی اور چلی پھر ایک جگہ رک گئی۔ سامنے بڑا سا سیاہ گیٹ تھا۔ بائیں طرف "پاشا ہاؤس" کی پلیٹ لگی تھی۔ دائیں طرف ایڈریس کندہ تھا۔ ماہ نور لمحے بھر کو چکرا سی گئی۔

"یہاں کیوں آئے ہیں؟ مجھے ہاسپٹل جانا ہے، جلدی ہے۔" وہ ناراض انداز میں بولی۔

"ابھی چلتے ہیں۔ یہاں گیسٹ آئے ہوئے ہیں تھوڑا انہیں ان کو دے کر چلتے ہیں۔ تمہارا جی چاہے تو ہاسپٹل میں رہ جانا۔ پریشان کیوں ہو رہی ہو؟" پاشا نے عام سے انداز میں جواب دیا۔

اتنی دیر میں باوردی رائفل بردار چوکیدار گیٹ وا کر چکا تھا۔ پاشا زن سے گاڑی اندر لے گیا۔ چوکیدار نے فوراً گیٹ بند کر دیا تھا۔

پاشا نے چابی گھما کر انجن بند کیا۔ چابی نکال کر ٹراؤزر کی اوپری جیب میں ڈالی پھر اس کی طرف چہرہ موڑا۔

"اندر تھوڑی دیر بعد چلتے ہیں ایزی رہو۔ کم آن۔" اس نے آگے کی طرف جھک کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا اور اس سے پہلے خود اتر گیا اور دروازہ بند کر دیا۔

"آپ مل آئیں اپنے مہمانوں سے میں یہاں انتظار کر رہی ہوں آپ کا۔" وہ آرام کرنے کے انداز میں سیٹ پر پھیل کر بیٹھ گئی۔

"او کے! جیسے تمہاری مرضی۔" پاشا نے اصرار نہیں کیا اور پورٹیکو کے دائیں طرف داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ماہ نور انتظار کی کوفت میں مبتلا ہو کر بیٹھ رہی۔

کافی دیر گزر گئی۔ وہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی۔ حبس سے اس کا برا حال ہو گیا۔ اس نے شیشے سے باہر دیکھ کر کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ پوری کوٹھی میں ہو کا عالم طاری تھا۔ اس نے گردن موڑ کر پیچھے کی جانب دیکھا۔ چوکیدار اسٹول پر بیٹھا تھا۔ رائفل کی نال زمین پر ٹکائے۔ ایک نظر میں کوئی بے حس و حرکت بت محسوس ہوا۔

"خود ہی بتا رہا تھا کہ ابا جان کی حالت سیریس ہے۔ اب مہمانوں میں یوں مگن بیٹھا ہے گویا اسی مقصد کے لئے آیا ہو۔" وہ کڑھ کر سوچ رہی تھی۔

"پتا نہیں کیا ٹائم ہو رہا ہے۔ میں نے تو جلدی میں گھڑی بھی نہیں باندھی۔" پوری کوٹھی روشنی سے جگمگا رہی تھی صرف پورچ کی چھت میں درجن بھر بلب روشن تھے۔

وہ چند منٹ پہلو پر پہلو بدلتی رہی بالآخر کھولتی ہوئی گاڑی سے باہر آ گئی۔ بے حس تو ثابت ہے، کون سا نیا کام کیا ہے۔ وہ اس راستے کی طرف چلی جس پر پاشا کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ راستہ ایک راہداری کو جاتا تھا۔ وہ کشادہ سی راہداری میں کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ کئی چمکدار آبنوسی دروازے اس کے سامنے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کس دروازے پر دستک دے۔ اس نے راہداری میں ٹہلنے کا فیصلہ کیا اور آگے بڑھتی گئی۔ راہداری عبور کر کے اب وہ وسیع و عریض لاؤنج میں آ گئی

تھی۔ جہاں اوپر جانے کے لیے خوبصورت چکر دار زینہ بھی نظر آیا۔ معاً ایک بٹلر ٹائپ کا ملازم بڑی نزاکت میں چھوٹی سی ٹرے پر اٹھائے آتا دکھائی دیا۔ ایک "انسان کا بچہ" سامنے دیکھ کر ماہ نور کی جان میں جان آئی۔

وہ بھی ماہ نور کو دیکھ کر چونکا پھر سنبھلا۔

"یس میم!" چادر میں لپٹی محتاط خبردار قسم کی لڑکی اس کوٹھی میں اس کے لئے ایک عجوبہ ہی تھی۔

"پاشا کہاں بیٹھے ہیں؟" اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

"اوہ...." ملازم نے سیٹی کے انداز میں ہونٹ سکوڑ کر اس کا تفصیلی جائزہ لیا۔

"سر تو اپنے بیڈ روم میں ہیں۔" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے ماہ نور کا چہرہ دیکھا تھا۔

"اکیلے ہیں یا ان کے گیسٹ بھی ہیں وہاں؟" (بس ہو گیا ہوگا اپنے مہمانوں میں مگن بھول چکا ہوگا باہر گاڑی میں بیٹھی خوار ہو رہی ہوں)

"جی.... ان کے گیسٹ بھی ہیں۔" اس کی آنکھوں میں معنی خیز چمک تھی۔

"کیا تم مجھے ان کے بیڈ روم تک لے جا سکتے ہو۔ میں فرسٹ ٹائم یہاں آئی ہوں۔" اس نے درخواست کے ساتھ ساتھ وضاحت بھی کی۔

"او شیور.... آئیے۔" وہ دوبارہ زینہ طے کرنے لگا۔ ماہ نور اس کے پیچھے چل پڑی۔

فرسٹ فلور پر آ کر وہ ماہ نور کی طرف مڑا۔

"یہ فرسٹ ڈور...." اس نے دروازے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سر نے کہا تھا کہ ایک اور گیسٹ بھی آئیں گے انہیں اوپر لے آنا۔ جو کوٹھی میں داخل ہو جاتا ہے وہ ان کے بیڈ روم تک بھی جا سکتا ہے۔ آپ ایزی فیل کریں ناک کر سکتی ہیں۔" وہ اتنا کہہ کر واپس پلٹ گیا۔

"ہوں.... یس....." پاشا کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

ماہ نور نے ہینڈل گھما کر آہستگی سے دروازہ کھولا۔ اے سی کی ٹھنڈک اور تیز خوشبو نے اس کا سواگت کیا۔ کمرے میں بہت ہلکی روشنی تھی۔ پہلی نظر میں کچھ بھی واضح دکھائی نہ دیا۔ وہ اندر داخل ہو گئی۔

"دروازہ بند کر دو ماہ نور۔" پاشا کی آواز میں بڑی تسلی تھی۔

عجیب قسم کی پراسراریت سے ماہ نور کا دماغ ماؤف سا ہو رہا تھا۔ اس نے میکانکی انداز میں دروازہ بند کر دیا اور مڑ کر کمرے میں نظریں دوڑانے لگی۔ معاً اسے مخصوص قسم کی بو کا ماحول میں رچا ہوا محسوس ہوا جس سے وہ آشنا ہو چکی تھی۔ اس بو نے گویا اس کی تمام حسیات کو نئے سرے سے جگا دیا۔

"اوہ....." اسے بری طرح شاک لگا تھا۔ سامنے گولڈن بار یک ڈبی میں ملبوس بال بکھرائے بیڈ پر بے تکلفی سے ثریا شیدی دراز تھی۔

پاشا صوفے پر بیٹھا تھا۔ سامنے ٹیبل پر سامان شوق سجا تھا۔

"آؤ ماہ نور۔ ادھر میرے پاس بیٹھو۔ میری اپنی..... میری جان ماہ نور..... گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ندی پہ بیٹھی ہونے کی۔ یہ (گالی) جو میرے بستر پر دھرنا مارے ہوئے ہے۔ اس نے میری دولت کے ساتھ شادی کی ہے۔ ایک اور (گالی) انوشہ ہے۔ ماہ نور..... دیکھو تو یہ بھی کوئی بات ہوئی..... کوئی میری دولت سے شادی کر رہا ہے کوئی میری خوبصورتی سے۔ میں ایک ذات بھی تو ہوں ماہ نور..... میری روح سے بھی تو کوئی نکاح پڑھائے۔ تم بھی بہت خراب نکلیں۔ خوبصورت پیکنگ

ہوتا جب جانتے بوجھتے ایک آزمائی ہوئی کرپٹ لڑکی کی شادی اس سے کردی جاتی۔ تم خود اچھے آپ سے پوچھو۔ کیا واقعی موبل اس سلوک کی مستحق ہے کہ لوگ اسے پتھر مار مار سنگسار کریں اس کا سوشل بائیکاٹ کریں یا اس پر خوشیوں کے دروازے بند کریں؟" مومن نے پلٹ کر ریا سے سوال کیا۔

"قصور تو میرا ہے ماہم حدود آرڈیننس کے تحت میرے خلاف مقدمہ درج کراؤ۔ سر عام درے لگواؤ اس لئے کہ یہ بھول شادی شدہ ہونے سے پہلے کی ہے۔" یہ کہہ کر مومن نے جھٹکے سے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

ریا چند ساکت لمحوں اس کے الفاظ پر غور کرنے لگی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں موبل کا اس سارے قصے میں کیا قصور ہے؟ ایسی احمقانہ سچائیوں سے تو صرف موبل پر ہی خوشیوں کے دروازے بند ہوں گے ہیں اگر منگنی ٹوٹ ری گئی تو نقصان صرف بے قصور موبل ہی کا ہوگا۔ جنگجو کی شادی کہیں اور ہو جائے گی۔ میں اپنی زندگی میں گم مومن اپنے راستے پر رواں دواں۔"

شکر ہے سوچنے کے ساتھ ہی کچھ نہ کر بیٹھی۔ لیکن وہ موبل بھی تو بہت بے وقوف ہے۔ کہیں خود ہی کچھ نہ بتا بیٹھے۔ اسے بہت سمجھانا پڑے گا۔" وہ سوچتی رہی..... تانے بانے بنتی رہی۔

"موبل کتنی ہی بے قصور سہی مگر یہ بات حقیقت ہے کہ اس کے منگیتر کے ساتھ بہر حال زیادتی ہے۔ بے چارہ سیدھا سادہ سا لڑکا۔" وہ کسلمندی سے انگڑائی لیتی اٹھ بیٹھی۔ "کتنے دن ہو گئے۔ موبل کی بچی کو بھی نہیں دیکھا..... ماشاء اللہ کرکے جانی ہوں کتنی پیاری سی بچی ہے..... آہ..... بے چاری بے بی۔"

اس نے بیڈ سے اتر کر واش روم کا رخ کرتے ہوئے سوچا۔ "ٹھیک ہے میں اس کے لئے کچھ بھی نہ کرسکی اب اتنی کوشش تو کرسکتی ہوں کہ مومن کو مجبور کروں وہ بچی کو خود پالیں۔ سگی ماں نہ سہی سگا باپ سہی۔" وہ اپنے طور پر فیصلہ کرکے مطمئن ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆

"بیٹی! دل خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا کی بیٹیاں امریکہ یورپ وغیرہ میں نہیں بسی ہوئیں؟ اپنی چاہت نہیں ہے۔ آخر وہ بھی تو کسی کی بچی ہے۔ بیٹی عزت سے اپنے گھر کی ہو تو سجدہ شکر بجالانا چاہیے۔" بڑی اماں عارفہ کو سمجھا رہی تھیں جو ثمرہ کے انڈیا جانے کے خیال سے بہت فکرمند رہنے لگی تھیں۔

"وہ تو ٹھیک ہے اماں! میں تو بالکل اکیلی ہو جاؤں گی۔" وہ آبدیدہ ہو کر بولیں۔

"ہو سکتا ہے جمال یہیں سیٹ ہو جائے۔ کان میں تو ڈال دی ہے کہ یہاں پاکستان میں کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کر لو۔ یہاں تمہارے بھائی ہیں جو ہو سکے گا مدد کریں گے۔"

"یہ تو آپ کا مجھ پر بہت ہی بڑا احسان ہوگا۔ مجھے خود تمہارے اکیلے پن کا احساس ہے۔ تم تو ماں سے ملنے بھی مہینوں میں گھر سے نکلتی ہو۔" بڑی اماں نے عارفہ کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"دوری نزدیکی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دعا کرو بیٹی جہاں رہے سکھی رہے۔ شادی کامیاب ہو۔ بعض اوقات تو دل میں بیٹھ کر بھی دلی دوری ہوتی ہے۔ چند منٹوں کے فاصلے پر رہتی تھی۔ کبھی ملی اپنے بچوں سے؟ ریا گود میں کھیلتی تھی اتنا چھوٹا بچہ ماں سے دور ہو تو ماں کو چین آتا ہے؟ کیسے پتھر کے دل ہونے ہیں بعضوں کے..... آہ....." بڑی اماں نے سرد آہ بھری۔

"خیر اماں! بھابی کا تو قصہ ہی اور ہے اگر ملنے کی کوشش بھی کرتیں تو کس منہ سے۔ بچے اس وقت اتنے سمجھدار نہیں تھے۔ تب ماں کی صورت کے روادار نہیں تھے۔ اب تو معاملہ ہی اور ہے ایک سا حادثہ لگتا ہے ماہ نور کا اور بھابی کا۔ حالانکہ ایک سا ہے نہیں۔ ماہ نور تو قطعی بے قصور ہے اماں۔" عارفہ کی آواز بھرا گئی۔

"تم ٹھیک بولیں..... ماہ نور تو آخری وقت تک یہی کہتی رہی کہ اسے پاشا کے نام سے بھی نفرت ہے اور تمہاری بھابی..... خیر اب اس بدنصیب کو کیا کہیں۔ جس نے خود سے اللہ کی دی ہوئی نعمتیں ٹھکرا دیں۔ آج اپنے اونچے پورے بیٹوں کے ساتھ بیٹھی ہوتی تو بیٹی بھی دکھائی نہ دیتی۔ لوگ صرف ایک بیٹے کے لئے دعائیں مانگتے ہیں درگاہوں پر جاتے ہیں جادو ٹونے میں پڑ کر اپنے ایمان خراب کر لیتے ہیں۔" بڑی اماں آزردگی سے کہہ رہی تھیں۔

"کیا خبر اماں بیٹے پھر پیدا کر لیے ہوں گھر تو بسا لیا تھا۔" عارفہ بھی اسی انداز میں بولیں۔

"ہاں..... کیا خبر..... جس روز سے آنکھ سے دور ہوئی آج تک نہیں پتا کہاں بستی ہے کیا حال ہے چلو وہ تو پرایا خون تھی اس سارے قصے میں سب سے بڑا نقصان تو میں نے اٹھایا ہے۔ میرا پلا پلایا بچہ..... زندہ موجود پر نہ جانے کہاں؟ عارفہ! رات کے پچھلے پہر آنکھ کھلتی ہے تو ایک ہوک سی سینے سے اٹھتی ہے۔ ٹیپو پر نگاہ پڑتی ہے تو دیر تک حواس ساتھ نہیں دیتے۔ بتا بتا اپنے باپ پر ہے۔" بڑی اماں ہچکیوں سے رونے لگیں۔

"میری تو اس منحوس رات کی صبح ہوئی مگر ہمیشہ کے لئے مجھے رات پڑ گئی۔ چپ چاپ چلا گیا تھا ایک پرچہ چاند کے سرہانے چھوڑ کر۔" وہ بلک بلک کر کہتی جا رہی تھیں۔

عارفہ بھی دوپٹے سے اپنی آنکھیں پونچھنے لگیں۔

"کیسا ایک سا غم ہے اماں! میرا آپ کا..... بیٹا بیٹی ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے اولاد تو اولاد ہے۔ ایک سی تکلیف سہتی ہے ماں پیدا کر کے۔" عارفہ بھرائی آواز میں بولیں اور ماں کا سر سینے سے لگا لیا۔

"مدتوں اس کے دوستوں کے فون آتے رہے خود آتے رہے۔ تیموری ہے.....؟ نہیں ہے! کہیں کہنے اندر سے ٹوٹی ہی۔ پتا مانگتے تو دو پڑتی۔ شاید خود ہی کچھ سمجھ گئے آہستہ آہستہ انہوں نے بھی چھوڑ دیا۔ فون بھی بند ہو گئے۔ کسی کو بھی تو کچھ نہ بتایا۔" بڑی اماں ہچکیوں سے رو رہی تھیں۔

"چھوٹے بھائی نے اپنے ساتھ زیادتی کا بدلہ سب سے لیا ہے اماں۔ اکلوتی بیٹی کے لئے بھی کبھی دل نہ تڑپا۔" عارفہ نے ہتھیلیوں سے ماں کے آنسو پونچھے۔

"بڑی خود غرضی دکھائی تمہارے چھوٹے بھائی نے۔ اولاد کی ہمدردی اور محبت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ بے وفائی کی حد نہیں ہے۔" بڑی اماں نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"ارے آپ لوگ کیوں رو رہے ہیں۔" جمال بڑی اماں کے کمرے میں داخل ہوا تو ٹھٹک کر پوچھنے لگا۔

"ارے بیٹا! نصیبوں کو رو رہے ہیں۔" "اور کیوں رو رہے ہیں؟" بڑی اماں بولیں۔

"لیکن میں نے تو آپ کی بات مان لی ہے۔ پھر بھی آپ خوش نہیں؟" وہ تعجب سے پوچھ رہا تھا۔

"ارے میرا بچہ..... دیکھو عارفہ! کتنا سیدھا ہے۔ میرے بچے! میں تو تیری مشکور ہوں تو نے میرا مان رکھا۔ اندھیرے میں چراغ جلایا۔ اللہ تجھے ہر طرح کا سکھ دکھائے۔ تیری عمر دراز ہو۔" وہ خود کو سنبھالنے لگیں۔

"تو پھر کیوں رو رہی ہیں؟ ماہ نور یاد آ رہی ہے؟" جمال کی حیرت بدستور تھی۔

"نہ پوچھ بیٹے! کون کون یاد آ جاتا ہے۔ تم پریشان مت ہو۔ سو برس کی ہو جاؤں گی کوئی دن جاتے ہیں۔ جانے کیا کیا جمع کیا ہے ان برسوں میں۔ پوٹلی بھر کر پیٹ رکھا ہے۔ ادھر ادھر سے کچھ نہ کچھ سرکنے لگتا ہے۔" بڑی اماں نے فلسفہ بولا جو جمال کے سر سے گزر جاتا تھا۔

"ہو سکتا ہے پھوپھو! ماہ نور ایڈجسٹ ہو گئی ہو..... خوش ہو..... آخر لڑکی کو ہمیشہ اپنے ہزبینڈ کے ساتھ تھوڑا ہی

دیکھا ہوتا ہے" اپنے شوہر کے ساتھ ہی زندگی گزارنا ہوتی ہے۔ دو چار بچے ہو جائیں گے تو بالکل ہی مگن ہو جائے گی۔" جمال کو یقین تھا کہ وہ دونوں ماہ نور کو یاد کر کے ہی رو رہی ہیں اس لئے اپنی دانست میں دلاسہ دینے کی کوشش کی۔

"تم نے ٹھیک کہا بیٹے! ہم یہی سوچ کر خود کو سمجھاتے رہتے ہیں۔" عارفہ خود کو سنبھال چکی تھیں۔

"ہاں تو پھر رونا چھوڑ دیجئے۔ اور شادی کی تیاری کیجئے۔" جمال کا انداز ایسا تھا کہ وہ دونوں اپنی مسکراہٹ کو نہ روک سکیں۔

"جب اتنا بول دیا تو یہ بھی بول دیتے کہ میری شادی کی تیاری کیجئے۔" بڑی اماں نے مسکرا کر جمال کا چہرہ بغور دیکھا۔ اور جمال کو واقعی شرم آ گئی۔

"بیٹے! تیاری کیا کرنا ہے۔ نقد دے رہے تھا۔ تم اپنی پسند سے خریداری کر لینا۔ مرضی ہو جیز بنا خرید لینا۔ مرضی ہو سنبھال (سنبھال) کر رکھنا۔ بس ہم تو دو چار جوڑے کپڑے تمہارے اور دو چار شرٹ کے بنا دیں گے۔ یہ تیاری اپنے کرنا ہے۔" بڑی اماں نے کہا۔

"رہنے دیں دادی جان! ہمارے پاس کافی کپڑے ہیں۔" جمال نے شرماتے ہوئے کہا۔

"ارے بچے! دولہا کو کپڑے تو دیئے جاتے ہیں! محلے سے ہزار جوڑے کپڑے ہوں اس کے پاس۔" بڑی اماں اس کی سادگی پر فدا ہو گئیں۔

"بڑی اماں..... پھل سے کیڑا نکلا ہے..... مولی ڈر گئی ہے۔" معاً ہانی ہانپتی کانپتی اندر داخل ہوئی۔

"توبہ ہے..... مار ہولا دیا..... پھل سے کیڑا نکلا ہے سانپ تو نہیں نکلا؟" بڑی اماں نے اسے جھاڑ پلائی۔

"وہ ڈولی ہے..... کیڑا..... بڑا ہے بڑی اماں۔ جیسی پھلی ہے ناں..... ان کے رنگ کے جیسا ہے۔" ہانی نے بڑی اماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"اے ہاں..... بڑی اماں نے آج تک پھلیا (مٹر) کے کیڑے ہی نہیں دیکھے۔" بڑی اماں کو غصہ آ گیا۔

"اے بیٹا! جاؤ ذرا اس کیڑے کو اٹھا پھینکنا۔ کھانا پکنے میں ویسے ہی دیر ہو رہی ہے۔ ورنہ بیٹھی رہے گی۔ مقدمہ بنائے مٹر کی پھلی کو۔ بتاؤ اتنی بڑی پھلی کے کیڑے سے ڈر رہی ہے۔" بڑی اماں نے جمال سے کہا۔

"اسے مار دینا..... پھینکنا نہیں....." ہانی نے وہیں کھڑے کھڑے جمال کو کسی جتن کا پابند کیا۔

☆☆☆☆☆

"اے ہاں بیٹا..... مار دینا..... کہیں پھر لوٹ آئے ان کو ڈرانے۔" بڑی اماں جل کر بولیں۔

"جی جی میں سمجھ گیا۔" جمال بھی یوں ہانی کے ساتھ جا رہا تھا جیسے بہت ضروری کام کرنے جا رہا ہو۔

"یہ تو بہت سیدھا ہے اماں! آپ برا مت مانیے گا بلکہ بے وقوف ہی کہیں۔ پتا نہیں کہیں شرمیلے سمجھ کے ہم نے ان سے جان چھڑائی ہے اسے پسند بھی آ سکے گا یا نہیں....." عارفہ نے قدرے جھجک کر کہا تھا۔

"ارے بیٹی! سیدھا پن بھی عیب ہوا؟ اللہ کا شکر ہے کوئی شرعی عیب تو نہیں ہے اس میں۔ سیدھی سچی بات کرتا ہے تو یہ عیب ہوا۔ منہ کے بجائے ناک سے کھاتا ہے؟ جیسا تیسا کسی پیسہ تو لاتا ہے۔ بے روزگار تو نہیں ہے۔ بوجھ تو نہیں بنا ہوا کسی پر۔" بڑی اماں نے عارفہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ان کے لہجے میں تحمل تھا۔

"شکر کرو مجبوراً کسی ایسے ویسے کے پلے نہیں باندھنا پڑا۔ ان حالات میں بچی کو اچھا نصیب ہوا۔ صورت شکل سے برا نہیں۔" وہ مزید گویا ہوئیں۔

عارفہ خاموش رہیں۔

"جب کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو شک و شبے میں ذہن نہیں الجھاتے۔ یہ بھی ایک طرح سے بدشگونی ہوتی ہے۔ اللہ سے اچھے نصیب کے لئے دعا کیا کرو۔"

بڑی اماں نے عارفہ کو مطمئن کرنے کے لئے مزید دلیل دی۔

عارفہ اب بھی خاموش تھی۔

☆☆☆☆☆

"آپ اتنے دن کہاں رہیں چھوٹی بیگم؟" آپا پوچھ رہی تھی۔

"بڑی اماں کی طرف گئی ہوئی تھی۔ بے بی تو ٹھیک ہے ناں۔ ماشاء اللہ صحت مند لگ رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے خوب محنت کر رہی ہو اس کے ساتھ۔" ریبا نے بچی کو اٹھا لیا جو بیڈ پر لیٹی ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔

"محنت اپنی جگہ کھلائی پلائی بھی اچھی ہے۔ بڑی بیگم بہت خیال رکھتی ہیں۔ اس کا بھی اور میرا بھی اور مون صاحب....." عورت بولتے بولتے یکلخت چپ ہو گئی۔ جیسے کچھ خیال آ گیا ہو۔

ریبا بھی یوں ہو گئی جیسے اس نے "مون صاحب" سنا ہی نہ ہو۔

"دل سے دعا نکلتی ہے۔ میرے بچوں کا بھی اس بچی کے وسیلے سے بھلا ہو رہا ہے۔ بیگم صاحبہ نے بچوں کے لئے گرم کپڑے بھی دیئے ہیں۔ دو کمبل اور ایک لحاف بھی دیا ہے۔ آپ نے پیسے دیئے تھے تو میں نے تین لحاف اور ایک گدا بنوا لیا تھا۔ ورنہ ہر سردی میں سکڑ سمٹ کر سوتے تھے۔ اب تو سردیاں بھی اچھی کٹیں گی اوڑھنے کو بھی ہے بچھانے کو بھی..... اور پیٹ میں رزق کی گرمی بھی۔ اللہ اس بچی کا نصیب اچھا کرے جس کی وجہ سے ہمارے نصیب پھرے ہیں۔ بعض اوقات آپ کی بات یاد آتی ہے تو دل بیٹھنے لگتا ہے کہ آپ ہر قیمت پر اس کی ماں کی شادی اس کے باپ سے کروائیں گی۔ خیال آتا ہے ذکر کی گئی تو ہمارے تہوار پھر سونے ہو جائیں گے۔ پھر سوچتی ہوں ہم اپنی غرض کے پیچھے اس بچی کو لاوارثوں کی طرح پلنے کی کیوں تمنا کریں۔ کیا پتا قدرت کب کوئی بنیاد رکھ دے۔ کیوں چھوٹی بیگم؟" آپا نے اپنے "خیالات" کا اظہار کیا۔

"ایسا ہونا ممکن ہوا تو نظر نہیں آ رہا البتہ میں ضرور سوچ رہی ہوں کہ اس بچی کو میں خود پالوں۔" ریبا نے کہا۔

"ایسا نہ بولیں۔ دعا کریں اللہ جلد آپ کی گود ہری کرے۔ آپ اپنے بچے پالیں۔" عورت نے بے ساختہ کہا۔

"یہ بھی اپنی ہی ہے۔" ریبا نے بچی کا رخسار چومتے ہوئے کہا۔

"یہ تو آپ کا بڑا پن ہے۔ یہ تو آپ کی نمک خوار کے پیٹ سے پیدا ہوئی ہے۔" عورت نے متاثر ہو کر کہا۔

"اللہ کی مرضی۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے کون کہاں پیدا ہو گا۔" ریبا نے بزرگوں کے انداز میں کہا۔

"ہاں..... آپ کی بات پر مجھے یاد آ گیا۔ بیگم صاحبہ اپنی کسی بے اولاد رشتے دار کا ذکر کر رہی تھیں جو امریکہ میں رہتی ہیں۔ بے اولاد ہیں۔ بیگم صاحبہ ان کو دینا چاہتی ہیں کہہ رہی تھیں انسان کا بچہ ہے کب تک سب کی نظروں سے چھپی رہے گی۔" آپا نے بتایا تو ریبا چونک پڑی۔

"تو کیا وہ امریکہ سے آئی ہوئی ہیں؟" اس کا لہجہ عجیب سا ہو گیا تھا۔ جیسے کسی الجھن میں پڑ گئی ہو۔

"نہیں..... ابھی تو نہیں آئیں۔ بیگم صاحبہ بتا رہی تھیں کہ عید پر آئیں گی۔ ٹیلی فون پر بات ہوئی ہو گی۔" آپا نے اندازاً کہا۔

"ہوں..... اچھا....." ریبا نے گم صم سے انداز میں بچی کا چہرہ دیکھا۔ (اس کے نقش تو بالکل مون جیسے ہیں)

"آپ کو لگتا ہے بچی سے بہت محبت ہو گئی ہے۔" آپا نے ہنس کر کہا۔

"بچے تو سب ہی کو اچھے لگتے ہیں۔" اس نے بچی کو ایک مرتبہ پھر چوم لیا۔

"تم اپنا کام کرو..... میں اس کے ساتھ کھیل رہی ہوں۔" ریبا نے آیا سے کہا اور بچی کو لے کر اطمینان سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

☆☆☆☆☆

ماہ نور ساری کوٹھی کا چکر لگا چکی تھی۔ رات کو وہ ایک نسبتاً الگ تھلگ کمرے میں جا کر سو گئی تھی۔ لیٹنے کے فوراً بعد تو نیند نہیں آئی تھی جانے کب تک کروٹیں بدلی تھیں۔ پھر جانے کب آنکھ لگی تھی۔ صبح دن چڑھے آنکھ کھلی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر باہر آئی تھی۔ قدرتی طور پر اس کے قدم پاشا کی خواب گاہ کی طرف اٹھے تھے۔

دروازہ اندر سے لاک نہیں تھا۔ اس نے اندر جھانکا تو کمرہ خالی تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ڈریسنگ میں جھانکا تھا پھر واش روم کا دروازہ دھکیلا۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ مگر واش روم کا حلیہ بتا رہا تھا کہ کچھ دیر پہلے ہی خوب استعمال ہوا تھا۔ وہ واپس باہر آ گئی۔ ساری کوٹھی گھوم کر آخرکار کچن میں چلی آئی۔ ایک پیالی گرم چائے کی خواہش ہو رہی تھی۔ کچن میں بٹلر اپنے کام میں محو تھا۔ اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ "گڈ نون میڈم..... میں آپ کے اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑا ویٹ کیجیے میں آپ کا بریک فاسٹ تیار کرتا ہوں۔" اس نے چاقو تھال میں رکھا اور ہاتھ پونچھے۔

"نو تھینکس..... فی الحال مجھے صرف ایک کپ چائے چاہیے۔" ماہ نور نے بیزار کن لہجے میں کہا اور باہر ڈائننگ میں آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ دیواروں پر ووڈ ورک کی قابل دید آرائش تھی۔ چوبیس کرسیوں والی شاندار ڈائننگ ٹیبل بتا رہی تھی کہ یہاں کتنی مہمانداری ہوتی ہے۔ ایک دیوار پر صرف شیشے کی الماری بنی ہوئی تھی۔ دنیا زمانے کی کراکری جیسے کھلونے سجے ہوئے تھے۔ ایسا بھرا گھر بغیر عورت کے..... جو عورتیں اس گھر میں آتی ہوں گی انہیں ان برتنوں سے کیا دلچسپی ہوتی ہو گی جو صرف ایک رات گزارتی ہوں گی پاشا کے ساتھ۔ ان چیزوں کو تو ایک گھریلو عورت ہی انجوائے کر سکتی ہے۔ تین منٹ ہی گزرے تھے کہ بٹلر چائے لے کر حاضر ہو چکا تھا۔

"بڑی جلدی چائے تیار کی۔" ماہ نور نے حیرت سے کہا۔

"الیکٹرک کیٹل کا کمال ہے میڈم..... میرا نہیں۔" بٹلر نے ٹرے رکھتے ہوئے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔ "سب کچھ ارینج تھا بس آپ کے آرڈر کے بعد واٹر بوائل کرنا تھا۔" بنگالی بٹلر بولتا ہوا بہت دلچسپ لگا۔ ماہ نور نے اندازہ لگایا کہ وہ بہت اسمارٹ اور ایجوکیٹڈ ہے۔ (ظاہر ہے بندے چھانٹنے کا تجربہ ہے) اس نے کپ اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا۔

"چائے بہت اچھی ہے مسٹر بٹلر۔" کوٹھی کے پر ہول سناٹے میں بٹلر کی آواز بہت غنیمت لگی۔ اس لیے اس نے بے سوچے سمجھے بول کر جواب میں شاید پھر اس کی آواز ابھرے۔

"تھینکس میڈم..... اصل میں چائے کا پتی اسپیشل ہے۔ یہ صاحب سنگاپور سے منگاتا ہے۔ اور لیس..... اصل میں ہم کنفیوز ہو گیا تھا۔ سیلون سنگاپور ہی میں ہے نا.....؟"

"تم اپنی تعریف پسند نہیں کرتے غالباً۔ فرض کرو کبھی کریڈٹ لینے کا دل چاہے تو کس پر لینا پسند کرو گے؟" ماہ نور کا ذہن کئی حصوں میں بکھرا ہوا تھا مگر بٹلر پر یوں ظاہر کر رہی تھی گویا خاص طور پر اسے شرف کلام عطا کر رہی ہو۔

"کہ ہم نیٹ اینڈ کلین رہتا ہے۔ صفائی پسند ہے۔ ہمارے شوز کا سول بھی شائن کرتا ہے۔" بٹلر نے اتنا کہہ کر مؤدبانہ سر کو خم دیا اور واپس چلا گیا۔

ماہ نور کو اس کی صاف گوئی بلکہ نپا تلا انداز گفتگو اچھا لگا۔ پتا نہیں کہاں سے چھانٹ کر بندے پکڑتا ہے۔ بے چارہ

کہاں پھنسا ہوا ہے۔ اتنی قابلیت ہے کہ کوئی کیریئر بھی بنا سکتا تھا۔ یہاں بیٹھا اتنے غلط آدمی کی چاکری کر رہا ہے۔ پتا نہیں جوان کو تنخواہ کیا دیتا ہو گا۔ پوچھ کر دیکھتی ہوں۔ یہ تو سادہ اور سچا۔ غلط تو نہیں بتائے گا۔ وہ کپ اٹھا کر دوبارہ کچن میں آ گئی۔

بٹلر پھر اپنی الجھن سے چونکا۔

"یس..... میڈم.....؟"

"او نہیں۔ میں تو یہ پوچھنے آئی ہوں تم کو یہاں سے اتنا مل جاتا ہے کہ ٹھیک ٹھاک گزارا ہو جائے؟"

"او یس میڈم..... ہم اپنا لائف سے خوش ہے۔"

"کیا سیلری ہے تمہاری..... حالانکہ کسی سے اس کی سیلری نہیں پوچھنا چاہیے مگر میں اندازہ کرنا چاہتی ہوں کہ تم جو ڈیزرو کرتے ہو وہ تمہیں ملتا بھی ہے۔"

"یس میڈم....." ہم بالکل اونچا سیلری بتائے گا..... آپ ہمارا مالک ہو۔ صاحب بولتے ہیں آپ ان کا سویٹ ہارٹ ہو۔ اصلی والا بیگم ہو۔ ہم ادھر سے تھرٹی تھاؤزنڈ ارن کرتا ہے۔ ایکوموڈیشن فری ہے۔ کنوینس ہے۔ اے سی ٹی اے ڈی کھانا فری ہے۔ صاحب انعام و اکرام بھی بہت دیتے ہیں۔ سکس تھاؤزنڈ ہم اپنی مدر کو دیتا ہے۔ ابھی ہمارا ایک برادر چھوٹا ہے۔ ایجوکیشن لیتا ہے۔ اینی مور میڈم؟"

"نو..... تھینکس....."

"مسٹر بٹلر..... کیا چائے پینے کے بعد میں یہاں سے باہر جا سکتی ہوں۔ تم میری ہیلپ کر سکتے ہو؟" ایک خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوندا کیوں نہ وہ اس سادہ سے نوجوان سے کوئی فائدہ اٹھا لے اور اس حسین جیل سے نجات حاصل کر لے۔

"میڈم! میرا رول صرف کوٹھی کے اندر تک ہے۔ باہر واچ مین سرحد پٹھان بیٹھا ہے۔ اس کو پتا ہوتا ہے اور اجازت ہوتی ہے کون اندر آ سکتا ہے، کون باہر جا سکتا ہے۔ آپ اس سے معلوم کر سکتی ہیں۔" بٹلر نے بڑا ڈپلومیٹک جواب دیا۔

ماہ نور چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے سوچتی رہی۔ "لو..... وہ تو خود ہی "سرحد" ہے اور سرحد عبور کرنے کے لیے باقاعدہ ڈاکومینٹیشن کارروائی ہوتی ہے۔" اس نے مایوسی کی کیفیت اپنے اندر محسوس کی اور چائے کا کپ رکھ دیا۔

"مجھے پتا نہیں کہ وہ مجھے باہر جانے دے گا یا نہیں۔ اسی لیے تم سے ہیلپ کے لیے کہا تھا۔" اس نے کہا۔

"سوری میڈم..... اتنی اچھی نوکری ہمیں مشکل ہی سے ملے گی۔ ورنہ ہم آپ کی ضرور ہیلپ کرتا..... آپ کو پتا ہی ہے اس ملک میں بے روزگاری کا عالم..... ہم نے انگلش میں ماسٹرز کیا ہے مگر اس کوٹھی میں بٹلر ہے۔"

"کوئی بات نہیں مسٹر بٹلر۔" اس نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔ "تم نے سوچا نہیں کہ میں بھی مالکن ہوں۔" "ہم ملازم ہے۔ مالک کے پرسنل ڈسکس کرنا ہمیں سوٹ نہیں کرتا۔ ملازم وہی ٹھیک ہے جو اپنی لمیٹیشن جانتا ہے۔" بٹلر نے سنجیدگی سے کہا۔

"او کے۔" ماہ نور نے غائب دماغی کی کیفیت میں کہا۔

"آپ بریک فاسٹ کتنے ٹائم پر لیں گی؟" بٹلر نے یوں کہا جیسے روٹین کے انداز میں پوچھتے ہیں۔

"ابھی میرا موڈ نہیں۔ دل چاہے گا تو خود تیار کر لوں گی۔ تم اپنا کام کرو..... او ہاں فون کر سکتی ہوں ماں؟" معاً اس نے چونک کر پوچھا۔

"آپ کا گھر ہے..... آپ کا فون ہے میڈم..... آپ کو کسی پرمیشن کی ضرورت نہیں۔" بٹلر نے مؤدبانہ کہا اور ماہ نور پر جیسے ایک جنون طاری ہو گیا پھر وہ کچن میں رکی نہیں اور تیزی سے پاشا کے بیڈروم کی طرف آئی اس لیے کہ یقین تھا کہ وہاں

ٹیلی فون سیٹ لازمی ہوگا۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے نظر دوڑائی۔ بیڈ کے سرہانے فون سیٹ نظر آیا۔ وہ تیزی سے فون سیٹ کی طرف بڑھی۔ ریسیور اٹھا کر پہلے یہ تسلی کی کہ فون کام کر رہا ہے پھر بیڈ پر بیٹھ گئی اور سیٹ گود میں رکھ لیا۔ پھر ایک نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف قمر النساء نے ریسیور اٹھایا تھا۔

''السلام علیکم اماں!'' اس نے گلا صاف کر کے سلام کیا۔ ''ماہ نور بول رہی ہوں۔''

''وعلیکم السلام! خیریت ہے ناں بیٹی...... رات کو تم واپس نہیں آئیں مارے پریشانی کے ساری رات نیند نہیں آئی۔ کیسی طبیعت ہے تمہارے ابا کی؟'' وہ بڑی بے تابی سے پوچھ رہی تھیں۔

''خدا کرے ابا جان خیریت سے ہوں مجھے خود نہیں پتا ابا جان کی طبیعت کیسی ہے؟'' اس نے جواب دیا۔

''کیا مطلب...... تم تو ان کے پاس گئی تھیں ناں...... ہاسپٹل؟'' قمر النساء کی آواز میں تشویش تھی۔

''جھوٹ بول کر لائے ہیں مجھے پاپا اس کوٹھی میں بند کر کے چلے گئے ہیں۔'' ماہ نور کی آواز میں غصہ دکھ کی ملی جلی آمیزش تھی۔

''کیا مطلب؟'' قمر النساء جیسے ہکا بکا رہ گئیں۔

''مطلب ان ہی سے پوچھیے گا۔ بس مجھے یہاں سے نکالنے کا بندوبست کریں۔ بلکہ ابھی کریں۔ مظاہر بھائی کو کسی طرح فون کر دیں۔''

''لیکن میرے پاس تو ...... کا نمبر نہیں ہے بیٹی۔'' قمر النساء بہت فکر مندی سے کہہ رہی تھیں۔

''ذرا میری ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں دیکھیے کارڈ رکھا ہے اس پر دو تین نمبر لکھے ہوئے ہیں بیک سائیڈ پر۔ ان میں سے ایک نمبر ان کے آفس کا ہے۔ ایک ناظم آباد والے ابا جی کا ہے اور ایک لطیف آباد کے ایک اسکول کا ہے۔ ان ہی میں سے دیکھ لیں۔'' اس نے نشاندہی کرتے ہوئے بتایا۔

''اچھا ٹھیک ہے...... بتاؤ اس لڑکے کی باتیں...... اب یہ حرکت کرنے کی کیا تک ہے تم بھلا کہیں جا رہی تھیں...... بہت آرام سے رہ رہے تھے ہم ماں بیٹی۔ تم نے وجہ نہیں پوچھی کیوں قید کیا ہے تمہیں؟'' قمر النساء کی پریشانی ان کی آواز سے جھلکی پڑ رہی تھی۔

''ان کو غلام رکھنے پسند ہیں۔ کوئی خود کے ہونے کو محسوس کرے۔ یہ ان کی برداشت سے باہر ہے۔ اسی خیال سے انہوں نے میرے لیے پاپڑ بیلے تھے کہ غریب اسکول ہیڈ ماسٹر کی بیٹی اور بھی پنشنر کی بیٹی خود کو کیا جانے کی جسے پیٹ کی فکر الجھائے رکھتی ہو گی ایسی عورت کنیز بننے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ روٹی اور آسائش کی خاطر...... میں نے اس کو ڈکٹیٹر کہا...... شہنشاہ یا بادشاہ نہیں کہا...... کنیز بننے سے زر خرید بننے سے انکار کر دیا...... اپنے ساتھ بد دیانتی پر ردعمل کا اظہار کیا یہ ہے میرا قصور۔ یہ وجہ ہے اماں جان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔'' ماہ نور ایک تواتر سے بول کر خاموش ہو گئی۔

''بیٹی اور بے وقوف ہے تم کیوں اس سے ٹکر لے رہی ہو۔ یہ تو طے ہے کہ اسے تم سے سچی محبت ہے۔ میں اس کی ماں ہوں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔

''چھوڑیے اماں! روز ایک نئی عورت کے ساتھ نظر آتا ہے۔ مجھے ایسے بد دیانت خائن شخص کی محبت نہیں چاہیے۔ اور اگر آپ کی بات تسلیم بھی کر لوں کہ وہ مجھ سے سچی محبت کرتے ہیں تب بھی مجھے اس بات سے کوئی خوشی محسوس نہیں ہوگی اگر وہ حلف اٹھا کر صرف اتنا کہہ دیں کہ مجھے زندگی میں ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ تو یقین کریں اماں میں ان کی کنیز بن کر رہنے پر بھی تیار ہوں۔ میں ان کی دسترس سے دور اسی لیے جانا چاہتی ہوں کہ ایک بد دیانت خیانت کرنے والے شخص کی قربت سے مجھے نفرت

ہے۔'' وہ جیسے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

''بیٹی! یہ تو شوہر کے سامنے ہتھیار ڈال دینے والی بات ہے۔ تمہیں تو اپنے اوسان قابو میں رکھنا چاہیے تم اس شرط پر کنیز بننے کو تیار ہو کہ وہ ہمیشہ کے لیے کنارہ کی زندگی گزارے۔ ایک جائز شرعی بیوی کے ہوتے ہوئے۔'' قمر النساء تاسف سے کہہ رہی تھیں۔

''ایسا کچھ میرے چاہنے سے تو نہیں ہو رہا اماں، میری تو کشتیاں جل چکی ہیں جیسا بھی تھا میں نے اسے قبول کر لیا تھا مگر اماں...... وہ جھوٹا اور دھوکے باز ہے اسے مجھ سے محبت وحبت نہیں تھی...... بار لے سے اس کی انا کو ٹھیس پہنچی ہے اس لیے اس نے جیتنے کے لیے یہ سب کچھ کیا۔ یہ جتنی عورتیں اس کے پاس ہیں اگر اسے آسانی سے نہ ملتیں تو وہ ان سب کے لئے اتنی ہی محنت کرتا۔ پسندیدہ عورت بھی اس کے لئے دکان میں سجی کوئی شے ہے۔ وہ سمجھتا ہے ہر قسم کی قوت خرید اس کے پاس ہے وہ جو چاہے خرید سکتا ہے۔ وہ عورت کو بھی اپنی کوئی پسندیدہ شے سمجھ کر حاصل کرتا ہے۔ میں اسے اچھی طرح سمجھ چکی ہوں۔'' زر گزر کر کہہ رہی تھی۔ ''تا ہے'' اس کی شدید کیفیت کا غماز تھا۔

''ماہ نور! میری ایک بات توجہ سے سنو...... یہ جو بازار میں عورت سجی بیٹھی ہے اس کے پاس ہم شریفوں کے گھروں سے مرد جاتے ہیں۔ ان کے پاس نیک شریف بیویاں بھی ہوتی ہیں انہیں پتا ہوتا ہے کہ ان کے شوہر ہرجائی ہیں مگر وہ ان کو شکست دینے کے لیے ان کی سطح پر نہیں آ جاتیں۔ ہمت حوصلے سے حالات کا سامنا کرتی ہیں۔ جلد یا بدیر جیت ان کی وفا خلوص کی ہوتی ہے۔''

مگر اماں مجھے گھن آتی ہے اس انسان سے۔ میں اس پر سمجھوتہ نہیں کروں گی۔ میرا دل گھبراتا ہے۔ اس لیے میں اس کے وجود سے فاصلے پر رہنا چاہتی ہوں۔ آپ کے ساتھ رہ کر خوش ہوں۔ آپ اس سے کہہ دیں کہ مجھے بیوی کی طرح نہیں بس ایک نوکرانی کی طرح سمجھے۔ اماں جب اس کے کام چل رہے ہیں تو فرق کیا پڑتا ہے۔'' اس نے جیسے زچ ہو کر کہا۔

''بیٹی...... تم اس کے نکاح میں ہو اسے کون روک سکتا ہے۔ مرد ذات ہے آزاد پنچھی۔ تم اپنی سچائی اور لگن سے اپنے شوہر کا چہیتا ان عورتوں سے چھڑاؤ۔ تم نے سنا نہیں جھوٹ کا ساتھ ساری دنیا دے پھر بھی جھوٹ ہارے گا حق اکیلا ہو پھر بھی جیت کر رہے گا۔ اس طرح مقابل پر آ گئیں تو وہ ضد میں اور اکڑتا چلے گا۔ جب انسان کے پاس اتنی دولت ہو کہ وہ غنی کہلائے۔ حکم منوانے کی طاقت ہو۔ اپنی ضروریات کے لئے دوسروں سے بے نیاز ہو تو اس میں مزاج کی رعونت آ جاتی ہے جسے تکبر کہتے ہیں اور یہ وہ پاگل پن ہے جہاں دلیل کی کوئی حیثیت ہے نہ حق سچ کی۔ صرف اپنی تمنا کی تکمیل کی ہٹ ہوتی ہے۔

میری پیاری بیٹی۔ میرا سمجھانا اپنے بیٹے کے لیے نہیں ہے۔ تمہارے لیے بھی ہے تم فی الحال اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ وہ مرد ہے آزاد ہے متکبر ہے۔ اپنی منوانے کی عادت ہے۔ اس کا مقابلہ عقل حوصلے استقلال سے کرو۔ ضد بحث سے نہیں ورنہ خدانخواستہ تمہارا کوئی بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔

میں نے تمہیں اپنی بیٹی سمجھا ہے۔ بہو جان کر بیٹے کے حق میں بات نہیں کر رہی ہوں۔''

قمر النساء بہت حلم و محبت سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

''اچھا اماں، میں سوچوں گی فی الحال تو میرا دماغ کچھ کام نہیں کر رہا۔ پلیز! آپ مظاہر بھائی کو فون کر کے کہہ دیں کہ وہ مجھے یہاں رنگ کریں۔'' اس نے زچ ہو کر کہا تھا۔

''مگر وہ تم سے کس طرح بات کرے گا اس کوٹھی کا نمبر ہے اس کے پاس؟'' قمر النساء نے پوچھا۔

''آپ کے پاس نہیں ہے یہاں کا نمبر؟'' اسے ایک نئی الجھن نے آ گھیرا۔

''نہیں...... اس نے کبھی کوئی نمبر دیا ہی نہیں۔ مجھے بھی کبھی دھیان نہیں آیا۔'' قمر النساء نے کہا۔

"اوہ..... ایک منٹ..... میں بٹلر سے پوچھ کر آتی ہوں۔ یہاں سیٹ پر بھی نہیں لکھا ہوا۔" اس نے ریسیور رکھ کر باہر کا رخ کیا۔ بٹلر ڈائننگ ہی میں مل گیا۔

"مسٹر بٹلر..... اس کوٹھی کے فون کا نمبر معلوم ہے آپ کو؟"

"یس میم..... جسٹ اے منٹ۔" اس نے جیب سے قلم نکالا اور سائیڈ بورڈ پر رکھی نوٹ بک پر نمبر لکھا اور چٹ پھاڑ کر اسکے حوالے کر کے پھر اپنے کام میں روبوٹ کی طرح مصروف ہو گیا۔

اس نے واپس آ کر نمبر نوٹ کرایا اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا اور وال کلاک کی طرف دیکھا۔ اگر اماں کی بات ہو گئی تو پانچ منٹ کے اندر اندر مظاہر بھائی کا فون آ جائے گا۔

وہ کمرے میں ٹہل ٹہل کر "پانچ منٹ" گزارنے لگی۔

پانچ منٹ پانچ صد یاں بن گئے۔

وہ وقت گزارنے کے لئے اس کی وارڈ روب جو دیوار گیر تھی۔ کھول کر دیکھنے لگی۔ ایک پٹ کھولا۔ کپڑے ہینگ تھے دوسرا کھولا۔ اس میں بھی کپڑے تھے تیسرا کھولا اس میں خانے تھے جن میں تہہ شدہ کپڑے اور تولیے تھے چوتھا کھولا تو اس میں قد آدم آئینہ نظر آیا۔ (آئینہ بھی چھپا کر لگایا جاتا ہے.....؟) کسے اندازہ ہوا کہ آئینہ اصل میں ایک اور پٹ ہے۔ اس نے تھوڑی سی کوشش کی آئینہ پٹ کی طرح وا ہو گیا۔ سامنے دیوار نما تین لاکر تھے۔ اس نے کھینچ کر دیکھنا شروع کیے۔ دو تو کھلے ہوئے تھے ایک لاکڈ تھا۔ دو میں ڈھیروں فائلیں تھیں اس نے الٹ پلٹ کر دیکھیں مگر پلے کچھ نہ پڑا۔

اسی لمحے فون کی بیل رنگ ہوئی۔ وہ اسی طرح کھلے پٹ چھوڑ کر فون سیٹ کی طرف دوڑی۔ بڑی بے تابی سے ریسیور اٹھایا۔

"جی..... ہیلو....."

"ہاں..... ماہ نور! میں مظاہر بات کر رہا ہوں۔"

"تھینک گاڈ مظاہر بھائی!" اس نے سکون کا سانس لیا۔

"اب اس نے مجھے یہاں قید کر ڈالا ہے۔ نئی مصیبت۔" اس نے دہائی دی۔

"تو تم اسکے ساتھ اس طرح ٹریٹ کیوں کر رہی ہو۔ اسے شوہر مانتی ہے تو اس کی بیوی بن کر رہو" مظاہر کی خشک آواز ریسیور سے ابھر رہی تھی۔

"بیوی کیا زبادلی سہنے والی مخلوق کو کہتے ہیں" وہ مظاہر کے انداز پر دم بخود رہ گئی تھی اور بہت ناراضی سے پوچھ رہی تھی۔

"جب تمہارا اس سے نکاح ہو رہا تھا اس وقت تمہیں بخوبی اندازہ تھا کہ تم کس قسم کے انسان کو جیون ساتھی قبول کر رہی ہو۔ اس کی کیا عادات ہیں کیا شہرت ہے کیا لائف اسٹائل ہے۔ وہ اپنی عادات و مزاج کے مطابق زندگی گزار رہا ہے۔ جو تمہارے مزاج سے میل نہیں کھا رہیں جو تم انہیں زیادتیاں کہہ رہی ہو وہ تو اپنے حساب سے بالکل نارمل زندگی گزار رہا ہے ان عادات کے ساتھ جو تم سے پہلے بھی اس کی زندگی کا حصہ تھیں اگر تم کچھ محنت کرتیں تو ہو سکتا ہے کوئی چینج آ جاتا..... لیکن بی بی! تم میں چینج آئے بغیر ان میں چینج کیونکر آ سکتا ہے؟"

"جی بی.....؟" ماہ نور دنگ ہو جانے میں رہ گئی۔

یہ اس کا ہمدرد و خیر خواہ آج جبکہ اس پر مشکل ترین وقت ہے کس لہجے میں بات کر رہا ہے۔

"مظاہر بھائی! وہ جس جس گناہ کبیرہ میں مبتلا ہے وہ میری برداشت سے باہر ہیں۔ پہلے مجھے ان کا اندازہ نہیں

تھا" وہ خود کو سنبھال کر بمشکل حلق سے آواز نکالنے میں کامیاب ہوئی۔

"اللہ بھی برداشت کر رہا ہے جبکہ یہ سراسر ہے ہی اللہ کا ذاتی معاملہ تم اس کے گناہوں کو بخشوانے کی ضمانت کسی بھی شرط پر دے سکتی ہو.....؟" ادھر انداز ہنوز تھا "میں شوہر بیوی کے کسی بھی معاملے میں انٹرفیئر کرنے کی کسی قسم کی اتھارٹی نہیں رکھتا۔ میں تمہاری خیر خبر اس لیے لیتا رہتا ہوں کہ اس شخص کو یہ بے فکری نہ ہو جائے کہ تمہارا کوئی بھی پرسان حال نہیں اور وہ تمہارے بنیادی حقوق اطمینان سے ہڑپ نہ کر سکے جیسا کہ بعض ظالم مرد کرتے ہیں۔" وہ مزید گویا ہوئے۔

"آپ خود ظالم بھی کہہ رہے ہیں اور....." ماہ نور کی آواز بھرا گئی۔

"نہیں اس نے تمہارے بنیادی حقوق غصب نہیں کیے ہوئے۔ میں واچ کر رہا ہوں۔ اس نے اپنی ماں کے ساتھ تمہیں مکمل آزادی دی ہوئی تھی۔ تمہارے باہر آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی نہ کھانے پینے پر کوئی قدغن تھی۔ تم اس گھر میں مالکن کی طرح رہ رہی تھیں کنیز کی طرح نہیں....."

"آپ کو کیا پتا" ماہ نور نے ان کی بات کاٹ دی۔ "وہ اپنا چھوٹے سے چھوٹا کام مجھ سے کرواتا تھا۔ آرام کرنی تو اٹھا دیتا تھا۔" وہ ہنوز بھرائی آواز میں بول رہی تھی۔

"تو تمہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے کہنے سے پہلے ہی اس کی ضرورت کا خیال رکھنا چاہیے۔"

"کیا اتنی زیادتیاں کرنے والا یہ سب Deserve کرتا ہے؟" ماہ نور نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں وہ تمہارا شوہر ہے سب کچھ Deserve کرتا ہے..... خواہ اسکے ذاتی اعمال کیسے ہی ہوں....." مظاہر کا جواب حتمی انداز میں تھا۔

"لیکن اگر کسی عورت سے یہ سب کچھ برداشت نہ ہوتا ہو تو وہ خلع کا حق تو محفوظ رکھتی ہے" ماہ نور نے اس مرتبہ قدرے پرسکون انداز میں سوال کیا۔

"ہاں بس اس کی کسر رہ گئی ہے تمہاری زندگی میں خلع لے کر تم کسی اور پلانٹ (سیارے) پر چلی جانا ماہ نور! تمہیں ہوش ٹھکانے آتے ہیں۔ سمجھ بوجھ کی اضافی قوت ملتی ہے مگر تم بے وقوفی کی حدود کو چھو رہی ہو۔" مظاہر نے ناراضی سے کہا اور فون بند کر دیا۔

ماہ نور ریسیور ہاتھ میں تھامے حیران پریشان بیٹھی تھی۔

"کیا ہیں یہ مظاہر بھائی۔ میری سمجھ میں تو خاک نہیں آئے۔ انہیں احساس ضرور ہو گا کہ میں تکلیف دہ زندگی گزار رہی ہوں بتا رہی ہوں کہ اس نے مجھے قید کر دیا ہے پھر بھی..... یا اللہ کون ہے میرا؟ ہائے وہ وہ چھوٹے سے کمروں والی جنت کہاں یہ محل نما دوزخ۔"

اس کو ماں کا گھر یاد آیا جہاں رہتے ہوئے اسے محلوں کے مکینوں پر رشک آیا کرتا تھا۔

"اس محل کے سامنے سے گزرنے والے بھی اسے دیکھ کر سوچتے ہوں گے جانے کون خوش نصیب ان محل میں رہتے ہیں..... آہ" ہچکیوں سے رونے لگی۔

☆☆☆☆☆

"ہندوستان سے مہان (مہمان) آ رہا ہے.....؟ پر بڑی اماں! ہندوستان سے تو جنگ ہے؟"

باجی بڑی اماں کے ساتھ اسٹور کی صفائی میں لگی ہوئی تھی۔ ہندوستان سے آنے والے مہمانوں کے ذکر پر بہت تعجب سے پوچھ رہی تھی (ادھر گوٹھ میں لوگ ریڈیو سنتے ہوئے ایسی باتیں تو کرتے تھے)

"تیرے منہ میں خاک۔ ابھی تو اگلی جنگوں سے نمٹ کر کمر سیدھی نہیں ہوئی تیرے وطن کی۔" بڑی اماں چل کر بولیں۔

"ارے وہ جمال کی شادی ہو رہی ہے..... اس کی ماں اور خالہ آ رہی ہیں۔" انہوں نے بتایا۔

"اچھا جمال بھائی کی شادی ہوگی..... " بانگی خوش ہوگئی..... "پھر تو ڈھول بجے گی سوہل کی کب ہوگی بڑی اماں..... وہ نور ولی بے بولی۔" ہے میں بیاہ نہیں کروں گی۔ بڑی اماں اس کے پیچھے تھا تاں اس واسطے روتی ہوگی میں نے تو بچہ بھی نہیں ہے۔"

بانگی نے لاپروائی و معصومیت سے بڑی اماں کے دماغ میں دھماکہ کر کے ان کی پوری ہستی ہلا دی گئے کا ڈبہ ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے آ رہا۔

"کیا بکتی ہے نامراد....." وہ چیخ پا ہو گئیں۔

"کچھ..... کچھ نہیں۔" بانگی بڑی اماں کے انداز پر ڈر گئی (ابھی تو بڑی اماں بہت دوستانہ موڈ میں اس سے شادی کی باتیں کر رہی تھیں)

"پھر سے بول کس کا بچہ ہوا تھا؟ سوہل کے یا تیری ماں کے.....؟" بڑی اماں کی پوری کھلی آنکھیں غماز تھیں کہ اس وقت بیٹری فل چارجڈ ہے۔

"اماں کے کدھر ہوا تھا۔ سوہل کے ہوا تھا جب ہم ادھر ربابی بی والی کوٹھی میں نہیں کام کرنے تھے....." بانگی نے وضاحت کے ساتھ ساتھ کچھ یاد دلانے کی بھی کوشش کی مبادا بڑی اماں بھول گئی ہوں۔

"اے میاں میری تو بہ ہائی ہوئی ہے..... اسے کتنے دن ہو گئے اسے دنیا میں آئے۔ سب کام کیسے بھی ہے" بڑی اماں نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"اے تو آج تک منہ سے کوئی پھوٹا کیوں نہیں؟ ارے ہم تو کنواری بچی بتائے بیٹھے ہیں۔ بچہ کدھر ہے اس کا؟" معاً بڑی اماں کا اہم نکتے کی طرف دھیان ہوا۔

"میرے کو کیا خبر.....!" بانگی نے بے نیازی سے شانے اچکائے..... انکشاف کی مار مار کر بانگی کی شان استغنا قابل دید تھی۔ بڑی اماں کا جی چاہا دو لگائیں پکڑ کر۔

"آدمی خبر ہے۔ آدھی خبر نہیں بھلا ہو تیرا۔"

بڑی اماں ڈیڑھ گز کی بچی کو یوں گھور رہی تھی گویا کسی چور کا مشاہدہ کر رہی ہوں۔

"تو وہ کہاں ہے جس سے سوہل کا بیاہ ہوا تھا؟" فطری سوال کے موڈ سے سجی ہوئی تھی۔

"نہیں تو اسی کا بیاہ تو نہیں ہوا....." اب بانگی بڑی اماں کے موڈ سے سہمی ہوئی تھی۔

"دماغ تو ٹھکانے ہے تیرا؟ تیری دو مار لگاؤں گی کہ یاد رکھے گی مجھے بڑھیا کو چلا رہی ہے چھٹانک بھر کی بچی۔ بیاہ نہیں ہوا مگر بچہ ہوا۔ بلا اپنی ماں کو بلا کر لا۔ اس سے بات کرتی ہوں ارے وہ بے چارہ ڈرائیور (زرنیور) غریب ضرور ہے مگر شریف اور عزت دار بچہ ہے۔ چل جلدی چھوڑ ان ڈبوں کو۔ مجھے تو تو نے ہولا ہولا کر رکھ دیا۔" انہوں نے بانگی کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا اور خود اس کے پیچھے چل پڑیں۔

"مار روڑ کی ایک کہانی اس دنیا میں۔ بتاؤ گھر گاؤں سے نکلے یہ بے ٹھکانا لوگ۔ کیا معلوم نکلے کہ نکالے گئے۔" ساتھ ساتھ بڑبڑا بھی رہی تھیں۔

"ساتھ میں یہ بھی تو کہہ رہی ہے کہ ادھر ربا کی کوٹھی میں ہوا تھا۔"

"ہوں..... اوں تب ہی وہ انہیں نکالے بن سانس نہیں بھر رہی تھیں۔ لو ان کو یہاں ڈال دیا جوان جہان بچوں والا گھر ہے یہ..... اسے ربیا کو تو پوچھتی ہوں۔ میں پہلے اس کی خیر خیریت لے لوں۔" وہ اپنے تخت طاؤس پر فروکش ہو کر بہت بے چینی سے پہلو بھی بدل رہی تھیں۔ "ارے میرا کھایا پیا حلق میں لوٹ رہا ہے۔ بتاؤ کیا کیا گل کھلے ہوئے ہیں۔ شکلیں دیکھو ایسی معصوم کہ ابھی پیدا ہوئے ہیں۔ دیکھیں۔"

ان کی بڑبڑاہٹ جاری تھی کہ سوہل کی ماں بانپتی کانپتی اندر داخل ہوئی۔

"جی بڑی بیگم!" وہ بڑی اماں کے چہرے پر برہمی کے اثرات دیکھ چکی تھی۔

"بڑی بیگم کی کچھ لگتی یہ سوہل کے بچہ کب ہوا تھا؟" بڑی اماں نے سیدھا سیدھا سوال کیا۔

"جی.....؟" سوہل کی ماں کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"یہ تمہاری چھوٹی لونڈیا بتاتی ہے..... مجھے تم بس اتنا کہو کہ صحیح کہتی ہے یا غلط۔ باقی میں پھر تم سے بات کرتی ہوں۔"

عورت خاموش رہی۔

"سوہن کی ماں کو پتا ہے؟" بڑی اماں نے کسی نتیجے پر فوراً پہنچنا چاہا بلکہ جو کچھ وہ اپنے طور پر سمجھ رہی تھیں اس پر مہر لگانے کی کوشش کی۔

عورت خاموش رہی۔

"اللہ کی بندی! کچھ منہ سے پھوٹ پہلے بھی بیاہ ہوا ہے اس کا.....؟" بڑی اماں کو اس کی خاموشی پر تاؤ آ گیا۔ سوہل کی ماں نے نفی میں گردن ہلا دی۔

بڑی اماں چند ثانیے تو دق بیٹھی کچھ سوچتی رہی۔

"بچہ گود سے لائی تھی.....؟" ان کی آواز میں ٹھہراؤ کا تاثر آ چکا تھا۔

عورت نے پھر نفی میں گردن ہلائی۔

"ربیا کو پتا ہے؟" معاً ایک خیال بڑی اماں کے دماغ میں بجلی کی طرح کوندا۔

سوہل کی ماں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

بڑی اماں نے سینے پر ہاتھ رکھا "ارے میری میا!" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"اس کے بچے کا باپ کون ہے..... پتا ہے؟" ان کی آواز میں مستقل ٹھہراؤ آ چکا تھا۔

سوہل کی ماں نے نفی میں گردن ہلائی۔

"حرام خور نہیں تو..... پوچھا نہیں تھا بیٹی سے؟ جو مائیں بڑی سوتی رہتی ہیں۔ بیٹیوں کی کمائی پر عیش کریں۔ پیٹ بھریں ان کے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے..... بتاؤ فیاشی ٹھہرائی ہیں میں نے اپنی چھت تلے۔ چار چوٹ کی لگائی ہوئی تو اس کا باپ بھی بتا دیتی۔ مگر تجھے نیند سے فرصت کب ملی ہوگی۔ ہاتھ پیر چلانا زہر ہے ہی مشکل..... زبان ہلاتے بھی تیری جان خرچ ہوتی ہے۔"

"ربیا کی شادی سے پہلے ہوا تھا" بڑی اماں سوال کرنے پر مجبور تھیں۔

سوہل کی ماں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"پھر اسے کیسے پتا چلا؟" بڑی اماں سوچ میں پڑ گئیں۔

"خبر نہیں۔" پہلی مرتبہ سوہل کی ماں کی آواز آئی پورے دورانیے میں۔

"خیر خبر تو تجھے اپنی نہیں۔ چل تو جا ادھر سے۔ بڑی سوتی رو‌ٹھا کرتی ہوں تم لوگوں کو۔ پہلے ذرا اس ربیا سے بات کروں تاکہ پتا چلے اصل مسئلہ کیا ہے۔ اے باجی چھپکلی جاؤ دیکھو اگر مظہر ہو تو کہو بڑی اماں بلاتی ہیں۔" وہ ایک دفعہ میں ماں بیٹی دونوں سے مخاطب ہوئیں۔

باجی تو فوراً پھوٹ لی۔ البتہ اس کی ماں یوں پلٹی جیسے کوئی مجرم پھانسی کی سزا سن کر مردنی سے گردن والے اپنی کال کوٹھڑی کو پلٹتا ہے۔

چند منٹ سرکے تھے کہ مظہر لاؤنج میں داخل ہوا۔

"جی بڑی اماں! آپ نے یاد فرمایا؟" اس نے مؤدبانہ انداز میں سر جھکا کر پوچھا۔

"ارے یاد تو میں تمہاری بہنا کو فرما رہی ہوں۔ مارنے سے اونچے کام کرتی ہے بیٹھے سے۔" وہ بڑبڑائیں۔

"انہیں کام تھیں کارنامے کہئے جی بڑی اماں!" مظہر نے مخصوص لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا..... "ویسے بہنا کیوں یاد آگئیں بڑی اماں؟"

"تم ذرا ٹیلی فون ملا دو اور اپنا کام کرو..... تم سے کوئی مطلب نہیں کہ کیوں یاد آئیں۔" بڑی اماں چڑے ہوئے انداز میں بولیں۔

مظہر اپنے معمول کے انداز میں نمبر ملانے لگا۔ عموماً جب وہ گھر پر ہوتا تھا تب سے اس قسم کی ڈیوٹی انجام دینا پڑتی تھی۔ کبھی بہنا کا نمبر، کبھی ناصر حسین کا نمبر، کبھی سارہ کا، کبھی عارفہ کے پڑوسی سید صاحب کا نمبر، کبھی کبھی نشاط کا نمبر کر مارے مہینے ہو گئے۔ بچی کی خیر خیریت نہیں پوچھی کیا کہتے ہوں گے سسرال والے کیسی کنجوس ماں ہے وہ وہ پہ کا فون نہیں کرتی وغیرہ وغیرہ۔"

مظہر نے نمبر ملا دیا تو کسی ملازم نے اٹینڈ کیا۔

"ربیا بی بی سے کہو بڑی اماں بات کریں گی۔" یہ کہہ کر مظہر نے مختصر بلکہ فل اٹینشن بڑی اماں کو ریسیور تھما دیا۔

☆☆☆☆☆

وہ پہر کو بھوک کی شدت سے بے حال ہو کر وہ نے بستر سے ایک سینڈوچ ہوا کر کھا لیا تھا اور تازہ اخبار کے ساتھ دوسرا اخبار اٹھا کر اوپر کمرے میں چلی آئی تھی۔ کئی دنوں بعد اسے خبریں ملیں کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے اور آج کی ڈیٹ تک کتنے افراد اس دنیا کو خیرباد کہہ چکے ہیں۔ دلچسپ خبروں کے بغیر ڈھونڈ ڈھونڈ کر پڑھنا پڑے تو ایک ڈیڑھ گھنٹے میں دماغ شل ہو گیا۔ اس نے اخبار ایک طرف ڈالے اور سر دوسری طرف۔

جانے کب آنکھ لگ گئی۔ تینوں اطراف بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جن کے پٹ نیم وا تھے۔ انہیں سے در آنے والے شور سے اس کی نیند ٹوٹی تھی۔ کہاں قبرستان جیسی خاموشی کہاں عجب سا شور۔ چونک پڑنا ایک فطری امر تھا۔

ہر وہ انسان جو قید کے احساس سے دوچار ہو اس کا ذہن ہر واقعے میں اپنی آزادی کا کوئی پہلو ڈھونڈتا ہے شاید نیچے کوئی ایسا اللہ کا بندہ بھی آ بیٹھا ہو جو اس پر ترس کھا کر یہاں سے نکال دے۔ امید بڑی نعمت ہے وہ جیسے وہ ڈریسنگ روم میں گئی، جلدی جلدی منہ پر چھینٹے مارے۔ تولیے سے بے رحمانہ منہ پونچھا اور چپل پاؤں میں ڈال دوپٹہ سنبھال بڑی پھرتی سے زینے طے کر کے نیچے آئی۔

نیچے لاؤنج میں تو گویا جیسے کسی تقریب کا سماں تھا۔ لاؤنج اتنا بڑا تھا کہ ڈیڑھ دو سو افراد آسانی سے سما سکتے تھے جیسے بڑے ہوٹلوں کے لان ہوتے ہیں۔ طوفان رنگ و بو امڈ آیا تھا۔ الٹرا ماڈرن دوشیزائیں نت نئے روپ لیے خوشبوؤں میں نہائی ہنسی کھلکھلاتی ہر عمر کے مرد و نوجوان حتیٰ کہ نوعمر سے لڑکے بھی۔ وہ زینے کے آخری اسٹیپ پڑی کھڑی سب کچھ ملاحظہ کر رہی تھی۔ پھر

کھلکھلاتی ہر عمر کے مرد و نوجوان حتیٰ کہ نوعمر سے لڑکے بھی۔ وہ زینے کے آخری اسٹیپ پڑی کھڑی سب کچھ ملاحظہ کر رہی تھی۔ پھر
اس کی نظر ثریا مشہدی پر پڑی۔ سیاہ دبیز الانبا سا ملبوس زیب تن چکا چوند کر دینے والے گلوبند یا بازو بند۔ جھاڑ جھنکار سا گردن سے اونچا ہیئر اسٹائل تیز میک اپ۔ وہ مہمانوں سے اس طرح ٹریٹ کر رہی تھی گویا گھر کی مالکن اور تقریب کی میزبان ہو۔ ماہ نور کے سینے سے ایک ہوک سی اٹھی۔

یا اللہ کس طرح مذاق بنی ہے اپنی زندگی۔

پھر اس نے صوفے سے اٹھتی انوشہ کو دیکھا بلیو جینز اور "وکٹم تو مائی آئی لینڈ" سے آراستہ (پرنٹڈ) وائٹ ٹی شرٹ اور اپنے مخصوص ہیئر اسٹائل میں وہ بھی خوش نظر آرہی تھی۔

ثریا مشہدی اسے الفتاد دیکھ کر آگے بڑھی۔ دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ کھسر پھسر کی پھر ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگانے لگیں۔

ماہ نور بڑے تعجب سے دونوں کو دیکھتی رہی۔ دونوں کو پتا ہے کہ ان کے پاشا سے کس قسم کے تعلقات ہیں پھر بھی کوئی جذبہ رقابت نہیں۔

ان عورتوں کے خمیر کس قسم کی مٹی سے اٹھائے جاتے ہیں؟

معاً انوشہ کی نظر ماہ نور پر پڑی تھی۔ ایک حیرت کا تاثر اس کی نظروں سے ظاہر ہوا اس نے ثریا مشہدی کو ٹھوکا دیا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔ ثریا نے بھی زینے کی طرف دیکھا تھا۔ انوشہ نے پھر ثریا کے کان میں کچھ کہا اور ماہ نور کی جانب بڑھی۔

"ہائے ماہ نور! تم کب آئیں۔ پتا ہی نہ چلا اور تم تیار بھی نہیں ہوئیں۔ ڈریس وغیرہ تو ہیں ناں یہاں؟ تم لیٹ ہو رہی ہو میری جان۔" انوشہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے کوئی پارٹی اٹینڈ نہیں کرنا ہے۔ مائنڈ یور اون بزنس۔" اس نے ناگواری سے کہتے ہوئے اپنے شانے سے انوشہ کا ہاتھ ہٹایا۔

"مگر کیوں.....؟ یہاں جتنے بھی لوگ ہیں سب تمہیں جانتے ہیں کہ تم پاشا کی مسز ہو۔ ڈیڑھ لیمپ کھایا ہوا ہے۔" "یہاں تو پتا نہیں ہر عورت ہی پاشا کی مسز ہے۔" وہ بھنا کر بولی۔

"ہاہا.....ہا" انوشہ نے قہقہہ لگایا۔

"کنفرم تو تم ہی ہو۔ اسپیشل ریکارڈ ہے تمہارے لیے۔ فکر کیوں کرتی ہو مائی ڈیئر؟ اچھا چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ قل و غصہ ٹھیک نہیں ہوتا۔ پہلے ہی اتنی سلم ہو۔ پاشا فون کر رہا تھا۔ پتا نہیں کدھر چلا گیا۔ بھیجتی ہوں اسے اس کی تو مانو گی؟"

انوشہ کا موڈ بہت خوشگوار اور دوستانہ تھا۔

"بھیجنا بھی نہیں اسے۔ خوامخواہ یہاں تماشا ہو جائے گا۔ پلیز آپ لوگ پارٹی انجوائے کریں مجھے یوں بھی اس قسم کی پارٹیز پسند نہیں۔" اس نے بگڑے ہوئے انداز میں کہا۔

اسی لمحے پاشا جانے کس کونے سے آیا.....

"تم کیا کر رہی ہو انوشہ..... وہ تمہارا لاڈلا ظفری تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔" پاشا نے ماہ نور کو یکسر نظر انداز کر کے انوشہ کا بازو تھاما۔

"اوفوہ ابھی تو دماغ کھا کر ادھر ادھر ہوا تھا پھر ڈھونڈ آ گئی ہوں اسے۔" انوشہ جھلائی۔

"تم چیز ہی ایسی ہو بار بار باد کیے جانے کے قابل۔"

"بڑی اچھی جگہ ہے یہ سب خواتین انوشہ سمیت جو اندر وہ باہر سے۔" "منافق نہیں ہیں۔ ایسی ہی بن جاؤ۔" پاشا نے بڑے کاٹ دار لہجے میں ماہ نور کو مخاطب کیا۔ ماہ نور نے اس کی طرف دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی۔

"ویسے اطمینان قلب تو تمہیں حاصل ہو چکا ہوگا۔ وہ ہمارے پاس سی ایل آئی کی سہولت ہے۔ ڈیئر کزن کا فون آیا تھا؟ بڑا ازمد وار کزن ہے تمہارا؟ مگر افسوس ریڈ نہیں پڑ واسکتا کس قانون کے تحت بیوی کو شوہر سے چھڑانے کے لیے آئے......؟ بہرحال یہ تمہارا گھر ہے۔

تم میری تھیں میں تمہارا نہیں مگر گھر تمہارا ہے۔ بالفرض مجھے کہیں سے ابھی گولی لگے میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ قانون یہ سب عملاً تمہیں سونپ دے گا کہ پاشا کی بیوہ ہے۔ کیا نرالی بات ہے۔ بیوی بن نہیں سکتیں بیوہ مگر ضرور بنو گی بار اہم نے بھی کہاں عشق فرمایا۔ کیکر نے انگور چڑھایا۔ انوشہ وہ گیت تو تم نے سنا نہیں ہوگا۔ بے قدراں نال لائی یاری نے ٹٹ گئی تڑک کر کے۔"

وہ انوشہ کی کمر میں بازو حائل کر کے گنگناتا ہوا پلٹ گیا۔

"پاشا! اسے بیزار ہونے کا تو بولو۔" انوشہ نے ٹوکا۔

"یہ بادشاہ لوگ ہیں ہماری نہیں سنیں گے۔ شاید یہ ڈیئر کزن کے فون کا انتظار کر رہی ہے۔ مائی گاڈ ڈیئر کزن تو میرے نروس سسٹم پر حاوی ہو گیا ہے۔ لگتا ہے مجھے اس سے عشق ہو گیا ہے۔" پاشا نے کہا اور دونوں قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

ماہ نور نے سب کچھ سنا تھا تجھے سمیت۔

وہ زینہ اتر کر ڈائننگ میں چلی آئی۔ کچن سے مختلف النوع خوشبوؤں کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر کچن میں آ گئی بٹلر اور کئی دوسرے ملازم کھانے پینے کی اشیاء خوبصورت برتنوں میں سجا رہے تھے بٹلر نے نگاہ اٹھا کر ماہ نور کو دیکھا۔

"یس میڈم......؟"

"کچھ نہیں۔ آپ اپنا کام کریں......" اس نے ایک پلیٹ ٹیبل سے اٹھائی اور اس میں ایک سینڈوچ رکھا اور ڈائننگ روم میں آ گئی۔ ذہن مسلسل خیالات میں الجھا ہوا تھا۔ سینڈوچ تو جیسے کسی کونے میں بیٹھنے کا بہانہ تھا۔ وہ یونہی بے دلی سے کھانے لگی۔ خدا معلوم تقریب کا سلسلہ کیا ہے؟ دوپہر تک تو کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ ایک لقمہ لے کر یوں بیٹھ جاتی تھی گویا کسی پروجیکٹ پر غور کر رہی ہو۔

اسی لمحے بٹلر بڑی عجلت کے انداز میں اندر داخل ہوا اور ایک الماری کھولنے لگا۔

"یہ کس سلسلے کی پارٹی ہے مسٹر بٹلر......؟" اس نے پوچھا۔

"آپ کو نہیں معلوم میڈم؟" بٹلر نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا "مسٹر پاشا کوسٹ گارڈز کی زبردست فائرنگ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے جبکہ ایسا ہونا بہت مشکل نظر آتا تھا۔ زبردست ریڈ ہوئی تھی...... وہ بھی بچ گئے اور ان کا جہاز بھی۔ اس خوشی میں ان کے دوستوں نے ٹریٹ مانگی تھی۔" بٹلر نے مؤدبانہ سر جھکا کر جواب دیا اور بلیٹوں کا ڈھیر تھام کر اس کے کچھ بولنے کا انتظار کیا اور اس کی خاموشی پر دوبارہ کچن کا رخ کیا۔ اف شیطانی کامیابیاں پھر فتح کا جشن۔ اس نے کوئی اذیت اپنے اندر آتی محسوس کی۔

اس دنیا کے بیشمار ان مسلمانوں کی طرح سوچا جنہوں نے اپنی دانست میں نفوذ کی کوشش کرتے ہوئے زندگی گزاری

کبار و خباثت سے گھن و کراہیت کے ساتھ اپنے نماز روزے اور عفت کی نگرانی کی۔ اس کے باوجود وہ آرام کے پہاڑوں میں بیٹھے چلا تا پڑے۔ ان "خلاف ورزوں" کے پاس نصرت و مسرت کے احساس اور دم۔ جگی کتنے بڑے احمق دکھائی دیتے ہیں ان لوگوں کے سامنے۔

بظاہر تو سب کچھ ان ہی کے پاس ہے۔" اس کے جینے سے آتش فشاں پھٹنے سے پہلے والا دھواں نکلنے لگا۔

وہ کافی دیر کھڑی سوچتی رہی۔ اپنے کردہ ناکردہ گناہوں پر غور کرتی رہی۔ خود سے سوال کرتی رہی جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو دوبارہ باہر آ گئی۔ جشن پورے عروج پر تھا۔ مہمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ پھر بت بنی سب کو دیکھنے لگی۔ جانے کس دھیان میں گم تھی کہ چونک پڑی۔ ایک ادھیڑ عمر مرد اس کے پہلو میں کھڑا تھا۔

"یار پاشا! یہ حسینہ کون ہے بلکہ حسن سادہ کون ہے؟" اس مرد نے دور ہی سے پاشا سے سوال کیا۔

"بھابی ہے یار! آپ کی پاشا کی جورو سب کی بھابی۔" وہاں سے اوٹ پٹانگ جواب بگڑے محاورے کے ساتھ آیا۔

"یہ کیسی بھابی ہے......؟ بغیر ڈائمنڈ رنگ کے......؟" سوال کرنے والے کے انداز سے ظاہر تھا کہ ہوش وحواس میں نہیں ہے۔

"ارے یہ خود بڑی ڈائمنڈ کٹ ہے چنگاریاں نکلتی ہیں اس میں سے اصلی ہیرے والی۔ ذرا دور ہٹ کر بات کرو۔" پاشا نے جواب دیا۔

"ارے یہ انوول چاؤ ہا ہے اس کے ساتھ فوٹو کھنچانے کو۔ کہاں ہے وہ تمہارا فوٹو گرافر؟"

ادھیڑ عمر بڈھے کھچڑی بالوں کے ساتھ اس کے مزید قریب ہو گیا۔ عجیب سی بو اور خوشبو نے ماہ نور کے اعصاب پر قبضہ جما لیا اسے باپ کی عمر کے آدمی کا چھچھورا پن جیسے مشتعل کر گیا۔ اس نے لمحے بھر میں زاویہ بدلا اور ایک زناٹے کا تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا تھپڑ اتنا بھرپور تھا کہ دھیمی دھیمی ابھرتی موسیقی اور لوگوں کی بے ترتیب آوازوں کے درمیان میں بھی واضح آواز تھی یک لخت خاموشی چھا گئی تھی۔ سب کے سر آواز کی طرف گھوم گئے تھے۔ معاً ثریا شہدی نیر کی طرح ماہ نور کی طرف بڑھی جو خود بھی سناٹے میں کھڑی تھی۔

"یہ کیا حرکت ہے ماہ نور......؟ تمہیں پتا ہے یہ کون ہیں......؟" وہ آف موڈ میں پوچھ رہی تھی۔

"چڑیل ہو تم اور میری ساس بھی...... اور یہ یقیناً تمہارا سسر ہے۔" ماہ نور نے حواسوں میں آ کر غضبناک آواز میں ثریا کو جواب دیا۔

"شٹ اپ......" ثریا نے خاصی آہستہ آواز میں کہا جبکہ غصے سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

"پاشا نے تمہیں سر پر بٹھایا ہوا ہے ناں؟ مگر وہ تمہیں زمین پر بھی پٹخ سکتا ہے اتنا پاؤڈ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر ہم اسے چانس نہ دیں تو وہ تمہیں پوچھے بھی نہیں۔" ثریا نے نخوت بھرے انداز میں ماہ نور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مت دبا کرو چانس سر پر رکھ کر ناچو اس پاشا کو...... بے حیا بازاری عورتیں پتہ نہیں ناز کس بات پر کرتی ہیں۔ آخر کس خوبی پر ہے......؟ کیا ذہ عورت ''عورت کے نام پر دھبہ'' مرنا نہیں ہے تم نے؟ یا کوئی امرت پی کر امر ہو گئی ہو؟ پتہ نہیں منحوس سفید کفن میں کیسی لگیں گی۔" ماہ نور پر گویا دیوانگی غالب آ چکی تھی۔

"دیکھ رہے ہو پاشا! کتنی انسلٹ ہو رہی ہے میری اور تمہارے مہمانوں کی؟" ثریا آخر چلائی۔

"انسلٹ ہو تمہیں جن کی کوئی عزت ہو انسلٹ بھی انہی کی ہو سکتی ہے۔ علی بابا چالیس چور کا تو ابھی ریڈ پڑ جائے آری

کی نوبالوں سے کھینچ کر لے جائے ان عزت داروں کو۔"

"پاشا! اسے سنبھالو ورنہ۔" ثریا نے چلا کر پاشا کو مخاطب کیا۔

"ورنہ......؟" ماہ نور نے تمسخرانہ ثریا کی طرف دیکھا۔ "تمہارے پاس تو دو شکل بھی نہیں ہو گی فلاش عورت......ورنہ کیا تم پاشا کی محفل سے چلی جاؤ گی۔ ورنہ کیا تم پاشا کی زندگی سے نکل جاؤ گی۔ ورنہ کیا تم اس کی دولت پر تھوک دو گی؟ ہائے مگر تم تو دولت کے بغیر مر جاؤ گی۔ کتنی بے چاری سی عورت ہو تم تمہارا مذہب دولت' تمہارا معبود دولت' تمہارے اصول دولت' تمہاری رشتہ داریاں دولت لعنت ہے تم پر......"

ماہ نور اتنا کہہ کر دوبارہ اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھ گئی۔ مجلس کا سکتہ ٹوٹا بھن بھن کرتی آوازوں نے ماہ نور کا تعاقب کیا۔

وہ جدھر جدھر سے گزر کر زینے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ راہ میں کھڑے مہمان فوراً ادھر ادھر ہو کر راستہ دیتے تھے۔ عجب سے تحیر نے محفل کو لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ ہر شخص کبھی ماہ نور کو دیکھتا تھا کبھی پاشا کو۔

ثریا کی انا کو تو ہو گولی لگی تھی۔ گویا ثریا بھری کھڑی تھی۔ تعجب نے بھی اسے بت بنا رکھا تھا کہ آخر پاشا نے خاموشی سے یہ سب کیوں برداشت کیا۔ اس کو گھسیٹ کر کسی کمرے میں بند کیوں نہیں کیا۔ مہمانوں کی انسلٹ پر رد عمل کیوں نہیں کیا۔ آخر وہ کیا سوچ رہا ہے؟

وہ مہمان جس کے طمانچہ رسید ہوا تھا۔ محفل سے جا چکا تھا۔ صرف ایک طمانچے سے سارا نشہ ہرن ہو گیا تھا غالباً۔

ماہ نور اوپر آئی تو اس کی سانس کی رفتار نارمل نہیں تھی مگر وہ خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہی تھی جیسے سر پر کوئی بوجھ دھرا تھا۔ اٹھا کر پھینک آئی ہو۔ اسے ذرہ برابر خوف نہیں تھا کہ پاشا اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ اسے تو سکون طمانیت کے جھونکے جیسے ہلکورے دے رہے تھے جیسے مدتوں کی بھڑکتی آگ پر پانی کے چھینٹے پڑے ہوں۔

اب اس کے اندر کوئی گھٹن نہیں تھی۔ اس کا جو دل چاہا اس نے کہہ دیا تھا۔ اب کچھ بھی چبھن نہیں کرتا تھا۔ ساری چبھن تو بہت سی باتیں نکل گئی تھیں۔

"اور کرے مجھے قید۔ بنائے میری زندگی مصیبت۔ بتاتی ہوں اچھی طرح۔" وہ سلیپر اتار کر بیڈ پر اوندھی لیٹ گئی۔

جسم جیت لیتا ہے اگلے کورٹ میں چلا جاتا ہے۔ پتا تو چلنا چاہیے ماں کہ عورت کیا ہوتی ہے۔ ایک جیتی جاگتی روح سوچتی۔ محسوس کرتی' رد عمل کرتی۔ روح ہر انسان ان جیسوں کے سامنے بے بسی کی تصویر بن جائے تو ان کی دستار میں بل ڈر پڑتے رہیں۔ میری کون سی پراپرٹی رہن رکھی ہوئی ہے جو مجھے ڈر ہو۔

مجھے تو اس خیال سے بھی خوف نہیں آتا کہ کسی روز مشتعل ہو کر وہ مجھے شوٹ ہی کر دے۔ اچھا ہی ہے جان چھوٹے۔

استانی کے سمجھانے پر دل میں ایک شمع روشن ہوئی تھی۔ اس روشنی سے رستہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے بدصورت داغ دھبے جو اس کی روح کا آئینہ تھے۔ نظر انداز کر رہے تھے۔ یہ سوچ کر اس کی زیادتی زہر کے گھونٹ کی طرح پی گئی کہ شاید میری رفاقت اسے راس آ جائے۔ مجھے بھی اس کی محبت کا سرور چھو جائے خود مختار گھر والی کی حیثیت اختیار کر کے خوشی کی کون سی لذت کا اور اک ملتا ہے یہ راہ بھی گزر کے دیکھوں اس گھر کو اپنا جزیرہ مان لوں مگر یہ کیا عشق کا دعوا کرنے والے کو میرے علاوہ بھی کسی کی طلب ہوتی ہے۔ آخ تھو ایسی زندگی پر جس میں سہاگن خیالات کو کروٹیں بدلے اور گلنار گار شخ کے قہقہے لگائے۔ قطعی نامنظور جو میرے بغیر دو راتیں سو سکتا ہے۔ روشن سو چشتیں راتیں مجھ سے دور رہ سکے۔

میں......محبت و نفس کو جدا کرتی ہوں۔ اجسام کی قربت کو محبت کی انتہا سمجھتی ہوں۔ بغیر یقین محبت کے جسمانی قربت میرے لیے صرف وحشت ہے۔ میں اپنے اس خیال میں مستقل ہوں۔ کسی قیمت پر سمجھوتا نہیں کرتی۔ ہرگز اسے اجازت نہیں دوں گی کہ وہ ایک کھلونے کی طرح استعمال کرے۔

محبت پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔ عشق پر یقین نہیں رہا۔ اس نے عشق کے جھانسے میں مجھے رسوا کیا ہے۔ آخری سانس تک معرکہ ہو گا۔ بات محض اسے پن چبھونے کی حد تک تھی۔ میں مظاہر بھائی سے غلام سم کی توقع نہیں رکھتی انہیں اپنا ہمدرد سمجھتے پر بھی اس لیے مجبور ہوئی کہ ان کے علاوہ مجھے کوئی راہوں میں دکھائی نہیں دیا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا ذہین تر ان پاشا کی روح کا ناسور بن رہا ہے۔ میں بہت مطمئن محسوس کرتی ہوں۔ شطرنج کھیلنے کے لیے میرے پاس بھی کارڈ ہے۔

"ہاں بھئی ارادے کیا ہیں تمہارے؟" پاشا کی غضب ناک آواز نے خیالات کی یلغار سے اسے باہر نکالا۔ وہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔

"جو بھی ہوں آپ کو بتانا ضروری ہیں......؟" اس نے بڑی بے نیازی سے پوچھا۔

"یہ کیا حرکت کی تھی تم نے بھری محفل میں ایک معزز شخص کو تھپڑ رسید کر دیا۔ آخر اس نے کیا کیا تھا جو تم آؤٹ آف کنٹرول ہو گئیں......؟" پاشا غصیلی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"جو کچھ اس نے کیا وہ ہمارے ہاں بے ہودگی کی آخری حد سمجھی جاتی ہے پتا نہیں آپ کے ہاں اسٹینڈرڈ کی بے ہودگی کسے سمجھا جاتا ہے......؟" ماہ نور کا لہجہ سلگا دینے والا تھا۔

"پھر بھی گھر آئے کی کوئی عزت ہوتی ہے۔" پاشا نے بے بسی سے دانت پیس کر کہا۔

"انٹرپول پولیس کے مطلوب وہ معزز ہیں اس سے زیادہ بھی کر سکتی ہوں۔ آپ بتائیے آپ زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتے ہیں......؟" ماہ نور کا انداز ہنوز تھا' مطمئن' بے خوف اور تمسخرانہ۔

"دل چاہتا ہے۔" پاشا کہتے کہتے رکا۔ "اتنی نازک سی جان ہے تمہاری۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں اتنا کچھ برداشت کیسے کر لیتا ہوں۔" وہ واقعی بے بسی سے کہہ رہا تھا۔ بے بسی بھی تھی اور پیچ و تاب بھی۔

"مجھ پر احسان عظیم کرنے کے لیے کون کہہ رہا ہے۔ دل چاہتا ہو کر ڈالیے کوئی روکتا ہے۔" وہ اسی طرح اطمینان سے بولی۔

"تم کس کی شہ پر اتنی مضبوط ہو رہی ہو......؟" وہ کاٹتی ہوئی نظر سے اسے دیکھنے لگا۔

"کاش کسی کی شہ حاصل ہوتی تو آج ملک دشمن عناصر کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوتی؟ اتنی بات ہر تو کسی شریف سے دشمنی چل نکلی ہے۔ جناب شتاب تو ان غم خواروں سے بھی کوئی ہے مگر پہلے یہ راز تو مکمل کر لوں۔" وہ چھت کی سمت گھورتے ہوئے کچھ سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"یہ تم ہو ماہ نور! وہ جس کی بولتے ہوئے آواز کانپتی تھی۔ نظر نہیں اٹھتی تھی گرفتار فاختہ جیسی سہمی ہوئی چڑیا جیسی......؟" پاشا اس وقت مکمل ہوش و حواس میں بہت حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"جی۔" "بہت امن پسند جانور ہے مگر کسی وقت میں وہ بھی پنجے نکال کر غراتی ہے۔ لعنت ہے اس انسان پر جس پر زندگی کی حدیں ٹوٹ رہی ہوں اور وہ خاموش بیٹھا رہے۔ بہت بڑا ظالم خود پر ظلم کرنے والا اور مظلوموں جیسی شکل بنانے والا۔ میرا ہر عمل اس عمل کے ساتھ ہے جو میرے ساتھ ہو رہا ہے مسٹر پاشا! آپ دنیا کے کسی بھی خطے سے کسی ماہ نور کو گھٹی میں رہو گے تو اسی طرح ری ایکٹ ہو گا......کوئی انسان بلاوجہ ذلت کی حد سے گزارا جائے اور احساس ذلت اس پر حاوی ہو جائے تو وہ ہر خوف سے فارغ

ہو جاتا ہے۔ ڈر ہے اس وقت سے کہ کسی روز میں آپ کی کار سے پٹرول نکال کر اس محل میں چھڑک کر ماچس کی تیلی دکھا دوں......؟ آپ زبعد سے میرے ناخن کھنچوا ئیں، زبان حلق سے کھینچیں، آنکھیں پھوڑ دیں۔ کوئی تکلیف ذلت کی اس تکلیف سے زیادہ نہیں میرے لیے۔ جس نے معاشرے میں بھرپور عزت و احترام کا ذائقہ چکھا ہے جا بیٹے یہاں سے۔ میرا دماغ ویسے ہی خراب ہو رہا ہے۔

"ہمزہ زیادتی کی تلافی تو کی ہے۔ تمہارے ساتھ نکاح کیا ہے اس نکاح کا اعلان کیا ہے۔ تمہیں صرف تمہیں اپنی بیوی منوایا ہے۔ تمہیں گھر دے کر گھر میں پورا اختیار دیا ہے اپیر ے جواہرات، روپیہ، ڈالر سب کچھ دیا ہے۔ کسی روز میرا بچہ بھی تمہاری گود میں آ جائے گا۔ ایک مرد اس سے زیادہ اپنی بیوی کو کیا دے گا۔ تم جو اتنا زور دکھا رہی ہو۔ اس قانونی شرعی حیثیت پر دکھا رہی ہو جو میں نے تمہیں دی ہے۔ پھر بھی تمہارا دماغ ٹھکانے نہیں...؟"

پاشا بہت سنبھل کر بات کر رہا تھا بلا کا زیرک انسان اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس بات نے فی الحال کس طرح ڈیل کرنا ہے۔

"اگر واقعی مجھ سے عشق ہوا تھا تو طبیعت نے کیسے گوارا کیا کہ میرا حق بازاری عورتوں پر لٹایا جائے......؟ میں اغوا ہوئی بہت بڑی رسوائی تھی مگر میں اپنی نظر میں سرخرو تھی کہ اس میں میری نیت یا ارادہ نہ تھا۔ یہ کسی بھول چوک کا عمل دخل نہیں تھا مگر تم نے مجھ پر جن عورتوں کو ترجیح دی۔ میں اس ذلت پر کبھی معاف نہیں کروں گی۔ عشق و محبت کا ڈھونگ رچا کر تم نے جس درندگی اور چنگیزیت کا مظاہرہ کیا ہے وہ ناقابل برداشت ہے۔ میری ذہنی کیفیت یہ ہے کہ میں کسی بھی وقت کہیں پر کسی بھی شے کو آگ لگا سکتی ہوں.....اس لیے یہاں سے چلے جاؤ۔" ماہ نور کے الفاظ میں اتنی آنچ تھی کہ پاشا کے اپنے وجود میں حدت کا تناسب بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆

"اب آ رہی ہو اتنے وقت......؟ کب بلایا تھا۔ اپنی مرضی سے صبح کا سورج نکلنے سے پہلے موجود۔" بڑی اماں نے ریبا کو آڑے ہاتھوں لیا...... بے کلی اتنی تھی کہ ایک ایک لمحہ گھنٹہ بن رہا تھا۔

"تمہیں ٹیلی فون کیے تو مہندی چھڑائی پاؤں سے۔ سوچ لیا ہوتا بڑی اماں بار بار ٹیلی فون کیے جاتی ہیں تو کوئی بات ہوگی۔" بڑی اماں گزشتہ سے پیوستہ ہوئیں۔

"بڑی اماں! مہمان آئے ہوئے تھے کھانے پر رکے ہوئے تھے۔ اس طرح کیسے نکل آتی۔ وہ یہ نہ سوچتے کہ اتنے اصرار سے کھانے پر روکا اور خود جا رہی ہیں۔" ریبا نے پرس تخت پر اچھالا اور ایک کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی اور تیز تیز سانس لینے لگی۔

"اپنی ٹھنڈی موٹر میں آئی ہو گی گرمی ایسے جاتی ہو جیسے پیدل چل کر آ رہی ہو...؟" بڑی اماں نے گھورا۔

تو یہ سوچ سوچ کر شل ہو رہی تھی۔ ڈر رہی تھی کہ پتا نہیں کیا بات ہے؟ آج تک بڑی اماں کے تین فون نہیں آئے۔" اس نے بند آنکھیں کھول کر اپنے گرنے کی وجہ نہیں بتائی۔

"سوچا تو خیر تم نے ٹھیک۔" "خیر تو مجھے لیتا ہے تمہاری۔ ارے پیر سے سفید چونڈے کا بھی خیال نہیں کیا۔" معاً بڑی اماں بولتے بولتے رکیں...... "معوں ساتھ ہے...؟" انہوں نے آواز نیچی کر کے پوچھا۔

"نہیں......انہیں تو ایئرپورٹ جانا تھا...... کسی کو سی آف کرنے......ڈیڈی کی گاڑی لے کر آئی ہوں بلکہ آئی تھی......ڈرائیور چلا گیا ہو گا گاڑی لے کر۔ ڈیڈی کو بھی کہیں جانا تھا۔"

اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر تھکے تھکے انداز میں جواب دیا۔ آج مہمانداری کر کے وہ بہت تھک گئی تھی۔ دوپہر کو آرام کرنے کی پکی عادت تھی۔ آج وہ نہیں ملا تھا اس سے اور سر میں درد ہو گیا تھا۔

"خیریت تو ہے ناں بڑی اماں! معوں کے سسرال والے تاریخ تو نہیں مانگ رہے......؟" اس نے اسی طرح سر ٹکائے ٹکائے بڑی اماں کو بغور دیکھا۔

بڑی اماں نے جواب دینے کے بجائے ریبا کا چہرہ دیکھا بلکہ گھور کر دیکھا جیسے کچھ ضبط کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

"ہاں......وہ آپ کہہ تو رہی تھیں۔ خبر لیتا ہے میری۔ اب کیا غلطی ہو گئی مجھ سے۔" ریبا کو فوراً ہی کچھ دیر پہلے کا کہا ہوا بڑی اماں کا جملہ یاد آ گیا۔

"ہاں چلو اتم ذرا میرے کمرے میں۔" بڑی اماں کو ڈرائنگ روم پرائیویٹ گفتگو کے لئے نا موزوں دکھائی دیا۔ ریبا اسی طرح گرے پڑے انداز میں اٹھ کر بڑی اماں کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

"بیٹھو ادھر۔" بڑی اماں نے اپنے بستر کی طرف اشارہ کیا۔ "اور دھیان سے میری بات سنو۔" وہ خود بھی اس کے برابر میں بیٹھ گئیں۔

"جی بڑی اماں! سن رہی ہوں۔"

"یہ معوں کا کیا قصہ ہے سچ (صحیح) سے بتاؤ مجھے۔" انہوں نے پیٹ سے ایک گولہ باہر نکالا۔

"کیا ہوا...؟" "کوئی قصہ نہیں۔ کسی گاؤں گوٹھ سے روزی کی تلاش میں نکلے ہوئے لوگ ہیں اور بس......" ریبا نے الجھن بھری نظروں سے بڑی اماں کی طرف دیکھا۔

"ایسا ہی ہوئی ہے پہلے بھی......؟ کچھ بھی ہو چکا ہے......؟" بڑی اماں نے پلک جھپکانے کی بھی کوشش نہیں کی وہ بہت جانچتی نظروں سے ریبا کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

ریبا کے چہرے کا رنگ واقعی فق ہو گیا...... (ہائیں!)

"تمہاری ساس نے کیوں نکالا تھا اسے......؟ ایسے محنتی نوکر تو لوگ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔"

ریبا کے پاس جیسے الفاظ ہی نہیں تھے۔ وہ تو اندر سے اتنی سہم گئی تھی کہ گویائی محال تھی۔

"کیا منہ میں گھنگنیاں ڈال کر بیٹھی ہو۔ کیا پوچھتی ہوں تم سے۔" وہ ناراض ہوئیں۔

"آپ کو یہ بے سروپا بات کس نے کہی......؟" بالآخر وہ بولی۔

"کسی نے کہی ہو۔ اب تم اسے گولی مارو گی؟ تم مجھے بس اتنا بولو کہ یہ جھوٹ ہے یا سچ۔" بڑی اماں کا پارہ ہائی ہونا شروع ہوا۔ ریبا نے ایک گہری سانس لی۔

"ٹھیک ہے بڑی اماں مگر پلیز آپ مجھے یہ تو بتا دیں۔ آپ کو کس نے بتایا......؟"

وہ ابھی تک گم صم سی تھی۔

"چولہے بھاڑ میں جائیں بتانے والے۔ بات تو سچی (صحیح) ہے ناں۔ تمہیں بوڑھی دادی کے سر پہ مصیبت منڈھتے ذرا لاج نہ آئی۔ کیسے چھانٹ کے موتی دادی کے سر میں ٹانکے ہیں! جھوٹا ہمدردی ظالموں سے جو کرے وہ بھی ظالم خدا کی پناہ۔ اتنا لحاظ بھی نہیں جوان بچیوں کا گھر ہے ایسی لونڈیا کسی کے کرن بیٹھی کسی کے سر لگا دے تو ہم ہیں منہ دکھانے لائق اور ہمارے ساتھ تھوڑی ہو چکی ہے؟ کہاں تک تمہاری بے وقوفیاں بھگتیں۔ تمہاری ساس نے سر سے بلا اتار پھینکی۔ تم نے ہمارے سر ڈال دی تھی۔ جتنی عمر ہے اس حساب سے کام کرو...... کانچ پہ پاؤں رکھ کے عمر گزار رہے ہیں۔ ٹکڑوں سے ہو نپٹتا ہے تو تجربے کی عمر میں الائی آتی ہے کرسی پر بیٹھ کر انسان تجربہ کار نہیں ہو جاتا اب تم آ گئی ہو تو اپنے منہ سے ان کو یہاں سے جانے کو بولو بس مجھے نہ کچھ اور کہنا ہے نہ سننا۔"

بڑی اماں نے دوٹوک بات کی اور خاموش ہو گئیں۔

ربیا کچھ دیر خاموشی سے بیٹھی رہی۔ ہتھیلیاں مسلتی رہی جیسے کچھ سوچ رہی ہو تھوڑی بعد اس نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

"بڑی اماں..... یہ لوگ غریب ضرور ہیں مگر غلط نہیں ہیں۔ مومل کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ اس کے ساتھ زیادتی کی گئی۔"

"ہاں! تم پاس بیٹھی تھیں اس وقت۔" بڑی اماں نے جل کر اس کی بات کاٹ دی۔

"بڑی اماں ساری حقیقت کا مجھے پتا ہے۔ اگر یہ لڑکی غلط ہوتی تو سب سے پہلے میں اس سے نفرت کرتی۔" ربیا نے بہت سکون سے جواب دیا۔

"اس کی صورت پر لکھا ہے کہ اس کا کوئی قصور نہیں؟" بڑی اماں نے آگ بگولا ہو کر پوچھا۔

"مجھے اصل حقیقت پتا ہے ناں۔ بڑی اماں! جب ہی تو کہہ رہی ہوں۔" ربیا نے اسی طرح سکون سے جواب دیا۔

"تو بیٹی! تم تو اتنی دھنوان ہو ان بے قصوروں کے لیے الگ گھر لے سکتی ہو۔ ماہانہ راشن پہنچا سکتی ہو تو تم نے یہ گند میرے سر کیوں ڈال دیا... ؟ بیوی اب میں ان کو یہاں نہیں رکھنے کی۔ خواہ تم کچھ بولو۔" بڑی اماں نے فیصلہ سنا دیا۔

"اور اس بے ماں باپ بچے کے ساتھ تو میں ہرگز زیادتی نہیں کروں گی کہ ایسی لڑکی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں جو کنوار پنے میں کسی نامراد کے بچے کی ماں بن چکی ہے۔ سنا تم نے؟ مومن اتنے زور و شور سے اس کی سفارش کر رہا تھا۔ یقیناً وہ اس حادثے سے لاعلم ہے ورنہ پہلے تو وہی تمہیں آڑے ہاتھوں لیتا۔ لوگ تو ایسی لڑکیوں کے سائے سے بھی پناہ مانگتے ہیں۔" بڑی اماں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ ربیا خاموش رہی۔

"سن رہی ہو۔ میں کیا کہہ رہی ہوں... ؟" وہ گمان کر رہی تھی شاید اس نے سنا نہیں۔

"جی بڑی اماں! سن رہی ہوں۔" وہ گم صم سے انداز میں بولی۔

"تو پھر میں تم سے حقیقت پوچھنے کے لئے وقت نہیں گنواؤں گی قصہ مختصر ان کا انتظام کر کے یہاں سے جاؤ۔" بڑی اماں کا انداز فیصلہ کن تھا۔

"ٹھیک ہے بڑی اماں! مومن گھر پر آئیں۔ میں ان سے بات کر کے ہی انہیں کسی اور ٹھکانے پر پہنچا سکتی ہوں آپ اتنی مہلت تو دیں ناں۔" اس نے جیسے درخواست کی۔

"خیر اتنی مہلت تو میں تمہیں دے دیتی ہوں..... مگر کان کھول کر سن لو۔ ہمدردی بانٹتے وقت اس بات کا خیال رکھو کہ اللہ کے دشمن سے دوستی اللہ سے دشمنی برابر ہے۔ اسے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا بھی کہتے ہیں۔ مانو میرے تو ابھی تک اوسان نہیں لوٹے... حد ہو گئی بتاؤ کیا عمر یا کرتوت۔ شکل پہ ایسے بارہ بجے رہتے ہیں مانو ابھی پیٹ سے پیدا ہوئی ہے۔ معصوم بے خبر یا الٰہی۔ آج کی دنیا میں کس کا اعتبار کریں کیسے جھوٹا تمہیں کیسے بتا۔ ذرے میرے تو پاؤں تلے زمین سرک گئی۔ بتاؤ۔ ماشاءاللہ بچوں سے گھر بھرا ہے۔ اللہ اپنی امان میں رکھے۔" بڑی اماں واقعی بدحواس تھیں بار بار ہاتھوں کو ملتی تھیں۔

"بیوی! آج کی رات انہوں نے ادھر نہیں گزارنا ورنہ میری رات کالی ہو جائے گی۔" انہوں نے گویا مزید تاکید کی۔

"ٹھیک ہے بڑی اماں! آپ پریشان نہ ہوں۔ کرتے ہیں کچھ نہ کچھ۔" ربیا نے تسلی دی۔

"ہاں بیٹی! یہ بڑا احسان ہوگا تمہارا بڑی جان پر۔" بڑی اماں جیسے تپ کر گویا ہوئیں۔ ربیا خاموش سر جھکائے کچھ سوچتی رہی۔

"بیوی! عورت ذات پر تو جھوٹی تہمت ہی لگ جائے تو اس کی آبرو کو بٹہ لگ جاتا ہے۔ اسی دن سے تو ڈرتے ہیں بیٹی والے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے جا رہی تھیں اور ربیا کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

☆☆☆☆☆

ربیا نے گھر فون کر کے میسج دے دیا تھا کہ مومن جیسے ہی آئیں انہیں بڑی اماں کے پاس بھیج دیا جائے۔ بڑی اماں کو ان سے بہت ضروری کام ہے۔ میسج دے کر وہ اوپر چاند کے کمرے میں جا کر لیٹ گئی تھی۔

"بڑی اماں کو کیسے پتا چل گیا۔ کہیں اس بے وقوف مومل کی ماں کے پیٹ میں درد تو نہیں ہوا؟ مجھے کیا اگر خود ہی انہیں مصیبت میں پڑنے کا شوق ہے..... پھرتی پھریں در بدر، اگر ان کی قسمت میں ہے تو یہ.....

کرا بے وقوفوں سے ہمدردی...

ٹھیک ہے جائیں بلا سے کسی گاؤں گوٹھ کے مزارعے ماشکی سے شادی کر کے ٹھکانے لگیں یا کسی وڈیرے کی پاؤں کی جوتی بن کے رہیں۔

پتا نہیں اس دنیا میں روز کیا ہو جاتا ہے۔ توبہ یہاں تو بھلائی راس نہیں کسی کو۔ "میں کیا بھاڑ میں جائیں۔ وہ کڑھ رہی تھی... جان چھوٹنے جو سے کب تک کیا سوچتی رہی۔ کتنا وقت گزرا تھا کہ مومن نے کمرے میں پاؤں رکھا۔

"السلام علیکم!" ربیا اٹھ بیٹھی اور معمول کا سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ خیریت بڑی اماں نے یاد فرمایا ہے؟ کوئی خاص بات؟" وہ شاید راستے بھر یہی سوچتا آیا تھا۔ اس لیے آتے ہی شروع ہو گیا۔

"بیٹھیں تو سہی پھر یاد فرمانے کی وجہ بتاتی ہوں۔" ربیا نے خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ انداز رازدارانہ تھا اس لیے مومن اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"مومن! ان ہی احمقوں کا مسئلہ ہے۔" ربیا نے ذرا متردد انداز میں بات شروع کی۔

"کہیں مومل لوگ۔" مومن کچھ سمجھا نہیں۔

"جی مومل لوگ۔" ربیا نے پوائنٹ آؤٹ کیا۔

"کیا ہوا؟" اس مرتبہ مومن چونک پڑا۔

"پتا نہیں بڑی اماں کو کیسے پتا چل گیا کہ مومل کا بچہ بھی ہے نامعلوم باپ کا۔"

مومن کے تو جیسے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ "نامعلوم باپ کا یا بتانے والے نے اور کچھ بھی بتایا ہے؟" اس نے فکرمندی سے ربیا کا چہرہ دیکھا۔

بہت سارے خفیہ گناہ جن کا گواہ صرف گنہگار کا دل ہوتا ہے۔ اس کے بہت سے خوف کی بنیاد ہوتے ہیں اس لیے نادانستہ وہ اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگتا ہے۔

مومن کی اعصابی کیفیت یوں تھی کہ اندر کوئی بھونچال آ گیا ہو۔

"پتا نہیں بڑی اماں نے تو بس یہی بتایا ہے۔" ربیا نے جواب دیا۔

"تم نے کریدنے کی کوشش نہیں کی.....؟" مومن نے فکرمند انداز میں پوچھا۔

"نہیں وہ کچھ بات سننے کے لیے تیار نہیں بس یہی کہہ رہی ہیں کہ ان کو یہاں سے نکال کر اپنے گھر جاؤ اسی لیے بلایا ہے آپ کو بتائیں کیا کرنا ہے؟" ربیا نے کہا۔

"تو اس وقت ان کو کہاں پہنچایا جائے۔ ادھر تو اب گھر بھی آ چکی ہیں۔" مومن ذہن پر زور ڈالنے لگا۔

"اب مجھے کیا پتا بڑی اماں! تو ایک رات کی مہلت دینے کو تیار نہیں...... اگر میں ان سے کچھ بھی دوں کہ یہاں سے چلی جائیں تو یہ جائیں گی کہاں۔ سڑک پر بھی بیٹھ جائیں تو رات کو آج کل سردی کتنی ہو رہی ہے۔ بے قصور انسانوں کے ساتھ یہ زیادتی کیا انہیں رات کو سونے دے گی؟" ربیا نے بہت دکھ سے کہا۔

موان خاموش رہا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔

پھر اس نے ربیا کی طرف دیکھا...... "ربیا! صدر میں کافی ہوٹل ہیں۔ زیادہ مہنگے نہیں ہوتے۔ آج رات کے لیے انہیں وہاں پہنچا دیتے ہیں۔ صبح کو پھر اس کا انتظام کرتے ہیں۔ انہیں واپس گوٹھ جانے پر مجبور کرتے ہیں ٹھیک ہے۔"

"ہاں ابھی تو یہی ٹھیک نظر آ رہا ہے۔ کہتی ہوں ان کو سامان باندھنے کے لئے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ایک نظر موان کا چہرہ دیکھا پھر فوراً باہر نکل گئی۔

پہلے نیچے دیکھا مینوں میں سے کوئی نظر نہ آئی۔ وہ اوپر چڑھ گئی جو ان کے رہائش کرے میں چلی آئی۔ سوال کی ماں حسب معمول پلنگ توڑ رہی تھی۔ سوال بیٹھے برتن سیٹ رہی تھی۔ بڑی بیٹے انہاک سے بڑے سے سیب پر دانت مار رہی تھی۔ تینوں اسے دیکھ کر ہڑ بڑا گئیں۔

"جی وہ بڑی بی بی! سب کام ہو گیا ہے۔ وہ بولا تم جاؤ۔" سوال نے وضاحت کی۔

"ہاں تمہارا بھی کام ہو گیا ہے۔ اپنا سامان باندھو بڑی اماں تم لوگوں کو نکال رہی ہیں۔ وہ تمہاری عقل مند بڑی اماں ابھی تمہیں کیا کیا دکھاتی ہیں۔"

"جی بی بی۔" سوال کی ماں بیدار کر پلنگ سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔

"لیں...... اب زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ ٹائم نہیں ہے۔ نیچے موان بھی انتظار کر رہے ہیں۔ ہم لوگوں کو اور بھی دوسرے کام ہیں۔ چلو جلدی کرو۔" ربیا نے عجلت بھرے انداز میں کہا۔

"لیکن بڑی اماں ہمیں کیوں نکال رہی ہیں؟ میں تو سب کام کرتی ہوں جو وہ بولتی ہیں۔"

"یہ تم انہی سے پوچھ لینا فالتو باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔" ربیا نے درشتی سے کہا۔ "اب اپنی ماں سے کہنا کہ بہت سو چکی۔ اب جاگ جائے ٹھیک تو کہتی ہیں بڑی اماں؟" ربیا ذہنی طور پر بہت الجھی ہوئی تھی۔

"اب ہم کدھر جائیں گے؟ آپ کی کوٹھی میں؟" بڑی سیب کھانا بھول کر بڑی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔ "پتا نہیں بس جلدی سے اپنی چیزیں سمیٹو میں نیچے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔" ربیا یہ کہہ کر باہر نکل آئی۔ نیچے آئی تو دیکھا بڑی اماں موان سے بڑے رازدارانہ انداز میں مصروف گفتگو تھیں۔ ربیا کو دیکھ خاموش ہو گئیں۔

"کہہ دیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی باندھ رہی ہیں اپنا سامان۔" ربیا نے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ جواب دیا۔

"یہ کچھ کپڑے لئے ہیں اور یہ کچھ رقم بھی دے دینا ان کو۔ کچھ پرانے برتن بھی باندھے ہوں گے بڑا بانے۔ وہ بھی کہنا اٹھا لیں۔ سوئٹر (سویٹر) بھی ہیں ان کپڑوں میں کہنا پہن لیں۔ سردی کے دن ہیں اور بیوی! تم مجھے معاف کر دینا ہمدردیوں میں تمہارا ساتھ نہ دے پائی۔ سانپ کا ڈسا رسی سے بھی ڈرتا ہے بس اتنی سی بات ہے۔"

"کوئی بات نہیں بڑی اماں! میں تو بلکہ آپ سے شرمندہ ہوں کہ میری وجہ سے آپ کو ناحق زحمت اٹھانا پڑی۔" موان نے درحقیقت خفت بھرے انداز میں کہا۔

"ارے نہیں میرے بچے! اس میں تمہاری کیا بھول۔ میرا بچہ جبار ہے وہ دھوکا نہ کھا سکے دونوں پچھلے سال تک سادہ مزاج نیک بچہ اللہ نظر بد سے بچائے۔ یہ وہ نیک جوڑ بنا ہے میری بچی کا جسے کون سی نیکی کام آئی ہے۔" بڑی اماں نے موان کا سر اپنے شانے سے لگا کر بہت پیار کیا۔

موان کو محسوس ہو رہا تھا۔ بڑی اماں قاضی کے منصب پر بیٹھی ہیں۔ جرم کی سزا سنا رہی ہیں۔ الفاظ تھے کہ پتھر۔

☆☆☆☆☆
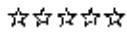
"زری کا کام تو کافی پڑ جاتا ہے۔ کپڑا بہت اچھا ہے اس لیے دیکھے اور موتی کا کام کروا دیا۔ دیکھو چھا تکلیں لگ رہا؟" بڑی اماں نے پیرٹ گرین سوٹ عارفہ کے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھا لگ رہا ہے اماں اور یہ کپڑا بہت بھاری ہے۔ بہت مہنگا بنا ہوگا۔" عارفہ نے دوپٹہ پھیلا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"بنا دیکھے سنے تمہیں کیا بتا! اللہ پہننا نصیب کرے اور یہ دیکھو اس پر صرف موتی لگوائے ہیں فیروزی رنگ پر اول موتی کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔" بڑی اماں نے سوٹ کیس سے ایک اور سوٹ نکالا۔

"بہت خوب صورت لگ رہا ہے۔ اماں بہت اچھی پسند ہے آپ کی۔" عارفہ نے بہت خوش ہو کر سوٹ ہاتھ میں لیا اور تفصیل سے نظر دوڑائی۔

"ربیا کہہ رہی ہے نکاح کے لئے پشواز بنائیں بعد میں بھی پہنی جاتی ہے۔ غرارے شرارے ڈبل رکھے رہ جاتے ہیں ولیمے کے لیے ساڑھی کا کہہ دی ہے اب تم جو بولو۔" بڑی اماں ایک اور سوٹ نکالتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"ٹھیک ہے اماں! لڑکیوں کو آج کل کے فیشن کا زیادہ پتا ہوتا ہے۔" عارفہ نے ماں کے ہاتھ سے اگلا سوٹ لے کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری طرف سے سبز رکھے ہیں۔ نکاح ولیمے کا تو جمال کی طرف سے بنے گا۔ تمہاری بھاوج بھی ہندوستان سے کچھ کپڑے لا رہی ہیں۔ کچھ تو دو چار جوڑے کر دیں؟" بڑی اماں نے پوچھا۔

"بہت ہیں اماں! بعد میں بھی لڑکیاں بناتی ہیں۔ میاں کے ساتھ شوق میں بازار جاتی ہیں۔ کیوں؟" عارفہ نے جواب دیا۔

اسی دوران کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"ایک منٹ اماں! ابھی آتی ہوں دیکھتی ہوں کون ہے۔" عارفہ دستک کی آواز پر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بڑی اماں نے کوئی جواب نہ دیا۔ سوٹ کیس میں لٹو لنے میں لگی رہیں۔

تھوڑی دیر بعد عارفہ واپس آ گئیں۔

اماں! اطہر کا فون ہے سید صاحب کے ہاں۔ بولا کہے ہوئے ہے جلدی آ جائیں۔" وہ دروازے میں کھڑی کہہ رہی تھیں۔

"ارے کمبخت نہیں لڑکے کو۔ بیٹھے بیٹھے ہاتھوں میں کھجلی ہوتی ہے بہت فالتو پیسہ آ رہا ہے۔ وہاں نہیں پہنچوں گی کیا۔" بڑی اماں کو دل پسند مصروفیت میں مداخلت سخت ناگوار گزری۔ بڑبڑاتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھیں۔

"شمسہ! آ نے ہیں ہم سید صاحب کے ہاں سے فون سن کر۔" عارفہ نے شمسہ کو مخاطب کیا جو باتھ روم میں کپڑے کھنگالنے میں منہمک تھی اور دونوں سید صاحب کے ہاں چلی آئیں۔

سید صاحب کی بیگم نے مسکرا کر خوش آمدید کہا اور بڑی اماں کو فون کی طرف متوجہ کر کے بولیں۔

"پہلے آپ فون سن لیں...... کافی دیر سے آپ کا پوتا ہولڈ کیے ہوئے ہے۔"

"اے ہاں! دودھ پیتا ہے بڑی اماں کا۔ گھر سے نکلتے ہی دیر ہوگئی مجھے۔" وہ ریسیور اٹھاتے ہوئے بڑبڑائیں۔

"ہیلو وعلیکم السلام! بھوں کے تیل کے کنویں ہیں بیٹا! خوب روپیہ پھونکو۔" بڑی اماں تاڑنے لگیں۔

"ہاں ہاں سن رہی ہوں۔ کان سے لگا ہے موا چونگا' کیا ناک سے لگاؤں؟" وہ پھر خفا ہوئیں۔

"چابیاں آئے بجے۔ میرے کمرے کی الماری کے اوپر دیکھ نہیں؟" ادھر سے مظہر نے جانے کیا کہا۔ بڑی اماں سب غصہ بھول گئیں۔

"ہاں خیر میں نے ہی کہا تھا۔ گیٹ میں اندر سے تالا ڈال دینا۔"

"وہیں گھر میں ہی دیکھو۔ یہ تو مجھے دھیان نہیں کہ ساتھ لائی ہوں جہاں سے تالا اٹھایا تھا وہاں دیکھو دیکھ لیا.....؟ ارے تو میں یہاں بیٹھی کیا بتاؤں.....؟" وہ جھلائیں۔

"خبردار دیواریں پھلانگنے کی ضرورت نہیں۔ چوروں کو رستہ دکھاؤ گے۔ چین سے گھر میں نہیں بیٹھا جاتا.....؟ ہوائی جہاز پکڑنا ہے؟ جو وقت نکلا جا رہا ہے.....؟ تالا توڑنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ جاپانا کا تالا ہے۔ سو چار سے کم کا نہیں آتا۔ چابیاں دیکھو وہیں ہوں گی۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"ناز گھر سے نکلنا عذاب ہے سب کچھ ہو جاتا ہے پیچھے۔" بڑی اماں سید صاحب کی بیگم کی طرف متوجہ ہوئیں۔ جو بڑی اماں کے دلچسپ انداز گفتگو پر مسکرا رہی تھیں۔

"آپ بیٹھے ہر گھر کے دسیوں مسئلے۔ کسی بہانے سہی آج آپ ہمارے ہاں آئیں تو سہی۔"

"ارے بیٹا..... مجھے تو بہانے بھی گھر سے نکلنے نہیں دیتے۔ گھر میں کوئی عورت ذات نہیں میرے علاوہ..... ایک بہو وہ بھی امریکہ میں۔ دوسری کا انتظام ہے پر ابھی اللہ کا حکم نہیں۔ ماشاء اللہ رکھے لونڈے دندناتے پھرتے ہیں اتنے بڑے گھر میں۔" بڑی اماں صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"ماشاء اللہ لڑکوں کے گھر میں تو واقعی کام بہت ہوتا ہے۔ لڑکیاں ہوتی ہیں تو ہاتھ بٹاتی ہیں۔" سید صاحب کی بیگم عارفہ کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔

"ہاں بی بی! دور کے ڈھول سہانے..... دور بیٹھے ایسا ہی لگتا ہے جن کی شادی کے بعد بھی جا چڑھتے ہیں' وہ جتنے کیا حساب کتاب بنائے بیٹھے ہیں۔ بس بی بی اب کیا بتاؤں تمہیں۔ میرے اختیار میں ہو تو مہینے میں سب کی بارات کر دوں۔" بڑی اماں نے سرد آہ بھری۔

"دیکھو عید کے چاند اپنے پوتے کی تاریخ لینے جاؤں گی۔ دعا کرو بخیر و خوبی معاملہ طے ہو جائے۔"

"آمین۔" سید صاحب کی بیگم نے بڑے خلوص سے آمین کہا۔

"رمضان میں کھانے پینے کی بابت پوچھنا تو نامناسب لگتا ہے۔ لہٰذا یہ کہہ سکتی ہوں کہ آج آپ عارفہ کے ہاں ہیں تو افطار ہمارے گھر کر لیں۔ میری تو مدت بعد آپ سے ملاقات ہوئی ہے۔" سید صاحب کی بیگم نے بڑی اماں کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"جیتی رہو بیٹی! سدا سہاگن رہو۔ بات یہ ہے کہ افطار تو میں ادھر بچوں کے ساتھ ہی کروں گی۔ ابھی تم نے سنا نہیں وہاں تو قید پڑ گئی ہے' چابیاں گم ہو گئی ہیں شام تک خدا معلوم کیا کیا ہوگا پھر اپنا چار ساڑھے چار بجے دفتر سے نکل کر مجھے لینے آجائے گا۔ اللہ خوش رکھے۔ عارفہ کو ہمسائے اچھے ملے ہیں۔" ان کے بولنے کے دوران ہی کال بیل بج اٹھی۔

"دیکھنا بیٹے گیٹ پر۔" سید صاحب کی بیگم نے اپنی بیٹی کو مخاطب کیا جو نظر کے سامنے نہیں تھی۔

"زکوٰۃ فطرہ لینے آیا ہوگا کوئی رمضان شروع ہوتے ہی بس یہ سلسلہ صبح شام کا ہے۔" سید صاحب کی بیگم نے عارفہ کی طرف دیکھ کر کہا اور گیٹ کی طرف کان لگا دیے۔

کچھ نہ سمجھ میں آنے والی آوازیں ابھریں۔

"کون ہے بیٹی.....؟"

"آپ خود دیکھ لیجیے۔ بہت دنوں بعد کوئی مہمان آیا ہے۔" سید صاحب کی بیٹی کی آواز میں مسکراہٹ کا تاثر تھا اور فوراً ہی مہمان بھی ڈرائنگ روم میں آ چکا تھا۔

"ارے میری پیاری بہن۔" سید صاحب کی بیگم والہانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھیں۔ سامنے سیاہ کشیدہ کاری سے مرصع چادر اوڑھے قمر النساء تھیں وہ جس طرح مسکرا کر اندر داخل ہوئی تھیں اب اس کیفیت میں نہیں تھیں عارفہ کو دیکھ کر جیسے پاؤں من من بھر کے ہو گئے تھے انہوں نے بہت آہستہ سے حاضرین کو سلام کیا تھا۔

عارفہ اپنی جگہ گم صم سی بیٹھی رہی تھیں۔

معاً سید صاحب کی بیگم کو بھی صورت حال کی "خصوصیت" کا اندازہ ہوا۔ وہ بھی چند لمحوں کے لیے الجھی گئیں جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ اس وقت سے کیسے نمٹا جائے۔

"بہت دنوں بعد صورت دکھائی آپ نے کیا شہر سے باہر گئی ہوئی تھیں؟" بالآخر مناسب جملہ سوجھ گیا۔

"نہیں تھی تو اسی شہر میں' بس کچھ اپنے مسئلے مسائل میں الجھی ہوئی تھی' دو تین فون ڈیڈ ہو گیا بہت ضروری فون کرنا تھا تو پڑوس سے بھی کر سکتی۔ سوچا اس بہانے آپ سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔" قمر النساء یوں بول رہی تھیں جیسے الفاظ حلق میں پھنس رہے ہوں۔

"بہت مبارک ٹیلی فون ہے ہمارا بچھڑے ہوؤں کو ملاتا ہے۔" سید صاحب کی بیگم مسکرائیں۔

جواب میں کوئی مسکراہٹ نہ ابھری۔

"اور سنائیں بچیاں اپنے گھروں میں خوش ہیں؟" سید صاحب کی بیگم نے قمر النساء سے پوچھا۔

"شکر ہے مالک کا' آپ بھی دعا کیا کریں۔" قمر النساء نے کلمہ شکر کے ساتھ جواب دیا اور ایک نظر عارفہ کے چہرے پر ڈالی۔

"دل تو میرا بھی بہت چاہ رہا تھا آپ سے ملنے کو' پہلے تو عمرہ کرنے چلی گئی پھر رمضان آ گئے! اچھا کیا کہ آپ خود آ گئیں کسی بہانے سے۔" سید صاحب کی بیگم کو صورت حال کا اندازہ تھا اس لیے ماحول میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

آپ کی ملنے والی ہیں یا رشتہ دار؟" بڑی اماں کو بھی ان کے درمیان تعلقات کی نوعیت کی کھوج ہوئی۔ "بس اماں! رشتے داروں سے زیادہ ہی سمجھیے۔ بہن کہا ہے میں نے۔ بہت بھلی خاتون ہیں بہت اچھی طبیعت ہے۔" سید صاحب کی بیگم نے بہت محبت سے قمر النساء کی طرف دیکھا۔

"کے بچے ہیں بی بی آپ کے.....؟" بڑی اماں بھی خیر سگالی پر اتر آئیں۔

"ماشاء اللہ..... پانچ بیٹیاں..... ایک بیٹا۔" قمر النساء نے پھر عارفہ کی طرف دیکھا۔

"جیتے رہیں۔ کیا کر رہے ہیں بچے.....؟" انہوں نے بے تکلف تذکرہ دیکھا۔

"بچیاں ماشاء اللہ اپنے اپنے گھر کی ہیں اور....." قمر النساء عارفہ کی طرف دیکھ کر بولتے بولتے رک گئیں۔

"لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دیجیے میری بدنصیب بیٹی کیسی ہے؟" عارفہ اب زیادہ دیر برداشت نہ کر سکیں اتنا کہا اور پھوٹ

پھوٹ کر رو نے لگیں۔

☆☆☆☆☆

بڑی اماں حق دق عارفہ کو روتا دیکھ رہی تھیں..... ایک ہوش اڑا دینے والی صورت حال درپیش تھی وہ سب کچھ سمجھ کر بھی جیسے خود کو فریب دینے کی کوشش کر رہی تھیں۔

ان کی قوت گویائی ساتھ چھوڑ چکی تھی اور وہ چاہتی تھی انہیں کوئی خود سے وضاحت کر کے بتا دے یہ آنے والی مہمان پہچان کیا گئی ہیں یقیناً ایسی ہی کچھ لگتی ہوں گی تب ہی عارفہ اپنی بیٹی کی خیر خیریت ان سے پوچھ رہی ہے۔

"آپ کی بچی الحمدللہ خیریت سے ہے۔ وہ میری بہو نہیں ہے۔ بیٹی ہے ہم دونوں ایک دوسرے کے غمگسار ہیں رازدار ہیں دمساز ہیں دوست ہیں سہیلیاں ہیں ہماری ایک دوسرے سے دو بات نہیں ہے ہم ایک دوسری کے لیے نعمت ہیں۔ ایک دوسرے سے خوش ہیں۔ سارا گھر اس کے حوالے کر دیا ہے اس سے پوچھ کر ہر کام کرتی ہوں تو اچھا لگتا ہے وہ اس گھر کی اصل مالکن ہے دن رات اس کوشش میں ہوتی ہوں کہ جو زیادتی اس کے ساتھ ہوئی ہے ہر ممکن اس کا دل بڑھاتی رہوں بوجھ سرکاتی رہوں کم از کم اسے حقیقی ماں کی طرح محسوس ہوں باقی نیت اللہ جانتا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ ہم اس قابل نہیں ہیں کہ آپ سے آنکھ ملا سکیں قیامت تک کی زندگی ملے تو قیامت تک ہاتھ جوڑ کر آپ سے معافی مانگتی رہوں۔" قمر النساء آنچل سے آنسو پونچھنے لگیں۔

"ہوں اوں۔" بڑی اماں اب از خود سمجھ گئیں۔ "ٹھیک بولیں بوڑی اولاد ناخلف ہو تو مائیں قصوروار گردانی جاتی ہیں مگر کوئی ماں بھی ناخلف اولاد نہیں چاہتی۔ چلو یہ سن کر دل ٹھنڈا ہوا کہ بچی کو اللہ نے ماں سمیت سب کچھ دیا ہے۔ ملاقات اچھی ہوئی کم از کم میری بچی کو تسلی ہوئی کہ اس کی بیٹی کسمپرسی کے حال میں نہیں۔ لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دو کہ آپ کا ناخلف بیٹا بچی کے ساتھ کیسا ہے۔" بڑی اماں اس وقت سب کچھ بھول بھال چکی تھیں۔ گھر بند تالا اخفاری کھانے بچے گمشدہ چابیاں۔

رگوں میں ایک حشر برپا تھا قمر النساء سے ذرا نظر نہ ہٹاتی تھیں۔

قمر النساء یکلخت چپ سی ہو گئیں جیسے الجھن میں پڑ گئی ہوں کہ اس ضعیف خاتون کو کیا جواب دینا چاہیے جس سے وہ پریشان یا مضطرب نہ ہوں۔

عارفہ بڑی گہری نظروں سے قمر النساء کا چہرہ پڑھ رہی تھیں قمر النساء کے چہرے سے انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ خالص جواب نہیں دیں گی۔

"اچھا ہے جو شغل شوق ہیں وہ اپنی جگہ ہیں۔" وہ خفیف سے انداز میں کہنے لگیں۔

"مہمان نوازی تو میں بھی کچھ عرض کروں۔" سید صاحب کی بیگم نے جھجکتے ہوئے اجازت چاہی۔ وہ مہمان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"اپنی جان جو ختم کر کے اسے لے کر گیا ہے۔ سارے کام بھول کر اس کے پیچھے پڑا تھا۔ کیسے قدر نہ کرتا ہوگا۔ سوچنے کی بات ہے۔

قمر النساء کی جھکی نظریں نہ اٹھیں، نہ وہ کچھ جیسے اس لگنے سے طمانیت ہوئی۔ بڑی اماں اپنی عینک اتار کر دوپٹے سے صاف کرنے لگیں۔

"جی خالہ جان! ایک مرتبہ طارق روڈ پر دیکھا تھا وہ تو آپی کو پاشا بھائی کے ساتھ سرخ کپڑے پہنے بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ میں نے جلدی سے سڑک کراس کی کہ ان سے سلام دعا کر لوں مگر اتنی دیر میں وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ میں نے امی کو بتایا بھی تھا۔ ہے ناں امی؟"

"ہاں اس نے بتایا تھا مگر میں عارفہ سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرتی کہیں اس کے دل کو رنج نہ ہو بیٹی کی یاد اسے رلا دے۔" سید صاحب کی بیگم نے جواب دیا۔

"رنج تو عمر بھر کا ہے بہن ذکر ہو یا نہ ہو۔" عارفہ آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔

"آپ اپنی سوچ کو تھوڑا بدلیں بوجھ کم لگے گا۔ آپ لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں ہوا اس میں کوئی شک نہیں مگر پھر بھی اللہ کا کرم ہوا بچی کسمپرسی کے حال میں نہیں بے نام و نشان نہیں۔ اللہ نے چاہا تو جلدی ہی اس کی گود میں بچے بھی کھیلے گا وہ خاندان والی بن کے بیٹھی ہے کوئی بھی اس کو یہ احساس نہیں دلاتا کہ وہ کس طرح لائی گئی بلکہ سب کو اس بات کی خوشی ہے کہ پاشا کو نصیب سے کچھ اچھا ملا ہو یا نہ ملا ہو بیوی اچھی ملی ہے۔ میری بیٹیاں تو اسے کسی نعمت کی طرح سمجھتی ہیں۔"

قمر النساء نے اپنی طرف سے دکھی دلوں کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی۔ وہ دونوں ماں بیٹی کے چہرے بھی ساتھ ساتھ دیکھتی جاتی تھیں کہ ان پر اچھی خبروں کا اثر کتنا ہو رہا ہے۔

"بے شک آپ ٹھیک بولتی ہوں گی جو کہا دیا ہی ہوگا مگر ہمارے جسموں میں تو تھوک پڑ گیا۔ بیٹی! فائدہ ہوا تو آپ کو آپ کے خاندان کو ہم تو منہ دکھانے لائق نہیں اسے جس طرح گھر اور برملا یہ اس کا نصیب مگر ہم تو نقصان میں رہے۔" بڑی اماں نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"اسی بابت عرض کی تھی میں نے کہ آپ لوگوں کے دل سے نقصان کا ملال کچھ کم ہو۔ میں آپ کی مجرم ہوں اس لیے کہ پاشا نے میری کوکھ سے جنم لیا۔ میں نے ہی اس کی تربیت میں کوئی کسر چھوڑی ہوگی میرے لیے آپ جو سزا تجویز کریں برحق ہے۔" قمر النساء نے سر جھکا کر ندامت سے کہا۔

"خیر بیٹی! اب ہم تمہیں کیا کہہ سکتے ہیں ہماری اپنی جان کو کوئی ایک روگ.... ؟ سینے میں دل کی جگہ کوئی پھوڑا رکھا ہے بس یونہی حیلے بہانے سے رسنے لگتا ہے۔

"کاش میرے پاس آپ کے زخم کا کوئی علاج ہوتا۔ گنہگار ہوں آپ کی مرتے دم تک یہی کہتی رہوں گی۔"

"تم کیوں ہوئیں میری گنہگار سب اپنے اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ تم نے تو بیٹے سے نہیں کہا ہوگا کہ وہ جا کر بندوں کی عزتوں پر ڈاکہ مارے۔" بڑی اماں اسی طرح رندھی ہوئی آواز میں بولیں۔

"اس خبر سے ذرا خوشی نہیں ہوئی کہ ماہ لور ماں بننے والی ہے۔ پتا نہیں کس کا بچہ اس کی کوکھ میں آیا۔ اس انسان کی اولاد جنم دے گی جس میں کسی شرعی عیب کی کمی نہیں ہے۔" عارفہ کے لہجے میں تلخی تھی۔

"ایسے ناشکری کے کلمات منہ سے نہ نکالو عارفہ بہن! فرعون کو اللہ نے آسیہ دی تھی آسیہ کی گود میں موسیٰ نے پرورش پائی تھی ضروری نہیں کہ اولاد باپ پر پڑے اللہ کی حکمت وہی جانے۔" سید صاحب کی بیگم نے فوراً لقمہ لگایا۔

"ٹھیک کہا آپ نے۔ پاشا کے پردادا کو اللہ نے بزرگی دی تھی صاحب دعا بزرگ تھے۔ لوگ ان کو پیر بنانے پر تل گئے تھے مگر انہوں نے ظاہر داری اور نمائش میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ اللہ نے انہیں بے پناہ عزت دی دولت ہماری سات پشتوں سے چلی آ رہی ہے زمینداری اصل پیشہ رہا مگر وہ اپنا ذاتی کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے کبھی کسی مزارعے سے اپنی چلم نہیں بھروائی حقہ تازہ نہیں کروایا۔ بتانے کا مقصد یہ ہے اماں کہ ہمارے خاندان میں اگر پاشا ہے تو ساتھ ہی ان کے پردادا تاج حسنی جیسے بندے بھی گزرے ہیں۔ ضروری نہیں بچہ اپنے باپ ہی پر جائے دادا پردادا پر بھی جا سکتا ہے۔ میرے والد اچھا کھانے پینے کے شوقین تھے خوشبو لگانا پسند کرتے تھے۔ دوستوں کو کھلانے کے شوقین تھے اور بس اس کے علاوہ کوئی شوق ایسا نہیں پالا کہ شریعت گرفت

کرے۔ دولت مندوں کے ہاں بیٹے کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ بے شمار دولت کے لیے ایک وارث کی خواہش رہتی ہے۔ میرے ماں اوپر تلے بیٹیاں ہوئیں پھر انتظار کے بعد پاشا ہوا بس باپ نے بہت ہی لاڈلا بنا دیا اس کی ہر خواہش پوری کرنے میں لڑکی تو کہنے لگے تمہیں کیا پڑی ہے......؟ سب کچھ اسی کے لئے تو ہے پھر کیوں اس کا دل خراب کریں...... بہت سمجھایا تھا تو کہنے لگے خوشحالی ہے تو کیوں غریب کا بچہ بنا کر پالوں۔ میٹرک ہی میں تھا تو گھر دیر سے آنے کی عادت پڑنے لگی۔

میں نے فکر ظاہر کی تو کہنے لگے اس کے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے ڈاکے مارنے تو نہیں جاتا ہوگا ایسے ہی دوستوں میں گپ شپ لگانے بیٹھ جاتا ہوگا۔ اب میں کیا کہتی خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتی۔ کوئی اچھا وقت ملتا تو سمجھانے بیٹھ جاتی کہ جوان بچوں پر بہر حال نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو کہتے ہر وقت کی روک ٹوک شبہ بچوں کو باغی بنا دیتا ہے۔ بس یہی ہوتا رہا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ پھر بھی میں آپ کے سامنے خود کو قصوروار کہتی ہوں۔" اتنا کہہ کر فخر النساء خاموش ہو گئیں۔

"ہوتا بھی ہے کہ بچوں کے بگاڑ کا ذمہ دار ماں ہی کو سمجھا جاتا ہے۔" سید صاحب کی بیگم نے کہا۔

"آپ کو تو ہم کچھ بھی نہیں کہنے آئے تو بڑی سبکی محسوس کر رہے ہیں۔" عارفہ نے دل گرفتہ انداز میں کہا اور ماں کی طرف دیکھا۔

"چلیں اماں؟"

"ہاں بیٹی! بس اب چلو بھلا دا بھی سمیٹنا ہے پھر ظہیر آ جائے گا مجھے لینے۔"

"شمسہ کی شادی طے ہو گئی ہے ماں! اماں اس کے کپڑے لائی تھیں اسی طرح چھوڑ کر آ گئے فون سنتے۔" عارفہ نے سید صاحب کی بیگم کو بتایا۔

"اتنی اہم خبر اب بتا رہی ہو؟ خیر بہت بہت مبارک ہو سن کر بہت خوشی ہوئی۔ طاہر بھائی کی طبیعت تو ان دنوں خراب ہو رہی ہے ظاہر ہے غم کرتے ہوں گے ہو سکتا ہے اس خوشی کے بعد ان کی طبیعت بھی بہتر ہونے لگے ہماری تو دعا ہے اللہ انہیں اچھا کرے۔ آمین۔"

سید صاحب کی بیگم نے کہا پھر فخر النساء کی طرف پلٹیں۔

"شمسہ دلہن کی چھوٹی بہن۔"

"اچھا اچھا ماشاء اللہ اللہ آپ کو یہ خوشی مبارک کرے۔" انہوں نے پرخلوص لہجے میں کہا۔ "یہ بھی بہت اچھا ہوا آپ جلدی ہی اپنے فرض سے سبکدوش ہو رہی ہیں۔"

"احسان ہے میرے مالک کا ورنہ تو چاروں طرف صرف اندھیرا ہی نظر آ رہا تھا۔" عارفہ نے کہا اور چادر درست کرتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اماں آپ بزرگ ہیں ہمارے لیے گنجائش نکالنے کی کوشش کیجئے گا۔ مرتے دم تک احسان یاد کروں گی۔" فخر النساء نے بڑی اماں کے ہاتھ تھام کر بڑی عاجزی سے کہا۔

"جیتی رہو بیٹی! کتنے خاندان والی ہوا ان کے منہ دیکھ کر۔ پاؤں اٹھانا ہونے دیں بہر حال دعا کرتی رہو۔"

بڑی اماں نے فخر النساء کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا اور فخر النساء کو یہ بھی بہت لگا گھٹن میں تھوڑی سی آزادی کا احساس وجود میں در آیا۔

☆☆☆☆☆
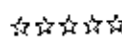
شام کے پانچ بج رہے تھے وہ عصر کی نماز پڑھ کر نیچے لان میں چلی آئی اور ایک سنگی بنچ پر بیٹھ کر درود شریف پڑھنے

لگی کوٹھی میں اس وقت ملازمین تھے اور وہ تھی اس نے پاؤں اٹھا کر بنچ پر رکھ لیے اور آنکھیں بند کر لیں اور پوری توجہ سے درود شریف پڑھنے لگی جانے کتنی دیر اس طرح سے گزری تھی اس وقت چونک کر آنکھیں کھولیں جب ایک کار پورچ میں داخل ہوئی کار ڈرائیو تو وہ نہ دیکھ سکی اس لیے کہ کار بڑی تیزی میں پورچ میں گئی تھی یہ البتہ پتہ چلتا تھا کہ گاڑی بہر حال پاشا کی نہیں تھی۔

وہ گاڑی کی طرف متوجہ ہو کر اترنے والے کو دیکھنے لگی۔

"اوہ۔" تنگ جاں تنگ زیب تن کی ہوئی براؤن شلوار قمیص میں ملبوس پرس جھلاتی ثریا شہدی سامنے تھی۔ اس کی نظر ماہ نور پر پڑ چکی تھی مگر اس نے یکسر نظر انداز کر دیا اور کوٹھی کے اندر چلی گئی۔

ماہ نور نے چند لمحے کچھ سوچا پھر اٹھ کر خود بھی تیزی سے اندر چلی گئی اندر ثریا نظر نہ آئی تو اس نے ڈرائنگ میں جھانکا وہاں بھی کوئی نہ تھا۔

"ہوں یقیناً بیڈ روم میں ہوگی۔" اس خیال ہی سے اس کی رگوں میں محشر بپا ہو گیا۔ وہ بڑی تیزی سے پاشا کے بیڈ روم میں آئی بائیں ہاتھ سے دھکا دے کر دروازہ کھولا۔

ثریا بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی فون پر باتیں کر رہی تھی۔ مالکوں جیسا اسٹائل دیکھ کر تو گویا ماہ نور شعلوں میں گھر گئی اور وہیں دروازے میں کھڑی ہو کر اس کے فون بند کرنے کا انتظار کرنے لگی۔

ثریا نے اسے دیکھ لیا تھا مگر اسی طرح بے نیازی سے فون پر بات کرتی رہی۔

ماہ نور اپنی بے بسی پر جل جل کر خاک ہوتی رہی۔

تقریباً پانچ منٹ ثریا نے فون پر بات کی پھر ریسیور رکھ دیا اور میگزین اٹھا کر اس طرح ورق گردانی کرنے لگی جیسے ماہ نور کمرے میں موجود ہی نہ ہو۔

"تم کو اس بستر پر لیٹنے کی ہمت کیسے ہوئی؟" ماہ نور بیڈ کے قریب آ کر غرائی۔

"شٹ اپ۔ تم منہ لگانے کے قابل نہیں ہو۔ میں تم سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔" ثریا نے میگزین چہرے کے سامنے سے ہٹائے بغیر جواب دیا۔

"خیر منہ تو میں تم جیسی عورتوں کو لگانا پسند نہیں کرتی مگر مجبوری یہ ہے کہ میرے گھر میں یہ ڈرامہ ہرگز نہیں ہوگا اور میرے شوہر کے بستر پر میری اجازت کے بغیر کوئی نہیں لیٹ سکتا اب تم یہاں سے نہیں بلکہ اس گھر سے دفعان ہو جاؤ۔"

"تم سے پہلے وہ میرا شوہر ہے لہٰذا تم یہاں سے دفعان ہو جاؤ۔"

"شوہر ہر خبیث بلیک میلر سا۔ سارے شہر کو پتا ہے پاشا کی بیوی کون ہے۔ بھکاریوں کی طرح ہر وقت اس سے پیسے مانگتی رہتی ہو اور خود کو اس کی بیوی کہتی ہو۔ کیا تمہیں پتا ہے اس کا پیسہ کہاں رکھا ہوتا ہے مجھے پتا ہے اور میں تمہیں ان پیسوں میں سے ڈھیروں ڈالر خیرات کر سکتی ہوں اور وہ مجھ سے پوچھے گا بھی نہیں کہ اتنے ڈالر میں نے کہاں خرچ کر دیے بتاؤ اس وقت تمہیں کتنے ڈالر کی ضرورت ہے۔ ہاں مگر پہلے ذرا مہربانی فرما کر آپ یہ بستر چھوڑ دیں۔" وہ آگ بگولہ ہو کر کہہ رہی تھی۔

"جب وہ آ جائے تو اس سے معلوم کر لینا کہ مجھے کوئی اس بستر سے اٹھا سکتا ہے یا نہیں۔ اچھا اگر میں اسے اندر کرا دوں تب تم کس بات پر اتراؤ گی ڈالر کہاں سے آئیں گے۔" ثریا نے تمسخرانہ پوچھا۔

"میرے پاس صرف پاشا کی دولت نہیں ہے اس کے باپ کی دولت بھی میرے پاس ہے۔ جائز دولت قانونی اتنی کہ مجھے پاشا کی دولت کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" ماہ نور نے بھی تمسخرانہ انداز میں جواب دیا۔

"مگر میرے جتنا زور تمہارے پاس نہیں اگر میں اپنا آخری کارڈ کھیلوں تو وہ تمہیں میرے کہنے پر کھڑے کھڑے طلاق دے دے۔" ثریا نے بڑی نخوت سے ناک چڑھا کر کہا۔

"میرے کہنے پر تم یہ کارڈ کھیلتا کہ تمہاری یہ حسرت بھی پوری ہو جائے۔ اس نے جان کی بازی کھیل کر مجھے جیتا ہے اور تم اسے مفت میں ملی ہو۔" ماہ نور کے لہجے میں لاشعوری طور پر ایک فخر در آیا تھا۔

"اب چلی جاؤ غرق ہو جاؤ کہیں۔ نکلو میرے بستر سے بلکہ نکلو میرے گھر سے' گاڑی میں پٹرول ڈلوانے کے لیے پیسے ویسے چاہئیں تو وہ بھی میں تمہیں دے دیتی ہوں۔

"تم مجھے مر کر بھی نہیں نکال سکتیں۔" ثریا نے دل کھول کر قہقہہ لگایا۔

ماہ نور نے چند لمحے اس کی صورت دیکھی جیسے کچھ سوچ رہی ہو پھر وہ یکدم پلٹی اور کمرے سے نکل گئی سیدھی کچن کی طرف گئی کچن خالی تھا اس نے ادھر ادھر کچھ ڈھونڈا پھر گویا اسے مطلوبہ چیز نظر آ گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر ماچس اٹھائی اور مٹھی میں دبوچ لی پھر وہ پورچ کی طرف بڑھی وہاں ایک لکڑی کا ریک بنا ہوا تھا۔ جس میں ڈیزل پٹرول انجن آئل وغیرہ کے ڈبے ایمرجنسی کی صورت حال سے نمٹنے کے لیے موجود رہتے تھے۔

اس نے ایک قدرے چھوٹا پٹرول کا ڈبہ اٹھایا اور واپس پاشا کے بیڈ روم کی طرف چلی گئی کمرے میں آئی تو ثریا واک مین سنتے ہوئے لیٹی لیٹی گویا رقص کر رہی تھی۔ ماہ نور نے ڈبے کا ڈھکن کھول کر ڈبہ ثریا کی ناک کے سامنے کیا بلکہ چھلکا دیا۔

"اب تو تمہارا باپ بھی یہ بستر چھوڑے گا۔" یہ کہہ کر اس نے واک مین اس کے ہاتھ سے چھینا اور بیڈ پر پٹرول چھڑکنا شروع کر دیا۔

پٹرول کی بو نے گویا ثریا کا سارا نشہ ہرن کر دیا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے۔" وہ چلائی "کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟" وہ پھر چیخی اور ایک لوٹ لگا کر بستر سے اتری اسی سے کہ ماچس کی تیلی نکالتی ہوئی ماہ نور نے اسے فیصلہ کن تنبیہ دیا تھا۔

ماہ نور نے بھاگ کر کمرے کا دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی اور ڈبہ اٹھا کر ثریا کے قریب آئی۔

"میں تمہیں جان سے بھی مار سکتی ہوں مگر جب بھی ماروں گی۔ گولی سے نہیں ماروں گی ان سے تو بندہ فوراً مر جاتا ہے۔ میں اسی طرح پٹرول چھڑک کر آگ لگاؤں گی۔" ماہ نور نے ثریا کے مہنگے ملبوس پر پٹرول اچھالا ثریا کے تو بے سبب اوسان جاتے رہے پٹرول کی بو نے تو گویا اس کے اعصاب ہی منجمد کر دیے۔

"میں جا رہی ہوں تمہیں مبارک ہو یہ گھر۔ ہٹو جا رہی ہوں نا میں۔" اف ماچس کی تیلی کی رگڑ ہی کی تو دیر تھی وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔

"بالکل جاؤ بلکہ دفع ہو جاؤ اور اس انوشا فاحشہ کو بھی کہہ دینا کہ میرے سامنے نہ آئے ورنہ حشر تو تم دیکھ ہی رہی ہو گی۔۔۔؟"

ثریا نے چٹخنی گرائی اور تقریباً دوڑ لگا دی۔

ماہ نور کو پتا تھا کہ آج کے بعد پٹرول کے ڈبے اس گھر سے غائب ہو جائیں گے۔ اس نے ڈبے کی طرف دیکھ کر کچھ سوچا پھر کوٹھی کے پچھلے حصے کی طرف بڑھی ایک سرونٹ کوارٹر کے بغلی طرف تنگ سی گلی تھی زمانے بھر کا کاٹھ کباڑ وہاں پڑا ہوا تھا' لکڑی کی پیٹیاں' گتے کا کارٹن' پرانے پنکھے وغیرہ اتنے دنوں میں وہ کوٹھی کا چپہ چپہ چھان چکی تھی۔

اس نے کباڑ کے اندر بمشکل پیٹی جگہ بنا کر ڈبہ اچھی طرح چھپایا اور پھر سنبھل سنبھل کر باہر آئی ہاتھ جھاڑے' کپڑے جھاڑے بل

درست کیے اور چند گہرے گہرے سانس لیے ایک طمانیت سی اس کے چہرے پر دکھائی دے رہی تھی جیسے کوئی کارنامہ سرانجام دیا ہو۔

پھر بڑے پرسکون انداز میں پرشکوہ کوٹھی پر نظر ڈالی پوری کوٹھی نظر کے سامنے تھی۔ سرسبز لان میں دو ملازم غالباً فراغت میں گپ شپ کرنے کی نیت سے بیٹھ چکے تھے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی لان کی طرف بڑھی تب ہی اس نے بشیر کو اپنی سمت آتے دیکھا وہ بڑی عجلت میں آ رہا تھا۔

"میم آپ کا فون ہے۔" اس نے اطلاع دی۔

"کس کا فون ہے؟" وہ چونک پڑی۔

"صاحب کی مدر کا فون ہے میم! وہ کافی دیر سے ہولڈ کیے ہوئے ہیں۔ ہم آپ کو سب (سب) جگہ ڈھونڈا۔۔۔۔" بشیر کہہ رہا تھا اور اس نے اندر کی طرف تقریباً دوڑ لگا دی جیسے جس میں ہوا کا جھونکا چھو گیا ہو' کتنی خوش کن اطلاع تھی۔

وہ پاشا کے بیڈ روم میں آئی اور ریسیور اٹھا کر بڑی بے تابی سے بولی۔

"السلام علیکم اماں!"

"وعلیکم السلام کہاں تھیں۔۔۔؟ شاید کوئی ملازم تھا ہولڈ کروا کر اللہ معلوم کہاں غائب ہو گیا مجھے فکر پڑ گئی کہ تم اب تک ٹیلی فون سننے کیوں نہیں آئیں ورنہ میں بند کر دیتی بعد میں کر لیتی خیریت تو ہے نا؟" وہ فکر مندی سے پوچھ رہی تھیں۔

"جی خیریت ہے وہ میں لان میں تھی' ملازم مجھے کمروں میں دیکھ رہا ہو گا آپ کے فون کا سنا تو دوڑتی ہوئی آئی ہوں۔" اس نے سانس قابو میں کرتے ہوئے بتایا۔

"بیٹے۔۔۔۔ ایسے دوڑ بھاگ ٹھیک نہیں احتیاط کیا کرو پاشا کہاں ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"مجھے کیا پتا میں تو اوپر کمرے میں ہوتی ہوں۔" اس نے ناگواری سے جواب دیا۔

"بات چیت تو ہوتی ہو گی۔" قمر النساء نے قدرے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

ماہ نور کو پتا چل چکا تھا کہ پرانے زمانے کی عورتیں "بات چیت" کسے کہتی ہیں۔ مگر وہ انجان بن کر بولی۔

"نہیں اس کی نوبت ہی نہیں آتی' میں رات کو جلدی سو جاتی ہوں۔ صبح دیر سے اٹھتی ہوں تو وہ گھر سے جا چکے ہوتے ہیں۔"

"شاباش ہے بیٹی! تمہارے حق میں دعا ہی کر سکتی ہوں اور یہی کہوں گی ذرا تدبیر سے کام لو تاکہ قید پابندی کی نوبت ہی نہ آئے۔ وہ تو سر پھرا ہے تمہیں ہی ہوش مندی سے کام لینا ہو گا اگر سمجھانے سے میرا کام بن سکتا تو مجھ پر تم پر یہ وقت آتا؟ تم اس کی گھر والی ہو' کچھ دن جاتے ہیں اس کے بچے کی ماں بھی بن جاؤ گی پتہ نہیں تم نے اسے بتایا بھی ہے یا نہیں۔ بہرحال تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے کہ تمہاری بہن کی شادی ہو رہی ہے اور شاید وہ اٹھا یا جائے گی شادی کے بعد۔"

"شمسہ کی شادی؟ کس سے ہو رہی ہے۔۔۔؟ آپ کو کیسے پتہ چلا؟ کیا مظاہر بھائی آئے تھے؟" وہ خوشی سے بے تاب ہونے لگی۔

"نہیں مظاہر تو نہیں آیا' میں تو خود استانی کے پاس جانے کے لیے اس کا انتظار کر رہی ہوں' میں سید صاحب کے ہاں گئی تھی' وہاں تمہاری ماں اور نانی سے ملاقات ہوئی تھی۔"

بس اتنا سن کر ماہ نور کے وجود میں ایک اتھل پتھل سی شروع ہو گئی نانی جان نے تو پتا نہیں کیا کیا کہا ہو گا اماں کو۔

اس نے بمشکل کھنکار کر گلا صاف کیا "کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا اماں؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بیٹی! مسئلہ کیا ہونا تھا۔ تمہاری ماں نے تمہاری خیریت پوچھنے میں پہل کی۔" قمر النساء نے بڑے چاؤ سے جواب دیا۔

"مرے ہوئے کی خیر خیریت کون پوچھتا ہے اماں؟" اس کی آواز بھرا گئی۔

''اللہ نہ کرے، خون نہیں رشتے خون میں ہوتے ہیں، دل میں جم جاتے ہیں۔ کہنے کی بات کچھ اور ہوتی ہے بیٹی آخر کو وہ تمہاری ماں ہے۔'' قمر النساء نے بہت محبت سے کہا۔

''یہی تو زندگی کا سب سے بڑا دکھ ہے۔ برے وقت میں ماں بھی غیروں کے ساتھ کھڑی نظر آئی۔'' ماہ نور کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''وقتی بات ہے بیٹی..... ایسا محسوس ہوتا تھا وہ لوگ تم سے زیادہ دیر دور نہیں رہ سکیں گے تم بس حوصلہ رکھو.....'' قمر النساء نے تسلی دی۔

''شمس کی شادی کب ہو رہی ہے؟'' ماہ نور نے ہتھیلی سے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

''اسی مہینے تمہارا کوئی رشتے دار ہے، وہ لوگ انڈیا میں رہتے ہیں۔ زیادہ تفصیل سے تو بات نہیں ہوئی۔ سید صاحب کی بیوی ہی سوال جواب کر رہی تھیں، انہی سے یہ سب پتا چلا۔'' قمر النساء نے جواب دیا۔

''انڈیا میں رہتے ہیں؟'' ماہ نور نے اپنے دماغ پر زور ڈالتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں سوال کیا پھر جیسے ایک دم چونک پڑی۔ ''جمال بھائی!''

''بچے کے نام کا تو مجھے پتا نہیں، دھیان بھی نہیں آیا۔'' قمر النساء نے قدرے شرمندگی سے جواب دیا۔

''ہوں اچھا اماں۔ آپ اسانی سے ذرا یہاں فون کرنے کے لئے تو کہہ دیں۔'' اس نے خود ہی بات کا رخ پلٹ دیا۔

''ہاں میں خود ان کے پاس جانے کے لئے سوچ رہی ہوں۔ مظاہر کو فون کر کے بلایا تو ہے، ایسا نہ ہو وہ لوگ کوٹ چلی جائیں پھر ان سے ملاقات مشکل ہو جائے گی۔ تم گھبراؤ نہیں میں ان سے فون کرنے کے لیے ضرور کہوں گی خیر سے اپنے ہی گھر میں ہو اپنے شوہر کے ساتھ ہو جیسا بھی ہے۔''

وہ کچھ بولنے ہی والی تھی کہ پاشا ریڈش براؤن تھری پیس سوٹ میں ملبوس اپنا بریف کیس بڑے اسٹائل سے اٹھائے بیڈ روم میں داخل ہوا ایک دم چونک پڑا فون پر بات کرتی ماہ نور کو دیکھا پھر کمرے میں چاروں جانب نگاہ دوڑائی اور گہرے گہرے سانس لیے۔

''یہ پٹرول کی بو کیسی ہے اس کمرے میں؟ کس سے بات کر رہی ہو۔''

اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا اپنا ریڈیا سکارف بیڈ پر اچھالتے ہوئے پوچھا جیسے عجیب سی الجھن میں ہو۔

''اچھا اماں خدا حافظ۔ یہ آ گئے ہیں کوئی مسئلہ پوچھ رہے ہیں۔ جی جی ٹھیک ہے خدا حافظ۔''

اس نے ریسیور رکھ کر پلٹ کر پاشا کی طرف دیکھا۔

''جی.....؟ آپ نے کچھ فرمایا۔ یہ تو پتا چل گیا ہوگا کہ فون پر اماں سے بات ہو رہی تھی اور کیا پوچھ رہے تھے؟''

''یہ پٹرول کی بو کیسی آ رہی ہے کمرے سے؟'' پاشا نے مشتبہ نظروں سے ماہ نور کا چہرہ بغور دیکھا ماہ نور اس کی طرف دیکھے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بستر سے اٹھ کر نہیں دے رہی تھی آپ کی ''فلانی'' میں نے بہت کہا مگر نہیں اٹھی، میں نے پٹرول چھڑک دیا بیڈ پر۔ آگ لگانے لگی تو اٹھ کر بھاگ گئی۔'' ماہ نور نے اطمینان سے جواب دیا اور باہر نکلنے کے ارادے سے قدم بڑھائے۔

''مائی گاڈ!'' پاشا نے آنکھیں پھاڑ کر اس کی شکل دیکھی۔

''کون؟ نوشی؟'' اس نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

''ارے نہیں وہ لاڈلی ہے میں نے فلانی کہا ہے جناب۔'' ماہ نور یوں بول رہی تھی گویا جلتی پر تیل چھڑک رہی ہو۔

''مطلب کیا ہے تمہارا کیا چاہتی ہو تم۔ اپنی اوقات میں رہو۔'' پاشا نے غضب ناک ہو کر اسے گھورا۔

''اوقات تو میری بہت اونچی ہے بڑے بڑے کرسی والوں سے ٹکرا مجھ نے شادی کی ہے۔ میں منہاج حسین پاشا کی بیوی ہوں، شہر کی کریم موجود تھی میرے ولیمے میں آنجناب بھولے تو نہیں ہوں گے۔ جب تک میرے شوہر کا ستارہ اونچا ہے تب تک میری اوقات بھی بڑی ہے یہ نہ بھولیے۔''

''تم میرے دوستوں کی توہین کرو گی تو کیا خیال ہے میں تمہیں اپنے سر پر بٹھاؤں گا؟ بے وقوف۔'' وہ برہم ہو کر کہہ رہا تھا۔

''ہاں تو پھر وہ کیجئے جو آپ کا دل چاہے میں تو اپنے گھر میں اس قسم کے لوگ برداشت نہیں کر سکتی اس گھر میں اور بھی بہت سے شاندار فرنشڈ بیڈ روم ہیں آپ کو یہاں بو آ رہی ہے تو کسی اور کمرے میں جا کر آرام فرمائیں۔'' یہ کہہ کر ماہ نور نے قدم بڑھا دیے۔

''کیا کیا ہے تم نے ثریا کے ساتھ؟'' پاشا کی آنکھوں میں اب غصے کی بجائے الجھن تھی۔

''پریشان نہ ہوں کوئی خاص سلوک نہیں کیا ہے میں تو اسے ڈرا رہی تھی مگر وہ رکی نہیں بھاگ گئی۔'' ماہ نور نے مسکرا کر بڑے استغنا کے انداز میں جواب دیا۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے ان عورتوں سے۔ کیا لگتی ہیں تمہیں؟ تمہیں اپنی حدود کا خیال رکھنا چاہیے۔'' پاشا نے گرم لہجے میں کہا اور فکر مندی سے بیڈ پر نظر دوڑانے لگا۔

''مجھے ان عورتوں سے سخت تکلیف ہے اور مجھے اپنی حدود پتا ہیں۔ ان ہی حدود میں رہتے ہوئے ہر شے جلا کر خاک کر دوں گی۔ جس گھر میں رہوں گی وہاں میرے علاوہ کوئی عورت نظر آئے گی تو میں حشر کر دوں گی بس اب مجھ سے اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے بے خوف اور پراعتماد انداز میں کہا۔

''لیکن جب تمہیں مجھ سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تو تمہیں کیا۔ میں کسی بھی عورت کے ساتھ اٹھوں بیٹھوں۔'' پاشا کا لہجہ اس مرتبہ نارمل تھا۔

''آپ کو تو ہے مجھ سے دلچسپی، اسی وجہ سے تو میری جان نہیں چھوڑ رہے حالانکہ مجھے طلاق دے کر آسانی سے جان چھڑا سکتے ہیں مگر نہیں الٹا قید میں ڈال دیا ہے جیسے میں کسی کے ساتھ بھاگی جا رہی ہوں۔ اگر میرے کردار پر کسی قسم کا شک و شبہ تھا تو اتنی مصیبتیں مول لے کر مجھے اپنی بیوی کیوں بنایا؟ میرے اور آپ کے خاندان کے کون سے دیوانی مقدمات عدالتوں میں چل رہے تھے۔ خون بہا کے سلسلے تھے۔'' وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔

''یہ میرا لائف اسٹائل ہے میرے روٹین کے سلسلے ہیں۔ تمہیں ری ایکٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی میں نے تمہیں یہاں اس لیے قید کیا ہے کہ اماں کے ساتھ رہ کر تم میری صرف ایک ہی تھیں..... بیوی والا کردار کھو رہی تھیں، یہاں اس لیے لایا ہوں کہ صرف بیوی بن کر رہو اور بس بیوی ہی تو بنا کر رکھا ہوا ہے اور کیا بنایا ہوا ہے؟'' وہ آہستگی سے کہہ کر اپنا بریف کیس کھولنے لگا۔

''بیوی اور لونڈی میں بہت فرق ہوتا ہے اور میں لونڈی بن کر نہیں رہوں گی۔ قیامت تک کے نقصان مجھے پہنچا چکے ہیں۔ اب اس سے زیادہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ طلاق دے سکتے ہیں ایک داغ داغ عورت کو کیا فرق پڑتا ہے جان سے مار سکتے ہیں۔ بالکل بھی خوف نہیں بلکہ خوشی ہوگی ہر وقت کی ایک مستقل اذیت سے نجات ملے گی۔''

اس نے اسی طرح بے خوفی سے کہا اور ایک مرتبہ پھر باہر نکلنے کو قدم بڑھائے مگر اگلے ہی لمحے اس کا بازو پاشا کی گرفت میں تھا۔

''تو پھر سیدھے سیدھے یہ کیوں نہیں کہتیں کہ تم مجھ سے محبت کرنے لگی ہو۔ کسی اور عورت کو میرے قریب دیکھتی

ہو تو حسد کی آگ میں جلنے لگی ہو۔" وہ پوری آنکھیں کھولے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتا محبت کیا ہوتی ہے بات کمٹ منٹ کی ہے۔۔۔ میری شادی ہوئی ہے خواہ کسی طرح بھی، میں کسی اور عورت کو کیوں برداشت کروں مجھے کیوں عشق کا جھانسا دیا۔ کیوں میرے منہ پر کالک ملی اور جب یہ سب کر چکے تو مجھے کیوں نام چڑھا دیا گیا ہے؟" وہ غرائی۔

"جھانسا نہیں دیا، وقتی عشق کیا۔ یہ اور بات ہے کہ تم کر چکی۔ وہ تمہیں ایک طرف کرنے کو کافی تھا۔ عشق اپنی جگہ موجود ہے مگر تم نے مجھے ذلیل مائنڈڈ کر دیا ہے۔ لطیف ... یہ تم سے محبت نہیں ہو سکتی نہ کرو مگر میری نظر میں وہ عورت بھی مکمل ہے جو کسی کے نکاح میں آنے کے بعد کسی اور کو اپنے خیال میں بسائے۔ میں نے تمہاری نفرت کا برا نہیں مانا تمہاری بیزاری کو نظر انداز کر دیا مگر میں یہ پن اپنے ذہن سے نہیں نکال سکتا کہ میری قربت میں تمہارے ذہن میں میرے علاوہ بھی کوئی ہوتا ہے۔ نادان لڑکی تمہارے لیے کر رہی ہوا تھا تو صرف اس یقین کی وجہ سے کہ تمہارے ذہن کی سلیٹ صاف ہے میں محبت سے جیت کر اس پر اپنا نام نقش کر دوں گا۔ میں جس عورت سے بھی ملا تھا وہ محبت کے معنی میں مجھے ڈول ماپوں کرتی تھی جیسے مایوس ہوتا تھا ایک خالص عورت کی طلب پیاس کی طرح اندر بھڑکتی تھی۔ تمہیں دیکھ کر محسوس ہوا یہ لڑکی بہت شفاف ہے اسے تو پیار کرنے سے ثواب ملے گا۔ بھی پاکیزہ خالص۔

"کیا بدکرداری دیکھی ہے مجھ میں؟ کسی کے ساتھ اکیلے چائے پیتے دیکھا ہے کسی ہوٹل میں میرے خفیہ ملاقات کے پکڑے ہیں یا وہ ٹیلی فون ٹیپ کیے ہیں؟" وہ چونک اٹھی "آپ کو خالص عورت کبھی دکھائی بھی نہیں دے گی اس لیے کہ آپ جیسے خود ہیں اسی عکس میں ساری دنیا کو دیکھتے ہیں مرتے دم تک اسی طرح کے یقین کی لذت کبھی حاصل نہیں ہوگی۔ ان شاءاللہ۔ مجھے دنیا کی نظر میں آپ جتنا میلا کر سکتے تھے کر چکے مگر میرا ضمیر مطمئن ہے اور یہ اطمینان کی دولت آپ کروڑوں ڈالر خرچ کر کے بھی حاصل نہیں کر سکتے۔"

"پارسائی بھی دیکھ لی ہے کوئی پرخلوص بیوی ایسے شخص کی قربت پسند نہیں کر سکتی جو اس کے حقوق بازاروں میں بیچ کر آتا ہو۔" ماہ نور نے پاشا کے بہت قریب کھڑے ہو کر یہ سب کہا اور اس کا ردعمل دیکھے بغیر کمرے سے باہر چلی گئی۔ پاشا نے ایک گہری سوچ کے دوران کوٹ اتارا اور کرسی پر اچھال دیا۔

"قمر بیگ!" اس نے ملازم کو آواز دی آواز خاصی بلند تھی۔

"یس سر" وہ ایک جھٹکے سے [illegible] حاضر ہوا۔

"یہ بیڈ شیٹ ذرا تبدیل کر دو [illegible] چھت پر لگوا دو۔" اس نے [illegible] کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تکیہ [illegible] ڈریسنگ روم سے ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

☆☆☆☆☆
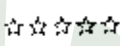
"دیکھو میاں قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوں جو مہلت ملی ہے غنیمت سمجھو۔ میں جا رہی ہوں عنیزہ کے گھر تاریخ لینے۔ صاف بات کروں گی اور تاریخ مانگوں گی۔ کیا انہوں نے بیٹی بیاہنی نہیں ہے رشتہ لگا ہوا ہے بچی کا تو کیوں لٹکا کر رکھا ہے؟" منہ لٹکا کر رکھا ہے سب نے تم سے ... جو آئے گا تو مہینے دو مہینے میں ظہیر کو بھی کھونٹے سے باندھتی ہوں تاکہ خود پر خوشیاں حرام کیے بیٹھے ہیں۔"

بڑی اماں اس وقت بھری ہوئی بندوق کی طرح ظہیر کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں ... اور فیصلہ سنا رہی تھیں۔

"پھر کب جا رہی ہیں آپ ......؟ ایسا کیجیے گا مظاہرہ اور ریما، موں وغیرہ کے ساتھ چلی جائیے گا۔"

ظہیر نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ بڑی اماں کا چہرہ دیکھا اور بڑی اماں جیسے پھول بن کر کھل گئیں۔

"ارے اتنا بڑا کام کرنے جاؤں گی تو کیا بچوں کو لے کر جاؤں گی۔ تمہارے ماما، تائی، سائرہ، عارفہ میرے ساتھ جائیں گی ایک ٹوکرا پھلوں کا، پانچ سیر میوہ، دس سیر مٹھائی کے ساتھ۔ بچی نے اپنی جوانی گھسا دی اپنے خاندان کے لیے اس کا ایک ایک ارمان پورا کروں گی۔ ان شاءاللہ۔"

بڑی اماں کا مارے خوشی کے برا حال ہو گیا "مجھے کوئی بہوؤں سے چولہا چکی کرانے کا شوق نہیں ہے۔ چمن اوڑھ کر اس گھر میں رونق کریں، کھائیں، پئیں خوش رہیں اپنے اپنے مرد کا خیال رکھیں۔ میں تو یہ سوچے بیٹھی ہوں تمہارا اور جمال کا ولیمہ ایک روز کر دیں گے بچہ پردیس میں کیا خرچ کرے گا چار پیسے بچیں گے اس کے کام آئیں گے۔" بڑی اماں نے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں، آپ جو مناسب سمجھیں۔" ظہیر نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

بڑی اماں تو نہال ہو گئیں اٹھ کر جھٹ پٹ ظہیر کی بلائیں لیں اور سر سینے سے لگا لیا۔

"جیتا رہے میرا بچہ اللہ نظر بد سے بچائے، ہر خوشی دکھائے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ظہیر کی پیشانی چوم لی... "انگلیوں پہ دن گنتی ہوں تمہاری خوشیوں کے انتظار میں کسی کسی رات تو پلک نہیں جھپکی، اب وہ گھڑیاں آئیں کہ میں اپنے بچوں کو ان کی پھلواری کے ساتھ دیکھوں۔" بڑی اماں کی آواز بھر گئی۔

"بیٹے ایک بات کہوں جی کو تو لگا نا مناسب جواب بن پڑے تو میری تسلی کر دینا۔" وہ قدرے جھجکتے ہوئے بولیں۔

"جی بڑی اماں! کہیے میرے پاس جواب ہوا تو ضرور دوں گا۔" ظہیر نے مؤدبانہ کہا۔

"بیٹے آج کے زمانے میں ملک ملک کی خبر ہوتی ہے۔ جس ملک جانا چاہو مشکل نہیں تو کیا تمہارے باپ کا اتا پتا نہیں مل سکتا؟ تم تو گئے نہیں اسے کہیں سے ڈھونڈ لاؤ۔" ان کی آواز دکھ سے چور تھی۔

"بڑی اماں! یہ کیسے خبر کہ وہ دوسرے ملک میں ہیں یا اسی ملک کے کسی شہر میں؟" ظہیر نے تلخی سے کہا۔

"بیٹے! تم لوگوں نے کوشش کی ہوتی تو آج کوئی خبر ہو ہی جاتی۔ ظاہر تو جس دفتر میں بیٹھتا ہے وہاں تو سارے وطن کی خبر ہوتی ہے۔" بڑی اماں نے اسی طرح دکھ سے کہا۔

"ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے بڑی اماں! دنیا میں بے شمار لوگ ہیں جن کے ماں باپ نہیں ہوتے۔ ہمارا کیس نرالا تو نہیں ہے ہم نے انہیں نہیں چھوڑا انہوں نے ہمیں چھوڑا ہے اور پھر اتنے برس ہو گئے آپ کیوں یہ قصہ لے کر بیٹھ جاتی ہیں۔ گزر گیا ہمارا وقت جب والدین کی اشد ضرورت ہوتی ہے آپ کیوں ان خودغرض انسانوں کو یاد کر کے رنج دیتی ہیں۔" ظہیر نے زہر بھرے لہجے میں جواب دیا تھا۔

"بیٹے! میں تو ماں ہوں نا اپنے دل سے مجبور ہوں ذکر تو میرے دم کے ساتھ ہے۔"

"مگر کوئی فائدہ تو ہو ذکر سے؟" ظہیر نے اسی انداز میں کہا۔

"اتنے بدگمان نہ ہو بیٹے باپ سے اس نے تو مارے شرم کے دنیا سے منہ چھپایا ہے وہ تو بہت مظلوم ہے۔" بڑی اماں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"بالکل غلط فیصلہ تھا قصوروار کو سرعام سزا دینا چاہیے تھی۔ خود کو اور اپنی اولاد کو سزا کیوں دی؟ یہ تو حد ہے بزدلی اور حماقت کی۔ وہ ہم سے یہ بزدلی معاف نہیں کرا سکتے۔" ظہیر کا انداز دوٹوک اور قطعی تھا۔

"تم لوگوں کی عزت کی خاطر اس نے یہ پہاڑ اٹھایا وہ زبان کھولتا تو تماشا بنتا۔ تم لوگ ادھر ادھر سے عمر بھر اپنی ماں کا کارنامہ سنتے رہتے۔ میرے بچے کی قربانی سے یہ تو ہوا ماں کی اصل بات صرف مجھے معلوم ہے۔ باقی دنیا تو یہ جانتی ہے کہ آپس

میں جتنی تیں بھی ناچار فیصلہ کر دیا تھا ایک روز غصے میں۔

بیٹے تم لوگ سمجھدار ہو بے تحاشا شرم آئی ہو گی اپنی اولاد سے۔ خودکشی کر کے حرام موت مرنے سے بہتر سمجھا کہ کہیں منہ چھپا کر زندگی کے دن گن لے۔" بڑی اماں نے زارو قطار رونا شروع کر دیا۔

"یہ تو ظلم بھی ہے بڑی اماں اور بزدلی بھی۔ جو سزا کا مستحق ہو سزا اس کو ملنا چاہیے۔ پپا کا تو اس سارے قصے میں کوئی قصور نہیں نکلتا انہوں نے خود پر ہی نہیں ساتھ بے گناہ بچوں پر بھی ظلم کیا ہے ہمیں حالات کے بے رحم تھپیڑوں کے حوالے کر کے جان چھڑالی۔" حقوق العباد کی کھلی خلاف ورزی ہے کیا ان کا ضمیر مطمئن ہو گا۔" ظہیر کے لہجے کی تلخی بڑھ چکی تھی۔

"بیٹے! یہ تو جس پر بیتی وہ جانے۔ اللہ ہی جانتا ہے اس کا حال کیا ہے کس طرح گزر بسر کر رہا ہے تم غصے سے نہیں ہمدردی سے سوچو یہ تو کسی عورت کا دیا ہوا وہ زخم ہے جو شاید کوئی بھی مرد نہیں سہار سکتا۔ انصاف کی کہو۔" بڑی اماں ماں تھیں پلڑا تو ایک طرف جھکنا ہی تھا۔

"ہم انصاف کیسے کر سکتے ہیں بڑی اماں! ہمیں تو اصل بات ہی نہیں پتا جو سنا دوسروں سے سنا۔ کم سے کم ہمارا باپ ہی ہمیں حقیقت بتا دیتا تو ہماری ہمدردیاں شاید انہیں حاصل ہو جاتیں پر" ظہیر کا انداز ہنوز بے لچک تھا۔

"میں اپنے بیٹے کو بھی جانتی ہوں اس نے میری گود میں پرورش پائی ہے اور اسے بھی جسے بہو بنانے کی غلطی کی تھی۔ اس کا میرا ساتھ دنوں کا نہیں برسوں کا رہا ہے۔ اس نے کبھی میرے بچے کو ذہنی سکون نہیں دیا۔ ہر وقت اسے روپے پیسے کی کی کا رونا۔ ستانی تھی تہوار کے روز پرانے کپڑے پہن کر پھرتی کہ عید پر جو جوڑا بنا ہے وہ اس کی مرضی کا نہیں ہے حالانکہ میرا بچہ گھر میں سب سے مہنگا جوڑا اسی کا بناتا تھا۔ ہوس بے کنار ہوتی ہے اتنے بچوں کی ماں بن کر بھی اسے گھر کرنا نہیں آیا تھا' ہر وقت منہ سر لپیٹے پڑی ہوتی تھی۔ کبھی یہ نہ ہونے کا غم کبھی وہ نہ ہونے کا رونا طبیعت میں وفا ہی نہیں تھی میرے بچے بس قصہ مختصر۔ سو کی ایک بات اب تم بتاؤ تمہارے باپ نے تم لوگوں کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ کما تا تھا بے کار تھا کام چور تھا۔"

"پتا نہیں بڑی اماں شاید کبھی کیا ہوا ہمیں ہوش آیا ہے تب سے تو وہ خود ہی نہیں ہیں۔ آپ چھوڑیں مت زور لگائیں ان کے گناہ بخشوانے کے لئے لاحاصل ہے ہمارا کوئی نہیں اللہ کی ذات کے بعد آپ ہیں ہماری دم دم کی ساتھی ہمیں کسی کی ضرورت بھی نہیں ہے ان خودغرضوں کو یاد کرنے سے تو صرف زخم ہرے ہوتے ہیں اور اس کا حاصل ہی کیا ہے۔

زخم دینے والے کب زخم بھرنے کی مہلت لیکر پاس آتے ہیں پلٹ کر کہ یہ ہماری تقدیر کے زخم ہیں ان پر غور کرو تو ناسور بننے لگتے ہیں۔ زخم کو تو بڑی اماں ٹھنڈی ہوا بھی راس نہیں آتی بھول سے چھو جائے تو زخم میں جیسے نئے سرے سے چیر لگتا ہے زخم کے مقدر میں کبھی مداوا نہیں لکھا جاتا یونہی دل بہلا دے کو مرہم پٹیاں کی جاتی ہیں آپ خود ایمانداری سے غور کیجئے اس حادثے کے بعد بے شمار خوشیاں بھی اتری ہیں اس گھر میں جو مرہم بھی نظر آتی تھیں مگر زخم تو اپنی جگہ موجود ہیں۔ کوئی بھی مرہم کارگر نہیں ہوا ابھی تک ایک جھونکا ٹھنڈی ہوا کا چھونے کی دیر ہے نئے سرے سے جلن شروع ہو جاتی ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے بہت دنیا کے ساتھ کوئی فیصلہ کن قسم کی خوشخبری لے کر آئی تھیں پتا نہیں کب یہ جلن دھیمی پڑے گی۔ شروع تو ہو گئی ہے۔" ظہیر کی آنکھوں میں سرخی اترنے لگی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنی وارڈ روب تک گئے وہاں سے گاڑی کی چابی نکالی۔

"چلیں بڑی اماں! تھوڑی دیر کے لیے عفیرا کی طرف چلتے ہیں تھوڑی دیر ان خوش نصیب لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں جنہوں نے آج تک خودغرضی کے دکھوں کا ذائقہ نہیں چکھا صحبت بدلنے سے بھی ذرا دل کا ماحول بدلتا ہے۔"

"اے بیٹا! ایک دو روز میں تو مجھے جانا ہی ہے جاتے وقت......"

"وہ تو آپ اپنی ٹیم کے ساتھ جائیں گی ابھی تو میرے ساتھ چلیں میرا دل چاہ رہا ہے" ظہیر کے انداز میں بچوں کی سی ہٹ تھی۔

"اے میں قربان اپنے بچے پر' تیری خوشی کیلیے تو آدھی رات کو بھی چل پڑوں گی۔ چادر تو دوسری اوڑھ لوں یاد سے رستے سے بچوں کے لیے پھل مٹھائی ضرور لے لینا' تم موٹر باہر نکالو میں آتی ہوں بابا کو بتا کر اور دوسری چادر چپل پہن کر۔"

بڑی اماں بڑے جوش میں چل پڑیں۔ کافی دیر سے وہ عجیب سے احساس جرم میں گھر گئی تھیں کہ اتنی خوشی کی خبر کے بعد خواہ مخواہ زخم ہرے ہوتے ہیں۔

"اے اظہار! آ گئے تم اچھا ہوا گھر کا دھیان رکھنا میں ذرا عفیرا کی طرف جا رہی ہوں ظہیر کے سنگ دوبارہ مت نکل پڑنا' سنا؟" بڑی اماں کو لاؤنج ہی میں اظہار ٹکرا گیا۔

"ذرا' کیوں بڑی اماں مکمل طور پر جائیں میں سب جگہ کے تالے لگا کر بیٹھ جاؤں گا۔ کوئی بھی آئے گا تو کہہ دوں گا کہ بڑی اماں گھر پر نہیں ہیں وہ آئیں گی تو مالے کھلیں گے۔ آپ بالکل بے فکر ہو کر عفیرا بھابی سے باتیں کیجئے گا تھوڑا وقت ظہیر بھائی کے لیے رکھیے گا ویسے خیریت تو ہے اماں اس وقت تو آپ کسی بیمار کی عیادت کو بھی نہیں جاتیں کہ یہ کوئی کسی کے گھر جانے کا وقت ہے کوئی ایمرجنسی؟" اظہار کو بڑی اماں کا سر کھائے بغیر چین کہاں پڑ رہا تھا۔

"اے کوئی ایمرجنسی (ایمرجنسی) نہیں ہے۔ میرے بچے کا جی چاہتا ہے مجھے اپنی خوشی سے لیے جاتا ہے کہ بڑی اماں آپ بھی چلیں۔ دفتر سے آ کر کبھی بھی تو گھر سے نکلتا ہے۔ تمہاری طرح آوارہ تو آتی شہر بھر کی خاک نہیں چھانتا۔ خیر اب یہ آنا جانا بھی کے دن کا؟ عفیرا گھر میں آ جائے گی ان شاء اللہ چند روز پیچھے اچھا میں چلتی ہوں ظہیر موٹر باہر نکال چکا ہو گا۔"

"کمال ہے ظہیر بھائی کو ہڈی والے کباب پسند ہیں پتہ نہیں ان کا رومانس کس ہوائی قلعے میں مستحکم ہو رہا ہے کمال ہے میں اس گھر کا نجی فون آپریٹر آج تک ایسا فون اٹینڈ نہیں کیا جس میں ظہیر بھائی کا بلاوا ہو کہ عفیرا بول رہی ہوں ظہیر سے بات کرا دیں۔" وہ بڑبڑا رہا تھا۔

"مجھ سے کچھ بولے تم؟" بڑی اماں جاتے جاتے پلٹ آئیں۔

"نہیں بڑی اماں! دیواروں سے باتیں کر رہا تھا۔ ان کے کان ضرور ہوتے ہیں مگر مرضی کے خلاف بھی بات سنیں تو ری ایکٹ نہیں کرتے یہ فائدہ ہے۔" وہ معصومیت سے مسکرایا۔

بڑی اماں نے پیشانی پر ہاتھ مارا کہ کیا پوچھ بیٹھیں۔ "اے ہاں روح پڑی ہے ان میں' ان کی بھی مرضی ہوئی۔ اول فول بکے جاتا ہے۔"

☆☆☆☆☆

نہ جانے کون کون سا زہر رگوں سے نکال پھینکا تھا کہ جان ہلکی پھلکی محسوس ہوتی تھی آج اس نے کچن سے اپنی مرضی کا کھانا نکال کر وہیں بیٹھ کر سیر ہو کر کھایا تھا۔ بچی ہوئی سبزی کے سینڈوچ خود بنائے تھے سینڈوچ میکر میں بلو اسے کچن میں مصروف دیکھ کر دبے پاؤں باہر نکل گیا۔

سینڈوچ' مٹن پلاؤ' چکن فرائی سلاد کے ساتھ بہت دل سے کھانا کھا کر بہت توجہ سے عشاء کی نماز پڑھی۔

پیٹ بھر کر کھانا' پھر روحانی پالش بہت ٹوٹ کر نیند آئی تھی اس نے سردی کی وجہ سے بمشکل کھڑکیوں کے پٹ بند کئے تھے اور بیڈ پر اوندھی ہو گئی۔ اس نے ہر اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا تھا جو پاشا کی سمت اڑان بھرنے کی کوشش کرتا تھا۔ شام کی تکرار کے بعد اس کا پاشا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ مدتوں بعد ٹوٹ کر نیند آئی تھی گہری جیسے کسی کو کوئی لینے کو کئی کے بعد۔ اسے

احساس تک نہ ہو سکا تھا کہ پاشا کب اس کے پہلو میں آ کر لیٹ گیا تھا۔

پاشا کے لمس میں کسی گہری گہرائی آئی تھی جو اس کی گہری نیند ٹوٹی تھی وہ چونک کر پیچھے سرکی تھی اور نیند بھری آنکھوں سے نائٹ بلب کی روشنی میں اس کی سمت دیکھا تھا۔

''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' اس کی آواز میں نیند کا خمار تھا۔

''سو رہا ہوں میرے بیڈ پر تو تم نے پٹرول چھڑک دیا تھا تیلی دکھانا بھول گئی تھیں۔ گو دو چھت پر ڈال دیا ہے صبح تیلی دکھا دینا۔ ٹھیک؟'' اس نے بہت اطمینان سے جواب دیا۔

''اس گھر میں اور بھی بہت سے کمرے ہیں' آپ وہاں جا کر سو جائیں۔'' اس نے غنودگی میں کہا اور کروٹ بدل کر دوبارہ سو گئی۔

''میرا دل چاہ رہا ہے تمہارے ساتھ سونے کو میں کیا کروں۔'' پاشا نے اپنا استحقاق استعمال کیا اور بڑے سکون سے گویا ہوا۔

''مجھے گھن آتی ہے مجھے ان ہاتھوں سے' اس وجود سے۔'' ماہ نور نے نفرت سے پاشا کا ہاتھ جھٹک دیا اور خود بھی اٹھ کر چلنے پر ہو گئی۔

''ثریا کو تم نے بھگا دیا ہے' اس نے انوشہ کو بھی ڈرا دیا ہوگا۔ اب بتاؤ میں کیا کروں؟'' پاشا نے بڑی معصوم سی آواز میں سوال کیا۔

ماہ نور بیڈ سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔

''میں مرتے دم تک آپ کی بیوی رہنے کا وعدہ کرتی ہوں' آپ مجھ سے جو کام کہیں وہ کرنے کو تیار ہوں۔ کبھی کسی حکم سے انکار نہیں کروں گی میں اس پر بھی تیار ہوں کہ آپ مجھے اس قید خانہ میں میری موت تک قید رکھیں' آپ اپنے ملازمین تک سے بات چیت پر پابندی لگا دیں۔ ٹیلی فون میری دسترس سے دور کر دیں مگر مجھے ہاتھ نہ لگائیں نہ چھوئیں۔ پلیز پاشا! مجھے بازاری عورتیں اپنے گھر میں کبھی نہیں لاتیں تو آپ پریشان کیوں ہیں' آپ کے پاس دولت کی کمی ہے؟ آپ کوئی بنگلہ کرائے پر لے سکتے ہیں' ہوٹلز افورڈ کر سکتے ہیں۔

ماہ نور نے اپنے پھیلے ہوئے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے نیند کے اثر سے بھاری سی آواز میں کہا۔

''وہ عورتیں تو تم سے پہلے بھی میرے پاس تھیں' میرے اختیار میں تھیں پھر میں نے اتنے جتن کر کے تم سے شادی کیوں کی؟ یہ بات آتی نہیں تمہاری الٹی کھوپڑی میں۔'' پاشا نے اس مرتبہ مسکرا کر اس کی سمت دیکھا۔

''آتی ہے' انکار سہنے کا ظرف و حوصلہ نہیں ہے اور میری شکل پہ انکار لکھا تھا۔ بس یہ بات چیلنج بن گئی جیت کی خوشی کے لیے سب بھاگ دوڑ ہوئی۔ نہ یہ عشق تھا نہ محبت بس ایک ضد تھی انا کی جنگ تھی اگر مجھ سے چالاک ہوتا تو کبھی ان عورتوں سے اپنے دھڑلے سے میرے سامنے تعلقات قائم نہ کیے جاتے۔ محبت تو باہمی احترام کا حس پیدا کرتی ہے' ایک دوسرے کی پسند ناپسند کے معاملات میں حساس بناتی ہے۔ تب ہی محبت کے معنی پتا چلتے ہیں۔'' اس نے اسی طرح تلخی سے ترا تو جواب دیا۔

''کہیں بھوک کی وجہ سے تمہارا پارہ تو نہیں ہائی ہو رہا۔ اس سے بھی بندے کی ذہنی حالت درست نہیں ہوتی۔'' معاً پاشا کو خیال آیا۔

''نہیں آج شب نے حرام کا کھا کر بڑے دل سے نماز پڑھی ہے میرا پیٹ بھی بھرا ہے اور روح بھی سیر ہے۔ حرام کا مال اس لیے کھایا ہے کہ میں قید میں ہوں اور حلال ذرائع میری پہنچ سے دور ہیں تیسرے دن مردار بھی حلال ہو جاتا ہے۔'' اس نے

پھر پتھر پھوڑے۔

''خیر یہ تو اچھی خبر ہے کہ تم بھوکی نہیں ہو اچھا اب ذرا ادھر آ کر تسلی سے میری بات سنو۔'' پاشا نے یوں کہا جیسے بچوں کو بہلاتے ہیں۔

''خود سے تو میرا ایک شریف کزن برداشت نہیں اور میرے سامنے ایک سے ایک بازاری عورت لا کر بٹھائی جاتی ہے۔''

''میری برابری کرو گی؟'' پاشا نے بڑے سکون سے پوچھا۔

''خدا نہ کرے ابھی میرا دماغ خراب نہیں ہوا۔ آپ کے پاس آپ کے لیول کی برابری کرنے والی ماشاء اللہ کافی ہیں۔ ابھی میری سوچ گراوٹ سے پاک ہے۔ شکر ہے اللہ کا۔'' ماہ نور نے بھڑک کر کہا۔

''تم جو چاہے خیالات رکھو مجھے کیا اعتراض ہے مگر تم میری بیوی ہو۔ میں جب چاہوں گا اپنا حق استعمال کروں گا۔ دنیا کا کوئی قانون مجھے نہیں روک سکتا۔'' پاشا نے اتنا کہہ کر بستر چھوڑ دیا۔ ماہ نور نے قدرے الجھ کر اس کی سمت دیکھا۔

پاشا آگے بڑھا اور اس نے ماہ نور کا بازو تھام لیا' ''اف تو ذرا میرا سر دبا دو بہت درد ہو رہا ہے۔'' میرے سر کے درد۔''

''ہاں ٹھیک ہے میں سر دبانے کو بھی تیار ہوں اور پاؤں دبانے کو بھی مگر اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔'' ماہ نور بغیر ہچکچاہٹ کے اٹھ کھڑی ہوئی اور پاشا کے ساتھ بستر تک آئی۔ پاشا لیٹ گیا اور ماہ نور بیڈ کے کنارے ٹک کر اس کی پیشانی دبانے لگی۔

''تم تو میرا گلا دبانے کو بھی تیار ہو مگر میری گردن بہت سخت ہے اور تمہارے ہاتھوں میں اتنا دم نہیں ورنہ بہت پہلے میرا کام تمام ہو گیا ہوتا۔'' اس نے لحظے بھر کو بند آنکھیں کھول کر ماہ نور کو دیکھا جس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ ''کتنے خوبصورت ہاتھ ہیں تمہارے۔'' پاشا نے اچانک اس کے ہاتھ تھام لیے اور ماہ نور نے فوراً کھینچ لیے۔

''میں کہہ چکی ہوں کہ مجھ سے صرف خدمت لی جائے میری بات کو سنجیدگی سے لیں ورنہ میں بہت کچھ کر کے دکھا دوں گی۔ انسان کو دو ہی خوف انتہائی اقدام سے روکتے ہیں۔ ایک موت کا خوف دوسرے عزت کا خوف اور میرے یہ دونوں خوف ختم ہو چکے ہیں۔ مجھے آزمائیں گے تو پچھتائیں گے۔'' ماہ نور کا انداز حتمی تھا۔

''مگر میں تم سے صرف خدمت کیوں لوں میرے پاس خدمت گار کم ہیں کیا؟ میرا تو دل جو چاہے گا میں تم سے لوں گا۔'' پاشا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

''بالکل بھی زبردستی نہیں ہوگی ورنہ نتیجہ آپ بھگتیں گے۔'' ماہ نور نے پوری قوت سے اپنا آپ چھڑا لیا تھا۔ ''وہ دھمکی نہیں کر رہی سیدھے سیدھے بات مان لو۔'' پاشا نے سنجیدگی سے کہا۔

''چیلنج تو میں نے کر دیا مجھے اس شخص کے چھونے سے بھی نفرت ہے جس کی ہر قتل حرکت کو میں نے محبت کا جنون سمجھ کر دل میں گنجائش پیدا کرنے کی کوشش کی مگر ایک بے ضمیر انسان عشق و محبت کے معنی کیسے جان سکتا ہے یہ ارفع جذبے تو روشن دل میں بسیرا کرتے ہیں اندھیرے میں گم بے چارے سے دل کو تو یہ چھو کر بھی نہیں گزرتے۔ جس انسان نے اپنے نفس کو آج تک مایوس نہیں کیا اس نے نفس کی ہر طلب پوری کی جیسے کوئی ماں اپنے معصوم مگر ضدی بچے کے ناز اٹھاتی ہے اس کی ہر خواہش پوری کرتی ہے۔ طاقتور و سرکش نفس کمینوں کے ہتھیار سے زیر نہیں ہوتا اسے تو خدا کی طرف سے نازل ہونے والی سزا ہی زیر کر سکتی ہے۔

چھوڑیں میرا پیچھا' آپ مجھ سے جیتنے کی طلب میں اپنا سب کچھ ہار سکتے ہیں مگر جان نہیں ہار سکتے اس لیے جان پیاری ہے کہ اسے نفس کی لذتوں کا مزہ پڑا ہوا ہے مگر میں آپ کے مقابلے میں جان بھی ہار سکتی ہوں مجھے ایسی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں جو کسی نفس پرست کے نفس کو اور مضبوط بنا دے۔ چلے جائیں اس کمرے سے یا مجھے کہیں اور جانے دیں۔'' ماہ نور نے بیڈ سے پاؤں

لگا نے وہ بالکل بھی پریشان یا ہراساں نہیں تھی۔

"مثلاً اس وقت تم کیا کر سکتی ہو؟ اگر میں تمہارے ساتھ زبردستی کر ڈالوں؟" پاشا کو اس کے انداز تعجب دے رہے تھے۔

"میں اس کمرے میں موجود کسی چیز سے اپنا سر پھوڑ سکتی ہوں کوئی شیشہ توڑ کر اپنی کلائی کی رگ کاٹ سکتی ہوں اور بھی بہت کچھ کر سکتی ہوں، پہلے سے نشان دہی مناسب نہیں جانتی وقت آنے پر دیکھ لینا کیا کچھ کر سکتی ہوں۔"

"یعنی تم خودکشی تو کرو گی ہی قتل بھی کرو گی پہلے میرا بچہ تو میرے حوالے کر دو۔ اس معصوم کا اس سارے قصے میں قصور کیا ہے۔" معاً پاشا کو معاملے کی نزاکت کا احساس ہوا۔

"اوہو۔ جو مکمل اور موجود ہیں ان کی تو پروا نہیں اور جو موجود نہیں اس کا اس قدر خیال۔" ماہ نور نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"مجھے بھی اللہ نے کارڈ دیا ہے عالم بے چارگی میں جی بھر کے کھیلوں گی۔ بلیک میلر بمقابلہ بلیک میلر۔"

"لیکن یہ زیادتی تم کس کے ساتھ کرو گی؟ میرے ساتھ یا اس کے ساتھ جو قطعی بے گناہ ہے۔ جرم کرو ماں بن رہی ہو تم اس کی اسے کارڈ بنا کر کھیلو گی۔" پاشا دکھ کو دل ہی دل میں جھٹلا کر کہہ رہا تھا۔

"جس کے پاس جو ہتھیار ہے وہ وہی استعمال کرے گا۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"انسانیت کا سبق مجھے سکھاتی ہو خود کو مطلب بھول رہا ہے انسانیت کا۔ اندھی ہو رہی ہو انتقام میں۔ میں تم سے اولاد کا دل سے خواہش مند ہوں اس لیے کہ بیوی ہی تم ہو۔ خبردار اگر تم نے کوئی الٹی سیدھی حرکت کی۔"

"تو پھر میں جیسے رہنا چاہتی ہوں مجھے ویسے ہی رہنے دیا جائے۔" اس نے آرام سے کہا اور دوبارہ کرسی پر پھیل کر بیٹھ گئی۔

"کتنی زہر کی بھری ہوئی ہو تم مجھے اندازہ نہیں تھا۔" پاشا احساس شکست سے پاگل ہونے لگا۔

"کس نے بھرا ہے یہ زہر ورنہ برتن تو بالکل خالی تھا۔" وہ پھر پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

"یہ تو تمہیں پتا ہی ہے کہ میں ہارا نہیں ہوں بے کار الجھ رہی ہو مجھ سے۔" وہ اپنے اندر بھڑکتے ہوئے غصے کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"یہ تو پتا چل جائے گا..... ہار بن گئے تو کسی..... ہاں مانیں گے جیت۔" ماہ نور نے مسخرانہ مسکرا کر بڑھک لگائی۔

"تو ٹھیک ہے ابھی پتا چل جائے گا۔" پاشا ماہ نور کی سمت بڑھا۔

"خبردار پاشا! ایک قدم بھی میری طرف نہ بڑھانا۔ میں کچھ بھی کر سکتی ہوں کوئی خوف نہیں ہے مجھے۔ سنا؟" ماہ نور نے دھمکی دی۔

"سن لیا۔ جو کرنا ہے کر لو اب۔" پاشا نے ہاتھ بڑھایا۔ ماہ نور کی نظر پہلے ہی شیشے کے گلاس پر تھی۔ اس نے بلی کی سی تیزی سے ہاتھ بڑھا کر گلاس اٹھایا اور زور سے ٹیبل پر مارا۔ گلاس ٹکڑے ہو گیا۔ اتنی دیر میں پاشا اسے گرفت میں لے چکا تھا اور اتنی دیر میں وہ شیشے کا ایک ٹکڑا اٹھا چکی تھی۔ پاشا اس کے ہاتھوں کو قابو میں کرنے لگا۔

ماہ نور نے شیشے کا ٹکڑا اپنے آپ کو زخمی کرنے کے لیے اٹھایا تھا مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی تو جھنجلاہٹ میں پاشا کے بازو میں گھونپ دیا۔

فوراً ہی پاشا کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اذیت کی لہر اس کے چہرے پر نمودار ہوئی۔ صحت مند جوان خون چھل چھل ابل پڑا تھا۔

"حد ہو گئی ماہ نور! ایسی مزاحمت تو تمہیں اس وقت کرنا چاہیے تھی جب تمہیں اغوا کیا گیا تھا۔ اس وقت تو میں تمہارا شرعی اور قانونی خاوند ہوں۔ کیا تماشا ہے؟" پاشا نے خون کی روانی دیکھتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔

"اس وقت میں دکھ، تکلیف یا غصہ میں نہیں ہوں۔ حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا ہوں کہ یہ سب کیا ہے مجھے یاد ہے کہ شادی کے شروع دنوں میں تم میرے ... کی گرہ ہوا کرتی تھیں ابھاری ایکشن تو اس وقت سوٹ کرتا۔ لاؤ یہ دوپٹہ ابھی دو۔ فی الحال یہی بینڈیج کر کے خون تو روکوں ورنہ صبح تک تمہارے بیوہ ہونے کا خطرہ ہے۔"

ماہ نور خون دیکھ کر جیسے ایک دم ہی ٹھنڈی پڑ گئی تھی درحقیقت وہ پاشا کو جسمانی نقصان پہنچانے کی نیت نہیں کی ہوئی تھی بلکہ خود اذیتی کے احساس میں مبتلا تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ پاشا اپنی تکلیف برداشت کر لے گا بقول اس کے کتنی بار اپنے ہاتھوں سے چھرے لگا کر گولیاں نکال چکا ہے اپنے جسم سے لیکن ماہ نور کی تکلیف اسے ذہنی اذیت میں مبتلا کر دے گی اس وقت سب الٹ ہو گیا تھا۔

جیسے ہی پاشا نے مدد چاہنے کی طرح توجہ دلائی اس نے لپک کر بیڈ کے سرہانے رکھا دوپٹہ اٹھا لیا اور پاشا کے بازو پر پھرتی سے لپیٹنے لگی۔

"بس.....! اتنا ہی دم خم تھا۔ سر پھٹنے کیوں نہیں لائیں؟ چھرا گھونپنے کے لیے دوپٹہ اٹھا کر باہر پھینک دینا چاہیے تھا اور کمرہ باہر سے بند کر کے بھاگ جاتیں تب تو مزہ بھی تھا بہت تھوڑے پر راضی ہو گئیں؟" پاشا اس کی کانپتی لرزتی پلکوں پر نظریں جمائے ہوئے بول رہا تھا۔

"مدد چاہیے سے تو یہ نہیں رکے گا۔ آپ کو ہاسپٹل جانا پڑے گا۔" ماہ نور کی آواز تک مدھم ہو گئی تھی۔

"ہاسپٹل جاؤں تو پولیس کیس بھی بن سکتا ہے؟ قاتلانہ حملے کی کوئی دفعہ لگے گی۔" ماہ نور کا دل تو پہلے ہی سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا مزید حواس باختہ ہو گئی۔

"میں تو دنیا میں کسی کو تکلیف دینا نہیں چاہتی ہر اذیت اپنے لیے پسند کرتی ہوں۔ آپ کو میری بات مان لینا چاہیے تھی جلدی جائیے کتنا بہت خون بہہ رہا ہے شاید کوئی وین ڈیمج ہوئی ہے۔"

پاشا کے بازو پر بندھا دوپٹہ خون کے دھبوں سے رنگین ہو رہا تھا اور ماہ نور کے چہرے کی سپیدی بڑھتی جا رہی تھی..... وہ پاشا سے فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔

"بازو کی وین ڈیمج کرنے سے تو کوئی فوری نتیجہ نہیں نکلتا۔ تمہیں چاہیے تھا کہ رگ جاں میں خنجر اتارتیں تو کوئی فائدہ بھی ہوتا۔" وہ دروازے کی چٹخنی گراتے ہوئے بولا۔ ماہ نور شرمندہ اس کی قوت برداشت کو تک رہی تھی۔

وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تو وہ بھی اس کے پیچھے لپکی۔

"آپ پورچ میں جائیں میں ذرا نبیہ کو جگاتی ہوں۔" ماہ نور وقت کو درست استعمال کرنے کی دھن میں بولی۔

"نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نیچے میرے کمرے کی سائیڈ ٹیبل کی دراز میں گاڑی کی چابی اور پرس ہے وہ نکال لاؤ بس۔"

"اور کچھ.....؟" ماہ نور نے پوچھ لیا تاکہ بعد میں کچھ نہ یاد آ جائے۔

"تولیے کا ایک ٹکڑا لیتی آؤ وہ میرا اسکارف بھی لیتی آنا۔ وہ ... میں ہوگا۔"

ماہ نور تیزی سے زینہ اتر گئی۔ اس وقت تو جیسے جسم میں بجلیاں بھر گئی تھیں۔

پاشا کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا ماہ نور مطلوبہ چیزیں لے کر جلد آ گئی تھی۔

"میں بھی چلوں ویسے ڈرائیور کو لے جائیں تو بہتر ہے۔ بلیڈنگ کافی ہو رہی ہے۔ آپ نارمل ڈرائیونگ نہیں کر پائیں گے۔" وہ فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔

"میں نے گولی لگی ٹانگ پر رومال باندھ کر پہاڑی سڑکوں پر ڈرائیونگ کی ہے۔" پاشا نے کار کا دروازہ کھول کر چابی

کھینچتے ہوئے جواب دیا۔

"اس وقت ہاتھ زخمی ہے یہ فرق ہے۔" ماہ نور نے دلیل دی۔

"ہوں دل چاہ رہا ہے تو بیٹھ جاؤ مگر پھر دونوں جانیں خطرے میں ہوں گی۔ ڈرائیور کی ذرا سی غلطی کی صورت میں۔"

ماہ نور جیسے بیٹھنا چاہتی تھی اس نے پاشا کے الفاظ پر توجہ نہیں دی اور جلدی سے دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

"ہمیشہ تین کلو کا اضافی وزن ساتھ لیے پھرتی ہو۔ چادر پاس دوپٹہ اور اس وقت پچاس گرام کا رومال بھی سر پر نہیں۔" پاشا نے اسے احساس دلایا کہ اس وقت اس کے پاس دوپٹہ بھی نہیں ہے۔

"اوہ!" ماہ نور گویا حواسوں میں آ گئی۔

"ٹھیک ہے تم آپ جائیے۔ میرے آنے اور جانے میں مزید وقت ضائع ہوگا۔" وہ دروازہ کھول کر اترنے لگی۔ بٹ واچ مین گیٹ وا کر چکا تھا اور پیشانی تک ہاتھ لے جا کر گاڑی کو سلام بھی کر چکا تھا ظاہر ہے پاشا تو متوجہ نہیں تھا۔

"میں سوچ رہا ہوں میری تحریر کو ... ماہ نور کے ایکسپریشنز کیسے ہوں گے۔ کچھ کچھ اندازہ ہے ایسے ہوں گے۔" پاشا نے پورچ کی روشنی میں ماہ نور کا چہرہ بغور دیکھا۔ گاڑی کا دروازہ بند کیا اور بڑی مہارت سے گاڑی بیک کی وہ بے چاری دل پر ہاتھ رکھ کر ماہ نور نے بالکل خالی الذہنی کی کیفیت میں ہوہکتی گاڑی کو دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆
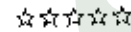
"صاب! آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ آپ بیگم صاحبہ کو راضی (راضی) کر کے چھوکری میرے کو دے دیو۔ آپ صاحب لوگ ہیں وہ ہم غریبوں کی چھوکری ہے۔ آپ کے کس کام کی؟" مول کی ماں گھگھیا کر درخواست کر رہی تھی۔

"ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب چھوکری کی۔ مت دیجا اسے۔ یہ اس سے بھی کام کرائے گی۔ میرے کو بھی یہ بولتی تھی کہ گوٹھ میں میلہ لگا تھا۔ دوسرے گوٹھوں سے بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے اس میلے میں اس کو لی تھی۔ یہ بچی کا نہیں بولتی اس کو کدھر کے میلے سے پکڑا تھا۔"

مون اور ریا دونوں چونک پڑے۔ انکشاف ہی ایسا تھا اتنی دیر سے وہ بیٹھے تھے۔ مول نے پہلی بار زبان کھولی تھی۔

"اس کو کام کے واسطے چھوکری نہ چاہیئں آپ دیکھتے نہیں ہم کام کرتے ہیں اور یہ آرام سے سوتی رہتی ہے۔" مول تو اس وقت بڑھیا کی جان کی دشمن نظر آئی۔

مون تو سی آئی اے والوں کی طرح الرٹ ہو گیا۔

"واقعی؟ تم نے اسے میلے سے پکڑا تھا.....؟" اس کے ذہن میں کھد بد شروع ہو چکی تھی۔

"صاب! پکڑا نہیں تھا یہ اپنے ماں باپ کو ڈھونڈتی پھرتی تھی اتنی سی تھی۔" بڑھیا نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا۔ "میرا ایک ہمارے میلے میں... لوگ بھی سارے لوگ دوکانیں پر اس نے کسی کو اپنا ماں باپ نہیں بتایا پھر رات ہو گئی تو میں اسے اپنے ساتھ لے آئی۔ پھر کیا کرتی صاب!" بڑھیا نے خوفزدہ سے انداز میں ہاتھ جوڑ کر وضاحت کی۔

"جھوٹ بولتی ہے۔ میرے کو تو یہ معلوم ہوتا ہے یہ مجھے لکڑیاں سے مار کر کہتی تھی۔ برتن ٹھیک سے دھو جھاڑ دیا ہے وے۔ تیرے سے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہوتا ایسے کام کرے گی تو تیرے کو کون نوکری دے گا۔" مول جانے کیا سوچ بیٹھی تھی جو بڑھیا کی مخالفت پر تل گئی تھی۔ شاید بچی مانگنے پر اس نے خوشی کو خیر باد کہا تھا۔

"مائی گاڈ! کتنی ظالم عورت ہو۔ غریب عیاش محتاج ہو تم اسے تو وڈیرا تمہیں گوٹھ سے کیوں نکالتا۔"

"مون! مجھے تو لگتا ہے بچے اغوا کرنے والوں کے گروپ سے اس کا تعلق ہے۔ آپ ٹھیک سے ذرا پوچھیں پتا چل جائے گا۔ بڑی اماں ٹھیک تو کہتی تھی اتنی عمر دار عورت کی اتنی چھوٹی بچیاں؟ جوانی ایسے ہی گزر گئی۔ بچے بڑھاپے میں پیدا ہوئے۔" ریا نے بڑی اماں کا جملہ دہرایا۔

"آپ کریں ذرا اس سے پوچھ گچھ پڑتال۔ بزدل ہی تو ہے اگل دے گی سب کچھ۔"

ریا نے مون کے کان میں سرگوشی کی۔

"مائی تمہیں کہاں سے ملی تھی؟" مون نے تیز نگاہ بڑھیا کے چہرے پر جما دی۔

"صاب! یہ میرے پیٹ سے پیدا ہوئی ہے۔ میں جھوٹ نہیں بولتی جو مرضی قسم اٹھوا لیں۔" بڑھیا گڑگڑائی۔

"جو دوسروں کے گھروں میں اندھیرا کرتے ہوئے خدا کا خوف نہ کریں ان کی قسم کا کوئی اعتبار ہے؟" ریا نے شدید غصے کی کیفیت میں کہا۔

"تعجب ہے اس کی عمر بمشکل نو دس سال ہے اور تمہاری ساٹھ پینسٹھ کے لگ بھگ۔ ساری زندگی ایک چڑیا کا بچہ تمہارے ہاں پیدا نہیں ہوا۔ پچاس پچپن سال کی عمر میں تم نے بچی پیدا کی مرد بھی تمہارا تم سے بھی دس پندرہ سال بڑا دکھائی دیتا ہے۔"

مون نے کڑے تیور کے ساتھ بڑھیا کو دیکھا۔ مول بہت اطمینان سے بیٹھی تھی گویا اسے جو بولنا تھا بول چکی۔

"مجھ سے جھوٹ مت بولو ٹھیک ٹھیک بتاؤ اگر پولیس کو بلوا لیا تو وہ تم سے اچھی طرح پوچھ لے گی بہت پاؤں پھیلا کر سو چکیں۔ حرام کا کھا چکیں بڑھاپا جیل میں چکی پیسے قالین بنتے گزرے گا۔ سچ سچ بتاؤ یہ کس کی بچی ہے؟" مون کے لہجے میں سختی تھی۔

"میں سچ بول رہی ہوں صاب! یہ میری چھوکری ہے۔ میرے بڑھاپے کا سہارا دیا ہے اللہ سائیں نے۔" بڑھیا اپنی بات پر قائم رہی۔

"یعنی تم سیدھے طریقے سے نہیں بتاؤ گی؟ ریا! تم نیچے جا کر پولیس کو فون کر کے آؤ اور اسی ہوٹل کے اس کمرے کا ایڈریس دو۔" مون نے ریا سے کہا۔

"جب تھانے میں اسے بجلی کے کرنٹ لگیں گے تو خود ہی بتا دے گی۔" وہ مزید گویا ہوا۔

"صاب! آپ پولیس کو نہ بتائیں۔ میں ٹھیک بولتی ہوں آپ سے۔" مون کی دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہو چکا تھا۔ "میں ٹھیک بولتی ہوئی صاب! آپ میرے بڑھاپے پر رحم کریں میں بغیر ٹنکھا (تنخواہ) کے آپ کی کوٹھی میں برتن مانجھوں گی۔ یہ ایک ڈاکٹرنی کی چھوکری ہے میں اس کے بنگلے میں کام کرنے گئی تھی۔ اس نے میرے کو کام نہیں دیا۔ اسے اس کی آیا پنگھوڑے میں لیے بیٹھی تھی میں نے اس سے اللہ کے نام پر روٹی مانگی وہ روٹی لینے گئی تو میں نے بچی اٹھا لی سوچا تھا۔ مول اور یہ وڈیرے کی زمینوں پہ کام کریں گی تو ہم بڈھا بڈھی کا وقت کٹ جائے گا۔"

"مائی گاڈ؟!" ریا کو چکر آ گئے اتنی شقی القلب عورت اور وہ اس پر ترس کھا رہی ہے۔ جسم و جاں میں انگارے سے سلگنے لگے۔ جی چاہا بڑھیا کا چہرہ کھسوٹ ڈالے۔ مون علیحدہ گم صم سا بیٹھا کبھی بڑھیا کو کبھی بچی کو دیکھتا تھا۔

"ہوں تو تمہارا یہ دھندا ہے اسی لیے اب ہماری بچی پر نیت کیے بیٹھی تھیں۔" ریا کے منہ سے بلا ارادہ "ہماری" نکل گیا اور مون کی پلکوں پر بوجھ سا پڑ گیا۔

"آپ اس پر بالکل ترس نہ کھائیں۔ پہلی فرصت میں حوالات کا رستہ دکھائیں اور بڈھے کے لیے بھی پولیس گوٹھ بھیجیں۔ یہ دونوں کی ملی بھگت ہے۔ یہ اس کے تعاون کے بغیر تو یہ سب کچھ نہیں کر سکتی۔ حرام نوالے تو وہ بھی توڑتا ہے۔" ریا شدید

غصے کی کیفیت میں کہہ رہی تھی۔

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ ایسے لوگ ترس کھانے کے قابل ہوتے ہیں..... ڈاکٹرنی کا بنگلہ پتا ہے تمہیں؟" مومن بہت دکھ سے معصوم سی بانگی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جناح کے مزار پر جو روڈ جاتی ہے۔ اس طرف ہے۔" بڑھیا نے نشاندہی کی۔

"اس روڈ پر تو گھنٹہ بھر گاڑی چلتی ہے۔" مومن جل کر کہا۔ "اگر تمہیں اس روڈ پر لے جائیں تو بنگلے پر پہنچ جاؤ گی؟ میرا مطلب ہے پولیس اگر لے جائے۔" مومن جان بوجھ کر لفظ پولیس استعمال کیا تا کہ خوف سے ہانپتے کے سیل دروازے کھل جائیں۔

"صاحب! میں اس روڈ پر پہنچ جاؤں تو ڈاکٹرنی کی دوکان (کلینک) دیکھ کر اس کا گھر پہچان (پہچان) لوں گی۔ آپ چاہو پولیس کو مت بولو۔ مائی باپ ہو آپ میرے۔ پاؤں پڑتی ہوں آپ کے۔" بڑھیا جھک کر مومن کے پاؤں چھونے لگی۔

"اچھا بس بس بالکل قابل رحم نہیں ہو تم۔ پتا نہیں اس بچی کا اصل نام کیا ہے جسے تم نے بانگی بنا رکھا ہے۔" مومن نے ناگواری سے بڑھیا کی طرف دیکھا پھر دوزانو بیٹھی ٹکر ٹکر دیکھتی بانگی کو دیکھا۔

"ادھر آؤ بیٹا!" مومن نے بانگی کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

بانگی قدرے جھجکتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ "جی صاحب.....؟"

مومن نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ریا کی طرف دیکھا۔

"یہ کسی ڈاکٹرنی کی بیٹی ہے، پتا نہیں اس بے چاری کا اس کے غم میں کیا حال ہوگا۔ چچ چچ۔ اف میرے خدا مجھے تو خود سوچ سوچ کر چکر آ رہے ہیں۔ کوئی حد نہیں خود غرضی اور ظلم کی۔ میں اس کا چہرہ دیکھ کر اکثر سوچتی تھی کہ اس کے چہرے کا کوئی نقش بھی تو اپنے ماں باپ میں نہیں ملتا۔ بڑھیا تو ہے ہی کالا الٹا توا۔ آنکھیں بھی چندھی چندھی خبیثوں جیسی۔ یہ بڑھیا تو بے حد مکروہ شکل ہے۔" ریا نے دل کی بھڑاس نکالی۔

"چلو اس بیچاری کا کچھ اتا پتا تو ہے۔ مول کی بدنصیبی کی تو کوئی حد ہی نہیں، چلو اٹھو۔ آئے تو تھے تمہیں کہیں اور پہنچانے مگر اس وقت تو ہمارے ساتھ جناح کے مزار والی روڈ پر چلو۔" مومن کچھ سوچتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"پتا نہیں وہ ڈاکٹر اب وہاں رہتی بھی ہے یا نہیں، خدا کرے اس بچی کا نصیب اچھا ہو وہ مل جائے۔ اف اگر یہ اسے مل گئی تو اس کا کیا حال ہوگا اور ذہن میں کتنی بڑی خوشی ملے گی، کبھی نہ ختم ہونے والی۔"

"پھر تو سب کو چاہیے کہ مول کا شکریہ ادا کریں۔ نہ یہ پول کھولتی نہ یہ نوبت آتی۔" "مگر مول کو بزدلی کی سزا بھی ملنا چاہیے کہ یہ اب تک خاموش رہی کیوں؟ اسے خوف کیا تھا بڑھیا کیا بگاڑ لیتی۔" ریا نے مول کی طرف دیکھتے ہوئے مومن سے کہا۔

"کچھ تو کہا ہوگا۔" مومن نے مول سے نظر چراتے ہوئے بظاہر بے نیازی سے کہا۔

محنت، مشقت، جسمانی تشدد کے ساتھ ساتھ نہ سر پر چھت نہ پاؤں تلے زمین پوری محنت ادھوری زندگی۔ پورے آنسو خوشی کے امکان سے بھی دور۔

گھٹنے بڑھتے چاند کے ساتھ صرف گھٹتے بڑھتے دکھ۔

نئی صبح میں نیا پن نہ ڈوبتی رات میں کوئی امکان۔

نہ کھلنے پھولوں پہ توجہ نہ جھڑتے پتوں پہ کان۔

نہ انتظار کے معنی سے آشنا آنکھوں پہ کان۔

بے سمت سفر منزل سے انجان۔

مومن کی رنگت جھلاتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا فرزانہ اس سے بھی آگے۔

مول بانگی بڑھیا سے پیچھے، ریا تھی۔ اندیشے و یقین و بے یقینی کی کیفیت سے چال میں بھی بوجھل پن تھا۔ اسی ترتیب سے چلتے ہوئے پانچوں گاڑی تک پہنچے۔ مومن نے پچھلا دروازہ کھول کر پہلے تینوں کو بٹھایا پھر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر ریا کے لئے دروازہ کھولا۔ بڑھیا بہت خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ بانگی مسلسل مول سے پوچھ رہی تھی کہ اس کی ماں ڈاکٹرنی ہے؟ یہ اس کی اماں نہیں ہے لیکن ہم تو اس کو ماں بولتے ہیں؟

مول کافی دیر کے بعد کچھ بولی بھی تو گھرائی ہوئی آواز میں کہ مومن اور ریا کے پلے نہیں پڑ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

"داری جان! شخص کی شادی غیر رسمی ہو رہی ہے جن سے کچھ چھپایا ہو آپ ماہ نور کو انوائیٹ کر لیجئے۔ کوئی حرج تو نہیں ہے۔" جمال بڑی اماں کے ساتھ بیٹھا مہمانوں کی فہرست بنا رہا تھا۔

ارے بیٹا! ہم سے زیادہ کس کا دل تڑپتا ہو گا اس کے لئے مگر سخت مجبوری ہے بیٹا! بہت بے عزتی کی بات ہے۔ اپنوں ہی کی انگلیاں اٹھیں گی اس کی طرف دوسرے وہ خود بھی نہیں آئے گی۔ بہت باحیا اور باکردار بچی ہے ہماری۔ اس میں کچھ شک نہیں بیٹے گی عزت کب واپس آتی ہے۔" بڑی اماں دکھی لہجے میں بول رہی تھیں۔

"یہ تو آپ نے ٹھیک کہا بڑی اماں! ہم نے اخبار میں بچوں کا صفحہ جو ہوتا ہے اس میں ایک چھوٹی سی کہانی پڑھی تھی..... کہ علم، دولت، عزت میں بہت گہری دوستی تھی۔ تینوں شیر و شکر رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی وجہ سے تینوں جدا ہونے لگے تو آپس میں کہنے لگے۔ آج ہم جدا ہو رہے ہیں ممکن ہے کبھی ایک دوسرے سے ملنے کا جی چاہے تو ایک دوسرے سے ملنے کا ٹھکانہ کوئی نشانی بھی تو ہونا چاہیے۔

علم نے کہا اگر مجھ سے ملنا ہو تو عالم فاضل لوگوں میں تلاش کرنا۔ دولت نے کہا مجھے ڈھونڈنا ہو تو راج دربار امراء رؤسا میں ڈھونڈنا۔ دونوں بول چکے تو عزت کی خاموشی پر متوجہ ہوتے پوچھا "تم خاموش ہو تمہارا پتہ کیا ہو گا؟"

عزت نے جواب دیا "میں ایک بار چلی جاؤں تو دوبارہ نہیں ملتی۔" "بچوں کی کہانیاں تو سبق آموز ہوتی ہیں ناں داری جان۔"

"ہائے۔" بڑی اماں نے سینے پر ہاتھ دھرا اور بے ہوش ہو گئیں۔ آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ ماہ نور کے ذکر پر رونے کے بجائے فوراً بے ہوش ہو گئیں۔

"بابا! مہرو! اظہار جلدی آؤ دیکھو۔ داری جان کو کیا ہو گیا ہے؟" جمال نے حواس باختہ ہو کر شور مچا دیا۔ اظہار باہر کھڑا موٹر سائیکل صاف کر رہا تھا۔ میلا کچیلا ڈسٹر ہاتھ میں لیے بھاگا چلا آیا۔

"کیا ہوا بڑی اماں.....؟" ڈسٹر پھینک کر بڑی اماں کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ کبھی ان کی نبض دیکھتا کبھی گال تھپتھپاتا۔

"کیا ہوا تھا جمال بھائی.....؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ہم تو ایک بچوں کی شارٹ اسٹوری سنا رہے تھے داری جان کو پتا نہیں کیا ہو گیا۔ کہیں اٹیک تو نہیں ہوا خدانخواستہ۔"

"اللہ نہ کرے مگر یہ ایک دم سے ایسی کیسے ہو گئیں۔ ایک منٹ رکیں میں فون کر کے ایمبولینس منگواتا ہوں گاڑی تو گھر میں کوئی نہیں ہے۔ اسی آن بابا اور کپڑے دھونے والی مہرو بھی آ کھڑی ہوئی تھی۔

اظہار فون کرنے لگا۔ جمال مارے پریشانی کے کبھی بڑی اماں کی ہتھیلیاں سہلاتا کبھی تلوے۔ بابا چند لمحے کچھ سوچنے کے بعد پانی لے کر آئے تھے اور بڑی اماں کے چہرے پر چھینٹے مارنے لگے۔

بڑی اماں تھوڑا سا کسمسائیں' پپوٹوں میں حرکت ہوئی۔ بابا نے پھر چھینٹے مارے۔ بڑی اماں نے آنکھیں کھول دیں۔

"اظہار میاں! بس رہنے دیں۔ بڑی بیگم کو ہوش آ گیا ہے۔ بی بی! ایک گلاس پانی لا دو بڑی بیگم کے لئے۔" بابا نے مہرو سے کہا۔

اظہار ریسیور رکھ کر بڑی اماں کے پاس آ گیا۔ "بڑی اماں! کیسی طبیعت ہے؟ کیا ہوا کوئی پریشانی ہے تو بتائیں۔" اظہار بڑی اماں کے پاس بیٹھ کر بولا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ محبت اور تشویش اس کے لہجے سے جھلکی پڑ رہی تھی۔

"میرا بچہ۔ بڑی اماں قربان جائے کوئی پریشانی نہیں تم فکر مند نہ ہو میں ٹھیک ہوں بڑھاپا ہے بیٹے یونہی کبھی کبھی کمزوری ہو جاتی ہے۔" بڑی اماں نے اظہار کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔

"پھر بھی ہوا کیا؟ جمال بھائی کہہ رہے ہیں کہ وہ کوئی کہانی سنا رہے تھے اور آپ ایک دم سے بے ہوش ہو گئیں۔" اظہار بہت فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔ بڑی اماں کی نڈھال صورت اس کے غبارے کی ساری ہوا نکال دیتی تھی۔

"آ۔ کچھ نئی نہیں کہہ رہا تھا میرا بچہ۔ جو پڑھ چکی ہے جو جھیل رہے ہیں وہی تو کہہ رہا تھا۔ اس کی کہانی میں ہماری کہانی کی کتھا تھی۔ بس یونہی چوٹ سی کلیجے پر پڑ گئی۔ دھیان ہوا ہم تو خود کو دھوکا دیے جا رہے ہیں۔ وہ تو کب کی لٹ چکی۔" بڑی اماں کی آواز بھرا گئی۔

"جمال بھائی! آپ براہ مہربانی بڑی اماں کو ٹریجڈی کہانیاں نہ سنایا کریں۔ اب ان کی عمر یہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔ پلیز خیال کیا کریں۔" اظہار نے سنجیدگی سے کہا۔

"یقین کرو اظہار میں نے بالکل بھی کوئی ٹریجڈی قسم کی کہانی نہیں سنائی۔ ہم تو وہ نادر کے بارے میں باتیں کر رہے تھے تو۔"

"مائی گاڈ جمال بھائی! اس سے زیادہ ٹریجڈی والی کہانی آپ سنا بھی نہیں سکتے۔" اظہار نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ جیسے سب کچھ سمجھ میں آ گیا تھا۔

"سوری دادی جان! بندہ بشر ہوں غلطی ہو گئی۔" جمال نے ندامت بھرے انداز میں معذرت کی۔

"کتنا سیدھا ہے میرا بچہ۔ نہیں بیٹے تم سے اظہار مجھے کوئی شکایت نہیں تم سے۔ اظہار اسے مت ٹوکا کرو۔ یہ بہت نیک فطرت بچہ ہے۔ کسی کو جان بوجھ کر پریشان نہیں کرتا۔ ہمیں کوئی کہانی سن کر وہ یاد آتی ہے تو... گھنٹے آٹھ پہر کا دکھ۔ ذہن سے کچھ نکلتا ہی کب ہے۔"

مہرو بڑی اماں کو اٹھا کر پانی پلا رہی تھی۔ انہوں نے گلاس ہاتھ سے ایک طرف کرتے ہوئے اپنی بات مکمل کی پھر دوبارہ پانی پینے لگیں۔

"جمال بھائی! ٹھیک چھ بجے گھر سے نکلنا ہے ایئرپورٹ کے لئے۔ سوا سات بجے تک فلائٹ آ جائے گی۔" اظہار نے موڈ درست کر کے جمال کو یاد دہانی کرائی۔

"جی ہاں مجھے یاد ہے فکر نہ کرو میں تمہیں تیار ملوں گا۔"

"اے ہاں گوڑی طبیعت میری ذرا دیر میں کھیل تماشوں کی طرح بکھر جاتی ہوں۔ ماشاء اللہ دور کے مہمان آ رہے ہیں بابا! ذرا کھانا اچھا بنانا' سارہ اور بڑی دلہن بھی رات کو آئیں گی بھاوج سے ملنے۔

ارے کب دیکھا تھا جمال کی ماں کو جمال اسکول داخل بھی نہیں ہوا تھا چاند اور ظہیر کو سنگ لے کر گئی تھی ہندوستان۔ چاند کے باپ نے زبردستی بھیجا تھا کہ اماں آپ ہو آئیں ہر وقت دلی والوں کو یاد کرتی رہتی ہیں۔ چاند سر ہو گیا میں بھی

جاؤں گا بڑی اماں کے ساتھ دلہن بولیں۔ چاند اکیلا ہوگا تو آپ کو تنگ کرے گا آپ اظہر و ظہیر کو بھی ساتھ لے جائیں۔ ایک دوسرے سے کھیلیں گے تو آپ کو پریشان نہیں کریں گے۔ اظہر کی طبیعت خراب ہو گئی تو بس یہ دونوں میرے ساتھ گئے تھے۔ اس وقت تو تمہاری ماں بالکل لڑکی دکھائی دیتی تھی۔" بڑی اماں ماضی میں جھانکنے لگیں۔

"اب تو اماں کا آدھے سے زیادہ سر سفید ہو چکا ہے اور موٹی بھی ہو چکی ہیں۔ آپ تو شاید پہچانیں گی بھی نہیں۔" جمال نے پرانی اماں کا نیا نقشہ پیش کیا۔

"ظاہر ہے بیٹا! وقت کا اثر تو بے جان چیزوں پر بھی ہوتا ہے۔" بڑی اماں بولیں۔

"بڑی اماں! اب آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟ ڈاکٹر کے پاس چلنا ہو تو چلیں۔" اظہار نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اے بیٹا! ڈاکٹروں کا نام نہ لیا کرو میرے سامنے مارے گی بازو میں جتنے کی پٹی کر غبارے سے کھینچے تکتے ہی کبھی آنکھ بھر ادھر لگا کر اپنی مرضی کا سانس بھرنے کو بولیں کبھی دو لمبا لٹا دیں یہ پیر باندھ دو ہاتھ باندھ مشین سے بگی کی طرح کاغذ کھینچے جائیں۔ اللہ کو لکھنے پڑھنے کی کوشش کریں۔ اے تو یہ میرا تو دل گھبرا تا ہے۔ اے اللہ تجھے چنگے ہاتھ پیر اٹھا۔" بڑی اماں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر بڑی رقت سے دعا کی۔

"آمین!" جمال کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ بے چارہ ہمیشہ تنقیدات میں مارا جاتا تھا۔ اظہار نے سر پہ ہاتھ رکھ کر بابا کی طرف دیکھا تھا۔ عجیب اظہار بے بسی تھا۔

☆☆☆☆☆
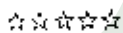
"ڈاکٹر الٰہی کی دکان کے پیچھے ایک مسجد بھی تھی۔" بڑھیا نشانیاں بتا رہی تھی۔ مومن گاڑی کبھی ادھر موڑتا تھا کبھی ادھر۔ بڑھیا نے دماغ خراب کر کے رکھ دیا تھا۔

"ایک روڈ جناح کے مزار کے سامنے ہے۔ ایک پیچھے تمہیں یاد ہے کون سی روڈ ہے؟" مومن نے بڑھیا کو مزید سہولت دی۔

"وہ تو مزار کے آگے جاتی ہے۔ سیدھے ہاتھ پر کوٹھیاں بنی ہیں۔" بڑھیا نے حافظے پر زور ڈال کر نشانیاں برآمد کر دی تھیں۔ اس نشانی سے مومن کو واقعی سہولت ملی۔ اس نے پرانی نمائش کو پہلی سڑک پر گاڑی بڑھا دی۔

ایک مقام پر بڑھیا نے اسے گاڑی روکنے کے لئے کہا۔ "صاحب اب اندر والی روڈ پر گاڑی چلائیں۔" بنتی اس نے مڑنے کا اشارہ کیا۔

مومن اور ریا کو قدرے تقویت ہوئی کہ شاید منزل قریب آ گئی ہے۔

"صاحب! مسجد تو ہے پر دکان تو نہیں ہے۔" بڑھیا حیرت و پریشانی کی ملی جلی کیفیت میں بولی۔

"مسجد پہچان لی ہے تم نے...؟ یہی ہے؟"

"جی جی... کوٹھیوں کے پیچھے سے اس کے لوش چکر رکھتے تھے صاحب۔" اس کا مطلب لاؤڈ اسپیکر سے تھا۔

"ایک منٹ ریا! میں اتر کر پتا کرتا ہوں کہ یہاں کوئی کلینک وغیرہ بھی کبھی تھا۔ اسی سے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ وہ مسجد ہے یا نہیں۔" مومن نے کار روکی اور دروازہ کھولتے ہوئے ریا سے مخاطب ہوا۔ ریا کی خاموشی میں اتفاق تھا۔

مومن نے کار سے اتر کر ایک کوٹھی کا کال بیل بٹن دبا دیا۔

ریا ان تینوں سمیت مومن ہی کی طرف متوجہ تھی۔

کوٹھی کا گیٹ کھلا اور ایک عمر رسیدہ ملازم نے سر باہر نکالا۔ فاصلہ کافی تھا۔ گاڑی کے سارے شیشے بھی نیچے کر دیے

جانے تب بھی کچھ سنائی دیتا ممکن نہ تھا۔ سون کی اس سے کچھ بات چیت ہوئی پھر سون نے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر دائیں بائیں دیکھا اور بوڑھے ملازم سے کچھ بات کی اور گاڑی کی سمت قدم بڑھا دیے۔ ریبا بہت بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"کیا ہوا.....؟" اس نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔

"وہ ملازم بتا رہا ہے کہ پہلے یہاں ایک لیڈی ڈاکٹر رہتی تو تھی اس کا کلینک بھی تھا مگر پھر ان کے ساتھ بہت برا ہوا ان کی بچی اغوا ہو گئی۔ لیڈی ڈاکٹر صدمے سے بیمار رہنے لگی تو کلینک خود بخود بند ہو گیا۔ دو سال بیمار رہنے کے بعد وہ مر گئی اسکا شوہر یہ کوٹھی بیچ کر جانے کہاں چلا گیا۔" دکھ سے ریبا کا سانس رکنے لگا۔

"بتا رہا تھا شادی کے کافی عرصے بعد وہ بچی پیدا ہوئی تھی اس لیے ڈاکٹر کا اور زیادہ غم تھا۔" ریبا کے دماغ میں سائیں سائیں ہونے لگی۔

"قاتل عورت! تمہارے ہاتھ خون آلود ہیں اور میں تم پر رحم کھا رہی ہوں۔ تم جیسے لوگوں کو تو چوک پر پھانسی دینا چاہیے۔" ریبا کے لہجے میں غصے کی آگ کی لپٹیں تھیں۔

"سون! آپ اس کوٹھی میں تو جا کر بات کریں جنہوں نے ڈاکٹر کی کوٹھی خریدی ہے کیا پتا انہیں کچھ پتہ ہو ایکس اور ان کے بارے میں باپ تو ہے ناں جس نے یہ کوٹھی فروخت کی ہے۔" اس نے حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا بعض دماغ ایمرجنسی میں خوب کام کرنے تھے۔

"ہاں ٹھیک ہے میں پتا کرتا ہوں۔" سون نے الجھن بھری نظروں سے سامنے ہی گرین کوٹھی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں بھی چلوں آپ کے ساتھ۔" ریبا پر جیسے انتظار کی گھڑیاں شاق تھیں۔

"نہیں تم گاڑی میں ہی رکو تمہاری موجودگی بہت ضروری ہے۔" بڑھیا پر ایک نظر ڈال کر سون نے گویا ریبا کو آنکھ سے بھی کچھ سمجھایا۔ ریبا بھربھری مٹی کی طرح سیٹ پر ڈھے گئی وہ سون کا اشارا سمجھ گئی تھی۔ سون کوٹھی کی طرف بڑھ گیا۔ ریبا اس کے قدم گن رہی تھی۔ سون نے کوٹھی کے گیٹ پر دستک بھی دی اور کال بیل بٹن بھی پُش کیا پھر اس کے بعد مزید دستک دی جو اس کی عجلت کی نشاندہی کر رہی تھی۔

گیٹ فوراً نہیں کھلا درمیان میں ناقابلِ برداشت وقفہ تھا۔

گیٹ کھلا تو ایک بہت حسین ادھیڑ عمر خاتون کا چہرہ نظر آیا وہ بڑے مشکوک انداز میں سون کا جائزہ لے رہی تھی۔ سون کی اس سے کچھ بات چیت ہوئی پھر اس نے سون کو اندر آنے کا اشارہ کیا ساتھ ہی گاڑی کی طرف دیکھ کر کچھ پوچھا جواب میں سون نے کچھ کہا پھر دونوں اندر چلے گئے۔

اب ریبا کو انتظار کا نیا مرحلہ درپیش تھا اس نے سر کا زاویہ تبدیل کر کے پچھلی سیٹ کا جائزہ لیا بانگی تو اپنے لا اُبالی پن اور معصومیت کے ساتھ کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی دسول کا سر جھکا ہوا تھا بڑھیا کے چہرے پر خوف کی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔ شاید ریبا کی "پھانسی" والی بات پر اس کے حواس باختہ ہو چکے تھے۔

اس نے پھر بانگی کی طرف دیکھا۔ "کون کہہ سکتا تھا کہ یہ بچی کسی تعلیم یافتہ ماں باپ کی اولاد ہے۔ کانوں میں دو دو بالیاں ناک میں چھوٹی سی ننھی منی نتھلی سی اوڑھنی۔" ریبا کا دل بھر آیا۔

اس نے پھر سامنے والی کوٹھی کے بند گیٹ کی طرف دیکھا۔ شاید کھل رہا ہو۔ پتہ نہیں وہ عورت سون کو اندر کیوں لے گئی۔ کیا مسئلہ ہے؟ وہ الجھنے لگی عجیب سا ہیجان برپا تھا۔ بہت اعصاب شکن لمحات تھے۔

کافی دیر ہو گئی تب جا کر سون گیٹ کھول کر باہر آتا دکھائی دیا۔ اور ریبا نے کھل کر سانس لیا۔ سون آتے ہی گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

"کیا ہوا.....؟ کون ہے یہ عورت؟ آپ کو اندر کیوں بلا لیا تھا۔؟" ریبا اس کی خاموشی سے چڑ گئی۔

"ان کے ملنے جلنے والے ہی ہیں کالفٹن کے اپارٹمنٹ میں رہتے ہیں۔ اب انہوں نے فون پر میری بات بھی کرائی ہے وہ ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔" سون پر بلا کی سنجیدگی طاری تھی جیسے ایک وقت میں کئی سمتوں میں سوچ رہا ہو۔

ریبا تو کامیابی و خوشی کے احساس سے گنگ سی رہ گئی۔ چند لمحوں تک تو الفاظ منہ سے نکلنے کے قابل نہ رہی۔

"تھینک گاڈ! زندگی میں پہلا بھلائی کا کام تو کیا ہے مجھے اس وقت بے انتہا خوشی محسوس ہو رہی ہے جیسے میں بھی کسی افسوناک مرحلے سے ہی نہیں گزری۔" ریبا نے کہا۔

"ہاں مگر یہ خوشی ذرا کرکری ہے۔" سون نے جیسے لو بجھائی۔

"کیا مطلب؟" ریبا چونک پڑی۔

"موصوف دوسری شادی کر چکے ہیں اور دو بچے بھی پیدا ہو چکے ہیں۔" سون نے نئی خبر سنائی۔

"تو کیا ہوا" آخر اس بے چارے نے زندگی کی گاڑی تو چلانا ہی تھی سالوں میں کرکری کی کیا بات ہے؟" ریبا نے نا سمجھی سے کہا۔

"بے چاری! اسٹیپ مدر (سوتیلی ماں) کے ہتھے چڑھے گی۔ میں یہ کمپلیکس فیل کر رہا ہوں۔ میں اس اسٹیج سے بھی گزر چکا ہوں۔"

سون کی آنکھوں سے ہنوز گہرے تفکر کا عکس جھلک رہا تھا۔ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا ہوا تھا جبکہ نگاہ ونڈ اسکرین پر۔ ریبا کو دانی تیز محسوس ہوئی کہ جس سے شیشہ بھی چٹخ جائے۔ انسان پلک نہ جھپکا رہا ہو تو اس بات کی گواہی ہے کہ وہ موجود حاضر نہیں اس کا ذہن کہیں اور محو پرواز ہے۔

"مجھے پتا ہے آپ اس اسٹیج سے گزر چکے ہیں مگر اللہ کا شکر ہے آپ کی اسٹیپ مدر آپ سے بہت پیار کرتی ہیں آپ کا ہر طرح سے خیال رکھتی ہیں۔" ریبا نے سون کے اندر جذبۂ تشکر بیدار کرنے کی کوشش کی۔

"ہمممم..... اندر کچھ ٹوٹا۔ نظر خود بخود بڑی کی طرف اٹھ گئی۔ پچھلی سیٹ پر سول کسی مجسمے کی طرح بیٹھی تھی۔ "کتنے فرض ہیں اس لڑکی کے میری ذات پر....." سون نے نظر کا زاویہ بدلتے ہوئے سوچا۔

"آپ خاموش کیوں ہو گئے؟ کیا ممی آپ سے محبت نہیں کرتیں؟" ریبا نے اس کی گہری خاموشی محسوس کی اور پوچھنے لگی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" سون نے چونک کر بس اتنا کہا۔

"ہو سکتا ہے یہ عورت بھی ممی کی طرح ہو اور بانگی سے بہت پیار کرے۔" وہ مزید بولی۔

"خدا کرے۔" سون نے معنی خیز انداز میں کہا اور گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔

"صاب! اسکا باپ تو میرے کو کچھ نہیں بولے گا؟ آپ اس سے بولنا کہ یہ بڈھی ہے مرنے والی ہے۔" بڑھیا نے پیچھے سے بڑے خوشامدانہ انداز میں سون سے کہا۔

"اب میں یہاں بیٹھے بیٹھے کیا کہہ سکتا ہوں؟" سون نے زندہ دلی سے جواب دیا۔

☆☆☆☆☆

"اپارٹمنٹ تلاش کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ کال بیل بجاتے ہی دروازہ فوراً کھل گیا تھا جیسے کوئی دروازے ہی سے لگا کھڑا تھا۔ دروازہ کھولنے والا ایک ادھیڑ عمر کھچڑی بالوں والا مرد تھا۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے سون کی طرف مصافحے کے

"بی بی! یہ میری اماں کیسی ہے؟ یہ بولتی ہے۔" بانگی ریبا کے قریب آ کر بڑی معصومانہ پریشانی کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔ "پہلے تو بولتی تھی کہ ماں ہے۔"

"جھوٹ بولتی تھی۔" ریبا نے ناراض لہجے میں جواب دیا۔ ناراضگی بڑھیا کے لئے تھی۔

"تو پھر میں اس کے پاس اس کے گھر میں کیوں نہیں رہتی؟" بانگی ریبا سے پوچھ رہی تھی اس نے نعیم صاحب کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"اب تم ان کے پاس ہی رہو گی نہ ہمارے ساتھ نہ بڑی اماں کے ساتھ اور نہ ہی اس کے ساتھ۔" ریبا نے بڑھیا کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

نعیم صاحب بہت دلچسپی سے بانگی کا لفظ لفظ سن رہے تھے۔ پرانے کپڑوں میں بانگی صاف ستھری تھی یہ شاہانہ اور بڑی اماں کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ شاہانہ تو سر اور کپڑوں سے اٹھتی ہوئی بو پر بری طرح برس پڑتی تھی۔ "نکال دوں گی مجھے نہیں چاہئیں یہ گندے بچھار نوکر۔ سارے گھر میں جراثیم پھیلاتے ہیں گندگی سے۔" وہاں تو مارے خوف کے رہا کرتی تھیں۔

بڑی اماں کا انداز دوسرا تھا۔ "بیوی نہا دھو کر صاف کپڑے روز پہنا کرو اللہ کو بھی صفائی پسند ہے اور صاف ستھرے انسان ہر آنکھ کو اچھے لگتے ہیں۔"

یہی بات نعیم صاحب بھی نوٹ کر رہے تھے۔ کپڑوں سے وہ کم مایہ نظر آ رہی تھی مگر اس کا سر بھی صاف تھا، دانت بھی اور ناخن بھی ترشے ہوئے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس کے چہرے میں کوئی اور چہرہ بھی دیکھ رہے تھے جس کی دو سال سسکیاں مسلسل سنی تھیں جو ابھی تک حافظے میں رچی ہوئی تھیں۔

تین بیٹے ایک عورت کی کہانی کچھ دیر کے لئے اوٹ میں ہو گئی۔ ایک طرح دار خوش باش لباس میں صرف ساری پسند کرنے والی ادھر ادھر ہنستی مسکراتی دکھائی دینے لگی۔

"بیٹا! ادھر آؤ۔" انہوں نے بے اختیار بانگی کو بلایا۔ بلا کا جادو تھا اس کی بھولی باتوں میں۔ بانگی شرماتی ہوئی ان کے قریب آ گئی۔

نعیم صاحب نے اس کو اپنے بازو میں سمیٹ لیا۔

"بیٹے! آپ کا نام بانگی نہیں ہے شگفتہ ہے۔ جب آپ اتنی چھوٹی سی تھیں تو آپ کی ڈی نے آپ کا نام شگفتہ رکھا تھا۔ ٹھیک! اگر کوئی آپ کو بانگی کہے تو آپ خاموش رہنا۔ جب تک وہ آپ کو شگفتہ نہ بولے۔ سمجھ گئیں ناں۔" وہ اس کو بہت محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے سمجھا رہے تھے۔

ریبا نقوں کی بھوک اسے یوں محسوس ہوا جیسے دور تک دیئے جل رہے ہوں۔ اندھیرے جنگل میں یکایک جگنوؤں کی یلغار ہو گئی ہو۔

"آپ اس بچی کو کہاں لے جائیں گے۔" نعیم صاحب نے بانگی کو اسی طرح اپنے بازو کی گرفت میں رکھا اور سوال کی بابت دریافت کرنے لگے۔

"اوہ" مومن اور ریبا دونوں ہی جیسے چونک پڑے۔ ابھی تک اس پوائنٹ پر تو توجہ نہیں ہوئے تھے۔

"اس کا بھی کوئی بندوبست انشاء اللہ کر دیتے ہیں۔ پہلے آپ ان خاتون کے متعلق فرمایئے۔" مومن نے بڑھیا کی طرف متوجہ کیا۔

"ان دونوں میاں بیوی کے لئے تو سزا ہونا چاہئے۔" ریبا نے اضافہ کیا۔

"میں عرض کر چکا ہوں کہ اس ضعیفہ سے بدلے لے کر بھی میرے نقصان فائدے میں نہیں بدل سکتے۔ آپ اس کو چھوڑ دیں۔ در حقیقت میں اسے سامنے پا کر اچھا فیل نہیں کر رہا بہر حال انسان ہوں لیکن یہ آنکھ سے اوجھل ہو جائے گی تو گنجائش نکل آئے گی۔ میں نو سال سے ایک کرب برداشت کرتے ہوئے اپنے معمولات نمٹا تا رہا ہوں اب میری بچی میرے پاس ہے۔ زندگی ضرور بھی محسوس ہو گی یہ اور بات ہے کہ میرے پاس بہت کچھ ہے مگر پہلا ہم سفر مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ ہماری بہت اچھی انڈرسٹینڈنگ تھی۔ وہ میری کزن بھی تھی۔ ہماری سات سال منگنی رہی تھی ایک رومینٹک پیریڈ ہوتا ہے یہ۔ اس سے رفاقت کے اتنے پہلو ہیں کہ ہمیشہ اس کی کمی محسوس ہو گی دنیا میں بے شمار انسان آزمائے جاتے ہیں۔ میری آزمائش شاید اسی طرح لکھی تھی۔"

یہ کہہ کر نعیم صاحب نے ایک بار پھر بانگی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"معاف کیجئے! تنی دیر ہو گئی اور میں نے آپ لوگوں کو پانی تک پیش نہیں کیا۔" نعیم صاحب کو یکدم دھیان آیا تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک خفیف بھری مسکراہٹ کے ساتھ۔

"پلیز! کوئی تکلف نہیں۔ ہم پھر آئیں گے بانگی سے ملنے۔ اس وقت تک آپ کی مسز بھی آ جائیں گی تو مل کر جائیں گے۔" ریبا نے کہا۔

"نہیں خیر ایسا ممکن تو نہیں کہ آج اتنی بڑی خوشی کے موقع پر آپ کو اس طرح رخصت کر دیں۔"

"صاب! آپ مجھے معاف کر دیا۔ آپ مومن صاحب کو بھی بولو میرے کو معاف کر دیں۔" "بانوں دیں۔ میں کوٹھ میں جاؤں گی۔" معاً بڑھیا کی خاموشی ٹوٹ گئی۔ وہ نعیم صاحب کے پاؤں چھو رہی تھی۔

"میں تو ابھی خود میں تمہیں معاف کرنے کا حوصلہ نہیں پاتا۔ تمہاری وجہ سے جانے کتنی زندگیاں تباہ ہوئیں تمہارے لئے سزا ضروری ہونا چاہئے تمہارا کیا اعتبار یہاں سے نکل کر پھر کسی کے گھر میں آگ لگا بیٹھو۔ میں اب تک اس لئے خاموش رہا کہ شاید نعیم صاحب تمہارے لئے کوئی سزا تجویز کریں۔"

مومن نے بغیر ہچکچاہٹ کے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی نظر کے سامنے ایک معصوم بچی بھی ہاتھ پاؤں بیچ کر رو رہی تھی۔ ایکسی کا ایک شیشہ روشن تھا جو اس کے دماغ میں اندھیرا کرتا تھا۔ دل میں کوئی دیپ نہیں جلنے دیتا تھا۔ نعیم صاحب خاموش رہے اور پھر بانگی کا ہاتھ تھام کر ڈرائنگ روم سے باہر چلے گئے۔

"صاب! آپ میرے کو بخش دو اب میں کسی کا بچہ نہیں اٹھاؤں گی۔" بڑھیا خوف سے رو رہی تھی۔

"نہیں۔ تمہارا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ تم تو اس معصوم بچی کو بھی چھپانے کے چکر میں تھیں جبکہ وہ تمہارے پاس موجود تھیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اب تمہیں آزاد چھوڑا جائے۔" مومن کے انداز میں قطعیت تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مجھے تو اس کی شکل سے چڑ ہو رہی ہے۔" ریبا نے دانت پیس کر بڑھیا کی طرف دیکھا۔

بڑھیا ہاتھ باندھ کر اسی کے سر ہو گئی۔

"اب تم خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ ورنہ پولیس کو فون کر کے ابھی بلا لیں گے۔ دماغ خراب نہیں کرو۔" ریبا کو اسے خاموش کرانے کے لئے دھمکی دینا پڑی۔

بڑھیا یکدم سہم کر اسی طرح بیٹھ گئی۔

☆☆☆☆☆

"بیٹے! غم قربت کا باعث بنتا ہے۔ صبر کے بغیر ہو تو دیمک بن جاتا ہے۔ کھوکھلا بھی کر دیتا ہے انسان کو کیوں بوجھ لئے پھرتا ہے۔ پہلے صبر کے قرینے لے لو۔ پیتل سونا بن جائے گا۔ تم تو ماشاء اللہ ہونہار بچے ہو۔"

"مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"انسان کے غم دور کرنے کے لیے دامے درمے سخنے قدمے کوشش کیا کریں۔ چھوٹی بھلائی کو کبھی چھوٹا سمجھ کر نظر انداز نہ کریں۔ کیونکہ نتیجہ آپ کو نہیں معلوم اور بھلائی کا صلہ اس کے نتیجے پر انحصار کرتا ہے۔"

"اس دنیا میں بعض داغ ایسے بھی ہوتے ہیں جو سات سمندر بھی نہیں دھو سکتے۔ جن کو لگے ہوں وہ اپنا علاج کیا کریں گے۔ کیسے کریں گے اس طرف بھی تو توجہ فرمائیے۔"

"خود اپنی بھول سے داغ لگا ہو تو تنہائی میں ندامت کے آنسو سے دھوئیں۔ داغ کسی کی غیر ذمہ داری کی وجہ سے لگا ہو تو اپنا آپ سنواریں۔ اپنی ذات ثمر بار کریں۔ اپنا برتن رگڑ رگڑ کر مانجھتے رہیں۔ ایسا چمکدار پر کشش بنا کر رکھیں کہ لوگوں کا دل چاہے اپنا دودھ اس میں ڈالیں کہ کسی کو دودھ پھٹنے کا خوف اندیشہ نہ ہو۔ اللہ کے ہاں بھی سب اپنا ذاتی اعمال نامہ لے کر پیش ہوں گے۔ کوئی کسی کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ اپنی تسلی کو یہ کافی سمجھ لیجئے! یہاں سب اپنا اپنا کام کرنے آئے ہیں اسی کی بابت پوچھ پڑتال ہوگی نوح کا بیٹا داغ تھا مگر وہ اپنے باپ کی ذاتی چمک نہیں دھندلا سکا۔

میرے بچے ہر انسان اللہ کا ایک پروگرام ہے۔ اسے یہاں آ کر اپنا کوئی کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ آپ اپنے آپ کا خیال رکھئے۔ اپنی ذمہ داریاں دیانت داری سے ادا کیجئے۔ آپ کے ضمیر کے اطمینان کے لئے یہ کافی ہے۔ اپنا گھر بسائیے۔ جانتے بوجھتے خوشیوں سے آنکھیں چرانا کفرانِ نعمت ہے۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ میری بات؟"

اباجی نے محبت بھری نظروں سے مظاہر کی طرف دیکھا۔

مظاہر نے یوں گردن جھکائی گویا اثبات میں جواب دے رہے ہوں۔

"ایک بات یاد رکھئے۔ یہ روحانی توانائی محفوظ رکھنے کا نسخہ ہے۔ کسی کے بارے میں بلا ضرورت تجسس نہ کیجئے اندازے لگانے اور شک کرنے سے پرہیز کیجئے جیسے جیسے روحانی توانائی اسٹور ہوتی ہے ویسے ویسے اللہ سے قربت بڑھتی ہے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ غیبی مدد ہوتی ہے۔ تجربہ کیجئے انشاءاللہ مایوسی نہیں ہوگی۔"

"جی!" مظاہر نے ان کی بات کی تہہ میں اترنے کی کوشش کی۔

"آپ ایسا کیجئے بعد نماز مغرب فرض کیجئے۔ آپ نے تمام بوجھ اباجی کی جھولی میں پھینک دیا ہے۔ وہ پوٹلی بنا کر سمندر میں خود ہی پھینک دیں گے۔ چائے پئیں گے آپ؟" اباجی نے ہنستے ہوئے کہا اور چائے کا پوچھنے لگے۔

"نہیں۔ کوئی تکلف نہ کیجئے آپ بس استانی سے ملاقات کے بعد اجازت چاہوں گا۔" مظاہر نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے ابھی نماز مغرب میں کچھ وقت باقی ہے۔ آپ یقیناً تکلف کر رہے ہیں۔ ایک پیالی چائے پی کر نماز ادا کرتے ہیں پھر آپ استانی سے ملاقات کیجئے گا۔ اندر پیغام دے چکے ہیں چائے کے لئے بھی اور آپ کی آمد سے متعلق بھی وہ خود آپ سے ملنے کو بے قرار ہیں۔" اباجی نے مظاہر کو تسلی دی۔ وہ واقعی مطمئن سے ہو گئے۔

"آپ تو اتنے پیارے بیٹے ہیں کہ آپ سے محبت ہو گئی ہے۔ کچھ سعید روحیں دنیا میں آتی ہی اس لئے ہیں کہ انسان انہیں دیکھ کر خوش ہو جائیں۔ آپ کی پیشانی کی چمک بتاتی ہے۔ دنیا میں آپ کو بے پناہ عزت ملے گی۔ مالک عزوجل کی رضا سے حوصلہ رکھیں جب رشتوں کو اصل مالک سے زیادہ اہمیت دیں گے تو ہمیشہ سکون کی تلاش رہے گی صرف اپنے مالک حقیقی کی وجہ سے رشتوں کا بوجھ اٹھائیں گے اس کی رضا کی خاطر رشتہ قائم کریں گے اس کی رضا کی خاطر رشتہ ختم کر دیں گے۔ یعنی اس سے زیادہ اہمیت کسی کو نہیں دیں گے تو نامکمل انسانوں کی جانب سے ملنے والی تکلیف کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔"

اتنے میں اباجی کا پوتا چائے لے کر اندر داخل ہوا۔

"چلئے۔ چائے پیجئے اذان بھی بس ہونے ہی والی ہے۔" اباجی نے ایک پیالی اٹھا کر مظاہر کو پہلے دی جو انہوں نے شکریہ کہتی مسکراہٹ کے ساتھ تھام لی۔

☆☆☆☆☆

"ماہ نور کیسی ہے مظاہر بیٹا؟" استانی عائشہ پوچھ رہی تھیں۔

مظاہر یکلخت سوچ میں پڑ گئے کہ کیا جواب دیں "میرا خیال ہے ٹھیک ہی ہوگی۔ وہ اب قمر آنٹی کے ساتھ نہیں ہے۔ پاشا کے ساتھ الگ گھر میں ہے میں وہاں نہیں جا سکا۔" مظاہر نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ کی فون پر بات نہیں ہوئی آنٹی سے؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہوئی تھی وہ مجھے اپنے پاس بلا رہی ہیں۔ پوچھ رہی تھیں کہ کب لینے آؤں؟ میں نے ماہ نور کا پوچھا تو بولیں ٹھیک ہے جانہوں نے مجھے نہیں بتایا کہ ماہ نور پاشا کے ساتھ الگ رہ رہی ہے اس کا مطلب ہے کوئی مسئلہ تو ہے ورنہ وہ مجھے مطلع ضرور کرتیں۔" وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"پھر آپ کا کیا پروگرام ہے؟ اگر آپ وہاں جانا چاہتی ہیں تو ڈراپ کر دیتا ہوں۔" مظاہر نے پیشکش کی۔

"ہاں خیر تو کوٹ جانے سے پہلے مجھے ان کے پاس جانا تو ہے۔ میں ان سے وعدہ کر کے آئی ہوں۔ مگر اس وقت تو رات پڑ گئی ہے پہنچتے پہنچتے دیر ہو جائے گی۔" وہ استفہامیہ انداز میں بول رہی تھیں۔

"نہیں ابھی کچھ ایسی زیادہ رات نہیں ہوئی۔ میں تو اب صبح تک فارغ ہوں۔ آپ کو لے جا سکتا ہوں۔" مظاہر نے کہا

"ٹھیک ہے پھر میں اباجی سے اجازت لیتی ہوں آپ تھوڑا انتظار کریں۔" وہ اپنی چادر درست کرتی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

مظاہر کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ واپس آئیں تو ہمراہ اباجی تھے۔

"اچھا بیٹا! اللہ سے دعا ہے آپ بخیر و عافیت اپنی منزل پر پہنچیں وہاں پہنچ کر فون ضرور کر دیجئے گا۔"

"جی۔" مظاہر سروقد کھڑے ہو گئے تھے۔

اباجی دونوں کو گاڑی تک چھوڑنے آئے۔

"ماشاءاللہ آپ کی گاڑی بہت شاندار ہے۔" اباجی نے محبت سے کہا جیسے مظاہر کو خوش کر رہے ہوں۔

"جی شکریہ۔ ہماری کیا سرکار کی امانت ہے۔" وہ مسکرا کر بولے۔

"عائشہ! آپ ایک روز مظاہر کی اس گاڑی میں بھی بیٹھیں گی جس پر پاکستان کا پرچم لہرا رہا ہوگا۔"

"انشاءاللہ۔" وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے آہستگی سے بولیں۔ آنکھوں سے چند قطرے ٹپکے اور چہرے کے گرد لپٹی چادر میں جذب ہو گئے۔

اس دنیا میں بہت سے آنسو کے قطرے ٹپکتے ہیں اور راز ہی رہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

"تم نے دوبارہ فون کر کے ان کا احوال تو پوچھا ہوگا؟" قمرالنساء پوچھ رہی تھیں۔ اس وقت مظاہر قمرالنساء اور استانی عائشہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔

"جی نہیں بس اسی روز آپ کی تاکید کے بعد فون کیا تھا۔" مظاہر نے جواب دیا۔

"میں تو سوچ رہی تھی کہ ماہ نور ہماری زندگیوں میں تبدیلی بن کر آئی ہے۔ پاشا پر بھی ضرور کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوگا مگر یہ

نجانے ماہ نور کو کیا ہو گیا ہے حالانکہ شروع میں جب سے آپ کے پاس سے آئی تھی بالکل ٹھیک رہ رہی تھی میرا اور پاشا کا ہر طرح سے خیال رکھتی تھی لیکن اچانک ہی اس کے مزاج میں تبدیلی آ گئی۔ مرنے مارنے پر تلی ہوتی ہے میں نے بہت سمجھایا کہ مرد ذات کی ذرہ اوری ایسی جیسی حرکتیں کر کے نہیں کیا جاتا مگر وہ جیسے کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہ رہی۔"

"میں نے بھی اسے یہی سمجھایا تھا کہ جیسا بھی ہے تمہارا شوہر ہے۔ نکاح سے پہلے ہی تم پر سب کچھ کھلا ہوا تھا پھر اتنا سب کچھ ہونے کے بعد رد عمل کرنا بے وقوفی ہے" مظاہر نے بھی حصہ لیا۔

"آپ نے اچھی کوشش کی مگر میرا خیال ہے۔ کچھ ضرور ہوا جو وہ رد عمل کر رہی ہے۔ وہ تو زندگی میں کھڑی ہے جس کا اسے خود بھی اندازہ ہے۔"

"کل ایسا کرتے ہیں اس کے پاس چلتے ہیں۔ اس کی بہتری کے لیے کچھ اسے احساس دلانے کی کوشش کرتے ہیں آگے اس کا نصیب۔" استانی نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ جیسا کہیں۔ آپ وقت بتا دیں اگر میں آفس سے نہ نکل سکا تو گاڑی بھجوا دوں گا۔ رات کو آپ کو لینے آ جاؤں گا۔" مظاہر نے سہولت دی۔

"لیکن بیٹے! مجھے اس کے گھر کا پتا تو معلوم نہیں۔" فخر النساء نے کہا۔

"آپ نے اپنے بیٹے کا گھر ہی نہیں دیکھا آج تک۔" استانی عائشہ حیرت سے بولیں۔

"نہیں۔ دیکھا تو ہے مگر اس کا تو کرایہ لے کر گیا تھا جب اس نے ماہ نور کو وہاں رکھا تھا نکاح سے پہلے۔ ایک مرتبہ مجھے تو ان میں بھی راستہ یاد نہیں ہوتا۔" فخر النساء شرمندگی سے کہہ رہی تھیں۔

"چلیں خیر فون نمبر ہے میرے پاس میں ایڈریس معلوم کر لوں گا پھر شام ہی کو آپ کو لے جا سکوں گا۔" مظاہر اٹھتے ہوئے بولے۔

"کھانا تیار ہے بیٹا! کھانا کھا کر جاؤ۔ رات کافی ہو چکی ہے۔" فخر النساء نے آداب میزبانی نبھائے۔

"بہت شکریہ۔ وہاں گھر پر بچوں کی ماں میرا انتظار کر رہی ہوں گی میں کھانا گھر پر کھاتا ہوں تو وہ بہت خوش ہوتی ہیں۔"
مظاہر نے صاف معذرت کی۔

"اچھی بات بیٹا! سب کا خیال رکھتے ہو۔ اللہ نصیب اچھے کرے۔"

"ٹھیک ہے خالہ جان! پھر کل ملاقات ہو گی۔" مظاہر استانی عائشہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اللہ حافظ... فی امان اللہ" وہ جھٹ لوٹے سے مکمل پردے کی حالت میں بیٹھی تھیں۔ اسی انداز میں بیٹھے بیٹھے بولی تھیں۔
مظاہر فخر النساء کے ہمراہ لاؤنج سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆☆☆
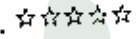
رات سے صبح ہو گئی اور پاشا کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ وہ انتظار کر کے تھک گئی اور صبح سات بجے اسے نیند رانی نے آلیا۔
آنکھ کھلی تو سہ پہر کے تین بج رہے تھے۔ وہ ہڑبڑا کر نیچے آئی۔ سب جگہ جھانکی تاکی مگر کوئی ملازم تک نظر نہیں آیا۔ عجیب سی تشویش نے آ گھیرا۔ اس نے کچن میں بٹلر کو دیکھا وہ بھی نہیں تھا۔
اتنے وسیع عریض گھر کا ہولناک سناٹا۔ اس کا دل بیٹھنے لگا بستر سے اٹھتے ہوئے بھوک کا جو احساس تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ پاشا اللہ! پاشا کہاں رہ گیا؟ طرح طرح کے وہم پریشان کرنے لگے۔
کہیں بلڈ پریشر تو زیادہ نہیں ہو گیا تھا۔ کار بھی خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔

ادھر ادھر ٹہلتے بس خفی سی سوچ رہی تھی۔ بٹلر بھی جانے کہاں غائب تھا۔ اس نے چوکیدار سے پوچھا اس نے بتایا کہ وہ چھٹی گیا ہے اور سب ہی جیسے چاکنتی چھٹی گیا ہے۔ شام تک اس نے صرف ایک کپ چائے پی تھی۔ کھانے کو دل ہی نہیں چاہا۔
بس لاؤنج کے ایک صوفے پر بازو آنکھوں پر دھرے لیٹی رہی۔ سات بجے کے قریب فون کی بیل ہوئی۔ وہ گرتی پڑتی فون سیٹ تک پہنچی اور بہت بے تابی سے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو پاشا بول رہا ہوں۔"

"پاشا کہاں ہیں آپ؟ یہ کیا طریقہ ہے۔ کم از کم فون تو کر دیتے۔ صبح سے بھوکی پیاسی مر رہی ہوں۔" وہ جیسے پھٹ پڑی۔

"کیوں مر رہی ہو بھوکی پیاسی؟ گھر میں کھانے کو بھی بہت اور انڈر گراؤنڈ ٹینک میں پانی بھی بہت ہے۔ میرا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ گھر تمہیں یاد سے دیا ہے جیسے مرضی رہو مگر وہاں سے جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"کیا مطلب ہے؟" ماہ نور نے ساعت کے دھوکے پر سوال کیا۔

"فون کا ایئر پیس ٹھیک کام کر رہا ہے تو الفاظ کان تک ضرور پہنچے ہوں گے...... جیسے مطلب نکالتی رہو۔ میری طرف سے خدا حافظ۔" پاشا کی طرف سے فون بند ہو چکا تھا۔
ماہ نور ریسیور کان سے لگائے گم صم بیٹھی رہ گئی۔ جیسے کسی مصیبت کا یقین نہ آ رہا ہو۔

"اف اب کیا کرے۔ اس حسین قید خانے میں کیسے گھر دن رات کرے؟" اس کے دماغ نے گویا کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔
اس نے آہستگی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور سر تھام کر بیٹھ گئی۔

اس نے بھوک سے بے حال ہو کر ایک سینڈوچ چائے کے ساتھ لیا پھر قید کے احساس سے وقتی رہائی کے احساس کی خاطر وسیع و عریض لان میں چلی آئی تھی۔ بند گیٹ کی طرف حسرت آمیز انداز میں دیکھا تھا۔ چوکیدار سٹول پر بیٹھا تھا۔ گردن زمین پر نکالی ہوئی تھی اور جیسے کسی خیال میں گم تھا پہلی نظر میں کوئی مجسمہ دکھائی دے رہا تھا۔
وہ آہستگی سے چلتی ہوئی چوکیدار کے نزدیک آ کھڑی ہوئی مگر چوکیدار نے کوئی جنبش نہ کی۔ گویا اسے ماہ نور کی آمد کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

ماہ نور نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ تب چوکیدار نے چونک کر سر اٹھایا اور ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا اور ماتھے تک ہاتھ لے جا کر فوجی انداز میں سلام کیا۔

"جی بیگم صاحب؟"

"کچھ نہیں۔ ویسے ہی آ گئی تھی تمہارے پاس۔ سارا دن چپ یہاں ڈیوٹی دیتے رہتے ہو تمہارا دل نہیں گھبراتا چپ بیٹھے بیٹھے۔" ماہ نور نے بات برائے بات کی۔

"پیٹ سب کچھ کراتا ہے بیگم صاحب۔ ام بہت جگہ چوکیداری کیا ہے پر جتنا پیسہ ام کو یہاں ملتا ہے کوئی نہیں دیتا۔ پہلے ام کما تا تھا اور کھاتا تھا۔ اب ام بچت بھی کرتا ہے۔ بیوی بچے کو بات کا چسکا بھی لگا تا ہے ام اپنا بوڑھی ماں کو بھی بھیجتا ہے اب۔ ام خوش ہے۔ مرضی کا زندگی ہے۔ چپ ہے تو کیا بات۔ خوشی تو ہے۔"
ماہ نور چوکیدار کی صورت تکتی رہ گئی۔

"چپ رہ کر بھی خوش ہے۔ اکیلا بھی خوش ہے۔ کتنا خوش قسمت ہے۔ کہ سکھ اور خوشی کا احساس تو ہے۔"
"ادھر کھانے کو بھی اچھا ملتا ہے۔ صاحب وردی بھی دیتا ہے گرمی سردی کا کپڑا بھی۔ معلوم پڑتا ہے کہ ریٹائرمنٹ کا افسر

اے ام اور۔ اپنا حکمرانی اے۔ جس کو بولتا اے اندر نہیں آؤ وہ چلا جاتا اے جس کو بولتا اے اندر آ جاؤ وہ آ جاتا اے۔" چوکیدار بات کے اختتام پر بڑے فخر سے مسکرایا۔

ماہ نور نے ایک مرتبہ پھر بڑے رشک سے چوکیدار کا مطمئن چہرہ دیکھا۔

"اتنے بڑے گھر میں بہت خاموشی ہے۔ میرا تو دل گھبراتا ہے۔" وہ بے اختیار بولی۔

"ابی آپ کو عادت نہیں اے۔ آہستہ آہستہ ہو جائے گا۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔" چوکیدار نے تسلی دی۔

ایسی تسلی کہ ماہ نور کا دل بیٹھ گیا۔ "آہستہ آہستہ" خدا معلوم اس آہستہ آہستہ کی مدت کیا ہے؟

"تم اپنے بیوی بچوں کے پاس کتنے دن میں جاتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ام ڈیوٹی شام چھ بجے سے شروع ہوتا اے۔ صبح آٹھ بجے تک۔ آٹھ بجے تک دوسرا چوکیدار آتا اے۔ صبح سے شام تک ام اپنا گھر میں رہتا ہے۔ اپنا بچہ لوگ کے ساتھ۔ پندرہ دن تک ام رات کا ڈیوٹی ہوتا ہے۔ پندرہ دن تک دن کا ڈیوٹی ہوتا اے۔ بڑا اچھا نوکری ہے ام بوت خوش اے۔" چوکیدار کا انداز استغنا قابل دید تھا۔

"آپ کا بچہ بچہ نہیں اے۔ اس واسطے بھی آپ خاموشی سے گھبراتا اے۔ بچہ ہو تو گھر میں رونق ہوتا ہے۔ صاب بڑا آدمی اے۔ بوت مصروف رہتا ہے۔ آپ ٹھیک بولتا اے۔ پھر آپ کس سے بولو۔ صاب فیملی والا کو سرونٹ کوارٹر نہیں دیتا اے۔ اس سے بھی کوٹھی میں رونق ہو جاتا اے۔"

"تمہارے صاب خود تو تنہائی میں ایک منٹ رہنا پسند نہیں کرتے اور..." وہ جل کر بولی تھی مگر خود ہی بولتے بولتے رک گئی۔

"بڑے آدمی کا بڑا بات اے بیگم صاب۔ صاب خود بھی خوش رہتا اے دوسرا لوگ کو بھی خوش رکھتا اے۔" خان نے صاب کی دل کھول کر تعریف کی۔

"پتا نہیں وہ دوسرا لوگ کون اے۔" وہ جل کر بڑبڑائی۔

"آپ خوش رہا کرو بیگم صاب۔ اتنا بڑا آدمی کا بیگم اے۔ اتنا بڑا بنگلہ کا مالک اے۔ اچھا والا موٹر اے۔ نوکر چاکر اے اور کیا چاہئے۔ اللہ کا شکر اے۔" خان نے اس کی بوریت محسوس کر لی تھی۔ بڑے خلوص سے مشورہ دیا۔

"ان سب چیزوں سے خوشی ملتی ہے؟" ماہ نور نے تلخی سے کہا اور آہستہ سے ان پر دور تک نظر دوڑائی۔

"ام کیا ان سب کے لئے تو خدا کا بندہ ہر گ دوڑ کرتا ہے۔ پھر بھی کسی کسی کو ملتا اے یہ سب تو قسمت سے ملتا ہے۔" خان نے فلسفہ بگھارا۔

"تمہارے خیالات سے تو مجھے اتفاق نہیں مگر چلو غنیمت ہے اس ویرانے میں کوئی بول رہا ہے۔"

اس کے لہجے میں رعایت نہیں تھی وہ طنز اور صاف گو انداز جو خان کے لہجے میں غیر محسوس طور پر آ جاتا ہے۔

"یہ تو آپ کا بات ٹھیک اے۔" خان نے بڑی سادگی سے اتفاق کر لیا۔

"تمہارے بچے پڑھتے ہیں کتنے ہیں؟" اسے تو اس وقت باتیں کرنے کا دورہ پڑا ہوا تھا۔

"ام کا تو بچہ اے پانچ پڑھتا اے انگلش میڈیم میں چار ابی جاتا اے۔" خان نے انگلش میڈیم پر زور دے کر فخر سے بتایا۔

"ہوں۔ بچہ اتنا چھوٹا ہے کہ اسکول میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔ انگلش اسکول میں تو تین سال کا بچہ بھی داخل ہو جاتا ہے۔"

ماہ نور نے تعجب سے کہا تھا۔ بچوں میں چھ چھ مہینوں کا گیپ تو ہونے سے رہا۔

"سب سے چھوٹا بچہ ام ...... چھوٹا ڈیڑھ سال کا اس سے بڑا دو سال کچھ اوپر کا اور اس سے بڑا تین

سال کچھ اوپر کا۔ امارا گھر والی اتنا چھوٹا بچہ سکول بھیجنے کو نہیں مانتا اے۔ تین بچہ امارا فوت ہو گیا ورنہ امارا آٹھ بچہ اور چار بیٹیاں ہوتیں۔ خیر اللہ کا مرضی۔" خان نے تاسف و رضامندی کا ملا جلا اظہار کیا۔

"بچوں کی پڑھائی پر تو اچھا خاصا خرچہ ہو جاتا ہے۔ تنخواہ میں کس طرح گزارہ ہوتا ہے۔" ماہ نور کو حیرت ہوئی۔

"بچوں کی تعلیم کا خرچہ صاب دیتا ہے۔ ام اس کو خرچہ کا رسید دکھا کر پیسہ لے لیتا اے ام آپ کو بولا ماں اور ام افسر ہے۔ ام گاؤں میں اپنا تنخواہ بھیجتا اے سہولت بتاتا ہے تو گاؤں کا لوگ بولتا اے جمن خان تم کراچی میں نہیں ولایت میں اے۔"

(یہ خلوص اور انسانیت تو نہیں جو دل کو باندھے رکھنے کی وجہ ہو سکتی ہے۔ انسانیت ہوتی تو آج میں اس حال کو پہنچتی؟)

"بہت اچھی بات ہے مگر افسوس یہ ہے کہ یہ بہار کچھ دن کی ہے جب تک تمہارے صاب کو کوئی سوا سیر نہیں ملتا۔" ماہ نور نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا اور بند گیٹ کے زبردست کا جائزہ لینے لگی۔

"بیگم صاب! آپ سے ایک درخواست اے۔ آپ اندر کسی نوکر کو نہیں بولنا کہ ام آپ سے لمبی بات کیا اے۔ صاب لوگ سے فالتو بات کرنا منع اے۔" خان کو اچانک کوئی دھیان آ گیا۔

"مجھے کیا پڑی ہے تم غم نہ کرو۔" ماہ نور نے تسلی دی۔

"بٹلر آتا ہے ادھر۔" خان نے تھوڑا ڈرتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا تو ماہ نور چونک کر پلٹی اور سنبھل کر ادھر اک کے انداز میں چلنے لگی۔

"میم! آپ کا فون ہے۔"

"فون!" اس کے خفتہ حواس چونک پڑے۔ "کس کا ہے۔"

"صاحب کی مدر کا ہے۔" بٹلر نے مودبانہ کہا اور ایڑیوں پر گھوم گیا۔

اور وہ تقریباً دوڑتی ہوئی فون سیٹ تک آئی۔

"السلام علیکم اماں!" خوشی سے اس کی آواز کانپ گئی۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو کیا حال ہے؟" قمر النساء کے لہجے میں بھی بے تابی تھی۔

"حال مت پوچھیں آپ کی آواز سے اس ویرانے میں بہار آ گئی ہے۔ ابھی میں سوچ ہی رہی تھی کہ آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہو جائیں تو آرام سے فون کروں گی۔ بہت شکریہ کہ آپ نے یاد کر لیا۔" اس نے نارمل ہو کر بات کرنے کی کوشش کی۔

"اس میں شکریہ کی کیا بات ہر وقت دھیان تمہاری طرف ہی لگا رہتا ہے۔" قمر النساء بولیں۔

"معو وہ ٹھیک بخت کیسا ہے۔ گھر پر تو نہیں ہے۔ تمہارا نوکر بتا رہا تھا۔" وہ ماشا کی بابت پوچھنے لگیں۔

"جی اور اب شاید وہ اس گھر میں نہیں آئیں گے۔" اس نے ضد سے اکتاتے ہوئے کہا۔

"ہیں! کیا مطلب۔ کہاں گیا ہے کیا ہوا ہے؟" قمر النساء بے تابی سے پوچھنے لگیں۔ تشویش واندیشے ان کی آواز سے جھلکنے لگے۔

"اب فون پر آپ کو کیا بتاؤں؟ آپ آ جائیں سامنے بیٹھ کر سب کچھ بتا دوں گی۔ اماں! یہاں بالکل اکیلی ہوں۔ پلیز آپ کسی طرح آ جائیں۔" ماہ نور کی آواز بھرانے لگی۔

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹی! مگر پتا تو چلے وہ کہاں گیا ہے؟ کیا پھر پولیس..." وہ بولتے بولتے رک گئیں۔

"نہیں خیر ابھی ہماری پولیس کے اتنے حوصلے کہاں۔" وہ جیسے جل کر بولی۔

"اچھا۔" قمر النساء جیسے سوچ میں پڑ گئیں۔

"یہ استانی آئی ہوئی ہیں۔ ذرا ان سے سلام دعا کر لو۔" قمر النساء نے خود ہی راستہ بدل دیا۔

"استانی آئی ہوئی ہیں۔" ماہ نور خوشی سے بولی۔ "کاش وہ یہاں آ جاتیں۔ مجھے اس وقت ان کی بہت ضرورت ہے ورنہ تو میں اس ویرانے میں دم گھٹنے سے مر جاؤں گی۔ آپ ریسیور دیں استانی کو۔"

وہ جلدی جلدی یوں بولی جیسے بھوکا اتفاق سے ملنے والی روٹی کھا رہا ہو۔

"لو یہ بات کرو۔" قمر النساء نے کہا اور لمحاتی خوشی غائب ہو گئی۔

"ہیلو۔" استانی کی دھیمی آواز اس کی سماعت کو خوش آئی اور جیسے مرجھائے پودے پر پانی پڑ گیا تھا۔ ماہ نور کے اندر خوشی کی لہریں دوڑنے لگیں۔

"السلام علیکم خالہ جان!" وہ فرطِ مسرت سے بے تاب ہو رہی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ خوش رہو اپنے گھر میں۔" وہ کہہ رہی تھیں۔

"اپنا گھر! ہونہہ! آپ خالہ جان جیل دی آئی پی کو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے کوئی سیاستدان نظر بند ہو۔" اس نے بہت دکھی لہجے میں کہا۔

"چلو کوئی بات نہیں آزمائش پتھروں کی نہیں انسانوں کی ہوتی ہے بس آزمانے والے سے ربط و دوستی رہنا چاہئے۔ بہت اچھا موقع ملا ہے تمہیں اللہ سے قربت کا۔ بے کار فضول قسم کے دھندوں سے بچی ہوئی ہو۔ استغفار کیا کرو اور اسے بہت یاد کیا کرو آزمائش وقتی ہوتی ہے۔ مستقل بنیادوں پر نہیں ہوتی۔ ہر آزمائش کسی تبدیلی کا نشان ہے۔ کتاب محفوظ میں صاف تو لکھا ہے۔ نعوذ باللہ کیا پیارے دوست و غم خوار اور ہمدرد کی بات پر اعتماد نہیں؟ لکھا ہے ناں مشکل کے ساتھ آسانی ہے اور بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ (الم نشرح)"

"خالہ جان! یہ کیسے پتہ چلے کہ یہ آزمائش ہے یا سزا۔ انسان تو ہر تکلیف ہی کو آزمائش کہتا ہے۔" استانی عائشہ کے خاموش ہوتے ہی اس نے صبر سے انداز میں سوال کر دیا۔

"بہت آسان نشانی ہے۔ آزماتا ہے تو ساتھ صبر و استقامت اور ایمان کی قوت سے بھی نوازتا ہے جبکہ حالت سزا میں حالت بے چارگی ہوا کرتی ہے۔ ایمان بھی ڈانواڈول ہوتا ہے اور خیالات بھی بے ربط و سخت چاروں طرف اندھیرا ہوتا ہے۔ اور بند دروازے کبھی نہ کھلنے پر دل جم جاتا ہے۔ سونے سے پہلے سونے کے بعد یہ کیفیت مستقل ہوتی ہے۔ کسی صورت نہیں بدلتی۔ انسان ہر آن بس موت کی خواہش سے دوچار رہتا ہے۔ وہ موت کو واحد راستہ سمجھتا ہے تبدیلی کا ایسے میں انسان کو کثرت سے استغفار کرنا چاہئے اور اپنے ظالم ہونے کا اعتراف کرنا چاہئے کچھ بعید نہیں شرمندگی کا کوئی ایک قطرہ اس غفور الرحیم کو پسند آ جائے اور سزا سے نجات مل جائے۔ حوصلہ رکھو بیٹی...." استانی کے لہجے میں شفقت، محبت واضح تھی۔

"میں کوشش کروں گی۔" اصل میں میں تنہائی کی وجہ سے۔"

"تم تنہا نہیں بیٹی جب ہم اکیلے ہوتے ہیں تو اللہ ساتھ ہوتا ہے، جب دو ہوتے ہیں تو تیسرا اللہ ہوتا ہے یہاں کوئی ہستی کوئی شے اس کے حصار سے باہر نہیں۔ تنہائی میں اسے محسوس کرو۔ طاقت و دوست کی موجودگی کے احساس سے نئی قوت اپنے اندر محسوس کرو گی۔" استانی نے اس کی بات کاٹ کر پرسکون انداز میں جواب دیا۔

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ غلط کے ساتھ اگر منفی رویہ رکھیں تو کیا یہ بھی گناہ ہے؟" ماہ نور نے جیسے الجھ کر پوچھا۔

"ہمیں کسی طور منفی رویوں کی اجازت نہیں یہ سب ہمارے ذاتی اعمال میں گنے جاتے ہیں اور ہر انسان اپنے ذاتی عمل کا جواب دہ ہے برائی کا جواب برائی سے دینے سے تو بدی کی مقدار میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کمی تو نہیں ہو رہی نا بیٹی۔ میں نے تمہیں بہت سمجھایا تھا اگر تم نے سمجھ لیا ہوتا تو آج اس صورت حال سے دوچار نہ ہوتیں۔ غیر مستقبل تمہیں ندامت کر رہا نہیں صرف احساس دلاتا ہے۔"

استانی عائشہ کا ہموار لہجہ اس کے اندر نئی روح پھونک رہا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے خالہ جان! میں نے آپ کی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ عورتیں مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں۔ یہ میری بہت بڑی توہین ہے۔ پھر اس نے مجھے اپنی محبت کا شعور کیوں دیا تھا اگر مجھ سے محبت ہے تو میرے جذبات کا احترام کیوں نہیں کرتا؟" ماہ نور نے جیسے تڑپ کر سوال کیا۔

"تم نے اس کے جذبات کا کتنا احترام کیا؟ خود غرضی تو بیٹی روحانی امراض کی جڑ ہے۔ ام الامراض کہتے ہیں..... خود پسندی، تکبر، خود رائے ہونا سب امراض اس کی کوکھ سے پیدا ہوتے ہیں۔" استانی عائشہ نے محبت سے سمجھایا۔

"آپ ایک غلط انسان کے لئے اتنا سوفٹ کارنر کیوں رکھے ہوئے ہیں خالہ جان؟" اس نے جیسے زچ ہو کر پوچھا۔

"اس غلط انسان کا تم سے بہت مستحکم رشتہ قائم ہو چکا ہے۔ اس رشتے کے کچھ فطری تقاضے ہیں۔ تم نے وہ تقاضے پورے کئے؟ ہر رشتہ ذمہ داری کا ایک نشان ہے۔ ہر تعلق کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے۔ سمجھ رہی ہو ناں میری بات، جب دنیا آخرت میں میں نے اس کے جھے سزا نہیں کاٹا تو میں اسے حقارت سے کیوں مسترد کروں؟ اپنی جان پر جو بوجھ لاد رہا ہے خود ہی اٹھائے گا۔ اس میں سوفٹ کارنر والی کیا بات ہے۔ اچھا برا جیسا بھی ہے اللہ کا بندہ ہے میرا بچہ ہے جیسے تم میری بیٹی ہو پیاری سی بیٹی۔"

استانی عائشہ نے پھر محبت کی مٹھاس سے چور لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن غلط اور منفی رویوں پر احتجاج تو قدرتی طور پر ہوتا ہے، کراہیت تو آتی ہے۔" وہ اپنی جگہ اٹل تھی۔

"پہلے میں اپنا جھوٹا برتن مانجھ لوں بیٹی! اپنا دودھ ڈالنے سے پہلے میرا اپنا کھاتا پوشیدہ ہے۔ جانے کیا لکھا ہوا ہے کیا نا ہے۔" استانی نے جیسے بڑے کرب سے جواب دیا۔

"بیٹی! جو لوگ خلوص نیت سے اپنی ذمہ داریاں نبھاتے ہیں۔ ان کا صلہ، نتیجہ کبھی منفی نہیں ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ خواہش کے مطابق نتیجے میں دیر ہو جائے، تم خود اپنی ذمہ داریاں پوری کرو۔ جو کہ تمہیں کرنا چاہئیں۔ اس لئے کہ بیوی بننے کے بعد جو فطری ذمہ داریاں تم پر عائد ہوتی ہیں، وہ مزید کسی شرط کی پابند نہیں۔ تمہیں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں تمہارا حساب لیا جائے گا۔ اگر تمہارا شوہر تمہارے ساتھ دیانت دار نہیں، وفادار نہیں، اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتا تو وہ اپنا حساب خود دے گا۔ اگر اس محتسبِ حقیقی پر تمہارا اٹل یقین ہے تو دوسروں کی کوتاہیوں پر کڑھنے کا تمہیں کوئی حق نہیں، یہ محض عیب جوئی کے زمرے میں آتا ہے۔"

ماہ نور ان کی بات غور سے سنتے ہوئے قدرے خاموش رہی۔ پھر توقف کے بعد گویا ہوئی۔

"یعنی میں ان عورتوں کے ناز نخرے اٹھاؤں، ان کی خدمت کروں اور مزید خدمت کے لئے اپنا شوہر ان کے حوالے کر دوں؟" اس کے لہجے میں خود بخود تلخی سی گھل گئی۔

"نہیں۔ وہ عورتیں تمہاری ذمہ داری میں شامل نہیں البتہ تمہیں اپنے شوہر کے تمام حقوق ادا کرنے ہوں گے قطع نظر اس بات سے کہ وہ کس طریقے سے تمہارا شوہر بنا ہے۔ کیونکہ شرعی طریقے سے نکاح ہوا ہے اس لئے وہ تمہارا شوہر ہے اور اس کے حقوق ثابت ہوتے ہیں۔ میری بات پر غور کرنا۔ خود بخود آسانی کا کوئی حل تمہارے ذہن میں آ جائے گا۔ انشاء اللہ باقی باتیں تم سے ملاقات پر ہوں گی۔"

"پتا نہیں ملاقات بھی کب ہوتی ہے۔" اس نے یاسیت بھرے انداز میں کہا۔

"مثلاً ہر کل کا کہہ گئے ہیں۔ انشاء اللہ کل تم سے ملاقات ہوگی۔ جن کے شوہر پردیس میں روزی کماتے ہیں، وہ عورتیں بھی تو تنہا اپنا گھر سنبھالتی ہیں۔ گھر میں دسیوں کام ہوتے ہیں ان میں مصروف رہنے کی کوشش کرو۔" استانی عائشہ نے مشورہ دیا۔

"یہاں تو مل کر پانی نہیں پینے دیا جاتا۔ پانی لینے جاؤ تو کسی طرف سے ملازم نکل آتا ہے جی بیگم صاحب......

حکم۔" وہ طنزیہ بولی۔

"ٹھیک ہے وہ تمہارا ملازم ہے۔ پوچھنا اس کی ڈیوٹی ہے۔ تم کہہ دو کر کے جاؤ تم کوئی دوسرا کام کرو۔ مجھے پانی پینا ہے خود ہی لوں گی۔ وہ تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر تو پانی نہیں پلائے گا۔" استانی عائشہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ مسکراہٹ کا عکس ان کی آواز سے مترشح تھا۔

"ذرا غور سے گھر کا جائزہ دو۔ ملازموں پر انحصار کرنے والے گھر میں گھریلو کام کی عادی عورت کے لئے بہت کام نکلتا ہے۔ تم فون بند کر کے ذرا اپنے کام کا جائزہ لو تو۔" استانی عائشہ اسی سابقہ انداز میں ہم کلام ہوئیں۔

ماہ نور خاموش رہی..... (واقعی اس نے گھر کی مالکن کی نظر سے اس گھر کا جائزہ لیا ہی نہیں بظاہر تو بڑا ڈیکوریٹڈ گھر ہے)

"ٹھیک ہے..... اللہ حافظ۔" استانی عائشہ نے خود ہی خدا حافظ کہا۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ اس کی خاموشی کا مطلب ہے وہ کچھ "غور" کر رہی ہے۔

عارفہ اور طاہر علی نے بڑی اماں کی بات مان لی تھی اور بڑی اماں کے گھر سے شمسہ کی رخصتی پر رضا مند ہو گئے تھے۔ جمال کی والدہ و خالہ بھی انڈیا سے آ چکی تھیں۔ گھر میں حقیقی معنوں میں رونق اتر آئی تھی۔ نشاط تو ایسی تقریبات میں لیڈنگ رول ادا کیا کرتی تھی۔ وہ بھی آ کر براجمان ہو چکی تھی۔ شمسہ کا ٹھکانا نیچے اور جمال کا دوسری منزل پر چاند کے کمرے میں تھا۔ بڑی اماں نے ابٹن گھر میں تیار کیا تھا۔ وہ تھال میں لیے کسی طرف جا رہی تھیں کہ جمال سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔

"اتنی ساری ہلدی کا کیا کریں گی دادی جان؟" اسے غم دوراں کے بھی دورے پڑتے تھے۔

اوئی..... توبہ..... ہلدی؟ مار جانی پکان ہو گئی کوٹ چھان کرتے ابٹن ہے یہ۔ تمہارے اور شمسہ کے لیے تیار کیا ہے۔"

بڑی اماں نے برا مان کے جواب دیا۔ بڑی توہین ہوئی تھی ان کی محنت مشقت کی۔

"خوامخواہ آپ نے محنت کی دادی جان! ابٹن کو تو پارلر میں ہوتا ہوتا ہے اور مجھے تو اس کی خوشبو سے ہی الرجی ہے۔ پلیز آپ شمسہ ہی کو لگا دیجئے گا۔" جمال نے خاصے خوفزدہ انداز میں ابٹن کے پاؤڈر کو دیکھا۔

"کوئی ضرورت نہیں الرجی پلیز کرنے کی عمر میں ایک بار ہی نصیب کھلنے کا وقت آتا ہے۔ ان رسموں رسموں سے تو رونق ہوتی ہے۔ بے وقوف نہیں تو۔"

"حد ہو گئی جمال بھائی! لڑکے تو خوبصورت دکھائی دینے کے لیے جانے کیا کچھ کرتے رہتے ہیں۔ آپ ابٹن سے گھبرا رہے ہیں۔ یہ بڑی اماں کا تیار کردہ ابٹن ہے۔ جب آپ اس سے فیض یاب یا مستفید ہوں گے تو دیکھیے گا گولڈن ریز آپ کے چہرے سے نکلتی دکھائی دیں گی۔ ایسا نور کہ دیکھنے والے احساس کمتری کا شکار ہو جائیں گے۔ لڑکیاں سوچیں گی کاش ایسی اسکن ان کی ہوتی تو مقابلہ میں حصہ لیتیں۔"

مظہر نے بڑی اماں کے تیار کردہ ابٹن کی تعریف اور بڑی اماں کی تائید میں الفاظ چنے۔

"اس کی تو خوشبو میں خوشگواری نہیں تو..... خیر..... اگر میں کچھ بولوں گا تو دادی جان ناراض ہو جائیں گی۔" جمال کو بڑی اماں کے مزاج کی نزاکت کا دھیان ہوا۔

"ارے بیٹا! ابھی اس میں گلاب کا عرق چنبیلی (چنبیلی) کا تیل پڑے گا پھر دیکھنا کیسی خوشبو پھوٹے گی۔ ہفتوں جسم سے نہیں جائے گی۔"

"ہفتوں....." جمال کے ہوش اڑ گئے۔

"میں نے تو لوگوں سے بڑی اماں کے ابٹن کی اتنی تعریف سنی ہے۔ سال سال بھر دیواروں تک سے خوشبو آتی ہے انسان کا جسم کیا چیز ہے۔"

اظہار بھی گیلے بال تولیے سے رگڑتا نزدیک آ چکا تھا۔

"ارے ہاں..... تم کیا باندھو گے" اظہار تو یہ باندھتا ہے۔" بڑی اماں نے ناراضگی سے اظہار کی طرف دیکھا۔ "جتنے گا گرد ہو گیا مارا دائیں توانائی کیے چلے جاتے ہیں۔ ارے بچوں خوشی کی باتیں ہیں۔ مقدمہ بنا لیا اس ابٹن کو۔ دو دن نیچے چوکی پر بٹھا کر خود ملوں گی اپنے بچوں کو دیکھنا کیسا نور آئے گا۔" بڑی اماں نے بڑے دلار سے کہا۔

"یعنی ہم سب کے؟" اظہار نے تعجب سے پوچھا۔

"تمہیں تو تب ہی لگاؤں گی جب تمہارا وقت آئے گا۔ میں تو جمال اور شمسہ کی بات کر رہی ہوں بے وقوف۔" بڑی اماں کا موڈ بحال ہو چکا تھا۔

"ابھی آپ کا پرو وقت نہیں آیا انتظار فرمایئے۔" مظہر نے اظہار کی پیٹھ سہلائی۔

"تمہارے منہ میں خاک نہ تو نصیب کھلنے کا ٹھیک وقت ہوتا ہے۔ بولے چلے جائیں گے نہ سر نہ پیر۔" وہ اپنے رو تے پر بڑھیں۔

"اے اظہار! او دریا کو تو جا کر لے آ" میرے بچی کے بنا کیا رونق گھر میں" موت کے انتظار میں بیٹھی ہوگی۔ کہ آئے تو لے جائے" جنے وہ کب گھر پہنچا ایسے موقعوں پر تو بہنوں کو خود لینے جاتے ہیں۔ بہنوں کا مان بڑھتا ہے سسرال میں" میں نے فون تو کر دیا تھا کہ تیاری رکھو بھیجتی ہوں تمہارے کسی بھیجنے کو۔"

"مشکل ہے بڑی اماں! جو آج وہ آ جائے۔ آج کل وہ سوشل ورک کر رہی ہے۔ بچھڑوں کو ملا رہی ہے۔ میں آپ کو بتانا بھول گیا کہ وہ جو بانکی ہے ناں..... مومل والی؟" اظہار نے نشاندہی کی انداز سوالیہ تھا۔

"کیا ہوا اسے؟" بڑی اماں کو فطری تشویش ہوئی۔

"اسے کچھ نہیں ہوا بلکہ اس کے ساتھ بہت اچھا ہوا۔ ریا نے اس کے اصلی والدین ڈھونڈ نکالے ہیں۔" اظہار کو اہم خبر بہت دیر سے یاد آئی۔

"ہیں۔ بانکی کے والدین ارے تو بانکی اور مومل کے والدین کہو ناں۔" بڑی اماں الجھیں۔

"نہیں بڑی اماں! صرف بانکی کے والدین" مومل اس کی سگی بہن نہیں ہے۔ ان دونوں لڑکیوں کو اس بڑھیا نے اغوا کیا تھا جو ان کی ماں بنی ہوئی تھی۔" اظہار نے وضاحت کی۔

"اے میرے اللہ سچ کہو؟ میرا تو ماتھا پہلے ہی ٹھنکا تھا۔ اتنی عمر دار عورت اور اتنے چھوٹے بچے..... اچھا!" بڑی اماں خود کلامی کرنے لگیں۔

"اچھا تو تمہاری بہنا اب پولیس میں بھرتی ہو گئی ہیں؟" بڑی اماں کی اگلی سوچ فوراً ریا کی طرف گئی۔

"ارے اس نے کیسے کھوج لگائی؟ اللہ کی پناہ یہ لڑکی۔" بڑی اماں نے سر تھام لیا۔

"یہ تو آپ کو وہ خود ہی بتائے گی۔ ابھی تو انشاءاللہ وہ مومل کے والدین بھی ڈھونڈنے نکلے گی۔" مظہر نے مسکرا کے اظہار کو آنکھ ماری۔

"لو..... میں نے یہ بول کر ادھر سے نکالی تھیں کہ ان کو ٹھکانے پر پہنچاؤ۔ یہ مطلب تو نہیں تھا کہ ان کی جڑیں کھودنے بیٹھ جائے۔ خیر یہ تو کارنامہ ہی ہوا کہ بانکی کے ماں باپ ڈھونڈ نکالے۔" بڑی اماں تو یہ سن کر اپنے کام ہی بھول بیٹھیں۔

"بے چاری ریا" بڑی اماں بے چاری کو ہمیشہ گریس مارکس دیتی ہیں۔ کبھی دل کھول کر نمبر نہیں دیے۔ یہ بھی کہہ سکتی تھیں کہ

اتفاق سے ریبا سے بڑی نیکی "سرزد" ہو گئی۔ بہت ثواب ملے گا۔" اظہار نے ریبا سے اظہار ہمدردی کیا۔

"جنم جنم سے نفلوں کی بھوکی ہے وہ۔ مجھے کوئی تعجب نہیں لیکن کیا ابھی تک موٹل کو گلے میں لٹکائے پھر رہی ہے؟ اور اس بڑھیا کو حوالات نہیں پہنچایا؟ وہ نامراد کہاں ہے؟" بڑی اماں کا دماغ تیز تیز گردش کرنے لگا۔

"بڑے ظالم ہوتے ہیں یہ بچے اغوا کرنے والے۔ بچوں کے ماں باپ تو بھوڑ نمدور کو ہو جاتے ہیں۔" بڑی اماں کہہ رہی تھیں۔

"آپ کو پتا ہے بڑی اماں! بابا کی ماں لیڈی ڈاکٹر تھی۔ ریبا نے بتایا تھا۔" اظہار نے مزید بتایا۔

"تھی کیا مطلب؟ اب کہاں ہے؟" بڑی اماں اظہار کی شکل دیکھنے لگیں۔

"دوسری دنیا میں۔ وہ صدمے سے فوت ہو گئی تھی۔"

"اے ہے۔ آپ بتی کہوں کہ جگ بیتی' جدھر رخ کرو' نئی کہانی' یا اللہ ہم پر رحم فرما' چچ چچ' بتاؤ' بڑے لکھوں کی اولاد اس کم سنی میں تیری میری جوتیاں سیدھی کر رہی تھی۔" بڑی اماں دکھ سے چپ ہونے لگیں۔

"ہم اپنے دکھوں کو روتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ادھر ہر کسی کی' کسی طرح آزمائش ہو رہی ہے۔ اب موٹل کا کیا کیا ہے اس نے؟ کدھر رکھا ہے۔" اب بڑی اماں کا دھیان فوراً موٹل کی طرف گیا۔

"اسے اس نے عبدالستار ایدھی کے 'اپنا گھر' پہنچا دیا ہے۔ وہاں بے سہارا عورتیں رہتی ہیں' ہاتھ کے کام کر کے روزی بھی کماتے ہیں اور اس کو وہاں کھانے' سونے کا بھی ٹھکانا دیا جاتا ہے۔" اظہار کی ریبا سے تفصیلی بات ہو چکی تھی۔

"یہ اچھا کیا اس نے' شکر کوئی عقل کا کام کیا۔" بڑی اماں نے سکون کا سانس لیا۔ "ریبا کے گلے سے تو یہ 'ہار' اترے۔"

"تو کیا ہوا وہ کوئی ہار پہن لے گی۔ بہت شوق ہے اسے نئے نئے ہار لٹکانے کا۔" مظہر نے ہنستے ہوئے اظہار سے کہا۔

"اصل میں ان میں انسانیت بہت ہے۔ مجھے ان کی یہی کوالٹی بہت پسند آئی تھی۔" جمال نے خاصی دیر بعد حصہ لیا۔

"یعنی کیا مطلب ہے آپ کا ہم میں انسانیت نہیں ہے۔ کیا چنگیزیت دیکھی ہے آپ نے ہمارے اندر؟ اتنی اچھی لڑکی سے آپ کی شادی کرا رہے ہیں۔ یہ ظلم کر رہے ہیں آپ پر۔ یعنی ہم انسانیت سے عاری لوگ ہیں۔" اظہار نے جمال کی ٹھیک ٹھاک خبر لی۔ "بڑے افسوس کی بات ہے' دیکھو یار مظہر! تم نے۔"

"تم بلاوجہ مائنڈ کر رہے ہو۔ ہمارا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم ریبا کا اوروں سے کمپیئر کریں' ہم تو اس کی بیسٹ کوالٹی کی تعریف کر رہے ہیں۔ وہ تو اتنی سوفٹ ہارٹڈ ہیں کہ بلی کے بچے تک کی بینڈیج کر دیتی ہیں۔ فیڈر سے دودھ پلا رہی ہیں۔" جمال نے گھبرا کے وضاحت کی۔

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ ہم سب کو بلیوں کی فلاح و بہبود کے لیے ایک ادارہ بنانا چاہیے۔ جہاں سے سرٹیفکیٹ ایشو ہوں۔"

"اس میں جینئس ہونے کی بات ہے۔ ہم نے تو یونہی کہہ دیا تھا۔" جمال اظہار کے تابڑ توڑ جملوں کی تاب نہ لا سکا۔ گھبرا کر گویا ہوا۔

"توبہ ہے اظہار! کیا بچے کا پیچھا لے لیا۔ ایک ذرا سی بات کیا کر بیٹھا۔ اب اس بے چارے کو کیا خبر کہ نکھری تائی کنڑے مونڈے۔" بڑی اماں نے جمال کی جان چھڑانے کو کہا۔

"جی..... جی..... بڑی اماں پھر سے کہیے..... اصل میں "ڑ" اور "ڈ" بہت ہیں ڈھول ڈھماکے سے بجنے لگے۔"

اظہار نے ذرا تشویش ظاہر کی اور وضاحت کے لیے اشتیاق ظاہر کیا۔ سننے میں تو ضرب المثل دلچسپ لگی تھی۔

"اے ایسی کون سی مشکل بات کر بیٹھی' مطلب یہ ہے کہ بے کار نکمی' فارغ بیٹھی نائن' بیٹھی کاٹے بھینسوں کے بچھڑوں پر بھی استرا پھیرتی رہتی ہے۔ ان پر کون سا رواں ہوتا ہے موئی چکنی کھال پر استرے کا کیا فائدہ مگر وہ بے کاری میں یہی کرتی رہتی ہے۔

یہ حال تمہاری بہنا کا ہے۔ نہ سنجیدگی' نہ ذمہ داری' پھر پھپھو کا لاڈلا پیارا تھا ادھر سارا سسر نخرے اٹھانے والے' نوکر چاکر' کتے بلیوں کو پالتی پھرتی ہیں۔ بھئی کچھ تو کریں۔" بڑی اماں بڑبڑاتی ہوئی اپنی راہ چلیں۔

"لگتا ہے دادی جان نے بھی کچھ مائنڈ کیا ہے۔" جمال ذرا سا تذبذب میں مبتلا ہو گیا۔

"اتنے حساس نہیں بنتے جمال بھائی! غور سے دیکھیے اس دنیا کو سب ہی کچھ نہ کچھ مائنڈ کیے ہوئے ہیں۔ اگر کسی کا منہ اس طرف ہے تو اس وجہ سے کہ اس نے اس طرف والے سے مائنڈ کر کے اس طرف موڑا ہوا ہے' اس طرف والا یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ اسے محبت سے دیکھ رہا ہے حالانکہ اگر اس طرف۔"

"آ....." مظہر چیخ مارتا ہوا باہر کی طرف دوڑ گیا۔ اور سامنے سے آتی نشاط سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

"یا وحشت..... تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں آپا' وہ اس طرف۔" اس نے اظہار کی طرف اشارہ کیا۔ اظہار اپنے ہی شوشے پر لطف اندوز ہو کر قہقہہ لگا رہا تھا۔ جمال بکتہ رسی میں مصروف تھا۔ نشاط کو بہت مدت بعد اس گھر میں فطری خوشیوں کے رنگ اترتے دکھائی دیے۔

☆☆☆☆☆

"ریبا! بیٹے تم نے تیاری نہیں کی؟ تم تو کہہ رہی تھیں کہ بیوں سے ایک روز پہلے چلی جاؤ گی۔" شاہانہ بہت دنوں بعد اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

ریبا آنکھیں پھیلائے چھت کی سمت گھورتے ہوئے جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ ایک دم چونک پڑی اور ٹانگیں سمیٹ لیں اور خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اٹھ بیٹھی۔

"السلام علیکم..... ممی..... تیاری تو میں کر چکی ہوں۔ مون نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجھے دیر ہو جائے گی' ڈرائیور کو لے کر چلی جانا۔ مگر پھر اظہار بھائی کا فون آ گیا کہ میں لینے آ جاؤں گا۔ بس ان ہی کا انتظار کر رہی تھی۔"

"اچھا..... اچھا..... یہ تمہاری بہن تو شادی کے بعد انڈیا چلی جائے گی۔ فی الحال رخصتی کے بعد کی کہاں کی ارینج منٹ ہے؟" شاہانہ اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

"وہیں بڑی اماں کے ہاں ہی سب کچھ ہو گا۔ شمسہ رخصت ہو کر فی الحال تو فرسٹ فلور پر جائے گی اور کہاں ارینج منٹ ہو سکتی ہے۔" ریبا مسکرائی۔

"ایسا کوئی مسئلہ تو نہیں' یہ تمہارا گھر ہے۔ چاہو تو یہاں بھی انتظام ہو سکتا ہے۔" شاہانہ نے پیشکش کی۔

"اوہ تھینکس ممی! اصل میں چاند بھی کا کمرہ خالی ہے۔ وہی جمال بھائی کو دیا ہوا ہے۔" ریبا نے بتایا۔

"ہوں' گفٹ کیا دو گی بہن کو؟ کچھ سوچا ہے؟ میرا خیال ہے' تمہاری پھوپھو کی مالی پوزیشن خاصی کمزور ہے' کوئی ایسی چیز دے دو جو اس کے جہیز کی ویلیو بڑھا سکے' واشنگ مشین' اوون یا کوئی ڈریسنگ ٹیبل' فریج وغیرہ' کیا خیال ہے؟" شاہانہ اس وقت بہت فرصت اور موڈ میں اس سے باتیں کر رہی تھیں۔

"نہیں ممی! اب لوگ سب تو فیق' کیش ہی دے رہے ہیں۔ کیونکہ یہاں جمال بھائی کا اپنا کوئی گھر تو ہے نہیں اور سامان انڈیا لے جانا ظاہر ہے ایک مسئلہ ہوتا۔ بڑی اماں کی ہی تجویز ہے کہ کیش دے دیا جائے تاکہ اگر جمال بھائی پاکستان میں رہیں تو کوئی کاروبار کر لیں اور اگر انڈیا میں رہنا چاہیں تو وہاں اپنی ضرورت کی چیزیں خرید لیں۔" ریبا نے جواب دیا۔

"یہ بہت بہتر تجویز ہے۔ ٹھیک ہے۔ تم ایسا کرو مون کی طرف سے دس ہزار دے دینا۔ کیوں نا؟"

"جیسا آپ کہیں بلکہ آپ خود ہی مون سے کہہ دیجیے گا۔ میری تو اس سے اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"تم بھی تو بیٹی ہو بیٹے! ہر بات کر سکتی ہو اس سے میرا کہنا کوئی ضروری نہیں۔ یہ تمہارا گھر ہے۔ تم پورے کونفیڈنس سے بات کیا کرو۔" شاہانہ نے بہت محبت سے اسے گلے سے لگا لیا۔

(یہ وقت شاید مناسب ہے۔ نینا کے ٹاپک پر اس وقت ممی سے بات کی جا سکتی ہے) ریا نے سوچا اور قدرے توقف کر کے گلا صاف کیا۔

"وہ ریا! تم نے نینا کو گھر میں کب دیکھا تھا۔" شاہانہ شاید اپنے مقصد کی طرف آئی تھیں۔

"کیا مطلب ممی؟" ریا چونک پڑی۔

"مطلب یہ کہ شاید وہ تین چار روز سے گھر نہیں آیا۔ یہ عشی کی اطلاع ہے..... مجھے تو کسی کے آنے جانے کا پتا ہوتا ہے۔"

"او..... اس سے پہلے بھی کبھی ایسا ہوا ہے؟" ریا کو بھی تشویش ہوئی۔ جب سے اس کی شادی ہوئی تھی نینا سے ہیلو ہائے سے زیادہ بات نہیں ہوئی تھی۔ اول تو وہ نظر ہی کم کم آتا تھا۔

"ہاں مگر اتنے روز کبھی گھر سے غائب نہیں ہوا۔" شاہانہ بہت فکر مند نظر آ رہی تھیں۔

"اس کے دوستوں کے ہاں پتا کیا؟" ریا نے پوچھا۔

"ہاں..... مون نے فون کر کے معلوم کیا تھا۔ اس کا ایک دوست بھی کئی روز سے گھر نہیں ہے۔ اس کے گھر والے بھی تلاش کر رہے تھے۔ میں نے تمہیں اسی لیے ڈرائیور کے ساتھ جانے کے لیے کہا تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ مون کا تنہا سے ساتھ مشکل ہوگا۔ اور وہاں تمہارا انتظار ہو رہا ہوگا۔ یہ لڑکا تو ہمارے لیے مسئلہ بن چکا ہے۔ تمہارے ڈیڈی مجھے الزام دیتے ہیں کہ میں نے ڈھیل نہیں دی۔ غیر ضروری لاڈ پیار کر کے بگاڑ دیا ہے۔ سب ہی کہیں بچوں سے لاڈ پیار کرتی تھی۔ تمہارے ڈیڈی نے تو صاف انکار کر دیا ہے کہ میں اسے تلاش کرنے نہیں جاؤں گا۔ اب مون بے چارہ ہی اکیلا ہے۔ غصہ تو مجھے بھی بہت ہے۔ مگر ماں پھر ماں ہوتی ہے طرح طرح کے وہم آتے ہیں۔ شاید تمہیں مون نے بتا دیا ہو کہ وہ نارکوٹکس کا عادی بن چکا ہے۔ دو مرتبہ اس کا علاج کرا چکی ہوں مگر اس کی کمپنی ہی غلط ہے۔ پھر ان میں سے کوئی اس کو ٹریپ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اتنے ٹینشن میں رہتی ہوں کہ ٹرنکولائزر کے بغیر نیند نہیں آتی۔ یقین کرو۔"

شاہانہ پہلی مرتبہ بہو کے سامنے اپنے دکھ درد کہہ رہی تھیں۔ "اس قسم کے بیٹے اس نے دیے ہیں کہ میں تو کسی سے ذکر بھی نہیں کر سکتی۔ ہمت ہی نہیں پڑتی۔ ورلڈ وائڈ بزنس وائنڈ اپ کر کے کسی جنگل میں بسنے کو جی چاہتا ہے۔" وہ بہت شکستہ انداز میں کلام کر رہی تھیں۔

"نہیں ممی! آپ ہمت نہ ہاریے۔ اس مرتبہ اس کا علاج کرا کر اسے یورپ بھجوا دیں اسٹڈی کے لیے۔ تاکہ وہ اس بیڈ کمپنی سے دور ہو جائے۔" ریا کی جو سمجھ میں آیا اس نے مشورہ دے دیا۔

"ہاں یہی ٹرائی کی تھی۔ مگر کامیابی سے پہلے ہی وہ اپنے پچھلے راستے پر مڑ چکا تھا۔" شاہانہ نے تاسف بھرے انداز میں بتایا۔

"نہیں۔ آپ اس مرتبہ ٹرائی کیجیے گا۔ میں آپ کی پوری ہیلپ کروں گی۔ علاج کے بعد گھر آ جانے کا تو میں اسے گھر سے نکلنے ہی نہیں دوں گی۔ نہ اسے کسی دوست سے ملنے دوں گی۔ جب تک وہ ملک سے باہر نہیں چلا جائے گا میں گھر سے باہر ہی نہیں جاؤں گی۔" ریا نے بڑے جوش و خروش سے اپنے تعاون کا یقین دلایا۔

"میں نے تمہیں پہلی مرتبہ میں پسند کیا تھا۔ شکر ہے میرا سلیکشن اچھا ہے۔ تم مجھے اپنی بیٹی کی طرح لگتی ہو۔ میں نے تمہیں ساس کی نظر سے کبھی نہیں دیکھا۔"

"تھینک یو ممی۔" ریا نے تشکرانہ کہا۔

"جب میں تمہارے ایج کی تھی تب سے بزنس دیکھ رہی ہوں۔ میرے والد میری صلاحیتوں پر اعتماد کرتے تھے ان کے اعتماد کی وجہ سے میں نے بزنس میں گہری دلچسپی لے کے اسے پھیلا دیا ہے۔ میں بہت خوش رہتی تھی ایسا لگتا تھا ہر شے قدرت نے میرے اختیار میں کر دی ہے۔ ہر سال نئے ماڈل کی گاڑی لیتی تھی۔ بھاری جیولری پسند نہیں تھی۔ بس ایک سے ایک کوالٹی کا ڈائمنڈ پہنتی تھی۔ میری پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے والد نے ڈائمنڈ کے جڑاؤ کنگن میری شادی پر عطا کر دیے تھے جن کی مالیت آج سے پچیس سال پہلے ساڑھے تین لاکھ تھی۔ غرض یہ کہ میری ہر خواہش کی تکمیل ہوئی تھی۔ مجھے بے مزہ ہونے کا شعور نہیں تھا۔ ہر پسندیدہ شے رینج میں لگتی تھی پھر ماں بنی تو دو بچوں، بیٹے کی آہ مگر اب احساس ہوتا ہے میں نے کہیں لوز کیا ہے جس کی مجھے سزا ملی ہے۔ سب کچھ ہے مگر ہونے کی لذت سے محروم ہو گئی ہوں۔ بالکل تہی محسوس کرتی ہوں۔ ایسے میں تمہاری اور مون کی ذات مجھے کسی نعمت سے کم نہیں لگتی۔ مجھ سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو یہ سوچ کر اگنور کر دینا کہ تمہاری ممی کے پاس اب ذہنی صحت کی کمی ہو چکی ہے۔"

ریا نے گلے سے لگ کے ان کا ہاتھ چوم لیا.....

"کیسی باتیں کر رہی ہیں ممی..... آپ تو بہت اچھی ہیں۔ آپ تو ساس لگتی ہی نہیں ہیں۔ بڑی اماں نے تو ساس کا ایسا نقشہ بنایا ہوا تھا کہ مجھے شادی سے ہی ڈر لگتا تھا۔" ریا بولی۔

"تم واقعی بہت کیوٹ ہو ریا! تمہارے اس گھر میں داخل ہونے سے بہت پہلے میں اور طرح سے زندگی کو سوچا کرتی تھی میرا لائف پیٹرن ڈفرنٹ کچھ اور طرح کا تھا۔ صرف اپنی ذات کو انجوائے کرنے والے ایفیئرز پر اپنی کیلوریز خرچ کرتی تھی نفع نقصان کے علاوہ زندگی میں دوسری سوچ نہیں تھی۔ تمہارے ڈیڈی سے ہمیشہ اختلاف و لڑائی رہی اسی وجہ سے ہزبینڈ کی پارٹنرشپ کی لذت سے محروم رہی۔ جو بھی شادی کے بعد اس لذت سے محروم رہتا ہے۔ وہ بہت بدمزاج و چڑچڑا ہو جاتا ہے اور میں اسی 'مرض' کی وجہ کچھ اور سمجھتی رہی۔

آج میں تمہیں یہ سب کچھ اس لیے بتا رہی ہوں کہ شاید میرے نقصانات تمہارے فائدے کی بیس (بنیاد) بن جائیں۔ اور یہ جو ہم نے اتنا کچھ حاصل کیا ہوا ہے۔ تم خوشی کے احساس کے ساتھ اسے استعمال کرو۔ یعنی انجوائے کرو۔ بس ان سب نعمتوں کے نشے میں مدہوش نہ ہو جانا۔ ورنہ یہ سب نعمتیں موجود ہونے کے باوجود بے لذت ہو جائیں گی۔ خوشی غم میں تبدیل ہو جائے گی۔ خدانخواستہ۔

اللہ کرے تم ان نعمتوں سے لطف انجوائے کرو۔ صرف ایک بیٹے جس کی پیدائش پر میں بہت بے پرواہ ہوئی تھی۔ اسی کے ذریعے اللہ نے مجھے سزا دی ہے کہ زندگی کے ہر لطف کا احساس مٹ چکا ہے۔ نارمل بیوٹی فل اسمارٹ بچہ پیدا کیا تھا میں نے۔"

ریا کو حیرت ہوئی تھی کہ وہ اس پر اتنا اعتماد کرنے لگی تھیں کہ اپنی کمزوریاں خامیاں بے جھجک اس پر ظاہر کر رہی تھیں۔

"ممی! غلطی تو ہر انسان سے ہوتی ہے۔ اور اللہ معاف بھی کرتا ہے۔ آپ کیوں مستقل قسم کا گلٹ (Guilt) فیل کر رہی ہیں۔ اس طرح تو آپ بیمار اور ویک ہو جائیں گی۔"

اس نے شاہانہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا لیا۔ دیتے ہوئے محبت و ہمدردی کے ملے جلے احساس کے ساتھ کہا۔

"یہ تو تیر ہے ریا..... جب رات کو نیند نہیں آتی تو یوں محسوس ہوتا ہے میں اس شاندار کوٹھی میں نہیں اہرام کے کسی کھنڈر نما محل میں کھڑی ہوں۔ ایک ممی کی طرح جو سب کچھ کسی جنگ میں گنوا کر نقصانات کی لسٹ تیار کر رہی ہو۔"

"او ممی! آپ کا ڈپریشن تو بہت بڑھا ہوا ہے۔ آپ میرے ساتھ کسی ڈاکٹر کے پاس چلیں۔" ریا تو شاہانہ کی باتوں سے خوفزدہ ہو گئی۔ گھبرا کر بولی تھی۔

"اف ڈاکٹر تو پتا نہیں کیا کیا اپروچ کر کے میڈیسن پر ڈال دیتے ہیں سکون دینے والی گولیاں یعنی خود کو دھوکا دینے والی

گولیاں۔ جو ہمیں ٹائم ویس کی پابندیوں سے تھوڑی دیر کے لیے نجات دے دیتی ہیں۔ صرف تھوڑی دیر کے لیے جبکہ میں تمہیں بتاؤں جب رات کی تنہائی میں میں سارے لوسس (نقصان) اکٹھے کر رہی ہوتی ہوں تو میں نائن بھی گین کر رہی ہوتی ہوں۔ مجھے اندازہ ہوا ہے کہ انسان جس پوائنٹ پر خود کو پراؤڈ فیل کر رہا ہوتا ہے قدرت اسی پوائنٹ سے غرور کی سزا دیتی ہے۔ اسی نعمت کو سزا میں تبدیل کر دیتی ہے۔" وہ کسی خیال میں گم کہہ رہی تھیں۔

"ممی! میں نے تو آپ کو کبھی غرور سے بات کرتے نہیں دیکھا۔ آپ کیوں زبردستی خود کو گلٹی فیل کرا رہی ہیں۔ اتنی ڈپریسڈ نہ ہوں ان شاء اللہ سنی آ جائے گا۔ وہ کیئرلیس ہے کہیں مگن ہوگا۔ آ جائے گا۔"

ریبا کو شدید دکھ نے آلیا اسے شاہانہ پر بہت ترس آ رہا تھا بس نہیں چل رہا تھا کہیں سے خوشی ڈھونڈ کر ان کے لیے ادھار پکڑ لائے۔

"نہیں ریبا! تمہیں پتا نہیں سنی کی پیدائش کے بعد میں واقعی بہت پراؤڈ ہو گئی تھی۔ مون مجھے آنکھ کے تنکے کی طرح چبھتا تھا۔ میں سوچتی تھی کہ تمہارے ڈیڈی نے میرے پیسے سے پیسہ بنایا ہے۔ اس میں مون بھی شیئر کرے گا۔ اس کا کیا حق ہے۔ یہ خالص اس کے باپ کا تو نہیں ہے۔ اس کی ماں کو تو شادی میں جہیز تک نہیں ملا تھا۔ جو کچھ اس کے پاس جائے گا اتنا میرے بیٹے کے پاس کم ہو جائے گا۔ آہ......" شاہانہ کی آنکھوں سے دو قطرے ٹپکے اور ان کے گریبان میں اتر گئے۔

ریبا نے انگلیوں کی پوروں سے شاہانہ کی آنکھیں صاف کیں۔

"کوئی بات نہیں ممی! انسان سے تو پتا نہیں کیا کیا غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ آپ سوچتی تھیں۔ اب تو نہیں سوچتیں ناں...... بس اب چھوڑیں ان سب باتوں کو۔"

ریبا تو دکھ کے احساس سے پھڑپھڑانے لگی۔ (لوگ تو پتا نہیں کیا کیا کرتے ہیں اور انہیں مرتے دم تک بھی احساس نہیں ہوتا۔)

"یوں سمجھو ریبا...... ! میری حالت اس جواری کی سی ہے جو اپنی ساری پونجی ہار چکا ہو اور ساتھ ہی یہ یقین بھی ہو کہ اب کوئی ایسی شے اس کے پاس کوششوں کے باوجود بھی نہیں آسکتی جو دوبارہ بازی کھیلنے کی کوشش جیتنے کے شوق میں کرے۔" شاہانہ کی آواز جیسے کہیں دور سے آ رہی تھی۔

"ممی! ایسی کوئی بات نہیں ہے جو آپ ٹوٹلی مایوس ہو جائیں۔ بس یہ بڑھا ہوا ڈپریشن ہے۔ چلیں آپ لیٹ جائیں میں آپ کا سر دبا دوں۔ یا کہیں تو سر میں تیل ڈال کر مساج کر دوں۔ اس سے بھی بڑا سکون ملتا ہے۔ بڑی اماں کہتی ہیں سر میں تیل ڈال کر مساج کرنے سے انسان چاق و چوبند ہو جاتا ہے۔ ذہنی و جسمانی تھکاوٹ دور ہوتی ہے۔"

"یہ تو وہ تھکن ہے جو شاید موت بھی نہ اتار سکے۔" وہ اسی کیفیت میں بولیں۔

"خیر...... تم کہتی ہو تو تیل ڈال دو۔ شاید تھوڑا آرام تو مل ہی جائے۔" شاہانہ خود بھی اس کیفیت سے نجات چاہتی تھیں۔

ریبا تیزی سے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گئی اور ایک تیل کی شیشی اٹھا لائی۔ اس وقت مارے ہمدردی کے برا حال تھا۔ وہ شاہانہ کو فوری طور پر پرسکون دیکھنا چاہتی تھی۔

اس نے شیشی کا ڈھکن کھول کر تھوڑا سا تیل ہتھیلی پر انڈیلا اور چھپاک کی آواز سے ہاتھ ان کے سر پر رکھ دیا اور انگلیوں کی پوروں سے دھیرے دھیرے مساج کرنے لگی۔

"ریبا! ہمارا خاندانی بیک گراؤنڈ بہت مضبوط ہے۔ مجھے اپنے خاندانی ہونے پر بہت ناز رہا ہے۔ مگر اب یہ تاج بھی میرے سر سے گر چکا ہے۔ ہمارے ہاں خاندان کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے کہ اس سے اندازہ لگا لو میرے والد نے دولت مندوں کے پرپوزل ہوتے ہوئے نفیس خواجہ کا پرپوزل منظور کیا تھا جو اس وقت سرکاری محکمے میں چھوٹا سا افسر تھا کہ اس کا خاندانی ہونا ثابت تھا

بلکہ نفیس خواجہ تو شاید مجھے پرپوز کرنے کی ہمت کر ہی نہیں سکتے تھے۔ انہیں تو میرے والد نے میرے لیے خود انتخاب کیا تھا۔

ہمارے ہاں قدرتی طور پر اولاد کم ہوتی ہے۔ کسی کے ہاں دو کسی کے ہاں ایک۔ بہت کم کسی کی فیملی میں تین بچے ہوتے ہیں۔ بس جیسے تبرک کی طرح ہم اپنی اولادوں کو سمجھتے ہیں پالتے ہیں بچوں کی بہت قدر کرتے ہیں۔ پیدا ہونے والے کا شاندار استقبال کرتے ہیں۔ اپنے خاندانی بچوں کو سب سے بڑا اثاثہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے بچے ماں اور باپ دونوں طرف سے اچھے خون کا فخر لے کر دنیا میں آتے ہیں۔

شاہانہ بولتے بولتے چپ ہو گئیں۔

ریبا انتظار کرنے لگی کیونکہ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ بات مکمل نہیں ہوئی۔ وقفہ ہوا ہے۔ وہ اسی طرح دل جمعی سے مساج کرتی رہی۔

"مگر اب میرے پاس کوئی ایک چیز ایک بات بھی ایسی نہیں جس پر میں فخر کر سکوں۔ خوش ہو سکوں...... ریبا! کسی نعمت کے نہ ہونے سے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی نعمت مل کر چھن جانے میں ہوتی ہے۔ اور یہ انسان کے لیے اس دنیا میں بہت بڑی سزا ہے۔ یہ اذیت کتنی بڑی ہے کہ دکھ ایسا ہو کہ منہ سے بتا بھی نہ سکیں۔"

"ممی! سب کچھ تو بتا رہی ہیں آپ۔ جو رہ گیا ہے وہ بھی بتا دیں۔" ریبا ان کے "خاندانی" فخر و زعم کے ذکر پر کچھ کچھ سمجھ تو رہی تھی کہ ان کا اشارہ اب کس دکھ کی طرف ہے۔ اس کا جی چاہا آج وہ اس سے کچھ بول پڑیں تاکہ وہ اپنا پرپوزل پیش کر دے۔ اور پھر خوشی کا بھرپور احساس کہ وہ بہو کی بجائے دوست کی طرح شیئر کرتی ہیں جسم و جاں میں عطر بن کر گھل مل جائے۔

"کیا بتاؤں...... اپنے آپ سے کہتے ہوئے شرم آتی ہیں۔" انہوں نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

ریبا خاموش رہی اور مساج کرتی رہی۔

"تمہارے ڈیڈی کو اگر بتاؤں تو وہ مجھے ملامت کریں گے۔ اور شاید کسی صورت معاف نہ کریں۔ ابھی سنی کا کچھ پتا نہیں چل رہا تو وہ بہانے بہانے سے مجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہاری غلط تربیت کی وجہ سے ہی ان حالوں کو پہنچا ہے۔ تم نے اس کی نگرانی نہیں کی۔ اس کو لوز چھوڑ دیا۔ اس کی کمپنی کا نوٹس نہیں لیا وغیرہ وغیرہ۔" وہ جیسے روہانسی ہو رہی تھیں۔

"تو آپ نہ بتائیں ڈیڈی کو مجھے بتا دیں میں کسی سے ذکر نہیں کروں گی۔ مون سے بھی نہیں۔ بعض اوقات کسی سے دکھ کہہ دینے سے بھی دل و دماغ ہلکے ہو جاتے ہیں۔" ریبا اندر سے بہت پرجوش ہو رہی تھی بظاہر سکون سے بات کر رہی تھی۔

"مون کو تو خیر پتا ہے اسی وجہ سے تھوڑا ایزی فیل کرتی رہی ہوں۔"

"تو پھر مجھے بھی بتا دیں وہ ایزی ہو جائیں گی۔" ریبا جیسے ان کے منت کچھ سننے کو بے تاب ہو رہی تھی اور جلدی جلدی ہاتھ چلا رہی تھی۔

"بس رہنے دو تھک گئی ہو گی۔ واقعی مساج سے بہت فرق محسوس ہوا ہے۔ بہت سکون ملا ہے۔ خوش رہو۔ واقعی ایسا لگ رہا ہے کہ میری بیٹی میرے پاس ہے۔ بڑی اماں نے تمہاری بہت اچھی تربیت کی ہے۔ ہمارے لیے تو تم ان کی طرف سے بہت اچھا تحفہ ہو۔" شاہانہ نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"تھینکس ممی! آپ نے ایسا فیل کیا۔ بڑی اماں کہتی ہیں کہ تم نے تو مجھ سے کچھ سیکھا ہی نہیں بہت پھوہڑ اور بدسلیقہ ہو۔" ریبا نے فطری منہ پھٹ انداز میں بڑی اماں کے خیالات بتائے۔

"ارے نہیں! ایسے ہی کہہ دیتی ہوں گی۔ تم نے اپنا کمرہ بہت اچھی طرح سیٹ کیا ہوا۔ میں نے کبھی تمہارا کمرہ الٹ پلٹ نہیں دیکھا۔ خود بھی اچھی طرح رہتی ہو۔ شمسی بتا رہا تھا کہ کچن کی صفائی بھی کر لی رہتی ہو۔ مجھے سن کر خوشی ہوتی ہے۔ اچھی ذات ہے جو تم اپنا گھر ہے تمہیں دلچسپی لینا چاہیے۔" شاہانہ نے اس کی تعریف کی۔

"ہاں تو ممی! آپ کچھ بتا رہی تھیں؟" ریحا نے شاہانہ کو ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے دیکھا۔

"چھوڑو ریحا! تمہیں بتا بھی دیا تو کوئی حل تو نہیں نکلے گا۔ البتہ افسوس ہی ہوگا بلاوجہ۔" شاہانہ نے پھر ٹال دیا۔

"آپ بتانے سے پہلے یہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ کوئی حل نہیں نکلے گا۔ کیا پتا نکل ہی آئے۔" ریحا نے اصرار کیا۔

"مسئلہ بہت بڑا ہے اور تم بہت چھوٹی ہو۔" شاہانہ کی جیسے ہمت ہی نہیں تھی بتانے کی۔

"آپ بولیں تو سہی! آپ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کریں گی..... اور انشاءاللہ کوئی حل بھی نکل آئے گا۔"

ریحا کے ہاتھوں کی گردش رک گئی۔ وہ ان کے شانے پر سے چہرہ نکال کر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "چھوٹی ہوں تو کیا ہوا، پریکٹیکل لائف میں تو آ گئی ہوں نا۔" اس نے دلیل دی۔

"ہاں..... میری جان! یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔" وہ جیسے سوچ میں پڑ گئیں۔

"اصل میں یہ بیوقوف بھی سنی کی طرف ہی سے ہے۔ وہ اتنی چھوٹی عمر میں ایک بچی کا باپ بن چکا ہے۔" وہ اتنا کہہ کر پھر سوچ میں پڑ گئیں۔

"اچھا..... کیا اس نے خفیہ شادی کر لی ہے؟" ریحا نے انجان بن کر سوال کیا۔

"کاش خفیہ شادی ہی کر لیتا مگر اس نے حد سے زیادہ جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ اس نے ایک لڑکی کو ریپ کیا ہے۔ لڑکی بھی وہ جو خاندان اور اسٹیٹس کی ہوتی تو میں زبردستی سنی کی شادی اس سے کر دیتی۔ مگر اب میں ایسا نہیں کر سکتی۔ مذاق بن جائیں گے ہم۔"

"کہاں رہتی ہے وہ لڑکی؟" ریحا نے پھر انجان بن کر پوچھا۔

"پتا نہیں۔ اب کہاں رہتی ہے۔ یہاں سے تو تم نے دیکھا تھا۔ اظہار سے پتا چلا تھا کہ بڑی اماں نے نکال دیا ہے۔"

"کون سی بوا؟" ریحا نے تعجب کا اظہار کیا۔

"ہاں وہی بدنصیب! اب تم ہی کہو! اس کا ذری سے میں سنی کی شادی کیسے کر سکتی تھی۔ وہ بھی اپنے گھر کی ملازمہ سے۔ کوئی تو کوالٹی ہوتی کہ میں اپنے خون کی خاطر کوئی بڑا قدم اٹھانے کا حوصلہ پیدا کرتی اپنے اندر۔"

"اور واقعی یہ تو بہت مشکل کام ہے۔" ریحا نے تائید کی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرے خاندان کا اعلا خون ایک گنوار ملازمہ کی کوکھ میں پلے گا۔ یہی وجہ ہے بچی میں نے اپنی کسٹڈی میں رکھی ہوئی ہے۔" شاہانہ نے اپنے حساب سے گویا ریحا کو مطلع کیا۔

"کیا مطلب بچی آپ کے پاس ہے؟ مگر کہاں؟" ریحا انجان بننے پر مجبور تھی کہ وہ خود کو شروع ہی سے لاعلم ظاہر کر چکی تھی۔

"کیا ہوا ہے اس کا انتظام لیکن یہ فکر رہتی ہے اس طرح چھپا کر بچی کو کتنا عرصہ رکھا جا سکتا ہے۔ وہ اسکول بھی جائے گی سمجھ دار بھی ہوگی۔ اپنے ماں باپ کا بھی پوچھے گی۔ اسے کیا بتایا جائے گا۔ صرف ایک ملازمہ کے ساتھ کب تک رکھا جائے گا۔ ایک آزاد انسان کی طرح زندگی گزارنا اس کا بیسک رائٹ (بنیادی حق) ہے۔ وہ تو بالکل بے گناہ ہے نا؟ اگر سنی کی شادی کے بعد اس کے ہاں بچی ہوتی تو میں کس کس طرح خوشی مناتی..... بلکہ جشن مناتی، میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا اور اب میری اولاد، میرا خون کس طرح پرورش پائے گا کسی مجرم کی طرح۔ بہت سی ننھی خوشیوں سے محروم مجبور رہتے ہوئے۔"

شاہانہ کی آواز بھیگنے لگی۔ ریحا کے لیے شاہانہ کا یہ روپ بہت انوکھا اور حیران کن تھا۔ بنی ٹھنی فیصلے سناتی، پُراعتماد حکم صادر کرتی شاہانہ۔ کہاں آج شکستہ چور چور سا انداز۔

ریحا ان کی بات سن کر کچھ دیر سوچتی رہی۔

"ممی! یہ ایسا حل نہ ہونے والا مسئلہ بھی نہیں ہے۔ بہت سے بے اولاد لوگ بچے اڈاپٹ کر لیتے ہیں اور بہت سے اچھی طرح پالتے ہیں۔ اگر ایسا کوئی کپل آپ کی نظر میں ہو۔" وہ اپنے مطلب کی بات کرتے کرتے ایک دم رک گئی۔

"ہاں! یہ حل تو میرے ذہن میں بھی ہے۔ امریکہ میں میری اپنی کزن ہے۔ پاکستان آنے والی ہے چند روز تک۔ لیکن میں تو یہ سوچتی ہوں کہ اس کے پاس اتنا کچھ ہے اس کے باوجود ہماری اولاد ادھر ادھر پلے۔ کسی طرح اسے خود ہی گود لے لوں تو تمہارے ڈیڈی نہیں مانیں گے کہ دو دو بچوں کے ہوتے ہوئے ہم کوئی چھوٹا بچہ گود لیں۔"

"ہاں تو پھر وہ بے بی مجھے دے دیجیے۔ تب تو ڈیڈی رضامند ہو جائیں گے؟ آپ میری طرف سے ان سے اجازت لے لیجیے۔" ریحا اپنے مطلب کی بات کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

شاہانہ تو یوں ہو گئیں جیسے مرجھائے سبزے پر پانی پڑا ہو۔

"ریحی ڈارلنگ! کیا تم خوشی خوشی یہ ذمہ داری اٹھا لو گی؟" انہیں جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"مجھے بچے بہت اچھے لگتے ہیں ممی! اور پھر میرے پاس یہاں وقت بھی بہت ہے۔"

"تم نے میرا مسئلہ ہی حل کر دیا۔ تھینکس ریحا! اس طرح ہمارا بچہ ہماری آنکھوں کے سامنے تو رہے گا۔ قانونی ہے یا غیر قانونی، خون تو ہمارا ہے نا! وہ ہماری اولاد کی ہے۔ اس بچے کی تو کوئی غلطی نہیں۔" شاہانہ کے اندر جیسے توانائیاں دوڑنے لگی تھیں۔

ریحا ان کو خوش دیکھ کر جیسے خود کسی احساسِ جرم میں گھر گئی۔

(نہ ان کی خطا ہے نہ سنی کی مگر دکھ و پریشانی سے گزرنا ان کے حصے میں آیا۔ میں یا مون کیا احسان کریں گے؟)

"تم آج ہی مون سے بات کر لینا، میں تمہارے ڈیڈی کو رضامند کرنے کی کوشش کروں گی۔ ٹھیک ہے ریحا! تم نے مسئلہ بھی بہت اچھا کیا! مجھے میرے مسئلے کا حل بھی دے دیا۔ بہت ہی اچھی بیٹی ہو۔ تم دیکھنا تمہیں بہت خوشیاں ملیں گی۔ انشاءاللہ۔" شاہانہ نے ریحا کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

دونوں جتنی زیادہ مسرور ہو رہی تھیں۔ اتنی ہی زیادہ کوئی چیز ریحا کے اندر کہیں نشانے پر آتی جا رہی تھی کہ وہ شاہانہ کے ان خالص جذبوں کی حقدار نہیں ہے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ شاہانہ کو واقعے کے اصل کردار کا نام بتا دے..... مگر ایک نادیدہ سے خوف نے دل کے اندر ٹمٹماتے چراغ کی لو پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

اس نے بڑے بجھے بجھے سے انداز میں شیشی کا ڈھکن لگا کر شیلف پر رکھ دیا۔

☆☆☆

وہ کافی دیر سے کمرے کی کھڑکی سے چپکی کھڑی ہوئی تھی۔ ذہن کہیں دور اڑانیں بھر رہا تھا۔ اس کے سامنے گھر کا بیرونی منظر تھا اور گیٹ کے پار بچھی ہوئی سڑک۔ جس پر اکا دکا گاڑیاں دوڑتی نظر آ رہی تھیں۔

معاً ایک گاڑی گیٹ کے پاس آ کر رکی۔ وہ غور سے دیکھنے لگی۔ ایک دم خوشی سے آنکھیں چمک اٹھیں۔ گاڑی کے اگلے دروازے سے مظاہر اترتے دکھائی دیے اور پچھلے دروازوں سے اسماء، عائشہ اور قمر النساء اتریں۔ وہ کمرے سے باہر کی طرف بھاگی۔ خوشی سے حال برا تھا۔

وہ دوڑتی ہوئی گیٹ کے قریب پہنچی۔

چوکیدار گیٹ میں بنی چھوٹی سی کھڑکی میں منہ دیے کھڑا تھا۔

"خان! گیٹ کھولو! کیا سوال جواب کر رہے ہو۔ پاشا کی والدہ آئی ہیں۔" نور نے چوکیدار کو حکم دیا۔

"بی بی! صاحب ہم کو بولا ہے یہ پاشا کا والدہ ہے۔ پر ہم کو پرمیشن نہیں اسے کوئی اندر نہیں آ سکتا۔ صاحب کا حکم نہیں اسے

ادھر کا نوکر آ جا سکتا ہے اور کوئی نہیں ام کو معافی دینا اس بات کی۔" خان بہت طریقے سے معذرت کر رہا تھا۔

"تم گیٹ کھولو۔ پاشا سے میں خود بات کرلوں گی۔" ماہ نور حکمیہ بولی۔ بے بسی اپنے عروج پر تھی رکاوٹ جھنجلاہٹ پیدا کر رہی تھی۔

"آپ تو صاب سے بات کرلو گے بیگم صاب..... پھر صاب ام سے بھی تو بات کرے گا۔ اس کا حکم نہ ماننے کا مطلب ہے نوکری سے چھٹی۔ ام کو تنخواہ ہی اس بات کا ملتا ہے۔ آپ بات کو سمجھو بیگم صاب۔"

"مجھے نہیں پتا نہیں سمجھنا مجھے بات وات۔ بس تم گیٹ کھولو۔" ماہ نور نے غضب ناک ہو کر کہا۔

"ام یہ کام اس وقت ہی کرسکتا ہے جب نوکری سے استعفیٰ دے گا۔ ام مجبور اے۔ امارا بچہ بوت چھوٹا ہے آپ اس کا خیال کرو۔" چوکیدار اپنی بات پر قائم تھا۔

"کیوں کیا وہ تمہیں گولی ماردیں گے؟ یہ تمہارے صاحب کی ماں ہیں۔ کوئی مشکوک ملاقاتی نہیں سمجھے؟" وہ ناراض ہو کر کہہ رہی تھی۔

"صاحب بولتا اے اندر کوئی نہیں آئے گا۔ امارا اماں باپ بھی نہیں۔ وہ ام کو منع بولا اے۔" خان نے بھی واضح جواب دیا۔

"خیر بے چارہ باپ تو کیا آئے گا۔ ایسا تو دنیا میں کہیں نہیں ہوتا کہ بیٹے کے گھر میں ان کی سگی ماں بھی نہ آسکتی ہو۔ کیا تمہارے ماں باپ نہیں ہیں۔" وہ چیخ کر بولی۔

"اللہ امارا ماں باپ کو سلامت رکھے..... ایسا نہیں ہوتا پر ادر ہو رہا ہے یہ صاب کا حکم اے۔" چوکیدار پر کسی بات کا معمولی سا اثر بھی نہیں تھا۔

"عجیب آدمی ہو تم حکم کی رٹ لگائے جارہے ہو۔ انہوں نے دوسروں کے لیے حکم دیا ہوگا اپنی ماں کے لیے تو نہیں۔" ماہ نور تنک مزاجی سے الٹ پڑی۔

"صاب بولتا اے کسی سے کوئی رشتہ نہیں داری۔" خان صاحب نے جواب دیا۔

"ماہ نور! تم رہنے دو۔ ہم اگلی مرتبہ پراپر بندوبست کر کے آئیں گے۔ اس کے بعد یہ فوراً گیٹ کھول دے گا۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم امی اور خالہ جان سے آج یہیں سے سلام دعا کرلو۔" مظاہر کھڑکی میں منہ دیے ماہ نور سے مخاطب ہوئے پھر تھوڑا سا ہٹ گئے اور قمرالنساء کھڑکی پر آ گئیں۔ یعنی اب ان کا چہرہ کھڑکی کے فریم میں فٹ تھا۔

"اپنا خیال رکھو بیٹی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب وقتی پریشانیاں ہوتی ہیں۔ حوصلہ رکھنا چاہیے۔ گھر میں تو آرام کی ہر چیز ہے ناں۔ سردی گرمی کی سہولتیں ہیں خدانخواستہ تمہیں فرش پر نہیں سلا رہا اور پھر تم اپنے گھر میں ہو کسی کے ہاں مہمان نہیں۔ مظاہر نے کہا ہے ناں۔ ہم پھر آئیں گے ان شاءاللہ..... یہ استانی سے سلام دعا کرلو۔ اچھی بات ہے استانی نے بہت کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔"

قمرالنساء کھڑکی سے ہٹ گئیں اور استانی سامنے آگئیں۔ ماہ نور نے بڑے دل گرفتہ انداز میں سلام کیا۔ انہوں نے بالکل نارمل اور معمول کے انداز میں جواب دیا۔

"شکر ہے کہ بات کرنے پر پابندی نہیں۔ شکل بھی دیکھ لی اور بات بھی ہوگئی۔ ان شاءاللہ جلد ہی تفصیل سے بات چیت ہوگی۔ اپنا خیال رکھنا اللہ کی امان میں۔ ٹھیک ہے اب ہم چلتے ہیں بہت سے کام ہیں وقت تھوڑا ہے۔ اللہ حافظ۔"

وہ پرسکون انداز میں کہہ کر پلٹ گئیں..... ماہ نور بے قراری ہو کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ اس کے سامنے تینوں کار میں بیٹھے اور آگے بڑھ گئی۔

ماہ نور خالی خالی نظروں سے خالی سڑک دیکھنے لگی۔

چوکیدار اس کے بعد کچھ نہیں بولا اور انتظار کرنے لگا کہ کب خود ہٹتی ہے۔

اس کی روح جیسے بے قرار ہو کر پھڑ پھڑا رہی تھی جی چاہتا تھا اس چھوٹی سی کھڑکی سے باہر کود جائے۔

اس نے گردن موڑ کر چوکیدار کی طرف دیکھا۔ وہ نظر چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تھکے تھکے قدموں سے اندر کی طرف بڑھی۔

سامنے سے ملازم بڑا آتا دکھائی دیا وہ اسی کی طرف آرہا تھا۔

"بیگم صاب..... آپ کا فون ہے۔" اس نے اطلاع دی۔

"کس کا فون ہے؟" وہ چونک پڑی۔ مظاہر، قمرالنساء اور استانی عائشہ ابھی راستے ہی میں ہوں گے۔ اس کے ذہن کے سب خلیے از سر نو چارج ہو گئے۔

"صاحب کا فون ہے۔" جواب ملا۔

ماہ نور کی شریانوں میں خون ابلنے لگا۔ اس کی چال میں خود بخود تیزی آگئی۔

☆☆☆☆☆

وہ جیسے شعلوں میں گھری فون سیٹ تک پہنچی تھی۔

اور ریسیور اٹھا کر بمشکل ماؤتھ پیس میں بولی تھی۔ "ہیلو!"

"کیا حال چال ہیں محترمہ! خوش ہونا چاہیے جو چاہتی تھیں وہ مل گیا ہے۔ ایک انسان کو چاہیے بھی کیا سر پر چھت، وہ جوڑے کپڑے۔ پیٹ بھر کھانا۔ باقی رہے نام اللہ کا۔ خیر میں نے آپ کو یاد اس لیے کیا ہے کہ میری وارڈ روب میں تھرڈ ڈور والی دراز میں ایک ڈارک براؤن کلر کا والٹ ہے۔ آدھے گھنٹے کے اندر ایک بندہ پہنچے گا تم وہ والٹ چوکیدار کو دے دو وہ اسے دے دے گا ٹھیک؟"

"بالکل غلط جو انسان کسی انسان کو جبراً غیر فطری زندگی گزارنے پر مجبور کر رہا ہو۔ وہ اتنے دور بیٹھ کر کسی کام کے لیے نہیں کہہ سکتا۔ خبردار جو مجھ سے فون پر کسی قسم کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کسی کے باپ کی نوکر نہیں ہوں سنا؟"

اس نے ریسیور پٹخ دیا اور کمرے سے باہر نکلنے لگی فون کی بیل پھر بجی اس نے ان سنی کر کے باہر نکل جانا چاہا تو خیال آیا شاید کسی اور کا فون ہو پھر بھی احتیاطاً اس نے اسکرین پر نظر ڈال کر اطمینان کرنا ضروری سمجھا وہاں کال کرنے والے کا موبائل فون نمبر ظاہر ہو رہا تھا۔ بیل مسلسل بج رہی تھی اسے یقین تھا کہ یہ موبائل پاشا ہی کا ہے۔ اس لیے وہ باہر نکل آئی۔

سامنے سے بٹلر آتا دکھائی دیا شاید مسلسل بجتی گھنٹی سن کر وہ آرہا تھا۔ اس نے ماہ نور کو ماسٹر بیڈ روم سے باہر آتے بھی دیکھ لیا تھا اس لیے قدرے حیرت سے اس نے ماہ نور کی طرف دیکھ کر پوچھا تھا۔

"میم..... فون!"

"ہاں بہری نہیں ہوں۔ مجھے بھی گھنٹی سنائی دے رہی ہے۔ اٹینڈ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے نمبر دیکھ لیا ہے جس کا فون ہے میں اٹینڈ کرنا نہیں چاہتی۔" ماہ نور نے تقریباً برستے ہوئے کہا۔

"میم! اگر صاحب کا ہے تو اٹینڈ کرنا بہت ضروری ہے ورنہ سب ڈیوٹی حاضر سرونٹس کا کورٹ مارشل ہو جائے گا۔" بٹلر نے گویا استدعا کی صورت حال کو وہ سمجھ سکتا تھا۔

"تمہارے صاحب کا کچھ پتا نہیں کہ کب کورٹ مارشل ہو جائے۔ خوامخواہ ڈرے جاتے ہو ایک کمینہ انسان تم سا چڑچڑا ہے۔"

بیل مسلسل ہو رہی تھی۔

"میم پلیز! پلیز ہمیں فون اٹینڈ کرنے کا پرمیشن دیجیے۔ آفٹر آل وہ ماسٹر ہے۔" بٹلر خاصا پریشان ہو رہا تھا۔

"خبردار! اس نے تمہیں... تم اسے پاس کر سکتے ہو ماسٹر نہیں۔ تم جیسے ان اوقات لوگوں نے اس کا دماغ زیادہ خراب کیا ہے۔ تم فون اٹینڈ کرو گے... وہ کہے گا اپنی بیگم صاحبہ کو بلاؤ۔ تم مجھے بلاؤ گے اور میں ریسیور تمہارے ہاتھ سے لے کر دیوار پر دے ماروں گی۔"

ماما نے بہت کچھ سمجھا گئی اور خود لاؤنج کے چکر کھاتے زینے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ تھا۔ سٹیپ چڑھ چکی تھی۔

"میم!" بٹلر نے جیسے اسے اگلا قدم اٹھانے سے روکا۔

"صاحب بولتے ہیں ایک سیکنڈ کی بات ہے، پری اپ پلیز۔"

"میں تمہیں ایڈوانس جواب دے چکی ہوں۔" وہ غرائی اور زینے چڑھنے لگی۔ بٹلر سر جھکا کر دوبارہ کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ تو زیادتی کی انتہا ہے۔ جو نور جیسی اکیلا بندھا ہو تو شور زیادہ کرتا ہے اگر اس نے ماہ نور کو نیچا دکھانے کے لیے اس سے نکاح کیا تھا تاکہ اسے اختیار کا ناجائز استعمال کر سکے تو پھر میں خاموش نہیں رہوں گا۔ اب تک میں اسے لگاؤ اور محبت کا مارجن دیتا رہا ہوں۔ اس کے مسائل سے جان بوجھ کر آنکھیں چراتا رہا۔ بہرحال وہ میری اپنی ہے۔ اس لیے آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اسے پاپا کے ظلم سے نجات دلانے کے لیے کچھ کروں۔"

مظاہر پہلی مرتبہ قمر النساء سے اس لہجے میں بات کر رہے تھے جس میں قطعی گنجائش نہیں تھی۔

"میں تو خود ہر وقت خود کو مجرم سمجھتی رہتی ہوں کہ میں نے ایسا بیٹا پیدا کیا جس کی وجہ سے بہت سے بے قصور لوگ مفت کے عذاب اٹھا رہے ہیں۔ جب اس کی لگن دیکھی تھی تو ایک امید دل میں جاگی تھی کہ شاید وہ نور جیسی با کردار باحیا لڑکی کی قربت سے راہ راست پر لے آئے۔" قمر النساء نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ بہت سی مائیں اس معاشرے میں ایسی ہیں جو اپنے نکمے غلط کردار بیٹوں کے لیے ایسی لڑکی چاہتی ہیں جو اچھی فطرت کی خدمت گزار، پرہیزگار، وفادار اور مخلص ہو اور بگڑے ہوئے خاوند کو سیدھے راستے پر لے جانے کے لیے اپنی قیمتی توانائیاں اپنی قیمتی عمر استعمال کرے۔

کیا اتنی اچھی لڑکی ایسی خود غرضی کی مستحق ہوتی ہے؟ اس کی کوئی آئیڈیل لوجی کوئی خواب نہیں ہوتے؟ کیا وہ اللہ کا بنایا ہوا جیتا جاگتا انسان نہیں۔ کیا اس دنیا کی آسائشوں اور خوب صورتیوں پر اس کا کوئی حق نہیں ہوتا؟ ایک اچھی لڑکی بھی تو اچھے شریک سفر کی تمنا کر سکتی ہے؟ جس کی رفاقت سے اسے خوشی، اعتماد اور عزت میسر آئیں یا اچھی لڑکیاں برے لوگوں کو سدھارنے کا ٹھیکہ لے کر دنیا میں آتی ہیں؟

خود ہمارے ہاں مرد تو اتنا ظرف نہیں رکھتا کہ ایک بگڑی بے کردار کی عورت کی اصلاح کے لیے اپنا سر کھپائے اسے تو عورت کے کردار پر صرف شک ہو جائے تو تین لفظوں میں اسے زوجیت ہی سے خارج کر دیتا ہے۔

خیر مجھے اس وقت بہت ٹینشن ہے اس لیے آپ میری صاف گوئی پر مجھے معاف فرمائیے گا۔ آج جو اس کی بے قراری دیکھی تو بہت کچھ کلیئر ہو گیا۔ میں اس پر کوئی بھی چارج لگا کر پولیس فورس کے ذریعے اسے اس گھر سے باہر اٹھوا سکتا ہوں مگر پھر بھی تھوڑی سی احتیاط کر رہا ہوں کیونکہ ان کے درمیان بہرحال میاں بیوی کا رشتہ ہے مگر ایک دو روز سے زیادہ نہیں دیکھوں گا۔" مظاہر نے قطعیت سے کہا۔

"ہاں میں تمہیں نہیں روکوں گی اگر وہ خود غرض ہے تو اسے اپنے انجام سے گزرنا چاہیے۔ میں نے تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانا بیٹے! میں تمہیں بتا نہیں سکتی ہوں بیٹا تم بھی کیا ہو یہ اللہ جانتا ہے۔ میرے دل میں تمہارے لیے کتنی جگہ ہے۔"

قمر النساء کی آواز پر آنسوؤں کا تاثر غالب تھا۔

"تمہارے جیسے نیک بخت بیٹے پیدا کرنے والی ماؤں کی تو آنکھیں چومنے کو دل چاہتا ہے۔ یہ میں جانتی ہوں ایک خوش نصیب عزت دار بیٹا اپنی ماں کو کیسی خوشی دیتا ہوگا۔ اللہ نظر بد سے بچائے' کاش تمہاری ماں تمہارے ساتھ ہوتی وہ بھی اقبال مند اولاد کو دیکھتی اور شکرانے پڑھتی۔" قمر النساء نے مزید کہا۔

"میں نے ٹھیک کہا نا بہن! کہیں اولاد سے شکایت ہے۔ کہیں ماں سے۔ نرالے کھیل ہیں اس کے۔" استانی عائشہ گہری سانس لیتے ہوئے بولیں۔

"بھلا ماں سے شکایت ہو سکتی ہے۔ ہر ماں اپنے بچے کی بھوک' پیاس' سردی' گرمی کا خیال کرتے ہوئے بچہ پالتی ہے جب کہیں جا کر اولاد خود اپنے لیے کچھ کرنے لائق ہوتی ہے میں آپ کی بات سمجھ نہیں پائی۔" قمر النساء الجھ گئیں۔

"بہت سی مائیں بھی ایسی ہوتی ہیں جو اپنی 'غرض نفس' کی خاطر اولاد کی پروا نہیں کرتیں۔ وقتی جذبے کے تحت کوئی انتہائی قدم اٹھا لیتی ہیں' خواہ بعد میں اولاد کی یاد میں پاگل ہو جائیں مگر بعض پچھتاوے ایسے ہوتے ہیں جو امید کی جھلک سے محروم رہتے ہیں اور یہی سزا ہو جاتی ہے۔ فطرت سے جنگ سب کو مہنگی پڑتی ہے۔ اسی لیے اللہ کو حلال کام ہونے کے باوجود طلاق ناپسند ہے۔ دو افراد کی ضد' کم عقلی کئی بے قصور زندگیوں کو متاثر کرتی ہے وہ بچے جو ماں اور باپ دونوں رشتوں سے محبتیں سمیٹتے ہوئے بڑے ہوتے ہیں اور وہ بچے جو ماں یا باپ میں سے کسی ایک کے بغیر پل کر جوان ہوتے ہیں' دونوں کی شخصیتوں میں بڑا فرق رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے دو شدید پیاسے' ایک کو گلاس بھر ٹھنڈا پانی ملا ہو۔ دوسرے کو دو گھونٹ۔"

استانی عائشہ نے بات کے اختتام پر ایک سرد آہ کھینچی۔

"آپ نے بالکل درست مثال دی ہے جو آپ کی علمی قابلیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ میرے پاس اتنی مکمل تصویر کشی کرنے پر آپ کے لیے تعریفی الفاظ نہیں جو میرے جذبات کی ترجمانی کر سکیں۔ میرے خیال میں ایسے خود غرض والدین تو ان فضائل ہی سے محروم ہو جاتے ہیں جو اللہ نے ماں باپ کے بعد انسان کے لیے طے کیے ہیں۔ وہ تو انسانیت ہی سے خارج ہیں تو انسان کی حیثیت سے ان کے لیے کچھ بچتا ہی نہیں ہے' وہ تو وہ بے شعور آدم ہیں جو کیلے کے پتے سے تن ڈھانپتا تھا یا پھر دوسرے مرحلے میں اولاد یعنی اپنی بیٹی کو زندہ دفن کر دیتا تھا۔" مظاہر کا لہجہ پرسوز مگر تلخ تھا۔

"لیکن بیٹے! الہامی قوانین نازل ہونے کے بعد یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ماں باپ کا حق ثابت ہے' اپنے ذاتی کردار کے وہ خود جواب دہ ہیں۔ دنیا و آخرت دونوں جگہ اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کریں گے۔ لیکن اولاد کے جو فرائض ہیں' وہ اسے ادا کرنا ہوگا' اس کا جواب اولاد کو دینا ہوگا اللہ نے صاف کہہ دیا ہے کہ ہر حال میں اولاد کو سعادت مندی کا مظاہرہ کرنا ہوگا' اس وقت تک جب تک والدین کفر کے راستے پر چلنے کے لیے دباؤ نہ ڈالیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ تجھے کفر کے راستے پر چلنے کو کہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔"

استانی عائشہ کی آواز بہت ہی آہستہ تھی۔

"میں آپ کی اس دلیل سے اختلاف کر ہی نہیں سکتا لیکن ماں باپ اپنی اولاد کو کوئی ایسا نقصان پہنچا چکے ہوں کہ مرتے دم تک اس کی تلافی ممکن نہ ہو تو انسانی ظرف کی اتنی گنجائش کہاں کہ وہ انہیں معاف کر سکے۔" مظاہر کا انداز بہت تھکا تھا۔

"ہاں بیٹا! آپ ٹھیک بولے چوٹ کھا کر تو فقیر بھی پتھر کو چومتے ہیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ' آپ نے بہت اہم نکتے کی جانب میری توجہ مبذول کرائی۔ میں تہہ دل سے آپ کی مشکور ہوں۔ اللہ مجھے حوصلہ' ہمت' استقامت' جرات عطا فرمائے اور موت

سے پہلے ایک مہربان کی ساعت کی مہلت۔"

استانی عائشہ اسی طرح دھیما بول کر اپنی آنکھوں کے گوشے صاف کرنے لگیں۔

مظاہر چونک پڑے۔

"میں آپ کی بات سمجھا نہیں خالہ جان! میں کیا نکتہ عرض کر سکتا ہوں۔ ایک کم علم اور دنیا دار انسان۔" ان کے پردے کی وجہ سے مظاہر ان کی طرف دیکھ کر بات کرنے سے احتراز کر رہے تھے۔

"بس بیٹے! بعض خوش نصیب انسان انجانے میں کسی کے ساتھ بھلائی کر جاتے ہیں اور انہیں پتا بھی نہیں چلتا' ایک مرتبہ پھر آپ کا شکریہ۔"

وہ بولیں۔ قمر انساء دونوں کو بڑی معصومانہ حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے کچھ پلے نہ پڑ رہا تھا۔

"معاف کیجیے گا خالہ جان! کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ مجھے میرے مقصد سے ہٹانا چاہ رہی ہوں۔ میرا ذہن ادھر ادھر کر کے مگر میں افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ میں اب مادلور کو اس کے مزید ظلم و ستم کا نشانہ بننے نہیں دوں گا۔"

مظاہر کے بیان سے ان کا ناقابل برداشت غصہ ظاہر تھا' جو بظاہر وہ دبانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"نہیں بیٹے! آپ یہ گمان نہ کریں' مجھے گھما پھرا کر مقصد حاصل کرنے کا شوق نہیں۔ میں صاف بات کر کے مقصد حاصل کر کے بہت خوشی محسوس کرتی ہوں۔ بلاشبہ آپ اس کے قریبی رشتے دار ہیں' آپ کو اس کی تکلیف سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ آپ فطری ردعمل کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ تکلیف ہمیں بھی بہت ہے۔ ہر دم اس کا دھیان آتا ہے چونکہ میاں بیوی کا معاملہ ہے۔ اس لیے مصلحتاً وقتی خاموشی ہے۔ میری تو دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ میں بھی خوشی عطا فرمائے (آمین)۔ وقتی پریشانی صرف اس بات کی ہے کہ وہ اس وقت ایک دوسرے ہی سے ہے' آرام و ذہنی سکون کی اس وقت اسے بہت ضرورت ہے۔"

استانی عائشہ نے قدرے جھجکتے ہوئے مظاہر کی بدگمانی دور کرنے کی کوشش کی۔

مظاہر کو بھی کچھ روز ہوئے اس کی اس حالت کا اندازہ ہوا تھا' اس کے اندر کی تبدیلیوں کے آثار اب ظاہر ہو چکے تھے۔ وہ خود اس وجہ سے بھی بے چین تھے۔

"بس آپ سے اتنی سی درخواست ہے جو قدم بھی اٹھائیں' یہ پیش نظر رکھیں کہ ان کا آپس میں سلوک ہونے کا امکان رہے' جن حالات میں وہ شادی شدہ ہوئی ہے۔ ان کا تقاضا ہے کہ احتیاط کی جائے۔ خدانخواستہ بگاڑ ہونے کی صورت میں اس کے سامنے بہت سے مسئلے ہیں جو اسے مزید تکلیف پہنچائیں گے۔ کچی نہیں ہوگی۔"

استانی نے بہت سبھاؤ سے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"جی بہتر' اب مجھے اجازت؟" وہ سامنے ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ بیٹا! تم نے اتنا کام کیا۔" قمر انساء نے کھڑے ہوتے ہوئے تشکرانہ لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں۔ شکریہ کی کیا بات ہے۔ فرض تو میری اپنی بھی ہے۔ انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں چلتے ہوئے لاؤنج سے باہر نکل گئے۔

"ماشاء اللہ اللہ نظر سے بچائے۔ بڑے نیک بختوں کی اولاد ہے' کاش ان کو مہلت ملتی۔" قمر انساء قدرے کسی دھیان میں کھوئیں پھر بہت دلسوزی سے گویا ہوئیں۔

"ماشاء اللہ۔ خدا نیک ساتھی دے۔ آمین۔" استانی عائشہ نے زیر لب کہا۔

"ایک دکھ سا اس کے اندر ضرور ہے۔ اپنی عمر سے زیادہ سنجیدگی ہے یونہی کبھی کبھی دھیان آتا ہے۔" قمر انساء گویا تصور میں کچھ دیکھتے ہوئے تجزیہ کر رہی تھیں۔

استانی خاموش رہیں۔ خاموشی طویل ہوئی تو قمر انساء نے ٹوکا۔

"آپ کیا سوچ رہی ہیں.....؟"

"کچھ خاص نہیں' داستان گو جب گندم کھانے کی کہانی سناتے ہیں تو بڑی کثرت سے مبالغہ سے کام لیتے ہیں کہ آدم و حوا کے اشک ندامت سے آنسوؤں کے سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگے۔

میں سوچ رہی ہوں کہ اشک ندامت سے سمندر خلق ہونے لگیں تو کیا داغ ندامت مٹ سکتا ہے۔ درحقیقت داغ ندامت اشک ندامت کے سمندر سے بھی نہیں دھل سکتا اگر ایک انسان پر دوسرے انسان کی طرف سے کوئی ذمہ داری پڑی ہو' وہ اس نے ادا نہ کی ہو اور اس خطا کی معافی پر "ادھر" سے رضامندی کی سند جاری ہونے ہو یہ سوچ کر انسان سے صبح دوپہر' شام' رات بھلائی کی توفیق مانگتے ہیں کہ شاید وہ خوش ہو کر مہلت دے دیں۔ شاید کوئی راستہ بن جائے چار دیواری میں' کسی جانب۔ شاید ان کی رحمانیت کے سمندر سے ہمارے نام کا بھی کوئی بادل آ جائے۔

ابر نیساں کی طرح کا کوئی بادل اپنی کوکھ میں صدف کا جوہر لیے کہ جو میری کھوکھلی سیپ کی آبرو بن جائے۔ اس مہربان سے ذرہ برابر نا امید نہیں' نا امید ہو جائیں تو رشتے کا لطف کھو دیں' ہم ان کے بندے ہیں' ابھی دور ہیں' کبھی انہیں محسوس نہ ہو۔

وہ غلام زادی آپ سے ذرہ برابر نا امید نہیں۔ گمراہوں کو ہدایت یافتہ کر کے انہیں اولیاء کا منصب دینے والے ہیں آپ۔ نا امید ہو جائیں تو ہمارا آپ کا رشتہ کیا رہا.....؟"

قمر انساء حق دق استانی کا چہرہ دیکھ رہی تھیں جو پسینے سے یوں بھیگ رہا تھا' گویا منہ پر پانی کے چھینٹے مارے ہوں۔

"آپ شاید تھک گئی ہیں۔ آرام کیجیے۔" قمر انساء نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بہت محبت سے کہا۔

"ٹھیک کہتی ہیں آپ۔ بہت تھکن ہے۔ ازلی مسافت درپیش ہے۔ پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ روز مرہم رکھتے ہیں۔ روز پڑ جاتے ہیں۔"

وہ چہرے سے چادر ہٹا کر صوفے پر دراز ہو گئیں اور آنکھیں موند لیں۔

"میں آپ کے لیے ٹھنڈا شربت لے کر آتی ہوں۔" قمر انساء گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں' استانی عائشہ خاموش رہیں اور اے مہلت جان! قمر انساء کچن کی طرف تیزی سے بڑھ گئیں۔

☆☆☆☆☆

"آپ ہمارا جوتا دے دیجیے' ویسے بھی آپ ایک جوتے کا کیا کریں گی' ہم مون بھائی کے لیے دوسرا جوڑا لا دیں گے۔"

بے چارہ جمال حواس باختہ سا ریا سے مخاطب تھا۔ اسے ایک پاؤں میں جوتا دیکھ کر اور ایک پاؤں خالی دیکھ کر سر کھڑے مہمانوں سے بہت شرم آ رہی تھی۔

"پانچ ہزار دے دیجیے کرایہ' لے جائیے جوتا۔" ریا نے اطمینان سے سیاہ چمک دار جوتا لہراتے ہوئے جواب دیا۔

"پانچ ہزار؟ پانچ ہا..... ہزار میں تو پانچ جوڑے آ سکتے ہیں' جوتوں کے' آپ کو کیوں دیں پانچ ہزار۔" جمال نے تعجب سے کہا۔

"ہاں تو جائیں' ایک پاؤں میں جوتا پہن کر پانچ جوڑے جوتے کے لینے۔" ریا نے اسی طرح بہت اطمینان سے جواب دیا۔

"ہم پہن کر چلے جائیں گے' ویسے ہمارے پاس دو جوڑی جوتوں کی اور بھی ہے۔" جمال نے پیشانی سے پسینہ صاف

کیا اور رومال جیب میں ٹھونس لیا۔

"آپ یہاں سے اٹھے تو چپل پہنیں گے۔" ریبا نے صورتحال سمجھائی۔

"لاحول ولا قوۃ......" جمال کا چہرہ شرم سے سرخ پڑ گیا۔

"ہیں......؟ ذرا سے پانچ ہزار کیا مانگ لیے۔ آپ ہمیں شیطان کہہ کر لاحول پڑھنے لگے۔" ریبا نے سخت برا مانا۔

"ہم نے آپ کو شیطان تو نہیں کہا۔" جمال نے سٹپٹا کر تصحیح کی۔

"جمال بھائی! آپ اسے بتائیے 'پانچ ہزار' 'ذرا سے' نہیں ہوتے۔ مڈل کلاس کے لوگ پانچ ہزار میں مہینہ چلاتے ہیں۔" اظہار نے ٹکڑا لگایا۔

"ارے بچہ پردیس میں ہے۔ کیوں پریشان کر رہے ہو؟ سو دو سو لے کر اس کی جان چھوڑ دو۔"

بڑی اماں نے جمال کی جان چھڑانے کی کوشش کی۔ پانچ ہزار سن کر تو ان کے دل میں ہول اٹھنے لگے تھے۔

"خیر، سو دو سو نہیں خوشی کا وقت ہے پانچ سو دے دو بہن کو۔" جمال کی والدہ نے بھی شو ختم کرنے کی کوشش کی۔

"پانچ سو؟" ریبا نے چیخ ماری "ایک درجن بہنیں ہوں گی۔ ان پانچ سو میں حصے دار کیا نیاز کے پیسے دیں گے بہنوں کو۔"

ریبا کے اس جملے پر قہقہوں کا ایک طوفان اٹھا تھا۔

"تو پھر ایسا کریں سب حصے داروں کا اپنے ہاتھ سے سوا کر دو۔ یہ جماعت کریں گی ثواب ملے گا اور پیسے کی صدقہ بلا کو ٹالتا ہے۔"

مظاہر نے جو دولہا دلہن کے صوفے کے پیچھے کھڑا تھا منہ آگے نکال کر گرہ لگائی۔

"ہم یہاں صدقہ خیرات لینے کھڑے ہوئے ہیں؟" نشاط مسکراہٹ چھپا کر غرائی۔ "اسے رسی سے باندھ کر پچھواڑے ڈال دو۔ اس کی یہی سزا ہے۔" وہ مزید بولی۔

"نہیں نہیں۔ اس بے چارے کو کچھ نہیں کہیں، مذاق کر رہا ہے۔" جمال نے گھبرا کر بیچ بچاؤ کرایا۔

"اچھا! مذاق کر رہا ہے، ہم سمجھے توہین کر رہا ہے۔" اظہار نے ٹکڑا لگایا۔

"ایسا کرو...... پھر ہزار لے لو...... ٹھیک؟" جمال کی والدہ نے پریشان ہو کر پانچ سو بڑھا دیے۔

"ارے ہزار بہت ہیں! بس یہی ٹھیک ہیں۔" بڑی اماں نے فیصلہ سنایا۔

"نہیں نہیں۔ سب کے حصے میں ڈیڑھ ڈیڑھ سو بھی نہیں آئیں گے۔ اتنی سالی ملی ہے اسی میں سے دے دیجئے۔" ریبا نے کہا۔

"ارے کیا اس کی سالی پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ بچے کے سر ابھی اور خرچے نہیں ہیں؟" بڑی اماں نے جھاڑ پلائی۔

"بڑی اماں! ابھی ہم دلہن کی بہنیں بن کر جوتا چھپائی لے رہی ہیں۔ اور دولہا کی بہنیں بن کر راستہ رکائی بھی لینا ہے یہاں مطالبہ پورا نہیں کریں گے تو ہم اوپر کسر پوری کر لیں گے۔ دلہن کے کمرے کی طرف ایک قدم بڑھانے نہیں دیں گے۔" ریبا نے دھمکی دی۔

"آپ لوگ اوپر بھی مانگیں گی۔" جمال کی پیشانی پر بوندیں چمکنے لگیں۔

"جی ہوشیار خبردار۔" ریبا نے بڑی ادا سے کہا۔

"تو پھر اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں! آپ لوگ ہزار روپے یہاں سے لیں، پانچ سو اوپر لے لیجئے گا۔" جمال نے ایک نشست میں دو طرف کا معاملہ نمٹانے کی کوشش کی۔

"واہ جناب! کیا ہوشیاری ہے۔ کیسے کو سیدھے ہیں۔" ریبا لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر بولی۔

"اے بیٹا! پردیس میں روپے پیسے کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ اتنا خرچہ مت کراؤ جو دے رہا ہے۔ جیب چوپ لے

لو۔" بڑی اماں نے محبت سے رام کرنے کی کوشش کی۔

"تو کیا کیوں پردیس میں شادی کرا کے ایک اور شادی وطن میں کرنے کا قصد کریں اور ہمیں بلانے کا بھی تو ہم لے لیتے ہیں ڈیڑھ ہزار۔" ریبا اپنے انداز میں بولی پھٹا بانس جس سے ہر قسم کی توقع کی جا سکتی تھی۔

"ارے حواسوں میں رہو لڑکی! اماں دو پیسوں کے پیچھے اول فول بکے جاتی ہے۔" بڑی اماں تو دہل کر رہ گئیں۔ "ایسے نیک وقتوں میں بدشگونی کی باتیں۔" بڑی اماں بڑبڑانے لگیں۔ "ارے نہیں ہیں لونڈے کے پاس پانچ ہزار۔ پانچ سو لینا ہے تو لے لو ورنہ یہ بھی نہیں ملے۔" بڑی اماں سچ مچ ناراض ہو گئیں۔

"لو بھئی ریبا! تم تو آدھی سے بھی گئیں۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ پہلے تولو پھر بولو۔" مظہر نے انتہائی ہمدردی و نصیحت ادا کی۔

"بڑی اماں! پانچ سو روپے جوتا چھپائی تو آپ کے زمانے میں ملتی تھی۔" ریبا منمنائی۔

"ارے ہمارے زمانے میں پانسو خزانے برابر تھے۔ بڑی خبر ہے تجھے ہمارے زمانے کی۔" بڑی اماں نے پھر جھاڑا۔

"ایک ڈیڑھ آنے کا گوشت پورا کنبہ کھا لیتا تھا، دمڑی میں سبزی مل جاتی تھی۔" وہ پھر بولیں۔

"یہ بتائیے جوتا چھپائی کتنی ملتی تھی؟" اظہار نے بے صبری سے سوال کیا جیسے جوتا چھپائی اسی کو ملنا ہو۔

"دو چار روپے...... بس۔" انہوں نے فوراً جواب دیا۔

"مظہر! ذرا کیلکولیٹر پر جا کر حساب لگا کہ بڑی اماں کی عمر کے حساب سے دو چار روپے کتنے کنورٹ ہوتے ہیں اس وقت؟" اظہار نے کہا۔

"میرا خیال ہے پچاس ساٹھ ہزار تو بن ہی جائیں گے۔" مظہر نے خیال ظاہر کیا۔

"اوئی مار جوتا چھپائی لے کر کیا زمین خریدو گے؟" بڑی اماں دہل کر رہ گئیں اتنی بڑی رقم سن کر۔

"بڑی اماں! مناسب طے کرا لیں، کھڑے کھڑے کہیں لاکھوں نہ منوا لیں۔" تطہیر بڑی اماں کے پہلو میں بیٹھے بڑی دلچسپی سے یہ مذاکرات دیکھ رہے تھے پہلی مرتبہ بالآخر بول پڑے۔

"اے ہاں لوٹ مچی ہوئی ہے۔ پریشان کر کے رکھ دیا ہے بچے کو۔"

"بڑی اماں! جمال سے پوچھ لیں وہ کیا افورڈ کر رہا ہے اس وقت۔" اظہر بھی جچے تلے انداز میں شریک ہوئے۔

"ہم اس وقت صرف بارہ سو دے سکتے ہیں! ابھی اور خرچے ہیں ناں ورنہ ہم سوا دو دے دیتے۔" جمال نے کمال کی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"صرف بارہ سو؟" ریبا نے بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کی۔

"اب بس چپ کر کے رکھ لو جوتا چھپائی کے پیچھے کیا اب رات بھر مقدمہ ہوگا اور رسمیں بھی باقی ہیں۔ دوسرے بھی کام دھندے ہیں۔" بڑی اماں جھلائیں۔

"ب...... بارہ سو۔" ریبا تو جیسے صدمے سے روہانسی ہو کر حاضرین سے فریاد چاہنے لگی۔

بصیر حسین کی بیگم بھی بول پڑیں۔

"بیٹے! وہ اپنے دل و حوصلے کے مطابق جو خوشی سے دے رہا ہے رکھ لو۔ اماں ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں کہ ابھی تو وہ پردیسی ہے۔ کوئی شادی کرانے کے ارادے سے تھوڑا ہی اپنے وطن سے نکلا تھا؟"

"خیر! لگتا تو شادی کرانے ہی ہے مگر افسوس چلیں خیر آگے کچھ نہیں کہتی ورنہ بڑی اماں ڈانٹیں گی۔" ریبا نے خود جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

جمال جیب سے پیسے نکال کے بہت احتیاط سے گن رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

"بیگم آپ کے کوئی کزن ہیں فون پہ۔" بٹلر نے آ کر مطلع کیا۔

وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح گری ہوئی تھی بیڈ پر اور مسلسل چھت کو گھورے جا رہی تھی۔ ذہن ایک دم ماؤف تھا۔

بٹلر کا پیغام سماعت کو دھوکا لگا۔ اس نے خالی خالی نظریں بٹلر کے چہرے پر جما دیں جیسے پوچھ رہی ہو "آپ نے کچھ کہا؟"

"آپ کے کزن کا فون ہے میم......!" بٹلر نے خود ہی دہرایا۔

"اں۔ اچھا۔" اس مرتبہ وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔

بٹلر نے اس کی حالت پر رحم بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ اور سر کو ہلکا سا خم دے کر پلٹ گیا تھا۔

وہ اپنی ساری توانائیاں سمیٹ کر چل پڑی۔ سانس بھی بے ترتیب ہو رہی تھی۔ شکر ہے ابھی اختیار میں آواز تو ہے اسے چھوٹی سے چھوٹی نعمت کی بھی قدر و قیمت کا احساس ہونے لگا تھا پھر۔

خواب کی نعمتوں کو کثرت سے اپنے اختیار میں پا کر ہی تو الجھ گیا تھا۔ وحشت زدہ کی ان سب چیزوں کے پیچھے مری جا رہی ہے دنیا کمل ہو رہے ہیں۔ دھوکے کھائے جا رہے ہیں دیے جا رہے ہیں......؟

سکھ سکون سے بڑھ کر دنیا میں کوئی نعمت دولت نہیں خواہ اس کے حصول کا ذریعہ کچھ بھی ہو اس کا فارمولہ نہیں ہوتا۔

کبھی وہ اس بات پر خدا سے شاکی ہوتی تھی کہ ان کے با حیثیت رشتے دار انہیں اہمیت نہیں دیتے۔ اگرچہ کثرت سے نہ سہی موقع محل سے آہی جاتے تھے اور اپنے رشتے کی قوت و اثر کا احساس بھی دلا جاتے تھے۔ کبھی عیادت کرنے کبھی اظہار ہمدردی کرنے کبھی عید ملنے مگر اسے بہت کامپلیکس تھا۔

کسی رشتے دار کی گاڑی دروازے پر آ کر رکتی تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے تھے۔ گھر پر نظر دوڑاتے ہوئے سوچتی ان آنے والوں کو ہمارا گھر کتنا اوڈ کتنا عجیب لگ رہا ہو گا۔ سوچتے ہوں گے ہم کیسے یہاں رہتے ہیں؟ ہماری کیا عزت ہو گی ان کی نظر میں؟ مہمانوں کے جانے کے بعد بھی گھنٹوں سوچ رہی تھی۔

استانی عائشہ کے ہاں جا کر اس پر پہلی مرتبہ کھلا تھا کہ سکون کی دولت پاس ہو تو جھونپڑی میں بھی طبیعت خوش رہتی ہے کتنا سکون تھا!! اس ایک کمرے کے گھر میں ان کے دل سے ایک آہ نکلی۔

رشتے داروں سے اسے گلے رہے۔ آج احساس ہو رہا تھا جیسے بھی تھے رشتے تو تھے۔ کتنی اہمیت ہے رشتوں کی کہ آج کسی رشتے دار کا فون بھی نعمت مترقبہ لگ رہا تھا۔

اس نے نیچے کرے میں پہنچ کر آہستگی سے فون اٹھایا۔ اور کھنکار کر گلا صاف کیا۔

"ہیلو!" اسے اپنی ہی آواز اجنبی لگی۔

"اسلام علیکم بیگم مظاہر بات کر رہا ہوں۔"

"جی وعلیکم السلام آپ ٹھیک ہیں؟" وہ جیسے نقاہت پر قابو پاتے ہوئے بول رہی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے تمہاری طرف سے بہت فکر رہی۔ آج شادی تھی ناں۔ شمسہ اور جمال کی۔ بہت مصروفیت رہی ورنہ آج تمہارے پیچھے دو دوپہر۔ کچھ کر رہا۔ بہر حال بہن کی شادی مبارک ہو...اس کے لیے دعا کرو۔"

"......!" دل جیسے کسی پاتال میں اترا اور ڈوب گیا۔

"اچھا بہت خوشی کی بات ہے۔ شکر ہے امی اور ابا جان کے سر سے ایک بہت بڑی فکر اتری اور مجھے بھی نا کردہ گناہ کے

احساس سے نجات ملی۔" وہ لہجے کا کرب چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہاں اللہ کا احسان ہے۔ ہم سب بڑے بابا کے بعد شمسہ بھی اپنے گھر کی ہوئی۔" مظاہر نے تشکرانہ کہا۔

"اس وقت شمسہ کہاں ہے......؟" اس کی آواز جیسے گھٹ رہی تھی۔

"یہیں ہمارے گھر شادی یہیں ہوئی ہے۔ کل ولیمہ ہے تمہیں اس لیے نہیں بتایا تھا کہ تم مزید دکھی ہو جاؤ گی۔"

"گھر میں تو اس وقت بھی بہت رونق ہو گی......؟" اس کی آواز سے شکستگی عیاں تھی۔

"ہوں......" مظاہر کا انداز آئیں بائیں شائیں والا تھا۔

"شمسہ تو بہت پیاری لگ رہی ہو گی......؟" اتنا کہہ کر ماہ نور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مظاہر چند لمحے بالکل خاموش رہے۔

ماہ نور کوشش کے باوجود خود پر قابو پانے میں ناکام تھی۔

"ماہ نور ہمت سے کام لو اس طرح رونے سے کچھ حاصل ہے بھلا۔" مظاہر الجھ گئے کہ اسے کس طرح چپ کرائیں۔

"ایک ہی بہن ہے میری اور میں زندہ موجود ہوتے ہوئے ایک شہر میں رہتے ہوئے اس کی خوشی میں شریک نہ ہو سکی۔" وہ ہچکیاں لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "میں نے کون سا گناہ عظیم کیا تھا جس کی پاداش میں کوڑھیوں کی طرح دھتکار دی گئی ہوں۔"

"سب کو پتا ہے کہ تم بے قصور ہو۔ سب ہی کو تمہارا بہت دکھ ہے مگر یہاں اپنی روایتوں کے پابند خوفزدہ سے لوگ رہتے ہیں۔ اپنے آنے والے مفادات کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ مگر میں نے تو تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا۔ سب کو پتا ہے میں تمہاری خیریت لیتا رہتا ہوں۔ تم سے مسلسل کونٹیکٹ ہے۔ یہ سوچ کر اور بھی سب پر ظاہر کرتا ہوں کہ شاید میرے حوصلے سے دوسرے لوگ بھی حوصلہ کر لیں اور انسانوں پر زندگی تنگ کرنے والی روایتوں رسموں سے پیچھا چھڑا لیں۔ تم فی الحال سب سے دور ہی مگر اطمینان رکھو۔ کوئی بھی تمہارے بارے میں غلط نہیں سوچتا تمہیں قصوروار نہیں سمجھتا۔"

مظاہر بہت نپا تلا بول رہے تھے۔

"پھر بھی میرے ساتھ وہ سلوک ہے جو دنیا میں قصورواروں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔" وہ روتے روتے بولی۔

"میں معاشرے کی اس زیادتی کو مانتا ہوں اور اس کے خلاف رد عمل بھی کر رہا ہوں۔ جو اپنے منصب میں بچا ہے خدمت اسے بھی تنہا نہیں چھوڑی مگر تبدیلی آنے میں کچھ وقت تو لگتا ہے ناں مجھے بھی شدید غصہ آتا ہے ان بے بنیاد رواجوں، روایتوں پر۔ میں ایک مرد کی حیثیت سے یہاں تک مشاہدہ کر چکا ہوں کہ ایک شادی شدہ عورت کرپٹ ہے وہ اس کی امانت میں خیانت کرتی ہے، دنیا اور شوہر کی آنکھوں میں دھول جھونکتی ہے۔ اس کے باوجود بڑی ڈھٹائی اور مکاری کے ساتھ زندگی گزار رہی ہے۔"

اس کے مقابلے میں ایک پر خلوص، وفادار، محنتی، فرض شناس عورت ڈھل پس رہی ہے۔ نکمے شوہر کی کمی پوری کرنے کے لیے اپنے بچوں اور گھر کی خاطر ملازمت بھی کر رہی ہے۔ رشتے بھی نبھا رہی ہے۔ شوہر کے ساتھ بھی ایماندار ہے۔ اس کے نکمے پن کے باوجود اس کے ساتھ رہ رہی ہے۔ یہ سوچ کر کہ وہ اس کے بچوں کا باپ ہے کیسا بھی ہے۔ مرد ہے۔ بچوں کے سر پر چھت ہے۔ بچے یتیم تو نہیں کہلاتے۔ ان کی قربانیوں کے باوجود اس کے پاس صرف دکھ کا احساس ہے۔ اس لیے ہم سوچنے پر مجبور ہیں کہ اللہ کی مصلحت ہماری محدود عقل سے بالاتر ہے۔

تمہارے اطمینان کے لیے کیا یہ بات کافی نہیں کہ تمہارے ضمیر پر کوئی داغ نہیں ہے اور یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ تم اکیلی اس دنیا میں دکھی یا پریشان نہیں ہو۔ ابھی تم نے خود ایک لفظ استعمال کیا کوڑھیوں کی طرح، وہ بھی تو ہیں جنہیں استغفر اللہ کوڑھ ہو جاتا

ہے۔ کیا ضمانت اور ثبوت ہے انہوں نے کوئی گناہ عظیم کیا تھا۔ کیا وہ انسان نہیں؟ بستی و آبادی سے دور اپنے دکھ کے ساتھ۔ ہر رشتہ ان سے آنکھیں پھیر لیتا ہے۔ کبھی سٹی نوریم جا کر دیکھو جب ٹی بی خطرناک اسٹیج پر پہنچ جاتی ہے تو مین ہاسٹل سے بہت فاصلے پر چھوٹی چھوٹی بیرکوں کی طرز پر کوارٹر بنے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے بہت فاصلے رکھتے ہیں۔ اس میں سیریس قسم کے مریض رکھے جاتے ہیں ہر کوارٹر میں ایک اکیلا مریض اپنے مرض کے ساتھ۔ سٹی نوریم سے ان بیرکوں کو دیکھو تو گڑیا کے گھر معلوم پڑتے ہیں۔

سوچو تنہائی اور بیزاری کی تکلیف میں کیا گزرتی ہے اس بے بس انسان پر؟ جو ہر آن کسی ڈاکٹر، نرس کی آمد کا منتظر رہتا ہے کہ بس یہی صورت ہوتی ہے اپنے علاوہ کسی دوسرے انسان کو دیکھنے کی۔

ذرا سوچو تا دروانہ لک اگر اس طرح آ زمالیتا . . . ؟ تو کیا ہم کچھ کر سکتے تھے . . . ؟"

مظاہر کو اس کی اذیت کا بھرپور احساس تھا۔ انہیں اندازہ تھا کہ یہ رات اس پر بہت بھاری پڑ سکتی تھی۔ ان سے غلطی ہو گئی تھی کہ وہ شمسہ کی شادی کا ذکر کر بیٹھے تھے حالانکہ فون کرنے کا مقصد کچھ اور تھا۔

ماہ نور پر ان کے پُرخلوص لہجے کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ اس کے آنسو تھم گئے تھے۔ وہ ہمہ تن گوش ان کا حرف حرف تول رہی تھی۔

"مظاہر بھائی......! اپنے یاد تو آتے ہیں ناں! یا اختیار کی بات تو نہیں ہے ناں؟" وہ بولی۔

"بالکل لیکن خود کو سمجھانا ہمارے اختیار میں ہے۔ اگر یہ دعبرت ہے تو ہم خود کو سمجھا سکتے ہیں۔" مظاہر نے برجستہ کہا۔

ماہ نور چند ثانیے خاموش رہی جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

"ماہ نور اب ذرا میری بات دھیان سے سنو۔ اصل میں فون کرنے کا مقصد ہی یہ کہ مجھے اس جیل سے تمہیں آزاد کرانے کی کوشش کرنا ہے اور اس سلسلے میں طریقہ کار سمجھانا ہے۔ تمہارے پاس کاغذ پین وغیرہ ہے ؟" مظاہر اپنے مقصد کی طرف آ گئے۔

"جی...... یہ فون کے ساتھ ہی نوٹ بک اور پین رکھا ہے۔"

ماہ نور کے جسم و جاں میں آزادی کے احساس سے جیسے توانائیاں دوڑنے لگیں جو اس کی آواز سے آشکار ہو رہی تھیں۔

"کل صبح میں تمہارے علاقے کے پولیس اسٹیشن میں ہوں گا۔ ایس ایچ او کے آفس میں ہم اور پولیس افسران ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ صرف میری شکایت سے بھی کام تو ہو سکتا ہے مگر تمہارا وہاں پولیس ہیلپ کے لیے ایک فون کرنا ضروری ہے۔ تمہیں یہ کہنا ہے کہ تمہاری اپنے شوہر سے ناچاقی ہو گئی ہے اور وہ تمہیں غصے میں قید کر کے چلا گیا ہے چونکہ تم پریگنینٹ ہو ڈپریشن کی وجہ سے تمہاری طبیعت بگڑ رہی ہے تمہیں میڈیکل ایڈ کی ضرورت ہے۔ بس اتنا کہنا کافی ہو گا باقی پھر میرا کام ہے۔ بس پولیس ریکارڈ پر یہ بات ہو کہ تم نے ہیلپ کے لیے کال کی تھی . . . اصل میں جس وقت تم اس کی بیوی ہو اور کسی تھرڈ پرسن کی مداخلت کو وہ کوئی رنگ دے کر تمہیں مزید کوئی تکلیف دے سکتا ہے۔ سمجھ گئیں ناں؟ یہ نمبر نوٹ کرلو ایک موبائل نمبر ہے اور دوسرا امام تھلی فون نمبر ہے لکھو۔"

وہ بولنے لگے۔ وہ جلدی جلدی لکھنے لگی۔

"اچھا تم ایزی رہو۔ کھانا کھا کر آرام سے سو جاؤ اور صبح کے لیے اچھی امید جگاؤ۔ اوکے؟ خدا حافظ۔" مظاہر نے کہا۔

"خدا حافظ۔" وہ زیر لب بولی اور ریسیور رکھ دیا۔

"بہت بہت شکریہ مظاہر بھائی۔" اس کے انگ انگ میں طمانیت پھوٹنے لگی۔ "تمہارا تو میں دماغ درست کر کے رہوں گی پاشا! تمہاری فرعونیت ایک دن ضرور زیر ہو گی۔"

اس کی چال ہی بدل گئی تھی اور اب بھوک بھی ستانے لگی تھی۔ اس لیے رخ کچن کی جانب تھا۔

☆☆☆☆☆

ہلکے سے کھٹکے پر قمر النساء کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ اپنی کمرے کے بجائے لاؤنج میں کارپٹ پر ہی سو گئی تھیں۔ نماز پڑھ کر ہلکی روشنی میں انہوں نے ادھر ادھر دیکھا۔ پاشا لاؤنج کا دروازہ کھول کر اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھیں۔ "کون......؟ پاشا . . . ؟"

"ہوں۔ میں ہی ہوں۔" وہ رکا نہیں چلتے چلتے بولا۔

قمر النساء اٹھ کر اس کے پیچھے چل پڑیں۔

"اب یہاں کیا کرنے آئے ہو؟ یہاں کون بیٹھا ہے تمہارا......؟ میں کہہ رہی ہوں۔ بس تم چلے جاؤ یہاں سے۔ یہ گھر تمہارے باپ نے میرے نام سے بنایا تھا۔ جب میں تمہاری ماں ہو کر تمہاری اجازت کے بغیر تمہارے گھر اندر داخل نہیں ہو سکتی تو تم بھی میری اجازت کے بغیر اس گھر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ بس فوراً سے پیشتر یہاں سے نکل جاؤ۔ سنا تم نے؟ اور زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں۔ گھر میں مہمان سو رہے ہیں۔"

وہ ناراض لہجے میں مخاطب تھیں۔

"کون مہمان. . . ؟" پاشا چونک کر پوچھنے لگا۔

"تم سے مطلب؟ میرا گھر ہے میرے مہمان ہیں۔" وہ بگڑ کر بولیں۔

"اماں......! یہاں میری کچھ ضروری چیزیں ہوتی ہیں۔ وہ لینے آیا ہوں۔ صبح چلا جاؤں گا آپ جا کر سو جائیں۔"

"صبح! میں تمہیں ایک منٹ برداشت نہیں کر سکتی۔ تم صبح کی بات کر رہے ہو۔ فوراً نکل جاؤ یہاں سے ورنہ میں باہر سڑک پر جا کر بیٹھ جاؤں گی اس وقت تک جب تک تم اس گھر میں موجود ہو گے۔"

قمر النساء کے انداز میں کوئی رعایت نہیں تھی اور دھمکی بھی دی تھی۔

"اماں! میں کہہ رہا ہوں ناں کہ صبح چلا جاؤں گا۔" وہ جیسے زچ ہو کر بولا۔

"نہیں۔ صبح میں بہت دیر ہے میں تمہیں ایک منٹ برداشت نہیں کر سکتی۔" قمر النساء نے قطعیت سے کہا۔

"اماں پلیز مجھے بہت ضروری کام تھا ورنہ مجھے بھی کوئی شوق نہیں یہاں آنے کا۔" وہ جھلایا۔

"بہت خوشی ہوئی مجھے یہ سن کر مگر کتنا بھی ضروری کام ہو۔ اس گھر میں میری بہو کے بغیر داخل مت ہونا۔ بس اب چلے جاؤ۔" وہ مصر ہو گئیں۔

"اماں! وہ آپ کی صرف بہو ہے۔ میں آپ کی اولاد ہوں۔" وہ جیسے سر پیٹ کر بولا۔

"بہت شرمندہ ہوں تم جیسے ناخلف کی ماں کہلا کر۔ وہ صرف بہو نہیں ہے۔ بیٹی ہے میری میرے دکھ درد کو سمجھنے والی۔ میری ہمدرد اور ہمراز۔ سارے رشتوں کی خوشی میں نے اس سے پائی ہے۔ میں اس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی تمہیں اس بے قصور بچی کی آہ سے ڈرو۔ اسے کون سی خوشی دی تھی جو رہی سہی کسر قید کر کے پوری کی ہے اتنی توہین میری کہ تمہارا ملازم تمہاری ماں کو اندر آنے سے روک رہا ہے۔ بڑی دو تین سے ہے ان حالوں میں تم اسے اذیت دے رہے ہو۔ خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا؟ شکل نہیں دیکھوں گی مرتے دم تک تمہاری سوچ لوں گی کوئی بیٹا ہی پیدا نہیں کیا تھا میں نے۔"

قمر النساء کی آواز بھرا گئی۔

"کچھ نہیں ہو گا اسے۔ وہاں بہت ملازم ہیں اس کی دیکھ بھال کرنے کے لیے۔ گاڑی بھی کھڑی ہوئی ہے وہاں ایمبولینس بھی منگوا سکتے ہیں۔ وہاں کے نوکروں کو اپنے سب کام آتے ہیں۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"اف۔ کتنے شقی و ظالم ہو تم۔ ایمبولنس کا انتظام کر کے کتنے اطمینان سے بیٹھے ہو۔ تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہے وہ۔ تمہیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہے؟" وہ آنکھیں پھاڑ کر اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"کون سا نیا کام کرنے جا رہی ہے۔ دنیا میں کروڑوں اربوں عورتیں یہ کام کر رہی ہیں اسے تو بہت سی سہولتیں حاصل ہیں۔ گاؤں دیہاتوں میں تو عورتیں مردوں کی طرح محنت مشقت بھی کرتی ہیں اور بچے بھی پیدا کرتی ہیں۔" وہ شان استغنا سے گویا ہوا۔

"ہمرے احمق! جو جہاں پیدا ہوتا ہے اسی حساب سے اس کا ذہن بن جاتا ہے شرم نہیں آتی ایک تو اسے بلا اجازت دے رہے ہو دوسرے کج بحثی کر رہے ہو؟ مجھے کچھ نہیں سننا بس مجھے اس کے بغیر اس گھر میں نظر نہ آؤ۔" وہ غضب ناک ہو کر کہہ رہی تھیں۔ استانی عائشہ کی وجہ سے بہت آہستہ بول رہی تھیں اور پاشا کو بھی آواز نیچی کرنے کی تاکید کر رہی تھیں۔

"پلیز اماں! آج مجھے کہنے دیں۔ آسمعہ نہیں آؤں گا۔" وہ جیسے خود بھی بحث سے تھک گیا۔

"نہیں نہیں بس تم چلے جاؤ" وہ بچوں کی طرح مچل گئیں۔ "جب تمہاری ماں تمہاری اجازت کے بغیر تمہارے گھر میں نہیں جا سکتی تو پھر تمہاری اتنی ہمت کیسے کہ مجھ سے پوچھے بغیر اس کے گھر کے اندر آؤ۔ پتا نہیں کس حساب میں سزا دے رہا ہے اس مظلوم بچی کو.... ؟ کون سی خاندانی دشمنیاں چل رہی تھیں اس کے ساتھ اسے دربدر کر کے کیا حاصل کیا ہے.... ؟"

قمر النساء بہت دکھ سے جلا دینے کے انداز میں بول رہی تھیں۔

"اماں! عورت اپنا عورت پن کھو دے تو ہر رشتہ کھو دیتی ہے مرد کو نیچا دکھانے والی عورت نہ تو مرد بن جاتی ہے نہ عورت ہی رہتی ہے۔ دنیا میں بہت سے انسان روز دھوکا کھاتے ہیں۔ ایک دھوکا میں نے بھی کھا لیا۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جو میں نے سمجھا تھا وہ وہ نہیں ہے۔"

"جھوٹ! بکواس! میرے سامنے زیادہ ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم نے اسے دیا ہی کیا ہے سوائے دکھ و ذلت کے پھر اس سے کیا توقع کر رہے ہو؟ اللہ نے ایک جائز عورت اختیار میں دی اس کے ہوتے ہوئے تم اتنی سستی عورتوں سے کام نکالنے لگ آئے۔ حد نہیں ہو گئی زیادتی کی؟ میں نے تمہارے باپ کے ہر شوق، ہر غلطی کو محبت کے ساتھ صرف اس لئے برداشت کیا کہ تمہارے باپ نے میرے علاوہ کبھی کسی دوسری عورت میں دلچسپی نہیں لی۔ مجھے دوسری عورت کے لئے جلاپے سے دوچار نہیں کیا۔ میں افزیہ کی پیدائش کے بعد ڈیڑھ سال بیمار ہو کر بستر سے لگی رہی مگر تمہارے باپ نے کبھی مجھ سے بیزاری ظاہر نہیں کی۔ میری تیمارداری کی۔ بہترین سے بہترین علاج کرایا۔ اتنا عرصہ میں نے تمہارے باپ کو کچھ نہیں دیا۔ نہ خدمت نہ خیال مگر اس اللہ کے بندے کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ وہ دنیا سے چلے گئے مگر میرے دل میں اب بھی ان کی قدر ہے عزت ہے اس بات پر کہ وہ میرے ساتھ ہمیشہ ایماندار رہے......

جس طرح صبر کے ساتھ انہوں نے میرے صحت مند ہونے کا انتظار کیا۔ اس بات نے مجھے خرید لیا۔ جب تک وہ زندہ رہے میرا دل چاہتا ان کی جوتیاں اپنے آنچل سے صاف کروں۔ تم نے اسے کیا دیا ہے جو اس سے امیدیں لگا کر بیٹھے۔ احمق! ابھی بھی ہوش کے ناخن لو۔ عورت اس مرد کو معاف نہیں کر سکتی جو اس کے حقوق ان جھولیوں میں ڈالے جو حقدار نہیں۔ مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں۔ تم شقی ہو بدنصیب۔" قمر النساء رونے لگیں۔

"اف...... اچھا اماں! مجھے اپنی ضروری چیزیں تو لینے دیں۔ چلا جاتا ہوں" پاشا نے زچ ہو کر کہا۔

"ہاں! اپنی سب ضروری چیزیں لے جاؤ۔ آئندہ یہاں آنے کا کوئی بہانہ نہ رکھو۔ جاؤ شاباش" قمر النساء نے اجازت دی۔

پاشا آگے بڑھ گیا۔

قمر النساء وہیں کھڑی ہو کر اس کا انتظار کرنے لگیں۔

"قمر بہن! آپ اس کے غصے کے سامنے اپنا غصہ نہ رکھیں۔ اس میں اور آپ میں بہت فرق ہے۔" معاً استانی عائشہ کی آواز پشت سے آئی۔

قمر النساء جیسے اپنی جگہ سے اچھل گئیں (او! استانی جاگ گئیں؟)

"پھر میں کیا کروں اس بچی کے لئے.... ؟" قمر النساء بے بسی سے بولیں۔

"اگر وہ فوراً تھوڑے صبر سے کام لیتا تو آج اس میں بہت تبدیلی آ چکی ہوتی۔ مگر اس نے بچپنے سے کام لیا۔ اکثر ہم صحیح ہونے کے غرور میں مبتلا ہوتے ہیں اور غلطی کرنے والے کو مزید غلطیوں پر ڈال دیتے ہیں۔ آپ وہ نہ کریں جو اس نے کیا۔ آج رات کو اسے باپ کے گھر سے بے دخل نہ کریں۔ اس گھر پر اس کا حق محفوظ ہے۔ آپ اسے رات گزارنے دیں۔ وہ کون سا یہاں رکے گا۔ اس کے ذہن میں اتنا دھواں نہ بھریں کہ روشنی کی کسی کرن کے داخل ہونے کا امکان ہی ختم ہو جائے۔ گنجائش چھوڑ کر عمل کریں۔ جانیں اسے۔ کمرے میں آرام کرے۔ صبح چلا جائے۔"

استانی نے بہت حلم و بردباری سے انہیں سمجھایا۔

قمر النساء قدرے ہچکچائیں مگر وہ استانی کی بات رد کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھیں۔ وہ آہستگی سے پاشا کے بیڈروم کی طرف بڑھیں۔ اثاثہ ترتیب دیتے ہوئے۔

"استانی کے کہنے پر میں تمہیں یہ کہنے آئی ہوں کہ رات ٹھہر جاؤ۔ صبح ناشتہ کر کے چلے جانا۔" وہ ہر قسم کے تاثر سے عاری لہجے میں مخاطب ہوئیں۔

"استانی.... ؟" پاشا الماری میں سر گھسائے جلدی جلدی کچھ الٹ پلٹ کرنے میں مصروف تھا چونک کر سیدھا ہو گیا "کیا آئی ہوئی ہیں؟"

"ہوں۔" وہ دھیما کر ہنکارا بھر کر پیچھے ہٹیں۔

"کیا جاگ رہی ہیں.... ؟"

"سو رہی تھیں۔ تمہاری وجہ سے جاگی ہوں گی انہی کے کہنے سے تمہیں رات ٹھہرا رہی ہوں۔" انہوں نے واضح کیا۔

"بہت بہت شکریہ۔" پاشا نے آف موڈ میں کہا۔ قمر النساء کچھ کہے بغیر باہر نکل آئیں۔
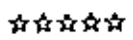
☆☆☆☆☆

"آؤ بھئی ریا بیٹی! تم تو نظر ہی نہیں آتیں۔ وہ آج تو ولیمہ ہے نا تمہارے کزن کا۔" نفیس خواجہ نے ناول بند کی۔ نور نظر کی عینک اتار کر ٹیبل پر رکھی۔

"جی ڈیڈی! ولیمہ تو رات آٹھ بجے ہے۔ ممی نے بتایا کہ آپ شام سات بجے فلائی کر جائیں گے اور دو مہینے بعد آئیں گے۔ میں نے سوچا آپ سے ملاقات کر لوں۔" ریا نے مسکرا کر کہا۔

جواباً نفیس خواجہ نے اسے نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ریا قدرے جھجکتے ہوئے بیٹھ گئی۔

"اور سناؤ بیٹا! نئی مصروفیات کیسی ہیں؟" نفیس خواجہ نے اپنے سب کام بھلا کر ریا کو توجہ سے نوازا۔

"کوئی خاص نہیں ڈیڈی! [illegible] آپ بھی بڑی لاوری کی۔ سوں بھی اکثر لیٹ ہو جاتے ہیں؟"

"ہاں تو بیٹا! آپ ایسا کریں بی بی ایس وغیرہ میں ایڈمیشن لے لیں۔ کمپیوٹر کا دور ہے اور کام بھی انٹرسٹنگ ہے۔ کیا خیال ہے! ایک فائدہ اس سے تمہیں مزید ہو سکتا ہے وہ یہ کہ تم بزنس میں سوہن کی معاون بن سکو گی۔ اس کے ساتھ ساتھ رہو گی......!"

"وہ تو ٹھیک ہے ڈیڈی! اس کے لئے تو مجھے سوچنا پڑے گا اور میں اس پر ضرور غور کروں گی اس وقت تو میں آپ کے پاس ایک ریکویسٹ لے کر حاضر ہوئی ہوں۔" ریبا بولتے بولتے رک گئی۔

"آپ پلیز مائنڈ مت کیجئے گا اس لئے کہ آپ کے ہاں ہاں ناں کی قبل انحصاری ہے۔"

"ارے بیٹا! آپ سے تو بات ہی اتنی کم ہوتی ہے۔ اس کم بات کو بھی مائنڈ کرلوں۔ آپ بلا جھجک بات کریں۔" نفیس خواجہ نے بھرپور دلچسپی سے اس کا چہرہ دیکھا کہ آخر وہ کیا خاص بات ان سے کرنے جا رہی ہے۔

"ڈیڈی! بات یہ ہے کہ ایک بہت چھوٹی سی بے بی ہے۔ اس کے پیرنٹس نہیں ہیں۔ مجھے بچے بھی اچھے لگتے ہیں اس وجہ سے میں سوچ رہی ہوں اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے اپنے پاس رکھ لوں۔ ؟ ایک انسان کی ہمارے گھر میں اچھی دیکھ بھال ہو جائے گی۔ زندگی بن جائے گی ورنہ بے چاری بے بی ادھر ادھر پلے گی تو سنا ہے......"

ریبا اتنا کہہ کر چپ ہو گئی۔ دل بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے نفیس خواجہ کی شکل دیکھی۔

ان کے چہرے کے تاثرات آن واحد میں تبدیل ہو گئے تھے چہرے پر گہری سوچ کی لکیریں کھنچ گئیں تھیں۔ وہ خاموش سے ہو گئے تھے جیسے اچانک کوئی بری خبر سن لی ہو۔

ریبا ان کے بولنے کا انتظار کر رہی تھیں۔

"کن لوگوں کی بچی ہے؟ پیرنٹس نہیں ہیں دوسرے رشتے تو ہوں گے دور قریب کے۔ اس وقت کس کے پاس ہے؟"

ریبا تو پے در پے سوالات سے بوکھلا کر رہ گئی۔

"بچی کی ماں کی کوئی ضعیف سی نانی ہے فی الحال اس کے پاس ہے۔" ریبا باقی سوالوں کے جواب گول کر گئی۔

"یعنی اس کی اپنی نانی بھی نہیں ہے۔" نفیس خواجہ نے خود ہی اندازہ لگا لیا۔

"جی......!" ریبا نے جی پر اکتفا کیا مبادا زیادہ لمبی بات سے مزید سوالات پھوٹ پڑیں۔

"تو باپ کی طرف سے بھی کوئی رشتے دار موجود نہیں......؟" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں......" ریبا نے پھر یک لفظی جواب دیا۔

"اوہ وری سیڈ۔ دیکھو ریبا! اللہ کا شکر ہے کہ اس گھر میں مالکوں سے زیادہ نوکر ہیں اور ان میں سے زیادہ اسی کچن سے کھانے پیتے ہیں۔ کسی کے کھانے پینے سے کوئی کمی ہونے کا مسئلہ نہیں ہے تم اس بچی کو پالو گی تو اسے تمہاری بیٹی ہی کہا جائے گا کل کو سوہن اور سنی کے اپنے بچے بھی ہوں گے اور ایک دن جوان ہوں گے ان میں شاید کسی کا اتنا حوصلہ نہ ہو کہ وہ باپ دادا کی وراثت میں ایک بے نام بچی کو شیئر کریں۔ اور یہ بچی تو اس خیال کے ساتھ شعور کی دنیا میں داخل ہو گی کہ وہ آپ کی اولاد ہے۔ آپ کا سٹیٹس اس کا سٹیٹس ہو گا جب اسے حق وراثت سے محروم کیا جائے گا تو اس کی شخصیت کی ٹوٹ پھوٹ کا ذمہ دار کون ہو گا؟ اور آپ کی محنت کا حاصل کیا ہو گا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ حق سچ کو کتنا ہی دبا چھپا کر رکھا جائے۔ ایک دن ظاہر ہو کر رہتا ہے۔"

نفیس خواجہ اپنی عمر کے حساب سے بہت پتے کی اور Calculated بات کر رہے تھے۔

"مائی گاڈ!" ریبا تو ان کی دوراندیشی کے آگے چھرے سے گننے کی سکت کھو بیٹھی۔

"دیکھتی خوبصورتی سے ڈیڈی نے انکار کیا ہے بڑا آخر بڑا ہے" وہ بھی اعتراف کر گئی۔ اس کا دل جیسے بیٹھنے لگا کس طرح ڈیڈی کو قائل کیا جائے ابھی تو پہلی ہی میرے ذہنے لگا کر راضی ہو گئیں۔

"وہ ایسا ہے کہ ڈیڈ جب وہ بڑی ہو گی تو اسے حقیقت بتا دیں گے۔" ریبا کو یہی جواب سوجھا۔

"وہ تو اسے ایک دن ویسے بھی پتا چل جائے گا۔ اسکول کالج میں تو تم اس کے والد کا نام عبدالباسط پوٹر کر سکتی ہو مگر نکاح نامہ پر تو اس کے اصلی باپ کا نام ہی استعمال ہو گا وہ بے بھی باپ کے نام کی جگہ کسی اور کا نام لگانا کچھ اچھی بات نہیں ہے کم از کم کوئی بھی شریف انسان ایسا کرنا پسند نہیں کرتا۔" نفیس خواجہ کے انداز میں حتمی پن تھا۔

"اف!" ریبا نے سر تھام لیا۔ ڈیڈی تو پوائنٹ پر پوائنٹ اٹھا رہے ہیں۔

"ایک اور اہم بات۔ کسی بچے کو اڈاپٹ کرتے ہوئے قانونی کارروائی بھی لازمی ہے اس کا کوئی رشتہ دار آ کر تمہیں بلیک میل بھی کر سکتا ہے یا تو بچی وہ یا تی رقم دو یا کوئی اور مطالبہ۔ تم اگر قانونی کارروائی کرتی ہو تو بڑی پریشانی کی گراہی کتنے روز تک موڑ ہو گی؟ وہ مزید کتنے دن زندہ رہے گی۔"

"ڈیڈی! وراثت کا مسئلہ ہے تو میں اپنے حصے میں سے اسے دے دوں گی۔ رہی قانونی کارروائی اگر اس کا کوئی قریبی رشتہ دار ملا تو اس سے بات کرلوں گی تب تو آپ اجازت دے دیں گے ناں؟"

ریبا کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور اس کا انداز اصرار میں بدل گیا وہ اپنی منوانے والی فطرت پر پلٹ کر رکھتی بات چیت پر از آئی جہاں اسے کوئی دلیل سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"تو تم اس کے رشتے دار کے ملنے تک انتظار کرو گی؟" نفیس خواجہ نے بردباری سے سوال کیا۔

"میں اس کا رشتہ دار ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کروں گی جلد سے جلد" اس نے بڑے بے صبرے پن سے جواب دیا۔

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ تم اس بچی کے لئے اتنی بیتاب کیوں ہو رہی ہو...... ؟ تم یک ہوا مید تمہاری شادی بھی نئی نئی ہے ایسا بھی نہیں ہے کہ بے اولادی کی وجہ سے تم اتنی جذباتی ہو جاؤ۔" نفیس خواجہ ذرا کھل کر بولے ان کی مجبوری تھی۔

"بس ڈیڈی! وہ بچی بہت کیوٹ ہے۔ مجھے بہت اچھی لگ رہی ہے اور کوئی بات نہیں۔" ریبا نے اپنی فطری صاف گوئی سے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

"میں اپنے بچوں کے معاملے میں بہت زیادہ سوفٹ ہارٹڈ واقع ہوا ہوں۔ تمہارا یہ شوق دیکھ کر دل تو یہی چاہ رہا ہے کہ ہر مصلحت سے آنکھیں چرا کر تم سے کہوں کہ بے بی لے آؤ اور اس کے ساتھ خوش رہو لیکن ایک بات ہے۔ اس سلسلے میں تمہیں مجھ سے پہلے اپنی ممی سے پرمیشن لینا چاہیے تھی۔ میرا خیال ہے انہیں اعتراض ہو گا۔ انہوں نے تو اپنا بچہ بھی نہیں کس طرح پالا ہے۔" نفیس خواجہ اس مرتبہ مسکرا کر بولے "ظاہر ہے موم سے تو تم نے بات کی ہو گی۔"

"میں نے پہلے ممی ہی سے بات کی تھی۔ انہوں نے مجھے آپ سے بات کرنے کے لئے کہا تھا۔" ریبا نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"ہاؤ اسٹرینج۔ ویسے عمر کے ساتھ ان میں بہت چینج آ رہا ہے جس پر مجھے اکثر حیرت بھی بہت ہوتی ہے اور خوشی بھی۔ میرے خیال میں یہ میرے صبر کا صلہ ہے۔" نفیس خواجہ اس مرتبہ وہ عمر سے ہنس دیے تھے۔

"ممی تو بہت اچھی ہیں ڈیڈی! بہت بزی ہوتی ہیں تو اس روز مجھے ہر بات اچھی لگتی ہے بہت مزہ آتا ہے ایسا لگتا ہے۔ گھر میں اس وقت سب کچھ ہے کسی چیز کی کمی نہیں۔" ریبا مسکرا کر بولی۔

"وری نائس۔ تم دونوں کا ٹوم گینز بک آف دی ورلڈ ریکارڈ میں آ جانا چاہیے۔ ایک بھوسا اس کے پیچھے پیچھے اس کے

مدح سرائی کر رہی ہے۔ جزاک اللہ بہت خوشی ہوئی۔ میرا خیال ہے انہوں نے لڑنے جھگڑنے کی ساری مشق مجھ غریب پر مکمل کر لی ہے ان کو اس قسم کی کوئی حسرت نہیں ہے وہ خوشگوار انداز میں ربیا کو خوش کر رہے تھے۔ ربیا بھی ہنس پڑی اور اس کے بعد قدرے خاموش رہی جیسے کسی سوچ میں پڑ گئی ہو۔

"اچھا تو پھر ڈیڈی! میں کیا سمجھوں؟"

"بیٹے! مجھے باربی ڈول کے سیٹ لانے کو کہو ابھی لا دیتا ہوں۔ یہ ایک سنجیدہ قسم کا مسئلہ ہے۔ مجھے غور کرنے دو بتا دوں گا ایک دو روز میں۔ فی الحال میں مطمئن نہیں ہوں۔ ٹھیک ہے بیٹا؟"

نفیس خواجہ نے بہت خوب صورتی سے اسے ٹال دیا جس پر وہ اندر سے خاصی بجھ گئی۔

"ٹھیک ہے ڈیڈی! میں بھی اس کا کوئی پوشیدہ وارث برآمد کرنے کی تیاری کرتی ہوں۔" وہ مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اگر نہ ملے میرا مطلب اسٹاک ختم ہوا امپورٹ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔" نفیس خواجہ نے انگلی اٹھا کر تاکید کے ضمن میں کہا۔ اندازِ تفنن۔

"اوہ ڈیڈی۔" وہ ان کی بات سمجھ کر بے ساختہ ہنس پڑی۔

☆☆☆☆☆

"اس گھر میں کتنے افراد رہتے ہیں.....؟" ایک جسیم مرد چوکیدار سے پوچھ رہا تھا۔

"صاب اور بیگم صاب اور نوکر لوگ اوں ہوتا ہے۔" چوکیدار نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"صاحب یا بیگم کا کوئی رشتے دار.....؟" آدمی نے پھر پوچھا۔

"آم پہلے بولا۔ صرف صاب اور بیگم صاب۔ آپ مردم شماری کرتا اے؟" چوکیدار نے بھی سوال کیا۔

"نہیں، ہم پولیس اسٹیشن سے آئے ہیں۔ وہ سامنے کھڑی ہے پولیس وین۔ سامنے بنگلے کے گیٹ کے باہر نظر آ رہی ہے؟"

"تب۔ پولیس کا کیا کام یہ تو شریف لوگوں کا گھر اے" چوکیدار بوکھلا گیا۔

"تم یہ تو بتا ہی چکے ہو کہ ادھر صاحب اور اس کی بیگم رہتی ہے اب یہ بھی بتا دو کہ صاحب گھر کس وقت تشریف لاتے ہیں؟" اس مرتبہ آدمی کا لہجہ بدل چکا تھا۔

"اس کا کوئی وقت نہیں۔ جب دل چاہتا ہے آتا ہے جب دل چاہتا ہے جاتا اے بادشاہ آدمی ہے۔" چوکیدار نے صاب کی شان میں قصیدہ پڑھا۔

"کتنے روز سے تم نے اسے ادھر نہیں دیکھا.....؟" سوال ہوا۔

"آج کا دن ملاتا ہوں تو آٹھ دن بنتا ہے۔ یہ کوئی خاص بات نہیں اے۔ صاب باہر غیر وطن جاتا رہتا اے۔ اس کا بہت بڑا بجنس (بزنس) ہے۔" اب چوکیدار بہت محتاط انداز میں جواب دے رہا تھا۔ (میرے خدایا سادہ کپڑوں میں پولیس آیا ہے)۔

"بیگم صاحبہ باہر آتی جاتی ہوں گی.....؟"

"وہ نہیں جاتا۔ اس کو پرمشن نہیں اے۔" چوکیدار نے سیدھے پن سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے وہ قید میں ہے گیٹ میں تالا بھی ہے اور چوکیدار بھی ہے۔" آدمی نے قدرے کڑے تیور میں سوال کیا۔

"اس کا اپنا گھر اے۔ جیل نہیں اے۔ صاب کا حکم تو سب رکھتا اے۔ نوکر بھی رکھتا بیگم بھی۔" چوکیدار نے نمک حلالی

کرتے ہوئے صاحب کو پاک صاف ظاہر کیا۔

"ہمیں تو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تمہاری بیگم صاحبہ باہر نہیں جا سکتی اور کوئی اس کا قریبی رشتہ دار اس سے ملنے اندر نہیں جا سکتا۔ لوگ اس طرح گھر میں رہتے ہیں.....؟ پھر جیل کس کو کہتے ہیں۔ تمہاری بیگم صاحبہ کی طبیعت بہت خراب ہے۔ اسے اسپتال پہنچانا ہے اور تمہیں اور اندر کے ملازمین کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہے۔"

"صاب ام کو معلوم نہیں کہ آپ کتنا بڑا افسر ہو مگر ام ہاتھ باندھ کر بولتا اے ام کو تالا کھولنے کا پرمشن نہیں اے۔" چوکیدار گڑگڑایا۔

"اگر تم تالا نہیں کھولو گے تو پولیس توڑ دے گی۔" آدمی نے کہا اور وین کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"تم اپنی گن استعمال کرنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ تمہیں الٹا نقصان ہوگا اور نہ بھاگنے کی کوشش کرنا۔ پولیس تمہیں کچھ نہیں کہے گی۔ صرف تمہارا اور اندر کے ملازمین کا بیان ہوگا اس کے بعد تم اس جگہ واپس آ سکتے ہو۔ تم تالا کھول رہے ہو یا میں فائر کر کے تالا توڑ دوں.....؟" آدمی نے بجلی کی سی تیزی سے بغلی جیب سے ریوالور نکال لیا تھا۔ پولیس وین گیٹ پر آ چکی تھی۔

چوکیدار نے ایک لمحہ کچھ سوچا اور گیٹ کھول دیا۔ باوردی پولیس کے سپاہی تیزی سے اندر داخل ہو گئے۔ بٹلر لاؤنج میں صوفے پر دراز ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ سپاہیوں کو دیکھ کر ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا جیسے اوسان جا رہے ہوں۔

"تمہاری بیگم صاحبہ کہاں ہے؟" ایک افسر نے بٹلر سے وقت ضائع کیے بغیر پوچھا۔

"وہ اوپر ہیں۔ آپ تشریف رکھیے۔ میں ان کو نیچے بلاتا ہوں" بٹلر نے گھبراہٹ چھپاتے ہوئے مؤدبانہ کہا۔

"نہیں۔ تم ادھر ہی رکو ہم خود اوپر چلے جائیں گے۔" پولیس افسر نے اسے قدم بڑھانے سے روک دیا۔ سپاہیوں کو وہیں کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور خود زینے کی طرف بڑھ گیا۔

ماہ نور مظاہر کی ہدایت کے مطابق بیمار بنی لیٹی تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے نقاہت بھری آواز میں پوچھا "کون ہے؟"

"میڈم دروازہ کھولیے پولیس ہیلپ فار یو۔"

☆☆☆☆☆

ماہ نور نے گویا پھانسی ٹلنے کی نوید سنی تھی.....سارے وجود میں بجلیاں سی دوڑنے لگیں۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ معاً اسے مظاہر کی تاکید و ہدایت یاد آئی۔ اس نے آواز میں جتنی بھر سکتی تھی نقاہت بھر کر کہا۔

"جسٹ اے منٹ پلیز....." اور پاؤں میں چپل ڈالی دوپٹہ درست کیا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے تک آئی اور دروازہ کھول دیا۔

"آپ نے اپنی جو بھی ضروری چیزیں لینا ہوں وہ لے لیں.....ہم آپ کو آزاد کرانے آئے ہیں۔" آفیسر نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بہت مختصر بات کی۔

"جی ٹھیک ہے۔ آپ نیچے تشریف رکھیے۔ میں پانچ منٹ میں آتی ہوں۔" اس نے دلی خوشی چھپاتے ہوئے بظاہر بڑے نحیف انداز میں کہا۔

"ویسے آپ مجھے لے کر کہاں جائیں گے.....؟ پولیس اسٹیشن؟" اس نے سوال کیا جو بہت بنیادی و فطری تھا۔

"ہم آپ کو تشریف آباد آپ کی والدہ کے پاس لے جائیں گے۔ مسٹر مظاہر کی یہی تاکید ہے بہرحال آپ وہاں

پولیس حراست میں ہوں گی۔ اگر آپ ضرورت محسوس کرتی ہیں تو پہلے آپ کو ہاسپٹل یا کلینک بھی لے جایا جا سکتا ہے۔" آفیسر نے اس کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ نیچے تشریف رکھیے۔ میں آتی ہوں۔" آفیسر نیچے جانے کے لئے زینے کی طرف بڑھا اور وہ جلدی جلدی اپنی ضروری چیزیں سمیٹنے لگی۔

قمر النساء کو مظاہر اطلاع دے چکے تھے۔ وہ بہت بے چینی سے اس کی منتظر تھیں۔ پولیس وین گھر کے مین گیٹ پر رکی تو انہوں نے بہت بے تابی سے گیٹ کھول دیا اور اسے پولیس وین سے اترتا دیکھ کر جیسے پسینہ پسینہ ہو گئیں "خدایا کیا تماشا ہے ساس کے گھر بھی پولیس کی مدد سے آئی ہے۔" وہ پولیس اہلکاروں کو سامنے پا کر ذرا جھجک کر گیٹ کی اوٹ میں ہو گئیں۔

"اماں جی! السلام علیکم۔" آفیسر انہیں دیکھ رہا تھا۔

"یہ آپ کی بہو ماہ نور پاشا آپ کے پاس آگئی ہیں۔ ان کا خیال رکھیے۔ فی الحال آپ کے گھر پر پولیس کی نگرانی ہے۔ کچھ قانونی تقاضے باقی ہیں۔ آپ کے بیٹے کے ری ایکشن اور مسز پاشا کی خواہش کے مطابق ایک قانونی فیصلہ ہو سکے گا۔ اس وقت تک آپ ان کا خیال رکھیے۔ آپ لوگوں کے کہیں آنے جانے پر پابندی نہیں ہے۔ مگر آپ کو احتیاط کرنا ہو گی۔ اگر آپ اپنی بہو کو میڈیکل چیک اپ کے لئے لے جانا چاہیں تو جا سکتی ہیں۔ مجھے اجازت دیجئے۔"

آفیسر چھڑی بغل میں دبا کر پلٹ گیا۔

ماہ نور نے قدم گیٹ کے اندر رکھے اور قمر النساء بے اختیار اس سے لپٹ گئیں۔

"میری بچی..... ماں صدقے ... یا اللہ تیرا شکر ہے۔ راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ توبہ کیسا وقت پڑا تھا۔ اب تم بالکل فکر نہ کرنا... اب تو وہ یہاں آ بھی نہیں سکتا۔ گیٹ پار کرتے ہی ٹھیں دوں گی۔" وہ اسے تھام کر اندر کی طرف چلیں۔

"استانی عائشہ بھی تمہارا انتظار کر رہی ہیں..... کہہ رہی تھیں ماہ نور سے ملاقات ہو جائے تو واپس گھر جاؤں..." وہ کہہ رہی تھیں۔

استانی عائشہ کا سن کر ماہ نور کے وجود میں جیسے تمام حقیقی توانائیاں جاگ پڑیں۔ اس کے چلنے کے انداز میں یکدم تبدیلی آگئی۔ اس کی متلاشی نظریں ادھر ادھر استانی کو ڈھونڈنے لگیں۔ استانی بھی گویا اس کی منتظر تھیں فوراً ہی سامنے آگئیں تھیں۔ دونوں بازو وا کیے ہوئے۔

ماہ نور ان کے گلے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"خالہ جان! میں اس شہر میں نہیں رہوں گی۔ آپ مجھے اپنے ساتھ لے چلیے۔ یہ شہر میرے لئے منحوس ہے۔ یہاں ایک پل کو سکون نہیں۔ کون ہے یہاں میرا..... کیوں رہوں میں یہاں..... پلیز آپ مجھے لے چلیے یہاں سے... مجھے کل رات نیند نہیں آئی۔ مجھے آپ کا گھر یاد آیا تھا۔ میں نے اپنی زندگی کے بہترین دن آپ کے گھر میں گزارے ہیں۔" وہ بلکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ہاں... ٹھیک ہے۔ تم میرے ساتھ ہی رہنا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر ابھی تمہاری حالت ایسی ہے کہ سہولتوں سے محروم کسی علاقے میں رہنا تمہارے لیے مشکلات پیدا کرے گا۔ تم ساتھ خیریت کے فارغ ہو جاؤ..... تو میں تمہیں بھی اور بچے کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔" وہ اس کی پشت سہلاتے ہوئے تسلی دینے لگیں۔

"نہیں نہیں..... بس اب میں اس شہر میں نہیں رہوں گی..... آخر ادھر اور بھی عورتیں رہتی ہیں۔ ان کے ہاں بچے ہوتے ہیں۔ میری طرح کی انسان ہی تو ہیں۔ آپ مجھے مت بہلایئے۔" وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

"ہاں..... ہاں۔ تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے۔ مگر وہاں کی عورتیں وہاں کے ماحول کی عادی ہیں۔ تمہارے لئے اس حال میں رہنا آسان نہیں ہو گا۔ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو..... میں تمہیں بہلا نہیں رہی ہوں۔" استانی عائشہ نے محبت سے اس کی پیشانی چومی۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ پھر آپ میرے ساتھ یہیں رہیں۔" اس کے انداز میں بچکانہ سی ضد تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں تمہاری خاطر ایک دو روز مزید رک جاؤں گی۔ اس سے زیادہ نہیں۔ بیٹے مجھے وہاں بھی بہت سے کام ہیں۔ قرآن سیکھنے والی بچیاں میری راہ تک رہی ہوں گی۔ ان کا کافی حرج ہو رہا ہے۔ سمجھ رہی ہو ناں میری بات.....؟" استانی عائشہ نے بہت پیار سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہاں کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ خدا کے لئے آپ تو مجھے مایوس نہ کیجئے۔ آپ کو کیا پتا، محل کی وہ دوزخ کا کیا مزہ ہوتا ہے۔ میں تو تصور سے بھی خوفزدہ ہوں۔ آپ اس کے لئے مجھے بھلائی کا سبق دیتی ہیں جس نے مجھے اتنی ذہنی اذیتیں دیں جو کسی جانی دشمن کو دی جاتی ہوں گی یا ان کو جن سے اقبالِ جرم کرانا ہوتا ہے۔" وہ بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ابھی اس موضوع کو نہیں چھیڑو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ ہوش و حواس بھی ٹھکانے نہیں ہیں..... بہن! اس کو کچھ کھانے پینے کو دیں تاکہ اس کے بعد یہ آرام کرلے۔ اس وقت اسے پرسکون نیند کی ضرورت ہے۔ تب ہی اس کی طبیعت بحال ہو گی۔" استانی عائشہ اسے لے کر صوفے پر بیٹھ گئیں اور قمر النساء سے مخاطب ہوئیں۔

"جی..... لاتی ہوں..... ابھی میں سنگترے کا جوس ہی نکال رہی تھی۔ آپ کے خیال سے کہ آپ صبح کو جلدی ناشتہ کرتی ہیں اور وہ بھی بہت ہلکا..... دو گلاس تو نکل ہی گئے ہوں گے۔ ابھی لاتی ہوں۔"

قمر النساء کے تو اس وقت ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ خوشی سے بے حال ہو رہی تھیں۔

"بس اب اپنے ذہن پر بوجھ ڈالنے کی ضرورت نہیں..... آرام کرو..... اور پرسکون رہو۔ اللہ نے کرم کیا۔ اس کا شکر ادا کرو جتنا ہو سکے۔" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ماہ نور نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

قمر النساء بڑے میں دو گلاس رکھے لاؤنج میں آگئیں۔ "تازہ بھی ہے اور ٹھنڈا بھی۔ جلدی سے پی لو۔" انہوں نے ٹرے سے گلاس اٹھا کر پہلے استانی کو تھمایا پھر ماہ نور کو دیتے ہوئے بولیں۔

"آپ اپنے لیے نہیں لائیں۔ یوں تو اچھا محسوس نہیں ہو رہا۔" استانی عائشہ نے قمر النساء سے کہا۔

"میں لے لوں گی۔ اور نکال رہی ہوں۔ اس وقت تو ماہ نور کو سامنے دیکھ کر میں خود کو بہت صحت مند اور طاقتور محسوس کر رہی ہوں۔ بلکہ ابھی تک جیسے یقین نہیں آ رہا۔ آپ جتنی میں دو گانہ شکرانہ پڑھ لوں۔" وہ ماہ نور کو گلاس تھما کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اچھی بات۔" استانی عائشہ نے صرف دو لفظ کہے اور جوس پینے لگیں۔

"تم تو یہ تازہ جوس دن میں تین چار مرتبہ پیا کرو... بچہ خوبصورت ہو گا... اللہ اسے خوش قسمت بھی بنائے..... یہ اچھی تبدیلی ہو گی تمہاری زندگی میں۔ وہ دھیمی آواز میں کہنے لگیں۔" "ہونہہ جس کا باپ سارے ملک کی پولیس کو مطلوب ہے وہ بے چارہ کیا خوش قسمت ہو گا؟!" ماہ نور نے تلخی سے کہا۔

"ایسے نہیں بولتے۔ ہر انسان اپنا علیحدہ مقدر لاتا ہے۔ بعض بچے ہوش سنبھالتے ہیں تو پتا چلتا ہے ماں باپ دونوں کے سائے سے محروم ہیں۔ مگر ان کے نصیب اتنے بلند ہوتے ہیں اور وہ دنیا میں ایسے کارنامے انجام دیتے ہیں جو شوہر اور ماں باپ کی محبت حاصل ہونے کے باوجود بچے انجام نہیں دے پاتے۔ اللہ نے ہر ایک کے ذمے کام لگائے ہوئے ہیں۔ روحانیت تلافی ہے

"دو تو ہوں.... اگر کچھ شک باقی ہے تو ثابت کر دوں گا۔ غم کھانے کی ضرورت نہیں۔" پاشا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کون کی زوجہ محترمہ کا ذکر خیر فرما رہے ہیں۔ ایرانی یہودی بیوی یا مسلمان بیوی کا...... مجھے بھی پتا چلے میرا کیس کس کے ساتھ بن رہا ہے۔ ذرا تیاری رکھوں۔"

مظاہر کو آج بہت نادر موقع ملا شیر پنجرے میں دھاڑ رہا تھا بڑا پرلطف تماشا تھا۔

"پہلے قرضے اترے نہیں تیا۔ نئے کیوں چڑھا رہے ہو؟" پاشا نے بل کھا کر طنزیہ کہا۔

"یہ ہمارا تو آبائی مزاج ہے۔ بہت شوق ہے قرضے چڑھانے کا۔ خدا حافظ۔" مظاہر نے ریسیور کریڈل پر بہت آہستگی سے رکھ دیا اور وہیں کھڑے کھڑے کچھ سوچنے لگے۔

"میاں.... ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ وہ کون تھا؟ صبح صبح لڑنے بھڑنے کو ٹیلی فون گھما دیا اور کوئی وقت نہیں ملتا تھا۔" بڑی اماں انہیں ماحول میں دوبارہ کھینچ لائیں۔

"جی بڑی اماں! کر رہا ہوں ناشتا۔" وہ تیزی سے چلتے ہوئے اپنی سیٹ پر دوبارہ آ بیٹھے۔ اور جلدی جلدی پلیٹ خالی کرنے لگے۔ ناشتے کا موڈ تو ختم ہو ہی گیا تھا۔ بڑی اماں کے خیال سے دوبارہ بیٹھ گئے تھے۔

"تم نے بتایا نہیں کون تھا.... اور یہ بیوی وغیرہ کا کیا قصہ ہے؟ بیٹے خیریت تو ہے نا کوئی پریشانی ہے کیا۔ مجھ سے کیا چھپانا۔ میں ابھی سے نماز حاجت پڑھنا شروع کر دوں گی۔ گھر میں "آیت کریمہ" کا ورد کراؤں گی۔ ان شاء اللہ ہر مشکل دور ہو جائے گی۔" بڑی اماں بہت متفکر دکھائی دے رہی تھیں۔

"ارے نہیں بڑی اماں.... آپ پریشان نہ ہوں۔ میں جس سیٹ پر بیٹھا ہوں وہاں تو مسئلے مسائل چلتے ہی رہتے ہیں۔ انہیں حل کرنے کی تو تنخواہ ملتی ہے مجھے....." مظاہر نے اپنا موڈ بحال کر کے بڑی اماں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"یہ بھلا کیا نوکری ہوئی کہ مار بیویوں کو بھی بیچ میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ یہ تو بھی پہلی مرتبہ سن رہے ہیں۔" بڑی اماں کو سخت تعجب تھا۔

"بس بڑی اماں آپ پریشان نہ ہوں اس دنیا میں بہت کچھ ہوتا ہے۔" مظاہر جلدی جلدی چائے کے گھونٹ بھرنے لگے۔

بڑی اماں کو تسلی نہ ہوئی۔ وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے کچھ پڑھنے لگیں۔ مظاہر اٹھنے لگے تو انہوں نے اشارے سے بیٹھے رہنے کو کہا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھیں اور مظاہر پر پھونکیں مارنے لگیں۔

"جاؤ بیٹا! اللہ کی امان میں.... احتیاط فرض ہے۔ اونٹ باندھ کر توکل کا حکم ہے۔ موقع لگے تو فون کر دینا۔ تسلی رہتی ہے۔" وہ برتن سمیٹنے لگیں۔

☆☆☆☆☆
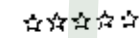
"دیکھو بیٹی! ہمارے معاشرے میں عورت قربانی اور برداشت سے اپنے لئے مقام بناتی ہے۔ جو ایسا نہیں کرتی وہ اپنے سے وابستہ ہر رشتے کا لطف کھو دیتی ہے۔ مرد کے مقابل مردوں کی طرح کھڑی ہو کر عورت مرد تو نہیں بن پاتی بلکہ اپنا عورت پن بھی کھو دیتی ہے اور اپنا بہت بڑا نقصان کر سکتی ہے۔

تمہارا یہ .... عورت اپنے شوہر کے ساتھ دوسری کو برداشت نہیں کر سکتی اور اس عورت کو تو بالکل بھی نہیں جو اس کے شوہر پر قبضہ جما کر غرور کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی عورت سے جان چھڑانے کا صحیح طریقہ کیا ہونا چاہیے۔ اپنے شوہر سے الجھ کر کیا وہ شوہر کے دل پر قابض ہو سکتی ہے؟ کیا اس حرکت سے وہ شوہر کو بے زار نہیں کر رہی؟ جس طرح خوشیاں اللہ کی

طرف سے ہوتی ہیں۔ اسی طرح مصیبتیں بھی آزمائش کے لئے اللہ کی طرف سے آتی ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں جو مصیبت تجھ پر پڑے وہ برداشت کر ورنہ وہ تجھ سے برداشت کرائی جائے گی۔ یعنی اس کا حکم ماننے میں عافیت ہے ورنہ اسے حکم منوانا آتا ہے۔

جب برداشت کرنا طے ہے تو شروع ہی سے برداشت کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ یہ مرحلہ ہر صورت طے کرنا ہے۔ شور مچا کر بھی اور خاموشی و وقار کے ساتھ بھی۔ اس لئے کہ واویلا کرنے سے پڑنے والی مصیبت کا عرصہ کم نہیں ہو جاتا اور نہ اس کی شدت میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ میں اس لئے نہیں کہہ رہی کہ زندگی میں نے خود اس طریقہ کار سے فائدہ اٹھایا ہے۔ بلکہ اس لئے کہہ رہی ہوں کہ اس طریقہ کار پر عمل نہ کرنے سے میں نے حد درجہ نقصان اٹھایا ہے۔ ایسا نقصان کہ اگر اللہ نے توبہ قبول نہ کی ہوتی تو باطنی سکون کی نعمت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتی۔"

استانی عائشہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

ماہ نور آنکھیں پھاڑ کر ان کی صورت دیکھنے لگی۔

"آپ نے نقصان اٹھایا ہے؟ آپ تو سب جاننے والی ہستی ہیں" وہ حیرت سے بت بنی جا رہی تھی۔

"دیا جلانے سے پہلے دیا جلانے کے لوازمات بھی ہوا کرتے ہیں بیٹی! ایک چھوٹا سا مٹی کا برتن حاصل کرتے ہیں۔ روئی دھو کر بتی بناتے ہیں.... کرہ سے تیل خرید کر لاتے ہیں، دیے میں تیل ڈالتے ہیں پھر روشن کرنے کے لئے دیا سلائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک دیا سلائی نہ ملے تب تک دیا، تیل، بتی سب بیکار.... ذرا سوچو اندھیرے میں دیا سلائی نہ مل رہی ہو تو کیسی بھاگ دوڑ شروع ہو جاتی ہے۔ اتنی تگ و دو کے بعد دیا روشن ہوتا ہے تم نے میرے لیے دیے کی مثال دی ہے تو میں یہ بھی بتا دوں کہ تگ و دو کتنی ہوئی ہوگی۔"

استانی عائشہ نے معمول کے انداز میں بات مکمل کی۔

"آپ نے توبہ کا ذکر کیا تو ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے..... مگر آپ کہتی ہیں کچھ محسوس نہ کریں میں بہرحال آپ سے چھوٹی ہوں۔" ماہ نور جھجک کر رک گئی۔

"نہیں نہیں..... جو بات کرنا چاہتی ہو کھل کر کہو۔ میں سن رہی ہوں۔" استانی عائشہ نے اسے حوصلہ دیا بلکہ پشت پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔

"کیا آپ سے کوئی سیریس قسم کی غلطی ہو گئی تھی؟" ماہ نور نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ کوئی گستاخی کر بیٹھی ہو۔

"ہاں..... ایسی غلطی جو مسلم معاشرے کی کسی عورت سے ہو جائے تو قبر میں اترنے تک اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ پھر کوڑھ زدہ وجود کی طرح رہتی ہے۔ وہ اس معاشرے میں۔" استانی نے بہت واضح آواز و الفاظ میں جواب دیا۔

ماہ نور ششدر سی ان کی صورت دیکھتی رہ گئی۔

"خا..... خالہ..... خالہ جان .... آ..... آپ....." اس کے حلق سے آوازیں نکل پا رہی تھیں۔ جیسے کوئی بلند و بالا عمارت دھماکے سے زمین بوس ہوئی ہو اور ماحول میں ایک آفت اتر آئی ہو۔

"اتنی حیرت کیوں بیٹی؟ علم کی روشنی سے پہلے اگر جہالت کا اندھیرا رہا ہو تو یقینی بات ہے ٹھوکریں بھی لگی ہوں گی۔" وہ بہت سکون و وقار سے کہہ رہی تھیں۔

"ایسی کون سی غلطی ہوتی ہے کہ عورت کوڑھی کی مثال ہو جاتی ہے۔" ماہ نور کچھ نہیں پا رہی تھی۔ بلکہ بلکہ اس کے دماغ

نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

"ہوتی ہے..... عورت کی کوئی بھول اس بھول سے بڑی نہیں ہوتی۔" استانی عائشہ نے وثوق سے جواب دیا۔

"وہ کیا ہوتی ہے....." ماہ نور نے جھجکتے ہوئے ان کی سمت نظریں اٹھائیں۔

"اپنے جائز و قانونی شریک سفر کے ہوتے ہوئے..... اس کے نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسرے مرد میں دلچسپی لینا۔" اسی اطمینان سے جواب دیا گیا۔

"آ..... آ..... آپ.....!" ماہ نور پر تو کوئی پہاڑ ٹوٹا تھا۔ بری طرح ہکلا کر رہ گئی۔

"ہاں..... میں سچ بتا رہی ہوں۔ میں توبہ یعنی سچی توبہ کی قبولیت کے معیار سے آشنا ہو چکی ہوں۔ اللہ نے مجھ پر احسان کی انتہا کر دی ہے۔ بے شک وہ تواب الرحیم ہے۔ لیکن اپنی غلطی کو غلطی کہنے کا اپنا لطف ہے۔ بڑا جی چاہتا تھا کسی کو اندھیرے سے لے کر دیے تک کی کہانی سناؤں۔ آج قدرت نے خود بخود موقع فراہم کر دیا۔ بیٹی! اتنا حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کے بے شمار ہدایت یافتہ لوگ ایسے بھی ہیں جو مادر زاد ولی نہیں ہوتے..... اندھیروں میں ٹھوکریں کھا کر دیا جلانے کے مرحلے سے گزرتے ہیں۔"

استانی عائشہ نے ماہ نور کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ملائمت سے کہا۔

"خالہ جان..... آ..... آپ کو اپنے بارے میں اس طرح کی بات نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کا امیج ایک بہت عالمہ فاضلہ خاتون کا ہے۔" ماہ نور نے خوفزدہ ہو کر کہا۔ حالانکہ تجسس کا ایک سمندر ذہن میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"ہاں تو یہ امیج طویل سفر و ریاضت کا حاصل ہے۔ جو کچھ ہو گزرا وہ میرا ماضی ہے حال نہیں..... میں تو تمہیں سمجھانے کے لئے اپنی مثال دے رہی ہوں۔ اب تو جیسے گزر رہی ہے وہ تمہارے سامنے ہے میں تو تمہیں یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ تم نیک بخت ہو۔ تمہاری آزمائش میری آزمائش کی طرح سخت نہیں ہے۔ تم اب بھی خود کو سنبھال سکتی ہو۔ اپنے لئے آسانیاں پیدا کر سکتی ہو۔"

وہ شفقت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"جب تک دیانت داری کا جذبہ اور عمل موجود ہے۔ اللہ کی غضب ناک آواز تمہارا قلب نہیں دہلائے گی۔ تم مشکلوں میں بھی چین کی نیند کا ذائقہ چکھو گی..... پناہ مانگو اس وقت سے جب ہر پل خدا کی ناراض اور غضب ناک آواز تمہیں لتاڑنے لگے۔" استانی عائشہ کی آواز آنسوؤں میں بھیگ گئی۔

ماہ نور حواس باختہ سی بیٹھی ان کا لفظ لفظ تول رہی تھی۔

"خو..... خدا کی آواز سے آپ کا کیا مطلب ہے؟" وہ غائب دماغی کی کیفیت میں پوچھنے لگی۔

"ضمیر کی آواز..... جو تمہاری پسند اور خواہش کے مطابق تم سے گفتگو نہیں کرتی۔ بلکہ عدل کے معیار کے ساتھ تم سے مخاطب ہوتی ہے۔" استانی عائشہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ ماہ نور اپنی جگہ خاموش بیٹھی تھی۔

"مرد کے برابری اور انا کی جنگ شروع کرنے والی عورت آخر کار تنہا رہ جاتی ہے۔ تم نے بھی مشاہدہ کیا ہوگا..... جو عورتیں اپنے سسرال میں نیک نام اور عزت دار ہوتی ہیں۔ شوہر کی دل چسپی ہوتی ہیں وہ اپنے میکے سمیت خاندان بھر میں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں۔ ان کا ہر جگہ شاندار استقبال ہوتا ہے۔ بہ نسبت اس عورت کے جس کی شوہر کے ساتھ نہیں بنتی..... وہ ہر جگہ اپنے شوہر کو برا بھلا کہتی دکھائی دیتی ہے۔ ہر جگہ اس کی آمد کسی بوجھ کی طرح قبول کی جاتی ہے۔ جتنی بے توقیر خود ہوتی ہے اپنے بچوں کو بھی معاشرے میں بے توقیر کر دیتی ہے۔

اپنے منہ سے شوہر کی برائیاں کر کے دوسروں کی نظروں میں گرانے والی احمق عورت یہ بات سمجھ نہیں پاتی کہ شادی کے بعد وہ شوہر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر دوسروں کی نظر میں اس کے شوہر کی کوئی وقعت عزت نہیں ہے تو اس کی کیا خاک ہوگی۔ وہ اس گمان میں ہوتی ہے کہ جن کو وہ اپنے رونے سنا رہی ہے وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔ اس کی مدد کریں گے۔ اس کے ناجائز یا زیادتی پر مبنی مطالبات منوانے کے لئے اس کے شوہر کو گھیر لیں گے دباؤ ڈالیں گے۔ جو مقصد وہ شوہر سے براہ راست حاصل نہیں کر سکی تو دوسروں کے دباؤ سے اس کا ما تحت بنا کر کے حاصل کر لے گی۔

ایسی عورت اگر اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو کیا وہ اپنے شوہر کی پرخلوص محبت حاصل کر سکتی ہے۔ شوہر کے دل کے دروازے تو اسی روز سے بند ہونا شروع ہو جاتے ہیں جس دن سے وہ شوہر کو دوسروں کے سامنے شرمندہ کرنا شروع کرتی ہے..... بند دروازے والے گھر میں بھلا دیپ جلتے ہیں۔"

استانی عائشہ کی آواز میں غم کی کیفیت تھی۔

"ہر عمل کا ردعمل بھی ہوتا ہے خالہ جان! ہر انسان کی برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ آپ کے ساتھ بھی تو کچھ ہوا ہوگا ورنہ آپ کی فطرت تو بہت اچھی ہے۔" ماہ نور جیسے کسی نتیجے پر پہنچی۔

"ہاں ہر انسان کی برداشت کی حد ہوتی ہے۔ مگر عورت کے لئے اگر بہت کچھ ناقابل برداشت ہو جائے تو مذہب نے حدود پھلانگنے کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ خلع کا راستہ دیا ہے۔ حدود پھلانگنے کی اجازت انتہائی حالات میں بھی نہیں ہے۔ رہی میری فطرت کی بات جو تمہیں اچھی لگ رہی ہے۔ یہ ہرگز بھی اچھی نہیں تھی۔ یہ تو سچی توبہ کے جواب میں مجھ پر اللہ کا احسان ہوا ہے۔"

"سچی توبہ تو بس توبہ ہوتی ہے خالہ جان!" ماہ نور الجھ کر بولی۔ ہنوز حیرت کے سمندر میں غوطے لگا رہی تھی (یہ اتنی اچھی عورت؟)

"سچی توبہ یہ ہے کہ جو گناہ سرزد ہوا ہے وہ کبھی دوبارہ نہ ہونے کرنے کی نیت ہو اور توبہ کے بعد زیادہ سے زیادہ بھلائی کے کام کرنے کی کوشش کی جائے اور اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے ماتحت اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کی جائے۔ توبہ کی قبولیت کی نشانی یہ ہے کہ آپ کو بہانے بہانے سے بھلائی کی توفیق ملنے لگے۔ آپ کے ہاتھوں اچھے کام انجام پانے لگیں۔"

"پھر تو آپ بہت خوش قسمت ہیں۔" ماہ نور کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ہاں یہ کرم نوازی کرم نوازی ہے مگر بحیثیت انسان بہت کچھ کھونے کے ملال تو قبر میں ساتھ اتریں گے۔" استانی عائشہ کے لہجے میں عجیب سا کرب تھا۔

"آپ اپنے منہ سے خود پر تنقید کر رہی ہیں اور تجسس کے باوجود کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہے۔" ماہ نور نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"تم نہ پوچھو۔ میں خود بتا دوں گی تا کہ تم میری داستان عبرت میں اپنے لیے بہتری کا کوئی پہلو ڈھونڈ نکالو۔

میں بہت ہی غریب ماں باپ کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ ایک اسکول میں پرائمری ٹیچر تھا۔ میری ماں سلائی کر کے تنگ دستی سے جنگ لڑتی تھی۔ میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ مجھ سے چھوٹے دو بھائی تھے میرے والدین اپنی اولاد کو تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ ہماری تعلیم پر اپنا پیٹ کاٹ کر خرچ کرتے تھے جبکہ ہمارے رشتے داروں کی اکثریت خوشحال تھی۔ میں ان سب کے رہن سہن پر بہت رشک کیا کرتی تھی۔ میری ماں مجھے سمجھاتی کہ جو اللہ کی تقسیم پر راضی رہتا ہے وہ سب سے زیادہ خوش حال ہوتا ہے۔ وہ دوسروں سے حسد نہیں کرتا۔ کسی کے پاس موجود نعمتوں کو حریصانہ نہیں دیکھتا۔

مگر ماں کی باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں میں سوچتی تھی۔ وہ اپنی غربت کو خوشحالی جیسی سے ڈھانپنے کی کوشش کرتی ہے۔

میری شکل صورت ذرا اچھی تھی۔ اچھا پہننا اوڑھنا لیتی تو جچ جاتی۔ قمر دارین میں تھی تو رشتہ داروں کے ہاں شادی کی تقریب میں ایک خاتون کو بھا گئی۔ وہ فوراً ہی رشتہ لے کر آگئیں جو میرے والدین کو بہت پسند آیا۔ کیونکہ ان کے خاندان میں تعلیم بھی تھی اور خوش حالی بھی وہ خاتون کار میں آئی تھیں۔ ہمارے گھر۔ ان کی چمکتی کار کو ہمارے سارے محلے نے دیکھا تھا اور اماں سے پوچھا تھا کہ تمہارے گھر کون آیا تھا...؟

بھولے بھٹکے کوئی رشتے دار ہمارے ہاں کار میں آتا تھا تو ہم سے ضرور اس کے بارے میں پوچھا جاتا تھا۔ محلے میں کار والے رشتے داروں کی وجہ سے بھی ہمیں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا میرے والد نے کرائے کے گھر سے بچنے کے لیے آبادی میں ایک چھوٹا سا ذاتی گھر بنایا تھا۔

خیر پھر بھاگ دوڑ چھان بین کا سلسلہ شروع ہوا۔ میرے والدین نے ان پر واضح کر دیا کہ وہ قابل ذکر قسم کا جہیز دینے کی حیثیت نہیں رکھتے۔

وہ خاتون بولیں اگر ہم نے جہیز کی وجہ سے اپنے بیٹے کی شادی کرنا ہوتی تو کھاتے کماتے والے لڑکے کو رشتوں کی کیا کمی۔ مجھے تو آپ کی بیٹی بہت بھائی ہے میرے بیٹے کا اچھا جوڑ بن رہا ہے۔ میرے لیے تو یہ بہت بڑی خوشی ہوگی آپ باراتیوں کو ایک ایک گلاس شربت پلا دیجئے۔ کھانا ہم اپنے گھر پر کھلا دیں گے۔ آپ کو کوئی تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔"

میرے والدین تو بہت ہی خوش ہوئے کہ اتنے اچھے اور خاندانی لوگوں کا رشتہ مل رہا ہے۔ تھوڑے سے تکلفات کے بعد جلد ہی میری شادی ہوگئی۔ میری سسرال میں اس وقت ایک جیٹھ، جٹھانی، ساس اور دو کنواری نندیں تھیں جن کی شادی میری شادی کے کئی سال بعد ہوئی۔ میری سسرال کے سب لوگ بہت اچھے تھے۔ بہت ملنسار اور امن پسند بس ایک میری جٹھانی کا مزاج ذرا تیز تھا مگر میری ساس بہت سمجھداری سے سنبھال لیتی تھیں۔"

"اور آپ کے شوہر...؟" ماہ نور نے بے ساختہ پوچھا تھا اس لیے کہ کہانی کا مرکزی کردار تو ان کے شوہر ہی تھے۔ "بہت سیدھے سادے بہت خاموش بہت محبت کرنے والے۔" آواز استانی عائشہ نے رک کر ایک آہ بھری۔

"پھر کیا بات ہو گئی تھی...؟" ماہ نور نے تعجب سے پوچھا۔

"فوراً ہی کوئی بات نہیں ہوگئی تھی۔ ہم نے ایک طویل عرصہ ایک دوسرے کے ساتھ گزارا ہے۔ ہمارے چھ بچے ہوئے۔"

"چھ بچے؟ چھ اچھا چھ بچوں کے بعد؟" ماہ نور گویا حیرت سے آدھی ہونے لگی۔

"کیا ہوا؟" قمر شاہ اپنے کسی کام سے اس طرف آ نکلی تھیں۔ استانی عائشہ کے آنسو دیکھ کر بری طرح گھبرا گئیں اور ان کے مقابل بیٹھ کر ان کا شانہ ہلانے لگیں۔

"ماہ نور! پانی لاؤ۔ کوئی بات ہوگی۔" بحیثیت میزبان ان کی پریشانی کی نوعیت دوسری ہی تھی۔

"آپ پریشان نہ ہوں بس یونہی ایک بات چل نکلی تھی۔" استانی عائشہ نے آنسو پونچھتے ہوئے قمر شاہ کو تسلی دی۔

"توبہ۔ میں تو گھبرا ہی گئی کہ پتا نہیں ہم لوگوں سے کیا غلطی ہوگئی اور آپ کا دل دکھ گیا۔"

ماہ نور پانی لینے چلی گئی تھی۔ "اماں درمیان میں آگئی ہیں۔ اب جانے کب موقع ملے استانی کی داستان حیات کا اگلا حصہ سننے کا" وہ فریج کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

لنچ ٹائم میں نفیس خواجہ نے مون کو اپنے آفس میں یہ کہہ کر بلا لیا تھا کہ لنچ ساتھ کریں گے۔ مون آفس پہنچا تو گھر سے

آیا کھانا ٹیبل پر لگ چکا تھا۔

"آؤ مون! آج کا لنچ بہت مزے دار ہے۔ گرمیوں کی خاص ڈش کڑھی چاول اور گوشت کے آمیزے میں چپلی کباب.....؟" نفیس خواجہ کو بھوک بھی لگ رہی تھی۔ کچھ کھانا بھی پسندیدہ تھا۔ اس لیے وہ مون کو دیکھتے ہی شروع ہو گئے۔

"کڑھی چاول تو آپ کو واقعی بہت پسند ہیں میں بچپن سے نوٹ کر رہا ہوں۔" مون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب تو کُک کے ہاتھ کی کڑھی کھانے کو ملتی ہے۔ پہلے تمہاری ماں بناتی تھی۔ اتنی مزیدار کڑھی کہ اب تک کسی کی بنائی ہوئی کڑھی میں ویسا ٹیسٹ نہیں پایا۔" نفیس خواجہ نے ایک کباب لے کر اپنی پلیٹ میں رکھا۔

وہ کرتے بہت اچھے سالن تھی۔ گرمیوں میں صرف لان کے پرنٹڈ کپڑے ہوئے کرتے پہنتا تھا۔ بہت اچھے سجتی تھی اور بہت خوب صورت کڑھائی کرتی تھی گھر کا سب کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی جنت جیسے سکون کا احساس ہوتا تھا مگر وہ جنت بہت تھوڑے عرصے کے لئے میرے پاس آئی تھی۔ میں نے زندگی کا لطف ہی تمہاری ماں کے ساتھ اٹھایا ہے۔" نفیس خواجہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"کاش اتنی اچھی ماں کے ساتھ مجھے بھی کچھ وقت گزارنے کا موقع ملتا۔" مون نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں مجھے احساس ہے کہ میں نے تمہارے لیے سوتیلی ماں کا فیصلہ کر کے بہت زیادتی کی تھی۔"

"نہیں خیر۔ ڈیڈی! ممی بہت اچھی ہیں۔" مون نے فوراً انہیں احساس جرم سے باہر نکالنے کی کوشش کی۔

"یہ تو تمہاری پوزیٹو نیچر ہے کہ تم ایسے کہہ رہے ہو ورنہ میں نے بہت کچھ دیکھا بھی ہے اور محسوس بھی کیا ہے۔" نفیس خواجہ نے جواب دیا۔

"اب تو وہ میرا بہت خیال رکھتی ہیں" مون نے نظریں جھکا کر کہا۔

"ہاں یہ بہت بڑی بات ہے جس پر میری حیرت ختم نہیں ہوئی کہ آخر یہ چینج کیسے آیا؟ صرف تمہارے ساتھ ہی نہیں میرے ساتھ بھی بہت چینج ہوگئی ہے۔ جبکہ میری عمر بھر کی کوششوں کے باوجود ایسا نہیں ہو پایا۔ میں اس کے تمام جھگڑے اس لیے برداشت کرتا تھا کہ شاید میرے حسن سلوک کے جواب میں وہ تمہارا خیال رکھنے لگے۔ مگر کبھی کچھ نہیں ہوا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا اس میں اچانک چینج کیسے آگیا۔"

نفیس خواجہ اپنی حیرت کا اظہار کر رہے تھے اور مون نظریں جھکائے یوں بیٹھا تھا جیسے اس کی صورت پر کچھ تحریر ہو۔ ماہ نور پڑھ نے جانے کا خدشہ ہو وہ کچھ نہ بولا۔

"اصل میں تو میں نے تمہیں آج دریا کی وجہ سے بلایا ہے۔" نفیس خواجہ اصل موضوع کی طرف آئے۔ "دریا کی وجہ سے؟" وہ کچھ چونکا مگر انجان بننا اس کی مجبوری تھی۔

"تمہیں تو آل ریڈی پتا ہی ہوگا کہ وہ کوئی بے بی اڈاپٹ کرنا چاہ رہی ہے۔ مجھ سے پرمیشن مانگ رہی تھی۔" نفیس خواجہ نے کہا۔

"جی، جی۔ اس نے مجھ سے بات کی تھی تو میں نے یہی کہا تھا کہ ڈیڈی سے پوچھنا پڑے گا۔" مون نے نظر چراتے ہوئے جواب دیا۔

"ہوں تمہاری بھی تو کوئی رائے ہوگی ظاہر ہے پھر اس بے بی کی ذمہ داری تو تم پر ہوگی تم اسے اپنی اولاد کی حیثیت سے ہی پرورش کرو گے۔ کسی کے بچے کو اپنا کر پالنا جبکہ کوئی مجبوری بھی نہ ہو کوئی آسان بات نہیں۔ تمہارے ذہن میں تو یہ ہوگا کہ اڈاپٹڈ بے بی ہے لیکن بے بی تو ہوش سنبھالنے کے بعد تمہیں اپنا باپ ہی سمجھے گی اور بہت کچھ ڈیمانڈ کرے گی۔ کیا تم اپنے

اندر اتنی صلاحیت پاتے ہو کہ کسی کے بچے کو حقیقی باپ کی طرح کینز کر سکو۔ نفسیاتی لحاظ سے اس کی تسلی میرا مطلب ہے سیٹسفیکشن کر سکو کہ وہ کمی محسوس نہ کرے۔" نفیس خواجہ نے پوچھا۔

"بچہ تو معصوم ہوتا ہے غیروں کو بھی اچھا لگتا ہے جب اسے اپنا لیں گے تو وہ خود ہی ہمیں اپنی طرف اٹریکٹ کرے گا۔" مومن نے بہت سنبھل کر جواب دیا۔

"یعنی کہ تم اگری ہو تمہیں ربیا کی خواہش پر کوئی اعتراض نہیں وہ تمہیں کنوینس کر چکی ہے۔"

نفیس خواجہ نے بغور مومن کا چہرہ دیکھا جو بظاہر کھانے کی پلیٹ کی طرف متوجہ تھا۔

"جی ڈیڈی! وہ بہت زیادہ بچی میں انوالو ہو چکی ہے۔ میں اسے ہر طرح سے سمجھا چکا ہوں۔ ہر پوائنٹ سامنے رکھا ہے اس کی سوچ میں کوئی چینج نہیں ہے۔ ذمہ داری تو اسی نے اٹھانا ہے۔ میں تو صرف فائنلی سپورٹ کر رہا ہے۔"

مومن نے لاپروا انداز میں جواب دیا۔

"ہاں مگر فی الحال۔ بے بی کے سینس ایبل ہوتے ہی تمہاری ذمہ داری بھی بڑھ جائے گی۔ تمہیں مکمل طور پر اس کے فادر کا رول پلے کرنا ہوگا۔" نفیس خواجہ نے اسے احساس دلایا۔

"جی ڈیڈی! تب تک بے بی سے اتنی دوستی ہو چکی ہوگی کہ فادر کا رول پلے کرنا آسان ہو جائے گا۔" مومن نے فوراً جواب دیا۔

"اچھی بات۔ یعنی تم ذہنی طور پر خود کو تیار کر چکے ہو گو میں باپ کی حیثیت سے تمہیں پھر مشورہ دوں گا کہ یہ کوئی معمولی ذمہ داری نہیں۔ ابھی وقت ہے تم مزید غور کر سکتے ہو۔" نفیس خواجہ بہت احتیاط کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

"ہم دونوں تو ذہنی طور پر بے بی کیلئے خود کو تیار کر چکے ہیں صرف آپ کی اجازت چاہتے ہیں۔" مومن نے صاف اور حتمی بات کی۔

"ویسے تم لوگوں نے اس بے بی کو کہاں دیکھا تھا....؟ بڑی کل بے بی ہے۔ پیدا ہوئی تو پاس کچھ بھی نہیں تھا اور فوراً ہی اسے پیرنٹس بھی مل گئے اور اچھا گھر بھی۔"

نفیس خواجہ اس مرتبہ مسکرا کر کہہ رہے تھے جو ان کی رضامندی کی علامت تھی۔

مومن ابھی تک ان سے نظر ملا کر بات نہیں کر رہا تھا مگر ایک سکون کا احساس اس کے چہرے سے ہویدا ہو رہا تھا۔

"بہر حال کوئی بچہ اڈاپٹ کرنے سے پہلے ضروری قانونی کاروائی کر لینا بہتر ہوتا ہے۔ ساتھ ہی میں تمہیں ایک بات اور کہہ دیتا ہوں۔ آنیسٹی از دی بیسٹ پالیسی Honesty is the best policy کل کو جب تمہارے پاس اپنی حقیقی اولاد ہو تو اس بچی میں کوئی کمی چھوڑنا بہت بد دیانتی اور زیادتی ہوگی۔ اگر کوئی ذمہ داری سر لی ہے تو اس کے تمام تقاضے پورا کرنا ہوں گے۔"

"جی میں سمجھتا ہوں۔" مومن نے کہا۔

"سمجھنا اور بات ہے عمل کرنا دوسری بات۔ یہ بہت مشکل ہوگا تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ ربیا کی عمر کم ہے۔ اس میں نیا نیا جوش و خروش ہے۔ اس لئے غور کرنے اور ہر پوائنٹ کا جائزہ لینے کا کام تمہارا رہ جاتا ہے۔ باقی واہ سے یہ بے بی آپ لوگوں نے کہاں دریافت کیا؟" نفیس خواجہ نے اچانک ٹریک چینج کیا۔

مومن اس سوال کے لئے تیار نہیں تھا گڑبڑا سا گیا۔

"وہ ربیا نے کہیں دیکھا تھا" وہ یہی کہہ سکا۔

"بعض بچے اس دنیا میں بڑی ہارڈ لک لے کر آتے ہیں۔ شروع ہی سے بہت سی بنیادی ضروریات سے محروم ہوتے ہیں گناہ اور مکافات عمل تو بہت آگے کی بات ہوتی ہے۔ بند مٹھی والا بچہ کوئی گناہ کرنے کا سینس نہیں رکھتا مگر اس کی زندگی ہی کسی گناہ کی طرح شروع ہوتی ہے شاید یہ بچے گناہ کی وراثت کا بوجھ اپنی پیٹھ پر لاد کر اس دنیا میں آتے ہیں۔"

نفیس خواجہ بہت گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے بے ساختہ انداز میں کہہ رہے تھے۔ مومن کے کھانا کھانے کی رفتار آہستہ ہو گئی یوں جیسے اس کی اپنی پیٹھ کسی بوجھ سے بوجھل ہو گئی ہو خاموشی اس کی مجبوری تھی۔

☆☆☆☆☆

"آؤ شمسہ! خیریت؟" مظاہر شمسہ کو اپنے کمرے میں دیکھ کر قدرے حیران ہوئے۔

"جی خیریت ہے۔ آپ سے ایک کام ہے اور وہ کام ایسا ہے کہ آپ کر سکتے ہیں۔" شمسہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "ہاں کیوں یہ تو تم نے مجھے کام بتانے سے پہلے ہی ایزی کر دیا کہ میں تمہارا کوئی کام کر سکتا ہوں۔ ہاں بولو۔" مظاہر ٹیلی فون ڈائریکٹری لیے بیٹھے تھے اس میں نشانی کے طور پر ایک کاغذ رکھا اور بند کر کے ایک طرف ڈال دی۔

"وہ اکا جان! آپ تو ماہ نور آپی سے ملتے رہتے ہیں ان کی خیر خبر رکھتے ہیں۔ کیا آپ مجھے ان سے ملوا سکتے ہیں؟ پتہ نہیں میں کب انڈیا چلی جاؤں اور پتا نہیں پھر زندگی میں اپنی بہن کی صورت دیکھنے کا موقع ملے یا نہ ملے۔" شمسہ کی آواز بھرا گئی۔

مظاہر نے نظریں اٹھا کر ایک لحظہ کو شمسہ کی طرف دیکھا۔ سی گرین کلر کے خوب صورت سوٹ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ بجھی بجھی شمسہ کے چہرے پر اداسی ضرور تھی مگر چہرے پر تازگی کی چمک بھی واضح تھی۔

"بڑی اماں سے اجازت لے لی ہے تم نے؟" (اس پلید گناہ گار سے ملنے کی) مظاہر کے لہجے میں لاشعوری طور پر ایک تلخی سی در آئی۔

"اجازت ملنے کا امکان ہوتا تو پھر نانی جان سے ہی اجازت لے کر جہاں کیساتھ ملنے چلی جاتی۔ آپ سے کیوں کہتی۔ اکا جان پلیز۔" شمسہ نے جیسے التجا کی۔

"ہوں ٹھیک ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں فی الحال تو ماہ نور خود مشکل میں ہے ایک دو دن رک جاؤ پھر میں تمہیں لے چلوں گا" مظاہر نے اس کو تسلی دی۔

"وہ تو شروع ہی سے مشکل میں ہیں۔ اب بے چاری کو کیا نئی مشکل ہے اکا جان؟" شمسہ نے بہت دل گرفتہ انداز میں کہا۔

"ہاں ابھی اس کی ہر مشکل سے نئی مشکل پیدا ہو رہی ہے لیکن قدرت اسے صلہ ضرور دے گی ان شاء اللہ نہ اندھیرا مستقل رہتا ہے نہ روشنی۔" مظاہر نے شمسہ کو سنبھالنے کی کوشش کی اس احساس سے ہی سنبھل سکتی تھی کہ اس کی بہن کی مشکل بھی آخر کار ختم ہو گی۔ اندھیرے میں روشنی پھوٹنے کا یقین بھی رحمان کے قرب کا پتا دیتا ہے۔

"اللہ کرے بہت جلد ایسا ہو۔ آپا تو بہت اچھی ہیں اکا جان! میں نے ان کو کبھی کسی سے لڑتے نہیں دیکھا ضد کرتے نہیں دیکھا ہمیشہ جانے کی عادت سے بھی پتا چلتا ہے کہ بہت کچھ سہنا پڑے گا۔" شمسہ پلکیں جھپکاتے ہوئے آنسو روک رہی تھی۔

مظاہر نے بڑی حیرت سے چھوٹی عمر کی شمسہ کی بڑی بات سنی تھی۔

"پلیز اکا جان! آپ نا لے کر جائیں۔ مجھے آپی سے ہر صورت ملنا ہے۔ آپ کو مجھ پر ترس نہیں آتا؟" زندہ بہن کو روتی ہوں۔" وہ سسکتی ہوئی باہر چلی گئی۔

"مجھے تو تم سب پر ترس آ رہا ہے اپنے بنائے ہوئے قانون کے پھندے اپنی گردنوں پر کسنے والے۔" مظاہر نے ڈائریکٹری دوبارہ اٹھاتے ہوئے بہت دکھ سے سوچا تھا۔

☆☆☆☆☆

"بڑی اماں! وہ پاشا آیا ہے۔ کہتا ہے بڑی اماں سے ملنا ہے۔ بہت ضروری۔" مظہر خاصا حواس باختہ دکھائی دے رہا تھا۔

"اوئی اب کیوں ملاقاتیں سوجھ رہی ہیں ماں جی کو۔ ہمارا کیا لگتا ہے۔ مار بھگاؤ، منع کیا ہے جاؤ کہہ دو بڑی اماں کو کسی سے نہیں ملنا۔" بڑی اماں تو ہولنے لگی تھیں۔

مظہر نے چند ثانیے کچھ سوچا پھر پلٹ گیا۔

مگر چند منٹ بعد دوبارہ آ گیا تھا۔

"بڑی اماں! وہ کہہ رہا ہے کہ آپ اس سے نہیں ملیں تو وہ گیٹ کا لاک فائر کر کے توڑ دے گا اور اندر آ جائے گا میں تو اس سے انٹرکام پر بات کر رہا ہوں مجھے نہیں معلوم وہ اکیلا ہے یا اس کے ساتھ کوئی اور بھی دہشت گرد ہے۔" مظہر نے فکرمند لہجے میں کہا۔

"ارے ہماری عزت کا جنازہ تو اپنے کندھے پر لاد کر بھاگ گیا تھا اب مجھ بڑھی کے پیچھے کیوں پڑا ہے قرضہ دینا ہے اس کا۔ پہلے تو دھمکانے کی وجہ سمجھ میں آتی تھی۔ اب کس واسطے ڈراوا دے رہا ہے۔ کہہ دو نہیں ملتیں بڑی اماں۔" بڑی اماں غصے سے لال بھبوکا ہو رہی تھیں۔ مظہر نے قدم بڑھا دیے۔

"اچھا ٹھہرو میں تمہاری منحوس انٹرکام میں بات کرتی ہوں۔ اس بدمعاش کا کیا بھروسا ارے میرے پھول سے بچے میری عمر بھر کی پونجی! جاؤ تم اوپر جا کر بیٹھ جاؤ۔ خبردار میری اجازت کے بغیر نیچے نہ آنا۔ اوپر جمال سو رہا ہے اسے بھی روکے رکھنا اگر جاگ پڑے تو۔" بڑی اماں داخلی حصے کی طرف چل پڑیں۔

مظہر کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا اوپر جانے کو۔ اس کا وجود تو تجسس کے جھٹکوں سے ہل رہا تھا۔ (آخر کیوں آیا ہے اب کیا مسئلہ ہے) مگر بڑی اماں کا حکم ماننا بھی بہت ضروری تھا۔ ورنہ وہ پاشا کو چھوڑ کر اس میں مصروف ہو جاتیں۔

"میاں! خدا واسطے کے بیر تو ہمارے بندے ہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں مگر ابھی ہماری عزت کا جنازہ اٹھے دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔ دم تو لینے دو۔" بڑی اماں انٹرکام سے چپکی چلی آئی تھیں اور جیسے پھٹ پڑی تھیں۔

"مجھے آپ کے در دولت پر حاضری دینے کا قطعی شوق نہیں۔ میں تو بس یہ کہنے آیا ہوں کہ آپ مظاہر سے کہیں کہ وہ میری بیوی میرے حوالے کر دے جو یقیناً اس نے کہیں چھپائی ہوئی ہے۔ پکا آدمی ہے کچا کام تو نہیں کیا ہوگا۔" پاشا کی آواز آئی۔

"ارے بندر کیا اوائی تواتی کہے چلے جاتے ہو۔ ارے ہم اس پر فاتحہ پڑھ چکے ہیں اور ہمارے بچے ایسے نہیں ہیں کہ کوئی ان کی عزت اچھالے تو وہ ان کی عورتیں اٹھاتے پھریں۔ سمجھے کہ نہیں۔" بڑی اماں غضب ناک ہوئیں۔

"لیکن آپ کا بچہ یہ کام کر چکا ہے۔ میں نے آج تک کسی کا خون نہیں کیا مگر بیوی کا معاملہ ہے۔ ایسا کر سکتا ہوں آپ سیدھے سیدھے ماہ نور کو میرے حوالے کر دیں۔ اسی میں آپ سب کی بھلائی ہے۔" پاشا صاف دھمکی کی زبان میں بات کر رہا تھا۔

"اماں تم سے کوئی بعید بھی نہیں۔ تم کچھ بھی کر سکتے ہو جس کی کوئی عزت نہ ہو وہ کسی بات سے نہیں ڈرتا۔ ہم کیوں سانپ ہاتھ میں پکڑنے لگے؟ خیر اپنے بچے کی خاطر میں تمہاری تسلی کیے دیتی ہوں ورنہ تمہیں کسی قیمت پر بھی اپنے گھر میں قدم نہ رکھنے دیتی۔ کھولتی ہوں دروازہ اندر آ کر گھر چھان مارو اور چپ چاپ اپنا رستہ لو۔" بڑی اماں اتنا کہہ کر گیٹ کی طرف بڑھ گئیں۔

"جانے کتنے شیطان مرے تھے تو اس کا جنم ہوا تھا۔ ناسور بن گیا ہے ہماری جان کا۔" وہ بڑبڑاتی گیٹ کھول رہی تھیں۔

"آ جاؤ میاں! ہمارے گھر میں کوئی تہ خانہ نہیں۔ تسلی نہ ہو تو زمین کھود کر دیکھ لینا۔" بڑی اماں نے پاشا کی طرف دیکھنا بھی پسند نہ کیا۔

پاشا ان کے اعتماد سے ڈانواڈول تو ویسے ہی ہو گیا تھا جستجو کا احساس خود بخود ہی معدوم ہو گیا تھا پھر بھی اس نے دروازہ کھلا دیکھ کر کچھ فائدہ اٹھانا چاہا۔ کم از کم وہ دادی کو پوتے کے خلاف تو کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔

بڑی اماں ایک طرف ہو گئیں۔ پاشا اندر داخل ہو گیا۔

"وہ سویرے سویرے ٹیلی فون بھی تم نے کھڑکایا تھا؟" وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"مجبوری تھی معذرت خواہ ہوں۔ آپ نے گھر کی تلاشی کی اجازت دے کر ثابت تو کر دیا ہے کہ ماہ نور یہاں نہیں ہے۔ اب اتنی مہربانی اور کر دیجیے کہ اپنے پوتے سے معلوم کر لیجیے کہ میری بیوی کہاں ہے؟ میں آپ کو یقین دلا رہا ہوں کہ میں شک نہیں کر رہا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مظاہر کو معلوم ہے کہ ماہ نور کہاں ہے۔ وہ اس سے ملتا بھی رہا ہے اور فون پر بھی بات چیت ہوتی رہی ہے اور اس کے علاوہ ماہ نور کو ادھر ادھر کرنے کی کسی کو نہ کوئی غرض ہے نہ ہمت۔ بس اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ زحمت ہوئی آپ کو۔ معذرت خواہ ہوں، بس میرا کام یاد رکھیے گا خدا حافظ۔" پاشا اتنا کہہ کر واپس پلٹ گیا۔

بڑی اماں حیران پریشان اس کے پیچھے پیچھے چل پڑیں اور گیٹ سے باہر جھانکنے لگیں۔ پاشا اپنی بلیک مرسڈیز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بڑی اماں نے گیٹ بند کر دیا۔

"اسی دن کو تو کہتی تھی کہ ایسے خطرناک لوگوں سے بچ کر چلو۔ بڑے بوڑھوں کی بات پر کان نہیں دھرتے۔ بتاؤ کھڑے کھڑے کتنا بڑا الزام لگا گیا میرے بچے پر۔ ارے جب وہ اختیار میں تھی تو میرے بچے نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اب کیا پڑی ہے اسے۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے ٹھکانے پر پہنچیں اور مظہر جو سیڑھی کے نیچے کان لگائے کھڑا تھا۔ دھڑا دھڑ زینہ پھلانگتا نیچے اترا۔ "بڑی اماں کیا ہوا.....؟"

"ارے تو کچھ ہوتا تو خدانخواستہ۔ فعان ہوا شکر ہے پر جھوٹ۔" وہ اپنے تخت پر دراز ہو گئیں۔

"بڑی اماں! آپ تو بڑی بہادر ہیں۔ ایسے ایسے جلادوں کو فیس کر لیتی ہیں۔ جوانی میں تو آپ اور بھی بہت بہادر ہوں گی۔" مظہر بہت متاثر نظر آیا۔ "دو تین منٹ میں فارغ کر دیا بڑی اماں نے کمال ہے۔"

"ارے تو کیا ہم نے اس کی زمین پر قبضہ کیا ہے؟ یا ڈاکہ مارا ہے گوڑے مارے کے گھر میں جو ڈریں۔ اس میں بہادری کیا ہوئی۔" بڑی اماں نے کریڈٹ لینے سے صاف انکار کر دیا۔

"جھوٹے جھوٹے الزام لگا رہا تھا۔ میں نے سنائیں دو چار۔ بھاگ گیا مارے ہاں جھوٹ بھی وہ کہ آسمان پہ جھنڈا لہرانے والی بات۔ گھر ہی دیکھ لیا ہے ہمارا۔ تجھے اللہ سمجھے۔"

"کیا الزام لگا رہا تھا؟" الزام لفظ سن کر مظہر بری طرح چونکا۔

"تمہارے بتانے کی بات نہیں۔ اب میرا بھیجا کھانے کی ضرورت نہیں۔ اٹھو ادھر سے اور کسی کام سے لگو۔ سنو! ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ مجھے۔ مارے حلق سوکھ گیا۔ گھر ہی کی بات میں۔" وہ عجیب چڑچڑے پن سے کہہ رہی تھیں جو ان کی ذہنی الجھن کی واضح نشانی تھی۔

"ابھی لایا۔" مظہر کو دادی نے زندگی میں پانی پلانے کا موقع کبھی کبھار ہی دیا تھا۔ انہیں عادت ہی کہاں تھی اپنی خدمت کرانے کی۔ کبھی جو بھول سے اپنا ذاتی کام کہہ بیٹھتیں تو پوتے سر کے بل کرتے تھے۔

"اے شمسہ! مارے ہول کے میرے کلیجے میں تو پچھے لگ رہے ہیں بھری دوپہر میں آیا تھا۔ پیٹ میں گولے اٹھ رہے ہیں۔ تم سے دو چار کہہ سن لوں کچھ تو دل میں لگے۔" بڑی اماں بڑے رازدارانہ انداز میں شمسہ سے باتیں کر رہی تھیں۔

"اب کیوں آتے تھے وہ؟ یہاں کیا رکھا ہے ان کا...؟" شمسہ بری طرح چونک پڑی۔

"ان کے باوا کے خزانے دفن ہیں یہاں۔ ارے بیٹے کیا جھوٹے جھوٹے بہتان باندھ رہا تھا تمہارے اکا جان پر۔"

شمسہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔ "پتا نہیں ان کے تو ویسے ہی دشمن ہیں۔"

"اے تو تمہارے اکا جان مول لیتے پھرتے ہیں دشمنیاں۔ سنا سمجھا نہیں آتی عقل میں اب اتنی بڑی بات تمہارے اکا جان کے سر ڈال دی۔ ماتو نہ پیٹ میں رزق جا رہا ہے نہ حلق میں پانی۔ پہلے کیا کم نیندیں حرام کیں اب نیا شوشہ چھوڑ رہا ہے مجھے تو بیٹے کے وہم آ رہے ہیں۔ خدا معلوم بچی کے ساتھ کیا کر بیٹھا ہے اور اوپر سے ڈرامہ کر رہا ہے ورنہ وہ کدھر جانے کی اب اس کا کوئی ٹھور ٹھکانہ ہے کہیں؟"

"جب تک تمہارے اکا جان گھر نہیں آ جاتے۔ مجھے تو کسی کل چین نہیں۔" بڑی اماں بے قراری سے کہہ رہی تھیں۔

"تو اکا جان پر کیا الزام لگا رہے ہیں وہ؟" شمسہ کو بڑی اماں کی کوئی بات سنی ہی نہیں اس کا ذہن تو بہتان الزام میں اٹکا ہوا تھا کہ اس کا ذہن تب بھی متوجہ نہیں ہوا جب بڑی اماں ماہ نور کے کہیں چلے جانے کا ذکر کیا۔

"اے لو تم اتنی بڑی ہو۔ کیا سمجھیں۔ بتا تو رہی ہوں ماہ نور کو ڈھونڈتا پھر رہا ہے کہ وہ کہیں چلی گئی ہے اس کے خیال میں مظاہر کے ساتھ۔" بڑی اماں وضاحت پر جھلا گئیں۔

"ہیں..... !تو یہ حد ہے جنگلی پن کی۔ اکا جان کو کیا پڑی ہے اور وہ تو آپی سے شادی کر چکے ہیں۔" شمسہ پہلے حیران ہوئی پھر چیخی۔

"اے یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔" بڑی اماں کو پھر جھنجھلاہٹ ہوئی کہ شمسہ سیدھی سی بات کیوں نہیں سمجھ رہی؟

"آپی کہاں جا سکتی ہیں.....؟ اگر وہ واقعی غائب ہیں تو خدانخواستہ یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے پاشا بھائی سے چھٹکارا لے لیا ہمیشہ کے لئے۔" شمسہ کانپتی آواز میں بولی۔

بڑی اماں پوری آنکھیں کھول کر شمسہ کی صورت تکنے لگیں (بتا دیں بات میرے دماغ میں نہیں آئی)

"اللہ اپنا رحم کرے ارے بہت بڑی بدروح ہے یہ پاشا۔ اسی دن کو تو کہتی تھی کہ بھول جاؤ اب اسے مت رکھا کھو رہی اللہ میرے بچے کے حال پر رحم کرے۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگیں۔

"نانی جان! آپی جیسی لڑکی ان کے ساتھ کتنے دن چل سکتی تھی کہاں آپی کہاں وہ اتنا بڑا دہشت گرد۔ آپی ضرور کچھ کر بیٹھی ہیں۔" شمسہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میری بچی!" بڑی اماں نے شمسہ کو سینے سے لگایا اور خود بھی بلک بلک کر رونے لگیں۔

"نانی جان۔ یاد نہیں آ رہا۔" آپی کا چہرہ آخری بار کب دیکھا تھا۔ انہوں نے کیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ بات کیا ہوئی تھی دوری۔ وہ آخری بات جو مجھے پتا نہیں ہوگا کہ یہ میری ان سے آخری بات ہے۔" وہ ہچکیاں لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کیا ہوا شمسہ.....؟ بڑی اماں.....؟" اظہار اتفاق سے اس پہر گیا تھا جہاں کو وہ آفس چھوڑ کر وہ اپنی کوئی ضروری

چیز لینے گھر آیا تھا۔ بڑی اماں نظر نہ آئیں تو ڈھونڈتا ہوا ادھر آ نکلا۔

"ارے اظہار! اپنے اکا جان کو ٹیلی فون کر فوراً کہ بڑی اماں بلا رہی ہیں۔ بھلے سے نوکری چھوڑ کر آؤ۔ جان ہے تو جہان ہے۔ دیر کی تو بڑی اماں کو مری ہوئی دیکھو۔" اظہار کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"لیکن بڑی اماں! ہوا کیا ہے اکا جان پوچھیں تو کیا بتاؤں؟" وہ جھلایا۔

"وہ خود سمجھ جائے گا۔ ارے اظہار! اسے کہو مجھے اسی وقت اپنی صورت دکھائے۔ جو میرے بیٹے وقت ضائع نہ کر میرا دم نکلا جاتا ہے۔"

اظہار نے پھر بھی شمسہ سے اشارے سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ شمسہ نے جواب میں نظر جھکا لی۔ اظہار نے اپنا [illegible] نکل گیا اس کا رخ فون سیٹ کی طرف تھا۔

☆☆☆☆☆

"درخواست آفیسر کے حوالے کر دیا۔ استانی عائشہ کا مکمل پتا اس میں ضرور لکھنا تم پولیس کسٹڈی میں ہو گھبرانے کی بات نہیں۔ پولیس کے چند بندے تمہارے ساتھ جائیں گے مگر تمہیں بھی پتا نہیں چل سکے گا وہ سادہ کپڑوں میں ہوں گے مگر آرمڈ (مسلح) ہوں گے جب تمہیں کہا جائے تب گھر سے باہر آنا ٹھیک؟" مظاہر ماہ نور کو فون پر سمجھا رہے تھے۔

"تو جب میں پولیس کسٹڈی میں ہوں تو اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟ وہ اتنی خاص ہستی ہے کہ پولیس بھی اس سے ڈر رہی ہے؟" ماہ نور تلخی سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں وہ اپروچ کر سکتا ہے۔ بہت بڑے بڑے لوگوں کے کام کا بندہ ہے۔ اس لئے احتیاط ضروری ہے۔ دوسرے تم اس کی قانونی بیوی ہو اور تم نے خلع کے لئے کورٹ میں کوئی درخواست بھی نہیں دی ہوئی، وہ اپنے بہت سارے حقوق محفوظ رکھتا ہے۔ تمہارے نکاح کا ثبوت تو موجود ہے مگر اس بات کا کہیں کوئی ثبوت نہیں کہ اس نے نکاح سے قبل تمہیں اغوا کیا تھا۔ پوزیشن تو اس کی مضبوط ہے ناں.....؟"

البتہ قانون کو یہ ثبوت فراہم کر دیا تھا کہ اس نے قانونی بیوی کو حبس بے جا میں رکھا ہوا تھا۔ ثبوت ملنے پر ہی قانون تمہیں مدد دے سکا۔

پولیس تمہارے گھر کے آس پاس ہی موجود ہے۔ ہماری سوسائٹی میں اتنی آسانی سے کسی کو قانونی مدد نہیں ملتی وہ بھی شوہر بیوی کے معاملے میں۔ ظاہر ہے اس کے لئے بہت بھاگ دوڑ کرنا پڑی۔ تمہاری جو کنڈیشن ہے قید تنہائی اور ممکنہ ٹارچر سے تمہیں بہت نقصان بھی پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ باقی یہ کہ مزید احتیاط اب تم پر لازم ہے۔ اس لئے کہ وہ اپروچ والا بندہ ہے فی الحال پولیس کے توسط سے اسے یہی بتایا گیا ہے کہ پولیس نے تمہاری خراب حالت کے پیش نظر تمہاری درخواست پر تمہیں اس جیل سے باہر ضرور نکالا تھا مگر اس کے بعد پولیس کا کام ختم۔ کسی کو نہیں پتا کہ تم کہاں گئی ہو۔ فی الحال اس کا ذہن اپنی ماں کے گھر کی طرف نہیں گیا کیونکہ اس کا یہاں پہنچنا تو بہت آسان ہے۔ اس کے خیال میں تم اس سے جان چھڑا کر کہیں دور ہی نکلی ہوگی۔"

"وہ کہیں استانی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے اگر اسے بھنک مل گئی۔" ماہ نور نے خدشہ ظاہر کیا۔ "نہیں بھنک ملنے پر وہ تم سے کوئی بدلہ لے تو لے۔ استانی کو کچھ نہیں کہے گا۔ ایک بوڑھی عورت سے مقابلہ نہیں کرے گا۔ مجھے اندازہ ہے۔" مظاہر نے جواب دیا۔

"خیر مجھے تو تمنا ہے وہ مجھے ایک بار ہی میں ختم کر دے۔ روز روز کے مرنے سے تو اچھا ہے۔" ماہ نور نے ریسیور رکھ دیا۔

☆☆☆☆☆

"کیا کہہ رہے تھے مظاہر.....؟" استانی جان اس کے قریب ہی بیٹھی تھیں اور بہت توجہ سے اس کی مظاہر سے ہونے والی گفتگو سن رہی تھیں۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ شہر چھوڑتے ہوئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے وہ بہت مشتعل ہے تمہیں کوئی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ میں نے کہا آپ تو مجھے ڈرا رہے ہیں۔ خالہ جان کو اگر کوئی تکلیف ہے تو کہنے لگے کہ نہیں وہ بزرگ خاتون ہیں۔ انہیں کچھ نہیں کہے گا۔"

ماہ نور جواب دے کر خاموش ہو گئی۔

"ہوں.....!" استانی کچھ سوچ رہی تھیں۔

"کیا سوچ رہی ہیں خالہ جان.....؟" ماہ نور کو تجسس ہوا۔

"بیٹی کیا واقعی مظاہر ٹھیک کہہ رہے تھے۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہونا چاہیے۔ تم دوہری سے ہو۔ دو زندگیوں کا معاملہ ہے خیر اللہ پر بھروسہ رکھو اور میری فکر مت کرو۔ جتنی سانسیں اس دنیا میں لکھی ہیں۔ وہ پوری کیے بغیر انسان یہاں سے نہیں جا سکتا اور پھر نیلے روزی بہانے موت..... موت کا بھی کوئی بہانہ ہی ہوا کرتا ہے۔"

"آپ دونوں پہنچیں۔ دو تین روز میں بھی پہنچ جاؤں گی میں چاہتی ہوں کہ اپنے بچے کو پہلا پیار میں دوں اگر میں یہاں رہوں گی تو بس تڑپتی رہوں گی۔" قمر النساء بھی ان کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔

"بالکل بہن! وہ آپ کا اپنا گھر ہے۔ یہاں سے جا کر میں شہر میں پہلے ماہ نور کا بندوبست کروں گی۔ حیدر آباد کے کسی اچھے میٹرنٹی ہوم میں اس کا نام لکھوا دوں گی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ آپ مجھ پر بھروسہ کریں بلکہ یہ کہتی ہوں کہ ہر فیصلے کے بعد صرف اللہ پر بھروسہ کیا کریں۔"

"بچے کی ضرورت کی تمام چیزیں میں تیار کر چکی ہوں۔ اس طرف سے بے فکر رہیں۔" قمر النساء نے کہا ماہ نور کو جیسے حیا آ گئی۔ وہ بہانے سے وہاں سے ہٹ گئی۔

☆☆☆☆☆

"میرے بچے..... مجھے یہ فکر ہے وہ کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائے خدانخواستہ۔ اس لئے میرے کہنے پر اس سے ایک مرتبہ رسان سے بات کر لو۔" بڑی اماں بچوں کی طرح مظاہر کو پچکار رہی تھیں۔

"مجھے اس سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے نہ آرام سے نہ غصے سے۔" مظاہر نے اپنے مخصوص مغرورانہ انداز میں جواب دیا۔

"میں یہ کب کہتی ہوں کہ تم اس سے ملنے کو جاؤ یا ٹیلی فون کرو۔ میں تو یہ کہتی ہوں کہ جب وہ تم سے بات کرے تو تم بھی نرمی اور تحمل سے بات کرو۔ کوئی [illegible] کی بات کرو جو اس کے پلے پڑ جائے۔ ایسے لوگوں سے الجھنا کوئی عقل مندی [illegible] بڑی اماں نے [illegible] مظاہر کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"جیسے انسان خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسروں کو سمجھتا ہے۔ حد ہے جہالت کی بیٹی میں ایک شادی شدہ لڑکی کو تاوان کے [illegible] اپنے گھر میں رکھوں گا؟ احمق مدثر نے یہاں پہنچ کیا تماشا لگایا [illegible]" مظاہر نے بھنا کر کہا۔

"یہ تو واقعی بڑی [illegible] کوئی مذاق ہے؟ ایسے میں تو اچھے اچھوں کی عقل ماری جاتی ہے۔ اس کے دماغ کو [illegible] بھی سوجھے۔"

بڑی اماں نے پوری کوشش کی کہ مظاہر حقیقتاً پرسکون ہو جائیں اور غصے میں کچھ الٹا سیدھا نہ کر بیٹھیں۔

"ایسے بیچارہ ہیں لوگوں کے اوسان بھی ٹھکانے نہیں آتے بڑی اماں! ان کو ٹھکانے لانے کے لئے کچھ کرنا پڑتا ہے مگر آپ بے فکر رہیں بڑی اماں! میں جس سیٹ پر کام کر رہا ہوں وہ ایک اسٹیٹس ہے۔ ایسے تھرڈ کلاس لوگوں سے ڈائریکٹ بات کرنا ان کو فیس کرنا اپنے سامنے بٹھا کر برابری کی بنیاد پر گفتگو یا مذاکرات کرنا مجھے سوٹ بھی نہیں کرتا۔ ہم فیس ٹو فیس بات چیت اپنے برابر کے بندے سے کرتے ہیں۔ وہ مجھ سے بات کرنا چاہے گا تو پہلے ضابطے کی کارروائی مکمل کرے گا۔ دوسری صورت میں وہ میرے سامنے بیٹھ کر بات نہیں کرے گا چاہے وہ کچھ کر لے..... جب سننے والا ہی تیار نہیں تو پھر دیواروں ہی سے کرے گا۔ بس آپ پریشان نہ ہوں اب میں اتنا چھوٹا سا بچہ تو نہیں ہوں جسے آپ نفع نقصان کے ڈفرنس میرا مطلب ہے فرق سمجھائیں گی۔ آپ ہی کی تربیت کے نتیجے میں تھوڑی بہت عقل سمجھ تو ہو گی۔"

مظاہر تبسم سا مسکرائے اور بڑی اماں تو واری صدقے ہو گئیں۔

"جیتا رہے میرا بچہ..... یہ بات نہیں کہ میں تمہیں نادان سمجھتی ہوں۔ بعض اوقات سامنے والا ایسی بات کر دیتا ہے کہ اچھے اچھے آپے سے باہر ہو کر کچھ کر بیٹھتے ہیں۔ اس دن کو روتی تھی کہ بیٹے! ہماری تقدیر..... وہ ہم میں سے نہیں رہی۔ ہمیں کیا زندہ پر فاتحہ پڑھنے کا دکھ نہیں.....؟" آخر کو خون ہے ہمارا۔ مگر بچے! کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ دنیا میں رہنے کی خاطر نباہنا پڑتی ہیں۔ اس لیے کہ کوئی کہانی ہو جائے تو پشتوں تک دہرائی جاتی ہے۔ ہمارے وہاں ہندوستان میں ایک عورت تھی کالی گھٹا نام پڑا ہوا تھا تین بچوں کی ماں..... بال بہت لمبے تھے اس لئے کالی گھٹا نام پڑ گیا تھا۔ کوئی حکیم اس کا علاج کرتا تھا اور گھر پر آتا جاتا تھا تیسرے بچے کی دفعہ میں بیمار پڑی تو بستر سے لگ گئی تھی۔ لو بھائی وہ حکیم اس پر عاشق ہو گیا۔ عشق بھی وہ کہ پاگل پن..... کیسے چھپتا؟ نظروں میں آ گیا حالانکہ وہ بیچاری اپنی جان سے بیزار مگر کہانیاں تو یہ بنیں کہ وہ حکیم کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی ہے۔ میاں نے بدنامی سے گھبرا کر طلاق لکھ دی۔ تین بچوں کی ماں دربدر ہو گئی۔

آج تک اس کے بچوں کی نشانی یہ ہے کہ کالی گھٹا کے بچے ہیں۔ اے وہی کالی گھٹا جس نے حکیم کے چکر میں میاں سے کاغذ لکھوا لیا تھا۔

تو بیٹا کہنے کا مقصد یہ کہ شکلوں پر پارسائی کی مہر نہیں لگی ہوتی اور شک گمان کا کوئی علاج نہیں۔ تو یوں سمجھاتی ہوں۔" بڑی اماں نے بہت فراست سے پوتے کو قابو کرنے کی کوشش کی۔

"میں یہ نہیں کہتا بڑی اماں! کہ آپ غلط سوچتی ہیں۔ مجھے احساس ہے کہ اس دنیا میں ہم سے زیادہ وقت گزارا ہے اور ہم سے زیادہ اچھا برا دیکھا ہے۔ آپ کے پاس تجربات کی روشنی ہے مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ کو ثبوت کے ساتھ پتا ہے کہ کوئی بے قصور ہے اور اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو اس کو کس حساب میں دھتکارا جائے اس کی مدد کیوں نہ کی جائے۔ خوف خدا کے مقابلے میں دنیا کا خوف۔ کیا ہمارے ایمان و عقیدے کی کمزوری کی علامت نہیں؟ مظلوم کا ساتھ نہ دینے کی کوئی دلیل اس کائنات میں نہیں ہے۔"

مظاہر نے دھیمی آواز میں بہت سنجیدگی سے بڑی اماں کو جواب دیا۔

"بیٹے.....! ایک جان کے پیچھے سو جانوں کے نقصان کے سودے کون کرتا ہے۔ وہ سو جانیں بھی تو بے قصور ہی ہوں گی نا۔ اب ایک بات صاف تم سے کہے دیتی ہوں۔ مظلوم تو وہ تب بھی تھی جب اس نے تمہارے گھر بیاہ کی ہوئی تھی۔ وہ اسے تمہاری ناک کے نیچے سے اٹھا کر لے گیا ہے۔ اس کے [illegible] گھر سے بے خبر اٹھوایا۔ میں نے کہا تھا ہاتھ پاؤں جوڑے تھے کہ اس سے نکاح

کر لو بھاری پڑ جائے گی مگر تم نے میری بات پہ کان دھرے؟ کس بات کی کمی تھی اس میں؟ صورت شکل میں، ہنر تعلیم میں، سلیقہ شعاری میں، کردار میں؟ تم یہ ہمدردی اسی وقت دکھا لیتے تو کیا معلوم ہم بڑے نقصان سے بچ جاتے۔"

بڑی اماں اب کڑوی سچائی پر اتر آئیں۔

"بڑی اماں! اگر ایسا ہو جاتا تو وہ اس سے زیادہ خطرناک ہو جاتا۔ اس لئے کہ مجھ سے اس کی ٹھن چکی تھی۔ میری جان کا دشمن بن چکا تھا۔ اسی لیے میں چاہتا تھا کہ ماہ نور کی شادی کسی ایسے شخص کے ساتھ ہو جائے جو نا آشنا اور بالکل غیر خاندان سے ہو۔ جس سے پاشا کو خدا واسطے کا بیر نہ ہو۔ آپ لوگوں نے میری بات سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اگر میں آپ کی بات مان لیتا تو بھی وہ مجھے راستے سے ہٹا کر یہی سب کچھ کرتا جو اس نے ہر صورت کرنا تھا۔ کیونکہ اس مزاج کے لوگ عبرت ناک موت مر جاتے ہیں مگر شکست تسلیم نہیں کرتے۔"

مظاہر نے بہت حلم کے ساتھ بڑی اماں کو اپنی نافرمانی کی وجہ بتائی۔

بڑی اماں چپ بیٹھی سوچتی رہیں۔ پھر مظاہر کی طرف بغور دیکھا۔

"اب بھی تو وہ تمہارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے۔ میری تو نیندیں ویران ہو گئی ہیں۔ جانے اللہ معلوم بچی کے ساتھ کیا ہوا ہے کہاں چلی گئی ہے۔ اس کی معصوم صورت نظروں کے سامنے آتی ہے تو کلیجے میں ہوک سی اٹھتی ہے۔" بڑی اماں سسک سسک کر رونے لگیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں بڑی اماں! ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ دعا کریں وہ خیریت سے ہو۔"

مظاہر کا جی تو چاہا، بڑی اماں کو حقیقت بتا دیں پھر سوچا ایسا نہ ہو۔ بڑی اماں زل کا فون آنے پر پوتے کی جان چھڑانے کی خاطر اسے سب کچھ بتا دیں اور ساری محنت ہی اکارت جائے۔ وہ خاموش بیٹھے بڑی اماں کی سسکیاں سنتے رہے۔

☆☆☆☆☆

"مون! دیکھیں اس ریڈ فراک میں موما کتنی پیاری لگ رہی ہے۔"

ریبا بچی کو گود میں اٹھائے لاؤنج میں داخل ہوئی۔ مون نے ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹا کر بچی کی طرف دیکھا۔ بچی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کی صحت بھی بہت اچھی ہو رہی تھی۔

مون نے ایک نظر ریبا کی طرف کی... بلیک کاٹن کے شلوار سوٹ جس پر فیروزی ریشم سے بہت نازک سا کام بنا ہوا تھا اور دوپٹہ بھی فیروزی رنگ کا تھا۔ وہ بہت حسین نظر آ رہی تھی۔ بازوؤں میں بچی کو سمیٹے کوئی محبت کی ماری ہی لگ رہی تھی۔ چہرے پر حقیقی خوشیوں کے عکس جھلملا رہے تھے۔

(کتنی سادہ و معصوم ہے یہ... اس کی جگہ کوئی میری ہم عمر بیوی ہوتی تو اس بچی کو اتنی محبت و خوشی سے گود لے سکتی تھی؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) مون بڑی محبت و محبت سے ریبا کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"بہت بہت شکریہ ریبا! سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کیا رے ڈالوں۔" مون کے منہ سے بے اختیار نکل گیا تھا۔

"ارے کس بات کا شکریہ۔ آپ کا شکریہ کہ آپ نے میری خواہش پوری کی۔ آپ بے حس و خود غرض بن جاتے تو میں کیا کر لیتی؟" ریبا نے اپنی مخصوص صاف گوئی سے جواب دیا۔

"تم نے مجھے ایک مستقل ذہنی عذاب سے نجات دلائی ہے۔ دل کہتا ہے کوئی اور عورت نہیں کر سکتی۔ یہ بچی میری مرحومہ بیوی کی نشانی نہیں ہے۔ میرے کردار کا داغ ہے۔"

مون نے کہا۔ اس کے لہجے میں بہت محسوس کیے جانے والا کرب تھا۔

"نہیں۔ آپ کا کردار غلط ہوتا آپ لوز کریکٹر ہوتے تو اس بے بی کے بارے میں اتنا کانشس نہ ہوتے۔ اس دنیا میں بے شمار بچے اس طرح کے ہوتے ہیں مگر ان کی پیدائش کے ذمہ دار تو ان کے بارے میں سوچتے بھی نہیں ہوں گے کہ کہیں سوچنے سے بھی ان کی چوری پکڑی نہ جائے۔"

ریبا نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ مون اس کی صورت حیرت سے تکنے لگا۔

"یا اتنی سی عمر میں اتنی معلومات کہاں سے ہوئی ہیں میری جان!" مون نے ہاتھ بڑھا کر اس کا لہراتا آنچل تھام لیا۔

"بھئی انڈین پاکستانی فلمیں دیکھی ہیں۔ آغا جان کے پاس ڈھیروں مفت کے اخبار آتے ہیں۔ روز ہی کوئی نہ کوئی واقعہ پڑھنے کو مل جاتا تھا۔ تو پتا تو چل جاتا ہے اس طرح کہ دنیا میں کیا کچھ ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ جب میں ساتویں کلاس میں پڑھتی تھی ایک ویکلی میگزین میں بہت تکلیف دہ رپورٹ پڑھی۔ ساتھ میں کلر پکچرز بھی تھیں۔ کسی نے ایک دن کا بچہ زمین میں دفن کر دیا تھا کسی گندے نالے کے قریب۔ کتوں نے زمین کھود ڈالی۔ اس انسان کے بچے کے کئی ٹکڑوں کی تصویریں دیکھ کر میں اتنی گم صم ہو گئی تھی کہ پتا نہیں کتنی راتوں کو نیند نہیں آئی کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ کوئی بچہ خود پیدا کر کے اس کے ساتھ ایسا بھی کر سکتا ہے۔ اس کا بھی تو کوئی باپ ہوگا۔ اف آج بھی وہ تصویریں نظروں کے سامنے گھوم رہی ہیں۔" ریبا نے جھرجھری لی۔

"لیکن اس بچی کو اس گھر تک لا پانے میں... ممی کا اور تمہارا ہاتھ ہے۔ میں تو چور ہوں میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا؟" مون نے اس کا آنچل چھوڑ کر اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"لیکن میں جانتی ہوں کہ آپ کتنی فکر کرتے رہے۔ بیکی بن رہے تھے خوشیوں سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ اس انسان پر ضرور رحم کرنا چاہیے، جو کسی غلطی کے بوجھ سے ہر وقت شل رہتا ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ بس غلطی ہوئی اور غلطی کا ہر وقت احساس اس بات کی علامت ہے کہ یہ انسان دوبارہ اس قسم کی غلطی کا تصور بھی نہیں کرے گا۔"

ریبا نے بڑے بزرگانہ انداز میں جواب دیا۔

"لیکن ابھی بھی ایک گلٹ تو مجھے ہر وقت بے چین رکھتا ہے۔" مون کی آواز بہت اکھڑی تھی۔

ریبا بری طرح چونک پڑی۔ "ایک اور گلٹ!؟"

"وہ... وہ کیا ہے؟" ریبا کی آواز میں لرزش تھی (یا اللہ... ایک اور مسئلہ)

"یہی کہ قصور میرا ہے اور ماں کی نظروں سے سنی گرا ہوا ہے۔ سنی اور میں ایک دوسرے کے ساتھ بہت اچھے رہے ہیں۔ سنی نے کبھی مجھ سے بدتمیزی نہیں کی۔ کبھی ماں کے ساتھ بیٹھ کر میرے خلاف، تم نہیں کہیں بلکہ میری عزت ہی کی ہے۔ کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ ممی کے پاس جا کر سب حقیقت کہہ دوں۔ مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ بچی اس وقت ہمارے پاس کس کی وجہ ہے۔ اگر ممی کو یہ پتا چل جائے کہ قصوروار میں ہوں سنی نہیں تو وہ اس بچی کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس گھر میں برداشت نہیں کریں گی۔ انہیں اپنے اونچے حسب نسب کا بہت احساس ہے۔ وہ اس پر بہت فخر کرتی ہیں جبکہ میرا حسب نسب وہ ہے جو میرے باپ کا ہے۔ اصولاً تو سنی کا بھی وہی ہے مگر ممی اسے اپنے نسب میں کاؤنٹ کرتی ہیں۔ میرے باپ کا حسب نسب انہوں نے ہمیشہ خود سے کم ہی گردانا ہے۔ ان کا خیال ہے دولت کی زیادتی سے حسب نسب کا وزن بھی بڑھ جاتا ہے اس میں نسب کے فطری اصول کی کوئی خاص ویلیو نہیں ہے۔" مون نے کہا۔

"جہاں آپ نے اتنی ہمت کے کام کیے ہیں تو پھر ایک مرتبہ ہمت اور کر لیں۔ آپ ممی کو سچ بتا دیں۔ آپ کو اس

گھٹن سے بھی نجات مل جائے گی۔" ریپا نے سادہ سا حل بتایا۔

موحن نے ایک لحظہ اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

"کاش تم ہمیشہ سے میرے ساتھ ہوتیں۔ اس ہمت کے بعد کا جو نتیجہ ہوگا اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ اپنی دوسری شادی کے بعد ڈیڈی نے جو سکون کا عرصہ اس بچی کی پیدائش کے بعد گزارا ہے اس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ تم ممی کا جو روپ دیکھ رہی ہو میں بھی بس تمہارے ساتھ ساتھ ہی دیکھ رہا ہوں۔ تم موحل کے جسم پر پڑے زخموں کے نشان کبھی گننے کی کوشش کرنا خود پر لعنت بھیجا کرتا تھا جب گھر میں چھوٹے چھوٹے نقصانات پر نوکروں کی کھال ادھیڑی جاتی تھی اور میں آنکھوں کے سامنے مجبور انسانوں پر تشدد دیکھتا تھا اور ان کے لئے کچھ کرنے سے معذور ہوتا تھا۔"

موحن کو یہ حقیقت بھی ریپا کو بتانا پڑی۔

"ممم... ممی..." ریپا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اتنی سوفٹ اتنی رحم دل اتنی لوونگ نیچر (Nature Loving) والی کا... اوہ نو... موحن... بالکل بھی یقین نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تو میرے سامنے بچوں کی طرح روتی ہیں۔"

"وہ اس لئے نہیں روتیں کہ انہیں اس بچی سے کوئی ہمدردی ہے یا کسی انسان پر زیادتی کی وجہ سے مراد کہ ہے بلکہ وہ اس لئے روتی ہیں کہ ان کی گھمنڈی فطرت اس حادثے سے شاکڈ ہوئی۔ انہیں اپنے خاندانی دولت مند ہونے اور اعلیٰ حسب نسب ہونے پر بے حد ناز تھا۔ ان کے غرور کو شدید ٹھیس پہنچی ہے۔ جب احساس برتری اور غرور کا شیشہ چکنا چور ہوتا ہے تو کرچیاں ہوش اڑا دیتی ہیں۔ رگ رگ میں کانچ چبھتا ہے تو پھر کیا آنسو نہیں نکلیں گے۔ جو پھر بھی کسی کے سامنے آنسو نہیں بہاتے۔ ان کا تکبر بے بسی کے اظہار کی اجازت نہیں دیتا۔ ان کے ذہن ماؤف ہو جاتے ہیں۔ فرسٹریشن بڑی بڑی بیماریاں ان کو گھیر لیتی ہیں۔ نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں اس لئے کہ جو حقیقت کو فیس نہیں کرتا۔ پھر اس سے ہر لمحہ جنگ کرتی ہے۔ ہر وقت کی اکتاہٹ پچھاڑ دیتی ہے۔ سکون سے عاری وجود کسی بھی دوسرے کیلئے فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دوسروں کے لئے بوجھ ہوتا ہے۔ اگر معاشی لحاظ سے بوجھ نہ ہو تو اپنے رویوں کی وجہ سے بوجھ ہوتا ہے۔

ایسا ہی کچھ ہوا ہے وہ نیچرلی ہوا ہے۔ بائی گاڈ اس میں میری کسی پلاننگ کا نتیجہ نہیں ہے۔ موحل نے مجھ سے مشورہ کرنے کے بعد سنی کا نام نہیں لیا تھا۔ وہ بہت خوفزدہ تھی۔ وہ ممی کا رویہ میرے ساتھ دیکھ چکی تھی اس نے سوچا ہوگا کہ ممی سنی سے بہت پیار کرتی ہیں اس کی ہر بات مانتی ہیں کبھی اس سے سخت نہیں بولتیں اگر وہ سنی کا نام لے گی تو سنی کو کچھ بھی نہیں کہیں گی۔ اگر ممی کا تشدد دیکھنے کے قابل برداشت رہتا اور وہ ممی سے بہت زیادہ خوفزدہ نہ ہوتی تو وہ کسی کا بھی نام نہ لیتی۔ یہ ہے تمام تر حقیقت و صورت حال کیا اب بھی اپنے مشورے پر قائم ہو؟"

موحن بچے تلے انداز میں ایک تسلسل سے بول کر خاموش ہوا اور کچھ توقف کے بعد ریپا سے سوال کیا۔

"موحنا... کیو واقعی؟ کیا انسان اتنا چینج ہو سکتا ہے۔ ہر طرح سے میرا اتنا خیال کرتی ہیں پرسوں ہی بوتیک سے میرے لئے چار کاٹن کے سوٹ لائی ہیں کہہ رہی تھیں کسی دوست کے لیے گفٹ لینے گئی تھی۔ یہ سوٹ مجھے بہت پسند آئے۔ میں نے تمہارے لیے لے لیے۔ اگر تمہیں پسند نہ آئیں تو ساتھ چلنا چینج ہو سکتے ہیں۔ کیا جب آپ چھوٹے تھے ممی نے آپ کو ٹارچر کیا؟" ریپا کی حیرت ہنوز تھی۔

"ٹارچر...؟" موحن بہت عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ "اگر ڈیڈی کو واقعی مجھ سے بہت محبت نہ ہوتی اور وہ میرا ماں کی طرح خیال نہ رکھتے تو شاید میں پرائمری کلاس ہی کے دوران گھر سے بھاگ جاتا۔ وہ آئیڈیل سوتیلی ماں تھیں۔"

"کیا ممی ڈیڈی کے سامنے بھی آپ کو ٹارچر کرتی تھیں؟ پھر ڈیڈی کیا کرتے تھے اس وقت؟" ریپا اس وقت حیرت سے ادھ موئی تھی۔ بچی کو اس نے بیڈ پر لٹا دیا تھا اور خود موحن کے قریب ہو کر بہت حیرت و دکھ سے سوالات کر رہی تھی۔

"جب ڈیڈی سامنے ہوتے تھے تو وہ بیک وقت ہم دونوں کو سیٹلی ٹارچر کرتی تھیں۔ ڈیڈی کہتے ہیں ممی کے نانا بہت اچھے بہت گریٹ انسان تھے۔ انہیں اپنی بیٹی کا پتا تھا اس لئے انہوں نے ڈیڈی سے وعدہ لیا تھا کہ وہ ان کی بچی کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ وہ اپنا تمام اثاثہ حوالے کر گئے۔ انہوں نے ڈیڈی کو ممی سے چھپا کر بھی پراپرٹی دی تھی۔ بہاولپور میں ان کے بچوں کے جو باغ تھے جو انہوں نے ڈیڈی کے نام کر دیئے تھے۔ اسلام آباد میں ایک بہت بڑی کوٹھی ہے وہ بھی انہوں نے ڈیڈی کے نام لکھ دی تھی اور ممی کو آج تک اس کا علم نہیں ہے۔ ڈیڈی نے دونوں باغات اور کوٹھی میرے نام منتقل کر دی ہے۔ ڈیڈی کہتے ہیں۔ میں نے تمہارے خوشحال مستقبل کی خاطر یہ قدم اٹھایا تھا اور اتنی بے رحم عورت برداشت کی۔ وہ سنی کے نانا کے تمام احسان یاد رکھتے ہیں۔"

"لیکن اب تو ممی بہت اچھی ہو گئی ہیں۔ آپ کا سنی سے زیادہ خیال رکھتی ہیں اور آپ کی وجہ سے میرا بھی بہت خیال رکھتی ہیں۔" ریپا نے موحن کی بات کاٹ کر کہا۔

"ہاں یہ انہیں نے میں موحل کا احسان ہے۔ میں نے ابھی والوں سے کہا ہے کہ موحل جیسے ہی بڑی ہوگی تب اس کی شادی کا انتظام کر دیں۔ میں اپنا ایک کمرہ چھوڑ کر باقی اپارٹمنٹ اسے جہیز میں دے دوں گا۔ جو اس کی حیثیت ہوگا۔ اپنی چھت عورت کو بہت اعتماد دیتا ہے۔ میں نے جو زیادتی اس کے ساتھ کی اور جو ممی نے کی اس نے میرے ساتھ بھی ان کے جواب میں کوئی مستقل نوعیت کا فائدہ اس کو پہنچانا چاہیے۔ اگر اس کا شوہر کاروبار کرنا چاہے گا تو بھی میں اس کو سپورٹ کر دوں گا۔ یہ تلافی تو ہرگز بھی نہیں ہو سکتی مگر کچھ تو ہوگا۔"

"ہوں..." ریپا سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔

"کیا اب بھی اپنی بات پر قائم ہو کہ مجھے ممی کو حقیقت بتا دینا چاہیے؟" موحن نے گہری نظروں سے ریپا کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"ریپا! جو ری ایکٹ وہ کریں گی اس کا میں تو اندازہ لگا سکتا ہوں تم نہیں لگا سکتیں۔ اس کے بعد نہ صرف سنی گھر چھوڑ جائے گا اور ڈیڈی بھی مجھ سے دور ہو جائیں گے۔ وہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے ناراض ہو جائیں گی۔ اس بیوی کو تو موقع مل جائے گا وہ انہیں اتنا ٹینشن اور ٹارچر کریں گی کہ شاید تنگ آ کر وہ انہیں چھوڑ دیں اور خود لندن میں کہیں رہائش اختیار کر لیں۔ فنانشلی تو ہم باپ بیٹا کبھی کسی کے محتاج نہیں ہیں لیکن گھر جو ایک یونٹ ہوتا ہے وہ ٹوٹ جائے گا۔" موحن نے اپنی بات مکمل کی۔

"تو یہ کتنا خطرناک نقشہ کھینچ رہے ہیں آپ۔" ریپا نے گویا جھرجھری لی۔

"نقشہ نہیں کھینچ رہا۔ حقیقت بتا رہا ہوں۔ سنی کو تو کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ نیچرلی معاف کر دیں گی بلکہ شاید پردہ پوشی کریں گی مگر مجھے اور میرے باپ کو قیامت تک معاف نہیں کریں گی۔"

"مائی گاڈ، پھر تو بس رہنے دیں۔ سب کچھ بھول جائیں۔ ویسے بھی سنی کا نام آپ نے نہیں لیا۔ موحل نے لیا ہے نا تو پھر کیا کریں۔ ان شاء اللہ اس گھٹن سے نجات مل جائے گی۔" ریپا تو بری طرح گھبرا گئی تھی۔

"اف... آپ کتنے دکھی ہیں۔ سوتیلی ماں کے ہاتھوں کتنے دکھ اٹھائے۔ دیکھنے والے آپ پر رشک کرتے ہوں گے کہ اتنا خوبصورت ہینڈسم گریجویٹ بندہ... فیکٹریاں جائیدادیں وغیرہ وغیرہ اور آپ نے یہ سب چیزیں کتنی ذہنی اذیتوں کے ساتھ استعمال کیں۔" ریپا اظہار افسوس کرنے لگی۔

موحن دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"کیا واقعی میں خوبصورت ہوں؟" وہ شریر انداز میں پوچھنے لگا۔
ریا جیسے ترنس میں گئی ہوئی تھی ایک دم حقیقی... دنیا میں واپس آ گئی۔سون کی نظروں کی تپک اسے بوکھلانے کو کافی تھی۔ اس نے جلدی سے بچی کو دوبارہ گود میں اٹھایا۔

"بھئی میری بات کا جواب دو۔ اس بچی کو میری رقیب نہ بناؤ۔تم نے ایک شاعر کا وہ مشہور زمانہ شعر نہیں سنا؟ میں وہ حاسد ہوں کہ اپنے بچوں سے حسد کرتا ہوں۔

اپنی ماں سے لپٹ جاتے ہیں جب وہ پیار کے ساتھ

"ہا... ہا..." ریا کا کھلکھلاتا ہوا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

☆☆☆☆☆

استانی کو گھر سے روانہ ہوئے آدھ گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ ماہ نور کا سامان وہ لے گئی تھیں۔ ماہ نور کے پاس ایک درمیانے سائز کا بیگ تھا جس میں اس کا پرس، ایک تولیہ، دو جوڑے کپڑوں کے تھے اور کچھ کھانے پینے کا سامان جو قمر النساء نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ کدو کا حلوہ، مونگ کی دال کا حلوہ، آم اور مرچوں کا اچار... قیمے کے سینڈوچ وغیرہ اس میں شامل تھے۔

ماہ نور کو اس تناؤ سے بھرپور ماحول میں بھی اس وقت بے ساختہ ہنسی آ گئی جب قمر النساء نے ماسی تمنا کا سات آٹھ گز کپڑے سے بنا خیمے کی شکل کا گھیر اٹھا برقعہ دیا۔

"ہنسنے کی کیا بات ہے بیٹا... اس سے کچھ بھی بعید نہیں میں نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ تمہیں بیگ بھی تمیں سال پرانا دیا ہے۔ کہیں خوبصورت بیگ کی وجہ ہی سے وہ مشکوک نہ ہو جائے۔ نقاب ٹھیک سے ڈال دینا اور ہاتھ برقعے کے گھیر میں چھپا لینا۔ تمہاری قمر نسب پہننے والی چپلیں بھی میں نے بیگ میں رکھ دی ہیں تم یہ میری پرانی چپل پہن لو۔"

"مجھے جیسے ہی موقع ملے گا میں فوراً پہنچوں گی۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ اب اپنے آپ کو بالکل پرسکون کر لو۔ ذہنی سکون تمہارے لیے بہت ضروری ہے۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایسا ٹھکانہ مہیا کر دیا جہاں تمہیں مکمل سکون ملے گا۔ اللہ ساتھ خیریت کے تمہیں فارغ کرے۔ ان شاء اللہ بچے تمہاری زندگی میں اچھی تبدیلیاں لائے گا۔ اس دنیا میں کسی چیز کو قرار نہیں۔ وقت ضرور بدلے گا۔ ان شاء اللہ۔"

قمر النساء اس کا حوصلہ بڑھا رہی تھیں۔

ماہ نور شادی کے بعد سے آج پہلی مرتبہ اتنی خوش دکھائی دے رہی تھی کہ قمر النساء نہال ہو گئیں۔

"اللہ میری بچی کو ہمیشہ خوش رکھے۔ اس کی خوشی و خوش بختی کے دروازے کھلے رہیں۔ بچہ گود میں آئے تو اس کا بہت خیال رکھنا۔ پاشا کا خمیر اس پر نہ اترے۔"

قمر النساء نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"اماں! میں تو اس بچے کی وجہ سے بہت خوش ہوں۔ اس دنیا میں واحد خون کا رشتہ جسے میں چھو سکوں گی۔ میں کیوں اس سے بدلے لوں گی۔ میں نے اس کے باپ کی ساری برائیاں برداشت کر لی تھیں۔ عورت تھیں دیکھ سکتی اس کے ساتھ... اگر وہ باز نہیں آئے تو اس بات پر آخری سانس تک جنگ ہو گی۔"

ماہ نور کی نظریں جھکی ہوئی تھیں مگر لہجے میں عجب واحد کا ملا جلا عکس تھا۔

"میں دعا کروں گی کہ تمہیں اس کی وفا نصیب ہو۔ آمین۔ جو عورت اپنے شوہر کو اپنا سب کچھ مانے گی وہی اپنے

مرد کے ساتھ کسی اور کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس ایک بات سے تو تمہارا سب کچھ پتا چلتا ہے کاش اسے بھی سمجھ آ جائے۔"

قمر النساء اس کے پیچھے پیچھے بولتی چلی آ رہی تھیں۔ ماہ نور خیمہ نما برقعہ اوڑھ چکی تھی۔

☆☆☆☆☆

"ہاں... بول رہی ہوں میں تمہاری بدنصیب ماں... کہو کیوں فون کیا ہے...؟" قمر النساء نے سلگتے لہجے میں سوال کیا۔

"اماں... میری بات غور سے سنیں۔ ماہ نور میرے گھر سے کہیں چلی گئی ہے۔ آپ کے پاس جانے کا سوال تو اس لیے نہیں ہو سکتا کہ وہ گھر بھی میرا ہے اور وہ تو ظاہر ہے مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے تو وہاں کیوں جائے گی۔"

"غور کرنے کی بات یہ ہے کہ وہ تم سے پیچھا کیوں چھڑانا چاہتی ہے۔ جبکہ تمہارے سوا اس کا ہے ہی کون؟" قمر النساء بہت توجہ سے اس کی بات سن رہی تھیں ایک دم اس کی بات کاٹ کر بولیں۔

"وہ تو میں بعد میں غور کروں گا۔ پہلے میری بات تو پوری سن لیں۔" پاشا بات کٹنے پر جھنجھلایا۔

"مجھے سو فیصد یقین ہے کہ پولیس کے تھرو اسے مظاہر نے فرار کرایا ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ آخر کار میں کیا کر سکتا ہوں یا کرا سکتا ہوں۔ میں پہلی فرصت میں مظاہر کو اس دنیا سے فارغ کرا سکتا ہوں۔ اسے کسی کیس میں پھنسا کر سلاخوں کے پیچھے بھیج سکتا ہوں مگر کسی وجہ سے یہ سب کچھ نہیں کر رہا اور ڈھیل دے رہا ہوں۔ آپ سے اس کی بڑی قریبی رشتہ داری ہے آپ اس کی عقل میں کچھ ڈالنے کی کوشش کریں۔ اسے تو ایک دن میں ڈھونڈ ہی نکالوں گا مگر بلاوجہ ایک جان کا نقصان ہو گا۔ آپ اس سے بات کریں۔ سمجھائیں اسے ان حرکتوں سے سوائے نقصان کے کچھ نہیں ملے گا۔"

"خبردار! اگر تم نے اسے کوئی نقصان پہنچایا۔ اس قصے میں اس کا کوئی حصہ نہیں سمجھے۔" قمر النساء اندر سے خوفزدہ ہو گئی تھیں مگر اوپر سے ڈانٹ کر کہہ رہی تھیں۔

"کرتی رہیں آپ خبردار... مجھے تو جو کرنا ہے وہ کرنا ہے۔" پاشا کا انداز ہنوز تھا۔

"اچھا... میری بات سنو... حقیقت مظاہر کو معلوم نہیں مگر مجھے پتا ہے۔ میں جانتی ہوں۔ وہ کہاں ہے۔ میں ایک انسان کو تمہاری زیادتی سے بچانے کی خاطر حلف اٹھا کر کہہ دوں گی کہ مجھے پتا ہے وہ کہاں ہے بلکہ وہ جہاں بھی ہے میری رضامندی سے گئی ہے۔ مگر میں تمہیں اس کا پتا تب بتاؤں گی جب بچہ اس کی گود میں آ جائے گا۔" قمر النساء ماں تھیں از خود ایک اعتماد ان کے لہجے میں در آیا تھا۔

"وہ کب آئے گا؟" پاشا تو جیسے انکشاف پر توازن ہی کھو بیٹھا۔ عجیب احمقانہ سا جملہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

"مجھ سے پہلے یہ بات تمہیں پتا ہونا چاہیے۔" قمر النساء جز بز سی ہو کر رہ گئیں۔

"اچھا... اماں! میں پانچ منٹ کے لیے آپ کے پاس آ رہا ہوں۔ امید ہے اندر آنے سے منع نہیں کریں گی۔" پاشا نے ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

قمر النساء بہت کچھ سوچتی رہ گئیں۔

☆☆☆☆☆

پاشا گھر میں داخل ہوا تو قمر النساء نفل برائے قضائے حاجت ادا کر رہی تھیں۔ پاشا اپنے کمرے کی طرف بڑھنے کے بجائے وہیں صوفے پر بیٹھ کر ان کی نماز مکمل ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

قمر النساء نے سلام پھیرا۔ پھر دیر تک دعا میں مصروف رہیں۔ اس دوران پاشا بے چینی سے پہلو بدلتا رہا۔

قمر النساء نے جائے نماز تہہ کی اور پاشا کی طرف پلٹیں۔

"السلام علیکم اماں!" پاشا کی آواز بہت آہستہ تھی۔

خوشگوار حیرت کے ساتھ انہوں نے پاشا کی طرف دیکھا تھا۔ آج تو اس نے سلام کیا تھا۔ سیاہ جینز، سیاہ ٹی شرٹ اور ریڈ اسکارف میں وہ مردانہ حسن کا شاہکار دکھائی دے رہا تھا۔ بالوں کی کٹنگ سے وہ فورسز کے جوانوں میں سے نظر آتا تھا۔ بال اس نے کبھی نہیں بڑھائے۔ خواہ کیسا ہی فیشن رہا۔ اور مونچھیں کبھی چھوٹی نہیں ہوئیں۔ گھنی اور اچھی تراش لی۔ قمر النساء نے اپنے بھرپور جوان بیٹے کو ایک نگاہ میں دیکھا تھا اور سینے سے گویا ہوک سی اٹھی تھی۔

"کاش پاشا تیرا رنگ تھوڑا سا کالا ہو جاتا اور اس میں کچھ سفیدی ہوتی۔ جب یہ میری گود میں ہوتا تھا تو راہ چلتی عورت بھی پیار کر کے پوچھتی۔ باپ پر ہے... ؟ ظاہر ہے میں تو اتنی سرخ سفید نہیں تھی۔ پڑوس کی ایک لڑکی آمنہ جو آج خود کئی بچوں کی ماں ہوگی۔ روز انہ پاشا کو اپنے گھر لے جاتی تھی اور گھنٹوں اس سے کھیلتی تھی۔ کبھی کبھی بڑی سادگی سے کہتی۔

"خالہ جان! یہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اسے میں ہمیشہ کے لئے اپنے پاس رکھ لوں مگر آپ دیں گی نہیں۔" اور میں کہتی "بے وقوف کچھ دن جاتے ہیں تیری گود میں اپنے پیارے پیارے بچے ہوں گے۔" وہ سوچتی سرد آہ بھرتی پاشا سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئیں۔

"اماں! میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ بس پلیز یہ بتا دیں وہ کہاں ہے۔ میں اس کا پتہ ہونے پر بھی وہاں اس وقت تک نہیں جاؤں گا۔ جب تک آپ اجازت نہیں دیں گی۔ بس پلیز یہ بتا دیں وہ ہے کہاں۔ مجھے سکون مل جائے گا۔ مجھ سے کوئی کام نہیں ہو پا رہا۔"

قمر النساء نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اپنی پیشانی سے لگائے۔

"میں فی الحال تم پر بھروسہ نہیں کرتی... مگر ایک بات میں تمہیں بتا دوں کہ میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہی۔ کچھ اندازہ تو تم بھی لگا سکتے ہو اگر مجھے یہ پتا چلتا کہ ماہ نور کہیں چلی گئی ہے تو کیا میں تم سے بات کرنا پسند کرتی؟ اور اتنے اطمینان سے تم سے بات کر رہی ہوتی؟ میرا تو شاید ہارٹ فیل ہو جاتا... کہ اصل سے سود پیارا ہوتا ہے وہ میرا سود اپنی کوکھ میں لیے بیٹھی ہے۔ اکلوتے نا خلف کی نشانی۔"

وہ دکھ سے کہہ رہی تھیں۔ دلیل مضبوط تھی۔ پاشا نے دل ہی دل میں تسلیم کی۔

"میں کہہ تو رہا ہوں میں کچھ نہیں کروں گا۔ اس تک نہیں جاؤں گا۔ آپ بتا دیں۔ بس میری تسلی ہو جائے گی۔" پاشا زچ ہو رہا تھا۔

"ہو جانی چاہیے تسلی... تمہاری ماں کو تو پتا ہے ماں کہ اس وقت وہ کہاں ہے؟ وہ جہاں بھی ہے۔ ان شاء اللہ عزت خیریت کے ساتھ ہوگی۔ میرے اور تمہارے گھر سے زیادہ اچھی فضا اور ماحول میں ہوگی۔ نا سمجھ... تیری تو پہلی اولاد ہے۔ ایسے میں تو گئے گزرے لوگ بھی عورت کے ناز اٹھاتے ہیں اور ہر ممکن سہولت دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو نے تو اس پر زندگی ہی تنگ کر دی۔ دو جانیں ہی خطرے میں ڈال دیں۔ کتنا شقی و ظالم ہے یہ اپنے ہی بچے کھانے کی فطرت تو سانپ کی ہوتی ہے۔ ایسا کیا کیا کر میں نے تجھے پیدا کیا ہے یاد نہیں آتا۔"

"قمر النساء تو یوں بھی بھری بیٹھی تھیں اور آج وہ "موقع" بھی دے رہا تھا۔ جو کہہ سکتی تھیں کہہ گئیں۔

اب تم جاؤ تمہاری دنیا کے لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ وہ جہاں ہے خیریت سے ہے۔ یہ ہم پر اللہ کا احسان ہے"۔

پاشا سر جھکائے جیسے کچھ سوچنے لگا۔ پھر یکدم چونک کر سر اٹھایا۔ جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

"اماں... وہ آپ کی استانی چلی گئیں؟"

قمر النساء کا دل بڑے زور سے دھڑکا... (یا اللہ کرم کرنا)۔

"ہاں ابھی یہیں تھیں... ناظم آباد گئی ہیں اپنے پرمرشد کے پاس سلام کرنے... تمہیں کیسے یاد آ گئیں۔ تم سے بدنصیب کو ان سے کیا واسطہ...؟ پھر بھی ان سے ملاقات کو جی چاہ رہا ہے تو بلوا لوں؟"

قمر النساء نے اعصاب قابو میں رکھ کر بڑے اعتماد سے کہا تاکہ اسے یقین آ جائے کہ استانی یہیں ہیں۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ اسے استانی کا خیال کیوں آیا؟

"ہوں... اس کا مطلب ہے وہ استانی کے ساتھ ناظم آباد میں ہے۔"

پاشا نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"ناظم آباد میں استانی خود مہمان ہیں۔ وہ وہاں اسے اپنے ساتھ کیسے لے کر جائیں گی؟ ہم اپنا بوجھ ان لوگوں پر کیوں ڈالیں اور اپنا مذاق بنوائیں۔"

قمر النساء نے بہت سنبھل کر بات بنائی۔

"ادھر ادھر اپنا دماغ دوڑانے کی ضرورت نہیں۔ کہہ دیا ناں میں خود لے کر جاؤں گی تمہیں۔ مجھے تم سے جھوٹے وعدے کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں ماں ہوں تمہاری۔ مجھے ڈر نہیں ہے کہ تم سے... اسے مشکل کے یہ چار دن سکون سے کاٹنے دو مرتے دم تک احسان مانوں گی تمہارا۔"

قمر النساء نے اس مرتبہ بہت غصے سے کہا تھا۔

"میں مظاہر تو تمہاری کسی قسم کی زیادتی سے بچانے کے لئے حلف بھی اٹھا سکتی ہوں کہ ماہ نور جہاں بھی ہے۔ مجھے علم ہے اور وہ میری اجازت سے گئی ہے میں تمہاری ماں ہوں تو اس کی بھی ماں ہوں وہ میری اجازت سے آ جا سکتی ہے بس اس سے زیادہ کیا تسلی کروں تمہاری؟"

وہ اس مرتبہ پھر پرسکون انداز میں گویا ہوئیں۔

"آپ نے اتنی بڑی بات کہہ دی ہے۔ اب میں آپ سے کچھ اور نہیں کہہ سکتا۔ اتنا تو اپنی ماں کو جانتا ہوں کہ وہ سچا حلف بھی مشکل سے اٹھائے گی۔ جھوٹا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

پاشا نے سر جھکا کر بہت ہی دھیمی آواز میں کہا۔

قمر النساء نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ ان کا دل بھر آیا۔

"اتنا جانتا ہے ماں کو... مگر ماں کی پروا نہیں ہے۔" ان کی آواز آنسوؤں کے اثر سے مغلوب تھی۔

"اچھا اماں! چلتا ہوں"۔ وہ بے خیالی کی کیفیت میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"کچھ کھا لو..." وہ ماں تھیں تڑپ سی گئیں۔ کیسا وقت آیا ہے آج وہ ماں سے کھانے کی بات بھی نہیں کر رہا۔"

"نہیں اماں! آج لنچ بہت ہیوی کر لیا تھا۔ رات کو دیر ہی سے کھاؤں گا۔ وہ اسی طرح بے دھیانی کی کیفیت میں بولا۔

پاشا! ایک بات پوچھوں... صحیح صحیح جواب دینا پھر اس کے بعد تم جا سکتے ہو" قمر النساء نے سر اٹھا کر پاشا کی طرف دیکھ کر کہا۔

پاشا کچھ بولا نہیں... بس سوالیہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔

"اسے تو تم بہت مصیبتیں اٹھا کر جان جوکھوں میں ڈال کر لے کر آئے تھے۔ اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ کیا چھینا ہے تمہارا... تم کیوں اسے اتنے دکھ دے رہے ہو...... تمہیں رحم نہیں آتا؟ اب اس کا کون ہے میرے تمہارے سوا۔ تمہیں اس سے کیا خطرے ہیں؟ یا سوکن ایک بات تمہارا دل بھر گیا ہے......؟"

"اماں! کبھی اس نے یہ سوال کیے تو اس کو جواب دوں گا۔ آپ کو دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"یعنی تمہارے پاس ان سوالوں کے جواب ہیں......؟" قمر النساء کی تمام حسیات چونک پڑیں۔

پرشا خاموش رہا۔ پھر خدا حافظ کہہ کر باہر کی سمت بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆
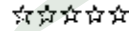
اف اللہ...... خالہ جان مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میں نے کوئی بھیانک خواب دیکھا تھا۔ آنکھ کھلی تو احساس ہوا کہ میں تو ابھی اس پرسکون جنت میں ہوں۔"

ماہ نور ایک بالٹی پانی سے نہا کر اتنی فریش دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے گھنٹہ بھر شاور لے کر نکلی ہو۔

"اور مجھے یہ خواب لگ رہا ہے یقین نہیں آرہا کہ تم ایک مرتبہ پھر میرے ساتھ اس چھوٹے سے سہولتوں سے خالی گھر میں ہو۔" استانی عائشہ مسکرا کر بولیں۔

"آپ کو لگتا ہے یہ گھر سہولتوں سے خالی...... مجھے تو یہاں ہر طرح کی سہولت ہے۔ یہاں کی رات کتنی ٹھنڈی ہوتی ہے۔ کالی سیاہ رات اور ڈھیروں چمکتے ستارے جیسے نورانی ٹھنڈک وہاں سے آرہی ہو۔"

"یہ صحرائی علاقوں کا حسن ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے صحرائی علاقوں کا اپنا ایک حسن ہوتا ہے۔ انفرادیت ہوتی ہے۔"

استانی عائشہ اور اے احساس جہاں میں پہنچ کر بول رہی تھیں گویا۔

"مجھے تو ایسا لگ رہا ہے میں مدتوں سے سوئی نہیں۔ آج سوؤں گی چین سے۔"

ماہ نور کے رونگٹیں رونگٹیں سے اطمینان و سکون کی لہریں نکل رہی تھیں۔

"اچھی بات ہے...... وہ بہت مہربان دوست ہے۔ سب کچھ دیتا ہے۔ بس انسان کو صبر و حوصلے سے مشکل وقت گزار لینا چاہیے۔ مشکل وقت بھی خالی از حکمت نہیں ہوتا۔ جب بندہ اس کی رضا پر راضی رہتا ہے۔ دکھ سکھ اس کی طبیعت کی یکسانیت میں خلل نہیں ڈالتے تب اس سے پکی دوستی ہو جاتی ہے۔ پھر یہ مقام آتا ہے جہاں اقبال کہتا ہے کہ

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

ماہ نور کی ذہنی کیفیت بہت اچھی تھی وہ بہت آرام دہ حالت میں لیٹی ہوئی تھی اور استانی کی بات بہت غور سے سن رہی تھی۔ بلکہ حرف حرف تول رہی تھی۔

(کتنی بصیرت و قناعت عطا کی ہے اللہ نے خالہ جان کو...... جبکہ وہ تو بتا رہی تھیں کہ......)

"خالہ جان!" وہ قدرے جھجک کر رک گئی۔

"ہاں کہو...... رک کیوں گئیں؟ تمہیں کس بات کا اندیشہ ہے؟" انہوں نے اس کا حوصلہ بڑھایا جیسے انہیں خود بھی اندازہ ہو کہ وہ کیا پوچھنا چاہ رہی ہے۔

"وہ اس دن بات ادھوری رہ گئی تھی۔ اماں آگئی تھیں ناں۔" اس نے یاد دلایا۔

"ہاں۔ میں بھولی نہیں ہوں کہ میری بات مکمل نہیں ہوئی تھی مجھے یاد ہے کہ تم میرے چھوٹے بچوں کا سن کر بہت حیران ہو رہی تھی۔

میں تمہیں بتا رہی تھی کہ میرے شوہر بہت اچھے انسان تھے اتنے اچھے کہ میں ان کی تصویر کشی کرنے سے قاصر ہوں۔" استانی اتنا کہہ کر رک گئیں۔

"جب وہ اتنے اچھے تھے تو آپ سے غلطی کیسے ہو گئی؟" ماہ نور کی حیرت بجا تھی۔

"روشنی چھوڑ کر جب اندھیرا اپنایا تو روشنی کی قدر کھلی بیٹی!" استانی کا جواب برجستہ تھا۔

"میرے شوہر آرکیٹیکٹ تھے ان کا اپنا چھوٹا سا بزنس بھی تھا۔ گھر میں اللہ کا فضل تھا مگر میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ میں نے بہت غربت کے ماحول اور پس ماندہ بستی میں ہوش سنبھالا پھر لگژری لائف اسٹائل میرے نزدیک طلسم ہوشربا سے کم نہ تھا۔ ایک روز ہمارے گھر ایک مہمان آیا۔ ان دنوں میں پریگنینٹ تھی۔ میرے شوہر نے ان سے میرا تعارف اپنے اچھے دوست کی حیثیت سے کرایا۔ وہ ایک بہت بڑا بزنس مین تھا۔ میرے شوہر اس کے دو پلازہ اور ایک سینما ڈیزائن کر رہے تھے۔ دونوں رات گئے تک نقشوں میں سر کھپاتے۔ میں گاہے بگاہے چائے کافی بنا کر ڈرائنگ روم میں پہنچاتی۔ میری ساس نے بلکہ اعتراض بھی کیا کہ آدھی رات کو کچن سے اپنے دوستوں کی خدمت کرانے کی ضرورت نہیں...... میرے شوہر کہتے کہ "ملازم کی چائے ہمیں پسند نہیں آتی۔ روشنہ چائے بہت اچھی بناتی ہے اور ملازم تو گیارہ بجے تک ویسے بھی سو جاتا ہے۔"

ایک...... میں اپنے شوہر کے ساتھ اسی دوست کے گھر ڈنر پر گئی۔ میری تو وہاں پہنچ کر آنکھیں چندھیا گئیں۔ ایرانی قالینوں اور کرسٹل فانوسوں سے آراستہ گھر۔ صاف ستھرے ملازم باوردی پھرتے۔ پورچ میں تین تین لگژری کاریں۔ کھانے کے کمرے میں ہم یہاں بیوی اور دوست کے علاوہ اس کے بزرگ والد تھے۔ میں نے ان کے بیوی بچوں کے بارے میں پوچھا تو بتایا کہ انہوں نے ایک امریکن سے شادی کی تھی۔ وہ چلی گئیں ان سے ایک بیٹی ہے وہ کانونٹ میں پڑھتی ہے۔ دولت کی ایسی ریل پیل دیکھ کر تو جیسے میں دنوں دم بخود رہی۔ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ اس روز کے ڈنر میں ڈائننگ ٹیبل پر چاندی کے برتن اور کرسٹل کے گلاس چائے تھے اور کھانے کی سجاوٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ میرے شوہر کھانے سے پہلے واش بیسن کی طرف ہاتھ دھونے گئے تو میرے شوہر کے دوست نے میرے ناخن اور ہاتھوں کی تعریف کرتے ہوئے مجھ پر جو نگاہ ڈالی۔ وہ نگاہ ہی قیامت کی آمد کا پہلا اشارہ تھی۔ ایمانداری کی بات یہ ہے کہ مجھے اس نگاہ سے متعلق کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی اپنے بالوں اور ہاتھوں کی تعریف اس کے منہ سے اچھی لگی تھی۔ میں شادی شدہ اور چھ بیٹوں کی ماں تھی۔ [illegible] پہنچے عورت کی سوچ بہت واضح [illegible] ہو جاتی ہے...... اٹھارہ انیس سال کی شادی کوئی معنی رکھتی ہے۔

پھر بھی میں نے حسن تحسین کو مارجن رکھی اور شوہر سے کسی قسم کی [illegible]

میرے شوہر بہت فرض شناس اس کا کام کر رہے تھے۔ وہ انہیں [illegible]

میرے شوہر نے پہلی فرصت [illegible]

[illegible]

الگ چھوٹی سی گڑیا یا گڑ پھولے نہ سماتے تھے۔

ادریس میرے شوہر کے دوست کا نام ہے۔ اس نے میری بچی کے لئے بہت قیمتی کھلونے دیے اور ایک بہت قیمتی چھوٹی سی سونے کی کنگھی... اور میرے میاں سے یہ کہا "یہ پانچ بھائیوں کی بہن ہے۔ اس کی حیثیت ایک شہزادی کی ہے اور شہزادی سونے کی کنگھی سے بال بنائے گی۔" خدا معلوم وہ سونے کی کنگھی کہاں سے لایا تھا میں نے تو کبھی نہیں دیکھی کسی جیولر کے ہاں... شاید اس نے بنوائی ہو۔ میری ساس تو بلکہ برا مان گئی تھی کہ اتنے قیمتی تحفے لینے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسوں سے دوستی کرتے ہیں جہاں "پلٹاوا" آسان ہو۔ مگر میرے شوہر نے کہا وہ ایک مخلص اور تنہا شخص ہے۔ اس کی اپنی بچی اس سے دور رہتی ہے۔ اپنی خوشی سے دے رہا ہے دل توڑنا اچھا نہیں لگتا۔

قصہ مختصر...... اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ ہر نبی کی امت کا کوئی نہ کوئی فتنہ رہا ہے۔ میری امت کا فتنہ مال ہے۔

اور جس مرد کو عورت گھیرنے کی ٹرک آتی ہو اس سے بڑا شیطان کوئی نہیں زمین پر...... وہ ایک خوبصورت دولت مند مرد تھا۔ اس کے نزدیک عورت کی حیثیت ٹشو پیپر سے زیادہ نہ تھی۔ عورتیں بھی اسی طرح بدلتا تھا جیسے کپڑے بدلتا تھا۔ اصل میں دولت کی کثرت سے ہر قسم کی قوت خرید اس کے پاس تھی۔ اس کا مزاج مزاحمت و رکاوٹ کے تاثر سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ جو دل کی خواہش ہو اس کی تکمیل ہو...... اگر کوئی عورت اچھی لگ رہی ہے تو اس پر ہاتھ صاف کرنا لازم ہے۔ دو چار گھنٹوں دو چار دنوں یا دو چار مہینوں کے لئے کوئی کھلونا..... بعد میں وہ کھلونا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کوڑے کے ڈھیر پر پڑا ہو یا کسی گندے نالے میں اسے اس بات سے دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے مجھے یقین دلایا کہ میں دنیا کی حسین عورتوں میں سے ایک ہوں...... میرا حسن کلاسیکل ہے اور میں کسی عام مرد یا عام گھرانے کے لئے پیدا نہیں کی گئی...... ایسی عورتیں تو مہارانیوں کی طرح حکمرانی کرنے کے لئے پیدا ہوتی ہیں۔

اب تم اس عورت کا تصور کرو...... جس کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی ہو جہاں گوشت پکانے کے لئے جوڑ توڑ کرنا پڑتا ہے۔ چار مہمان ایک دن کے لئے آجائیں تو پورے مہینے کا بجٹ اپ سیٹ ہو جاتا ہے۔ جو عورت بے حد و بے شمار دولت کو اپنی دسترس میں دیکھ رہی ہو۔ ہیرے جواہرات نوکر چاکر محلات...... عورت اتنی جذباتی ذرا سی دیر میں بے عقل ہو جانے والی نہ ہوتی تو اس کی گواہی آدھی کیوں ہوتی۔ آج کی عورت پڑھ لکھ کر مردوں کی طرح کما کر یہ فرض کر لیتی ہے اس کے اندر مردوں والی ساری صلاحیتیں موجود ہیں۔ جس مالک نے عورت کو تخلیق کیا اس کے کل پرزے بنائے وہ عورت کو زیادہ جانتا ہے۔ اس کی معلومات کے مطابق ہی عورت کے لئے احکامات طے پائے۔ عورت طوائف بھی ہے اور عورت ولی بھی...... ساری بات آگہی اور شعور فطرت کی ہے۔

جب عورت خواہشات سے مغلوب ہو تو سب سے زیادہ خطرات میں گھری ہوتی ہے۔ وہ میرے شوہر کی غیر موجودگی میں مجھے فون کرتا۔ میری تعریفیں کرتا اور اس بات پر گاہے بگاہے تاسف کا اظہار کرتا کہ میں اسے بہت لیٹ ملی ہوں۔ اس نے ساری دنیا چھان ماری مگر میری طرح کی عورت اسے کہیں نظر نہ آئی اور اب نظر آئی تو دسترس سے اتنی دور ہے کہ ہاتھ مل کر دن رات کٹتے ہیں۔ میں اس کی باتوں کے زیر اثر آہستہ آہستہ آ رہی تھی۔ شوہر بچوں سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ بات بات پر شوہر سے الجھ پڑتی۔ دل ہی دل میں افسوس کرتی۔ کیسے آدمی کے ساتھ زندگی گزار رہی ہوں۔ جس نے کبھی میرے حسن کی تعریفیں نہیں کیں اور میرے شایان شان اسٹیٹس نہیں دیا۔ بس اس کے بچے پیدا کر رہی تھی اور ان کی دیکھ بھال کر کے اپنی ہڈیاں گھسا رہی تھی۔

وہ مجھے بتاتا کہ اس کے پاس زمانے بھر کی دولت ہے مگر وہ اس لئے انجوائے نہیں کرتا کہ اس کے پاس دل پسند ساتھی نہیں ہے۔

بلیو پرنٹ سمجھنا کہ میں فوراً ہی اس کے پھندے میں پھنس گئی تھی۔ میرے بیٹے سمجھدار تھے۔ میرا ذہن ان سے فارغ نہیں

ہوتا تھا۔ پتا نہیں، وہ میرے گھر اور سکھ کا دشمن بن کر آیا تھا۔ یوں میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا جیسے میرے علاوہ دنیا میں کوئی عورت نہ بچی ہو۔

آج میں غور کرتی ہوں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب انسان خواہشات کا غلام ہوتا ہے تو اس کے اندر انسانیت کی اعلیٰ قدریں کمزور پڑ جاتی ہیں اور شیطان کے لئے وہ بہت آسان ٹارگٹ ہوتا ہے۔ دیکھا جائے تو اللہ نے کمال مہربانی سے میرا حال بدلا تھا غربت و عسرت کی زندگی سے نکال کر ایک اچھا ساتھی اور ماحول دیا تھا۔ جو اس وقت بہت معمولی دکھائی دینے لگا جب محلات اپنی دسترس میں دکھائی دیے...... میں کوئی بیس سال کی لاابالی دوشیزہ نہیں تھی۔ کچھ کم چالیس سال کے قریب عمر ہونے کو آئی تھی۔ جو بھٹکنے کی خطرناک عمر بھی جاتی ہے وہ تو میں بخیر و خوبی گزار چکی تھی۔ پھر بھی میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا البتہ ذہنی طور پر ابھی بٹ رہی تھی۔

میری ساس بہت ذمہ دار اور سلیقہ خاتون تھیں۔ ادریس کے مسلسل ٹیلی فون آئے تو انہوں نے مجھ سے بازپرس شروع کی کہ جب میرا بیٹا گھر پر نہیں ہوتا تو وہ یہاں ٹیلی فون کیوں کرتا ہے؟ تم سے اسے کیا کام ہے وغیرہ وغیرہ......

میں نے دن بہانوں سے انہیں ٹال دیا۔ مگر وہ بہت جہاں دیدہ عورت تھیں۔ وہ اس بات پر کھٹک گئیں کہ میں ادریس کا فون سنتی ضرور ہوں اور بولتی بہت کم ہوں...... وہ کھوج میں پڑ گئیں۔ ایک روز جب بچے اسکول کالج گئے ہوئے تھے۔ وہ ماسی سے اوپر کا کام کرا رہی تھیں۔ ادریس کا فون آیا تو انہوں نے اوپر کے سیٹ کا ریسیور اٹھا لیا میں نیچے اٹھا چکی تھی۔

ادریس نے اپنے خاص انداز میں بات شروع کی تو میں نے کہا۔ "آپ کی آواز آج صاف نہیں ہے۔"

☆☆☆☆☆

"تو اس نے جیسے چونک کر پوچھا "گھر میں کوئی ایکسٹینشن تو نہیں لگا ہوا۔" میں نے کہا "ہاں اوپر بھی ایک سیٹ ہے۔" اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا "لگتا ہے اوپر کسی نے ریسیور اٹھایا ہوا ہے۔ میں ایک لمحے کے لئے حواس باختہ سی ہو گئی کہ میری ساس کہیں دکھائی نہ دیں۔ میں ریسیور رکھ کر ادھر ادھر انہیں دیکھنے لگی تو وہ ماسی کے ساتھ نیچے اترتی دکھائی دیں۔ وہ بہت عجیب نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں مگر بولیں کچھ نہیں اور میں سمجھ گئی کہ آج میری چوری پکڑی گئی ہے۔ اندر دل تو بری طرح کانپا مگر یہ تسلی بھی ہوئی کہ وہ بہت سمجھدار ہیں ایک دم غصے سے نہیں اکھڑیں گی۔ میں کچھ بھی بہانا بنا دوں گی کہ میں تو فون نہیں کرتی اگر وہ کرتا ہے تو مجبوراً اٹھانا پڑتا ہے کہ پتا تھوڑا ہی ہوتا ہے کس کا فون ہے وغیرہ وغیرہ۔

میری ساس قطعی خاموش تھیں۔ انہوں نے مجھ سے کسی قسم کی بات نہیں کی۔ میں نے سوچا عزت دار لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ایسی باتوں پر ہنگامے نہیں کرتے لیکن رات کو میرے شوہر نے مجھ سے بہت عجیب لہجے میں پوچھا "ادریس تمہیں کس وجہ سے فون کرتا ہے؟" "اسے تم سے کیا کام ہوتا ہے؟ اماں کہہ رہی ہیں میں فی الفور اس سے تعلقات ختم کروں، خواہ میرا لاکھوں کا نقصان ہو جائے۔

میں نے کہا "اماں پرانے زمانے کی عورت ہیں پتا نہیں کیا سمجھی ہیں۔" تب میرے شوہر نے بہت تلخ لہجے میں کہا۔ "میں اس وقت اپنی ماں کے بارے میں یہ بے تکی بات سنوں گا جب تم مجھے میرے سوال کا جواب دے کر مطمئن کر دو۔ میرا سوال یہ ہے کہ ادریس تمہیں فون کیوں کرتا ہے اگر وہ فون کرتا ہے یا کرتا رہا ہے تو تم نے مجھ سے ذکر کیوں نہیں کیا۔ وہ میرا دوست ہے۔ تمہارا... دالد... ہے یا سسرالیوں سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ میرا خاص بندہ ہے سارے کام مجھ سے ہیں۔ تم سے فون پر وہ کیا... کر سکتا ہے تم نے مجھ سے یہ بات چھپائی کیوں؟" "اب تم میری تسلی کر سکو تو کرو ورنہ اعتراف جرم کرو اور میرا گھر چھوڑ دو۔"

"آپ کو بس اپنی ماں کا اعتبار ہے وہ جو الٹا سیدھا کہہ دیں۔"

"مجھے لمبی بات نہیں سننا۔ بس یہ بتاؤ وہ فون پر تم سے باتیں کیا کرتا ہے۔ اور ان خاص باتوں کا ذکر تم نے مجھ سے

کیوں نہیں کیا؟" "میرے شوہر تو کچھ سننے پر تیار ہی نہیں تھے۔ میں جیسے بے بسی سے پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔"

"کیا ہو گیا ہے آپ کو.....؟" "ذرا میری عمر دیکھیں۔" میں بولی تو انہوں نے میری بات کاٹ کر کہا۔

"کردار کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔ یہ انسان کا اصل ہوتا ہے اور ہر انسان اپنے اصل پر پیدا ہوتا ہے بس تم مجھے یہ بتاؤ کہ جو سوال میں نے تم سے کیا ہے اس کا جواب تمہارے پاس ہے یا نہیں اگر ہے تو میں تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کروں گا۔ اگر دنیا کے خوف سے تم میں اپنی تمنا پوری کرنے کی ہمت نہیں یا اولاد کی خاطر مجبور اتم یہاں لٹک رہی ہو تو میں صاف صاف تمہیں بتا دوں۔ اگر تم دس مرتبہ نئے سرے سے بھی پیدا ہو جاؤ تو میرا خلوص اور اعتبار حاصل نہیں کر سکتیں ایسی عورت کے تصور ہی سے عزت دار مرد کو گھن آتی ہے جو اسے اندھیرے میں رکھ کر کسی غیر کے ساتھ مشغول ہوتی ہے۔ میں تو آج یوں بھی کھڑے کھڑے مر چکا ہوں مجھ مردہ کے ساتھ رہ کر تم کرو گی بھی کیا؟"

"میری ماں کو تم سمجھ ہی نہیں سکتیں ان کے پاؤں کی دھول بھی نہیں ہو تم۔ انہوں نے تو صرف مجھ سے یہ کہا کہ بچے سمجھدار ہیں دلہن کا دھیان رکھو اور اس مرد سے میل جول ختم کرو۔ دولت کا جال پھینک کر عورتوں کو بے وقوف بناتے ہیں ایسے لوگ۔ دلہن کو تھوڑی سرزنش کر دو، عقل سمجھاؤ کہ دو ٹیلی فون کرے تو اس کی بات تکلف میں بھی سننے کی ضرورت نہیں۔ اس کی نیت میں کھوٹ ہے جب ہی تو تمہاری غیر موجودگی میں تمہاری بیوی کو فون کرتا ہے۔ دلہن کو کچھ زیادہ سخت کہنے کی ضرورت نہیں۔ اپنے بچوں کی خاطر درگزر کرو اور اس شیطان سے پیچھا چھڑاؤ۔ یہ کہا ہے میری اماں نے۔ وہ تم سے درگزر کرنے کی تاکید کر رہی ہیں جبکہ تم اس قابل ہو.....؟

تم تو ہسپتال کلینک، بازار پتہ نہیں کہاں کہاں جاتی ہو۔ جب سے تم نے ڈرائیونگ لائسنس حاصل کیا ہے۔ جب دل چاہتا ہے باہر نکل جاتی ہو کبھی کوئی بچہ ساتھ ہوتا ہے۔ اکثر تو اکیلی ہی ہوتی ہو۔ اب ہمیں کیا پتا تم کہاں کہاں جاتی رہی ہو اور میری امانت میں کس حد تک خیانت کر چکی ہو۔"

میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ذہنیت تھی میرے شوہر کے ذہن نے کہاں تک رسائی کی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے غلطی کی تھی۔ میں نے اس شخص کے فون سن کر اس کی حوصلہ افزائی کی تھی..... مجھے ایک دولت مند، خوب صورت مرد کا خود میں دلچسپی لینا اچھا لگا تھا اور بار بار اس ملال سے گزری تھی کہ ادریس جیسا شخص میرا ساتھی کیوں نہیں۔ ایک شادی شدہ عورت کی یہ سوچ بھی بہت بڑی بددیانتی ہے۔

اور یہی امر کا اعتبار اپنی عورت پر سے ایک بار اٹھ جائے تو مرد کے دل میں پہلے کی طرح جگہ نہیں بن سکتی۔ مرد عورت کی بہت سی غلطیاں کھلے دل سے معاف کر سکتا ہے مگر یہ والی بھول معاف کرنے کی اس میں شاید مرد کے خمیر میں نہیں۔ اس ایک بھول پر تو مرد عورت کو قتل کرنے کو بھی ثواب سمجھتا ہے اپنی غیرت کی دلیل سمجھتا ہے۔ [illegible] جرم تھا۔ میرے شوہر نے ایک نا [illegible] مجھے تھمایا۔ اماں نے چپ رہ دو پیل نکال کر دیا اور کہا خاموشی سے [illegible] جوان کے جوان مجھ جیسے ۔ چلتے [illegible] تمہارا شوہر [illegible] انتظار کر رہا ہے گا۔"

میں مجرم تو تھی مگر [illegible] مجھے معاف [illegible]

[illegible] سے مسعود اصل میں بھی [illegible] اپنے شوہر کی ذہنی کیفیت میں تبدیلی نہیں لا سکتی۔

"تم تو یوں بھی کچھ دن بعد مجھے چھوڑ کر چلی جاتیں [illegible] نے پہل کر لی۔" یہ وہ آخری بات تھی جو میرے شوہر نے [illegible] کی۔

اور پھر میں اس [illegible] گھر سے ہمیشہ کے لئے نکل آئی۔ بچوں کو پتہ چلا نہ میری ساس کو۔ [illegible] باپ [illegible] کے اب قابل [illegible] ایک دل [illegible] کے پاس [illegible]

[illegible] نے کا ذمہ دار ہے اور میں خود بھی شوہر کو نظر انداز کر کے اس میں دلچسپی لے رہی تھی مگر اس وقت میرا ذہن اتنا الجھا ہوا تھا کہ میں خود اپنے کسی فیصلے پر مطمئن نہیں ہو سکتی تھی۔ ناچار میں اپنی ایک رشتے کی نانی جو بہت ضعیف تھیں ان کے پاس چلی آئی نہ وہ کسی سے ملنے ملانے کی سکت رکھتی تھیں نہ کوئی ان کے پاس آتا جاتا تھا۔

دو تین دن گزارنے کے بعد میں نے ادریس سے رابطہ کیا۔ وہ تو سب کچھ سن کر خوشی سے کھل اٹھا اور بے ساختہ بولا "یہ تو بہت اچھا ہوا ورنہ تمہیں حاصل کرنا تو بہت مشکل دکھائی دے رہا تھا۔ فوراً آ جاؤ۔ میرے در و دیوار تمہارا راستہ دیکھ رہے ہیں۔" میں نے کہا ابھی تو میں دوسری شادی نہیں کر سکتی اس لئے کہ عدت پوری کرنا ہے۔" وہ جھنجھلا کر بولا "مجھ سے ایک پل نہیں کٹ رہا تم پتا نہیں کن چکروں میں پڑی ہوئی ہو۔ تم میری ہو میں تمہارا ہوں یہ سب فضول باتیں ہیں۔ جب ہم بنے ہی ایک دوسرے کے لئے۔ میری ایک ایک چیز تمہاری ہے تم آ جاؤ تو میں ایک ایک پائی تمہارے نام لکھ دوں گا۔"

اس کی دیوانگی مجھ جیسی احمق عورت کو پاگل کر دینے کو کافی تھی۔ میں اس کے پاس پہنچ گئی اس نے ہر طرح سے میرے ناز اٹھائے رات ہوئی تو کہنے لگا۔ چلو آؤ بیڈ روم میں اب سوتے ہیں۔" میں بولی۔ "ابھی ہماری شادی تو نہیں ہوئی۔ ہم ایک بیڈ روم میں کیسے سو سکتے ہیں۔" بولا "پھر وہی فضول باتیں شادی بھی ہو جائے گی۔ اب کیا شبہ ہے ہم اب ہمیشہ کے لئے مل چکے ہیں۔ سمجھو شادی بھی ہو چکی ہے کاغذی کارروائی بھی ہو جائے گی۔" مگر میں ابھی باقی خون جو گندہ نہیں تھا طبیعت اس گناہ کبیرہ کی طرف بڑھ ہی نہیں رہی ہوئی۔ میں اس کی آنکھوں میں ناچتی وحشت دیکھ چکی تھی۔ مجھے اندازہ تھا اسے اس کے ارادے سے باز رکھنا ممکن نہ ہو گا۔ یونہی میرے دل میں ایک خیال آیا کہ اس کی سچائی کو آزما کر دیکھتی ہوں اسی سے پتا چل جائے گا کہ وہ مجھے بیوی بنانا چاہتا ہے یا داشتہ۔ میں نے اپنی عمر بھر کی پونجی ہار دی ہے یا میں جو چاہتی تھی وہ سب پا چکی ہوں۔

میں نے کہا "آپ تو فون پر کہہ رہے تھے کہ میں اپنا سب کچھ تمہارے نام لکھ دوں گا۔ [illegible] پر تو آپ نے بات [illegible]....

"ہاں تو میں کب انکار کر رہا ہوں صبح اٹھ کر سب سے پہلے یہی کام کریں گے۔" وہ آرام سے بولا۔

"صبح.....؟ صبح تک تو جانے کیا ہو جائے۔"

"چلو تاں آؤ سوتے ہیں۔" وہ اصرار کرنے لگا۔

"آپ چلیں میں آتی ہوں۔ میں ذرا تھکی ہوئی ہوں ..... ٹہلتی ہوں لان میں۔ حادثہ نیا نیا ہے ذہن تو ذرا [illegible] گھبرا رہا ہے۔ میں دس پندرہ منٹ میں آتی ہوں جب تک آپ چینج کر لیں۔" میرے لہجے میں قدرے سکون و اطمینان تھا۔ اس نے [illegible] چلو ٹھیک ہے جلدی آنا۔ وہ چلا گیا۔

شکر ہے میرا [illegible] ایک [illegible] ہی رکھا تھا۔ [illegible]

[illegible] میں چلا [illegible] اور میں [illegible] کے گھر۔

[illegible] شوہر سے [illegible]

[illegible]

[illegible] اس سے بہت بہتر ساتھی اور زندگی میری منتظر ہے مگر [illegible]

[illegible] میرے حواس [illegible]

[illegible]

"ماہ نور! یہ ہے میرے جیسی عورتوں کی اس دنیا میں سزا۔ آج پیاری ادا کو ترس رہی ہوں مگر سزا و اذیت کا یہ احساس میرے ضمیر سے یہ جرم کم کرتا رہتا ہے مجھے اولاد سے دوری کا غم ہے مگر سزا پر راضی ہوں۔ خدانخواستہ مجھ سے حد پار کرنے کا گناہ بھی ہو جاتا تو شاید میں ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر عدالت کی زنجیر ہلا کر چیخ چیخ کر کہتی کہ مجھے آدھا زمین میں گاڑ کر پتھر مارو۔ انسانی ضمیر کی آواز ہم سنا سکیں اگر موجود ہو تو یہ فطری تقاضا ابھرتا ہے کہ اعتراف جرم کے بعد یا تو معافی ہو یا سزا یہ تب ہی چیخنا بند کرتا ہے۔"

بس پھر زندگی سمندر روتے معافی مانگتے گزرنے لگی پھر تو یہ کوئی آسرا سے بھاگ گیا اور ایک مہربان خاتون کے توسط سے باباجی سے ملاقات ہوئی۔ سب کچھ کہہ دیا ان سے اور انہوں نے بن بھی بنا... تب سے ان جیسا وسیع و فراخ ہاتھ میرے سر پر رکھ دیا۔

میرے بچے ماں سے محروم ہو ہی گئے تھے میں نے انہیں باپ سے بھی محروم کر دیا۔ میرے دو بیٹے اس وقت کالج میں پڑھ رہے تھے۔ میرے بچوں کا غیرت مند باپ ان سے نگاہ ملانے کے قابل نہ رہا تو وہ دوسرے کسی ملک میں چلا گیا۔ یہ سب کچھ مجھے اپنی ایک قریبی دوست سے پتا چلا جو مدتوں بعد حیدر آباد جاتے ہوئے ٹرین میں مل گئی تھی۔

آدھی زندگی کی پوری سزا خوشی خوشی اٹھا رہی ہوں۔ جب سزا کے عمل سے گزرنے کے احساس پر جھم جاتی ہوں تو بہت سکون ملتا ہے۔ سوچتی ہوں وہ تواب الرحیم ہے تب ہی اتنی کم سزا ملی ہے بلکہ ملی ہی کہاں۔ روشنی کے سفر پر ڈال کر اس نے سخاوت کی حد کر دی۔ اللہ سے دوسروں کی اولاد کی نیک بختی کی دعا مانگتی ہوں تو پہلے اپنی اولاد کے لیے دعا کرتی ہوں۔ بس مرنے سے پہلے اپنے بچوں سے معافی مانگنے کی مہلت اللہ سے ضرور مانگتی ہوں۔ آہ کھوٹا سکہ آپ نے خوب چلایا سبحان اللہ وبحمدہ!" استانی عائشہ ایک جذب کی کیفیت میں ڈوب کر بولیں۔

ماہ نور دم سادھے ان کی داستان حیات سن رہی تھی۔

استانی کی خاموشی کے بعد ماحول میں خاصی دیر سناٹا طاری رہا۔

"ہمارے ہاں بھی آپ کی کہانی سے ملتی جلتی ایک کہانی موجود ہے مگر بہت کم لوگوں کو علم ہے۔ ہمارے ماموں نے بھی ممانی کو طلاق دے دی تھی۔ وجہ آج تک کسی کو معلوم نہیں ہوئی۔ ہم تو خیر اس وقت بہت چھوٹے تھے ممانی کی بس ہلکی سی شبیہ دھیان میں ہے۔ بہت خوب صورت تھیں۔ کاندھے تک بال کٹے ہوئے تھے۔" ماہ نور کسی دھیان میں گم ہو کر بتا رہی تھی۔ استانی عائشہ نے ایک نظر ماہ نور کے چہرے پر ڈالی اور ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"میری تو ابھی صرف سوچ کی حد تک خیانت ہوئی تھی تو قدرت نے ایسی گرفت کی زندگی کا راستہ ہی بدل گیا۔ شکر ہے [illegible] یہاں [illegible] جیسے نیک اقرار رہتے ہیں۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھیں۔

"آپ کو اپنے بچے یاد تو آتے ہوں گے۔" ماہ نور نے یوں ہی کہہ دیا۔

"ہاں خاص طور پر بیٹی بہت۔ چھوٹی تھی وہ جب سے شوہر نے اس رات بچی کو پیار کرنے کی بھی اجازت نہیں دی تھی اور پھر اس رات جبرا رستوں میں تقسیم، مانع منزل ہی کب تھا۔ شریعت کے اوصاف عمل میں آتے ایک سمت وہ کھڑا تھا جس سے میری رغبت ختم ہو چکی تھی۔ دوسری جانب وہ شیطان جس سے بڑھ کر اس وقت کوئی مہربان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔"

"آپ کے بچوں کے کیا نام ہیں؟" ماہ نور نے یوں ہی مارے تجسس کے پوچھ لیا۔

"بڑے پیارے پیارے نام تھے۔ میرے پانچوں بیٹوں کے نام میری ساس نے رکھے تھے جبکہ بیٹی کا نام میں نے رکھا تھا پھر کسی وقت بتاؤں گی۔ اصرار نہ کرنا بیٹی۔" ماہ نور چپ ہو گئی۔

"آپ کا اصلی نام رومانہ ہے۔ آپ کا نام عائشہ کس نے رکھا.....؟" ماہ نور ابھی تک ان کی داستان کے زیر اثر تھی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میرا اصلی نام رومانہ ہے.....؟" استانی عائشہ چونک پڑیں۔

"ابھی جب آپ اپنی داستان حیات سنا رہی تھیں۔ ایک جگہ آپ نے خود اپنا نام رومانہ لیا ہے۔ غالباً آپ اپنے شوہر کا کوئی جملہ دہرا رہی تھیں۔" ماہ نور نے یاد دلایا۔

"اوہ! بولی تو نجانے کیا کیا ہوں۔ تم نے ٹھیک جانا۔ ہاں میرا اصلی نام رومانہ ہے۔ میری تعلیمی اسناد پر میرا مکمل نام رومانہ عبدالسلام ہے۔ میرا نام عائشہ باباجی نے رکھا تھا۔ ان ہی کے آستانے پر کیچڑ دھوئی بلکہ کینچلی اتاری۔ وہیں سے یہ نام ملا۔"

"آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ میں سوچنے لگی تھی جانے آپ کا کیا غلط غلط کام کر کے پچھتاوے کا شکار ہیں۔" ماہ نور نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔

"میری نادان بیٹی! کوئی عورت اس سے زیادہ غلط کام کر سکتی ہے؟" استانی عائشہ دکھ سے بولیں۔

"میرا مطلب ہے آپ نے کسی مقام پر اللہ کی حدود کی خلاف ورزی تو نہیں کی نا پھر تو آپ کا ضمیر مطمئن ہے؟" ماہ نور نے وضاحت کی۔

تم نے قرآن میں ضرور پڑھا ہوگا نیکوکاروں کے لئے نیکوکار بیبیاں، پرہیزگاروں کے لئے پرہیزگار عورتیں۔ روزہ داروں کے لئے روزہ دار بیبیاں، بدکاروں کے لئے بدکار بیبیاں، مطلب یہ ہے کہ بدنام عورت کے ساتھ تو وہی مرد رہنا پسند کرے گا جو خود بھی بدنام ہو بدنام عورت کے ساتھ رہنے میں اسے کسی قسم کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔

میرا شوہر ایک خوش نام معزز شخص تھا۔ وہ ایک بے وفا اور میلی عورت کے ساتھ رہنا کیسے پسند کرتا؟ اس کی غیرت مندی کا اندازہ لگاؤ کہ مجھ سے پیچھا چھڑا کر اس نے اولاد تک سے چہرہ چھپا لیا۔ اگر وہ جاہل دیہاتی قبائلی ہوتا تو اس رات مجھے قتل کر دیتا اور اپنی غیرت مندی کے اشتہار چھپوا لیتا۔ باقی کی عمر جیل میں چکی پیس کر گزارتا۔ وہ ایک پڑھا لکھا باشعور انسان تھا۔ اس پر سات بچوں کی ذمہ داری تھی۔ اس کے سامنے سات بچوں کا مستقبل تھا۔ اس نے کہانی ہائی لائٹ ہونے نہیں دی۔ غیرت نے بہت ہی تنگ کیا تو دنیا کی نظروں سے خود کو اوجھل کر لیا۔ اس کی بردباری اور قربانی نے بہت سی زندگیوں کو تماشا بننے سے بچا لیا۔

سونے چاندی کے برتنوں سے سجی میز پر کھانا کھانے کا خواب دیکھا تھا۔ آج مٹی کے برتنوں میں کھانا کھاتی ہوں پھر بھی مالک کا احسان ہے اس نے میرے مٹی کے برتنوں میں سکون کے ہیرے جواہرات جڑ دیے۔" استانی عائشہ نے آنکھیں موند لیں۔

"کتنی واضح نصیحت ہے آپ کی زندگی عورتوں کے لئے۔" ماہ نور گم صم سی کیفیت میں بولی۔

"تمہارے لئے بھی اگر غور کرو۔ عورت گھومتے سے اکھڑی اکھڑی جائے تو مرد اس کا ایک ہی مطلب لیتا ہے اور اگر ایک بار مشکوک ہو جائے تو یہ کیڑا اللہ ہی اس کے دماغ سے نکالے تو نکالے دنیا کے کسی حکیم لقمان کے پاس تو اس کا علاج نہیں۔ تمہاری بھلائی کی غرض ہی سے میں نے اپنی ننگی حقیقت ظاہر کی ہے۔ ابھی بہت کچھ اللہ نے تمہارے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ سب سے بڑھ کر ایک مہربان ساس ماں کی صورت تمہیں ملی ہے۔ گھپ اندھیرے میں روشن چراغ جلا ہوا ہے۔ میں اس وقت تمہیں کسی نصیحت سے نہیں گھیروں گی۔ اپنی کہانی سنا دی ہے تم سے ماں بن کر کہتی ہوں جہاں تک غور کر سکتی کر ڈالو۔ جو سوال ذہن میں پیدا ہو پوچھ ڈالو کوئی روک ٹوک نہیں۔" استانی عائشہ نے محبت سے ماہ نور کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"لیکن میرا شوہر آپ کے شوہر کی طرح تو نہیں ہے" ماہ نور نے صاف گوئی سے فوراً کہا۔

"لیکن شوہر تو ہے۔" استانی نے برجستہ کہا۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر تھی۔ ماہ نور لاجواب سی ہو کر چپ ہو گئی۔

"میں انعام ڈرائیور سے بات کر چکی ہوں۔ رات کے کسی وقت اگر تمہیں حیدر آباد جانا پڑا تو وہ تمہیں لے جائے

گا۔ قریبی فیکٹری سے وہ اور کرز پک اینڈ ڈراپ کرتا ہے۔ دو چار بچے بھی شہر کے اسکول میں چھوڑتا ہے۔ میں نے اسے تسلی دے دی ہے کہ وہ پیسوں کی فکر نہ کرے۔ جو مانگے گا دے دیں گے۔ اسے اور کیا چاہیے خوش ہوگیا۔ تمہیں میں حیدرآباد لے جاؤں گی نام لکھوانے کے لئے۔ ابھی خیر سے بیس پچیس دن ہیں مگر اس طرح کی حالت میں ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔''

ماہ نور خاموش رہی۔

''تمہاری ساس کو کتنا ارمان ہے۔ اس بچے کا کتنے پیارے پیارے کپڑے تیار کیے ہیں اس کے۔ ٹوپیوں پر کتنی خوبصورت کڑھائی کی ہے۔ بہت سلیقہ مند اور ہنرمند خاتون ہیں۔ بتا رہی تھیں ان کی بیٹیوں نے بہت کپڑے وغیرہ بنائے ہیں۔ بچے کو دیکھنے آئیں گی تو ساتھ لائیں گی بے چاری بیٹیوں کے بھی کتنے ارمان ہیں اور بھائی نضامت ہدایت دے، ویسے کتنی مرتبہ آمنا سامنا ہوا مجھ سے تو اس نے سلام کے علاوہ کوئی بات نہیں کی۔ دیکھنے میں کتنا بے ضرر اور مہذب دکھائی دیتا ہے۔ یا اللہ جیسا دکھائی دیتا ہے اسے ویسا ہی بنا دے۔'' استانی عائشہ نے ہاتھ اٹھا کر دل سوزی سے دعا کی۔

''ایسے آزاد منش انسان کی انا کو چھیڑنا بہت مسئلے پیدا کر دیتا ہے۔ اگر تم میری باتوں پر عمل کرتیں اور کچھ برداشت سے کام لیتیں خاص طور پر اس بچے کی پیدائش تک تو بات اتنی نہیں بگڑتی۔ باپ بننے کے بعد تو اس میں کچھ نہ کچھ تبدیلی خود بخود ضرور آتی۔'' استانی عائشہ بولیں۔

''وہ ایسا پتھر ہے کہ اس میں کبھی جونک نہیں لگے گی خود پتا نہیں کن کن عورتوں کے چکر میں رہتا ہے۔ دیسا ہی دوسروں کو سمجھتا ہے۔'' ماہ نور جل کر بولی۔

''کیا مطلب... ؟'' استانی نے چونک کر پوچھا۔

''بے چارے مظاہر بھائی کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔ خوامخواہ ان کے خلوص کو غلط سمجھتا ہے حالانکہ اس کو اتنی عقل تو ہونا چاہیے کہ اگر مظاہر بھائی ایسے ہوتے تو وہ خود اپنے ہاتھوں سے مجھے اس کے حوالے کرتے۔ موقع ملنے پر کوئی نہ کوئی طعنہ اٹھائے...؟'' ماہ نور چڑتے ہوئے انداز میں بولی۔

''کیا کہتا ہے؟'' استانی ایک دم سنجیدہ ہو گئیں۔

''اسے اعتراض ہے کہ جب تمہارے خاندان کا کوئی مرد تم سے ملنے آتا ہے تو کیوں تمہارا [illegible] بڑی [illegible] آتے ہیں انہیں تم سے کیا دلچسپی ہے۔ کیوں آتے ہیں ملنے [illegible] وغیرہ وغیرہ۔''

ہاں تو تمہیں بہت رعایت سے کام لینا تھا۔ [illegible]

اب میں اتنی تو بری دکھائی [illegible] [illegible]

بچے کو دیکھنے آئے [illegible] ساتھ لے جانا چاہے تو مزاحمت نہ کرے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے لئے صبر، برداشت اور حسن تدبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم اس سے جتنا زیادہ مقابلہ اسی کے لہجے میں کرو گی۔ وہ اتنا زیادہ ردعمل کرے گا۔ اس لئے کہ وہ اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ ہر لحاظ سے زورآور ہے اور کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' استانی عائشہ اسے بہت حلم کے ساتھ سمجھا رہی تھیں۔

''خالہ جان! ایک عورت اس مرد کے ساتھ کیسے محبت، خدمت، محبت سے رہ سکتی ہے جبکہ اس کے خلوص پر سے اعتبار ہی اٹھ چکا ہو وہ خوبصورت باتیں اور یقین دہانیاں جو وہ اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے بالکل اسی طرح کا کردار وہ دوسری عورت کے ساتھ بھی کرتا ہے تو ذہن الجھے گا نہیں کہ وہ کس کے ساتھ ہے...؟'' ماہ نور نے بالآخر اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''مرد خواہ کیسا ہی ہو سچا اسی کے ساتھ ہوتا ہے جو عورت اس کی تمام ترحتی عادتوں کے باوجود اپنا رویہ مثبت رکھتی ہے۔ اپنے کردار کی حفاظت کرتی ہے۔ خود کو کسی کی امانت سمجھتے ہوئے کسی امانت کی

طرح اپنی حفاظت کرتی ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ کھوٹے سکوں سے دل بہلاتے بہلاتے مرد کی طبیعت اوب جاتی ہے اور وہ آخرکار مخلص، صابر، اپنی امانت دار عورت کی طرف پلٹنے پر مجبور ہو جاتا ہے اسے احساس ہوتا ہے کہ یہ پلٹنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ عورت اس کا خزانہ ہے۔

میں نے شرفاء کی ایسی قسم بھی دیکھی ہے اور دہ... نہ معاشرے میں اچھی خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں اپنی بیویوں کے ساتھ بہت حسن سلوک سے رہتے ہیں ان کا خیال رکھتے ہیں اور ان کے خفیہ معاشقے بھی چل رہے ہوتے ہیں وہ وقتی لطف کی نیت سے یہ معاشقے چلا رہے ہوتے ہیں دوسری شادی کرنے کا نہیں خیال بھی نہیں ہوتا اور وہ معاشرے کی بہت سی معصوم عورتوں لڑکیوں کو بے وقوف بنا رہے ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد محض ہاتھ صاف کرنا ہوتا ہے۔ جو وقت انہیں اپنی مخلص بیوی کو دینا چاہیے وہ ان معاشقوں میں ضائع کر کے اپنے جیون ساتھی کی حق تلفی کر رہے ہوتے ہیں اور ان کی بیویوں کو احساس تک نہیں ہو پاتا کہ ان کا اتنا اچھا شوہر کس طرح ان کا حق کہیں اور لٹا رہا ہے۔

''اف خالہ جان! آپ کو اندازہ نہیں ہے اس کی ایک ایک بات نے مجھے نناوے فیصد مارڈالا ہے کس قدر تکلیف دہ ہیں۔'' ماہ نور نے جیسے تڑپ کر کہا۔

''ہاں میں یہ نہیں کہتی کہ تم غلط کہہ رہی ہو مگر ایمانداری سے سوچ کر بتانا بحیثیت بیوی تم نے اسے کیا کچھ دیا ہے۔ اس نے تمہیں پسند کیا تم سے محبت کی تمہارے حصول کے لئے درست ذرائع استعمال کیے کام نہیں بنا تو وہ اپنی منوانے والی فطرت کو کام میں لا کر تمہیں اٹھا لایا۔ اس کے باوجود تمہارے عورت پن کی تذلیل نہیں کی غیر اخلاقی طور پر تمہارا وجود استعمال نہیں کیا۔ باقاعدہ تم سے شادی کی تم نے اس کی بیوی بننے کے بعد خود کو صرف ایک مفتوحہ علاقہ تصور کیا۔ اس نے تمہارے خاندان کی عزت کو جس طرح داغ دار کیا تم نے اسے معاف نہیں کیا اور معاف کرنا اتنا آسان نہیں ہے مگر اس کے دماغ میں یہ بات نہیں آ سکتی کہ اس نے تمہیں کس درجہ نقصان پہنچا کر اپنی بیوی بنا لیا ہے۔ اس کے ذہن میں صرف یہ ہے کہ تم اس کی قانونی شرعی بیوی ہو۔ اس نے تمہیں دولت کے ڈھیر دیے ہیں۔ آنے والے وقتوں میں تم اس کی اولاد کی ماں ہو۔ اس نے معاشرے میں باقاعدہ ایک حیثیت دے دی ہے۔ اس لئے وہ تم سے ایک مکمل بیوی کا کردار ادا کرنے کی خواہش رکھتا ہے جو اس کی خدمت بھی کرے اور اس سے محبت کا اظہار بھی کرے تم نے ایک زرخرید باندی کی طرح اس کی خدمت تو کی مگر ایک بیوی کی طرح گرم جوشی اور جذبے سے اس کے قریب بیٹھنے کو پسند نہیں کیا اور اس کے محبت بھرے عمل کے سامنے یوں رہیں جیسے کوئی کسی قیدی سے جبری مشقت لے رہا ہو۔ وہ اس برف کی سل سے کتنی دیر قربت کرتا من چاہا ساتھی جسے اس نے بہت شوق سے اپنے قریب کیا تھا۔ اس سے کیا ملا؟ سرد مہری بے

تھی، بلکہ نفرت و کراہت کا احساس ان جذبوں کے ساتھ تو نئی نوع انسان کی کبھی اصلاح ہوئی نہیں منفی رویے جنگی کیفیت پیدا کرتے ہیں اپنا آپ بدلنے کا شعور نہیں اس کو تبدیل کرنے کا خیال ہو تو پہلے اپنے آپ کو تبدیل کرنا ہو گا۔ بس

میں تمہیں اس سے زیادہ نہیں سمجھا سکتی۔۔۔۔ ماشا اللہ سمجھدار ہو۔ آنے والے وقت میں خود کو دیکھنے کی کوشش کرو کہ کہاں کھڑی ہو۔ سفر اندھیرے کی طرف ہے یا روشنی کی طرف؟'' استانی عائشہ خاموش ہو گئیں۔

☆☆☆☆☆

''اوئی بیوی! ادھر بھی تم نے وہی رنگ ڈھنگ اپنائے ہوئے ہیں؟ محلے کے بچوں پر ہاتھ لٹاتی پھر رہی ہو؟'' بڑی اماں مظہر کے ساتھ ظہیر کی شادی کے سلسلے کی شاپنگ کو نکلی تھیں۔ سو چار یا کا گھر راستے میں پڑتا ہے۔ اس کو ساتھ لے لیں فی الحال تو وہ کچھ سادہ کپڑے کڑھائی کے لئے دینے جا رہی تھیں۔

گھر میں داخل ہوئیں تو دیکھا ریا ایک بہت خوب صورت و صحت مند بچی کو کارپٹ پر لٹائے پاؤڈر لگا رہی تھی۔ بچی کے کپڑے پاس ہی رکھے تھے اور اس کام میں وہ اس بری طرح منہمک تھی کہ بڑی اماں کی آواز پر تقریباً اچھل ہی پڑی۔

''السلام علیکم! بڑی اماں'' وہ قدرے جھینپ کر سلام کرنے لگی۔

''وعلیکم السلام! اچھی رہو یہ کس کی بچی اٹھا لائی ہو خدمتیں کرنے کے لئے۔۔۔۔؟'' بڑی اماں کا دھیان بدستور بچی کی طرف تھا۔

''کسی کی نہیں اپنی ہی سمجھیں۔'' ریا نے اوٹ پٹانگ جواب دیا۔

''وہ تو خیر یہ ہے کہ دوا چلتے بچے تمہارے اپنے ہیں۔ تمہاری سسرال والے تمہاری یہ حرکتیں دیکھیں گے تو کیا سوچیں گے۔ باؤلی ہوئی ہو شرم کرو یہی سوچیں گے نا کہ بہت ارمان ہو رہا ہے بچوں کا چھوڑو اپنی مجھو جن کی ہے وہ خود کھلیں۔ سائیں (سنبھالیں)'' بڑی اماں کو شدید غصہ آ رہا تھا۔

''بڑی اماں! یہ ہم نے مستقل لے لی ہے۔ یہ ہمارے پاس ہی رہتی ہے بڑی اماں۔'' ریا نے ہمت کر کے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟ اماں بوا کہاں ہیں اس کے؟'' بڑی اماں اچنبھے میں پڑ گئیں۔

''اس بے چاری کا کوئی نہیں۔ تب ہی تو ہم نے اسے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔'' ریا نے ڈرتے ڈرتے بڑی اماں کی طرف دیکھا۔

''ارے تو درخت میں تو نہیں اگی ہو گی کہاں پیدا ہوئی تم تک کیسے پہنچی تم لے کر آئی ہو یا تمہاری ساس کہیں سے لائی تھیں۔۔۔۔؟'' بڑی اماں تو اپنا اصلی کام بھول گئیں، وہ ریا سے کسی بھی قسم نے سمر کے کی توقع کر سکتی تھیں۔ ''کہ لائی تو کہی ہی ہیں شاید ان کے کسی جاننے والے کے ہاں پیدا ہوئی تھی۔'' ریا کو فوراً جان چھڑانے والا جواب سوجھا۔

''تو ذرا کر انہوں نے یہ ہار تمہارے گلے میں ڈال دیا۔'' بڑی اماں کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''میں نے خود پہنا ہے'' ریا نے شرارت سے مسکراہٹ دباتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں، وہ تو تمہیں بہت شوق ہے ادھر ادھر کے ہار گلے میں ڈالنے کا کچھ دن جاتے ہیں اگر تمہاری اولاد گود میں آ گئی تو؟ بچہ ایک ذمہ داری ہوتا ہے گائے بھینس کے بچھڑے کی طرح تو نہیں پل جاتا۔ چوبیس گھنٹے کا دھیان۔۔۔۔ تمہاری ساس کو کیا سوجھی۔۔۔۔ تمہارے بیاہ کو تو سال بھر بھی نہیں ہوا کہ وہ پوتے پوتی کے ارمان کرتے کرتے مایوس ہو رہی ہوں تو سوچا کہیں سے لے کر ہی شوق پورا کر لیں۔'' بڑی اماں تو اتنی بڑی مفت کی ذمہ داری پر پریشان ہو گئیں۔

''بڑی اماں! انہوں نے زبردستی تو نہیں کی میرے ساتھ۔۔۔۔ میں اپنی خوشی سے اس کی دیکھ بھال کر رہی ہوں۔ فارغ تو رہتی ہوں ہر وقت بور ہو جاتی ہیں۔ گھر کا تو کوئی کام ہی نہیں ہے۔ ریا نے جواب دیا۔

''گھر میں کام نکالے جاتے ہیں۔ دیکھے جاتے ہیں گھر کے کام تو کبھی ختم ہی نہیں ہوتے۔ یہ خوب کہا کہ گھر میں کام ہی نہیں واہ۔''

''جی بڑی اماں! جھوٹ نہیں کہہ رہی کچن میں دو نوکر ایک بٹلر ایک اس کا ہیلپر جو کچن کو ہر وقت سمیٹتا صاف کرتا رہتا ہے کھانا لگاتا ہے۔ برتن اٹھواتا ہے۔ ہر دوسرے روز تو دو چار لوگ کبھی ڈنر پر کبھی لنچ پر ہوتے ہیں۔ کئی کئی ڈشز تیار کرنا ہوتی ہیں اس لئے دو کا کام تو بہر حال ہے۔

دو ماسیاں۔ ایک دیکھ بھال کرتی ہے۔ دھلائیاں کرتی ہے۔ دوسری صفائی کرتی ہے۔ رات گیارہ بارہ بجے تک ڈسٹر اس کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ ممی کا آرڈر ہے۔ کسی چیز پر بھی دھول نظر نہیں آنا چاہیے۔ بے چاری سارے گھر میں گھومتی رہتی ہے۔ جہاں کہیں دھول جالا دیکھتی ہے فوراً صاف کر دیتی ہے۔ باہر لان میں مالی ہر وقت موجود۔ ایک پٹھان ہے جو کپڑے دھوتی ہے پھر انہیں استری بھی کرتی ہے باہر کا سودا سلف لانے کے لئے ایک بلوچ لڑکا ہے۔ ایک سندھی بابا ہے جو نوکروں کا بیٹا ہے جو نوکر چٹھی پر ہو۔ وہ اس کے حصے کا کام کرتا ہے۔ اب بتائیے میں کیا کام کروں۔۔۔؟'' ریا نے بڑے مفصل طریقے سے بڑی اماں کو یقین دلایا کہ واقعی اس کے پاس کوئی کام نہیں۔

''تو پھر دس بارہ تم اپنے پیدا کر لینا۔ کم سے کم یہی کام کر لینا۔ ایروں غیروں کے بچے پالنے سے تو بہتر ہے۔'' بڑی اماں نوکروں کی اتنی طویل فہرست سن کر قدرے ٹھنڈی ہو گئیں۔

''بڑی اماں! یہ تو ثواب کا کام ہے۔'' ریا نے اپنی دانست میں بڑی اماں کو مزید ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''تو یتیم خانے کی انچارج لگ جاؤ۔ پیسے بھی تمہارے پاس، وقت بہت ہے۔ دو چار کسی کے پال کر کتنا ثواب ملے گا؟ یتیم خانے میں سرپرستی کرو گی تو جتنے بچے کتنے بچوں کا ثواب ملے گا۔''

ریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ بڑی اماں کا بچی گود لینا اچھا نہیں ہو گا۔

''بڑی اماں! چائے پئیں گی یا ٹھنڈا؟ کھانا تو آپ ایک بجے کے بعد ہی کھاتی ہیں۔ ویسے کھانا تیار ہی ہو گا۔'' ریا نے بڑی اماں کی خاطر تواضع کا خیال کیا۔

''نہیں بس کچھ نہیں چلتے وقت چائے پی ہے۔ میں تو بازار کو نکلی تھی دو چار جوڑے کپڑے عفیرا کے کڑھائی کو دینا ہیں۔ ڈیڑھ مہینہ بیچ میں ہے۔ تمہارے بے جان (بھائی جان ظہیر) کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اللہ اللہ کر کے پانچ ساڑھیاں تو بکس میں دھری ہیں۔ چار سوٹ پہ کڑھائی کو دے رہی ہیں۔ نکاح دینے کے کپڑے ابھی خریدنا ہیں۔ میرا خیال ہے سولہ سترہ جوڑے بری میں کافی ہیں۔ کیوں؟'' بڑی اماں نے شادی شدہ ریا کو بڑا تجربہ کار مشورے کے لائق سمجھ ہی لیا۔

''کم سے کم اکیس تو کر لیں بڑی اماں! آج کل کم سے کم اکیس یا پچاس اکیاون کا رواج چل رہا ہے۔'' ریا نے ادھر ادھر کی شادیوں سے حاصل تجربے کی بنیاد پر کہا۔

''اے بس بتاؤ اتنے ڈھیر کپڑوں کا کیا فائدہ۔ شادی کے بعد تو لڑکیاں شوہر کے ساتھ خریداری کرنے ضرور جاتی ہیں۔ زمانے بھر کے کپڑے بناتی ہیں۔ بری جہیز کے ڈھیر کپڑے پڑے ہوتے ہیں پھر بھی کپڑوں کی خریداری ہوتی ہے۔'' بڑی اماں نے ریا کی تجویز بلا رعایت مسترد کر دی۔

''ٹھیک ہے بڑی اماں! جیسے آپ کی مرضی جیولری کیا نئی بنائیں گی؟'' اس نے پوچھا۔

''دو سیٹ تو بنوائے ہوئے ہیں جو پیسہ یہ مجھے دیتے رہے ہیں۔ اسی میں سے جوڑ جاڑ کر بنوائے تھے۔ اب تو بس کنگن

چوڑیاں، جھومر، بندے وغیرہ بنتا ہے۔ بعد کو وہ اپنی مرضی سے بنواتی رہیں گی۔ ابھی تو ظہیر نے پچاس ہزار دیے تھے مجھے کپڑے لینے تم سنگ چل رہی ہو تو اٹھو۔ بعد کو میرے کان مت کھانا کہ یہ اچھا نہیں وہ ٹھیک نہیں۔" بڑی اماں بولیں۔

"چلتی ہوں بڑی اماں۔" ثریا کو تو یوں بھی بازار جانے کا بہانہ چاہیے ہوتا تھا فوراً تیار ہو گئی۔

"اسے کیا گود لے کر جاؤ گی؟" بڑی اماں نے قدرے ناگواری سے بچی کی طرف دیکھا۔

"نہیں ملازمہ ہے۔ وہی سنبھالتی ہے زیادہ تر..... میں تو بس یونہی تھوڑی دیر کے لئے اپنے کمرے میں ہوں۔" ثریا نے انہیں گویا تسلی دی۔

☆☆☆☆☆

قمر النساء شام ڈھلے ماہ نور کے پاس پہنچ گئی تھیں۔ استانی عائشہ نے چھاپولی کڑھی اور ساتھ سادہ چاول بنائے تھے۔ عشاء کی نماز سے پہلے تینوں کھانا کھا چکی تھیں۔ کھانا کھا کر جب آرام سے بیٹھیں تو قمر النساء نے بتایا کہ مظاہر کس طرح پاس آیا تھا اور کس طرح مظاہر کے خلاف جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔

"بلکہ یوں کہو میرے حساب سے تو اس کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا..... مجبوراً مجھے کہنا پڑا کہ مجھے ماہ نور کے بارے میں سب پتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ بلکہ وہ جہاں گئی ہے میری اجازت سے گئی ہے تب کہیں جا کر ٹھنڈا پڑا۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا تھا کہ وہ ناحق مظاہر کو کوئی نقصان نہ پہنچا بیٹھے۔"

"پھر.....؟" ماہ نور کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"پھر زبانی اطلاع تم تک پہنچنے سے روکنے کے لئے وعدہ کرنا پڑا کہ بچے کی پیدائش کے بعد میں تمہیں دونوں کو خود بلواؤں گی۔"

"ہائے اماں! یہ کیا کیا آپ نے؟" ماہ نور نے پیشانی تھام کر بے ساختہ کہا۔

"بیٹی! آخر کو وقت تمہیں اس کے ساتھ کاٹنا ہے۔ یہ سب تو مجبوری ہے کہ اس سے تمہیں چھپا کر رکھنا پڑ رہا ہے تمہیں ذہنی اور جسمانی آرام ملے جو تمہاری اس وقت کی ضرورت ہے اور اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی۔"

"اماں! اب جب بھی اس کا آپ سے ملنا ہو گا۔ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک آپ میرا ٹھکانہ بتا نہ دیں۔" ماہ نور جیسے سوچ کر ہی نڈھال ہو گئی۔

"کیا مطلب، کیا تم اس کے ساتھ نہیں رہو گی۔ اس بچے کو باپ کے ہوتے ہوئے باپ سے محروم رکھو گی" عائشہ بے اختیار بول پڑیں..... کیونکہ قمر النساء کے چہرے پر بھی تشویش کی لکیریں مدھم روشنی میں بھی واضح دکھائی دے رہی تھیں۔

ماہ نور خاموش رہی جیسے کوئی مناسب جواب سوچ رہی ہو۔

"میں نے اس سے یہ بھی پوچھا تھا کہ جانے کتنے جتن کر کے مصیبتیں جھیل کر جب ماہ نور کو حاصل کر لیا تھا تو کیا اسے دکھ دینے کا مطلب؟ اسے کیوں پریشان کر رہے ہو؟" قمر النساء نے بجھے بجھے لہجے میں بتایا۔

"پھر کیا جواب دیا اس نے۔" استانی نے قدرے چونک کر پوچھا۔ ماہ نور کے بھی کان کھڑے ہوئے مگر اس نے اپنے چہرے پر کسی قسم کا تاثر ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"کہنے لگا اماں آپ کو جواب دینے کا کوئی فائدہ نہیں جب بھی ماہ نور نے یہ سوال کیا تو اس کو جواب دوں گا۔"

ماہ نور کے اندر ایک ہلچل سی مچی..... اس کا مطلب ہے جو کچھ ہوا..... کوئی وجہ ہے؟ مگر وہ وجہ کیا ہے؟ اس کا

چہار سوں میں دوڑ لگانے لگا۔

"وہ تو خیر میں بھی اکثر سوچتی ہوں کہ کوئی مسئلہ ہے ورنہ اتنی جلدی اپنی حالت سے بدل کر نئی حالت میں آنا بلاوجہ نہیں ہو سکتا۔" استانی نے گہری سوچ کے دوران کہا۔

"بہرحال اب جب بھی وہ تمہارے پاس آئے تو پوچھنا ضرور۔ جب اس نے کہا ہے تو وہ بتائے گا ضرور مگر اس طرح سے پوچھنا کہ وہ بتا دے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے کسی رویے سے غصے میں آ جائے اور پھر کچھ الٹا سیدھا کر بیٹھے اور بات وہیں کی وہیں رہے۔" استانی عائشہ نے سمجھایا۔

"بہرحال بہن! آپ نے بہت سمجھداری سے کام لیا ورنہ ممکن تھا کہ وہ مظاہر کو کوئی نقصان پہنچا بیٹھتا۔ اس کے ذہن میں تو یہی ہو گا کہ مظاہر ہی ماہ نور کی خیر خبر رکھتا ہے۔ اس نے جو کچھ کیا ہے آپ کا بہت بہت شکریہ۔" استانی عائشہ کا انداز تشکر بہت فطری اور بے ساختہ تھا۔

☆☆☆☆☆

شام سات بجے ماہ نور کو ہلکی سی تکلیف محسوس ہوئی تھی اور استانی عائشہ و قمر النساء اسے حیدرآباد کے ایک جدید سہولتوں سے آراستہ میٹرنٹی ہوم میں لے آئی تھیں۔ گاڑی کا انتظام تو پہلے ہی کیا ہوا تھا اس لئے شہر پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ دونوں راستے بھر پڑھ پڑھ کر ماہ نور پر پھونکتی رہیں۔ اپنی ہمت بڑھاتی رہیں۔

رات کے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں دونوں میٹرنٹی ہوم پہنچیں اس وقت تک ماہ نور کی حالت کنٹرول میں تھی اسے فوراً ہی ڈرپ لگا دی گئی تھی۔

رات بارہ بجے کے بعد اسے درد شروع ہوئے..... تقریباً صبح ساڑھے چار بجے اس نے ایک بہت خوب صورت بیٹے کو جنم دیا۔

قمر النساء تو سنتے ہی فرط مسرت سے باقاعدہ رونے لگیں۔ استانی عائشہ نے انہیں گلے لگا کر مبارک باد دی اور شکرانہ پڑھنے کی تاکید کی۔

قمر النساء صبح تک جائے نماز پر بیٹھی رہیں۔ فجر کی نماز کے بعد انہوں نے استانی عائشہ سے کہا۔

"میں اس پورے اسپتال میں مٹھائی بانٹنا چاہتی ہوں۔ مجھے تو اس شہر کے بازاروں کا کچھ پتا نہیں آپ کسی سے کہہ کر میرا یہ کام کرا دیجئے۔ سب کمروں میں اور اسپتال کے عملے اور ڈاکٹرز کے لیے ایک ایک کلو کا ڈبہ تیار کرا دیجئے۔ کم سے کم چالیس ڈبے ہوں۔ چالیس اور پاشا کو بھی فون کرنا ہے۔ میں نے اس کا نمبر لکھ کر بیگ میں رکھ لیا تھا۔ یہ اس گھر کا نمبر ہے جہاں ماہ نور رہ رہی تھی۔ ماہ نور نے ہی یہ نمبر دیا تھا۔"

"آپ فکر نہ کریں جس آدمی کی گاڑی میں ہم یہاں آئے ہیں۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ صبح جب سودا بازار لے کر شہر آئے تو میرے پاس سے ہوتا ہوا جائے۔ وہ آئے گا ان شاء اللہ آپ کے دونوں کام ہو جائیں گے اللہ سے دعا ہے کہ آپ کو خوشی راس آئے۔" استانی عائشہ نے تسلی دی تو قمر النساء مطمئن ہو گئیں۔

کیس نارمل تھا۔ اس لئے ماہ نور پورے ہوش و حواس میں اپنی ساس کی بے پایاں خوشی کا مظاہرہ دیکھ رہی تھی۔ بچے کو انہوں نے بہت خوب صورت کپڑے پہنائے تھے کبھی اسے شہد چٹاتی تھیں۔ کبھی ماہ نور کے پاس فیڈ کے لئے لاتی تھیں۔

"میری بہو میری مرضی کی ہے۔ ایسی بہو جس کی خواہش ہر ساس کرتی ہے۔ ایسی بہو سے اللہ نے مجھے پوتا دیا ہے جتنا شکر کروں کم ہے۔" انہوں نے جانے کتنی مرتبہ ماہ نور کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔ "اللہ نے میرے باغ میں بہت خوب صورت پھو

ل لگا ہے۔ حالانکہ تو اسے نواسیاں بھی ہیں۔ مگر بیٹے کی اولاد کی خوشی ہی اور ہوتی ہے" وہ ایک سرخوشی کی کیفیت میں کہہ رہی تھیں۔

"اور ہاں اگر پاشا بچے کو دیکھنے آئے تو بھگڑا مت کرنا۔ اللہ نے جو نعمت دی ہے اس کو خوشی سے محسوس کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے نبھانے قدم جماد یے اس خاندان میں ٹھیک؟" انہوں نے ماہ نور کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

ماہ نور چپ چاپ آنکھیں موندے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ عجیب سا سکون اس کی روح میں اتر آیا تھا جیسے گھمسان کے رن کے بعد جنگ کے میدان میں سناٹا چھا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

دوسرے روز چھٹی ہو گئی تھی۔

انہیں ہاسپٹل سے واپس آئے دوسرا روز تھا۔ استانی عائشہ اور قمر النسا مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ استانی ماہ نور کے لیے کھانا نکالنے اپنے چھوٹے سے باورچی خانے میں جا چکی تھیں۔ اس لیے قمر النسا دروازے تک گئیں اور پوچھا۔

"کون ہے......؟"

"میں ہوں اماں پاشا۔" باہر سے پاشا کی دھیمی آواز کان میں پڑی۔

قمر النسا نے بے اختیار دونوں پٹ وا کر دیے۔ سرمئی شلوار سوٹ اور ڈیزائنر اسکارف میں واقعی سامنے پاشا کھڑا تھا۔ اس کی پشت پر اس کی گاڑی بھی دکھائی دے رہی تھی۔

قمر النسا نے پاشا کا ہاتھ تھام لیا۔ "بہن! کراچی سے پاشا آیا ہے۔ کیا میں اسے اندر بلا لوں؟" انہوں نے گویا اجازت طلب کی اور استانی کو ہوشیار بھی کیا کہ وہ بہت سختی سے پردہ کرتی تھیں۔

"یہ دیکھو... اللہ نے کتنا پیارا بیٹا دیا ہے۔ مقام شکر ہے کہ ایک اچھی اور نیک بیوی سے تمہیں اولاد کی نعمت ملی۔" قمر النسا بچے کو اٹھا کر پاشا کے قریب آ گئیں۔

پاشا نے بچے پر ایک نگاہ ڈال کر ماہ نور کی طرف دیکھا۔

"اس نعمت کی ماں نیک بیوی تو ہے اماں! اچھی بیوی نہیں۔" پاشا نے بے اختیار ہاتھ بڑھا کر بچہ لیتے ہوئے کہا۔

"تمہارے علم و فضل سے ہمارا کیا مقابلہ! اچھی اور نیک میں فرق کیا ہے؟" قمر النسا نے جل کر کہا۔

"یہ تو وہی جانتی ہے جس کے لئے آپ نے یہ خوب صورت الفاظ استعمال کیے ہیں۔" پاشا نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ ایک اڑتی پڑتی نظر ماہ نور پر ڈالی پھر بچے کی طرف دیکھ کر کمرے میں نظر دوڑانے لگا۔

"اماں... ؟ آپ یہاں رہ رہی ہیں......؟" اس کی حیرت کمال کی تھی۔

"کیوں... ؟ یہاں کیا ہے۔" قمر النسا نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"ٹھیک ہے۔ ادھر صفائی ستھرائی بہت ہے مگر بچے کے لئے تو ادھر کوئی فیسلٹی نہیں ہے۔ اماں! یہ میرا بیٹا ہے اسے آپ نے کہاں رکھا ہوا ہے۔" پاشا کے لہجے میں عجیب سی جھنجلاہٹ تھی۔

"ہاں...... پہلے بھی دھیان نہیں آیا کہ میرے بیٹے کہاں ہونا چاہیے تمہاری وجہ ہی سے یہ ادھر ہے۔" قمر النسا نے بھی چیخ کر حساب چکانے کی کوشش کی۔

"جی نہیں میں نے اس کی ماں کو اس کے استقبال کے لئے پورا کل وقت دیا تھا۔ کیوں پھر بھی بے ماری ماری

پھر رہی ہے؟" پاشا تڑخ کر بولا۔

"اس جنگل کو محل کہہ رہے ہو، جہاں تمہاری ماں بھی نہیں جا سکتی تھی؟ اس وقت کیا کہوں تم سے۔" قمر النسا نے خود پر قابو رکھنے کی ممکنہ کوشش کی مبادا کوئی بدمزگی ہو جائے۔

"اماں عورتوں کو تو عادت ہوتی ہے لانگ اسٹوری کھینچنے کی۔ بندے کو سب کچھ ملا ہوا ہو پھر بھی رو رہا ہو تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ عادت سے مجبور ہے۔ ابتنے تو کر تھے وہاں کوئی بھی کام نہیں رک سکتا تھا۔" پاشا نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"اماں چھوڑیں وہ باتیں یہ بتائیں کہ اس کا نام کیا رکھا ہے؟" اس مرتبہ پاشا نے پرشوق نظروں سے بچے کا چہرہ دیکھا۔

"نام تو تم بتاؤ کہو گے تو تمہاری بہنوں سے مشورہ کر کے رکھ لیتے ہیں۔ جیسا تم کہو۔" قمر النسا نے کہا۔

"نہیں... اس کا نام میں خود رکھوں گا۔ سوچ کر بتاؤں گا۔ آپ یہ بتائیے کہ چل رہی ہیں گھر؟"

"کون سے گھر؟ تمہارے محل میں تو میرا داخلہ بند ہے اور اپنے گھر جب مجھے جانا ہوگا۔ چلی جاؤں گی۔" قمر النسا نے قدرے برا مان کر کہا۔ پھر ایک دم اپنا موڈ درست کرتے ہوئے پاشا کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"تم بیٹھو تو سہی پانی والی ہو کراچی سے کس وقت چلے تھے؟"

"کہاں بیٹھوں؟ یہاں بیٹھنے کی جگہ کہاں ہے؟" پاشا نے استہزائیہ کہہ کر ادھر ادھر دیکھا۔

قمر النسا نے گھبرا کر دروازے کی سمت دیکھا پھر نیچے فرش پر بچھی دری اور سفید گاؤ تکیے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہاں بیٹھ جاؤ آرام سے ٹیک لگا کر۔" پھر دبی آواز میں بولیں۔

"اللہ سے دعا ہو لینے کی ضرورت نہیں... ہماری محسن ہیں استانی... تمہیں خیال رکھنا چاہیے۔ ایک منٹ میں ابھی آتی ہوں۔" انہیں فوراً خلیہ کرنے کا خیال آ گیا اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔

"بے وقوف لڑکی! جن عورتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ مرد ایسی عورتوں کو اپنے بچوں کی مائیں نہیں بناتے۔ مجھ سے جھگڑتے ضد کرنے کا کیا نتیجہ نکلا؟ جنگل بیابان میں پڑی ہو۔ کتنی مشکل زندگی ہے یہاں کی۔ چلو اٹھو میرا بچہ ایسی جگہ نہیں رہے گا جہاں لوگ پانی کے لئے بارش کی دعا کریں۔ اٹھو شاباش۔"

"ہم یہاں بہت سکون سے رہ رہے ہیں۔ آپ ٹینشن نہ ہوں۔" وہ مزید بولی۔

"تمہیں تو خیر عادت ہوگی میں تو اماں کی بات کر رہا ہوں۔" پاشا بچے کا چہرہ بغور دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"ہاں تو ہم پوچھ لیں اماں سے...... اگر انہیں تکلیف ہے تو لے جائیں۔ میں تو بہت خوش ہوں۔" ماہ نور نے دوبارہ بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

"بھئی میرے بچے کو مسئلہ ہو سکتا ہے یہاں تو کوئی دور دور تک ہاسپٹل کلینک بھی نہیں ہیں۔" پاشا نے فکرمندی سے کہا۔

"بہت خیال آیا ہے بیٹے کا اسے تو ماں کے پیٹ کی کوٹھری میں سانس بھرتے ہوئے مہینے گزر گئے تب بھی یہ جاندار اور انسان کا بچہ تھا۔ اتنی تنگی کی اس کی ماں نے زندگی کہ اللہ کی ذات پر یقین نہ ہوتا تو خودکشی بھی کر سکتی تھی ایک ساتھ دو جانوں کا زیاں۔"

"کیا؟ ہمدردی تنگ کی ہوئی تھی اس گھر میں ہوا نہیں آتی تھی کھانے پینے کو نہیں تھا؟" پاشا نے چڑتے ہوئے انداز میں کہا۔

"جب ذہنی رشتوں سے جکڑا ہوا محسوس ہو تو ہوا اس قسم کا کام نہیں کرتے۔" ماہ نور نے بھی تلخی سے جواب دیا۔

"یہ تو مجھے پتا ہے۔ تم بہت ناشکری لڑکی ہو۔ ہر لحاظ سے فٹ شوہر۔"

"صرف میرا شوہر نہیں تھا یہ نے کس کس کا......؟" ماہ نور نے بھڑک کر اس کی بات کاٹ دی۔

"بے وقوف لڑکی انتہائی احمق ہو۔ اگر میں کس کس کا شوہر ہوتا تو اس وقت میرے چند درجن بچے تو شہر میں موجود ہوتے مرد خواہ... کتنا ہی کرپٹ ہو۔ اولاد کے لئے ماں کوالٹی کی چاہتا ہے۔ تجھے اپنے سر پر بٹھایا ہے میری جان۔"

پاشا کا لہجہ ہی بدل گیا۔

"وہ سوکنیں کون ہیں جو تمہاری موجودگی میں مجھ پر حکم چلانے کی کوشش کرتی ہیں۔ تم پر اپنا حق جتاتی ہیں؟"

ماہ نور کو اس سفید جھوٹ پر بلا کا غصہ آگیا۔

"ارے وہ ایک دوسرے کی سوکنیں ہیں تیری نہیں میری جان کے عذاب میرے سر کی بلائیں" پاشا کا انداز ہی بدلا ہوا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر بچے کو چوم لیا۔

"یار تجھے کیا ہو گیا بچہ دینے کے بعد کیا قیامت لگتی ہے۔ کیوں جان جلا رہی ہے اپنی ان بازاری عورتوں کا ذکر کر کے۔ کوئی بات نہیں ہے تیرے پاس......؟" پاشا مسکراہٹ دبا کر یوں کہہ رہا تھا کہ گویا گزرے کسی واقعے کی کوئی حیثیت نہیں۔

"ان عورتوں کی وجہ سے میں نے تمہیں ٹھکرا دیا۔ ہاتھ آئی نعمتوں کو ٹھکرا دیا اور تم سمجھتے ہو کوئی بات ہی نہیں۔ ابھی تک زخموں سے خون رس رہا ہے۔ میرا صبر پڑے گا ان چڑیلوں پر اثر ہوگا یا نہیں۔ کسی بے بس انسان کی بددعا بھی رائیگاں نہیں جاتی۔" ماہ نور کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"تیری ہی ادائیں دیکھنے کے لئے تو وہ بلائیں سر چڑھائی ہوئی ہیں ورنہ ان میں رکھا کیا ہے۔ ان سے اچھی تو وہ فقیرنیاں ہیں جو عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر کٹورے لیے کھڑی ہوتی ہیں۔"

ماہ نور اس کے لہجے پر بری طرح چونک پڑی اس نے آنسوؤں کی دھند ہٹا کر پاشا کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔

"حد ہوگئی خود غرضی کی...... یعنی اپنی کسی نفسانی تسکین کے لئے ایک پورے کا پورا زندہ سالم انسان استعمال کرنا پھر اس پر کوئی شرمندگی بھی نہیں۔" ماہ نور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"شرمندگی کس بات کی......؟ حساب کتاب صاف رکھا ہے۔ جو کچھ اس معاشرے میں عورت کو چاہیے وہ سب کچھ نہیں دیا تجھے۔ گھر بار، مقام، حیثیت، دولت، اولاد، کس چیز کی کمی ہے ظالم تیرے پاس...... وہ ادنیٰ عورتیں تو تیرے سر کا صدقہ کھاتی ہیں۔ جوان عورتوں کو میرے قریب پا کر سلگتی ہے تو تجھ پر بدمعاشی کے چھینٹے پڑتے ہیں۔ تجھے کیا پتا انچھوئی ہوئی عورت مرد کا غرور اور غیرت ہوتی ہے۔ مرد کی کل پونجی ہوتی ہے۔ ایسی عورت آگ کے دریا پار کر کے بھی ملے تو حاصل کرتا ہے اور میں نے حاصل کی ورنہ میری ساری دولت بیکار تھی تیرے بغیر۔"

"میں جس راستے پر چل رہا تھا...... اس راستے پر تیرے جیسی عورت ہاتھ نہیں لگتی اور تیرے جیسی عورت کے بغیر مرد کی زندگی کیا......؟" پاشا نے بچے کو آہستہ سے ماہ نور کے پہلو میں لٹا دیا۔

ماہ نور نے گزرے ایک ایک پل کی تھکن سے اپنی ہڈیوں کو چور چور محسوس کیا دکھ کی اس حد پر جیسے آنسو بھی سر گرداں ہو کر راستہ بھولنے لگے۔

"ماہ نور...... اس ملک کے حالات بہت تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں۔ کوئی پھندا میری سمت لہرا رہا تو وہ پھانسی کے پھندے میں بدل جائے گا۔ اس لئے میں ایک ایسے ملک میں جا رہا ہوں جہاں انٹرپول کے ذریعے مجھے یہاں آنے پر مجبور نہ کیا جا سکے۔ ہفتہ دس دن بعد میں یہ سرزمین چھوڑ جاؤں گا۔" ماہ نور نے ہڑبڑا کر پاشا کی سمت دیکھا۔

"میں تمہیں جلدی بلواؤں گا اور تمہیں آنا پڑے گا۔ جن لوگوں نے اب تک بچنے کے لئے مجھے کروڑ پتی بنایا ہے ان

کے شکنجے سے نکل جاؤں گا میں خود اس زندگی کو خدا حافظ کہنا چاہتا ہوں جہاں دولت موت کے پھندے میں ناچتی ہے۔ میرے سر کی قیمت لگی ہوئی ہے مگر میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ تیرے ساتھ اپنے بچوں کے ساتھ لائف انجوائے کرنا چاہتا ہوں حسد و رقابت میں میں نے تجھے بہت ستایا ہے مگر ہر رنگ کی عورت کا تجربہ رکھنے والا مرد جانتا ہے کہ تیرے جیسی عورتیں ہوتی ہیں جو اپنی عصمت بچانے کی خاطر کنوئیں میں کود جاتی ہیں۔

میں صرف چند دن کے لئے اس ملک میں ہوں اس لیے تجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں پھر نہ کہیں مہینوں بعد تجھ سے ملاقات ہوگی۔"

ماہ نور ساکت اس کا حرف حرف سن رہی تھی وہ خاموش ہوا اور خاموشی کا دورانیہ طویل ہوا تو اس نے اپنے حواس مجتمع کیے۔

"مجھے اعتبار نہیں۔ کیا پتا یہ بھی مجھے خون رلانے کی کوئی چال ہو۔" ماہ نور نے صاف کہا اور آنکھیں موند لیں۔

"دل تو بہت چاہ رہا تھا کہ کچھ روز تجھے اور ستاؤں اور آزماؤں مگر شاید قدرت کو تجھ پر ترس آگیا ہے اور اسی لئے میرا برا وقت آگیا ہے۔ میں جلد سے جلد یہ سرزمین چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ اس لئے تجھے اس وقت میرے ساتھ چلنا ہوگا۔" پاشا کا انداز ضدی تھا۔

"اور اگر میں نہ جاؤں۔" ماہ نور کے انداز میں ضد تھی۔

"پھر ماہ نور یہ تمہاری مرضی پھر تمہیں میرے بغیر ساری عمر کاٹنا ہوگی۔ میں پلٹ کر یہاں نہیں آؤں گا۔ ہاں اگر تم میرے ساتھ رہو گی تو تمہارے یہاں آنے پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ میری زندگی میں شاید عورتیں بہت آئیں مگر بیوی نہیں آئے گی۔ بیوی وہ ہوتی ہے جس سے مرد کی مردانگی کو چار چاند لگتے ہیں۔

میں ذرا گھر کی طرف جا رہا ہوں سیر کرنے۔ تم اتنی دیر میں فیصلہ کر لو...... چلنا ہے یا نہیں۔ جرائم کی دنیا دلدل ہوتی ہے یہ اس دلدل میں اترنے کے بعد پتا چلتا ہے۔ میں توبہ بھی کر لوں تو پولیس اسٹیشنوں سے میری تصویریں اور فائلیں فرشتے غائب نہیں کر دیں گے۔ میرے پاس نجات کا ایک راستہ ہے۔ وہ یہ کہ میں ملک چھوڑ دوں۔ ابھی میرے پاس موقع ہے کچھ دنوں بعد یہ بھی نہیں ہوگا۔ میں تمہارے فیصلے کا انتظار باہر گاڑی میں کروں گا۔" پاشا نے سنجیدگی سے کہا اور تیزی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں قمر النساء حواس باختہ سی کمرے میں واپس آئیں۔

"کیا ہوا؟ کیا چلا گیا؟"

"نہیں گئے ہیں گھر کی طرف۔ کہہ رہے ہیں ابھی واپس آ رہا ہوں۔" ماہ نور نے بے تاثر لہجے میں جواب دیا۔

"اکیلا چلا گیا علاقے کے کسی بندے کے ساتھ جاتا۔ اسنانی بتا رہی تھی یہاں تو مقامی لوگ صحرا میں بھٹک جاتے ہیں۔" قمر النساء تشویش سے بولیں۔

"اتنا تو انہیں بھی پتا ہوگا اماں۔" ماہ نور نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"کچھ کہہ رہا تھا؟ کوئی پریشانی والی بات تو نہیں۔" قمر النساء نے فکرمندی سے اس کی صورت دیکھی۔

"نہیں...... کوئی خاص نہیں...... ساتھ چلنے کو کہہ رہے ہیں۔" ماہ نور نے آہستگی سے جواب دیا۔

"دماغ خراب ہے...... ایسی حالت میں تم گھنٹوں بیٹھ کر سفر کیسے کر سکتی ہو؟ اس حال میں بھی نہیں بخشے گا۔" قمر النساء کو غصہ آگیا۔

"ملک سے باہر جا رہے ہیں تھوڑے دنوں میں...... شاید ہمیشہ کے لئے۔" ماہ نور کا انداز بلا کا پرسکون تھا۔

"ہیں......؟" قمر النساء نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ "ہمیشہ کے لئے؟ جب یہ سب کچھ ہی کرنا تھا تو تمہیں

ورنہ کیوں کیا ظالم نے۔" قمر النساء کی آواز میں بلا کا دکھ تھا۔

"مجھے بھی وہیں بلائیں گے بقول ان کے۔" ماہ نور نے گم صم سی کیفیت میں کہا۔

"ارے اس کا کیا بھروسا۔" قمر النساء نے یقین کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ "وہاں جا کر پھر کسی کر بیچے گا تو ہم کیا کر لیں گے۔" قمر النساء تو بہت ہی پریشان ہو رہی تھیں۔

"اماں! ایک بار ان کو یہاں سے جانے دیں...... کیا معلوم پھر بہت انہیں راس آ جائے۔ وہ جو بھوت اور بلائیں انہیں چمٹی ہوئی ہیں کیا معلوم ان سے پیچھا چھوٹ جائے۔" ماہ نور نے کہا تو قمر النساء نے چونک کر ماہ نور کی طرف دیکھا انہیں اس کے اندر ایک تبدیلی سی محسوس ہوئی۔

"میں تو خود چاہتی ہوں ان منحوسوں سے اس کا پیچھا چھوٹ جائے مگر مجھے تو تمہاری فکر ستا رہی ہے نا۔" وہ اسی طرف فکرمندی سے بولیں۔

"مت فکرمند ہوں وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا۔ میں اس کی اماں کا مسئلہ ہوں جس زمین پر اسے پاؤں جما کر کھڑے ہونے کی جگہ ملی ہے۔ میں وہ سنگلاخ زمین ہوں میرے علاوہ اس کے چار سو صرف پانی ہے پانی میں وہ کتنی دیر گزارہ کر سکتا ہے اماں۔" ماہ نور نے بہت مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"جب خود پہ اتنا بھروسا ہے تو کیوں بکاؤ تھیں اس سے۔" قمر النساء نے اصولی سوال کیا۔

"کوئی چڑیل اس کے ساتھ دکھائی دی تو اسی طرح بگڑے گی۔ یہ تو ساری دنیا کو پتا ہے کہ وہ میرا ہے مگر اسے میری تسکین کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ اگر مجھے اس کو چھوڑنا ہوتا تو خلع کا کیس فائل نہ کروا دیتی؟ میں اس کی اماں کا مسئلہ ہوں اماں اور وہ میری عزت کا سوال ہے۔ اماں! اگر اسے چھوڑ دیا تو دنیا میں کہیں اس کے دل جیسی جگہ ٹکنے کو نہیں ملے گی میری حیثیت بھی الو تنہ درباب کے برابر یا شاید ان سے بھی کم ہوگی جو ساکھ مجھے مل گئی ہے۔ اماں! وہ ہاتھ سے نہیں جانے دوں گی۔ ایک عزت دار خاندان کی پارسا لڑکی کی بے رخی نہیں پوچھی ہے۔ خدانخواستہ اگر پاپا کو کچھ ہو جائے اماں کہ وہ ہر وقت خطروں میں گھرا رہتا ہے اور مجھے اس کے بغیر اس دنیا میں بقایا چالیس سال گزارنے کو ملیں تو مجھے اپنی ساکھ کی خاطر چالیس سال اس کی بیوہ بن کر گزارنے ہوں گے۔ کیونکہ اس کے بعد میں کسی کی بیوی نہیں بن سکتی۔ یہ مجھے چھوڑ دے تب بھی میں کسی کی بیوی نہیں بن سکتی۔ لوگ مجھے الو تنہ اور درباب جیسا پسند کریں گے پاشا کی طرح بیوی بنا کر میری ضد اور ہٹ دھرمی نہیں سہیں گے۔ میرے نخرے نہیں اٹھائیں گے۔ اماں! وہ پیٹ کا سوال ہے نہ چھت کا۔ اب تو آخری سانس تک ساکھ کا سوال ہے۔ جس انسان کی ساری متاع لٹ چکی ہو اور پھر بھی اس کے ہاتھ میں کچھ باقی رہ جائے تو وہ اس کی کل پونجی ہوتی ہے۔ آخری سانس تک اس پونجی کی حفاظت کرتا ہے اماں! اسے جانے دیں مت روکیے گا۔" ماہ نور کی آنکھیں بند تھیں اور گوشوں سے قطرے ٹپک رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

چاند! اظہر، ظہیر، مظاہر، اظہار، مظہر اور رابیا! السلام علیکم!

میرے بچوں! اللہ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آپ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں...... زندگی کی دھوپ آپ سے ہٹ کر نعمتیں برسائے آمین۔

میرے بچوں! میں روما نہ آپ سے مخاطب ہوں ماں کہنے کا مجھے حق نہیں۔ ماں آپ کی وہ ہیں جو آپ کے دکھ سکھ آپ کے ساتھ دیکھ رہی ہیں اور آپ کو زندگی کی دھوپ سے بچانے کے لئے اپنا آنچل آسمان کی طرح آپ کے سر پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ مائیں تو جانوروں کی بھی ہوتی ہیں۔ مگر اللہ کی کتاب میں جانور کی ماؤں کے لئے ضابطے اور فضیلتیں طے نہیں ہوئی ہیں عورت

جب ماں بننے کے بعد اپنا کردار ادا کرتی ہے تو اس کے قدموں تلے جنت آتی ہے۔

یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی کے بعد آپ سے معافی کی توفیق بخشی۔ اس دنیا کی چمک دمک اتنی پرفریب ہے کہ پرواز میں کوتاہی کا باعث بنتی ہے اور انسان اپنے اصل سے ہٹ کر درماندہ ہو جاتا ہے۔ میری دنیاوی سزا کیا کم ہے کہ درماندگی کے زخموں پر کھرنڈ آ کر نہیں دے رہا؟ اور میں اپنے جگر کے ٹکڑوں سے دور اور ان کی محبتوں سے محروم ہوں۔ آپ کے اطمینان کو یہ بتانا ضروری خیال کرتی ہوں کہ مجھ پر کوئی ایسی حد نہیں لگی جس کی شرمناک اور عبرتناک سزا سے گزرے بغیر میری روز حشر نجات ممکن نہ ہو۔ میرا ضمیر مطمئن ہے کہ مجھے کسی حد کا مقدمہ دنیا و آخرت میں نہیں کرنا۔ سوچ بھٹکی تھی صرف سوچ کے بھٹکنے کی سزا آج تک کاٹ رہی ہوں۔ اس کے باوجود مجھے تسلیم ہے کہ میرا جرم بہت بھیانک ہے میری اولاد زندہ ماں باپ کے ہوتے ہوئے ان کی شفقت و محبت سے محروم رہی۔ تمہارا باپ ایک غیرت مند انسان تھا (اور شاید ہے) عورت اپنے خاوند کا لباس ہوتی ہے۔ اس کی آبرو و غیرت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد عورت کی لغزش کو کبھی بھلا نہیں پاتا۔ اس لئے کہ عورت کی لغزش کسی مرد کا وہ نقصان ہوتی ہے۔ ایسا نقصان جس کی تلافی ممکن نہیں۔

میں اپنے لائق فائق بچوں سے دوری کی سزا پر راضی ہوں۔ اس لئے کہ جرم کے بعد سزا کے عمل سے نہ گزرا جائے تو پل پل کی موت مقدر بن جاتی ہے جس کی اذیت ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

یہ خط میں صرف اس لئے لکھ رہی ہوں کہ مجھے آپ سب سے معافی مانگنا ہے ایک وقت بچوں پر ایسا آتا ہے کہ ماں باپ کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ خود انحصاری کی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ والدین پر انحصار کرنے والے دور سے گزر چکے ہوتے ہیں۔ ماشاء اللہ آپ سب پر یہ وقت آ چکا ہے۔ میں جس مقام پر ہوں آپ کے لئے اس مقام پر بیٹھی دعائیں کر رہی ہوں۔

میرے بچوں آپ اگر مجھے معاف کرنے کا حوصلہ نہ پائیں یہ کام آپ کی ہمت سے زیادہ محسوس ہو اور آپ سوچیں کہ اصل معافی تو مجھے آپ کے والد سے مانگنا چاہیے۔ حقیقت میں تو میں انہی کی مجرم ہوں تو آپ اللہ کی کتاب میں سورۃ نور کا ترجمہ پڑھ لیجئے گا وہاں بچی توبہ کے عمل سے ہم مجرموں کی نجات کی خوشخبری موجود ہے۔ میری معافی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ مجھے اپنے کاندھوں پر بٹھا کر اپنے گھر لے جائیں اور میری خدمت کریں۔

اس خط کے صرف دو مقاصد ہیں...... اول یہ کہ حقوق العباد میں کوتاہی کی معافی کی طلب گار ہوں...... دوسرا غیرت مند بچوں کو اذیت کے اس احساس سے نجات دلاؤں کہ ان کی ماں نے اللہ کی قائم کردہ کسی حد کی خلاف ورزی......
تمہارے والد کو جیسے ہی میری سوچ میں لغزش کا احساس ہوا انہوں نے مجھے خود سے دور کر دیا۔

ابھی بھی میرے اکاؤنٹ میں اچھی خاصی رقم موجود ہے۔ تمہارے باپ کا دیا ہوا حق مہر کچھ میں نے بیچی ہوئی چوڑیاں اور تمہارے باپ کا دیا ہوا ہیرے کا سیٹ فروخت کیا تھا۔ کچھ رقم پہلے سے میرے اکاؤنٹ میں تھی۔ اس کے باوجود میں اس گھر میں رہتی ہوں جہاں پانی خود بھر کر پڑتا ہے اور لکڑی جلا کر کھانا پکانا پڑتا ہے۔ میں نے ایک ادارے کی پیشکش زندگی کی خاطر اپنی متاع سے ہاتھ دھوئے ہیں۔ اتنی

مشقت کی زندگی ہی مجھے جرم کے احساس سے دور رکھتی ہے۔ مجھے یہ سزا راحت دیتی ہے اور میں دلی سکون سے ہمکنار ہوتی ہوں۔

میں نے آپ لوگوں کے لئے بحیثیت ماں کچھ نہیں کیا۔ اس لیے آپ کی کمائی پر میرا کوئی حق ثابت نہیں۔ یہ جمع پونجی جو

کی خواہش میں سنبھال رکھی ہے ترجیح محرم کے بغیر نہیں ہوتا میرے پاس محرم تھا۔ جس میں بھی مجھے معاف کرنے کا حوصلہ ہو۔ اوج پر مجھے لے جائے۔ نہ ہمت ہو نہ اصرار نہیں..... اللہ کی مرضی اور میرا نصیب۔

اماں سے کہیے گا آپ کا ایک بیٹا کا اکلوتا تھا۔ سزا کے طور پر چھ ہونہار بیٹوں سے محروم ہوں۔ اگر وہ سمجھتی ہیں کہ یہ سزا میرے لیے بہت ہے تو مجھے معاف کر دیں۔

کبھی کبھی مظاہر کی صورت دیکھنے کو جی، آواز سننے کو جی۔ اپنے مالک پر رو رو کر بار بار آتا رہا حد شکر ادا نہیں۔ یہ اسباب و علل کی دنیا ہے۔ سزا جزا کی دنیا ہے جو اس کے لیے کردار ادا کرتے ہیں سب آخر میں اس نے اپنا آپ منواتا ہے۔ اپنی موجودگی ثابت کرتا ہے۔ اپنے جمال کی مداح سرائی سننا اس کا حق ہے۔

پڑا ہے میں بے اشتیاق تو جلوہ نمائی کا ہے۔ یہ اشتیاق اس پر چھا جانے کا دکھ کیوں نہ ہے کوئی اس سا اور اب بھی تو نہیں۔

میرے بچوں میں اعمال کی رہنمائی آپ کے ہمراہ ہیں۔

یہ کبھی آپ سے فاصلہ نہیں کریں گی۔ ان شاء اللہ

عاجز اسمائی کی طلب گار روزانہ (عائشہ)

مظاہر نے دانتوں سے ہونٹ دبائے ہوئے تھے۔ کوئی پہاڑ سا کوئی آسمان سا ان پر ٹوٹا تھا۔

خط میں سات مخاطب تھے مگر لفافے پر صرف مظاہر کا نام تھا۔ اسی لیے اظہار نے وہ لفافہ ان کی ڈاک کے ہمراہ ان کی ٹیبل پر رکھ چھوڑا تھا۔

مظاہر نے یہ خط ایک مرتبہ نہیں اس مرتبہ پڑھ ڈالا تھا وہ گیارہ بجے اپنی ڈاک لے کر ٹیبل پر بیٹھے تھے اور اس وقت ساڑھے تین بج رہے تھے صبح کاذب کے آثار واضح تھے۔

استانی حافظہ، لائق عالم فاضل عورت ان کی ماں، ان کے حواس جیسے منتشر سے ہوتے جا رہے تھے۔ عجیب سی بے چینی کی کیفیت سے دوچار تھے۔ اٹھ کر ٹہلنے لگتے پھر آ کر کرسی پر بیٹھ جاتے اور خط پر نظر ڈالنے لگتے۔

پھر انہوں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ خط لفافے میں رکھا اور نیچے لاؤنج میں چلے آئے۔ جہاں بڑی اماں بڑی گہری نیند سو رہی تھیں۔ دیوار کی جانب کروٹ لی ہوئی تھی۔

مظاہر نے لفافہ بہت احتیاط سے ان کے تکیے کے نیچے اس طرح رکھا کہ وہ آدھا تکیے کے نیچے اور آدھا باہر نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے ایک نظر سوئی ہوئی بڑی اماں کے چہرے پر ڈالی اور چھت پر چلے آئے آنکھوں میں نیند کا نام و نشان نہ تھا پھر بھی ذہن کہیں تصوراتی جہاں کی سیر کر رہا تھا۔

چھت کی ایک منڈیر پر ہاتھ دھرے وہ نور نیچے جھانک رہی تھی اور دوسری منڈیر پر سے ان کی ماں ادھوری نشانیاں دکھا رہی تھیں۔

باپ نے دو چار بچے لگا کر عورت گھر میں رکھ لی ہوتی تو کہانی مختصر ہو سکتی تھی۔
گھر کے لڑکوں نے اشتعال کے خبط سے باہر آ کر آس پاس دیکھنے کی کوشش کی ہوتی تو شاید کسی پاشا کو مہلت نہ ملتی۔
بڑے دل کی کمی سے انیا میں..... چھوٹا سے تنگ گلیاں بن جاتے ہیں اور تنگ گلیاں بند گلیاں۔
اس ورق سے تو وقتی موت اچھی ہے جو اس دنیا میں آدم کی اولاد کی آزمائش کا دورانیہ مختصر کر دے جو فطرت کی آواز پر کان دھرنے کے بجائے فطرت سے متصادم رہتی ہے پھر اپنی موت تک اشک ندامت پونچھنے کے لیے دامن تلاش کرتی رہتی ہے۔
مظاہر نے آسمان کی وسعتوں پر نظریں جما دیں اور دل پر گرتے آنسوؤں کے قطروں کی ٹپ ٹپ سننے لگے۔

❋